عمدۃ المتکلمین زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حجۃ الاسلام امام
ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ
کی تحقیق انیق اور علوم معارف کے بے بہا خزانہ
کیمیائے سعادت اردو
مولانا مولوی خطیب اعظم
عالیجناب محمد سعید نقشبندی رحمۃ اللہ
خطیب مسجد داتا گنج بخش۔ لاہور
پروگریسو بکس

تفقہ فی الدین
دین میں خوب سمجھ بوجھ پیدا کرو
پروگریسو بکس
۴۰ بی اردو بازار، لاہور
7352795

کیمیائے سعادت اردو

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب کا سلیس و دلکش ترجمہ

اثر خامہ مولانا مولوی خطیب اعظم عالیجناب محمد سعید نقشبندی رحمۃ اللہ

خطیب مسجد داتا گنج بخش۔ لاہور

پروگریسو بکس

اُردو

کیمیائے سعادت

حجۃ الاسلام امام محمدؐ غزالیؒ کی شہرۂ آفاق
کتاب کا سلیس و دلکش ترجمہ

اثر خامہ مولانا مولوی خطیب اعظم عالیجناب محمدؐ سعید نقشبندی
خطیب مسجد داتا گنج بخش۔ لاہور

*

پروگریسو بکس
۴۰۔ بی، اُردو بازار، لاہور
فون: ۷۳۵۲۷۹۵

نام کتاب	....	کیمیائے سعادت
مصنف	....	حجتہ الاسلام امام غزالیؒ
مترجم	....	مولانا محمد سعید احمد نقشبندی
تعداد	....	۱۱۰۰ تعداد
اشاعت اوّل	....	جون ۱۹۹۹ء
کمپوزنگ	....	محمد حفیظ ملک
		فراز کمپوزنگ سنٹر' اردو بازار' لاہور فون : ۷۳۵۲۳۳۲
پرنٹرز	....	حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز
باہتمام	....	چوہدری غلام رسول
		میاں جواد رسول
قیمت	....	-/۲۸۰ روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز ۔ فیصل مسجد' اسلام آباد فون: 2254111

اسلام بک ڈپو ۔ دوکان نمبر 12 گنج بخش روڈ' لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

عرضِ ناشر

قارئین کرام!

آپ کا یہ ادارہ جو پروگریسو بکس لاہور کے نام سے آپ حضرات کے تعاون سے بفضلہ تعالیٰ مذہبی اور اخلاقی کتب کی اشاعت میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے، ۲۵، ۲۶ سال سے گراں قدر خدمات سرانجام دینے میں مشغول ہے اور بفضلہ تعالیٰ اس ادارے نے اس مدت میں صالح اور پاکیزہ ادب پیش کرنے میں جو گرانقدر مساعی انجام دی ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

آپ کی توجہ اور معاونت سے اسلامیات کے متعدد شعبوں مثلاً تاریخ اسلام، سیرت النبی ﷺ تاریخ تصوف، تذکرہ صوفیائے کرام، ملفوظات و مکتوبات گرامی پر جو بیش قیمت اور گراں مایہ کتابیں ہم نے پیش کی ہیں وہ آپ سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں اور الحمد للہ کہ قارئین کی پسند و طلب کے باعث ہم ان کتب کے متعدد ایڈیشن شائع کر رہے ہیں، ان مطبوعات میں اصل متن بھی شامل ہیں اور مشہور زمانہ کتب کے تراجم بھی۔

غنیۃ الطالبین، عوارف المعارف، نفحات الانس جامیؒ کے تراجم آپ سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، ارشادات رسول اکرم ﷺ (مجموعہ احادیث نبوی ﷺ) تاریخ اسلام کے اصل متون، آپ سے پسندیدگی کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہِ من یّشاء

تصوف و اخلاق کی کتابوں میں احیاء العلوم کے بعد کیمیائے سعادت بہت ہی بلند پایہ اور مشہور کتاب ہے، قارئین کرام کی فرمائش تھی کہ تصوف کی دوسری مشہور زمانہ کتب کے تراجم کی طرح کیمیائے سعادت کا ترجمہ بھی ہم شائع کریں۔ ہم نے والا مرتبت واقف رموز معرفت و طریقت عالیجناب مولانا محمد سعید صاحب نقشبندیؒ (خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش، لاہور) سے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات گرامی کے ایک کامیاب مترجم تھے آپ کے برخوردار سے آپ کی کتب کی اجازت لی ہے آپ نے ہماری گزارش کو قبول فرمالیا ہے اور یہ کتب مارکیٹ میں لائے ہیں اور امید ہے کہ آپ حوصلہ آفزائی فرماتے رہیں گے بہر حال ہم مسرور ہیں کہ تاخیر سہی لیکن صاحب موصوف کے قلم سے اس ترجمہ کا تکملہ ہوا اور نابغۂ دوران امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی مفصل سوانح حیات اور آپ کی تصانیف پر تبصرہ بھی آپ نے سپرد قلم فرمایا تھا جس کے لیے ہم آپ کے ممنوع ہیں۔

امید ہے کہ قارئین کرام ہماری اس کوشش کو بھی پسند فرمائیں گے اور اپنی پسندیدگی اور حسب سابق تعاون سے ہمارا حوصلہ بڑھائیں گے۔ والسلام

آپ کے تعاون کے خواستگار

چوہدری غلام رسول، میاں جواد رسول

پروگریسو بکس، لاہور

فہرست مضامین کتاب مستطاب کیمیائے سعادت اردو

ختم شُد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مصنف کتاب حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے مختصر حالات

نام: اسم گرامی محمد، ابو حامد کنیت، غزالی عرف اور زین العابدین و حجتہ الاسلام لقب ہے ابو علی فضل بن محمد بن علی الشیخ الزاہد الغارمدی المتوفی ۴۷۷ھ کے مرید ہیں۔

ولادت: آپ ۴۵۰ھ میں خراسان کے ضلع طوس کے شہر طاہران میں پیدا ہوئے۔

غزالی عرف کی وجہ: آپ کے والد ماجد قدس سرہ دھاگے کی تجارت کرتے تھے۔ اس مناسبت سے آپ کا خاندان غزالی کہلاتا تھا۔ عربی میں غزل کے معنی سوت کاتنے کے ہیں۔ خوارزم اور جرجان وغیرہ میں نسبت کا یہی طریقہ مروج ہے۔ جیسے عطار کو عطاری اور قصار کو قصاری کہتے ہیں۔

تحصیل علم: وفات کے وقت آپ کے والد ماجد نے آپ کو اور آپ کے چھوٹے بھائی احمد غزالی کو تعلیم کی غرض سے اپنے ایک دوست کے سپرد کیا۔ چنانچہ آپ نے فقہ کی ابتدائی کتابیں اپنے شہر کے ایک عالم احمد بن محمد راذکانی سے ہی پڑھیں اس کے بعد آپ جرجان چلے گئے اور وہاں امام ابو نصر اسماعیلی کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم شروع کی۔ یہاں آپ کی استعداد علمی اس حد تک پہنچ گئی کہ معمولی علماء آپ کی تسلی و تشفی نہیں کر سکتے۔ تھے۔ اس لیے امام صاحب جرجان سے علم و فن کے عظیم مرکز نیشاپور تشریف لے گئے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اسلامی مدارس کے سرتاج مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں داخلہ لیا۔ اور ضیاء الدین عبد الملک معروف بہ امام الحرمینؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ جو اس وقت اس مدرسہ کے مدرس اعظم تھے۔ امام صاحب نے امام الحرمین کے زیر عاطفت نہایت جدوجہد سے علم کی تحصیل شروع کی اور تھوڑی ہی مدت میں فارغ التحصیل ہو کر تمام اقران اور ہم عصر لوگوں سے سبقت لے گئے اور بالآخر آپ کو وہ رتبہ حاصل ہوا جو امام

الحرمین کو بھی نصیب نہ ہوا تھا اور اپنے عظیم علمی مقام کی بناء پر امام الحرمین کے زمانے ہی میں نظامیہ نیشاپور کے نائب مدرس مقرر ہوئے۔ امام الحرمین رحمتہ اللہ نے ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔ پھر ذیقعدہ ۴۹۹ھ میں امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں مدرس اعظم کی حیثیت سے مسند درس کو زینت عطا کی۔

اس زمانے میں نظامیہ نیشاپور کے علاوہ دوسرا عظیم علمی مرکز نظامیہ بغداد تھا۔ نظامیہ بغداد تمام دنیا میں مسلمانوں کے علوم وفنون کا مرکز تسلیم کیا جاتا تھا۔ دور دراز ممالک سے لوگ تکمیل علم کی خاطر وہاں جاتے تھے۔ اس بناء پر ارکان سلطنت ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ اس کی علمی حیثیت میں فرق نہ آئے۔ جو حضرات نظامیہ بغداد میں تعلیم و تدریس کے لیے مقرر تھے۔ ان کا معیار تعلیم وہ نہیں تھا جو اس مدرسے کے لیے ہونا چاہیے تھا۔ خلیفہ بغداد کو خود بھی اس کا بہت خیال تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے امام صاحب کو بغداد میں درس و تدریس کے لیے طلب کیا گیا۔ لیکن امام صاحب نے متعدد وجوہات پیش کر کے معذرت کی اور آنے سے انکار کر دیا۔

باطنی علم کی تحصیل : امام صاحب کی ایک تصنیف کے مطابق آپ کی طبیعت ہمیشہ تحقیقات کی طرف مائل رہتی تھی۔ عظیم تبحر علمی اور عرصہ دراز سے مشغلہ درس و تدریس کے باوجود دل سکون و اطمینان سے خالی تھا۔ سکونِ قلب کی تلاش میں مختلف مذہبی فرقوں کے عقائد کا مطالعہ کیا۔ علم کلام اور فلسفہ کی کتابوں کو کھنگالا لیکن مشکل حل نہ ہوئی۔

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب
روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

آخر تصوف و سلوک کی طرف توجہ کی۔

اے پناہ من حریم کوئے تو   من بامیدے رمیدم سوئے تو
آہ زاں دردے کہ در جان و تن است   گوشہ چشم تو داروے من است

تیشہ ام را تیز تر گرداں کہ من
محنتے دارم فزوں از کوہکن

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی، حضرت شیخ شبلی، سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہم کے ارشادات دیکھئے۔ ابو طالب، مکی، حارث محاسبی وغیرہم کی تصنیفات پڑھیں۔ تو معلوم ہوا کہ سلوک و تصوف دراصل عملی چیز ہے۔ محض علم سے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور عمل کے لیے زہد و ریاضت، مجاہدہ اور تزکیہ نفس درکار ہے۔ آپ کو یہ خیال رجب ۴۸۸ھ میں پیدا ہوا۔ لیکن چھ ماہ لیت و لعل میں گزر گئے نفس کسی طرح گوارا نہیں کرتا تھا کہ ایسی بڑی عظمت و جاہ سے دست بردار ہو جائے۔ تاہم طلب صادق میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ طبیعت دنیا کے مشاغل سے اچاٹ ہو گئی۔ زبان رک گئی۔ درس و تدریس کا سلسلہ بند ہو گیا۔ رفتہ رفتہ صحت بھی متاثر ہونا شروع ہو گئی۔ بالآخر آپ سفر کے

لیے نکل کھڑے ہوئے- عجیب ذوق ووارفتگی کا عالم تھا- پر تکلف اور قیمتی لباس کی جائے بدن پر صرف کمبل تھا- اور لذیذ غذاؤں کی جگہ اب ساگ پات پر گزاران تھی- اسی ذوق ووارفتگی کے عالم میں آپ نے شام کارخ کیا- دمشق پہنچے اور پورے انہماک سے ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے- آخر کار تائید ایزدی نے نصرت ور ہنمائی فرمائی اور آپ وقت کے کامل مکمل بزرگ جناب ابو علی فضل بن محمد فارمدی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ گئے-

امام صاحب کے پیرومرشد : ابو علی فضل بن محمد بن علی الشیخ الزاہد الفارمدی- فارمد علاقہ طوس میں ایک بستی کا نام ہے- اسی کی طرف نسبت سے آپ فارمدی کہلاتے ہیں- آپ ۴۰۷ھ میں پیدا ہوئے- آپ شافعی مذہب کے زبردست عالم مذاہب سلف سے واقف اور بعد میں آنے والوں کے طریقہ سے باخبر تھے- تصوف آپ کا فن تھا- اسی میں نشوونما پائی اور عمر بھر اسی سے مانوس ومالوف رہے-

شیخ ابو علی فارمدی قدس سرہ، نے غزالی کبیر، ابو عثمان صابونی متوفی ۴۴۹ھ وغیر ہما سے فقہ کی تعلیم حاصل کی- ابو منصور التمیمی، ابو حامد الغزالی الکبیر، ابو عبدالرحمٰن الجھنی اور ابو عثمان الصابونی وغیر ہم سے حدیث سنی ان سے عبدالغافر فارسی- عبداللہ بن الخرگوشی- عبداللہ بن محمد الکوفی وغیر ہم نے حدیث سنی- آپ بے حد مرتاض تھے- سالہاسال ذکر و فکر میں گزار دیئے- مجاہدہ کرتے کرتے لوامع الانوار آپ پر منکشف ہو گئے-

آپ امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری متوفی ۴۶۵ھ، ابو الحسن علی بن احمد الخرقانی التوفی ۴۲۵ھ اور شیخ ابو القاسم علی گرگانی قدس سرہم سے فیض اور تربیت یافتہ ہیں- نیز آپ کو شیخ ابو سعید ابو الخیر مہینی کی زیارت اور نظر عنایت بھی نصیب ہوئی ہے-

نور فراست : حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ نفحات الانس کے صفحہ ۲۵۴ پر شیخ ابو علی فارمدی کی شیخ ابو سعید ابو الخیر علیہ الرحمتہ سے ملاقات کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> "میں ابتدائے جوانی میں نیشاپور میں تحصیل علم میں مشغول تھا- مجھے پتہ چلا کہ شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہ، نیشاپور تشریف لائے ہوئے ہیں اور (وعظ وارشاد اور سماع کی) مجلس منعقد کرتے ہیں- میں نے زیارت کی نیت سے آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا- حاضر خدمت ہوا تو آپ کے چہرہ پر جمال پر نگاہ پڑتے ہی میں آپ کا عاشق ہو گیا اور میرے دل میں اس گروہ اولیاء اللہ کی محبت اور زیادہ بڑھ گئی- ایک دن میں مدرسہ میں اپنے کمرے کے اندر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک میرے دل میں شیخ ابو سعید کی زیارت کا شوق پیدا ہوا- وہ وقت شیخ کے گھر سے باہر آنے کا نہیں تھا- میں نے چاہا کہ صبر کروں، لیکن صبر نہ کر سکا اور اپنے کمرے سے نکل کر آپ کی طرف چل پڑا- کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت

چار سو مریدین و متعلقین کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں- میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا- حضرت شیخ بے خودی کی حالت میں ایک جگہ پہنچے- مریدین بھی آپ کے ساتھ- میں بھی ایک کونے میں اس طرح بیٹھ گیا کہ شیخ کی نگاہ مجھ پر نہیں پڑ سکتی تھی- مجلس سماع گرم ہوئی- شیخ پر سرور و کیف اور وجد و مستی کی کیفیت طاری ہو گئی اور شیخ نے اپنی قمیص پھاڑ دی- مجلس کے اختتام پر شیخ نے اپنا پھٹا ہوا کرتہ اتارا- اس کے مزید ٹکڑے کیئے گئے اور شیخ نے اپنے دست اقدس سے اس کی آستین کے ٹکڑوں سے جدا کر کے رکھی اور آواز دی "اے ابو علی طوسی تو کہاں ہے" میں نے کوئی جواب نہ دیا اور خیال کیا کہ شیخ نے نہ مجھے دیکھا ہے اور نہ مجھے جانتے ہیں- آپ کے مریدوں میں سے کوئی اور ابو علی طوسی ہو گا- جسے آپ نے آواز دی ہے- اتنے میں شیخ نے پھر آواز دی- میں نے پھر کوئی جواب نہ دیا- تیسری بار حضرت شیخ نے آواز دی تو حاضرین نے کہا کہ شیخ قدس سرہٗ نے تریز اور آستین مجھے عطا کی اور فرمایا- یہ تجھے دیتا ہوں- میں نے آپ کے اس تبرک کو بڑے ادب و احترام سے اپنے پاس رکھا- نفحات الانس کے اصل الفاظ یہ ہیں-

شیخ آں تریز و آستین بمن داد و گفت این ترا باشد- تریز آن جامہ را بستدم و خدمت کردم و جائے عزیز نہادم-[۱]

شیخ نے وہ تریز و آستین مجھے عطا کی اور فرمایا یہ تجھے دیتا ہوں- میں نے لے کر بڑے ادب و احترام سے اپنے پاس رکھا-

شیخ ابو سعید الفضل ابن احمد بن محمد المعروف بہ ابی الخیر میہنی خابر ان کے ضلع میں سرخس کے قریب بستی میہنہ میں محرم ۳۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور شعبان ۴۴۰ھ میں یہیں رحلت فرمائی-

ابو الحسن خرقانی: یہ بھی وہ عظیم المرتبت بزرگ ہیں جن سے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے پیر و مرشد ابو علی فارمدی علیہ الرحمتہ اللہ علیہ نے فیض حاصل کیا- آپ کا پورا نام ابو الحسن علی بن جعفر خرقانی ہے- آپ یگانہ روزگار اور غوث وقت تھے- حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ کے مرید ہیں- حالانکہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ ان سے کافی مدت پہلے وصال کر گئے تھے-

قطب العارفین حضرت داتا گنج بخش غزنوی ثم لاہوری رحمتہ اللہ علیہ ان کی شان میں فرماتے ہیں :

۱- بزرگان دین کے تبرکات کی تضحیک کرنے والے حضرات غور فرمائیں-

شرف اہل زمانہ واندر زمانۂ خود یگانہ ابوالحسن علی بن احمد الخرقانی رضی اللہ عنہ از اجلہ مشائخ بود و قدماء ایشاں و اندر وقت خود ممدوح ہمہ اولیاء بود شیخ ابوسعید قصد زیارت وے کرد............واز استاد ابوالقاسم قشیری شنیدم رحمتہ اللہ کہ گفت چوں من بولایت خوقان اندر آدم فصاحتم پرشد- وعبارتم نہ ماند از حشمت آں پیر- و پنداشتم کہ ازولایت خود معزول شدم-

کشف المحجوب مطبوعہ سمرقند ص ۲۰۵

اہل زمانہ کے شرف و عزت اور اپنے وقت میں یگانہ ابوالحسن علی بن احمد الخرقانی رضی اللہ عنہ جلیل القدر اور قدیم مشائخ سے تھے اور اپنے وقت کے تمام اولیاء کے ممدوح- شیخ ابوسعید نے ان کی زیارت کا ارادہ کیا............ اور میں (داتا گنج بخش) نے استاذ ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ جب میں علاقہ خرقان میں گیا تو میری فصاحت و بلاغت کافور ہوگئی اور اس صاحب رعب پیر کی ہیبت سے بولنے کی قوت سلب ہوگئی اور مجھے یوں گمان ہونے لگا کہ میں ولایت سے معزول کر دیا گیا ہوں-

امام ابوالقاسم گرگانی : حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری ثم لاہوری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

قطب زمانہ واندر زمانۂ خود یگانہ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی رضی اللہ عنہ وارضاہ ومتعنا والمسلمین ببقاۂ اندر وقت خود بے نظیر بود واندر زمانہ بے بدیل- وی را ابتداء سخت نیکو و قوی بودہ است- واسفارے سخت بشرط- واندران وقت روی دل ہمہ اہل درگاہ بدو بود واعتماد جملہ طالبان بدو- واندر کشف واقعہ مریدان آیتے بودہ است ظاہر وبفنون علم، عالم- واز مریدان وی ہر یکے عالمے راز نیتی اند- واز پس او مر اورا خلفی [1] نیکو ماند- انشاء اللہ تعالیٰ کہ مقتدائے قوم باشد- و آن لسان الوقت بود-

ابو علی الفضل بن محمد الفارمدی ابقاہ اللہ-

قطب زمانہ اور اپنے وقت کے یگانہ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اور مسلمانوں کو ان کی زندگی اور بقاء سے متمتع فرمائے- اپنے وقت میں بے نظیر اور اپنے زمانہ میں بے بدل شخصیت تھے ان کی ابتداء نہایت اچھی اور مضبوط ہے- آپ نے شرائط و آداب صوفیہ کے مطابق بڑے کٹھن سفر کیے- آپ کے وقت میں تمام اہل اللہ کے دل آپ کی طرف اور تمام طالبان حق کا اعتماد آپ پر تھا- آپ مریدین کے واقعات کشف سے معلوم کر لینے میں خدا تعالیٰ کا ظاہر نشان اور ہر قسم کے علوم کے عالم تھے اور آپ کے بعد آپ کا اچھا جانشین [illegible] شاء اللہ موجود رہے گا- جو قوم کا پیشوا ہوگا اور وہ [illegible] وقت (آپ کے داماد) ابو علی الفضل بن محمد الفارمدی کی ذ[illegible] ہے- اللہ اسے تادیر باقی رکھے-

---

[1] جناب عبدالرحمن طارق بی-اے نے اپنے ترجمہ کشف المحجوب میں جو مدنی کتب خانہ لاہور نے شائع کیا ہے- خلیفہ کے معنی لڑکا کے ہیں- چنانچہ طارق صاحب لکھتے ہیں- "آپ کی وفات کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا لڑکا بہت قابل، راست باز اور صاحب باطن ہوگا- اور اپنے وقت میں پیشوائے قوم ہوگا- یعنی ابو علی الفضل بن محمد فارمدی- مگر صحیح یہ ہے کہ ابو علی فارمدی آپ کے داماد ہیں لڑکے نہیں- جیسا کہ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کی تصریح کی ہے-" مترجم غفرلہ-

حضرت مولانا جامی نفحات الانس میں فرماتے ہیں :

"میں یعنی ابو علی فارمدی ایک مدت تک استاذ امام (قشیری) کی خدمت میں ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہا- ایک دن مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ میں اس میں گم ہو گیا- میں نے یہ واقعہ استاد امام (قشیری) سے بیان کیا- انہوں نے سن کر فرمایا میری روحانی پرواز یہیں تک ہے- میں اس سے آگے نہیں جانتا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مجھے کسی اور شیخ کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیے- جو اس سے آگے میری رہنمائی کرے- میں نے شیخ ابو القاسم گرگانی کا نام سنا ہوا تھا- اکتساب فیض کے لیے میں طوس چلا گیا اور سلوک و طریقت کے باقی مقامات آپ کے پاس رہ کر طے کئے-

(ملخص)

امام ابو القاسم قشیری : الامام الاستاذ زین الاسلام عبدالکریم بن ہوازن الاستوائی النیشاپوری الشافعی المحدث الصوفی- آپ ماہ ربیع الاول شریف میں ۳۷۶ھ میں بمقام استواء پیدا ہوئے- اور ۱۶ ربیع الآخر بروز اتوار طلوع آفتاب سے قبل ۴۶۵ھ میں وصال فرمایا- اس وقت آپ کی عمر بانوے سال تھی- اپنے پیر و مرشد شیخ ابو علی دقاق المتوفی ۴۰۶ھ کے پہلو میں دفن کئے گئے- ناقلین کا بیان ہے کہ سخت علالت کے باوجود تمام نمازیں کھڑے ہو کر پڑھتے رہے- قشیری نسبت، قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کی طرف ہے-

امام قشیری کی کرامت : سلطان طغرل بک کے عہد حکومت میں سلطان وزیر ابو نصر منصور بن محمد الکندری المتوفی ۴۵۰ھ معتزلی رافضی اور نہایت بد عقیدہ شخص تھا- اس کا عقیدہ تھا کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے- صحابہ کرام بالعموم اور سیدنا حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کو گالیاں دینا اس کا شعار تھا- اس شخص نے علماء و مشائخ اہل سنت پر مختلف بے بنیاد الزامات لگا کر ذلیل و خوار کرنا شروع کیا- امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ کے اپنے قول کے مطابق اس فتنے کی ابتداء ۴۴۵ھ میں ہوئی اور دس سال متواتر جاری رہا- یہ فتنہ اس قدر شدید تھا کہ صرف چار سو حنفی اور شافعی قاضی تنگ آ کر اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے- امام قشیری حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو سب لوگوں نے اصرار کیا کہ استاد ابو القاسم قشیری ممبر پر رونق افروز ہو کر کچھ فرمائیں- لوگوں کے اصرار پر آپ ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور کچھ دیر تک آسمان کی طرف نگاہ کر کے دیکھتے رہے پھر دیر تک سر جھکائے رہے اس کے بعد اپنی داڑھی پکڑ کر فرمانے لگے :

خراسان کے رہنے والو! اپنے اپنے ملکوں کو چلے جاؤ- تمہارے دشمن کندری کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے میں اس کے ٹکڑے ہونے کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں- پھر یہ اشعار پڑھے ؎

عمید الملک ساعدک اللیالی علی ماشئت من درک المعالی
فلم یک منک شئی غیرام بلعن المسلمین علی التوالی

فقا بدک البلاء بما تلاقے فذق ما تستحق من الوبال[۱]

لوگوں نے اس تاریخ اور دن کو ذہن میں رکھا- تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہی دن اور وہی گھڑی تھی جس میں سلطان نے کندری کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور مختلف شہروں میں اس کے اعضاء منتظر کرنے کا حکم دیا تھا اور آپ کی یہ غیبی خبر بالکل صحیح اور درست نکلی-

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ نے امام قشیری کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے :

استاد امام و زین الاسلام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رضی اللہ عنہ اندر زمانہ خود بدیع بود و قدرش رفیع بود و منزلتش بذرگ بود

استاد امام زین الاسلام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری رضی اللہ نے اپنے زمانہ میں نہایت عمدہ شخصیت تھے- آپ کی شان بڑی بلند اور آپ عظیم المرتبت بزرگ تھے-

غرض حضرت ابو علی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ ان جلیل القدر ائمہ اور مشائخ کے تربیت یافتہ تھے- ظاہری باطنی علوم میں ان مشائخ کی رفعت شان سے بخوبی یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ ان سے اکتساب فیض کرنے والے بزرگ ابو علی فارمدی کس پایہ کی شخصیت تھے اور باطنی علوم کے کس ارفع مقام پر فائز تھے-

بیعت : حضرت امام غزالی علیہ الرحمتہ کو اسی بلند پایہ شخصیت سے طریق میں بیعت کا شرف حاصل ہوا اور انہی کی نظرِ کیمیا اثر سے تصوف و سلوک کے ارفع ترین مقامات و منازل طے کئے اور اطمینان قلب کی وہ دولت جو حکمت فلسفہ اور کلام کی کتابوں کے انبار میں تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی- مرشد کی چند روزہ صحبت میں حاصل ہو گئی اور آپ کے باطن سے غیر حق کے تمام نقوش مٹا کر آپ کی لوح قلب کو صاف و مجلی کر دیا-

لوح دل از نقش غیر اللہ شُست
از کفِ خاکش دو صد ہنگامہ رُست

بارگاہ رسالت میں قبولیت : مرشد حقانی کی تلقین و تربیت سے جب امام غزالی علیہ الرحمتہ - درستی کردار، خدا ترسی اور خدا شناسی دیانت، و امانت، زہد و تقویٰ، تسلیم و رضا جیسی بندگان خدا کی صفات سے آراستہ اور گرانمایہ فضائل اخلاق سے بہرہ ور ہو گئے - تو اس کے صلے میں آپ کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں خصوصی قرب و قبولیت کا مقام حاصل ہوا- چنانچہ مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے تذکرے میں فرماتے ہیں :

ایک خدا رسیدہ بزرگ بیت اللہ شریف کے ایک گوشے میں مراقبے کی حالت میں تشریف فرما تھے

---

[۱] اے عمید الملک بلند مراتب حاصل کرنے میں زمانہ نے تیری مدد کی مگر تیری طرف سے یہی ظاہر ہوا کہ تو برابر مسلمانوں کو لعنت کرنے کا حکم دیتا ہے - انجام کار تجھ پر وہ مصیبت نازل ہو گئی جس کا تو مستحق تھا تو اب اپنے انجام بد کا مزا چکھ-

آنکھ بند تھیں دل یاد الٰہی میں مشغول تھا- جب اس کیف و سرور سے عالم سلوک میں آئے اور آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ قریب سے ایک شخص گزرا اور صحن حرم میں ایک طرف کو بغل سے مصلیٰ نکال کر بچھایا جیب سے ایک تختی نکالی اور اس کو سجدہ گاہ بنایا- دیر تک نماز پڑھی فارغ ہونے کے بعد تختی کو ہاتھ میں لیا اور بڑے احترام سے تختی کی دونوں جانب کو اپنے بدن سے ملا اور تضرع وزاری میں محو ہو گیا- اس کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھایا اور اس تختی کو چوما اور بدستور جیب میں رکھ لی-

خدارسیدہ بزرگ غور سے نماز کے حرکات و سکنات دیکھتے رہے اور ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہو گئی- اس عالم میں بزرگ موصوف کے قلب پر کچھ اس طرح کے خطرات کا عکس پڑا "کاش رسول ﷺ آج ہم میں رونق افروز ہوتے تو ان اہل بدعات کو اس قسم کے افعال شنیعہ سے منع فرماتے-" بزرگ موصوف انہی خیالات میں تھے کہ آپ پر غنودگی طاری ہو گئی نیم خوابی اور نیم بیداری کی حالت میں مقدر کا ستارہ چمکا نصیب جاگا- خود کو ایک وسیع میدان میں جہاں مخلوق کا بے اندازہ ہجوم تھا' پایا یہ سارا میدان تجلیات الٰہیہ سے بیت المعمور کا نقشہ پیش کر رہا تھا- آسمان سے زمین تک رحمت و انوار نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا- نسیم جنت کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے آرہے تھے- یوں معلوم ہوتا تھا کہ عطر پاشی میں مصروف ہیں- دماغ بہشت بریں کی خوشبو سے معطر ہوا جاتا تھا- اس ہجوم کے متعلق ایسا گمان ہوتا تھا کہ تمام دنیا کے اہل علم و کمال کا اجتماع ہے- ہر شخص کے ہاتھ میں رومال اور کتابیں ہیں- جوق در جوق کتابیں ہاتھ میں لیے ایک جانب کو چلے جارہے ہیں- حد نگاہ پر ایک عالیشان نورانی خیمہ نصب ہے- جس کے اندر مقدس و متبرک اصحاب بڑے ادب واحترام سے کھڑے ہیں-

یہ بزرگ خواب یا بیداری کی حالت میں اس طرف روانہ ہوئے- دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ تخت نبوت پر حضور سید المرسلین خاتم النبیین محبوب رب العالمین ﷺ جلوہ افروز ہیں- عام دربار لگا ہوا ہے- مجتہدین اور علماء کرام کو باریابی کے شرف سے مشرف کیا جارہا ہے- اہل علم حضرات نورانی قبائیں زیب تن کیے- سروں پر پُر نور عمامے باندھے- نگاہیں جھکائے بڑے ادب و تعظیم سے حاضری کی تمنا دل میں لیے قطار در قطار منتظر کھڑے ہیں- خیمہ اقدس کے دربان آگے بڑھے نہایت خاموشی کے ساتھ ایک ایک بزرگ کو (جن کی مقدس و نورانی صورت سے علمی وقار نمایاں تھا- جن کے صاف و شفاف عمامہ کی سج دھج سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و فضل' فقہ و حدیث تفسیر و حکمت غرض تمام ظاہری و باطنی علوم سمٹ کر ان کی دستار کے آنچل میں جذب ہو گئے ہیں) لے کر خیمہ میں داخل ہوئے- حاضر ہونے والے بزرگ ادب و احترام سے السلام علیک یا رسول اللہ عرض کرتے ہیں- حضور کی طرف سے جواب ارشاد ہوتا ہے- وعلیکم السلام یا ابا حنیفہ انت الامام الاعظم- اس کے علاوہ

حضور پرنور نے موحباً کے لفظ کے ساتھ کچھ دعائیہ کلمات بھی فرمائے- اس کے فوراً بعد دربان نے ایک دوسرے بزرگ کو پیش کیا حضور نے دیکھ کر فرمایا مرحبایا امام مالک- پھر تیسرے بزرگ پیش کئے گئے حضور نے فرمایا مرحبایا امام شافعی- اسی طرح چوتھے بزرگ پیش ہوئے فرمایا مرحبا مرحبایا امام حنبل غرض اسی طرح اربابِ علم و فضل باریاب ہوتے رہے- اسی دوران میں ایک شخص جس کے ہاتھ میں کچھ غیر مجلد اوراق کتاب تھے لے کر آگے بڑھا- وہ چاہتا تھا کہ خیمہ اطہر میں داخل ہو- کہ ایک بزرگ مجمع سے اٹھ کر تشریف لائے اور فوراً اس شخص کو روک دیا اور بے ادبی پر ملامت و سرزنش کی اور اس کے ہاتھ سے اوراق لے کر پھینک دیئے اور مجمع سے اس شخص کو باہر نکال دیا- یہ اس جسارت اور بے ادبی کی سزا تھی جو دربار رسالت کے ادب و احترام کے خلاف کی گئی تھی-

پھر یہی بزرگ جنہوں نے اس گستاخ دربار رسالت کو باہر نکالا تھا اس خدا رسیدہ بزرگ کی طرف (جو اس مشاہدہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے) بڑھے اور فرمایا: "اے درویش یہ اوراق انہیں اعتقادات پر مشتمل تھے اور یہ شخص انہی عقاید کا بانی تھا جس کے مقلد کو تم نے خانہ کعبہ میں دیکھ کر افسوس کا اظہار کیا تھا- یہ خدا رسیدہ بزرگ فرماتے ہیں- میں نے جب اپنے حال پر یہ کرم و شفقت دیکھی تو میں بھی کمال تعظیم و تکریم سے اس بزرگ کے اشارے کے مطابق دربار رسالت میں حاضر ہوا' سلام عرض کیا اور میرے پاس جو میرے عقائد کی کتاب تھی بارگاہِ اقدس میں پیش کی- ارشاد ہوا یہ کون سی کتاب ہے اس سے کچھ پڑھ کر سناؤ- میں نے عرض کی حضور والا- اس کتاب کا نام قواعد العقائد ہے- محمد بن محمد غزالی کی تصنیف ہے- اولاً میں نے کتاب مذکور سے توحید باری تعالیٰ کے متعلق چند جملے سنائے اس کے بعد چند فقرے حضور اقدس کے فضائل و مناقب کے سنائے- سن کر حضور کے چہرہ انور پر بشاشت کے آثار نمودار ہوئے- لب مبارک پر تبسم کی جھلک ظاہر ہوئی- ارشاد ہوا غزالی کہاں ہے؟ باب رحمت کے دربان نے فوراً محمد غزالی کو پیش کیا- امام غزالی نے مودبانہ سلام عرض کیا- حضور پرنور علیہ الصلاۃ والسلام نے کمال رحمت و شفقت سے اپنا دست مبارک امام غزالی کی طرف بڑھایا- غزالی نے حضور اقدس کے دست مبارک کو بوسہ دیا- آنکھوں سے لگایا- اپنے چہرہ کو حضور اقدس علیہ السلام کے دست انور سے ملا-

اس کے بعد وہ خدا رسیدہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں بیدار ہو گیا اور وہ تمام خصوصی انوار و برکات اپنے اندر موجود پائے جو حضور انور علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت سے مشاہدہ میں آسکتے ہیں اور میں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے مراتب جلیلہ کا گرویدہ ہو گیا- (نفحات الانس' بتغیر یسر)

سادگی اور یاد آخرت : حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ چونکہ ظاہری شان و شوکت سے بے نیاز تھے۔ اس لیے آپ نہایت سادہ اور معمولی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ عبدالرحمن طوسی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا "آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں ہے۔ آپ امامِ وقت اور پیشوائے قوم ہیں۔ ہزاروں آدمی آپ کے مرید ہیں۔" آپ نے جواب دیا ایسے شخص کا لباس کیا دیکھتے ہو جو اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح مقیم ہو۔ اور جو اس کائنات کی رنگینیوں کو فانی اور وقتی تصور کرتا ہے۔ جب والی دو جہاں حضور سرورِ کائنات ﷺ اس دنیا میں مسافر کی طرح رہے اور کچھ مال و زر اکٹھا نہ کیا۔ تو میری کیا حیثیت اور حقیقت ہے۔

تصانیف : تصنیفات کے لحاظ سے امام صاحب کی حالت نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ آپ نے کل ۵۴، ۵۵ برس کی عمر پائی۔ قریباً بیس سال کی عمر میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔ دس گیارہ برس صحرا نوردی میں گزارے درس و تدریس کا شغل ہمیشہ قائم رہا۔ مدت العمر کبھی ایسا وقت نہیں آیا کہ جب ڈیڑھ سو سے آپ کے شاگردوں کی تعداد کم ہوئی ہو۔ فقر و تصوف کے مشغلے الگ۔ دور دور سے جو فتاوے آتے تھے ان کا جواب لکھنا اس کے علاوہ ہے۔ اس کے باوجود سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں اور گوناگون اور نہایت عمدہ عمدہ مضامین سے پُر ہیں۔ پھر ہر تصنیف اپنے باب میں بے نظیر ہے۔ یہ امام صاحب کی واضح کرامت ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

تصانیف کی اجمالی فہرست : احیاء العلوم، املاء علی مشکل الاحیاء، اربعین، اسماء الحسنٰی، الاقتصاد فی الاعتقاد، الجام العوام، اسرار معاملات الدین، اسرار الانوار الالہیۃ بالآیات المتلوۃ، اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار، اسرار اتباع السنۃ، اسرار الحروف والحکمات، ایہا الولد۔

بدایۃ الہدایہ، بسیط، بیان القولین للشافعی، بیانی فضائح الاباحیۃ، بدائع الصنع، تنبیہ الغافلین، تلبیس ابلیس، تہافتہ الفلاسفہ، تعلیقہ فی فروع المذہب، تحصین المآخذ، تحصین الادلتہ، تفرقہ بین الاسلام والزندقۃ۔

جواہر القرآن، حجۃ الحق، حقیقۃ الروح، خلاصہ الرسائل، الی علم المسائل، اختصار المختصر المزنی، الرسالہ القدسیۃ، اسرار مصون، شرح دائرہ علی بن ابی طالب، شفاء العلیل فی مسئلہ التعلیل، عقیدۃ المصباح، عجائب صنع اللہ عنقود المختصر، نماتیہ الفور فی مسائل الدور، غور الدور، فتاوٰی، الفکرۃ والعبرۃ، فواتح السور، الفرق بین الصالح و غیر الصالح، القانون الکلی، قانون الرسول القربۃ الی اللہ، القسطاس المستقیم، قوائد العقائد، القول الجمیل فی رد علی من غیر الانجیل، کیمیائے سعادت، کیمیائے سعادت مختصر، کشف العلوم الآخرۃ، کنز العدۃ، اللباب المنتخل فی علم الجدل، المستصفی فی اصول الفقہ، منخول، ماخذ فی الخلافیات بین

الحفیتہ والشافیعہ 'المبادی والفایات' المجالس الفرایئۃ' المقدل من الضلال' معیار النظر' معیار العلم فی المنطق' محک النظر' مشکوٰۃ الانوار' مستظہری فی الہ وعلیٰ الباطنیہ' میزان العمل' مواہم الباطنیۃ' المنہج الاعلی' معراج السالکین' المکنون فی الاصول' مسلم السلاطین' مفصل الخلاف فی اصول القیاس' منہاج العابدین' المعارف العقلیۃ' نصیحتہ الملوک' وجیز' وسیط' یاقوت التاویل فی التفسیر ۴۰ جلدوں میں۔

کیمیائے سعادت : امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس کتاب سے متعلق فرماتے ہیں :

> چونکہ انسان اپنی پیدائش واصل کے لحاظ سے ناقص وناچیز شے ہے۔ اس لیے اسے نقصان سے درجہ کمال تک پہنچانا مشقت ومجاہدہ کے بغیر ناممکن ہے۔ جس طرح وہ کیمیا جو انسان کی اصل کو بہمیت کی کثافت سے ملائکہ کی صفائی ونفاست تک پہنچاتی ہے۔ جس کی بدولت سعادت میسر آتی ہے۔ اس کا حصول مشکل ودشوار ہے۔ ہر شخص اسے نہیں جانتا۔ اس کتاب کی تصنیف سے اسی کیمیا کے اجزاء کا بیان کرنا مقصود ہے۔ جو درحقیقت کیمیائے سعادت ابدی ہے۔ اسی لیے ہم نے اس کا نام کیمیائے سعادت رکھا ہے۔ کیمیا کا نام اس کے لیے نہایت موزوں ومناسب ہے۔ کیونکہ تانبے اور سونے میں زردی اور بھاری پن کے سوا کچھ فرق نہیں اور ظاہری کیمیا سے دنیا میں مالدار ہونے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ کہ دنیا چند روزہ ہے اور دولت دنیا خود معمولی شے ہے۔ لیکن چارپائیوں کی عادات اور ملائکہ کی صفات میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور اس کتاب میں بیان کردہ کیمیائے کا ثمرہ سعادت ابدی ہے۔ اس کی مدت کی انتہا نہیں۔ اس کی نعمتوں کے اقسام وانواع کے لیے فنا نہیں اور نہ کسی قسم کے میل کو ان نعمتوں کی صفائی میں کچھ عمل دخل ہے۔ لہٰذا حقیقت میں یہی کتاب کیمیا ہے۔ اس کے سوا کسی اور چیز کو کیمیا کہنا محض مجازی اور عرفی ہے۔ (کیمیائے سعادت مطبوعہ نول کشور ص ۳)

صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں :

> کیمیائے سعادت کے ارکان واصول کی فہرست یہی ہے۔ ہم اس کتاب میں مذکورہ چار عنوانات اور چالیس اصولوں کی صاف واضح طریقہ سے شرح کریں گے اور قلم کو مشکل عبارت اور دقیق وباریک مضامین سے روک کر رکھیں گے۔ تاکہ عام فہم ہو۔ جو شخص تحقیقات وتدقیقات کا خواہشمند ہو وہ دوسری عربی کتب کا مطالعہ کرے۔ جیسے احیاء العلوم' جواہر القرآن اور دوسری کتابیں۔ یہ کتاب عوام کے فہم ودانش کے مطابق تصنیف کی گئی ہے۔ اسی بناء پر بعض لوگوں نے فرمائش کی تھی کہ اسے فارسی زبان میں لکھا جائے۔ تاکہ آسانی سے مطلب ومعنی سمجھ میں آسکے۔

وصال : علم دین کا یہ ستون اور ولی کامل جس کے فیض کا دریا ہر خاص وعام کے لیے جاری رہا- علماء' عرفاء اور فقہاء اپنی علمی اور مذہبی معلومات کی پیاس اس چشمہ سے آکر بجھاتے رہے اور جسے دنیائے علم و عرفان میں شہرت دوام حاصل ہوئی' ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طاہران اس دار فانی سے دار بقا کو رحلت کر گیا-

علامہ ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے بھائی احمد غزالی کی زبانی آپ کی وفات کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے :

"پیر کے دن امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ صبح سویرے بستر خواب سے اٹھے- وضو کر کے نماز فجر ادا کی پھر کفن منگوایا اور اسے آنکھوں سے لگا کر کہا آقا کا حکم سر آنکھوں پر- یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے- لوگوں نے دیکھا تو روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی-"

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بیان کے مطابق اہل اللہ کی موت عام لوگوں کی موت کی طرح نہیں ہے- بلکہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب یعنی بندگان خدا کی موت دراصل ایک پُل ہے- جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے- اس لیے حضرت امام غزالی علیہ الرحمتہ - روحانی و برزخی زندگی نیز اپنی تعلیمات اور انوار و برکات کے ذریعے ہمیشہ زندہ اور حیات ہیں-

فرحم الله تعالى عليه رحمة وأسعة و افاض علينا من بركاته وحشر نافى زمرة احياء واولياء انه على كل شئى قدير وصلى الله تعالى على خير خلقه و نور عرشه سيدنا و مولانا محمد و اله واصحابه اجمعين برحمتك ياارحم الراحيمن

خاکپائے اہل اللہ

محمد سعید احمد نقشبندی غفر لہ'

خطیب مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ - لاہور - پاکستان

۲۵ رجب المرجب ۱۳۹۳ھ ---------- ۲۵ اگست ۱۹۷۳ء

یوم شنبہ

☆..........☆..........☆

بسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ٥
نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیمِ ٥

دیباچہ

شکر و حمد بے اندازہ آسمان کے تاروں' مینہ کے قطروں' درختوں کے پتوں' میدان کی ریت' زمین و آسمان کے ذروں کے برابر اسی خدا کے لیے ہے۔ یگانگی جس کی صفت ہے۔ بزرگی' برائی' برتری' اچھائی جس کی خاصیت ہے اس کے جلال کے کمال سے کوئی انسان واقف نہیں۔ اس کی معرفت کی حقیقت میں اس کے سوا کسی کو راہ نہیں بلکہ اس کی حقیقتِ معرفت میں اپنی عاجزی کا اقرار کرنا صدیقوں [۱] کی معرفت کا منتہا اور اس کی حمد و ثنا میں اپنی تقصیر کا معترف ہونا فرشتوں اور پیغمبروں کی ثنا کی انتہا ہے۔ اس کے جلال کی پہلی چمک میں حیران رہ جانا۔ عقلمندوں کی عقل کی غایت اور اس کے جمال کی نزدیکی ڈھونڈنے میں متحیر رہ جانا سالکوں اور مریدوں کی نہایت ہے۔ اس کی اصل معرفت کی امید توڑ دینا گویا جی چھوڑ دینا ہے۔ اس کی معرفت میں دعویٰ کمال کرنا تشبیہہ تو تمثیل کا خیال کرنا ہے۔ اس کی ذات کے جمال کے ملاحظہ سے چکاچوند سب آنکھوں کا حصہ اور اس کی عجیب عجیب صنعتیں دیکھنے سے معرفت ضروری سب عقلوں کا ثمرہ ہے۔ کوئی شخص ایسا نہ ہو اس کی ذات کی عظمت میں سوچ کرلے کہ کیونکر اور کیا ہے۔ کوئی دل ایسا نہ ہو جو اس کی عجیب عجیب صنعتوں سے ایک لحاظ غافل رہے کہ ان کی ہستی کیا ہے اور کس کی قدرت سے برپا ہے۔ تاکہ ضرور پہچانے کہ سب اسی کی قدرت کے آثار اور اس کی عظمت کے انوار ہیں۔ اور سب عجائب و غرائب اسی کی حکمت کے ہیں۔ اور سب پرتو جمال اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اور جو کچھ ہے اسی سے ہے اور سب اس کے سبب سے ہے۔ بلکہ خود سب وہی ہے کہ کسی چیز کو اس کی ہستی کے سوا حقیقت میں ہستی نہیں۔ بلکہ سب کی ہستی اسی کے نور ہستی کی پرچھائیں ہے اور درود نا محدود محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو تمام پیغمبروں کے سردار اور رہنما اور ہر ایمان دار کے رہبر ہیں اور اسرار ربوبیت کے امانتدار اور برگزیدہ حضرت پروردگار ہیں۔ اور ان کے یاروں اور اہل بیت پر کہ ان میں سے ہر ایک امت کا پیشوا اور شریعت کی راہ دکھانے والا ہے۔

اَمَّابَعدُ اے عزیز! اس بات کو جان کہ خدا نے آدمیوں کو کھیل اور لچر باتوں کے لیے پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس کا [۲] کام بھی بڑا اور اسے خطرہ بھی عظیم ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ ازلی نہیں تو ابدی بے شک ہے۔ یعنی اگر ہمیشہ سے نہیں تو ہمیشہ تک ہے۔ اور اگرچہ اس کا بدن مٹی کا ناچیز ڈھانچہ ہے۔ مگر اس کی روح حقیقت ربانی اور عزیز ہے۔ اور اس کی اصل اگرچہ ابتدائے حال کے لحاظ سے چرند درند اور شیاطین کی صفات سے ملی ہوئی ہے اور اس میل کچیل میں بھری ہوئی ہے۔

---

[۱] یہ اشارہ ہے امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کی طرف کہ: العجز من داک الادراک ادراک (خدا کے پہچاننے سے اپنے آپ کو عاجز جاننا خدا کی پہچان ہے۔)

[۲] ۱۔ کام یہ ہے کہ ملائکہ کے مرتبہ پر پہنچے اور خطرہ یہ ہے کہ بہائم کے مقام میں گر پڑے۔ ۱۲

مگر جب مشقت کی گھڑیاں رکھی جاتی ہے تو اس آلائش سے پاک ہو کر درگاہ الٰہی کی قربت کے قابل ہو جاتی ہے اسفل السافلین ا؎ سے اعلیٰ علیین ۲؎ تک سب نیچ اونچ اسی کا کام ہے۔اس کا اسفل السافلین یہ ہے کہ چرند درند اور شیاطین کے مقام میں گر کر خواہش اور غصہ کے پھندے میں پھنسے اور اعلیٰ علیین یہ ہے کہ ملائکہ کے درجے تک پہنچے مثلاً خواہش اور غصہ کے ہاتھ سے نجات پائے یہ دونوں اس کے قیدی بن جائیں۔وہ ان کا بادشاہ بن جائے۔جب اسے یہ مرتبہ بادشاہی حاصل ہوتا ہے تو وہ جناب الٰہی کی بندگی کے قابل ہوتا ہے۔اور یہ بندگی ملائکہ کی صفت ہے اور آدمی کا کمالِ مرتبہ ہے۔جب اسے حضرت الٰہی کے جمال کی محبت کا مزہ حاصل ہوتا ہے تو اس کی دید سے ایک دم صبر نہیں کر سکتا۔اس جمال لازوال کی دید اس کی بہشت بن جاتی ہے۔اور آنکھ پیٹ فرج کی شہوت کے حصہ میں جو بہشت ہے وہ اس کے نزدیک ہیچ اور بُری ہو جاتی ہے۔چونکہ ابتدائے پیدائش میں آدمی کی اصل ناقص اور ناچیز ہے اس لیے اسے نقصان سے درجہ کمال کو پہچانا ممکن نہ ہوگا۔ مگر مشقت اور علاج سے جس طرح وہ کیمیا جو آدمی کی اصل کو بہیمت کی کثافت سے ملائکہ کی صفائی اور نفاست تک پہنچاتی ہے۔کہ اس صفائی کی بدولت سعادت میسر آتی ہے۔ مشکل ہے۔ ہر شخص نہیں جانتا۔اس کتاب کی تصنیف سے اسی کیمیا کے اجزاء کا بیان مقصود ہے۔جو حقیقت میں کیمیائے سعادت لبدی ہے۔اسی لیے ہم نے اس کتاب کا نام کیمیائے سعادت رکھا۔کیمیا کا نام اس کتاب کے لیے بہت مناسب ہے۔اس لیے کہ تانبے اور سونے میں زردی اور بھاری پن کے سوا اور کچھ فرق نہیں۔اور اس کیمیا سے دنیا میں مالدار ہونے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔دنیا چند روزہ ہے۔اور دولتِ دنیا خود کیا چیز ہے۔اور چارپایوں کی عادات اور ملائکہ کی صفات میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اس کیمیا کا ثمرہ سعادتِ ابدی ہے کہ اس کی مدت کی نہایت نہیں اور اس کی نعمتوں کے اقسام کی بھی نہایت نہیں اور کسی قسم کے میل کو اس کی نعمتوں کی صفائی میں دخل نہیں۔یہ کتاب ہی حقیقت میں کیمیا ہے۔اس کے سوا اور کسی چیز کو کیمیا کہنا مجازی طور پر ہی ہو سکتا ہے۔

فصل: اے عزیز جان کہ جس طرح کیمیائے زر ہر بڑھیا کے گھر میں لوگ نہیں پا سکتے بلکہ بڑے آدمیوں اور بادشاہوں کے خزانے میں پاتے ہیں۔اسی طرح کیمیائے سعادت لبدی بھی ہر جگہ دستیاب نہیں بلکہ خزانۂ ربوبیت میں ملتی ہے۔اور خدا تعالیٰ کا یہ خزانہ آسمان میں فرشتوں کی ذات اور زمین میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاکیزہ دل میں۔ تو جو شخص بھی یہ کیمیا درگاہِ نبوت کے سوا کہیں اور تلاش کرے گا وہ راستہ ہی بھولے گا اور فریب کھائے گا اسے خیال خام کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ قیامت میں اس شخص کی تنگدستی ظاہر ہو جائے گی اور تمام مخلوق اس کے کھوٹے پیسے سے واقف ہو جائے گی۔اس کی الٹی سمجھ سیدھی ہو جائے گی اور اسے:

فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ تو ہم نے تیرا پردہ تجھ سے اٹھا دیا۔ تو تیری نظر آج خوب تیز ہے۔

ا؎ نیچے سے نیچا درجہ۔۱۲ ۲؎ اونچے سے اونچا درجہ۔۱۲

کی ندا آئے گی۔

اَرحَمُ الرَّاحِمِینَ ذات کی بڑی بڑی رحمتوں میں ایک یہ ہے کہ اس نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات دنیا میں مبعوث فرمائے۔ تاکہ اس کیمیائے ابدی کا نسخہ مخلوق خدا کو سکھائیں۔ نقد دل کو مشقت اور ریافت کی کھٹریا میں رکھنا بتائیں۔ نیز یہ کہ برے اخلاق جن سے دل سخت اور میلا ہوتا ہے۔ دل سے کس طرح دور کریں۔ اور اس کے مقابلے میں خانہ دل کو اچھے اوصاف سے کس طرح معمور ومزین کریں۔ سب لوگوں کو سکھائیں اور تعلیم دیں۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے جس طرح پاکی اور بادشاہی کے ساتھ اپنی صفت وثناء کی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبعوث کرنے کے ساتھ بھی اپنی مدح فرمائی اور مخلوق پر اپنا احسان جتلایا اور یوں فرمایا:

یسبح لله مافی السموت ومافی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم هوالذی بعث فی الامین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین

اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔ اس اللہ کی جو بادشاہ پاک غالب اور حکمت والا ہے وہی ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے رسول مبعوث فرمایا وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا اور انہیں پاک کرتا اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

یزکیّھم کے یہ معنی ہیں کہ بُرے اخلاق جو جانوروں کی صفت ہیں یہ رسول ان سے چھڑاتا ہے اور یعلّمھم الکتاب والحکمة کے معنی ہیں کہ انہیں صفاتِ ملائکہ کا لباس پہناتا ہے۔ اور اس کیمیا سے یہی غرض وغایت ہے کہ نقصان دہ باتوں سے جو بندے میں نہیں چاہئیں ان سے پاک اور مبرّا ہو اور صفاتِ کمال سے آراستہ ہو۔ تمام کیمیاؤں سے اعلیٰ عمدہ اور بڑی کیمیا یہ ہے۔ کہ بندہ دنیا سے منہ پھیر لے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ جیسا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ اسلام کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

وَاذکُرِ اسمَ رَبّکَ وَ تَبَتَّل اَلیهِ تَبتِیلاًہ

اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کر اور سب سے الگ ہو کر مکمل طور پر اسی کی طرف ہو جا۔

یعنی سب سے پہلے اپنا رشتہ تعلق توڑ لے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے معبودِ بر حق کے اختیار میں دیدے یہ اس کیمیا کا اجمالی بیان ہے۔ اس کی تفصیل بڑی دراز اور بے نہایت ہے۔

مضامین کے لحاظ سے تقسیم کتاب

چار چیزوں کی پہچان اس کا عنوان اور چار باتوں کا جان لینا اس کے ارکان ہیں۔ اور ہر رکن میں دس فصلیں ہیں

عنوان اول یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے عنوان دوم یہ کہ خدا تعالیٰ کو پہچانے (اس کی معرفت) عنوان سوم دنیا کی حقیقت پہچاننا۔ عنوان چہارم آخرت کی حقیقت پہچاننا۔ ان چار چیزوں کا جان لینا در حقیقت مسلمانی کی پہچان کا عنوان ہے اور معاملات اسلام کے ارکان چار ہیں۔ دو ظاہر سے متعلق ہیں اور دو باطن سے ظاہر سے تعلق رکھنے والے ارکان یہ ہیں۔ رکن اول خدا تعالیٰ کے احکام بجالانا۔ یہ رکن عبادات کے نام سے موسوم ہے۔ رکن دوم اپنی حرکات و سکنات اور معیشت اور اپنے روزمرہ کے حالات اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں انہیں اپنی نگاہ کے سامنے رکھنا اس رکن دوم کو معاملات سے تعبیر کرتے ہیں۔

باطن سے تعلق رکھنے والے دو رکن یہ ہیں۔ رکن اوّل بُرے اخلاق غصہ بخل غرور خود بینی وغیرہ سے دل کو پاک رکھنا۔ ان اخلاق رذیلہ کو مہلکات اور راہ دین کے عقبات (مشکل گھاٹیاں) کہتے ہیں۔ رکن دوم اچھے اخلاق جیسے صبر، شکر، محبت، رجا، توکل وغیرہ سے دل کو آراستہ کرنا۔ ان اچھے اخلاق کو منجیات (نجات دینے والے) کہتے ہیں۔

پہلے رکن میں عبادات کا بیان ہے۔ اس میں دس اصلیتیں ہیں۔ پہلی اصل اہل سنت کے اعتقاد پر مشتمل ہے۔ دوسری طلب علم۔ تیسری اصل میں طہارت کا بیان۔ چوتھی میں نماز کا ذکر ہے۔ پانچویں میں زکوٰۃ، چھٹی اصل میں روزے کا بیان، ساتویں میں حج کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ آٹھویں میں تلاوت قرآن مجید کے آداب ہیں۔ نویں اصل ذکر دعاؤں اور وظائف پر مشتمل ہے۔ دسویں اصل میں ترتیب اور اد و ظائف ہے۔

دوسرا رکن معاملات کے آداب میں ہے یہ بھی دس اصولوں پر مشتمل ہے۔ اصل اول کھانے کے اداب ہیں۔ دوسری میں آداب نکاح ہیں۔ تیسری میں تجارت اور پیشہ کے آداب بیان ہوئے ہیں۔ چوتھی اصل طلب حلال کے بیان میں ہے۔ پانچویں میں صحبت کے آداب کا بیان، چھٹی اصل گوشہ نشینی کے آداب میں ہے۔ ساتویں اصل آدابِ سفر کے بیان میں، آٹھویں راگ اور حال کے بیان میں، نویں اصل امر معروف اور نہی منکر کے آداب کے بیان میں دسویں اصل رعیت پروری اور بادشاہی کے بیان پر مشتمل ہے۔

تیسرا رکن مہلکات کے بیان میں ہے۔ یہ بھی دس اصولوں پر مشتمل ہے۔ اصل اول ریاضت نفس کے بیان میں، دوسری پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کے علاج میں، تیسری اصل گفتگو کی حرص اور آفاتِ زبان کے بیان میں ہے۔ چوتھی اصل غصہ گال، گلوچ وغیرہ کے علاج میں، پانچویں اصل محبت دنیا کے علاج میں، چھٹی محبت مال کے علاج کے بیان میں، ساتویں اصل طلب رتبہ و حشمت کے علاج میں، آٹھویں اصل عبادات میں ریا و نفاق کے علاج میں، نویں اصل تکبر اور خود ستائی کے علاج کے بیان میں۔ دسویں اصل غرور و غفلت کے علاج پر مشتمل ہے۔

چوتھا رکن منجیات کے بیان میں ہے۔ یہ بھی دس اصولوں پر پھیلا ہوا ہے۔ پہلی اصل توبہ کے بیان اور دوسری صبر و شکر کے بیان میں، تیسری خوف و رجا کے بیان میں چوتھی درویشی اور زہد کے بیان میں، پانچویں اصل نیت، اخلاص اور صدق کے بیان میں، چھٹی اصل مراقبہ و محاسبہ کے بیان میں ساتویں اصل تفکر کے بیان میں۔ آٹھویں اصل توحید اور

توکل کے بیان میں نویں محبت اور عشق الٰہی میں دسویں موت کو یاد کرنے اور موت کے حال میں۔
کیمیائے سعادت کے ارکان واصول کی فہرست یہی ہے ہم اس کتاب میں مذکورہ چار عنوانات اور چالیس اصول کی صاف اور واضح انداز میں شرح کریں گے اور قلم کو مشکل عبارت اور باریک مضامین سے روک کر رکھیں گے تاکہ یہ کتاب عام فہم ہو۔اس لیے کہ اگر کسی شخص کو تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہو تو وہ دوسری عربی کتب کا مطالعہ کرے۔ جیسے احیاء العلوم، جواہر القرآن اور دوسری تصانیف۔ اس کتاب سے عوام الناس کو سمجھانا مقصود ہے۔اسی بنا پر بعض لوگوں نے فرمائش کی تھی کہ یہ علم فارسی زبان میں لکھا جائے تاکہ آسانی سے مطلب ہماری سمجھ میں آجائے۔
خداوند کریم ان کی اور میری نیت ریا سے پاک وصاف و تکلف وبناوٹ کے میلان سے شفاف رکھے خلوص سے اپنی رحمت کا امیدوار بنائے۔ صواب اور دوستی کا دروازہ کھولے اور ہر حال میں خدا تعالیٰ کی توفیق مددگار رہے۔ جو زبان پر آئے اس پر توفیق عمل نصیب ہو کیونکہ جس بات پر عمل نہ ہو رائیگاں ہے۔ کہنا اور عمل پیرا ہونا قیامت میں وبال و نقصان کا موجب ہے۔(نعوذ باللہ منہا)

آغاز کتاب مسلمانی کے عنوان میں

مسلمان ہونے کے چار عنوان ہیں۔ پہلا عنوان اپنے آپ کو پہچاننے کے بیان میں ہے۔
اے عزیز یہ جان لے اور یقین کر کہ اپنے آپ کو پہچاننا خدا تعالیٰ کی پہچان کی کنجی اور چابی ہے۔اس لیے وارد ہوا ہے:
من عرف نفسہ فقد عرف ربہ — جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔
اُسی بنا پر خدا تعالیٰ بھی قرآن مجید میں فرماتا ہے:
سَنُرِيهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اِنَّهُ الْحَقُّ ۝ — عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں جہان میں اور خود ان کی اپنی ذات میں دکھائیں گے تاکہ انہیں واضح ہو جائے کہ وہی حق ذات ہے۔
اے عزیز ساری کائنات میں تجھ سے زیادہ نزدیک کوئی چیز نہیں اور جب تو اس قدر قرب کے باوجود اپنے آپ کو نہیں پہچان سکے گا تو اور کیا چیز پہچانے گا غالباً تو یہ کہے گا کہ اپنے آپ کو پہچان لینے سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ کہ ایسی پہچان خدا تعالیٰ کی معرفت کی چابی قرار نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اپنے آپ کو جانور بھی پہچانتے ہیں۔ جیسے تو اپنے جسم کے ظاہری حصے کا سر، منہ، ہاتھ، پاؤں اور گوشت وغیرہ پہچانتا ہے اور اپنے باطن کا حل بھی اتنا جانتا ہے کہ جب بھوک محسوس کرتا ہے۔ کھانا کھاتا ہے جب غصہ میں ہوتا ہے تو لڑتا ہے۔ جب تجھ پر شہوت غالب آتی ہے تو نکاح کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اپنی پہچان سے یہ پہچان مراد نہیں اس میں تو سب جانور تیرے ساتھ برابر ہیں۔ تجھے اپنی حقیقت ڈھونڈنا چاہیے کہ تو کہاں

ہے کہاں سے آیا ہے اور کدھر جائے گا- یہاں کیوں آیا ہے اور خدا تعالیٰ نے تجھے کس کام کے لیے پیدا کیا ہے- تیری نیک بختی کا ہے میں ہے اور بد بختی کس کام میں- اور جو اوصاف تجھ میں ہیں ان میں سے بعض چرندوں درندوں اور بعض شیاطین اور بعض فرشتوں کے ہیں- ان میں سے کون کون ہے' تیری اصل حقیقت کیا ہے اور کیا چیز تجھ میں عاریتہً ہے- جب تک تو یہ جان نہ سکے گا اپنی سعادت نہیں تلاش کر سکے گا- پھر ان میں ہر ایک کی غذا الگ الگ ہے- اور سعادت جدا جدا- مثلاً کھانا' پینا' سونا' موٹا ہونا اور قوی و زور آور ہونا چارپایوں کی غذا اور سعادت ہے تو اگر تو چارپایہ ہے تو پھر دن رات یہی کوشش کر کہ تیرے پیٹ اور شرمگاہ کا مقصد پورا ہو- اور مارنا اور مار ڈالنا اور کھکھیانہ درندوں کی غذا اور سعادت ہے- اور شر پیدا کرنا حیلہ سازی اور مکر کرنا شیطان کی غذا ہے- اگر تو بھی انہی میں سے ہے تو ان کاموں میں مصروف رہ تاکہ آرام پائے اور اپنی نیک بختی تجھے میسر آئے اور خدا تعالیٰ کے جمال کا دیدار کرنا فرشتوں کی غذا ہے اور سعادت ہے غصہ وغیرہ وغیرہ اور چارپایوں اور درندوں کی صفات کو ان میں دخل نہیں- تو اگر تو فرشتوں کی اصل رکھتا ہے- تو اپنی اصل میں کوشش کر کہ جناب الٰہی کو پہچان اور اس جمال کے مشاہدے کی طرف راہ پائے اور اپنے آپ کو شہوت اور غصہ کے ہاتھ سے نجات دلائے اور اس معاملے میں یہاں تک کوشش کر کہ تجھے پتہ چل جائے کہ خدا تعالیٰ نے چرندوں و درندوں کی صفات تجھ میں کیوں پیدا کی ہیں- آیا اس لیے کہ وہ تجھے اپنا قیدی بنائیں اور تجھے اپنی خدمت میں لائیں اور دن رات بیگار میں پکڑے رکھیں- یا اس لیے کہ تو انہیں اپنا قیدی بنائے اور جو سفر تجھے درپیش ہے اس میں اپنا تابع بنائے- ایک کو سواری کے کام میں لائے- دوسرے کو اپنا ہتھیار بنائے اور چند دن کے لیے جو تو اس منزل میں ہے ان کو اپنے کام میں رکھے تاکہ ان کی مدد سے سعادت کا بیج تجھے میسر آجائے- تب تو انہیں اپنے قبضے میں کرے اور اپنی سعادت کے مقام کی طرف متوجہ ہو جائے- خاص لوگ اس مقام کو جناب الٰہیت کہتے ہیں- اور عوام جنت کہتے ہیں اور یہ سب باتیں تجھے جاننا ہیں- تاکہ تجھے کچھ اپنی معرفت حاصل ہو اور جس نے یہی نہ جانا تو دین میں خجالت ہی اس کا حصہ ہے اور دین کی حقیقت سے وہ پردے میں رہا-

فصل: اے عزیز اگر تجھے اپنا آپ جاننا منظور ہے تو پھر یہ بات جاننا لازمی ہے کہ خدا نے تجھ کو دو چیزوں سے پیدا کیا ہے- ایک ظاہری ڈھانچہ ہے جسے بدن کہتے ہیں اور جسے ظاہر آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں- دوسرے باطنی معنی ہیں کہ اس کو نفس دل اور جان کہتے ہیں اور اسے فقط باطن کی آنکھ سے پہچان سکتے ہیں- ظاہر کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے- اور یہی باطنی معنی تیری حقیقت ہے اور اس معنی کے سوا اور جو بھی چیزیں ہیں وہ اس کی تابع اور اس کے لشکر اور خدمت گار ہیں اور ہم اس حقیقت کو دل کہتے ہیں- ہم جب دل کی بات کریں گے تو اے عزیز جان کہ دل سے یہی حقیقتِ انسان مراد لیں گے اور اس حقیقت کو کبھی روح کہتے ہیں کبھی نفس اور دل سے وہ گوشت کا لوتھڑا مقصود نہیں جو سینے میں بائیں طرف موجود ہیں اس کی حقیقت کیا ہے کہ یہ تو جانوروں اور مردوں کے بھی ہوتا ہے- اس دل کو جو حقیقت انسان ہے ظاہر آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے- جو چیز ظاہری آنکھ سے دکھائی دے وہ اس عالم سے ہے جسے عالمِ شہادت کہتے ہیں- اور اس دل کی حقیقت اس عالم سے نہیں ہے

ہاں اس عالم میں مسافر کی طرح آیا ہے گوشت کا لوتھڑا اس دل کی سواری اور ہتھیار اور بدن کے سب عضو اس کا لشکر ہیں- وہ تمام بدن کا بادشاہ اور افسر ہے- خدا کی معرفت اور اس کے جمال بے مثال کا مشاہدہ اسی دل کی صفت ہے- اور اسی پر تکلیف عبادت عائد ہوتی ہے- اسی سے خطاب ہے- اسی پر ثواب و عذاب ہے- اصل سعادت اور شقاوت اسی کے لیے ہے- ان سب باتوں میں بدن اس کا تابع ہے- اس کی حقیقت اور صنعتوں کا پہچاننا خدا تعالیٰ کی کنجی ہے۔ اے عزیز ایسی کوشش کر کہ تو اسے پہچانے کہ وہ ایک عمدہ گوہر ہے اور گوہر ملائکہ کی جنس سے ہے- درگاہ الوہیت اس کا اصلی معدن ہے- وہیں سے وہ آیا ہے- وہیں پھر جائے گا- یہاں مسافر کی طرح آیا ہے- تجارت و زراعت کے لیے تشریف لایا ہے- تجارت و زراعت کے معنی آگے بیان ہوں گے- انشاء اللہ تعالیٰ [۱]

فصل: اے عزیز یہ سمجھ کہ جب تک تو دل کی ہستی کو نہیں جانے گا- اس کی حقیقت کو کیا پہچانے گا- پہلے ہستی پہچان پھر حقیقت جان' بعدہ دل کا لشکر معلوم کر کہ کیا ہے- پھر یہ سمجھ کہ دل کو اس لشکر سے کیا تعلق ہے- پھر اس کی صفت پہچان کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اسے کس طرح حاصل ہوتی ہے اور معرفت سے اپنی سعادت کو کس طرح پہنچتا ہے- ان میں سے ہر ایک کا بیان آگے آئے گا- لیکن دل کی ہستی تو ظاہر ہے کہ اپنی ہستی میں آدمی کو کچھ شک نہیں اور اس کی ہستی اس کے ظاہری ڈھانچے سے نہیں اس لیے کہ یہ بدن مردہ ہے- اور جان بھی نہیں- اور دل سے ہمارا مقصود روح کی حقیقت ہے- روح جب نہ رہی بدن مردار ہے- اگر کوئی اپنی آنکھ بند کرے اور اپنے خاکے اور دنیا و مافیہا کو جسے آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں بھلائے تو اپنی ہستی کو ضرور پہچان لے گا- اور گو کہ اپنے انجام اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو- لیکن اپنے آپ سے بے خبر نہ ہوگا- اور اگر کوئی اس امر میں اچھی طرح غور کرے تو آخرت کی بھی کچھ حقیقت پہچان لے اور یہ بھی جان لے کہ جب اس کا یہ بدن چھین لیں گے تو اس کا قائم رہنا اور فنا نہ ہونا روا ہے-

فصل: دل کیا ہے اور اس کی کیا خاص صفت ہے- یہ بیان کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی- اسی لیے رسول مقبول ﷺ نے شرح نہیں فرمائی اور خدا تعالیٰ کی جناب سے یہ آیت آئی:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ — تجھ سے پوچھتے ہیں روح کے متعلق' کہہ تو کہ وہ میرے پروردگار کے حکم سے ہے-

روح اللہ کے کاموں اور عالم امر سے ہے- اس سے زیادہ کہنے کی اجازت نہ ہوئی:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ — آگاہ ہو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا-

عالم خلق جدا ہے اور عالم امر الگ جس چیز میں ناپ' مقدار اور کمیت کا دخل ہو- اسے عالم خلق کہتے ہیں- اس لیے

[۱] اگر خدائے برتر نے چاہا- ۱۲-

کہ لغت میں خلق کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں- اور آدمی کے دل کے لیے اندازہ نہیں- اسی لیے تقسیم قبول نہیں کرتا- اگر تقسیم کے قابل ہوتا تو اس میں ایک طرف کسی چیز کا جہل اور دوسری جانب اسی چیز کا علم ہونا درست ہوتا- تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ایک ہی وقت میں عالم بھی ہوتا- اور جاہل بھی اور یہ محال ہے اور روح باوجودیکہ قابل قسمت نہیں اور نہ اس میں مقدار و اندازہ کو دخل- مگر مخلوق ہے- یعنی پیدا کی گئی ہے اور جیسا کہ خلق اندازہ کرنے کو کہتے ہیں ویسا ہی پیدا کرنے کو بھی کہتے ہیں- تو اس معنی میں روح عالم خلق سے ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے عالم امر سے ہے عالم خلق سے نہیں- اس لیے کہ عالم امر ان چیزوں سے ہے جن میں ناپ اور اندازہ کو دخل نہ ہو جو لوگ روح کو قدیم سمجھے غلط سمجھے اور جنہوں نے روح کو عرض کہا غلط کہا کیونکہ عرض خود قائم نہیں دوسرے کا تابع ہوتا ہے- اور جان آدمی کی اصل اور بدن اس کا تابع ہے- تو روح عرض کیونکر ہو سکتی ہے- اور جنہوں نے روح کو جسم کہا ان کو بھی دھوکا ہوا ہے- کیونکہ جسم ٹکڑے ہو سکتا ہے' روح ٹکڑے نہیں ہو سکتی- ایک اور چیز ہے اس کو بھی روح کہتے ہیں وہ ٹکڑے بھی ہو سکتی ہے اور جانوروں کے بھی ہوتی ہے- لیکن جس روح کو ہم دل کہتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی معرفت کی جگہ ہے- جانوروں کے لیے وہ روح نہیں ہے وہ نہ جسم ہے نہ عرض بلکہ فرشتوں کے گوہر کی جنس سے ایک جوہر ہے- اس کی حقیقت کا جاننا دشوار ہے اور اس کی تفصیل کی اجازت نہیں اور دین کا راستہ چلنے میں پہلے اس کے پہچاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے- اس لیے کہ پہلے دین کی راہ میں محنت اور ریاضت چاہیے جب کوئی شخص کماحقہ' ریاضت کرے گا یہ پہچان اسے خودبخود حاصل ہو جائے گی اور یہ معرفت منجملہ اس ہدایت کے ہے جو اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرمائی ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا — اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھائیں گے-

اور جس نے پوری ریاضت نہیں کی اس سے روح کی حقیقت بیان کرنا درست نہیں لیکن مجاہدہ و ریاضت سے پہلے دل کے لشکر کو جاننا چاہیے- جو لشکر نہ جانے گا وہ جہاد کیا کرے گا-

فصل : اے عزیز یہ بات جان کہ بدن دل کی مملکت ہے اور دل کے مختلف لشکر ہیں: ومایعلم جنود ربک الاھو- اسی سے عبارت ہے- اور دل کو آخرت کے لیے پیدا کیا ہے- سعادت ڈھونڈنا اس کا کام اور اس کی سعادت خدا تعالیٰ کی معرفت پر موقوف ہے اور صانع کی معرفت مصنوعات سے حاصل ہوتی ہے- اور یہ سب علم حسیہ سے ہے اور عجائبات عالم کی معرفت ظاہر و باطن کے حواسی سے حاصل ہوتی ہے- اور حواس کا قیام بدن سے ہے- معرفت دل کا شکار اور حواس اس کا پھندا ہیں- بدن سواری اور دام کو اٹھانے والا اس لیے دل کو بدن کی ضرورت ہے اور بدن پانی' مٹی' گرمی اور تری سے مل کر بنا- اس بنا پر کم طاقت ہے اور باطن میں بھوک' ظاہر میں آگ پانی' دشمن درندوں کے سبب سے اسے خطرہ ہلاکت ہے اسی وجہ سے کھانے پینے کی اسے حاجت ہوئی اور دو لشکروں کی ضرورت پڑی- ایک ظاہری لشکر- جیسے ہاتھ' پاؤں' منہ' دانت'

معدہ اور دوسرا باطنی لشکر- جیسے بھوک پیاسی اور ظاہری دشمن سے بچنے میں بھی اس کے دو لشکروں کی ضرورت ہوئی- ہاتھ پاؤں تو ظاہری لشکر ہیں اور غصہ' خواہش باطنی لشکر اور بے دیکھے چیز مانگنا اور بے دیکھے دشمن ہانکنا ممکن نہ تھا- تو حواس ظاہری اور باطنی کی ضرورت ہوئی- دیکھنے' سننے' سونگھنے' چکھنے' چھونے کی قوتیں ظاہری پانچ حواس ہیں اور خیال' تفکر' حفظ توہم اور تذکر کی قوتیں دماغ میں باطنی پانچ حواس ہیں- ہر ایک قوت کے لیے خاص کام ہے- ایک میں خلل پڑنے سے آدمی کے دین دنیا کے کام میں خلل آتا ہے- یہ سب ظاہری باطنی لشکروں کے اختیار میں ہیں اور دل سب کا بادشاہ ہے- زبان ہاتھ پاؤں آنکھ قوت فکر سب دل کے حکم سے کام کرتے ہیں- اور سب کو خدا نے خوشی سے دل کا تابع بنایا ہے تاکہ بدن کی حفاظت کریں کہ دل اپنا سامان فراہم کرے اور اپنا شکار پکڑے اور آخرت کی سوداگری پوری کرے اور اپنی سعادت کا بیج بکھیرے- اور یہ لشکر دل کی ایسی اطاعت کرتے ہیں جیسے فرشتے خدا تعالیٰ کی خوشی سے اطاعت کرتے ہیں- اور حکم الٰہی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے-

فصل : دل کے لشکر کی تفصیل دراز ہے- اے عزیز تجھے اس کا مطلب ایک مثال سے معلوم ہوگا- اور وہ یہ کہ بدن گویا ایک شہر ہے اور ہاتھ پاؤں کام کاج کرنے والے لوگ اس شہر میں کام کرنے والے- غصہ کوتوال' دل بادشاہ اور عقل وزیر ہے- بادشاہ کو مملکت کے انتظام کے لیے ان سب کی ضرورت ہے- لیکن خواہش جو گویا عامل ہے جھوٹی اور زیادتی کرنے والی ہے- وزیر عقل کہتا ہے اس کے خلاف کرتی ہے اور ہمیشہ یہی چاہتی ہے کہ بسلطنت میں جتنا مال ہے- سب خراج کے بہانے لے لے- اور غصہ جو گویا کوتوال ہے- سخت کیوں پسند تند خو اور تیز ہے مار ڈالنا- زخمی کرنا اسے اچھا معلوم ہوتا ہے- جس طرح شہر کا بادشاہ سب باتوں میں اپنے وزیر سے مشورہ کرتا ہے اور چھوٹے طمع اور عامل کا کان مروڑے رکھتا ہے- وزیر کے خلاف اس کا کہا نہیں مانتا- کوتوال اس کو تنبیہ کرتا ہے کہ اس کو زیادتی سے باز رکھے اور کوتوال کو بھی دباؤ میں رکھتا ہے کہ قدم حد سے زیادہ نہ بڑھائے اور ان باتوں سے اس بادشاہ کی سلطنت میں انتظام قائم اور درست رہتا ہے- اسی طرح بادشاہ دل بھی اگر وزیر عقل کے مشورے سے کام کرے- خواہش اور غصہ کو تابع کر کے عقل کا محکوم کر دے اور عقل کو ان کا محکوم نہ بنائے تو بدن کی سلطنت کا انتظام درست اور سعادت کی راہ چل کر حضرت الٰہیت میں بے روک ٹوک پہنچ جائے- اور عقل کو غصہ اور خواہش تیری بنا دے تو تن کا مالک ویران اور بادشاہ دل بدبخت و ہلاک ہو گیا-

فصل : اے عزیز جو کچھ بیان ہوا اس سے تو نے یہ جان لیا کہ خواہش اور غصہ کو کھانے پینے اور بدن کی حفاظت ہی کے لیے خدا نے پیدا کیا ہے- تو یہ دونوں بدن کے خدمت گار- اور کھانا پینا بدن کا چارہ ہے اور بدن کو حواس کا بوجھ اٹھانے کے لیے پیدا کیا ہے- تو بدن حواس کا خادم ہے اور حواس کو عقل کی جاسوسی کے لیے پیدا کیا ہے- تو بدن حواس کا خادم ہے اور حواس کو عقل کی جاسوسی کے لیے پیدا کیا ہے- کہ دل کی شمع و چراغ بنے اور اس کی روشنی میں درگاہ الٰہی دل کو نظر آئے کہ

یہی دید دل کی بہشت ہے تو عقل دل کی خادمہ ہے اور دل جمال الٰہی کے نظارے کے لیے پیدا کیا ہے- جب دل اس نظارہ میں مشغول ہوا تو بندہ خدا کی درگاہ کا خادم بنا- حق تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۝ میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی بندگی کے لیے

اس کے یہی معنی ہیں پس دل کو پیدا کر کے اسے ملک لشکر اور سواری بدن کی اسی لیے دی ہے کہ عالم خاک سے اعلیٰ علیین کی سیر کرے- اگر کوئی اس نعمت کا حق ادا کرنا اور بندگی کی شرط بجالانا چاہے تو چاہیے کہ بادشاہ کی طرح مسند پر بیٹھے اور خدا کی درگاہ کو اپنا مقصود و قبلہ بنائے- اور آخرت کو اپنا وطن اور ٹھہرنے کی جگہ قرار دے اور دنیا کو منزل بدن کو سواری ہاتھ پاؤں کو خدمت گار- عقل کو وزیر خواہش کو مال کا نگہبان غصہ کو کوتوال اور حواس کو جاسوس بنا کر ہر ایک کو ایک ایک کام پر لگا دے کہ وہاں کی خبر لائیں- اور قوت خیال جو دماغ میں اگلی طرف ہے اسے اخبار کے ہرکاروں کا افسر بنائے- تاکہ جاسوس تمام خبریں اس کے پاس لائیں- اور قوت حافظہ جو دماغ میں پچھلی طرف ہے- اسے خبروں کا محافظ دفتر قرار دے کہ اخبار کے پرچے اس افسر سے لے کر حفاظت سے رکھے اور وقت پر وزیر عقل سے عرض کرے اور وزیر ان سب چیزوں کے موافق جو ملک سے اپنے پہنچی ہیں ملک کا انتظام اور بادشاہ کے سفر کی تدابیر کرتا رہے- وزیر عقل بھی اگر دیکھے کہ لشکر میں سے مثلاً خواہش غصہ وغیرہ بادشاہ سے منحرف ہو گیا اور اطاعت فرمانبرداری سے باہر ہو گیا اور راہزنی کرنا چاہتا ہے تو جہاد کی طرف متوجہ ہو کر پھر راہ پر لے آئے اور اسے مار ڈالنے کا ارادہ نہ کرے- کیونکہ سلطنت ان کے بغیر درست نہ رہے گی- بلکہ ایسی تدبیر کرے کہ ان کو اپنے قابو میں لائے- کہ جو سفر درپیش ہے اس میں وہ یار و مددگار رہیں- دشمن نہ ہو جائیں- رفاقت کریں- چوری، ڈکیتی عمل میں نہ لائیں- جب ایسا کیا تو سعید و نیک بخت ہو گیا اور نعمت کا حق ادا کر دیا اور اس خدمت کے عوض سرفرازی کا خلعت وقت پر پائے گا اور اگر اس کے خلاف عمل میں لایا دوسرے ڈکیتی کرنے والے باغیوں اور دشمنوں سے مل گیا تو نمک حرام اور بدبخت ہو گیا- اور اپنی اس بداعمالی کی سخت سزا پائے گا-

فصل : اے عزیز جان کہ آدمی کو ہر ایک لشکر سے جو اس کے باطن میں ہے ایک تعلق ہے اور ہر لشکر کے سبب آدمی میں ایک صفت اور خلق پیدا ہوتا ہے- ان میں سے بعض اخلاق برے ہیں جو آدمی کو تباہ و برباد کرتے ہیں- اور بعض اچھے ہیں کہ آدمی کو درجہ سعادت پر پہنچا کر عالی مرتبت کرتے ہیں- وہ سب اخلاق اگرچہ بہت ہیں- لیکن چار قسم کے ہیں چارپایوں کے اخلاق- درندوں کے اخلاق، شیطانوں کے اخلاق اور ملائکہ کے اخلاق چونکہ آدمی میں لالچ اور خواہش ہے اس لحاظ سے چارپایوں کے سے کام کرتا ہے- کہ مارنے مار ڈالنے لوگوں سے گالی گلوچ ہاتھاپائی کرنے پر شیر ہوتا ہے- اور جبکہ حیلہ و مکر کرنا- لوگوں میں فساد ڈالنا چونکہ آدمی میں موجود ہے اس وجہ سے شیاطین کے سے کام کرتا ہے اور چونکہ اس میں عقل ہے اس کے باعث فرشتوں کے سے کام کرتا ہے- مثلاً علم کو دوست رکھنا برے کاموں سے پرہیز کرنا- لوگوں کی اچھائی چاہنا- ذلیل کاموں سے بچ کر عزت دار رہنا- ہر کام میں حق کی پہچان کر کے خوش ہونا جہل اور نادانی کو عیب جاننا

اور فی الحقیقت آدمی کی سرشت میں یہ چار چیزیں ہی ہیں۔ کتا پن، سور پن، شیطان پن، فرشتہ پن، کیونکہ کتا اپنی صورت ہاتھ پاؤں کھال کی وجہ سے برا نہیں بلکہ اپنی عادات کے سبب برا ہے کہ آدمیوں سے بھڑ جاتا ہے۔ سور بھی اپنی صورت کے اعتبار سے کچھ برا نہیں بلکہ اس وجہ سے برا ہے۔ کہ ناپاک اور بری چیزوں کا طمع رکھتا ہے۔ کتے اور سور کی روح کی بھی یہی حقیقت ہے اور آدمی میں بھی یہ باتیں موجود ہیں۔ اسی طرح شیطان پن اور فرشتہ پن کے بھی یہی معنی ہیں۔ اور آدمی سے فرمایا گیا کہ عقل کا نور جو فرشتوں کے انوار و آثار سے ہے۔ اس کی بدولت شیطان کے مکر اور حیلے معلوم کرنے تاکہ رسوانہ ہو اور شیطان اس سے فریب نہ کر سکے جیسا کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ ہر آدمی کے لیے ایک شیطان ہے اور میرے لیے بھی ہے۔ لیکن خدا نے مجھے اس پر فتح عطا کر دی ہے تو وہ میرے ماتحت ہو گیا ہے اور وہ مجھے برائی کا حکم نہیں دے سکتا۔ اور آدمی کو یہ بھی حکم ہے کہ لالچ و خواہش کے سور اور غصہ کے کتے کو ادب اور کنٹرول میں رکھے اور عقل کو زبردست کرے کہ اس کے حکم سے اٹھیں بیٹھیں جو آدمی ایسا کرے گا اس کو اچھے اخلاق جو اس کی سعادت کے تخم میں حاصل ہوں گے اور اگر اس کے خلاف کرے گا اور خود ان کا خدمت گار بن جائے گا تو برے اخلاق جو اس کی بدبختی کے بیج ہیں اس سے ظاہر ہوں گے اور اگر خواب یا بیداری میں اس کے حال کی تمثیل اس کو دکھائیں تو وہ اپنے آپ کو یوں دیکھے گا کہ ایک سور یا کتے یا شیطان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ اگر کوئی کسی مسلمان کو کسی کافر کے قبضہ قدرت میں دے دے تو کافر اس مسلمان کا جو حال کرے گا وہ ظاہر ہے۔ اور اگر فرشتے کو کتے اور سور اور شیطان کے قبضے میں دے دے تو اس فرشتے کا حال اس مسلمان سے بھی بدتر ہو گا۔ لوگ اگر انصاف کریں اور سوچیں تو دن رات اپنے نفس کی خواہش کے تابع نہ رہیں اور حقیقت میں ان کا حال یہ ہے کہ ظاہر میں گو آدمی کے مشابہ ہیں۔ لیکن قیامت کو یہ بھید کھلے گا اور ان کا ظاہر بھی باطن کی صورت پر ہو گا۔ جن پر خواہش اور لالچ غالب ہے۔ لوگ ان کی سور کی صورت دیکھیں گے اور جن پر غصہ غالب ہے ان کی بھیڑیئے یا کتے کی سی صورت ہو گی۔ اسی لیے ہے کہ اگر کسی نے بھیڑیئے کو خواب میں دیکھا تو ظالم مرد اس کی تعبیر ہے۔ اور اگر کسی نے سور کو خواب میں دیکھا تو نجس آدمی اس کی تعبیر ہے کیونکہ نیند موت کا نمونہ ہے۔ نیند کے سبب اس عالم سے جو اتنا دور ہوا تو صورت سیرت کے تابع ہو گئی۔ ہر شخص کو ویسا ہی دیکھا جیسا اس کا باطن ہے۔ یہ بڑے بھید کی بات ہے یہ کتاب اس کی تفصیل کی متحمل نہیں۔

فصل: اے عزیز جب معلوم ہو گیا کہ باطن میں یہ چاروں حکم دینے والے ہیں۔ تو اپنی حرکات و سکنات کو دیکھ کہ چاروں میں تو کس کی اطاعت میں ہے اور یقین جان کہ تو جو حرکت کرے گا اس سے دل میں ایک صفت پیدا ہو کر رہے گی۔ اور اس جہان میں تیری ساتھی ہو گی۔ ان صفات کو اخلاق کہتے ہیں۔ اور سب اخلاق ان چاروں کو حکم کرنے والوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں یعنی اگر خواہش کے سور کا تو مطیع ہے تو پلیدی، بے حیائی، لالچ، خوشامدی، خست اور دوسرے کی برائی پر خوش ہونا وغیرہ صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر اس سور کو تو دبائے رکھے گا تو قناعت، حیا، شرم، دانائی، پارسائی، بے طمعی، غریبی

کی صفت ہو گی۔اگر تو غضب کے کتے کی اطاعت کرے گا تو نڈر ہونا' ناپاکی' بڑا بول بولنا' غرور' تکبر' اپنی بڑائی چاہنا' افسوس کرنا۔ دوسرے کو کم جاننا اور ذلیل سمجھنا لوگوں سے بھڑنا وغیرہ باتیں پیدا ہوں گی اگر اس کتے کو ادب میں رکھے گا تو صبر بردباری درگزر کرنا۔ استقلال' بہادری' سکوت' عزت' بزرگی وغیرہ کے اوصاف پیدا ہوں گے۔ اگر تو اس شیطان کی اطاعت کرے گا جس کا کام اس سور اور کتے کو ورغلا کر دلیر کرنا مکر فریب سکھلانا' دھوکا دینا' خیانت کرنا' جعل سازی' جھوٹ بولنا' رنجھنا۔ اور مکر و فریب وغیرہ امور پیدا ہوں گے اور اگر تو اس کو زیر کرے اس کے فریب میں نہ آئے گا اور عقل کے لشکر کی مدد کرے گا تو دانائی' معرفت' علم' حکمت' صالحیت' حسن اخلاق' بزرگی اور ریاست کی صفتیں پیدا ہوں گی اور یہ اوصاف جو تیرے ساتھ رہیں گے یہی نیک یادگار ہوں گے۔ اور تیری سعادت کا ختم بن جائیں گے اور جن کاموں سے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں گناہ کہتے ہیں اور جن کاموں سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں عبادت کہتے ہیں۔ آدمی کے حرکات و سکنات ان دو حال سے جن کا ذکر ہوا خالی نہیں۔ دل گویا ایک روشن آئینہ ہے اور برے اخلاق دھواں اور ظلمات ہیں جب دل تک پہنچتے ہیں تو اسے اندھا کر دیتے ہیں کہ قیامت کے دن جناب الٰہی کی دید سے محروم رہے گا اور نیک اخلاق گویا نور ہیں۔ کہ دل میں پہنچ کر اسے سیاہی اور گناہوں سے صاف کر دیتے ہیں اسی لیے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

اِتَّبِعِ السَّیِّئَةَ اَلْحَسَنَةَ تَمْحُهَا — یعنی ہر برائی کے بعد بھلائی کر کہ بھلائی برائی کو مٹا دیتی ہے۔

یا قیامت میں آدمی کا دل روشن ہو گیا یا تاریک۔

فَلَا یَنْجُوا اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ — کوئی نجات نہ پائے گا۔ مگر وہ شخص جو خدا کے سامنے ایسا دل لایا ہو جو گناہوں سے سلامت ہے۔

اور آدمی کا دل ابتدائے خلقت میں لوہے کا سا ہے جس سے روشن آئینہ بنتا ہے کہ تمام اس میں دکھائی دیتا ہے۔ بشرطیکہ اسے خوب حفاظت سے رکھیں۔ نہیں تو ایسا زنگ لگ جاتا ہے کہ اس سے آئینہ نہ بن سکے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ — کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ان کے دلوں میں وہ جو کچھ کماتے تھے۔

اے عزیز شاید تو یہ کہے کہ آدمی میں چونکہ درندوں چارپایوں اور شیطانوں کی صفتیں ہیں تو ہم کیونکر جانیں کہ فرشتہ پن اس کی اصل ہے۔ اور یہ صفات عارضی اور عاریۃً ہیں اور کس طرح معلوم ہو کہ آدمی فرشتوں کے اخلاق حاصل کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اور صفات کے لیے نہیں۔ تو سن تاکہ تجھ کو معلوم ہو جائے کہ آدمی چارپایوں اور درندوں سے اشرف و کامل تر ہے اور خدا نے ہر چیز کو جو کمال دیا ہے۔ وہی اس کا نہایت درجہ ہے اور اسی لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اس

کی مثال یہ ہے کہ گھوڑا گدھے سے عزت دار ہے کیونکہ اسے بوجھ اٹھانے کے لیے پیدا کیا اور اسے لڑائی اور جہاد میں دوڑانے کے لیے تاکہ سوار کی ران کے نیچے جیسا چاہے دوڑے - حالانکہ اس کو گدھے کی طرح بوجھ اٹھانے کی قوت بھی ہے - لیکن کمال گدھے سے زیادہ ملا ہے - اگر وہ اپنے کمال سے عاجز ہو تو اس پر بوجھ لاد دیں گے اور اس کو گدھے کا مرتبہ ملے گا - اس میں اس کی خرابی اور نقصان ہے - اس طرح بعض لوگ یہ سمجھ کر کہ آدمی کو کھانے پینے سونے جماع کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اپنی تمام عمر اسی میں گنواتے اور بعض جانتے ہیں کہ آدمی کو اور چیزوں کے زیر کرنے کے لیے پیدا کیا ہے جیسے عرب ترک کو' یہ دونوں خیال غلط ہیں - اس لیے کہ کھانا پینا جماع کرنا خواہش سے ہوتا ہے اور خواہش جانوروں کو بھی ہوتی ہے بلکہ اونٹ کا کھانا اور گرگریا کا جماع آدمی کے کھانے اور جماع سے زیادہ ہے تو آدمی ان سے کس طرح افضل ہے اور دوسرے کو مغلوب کرنا غصہ کے سبب سے ہوتا ہے - اور غصہ درندوں میں بھی پایا جاتا ہے - جو کچھ درندوں و چرندوں وغیرہ کو ملا ہے وہ آدمی کو بھی ملا ہے - بلکہ اس کے سوا آدمی کو اور کمال بھی عنایت ہوا ہے - اور وہ کمال عقل ہے - کہ اس کے سبب سے آدمی خدا کو پہچانتا اور اس کی عجیب و غریب صنعتیں جانتا ہے - اور اسی کے سبب سے آدمی درندوں چرندوں سب پر غالب ہے وہ سب کچھ جو زمین پر ہے آدمی کے مطیع ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ — اور مطیع کیے تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب -

آدمی کی حقیقت وہی ہے جس سے اس کا کمال ہے - اور صنعتیں عارضی اور عاریۃً ہیں اور آدمی کے کمال کے لیے پیدا ہوئی ہیں - اسی لیے جب آدمی مر جاتا ہے - نہ خواہش رہتی ہے' نہ غصہ یا ایک جوہر رہتا ہے جو فرشتوں کی طرح خدا کی معرفت سے آراستہ ہے - اور نخواہ ہی آدمی کا رفیق ہوتا ہے - اور یہی جوہر فرشتوں کا بھی رفیق ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ خدا کی درگاہ میں رہتے ہیں -

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ — بیٹھے ہیں بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے

یا آدمی کے ساتھ ایک اوندھی اور تاریک چیز رہتی ہے - تاریک اس وجہ سے ہوتی ہے کہ گناہ کے سبب اس میں زنگ لگ جاتا ہے اور اوندھی اس وجہ سے کہ غصہ و غضب کے باعث اسے آرام ملتا تھا - غصہ و غضب تو یہاں رہ گیا تو اس کے دل کا منہ بھی اسی طرف رہے گا کہ اس کی خواہش اور مقصد تو یہاں ہے - اور یہ جہان اس جہان کے نیچے ہے - اب وہ جہان ہے تو اس کا سر نیچے ہوگا -

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ — اگر کبھی تو دیکھے جس وقت مجرم سر نیچے کئے ہوں گے اپنے رب کے پاس -

کے یہ معنی ہیں - اور جو شخص ایسا ہوگا شیطان کے ساتھ سجین میں جائے گا اور سجین کے معنی ہر ایک کو معلوم نہیں ہیں - اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ ۝ — اور تمہیں کیسے معلوم ہو کہ سجین کیا ہے -

فصل : عالم قلب کے عجائبات کی انتہا نہیں- اور دل کی فضیلت اسی سے ہے کہ سب سے نرالا ہے- بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں- دل کی فضیلت دو وجہ سے ہے- ایک تو علم کی وجہ سے دوسرے قدرت کے سبب علم کی وجہ سے فضیلت کی دو قسمیں ہیں- ایک کو تمام مخلوق جان سکتی ہے- مگر دوسری نہایت پوشیدہ اور عمدہ ہے- اسے کوئی نہیں پہچان سکتا- وہ بزرگی جو ظاہر ہے وہ تمام علموں، صنعتوں اور معرفتوں کی قوت ہے- اسی قوت کی وجہ سے دل تمام صنعتیں پہچانتا ہے اور جو کچھ کتابوں میں ہے اسے پڑھتا اور جانتا ہے- جیسے ہندسہ، حساب، طب، نجوم، علم شریعت اور باوجودیکہ دل ایسی چیز ہے کہ ٹکڑے نہیں ہو سکتا- مگر سب علم اس میں سما جاتے ہیں- بلکہ اس کے سامنے تمام عالم ایسا ہے کہ گویا صحرا میں ذرہ اور لحظہ بھر میں زمین میں سے آسمان تک مشرق سے مغرب تک دل اپنی فکر و حرکت سے پہنچ جاتا ہے- باوجودیکہ زمین پر ہے مگر تمام آسمان کو ناپتا ہے- اور سب ستاروں کو ناپ کر جانتا ہے کہ اتنے گز فاصلے پر ہیں اور مچھلی کو دریا کی تہہ سے تدبیر و حیلہ سے باہر نکالتا ہے- اور پرندے کو ہوا سے زمین پر ڈال لیتا ہے- اور زور آور جانور جیسے اونٹ، ہاتھی، گھوڑا ان کو اپنا تابع کر لیتا ہے- اور عالم میں جو عجیب عجیب علوم ہیں وہ اس کا پیشہ ہے اور یہ سب اسی پانچ حواس سے حاصل ہوتے ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام حواس کا دل کی طرف راستہ ہے- اور یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جیسے عالم محسوسات یعنی عالم جسمانی کی طرف پانچ حواس دل کے پانچ دروازے ہیں- اسی طرح عالم ملکوت یعنی عالم روحانی کی طرف بھی دل میں ایک کھڑکی کھلی ہے اور بہت لوگ عالم جسمانی ہی کو محسوس جانتے اور حواس ظاہری کو ہی علم کا راستہ سمجھتے ہیں- حالانکہ یہ دونوں بے حقیقت اور بے اصل ہیں- ان کی حقیقت کیا ہے- اور دل کی بہت سی کھڑکیاں جو علوم کی طرف کھلتی ہیں اس دعویٰ پر دو دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں :

۱- نیند میں لوگوں کے ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں اور دل کی کھڑکی کھل جاتی ہے- اور عالم ارواح و لوح محفوظ میں غیب کی چیزیں نظر آتی ہیں- جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے دکھائی دیتا ہے- یا صاف معلوم ہوتا ہے- یا مثال میں نظر آتا ہے- اسے تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے- اور ظاہر ہے کہ جو جاگتا رہتا ہے- لوگ اسے معرفت کا زیادہ مستحق جانتے ہیں- حالانکہ دیکھتے ہیں کہ جاگتے میں غیب کی چیزیں نظر نہیں آتی ہیں- اور خواب کی حقیقت کی تفصیل اس کتاب میں بیان کرنا ممکن نہیں لیکن مجمل طور پر اس قدر جان لینا چاہیے کہ دل آئینہ کی طرح ہے اور لوح محفوظ اس آئینہ کی طرح ہے جس میں سب موجودات کی تصویریں موجود ہیں اور صاف شفاف آئینہ کو جب تصویر والے آئینہ کے سامنے رکھتے ہیں تو اس میں سب تصویریں دکھائی دیتی ہیں- اسی طرح دل جب آئینہ کی طرح ہو اور محسوسات سے قطع تعلق کرے تو لوح محفوظ سے مناسبت و مقابلہ پیدا کر سکتا ہے تو لوحِ محفوظ میں تمام موجودات کی جو تصویریں موجود ہیں دل میں صاف نظر آتی ہیں اور دل جب تک محسوسات سے مشغول رہتا ہے- عالم غیب کے ساتھ مناسب نہیں ہوتا- نیند میں چونکہ محسوسات سے بالکل فلوج ہوتا ہے تو لازماً عالمِ روحانی کو دیکھتا ہے- لیکن نیند میں حواس تو علیحدہ ہو جاتے ہیں- مگر خیال باقی رہتا ہے- اسی

وجہ سے مثال میں خیال نظر آتا ہے۔ اور صاف حال سامنے نہیں آتا۔ اور جب آدمی مر جاتا ہے تو نہ خیال باقی رہتا ہے نہ حواس اس وقت کچھ آڑ نہیں رہتی۔ معاملہ صاف ہوتا ہے۔ اس وقت اس سے کہتے ہیں:

فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ٥ — تو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا تو تیری نگاہ آج بہت تیز ہے۔ ۱۲

اور وہ جواب دیتا ہے:

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ٥ — اے رب ہم نے دیکھ لیا سن لیا۔ اب ہم کو پھر بھیج ہم کریں بھلائی ہم کو یقین آیا۔

اور عالم ملکوت کی طرف دل کی کھڑکی ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے دل میں فراست کی باتیں اور نیک خیالات الہام کے طور سے نہ آتے ہوں۔ اور وہ حواس کے راستے نہیں آتے بلکہ دل ہی میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ خطرے کہاں سے آئے ہیں۔ اتنی بات یہ معلوم ہوا کہ ہر طرح کا علم محسوسات کے ذریعے سے نہیں اور دل اس عالم سے نہیں بلکہ عالم روحانی سے ہے اور حواس جن کو اس عالم کے لیے پیدا کیا ہے خواہ مخواہ اس عالم کو دیکھنے میں آڑ بنے ہوئے ہیں اور جب تک اس عالم سے فارغ نہ ہوگا اس عالم کی طرف راہ نہ پائے گا۔

فصل: اے عزیز یہ گمان نہ کرنا کہ عالم روحانی کی طرف دل کی کھڑکی سوئے اور مرے بغیر نہیں کھلتی۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص جاگتے میں ریاضت و محنت کرے دل کو خواہش اور غصہ کے ہاتھ سے چھڑا لے۔ برے اخلاق سے پاک کرے خالی جگہ میں بیٹھے آنکھ کو بند اور حواس کو بیکار کرے۔ اور دل کی عالم روحانی سے یہاں تک مناسبت قائم کر دے کہ ہمیشہ دل سے اللہ اللہ کہے زبان سے نہیں حتیٰ کہ اپنے آپ اور عالم تمام سے بے خبر ہو جائے اور خدا کے سوا کسی کی خبر نہ رکھے۔ جب ایسا ہو جائے تو اگرچہ جاگتا ہو تو بھی دل کی کھڑکی کھلی رہے گی۔ اور لوگ جو کچھ خواب میں دیکھیں گے وہ جاگتے میں دیکھے گا۔ فرشتوں کی ارواح اچھی صورتوں میں اس پر ظاہر ہوں گی۔ پیغمبروں کو دیکھنے لگے گا۔ اور ان سے بہت فائدہ اور مدد پائے گا۔ زمین آسمان کے ملکوت اسے نظر آئیں گے۔ اور جس کسی پر یہ راہ کھلی وہ عجیب عجیب چیزیں اور بڑے بڑے وہ کام جن کی تعریف امکان سے باہر ہے' دیکھے گا رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

زُوِّيَتْ لِیَ الْاَرْضُ فَاُرِيْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا — دکھائی گئی مجھ کو زمین پھر دیکھا میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو۔[۱]

اور خدا تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے:

---

[۱] یہ حدیث طبرانی میں ہے اور اسی مضمون کی ایک حدیث ترمذی شریف میں بھی ہے۔ حضور علیہ السلام کے علم ماکان مایکون کے ثبوت میں بہت سی آیات اور بے شمار احادیث صحیحہ اور اقوال علماء اہلسنت موجود ہیں۔ مزید اطمینان کے لیے اعلیٰ حضرت بریلویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ (مترجم)

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ٥

اسی طرح دکھاتے ہیں ہم ابراہیم کو سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔

سب اسی سلسلے میں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے تمام علوم اسی طرح سے تھے حواس اور سیکھنے سے نہ تھے۔ سب کا آغاز ریاضت و مجاہدہ سے تھا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا٥

سب سے رشتہ تعلق توڑ کر اپنے تئیں آپ کو بالکل خدا کے قبضہ اختیار میں دے دے دنیا کی تدبیر میں مشغول نہ ہوں کہ خدا خود سب کام درست کر دیتا ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا٥

مالک مشرق اور مغرب کا اس کے بغیر کسی کی بندگی نہیں۔ سو پکڑ اسی کو وکیل و کارساز۔

جب تو نے اپنا وکیل خدا کو بنایا تو اب فارغ اور لوگوں سے نہ مل۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا٥

اور صبر کر اس پر جو وہ کہتے ہیں اور چھوڑ ان کو بھلی طرح چھوڑنا۔

یہ سب ریاضت و مشقت تعلیم کے طور پر ہے کہ خلق کی تمنا۔ دنیا کی خواہش اور محسوسات کے ساتھ شغل سے دل صاف ہو اور پڑھ کر اس امر کو حاصل کرنا علماء کا طریقہ ہے یہ بھی بڑا کام ہے۔ لیکن نبوت کی راہ اور انبیاء و اولیاء کے علم کی نسبت جو آدمیوں کے سکھائے بغیر رب العزت کی درگاہ سے حاصل ہوتا ہے۔ چھوٹا ہے اکثر لوگوں کو اس راہ کا سیدھا اور درست ہونا۔ تجربہ و عقلی دلیل سے معلوم ہوا ہے۔ اے عزیز اگرچہ تجھے ذوق سے یہ حال حاصل نہ ہو۔ سیکھنے سے بھی نہ معلوم ہو۔ اور عقلی دلیل سے بھی نہ حاصل ہو لیکن اتنا تو ہونا چاہیے اس پر ایمان و تصدیق کرنا کہ تینوں درجوں سے محروم نہ رہے اور منکر نہ ہو جا اور یہ امور عالم دل کے عجائبات سے ہیں اور اسی سے آدمی کے دل کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔

فصل : اے عزیز یہ گمان نہ کرنا کہ یہ امور پیغمبروں کے لیے خاص ہیں اس لیے سب آدمیوں کی ذات اصل خلقت میں اس کے لائق ہے جیسے کوئی لوہا ایسا نہیں کہ خلقت میں اس کی لیاقت نہ رکھتا ہو کہ اس سے آئینہ نہ بن سکے کہ اس آئینہ میں عالم کی صورت نظر آئے۔ مگر یہ کہ اس میں زنگ لگے اور اس کی اصل میں پیوست ہو جائے اور اسے خراب کر دے یہی حال دل کا ہے کہ اگر دنیا کی حرص و خواہش اور گناہ اس پر چھا جائیں اور اس میں جگہ کر لیں۔ تو دل زنگ آلود میلا ہو جاتا ہے اس میں لیاقت نہیں رہتی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے :

وَكُلُّ مَوْلُودٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ
اور ہر چہ پیدا ہوتا ہے فطرت پر پھر ماں باپ اس کے یہودی بناتے ہیں اسے اور نصرانی بناتے ہیں اسے اور مجوسی کر دیتے ہیں اس کو۔

اور سب میں یہ لیاقت موجود ہونے کی خبر خدا نے بھی دی ہے:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ہ
کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب کہا انہوں نے البتہ ہے۔

جیسا کہ کوئی کہے کہ جس کسی عقلمند سے پوچھیں کہ کیا دو ایک سے زیادہ نہیں ہیں۔ جواب دے گا ہاں ضرور زیادہ ہیں۔ اگرچہ تمام عقلمندوں نے کان سے نہ سنا ہو نہ زبان سے کہا ہو لیکن اس جواب کا سچ ہونا سب کے دل میں ہے۔ جیسا سب آدمیوں کی یہ خلقت ہے خدا کی معرفت بھی سب کی فطرت میں ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ
اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے انہیں پیدا کیا تو بے شک کہیں گے کہ اللہ نے۔

اور فرمایا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہ
اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔

اور عقلی دلیل اور تجربہ سے بھی معلوم ہے کہ یہ امور پیغمبروں کے ساتھ خاص نہیں۔ اس لیے کہ پیغمبر بھی آدمی ہیں:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
کہہ دے اے محمدؐ سوائے اس کے نہیں ہے کہ میں تمہاری طرح ایک آدمی ہوں۔

یہ راہ جس شخص پر کھلی ہے اور اسے لوگوں کی صلاحیت کی ساری باتیں بتائی ہیں۔ اور وہ ان باتوں کی ہدایت کرتا ہے تو اس بتائے ہوئے طریقہ کا نام شریعت ہے۔ اور خود اس شخص کو پیغمبر اور اس کے خرق عادت حالات کو معجزات کہتے ہیں اور اگر وہ شخص مخلوق کو ہدایت دینے میں مصروف نہ ہو تو اسے ولی کہتے ہیں۔ اور اس کے حالات کو کرامات اور یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کا یہ حال لازماً خلق کو دعوت بھی دے اور ہدایت دینے میں بھی مشغول ہو۔ بلکہ خدا کی قدرت میں ہے کہ اس کے ذریعہ ہدایت دینے میں اس وجہ سے مشغول نہ کرے کہ اس وقت شریعت ہو۔ اور لوگوں کو تبلیغ کی ضرورت نہ ہو لوگوں کو ہدایت دینے کی شرائط میں نہ ہوں۔ اے عزیز تجھے چاہیے کہ اولیاء کی ولایت و کرامت پر اعتقاد رکھے۔ یہ جان لینے پر کفایت نہ کر کہ پہلے تو یہ کام محنت سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں محنت کو دخل ہے۔ لیکن یہ بھی نہیں کہ جو کھیتی بوئے وہ غلہ بھی کاٹے اور جو چلے وہ منزل کو بھی پہنچے اور جو ڈھونڈے وہ پائے جو کام ذی شان ہوتا ہے۔ اس کی شرطیں بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اور اس کا حصول بھی مشکل ہوتا ہے۔ اور مقام معرفت میں آدمی کے جو درجات ہیں۔ یہ کام تو اس میں سے بہت بڑا درجہ رکھتا ہے۔ اور بے کوشش اور مرشد کامل اس کام کو ڈھونڈھنا بھی نہیں آتا۔ اور اگر یہ دونوں بھی ہوں تو جب تک خدا کی مدد نہ ہو اور ازل میں اس شخص کے لیے اس سعادت کا حکم نہ ہو چکا ہو۔ اس مراد کو نہ پا سکے گا۔ اور

علم ظاہری میں امامت کا درجہ پانا اور دوسرے کام ایسے ہی ہیں۔

فصل : اے عزیز اصل آدمی جسے دل کہتے ہیں وقت اور حال کے اعتبار سے اس کی جو فضیلت ہے اس بیان سے وہ بزرگی و فضیلت کچھ پرچھائیں سی تجھے معلوم ہوئی اب یہ جان کہ قادر ہونے کے لحاظ سے بھی اس کو عظمت اور فرشتوں کی خاصیت حاصل ہے۔ حیوانوں کو وہ بزرگی حاصل نہیں اور دل کی قدرت یہ ہے کہ جیسے عالم اجسام فرشتوں کے تابع ہے۔ جب وہ مناسب دیکھتے اور خلق کو محتاج پاتے ہیں۔ خدا کے حکم سے پانی برساتے اور موسم نہار میں ہوا چلاتے ہیں اے۔ چہ دان میں حیوان کی صورت اور زمین میں روئیدگی کی شکل بناتے اور سنوارتے ہیں ہر ہر کام پر فرشتوں کا ایک ایک گروہ مقرر ہے۔ اسی طرح آدمی کا دل بھی فرشتوں کی جنس سے ہے۔ اور اس کو بھی خدا نے قدرت دی ہے کہ بعض اجسام اس کے بھی تابع ہیں۔ اور ہر ایک کا بدن خاص عالم ہیں اور دل کے تابع ہے۔ اس لیے کہ یہ معلوم ہے کہ دل انگلی میں نہیں۔ اور علم و ارادہ بھی انگلی میں نہیں مگر جب دل حکم دیتا ہے تو انگلی ہلتی ہے۔ اور جب دل میں غصہ آتا ہے تو تمام بدن سے پسینہ جاری ہو جاتا ہے۔ یہ مینھ ہے اور جب دل میں شہوت پیدا ہوتی ہے تو ہوا چلتی ہے اور وہ شہوت آلہ تناسل کی طرف چلی جاتی ہے۔ اور جب دل میں کھانے کا خیال آتا ہے تو زبان کے نیچے جو قوت ہے وہ خدمت کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور پانی نکلتا ہے۔ کہ کھانے کو ایسا تر کرے کہ کھالیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ دل کا تصرف بدن میں جاری ہے اور بدن دل کے تابع ہے لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ امر ممکن ہے کہ بعض دل جو زیادہ بزرگ اور قوی اور فرشتوں کی اصل سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ بدن کے علاوہ اور اجسام بھی ان کے مطیع ہو جائے۔ اگر کسی بیمار کی طرف وہ دل ہمت و توجہ کرے تو وہ اچھا ہو جائے۔ اگر تندرست کی طرف ہمت کرے تو بیمار پڑ جائے اگر کسی شخص کو چاہے کہ ہمارے پاس آئے تو اس شخص کا دل اس کے پاس جانے کو چاہے اگر ہمت مبذول کرے کہ مینھ برسے تو برسنے لگے یہ سب عقلی دلیل سے بھی ممکن ہے اور تجربہ سے بھی معلوم ہے اور نظر لگنا اور جسے جادو کہتے ہیں وہ اسی قسم سے ہے۔ سب چیزوں میں آدمی کے نفس کو دخل ہے۔ مثلاً جو نفس حسد کرتا ہے۔ اگر کسی چارپایہ کو دیکھ کر اپنے حسد کی وجہ سے اس کے ہلاک ہونے کا خیال کرے تو وہ چارپایہ فوراً ہلاک ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

اَلْعَیْنُ تُدْخِلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَ الْجَمَلَ الْقِدْرَ — نظر بد آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو دیگ میں ڈال دیتی ہے۔

دل میں جو قدرتیں ہیں ان میں سے یہ ایک عجیب قدرت ہے ایسی خاصیت اگر پیغمبروں سے ظاہر ہو تو معجزہ ہے اگر دل سے ظاہر ہو کرامت۔ اگر اس خاصیت والا نیک کاموں میں رہتا ہے تو اسے بھی ولی کہتے ہیں اور اگر برے کاموں میں رہتا ہے تو جادوگر ہے اور سحر کرامات سب آدمی کے دل کی قدرت کی خاصیت ہیں اور ان میں بڑا فرق ہے اس کتاب میں اس

اے معلوم ہوا کہ بہت سے مافوق العادۃ کام اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں یعنی فرشتوں کے اختیار میں دے رکھے ہیں۔ تو اگر اولیاء کرام کو بھی ایسا اختیار دے دے تو شرک و فکر کیسے ہوگا۔ جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے چند سطر بعد خود اولیاء اللہ کے تفرقات کو بیان کیا ہے۔ اس عقیدے کو شرک و بدعت کہنے والے غور فرمائیں۔ (مترجم)

فرق کے بیان کے گنجائش نہیں۔

فصل : یہ سب کچھ جو بیان ہوا جو کوئی اسے جانے گا نبوت کی حقیقت اچھی طرح نہ پہچان سکے گا صرف گفت وشنید سے کچھ جانے گا۔ اس لیے کہ نبوت ولایت آدمی کے دل کے بڑے درجات میں سے ایک درجہ ہے اور اس درجہ سے تین خاصیتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جو حال عوام پر خواب میں کھلتا ہے۔ اس درجہ والے پر جاگتے میں کھل جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ عوام کے نفس فقط ان کے بدن ہی میں اثر کرتے ہیں اور اس درجہ والے کا نفس ان چیزوں میں جو اس کے بدن کے باہر ہیں اس طرح اثر کرتا ہے کہ اس میں خلق کا بناؤ ہو بگاڑ نہ ہو۔ تیسری یہ کہ عوام الناس کو جو علوم سیکھنے سے آتے ہیں۔ اس درجہ والے کو بے سیکھے اپنے دل سے آجاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ بات ممکن ہے کہ جو شخص کچھ تیز عقل اور صاف دل ہوتا ہے۔ بے سیکھے بعض علوم اس کے دل میں آجاتے ہیں۔ تو یہ بھی جائز ہے۔ کہ جو شخص بہت تیز عقل اور بہت صاف دل ہے۔ وہ بہت یا سب علوم خود بخود جان جائے۔ اور ایسے علم کو علم لدنی کہتے ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًاہ — اور سکھایا ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک علم۔ ۱۲

جس شخص کو یہ تینوں خاصیتیں حاصل ہوں وہ پیغمبران بزرگ یا اولیائے کرام سے ہے۔ اور جس میں ان میں سے ایک خاصیت ہے اس کو بھی یہ درجہ حاصل ہے۔ اور ہر ایک میں بھی بڑا فرق ہے۔ اس لیے کہ کسی کو ہر ایک میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل ہوتا ہے۔ اور کسی کو بہت اور رسولِ مقبول ﷺ کو اس وجہ سے کمال حاصل تھا کہ آپ ﷺ کو تینوں خاصیتیں تمام و کمال حاصل تھیں۔ جب خدا نے چاہا کہ مخلوق کو آں حضرت ﷺ کی نبوت کا حال بتائے تا کہ سب آنحضرت کی اتباع و پیروی کریں اور اپنی سعادت کی راہ سیکھیں تو ان تینوں خاصیتوں میں سے ہر ایک کا شائبہ ان کو عنایت کیا ایک سے خواب دکھایا دوسری سے خلق کی سمجھ سیدھی کر دی۔ تیسری سے ان کے دلوں کو درست کر دیا اور یہ ممکن نہیں کہ آدمی ایسی چیز پر ایمان لائے جس کی جنس اس کے دل میں موجود نہ ہو اس لیے کہ جس چیز کا شائبہ آدمی میں نہ ہو گا اس چیز کی صورت اس کی سمجھ میں نہ آئے گی اسی لیے حقیقت الٰہیہ کما حقہ کوئی نہیں پہچان سکتا۔ صرف خدا ہی جانتا ہے اور اس تحقیق کی تفصیل دراز ہے "معانی اسماء اللہ ا؎" کتاب میں ہم نے کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ یہ تفصیل بیان کی ہے۔ غرض یہ ہے کہ ہم اس امر کو روا رکھتے ہیں کہ اولیاء انبیاء کے لیے ان تینوں خاصیتوں کے سوا اور خاصیتیں بھی ہوں کہ ہم میں ان کا شائبہ نہ ہو۔ اس وجہ سے ہم انہیں نہ جانتے ہوں اور جیسا ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سوا خدا کو کوئی پوری طرح نہیں پہچانتا۔ اسی طرح ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول کو بھی کوئی پوری طرح نہیں پہچانتا۔ مگر وہی رسول یا جو اس سے مرتبہ میں زیادہ ۲؎ ہو تو آدمیوں میں پیغمبر کی شان پیغمبر ہی جانتا ہے۔ اور ہمیں اس سے زیادہ معلوم نہیں اس لیے کہ لوگ اگر ہم سے یہ ذکر کرتے

ا؎ امام والا مقام نے اسماء حسنیٰ کی شرح لکھی ہے اس کتاب کا نام معانی اسماء اللہ ہے۔ ۱۲

۲؎ رسول مقبول ﷺ کا مرتبہ آنحضرت ﷺ اور جناب احدیت کے سوا کوئی رسول بھی کما حقہ نہیں جانتا۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی رسول مرتبہ میں زیادہ نہیں۔ ۱۲

کہ کوئی شخص گر پڑتا اور بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے- نہ دیکھتا ہے- نہ سنتا ہے نہ یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہو گا- اور جب دیکھنے سننے والا ہوتا ہے- تو اپنا یہ حال بھی نہیں جان سکتا اگر ہمیں خود نیند کی کیفیت معلوم نہ ہوتی تو ہم لوگوں کا یہ کہنا کبھی باور نہ کرتے اس لیے کہ آدمی نے جو نہ دیکھا ہو اس پر یقین نہیں کرتا- اور اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ کَذَّبُوْا بِمَالَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا یَاْتِهِمْ تَاوِیْلُهٗ ۵

بلکہ جھٹلانے لگے ہیں جس کے سمجھنے پر قابو نہ پایا اور ابھی تک اس کی حقیقت نہیں پائی- ۱۲

اور فرمایا ہے:

وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْکٌ قَدِیْمٌ

اور جب راہ پر نہیں آئے اس کے بتانے سے اب کہیں گے یہ جھوٹ ہے مدت کا-

اے عزیز اس بات پر تعجب نہ کر کہ اولیاء انبیاء میں ایسی کوئی صفت ہو کہ جس کی کسی کو خبر نہ ہو- اور انہیں اس صفت کے سبب سے عمدہ لذتیں اور حالتیں حاصل ہوں- اس لیے کہ تو دیکھتا ہے کہ جس کو شعر کا ذوق نہیں گانے سے بھی اسے لطف نہیں آتا اگر کوئی چاہے کہ اس بے ذوق کو شعر کے معنی سمجھادے تو کوشش کے باوجود نہیں سمجھا سکتا کہ اسے شعر کی کچھ خبر نہیں- اسی طرح اندھا انسان رنگت اور دیدار کی لذت کے معنی نہیں سمجھ سکتا- خدا کی قدرت سے تو کچھ تعجب نہ کر کہ درجہ نبوت کے بعد بعض ادراک پیدا کرے اور اس سے پہلے اس کی کسی کو خبر نہ ہو-

فصل: اے عزیز یہ سب جو بیان ہوا ہے اس سے تجھے اصل آدمی کی بندگی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صوفیوں کی راہ کیا ہے- اور یہ جو تو نے سنا ہو گا کہ صوفی کہتے ہیں کہ علم اس راہ میں رکاوٹ ہے اور ممکن ہے تو نے اس سے انکار کیا ہو تو یہ انکار درست نہیں- صوفیوں کا کہنا ٹھیک ہے- اس لیے کہ اگر محسوسات کے علم کے ساتھ مشغول رہے گا تو یہ شغل اس حال سے پردہ اور حجاب بنا رہے گا اور دل حوض کی طرح ہے اور حواس گویا پانچ نہریں ہیں کہ ان سے حوض میں پانی جاتا ہے- اگر تجھے منظور ہو کہ حوض کی تہہ سے صاف پانی نکلے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ باہر سے آیا ہوا پانی جو حوض میں ہے اور اس پانی کے سبب جو کیچڑ ہو گئی ہے- اسے حوض سے نکال دے اور سب نہروں کا راستہ بند کر کہ حوض میں باہر کا پانی نہ آنے پائے- اور حوض کی تہہ کو کھود کہ صاف پانی اس کے اندر سے نکلے اور حوض جب تک باہر کے پانی سے بھرا رہے گا ممکن نہیں کہ اس کی تہہ سے پانی نکل سکے- اسی طرح باہر والے علم سے جب تک دل خالی نہ ہو جائے تب تک وہ علم جو دل کے اندر سے پیدا ہوتا ہے نہ پیدا ہو گا ہاں عالم اپنے آپ کو اگر سیکھے ہوئے علم سے خالی کر ڈالے اور اس کے ساتھ مشغول نہ رہے تو وہ علم جس سے اپنے آپ کو خالی کیا ہے- حجاب نہ ہو گا- اور ممکن ہے کہ اس عالم کو کشف بھی حاصل ہو- اسی طرح اگر کوئی شخص محسوسات کے خیال سے اپنا دل خالی کر دے تو وہ خیالات جن سے دل خالی کیا ہے اسے حجاب نہ ہوں گے- اور حجاب کا باعث یہ ہے کہ مثلاً جب کسی شخص نے اہل سنت کے اعتقاد سیکھنے اور گفتگو اور مباحثہ کے لیے جیسا چاہا ان

کی دلیل سیکھیں-اور اپنے آپ کو بالکل اسی کا کر دیا-اور یہ اعتقاد کر لیا کہ اس علم کے سوا اور کوئی علم ہی نہیں تو جب اس کے دل میں کچھ آئے گا یہی کہے گا کہ جو میں نے سیکھا ہے-یہ اس کے خلاف ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے-ایسے شخص کو کاموں کی حقیقت کا معلوم ہونا ممکن نہیں-اس لیے کہ جو اعتقاد عوام لوگوں کو سکھاتے ہیں وہ حقیقت کا ڈھانچہ ہے اصل حقیقت اور پوری معرفت یہ ہے کہ حقیقتیں ڈھانچے سے ایسی ممتاز ہو جائیں جیسے ہڈی سے گودا-

اے عزیز تو جان کہ جو عالم اعتقاد کی تائید کے لیے مناظرے کا طریقہ سیکھتا ہے اسے کچھ حقیقت منکشف نہیں ہوتی-جب وہ یہ سمجھا کہ سب علم میں ہی جانتا ہوں تو یہ سمجھ اس کا حجاب بن جاتی ہے اور چونکہ یہ سمجھ اس پر غالب ہوتی ہے جس نے کچھ تھوڑا سا علم سیکھا ہوتا ہے تو غالباً ایسے لوگ اس درجے سے محروم و محجوب رہتے ہیں اور جو عالم اس سمجھ کو دور کر دے اس کا علم حجاب نہ ہوگا-بلکہ یہ کشف اسے جب حاصل ہوگا تو اس کا درجہ کامل ہوگا-اور اس کی راہ اس شخص سے بہت بے خطر اور سیدھی ہوگی-جس کا قدم علم میں پہلے سے مضبوط نہ ہوا-اور شاید مدت تک خیال باطل میں پھنسا رہا ہو-اور تھوڑا سا شائبہ بھی اس کے لیے رکاوٹ بن جائے-اور عالم ایسے خطرے سے بے خوف ہوتا ہے-اے عزیز اگر کسی صاحب کشف سے تو سنے کہ علم رکاوٹ ہے تو چاہیے کہ اس بات کے معنی سمجھے اس کا انکار نہ کرے لیکن غیر مباح کو مباح ٹھہرانے والے نفس پرور' بے بہرہ لوگ جو اس زمانے میں پیدا ہوئے انہیں ہرگز یہ حال حاصل نہیں-جاہل صوفیوں کی گڑھی ہوئی کچھ واہیات باتیں سیکھ لی ہیں-اور ان لوگوں کا یہ شغل ہے کہ تمام دن اپنے آپ کو دھوتے ہیں-لنگی گدڑی' جانماز سے اپنے آپ کو آراستہ کر کے علم اور علماء کی مذمت کرتے ہیں-یہ لوگ مار ڈالنے کے قابل ہیں-[۱] اس لیے کہ یہ لوگ آدمیوں کے شیطان اور خدا اور رسول ﷺ کے دشمن ہیں-کہ خدا اور رسول ﷺ نے تو علم اور علماء کی تعریف کی ہے اور تمام عالم کو علم سیکھنے کی دعوت دی ہے-یہ بدبخت جب صاحب علم نہیں-اور علم بھی حاصل نہیں کیا ہوا تو ایسی بات یعنی علم' علماء کو برا کہنا اسے کب درست ہے اور اس بدبخت کی مثال اس شخص کی سی ہے-جس نے سنا ہو کہ کیمیا سونے سے بہتر ہے اس لیے کہ اس سے بے انتہا سونا ہاتھ آتا ہے اور جب سونے کا خزانہ اس کے سامنے رکھیں تو اس پر ہاتھ نہ ڈالے اور کہے کہ سونا کس کام آتا اور کیا حقیقت رکھتا ہے-کیمیا چاہیے جو سونے کی اصل ہے اور سونا نہ لے-اور کیمیا نہ تو اس نے دیکھی ہے اور نہ کیمیا کو جانتا ہو-ایسا شخص بدبخت مفلس اور بھوکا رہتا ہے اور اتنی بات کی خوشی میں کہ میں نے آپ یہ کہا کہ کیمیا سونے سے بہتر ہے-خوش ہوتا اور بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے-اور انبیاء و اولیاء کا کشف تو کیمیا کی مانند ہے اور عالموں [۱] کا علم سونے کی مثل ہے-اور کیمیا کے مالک کو سونے کے مالک پر ہر طرح سے فوقیت حاصل ہے-لیکن یہاں پر ایک اور نکتہ ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنی ہی کیمیا ہو-کہ اس سے سونے کے سو دینار سے زیادہ حاصل نہیں ہو سکتے-تو ایسے شخص کو اس شخص پر کچھ فضیلت نہیں-جس کے پاس سونے کے ہزار دینار موجود ہوں اور جیسا کہ کیمیا کی کتابیں اور باتیں اور تلاش کرنے والے بہت ہیں-اس زمانے میں اس کی حقیقت کمیاب ہے اکثر ڈھونڈنے والے دغا کھاتے ہیں-

[۱] جھوٹے صوفی جو علماء کی مذمت کرتے ہیں وہ قابل قتل ہیں-۱۲

صوفیوں کا حال بھی ایسا ہی ہے - اصل صوفی پن ان لوگوں میں نہیں - اگر ہے تو تھوڑا ہے - اور یہ بات نادر ہے کہ کمال کو پہنچے تو جاننا چاہیے کہ جس شخص کو صوفیائے کرام کا تھوڑا سا حال معلوم ہوا ہے - ہر عالم پر فضیلت نہیں کیونکہ ان میں سے بہت سے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کام کے شروع میں کچھ خلل ظاہر ہوتا ہے - اس وقت اس درجہ سے گر پڑتے ہیں اور کامل نہیں ہوتے - اور بعض وہ ہوتے ہیں کہ سوداء اور خیال خام ان پر غالب ہوتا ہے - اور اس کی کچھ اصل نہیں ہوتی اور وہ اسے حق اور مستحکم کام سمجھتے ہیں اور وہ ایسا نہیں ہوتا - اور جیسا کہ خواب میں اصل اور خیالات وواہیات دونوں ہوتے ہیں - اسی طرح اس حال میں بھی ہوتے ہیں بلکہ عالموں ۲؎ پر اس صوفی کو فضیلت ہے - جو اس میں ایسا کامل ہو چکا ہو کہ جو علم دین سے تعلق رکھتا ہے - اور اوروں کو سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے صوفی بے سیکھے اس علم کو جان لے - اور یہ امر نہایت نادر ہے تو اے عزیز چاہیے کہ تو تصوف کی اصل راہ اور صوفیائے کرام کی بزرگی پر ایمان لائے اور اس زمانے کے صوفیوں کے سبب سے ان اصلی صوفیائے کرام سے بد اعتقاد نہ ہو اور ان میں سے جو علم اور علماء پر طعن کرتا ہے - اسے سمجھ لے کر نادانی سے ایسا کرتا ہے -

فصل: اے عزیز شاید تو یہ کہے کہ کیسے معلوم ہو کہ آدمی کی سعادت خدا کی معرفت ہی میں ہے - تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی معرفت میں آدمی کی سعادت کا ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کی سعادت اسی کام میں ہوتی ہے جس کے لیے وہ چیز پیدا ہوتی ہے جیسا کہ شہوت کا مزہ اسی میں ہے کہ آدمی کی آرزو پوری ہو اور غصہ کا مزہ اسی میں ہے کہ دشمن سے بدلہ لے آنکھ کا مزہ اچھی صورتیں دیکھنے میں کان کا مزہ اچھی آوازیں سننے میں ہے اور دل کا مزہ اسی بات میں ہے جو دل کی خاصیت ہے - اور جس کے لیے خدا نے دل کو پیدا کیا ہے وہ امر کاموں کی حقیقت کا پہچاننا ہے کہ یہی دل کا خاصا ہے - لیکن خواہش اور غصہ اور پانچوں حواس سے محسوسات کی پہچان چارپایوں کو بھی حاصل ہے اور چونکہ کاموں کی اصل حقیقت کی معرفت دل کی خاصیت ہے اسی لیے انسان جو چیزیں نہیں جانتا انہیں دریافت کرنے کو جی چاہتا ہے اور جو شے جانتا ہے - اس پر خوش ہو کر فخر کرتا ہے اگر وہ بری چیز مثلاً شطرنج سیکھنے کی فکر میں ہے اور جو اسے جانتا ہے اس سے اگر کہیں کہ تو نہ سیکھا نا تو اسے صبر کرنا دشوار ہوتا ہے - اور اس خوشی سے کہ عجیب قسم کا کھیل جانتا ہے یہ چاہتا ہے کہ فخر ظاہر کرے اے عزیز تجھے جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ دل کی لذت کاموں کی معرفت میں ہے - تو یہ بھی جان لے کہ جتنی اچھی اور عمدہ چیز کی معرفت ہو گی دل کو اس سے اتنی ہی زیادہ لذت ہو گی اس لیے کہ جو شخص وزیر کے اسرار ورموز سے واقف ہوتا ہے وہ خوش ہوتا ہے - اگر بادشاہ کا محرم راز ہو جائے اور اس کے امورِ مملکت پر واقفیت پائے تو بہت ہی خوش ہو گا - اور جو شخص علم ہندسہ کے ذریعہ سے آسمانوں کی شکل اور مقدار جانتا ہے - وہ اس شخص کی نسبت بہت خوش رہتا ہے - جو شطرنج کھیلنا

۱؎ انبیاء اولیاء کا کشف کیمیا ہے - اور عالموں کا سونا ہے - ۱۲
۲؎ صوفی کو ہر عالم پر فضیلت نہیں ہاں صوفی کامل کو عالم پر فضیلت ہے - ۱۲

جانتا ہے- اور شطرنج بچھانا جاننے سے شطرنج کھیلنا جاننے میں آدمی کو زیادہ خوشی ہوتی ہے- اسی طرح معلوم یعنی جانی ہوئی چیز جتنی زیادہ اچھی ہو گی اس کا علم یعنی جاننا اتنا ہی عمدہ ہو گا اور اس میں اسی تناسب سے زیادہ مزہ ہو گا- اور خدا تعالیٰ سب چیزوں سے اشرف و افضل ہے اس لیے کہ سب چیزوں کو اسی کے سبب سے شرف و عزت ہے وہی تمام عالم کا بادشاہ ہے- تمام عالم کے عجائبات اسی کی صفات کی نشانیاں ہیں تو کوئی معرفت بھی اس کی معرفت سے زیادہ عمدہ اور مزہ دار نہیں [۱] اور حضرت ربوبیت کے دیدار سے بہتر کوئی دیدار نہیں اور دل کی طبیعت اس دیدار کو چاہتی ہے اس لیے کہ ہر چیز کی طبیعت اسی خاصیت کو چاہتی ہے جس کے لیے اسے خدا نے پیدا کیا ہے- اگر کوئی دل ایسا ہو جس سے اس معرفت کی خواہش زائل ہو چکی ہو تو وہ دل اسے بیمار کی مانند ہے- جسے کھانے کی خواہش نہ رہی ہو اور روٹی کی نسبت مٹی اسے بہت اچھی معلوم ہوتی ہو- اگر اس بیمار کا علاج نہ کریں اور اسے کھانے کی خواہش پھر نہ پیدا ہو جائے اور مٹی کا شوق ختم نہ ہو تو وہ بیمار بڑا کم نصیب ہے- اور ہلاک ہو جائے گا- اور وہ شخص جس کے دل میں خدا کی معرفت سے زیادہ اور چیزوں کا شوق ہے- وہ بیمار ہے- وہ اس جہان میں بدبخت اور تباہ ہو گا اور سب خواہشات اور محسوسات کے باعث جو محنت اس نے اٹھائی تھی وہ بھی جاتی رہے گی- اور خدا کی معرفت کی لذت جو دل سے تعلق رکھتی ہے مرنے سے دونی ہو جائے گی- اس لیے کہ دل نہ مرے گا اور معرفت برقرار رہے گی- بلکہ دل زیادہ روشن ہو جائے گا اور چیزوں کی خواہش سے جتنی تکلیف ہوتی ہے اس میں اس سے دونی لذت اٹھائے گا اور اس کی زیادہ تفصیل اصلِ محبت میں جو آخر کتاب میں بیان کی جائے گی-

فصل : اصل انسانی کا جو کمال بیان کیا گیا ہے اس کتاب میں اتنا ہی کافی ہے زیادہ تفصیل درکار ہو تو وہ کتاب "عجائب القلوب [۲]" میں ہم نے لکھدی ہے دیکھ لے اور ان دونوں کتابوں سے بھی آدمی کو پوری خودشناسی یعنی اپنے نفس کی پہچان حاصل نہیں ہو سکتی- اس لیے کہ دل آدمی کا ایک رکن ہے اور دل کی تمام صفات میں سے یہ بعض کا بیان ہے اور آدمی کا دوسرا رکن بدن ہے- اور اس کے پیدا کرنے میں بھی بہت سے عجائبات ہیں- آدمی کے ہر ظاہری [۳] اور باطنی عضو میں عجیب باتیں اور عمدہ حکمتیں ہیں- اور آدمی کے بدن میں کئی ہزار رگیں' ریشے اور ہڈیاں ہیں- ہر ایک کی صورت اور صفت علیحدہ ہے- اور ہر ایک سے غرض جدا ہے-

اے عزیز تو ان سب سے بے خبر ہے فقط اس قدر جانتا ہے کہ ہاتھ پکڑنے کے لیے پاؤں چلنے کے لیے زبان بات کرنے کے لیے ہے لیکن یہ بات جان کہ خدا نے دس پردوں سے آنکھ کو بنایا ہے اور وہ دس پردے باہم مختلف ہیں ان میں سے اگر ایک بھی کم ہو تو آدمی کے دیکھنے میں خلل پڑ جائے اور تجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ ہر پردہ کس لیے ہے اور دیکھنے میں آدمی ان کا کیوں محتاج ہے اور آنکھ کی مقدار جتنی ہے- اتنی ظاہر ہے اور اس کی تفصیل بہت کتابوں میں لوگوں نے لکھی ہے اگر

---

[۱] خدا کو پہچاننے سے زیادہ کوئی چیز مزہ دار نہیں اور اس کے دیدار سے بڑھ کر کوئی دیدار نہیں- ۱۲

[۲] یہ کتاب امام والا مقام کی تصنیف ہے- ۱۲

[۳] سر' سینہ' پیٹھ' دونوں ہاتھوں' پاؤں یہ ہفت اندام ظاہری ہیں اور یہاں پر ظاہری مراد ہیں- ۱۲

تجھے آنکھ کے پردوں کی کیفیت معلوم نہیں تو کیا تعجب ہے اس لیے کہ تو یہ بھی تو نہیں جانتا کہ اندرونی اعضاء مثلاً جگر، تلی، پتا، گردہ وغیرہ کیوں بنے ہیں۔ جگر تو اس لیے بنا ہے کہ معدے سے طرح طرح کی غذائیں جو اس میں پہنچیں ان سب کو ایک اندازے پر خون کے رنگ کی طرح کر دے تا کہ وہ سات اعضاء کی غذا ہونے کے قابل ہو جائے جب خون جگر میں پک جاتا ہے تو اس کے نیچے تلچھٹ رہ جاتا ہے وہ تلچھٹ سودا کہلاتا ہے۔ تلی اس لیے ہے کہ جگر سے خون کو لے اور اس کے اور کچھ زرد زرد چیز پیدا ہوتی ہے۔ پتا اس لیے ہے کہ اس کو خون سے کھینچ لے اور خون جب جگر سے باہر نکلتا ہے پتلا اور بے قوام ہوتا ہے۔ گردہ اس لیے ہے کہ پانی کو لہو سے کھینچ لے تا کہ بغیر سودا اور صفرا کے قوام ہو کر خون رگوں میں جائے اگر پتے میں کچھ عارضہ لاحق ہو جائے۔ تو صفرا خون میں رہ جائے گا۔ اس سبب سے کافور اور صفراوی بیماریاں پیدا ہوں گی اگر گردے کو کوئی عارضہ لاحق ہو گا تو خون میں پانی رہ جائے گا۔ اس سے استسقاء کی بیماری پیدا ہو گی۔ اسی طرح آدمی کے ظاہری اور باطنی اعضاء میں سے ہر عضو کو خدا نے ایک کام کے لیے پیدا کیا ہے کہ اس کے بغیر بدن میں خلل واقع ہوتا ہے۔ بلکہ آدمی کا بدن اگرچہ چھوٹا ہے۔ مگر تمام عالم کی مثال ہے۔ اس لیے کہ جو کچھ تمام عالم میں خدا نے پیدا کیا ہے۔ آدمی کا بدن اس سب کا نمونہ ہے ہڈی، پہاڑ، پسینہ، مینہ، بال، درخت، دماغ، آسمان اور حواس گویا تارے ہیں اس کی تفصیل دراز ہے بلکہ جہاں میں جس جس قسم کی مخلوق ہے۔ مثلاً سور، کتا، بھیڑیا، چارپایہ، دیو، پری، فرشتہ ان سب کی مثال آدمی کے بدن میں موجود ہے۔ چنانچہ یہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ بلکہ جو جو پیشہ ور جہاں میں ہیں ان سب کے نمونے جسم انسان میں ہیں۔ جو قوت کہ معدہ میں کھانا ہضم کرتی ہے۔ گویا باورچی ہے۔ اور جو قوت خالص کھانے جگر اور پھوک کو آنتوں میں پہنچاتی ہے وہ گویا فلٹر ہے۔ اور جو قوت کھانے کو جگر میں خون کا رنگ دیتی ہے۔ گویا رنگریز ہے۔ اور جو قوت خون کو عورت کی چھاتیوں میں پہنچا کر سفید دودھ اور مرد کے خصیوں میں سفید منی بناتی ہے۔ گویا دھوبی ہے اور جو قوت غذا کو ہر ہر عضو میں کھینچ کر پہنچاتی ہے گویا دلال ہے۔ اور جو قوت پانی کو جگر سے کھینچ کر گردے و مثانہ میں بہا دیتی ہے۔ گویا سقا ہے۔ اور جو قوت پھوک کو پیٹ سے باہر گرا دیتی ہے حلال خور ہے اور جو قوت سودا اور صفرا کو اس لیے اندر پیدا کرتی ہے تا کہ بدن تباہ اور خراب ہو وہ گویا مفسد جعل ساز ہے۔ اے عزیز اصل مطلب یہ ہے کہ تجھے یہ بات معلوم ہو جائے کہ تیرے اندر کئی طرح کی قوتیں تیرے کام میں مصروف ہیں اور تو خوابِ خرگوش میں غافل پڑا ہے۔ لیکن ان قوتوں میں سے کوئی قوت تیرے کام سے غافل اور فارغ نہیں ہوتی۔ اور نہ تو ان کو جانتا ہے۔ اور جس نے انہیں تیرے کام کے لیے پیدا کیا ہے نہ اس کا احسان مانتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو ایک دن کے لیے تیری خدمت کے لیے بھیجے تو تمام عمر تو اس کا شکریہ ادا کیا کرتا ہے۔ مگر جس ذات نے تیرے اندر کئی ہزار پیشہ ور تیری خدمت کے لیے ایک دم بھی فارغ نہیں ہوتے اسے یاد بھی نہیں کرتے۔ اور بدن کی ترکیب اور اعضاء کی منفعت جاننے کا نام علم تشریح ہے اور وہ بھی عظیم الشان علم ہے۔ لوگ اس سے غافل ہیں اسے نہیں پڑھتے جس کسی نے پڑھا بھی تو اس لیے پڑھا کہ علم طب میں ماہر ہو جائے۔ اور علم طب خود مختصر اور بے حقیقت ہے گویا اس کی طرف حاجت ہے مگر دین کی راہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن اگر کوئی شخص خدا کی عجیب

صنعتیں دیکھنے کی نیت سے اس علم کا مطالعہ کرے تو اسے خدا کی صفتوں میں سے تین صفتیں ضرور معلوم ہو جائیں گی۔ ایک یہ کہ اس قالب کا بنانے والا اور جسم کا پیدا کرنے والا اتنا بڑا قادر ہے کہ اس کی قدرت کاملہ میں نقصان اور عاجزی کو ہر گز دخل نہیں جو چاہے کر سکتا ہے۔ دنیا میں کوئی کام اس سے زیادہ تعجب انگیز نہیں کہ ایک قطرہ پانی سے ایسا جسم پیدا کرے اور جو یہ عجیب کام کر سکتا ہے اسے مرنے کے بعد پھر زندہ کرنا بہت ہی آسان ہے۔ دوسری یہ صفت کہ وہ خالق ایسا عالم ہے کہ اس کا علم سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ یہ عجائبات ان عمدہ عمدہ حکمتوں کے ساتھ بغیر کمال علم کے غیر ممکن ہیں۔ تیسری یہ صفت کہ خالق کی عنایت اور لطف و رحمت بندوں پر بے نہایت ہے کہ بندہ کو جیسے چاہیے تھا پیدا کیا کہ جس چیز کی ضرورت تھی جگر، دل، دماغ کہ حیوان کی اصل ہے وہ بھی اسے دی۔ اور جس چیز کی ضرورت نہ تھی فقط حاجت تھی۔ مثلاً ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ وغیرہ بھی عطا کی۔ اور جن چیزوں کی حاجت نہ تھی نہ ضرورت تھی مگر ان سے مزید زینت تھی۔ مثلاً بالوں کی سیاہی، لبوں کی سرخی، بھوؤں کا خم، آنکھوں اور پلکوں کی ہمواری وہ بھی مرحمت فرمائیں تاکہ انسان بہت اچھا معلوم ہو۔ اس لیے یہ چیزیں بنائیں اور یہ لطف و مہربانی فقط آدمی ہی کے ساتھ نہیں۔ بلکہ سب مخلوقات کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ بھنگا اور مماکھی اور مکھی کو بھی جو چیز چاہیے تھی اور باایں ہمہ ان کی ظاہری صورت بھی اچھے نقشوں سے آراستہ اور عمدہ رنگوں سے پیراستہ کی تو آدمی کی خلقت کا ہر حصہ غور سے دیکھنا خدا کی صفات پہچاننے کی کنجی ہے۔ اسی وجہ سے اس علم یعنی علم تشریح کی اس قدر وضاحت کی ہے تو اس لحاظ سے اس کی عظمت ہے کہ طبیب کی حاجت ہے۔ اور جیسا کہ شعر و تصنیف اور صنعت کے عجائبات کو تو جس قدر زیادہ جانتا ہے شاعر اور مصنف اور صانع کی عظمت بھی اتنی زیادہ تیرے دل میں آتی ہے۔ اسی طرح خدا کی عجیب عجیب صنعتیں اس صانع باکمال کی عظمت دریافت کرنے کی کنجی ہے۔ اور یہ علم بھی معرفت نفس کا راستہ ہے لیکن علم دل کی نسبت تنگ اور چھوٹا ہے اس لیے کہ یہ بدن کا علم ہے۔ اور بدن سواری اور دل سوار کے مانند اور پیدا کرنے سے سواری مقصود نہیں۔ سوار مقصود ہے سوار کے لیے سواری ہوتی ہے۔ سواری کے لیے سوار نہیں ہوتا لیکن اتنا بھی جو بیان کیا تو اس لیے کہ تو جان لے کہ باوجودیکہ کوئی چیز تیری ذات سے زیادہ تجھ سے نزدیک نہیں مگر اس کے باوجود اپنے آپ کو اچھی طرح نہیں پہچان سکتا اور جو اپنے آپ کو نہ پہچانے اور دوسروں کے پہچاننے کا دعویٰ کرے وہ اس مفلس کی مانند ہے۔ جو اپنے آپ کو تو کھانا نہیں دے سکتا۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ تمام شہر کے محتاج اس کے گھر روٹی کھاتے ہیں۔ اس کا یہ کہنا اور دعویٰ کرنا محض واہیات اور تعجب کی بات ہے۔

فصل

اے عزیز یہ سب کچھ جو بیان ہوا اس سے آدمی کے گوہر دل کی بزرگی و فضیلت تجھے معلوم ہوئی اب یہ جان کہ خدا نے تجھے یہ بہت عمدہ گوہر دیا ہے اور تجھ سے پوشیدہ کیا۔ اگر تو اسے نہ ڈھونڈھے گا اور اس کو ضائع کرے گا اور اس سے غافل رہے گا۔ تو بڑا نقصان اور خسارہ اٹھائے گا۔ کوشش کر کے دل کو ڈھونڈھ اور دنیا کے مشغلہ سے نکال کر کمال بزرگی کے درجہ پر پہنچا کہ اس جہان میں بزرگی اور عزت ظاہر ہو۔ یعنی مسرت بے ملال، بقائے بے زوال، قدرت بے عجز،

معرفت بے شبہہ اور جمال بے کدورت دیکھے لیکن اس جہان میں دل کی بزرگی اس بات سے ہے کہ اس جہان میں عزت اور شرف حقیقی پانے کی لیاقت رکھتا ہے۔ نہیں تو آج اس سے زیادہ عاجز اور ناقص کوئی نہیں کہ گرمی، سردی، بھوک، پیاس، بیماری، دکھ، درد وغیرہ غموں میں پھنسا ہے اور جس چیز میں اسے لذت اور راحت ہے وہی اس کے لیے موجب نقصان و مضرت ہے اور جو چیز اس کو نفع پہنچانے والی ہے۔ وہ رنج اور تلخی سے خالی نہیں۔ اور جو شخص بزرگ و عزت دار ہوتا ہے۔ وہ علم یا قدرت و قوت یا ارادہ و ہمت یا اچھی صورت کی بدولت صاحب وقار ہوتا ہے۔ آدمی کے علم کی طرف اگر دیکھا جائے تو اس سے زیادہ کوئی جاہل نہیں۔ کہ اگر ایک رگ بھی اس کے دماغ میں ٹیڑھی ہو جائے تو ہلاکت اور جنون کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کا سبب و علاج کیا ہے اور ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس کی دوا اس کے سامنے ہوتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے اور نہیں پہچانتا کہ یہ میری دوا ہے اگر آدمی کی قوت اور قدرت کا خیال کیا جائے تو اس سے زیادہ کوئی عاجز نہیں کہ یہ میری سے نہیں جیت سکتا کہ اگر ایک بھیجے کو خدا اس پر مسلط کر دے تو اس سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ اگر ایک مماکھی ڈنگ مار دے تو بے خواب اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ اگر آدمی کی ہمت کی طرف دیکھا جائے تو ایک دانگ چاندی کا اگر اس سے نقصان ہوتا ہے تو اداس و ملول اور پریشان ہو جاتا ہے۔ اگر بھوک کے وقت ایک نوالہ اسے نہ ملے تو بدحواس ہو جاتا ہے اس سے زیادہ کنجوس اور کون ہو گا اگر آدمی کے جمال اور صورت کا خیال کیجئے تو نجاست کے ڈھیر پر ایک چمڑا تان دیا گیا۔ آدمی اگر دو دن اپنا بدن نہ دھوئے تو ایسی خرابیاں ظاہر ہوں گی کہ اپنے آپ سے اکتا جائے۔ بدن سے بدبو آنے لگے۔ نہایت رسوا ہو آدمی سے زیادہ کوئی چیز گندی نہیں اس لیے کہ اس کے اندر ہمیشہ نجاست رہتی ہے اور وہ نجاست بردار ہے اور ہر روز دوبارہ نجاست خود دھوتا ہے۔ یعنی آبدست لیتا ہے۔ منقول ہے کہ ایک دن شیخ ابو سعید قدس سرہ صوفیاء کے ساتھ کہیں تشریف لیے جاتے تھے۔ ایک مقام پر پہنچے وہاں لوگ سنڈاس صاف کر رہے تھے۔ راستہ پر نجاست پڑی تھی۔ سب ساتھی وہاں ٹھٹھک کر ناک بند کر کے ایک طرف بھاگے۔ شیخ ممدوح وہیں کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو سمجھو تو یہ نجاست مجھ سے کیا کہتی ہے۔ لوگوں نے کہا یا شیخ کیا کہتی ہے۔ فرمایا یہ کہتی ہے کہ میں بازار میں تھی یعنی۔ میوہ، مٹھائی جنس وغیرہ تھی۔ سب لوگ مجھے مول لینے کو روپیہ کی تھیلیاں مجھ پر لٹاتے تھے۔ ایک شب میں تمہارے پیٹ میں رہی متعفن اور نجس ہو گئی اب مجھ کو تم سے بھاگنا چاہیے یا تم کو مجھ سے حقیقت میں یہی بات ہے۔ کہ آدمی اس عالم میں نہایت ناقص و عاجز اور بیکس ہے۔ قیامت کو اس کی گرم بازاری ہو گی۔ اگر کیمیائے سعادت کو گوہر دل پر ڈالے گا۔ چارپایوں کے مرتبے سے نکل کر فرشتوں کے درجے پر پہنچے گا۔ دنیادار اگر خواہش دنیا کی طرف متوجہ ہو گا۔ تو کل قیامت کو کتے اور سور اس سے بہتر ہوں گے کہ خاک ہو جائیں گے اور رنج سے نجات پائیں گے اور آدمی عذاب میں رہے گا۔ تو آدمی نے جہاں اپنی بزرگی جانی ہے۔ چاہیے کہ اپنا نقصان اور بے چارگی اور بے کسی بھی پہچان رکھے۔ اس لیے کہ اپنے نفس کو اس طرح پہچاننا بھی معرفت الٰہی کی کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے۔ اس قدر بیان اپنے آپ کو پہچاننے کو کفایت کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس کتاب میں اس سے زیادہ بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

☆............☆............☆
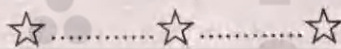
دوسرا عنوان

یہ مسلمانی کا دوسرا عنوان ہے اس میں خدا تعالیٰ کی معرفت کا بیان ہے۔

اے عزیز از جان یہ بات جان کہ اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان سے خدا تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:

اَعْرِفْ نَفْسَکَ تَعْرِفْ رَبَّکَ — تو پہچان اپنے نفس کو تو پہچانے گا اپنے رب کو۔ ۱۲

اور آثار ا؎ و اخبار ۲؎ میں مشہور ہے کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ — جس نے اپنے نفس کو پہچانا بے شک اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ ۱۲

اور ان باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کا دل آئینہ کی طرح ہے۔ جو کوئی اس میں غور کرے گا خدا کو دیکھے گا۔ اور بہت سے لوگ اپنے میں غور کرتے ہیں مگر خدا کو نہیں پہچانتے تو جس اعتبار سے دل کی معرفت کا آئینہ ہے۔ اس لحاظ سے دل کو جاننا ضروری ہے۔ اور اس جاننے کی دو صورتیں ہیں ایک نہایت مشکل ہے کہ اکثر عوام اسے نہیں جان سکتے اور ان کی سمجھ میں وہ صورت نہیں آسکتی اور جسے عوام نہ سمجھ سکیں۔ اس کا بیان مناسب نہیں۔ لہذا وہ صورت بیان کرنا چاہیے جسے سب سمجھ سکیں اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی سے خدا کی ہستی کو پہچانے اور اپنی صفات سے خدا کی صفات جانے اور اپنی سلطنت یعنی اپنے بدن و اعضاء میں جو آدمی کا تصرف و اختیار ہے اس سے خدا کا تصرف جو تمام عالم میں ہے پہچانے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی نے جو پہلے اپنے آپ کو ہست جانا اور یہ جانا کہ کئی برس پہلے نیست تھا اور اس کا نام و نشان کچھ نہ تھا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ہے:

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ہ — ”بے شک آدمی پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ ہم نے بنایا آدمی کو ایک بوند پانی کے لچھے سے پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا اس کو دیکھتا سنتا۔ ۱۲

اور جس چیز سے آدمی اپنی اصل خلقت پہچانے کہ اپنی ہستی سے پہلے میں کیا تھا۔ وہ چیز نطفہ ہے جو ناپاک پانی کا ایک قطرہ ہے۔ جس میں عقل، سماعت، بصارت، سر، ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ، رگ، پٹھا، ہڈی، گوشت، چمڑا کچھ نہ تھا۔ بلکہ ایک ہی طرح کا سفید پانی تھا۔ پھر اس میں یہ سب عجائبات یعنی عقل، سر، ہاتھ، پاؤں وغیرہ ظاہر ہوئے اس نے اپنے آپ کو آپ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اور کسی نے اسے پیدا کیا ہے۔ اس لیے کہ آپ باوجودیکہ درجہ کمال کو پہنچا ہے۔ اور یقینی جانتا ہے کہ ایک بال پیدا کرنے سے عاجز ہے تو یہ بھی جانے گا کہ جب پانی کا ایک قطرہ تھا تو اور بھی زیادہ ناقص اور عاجز تھا۔ اپنے آپ کو کیا

ا؎ آثار صحابہ کے اقوال۔ ۱۲۔

۲؎ اخبار احادیث نبوی ﷺ۔ ۱۲۔

پیدا کرتا- پس اس طرح ضرور آدمی کو اپنے پیدا ہونے سے خالق کی ہستی معلوم ہو گی- اور جب اپنے بدن کے عجائبات جو ظاہر اور باطن میں ہیں' دیکھے گا اور بعض عجائبات بدن کی تفصیل گزر چکی ہے- تو اپنے خالق کی قدرت عیاں دیکھے اور جانے گا کہ میرا خالق بڑا قادر ہے- جو چاہتا ہے کرتا ہے- اور جیسا کہ چاہتا ہے کرتا ہے اور سمجھے گا کہ اس سے بڑی قدرت اور کیا ہو گی کہ ایسے ذلیل ناچیز پانی کے قطرے سے کمال و جمال کے ساتھ کیا صورت بناتا ہے- اور اس صورت میں کیا کیا عجائب و غرائب دکھاتا ہے- اور آدمی جب اپنی عجیب و غریب صفتوں اور اپنے اعضاء کی منفعتوں کو دیکھتا ہے کہ ظاہری عضو مثلاً ہاتھ' پاؤں' آنکھ' زبان' دانت اور اعضائے باطنی جیسے' تلی' پتا وغیرہ کو خدا نے کسی حکمت کے لیے پیدا کیا ہے- تو اپنے خالق کے علم کو پہچانتا ہے کہ کیا مکمل علم ہے اور کیسا اشیائے عالم کو محیط ہے- اور آدمی یہ بھی جان جائے گا کہ ایسے عالم سے کوئی چیز غائب نہیں ہو سکتی- اگر سب عقلمندوں کی عقل کو کام میں لائیں اور ان کو عمر دراز دیں اور غور و فکر کریں کہ ان اعضاء میں سے ایک عضو کی بھی کوئی ایسی صورت نکالیں جو اس موجودہ صورت سے بہتر ہو تو نہیں نکال سکتے- مثلاً دانتوں کی صورت جو بالفعل موجود ہے یعنی کھانے کی چیز کاٹنے کے لیے سامنے کے دانت تیز ہیں اور کھانے کی چیز کو مہین کرنے کے لیے اور دانت چوڑے ہیں- دانتوں کے قریب زبان پسنہاری کے آنخورے کے مثل ہے- کہ اناج چکی کے اندر ڈالتی ہے- اور قوت جو زبان کے نیچے ہے خمیر بنانے والے اور پانی چھڑکنے والے کے مانند ہے کہ جس وقت جتنا چاہے اتنا پانی بہاتی ہے کہ کھانا تر ہو اور حلق سے اتر جائے اور گلے میں نہ پھنسے- اس صورت کے خلاف اور کوئی شکل جو اس سے بہتر ہو تمام عالم کے عقلمند مل کر نہیں نکال سکتے- اسی طرح ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں- چار انگلیاں ایک طرح کی اور ایک انگوٹھا- ان انگلیوں کی نسبت بہت دور اور لمبائی میں چھوٹا ہر انگلی کے ساتھ کام کرتا اور سب انگلیوں پر پھرتا ہے اور تمام انگلیوں میں تین تین گرہیں مگر انگوٹھا میں دو گرہیں- ایسی بنائی ہیں کہ آدمی اگر چاہے تو آنخورا بنا لے چاہے چلو چاہے مٹھی بند کر کے گھونسا بنا لے- اور گھونسے کو اپنا ہتھیار کر لے یعنی دشمن کو مارے خواہ مٹھی کھول کر پنجہ کو طباق بنائے- اور کئی طرح سے کام میں لائے اگر تمام جہان کے عقلمند انگلیوں کی اور کوئی وضع تجویز کریں- مثلاً یہ کہ سب انگلیاں ایک ہی انداز کی ہوں یا تین ایک طرف اور دو ایک طرف اور ایک جانب ہوں یا پانچ کی چھ یا چار ہوں یا تین گرہوں کے بدلے دو یا چار گرہیں ہوں- ان میں سے جو جو باتیں سوچیں اور کہیں گے سب ناقص ہوں گی اور جس انداز پر خداوند کریم نے پیدا کیا ہے وہی انداز بہت اچھا ہے- اس بیان سے معلوم ہو گا کہ خالق کا علم اس شخص کو محیط اور سب چیزوں سے خالق مطلع ہے اور آدمی کے ہر ہر عضو میں ایسی حکمتیں ہیں کہ جو شخص ان حکمتوں کو جتنا زیادہ جانے گا اتنا ہی علم خدا کی عظمت و وسعت سے اسے تعجب بھی زیادہ ہو گا-

اور آدمی جب اپنی حاجتوں کو دیکھنے لگے تو پہلے دیکھے گا کہ اسے اعضاء کی ضرورت ہے- پھر جانے گا کہ کھانے کپڑے گھر کا بھی محتاج اور اس کے کھانے کی چیزوں کو بھی مینہ ہوا گرمی' سردی کی حاجت ہے- اور جو ان کھانے کی چیزوں کو کھانے کے قابل کرتی ہیں- ان صنعتوں کی بھی ضرورت ہے- اور ان صنعتوں کے لیے بھی اوزار مثلاً لوہے' تانبے' پیتل'

سیسے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات بتانے اور معلوم ہونے کا کہ اوزار کیسے بنتے ہیں اوزار بھی محتاج ہیں۔ آدمی ان چیزوں کی طرف اپنی حاجتیں دیکھ کر جانے گا کہ سب مخلوقات بہت اچھے انداز پر ایجاد ہوئی ہے اور سب مصنوعات کی بہت اچھی وضع پر بنیاد رکھی گئی ہے اور ہر ہر چیز جس جس قسم کی خدا نے بنائی ہے اگر نہ بناتا تو بنا سکنا کیسا اس کا انداز بھی کسی کے خیال میں نہ آتا اور سمجھے گا کہ سب مخلوق اور مصنوع بے مانگی مراد اور فقط خدا کی مہربانی۔ اور عنایت سے ان سب کی بنیاد ہے۔ اور اس سمجھ کی بدولت آدمی کو یہ صفت ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ یعنی رسول اکرم ﷺ کی زبانی حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ سبقت لے گئی ہے میری رحمت میرے غضب پر۔

اور جیسا کہ رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دودھ پیتے بچوں پر مادر مشفقہ کی جتنی شفقت ہے اس سے زیادہ بندوں پر ارحم الراحمین کی رحمت ہے۔ غرضیکہ جب آدمی نے اپنے پیدا ہونے سے خدا کی ہستی کو جانا اور اپنے اعضاء کی کثرت سے حق تعالیٰ کے کمال قدرت کو پہچانا اور عجیب حکمتوں اور اپنے اعضاء کی منفعتوں سے خدا کے کمال کو دیکھا اور جن چیزوں کی حاجت یا ضرورت ہے یا جن سے فقط زیب و زینت ہے انہیں اپنے ساتھ مجتمع اور موجود دیکھنے سے لطف اور رحمتِ ذوالجلال کو دیکھا تو نفس کی پہچان جو ایسی ہے۔ وہ معرفت حق کی کنجی ہے۔

فصل: آدمی نے جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات سے پہچانا اور اس کی ذات کو اپنی ذات سے جانا اسی طرح حق تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس بھی اپنی تنزیہہ و تقدیس سے جانتا ہے اور خدا تعالیٰ کی تنزیہہ اور تقدیس کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ وہم و خیال میں آئے وہ اس سے پاک و مقدس ہے اور اگرچہ کوئی جگہ خدا تعالیٰ کے تصرف سے خالی نہیں مگر کسی جگہ کے ساتھ منسوب ہو سکتے ہیں وہ بری اور منزہ ہے اور انسان اس تنزیہہ اور تقدیس کا نمونہ اپنے میں دیکھتا ہے اس لیے کہ جان کی حقیقت جسے ہم دل کہتے ہیں وہ بھی ان چیزوں سے منزہ اور پاک ہے جو وہم و خیال میں آئیں۔ کیونکہ اس کے لیے نہ مقدار و کمیت ہے نہ وہ قابل تقسیم ہے اور جب وہ کمیت' کیفیت' قسمت دل سے دور رہے تو دل کا بے رنگ ہونا بھی لازمی ہے۔ اور جس چیز کا نہ کچھ رنگ ہو' نہ مقدار وہ کبھی خیال میں نہیں آسکتی کیونکہ خیال میں وہی چیز آتی ہے جسے یا جس چیز کا نہ کچھ رنگ ہو' نہ مقدار وہ کبھی خیال میں نہیں آسکتی کیونکہ خیال میں وہی چیز آتی ہے جسے یا جس کی جنس کو آنکھ دیکھ پاتی ہے۔ رنگ اور شکلوں کے سوا خیال اور نظر میں کچھ نہیں آتا۔ اور طبیعت جو یہ چاہتی ہے کہ معلوم ہو فلاں چیز کیسی ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ اس چیز کی شکل کیسی ہے چھوٹی ہے یا بڑی۔ اور جو چیز ان صفتوں یعنی صورت رنگت چھوٹائی بڑائی سے مبرا ہے اسے پوچھنا کہ کیسی چیز ہے' بے جا ہے۔

اے عزیز جس چیز میں چگونی کو دخل نہیں اگر تو اسے دریافت کرنا چاہے تو اپنی حقیقت میں غور کر کے دیکھ کہ تیری حقیقت جو خدا کی معرفت کی جگہ ہے۔ نا قابل قسمت ہے اور اس کی نہ کچھ مقدار ہے نہ کمیت و کیفیت۔ اگر کوئی پوچھے کہ روح کیا چیز ہے اس کا جواب یہی ہوگا کہ چگونی کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ جب تو نے اپنے آپ کو جانا کہ چگونی سے پاک

اور مبرا ہے تو یہ بھی جان کہ حق تعالیٰ چگونی سے منزہ اور مقدس ہے اور پاک ہونے میں بہت اولیٰ ہے۔لوگ تعجب کرتے ہیں کہ بے چوں اور بے چگوں کوئی چیز کیونکر موجود ہو گی۔اور اپنی حقیقت کو نہیں پہچانتے کہ خود بے چوں اور بے چگوں موجود ہیں بلکہ آدمی اگر اپنے میں ڈھونڈھے تو ہزار چیزیں بے چون اور بے چگوں دیکھے یعنی اپنے میں درد، غصہ، عشق، مزہ وغیرہ دیکھ لے اور اگر چاہے کہ ان چیزوں کی چونی اور چگونی دریافت کرے تو نہیں دریافت کر سکتا۔اس لیے کہ ان چیزوں کی نہ رنگت ہے نہ صورت تو اس سوال کو کہ کیونکر اور کیسا ہے۔غصہ درد، وغیرہ میں کچھ دخل نہیں تو معلوم ہوا کہ بے چون وبے چگوں چیزیں بھی موجود ہیں بلکہ اگر کوئی آواز یا مزہ یا بو کی حقیقت دریافت کرنا چاہے کہ یہ چیزیں کیسی ہیں تو نہیں ہو سکتا۔آدمی ان کے دریافت کرنے میں عاجز ہے اور عاجزی کا سبب یہ ہے کہ چون اور چگون مقتضائے خیال ہے کہ جس بصر سے حاصل ہوتا ہے تو خیال ہر چیز میں آنکھ کا حصہ تلاش کرتا ہے اور جو چیز کان کی مملکت ہے۔جیسے آواز اس میں آنکھ کا کچھ حصہ نہیں بلکہ آواز کی چونی اور چگونی دریافت کرنا محال ہے اس لیے کہ جس طرح رنگت اور صورت سمع کی حس سے بے تعلق و مبرا ہے اسی طرح آواز حسِ بصر سے پاک ومنزہ ہے اسی طرح جو چیز حاسہ دل میں آتی اور عقل سے پہچانی جاتی ہے۔اور وہ سب حواس سے پاک ہے اس میں کسی حواس کا حصہ نہیں اور چونی وچگونی محسوسات میں ہوتی ہے یہ تحقیق وغور کرنے کی بات ہے اور اس کی تفصیل کتب معقولات میں بیان ہو چکی ہے اس کتاب میں جس قدر بیان ہوا یہی کافی ہے اور اس بیان سے غرض یہ ہے کہ اپنی بے چونی اور بے چگونی سے حق تعالیٰ کی بے چونی وبے چگونی کو آدمی پہچان سکتا ہے۔

اے عزیز اس بات کو جان کہ جان موجود ہے اور بدن کی بادشاہی اور بدن میں جن جن چیزوں کے لیے چونی اور چگونی حاصل ہے وہ اس بادشاہ یعنی جان کی مملکت ہے اور جان خود بے چون وچگن ہے اسی طرح بادشاہ عالم یعنی حق تعالیٰ بے چون اور بے چگون ہے۔اور محسوسات جو چونی اور چگونی رکھتے ہیں۔حق تعالیٰ کی مملکت ہے۔حق تعالیٰ کی تنزیہ کا دوسرے طور پر بیان یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو کسی جگہ کے ساتھ مغسوب نہیں کر سکتے کہ خدا اس جگہ ہے اور جان کو کسی عضو کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے کہ جان ہاتھ میں ہے یا پاؤں میں ہے یا سر میں ہے یا اور کسی عضو میں ہے بلکہ بدن کے سب اعضاء قسمت پذیر ہیں۔یعنی ٹکڑے ہو سکتے ہیں اور جان قسمت پذیر نہیں یعنی ٹکڑے نہیں ہو سکتی اور جو چیز قسمت پذیر نہ ہو تقسیم ہونے والی چیز میں اس کا سمانا محال ہے اسی لیے اگر وہ اس میں سما جائے تو قسمت پذیر ہو جائے گی اور باوصف اس کے کہ جان کسی عضو کے ساتھ منسوب نہیں ہو سکتی۔مگر کوئی عضو جان کے تصرف سے خالی نہیں ہے بلکہ سب اعضاء جان کے تصرف وحکم کے تحت ہیں اور جان سب اعضاء کا بادشاہ ہے اسی طرح تمام عالم بادشاہ عالم یعنی حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے۔اور حق تعالیٰ اس امر سے منزہ اور پاک ہے کہ کسی خاص جگہ کے ساتھ اسے منسوب کریں در حقیقت تقدس اور تنزیہ کا تمام حال جب عیاں ہوتا ہے۔جبکہ روح کی خاصیت وراز صاف صاف بیان ہو۔اور اسے بیان کرنے کی اجازت نہیں اور :

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ — بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا فرمایا۔

کا پورا حال اسی سے ظاہر ہو گا- واللہ اعلم بالصواب-

اے عزیز تو نے خدا تعالیٰ کی ذات کو تو جان لیا اور اس کی صفات اور چونی و چگونی سے اس کے پاک ہونے کو بھی پہچان لیا- اور کسی جگہ کے ساتھ منسوب ہونے سے خدا تعالیٰ پاک ہے یہ بھی تجھ کو معلوم اور یقین ہے اور آدمی کا نفس معرفت کی کنجی ہے اور یہ امر بھی مقرر بیان ہو چکا ہے-

اب ابواب معرفت میں سے ایک یہ بات باقی ہے کہ اپنی مملکت میں حق تعالیٰ کا بادشاہی کرنا اور حکمرانی فرمانا کس طرح پر ہے- اور فرشتوں کو حکم فرمانا' فرشتوں کا حکم بجالانا اور ملائکہ کے ہاتھ سے کام لینا' آسمان سے زمین پر بھیج دینا' آسمانوں اور تاروں کو حرکت میں لانا- زمین کے باشندوں کے کام وابستہ آسمان بنانا' رزق کی کنجی آسمان کے سپرد کرنا- یہ سب امور کس طرح ہیں معرفت حق تعالیٰ میں یہ بڑا باب ہے جس طرح پہلی معرفتوں کو معرفت ذات و صفات کہتے ہیں- اس معرفت کو معرفت افعال کے نام سے موسوم کرتے ہیں- نفس کی معرفت اس معرفت کی بھی کنجی ہے اور جب تو یہ جانے گا کہ اپنی مملکت بدن میں کس طرح بادشاہی کرتا اور کس طرح احکام جاری کرتا ہے تو یہ بھی جانے گا کہ بادشاہ عالم کس طرح حکمرانی فرماتا ہے- تو چاہیے کہ پہلے تو اپنے آپ کو پہچان اور اپنے ایک ایک کام کو جان مثلاً جب کاغذ پر تو بسم اللہ لکھنا چاہتا ہے- تو تجھ میں پہلے لکھنے کی خواہش و ارادہ پیدا ہوتا ہے پھر دل میں حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے- یہ ظاہر بات ہے کہ وہ دل جو گوشت ہے اور بائیں طرف لٹکتا ہے- اس میں حرکت پیدا نہیں ہوتی- بلکہ دل سے ایک جسم لطیف جنبش کر کے دماغ میں ہو جاتا ہے- اور جسم لطیف کو طبیب لوگ روح کہتے ہیں جو حس و حرکت کی قوتوں کو اٹھائے ہوئے ہے اور یہ روح اور ہے- اس سے جو چارپایوں میں ہوتی ہے اور موت کو اس میں دخل ہے اور وہ روح اور ہے جسے ہم دل کہتے ہیں وہ چارپایوں میں نہیں ہوتی اور وہ روح ہرگز نہیں مرتی کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی معرفت کی جگہ ہے یہی روح جنبش کرتی ہے اور جب دماغ میں پہنچتی ہے تو دماغ کے پہلے خزانہ میں جو قوت خیال کی جگہ ہے بسم اللہ کی صورت پیدا ہوتی ہے اور دماغ سے پٹھوں پر کچھ اثر پہنچتا ہے- پٹھے دماغ سے نکل کر بدن میں سب طرف پہنچتے ہیں اور انگلیوں میں تاگے کی طرح بندھے ہوئے ہیں- جو شخص دبلا ہو اس کے بازو میں ان پٹھوں کو لوگ دیکھ سکتے ہیں- غرض کہ اس اثر سے یہ پٹھے جنبش کرتے اور سر انگشت کو جنبش دیتے ہیں اور انگلی کا سر قلم کو جنبش دیتا ہے- تو بسم اللہ کی صورت اس صورت کے موافق جو خیال کے خزانہ میں ہے جو اس کی معاونت خصوصاً آنکھ کی اعانت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ اس میں اس کی بہت ضرورت ہے- تو جس طرح اس کام یعنی لکھنے کی ابتداء رغبت ہے- جو پہلے تجھ میں ظاہر ہوتی ہے- اسی طرح خدا تعالیٰ کے سب کاموں کا آغاز اس کی صفات میں سے ایک صفت میں سے ہوتا ہے- اور ارادہ اسی صفت سے عبارت ہوتا ہے- اور جس طرح لکھنے کے ارادہ کا اثر پہلے عرش پر پیدا ہوتا ہے پھر اوروں تک پہنچتا ہے- اور جیسے بخارات کی طرح جسم لطیف دل کی رگوں کی راہ سے اس اثر کو تیرے دماغ میں پہنچاتا ہے اور اس جسم لطیف کو روح کہتے ہیں ویسے ہی خدا تعالیٰ کے لیے بھی ایک جوہر ہے کہ اس کے ارادہ کو عرش سے کرسی تک پہنچاتا ہے اور اس جوہر کو فرشتہ اور روح القدس کہتے ہیں اور جس طرح دل سے

دماغ کو اثر پہنچتا ہے اور دماغ دل کی حکومت اور تصرف میں دل کے نیچے ہے اسی طرح حق تعالیٰ کے ارادہ کا اثر عرش سے کرسی کو پہلے پہنچتا ہے اور کرسی عرش کے نیچے ہے- اور جس طرح بسم اللہ جو تیرا مقصود ہے اور تیرا فعل ہو گا- اس کی صورت دماغ کے خزانہ اول میں ظاہر ہوتی ہے اور اس کے موافق فعل ظاہر ہوتا ہے- اسی طرح جس طرح کی صورت عالم میں ظاہر ہو گی اس کا نقش پہلے لوح محفوظ میں ظاہر ہوتا ہے اور تیرے دماغ میں جس طرح قوت لطیف ہے کہ پٹھوں کو جنبش دیتی ہے تاکہ پٹھے ہاتھ اور انگلی کو جنبش دیں اور انگلی قلم کو حرکت دے اسی طرح جواہر لطیف یعنی فرشتوں عرش اور کرسی پر مقرر ہیں- آسمانوں اور تاروں کو جنبش دیتے ہیں اور جس طرح دماغ کی قوت رگوں اور پٹھوں کی اعانت سے انگلیوں کو جنبش دیتی ہے اسی طرح وہ جواہر لطیف جن کو ملائکہ کہتے ہیں تاروں اور تاروں کے تار شعاعی کے واسطہ سے عالم سفلی ا؎ میں امہات عالم سفلی کی طبیعتوں کو جنبش دیتے ہیں- ان کو چار طبع یعنی گرمی' سردی' تری' خشکی بھی کہتے ہیں- اور جس طرح قلم سیاہی کو جنبش دیتا ہے اور پراگندہ اور جمع کرتا ہے تاکہ بسم اللہ کی صورت پیدا ہو اسی طرح یہ گرمی' سردی بھی پانی اور مٹی اور ان مرکبات کی اصولوں کو جنبش دیتی ہے اور جس طرح کاغذ پہ سیاہی کو قلم جب بکھیرتا اور جمع کرتا ہے تو کاغذ اسے قبول کر لیتا ہے اسی طرح تری ان مرکبات کو شکل کے قابل بناتی اور خشکی انہیں شکل کا نگہبان کر دیتی ہے- تاکہ مرکبات اس شکل کی حفاظت کریں اور اس شکل کو چھوڑ نہ دیں- اس لیے کہ اگر تری ہی ہو تو مرکبات خود شکل قبول نہ کریں اور اگر خشکی نہ ہو تو شکل کی حفاظت نہ کر سکیں اور جس طرح قلم جب اپنا تمام کام کرتا اور اپنی حرکت کو اختتام کرتا ہے تو بسم اللہ کی صورت آنکھ کی مدد سے اس نقش کے موافق جو خزانہ خیال میں تھا پیدا ہوتی ہے- اسی طرح جب سردی گرمی ان مرکبات کی اصلوں کو حرکت دیتی ہے تو فرشتوں کی مدد سے حیوان نباتات کی صورت اس عالم میں اس صورت کے موافق جو لوحِ محفوظ میں تھی پیدا ہوتی ہے اور جس طرح تیرے سب کاموں کا اثر تیرے دل سے پیدا ہو کر سب اعضاء میں پھیلتا ہے- اسی طرح عالم اجسام کا آغاز کار عرش میں ہوتا ہے اور جس طرح اس خاصیت کو پہلے دل قبول کرتا ہے اور اعضاء اس کے بعد اور لوگ دل کو تیرے ساتھ نسبت دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ تو دل میں رہنے والا ہے- اسی طرح جب سب چیزوں پر تصرف عرش کے واسطے سے ہے- لوگ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ساکن عرش اعلیٰ ہے- اور جس طرح جب دل پر تو غالب ہوا اور دل کا کام درست ہو گیا تو مملکت کی تدبیر تو کر سکتا ہے- اسی طرح جب حق سبحانہ تعالیٰ عرش پیدا کرنے سے عرش پر غالب ہوا- اور عرش سیدھا کھڑا اور مغلوب ہو گیا تو تمام مملکت عالم کی تدبیر بن گئی-

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ — پھر عرش پر استویٰ فرمایا (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے-

اسی سے عبارت ہے اے عزیز جان کہ یہ سب حق ہے اور جو لوگ صاحب بصیرت ہیں- ان کو مکاشفہ سے صاف معلوم

ا؎ چار عناصر سے بنی ہوئی چیزیں-

ہو چکا ہے- اور فی الحقیقت وہ جانتے ہیں کہ :

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ البتہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے آدم کو اپنی صورت پر-

اور اس بات کو حق جان کہ بادشاہوں کو بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا- اگر تجھے تیری مملکت پر بادشاہ نہ بنایا ہوتا- اور خداوند تعالیٰ نے اپنی مملکت کا مختصر سا نسخہ تجھے خود نہ دیا ہوتا تو خداوند عالم کو ہرگز نہ پہچان سکتا تو اس بادشاہ کا شکر کر جس نے تجھے پیدا کیا اور بادشاہی کا رتبہ دیا اور اپنی مملکت کے نمونہ پر تجھے مملکت دی دل سے تیرا عرش روح حیوانی، جس کا منبع دل ہے- اس سے تیرا اسرار خیال بنایا اور دماغ سے تیری کرسی خزانہ خیال سے تیری لوح محفوظ بنائی- آنکھ، کان، اور سب حواس سے تیرے فرشتے، دماغ کا گنبد چوپٹھوں کا منبع ہے- اس سے تیرے آسمان اور تارے بنائے اور انگلی قلم سیاہی سے طبائع تیرے مسخر فرمائے- تیرے ل کو بے چون و چگون پیدا کر کے سب اعضاء پر بادشاہ کر دیا تو تجھ سے فرمایا کہ اپنی بادشاہی سے ہرگز غافل نہ رہنا ورنہ اپنے خالق سے غافل رہے گا-

فَاِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ فَاعْرِفْ نَفْسَکَ یَا اِنْسَانُ تَعْرِفُ رَبَّکَ پس بے شک اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آدم کو اپنی صورت پر پس اگر پہچان لے تو اپنے نفس کو اے انسان پہچان لے گا تو اپنے رب کو-۱۲

فصل : یہ سب کچھ جو بیان ہوا کہ آدمی کی بادشاہی حضرت مالک کائنات کی سلطنت کا نمونہ ہے- اس سے دو بڑے بڑے علوم کی طرف اشارہ ہے ایک آدمی کے نفس کا علم اور قوتوں اور صنعتوں کے ساتھ اس کے اعضاء کا تعلق اور دل کے ساتھ صفات اور قوتوں کے تعلق کا حال معلوم ہوا یہ ایسا طویل علم ہے کہ اس کتاب مختصر میں اس کی تحقیق بیان نہیں ہو سکتی- اور دوسری یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ بادشاہ عالم کی مملکت کو فرشتوں سے اور آپس میں اور آسمان، عرش، کرسی کو ملائکہ سے تعلق و ربط ہے یہ بھی بڑا علم ہے اور اس اشارہ سے یہ مطلب ہے کہ جو شخص زیرک و ہوشیار ہو گا ان سب باتوں کا اعتقاد کرے گا اور ان سب باتوں سے خدا تعالیٰ کی عظمت جانے گا اور جو سفید و احمق ہو گا- وہ یہ بھی نہیں جانے گا کہ خود کیونکر غافل و نادان اور کیوں مبتلائے نقصان رہا کہ ایسے بادشاہ ذوالجلال صاحبِ حسن و جمال کے دیدار سے محروم و محجوب ہے اور مخلوقات کو حضرت الٰہیت کے جمال سے کیا خبر ہو گی- مگر اس قدر جو بیان کیا گیا فقط یہ بھی اس لیے ہے کہ لوگ کچھ پہچان سکیں کہ خدا کیا ہے-

فصل : جو لوگ علم طبیعی کے عالم اور علم نجوم سے واقف ہیں وہ بے چارے محروم ہیں- کیونکہ وہ کاموں کو عناصر و ستاروں کے سپرد کرتے ہیں- ان کی مثالیں ایسی ہے جیسے کوئی چیونٹی کاغذ پر چلے اور کاغذ کو دیکھے کہ سیاہ ہوتا جاتا ہے- اور اس پر نقش بنتا ہے پھر غور کر کے قلم کی نوک کو دیکھے اور خوش ہو کہ میں نے اس کام کی حقیقت پہچان لی اور فراغت پائی

کاغذ پر یہ نقش قلم ہی بناتا ہے۔بس یہی حال علم طبیعی کے عالم کا ہے۔کہ اخیر درجہ کے محرک کے سوا کچھ نہیں جانتا۔اس کے بعد اس چیونٹی کے دوسری چیونٹی جس کی آنکھ بڑی اور نگاہ تیز ہو آئے اور پہلی چیونٹی سے کہے تو نے غلطی کی میں تو اس قلم کو تابع دیکھتی ہوں۔اور قلم کے علاوہ ایک اور چیز بھی دیکھتی ہوں وہ نقاشی کرتی ہے۔ قلم نقاشی نہیں کرتا۔ قلم انگلیوں کا تابع ہے یہی نجومی کی مثال ہے کہ عالم طبیعی سے اس کی نگاہ دور پہنچی اس نے دیکھا کہ طبائع ستاروں کے مسخر اور مطیع ہیں۔لیکن نہ سمجھا کہ ستارے فرشتوں کے اختیار میں ہیں۔اور ان درجوں پر جو کہ اس کی سمجھ اور علم سے اعلیٰ تھے پہنچ نہ سکا۔اور جس طرح منجم اور طبیعی کے درمیان عالمِ اجسام میں یہ فرق ہے اور اسی وجہ سے اختلاف واقع ہوتا ہے۔اسی طرح ان لوگوں کے درمیان جو عالم ارواح ماہیں ترقی کرتے ہیں۔اختلاف واقع ہوتا ہے۔کہ اکثر نے عالم اجسام سے ترقی نہ کی اور عالم اجسام سے باہر انہوں نے کوئی چیز نہ پائی وہ لوگ پہلے ہی درجہ پر رہ گئے۔اور عالم ارواح کی طرف جو معراج کی راہ ہے ان پر بند ہو گئی اور عالمِ ارواح یعنی عالمِ انوار میں بھی اسی طرح سب دشوار گزار راہیں اور رکاوٹیں ہیں۔ان میں سے بعض کے ستاروں بعض کے ماہتاب اور بعض کے درجات آفتاب کی طرح ہیں۔اور یہ ان لوگوں کی معراج کے مراتب ہیں جنہیں حق تعالیٰ ملکوت و آسمان دکھاتا ہے۔جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِیٓ اِبْرَاهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

تحقیق کہ میں نے متوجہ کیا اپنے منہ کو اس کی طرف جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو۔

اور اسی لیے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابًا مِّنْ نُوْرٍ لَوْ كَشَفَهَا لَاَحْتَرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ مَنْ اَدْرَكَ بَصَرَهٗ

بے شک اللہ کے لیے ستر ہزار نور کے پردے ہیں۔اگر اٹھائے ان کو تو بے شک جلادیں تجلیاں اس کے رخ کی ان سب کو جن پر اس کی نظر پڑے۔

کتاب مشکوٰۃ الانوار اور مصباح الاسرار میں ہم نے اس مطلب کی تفصیل و شرح لکھی ہے وہاں دیکھنا چاہیے اے عزیز مقصود یہ ہے تو اس بات کو جانے کہ بے چارے علم طبیعی کے عالم نے کسی چیز کو سردی گرمی کے جو حوالہ کیا ہے درست کیا ہے۔اگر گرمی سردی اسباب الٰہی کے درمیان نہ ہوتی تو علم طب باطل ہو جاتا۔لیکن اس اعتبار سے خطا کی کہ اس کی نگاہ کم اور کوتاہ تھی مدد نہ کر سکی پہلی منزل میں رہ گیا۔اور گرمی سردی کو اصل ٹھہرایا۔ مسخر نہ سمجھا اور ان ہی کو مالک جانا۔نوکر نہ سمجھا حالانکہ گرمی سردی ان بے قدر نوکروں میں سے ہے۔جو جوتوں کے پاس والی صف میں کھڑے رہتے ہیں اور نجومی نے جو ستاروں کو اسباب الٰہی میں داخل کیا تو سچ کہا۔اس لیے کہ گرمی میں گرمی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ

آفتاب وسطِ آسمان کے نزدیک اور جاڑے میں دور ہوتا ہے -اور جس خدا کی قدرت میں یہ ہے کہ آفتاب کو گرم و روشن بنایا- کیا تعجب کہ زحل کو سرد خشک اور زہرہ کو گرم تر پیدا کرے - یہ سمجھ ایمان میں کچھ خلل نہیں ڈالتی- لیکن نجومی نے یہ غلطی کی کہ ستاروں کو اصل سمجھا اور کاموں کو ان ہی کے سپرد جانا اور ستاروں کا مسخر ہونا نہ دیکھا-

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرَ بِحُسْبَانٍ ۝ اور سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں-

وَّالشَّمْسُ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِہٖ سورج چاند اور ستارے اس کے حکم کے مطیع ہیں-

نہ سمجھا کہ مسخر وہ ہے جسے کام میں لائیں تو ستارے کارگزار ہیں اپنی طرف سے کام نہیں کرتے- بلکہ جس طرح پٹھے اعضاء کو حرکت دینے میں اس کی طرف سے کام میں آتے ہیں- جو دماغ میں ہے اسی طرح ستارے بھی ان فرشتوں کے واسطے سے کام میں رہتے ہیں- کام میں لگے ہوئے ہیں اور ستارے بھی اگرچہ نقیبوں کے درجے سے کم رتبہ نوکر ہیں- لیکن چار طبائع جو کاتب کے قلم کی طرح سب سے اخیر درجہ کے فرماں بردار ہیں ان کی طرح ستارۂ اخیر درجہ کے نوکروں میں نہیں جو جوتوں کی صف میں رہتے ہیں-

فصل : لوگوں میں ایسے بہت سے اختلافات ہیں کہ ایک ایک لحاظ سے ہر ایک کی باتیں سچ و درست ہیں- لیکن لوگ ایک چیز کا کچھ حصہ دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں دیکھتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کو پورا دیکھ لیا- ان لوگوں کی یہ مثال ہے- جیسے اندھوں کا حال کہ اندھے جب سنتے ہیں کہ ان کے شہر میں ہاتھی آیا ہے- تو اس کو پہچانتے جاتے اور سمجھتے ہیں کہ اس کو ہاتھ سے پہچان سکیں گے- اور ہاتھ سے ٹٹولتے ہیں- کسی کا ہاتھ ہاتھی کے کان پر پڑتا ہے- کسی کا پاؤں پر کسی کا دانت پر' یہ اندھے جب اور اندھوں کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان سے ہاتھی کی صورت دریافت کرتے ہیں تو ان میں سے جس اندھے کا ہاتھ ہاتھی کے پاؤں پر پڑا تھا- وہ کہتا ہے کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے درخت کا تنا اور جس کا ہاتھ دانت پر پڑا تھا- وہ کہتا ہے کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے ستون اور جس کا ہاتھ کان پر پڑا تھا وہ کہتا ہے کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے- جیسے کمبل- تو سب ایک ایک اعتبار سے سچ کہتے ہیں- سلور اس لحاظ سے دھوکا بھی کھاتے ہیں کہ یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم نے تمام ہاتھی کو پہچان لیا اور حقیقت میں پورے ہاتھی کو نہیں پہچانا تھا- اسی طرح نجومی اور طبیعی کی آنکھ نے خدا تعالیٰ کے ایک نوکر اور فرماں بردار کو دیکھا- اس کی سلطنت قاہرہ اور قدرت کاملہ سے دنگ ہو کر نوکر کو کہا کہ یہی بادشاہ ہے-

هٰذَا رَبِّیْ یہ میرا پروردگار ہے-

جب کسی نے راہ راست بتائی اور جن کو اپنا رب سمجھا ہوا تھا- ان سب کا نقص بھی اس نے دیکھا اور ان کے علاوہ دوسرے کو دیکھا تو کہا کہ جسے میں رب سمجھتا تھا- وہ تو اور کے حکم کے تابع ہے اور جو دوسرے کے حکم کے تابع ہو وہ خدائی کے لائق نہیں-

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ میں غروب ہو جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا-

فصل : کواکب و طبائع اور بروج و فلک الکواکب جو بارہ برجوں پر تقسیم ہیں اور ان کے علاوہ عرش عظیم ہے ایک اعتبار سے ان سب کی مثال اس بادشاہ کی سی ہے۔ جس کا ایک خاص کمرہ ہو۔ اور اس کا وزیر اس کمرہ میں بیٹھا ہو۔ اور اس کمرہ کے ارد گرد بارہ دروازوں کا پردہ ہو اور ہر ہر دروازہ میں اس وزیر کا ایک ایک سنتری بیٹھا ہو۔ اور سات نقیب جو سوار ہوں باہر سے ان دروازوں کے گرد گھومتے ہوں۔ اور پیش دستوں کو وزیر کے جو احکام آتے ہیں سناتے ہوں۔ اور چار پیادے ان سات سے دور کھڑے ہوں اور ان سواروں کو دیکھ رہے ہوں کہ در دولت سے انہیں کیا حکم ملتا ہے اور ان چاروں پیادوں کے ہاتھ میں چار کمندیں ہوں کہ انہیں ڈال کر کسی گروہ کو حکم کے موافق درگاہ میں کریں۔ کسی گروہ کو خلعت اور کسی کو سزا اور اذیت دیں۔ عرش کمرہ خاص کے مانند اور وزیر مملکت کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اور وہ وزیر ایک بڑا مقرب فرشتہ اور تاروں والا آسمان پردہ ہے۔ بارہ برج بارہ دروازے اور اس وزیر کے نائب و فرشتے ہیں۔ ان فرشتوں کا درجہ اس مقرب فرشتہ کے درجے سے کم ہے۔ اور ان فرشتوں میں سے ہر ایک کے ایک ایک کام سپرد ہے اور سات ستارے سات سوار ہیں۔ کہ نقیبوں کی طرح ان دروازوں کے گرد ہمیشہ پھرتے رہتے ہیں۔ اور ہر ہر دروازے سے انہیں ایک ایک قسم کا حکم پہنچتا رہتا ہے۔ اور جن کو عناصر اربعہ کہتے ہیں۔ یعنی آگ، پانی، خاک، ہوا، چاروں پیادوں کی مانند ہیں۔ کہ اپنے وطن سے باہر نہیں جاتے اور چار طبیعتیں یعنی گرمی، سردی، تری، خشکی چار کمندیں ان پیادوں کے ہاتھ میں ہیں مثلاً جب کسی کا حال خراب ہو جائے یعنی دنیا سے اپنا منہ پھیرے اور رنج و درد اس پر غالب ہو جائے، دنیا کی نعمتیں اسے دل سے بری معلوم ہونے لگیں اور انجام کار رنج و فکر اسے گھیر لے تو طبیب کہے گا کہ یہ بیمار ہے اور اس بیماری کو مالی خولیا کہتے ہیں۔ اس کا علاج افتیمون کا جوشاندہ ہے۔ طبیعی کہے گا کہ خشکی جب دماغ میں غالب ہو جاتی ہے۔ اس وقت یہ بیماری پیدا ہوتی اور جاڑوں کی ہوا اس خشکی کا سبب ہے۔ جب تک فصل بہار نہ آئے اور ہوا میں رطوبت نہ آجائے۔ یہ بیمار اچھا نہ ہوگا۔ اور نجومی کہے گا کہ اس شخص کو وہم ہے۔ عطارد کو مریخ سے جب منحوس مشاکلت ہوتی ہے تو وہم پیدا ہوتا ہے۔ جب تک عطارد سعدین کے مقابلے یا تثلیث پر نہ آئے گا اس شخص کا حال درست نہ ہوگا۔ طبیب طبیعی اور نجومی سب سچ کہتے ہیں۔

ذَالِکَ مَبۡلَغُھُمۡ مِنَ الۡعِلۡمِ ان کا مبلغ علم اتنا ہی ہے۔

لیکن یہ بات کہ حضرت ربوبیت سے اس شخص کی سعادت کا حکم ہوا اور دو نقیب آزمودہ کار یعنی عطارد و مریخ کو اس لیے بھیجا کہ درگاہ الٰہی کے پیادوں میں سے ایک پیادہ یعنی ہوا، خشکی کی کمند ڈالے اور اس شخص کے دماغ میں خشکی ڈال دے اور دنیا کی لذتوں کی طرف سے اس شخص کا منہ پھیر دے۔ ڈر گیا اور تکلیف کے کوڑے مار کر اور قصد و طلب کی مہار پھیر کر اسے درگاہ الٰہی میں بلائے نہ علم طب میں ہے نہ علم طبعی و نجوم میں بلکہ یہ گوہر آبدار علم نبوت کے بحر ناپید اکنار سے نکلتا ہے۔ یعنی یہ بات علوم نبوت کے عالم سے معلوم ہوتی ہے جو مملکت کے سب کناروں اور جناب احدیت کے سب عالموں نقیبوں اور نوکروں کو محیط ہے اور پہچانتا ہے کہ ہر ایک عامل وغیرہ کس کام کے لیے ہیں اور کس کے حکم سے حرکت کرتے ہیں۔

اور خلق کو کہاں بلاتے کہاں سے باز رکھتے ہیں تو ہر ایک نے جو کہا سچ کہا لیکن بادشاہ مملکت اور تمام سپہ سالاروں کے راز سے خبر نہ ہوئی۔ خدا تعالیٰ اسی طرح بلا بیماری اور خیال تکلیف سے لوگوں کو اپنے حضور بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ بیماری نہیں ہماری مہربانی کی کمند ہے ہم اپنے دوستوں کو اس کمند کے ذریعے اپنے حضور میں بلاتے ہیں :

ان البلآ موکل بالالنبیاءِ ثم الا ولیآء ثم الامثل فالامثل — بے شک بلا مقرر کی گئی ہے انبیاء پر پھر اولیاء پر درجہ بدرجہ۔

بیمار جان نہ دیکھو کہ یہ میرے خاص بندے ہیں :

مَرَضْتُ فَلَمْ تُعِدْنِیْ — میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔

انہیں کی شان میں آیا ہے۔ آدمی کی بادشاہی جو اس کے بدن کے اندر ہے اس کا حال پہلی مثال سے معلوم ہوا۔ اور آدمی کی بادشاہی جو اس کے بدن سے باہر اس کا حال دوسری مثال سے واضح ہوتا ہے۔ اور اسی بناء پر بدن سے باہر کی بادشاہی کی پہچان بھی اپنے آپ کو پہچاننے سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے معرفت نفس کو پہلا عنوان قرار دیا یعنی اسے پہلے بیان کیا۔

فصل : اے عزیز اب تو :

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرْ — پاک ہے اللہ اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور اللہ بہت بڑا ہے۔

کے معنی سمجھ کہ یہ چھوٹے سے چار کلمے معرفت الٰہی کے جامع ہیں اور جب تو نے اپنی پاکی اور تنزیہ سے خدا تعالیٰ کی پاکی و تنزیہ پہچان لی تو سبحان اللہ کے معنی پہچان لیے اور جب تو نے اپنی بادشاہی سے خدا تعالیٰ کی بادشاہی مفصل طور پر جان لی کہ تمام اسباب اور درمیانی واسطے اسی کے تابع ہیں۔ جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں تو الحمد للہ کے معنی جان لیے کہ جب اس کے سوا کوئی نعمت دینے والا نہیں ہے تو حمد و شکر اس کے سوا اور کسی کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اور جب تو نے یہ امر معلوم کر لیا کہ احکم الحاکمین کے سوا کوئی خود مختار حاکم نہیں تو لا الہ الا اللہ کے معنی بھی تجھ کو معلوم ہو گئے۔ اب اللہ اکبر کے معنی پہچاننے چاہئیں اور یہ بات جاننی چاہیے کہ یہ سب کچھ جو تو نے پہچانا ہے خدا تعالیٰ کی کنہ اور حقیقت کو نہیں جانا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بہت بزرگ اور بڑا ہے۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس بات سے بزرگ تر اور بڑا ہے۔ کہ خلق اسے قیاس سے پہچان سکے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اوروں سے بڑا اور بزرگ ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ اور کوئی چیز خود موجود نہیں کہ وہ اس چیز سے بزرگ اور بڑا ہو۔ اس لیے کہ سب موجودات اسی کے وجود کا نور ہے۔ اور آفتاب کا نور آفتاب سے علاوہ اور کوئی چیز نہیں کہ یہ بات کہہ سکیں کہ آفتاب اپنے نور سے بڑا اور بزرگ ہے بلکہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس امر سے بزرگ ہے کہ عقل و قیاس سے آدمی اسے پہچان سکے۔ معاذ اللہ حق تعالیٰ کی پاکی اور تنزیہ آدمی کی پاکی اور تنزیہ سی

کیا ہو گی- آدمی تو کیا وہ تمام مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہے اور معاذاللہ خدا تعالیٰ کی بادشاہی آدمی کی بادشاہی کے کیا مشابہ ہو گی- جو اسے اپنے بدن پر ہے اور نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے علم و قدرت صفات وغیرہ آدمی کی صفتوں کی مانند کیسے ہو سکتے ہیں- بلکہ یہ تو ایک شائبہ سا ہے کہ تجھے عجز و بشریت کی حالت میں حضرت الٰہیت کا کچھ جمال حاصل ہو جائے- اور اس شائبہ کی مثل ایسی ہے جیسے ہم سے کوئی لڑکا پوچھے کہ ریاست و سلطنت اور حکمرانی میں کیا مزہ ہوتا ہے- اس سے ہم یہی کہیں گے جیسے گیند ڈنڈا کھیلنے میں مزہ ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اس مزہ کے سوا کوئی مزہ جانتا ہی نہیں اور جو مزہ اسے حاصل ہی نہ ہو گا- اس کو وہ قیاس سے پہچان بھی نہیں سکے گا- ہاں اس مزہ کو البتہ پہچانے گا جس کا شائبہ اسے حاصل ہے- اور یہ سب کو معلوم ہے کہ سلطنت کی لذت کو گلی ڈنڈا کھیلنے کی لذت سے کچھ نسبت نہیں لیکن بہر حال لذت اور خوشی کا نام دونوں پر صادق آتا ہے تو نام میں ایک وجہ سے کچھ برابر ہیں- اسی ذریعہ سے لڑکوں کو اس معرفت کا شائبہ معلوم ہو سکتا ہے- اے عزیز معرفت الٰہی کا جو شائبہ اور مثالیں بیان ہوئیں انہیں ایسا ہی جان تو خدا تعالیٰ کے سوا خدا تعالیٰ کی حقیقت کو تمام و کمال کوئی نہیں جان سکتا-

فصل: حق تعالیٰ سبحانہ کی معرفت کی تفصیل دراز ہے ایسی مختصر کتاب میں پورے طور پر بیان نہیں ہو سکتی- جس قدر بیان ہوا- اتنا ہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ لوگ آگاہ ہو جائیں- اور آدمی کو اپنی قدرت کے مطابق پوری معرفت ڈھونڈنے کا شوق پیدا ہو جائے اس لیے کہ آدمی کا کمالِ سعادت اسی کی بدولت ہے- بلکہ آدمی کی سعادت کا ذریعہ خدا کی معرفت اور بندگی اور عبادت ہے اور یہ بات کہ آدمی کی سعادت خدا کی معرفت میں ہے اس کی وجہ پہلے ہی بیان ہو چکی ہے- لیکن یہ کہ بندگی اور عبادت بھی آدمی کے لیے موجب سعادت ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جب مرے گا تو خدا ہی سے سروکار ہو گا- الیہ المرجع والمصیر اور جس شخص کو کسی کے پاس رہنا ہو- اس شخص کا موجب سعادت یہی ہے کہ جس کے پاس رہتا ہے اسے دوست رکھے- اور اسے جتنا زیادہ دوست رکھے گا اتنی ہی اس کی سعادت بڑھے گی اس لیے کہ محبوب کے دیدار میں بہت زیادہ لذت و راحت ہوتی ہے- اور آدمی کے دل پر خدا تعالیٰ کی دوستی معرفت اور ذکر کی کثرت ہی سے زیادہ ہوتی ہے- اس لیے کہ جو شخص کسی کو دوست رکھتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے- اور جب اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے- تو اس کے دوستوں میں ہو جاتا ہے اسی لیے حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی اور فرمایا:

أَنَا بُدُّكَ اللَّازِمُ فَالْزِمْ بُدَّكَ — تو نے میرے ساتھ رہنا ہے- لہذا میری دوستی کا سامان فراہم کر-

یعنی میں تیرا سہارا ہوں اور تیرا سروکار مجھی سے ہے- ایک دم میرے ذکر سے غافل نہ رہ اور دل پر ذکر جب ہی غالب ہوتا ہے کہ آدمی ہمیشہ عبادتوں میں مشغول رہے اور فراغت کے ساتھ عبادت اسی وقت ہوتی ہے کہ آدمی سے خواہشوں کا رشتہ تعلق ٹوٹ جائے اور خواہشوں کا تعلق جب ہی ٹوٹتا ہے کہ آدمی گناہوں سے ہاتھ اٹھا لے تو گناہوں سے

ہاتھ اٹھانا فراغت دل کا سبب ہے اور عبادت کرنا غلبہ ذکر کا ذریعہ اور یہ دونوں کے اسباب ہیں-اور محبت ختم سعادت ہے-اور سعادت نجات اور فلاں سے عبارت ہے-جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے :

قد افلح المومنون — بے شک مومنوں نے فلا پائی-

اور فرمایا ہے :

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ٥ — بے شک اس نے نجات پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور یاد کیا اپنے پروردگار کا نام پھر نماز پڑھی-

اور چونکہ سب کام عبادت نہیں ہو سکتے-بلکہ بعض ہو سکتے ہیں اور تمام خواہشوں سے دستبردار ہونا ممکن ہے نہ درست ہے-اس لیے اگر آدمی کھانا نہ کھائے تو ہلاک ہو جائے گا-اگر بیوی سے جماع نہ کرے گا نسل منقطع ہو جائے گی-یعنی بعض خواہشیں لائق ترک ٬بعض قابل عمل ہیں تو اندازہ و حد چاہیے-کہ قابل ترک کو لائق عمل سے جدا کر دے-اور یہ دو حال سے خالی نہیں یا آدمی اپنی عقل٬ خواہش اور تجویز سے حد مقرر کرے-اور اپنی فکر و غور سے اختیار کرے یا دوسرے سے حد بندی اور اندازہ کرائے-اور یہ محال ہے کہ آدمی کو اپنی تجویز اور اپنے اختیار پر چھوڑ دیں-اس لیے کہ خواہش خود اس پر غالب ہوتی ہے-اس پر ہمیشہ راہ حق پوشیدہ رکھتی ہے اور جس چیز سے آدمی کی مراد برائی ہے خواہش کے سبب وہ چیز اسے اچھی نظر آتی ہے-تو چاہیے کہ خود مختار نہ کیا جائے-بلکہ کسی دوسرے کا فرماں بردار بنایا جائے-اور ہر ایک اس قابل نہیں-کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے-بلکہ اس کے لیے بڑا دور اندیش ہونا چاہیے اور وہ انبیاء ہیں-تو یہ شریعت کی اتباع اور اس کی حدود و احکام کو لازم پکڑنا ضرور سعادت کا راستہ متصور ہو گا-اور بندگی کے یہی معنی ہیں-اور جو شخص شریعت کی حدود سے گزر جائے گا-اپنے ہاتھوں سے ہلاکت کے خوف میں پڑے گا-اسی بناء پر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ — جو اللہ کی حدود سے بڑھ گیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا-

فصل : غیر مباح کو مباح جاننے والے خدا تعالیٰ کی حدود سے اور اس کے احکام سے دستبردار ہو گئے اس غلطی اور نادانی کی سات وجہیں ہیں-پہلی وجہ اس فرقہ کی نادانی کی یہ ہے کہ یہ خدائے تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا کیونکہ اس بے چون کو وہم و خیال کے خزانہ میں چگونی کے ساتھ ڈھونڈھا جب نہ پایا تو اس کی خدائی سے انکار کیا-اور کاموں کو طبیعت اور تاروں کے حوالے کیا-اور یہ سمجھے کہ آدمی٬ حیوانات اور یہ عجیب جہاں اس حکمت و ترتیب کے ساتھ خود بخود پیدا ہوئے ہیں-یا آپ سے آپ ہمیشہ سے ہیں-یا یہ سب طبیعت کا کام ہے-جب علم طبیعی کا عالم خود اپنی ذات سے بے خبر ہے تو اور چیز کو کیا پہچانے گا-اور ان کی مثل ایسی ہے جیسے کوئی شخص اچھا سا خط دیکھے اور سمجھے یہ آپ سے آپ پیدا ہوا ہے-اس میں کاتب کے علم و قدرت اور ارادہ کو کچھ دخل نہیں ہے یا یہ خط ہمیشہ یوں ہی لکھا ہوا تھا اور جس کا اندھا پن اس قدر ہو وہ بد بختی اور گمراہی کی راہ سے کبھی نہ پھر سکے گا-اور نجومی اور طبیعی کی غلطی پہلے ہی بیان ہو چکی ہے دوسری وجہ اس گروہ کے جہل اور

نادانی کی ہے- کہ آخرت کا معتقد نہ ہوا کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھے کہ آدمی گھاس پات کی مثل یا اور حیوانوں کے مانند ہے- جب مر جائے گا- نیست و نابود ہو جائے گا- اس پر عتاب ہے نہ اس کا حساب نہ اس پر عذاب ہے نہ اس کو ثواب- اور اپنے نفس کو نہ جاننا اس جہل کا سبب ہے- کہ خود اپنی فطرت کو گدھا' بیل یا گھاس تصور کرتا ہے- اور وہ روح جو آدمی کی حقیقت ہے اسے نہیں پہچانتا ہے کہ وہ ہمیشہ رہے گی- ہر گز کبھی نہ مرے گی- لیکن اس کا ڈھانچہ اس سے پھر لیں گے اور اسی کو موت کہتے ہیں- موت کی حقیقت چوتھے عنوان میں بیان کی جائے گی- تیسری وجہ ان لوگوں کے جہل و نادانی کی یہ ہے کہ جناب احدیت اور قیامت پر ایمان تو رکھتے ہیں- مگر ضعیف اور شریعت کے معنی نہیں جانتے- اور کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ہماری عبادت کی کیا حاجت ہے اور ہمارے گناہ سے کیا رنج و تکلیف ہے کہ وہ بادشاہ ہے اور ہماری عبادت سے بے پرواہ ہے اس کے نزدیک عبادت اور گناہ سب برابر ہے یہ جاہل قرآن شریف میں نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۝ — اور جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اس نے اپنے آپ کو پاک نہیں کیا مگر اپنی ذات کے لیے

اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۝ — جس نے کوشش کی اس نے کوشش نہیں کی مگر اپنی ذات کے لیے-

پھر فرمایا ہے:

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ — اور جس نے نیک کام کئے اپنی ذات کے واسطے کیے-

یہ بدبخت شریعت سے جاہل یہ جانتا ہے کہ شریعت یہ ہے کہ خدا کے لیے کام کیا جائے اپنے لیے نہیں اور یہ ایسا امر ہے کہ کوئی بیمار پرہیز نہ کرے اور کہے طبیب کو اس سے کیا کہ میں اس کا حکم مانوں یا نہ مانوں- اس کا یہ کہنا تو سچ ہے لیکن وہ ہلاک ہو جائے گا طبیب کی حاجت کی وجہ سے نہ ہلاک ہو گا- بلکہ اس وجہ سے ہلاک ہو جائے گا کہ پرہیز نہ کرنے میں اس کی ہلاکت ہے- طبیب نے تو اسے صحت کی راہ بتائی کہ پرہیز کرے- اس نے نہ کیا تو راہ بتانے والے کا کیا نقصان- لیکن وہ خود ہلاک ہی ہو جائے گا- جس طرح بدن کی بیماری اس جہان میں ہلاکت کا باعث ہے دل کی بیماری اس جہان میں شقاوت کا سبب ہے جس طرح دوا اور پرہیز بدن کی صحت اور سلامتی کا سبب ہے- عبادت اور معرفت اور گناہوں سے پرہیز دل کی سلامتی کا باعث ہے-

وَلَا يَنْجُوْا اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ — اور کوئی نجات نہ پائے گا- مگر وہ شخص جو خدا کے پاس گناہوں سے دل سلامت لائے گا-

چوتھی وجہ ان لوگوں کے جہل اور نادانی کی یہ ہے کہ شریعت سے بے خبر ہو کر کہتے ہیں کہ شرع حکم فرماتی ہے کہ خواہش' غصہ' ریا سے دل کو پاک کرو اور یہ امر ممکن نہیں- اس واسطے کہ خدا تعالیٰ نے آدمی کو ان ہی چیزوں سے پیدا کیا

ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص چاہے کہ سیاہ کو سفید کرے تو اس حکم کی تعمیل کرنا محال ہے اور احمق یہ نہیں سمجھتے کہ شرع نے یہ حکم نہیں دیا- کہ غصہ وغیرہ کو بالکل ہی ختم کر دو- بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ انہیں ادب سکھاؤ اور اس طرح دبائے رکھو کہ شرع اور عقل پر غالب نہ ہو جائیں اور سرکش نہ ہو جانے پائیں- شرع کی حدود پر نگاہ رکھیں- اور گناہ کبیرہ سے دور رہیں- تاکہ غفور رحیم ان کے صغیرہ گناہ بخش دے- اور یہ بات ممکن ہے- کیونکہ بہت لوگ اس درجہ پر پہنچتے ہیں اور کیا رسول مقبول ﷺ نے نہیں فرمایا- کہ غصہ نہ کرنا چاہیے- اور عیش و عشرت نہ چاہیے- حالانکہ آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں اور فرمایا میں تمہاری طرح آدمی ہوں :

أَغْضِبُ كَمَا يَغْضِبُ الْبَشَرُ یعنی آدمی کی طرح مجھے غصہ آتا ہے اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے-

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ یعنی اس شخص کی تعریف کی ہے- جو غصہ پی جائے- اس کی تعریف نہیں کی جس کو غصہ آئے ہی نہیں پانچویں وجہ ان لوگوں کے جہل اور نادانی کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفتوں سے بے خبر ہو کر کہتے ہیں کہ خدا کریم اور رحیم ہے جس حال پر ہوں گے ہم پر رحم ہی فرمائے گا اور یہ نہیں جانتے کہ جس طرح وہ کریم ہے شدید العقاب بھی ہے- اور یہ نہیں کہتے کہ باوجودیکہ رحیم و کریم ہے- مگر اس جہان میں اکثر خلق کو بلا، بیماری، بھوک میں بھی رکھتا ہے- اور یہ نہیں دیکھتے کہ جب تک لوگ کھیتی باڑی اور تجارت وغیرہ نہیں کرتے مال ہاتھ نہیں آتا- اور جب تک محنت نہیں کرتے علم نہیں سیکھتے اور لوگ دنیا کی تلاش میں ہرگز کچھ کوتاہی نہیں کرتے- اور یہ نہیں کہتے کہ خدا کریم و رحیم ہے بے کھیتی باڑی اور تجارت وغیرہ کے آپ روزی دیتا ہے- حالانکہ خدا تعالیٰ رزق کا ضامن و کفیل ہے اور اس نے فرمایا ہے :

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا — اور یہ نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین پر مگر خدا ہی کے ذمہ اس کا رزق ہے-

اور آخرت کا کام خدا تعالیٰ نے عمل کے سپرد کیا ہے- اور فرمایا :

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ — اور نہیں ہے آدمی کے لیے مگر جو اس نے محنت کی-

چونکہ لوگ اُس کے کرم پر ایمان نہیں رکھتے اور رزق ڈھونڈھنے سے ہاتھ نہیں اٹھاتے لہذا آخرت کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں فقط زبانی ہے اور اغوائے شیطانی کچھ اصل نہیں رکھتا- چھٹی وجہ ان لوگوں کی جہالت اور نادانی یہ ہے کہ اپنے متعلق غرور میں مبتلا ہو کر کہتے ہیں کہ ہم ایسے درجے پر پہنچ چلے ہیں کہ گناہ ہمارا کچھ نقصان نہیں کر سکتا- اور کہتے ہیں کہ ہمارا دین قلتین[۱] ہے- کہ نجاست گناہ سے ناپاک ہی نہیں ہوتا، اور یہ احمق اکثر ایسے کم ظرف ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بے ادبی کی ایک بات ان سے کرے اور ان کا نمرور اور ریا توڑے تو ساری عمر اس کی دشمنی میں رہتے ہیں- اور ایک نوالہ جس کا لالچ کرتے ہوں اگر انہیں نہ ملے تو جہان ان کی آنکھوں میں تنگ و تاریک ہو جاتا ہے- یہ احمق ابھی تک مردمی اور انسانیت میں قلتین یعنی عالی ظرف نہیں ہوئے کہ ایسی چیزوں سے پاک رکھیں- یہ دعویٰ باطل کہ ہم عالی درجہ

[۱]- دو مٹکے پانی امام شافعیؒ کے نزدیک اتنے مقدار پانی میں نجاست پڑنے سے وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا لیکن احناف کا یہ مسلک نہیں- (مترجم)

ہیں- گناہ ہمیں کچھ مضر نہیں ان احمقوں کو کب لائق- اگر کوئی شخص ایسا ہو بھی کہ دشمن، غصہ، خواہش، ریا- اس کے پاس بھی نہ آئے تو بھی اس کا یہ دعویٰ کرنا محض تکبر ہے- اس لیے کہ اس کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے مرتبے سے بلند نہیں- انبیاء تو اپنی چوک ولغزش سے روتے اور توبہ کرتے تھے- بڑے بڑے صحابہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے پرہیز کرتے تھے- بلکہ شبہ کے خوف سے حلال چیزوں سے بھی بھاگتے تھے- اس احمق نے کس طرح جانا کہ یہ شیطان کے مکر میں نہیں پھنسا ہے اور کس طرح پہچانا کہ اس کا درجہ انبیاء اور صحابہ کے مرتبے سے اونچا ہے- اگر یہ احمق کہے کہ پیغمبر بھی ایسے ہی تھے کہ گناہ ان کو کچھ ضرر نہ دیتا تھا- لیکن نالہ وزاری اور توبہ فقط لوگوں کی تعلیم اور فائدے کے لیے کرتے تھے تو پھر یہ بھی لوگوں کے لیے کیوں کر نہیں دیکھتا کہ جو شخص اس کا قول و فعل دیکھتا ہے وہ بھی تباہ اور خراب ہوتا ہے- اور اگر یہ کہے کہ لوگوں کے تباہ ہونے سے میرا کیا نقصان تو رسول مقبول ﷺ کا بھی کیا نقصان تھا- اگر نقصان نہ تھا تو آنحضرت ﷺ اپنے آپ کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی محنت میں کیوں رکھتے تھے- آنحضرت ﷺ نے صدقے کا ایک خرما منہ سے نکال کر پھینک دیا اگر کھا لیتے تو اس سے لوگوں کا کیا نقصان تھا- اس کا کھانا سب کے لیے جائز ہوتا- اگر اس ایک خرمے سے آنحضرت ﷺ کا کچھ نقصان تھا تو ان احمقوں کو شراب کے پیالوں سے کیوں نقصان نہیں پہنچتا- کیا اس احمق کا درجہ رسول مقبول ﷺ سے زیادہ اور بڑھ کر ہے اور شراب کے سو پیالوں کا درجہ ایک خرمے سے زیادہ ہے- تو یہ احمق اپنے آپ کو گویا دریا جانتے ہیں کہ سو پیالے شراب کے ان کا کچھ نہ بگاڑیں گے- معاذ اللہ رسول اعظم ﷺ کو گویا پانی کا چھوٹا سا برتن سمجھتا ہے کہ ایک خرما ان کو بگاڑ دیتا- یہ اس کی ایسی حالت ہے- کہ شیطان اس احمق کی مونچھیں مروڑے- جہان کے بے وقوف لوگ اس کا مذاق اڑائیں- اسی لیے کہ عقلمند تو ایسی بات نہیں کر سکتے- اور ایسے شخص کی باتوں پر ہنستے ہیں- لیکن بزرگان دین یہ بات جانتے ہیں کہ جس نے خواہش کو اپنا اسیر ماتحت نہ کیا وہ آدمی نہیں بلکہ جانور ہے تو جاننا چاہیے کہ آدمی کا نفس مکار اور دغاباز ہے اور سب جھوٹے دعوے کرتا ہے- اور لاف زنی کرتا ہے- کہ میں زبردست ہوں تو چاہیے کہ ایسے آدمی سے اس کے دعوے پر دلیل اور حجت طلب کرے ور اس کے سچے ہونے پر اس کا اپنا فیصلہ نہیں بلکہ شرع کا فیصلہ دلیل ہے- اگر شرع کی اطاعت میں ہمیشہ خوشی سے مستعد ہے تو سچا ہے اور اگر حکم شرع میں رخصت تاویل اور حیلہ تلاش کرے تو شیطان ہے مگر دعویٰ ولایت کرتا ہے- ایسے شخص سے آخر دم تک دلیل طلب کرتے رہنا چاہیے- ورنہ مغرور اور دنیا پر فریفتہ ہو کر ہلاک ہو جائے گا- اور آدمی یہ نہیں جانتا کہ متابعت شرع میں نفس کا ہمہ تن مصروف ہونا مسلمانی کا پہلا درجہ ہے- ساتویں وجہ غفلت اور خواہش کی بدولت پیدا ہوتی ہے- جہالت اور نادانی سے نہیں پیدا ہوتی- اور یہ غیر مباح کو مباح ٹھہرانے والا فرقہ ہے جس نے ان سب وجوہات میں سے جن کا ذکر ابھی گزرا ہے- کچھ نہ سنا ہو- لیکن کسی گروہ کو دیکھا کہ اباحت کا راستہ اختیار کئے ہوئے اور فساد ڈالتے ہیں- چکنی چکنی باتیں بناتے اور صوفیوں کا لباس پہن کر تصوف وولایت کا دعویٰ کرتے ہیں- اس گروہ کو بھی یہ طریقہ اچھا لگتا ہے- اس لیے کہ اس کی طبیعت میں لغویت و خواہش غالب ہوتی ہے وہ خواہش اسے فساد کی اجازت دیتی ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ فساد کی وجہ سے مجھ پر عذاب ہوگا- تاکہ فساد اس

پر تلخ اور شاق ہو جائے۔بلکہ کہتا ہے کہ یہ بات فساد نہیں اس کو فساد کہنا تہمت اور گھڑی ہوئی بات ہے اور وہ تہمت اور بنائی ہوئی بات کا معنی تک نہیں جانتا۔ایسا آدمی غافل اور شہوت پرست ہوتا ہے اس پر شیطان مسلط ہے۔ایسا آدمی سمجھانے سے درست نہیں ہوتا کہ اس کو کسی بات سے شبہ نہیں پڑا۔اور یہ گو وہ اکثر ان لوگوں میں سے ہے جن کی شان میں حق تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے :

اِنَّا وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَھُوْہُ وَفِیْ اٰذٰنِھِمْ وَقْرًا ہ

بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔

اور

وَاِنْ تَدْعُھُمْ اِلَی الْھُدٰی فَلَنْ یَّھْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا

اور اگر اے محمد ﷺ تو انہیں ہدایت کی طرف بلائے تو وہ ہدایت نہ پائیں گے کبھی۔

ان لوگوں کے ساتھ زبان شمشیر سے بات کرنا چاہیے نہ حجت و تقریر سے :

اس عنوان میں نصیحت کی تفصیل اور چیز کے مباح ٹھہرانے والوں کی غلطی کے بیان میں اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔جس قدر بیان کیا گیا کہ اس غلطی و گمراہی کا سبب یا تو یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کو نہیں پہچانا یا یہ کہ خدا کو نہیں پہچانا یا یہ کہ شریعت کو دریافت نہیں کیا۔اور جب آدمی کی نادانی ایسے کام میں ہو جو اس کی طبیعت کے موافق ہے۔تو اس گمراہی کا زائل ہونا دشوار ہوتا ہے۔اسی وجہ سے لوگ بے دھڑک اور بے تکلف راہِ اباحت میں قدم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم متحیر ہیں اگر ان سے پوچھے کہ کس چیز میں متحیر ہو تو جواب نہیں دے سکتے اس لیے کہ ان کو طلب ہے نہ شبہہ ان لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص طبیب سے کہے کہ مجھ کو بیماری کا خلل ہے اور بیماری نہ بتائے۔تو جب تک طبیب اس کی بیماری نہ جانے گا۔اس کا علاج نہ کر سکے گا۔ایسے آدمی کا یہی جواب ہے کہ جس چیز میں تیرا جی کرتا ہے متحیر رہ لیکن اس بات میں شک نہ کر کہ تو بندہ ہے اور تیرا خالق قادر و عالم ہے۔جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔اور یہ بات اس کو دلیل سے سمجھنا چاہیے۔جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

☆............☆............☆

مسلمانی کا تیسرا عنوان

معرفتِ دنیا کا بیان

اے عزیز از جان یہ بات جان کہ دنیا راہ دین کی منزلوں میں سے ایک منزل اور اللہ کی درگاہ کے مسافروں کا راستہ ہے۔ یہ مسافروں کے زادراہ لینے کے لیے صحرائے معرفت کے کنارے ایک آراستہ بازار ہے۔ دنیا و آخرت دو حالتوں سے عبارت ہے۔ جو حالت موت سے پہلے اور آدمی سے بہت نزدیک ہے اسے دنیا کہتے ہیں۔ اور جو حالت موت کے بعد ہے۔ اس کو آخرت کہتے ہیں اور دنیا سے مقصود توشۂ آخرت ہے اس لیے کہ خالق نے آدمی کو ابتدائے خلقت میں سادہ اور ناقص پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ اس قابل ہے کہ ایسا کمال حاصل کرے اور ملکوت کی صورت کو اپنا ایسا نقش دل بنائے کہ درگاہ الٰہی کے قابل ہو جائے یعنی وہ باریاب ہو اور رب تعالیٰ کے نظارے میں مشغول ہو اور یہی امر اس کی بہشت اور اس کی سعادت کا منتہا ہے۔ اور خالق نے اسے اسی لیے پیدا کیا ہے۔ اور جب تک اس کی آنکھ نہ کھلے گی۔ اور اس لازوال جمال کو پہچان نہ لے گا دیدار کیا کر سکے گا اور یہ پہچان معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور خدا کی عجیب عجیب صنعتوں کی پہچان حضرت الٰہی کے جمال کی معرفت کی کنجی ہے اور آدمی کے حواس ان صنعتوں کی کنجی ہیں اور بغیر اس ڈھانچے کے جو پانی سے اور مٹی سے بنا ہے حواس ممکن نہ تھے اسی وجہ سے آدمی اس خاک پانی کے عالم میں آپڑا کہ اس سے توشہ لے لے۔ اور اپنے نفس کی معرفت اور تمام جہان جو اس سے معلوم ہوتا ہے اس کی معرفت حاصل کرے جب تک یہ حواس آدمی کے ساتھ رہتے اور مخبری کرتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی دنیا میں ہے اور جب یہ حواس رخصت ہوتے اور فقط وہ آپ اور اس کی ذاتی صنعتیں رہ جاتی ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ آخرت کی طرف سفر کر گیا ہے تو دنیا میں آدمی کے رہنے کا مقصد یہی ہے جو بیان ہوا۔

فصل: آدمی کو دنیا میں دو چیزوں کی حاجت ہے ایک یہ کہ دل کو ہلاکت کے اسباب سے بچائے اور دل کی غذا حاصل کرے دوسرے یہ کہ بدن کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور اس کی غذا حاصل کرے اور دل کی غذا تو خدا کی معرفت و محبت ہے۔ اس لیے کہ چیزوں کی غذا وہی ہے جو اس کی طبیعت کی خواہش کے موافق اور اس کی خاصیت ہے اور آدمی کی خاصیت کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کی محبت میں ڈوبا رہنا آدمی کے دل کی ہلاکت کا سبب ہے اور بدن کی کفالت اور خبر گیری دل ہی کے لیے چاہیے کیونکہ بدن فنا ہو جائے گا۔ دل باقی رہے گا۔ اور دل کے لیے بدن اس طرح ہے جیسے کعبہ کی راہ میں حاجی کے لیے اونٹ، اور اونٹ حاجی کے لیے ہوتا ہے۔ حاجی اونٹ کے لیے نہیں ہوتا جب تک کعبہ میں نہ پہنچے اور اونٹ سے بے فکر اور بے پروا نہ ہو جائے۔ اس وقت تک حاجی کو اونٹ کے چارے اور پوشش کی کفالت و خبر گیری ضروری ہے۔ لیکن کفالت بقدر ضرورت چاہیے۔ اگر حاجی دن رات اونٹ کو چارہ دینے اور آراستہ

کرنے کے لیے ٹھہرا رہے گا اور اسی کی خبر گیری کرتا رہے گا۔ تو قافلے سے پیچھے رہ جائے گا۔ اور ہلاک ہو جائے گا اسی طرح آدمی اگر بدن کی دن رات خبر گیری کرتا ہے یعنی اس کی غذا مہیا کرے اور اسے ہلاکت کے اسباب سے بچایا کرے۔ تو اپنی سعادت سے محروم رہے گا۔ اور بدن کو دنیا میں فقط ان تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ کھانے کی' پینے کی اور گھر کی۔ کھانا غذا ہے۔ پہننا لباس ہے۔ گھر وہ ہے کہ گرمی سردی اور ہلاکت کے اسباب سے اس کو محفوظ رکھے تو آدمی کو دنیا میں بدن کے لیے ان کے سوا کچھ ضرورت نہیں۔ بلکہ یہی تین چیزیں خود دنیا کی اصل ہیں۔ دل کی غذا معرفت ہے جتنی زیادہ ہو بہتر ہے۔ اور بدن کی غذا کھانا ہے اگر حد سے زیادہ ہو تو ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے خواہش کو آدمی پر متعین کر دیا ہے کہ کھانے کپڑے اور گھر کا تقاضا کرے۔ تاکہ بدن جو اس کی سواری ہے۔ ہلاک نہ ہو جائے۔ اور اس کی خواہش کو اپنی حد پر رکھے اور پیغمبروں کی زبانی شریعت اس لیے مقرر فرمادی تاکہ خواہش کی حد ظاہر کر دیں۔ لیکن چونکہ خواہش کی حاجت تھی تو خدا نے اس کو لڑکپن ہی میں پیدا کیا اور اس کے بعد عقل کو پیدا کیا۔ تو خواہش ہے کہ آدمی کو ہمہ تن خورد و نوش اور مسکن کی تلاش میں مشغول کرے اس سبب سے آدمی اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ یہ خورد و پوشش اور مسکن کے لیے چاہیے اور وہ خود دنیا میں کیوں آیا ہے اور دل کی غذا جو زادِ آخرت ہے اسے بھول جاتا ہے۔ اے عزیز ان سب باتوں سے دنیا کی حقیقت آفت اور حاجت تو نے جان لی۔ اب چاہیے کہ دنیا کی شاخوں کو پہچانے اور دنیا میں جو شغل چاہیے اسے جانے۔

فصل : اے عزیز یہ بات جان کہ اگر تو دنیا کی تفصیل میں غور کرے گا تو تجھ کو معلوم ہو گا کہ دنیا تین چیزوں سے عبارت ہے۔ ایک ان چیزوں کی ذاتیں جو زمین پر پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی نباتات معدنیات حیوانات کیوں کہ اصل زمین مسکن منفعت اور زراعت کے لیے چاہیے۔ اور معدنیات مثلاً تانبا' پیتل' لوہا اوزار کے لیے اور حیوانات سواری اور کھانے کے واسطے آدمی اپنے دل اور بدن کو ان چیزوں کی خواہش اور محبت میں اور ہاتھ پاؤں کو ان کی دوستی اور کارسازی میں لگائے رکھتا ہے۔ اور دل کو ان چیزوں کے ساتھ اٹکانے سے دل میں ایسی صفتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جو ہلاکت کا باعث بنتی ہیں۔ جیسے حرص' بخل' عداوت وغیرہ اور ہاتھ پاؤں کو ان چیزوں میں لگانے سے دل بھی ان چیزوں کے ساتھ اٹک جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بھول کر دنیا کے کاموں میں بہت مصروف رکھتا ہے اور جس طرح اصل دنیا میں تین چیزیں ہیں۔ سنار کی صنعت جولاہے کی صنعت' حدادی کی صنعت' لیکن ان میں سے ہر ایک کی شاخیں ہیں۔ کوئی تو اسباب مہیا کرتا ہے۔ جیسے دھنیا اور سوت کاتنے والا جولاہے کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اور کوئی ان کے کام کو تمام کرتا ہے۔ جیسے درزی کہ جولاہے کے کام کو پورا کرتا ہے۔ اور ان سب کو لکڑی' لوہے' چمڑے وغیرہ کے اوزاروں کی ضرورت پڑی۔ تو لوہار' بڑھئی پیدا ہوا۔ اور ہر ایک کو دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت پڑی۔ اس لیے کہ ہر ایک اپنا تمام کام آپ نہیں کر سکتا تو سب دنیا میں جمع ہو گئے۔ کہ درزی جولاہے اور لوہار کا کام کرتا ہے اور لوہار دونوں کا کام سر انجام دیتا ہے۔ اس طرح ہر ایک دوسرے کا کام کرتا ہے۔ تو

ان سب میں معاملہ ہوا- اس کے سبب سے عداوتیں پیدا ہوئیں- اور ہر ایک اپنا حق دوسرے کو دینے پر راضی نہ ہوا- اور دوسرے کے درپے ہوا تو تین اور چیزوں کی حاجت ہوئی- ایک سیاست و سلطنت دوسرے قضا اور حکومت تیسرے علم فقہ کہ اس کے ذریعے لوگوں میں سلطنت اور سیاست کرنے کے قواعد و ضوابط معلوم ہوں اور یہ ہر ایک اگرچہ پیشہ وروں کی طرح ہاتھ سے تعلق نہیں رکھتا- لیکن ہے پیشہ- اس وجہ سے دنیا کی مصروفیات بہت ہو گئیں اور آپس میں الجھ گئے- اور خلق نے اپنے آپ کو ان میں گم کر دیا اور یہ نہ سمجھے کہ ان سب کی اصل فقط تین ہی چیزیں یعنی خور و پوشش اور مسکن- یہ تمام دنیا کے شغل ان ہی تینوں چیزوں کے لیے ہیں- اور یہ تینوں چیزیں بدن کے لیے ہیں- اور بدن دل کے لیے تاکہ دل کی سواری بنے اور دل حق تعالیٰ کے لیے ہے- پس لوگ اپنے آپ اور خدا کو بھول گئے- جیسے حاجی اپنے آپ اور کعبہ اور سفر کو بھول کر اونٹ کی خبر گیری میں اپنے تمام اوقات ضائع کر دیے-

اے عزیز دنیا اور دنیا کی حقیقت یہی ہے- جو بیان ہوئی جو کوئی اس دنیا میں جسم کی خواہشات پر غالب نہ ہو اور آخرت کی طرف توجہ نہ رکھتا ہو اور دنیا کی مصروفیات میں ضرورت سے زیادہ مصروف ہو اس نے دنیا کو نہ جانا اور غفلت و جہالت کا سبب وہی ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ہاروت ماروت کے جادو سے دنیا کا جادو زیادہ بڑھ کر ہے- اے عزیز جب دنیا دین کے لیے جادو کی حیثیت رکھتی ہے تو ضروری ہے کہ اس کا مکر و فریب لوگوں پر مثالوں سے واضح کیا جائے- لہٰذا اس سلسلے کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں-

فصل : پہلی مثال اے عزیز یہ بات جان اور اس نکتہ کو پہچان کہ دنیا کا پہلا جادو یہ ہے کہ وہ اپنا آپ تجھ کو ایسا دکھاتی ہے کہ تو سمجھے کہ وہ تیرے ساتھ ہمیشہ رہے گی- حالانکہ ایسا نہیں ہے- وہ تو ہمیشہ تجھ سے گریزاں ہے- لیکن آہستہ آہستہ اور ذرا ذرا اٹھتی ہے- اس کی یہ مثال ہے کہ اس کا حال سایہ کا سا ہے- سایہ دیکھنے میں تو ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے- لیکن ہمیشہ کھسکتا رہتا ہے- اور تجھے معلوم ہوتا ہے کہ تیری عمر ہمیشہ رواں ہے- آہستہ آہستہ ہر سانس کم ہوتی جا رہی ہے- یہی دنیا ہے جو تجھ سے گزرتی اور تجھے رخصت کرتی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں ہے-

دوسری مثال- دنیا کا دوسرا جادو یہ ہے کہ اپنا آپ یہاں تک تیرا دوست دکھاتی ہے کہ تجھ کو اپنا عاشق بناتی ہے اور تجھ پر ظاہر کرتی ہے کہ تیرے ساتھ وفا کرے گی- اور کسی کے پاس نہ جائے گی- اور دفعتہً تجھے چھوڑ کر تیرے دشمن کے پاس چلی جاتی ہے- اس کی مثال ایسی ہے کہ وہ گویا آوارہ اور مفسد رنڈی ہے- مردوں کو لبھاتی ہے کہ اپنا عاشق بناتی ہے اور اپنے گھر لے جاتی ہے اور موت کا مزہ چکھاتی ہے- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مکاشفہ میں دنیا کو بڑھیا عورت کی صورت میں دیکھا پوچھا کہ تو نے کتنے خاوند کیے- کہا اس کثرت سے کہ گنتی میں نہیں آسکتے- پوچھا مر گئے یا طلاق دی- کہا نہیں میں نے سب کو مار ڈالا- حضرت عیسیٰ نے فرمایا:

ان احمقوں پر تعجب ہے- جو دیکھتے ہیں کہ اوروں کے ساتھ تو نے کیا کیا- اس کے باوجود تیری رغبت

کرتے ہیں- عبرت نہیں پکڑتے-

دنیا کے سحر کی تیسری مثال یہ ہے کہ اپنی ظاہری صورت آراستہ رکھتی ہے اور اس میں جو بلاد و مصیبت ہے- اسے پوشیدہ رکھتی ہے- کہ نادان اس کا ظاہر دیکھ کر فریفتہ ہو جائے- اس کی مثال اس بڑھیا عورت کی سی ہے- جو اپنا منہ چھپائے اور لباس فاخرہ سے آراستہ ہو اور زیور بیش بہا سے پیراستہ ہو کہ جو کوئی اسے دور سے دیکھتا ہے- عاشق زار ہو جاتا ہے- اور جب منہ سے نقاب ہٹاتا ہے ذلیل ہو کر اس کی صورت سے بیزار ہو جاتا ہے- حدیث شریف میں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "قیامت کے دن دنیا کو زشت دانت منہ کے باہر نظر آئیں گے- لوگ جب اسے دیکھیں گے کہیں گے نعوذباللہ- یہ بری اور بد حال رسوا کون ہے- فرشتے کہیں گے- یہ وہی دنیا ہے-- جس کے پیچھے تم آپس میں حسد و دشمنی کر کے ایک دوسرے سے لڑتے مرتے تھے- رشتہ داریاں چھوڑ دیں- اس پر فریفتہ ہو گئے- پھر دنیا کو دوزخ میں ڈال دیں گے- وہ کہے گی- بار خدایا جو میرے دوست تھے- وہ کہاں ہیں- حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان لوگوں کو بھی اس کے ساتھ دوزخ میں پہنچادو- نعوذباللہ-

چوتھی مثال اگر کوئی حساب کرے- کہ ازل سے کس قدر زمانہ گزرا جس میں دنیا نہ تھی- اور ابد تک کتنا زمانہ ہے- جس میں یہ دنیا نہ ہو گی- تو معلوم ہو جائے کہ دنیا کی مثال ایسی ہے- جیسے مسافر کی راہ کہ اس کی ابتدا گھوارہ ہے اور انتہا قبر اور درمیان میں گنتی کی چند منزلیں ہیں- ہر برس گویا منزل ہے- ہر مہینہ فرسنگ اور ہر دن گویا میل ہے- ہر سانس قدم اور وہ ہمیشہ رواں ہے- کسی کا ایک فرسنگ راہ ہے- کسی کا زیادہ کسی کا کم اور وہ ایسا سکون سے بیٹھا ہے کہ گویا ہمیشہ وہیں رہے گا- دنیا کے کاموں کی اسی تدبیریں کرتا ہے- کہ دس برس تک ان کاموں کا محتاج نہ ہو- اور دس دن میں زیر خاک چلا جاتا ہے-

پانچویں مثال اے عزیز بات جان اور یقین رکھ کہ دنیا کے لوگ جو لذت دنیا اٹھاتے ہیں- اور اس کے عوض ذلت و مصیبت جو قیامت میں اٹھائیں گے- اس لذت اور اس مصیبت کے اٹھانے میں ان لوگوں کی ایسی مثال ہے- جیسے کوئی عمدہ اور خوب چکنا اور میٹھا کھانا یہاں تک کھالے کہ اس کا معدہ خراب ہو جائے تو اس وقت قے کرتا ہے اور دوستوں کے سامنے رسوا ہوتا اور شرم کھاتا اور پشیمان ہو جاتا ہے کہ لذت تو ختم ہو گئی مگر ذلت باقی رہ گئی- اور جیسے کھانا جتنا بھاری اور عمدہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کا ثقل بدبودار و غلیظ ہوتا ہے- اسی طرح جتنی زیادہ دنیا کی لذت ہوتی ہے عاقبت میں اتنی اس کی رسوائی اور ذلت بھی ہے اور یہ حقیقت جان کنی کے وقت خود ظاہر ہو جاتی ہے- کہ جس کی نعمت اور دولت یعنی باغات' لونڈیاں' غلام' سونا' چاندی جس قدر زیادہ ہوتا ہے- جان کنی کے وقت اس کی جدائی کا رنج بھی مفلس کی نسبت اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے اور وہ رنج و عذاب موت سے زائل نہیں ہوتا بلکہ زیادہ ہو جاتا ہے- اس لیے کہ دوستی دنیا دل کی صفت ہے اور دل موت کے بعد زندہ رہتا ہے-

چھٹی مثال دنیا کے کام جو سامنے دکھائی دیتے ہیں- تھوڑے محسوس ہوتے ہیں- لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس کام کی مصروفیت تو زیادہ نہ ہو گی- مگر ہوتا یہ ہے کہ اس کام سے سو کام اور پیدا ہو جاتے ہیں- اور اس کی تمام عمر اسی میں گزر جاتی ہے- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ طالب دنیا ایسا ہے جیسے سمندر کا پانی پینے والا جتنا زیادہ پیتا ہے- اتنا ہی زیادہ پیاسا ہوتا ہے اور یہاں تک پیتا ہے کہ ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کی پیاس پھر بھی نہیں بجھتی- رسول کریم ﷺ نے

فرمایا ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص پانی میں جائے اور تر نہ ہو- اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی شخص دنیا کے کام میں لگے اور آلودہ نہ ہو-

ساتویں مثال جو شخص دنیا میں آتا ہے- اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی میزبان کے پاس کوئی مہمان ہو اور اس میزبان کی یہ عادت ہو- کہ ہمیشہ مہمانوں کے لیے مکان آراستہ رکھتا ہو- اور مہمانوں کو گروہ گروہ بلا کر سونے کے طباق اور عود اور خوشبو سلگتی ہوئی چاندی کی انگیٹھی ان کے سامنے رکھے کہ معطر ہو جائیں اور خوشبو میں بس جائیں اور طباق اور انگیٹھی چھوڑ جائیں کہ اور لوگ آئیں گے- تو جو مہمان اس میزبان کی رسم سے آگاہ ہوتا ہے اور عقلمند ہوتا ہے- انگیٹھی میں خوشبو ڈال کر معطر ہو جاتا ہے اور طباق انگیٹھی خوشی سے چھوڑ آتا ہے- اور شکر بجالاتا اور چلا جاتا ہے- اور جو مہمان احمق ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ طباق 'انگیٹھی' عود اور خوشبو وغیرہ میزبان سب کچھ مجھے دے دے گا کہ میں لے جاؤں جب چلتے وقت لوگ اس سے لے لیتے ہیں تو رنجیدہ اور ملول ہوتا اور چلا جاتا ہے دنیا بھی گویا مہمان سرا ہے کہ مسافروں پر وقف ہے کہ اپنا توشہ لے لیں اور جو کچھ سرائے میں ہے اور اس کا لالچ نہ کریں-

آٹھویں مثال دنیا کے کاموں میں مصروف اور آخرت کو بھول جانے والے کی مثال ایسی ہے جیسے آدمیوں کی جماعت ایک کشتی میں ہو اور کشتی کسی جزیرہ میں پھنس جائے وہ جماعت حاجت انسانی اور طہارت جسمانی کے لیے کشتی سے باہر آئے اور ملاح منادی کر دے کہ کوئی بھی زیادہ دیر نہ لگائے- طہارت کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہو جائے کہ کشتی جلدی روانہ ہو جائے گی اور یہ لوگ اس جزیرہ میں جا کر بکھر گئے ایک گروہ بڑا عقلمند تھا اس نے جلدی سے طہارت کی اور واپس آگیا- کشتی خالی تھی جو جگہ اپنے لیے موافق تھی لے لی اور ایک گروہ اس جزیرہ کے عجائبات دیکھنے کی غرض سے ٹھہر گیا- وہاں خوش رنگ پھول اور خوش آواز جانور اور سنگریزے اور رنگ برنگ چیزیں دیکھنے میں مشغول ہو گیا- جب لوٹ کر آیا تو کشتی میں حسب منشا جگہ نہ پائی تنگ و تاریک جگہ میں بیٹھنا پڑا اور تکلیف اٹھائی اور ایک گروہ نے عجائبات دیکھنے پر بھی کفایت نہ کی وہاں سے عمدہ سنگریزے چن لیے اور کشتی میں ان کے رکھنے کی جگہ نہ پائی- تنگ جگہ میں تو آپ بیٹھا اور سنگریزوں کو اپنی گردن پر رکھ لیا- جب دو دن گزرے اور سنگریزوں کا عمدہ رنگ بدل کر سیاہ ہو گیا اور بدبو آنے لگی تو ان بدبودار رنگ سنگریزوں کو پھینکنے کی جگہ بھی نہ ملی وہ گروہ پشیمان ہوا اور اس بوجھ اور تکلیف کو اپنی گردن پر لادنا پڑا- اور ایک گروہ اس جزیرے کے عجائبات دیکھ کر ایسا متحیر ہوا کہ انہیں دیکھتا ہی رہا اور کشتی چل نکلی- وہ دور جزیرے میں ہی پڑا رہا- ملاح کا کہنا نہ سنا- اسی جزیرہ میں پڑا رہا- یہاں تک کہ اس گروہ کے بعض آدمی بھوک سے مر گئے بعض کو درندوں نے ہلاک کر ڈالا- پہلا عقلمند گروہ پرہیزگار مسلمانوں کے مثل ہے اور پچھلا گروہ جو ہلاک ہوا کافروں کے مانند ہے کہ آپ اپنے اور خدا اور آخرت کو بھول کر اپنے آپ کو بالکل دنیا کے حوالے کر دیا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ انہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا- اور بیچ والے دونوں گروہ گنہگاروں کی طرح ہیں کہ اصل ایمان محفوظ رہا- لیکن دنیا سے ہاتھ نہ کھینچا- ایک گروہ نے درویشی

کے ساتھ سیر کی- خط اٹھایا- ایک نے سیاہ کاری کی اور سنگریزے لا کر اپنے آپ کو تکلیف اور مشقت میں ڈالا-

فصل : اے عزیز دنیا کی برائی جو کہی گئی اس سے یہ گمان نہ کرنا کہ جو کچھ دنیا میں ہے سب برا ہے- بلکہ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ دنیا میں سے نہیں ہیں- اس لیے کہ علم و عمل دنیا ہے اور دنیا میں سے نہیں ہے- اس لیے کہ آخرت میں آدمی کے ساتھ جائے گا- علم تو بعینہٖ آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور عمل اگرچہ بعینہٖ نہیں رہتا لیکن اس کا اثر رہتا ہے- اور اس کے اثر کی دو قسمیں ہیں- ایک جوہر دل کی پاکی اور صفائی جو گناہ ترک کرنے سے حاصل ہوئی ہے اور ایک حق تعالیٰ کے ذکر کی محبت جو ہمیشہ عبادت کرنے سے حاصل ہوئی ہے تو یہ سب باقیات الصالحات ہیں- جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ   اور نیک کمائی جو باقی ہے وہ بہتر ہے تیرے پروردگار کے نزدیک-

علم و مناجات کی لذت نیز خدا تعالیٰ کے ذکر کی الفت تمام لذتوں سے بڑھ کر ہے اور دنیا میں ہے لیکن دنیا میں ہے لیکن دنیا میں سے نہیں ہے- تو دنیا کو سب لذتیں بری نہیں اور جو لذتیں فنا ہو جاتی ہیں- باقی نہیں رہتیں- وہ بھی سب بری نہیں بلکہ اس کی بھی دو قسمیں ہیں- ایک وہ لذت جو دنیا میں سے ہے اور مرنے کے بعد فنا ہو جاتی ہے- لیکن آخرت کے کاموں اور علم و عمل اور مسلمانوں کے اضافہ میں مددگار ہے- جیسا کہ وہ نکاح اور خورو پوشش اور جائے رہائش جو ضرورت کے مطابق اور راہ آخرت کے لیے ضروری ہو- جو شخص دنیا میں اس قدر پر قناعت کرے- اور فراغت سے دین کا کام کرنے کی نیت سے کرے وہ شخص دنیادار نہیں- مذموم اور وہ دنیا ہے جس سے دین کا کام مقصود نہ ہو بلکہ وہ اس عالم میں غفلت اور دل لگنے کا باعث ہو اور اس عالم سے نفرت پیدا ہونے کا موجب ہو- اسی لیے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ :

اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَ مَلْعُوْنٌ مَافِيْهَا اِلاَّ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَاوَالَاهُ یعنی حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب بھی ملعون ہے- مگر اللہ کا ذکر اور جو اس میں مدد کرے- حقیقت دنیا کی تفصیل اور دنیا سے جو کچھ مقصود ہے اس کا بیان اسی قدر کافی ہے- باقی ارکان معاملہ کی تیسری قسم میں جسے راہ دین میں خطرے کی جگہ کہتے ہیں- بیان ہو گیا- انشاء اللہ تعالیٰ وہاں پوری وضاحت ہو گی-

☆............☆............☆

چوتھا عنوان

یہ مسلمانی کا چوتھا عنوان ہے اور اس میں معرفت آخرت کا بیان ہے

اے برادر اس بات کا یقین رکھ کر کوئی شخص حقیقت آخرت نہیں پہچان سکتا۔ جب تک حقیقت موت نہ پہچانے اور حقیقت موت معلوم نہیں کر سکتا۔ تاوقتیکہ حقیقت زندگی نہ جان لے اور حقیقت زندگی سمجھ میں نہ آئے گی۔ جب تک حقیقتِ روح نہ جان لی جائے۔ اور حقیقتِ روح جاننا یہی اپنے نفس کی حقیقت کا پہچاننا ہے۔ جس کا تھوڑا سا بیان اوپر گزرا ہے۔ اے عزیز یہ بات جان کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ آدمی دو چیز سے بنا ہے ایک روح دوسرے ڈھانچہ روح سوار ہے اور ڈھانچہ گویا سواری ہے اور روح کی بدن کی وجہ سے آخرت میں ایک حالت ہو گی اور وہ دوزخ یا جنت ہو گی۔ اور بے شرکت مداخلت قالب فقط اپنی ذات سے بھی روح کے لیے ایک حالت ہو گی اور وہ دوزخ یا جنت یا سعادت و شقاوت ہو گی اور دل کی ان لذتوں اور نعمتوں کو جو قالب کے واسطے اور ذریعے سے نہ ہوں ہم بہشت روحانی کہتے ہیں۔ اور دل کے ان رنج والم کو جو بے واسطہ قالب ہوں۔ آتش روحانی کہتے ہیں۔ لیکن وہ بہشت اور دوزخ جس میں قالب واسطہ ہے۔ بالکل ظاہر ہے باغ، نہریں، حوریں، بڑے بڑے محل، کھانا پینا وغیرہ اس جنت میں حاصل ہے اور آگ، سانپ، بچھو، خاردار درخت وغیرہ دوزخ سے عبارت ہے اور اس دوزخ و جنت کا ذکر قرآن اور حدیث میں مشہور و معروف ہے اور سب کی سمجھ میں آسکتا ہے اور اس کی تفصیل احیاء العلوم کی کتاب ذکر الموت میں بیان کر دی ہے۔ یہاں اس پر کفایت کرتے ہیں کہ بہشت و دوزخ روحانی کا ذکر اشارۃً اور حقیقت موت کا بیان تفصیل سے کرتے ہیں۔ کیونکہ اسے ہر ایک نہیں جانتا ہر کس و ناکس نہیں پہچانتا۔ اور یہ جو حدیثِ قدسی میں آیا ہے یعنی خدا تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی زبانی فرمایا ہے:

أَعِدَّدْتُ لِلعِبَادِیَ الصَّالِحِینَ مَالَا عَیْنٌ رَّاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ

مہیا کی ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیز جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل پر خطرہ گزرا۔

یہ بہشت روحانی[1] میں ہو گا۔ اور دل میں عالم ملکوت کی طرف ایک سوراخ ہے۔ اسی سے یہ اسرار معلوم ہوتے ہیں اور ان میں کچھ شک و شبہ نہیں رہتا۔ جس کے دل کا روزن عالم ملکوت کی طرف کھلتا ہے۔ اسے آخرت کی سعادت و شقاوت کا یقین کامل ہو جاتا ہے۔ فقط سن کر مان لینے سے نہیں بلکہ مشاہدہ اور معائینہ کرنے سے یقین آتا ہے جس طرح طبیب یہ بات پہچانتا ہے کہ اس جہان میں بدن کے لیے سعادت و شقاوت ہے۔ جس کا نام صحت و علالت ہے۔ اور اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ مثلاً دوا پینا، پرہیز کرنا، سعادتِ بدن کا سبب اور زیادہ کھانا اور پرہیز نہ کرنا شقاوتِ تن کا باعث ہے

۱۔ بہشت روحانی۔

اسی طرح اس شخص کو بھی مشاہدے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ دل کے لیے یعنی آدمی کی روح کے لیے سعادت و شقاوت ہے۔ اس سعادت کی دوا جس سے وہ حاصل ہو۔ معرفت اور عبادت ہے۔ اور اس کا زہر جس سے وہ زائل ہو۔ جہل و معصیت ہے اور یہ جاننا بہت بڑا اور معزز علم ہے بہت لوگ جو علماء کہلاتے ہیں اس علم سے غافل بلکہ منکر ہیں۔ فقط بدن ہی کی جنت و دوزخ مانتے ہیں۔ اور آخرت کو فقط سماعت اور تقلید ہی سے جانتے ہیں۔ اور ہم نے (یعنی امام والا مقام نے) اس امر کی تحقیق اور تشریح میں دلائل سے لبریز عربی کتابیں لکھی ہیں۔ اس کتاب میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ جو شخص زیرک اور سمجھ دار ہے اور جس کا باطن تعصب اور تقلید کی آلائش سے پاک ہے وہ یہ راہ پائے گا اور آخرت کا حال اس کے دل میں ثابت و مضبوط ہو جائے گا۔ کہ آخرت کے بارے میں اکثر لوگوں کا ایمان ضعیف و متزلزل ہے۔

فصل: اے عزیز اگر تو موت کی کچھ حقیقت جاننا چاہتا اور اس کے معنی پہچاننا چاہتا ہے تو یہ امر جان اور یہ بات مان کہ ایک آدمی کی دو روحیں ہیں۔ ایک روح حیوان کی جنس سے۔ اس کا نام روح حیوانی ہے۔ اور ایک روح ارواح ملائکہ کی جنس سے ہے۔ اس کا نام روح انسانی اور اس روح حیوانی کا سرچشمہ دل ہے یعنی وہ گوشت کا لوتھڑا جو سینہ میں بائیں طرف لٹکتا ہے اور یہ روح حیوان کے اخلاط باطن کا بخار لطیف ہے اس کا مزاج معتدل ہے دل سے دھمکتی رگوں کے ذریعے نکل کر دماغ اور سب اعضاء میں جاتی ہے۔ اور یہ روح حس و حرکت کی طاقت کو اٹھائے ہوئے ہے۔ جب دماغ میں پہنچتی ہے تو اس کی گرمی کم ہو جاتی ہے اور وہ نہایت اعتدال پاتی ہے۔ آنکھ کو اس سے دیکھنے کی قوت ہوتی ہے۔ کان کو اس سے سننے کی قدرت اسی طرح سب حواس حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس روح کی مثال چراغ کی سی ہے کہ جب گھر میں آتا ہے۔ جہاں پہنچتا ہے۔ وہاں گھر کی دیواریں روشن ہو جاتی ہیں۔ جس طرح چراغ سے دیواروں پر روشنی پیدا ہوتی ہے اسی طرح خدا کی قدرت سے روح کی بدولت آنکھوں میں نور کانوں میں سننے کا مقدور اور سب حواس پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کسی رگ میں سدہ اور گرہ پڑ جاتی ہے تو جو عضو اس گرہ کے بعد ہے بیکار اور فالج کا مارا ہو جاتا ہے۔ اس میں کچھ حس و حرکت اور قوت نہیں رہتی۔ طبیب یہ کوشش کرتا ہے۔ کہ وہ سدہ اور گرہ کھل جائے۔ روح گویا چراغ کی لو اور دل بتی ہے اور غذا تیل ہے۔ اگر تیل نہ ڈالا جائے تو چراغ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اسی طرح اگر غذا نہ دی جائے تو روح کا معتدل مزاج جاتا رہتا ہے۔ اور آخر کار آدمی مر جاتا ہے۔ اسی طرح بہت زمانہ کے بعد دل بھی ایسا ہو جاتا ہے کہ غذا نہیں قبول کرتا اور جس طرح چراغ پر کوئی چیز ماری جائے تو تیل بتی برقرار ہونے پر بھی چراغ بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح جس کسی حیوان کو زخم شدید پہنچے تو مر جاتا ہے اور اس روح کا مزاج جیسا چاہیے ویسا معتدل جب تک رہتا ہے تو خدا کے حکم سے ملائکہ آسمان کے انوار معانی لطیف مثلاً حس و حرکت کی قوت کو قبول کرتی ہے۔ جب وہ مزاج حرارت و برودت کے غلبہ یا اور کسی سبب سے جاتا رہتا ہے۔ تو روح ان اثرات کو قبول کرنے کے لائق نہیں رہتی جس طرح آئینہ کہ جب تک اس کا ظاہر صاف اور درست رہتا ہے۔ صورت والی چیزوں کی شکلیں قبول کرتا ہے۔ یعنی صورتیں اس میں نظر آتی ہیں۔ جب خراب اور زنگ آلود ہو جاتا ہے تو صورت

قبول نہیں کرتا- یعنی اس میں عکس نظر نہیں آتا یہ امر اس سبب سے نہیں ہوتا کہ صورتیں ہلاک یا غائب ہو گئیں بلکہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ آئینہ صورتیں قبول کرنے کے لائق نہ رہا اسی طرح اس غبار لطیف معتدل یعنی روح حیوانی میں حس و حرکت وغیرہ قبول کرنے کی قابلیت اس کے اعتدال مزاج کے ساتھ وابستہ ہے- جب اعتدال نااہل ہو جاتا ہے تو یہ بھی حس و حرکت وغیرہ کی قوتوں کو قبول نہیں کرتی جب قبول نہ کیا تو اعضاء اس کے انوار سے محروم اور بے حس و حرکت رہ جاتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ حیوان مر گیا اور مرگ حیوانی کے یہی معنی ہیں اور جو شخص روح حیوانی کا اعتدال دور کرنے کے اسباب جمع کرنے والا ہے وہ بندگان خدا میں سے ایک بندہ ہے جسے ملک الموت کہتے ہیں- لوگ اس کا صرف نام جانتے ہیں- حقیقت نہیں پہچانتے کہ اس کا پہچاننا مشکل ہے- مرگ حیوانات کے یہی معنی ہیں- لیکن آدمی کی موت اور طرح ہے کیونکہ اس میں روح حیوانی جو حیوانات میں ہوتی ہے- وہ بھی اور اس کے علاوہ اور روح بھی ہے- اس کا نام روح انسانی اور دل ہے اوپر بعض فصلوں میں اس کا ذکر ہو چکا ہے وہ روح اس روح حیوانی کی جنس سے نہیں ہے کہ ہوائے لطیف اور غبار پختہ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے- وہ روح اس روح حیوانی کی جنس سے نہیں ہے جو ہوائے لطیف اور غبار پختہ اور صاف کے مانند ایک جسم ہے- یہ روح انسانی جسم نہیں ہے- اس لیے کہ قسمت پذیر نہیں اور حق تعالیٰ کی معرفت اس میں سماتی ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ ایک ہے اور قسمت پذیر نہیں- اسی طرح اس کی معرفت بھی ایک ہے اور قسمت پذیر نہیں ہے- تو معرفت کسی قسمت پذیر جسم میں نہیں سماتی- بلکہ اس چیز میں سماتی ہے جو یگانہ اور قسمت پذیر نہیں ہے-

اے عزیز انسان میں بھی بتی نور و روشنی تینوں چیزیں فرض کرے- بتی گویا قلب ہے اور چراغ کی لو روح حیوانی اور روشنی اور روح انسانی اور جس طرح چراغ کی روشنی چراغ سے بہت لطیف ہوتی ہے اور روشنی کی طرف گویا اشارہ نہیں ہو سکتا- اسی طرح روح انسانی بھی روح حیوانی کی نسبت گویا لطیف ہے اور اس کی طرف بھی گویا اشارہ نہیں ہو سکتا- اگر لطافت کی نظر سے خیال کیا جائے تو یہ مثال ٹھیک ہے لیکن اور وجہ سے ٹھیک نہیں ہے کہ چراغ کی روشنی جو چراغ کی طبع اور فرع ہے جب چراغ گل ہو تو بالکل زائل ہو جاتی ہے اور روح انسانی روح حیوانی کے تابع نہیں ہے بلکہ روح انسانی اصل [۱] ہے اور حیوانی کے باطل ہونے سے یہ باطل نہیں ہوتی اور اس کی مثال چاہیے تو ایک نور فرض کر کے جو چراغ سے بہت لطیف ہو کہ چراغ کے قیام اس کے ذریعے سے ہو- اس کا قیام چراغ کے ذریعے نہ ہو کہ یہ مثال ٹھیک ہو جائے- اور روح حیوانی کا مزاج زائل ہو جاتا' قالب مردہ ہو جاتا ہے- اور روح انسانی بر قرار رہتی ہے- لیکن بے سوار اور بے ہتھیار ہو جاتی ہے- سواری تباہ ہونے سے سوار نیست و نابود نہیں ہوتا- بے ہتھیار یعنی محتہ ہو جاتا ہے اور یہ ہتھیار اس سوار کو اس لیے مرحمت ہوا کہ ہماری محبت اور عنقائے معرفت الٰہی کو شکار کرے اگر شکار کر چکا ہے تو ہتھیار ضائع ہو جانا اس کے حق میں بہتر ہے کہ بوجھ سے سبکدوش ہو اور جناب رسالت مآب ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ موت مومن کا تحفہ اور ہدیہ ہے وہ یہی بات ہے کہ شکار کھیلنے کی غرض سے اٹھائے ہوئے ہے- اور اپنے اوپر بوجھ گوارا کئے ہوئے ہے- جب شکار اس کے ہاتھ

[۱] روح حیوانی زائل ہونے سے روح انسانی باطل نہیں ہوتی-

میں آئے تو دام کا ضائع ہو جانا اس کے لیے غنیمت ہوتا ہے اور معاذ اللہ اگر شکار ہاتھ آنے سے پہلے ہی دام ضائع ہو جائے تو شکاری انتہائی حسرت وافسوس کرتا ہے- اور بے انتہا مصیبت اٹھاتا ہے- اور یہی حسرت والم عذاب قبر ہے-

فصل : تو جاننا چاہیے کہ اگر کسی کے ہاتھ پاؤں شل ہو جائیں تو وہ خود سلامت رہتا ہے کیوں کہ نہ وہ ہاتھ ہے نہ پاؤں بلکہ ہاتھ پاؤں اس کے آلات ہیں اور وہ ان کو اپنے کام میں استعمال کرتا ہے-

اے عزیز جس طرح ہاتھ پاؤں تیری اصل حقیقت نہیں ہیں اسی طرح پیٹ' پیٹھ سر بلکہ تمام بدن بھی تیری اصل وماہیت نہیں ہے- اگر یہ سب شل ہو جائیں تب بھی تیرا برقرار رہنا ممکن ہے اور موت کے یہی معنی ہیں کہ تمام بدن شل ہو جاتا ہے- اس لیے کہ ہاتھ شل ہو جانا اسی کا نام ہے کہ ہاتھ تیرا فرمانبردار نہ رہے- یعنی تجھ کو اس پر اختیار نہ رہے اور ہاتھ میں ایک صفت بھی جسے قدرت کہتے ہیں- اس کی وجہ سے ہاتھ خدمت کرتا تھا- وہ صفت روح حیوانی کے چراغ کی روشنی تھی کہ ہاتھ کو پہنچتی تھی- جن رگوں کے واسطے سے وہ روح ہاتھ میں جاتی تھی- جب ان میں گرہ پڑ گئی قدرت جاتی رہی ہاتھ خدمت سے معذور ہوا- اسی طرح تمام بدن جو تیری خدمت واطاعت کرتا ہے- روح حیوانی کے باعث کرتا ہے- جب روح حیوانی کا مزاج زائل ہوتا ہے بدن اطاعت نہیں کر سکتا- تو اسی کو موت کہتے ہیں- اگرچہ فرمانبردار یعنی بدن اپنی جگہ پر برقرار نہیں ہے- مگر تو اپنی جگہ برقرار رہتا ہے- اور تیرے وجود کی حقیقت یہ قالب کیونکر ہوگا- اگر تو سوچے تو یہ بات جان جائے گا کہ تیرے یہ اعضاء وہ نہیں ہیں جو لڑکپن میں تھے- اس لیے کہ وہ سب بخار سے تحلیل ہو گئے اور غذا سے ان کے بدلے اور اعضاء پیدا ہو گئے تو وہ قالب نہیں ہے اور تو وہی ہے پس تیری ہستی اس قالب سے نہیں- اگر قالب تباہ ہو جائے تو تو اپنی ذات سے اسی طرح زندہ رہے گا- لیکن تیرے اوصاف کی دو قسمیں ہیں- ایک میں قالب کی شرکت ہے- جیسے بھوک' پیاس' نیند یہ اوصاف صاف بے مادہ اور جسم کے ظاہر نہیں ہوتے- اور موت سے زائل ہو جاتے ہیں- اور دوسری میں قالب کی شرکت نہیں- جیسے خدا کی معرفت اور اس کے جمال لازوال کی زیارت اور ان باتوں سے مسرت وفرحت یہ تیری ذاتی صفت ہے اور تیرے ساتھ رہے گی- اور باقیات الصالحات کے یہی معنی ہیں اور اگر معرفت کے عوض جہل ہے یعنی حق تعالیٰ کی پہچان نہیں- تو یہ بھی تیری ذاتی صفت ہے اور تیرے ساتھ رہے گی اور یہ جہل ہی تیری روح کا اندھاپن اور تیری شقاوت کا تخم ہوگا-

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ — جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا ہے اور بڑا گمراہ ہے راہ چلنے میں-

اور جب تک تو ان دونوں روحوں کی حقیقت اور ان دونوں کا فرق اور باہم ان کا تعلق نہ پہچانے گا موت کی حقیقت بھی نہ جانے گا-

فصل : اے عزیز اب یہ بات جان کہ روح حیوانی [۱] اس عالم سفلی سے ہے- اس لیے کہ وہ خلطوں کے بخارات کی

[۱] روح حیوانی عالم سفلی سے ہے-

لطافت

سے مرکب ہے-اور خلطیں چار ہیں-خون بلغم، صفرا اور سودا اور ان چاروں کی چار اصلیں ہیں-آگ پانی، خاک، ہوا اور ان کے مزاج کا اختلاف اور اعتدال گرمی، سردی، تری، خشکی کی کمی زیادتی سے ہوتا ہے-اور علم طب سے یہی غرض ہے-کہ ان چاروں طبعوں کے اعتدال کا روح میں یہاں تک لحاظ رکھے کہ یہ روح حیوانی اس روح کی سواری کے لائق ہو جائے جس کو ہم روح انسانی کہتے ہیں اور وہ اس عالم سفلی سے نہیں ہے-بلکہ عالم علوی اور فرشتوں کی اصل سے ہے اور اس کا عالم دنیا میں آنا مسافر کی طرح ہے-اس کی ذات کی خواہش سے نہیں-اس کا یہ سفر اس لیے ہے کہ ہدایت سے اپنا توشہ تیار کرے-جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہ

ہم نے کہا کہ تم اتر جاؤ یہاں سے اگر تم کو مجھ سے کچھ ہدایت پہنچی تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے-

اور جو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو مٹی سے پھر جب تیار کیا میں نے اسے اور پھونکی اس میں روح اپنی روح سے-۱۲

ان دو روحوں کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے-ایک کو مٹی کے حوالے فرمایا-اور اس کے اعتدال مزاج کو اس عبارت سے تعبیر کیا کہ سَوَّيْتُهٗ یعنی اس میں سے تیار اور مہیا کیا-اور یہی اعتدال ہے-پھر ارشاد فرمایا:
وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ اس کو اپنے ساتھ منسوب فرمایا-اس کی یہ مثال ہے جیسے کوئی ریشم کے کپڑے کی مشعل بنائے-کہ وہ جلنے کے لائق ہو جائے پھر اس کو آگ کے پاس لے جا کر پھونکے کہ اس میں آگ لگ جائے اور جس طرح روح حیوانی سفلی کے لیے اعتدال ہے اور علم طب اس اعتدال کے اسباب کو شامل ہے کہ روح حیوانی سے بیماری دفع کر کے اسے اسباب ہلاکت سے بچائے-اسی طرح روح انسانی علوی جو حقیقت دل ہے-اس کے لیے بھی اعتدال ہے کہ علم اخلاق و ریاضت جو شریعت سے ہے اس کے اعتدال کو دیکھتا ہے-اور یہی امر روح انسانی کی صحت کا سبب ہوتا ہے-چنانچہ ارکان مسلمانی میں اس کا بیان آئے گا-تو یہ معلوم ہوا کہ جو کوئی آدمی کی روح کی حقیقت کو نہ پہچانے گا ممکن نہیں کہ وہ آخرت کو پہچانے جیسے یہ ناممکن ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو نہ پہچانے وہ حق تعالیٰ کو پہچان لے تو اپنی معرفت جناب احدیت کی معرفت کی کنجی اور حقیقت ارواح کی معرفت کلید معرفت آخرت ہے-اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان لانا دین کا اصل ہے ہم نے اسی وجہ سے اس معرفت کو مقدم کیا-لیکن ایک راز اس کے اوصاف کے اسرار میں سے دراصل وہ اصل ہے-ہم نے اس کا بیان نہیں کیا کہ اس کے بیان کی اجازت نہیں اور ہر ایک کو اس کے سمجھنے کی طاقت بھی نہیں اور

تمام معرفت حق اور معرفت آخرت اسی پر موقوف ہے - اے عزیز ایسی محنت کر کہ اپنی کوشش و طلب سے تو خود اس کو پہچان لے اس لیے کہ اگر کسی سے تو وہ راز سنے گا تو اس کے سننے کی تاب نہ لائے گا - بہت لوگوں نے وہ صفت خدا کی شان میں سنی اور یقین نہ کیا اس کے سننے کی تاب نہ لا سکے - انکار کر گئے کہا کہ خود ممکن ہی نہیں اور یہ تنزیہ اور پاکی بلکہ تعطیل اور بے کاری ہے - جب یہ حال ہے تو آدمی کے حق میں اس صفت کے سننے کی تو کیونکر تاب لائے گا - بلکہ وہ صفت خدا تعالیٰ کی شان میں نہ حدیث میں صاف صاف وارد ہے نہ قرآن میں اسی لیے لوگ اسے سننے میں انکار کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے فرمایا ہے :

کَلِّمُوْا النَّاسَ عَلٰی قِدْرِ عُقُوْلِہِمْ یعنی لوگوں سے ایسی بات کہو جسے سمجھنے کی انہیں طاقت ہو - اور بعض انبیاء پر وحی آئی کہ ہماری صفات میں جس صفت کو لوگ نہ سمجھ سکیں وہ ان سے نہ کہو - جانتے ہو کہ اگر وہ نہ سمجھیں گے تو انکار کریں گے اور انکار ان کے حق میں مضر ہے -

فصل : اے عزیز یہ سب کچھ جو بیان ہوا اس سے تو نے یہ پہچان لیا - کہ آدمی کی جان کی حقیقت اپنی ذات سے قائم ہے - اور اپنی ذات اور خاص صفات کے قیام میں قالب سے آدمی مستغنی اور بے پرواہ ہے اور اس کی نیستی موت کے معنی یہ نہیں ہیں - بلکہ قالب سے اس کے تصرف کا منقطع ہو جانا موت کے معنی ہیں اور حشر و بعث اور اعادہ کے یہ معنی نہیں کہ نیستی کے بعد پھر اسے وجود میں لائیں گے - بلکہ یہ معنی ہیں کہ اسے کوئی قالب دیں گے یعنی جیسے پہلے تھا - ایک بار پھر قالب کو یہ تصرفات قبول کرنے پر مہیا کریں گے - اور یہ بہت ہی آسان ہو گا اس لیے کہ پہلی بار بدن و روح کو پیدا کرنا تھا اور اس بار روح موجود ہے اور قالب کے اجزاء بھی اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں - ان کا جمع کرنا ایجاد کرنے سے بہت ہی آسان ہو گا - یہ آسانی ہمارے دیکھنے کے اعتبار سے ہے - ورنہ حقیقت میں فعل پروردگار سے آسانی کو کوئی لگاؤ نہیں - اس لیے کہ جہاں دشواری نہیں وہاں آسانی بھی نہیں اور دوبارہ زندہ کرنے میں پہلے ہی والے قالب کا دنیا میں ہونا ضروری نہیں - اس لیے کہ قالب سواری ہے اگر گھوڑا بدل جائے سوار تو وہی رہے گا - اور لڑکپن سے بڑھاپے تک قالب کے اجزاء دوسری غذا سے بدلتے رہتے ہیں اور روح انسانی وہی رہتی ہے جو ابتدائے خلق میں تھی - جن لوگوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے پہلا ہی قالب ملے گا - ان پر اعتراضات ہوئے اور انہوں نے ان اعتراضات کے کمزور جواب دیئے - حالانکہ اس تکلیف سے وہ مستغنی تھے - ان سے لوگوں نے اعتراضات کئے اور کہا کہ اگر یک آدمی دوسرے آدمی کو کھا جائے اور دونوں کے اجزاء ایک ہو جائیں تو وہ اجزاء حشر میں کسے دیئے جائیں گے اور کسی کے بدن سے ایک عضو کاٹ ڈالیں اور کاٹ ڈالنے کے بعد وہ شخص عبادت کرے - جب اس کو عبادت کا ثواب ملے گا تو وہ کٹا ہوا عضو بھی اس کے بدن میں ہو گا یا نہیں - اگر نہ ہو گا تو بے ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ کے وہ شخص بہشت میں ہو گا - اگر وہ عضو جو زندگی میں کٹ گیا تھا - اس کے بدن میں ہو گا - تو ثواب میں اور اعضاء کا کیوں شریک ہو گا - نیک کام کرنے میں تو شریک نہیں تھا - لوگ ایسے واہیات اعتراضات بہت

کرتے ہیں اور جواب دینے والے تکلف سے جواب دیتے ہیں- اے عزیز جب تو نے دوبارہ زندہ ہونے کی حقیقت جان لی کہ پہلے قالب کی کچھ ضرورت نہیں تو ایسے سوال و جواب کی بھی ضرورت نہ رہی- اور یہ اعتراضات اسی بات سے پیدا ہوئے کہ لوگ یہ سمجھے تھے کہ تیری ہستی اور حقیقت تیرا یہی قالب ہے- جب وہ قالب نہ ہوگا تو جو پہلے تھا وہ بھی نہ ہوگا- اسی بنا پر لوگ اشکال میں پڑ گئے اور ان کی اس بات کی اصل مضبوط نہیں ہے-

فصل: اے عزیز شاید تو یہ کہے کہ فقہا و متکلمین کا مشہور مذہب یہ ہے کہ آدمی کی جان موت سے معدوم ہو جاتی ہے پھر اس کو پیدا کرتے ہیں اور اوپر کا بیان اس مذہب کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اوروں کی بات پر چلے وہ اندھا ہے اور جو شخص جان انسانی کی فنا کا قائل ہے وہ نہ مقلد ہے نہ صاحبِ بصیرت- اگر صاحب بصیرت ہوتا تو جانتا کہ مرگِ قالب آدمی کی حقیقت کو نابود نہیں کرتی اور اگر اہل تقلید سے ہوتا تو قرآن و حدیث سے جانتا کہ آدمی کی روح مرنے کے بعد اپنے مقام میں موجود رہتی ہے- مرنے کے بعد ارواح کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک بد بخت لوگوں کی روح ایک نیک بخت لوگوں کی روح- نیک بخت لوگوں کی روح کے بیان میں قرآن شریف ناطق ہے-

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۝

اور ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کو مردہ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے- بلکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں رزق دیئے جاتے خوش ہیں اس پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا-

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ جو لوگ میری راہ میں مارے گئے وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور درگاہ پروردگار سے ان کو سرفرازی کے جو خلعت ملے ہیں- اس کے سبب خوش رہتے- اور ہمیشہ اس سرکارِ لبد قرار سے روزی حاصل کرتے ہیں- اور بدر کے کفار اشقیاء کو جب رسول مقبول ﷺ نے قتل کیا اور مارا تو انہیں نام لے کر پکارا اور فرمایا کہ اے فلاں فلاں دشمنوں کے عذاب کے متعلق اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا میں نے تو وہ سچ پایا- اور وہ عذاب کے وعدے جو تم سے خدا نے کیے تھے مرنے کے بعد تم نے بھی سچ پائے آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کافر تو مردہ ہیں آپ ان سے کیوں کلام فرماتے ہیں- ارشاد فرمایا- اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے یہ لوگ میری اس بات کو تم سے زیادہ سنتے ہیں- مگر جواب سے عاجز ہیں- اور جو کوئی قرآن اور ان احادیث میں غور کرے گا- جو مردوں کے حق میں وارد ہیں- اور جن میں یہ مضمون ہے کہ مردے اہل ماتم اور اہل زیارت سے بلکہ جو کچھ اس عالم میں ہوتا ہے- سب سے آگاہ ہیں تو ضرور جانے اور یقین مانے گا کہ مردوں کا بالکل نیست و نابود ہو جانا شرع میں کہیں نہیں آیا- بلکہ صرف یہ ہے کہ صفت بدل جاتی ہے گھر بدل جاتا ہے- اور قبر دوزخ کے غاروں میں سے ایک غار ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ- تو یقین جانِ کہ مرنے سے تیری ذات اور خاص صفات زائل نہیں ہوں گے-

لیکن تیرے حواس اور حرکات وخیالات جو دماغ اور اعضاء کے لیے پیدا ہوئے زائل ہو جائیں گے-اور تو جیسا یہاں سے گیا ہے-وہاں بھی مجرد وتنہا رہے گا-اے عزیز اس بات کو جان کہ گھوڑا مر جائے تو سوار اگر جاہل ہے تو عالم نہ ہو جائے گا اور اگر اندھا ہے تو بینا نہ ہو جائے گا-صرف پیادہ ہو جائے گا-تو قالب سواری ہے جیسے گھوڑا تو سوار ہے اسی بنا پر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ اور محسوسات سے غائب ہو جاتے اور اپنے میں اتر جاتے اور خدا کی یاد میں ڈوبتے یعنی مراقبہ کرتے ہیں-جیسا کہ راہ تصوف کا آغاز ہے-تو انہیں قیامت کا حال بھی نظر آتا ہے اس لیے کہ ان کی روح حیوانی اگرچہ اعتدال سے پھر نہیں جاتی لیکن سست ہو جاتی ہے-اس وجہ سے جب ان میں خوف خدا اور اندیشہ عقبیٰ پیدا ہو جاتا ہے-تو روح حیوانی ان کی ذات کو اپنی طرف مشغول نہیں کر سکتی اور ان کا حال مردے کے حال کے قریب ہو جاتا ہے-چنانچہ لوگوں کو مرنے کے بعد جو کچھ معلوم ہوتا ہے-ان پر یہیں منکشف ہو جاتا ہے ۲-اور جب پھر اپنے آپ میں آتے ہیں اور عالم محسوسات میں پڑتے ہیں تو بہت کو اس میں سے کچھ بھی یاد نہیں رہتا-صرف اس کا کچھ اثر باقی رہ جاتا ہے-اگر بہشت کی حقیقت اسے دکھائی ہوتی ہے تو اس کی خوشی اور راحت ان کے ساتھ باقی رہتی ہے اور اگر دوزخ کی حقیقت ان کے سامنے پیش ہوتی ہے-تو اس کی اداسی اور خستگی باقی رہتی ہے اور اگر اس میں سے کچھ یاد رہا ہو تو اس کی خبر دیتے ہیں اور اگر خزانہ خیال نے کسی مثال کے ساتھ تعبیر کیا ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ مثال اسے خوب یاد رہے اور وہ اس کی خبر دے-جیسا کہ رسول مقبول ﷺ نے نماز میں ہاتھ مبارک پھیلایا اور فرمایا کہ جنت کا خوشہ انگور مجھے دکھایا گیا میں نے چاہا کہ اسے اس جہان میں لاؤں-اے عزیز یہ گمان نہ کرنا کہ خوشہ انگور جس حقیقت کی مثال تھا اسے اس جہان میں لایا جا سکتا تھا-بلکہ یہ محال تھا-اس لیے کہ اگر ممکن ہوتا تو آنحضرت ﷺ اسے اس جہان میں لے آتے اور اس امر کے استحالے کا سمجھنا مشکل ہے اور اس اشکال کی جستجو کی تجھے کوئی ضرورت نہیں اور علماء کرام کے مدارج کا فرق ایسا ہے کہ کسی کی سمجھ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ بہشت کا خوشہ انگور کیا ہے اور کیسا تھا جو آنحضرت ﷺ نے دیکھا-دوسروں نے دیکھا اور کسی کو اس واقعہ سے یہی کہنا حصہ میں آتا ہے-کہ آنحضرت ﷺ نے دست مبارک ہلایا تو اَلْفِعْلُ الْقَلِیْلُ لَا یُبْطِلُ الصَّلٰوۃَ یعنی تھوڑا سا کام نماز کو فاسد نہیں کرتا-اس بات کی تفصیل میں خوب غور کرتا اور جو سمجھتا ہے کہ سلف وخلف کا علم یہی علم ظاہری ہے اس نے یہ جانا اور اسی علم پر قناعت کی دوسرے علم یعنی علم تصوف کے ساتھ مشغول نہ ہوا-وہ بے کار ہے اور وہ علم شرع کا منکر ہے اور اس بیان سے یہ مقصود ہے کہ تو یہ گمان نہ کر کہ رسولِ مقبول ﷺ بہشت کا حال حضرت جبریل علیہ السلام سے اس طرح سن کر تفصیلاً خبر دیتے تھے-جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سننے کے معنے تو جانتا ہے-کہ اس کام کو بھی اور کاموں کی طرح سمجھا ہے-بلکہ رسول اکرم ﷺ نے جنت کو ملاحظہ فرمایا اور جنت کی حقیقت اس جہان میں کوئی نہیں دیکھ سکتا-بلکہ آنحضرت ﷺ اس عالم کو تشریف لے گئے اور اس جہان سے غائب ہو گئے یا غائب ہونا بھی آپ کے معراج کی ایک قسم

۱- جو کچھ اس عالم میں ہے-

۲- معلوم ہوا کہ دوسرے محققین علماء اہلسنت کی طرح حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ سماع موتی کے زبردست قائل ہیں اور اس کے منکرین کو برا جانتے ہیں-

اَلدُّنیَا سِجنُ المُومِنِ وَجَنَّۃُ الکَافِرِ

دنیا قید خانہ ہے مسلمانوں کے لیے اور کافر کے لیے جنت ہے۔

فصل : اے عزیز تو نے عذابِ قبر کی اصل کو پہچانا کہ اس کا سبب حب دنیا ہے۔ اب یہ جان کہ اس عذاب میں فرق ہے۔ کسی کو زیادہ ہوتا ہے اور کسی کو کم۔ جس[۱] قدر دنیا کی محبت ہے۔ اسی قدر اس پر عذاب و مصیبت ہے تو جو شخص دنیا میں کل کائنات ایک ہی چیز رکھتا ہو۔ اور اسی کو دل سے عزیز رکھتا ہو۔ اسے اس شخص کے برابر عذاب نہ ہوگا جو زمین، اسباب، لونڈی، غلام، ہاتھی، گھوڑے، جاہ و حشمت اور ہر طرح کی نعمت رکھتا اور سب کے ساتھ دل سے محبت رکھتا ہے۔ بلکہ اگر اس جہان میں لوگ کسی سے کہیں کہ تیرا ایک گھوڑا چور لے گئے ہیں تو اسے رنج والم ہوگا اور اگر کہیں کہ تیرے دس گھوڑے لے گئے۔ تو پہلے کی نسبت۔ زیادہ غم ہوگا۔ اگر اس کا نصف مال لوگ چھین لیں تو اسے ملال ہوگا۔ اگر سب مال لے جائیں تو بدرجہ کمال رنج ہوگا اور ان سب باتوں کا رنج والم اس مصیبت کے غم سے بہت کم ہے کہ مال کے ساتھ بیوی ولڑکوں کو بھی لوٹ کر لے جائیں۔ سلطنت سے بھی معزول کر دیں مال اور اہل و عیال جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب لوٹ لیں۔ اور اس شخص کو بے یار و مددگار، تنہا و بے بس چھوڑ دیں۔ یہی زندگی کا انجام ہے۔ موت اسی کا نام ہے۔ تو ہر شخص کو اتنی ہی راحت یا اذیت ہوگی۔ جتنی اسے دنیا کے ساتھ عداوت یا محبت ہوگی اور جس کے ساتھ اسباب دنیا نے ہمہ وجوہ موافقت کر لی اور اس نے اپنے آپ کو دنیا کی نذر کر دیا۔ اس قدر اس کے ساتھ محبت کی جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے :

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ ۵

یہ غصہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے دوست رکھا دنیا کی زندگی کو آخرت پر۔

اسے بڑا عذاب ہوگا اور اس عذاب کو یوں تعبیر کیا ہے۔ کہ رسولِ مقبول ﷺ نے صحابہ سے پوچھا "تم جانتے ہو اس آیت کے کیا معنی ہیں :

وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا

اور جس نے اعراض کیا میری یاد سے بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے۔

صحابہ نے عرض کی کہ اس کا مطلب خدا اور خدا کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ قبر میں کافر پر عذاب یوں ہی ہوتا ہے کہ ننانوے اژدہے اس پر مسلط و مقرر کیے جاتے ہیں۔ یعنی ننانوے سانپ کہ ہر سانپ کو نو نو سر ہوتے ہیں۔ اور وہ اس کافر کو قیامت تک کاٹتے اور چاٹتے ہیں۔ اور اس پر پھنکاریں مارتے ہیں۔ جو لوگ اہل نظر ہیں۔ انہوں نے ان سانپوں کو دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور احمق لوگ جو بے نگاہ ہیں، کہتے ہیں کہ ہم کفار کی قبروں کو دیکھتے ہیں۔ مگر ان

[۱] عذاب قبر کا سبب محبت دنیا ہے۔

میں کچھ بھی نہیں ہوتا-اگر سانپ ہوتے تو ہماری آنکھ بھی درست ہے-ہم بھی دیکھتے ہیں ان احمقوں کو چاہیے کہ اس بات کو جانیں کہ یہ سانپ مردوں کی روح میں ہیں-اس کے باہر نہیں ہیں کہ دوسرا بھی دیکھے-بلکہ اژدہےاس کی موت کے پہلے سے اس کے اندر تھے اور وہ بے خبر تھا-ان احمقوں کو جاننا چاہیے کہ یہ اژدہے اس کافر کی صفات سے بنے ہیں-اور ان کے سروں کی تعداد اس کے بداخلاق کی شاخوں کی تعداد کے برابر ہے-دنیا کی دوستی اس اژدہے کا اصل خمیر ہے-اس اژدہے کے سر اتنے ہی پیدا ہوتے ہیں جتنے اس کافر میں اخلاق بد دنیا کی دوستی سے پیدا ہوتے ہیں- جیسے کینہ' حسد' ریا' تکبر' حرص' مکر' فریب' دنیاو جاہ و حشمت کے ساتھ محبت رکھنا-ان اژدھوں کی اصل اور ان کے سروں کی کثرت نورِ بصیرت سے ہی آدمی پہچان سکتا ہے-اور ان کی تعداد نور نبوت سے جان سکتا ہے کہ جتنے برے اخلاق ہیں-اتنے ہی اژدہے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ اخلاق بد کتنے ہیں تو یہ اژدہے کافر کی جان میں پوشیدہ رہتے ہیں-اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ کافر خدا اور رسول سے ناواقف ہے-بلکہ اس کا باعث یہ ہے کہ اس کافر نے اپنے آپ کو بالکل دنیا کے حوالے کر دیا- جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ

یہ غصہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے دوست رکھا تھا زندگی دنیا کو آخرت پر-

اور فرمایا ہے :

اَذۡھَبۡتُمۡ طَیِّبٰتِکُمۡ فِیۡ حَیَاتِکُمُ الدُّنۡیَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِھَا

تم نے ضائع کئے اپنے مزے دنیا میں اور برت چکے سب کو-

اگر ایسا ہوتا کہ یہ اژدہے کافر کی جان سے باہر ہوتے جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں تو کافر پر قدرے آسانی ہو جاتی کیونکہ آخر کبھی تو اژدہے دم بھر اس سے باز رہتے اور جبکہ اس کی جان کے اندر رہتے ہیں تو اس کے عین صفات ہیں-لہٰذا کافر بھلا ان سے کیونکر بھاگ کر بچ سکتا ہے- جیسے کسی نے لونڈی بیچ دی پھر اس پر عاشق ہو گیا- تو یہ اژدہا جو اسے کاٹتا ہے- اسی کا عشق ہے-جو لونڈی کے ساتھ اور اس کے دل میں پوشیدہ تھا-جس وقت تک وہ اژدہا اسے کاٹنے پر آمادہ نہیں ہوا- اس وقت تک اس عاشق کو اس کی کچھ خبر نہ تھی- یہاں تک کہ اس نے اب اس کافر کو کاٹنا شروع کیا- وہ جب تک اپنی معشوقہ کے ساتھ تھا-تب تک یہ عشق جس طرح اس کی راحت کا سبب تھا-اسی طرح فراق میں رنج و مصیبت کا باعث ہوا-اگر عشق نہ ہوتا اور محبت نہ ہوتی تو فراق میں عذاب بھی نہ ہوتا-اور مصیبت بھی نہ ہوتی اسی طرح دنیا کی الفت اور کمال محبت جو زندگی میں موجب راحت ہے وہی بعد موت باعث عذاب و مصیبت ہے عشق دولت اژدہے کی مانند ہے اور عشق مال سانپ کی مثال گھر بار کا عشق گویا بچھو ہے-اور علیٰ ہٰذا القیاس وہ لونڈی کا عاشق جس طرح فراقِ معشوقہ میں چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈبو دے یا آگ میں جلا دے یا یہ چاہتا ہے کہ بچھو ڈنک مارے کہ میں مر جاؤں اور دردِ فراق سے نجات پاؤں اسی طرح جس کسی کو عذاب عقرب ہوتا ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ کاش اندرونی اژدھوں کے عوض وہ سانپ بچھو

ہوتے جنہیں دنیا میں لوگ جانتے ہیں کہ وہ باہر سے بدن میں زخم لگاتے ہیں- اور یہ اژدہے اندر سے جسم میں زخم لگاتے ہیں اور ان اژدہوں کو ظاہری آنکھ سے کوئی نہیں دیکھ سکتا تو حقیقت میں ہر شخص اپنے عذاب کا سبب یہاں سے ہی اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے اور وہ سبب عذاب اس کے اندر ہے- اسی لیے جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ اِلَيْكُمْ

اس کے سوا نہیں کہ وہ تمہارے اعمال ہی ہیں جو تمہاری طرف لوٹائے جاتے ہیں-

یعنی وہ عذاب تمہارے اندر ہے کہ تمہارے فرشتے تمہارے سامنے رکھیں گے- اسی لیے حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۞

ہرگز نہیں اگر تم علم الیقین کے طریقے سے دیکھو تو جحیم کو ضرور دیکھو گے- پھر اس کو ضرور دیکھو گے- عین الیقین سے دیکھنا-

یعنی تمہیں علم الیقین ہوتا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے اور اسی لیے فرمایا:

اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ ۞

بے شک دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے-

یعنی دوزخ کافروں کو محیط ہے یوں نہ ارشاد ہوا کہ دوزخ کافروں کو محیط ہوگی-

فصل: اے عزیز شاید تو یہ کہے کہ ظاہر شرع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اژدہوں کو ظاہری آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں- اور جو اژدہے کی جان میں ہیں- وہ دکھائی نہیں دیتے- اس کا جواب یہ ہے کہ ان اژدہوں کا دیکھنا ممکن ہے- لیکن مردہ ہی دیکھتا ہے جو لوگ اس عالم میں ہیں وہ نہیں دیکھ سکتے- اس لیے کہ اس عالم کی چیز کو اس عالم کی آنکھ سے کوئی نہیں دیکھ سکتا- اور یہ اژدہا مردہ کو ایسا متشکل دکھائی دیتا ہے کہ گویا اس نے اس عالم میں دیکھا تھا- لیکن تو نہیں دیکھ سکتا- جس طرح سویا ہوا آدمی دیکھتا ہے کہ مجھے سانپ کاٹ رہا ہے اور جو شخص اس کے پاس بیٹھا ہے- وہ نہیں دیکھ سکتا- اور وہ سانپ اس شخص کے پاس موجود ہے جو سوتا ہے اور اس سانپ کے سبب سے اس شخص کو رنج وعذاب ہوتا ہے اور بیدار کے لیے وہ سانپ معدوم ہے اور بیدار کے نہ دیکھنے سے اس کے رنج وعذاب میں کچھ کمی نہیں ہو جاتی جو کوئی خواب دیکھے کہ مجھے سانپ کاٹتا ہے- تو وہ دشمن کا زخم ہے کہ اس خواب دیکھنے والے پر فتح یاب ہوگا اور خواب میں سانپ کے کاٹنے کا رنج روحانی ہوتا ہے کہ دل ہی پر گزرتا ہے- اس کی مثال اس عالم میں اگر چاہیں تو ایک سانپ ہے- ایسا ہوتا ہے کہ جب دشمن اس خواب دیکھنے والے پر فتح پائے تو کہتا ہے کہ میں نے اپنے خواب کی تعبیر پائی کاش مجھے سانپ کاٹتا اور یہ دشمن مجھ پر فتح یاب نہ ہوتا- اس لیے کہ یہ رنج جو دل میں ہے اس رنج سے بہت بڑا ہے جو سانپ کے کاٹنے سے اس کے بدن پر ہوتا ہے-

اے عزیز اگر تو یہ کہے کہ وہ سانپ تو معدوم ہے- خواب دیکھنے والے پر جو یہ حال گزرتا ہے- فقط خیال ہے تو

جان لے کہ تیرا یہ کہنا بڑی غلطی ہے۔ بلکہ وہ سانپ موجود ہے کہ موجود چیز ہی پائی جاتی ہے اور معدوم نہیں پائی جاتی جسے تو نے خواب میں پایا اور دیکھا وہ میرے حق میں موجود ہے۔ اگرچہ اور مخلوق اسے نہ دیکھ سکے اور جسے تو نہ دیکھے وہ تیرے حق میں نایاب اور معدوم ہے گو تمام مخلوق اسے دیکھ رہی ہو۔ اور جبکہ عذاب اور سبب عذاب دونوں مردے اور سوتے انسان نے پائے ہیں۔ تو اوروں کے نہ دیکھ سکنے سے ان میں کیا نقصان ہے۔ لیکن یہ ہوتا ہے کہ سوتا جلدی جاگ اٹھتا ہے۔ اور رنج و عذاب سے چھوٹ جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسے خیال تھا اور مردہ رنج و عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ اس لیے کہ موت کی کچھ انتہاء نہیں تو تکلیف مردہ کے ساتھ ہے اور اس عالم کے محسوسات کی طرح اسے ثبات و دوام ہے اور شریعت میں نہیں کہ جو سانپ بچھو اژدہے قبر میں ہوتے ہیں۔ عوام الناس اسے ظاہری آنکھ سے دنیا میں دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی اس عالم سے دور ہو جائے اور اس مردہ کا حال اس پر ظاہر کریں تو مردہ کو سانپ بچھو میں دیکھے گا۔ اور انبیاء اولیاء جاگتے میں بھی دیکھتے ہیں۔ اس لیے کہ اوروں کو جو کچھ خواب میں معلوم ہوتا ہے۔ انہیں بیداری میں نظر آتا ہے۔ کیونکہ عالم محسوسات یعنی دنیا اس جہان کے معاملات دیکھنے میں ان لوگوں کے لیے آڑ اور کاوٹ نہیں۔ تو یہ طول کلام اس بنا پر ہوا ہے کہ احمق جب قبروں میں دیکھتے ہیں اور انہیں ظاہری آنکھ سے کچھ نظر نہیں آتا۔ تو عذاب قبر سے انکار کرتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں اس عالم کے معاملات کی راہ معلوم نہیں۔

فصل : اے عزیز شاید تو یہ کہے کہ اگر عذاب قبر اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ دل کو اس عالم سے تعلق رہتا ہے۔ تو اس سے کوئی بھی خالی نہیں۔ کیونکہ ایسا کون ہے جو جاہ و مال اور اہل و عیال کو دوست نہ رکھتا ہو تو سب کو عذاب قبر ہوگا۔ اور کوئی اس سے نہ چھوٹے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دنیا سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ان کے لیے دنیا میں خوشی و آسائش کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہا وہ موت کے آرزومند رہتے ہیں۔ اور بہت سے مسلمان جو فقیر ہیں وہ ایسے ہی ہیں۔ باقی رہے مالدار تو ان کے بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو اسباب دنیا کو دوست رکھتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی خدا سے بھی پیار کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا کہ خدا کو دنیا سے بھی زیادہ دوست رکھتے ہیں تو ان کو بھی عذاب قبر نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کا کسی شہر میں ایک مکان ہو اور وہ اس مکان کو بہت چاہتا ہو۔ لیکن ریاست و سلطنت، محل اور باغ کو اس مکان سے بھی زیادہ دوست رکھتا ہو تو جب کسی اور شہر کی ریاست و حکمرانی کا اسے سلطانی حکم پہنچے تو وطن سے نکلنے میں اسے کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ اس لیے کہ حکمرانی کی محبت جو بہت غالب ہے۔ اس کے سامنے گھر اور شہر کی محبت ناچیز اور ناپائیدار ہو جاتی ہے۔ اور اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔ تو انبیاء اولیاء اور متقی مسلمانوں کے دل کو اگرچہ فرزند و زن شہر وطن کی طرف کچھ التفات ہوتا ہے۔ مگر جب خدا کی محبت اور اس کی انس کی لذت پیدا ہوتی ہے تو باقی سب محبتیں اس کے سامنے ناچیز ہو جاتی ہیں اور یہ لذت موت سے پیدا ہوتی ہے۔ تو یہ لوگ عذاب قبر سے بے خوف ہیں۔ لیکن جو لوگ دنیا کی خواہشوں کو بہت دوست رکھتے ہیں۔ وہ اس عذاب سے نہ چھوٹیں گے اور یہ لوگ

تعداد میں بہت ہیں-اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًا ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا

اور انہیں ہم تم میں سے کوئی مگر اس میں وارد ہونے والا ہے یہ بات تیرے رب پر فیصلہ شدہ ہو چکی ہے- پھر ہم پرہیزگار لوگوں کو نجات دیں گے-

یہ لوگ مدت تک عذاب میں رہیں گے- پھر جب انہیں دنیا سے گئے ہوئے زمانہ دراز گزر جائے گا اور دنیا کی لذت بھول جائیں گے تو خدا کی اصل دوستی جو ان کے دل میں پوشیدہ تھی ظاہر ہو جائے گی- ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے- جو ایک گھر کو دوسرے گھر کی نسبت یا ایک شہر کو دوسرے شہر کی نسبت یا ایک عورت کو دوسری عورت کی نسبت بہت دوست رکھتا ہے- لیکن دوسرے گھر یا شہر یا عورت کو بھی کچھ دوست رکھتا ہو- جب اسے اس گھر یا شہر یا عورت سے جسے وہ بہت دوست رکھتا ہے جدا کر دیں- اور اس دوسرے کے پاس جسے تھوڑا دوست رکھتا ہے پہنچا دیں- تو وہ اس فراق میں بہت مدت تک رنجیدہ رہتا ہے- جب اسے بھولتا اور دوسرے محبوب کے ساتھ خوگر ہو جاتا ہے- تو اصل دوستی جو اس دوسرے محبوب کے ساتھ اس کے دل میں تھی- ظاہر اور غالب ہو جاتی ہے- لیکن جو لوگ خدا تعالیٰ کو بالکل ہی دوست نہیں رکھتے- وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہیں گے اس لیے کہ انہیں اسی چیز کے ساتھ دوستی ہے جو ان سے پھیر لی گئی یعنی دنیا پھر اب کس طرح اس عذاب سے نجات پائیں گے- کافر جو ہمیشہ عذاب میں رہیں گے- اس کا ایک سبب یہ بھی ہے جو ابھی بیان ہوا-

اے عزیز یہ بات جان کو جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا ہی کو دوست رکھتا ہوں یا خدا کو دنیا سے زیادہ دوست رکھتا ہوں- اور تمام جہان کا زبانی یہی مذہب ہے- تو ایک چیز اس بات کی آزمائش کے لیے کسوٹی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی کا نفس و خواہش اسے کوئی حکم دے اور حکم خدا اس کے خلاف ہو- اگر وہ اپنے دل کو حکم خدا کی طرف زیادہ مائل دیکھے تو حق تعالیٰ کو زیادہ دوست رکھتا ہے- جس طرح کوئی شخص دو آدمیوں کو دوست رکھتا ہو- ایک کو بہت اور دوسرے کو کم جب ان دونوں میں جھگڑا واقع ہوتا ہے- تو اپنے آپ کو اس کی طرف جسے بہت پیار کرتا ہے مائل پاتا ہے- اسی سے پتہ چلتا ہے کہ جس کی طرف مائل ہوا اسے بہت دوست رکھتا ہوں کچھ فائدہ نہیں دیتا کہ یہ کہنا فی الحقیقت جھوٹ ہے- اسی لیے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے- لا الہ الا اللہ کہنے والے اگر ساری دنیا کے معاملات کو دین کے معاملات پر ترجیح نہ دیں حق تعالیٰ ان سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم جھوٹ کہتے ہو کہ لا الہ الا اللہ ایسی صورت حال میں جھوٹ ہے تو اے عزیز ان سب باتوں سے جو تجھے معلوم ہوئیں تو نے پہچان لیا کہ صاحبِ نظر مشاہدہ باطنی سے دیکھتے ہیں کہ کون شخص عذاب قبر سے چھوٹے گا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ زیادہ لوگ نہیں چھوٹیں گے- لیکن جس طرح [۱] تعلق دنیا میں فرق ہے کسی کو کم ہوتا ہے کسی کو زیادہ اسی طرح عذاب کی مدت و شدت میں بھی بہت فرق ہے-

۱- جس طرح تعلق دنیا میں تفاوت ہے- اسی طرح عذاب قبر میں بھی فرق ہے- ۱۲

فصل :اے عزیز شاید تو یہ کہے کہ بعض احمق کہتے ہیں کہ اگر عذاب قبر یہی ہے تو ہم اس سے بے خوف و خطر ہیں-
کیونکہ ہمیں دنیا سے کوئی تعلق نہیں دنیا کا ہونا نہ ہونا ہمارے نزدیک برابر ہے تو ان احمقوں کا یہ دعویٰ محال ہے- جب تک اپنے آپ کو نہیں آزماتے نادان ہیں- اگر وہ شخص ایسا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے- وہ سب چور لے جائے اور جو مقبولیت و عزت اسے حاصل ہے وہ اس کے کسی ہمسر کو مل جائے اور جو اس کے مرید ہیں وہ پھر جائیں- اور اس کی مذمت کرنے لگیں اور بایں ہمہ اس کے دل میں کچھ اثر و رنج نہ ہو اور وہ شخص ایسا رہے کہ گویا اور کسی کا مال چوری ہو گیا اور کسی دوسرے کی عزت و مقبولیت لٹ گئیں اس کا کچھ نقصان نہیں ہوا- تو اس کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ میں اس صفت کا آدمی ہوں کہ دنیا کا ہونا نہ ہونا میرے نزدیک یکساں ہے- جب تک اس کا مال چور نہ چرائیں اور اس کے مرید منحرف نہ ہو جائیں- تب وہ معذور و ناداں ہے اسے چاہیے کہ اپنا مال جدا کرے اور اپنی مقبولیت اور عزت سے بھاگتا رہے- اور اپنا امتحان لے پھر تعلق نہیں جب بیوی کو طلاق مل جاتی ہے- یا لونڈی فروخت کر دی جاتی ہے تو آتش عشق جو ان کے دل میں دبی ہوئی تھی بڑھک اٹھتی ہے- اور وہ دیوانے ہو جاتے ہیں- تو جو شخص چاہے کہ عذاب قبر سے محفوظ رہے اسے چاہیے کہ دنیا کی کسی چیز سے تعلق نہ رکھے مگر بقدر ضرورت جس طرح پاخانہ کی حاجت ہوتی ہے اور آدمی کو وہاں بیٹھنا اچھا معلوم نہیں ہوتا- چاہتا ہے کہ وہاں سے جلدی نکلے تو چاہیے کہ جس طرح آدمی بلا رغبت فقط پیٹ خالی کرنے کی حاجلت سے پاخانہ جاتا ہے- اسی طرح کھانے کا لالچ فقط پیٹ بھرنے کی نیت سے کیا کرے کہ یہ دونوں امر بضرورت ہیں- علیٰ ہذا القیاس سب دنیوی کام اور اگر اس تعلق دنیا سے آدمی اپنا دل خالی نہ کر سکے تو چاہیے کہ عبادت اور ذکر الٰہی کے ساتھ انس و محبت رکھے اور اس کی مواظبت اور مداومت کرے اور اپنے دل پر خدا کی یاد کو ایسا غالب کرے کہ اس کی دوستی محبتِ دنیا پر غالب ہو جائے- اور اس بات پر اپنی ذات سے یوں دلیل طلب کرے کہ ہر کام میں شرع کی متابعت کرے اور حکم نفس پر حکم حق کو مقدم رکھے- اگر کام میں نفس اس کی اطاعت کرے تو البتہ بھروسہ رکھے کہ میں عذابِ قبر سے چھوٹوں گا- اور اگر نفس نافرمانی کرے- تو اپنے بدن کو عذاب قبر کے سپرد کر دے مگر یہ کہ ارحم الراحمین کی رحمت شامل حال ہو تو البتہ نجات حاصل ہو گی-

فصل : ہم اب روحانی دوزخ کے معنی بیان کرتے ہیں اور روحانی سے ہمارا یہ مقصود ہے کہ وہ دوزخ روح کے لیے خاص ہے بدن کو اس سے کچھ واسطہ نہیں :

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ ٥ آگ ہے اللہ کی بھڑکائی ہوئی کہ ظاہر ہو گی دلوں پر-
یہی دوزخ روحانی ہے کہ یہ آگ دل کو گھیرے ہوئے ہے اور جو آگ بدن میں لگتی ہے اسے دوزخ جسمانی کہتے ہیں-
اے عزیز یہ جان کہ دوزخ روحانی تین قسم کی آگ ہوتی ہے- ایک دنیا کی خواہشات سے جدائی کی آگ دوسری

ذلت ورسوائی سے شرمندگی کی آگ- تیسری حضرت ذوالجلال کے جمال لازوال سے محروم رہنے اور ناامید ہو جانے کی آگ ان تینوں قسموں کی آگ کو جان ودل سے کام ہے -بدن سے کچھ مطلب نہیں اور ان تینوں قسموں کی آگ کے اسباب جو اس جہان سے آدمی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں ان کا بیان کرنا ضروری ہے -اس جہان کی ایک مثال کے ضمن میں ہم ان کے معنی بیان کرتے ہیں تاکہ بخوبی معلوم ہو جائے-

قسم اول دنیا کی خواہشات سے جدائی کی آگ -اس کا سبب عذابِ قبر کے بیان میں کیا جا چکا ہے کہ جب تک آدمی اپنے معشوق کے ساتھ ہے -اس وقت تک عشق رغبت دل کی بہشت بنی رہی -جب اپنے معشوق سے جدا ہوا تو دوزخ ہے -پس عاشق دنیا جب دنیا میں ہے -بہشت میں ہے :

اَلدُّنیَا جَنَّۃُ الْکَافِرِ دنیا کافر کی جنت ہے-

اور جب آخرت میں ہے دوزخ میں ہے -اس لیے کہ اس کے معشوق کو اس سے چھین لیا گیا- تو ایک ہی چیز دو مختلف حالتوں میں سبب لذت بھی ہے اور باعثِ مصیبت بھی -دنیا میں اس آگ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک بادشاہ ہو کہ تمام دنیا اس کی اطاعت و حکم میں ہو اور ہمیشہ خوبصورت لونڈی غلام اور عورتوں سے شاد کام رہتا ہو- عمدہ باغ و بہار اور عالیشان عمارات کی سیر کیا کرتا ہو -اچانک کوئی دشمن آکر اسے پکڑ لے جائے -اور غلام بنالے -اس کی رعایا کے سامنے اسے کتوں کی خدمت کا حکم دے اور اس کے سامنے اس کی عورتوں اور لونڈیوں کو اپنے کام میں لائے -اور غلاموں سے کہے کہ تم بھی اپنے تصرف میں لاؤ اور اس کے خزانے میں جو چیزیں ہوں وہ اس کے دشمنوں کو دے ڈالے تو اے عزیز دیکھ اس بادشاہ کو اس آفت ناگہانی اور اس مصیبت سے کس قدر رنج لاحق ہو گا اور سلطنت 'زن و فرزند' خزانہ 'لونڈی- غلاموں اور تمام نعمتوں سے جدائی کی آگ اس کی جان میں لگی ہے اور اسے ایسا جلا رہی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے لوگ دفعتاً ہلاک کر ڈالتے ہیں یا میرے بدن پر ایسا سخت عذاب مسلط کرتے کہ میں اس رنج سے چھوٹ جاتا- یہ ایک آگ کی مثال ہے اور جس قدر نعمت زیادہ ہو گی اور سلطنت اعلیٰ اور سونے چاندی سے لبریز ہو گی- یہ آتش فراق اس کی جان میں اسی قدر زیادہ مشتعل اور تیز ہو گی تو جس کسی کو دنیا میں نفع اور کامیابی زیادہ ہوتی ہے -اور دنیا اس کے ساتھ زیادہ موافقت کرتی ہے اسے دنیا کا عشق بھی اتنا ہی سخت تر ہوتا ہے اور آتش فراق اس کی جان میں اتنی ہی زیادہ بھڑکتی ہے -اس آگ کی مثال اس جہان میں محال ہے -اس لیے کہ اس جہان میں دل کو جو رنج لاحق ہوتا ہے -وہ دل میں ہر وقت پورے کا پورا قائم نہیں رہتا -اسی وجہ سے یہ ہوتا ہے کہ بیمار آدمی جب آنکھ کان وغیرہ کسی چیز سے مصروف رہتا ہے تو اس کا رنج بہت کم ہو جاتا ہے اور جب بے شغل ہو جاتا ہے تو رنج بھی بڑھ جاتا ہے اور یہ بھی اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ مصیبت زدہ جب سو کر اٹھتا ہے رنج و مصیبت اس کے دل پر بہت ہوتا ہے -اس بنا پر کہ اس کی جان سوتے میں کدورت اور شغل و حواس سے صاف ہو جاتی ہے- محسوسات سے مشغول ہونے کے پہلے جو چیز اسے پہنچتی ہے بہت اثر کرتی ہے -اگر آدمی جاگتے میں دلکش آواز سنتا ہے تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے -اثر محسوسات سے دل کی صفائی اس اثر کے زیادہ ہونے کے باعث ہے -اور اس جہان میں

صفائی کامل نہیں ہوتی- آدمی جب مر جاتا ہے تو محسوسات کے اثر سے بالکل مجرد اور صاف ہو جاتا ہے- اس وقت اس کے دل میں بڑی راحت یا اذیت محسوس ہوتی ہے- اور یہ خیال نہ کرنا کہ وہ آگ دنیا کی آگ کے مانند ہے- بلکہ اس آگ کو ستر پانیوں سے دھو کر دنیا میں بھیجا ہے- دوسری قسم رسوائیوں سے شرم و ندامت کی آگ ہے- اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کسی کمینہ کو عزت اور اپنی سلطنت کی نیابت اور اپنی حرم سرا میں جانے کی اجازت دے تاکہ کوئی اس سے پردہ نہ کرے اور اپنے خزانے اس کے سپرد کر دے اور سب کاموں میں اسی پر اعتماد رکھے پھر جب وزیر نعمتیں اور راحت پائے- بادشاہ سے اپنے دل میں باغی اور سرکش ہو جائے اور خزانہ بادشاہی میں اپنا تصرف کرنا شروع کر دے- محلات اور حرم سلطانی کے ساتھ خیانت اور فساد پر اتر آئے اور ظاہر میں بادشاہ کو اپنی امانت داری دکھائے ایک دن- اثنائے خیانت میں جو حرم سلطانی میں کرتا ہے بادشاہ کو دیکھے کہ کسی جھروکے سے دیکھ رہا ہے- اور یہ سمجھے کہ ہر روز بادشاہ اسی طرح دیکھا کرتا ہے اور مہلت اس لیے دیتا ہے کہ میری خیانت بڑھے تاکہ مجھے دفعتہً عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر ڈالے-

اے عزیز خیال کر کہ اس وقت اس وزیر کے جان و دل میں اس رسوائی کی ذلت سے کیا آگ لگے گی اور اس کا بدن سلامت رہے گا اور اس وقت وہ وزیر حقیر سراپا تقصر چاہے گا- کہ میں زمین میں سما جاؤں- تاکہ اس فضیلت و رسوائی کی آگ سے نجات پاؤں اے عزیز اسی طرح تو اس جہان میں عادت کے موافق ایسے کام کرتا ہے جس کا ظاہر اچھا معلوم ہوتا ہے- اور ان کی روح حقیقت اور باطن برا اور رسوا کن ہے- جب قیامت میں ان کاموں کی حقیقت تجھ پر کھلے گی تیری رسوائی ظاہر ہو جائے گی- یہاں تک کہ تو ندامت کی آگ میں جل بھن جائے گا- مثلاً آج کسی کی غیبت کرتا ہے کل قیامت کے دن اپنے آپ کو ایسا دیکھے گا- جیسے اس جہان میں کوئی اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بھنا ہوا مرغ ہے- جب دیکھتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھاتا ہوں تو اے عزیز دیکھ کہ وہ کیسا رسوا ہوتا ہے- اور اس کے دل میں کیا آگ لگتی ہے- غیبت کی روح و حقیقت یہی ہے اور یہ روح آج تجھ سے پوشیدہ ہے- کل قیامت کو ظاہر ہو گی اور ایسی ہے کہ جو کوئی خواب میں دیکھے کہ مردے کا گوشت کھاتا ہے- تو اس کی تفسیر یہ ہے کہ غیبت کرتا ہے- اے عزیز اگر آج تو دیوار پر پتھر مارے اور کوئی تجھ کو خبر کر دے کہ یہ پتھر تیرے گھر میں گرتے اور تیرے لڑکوں کی آنکھ پھوڑتے ہیں اور تو گھر میں جا کر دیکھے کہ تیرے فرزندان عزیز کی آنکھیں تیرے ہی پتھروں سے آندھی ہو گئی ہیں- تو تو ہی جانتا ہے جو آگ تیرے دل میں شعلہ زن ہو گی اور تو کس قدر رسوا ہو گا- اس جہان میں جو شخص کسی مسلمان سے حسد کرے گا قیامت کے دن اپنے آپ کو اسی صفت پر دیکھے گا- حسد کی روح اور حقیقت یہی ہے کہ تو دشمن کے نقصان کا قصد کرتا ہے اور تیری عبادتیں جو اس جہان میں تیری آنکھ کا نور ہو گی جس سے تو حسد کرتا ہے- اس کے اعمال نامے میں فرشتے نقل کر دیتے ہیں- چنانچہ تو بے عبادت رہ جائے گا اور آج لڑکوں کی آنکھیں جتنا تیرے کام آتی ہیں- قیامت کے دن تیری عبادت اس سے زیادہ تیرے کام آئے گی- اس لیے کہ عبادت تیری سعادت کا ذریعہ ہے- اور بیوی بچے تیری سعادت کے ذریعے نہیں ہیں- تو کل قیامت میں صورتیں حقیقتوں اور روحوں کی تابع ہوں گی اور آدمی جو چیز دیکھے گا- اس صورت میں دیکھے

گا- جس کے معنی اس میں ہوں گے- فضیحت ورسوائی اس میں ہو گی اور چونکہ نیند اس عالم آخرت سے نزدیک ہیں خواب میں بھی کام اسی صورت پر دکھائی دیتے ہیں- جو معنوں کے موافق ہوتی ہے- چنانچہ ایک شخص ابن سیرین ا؎ کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک انگوٹھی میرے ہاتھ میں ہے- مردوں کے منہ اور عورتوں کی شرمگاہ پر اس سے مہر لگاتا ہوں- فرمایا تو موذن ہے- رمضان کے مہینے میں صبح سے پہلے آذان کہہ دیا کرتا ہے- اس نے عرض کی کہ واقعی ایسا ہی ہے- اے عزیز دیکھ خواب میں اس کے معاملہ کی حقیقت یہ ہے اور تعجب ہے کہ قیامت کا یہ سب نمونہ خواب میں تجھے دکھائی دیتا ہے- اور تجھے کسی چیز کی خبر نہیں اور یہی مضمون ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن دنیا کو ایسی بد شکل بڑھیا کی صورت میں لائیں گے کہ لوگ اسے دیکھ کر کہیں گے :

اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْکَ پناہ مانگتے ہیں ہم ساتھ خدا کے تجھ سے ۱۲

فرشتے کہیں گے یہ وہی دنیا ہے جس کے پیچھے تم جان دیتے تھے- اس وقت لوگوں کو ایسی ندامت ہو گی کہ چاہیں گے کہ ہم کو آگ میں لے جائیں کہ اس شرم سے نجات پائیں- اور اس رسوائی کی مثالیں ایسی ہے جیسے

حکایت : ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کی شادی کی- شہزادے نے جس رات کو اپنی دلہن کے پاس جانا چاہا اس رات بہت سی شراب پی لی- جب مست ہوا تو دلہن کی تلاش میں نکلا- خلوت خانے میں جانے کا قصد کیا- راستہ بھول گیا- گھر سے باہر نکل آیا اور چلتا رہا- یہاں تک کہ ایک مقام پر پہنچا ایک گھر دیکھا اور چراغ نظر آیا- سمجھا کہ دلہن کا گھر ہے- جب اندر آیا کچھ لوگوں کو سوتے دیکھا بہت آوازیں دیں- کسی نے جواب نہ دیا- سمجھا کہ سب سوتے ہیں- ایک شخص کو دیکھا کہ نئی چادر منہ پر تانے ہوئے ہے اور اپنے دل میں کہا کہ یہی دلہن ہے اس کے پہلو میں لیٹ گیا اور اس پر سے چادر اتار دی تو دماغ میں خوشبو پہنچی کہا کہ بے شک یہی دلہن ہے کہ خوشبو لگائے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ جماع کرنے لگا- اور اپنی زبان اس کے منہ میں دے دی اس کی نمی اسے پہنچی تو سمجھا کہ میری خاطر مدارت کرتی ہے اور گلاب چھڑکتی ہے- جب صبح ہوئی اور شاہزادہ ہوش میں آیا تو دیکھا کہ وہ حجرہ آتش پرستوں کا مقبرہ تھا- جو لوگ اس کی دانست میں سوئے تھے- وہ حقیقت میں مردے تھے جس کی نئی چادر تھی اور جسے اپنی دلہن سمجھا تھا- وہ ایک ڈراؤنی صورت بڑھیا تھی- انہیں دو چار دن کے عرصہ میں مری تھی- اور وہ خوشبو کافور وغیرہ کی تھی- اور وہ رطوبت جو شہزادہ کو پہنچی تھی وہ اس بڑھیا کی نجاست اور ناپاکی تھی- شہزادے نے اپنے آپ کو دیکھا تو تمام بدن نجاست سے بھرا ہوا تھا اور اس کے لعاب دہن نے منہ کا مزہ کڑوا کر دیا تھا- چاہا کہ اس ندامت، رسوائی اور آلودگی کے مارے مر جائے اور ڈرا کہ ایسا نہ ہو کہ میرا باپ یعنی بادشاہ اور اس کی فوج و سپاہ اس حالتِ سراپا نجاست میں دیکھ پائے- وہ اسی سوچ میں تھا کہ بادشاہ یعنی اس کا باپ افسران کے ساتھ اس کی تلاش میں آ پہنچا- اسے ان خرابیوں میں دیکھا- شہزادہ نہایت نادم ہوا اور اس امر کا عازم ہوا کہ اگر زمین پھٹ جاتی تو میں

ا؎ ایک بزرگ کا نام ہے جو خواب کی تعبیر میں بڑے کامل تھے-

سما جاتا کہ اس ذلت ورسوائی سے نجات پاتا۔

اے عزیز فردائے قیامت سب دنیادار دنیا کی لذتوں اور خواہشوں کو اسی صفت پر دیکھیں گے دنیوی خواہش کے ساتھ ملے رہنے سے ان کے دل میں جو اثر رہا ہو گا۔ وہ بھی اسی نجاست اور تلخی کا سا ہو گا۔ جو اس شہزادے کے بدن اور منہ میں رہی تھی۔ دنیادار اس سے بھی زیادہ رسوا ہوں گے اور سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اس لیے کہ اس جہان کے کاموں کی تمام وکمال سختی کی مثال اس جہان کی چیزوں کے ساتھ نہیں دی جاسکتی یہ جو قصہ تھا۔ اس ایک آگ کی شرح کا نمونہ تھا۔ جس کو بدن سے کچھ تعلق نہیں۔ فقط دل وجان سے تعلق ہے اس کا نام ذلت وندامت کی آگ ہے۔

تیسری قسم جناب الٰہی کے جمال بے مثال سے محرومی رہنے اور اس سعادت کے حصول سے مایوس ہونے کے افسوس کی آگ ہے۔ جو اس جہان سے نابینائی اور نادانی ساتھ لے گیا ہو۔ وہ اس آگ کا باعث ہوتی ہے۔ یعنی اس جہان میں جو اس نے جناب احدیت کی معرفت حاصل نہ کی ہو۔ تعلیم اور کوشش سے بھی دل صاف نہ کیا ہو کہ بعد موت جناب الٰہی کا جمال اس میں نظر آئے جیسے صاف آئینہ میں عکس نظر آتا ہے۔ بلکہ گناہ اور دنیا کی خواہشوں کے رنگ نے اس کے دل کو تاریک واندھا کر دیا ہو کہ وہ اندھا رہے۔ اس آگ کی مثال ایسی ہے جیسے تو فرض کرے کہ کسی گروہ کے ساتھ اندھیری رات میں تو کہیں پہنچے۔ جہاں بہت سے سنگریزے پڑے ہوں سنگریزوں میں بڑا فائدہ ہے۔ اور جو جتنے اٹھا سکتا ہے ان سے اٹھالے جاتا ہے۔ اور تو ان میں سے نہ اٹھائے اور کہے کہ یہ پوری حماقت ہے کہ اپنے سر بوجھ اٹھالوں۔ خدا جانے کہ کل کو یہ کام آئیں یا نہ آئیں۔ پھر وہ سب ساتھی تو بوجھ باندھ لیں اور چل نکلیں اور تو ان کے ساتھ خالی ہاتھ رہے اور ان پر ہنسے اور انہیں احمق سمجھ کر ان پر افسوس کرے اور کہے کہ جس کسی کو عقل وفہم ہوتی ہے وہ میری طرح آرام واطمینان سے جاتا ہے۔ اور جو احمق ہوتا ہے اپنے آپ کو گدھا بناتا ہیں طمع باطل سے بوجھ اٹھاتا ہے۔ پھر جب وہ روشنی میں پہنچیں اور دیکھیں کہ وہ سنگریزے یاقوتِ سرخ اور گوہر آب دار ہیں اور ہر دانہ کی قیمت لاکھ لاکھ اشرفی ہے۔ تو وہ لوگ تو افسوس کریں گے کہ اور زیادہ کیوں نہ اٹھالائے اور تو اس دھوکے اور افسوس سے ہلاک ہو گا اور تیری جان میں اس حسرت کی آگ لگے گی کہ میں نے بھی کیوں نہ اٹھالیے۔ پھر وہ لوگ ان جواہرات کو بیچ کر تمام دنیا کی سلطنت لے لیں اور جیسی نعمتیں چاہیں کھائیں اور جہاں چاہیں رہیں۔ اور تجھے ننگا بھوکا رکھیں۔ اور اپنا غلام بنائیں اور تجھ سے اپنے کام لیں۔ تو کتنی بھی کوشش کرے کہ ان نعمتوں میں سے کچھ تو مجھے بھی دیجئے۔ خدا تعالیٰ اہل دوزخ کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاۗءِ اَوْمِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَی الْکَافِرِیْنَ ۝

خبیثوں کی خوشامد کریں گے اور یوں یوں کہیں گے کہ بہاؤ ہم پر تھوڑا پانی یا جو کچھ خدا نے تمہیں روزی دی ہے۔ وہ جواب دیں گے کہ تحقیق خدا نے دونوں چیزیں کافروں پر حرام فرمائی ہیں۔

وہ کہیں گے کہ کل تو ہمیں ہنستا تھا۔ آج ہم تجھے ہنستے ہیں:

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُمِنْكُمْ كَمَاتَسْخَرُوْنَ٥ — اگر تم تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے- جیسا تم ہم کو کرتے ہو-

تو جنت کی نعمت اور پروردگار کا دیدار فوت ہو جانے کی حسرت کی یہ مثل ہے اور جن لوگوں نے عبادت کے جواہرات دنیا سے نہ اٹھائے اور کہا کہ قرض کے لیے سر دست ہم رنج کیوں اٹھائیں- فردائے قیامت چلائیں گے کہ :

اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ — ہم پر کچھ پانی بہاؤ-

اور کیوں انہیں حسرت نہ ہو گی- جب کہ قیامت کو عارفوں اور عابدوں پر انواع واقسام کی سعادتیں اس قدر نازل ہوں گی کہ دنیا کی تمام عمر کی نعمتیں اس کی ایک ساعت کے مقابلے میں کچھ نہ ہوں گی- بلکہ سب کے بعد جسے دوزخ سے نکلیں گے اسے بھی دنیا کی دس گنا نعمتیں دیں گے- ان نعمتوں کی دنیا کے ساتھ مشابہت ناپ اور اندازے کے اعتبار سے نہیں ہے- بلکہ روحِ نعمت میں مشابہت ہے- اور خوشی اور لذتِ روح نعمت ہے-- جس طرح کہتے ہیں کہ ایک موتی دس اشرفیوں کے برابر ہے تو وہ ناپ اور اندازے میں دس اشرفیوں کے مثل نہیں ہوتا- بلکہ قیمت اور روح مالیت میں دس اشرفیوں کی طرح ہوتا ہے-

فصل : اے عزیز جب تو روحانی آگ کی تینوں قسمیں پہچان چکا تو اب یہ جان کہ یہ آگ جسمانی آگ سے بہت تیز ہے- اس لیے کہ جب تک تکلیف اور درد کا اثر جان کو نہیں پہنچتا بدن کو اس سے کچھ آگاہی نہیں ہوتی- تو بدن کی تکلیف جان میں پہنچ کر بڑھ جاتی ہیں پس جو آگ اور درد کہ جان کے اندر سے باہر آتی ہے- وہ ضرور جسمانی آگ سے تیز ہو گی- اور جان کے اندر ہی سے یہ آگ لگتی ہے- باہر سے اندر نہیں پہنچتی- طبیعت کی خواہش کے خلاف اس پر کسی چیز کا غالب ہو جانا بھی تکلیفوں کا باعث ہوتا ہے اور بدن کا مقتضائے طبع یہ ہے کہ اس کی ترکیب اس کے ساتھ رہے اور اس کے اعضاء سب اکٹھے رہیں- جب زخم کے باعث ایک عضو دوسرے سے جدا ہو گا تو یہ امر بدن کے مقتضائے طبع کے خلاف ہو گا- اور بدن میں درد ہو گا- اور زخم ایک کو دوسرے سے جدا کر دیتا ہے- اسی طرح آگ بھی سب اعضاء میں داخل ہوتی اور ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے- تو ہر ہر عضو میں الگ الگ درد محسوس ہوتا ہے اور اس اعتبار سے آگ کا درد بہت سخت ہے- تو ہر چیز دل کی مقتضائے طبع ہے جب اس کے خلاف واقع ہو گا تو جان میں بڑا درد محسوس ہو گا- خدا کا دیدار اور خدا کی معرفت دل کا مقتضائے طبع ہے- نابینائی جو اس کے خلاف 'جب طاری ہو گی تو بے حد درد و اضطراب ہو گا- اگر لوگوں کے دل اس جہان میں بیمار نہ ہوتے تو یہیں نابینائی کی تکلیف اٹھاتے- جب ہاتھ پاؤں بے کار اور سن ہو جاتے ہیں- تو آگ میں رکھنے سے آدمی کو کچھ خبر نہیں ہوتی- جب سن ہونا جاتا رہتا ہے- اور بدن کو آگ چھو جاتی ہے تو آدمی کو فوراً صدمہ عظیم لاحق ہوتا ہے- اسی طرح دنیا میں دل بھی بیکار ہوتا ہے- اور موت سے اس کا سن ہونا جاتا رہتا ہے- تو دفعتہً یہ آگ جان سے نکل آتی ہے اور کہیں سے نہیں آتی- اس لیے کہ وہ خود اپنے ساتھ لے کر گیا تھا- اس کے دل ہی میں تھی- چونکہ اسے علم

الیقین نہ تھا۔ اس بنا پر آگ کو نہ دیکھا تھا۔ اب جبکہ علم الیقین حاصل ہوا تو اس آگ سے آگاہ ہوا۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ بے شک اگر تم علم الیقین سے جان لیتے تو ضرور دوزخ کو دیکھ لیتے۔

کے یہ معنی ہیں اور شرح شریف میں اکثر جسمانی دوزخ و بہشت کا حال مذکور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے تمام مخلوق جان سکتی اور سمجھ جاتی ہے اور دوزخ روحانی کو تو جس کے سامنے بیان کرے گا۔ وہ اسے ناچیز جانے گا اور اس کی سختی اور عظمت کو نہیں پہنچانتا۔ جس طرح تو کسی لڑکے سے کہے کہ لکھنا پڑھنا سیکھ لے ورنہ تیری حکمرانی اور تیرے باپ کی دولت تجھے نہ ملے گی۔ اور تو اس سعادت سے محروم رہے گا تو وہ لڑکا تیرا یہ کہنا ہی نہ سمجھے گا۔ اور اس کے دل میں اس بات کا کوئی خاص اثر نہ ہوگا۔ لیکن اگر تو اس لڑکے سے کہے کہ اگر تو نہ پڑھے گا تو استاد تیرے کان کھینچے گا تو اس بات سے البتہ وہ لڑکا ضرور ڈرے گا۔ اس لیے کہ اسے سمجھتا ہے۔ اور جس طرح استاد کی گوشمالی حق ہے اسی طرح جو لڑکا علم و ادب نہ سیکھے اسے اپنے باپ کی ریاست سے بھی محروم رہنا حق ہے۔ اسی طرح دوزخ جسمانی حق ہے اور خداوند کریم کی درگاہ سے محروم رہنے کی آگ بھی حق ہے اور جیسے گوشمالی حکمرانی اور دولت سے محروم رہنے کے سامنے کچھ سزا نہیں۔ اسی طرح دوزخ جسمانی بھی دوزخ روحانی کے مقابلہ میں خفیف سی تکلیف ہے۔

فصل: اے عزیز شاید تو یہ کہے کہ علماء نے جو کہا ہے اور اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہے۔ یہ تفصیل وار بیان اس کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے کہا ہے کہ فقط تقلید اور سننے سے ہی آدمی یہ باتیں جان سکتا ہے۔ عقل و بصیرت کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ اس کا جواب معلوم کر لے کہ علماء کا عذر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ بات اس کے خلاف نہیں کیونکہ آخرت کے بیان میں ان علماء نے جو کچھ کہا ہے درست ہے۔ لیکن وہ محسوسات ہی میں ہے۔ روحانیت کو انہوں نے نہیں پہچانا یا پہچانا ہے۔ مگر بیان نہیں کیا۔ کہ اکثر لوگ اسے نہ سمجھیں گے اور جسمانی حالات میں وہ صاحب شرع کی تقلید اور اس سے بغیر سنے۔ معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن دوسری قسم حقیقت روح کی معرفت کی شاخ ہے۔ اس کا جاننا بھی طریق بصیرت اور مشاہدہ باطن سے ہوتا ہے اس مرتبہ کو وہی پہنچتا ہے جو اپنے وطن سے نکلے اور اپنی جائے پیدائش میں ٹھہرے اور راہِ دین کا سفر اختیار کرے۔ یہاں وطن اور مولد سے شہر اور گھر مراد نہیں ہے کہ وہ قالب کا وطن ہے۔ اور قالب کے سفر کی کچھ حقیقت نہیں۔ لیکن جو روح کہ آدمی کی حقیقت ہے۔ اس کی بھی ایک قیام گاہ ہے۔ یعنی جہاں سے وہ ظاہر ہوئی ہے وہی اس کا وطن وہاں سے ہی سفر کر کے آئی ہے راہ میں اسے بہت منزلیں ہیں۔ ہر منزل ایک دوسرا ہی عالم ہے۔ پہلی منزل عالم محسوسات ہے۔ پھر عالم تخیلات پھر عالم موہومات پھر عالم معقولات' معقولات چوتھی منزل ہے۔ اس چوتھے عالم میں اسے اپنی حقیقت کی خبر ہوتی ہے۔ اس کے آگے پھر کچھ خبر نہیں ہوتی اور اس ایک مثال میں ان چاروں عالموں کو آدمی سمجھ سکتا ہے۔

مثال :-جب آدمی محسوسات میں ہے-پتنگوں کے مرتبہ میں ہے جو اپنے آپ کو چراغ پر گراتے ہیں-اس لیے کہ پتنگے کو بینائی تو حاصل ہے-لیکن خیال اور یاد رکھنے کی قوت نہیں ہے کہ اندھیرے سے بھاگنے کے لیے سوراخ ڈھونڈتا ہے-چراغ کو سوراخ سمجھ کر اس پر گرتا ہے-اس میں آگ پاتا ہے-یہ تکلیف اسے یاد نہیں رہتی-اور اس کا کچھ خیال نہیں رہتا-کیونکہ اسے حفظ و خیال کی قوت نہیں ہے-اور اس رتبے پر وہ پہنچا ہی نہیں-اس وجہ سے اپنے آپ کو چراغ پر بار بار گراتا ہے-یہاں تک کہ ہلاک ہو جاتا ہے-اگر اسے خیال اور حفظ کی قوت ہوتی تو ایک بار جبکہ دردناک ہو چکا تھا پھر چراغ کے پاس نہ آتا-کیونکہ حیوانات جب ایک بار مار کھا چکے ہیں-تو وہ انہیں یاد رہتی ہے-دوبارہ لکڑی دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں-آدمی کی پہلی منزل عالم محسوسات ہے دوسری منزل عالم تخیلات ہے جب تک آدمی اس درجہ میں رہتا ہے چارپایوں کے برابر رہتا ہے--جس چیز سے اسے صدمہ پہنچے پہلے تو نہیں جانتا کہ اس سے بھاگنا چاہیے لیکن جب ایک بار صدمہ اٹھا چکتا ہے-تو دوسری مرتبہ اس سے بھاگتا ہے-تیری منزل عالم موہومات ہے-جب اس درجہ میں آدمی آتا ہے تو بکری اور گھوڑے کے برابر ہو جاتا ہے-بے دیکھے صدمہ سے بھاگتا ہے-پہلے ہی سے اپنے دشمنوں کو پہچانتا ہے-اس لیے کہ جس بکری نے بھیڑیئے کو اور جس گھوڑے نے شیر کو ہرگز نہ دیکھا ہو وہ جب انہیں دیکھتے ہیں-بھاگتے ہیں اور اپنا دشمن سمجھتے ہیں-حالانکہ بیل اونٹ' ہاتھی جو بھیڑیے اور شیر سے قد میں بڑے ہیں-ان سے نہیں بھاگتے-یہ سوچ سمجھ خدا نے ان کے باطن میں ودیعت فرمائی ہے-بایں ہمہ جو چیز کل ہونے والی ہے-اس سے واقف نہیں کر سکتے-اس لیے کہ یہ رتبہ چوتھی منزل پر جا کر حاصل ہوتا ہے-چوتھی منزل عالم معقولات ہے-آدمی یہاں تک تو بہائم کے ساتھ رہتا ہے-جب اس منزل میں آتا ہے تو بہائم سے فوقیت لے جاتا ہے-اور فی الحقیقت یہاں آدمی عالم انسانیت کے درجہ اول میں پہنچتا ہے اور ایسی چیزیں دیکھتا ہے کہ تخیل اور وہم کو ان میں کچھ دخل نہیں اور جو چیز آئندہ ہونے والی ہے اس سے پرہیز کرتا ہے اور کاموں کی حقیقت کو ان کی صورت سے جدا کرتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت تک جو اس کی سب صورتوں کو شامل ہوتی ہے پہنچتا ہے اور جو چیزیں اس عالم میں دکھائی دے سکتی ہیں غیر متناہی نہیں ہیں-اس لیے کہ جو چیز محسوس ہے اجسام سے باہر نہیں ہے اور اجسام متناہی ہیں-یعنی نہایت کو قبول کرتے ہیں-اور عالم محسوسات میں آدمی کا آنا جانا اور چلنا پھرنا ایسا ہی ہے جیسے زمین پر چلنا پھرنا کہ ہر ایک چل پھر سکتا ہے-اور چوتھے عالم یعنی معقولات میں اس کا چلنا کاموں کی حقیقتوں اور روحوں کی چھان بین کے لیے ہوتا ہے-اور وہ ایسا ہے جیسے پانی پر چلنا اور موہومات میں اس کا آنا جانا ایسا ہے جیسے کشتی میں ہوتا کہ اس کا درجہ پانی اور مٹی میں ہے اور معقولات کے اس طرف ایک مقام ہے وہ مقام انبیاء و اولیاء اور اہل تصوف کا مقام ہے-اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا میں سیر کرنا-یہی مضمون ہے رسالتمآب ﷺ سے لوگوں نے عرض کی کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے-آپ نے فرمایا-ہاں :

وَلَو ازْدَادَ لَقِيْنًا لَمَشٰى فِیْ الْهَوَاءِ — اگر ان کا یقین اور زیادہ ہوتا تو ہوا پر چلتے-

تو آدمی کے سفر کی منزلیں عالم ادراک میں ہیں-اخیر منزل میں جب پہنچتا ہے کہ ملائکہ کے مرتبہ پر پہنچ جائے تو چارپایوں

کے درجے سے جو اخیر اور اسفل درجہ ہے وہاں سے فرشتوں کے درجہ اعلیٰ تک آدمی کی معراج منزلیں ہیں- اور سب اونچ نیچ اسی کا کام ہے اور وہ اس خطرہ میں مبتلا ہے کہ اسفل السافلین میں گرتا ہے یا اعلیٰ علین پر چڑھتا ہے اور اس خطرہ کو قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا ہے :

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝

ہم نے دکھائی امانت آسمان اور زمین اور پہاڑوں کو تو سب نے انکار کیا اس کے اٹھانے سے ڈر گئے اس سے اور اٹھالیا اس آدمی نے بے شک تھا وہ ظالم و نادان-

اس لیے کہ جو جمادات ہیں ان کا درجہ نہیں بدلتا کہ وہ بے خبر ہیں تو جمادات بے خطر ہیں- اور جو ملائک اعلیٰ علیین میں ہیں انہیں اپنے درجے سے اترنا ممکن نہیں- بلکہ ہر ایک کا درجہ اسی پر موقوف ہے- چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے- یعنی خدا تعالیٰ نے فرشتوں کا کلام نقل فرمایا ہے :

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ

اور نہیں ہے ہم میں سے کوئی فرشتہ مگر اس کے لیے مقرر ہے ایک مقام-

اور چارپائے اسفل السافلین میں ہیں- ان کے لیے ترقی ممکن نہیں اور انسان دونوں کے درمیان میں اور خطرہ کے مقام میں ہے- اس لیے کہ اس کے لیے درجہ ملائکہ پر چڑھ جانا اور مرتبہ بہائم پر اتر آنا دونوں ممکن ہیں اور امانت اٹھالینے کے معنی یہی ہیں کہ اس نے خطرناک کام کو اختیار کرلیا تو ممکن نہیں کہ آدمی کے سوا امانت کے اس بوجھ کا اور کوئی متحمل ہو سکے-

اے عزیز اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ وہ جو تو نے کہا تھا کہ اکثر آدمی یہ بات نہیں کہتے- اس کا حال تجھے معلوم ہو جائے کہ ان کا کہنا کچھ تعجب کی بات نہیں- کیونکہ مسافر ہمیشہ ہمیشہ مقیم کے خلاف ہوتا ہے مقیم زیادہ اور مسافر نادر ہیں محسوسات اور ضحیلات جو پہلی منزل ہیں جو شخص اسی کو اپنا وطن بنائے گا اور وہیں ٹھہر جائے گا- اسے کاموں کے حقائق ہرگز معلوم نہ ہوں گے- اور وہ شخص کبھی روحانی نہ ہو سکے گا اور کاموں کی روحوں اور روحانیت کو کبھی نہ جانے گا- اس بناء پر اس کا بیان کتابوں میں بہت کم ہے- معرفت آخرت کے اتنے ہی بیان پر ہم کفایت کرتے ہیں- اس سے زیادہ لوگوں کے فہم میں آنا مشکل ہے- بلکہ بہت سے لوگ اس کو بھی نہ سمجھیں گے-

فصل : وہ لوگ بہت احمق ہیں جن کو نہ یہ قوت ہے کہ کاموں کو اپنی بصیرت سے پہچانیں نہ یہ توفیق ہے کہ شریعت سے مانیں آخرت کے امور میں حیران ہیں- اور ان پر شک غالب ہے اور ہوتا ہے کہ جب خواہش غلبہ کرتی ہے اور ان کو آخرت کا انکار کرنا پسند آتا ہے تو ان کے دل میں وہ انکار پیدا ہو جاتا ہے اور شیطان اس سے بڑھ جاتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دوزخ کی صفت میں جو کچھ آیا ہے- فقط ڈرانے کے لیے ہے- اور جنت کے بارے میں شارع نے جو کچھ فرمایا ہے- فقط شعبدہ دکھایا ہیں اسی وجہ سے خواہشات کی پیروی میں مشغول رہتے اور شریعت سے انکار کرتے ہیں اور شرع والوں کو

حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور یہ احمق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ گدڑی میں مست ہیں۔ایسے احمق آدمی کو یہ قوت کہاں کہ ایسے راز کی باتوں کو دلیل سے سمجھ سکے اسے ایک حکماء علماء اولیاء غلطی پر تھے اور سب نے دھوکا کھایا اور اس حماقت و غرور کے باوجود تو اس حقیقت کو سمجھا۔ممکن ہے کہ تجھی سے غلطی ہوئی ہو اور تو ہی دھوکے میں پڑا ہو کہ تو نے آخرت کی حقیقت کو نہ جانا۔اور عذاب روحانی کو نہ سمجھا ہو اور عالم محسوسات سے روحانیت کے پہلو کو تو نے نہ پہچانا ہو۔اگر وہ ایسا احمق ہے کہ کسی طرح اپنی غلطی کو تسلیم نہ کرے۔اور کہے کہ جس طرح دو کو ایک سے زیادہ جانتا ہوں۔اسی طرح بھی جانتا ہوں کہ روح کی کچھ حقیقت نہیں اور نہ اسے بقا حاصل ہے۔اور روحانی و جسمانی رنج و راحت ممکن نہیں۔ایسے شخص کا مزاج بگڑ گیا ہے۔اس سے ناامید ہونا چاہیے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا اور اے محمد ﷺ اگر تو ان کو راست کی طرف بلائے تو ہر گز راہ پر نہ آئیں گے کبھی۔۱۲

اور اگر وہ کہ امور آخرت کے محال ہونے کی مجھے تحقیق نہیں اگرچہ یہ بات ممکن ہے۔لیکن عقل سے بعید ہے اور جبکہ یہ بات مجھے نہ تحقیق سے معلوم ہے نہ اس کا ظن غالب ہے تو اپنے آپ کو تمام عمر پرہیزگاری کی کوٹھری میں کیوں بند کروں اور دنیا کی لذتوں سے کیوں رکا رہوں تو ہم اس کو یہ جواب دیں گے کہ اب اس قدر تو نے اقرار کیا تو از روئے عقل تجھ پر واجب ہو گیا کہ شریعت کی راہ اختیار کرے کہ جب ایک عظیم خطرے کا گمان ضعیف بھی ہو تو اس سے لوگ بھاگتے ہیں اس لیے کہ اگر تو کھانا کھانے کا ارادہ کرے اور کوئی کہہ دے کہ اس میں سانپ نے منہ ڈالا ہے تو تو فوراً ہاتھ کھینچ لے گا۔اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اسے لیے جھوٹ بولا ہو کہ اگر تو نہ کھائے تو وہ کھالے۔لیکن چونکہ یہ بات ممکن ہے کہ شاید اس نے سچ کہا ہو اس لیے اپنے دل میں کہتا ہے کہ اسے نہ کھاؤں اس سے بھوکا رہنا آسان ہے اور اگر کھالوں تو ایسا نہ ہو کہ اس نے سچ کہا ہو اور میں ہلاک ہو جاؤں۔اسی طرح اگر تجھے بیمار ہونے اور ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو اور تعویذ لکھنے والا کہے کہ ایک روپیہ بھر چاندی دے کہ تیری شفا کے لیے کاغذ پر تجھے ایک تعویذ لکھ دوں اور نقش لکھ دوں۔اگرچہ تجھے ظن غالب بھی ہو کہ اس نقش کو تندرستی سے کچھ نسبت نہیں لیکن تو اپنے جی میں یہ کہے گا کہ شاید یہ سچ کہتا ہو۔اس کے کہنے سے اس دوا کا رنج بھی برداشت کرے گا اور اپنے جی میں کہے گا کہ شاید سچ کہتا ہو اور اگر جھوٹ بھی کہتا ہو تو دوا کھانے کی تکلیف آسان ہے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر کا قول اور دنیا کے تمام بزرگوں حکماء اولیاء، علماء کا اس قول پر متفق ہونا کسی عقلمند کے نزدیک ایک نجومی یا ایک تعویذ لکھنے والے یا ایک آتش پرست طبیب کے قول سے کسی طرح کم نہیں ان کے کہنے سے تو تھوڑا سا رنج اپنے لیے گوارا کر لیتا ہے کہ اس تکلیف سے شاید نجات پا جائے اور تھوڑا رنج و نقصان بہت سے رنج و نقصان کی نسبت تھوڑا معلوم ہوتا ہے اگر کوئی حساب کرے کہ دنیا کی عمر کس قدر ہے اور ابد کی نسبت جس کی انتہا ہی نہیں کتنی سی ہے تو جان لے کہ دنیا میں اتباع شریعت کا یہ رنج برداشت کرنا اس خطرہ عظیم سے بہت کم ہے جس کے خیال سے تو اپنے جی میں کہتا ہے کہ اگر انبیاء اور بزرگ لوگ سچ کہتے ہوں اور میں ویسے ہی سخت عذاب میں جیسا وہ بیان کرتے

ہیں ہمیشہ کے لیے مبتلا ہو جاؤں تو کیا کروں گا- اور دنیا کی اس چند روزہ راحت سے مجھے کیا فائدہ ہوگا اور ممکن ہے کہ بزرگ لوگ سچ کہتے ہوں ابد کے یہ معنی ہیں کہ اگر تمام عالم کو چنا کے دانوں سے بھر دیں اور ایک چڑیا سے کہیں ہزار ہزار برس میں ایک ایک دانہ اس میں سے چگے تو وہ دانے سب تمام ہو جائیں اور ابد میں سے کچھ کم نہ ہو- اگر اتنی مدت عذاب ہو- خواہ روحانی جسمانی خواہ خیالی تو اے عزیز اسے کیسے برداشت کر سکے گا- اور ذرا غور تو کر کہ دنیا کی عمر اس مدتِ ابد کے مقابلے میں کس قدر ہے کوئی ایسا عقلمند نہ ہوگا کہ اس میں خوب غور کر کے یہ نہ سمجھے گو یہ امر وہمی ہے اور اس سے بچنے میں بالفعل یقیناً مشقت ہے- مگر اتنے خطرہ عظیم سے احتیاط کرنا اور بچ کر چلنا ضروری ہے- اس لیے کہ لوگ سوداگری کے لیے کشتی میں سوار ہوئے اور بڑے بڑے سفر کرتے اور بہت مشقت و تکلیف اٹھاتے ہیں- یہ مصیبت فقط گمان منفعت کے تحت برداشت کرتے ہیں- تو اگرچہ اس احمق کو عذاب آخرت کا یقین نہیں ہے لیکن گمان ضعیف تو ہے لہٰذا اپنے اوپر اگر ذرا اور مہربانی کرے گا تو پرہیزگاری کا بوجھ اٹھالے گا- اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دن ایک ملحد سے مناظرہ میں فرمایا کہ جیسا تو کہتا ہے اگر واقع میں بھی ایسا ہے تو تو بھی جھوٹا ہم بھی جھوٹے اگر حقیقت میں ایسا ہے جیسا ہم کہتے ہیں تو ہم ہی فقط جھوٹے اور تو عذاب ابد میں مبتلا رہے گا- جناب امیر نے یہ ارشاد جو فرمایا تو اس کے قصور و فہم کے مطابق فرمایا نہ یہ کہ معاذاللہ آپ کو خود کچھ شک تھا- آپ سمجھے کہ جو یقین کا راستہ ہے وہ اس ملحد کی سمجھ میں نہ آئے گا تو اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص دنیا میں زاد آخرت کے سوا اور کسی چیز کے ساتھ مشغول ہے بڑا احمق ہے غفلت میں رہنا اور امور آخرت میں فکر نہ کرنا اس حماقت کے باعث ہے- کیونکہ دنیا کی خواہش اسے اس قدر مہلت ہی نہیں دیتی کہ وہ امور آخرت میں فکر کرے ورنہ جسے عذاب آخرت کا یقین یا ظن غالب ہے اور جس کو ایمان ضعیف حاصل ہے اس پر عقل کی رو سے ضروری ہے کہ اس خطر عظیم سے ڈرے اور احتیاط کی راہ اختیار کرے-

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اور سلام اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے-

عنوانِ مسلمانی کا بیان مکمل ہوا- معرفت نفس' معرفت حق' معرفت دنیا اور معرفت آخرت کے ذکر کا اختتام ہوا- اب انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانی کے ارکان معاملات شروع کرتا ہوں-

☆............☆............☆

یہ دوستی بھی خدا تعالیٰ کے لیے ہوگی اگر جاہ و حشمت کی غرض سے اس سے پیار والفت کرو تو یہ خدا کے لیے نہیں-اور صدقہ دینے والا کسی کو اگر اس لیے دوست بنائے کہ وہ شرائط کے مطابق اس صدقے کو درویشوں میں تقسیم کرتا ہے-یا درویشوں کی مہمانی کرتا ہے یا اس لیے دوستی کرتا ہے کہ وہ کھانا اچھا پکاتا ہے تو یہ دوستی بھی خدائے تعالیٰ کے لیے نہیں ہے-ہاں اگر کوئی شخص کسی سے اس لیے دوستی اور الفت کرتا ہے اور اسے روٹی کپڑا اس نیت سے دیتا ہے کہ یہ مصروفیات سے فارغ ہو کر خدائے تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے تو البتہ یہ دوستی خالص خدائے تعالیٰ کے لیے ہے کہ اس سے اس کا مقصد عبادت کے لیے فراغت ہے-بہت سے علمائے اور عابد لوگ اسی غرض کے تحت دولت مندوں سے دوستی اور پیار رکھتے ہیں-یہ دونوں خدائے تعالیٰ کے دوستوں میں سے ہیں-اسی طرح جو شخص اپنی بیوی سے اس نیت کے تحت محبت و پیار کرے کہ وہ اسے برائی سے بچاتی اور اولاد کا ذریعہ بنتی ہے-اور وہ اولاد اس کے لیے دعاء خیر کرے گی تو یہ دوستی بھی خدا کے لیے ہے-اور جو نان و نفقہ اسے دے گا وہ صدقہ میں شمار ہوگا اور جو شخص اپنے شاگرد کو ان دو وجوہات سے دوست رکھتا ہے-ایک یہ کہ وہ اس کی خدمت کرتا ہے-اور دوسرے اس لیے کہ وہ اسے عبادت کے لیے فراغت کا وقت فراہم کرتا ہے-تو یہ دوستی بھی خدا کے لیے ہے-اس پر وہ ثواب کا مستحق ہوگا-

دوسرا درجہ: یہ پہلے سے بڑا ہے-اور وہ یہ ہے کہ کسی سے صرف اللہ کے لیے محبت و پیار کرے سیکھنے سکھانے کی غرض سے نہ کرے-نہ اس سے فراغت دین مقصود ہو-بلکہ محض اس لیے دوستی کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبدار ہے-یا اس بنا پر کہ یہ بھی خدا کا بندہ اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے-اس طرح کی عظیم دوستی خالص خدا کے لیے ہے اور اس طرح کی دوستی خدائے تعالیٰ کی محبت کے مزید اضافے کا ذریعہ ہے اور ہر آن بڑھتی رہتی ہے-یہاں تک کہ درجہ عشق کو پہنچ جاتی ہے-چنانچہ وہ شخص کسی پر عاشق ہوتا ہے وہ اس کے گلی کوچے سے بھی محبت کرتا ہے-اس کے گھر کے در و دیوار بلکہ اس گلی کے کتے کو دوسرے کتوں کی نسبت پیار و محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے-تو جو اس کے معشوق سے پیار کرے یا جس سے اس کا معشوق پیار و محبت کرے تو اس کو اور معشوق کے فرمانبردار' نوکر' لونڈی غلام اور اس کے تمام قرابت داروں سے محبت و دوستی کرتا ہے-غرض جس نے بھی اس کے محبوب و معشوق سے کوئی نسبت اور تعلق داری قائم کرلی ہو اس کی الفت و محبت اس کے دل میں سرایت کر جاتی ہے-اور جس قدر عشق زیادہ ہوتا ہے اس کی سرایت و تاثیر بھی ان لوگوں کے ساتھ جو معشوق و محبوب کے تابع ہوتے ہیں' زیادہ ہوتی ہیں تو جس شخص کے دل میں خدائے تعالیٰ کی دوستی عشق کے درجہ کو پہنچ جائے وہ لازماً اس کے بندوں سے دوستی کرے گا-

بسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم ٥

اے عزیز جب تو عنوان مسلمانی جان چکا- اپنے آپ اور حق تعالیٰ اور دنیا اور آخرت کی بھی پہچان حاصل کر چکا ہے- اب معاملہ مسلمانی کے ارکان کی طرف مشغول ہونا چاہیے-

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی معرفت و عبادت ہی میں آدمی کی سعادت ہے اور خدا تعالیٰ کی اصل معرفت ان چار عنوانوں کے جاننے سے حاصل ہوئی تو جان کہ اس کی عبادت ان چار ارکان سے حاصل ہوتی ہے ایک رکن یہ کہ تو اپنے ظاہر کو عبادت سے آراستہ رکھے یہ رکن عبادت ہے- دوسرا رکن یہ ہے کہ تو اپنی زندگی اور حرکات و سکنات کو ادب کے ساتھ رکھے- یہ رکن معاملات ہے- تیسرا رکن یہ ہے کہ تو اپنے دل کو بری عادات سے پاک رکھے یہ رکن مہلکات ہے- چوتھا رکن یہ ہے کہ تو اپنے دل کو اچھی عادتوں سے آراستہ رکھے- یہ رکن ہے منجیات-

رکنِ اوّل

عِبادات

یہ دس اصلوں پر مشتمل ہے

اصل اول: اہلسنت کے عقائد کے مطابق عقائد درست نہ رکھنا
اصل دوم: تلاش علم کے بیان میں
اصل سوم: طہارت کے بیان میں
اصل چہارم: نماز کے بیان میں
اصل پنجم: زکوٰۃ کے بیان میں
اصل ششم: روزہ کے بیان میں
اصل ہفتم: حج کے بیان میں
اصل ہشتم: قرآن کے پڑھنے کے بیان میں
اصل نہم: ذکر و تسبیح کے بیان میں
اصل دہم: اوراد و وظائف اور اوقات عبادت کی حفاظت

اصل اوّل اہل سنّت کے عقائد کے بیان میں

اے عزیز تو جان کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہ جو زبان سے پڑھتا ہے- اس کے معنی بھی دل سے جانے اور ایسا یقین کرے کہ کسی شک و شبہ کو اس میں گنجائش نہ رہے اور جس اس نے یقین کر لیا اور اس کا دل ان معنوں پر ایسا ٹھہر گیا کہ اس میں ایک بال برابر بھی شبہ نہ رہا- تو بس اتنا اندازہ اصل مسلمانی کے لیے کافی ہے اس کے معنی دلیل سے جاننا ہر مسلمان پر فرض عین نہیں ہے- اس لیے کہ رسول مقبول ﷺ نے عرب کو دلیل تلاش کرنے، علم پڑھنے اور شبہے تلاش کرنے کا حکم نہیں دیا- بلکہ ان معنوں کی تصدیق و یقین پر آپ نے اکتفا کی ہے اور عوام الناس کا درجہ اس سے زیادہ نہیں ہے- لیکن کچھ ایسے لوگوں کا ہونا ضروری ہے جو گفتگو کا طریقہ جانتے ہوں- اور اعتقاد اہل سنت کی دلیل بیان کر سکیں- اگر کوئی شخص عوام الناس کے گمراہ کرنے کے لیے ان کے اتحاد میں شبہ ڈالے تو وہ لوگ عوام کی گویا زبان بن جایا کریں- اور ان شبہات کو اٹھا دیا کریں- اس صفت کو علم کلام کہتے ہیں اور یہ فرض کفایہ ہے- ہر بستی میں اس صفت کے دو ایک افراد کا ہونا کافی ہے- عوام الناس صاحب اعتقاد ہوتے ہیں اور متکلم کو توال اور ان کا اعتقاد کا محافظ ہوتا ہے- لیکن حقیقت معرفت کی راہ اور ہے وہ ان دونوں مقام یعنی فقط اہل اعتقاد اور متکلم ہونے کے علاوہ ہے- اس کا آغاز ریاضت و مشقت سے ہوتا ہے- جب تک مسلمان یہ راہ نہیں چلے گا معرفت کے درجہ کو نہ پہنچے گا- اور اسے معرفت کا دعویٰ کرنا زیبا نہ ہوگا- کہ اس میں نفع سے زیادہ نقصان ہے- اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پرہیز کرنے سے پہلے دوا پیئے تو یہ خوف رہتا ہے کہ ہلاک ہو جائے گا- اس لیے کہ وہ دوا بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے- جیسے اور فاسد اخلاط اس کے معدہ میں ہیں اور اس دوا سے صحت حاصل نہیں ہوتی بیماری بڑھ جاتی ہے- مسلمانی کے عنوان میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ حقیقتِ معرفت کا ایک شائبہ اور نمونہ ہے کہ جو شخص حقیقت معرفت کے قابل ہے اس کو تلاش کرے اور حقیقت معرفت وہی تلاش کر سکتا ہے- جسے دنیا سے کچھ تعلق نہ ہو- خالص خدا ہی کی تلاش میں رہا ہو اور یہ مشکل ہے تو ایسی چیز جو تمام مخلوق کی غذا ہے یعنی اہلسنت کا اعتقاد ہم اسے بیان کرتے ہیں تاکہ ہر شخص یہ اعتقاد اپنے دل میں جمائے کہ یہی اس کی سعادت کا بیج ہوگا-

اِعتقاد کا بیان

اے عزیز یہ بات جان اور یقین مان کہ تو مخلوق ہے اور تیرا ایک خالق ہے اور تمام جہان کو اور ان چیزوں کو جو تمام جہان میں ہیں اسی نے پیدا کیا ہے وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں یگانہ جہان کو اور ان چیزوں کو جو تمام جہان میں ہیں اسی

نے پیدا کیا ہے وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں یگانہ ہے کوئی اس کا ہمسر نہیں۔وہ ہمیشہ سے ہے کہ اس کی ہستی کی ابتدا نہیں اور ہمیشہ رہے گا۔کہ اس کے وجود کی انتہا نہیں اس کی ہستی ازل وابد میں واجب الوجود ہے اس لیے کہ نیستی کو اس میں دخل ہی نہیں اور اس کی ہستی اس کی اپنی ذات سے ہے کیونکہ اس کو کسی سبب کی ضرورت نہیں اور اس سے کوئی چیز بے پروا نہیں بلکہ اس خالق کا قیام اس کی اپنی ذات سے ہے باقی سب چیزوں کا قیام اس خالق کے سبب ہے۔

تنزیہہ : وہ نہ جوہر ہے نہ عرض نہ کسی چیز میں حلول کیے ہوئے ہے۔وہ نہ کسی چیز کی مثل ہے نہ کوئی چیز اس کی مانند کیونکہ اس کی کوئی صورت نہیں سمیّت و کیفیت کو اس میں کچھ مداخلت نہیں جو سمیت و کیفیت خیال میں آئے اور دل میں گزرے وہ اس سے پاک ہے کیونکہ یہ سب صفات اس کی مخلوق ہیں اور وہ کسی مخلوق کی صفت پر نہیں۔بلکہ وہم و خیال جو صورت باندھے وہ اس صورت کا پیدا کرنیوالا ہے چھوٹائی بڑائی اور مقدار کو بھی اس میں کچھ دخل نہیں یہ چیزیں عالم اجسام کی صفتیں ہیں اور وہ جسم نہیں اور اسے جسم کے ساتھ تعلق نہیں۔وہ نہ کسی جگہ پر ہے نہ کسی جگہ میں ہے اس کی ذات جگہ لینے والی چیز ہی نہیں اور جو کچھ عالم میں ہے۔سب عرش کے نیچے اور عرش اس کی قدرت کے نیچے مسخر ہے اور وہ عرش پر ہے لیکن اس طرح عرش پر نہیں ہے جیسے کوئی جسم کسی جسم کے اوپر ہوتا ہے۔کیونکہ وہ جسم نہیں ہے۔اور عرش اسے اٹھائے نہیں ہے۔بلکہ عرش اور حاملان عرش سب کو اس کی قدرت و مہربانی اٹھائے ہوئے ہے۔آج بھی وہ اسی صفت پر ہے۔جس پر عرش پیدا کرنے سے قبل تھا۔اور ابد تک ایسا ہی رہے گا۔کیونکہ اس کی ذات اور صفات میں تفسیر اور ردوبدل کو کچھ دخل نہیں اس لیے کہ معاذاللہ اگر صفات نقص کے ساتھ تغیر واقع ہو تو خدائی کے قابل نہ ہو گا اور اگر صفاتِ کمال کے ساتھ تغیر پذیر ہو تو نعوذباللہ پہلے گویا وہ ناقص تھا اور اس کمال کا محتاج تھا۔اور محتاج مخلوق ہوتا ہے۔خدائی کے لائق نہیں ہوتا۔اور باوجودیکہ تمام مخلوق کی صفات سے پاک ہے مگر اس جہان میں پہچاننے کے لائق اور اس جہان میں دیکھنے کے قابل ہے اور اس جہان میں پچوں اور بچکوں اسے پہچان سکتے ہیں۔اسی طرح اس جہان میں اسے پچوں اور بچکوں دیکھیں گے کیونکہ وہ دیدار اس جہان کے دیدار کی قسم سے نہیں ہے۔

قدرت : حق تعالیٰ کسی چیز کی مانند نہیں اس کے باوجود سب چیزوں پر قادر ہے اس کی قدرت درجہ کمال پر ہے کہ کسی طرح کے عجز و نقصان اور ضعف کا اس میں گزر نہیں۔بلکہ اس نے جو چاہا کیا جو چاہے گا کرے گا اور ساتوں آسمان، ساتوں زمین اور عرش و کرسی اور جو کچھ ہے سب اس کے قبضہ قدرت میں مغلوب و مسخر ہے۔
اس کے سوا کسی کا کسی چیز پر کچھ اختیار نہیں پیدا کرنے میں کوئی اس کا یارومددگار نہیں۔

علم : وہ دانا ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔عرش اعلیٰ سے تحت الثریٰ تک کوئی چیز

اس کے علم سے باہر نہیں- کیونکہ سب چیزیں اسی کے حکم سے ظاہر ہوتی ہیں- بلحہ میدانوں کی میت' درختوں کے پتوں' دلوں کے خطروں اور ہوا کے ذروں کے عدد اس کے علم میں ایسے کھلے ہوئے ہیں- جیسے آسمان کے عدد-

ارادہ : جو کچھ علم میں ہے اس کے چاہنے اور ارادے سے ہے کوئی چیز تھوڑی ہو یا بہت چھوٹی ہو یا بڑی اچھی ہو یا بری یوں ہی گناہ و عبادت کفر ہو یا ایمان' نفع و نقصان' زیادتی و کمی' رنج و راحت بیماری و صحت اس کی تقدیر مشیت اور حکم سے ہوتی ہے اگر جنات' آدمی' شیطان اور فرشتے وغیرہ سب اکٹھے ہو کر عالم میں سے ایک ذرہ کو ہلانا یا کسی جگہ رکھنا یا اٹھانا یا گھٹانا بڑھانا چاہیں تو خدا کے چاہے بغیر سب عاجز ہیں اور ہرگز کچھ نہ کر سکیں بلحہ بے اس کے چاہے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی-- جس چیز کے ہونے پر اس کی مرضی ہو کوئی اسے روک نہیں سکتا اور جو کچھ تھا اور ہو گا- سب اسی کی تقدیر و تدبیر سے ہے-

سمع و بصر : جس طرح وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اسی طرح ہر چیز کا دیکھنے سننے والا بھی ہے- دور و نزدیک اس کی شنوائی میں برابر ہے- تاریکی و روشنی اس کی بینائی میں یکساں ہے اندھیری رات میں چیونٹی کے پاؤں کی آواز سنتا ہے تحت الثریٰ میں جو کیڑا ہو' وہ اس کی رنگت اور صورت تک دیکھتا ہے-- نہ آنکھ سے اس کی بینائی ہے نہ کان سے اس کی شنوائی اور جس طرح اس کی سمجھ و توانائی تدبیر و سوچ سے نہیں- اسی طرح اس کا پیدا کرنا بھی آلہ سے نہیں-

کلام : اس کا فرمان سب مخلوقات کے لیے واجب التعمیل ہے جو خبر اس نے دی بالکل سچ ہے اس کا وعدہ وعید سب حق ہے- حکم' خبر' وعدہ' وعید سب اسی کا کلام ہے جس طرح وہ زندہ بینا دانا شنوا توانا ہے اسی طرح گویا بھی ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ بات کی اس کی بات کام و زبان لب و منہ سے نہیں جس طرح آدمی کے دل میں بے آرزو و بے حرف بات ہوتی ہے حق تعالیٰ کی بات حرف و بے آواز ہونے میں اس سے زیادہ پاک و منزہ ہے قرآن' شریعت' توریت' انجیل' زبور اور پیغمبروں پر جتنی کتابیں اتریں سب اسی کا کلام اور اس کا کلام اس کی صفت ہے اور اس کی تمام صفات قدیم اور ہمیشہ سے ہیں اور جس طرح اس کی ذات قدیم اور ہمارے دلوں میں معلوم اور زبانوں پر مذکور ہے اور ہمارا علم و ذکر مخلوق اور معلوم و مذکور قدیم ہے اسی طرح اس کا کلام بھی قدیم ہے اور ہمارے دل میں محفوظ زبان سے پڑھا گیا اور مصحف میں لکھا ہوا ہے اور ہمارا محفوظ مخلوق نہیں فقط مخلوق اور پڑھا گیا مخلوق نہیں پڑھنا مخلوق ہے اور مکتوب مخلوق نہیں- کتابت مخلوق ہے-

افعال : عالم اور جو کچھ عالم میں ہے سب اس کی مخلوق ہے اور جس چیز کو اس نے پیدا کیا ہے- ایسا پیدا کیا کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتی- اگر تمام جہان کے عقلمند اپنی عقل کو متفق کر کے سوچیں کہ اس جہان کی اس سے اچھی صورت تجویز ہو سکے- یا اس تدبیر سے بہتر کوئی تدبیر نکال سکیں یا اس میں کچھ کمی یا زیادتی ہو سکے تو نہیں کر سکتے اگر سوچیں کہ اس سے بہتر ہونا چاہیے

تھا تو خطا کریں گے اور خدا کی حکمت و مصلحت سے غافل رہیں گے۔ ایسے لوگوں کی مثال اس اندھے کی سی ہے جو کسی گھر میں جائے وہاں ہر ہر چیز قرینہ کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر دیکھے اور پڑے تو کہے یہ چیز راہ پر کیوں رکھی تھی۔ حالانکہ راہ پر چلنا کیسا اسے تو راہ سو جھتی تک نہیں اس طرح حق تعالیٰ نے ہر چیز کو عدل و حکمت کے ساتھ پورا بنایا اور جیسا چاہیے ویسا ہی مخلوق فرمایا ہے۔ اگر اس سے زیادہ پیدا کرنا ممکن ہوتا اور وہ نہ پیدا کرتا تو یا عاجزی سے نہ پیدا کرتا۔ یا بخل سے اور عاجزی و بخل دونوں اس سے محال ہیں۔ تو جو کچھ دکھ بیماری، فقیری، نادانی عاجزی اس نے پیدا کی ہے سب عدل ہے ظلم تو خود اس سے ممکن ہی نہیں اسی طرح کذب بھی ممکن نہیں کہ وہ عیب ہے۔ اس واسطے کہ ظلم تو جب ہو کہ کسی غیر کی ملک میں تصرف کرے اور دوسرے کی ملک میں خدا کا تصرف کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کا مالک ہونا محال ہے۔ کیونکہ جو کچھ تھا اور جو کچھ ہے اور جو کچھ ہو سکتا ہے وہ سب مملوک ہے اور خدا ہی سب کا مالک ہے۔ اس کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں۔

آخرت : حق تعالیٰ نے دو قسم کا جہان پیدا کیا۔ ایک عالم اجسام ' ایک عالم ارواح ' عالم اجسام کو آدمیوں کی روح کا مقام بنایا کہ اس عالم سے زادِ آخرت سے لے سکیں۔ اور ہر شخص کے رہنے کی ایک مدت مقرر فرمائی۔ اس مدت کی انتہا موت کو بنایا۔ بڑھنے گھٹنے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ جب اجل آجاتی ہے تو جان کو بدن سے جدا کر لیا جاتا ہے اور روز قیامت جو حساب و بدلے کا دل ہے اس میں جان پھر قالب میں ڈالیں گے۔ سب کو اٹھا کھڑا کریں گے اور ہر ایک اپنے اپنے کردار اعمالنامہ میں لکھے دیکھے گا۔ اس نے جو کچھ دنیا میں کیا ہے سب یاد دلائیں گے عبادت اور گناہ کی مقدار کو ایسی ترازو میں جو اس کام کے لائق ہو گی تول کر بتائیں گے۔ وہ ترازو اس جہان کی ترازو کے مشابہ نہیں ہے۔

صراط : پھر سب کو پل صراط پر چلنے کا حکم ہو گا۔ اور وہ صراطِ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے جو کوئی اس جہان میں صراط مستقیم یعنی شرع پر قائم رہا ہو گا۔ اس صراط پر آسانی سے گزر جائے گا۔ اور جس نے اس جہان میں سیدھی راہ اختیار نہ کی ہو گی اس صراط پر نہ چل سکے گا دوزخ میں گر پڑے گا۔ اور سب کو صراط پر ٹھہرا کر پرسش اعمال کریں گے۔ سچے ایمان داروں سے ان کی سچائی کی حقیقت طلب کریں گے اور منافقوں و ریاکاروں کو شرمندہ کریں گے اور ذلت میں ڈالیں گے۔ کسی جماعت کو بے حساب بھی بہشت میں لے جائیں گے۔ کسی گروہ کا حساب آسانی سے کسی کا مشکل لیں گے۔ آخر کار سب کفار کو دوزخ میں ڈالیں گے کہ وہ کبھی نجات نہ پائیں گے۔ فرمانبردار مسلمانوں کو جنت میں داخل کریں گے اور گناہ گار مسلمانوں کو بھی دوزخ میں روانہ کریں گے انبیاء اور بزرگ لوگ ان میں سے جس کی شفاعت کریں گے ارحم الراحمین اسے بخش دے گا۔ اور جس کی شفاعت نہ کریں گے فرشتے اسے دوزخ میں لے جائیں گے اور اس کے گناہوں کے قدر اسے عذاب دیں گے پھر جنت میں لے جائیں گے۔

پیغمبر: چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ طے فرمایا ہے کہ بندوں کے بعض اعمال ان کی شقاوت کا سبب ہوں اور بعض سعادت کا موجب بنیں۔ اور آدمی نہیں پہچان سکتا کہ کون سے اعمال سب شقاوت ہیں اور کون سے موجب سعادت تو خداوند کریم نے اپنے فضل و کرم عمیم سے پیغمبروں کو پیدا کیا اور حکم دیا کہ ازل میں جن لوگوں کی نسبت کمال سعادت کا حکم ہو چکا ہے۔ انہیں اس بھید سے آگاہ کریں اور ان پیغمبروں کو پیغام دے کر بندوں کی طرف بھیجا کہ ان کو سعادت و شقاوت کی راہ بتائیں تاکہ کسی بندہ کو خدا سے حجت کی گنجائش باقی نہ رہے۔ پھر تمام پیغمبروں کے بعد ہمارے رسولِ مقبول خاتم النبیین سید الاولین والآخرین ﷺ کو خلق کی طرف بھیجا اور آپ کی نبوت کو ایسے کمال درجہ پر پہنچادیا کہ پھر اس پر زیادتی محال ہے۔ اسی لیے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا۔ کہ آپ کے بعد پھر کوئی پیغمبر نہ ہوگا اور تمام جن و انس کو آپ کی اتباع و اطاعت باقی پیغمبروں کے یاروں اور دوستوں سے آپ کے اصحاب و احباب رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو افضل اور بہتر کیا۔

دوسری اصل طلبِ علم کے بیان میں

اے عزیز جان کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ — علم ڈھونڈنا ہر مسلمان پر فرض ہے مرد ہو خواہ عورت ہو۔

اور اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کون سا علم ہے جس کا تلاش کرنا سب پر فرض ہے۔ متکلم کہتے ہیں۔ وہ علم کلام ہے کہ اس سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ فقہاء کہتے ہیں وہ علم فقہ ہے کہ اس کی بدولت آدمی حلال و حرام میں فرق کر سکتا ہے۔ محدث کہتے ہیں وہ علم تفسیر و حدیث ہے کہ علوم شرعیہ کی اصل یہی ہے۔ صوفیہ فرماتے ہیں کہ وہ احوالِ دل کا علم ہے کہ دل خدا کی طرف بندہ کی راہ ہے۔ الغرض ہر عالم اپنے علم کی عظمت بیان کرتا ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہ ہے کہ نہ کسی ایک علم کی خصوصیت ہے نہ سب علوم کی فرضیت ہے۔ اس مقام میں تفصیل ہے اس کے اعتبار سے یہ اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

اے عزیز تو جان کہ جو کافر صبح کے وقت مسلمان ہو یا جو لڑکا بالغ ہو اس پر یہ سب علم سیکھنا فرض نہیں بلکہ اس وقت اس پر اتنا فرض ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے معنی جانے اور ان معنوں کا علم اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ اہل سنت کے عقائد جو پہلی اصل میں ہم نے بیان کئے ہیں حاصل کرے اس طرح پر حاصل کرنا ضروری نہیں کہ ان عقائد کے دلائل بھی جان لے۔ دلائل کا جاننا اس پر لازم نہیں۔ لیکن ان عقائد کو قبول کر لے اور سب پر یقین کر لے۔ اور ان کا تفصیلاً جاننا بھی واجب نہیں۔ مگر خدا' رسول' آخرت' بہشت' دوزخ' حشر نشر' تمام باتوں کا اعتقاد رکھے اور یہ جان لے کہ اس کا خدا ان ان صفات پر ہے اور اسی خدا کی طرف سے رسولِ مقبول ﷺ کی زبانی پیغام و احکام آئے ہیں

جو اطاعت کرے گا- مرنے کے بعد مرتبہ سعادت کو پہنچے گا- جو نافرمانی کرے گا- درجہ شقاوت کو پہنچے گا- جب اس نے یہ جان لیا تو دو طرح کے علم اس پر واجب ہوتے ہیں ایک تو دل سے تعلق رکھتا ہے- اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک ان کاموں کا علم جو کرنے کے قابل ہیں اور ایک ان کاموں کا علم جو کرنے کے لائق ہیں- جو کام کرنے کے قابل ہیں ان کا علم ایسا ہے جیسے کوئی صبح کو مسلمان ہوا- جب ظہر کی نماز کا وقت آئے تو اس پر اندازہ فرض طہارت اور نماز سیکھنا فرض ہوتا ہے اور جو چیز سنت ہے اس کا سیکھنا بھی سنت ہے فرض نہیں- جیسے نماز مغرب کا وقت آئے تو اس وقت اس پر اتنا فرض ہے کہ اس نماز کو جان لے کہ تین رکعتیں ہیں- اس سے زیادہ جاننا فرض نہیں- اور جب رمضان شریف آئے تو روزے کا جاننا اس قدر اس پر فرض ہو جاتا ہے- کہ یہ جان لے کہ روزہ کی نیت فرض ہے اور صبح سے غروب آفتاب تک کھانا پینا' جماع کرنا حرام ہے- اگر سونے کے بیس دینار اس کے پاس ہو تو زکوٰۃ کا جاننا اس وقت فرض نہیں- ہاں جب سال بھر گزر جائے تو فرض ہوتا ہے کہ اس کی زکوٰۃ کی مقدار اور مصارف و شرائط معلوم کرے اور جب تک حج لازم نہ ہو حج کا علم اس پر فرض نہیں ہوتا- اس لیے کہ حج کا وقت عمر بھر ہے- اسی طرح جب کوئی کام پیش آتا ہے اس وقت اس کا علم بھی فرض ہو جاتا ہے- جس وقت نکاح کرے اس وقت اس کا علم بھی فرض ہو جاتا ہے- مثلاً یہ جاننا کہ خاوند پر بیوی کا کیا حق ہے اور حالتِ حیض میں جماع کرنا درست نہیں اور حیض کے بعد غسل کرنے تک جماع نہ کرنا چاہیے اور اس کے سوا اور جو چیزیں نکاح سے تعلق رکھتی ہوں ان سب کا علم فرض ہو جاتا ہے اگر آدمی کوئی پیشہ کرتا ہے- تو اس پیشہ کا علم بھی اس پر فرض ہو جاتا ہے- اگر سوداگر ہے تو سودے کے مسائل اور بیع کی شرطیں معلوم کرنا فرض ہے تاکہ بیع باطل سے بچے- اسی لیے تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دکانداروں کو درے مار کر علم سیکھنے کے لیے بھیجتے تھے- اور فرماتے تھے کہ جو کوئی بیع کے احکام نہ جانے اسے تجارت نہ کرنا چاہیے کہ لاعلمی میں سود کھائے گا اور خبر بھی نہ ہو گی- اسی طرح ہر پیشہ کا ایک علم ہے- حتیٰ کہ اگر حجام ہے تو اس کو یہ جاننا چاہیے کہ آدمی کے بدن سے کیا چیز کاٹنے کے لائق ہے اور تکلیف کے وقت کون سا دانت اکھاڑنے کے قابل ہے اور کتنی دوا زخموں میں کام کرتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس اور یہ علوم ہر شخص کے حال کے موافق ہوتے ہیں- بزاز پر پیشہ حجامت سیکھنا فرض نہیں ہے جو کام کرنے کے لائق ہیں ان کے علم کی مثال یہ تھی اور جو کام نہ کرنے کے لائق ہیں ان کا علم بھی فرض ہے- لیکن ہر شخص کے حال کے موافق مختلف ہے- اگر کوئی شخص اطلس اور دیبا پہننے کی قدرت رکھتا ہے یا شراب خوروں یا سور کا گوشت کھانے والوں کے پاس یا غصب کی جگہ میں رہتا ہے یا مال حرام اپنے قبضے میں رکھتا ہے- تو علماء پر واجب ہے کہ اسے ان باتوں کا علم سکھا دیں کہ یہ حرام ہے تاکہ وہ اس سے دست بردار ہو اور اگر کسی وجہ عورتوں سے ملا جلا رہتا ہے تو اس پر یہ جاننا فرض ہے کہ کون عورت محرم ہے اور کون نامحرم اور کسے دیکھنا روا ہے اور کسے دیکھنا ناروا ہے- اور یہ علم بھی ایک کے حال کے اعتبار سے مختلف ہے- اس لیے کہ جو کوئی ایک کام میں ہو- دوسروں کے کام کا علم سیکھنا فرض نہیں- مثلاً عورتوں پر یہ جاننا فرض نہیں ہے- کہ حالت حیض میں طلاق دینا ناروا ہے- اور جو مرد طلاق دینا چاہتا ہو اس پر یہ مسائل جاننا فرض ہیں- اور جو کام دل سے تعلق رکھتے ہیں- ان کی بھی دو قسمیں ہیں-

ایک قسم دل کے حالات سے تعلق رکھتی ہے- ایک اعتقادات سے اس کی مثال یہ ہے- آدمی کے لیے جاننا فرض ہے- کہ کینہ، حسد، تکبر، گمان بد اور ایسے امور حرام ہیں اور اس کا جاننا سب پر فرض عین ہے اس لیے کہ کوئی شخص ان عادتوں سے خالی نہیں- تو اس کا علم اور اس کے علاج کا علم فرض ہے- کیونکہ اس قسم کی بیماری عالمگیر ہے- اور بے علم کے اس کا علاج نہ ہو گا- لیکن بیع معلم اور اجارہ اور رہن اور اس قسم کے معاملات کا علم جو فقہ میں مذکور ہے- فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں یہ اسی پر فرض ہے جو ایسے معاملات کرنا چاہتا ہو اور اکثر مخلوق ان معاملات سے خالی نہیں رہ سکتی دوسری قسم جو اعتقادات سے تعلق رکھتی ہے- یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کے اعتقاد میں کچھ شک پیدا ہو جائے تو اگر شک ایسے اعتقاد میں ہے جو واجب ہے- یا جس اعتقاد میں شک آنا درست نہیں ہے تو اس شک کو دل سے نکال باہر کرنا فرض ہے- ان سب باتوں سے معلوم ہوا کہ طلب علم سب مسلمانوں پر فرض ہے- کیونکہ کوئی مسلمان جنس علم سے مستغنی و بے پرواہ نہیں- بلکہ حالات و اوقات کے ساتھ بدلتا رہتا ہے- اور اگر کوئی شخص علم کی ضرورت سے کسی طرح خالی نہیں- اسی وجہ سے رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس پر طلب علم فرض نہ ہو یعنی جس شخص کو جس علم کی ضرورت ہے اس پر اس کا سیکھنا بھی فرض ہے-

☆............☆............☆

فصل: جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر شخص پر وہ علم سیکھنا فرض ہے جس کا معاملہ وہ کرتا ہو- تو معلوم ہوا کہ عوام الناس ہمیشہ اس خطرہ میں ہیں کہ ان کو کوئی کام آپڑے- وہ یہ نہ سمجھیں کہ اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے- اور اسے بے خوف و خطر نادانی سے کر بیٹھیں- اگر اس کام کی اکثر حاجت ہوتی ہے اور وہ کام نادر نہیں ہے تو ان کی نادانی کا عذر کچھ عذر نہیں- مثلاً حالت حیض میں یا حالت حیض میں غسل سے پہلے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرے اور کہے کہ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ منع ہے تو اس کا یہ عذر کچھ عذر نہیں یا کوئی عورت صبح سے پہلے پاک ہو اور مغرب اور عشاء کی نماز قضا نہ کرے کہ یہ مسئلہ اسے نہیں معلوم یا کوئی مرد اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے اور اسے یہ فیصلہ نامعلوم ہو کہ ایسی حالت میں طلاق دینا حرام ہے- تو اس کی لاعلمی کا عذر قبول نہ ہو گا- قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا ہم نے تجھ سے کہہ دیا تھا کہ طلب علم فرض ہے- تو اس سے کیوں باز رہا کہ مبتلائے حرام ہوا- ہاں جو کام ناروا ہے اور اس کے کرنے کی توقع نہ ہو اور لاعلمی سے خلاف شرع ہو جائے تو آدمی معذور ہے-

فصل: جب یہ معلوم ہوا کہ عوام اس خطرہ سے کبھی خالی نہیں- تو معلوم ہوا کہ آدمی کے لیے علم سے بہتر اور بزرگ تر کوئی شغل نہیں- آدمی کام جو کرتا ہے دنیا کے واسطے کرتا ہے- تو علم بھی بہت لوگوں کے لیے اور پیشوں سے بہتر ہے-

کیوں کہ علم سیکھنے والا چار حالتوں سے خالی نہیں یا خیرات پانے کی وجہ سے خواہ اور کسی وجہ سے دنیا کی طرف سے مطمئن ہے۔ اور کافی مال اس کے پاس ہے۔ تو علم اس کے مال کی حفاظت کا ذریعہ ہو گا اور دنیا میں اس لیے یہ باعث عزت اور عقبیٰ میں اس کے لیے موجب سعادت ہو گا۔ اس کے پاس کافی اور وافی مال نہ ہو۔ مگر اس میں قناعت کی صفت ہو کہ جو کچھ ہو اسی پر اکتفا کرتا ہے۔ اور مسلمان ہوتے ہوئے درویشی کا مرتبہ بھی جانتا ہے کہ درویش امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے۔ ایسے شخص کے حق میں بھی علم آسائش دنیا اور سعادت عقبیٰ کا سبب ہوتا ہے یا جانتا ہے کہ اگر میں علم سیکھوں گا تو بیت المال سے یا مسلمانوں بھائیوں کے ہاتھ سے حق حلال مجھے اس قدر ملے گا کہ میرے لیے کافی ہو گا۔ اور مالِ حرام نہ ڈھونڈنا پڑے گا اور بادشاہ ظالم سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ تو ان تینوں قسموں کے طالبِ علم کے لیے علم طلب کرنا دین و دنیا میں سب کاموں سے بہتر ہے۔ چوتھا وہ شخص ہے۔ جو معاش نہ رکھتا اور طلبِ علم سے اس کا مقصود دنیا حاصل کرنا ہو۔ اور زمانہ ایسا ہو کہ بادشاہی روزینہ کے سوا جو حرام اور ظلم سے ہو یا لوگوں سے لینے کے سوا جو ریا اور ذلت کے ساتھ ہو۔ تلاش معاش کی اور صورتیں مفقود ہوں تو ایسے شخص کو اور جس کسی کو طلب علم سے جاہ و مال مقصود ہو اور علم سے جاہ مال پیدا کرے گا تو اس سے بہتر یہ ہے کہ جو علم فرض نہیں ہیں۔ ان سے جب فارغ ہو تو کسب و ہنر اور دستکاری وغیرہ سیکھے۔ ورنہ ایسا آدمی اور آدمیوں کے لیے شیطان بن جائے گا۔ اس کے ذریعے سے لوگ بہت تباہ اور سخت گمراہ ہوں گے۔ جو جاہل اسے حرام کا مال لیتے حیلے اور تاویلیں کرتے دیکھے گا۔ وہ دنیا حاصل کرنے میں اس کی اقتداء کرے گا اور بھائی کی نسبت ضلالت لوگوں میں زیادہ پھیل جائے گی۔ ایسا عالم جتنا کمتر ہو۔ بہتر ہے (خس کم جہاں پاک) تو آدمی کے لیے یہی بہتر و مناسب ہے کہ دنیا کو دنیا کے کاموں سے ہی طلب کرے اور خدا کا نام خدا ہی کے لیے ہے۔ دین کے کاموں میں دنیا تلاش نہ کرے۔ گوہر آب دار میں نجاست نہ بھرے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ دنیا کی طرف سے ہمیں علم خود بخود پھیرے گا۔ جیسا کہ سلف صالحین نے کہا:

تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَاَبَى الْعِلْمُ اَنْ يَكُوْنَ اِلَّا اللّٰهِ یعنی ہم نے علم نہ پڑھا مگر علم ہمیں خود خدا کی طرف لے گیا۔

اس کا جواب یہ ہے وہ کتاب و سنت اور راہ آخرت اور حقائق شریعت کا علم تھا۔ تو وہ ان لوگوں کو خدا کی طرف لے گیا۔ غور کرنا چاہیے کہ ان لوگوں کے دلوں میں رجوع خدا تھا۔ وہ دنیا کے لالچ کو برا جانتے تھے۔ بزرگوں کو دیکھتے تھے کہ دنیا سے بھاگتے ہیں۔ ان لوگوں کی آرزو تھی کہ ایسے بزرگوں کی اطاعت اور اقتداء کریں۔ جب علم وہ تھا اور زمانہ ایسا تھا۔ تو لوگ اس بات کی توقع کر سکتے تھے کہ خود علم کی صفت پر ہو جائیں گے۔ علم ان کا تابع نہ ہو جائے گا۔ اور جو علوم اس زمانے میں پڑھے جاتے ہیں۔ جیسے اپنے مذہب کے خلاف جو علوم میں جیسے فلسفیات وغیرہ اور علم کلام اور قصہ کہانی اور واہی تباہی باتیں اور معلم اس زمانے کے معلم بھی ایسے کہ علم کو زاغ دنیا کو پھند ابناتے ہیں۔ یعنی علم سے حصول دنیا کے سوا کبھی دین کا خیال بھی ان کو نہیں آتا ان کی صحبت اور ان سے علم سیکھنا آدمی کو دنیا کی طرف سے ہرگز نہیں پھیر سکتا ہے۔

وَلَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَةِ

اگلے لوگوں کا حال سنا ہوا ہے اور اس زمانہ کے علم اور عالموں کا حال دیکھا ہوا ہے۔ اور مصرع۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اور یہ برابر نہیں ہو سکتا۔ مصرع:

چہ نسبت خاک رابا عالم پاک

اے عزیز تو دیکھ کہ اس زمانے کے علماء دنیا کے عالم ہیں یا دین کے اور لوگوں کو ان کا حال دیکھ کر فائدہ ہوتا ہے یا نقصان یعنی یہ لوگ ہرگز دین کے عالم نہیں ہیں۔ ان کے حالات دیکھ کر دین کے اعتبار سے خلق کا نقصان ہی ہوتا ہے۔ ہاں اگر عالم متقی اور پرہیزگار ہو اور علمائے سلف کا متبع اور فرمانبردار ہو اور ایسے علوم پڑھاتا ہو جس میں دنیا کے غرور اور فریب سے ڈرنے کا بیان ہو تو ایسے عالم سے پڑھنا کیسا اس کی صحبت باعث منفعت ہے۔ بلکہ اس کی زیارت بھی موجب سعادت آدمی اگر وہ علم سیکھے جو مفید ہوتا ہے۔ تو سبحان اللہ یہ سب کاموں سے بہتر ہے اور مفید وہ علوم ہیں۔ جن سے دنیا کی حقارت اور عقبیٰ کی عظمت کے حالات معلوم ہوں اور جن سے آدمی آخرت کے منکروں اور دنیاداروں کی نادانی اور حماقت کو جانتا ہے اور کبر' ریا' حسد' عجب' حرص' حسب' دنیا کی آفت اور ان کا علاج پہچانتا ہے۔ یہ علم دنیا کے لالچی کے حق میں بھی ایسا ہے جیسے پیاسے کے حق میں پانی اور بیمار کے حق میں دوا۔ لالچی جب فقہ اور خلافِ مذہب علوم منطق حکمت وغیرہ اور علم کلام و علم ادب یعنی جن علوم سے دنیا کی حقارت دل میں نہیں آتی پڑھے گا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار ایسی دوا کھائے جس سے بیماری اور بڑھ جائے۔ اس لیے کہ یہ علوم اکثر طور پر فخر' عداوت' خود آرائی' تکبر' تلاش جاہ و دولت کا تخم دل میں بولتے ہیں۔ اور جتنا زیادہ پڑھے گا اتنا ہی یہ ناپسندیدہ اوصاف میں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ اگر آدمی ایسے لوگوں سے صحبت رکھے جو فقیہ ہونے کا دعویٰ کرتے اور خلاف مذہب علوم میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر کبھی اس سے توبہ کرنا چاہے بھی تو اسے توبہ دشوار ہوتی ہے۔

تیسری اصل طہارت کے بیان میں

خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک اور ستھرا رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا:

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَان یعنی پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

تو اے عزیز یہ گمان نہ کرنا کہ یہ سب تعریف و فضیلت بدن اور کپڑے کی نفاست اور پاکیزگی کی ہے بلکہ نظامت

کے چار درجے ہیں- پہلا درجہ دل کو ماسوائے اللہ سے پاک کرنا جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

قُلَ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرُھُمْ کہہ اللہ ہی ہے پھر انہیں چھوڑ دے-

اور اس سے مقصود ہے کہ ماسوائے اللہ سے جب دل خالی ہوگا- تو اللہ کے ساتھ مشغول و مستغرق ہوگا- اور یہی کلمہ طیبہ:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ- کی تحقیق ہے- صدیقوں کا درجہ کمال ایمان و تصدیق ہے- اور ماسویٰ اللہ سے پاک ہونا نصف ایمان ہے- یعنی ایمان قالب ہے- اور اے جانِ عزیز جب تک تو ماسوائے اللہ سے پاک دل نہ ہوگا- یاد حق سے آراستہ ہونے کے قابل نہ ہوگا-

دوسرا درجہ حسد، تکبر ریا، حرص، عداوت، وغیرہ اخلاق ناپسندیدہ سے ظاہر دل کو پاک و صاف کرنا ہے تاکہ تواضع، قناعت، توبہ، صبر، خوف ورجاہ اور محبت وغیرہ- اخلاق پاک و پسندیدہ کے ذریعے دل کو پاک کرنا نصف ایمان ہے-

تیسرا درجہ غیبت جھوٹ اور حرام کھانا، خیانت کرنا، نامحرم عورت کو دیکھنا اور گناہوں سے جوارح یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ ظاہری اعضاء کو پاک رکھنا تاکہ تمام کاموں میں اور فرمانبرداری سے آراستہ ہو جائیں یہ زاہدوں کے ایمان کا درجہ ہے اور جوارح کو سب حرام چیزوں سے پاک رکھنا نصف ایمان ہے-

چوتھا درجہ کپڑے اور بدن کو نجاست سے پاک رکھنا ہے تاکہ رکوع سجود وغیرہ ارکان نماز سے آراستہ ہوں یہ مسلمانوں کی طہارت کا درجہ ہے- اس لیے کہ مسلمان میں اور کافر میں عملی طور پر نماز سے فرق ہوتا ہے اور یہ طہارت بھی نصف ایمان ہے- معلوم ہوا کہ ایمان کے چاروں درجوں میں طہارت و پاکیزگی نصف ایمان ہے اور چونکہ پاکیزگی نصف اوّل ہے- اس وجہ سے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ:

بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَۃِ یعنی دین کی بنا پاکیزگی پر ہے-

بدن اور کپڑے کی طہارت اور پاکیزگی جس کی طرف لوگ متوجہ ہیں اور جس میں سب کوشش اور محنت کرتے ہیں اخیر درجہ کی پاکیزگی ہے- اس کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اور تمام طہارتوں سے یہ آسان ہے- اور نفس بھی اس سے خوش ہوتا اور آرام پاتا ہے- اور لوگ بھی اس ظاہری پاکیزگی کو دیکھتے ہیں- اور اسی سے آدمی کو زاہد جانتے ہیں- اس وجہ سے لوگوں کے لیے یہ آسان ہے- لیکن حسد، کبر یا دوستی دنیا سے دل کی پاکی اور گناہوں سے بدن کی پاکی اس میں نفس کا کچھ حصہ نہیں- یعنی نفس کو کچھ مزہ نہیں آتا- اور خلق کی نظر اس پر نہیں پڑتی- اس لیے کہ یہ باتیں خدا کے دیکھنے کی ہیں- خلق کے دیکھنے کی نہیں- اسی وجہ سے ان کی طرف کوئی رغبت نہیں کرتا-

فصل: ظاہری طہارت اگرچہ اخیر درجہ کی طہارت ہے- مگر پھر بھی اس کی بڑی فضیلت اور شان ہے- بشرطیکہ آدابِ طہارت بجالائے وسوسہ اور اسراف کو دخل نہ دے- اگر دخل دیا تو وہ طہارت مکروہ ہو جائے گی- بلکہ طہارت کرنے والا گنہگار ہو جائے گا- اور یہ زیادہ احتیاط جو صوفیوں کی عادت ہے- یعنی پاتابے چڑھانا- چادر سر سے اوڑھنا جو پانی یقیناً پاک ہو

اسے اور لوٹے کو دھیان رکھنا کہ کوئی اس میں ہاتھ نہ ڈالے تو یہ سب باتیں اچھی ہیں - جو فقیہ لوگ ان باتوں کا لحاظ نہیں رکھتے - انہیں صوفیاء پر اعتراض نہ کرنا چاہیے - مگر کسی شرط سے اور صوفیاء کو بھی نہ چاہیے کہ فقہاء اور دوسرے لوگوں پر جو اتنی احتیاط نہیں کرتے اعتراض کریں کہ یہ احتیاط صرف بہتر ہے - وہ بھی چھ شرطوں کے ساتھ پہلی شرط یہ ہے کہ اس احتیاط میں وقت گزارنے کے سبب اور کسی بہتر کام سے محروم نہ رہے اس لیے کہ اگر کسی کو طلب علم میں مشغول ہونے کی استطاعت ہے یا ایسے غور و فکر میں مصروف ہونے کی قدرت ہے - جو کشف میں زیادتی کا باعث ہو - یا ایسے کسب کی طرف متوجہ ہونے کی طاقت ہے - جو اپنی ذات یا اہل و عیال کی پرورش کے لیے کفایت کریں جس کی بدولت لوگوں سے سوال کی نہ حاجت پڑے - لوگوں کی دست نگری سے بچے اگر احتیاط طہارت میں وقت صرف کرنا ان باتوں سے اسے محروم رکھتا ہو تو اسے ایسی احتیاط کرنا چاہیے کیونکہ یہ امور احتیاط طہارت سے زیادہ ضروری ہیں - اسی وجہ سے صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایسی احتیاطوں کی طرف مصروف نہیں ہوئے - کیوں کہ وہ لوگ جہاد کسب معاش طلب علم اور دوسرے ضروری کاموں میں مشغول تھے - اسی بناء پر ننگے پاؤں چلتے تھے زمین پر نماز پڑھتے تھے - خاک پر بیٹھتے تھے - کھانا کھا کر تلووں میں ہاتھ ملتے تھے - گھوڑے اونٹ وغیرہ کے پسینے سے پرہیز نہ کرتے تھے - دل کی پاکی میں بہت کوشش کرتے تھے - بدن کی صفائی کا بہت زیادہ اہتمام نہ کرتے - اگر کوئی اس کیفیت کا آدمی ہو - تو صوفیاء کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں اور جو شخص سستی اور کاہلی سے یہ احتیاط نہ کرے اسے اہل احتیاط پر اعتراض کرنا لائق نہیں کہ احتیاط نہ کرنے سے احتیاط کرنا بہتر ہے -

دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو ریا اور رعونت سے بچائے رکھے کیوں کہ جو ایسی احتیاط کرتا ہے وہ ہمہ تن زبان بن کر پکارتا پھرتا ہے کہ میں زاہد ہوں - اپنے آپ کو ایسا پاک رکھتا ہوں اور اسے اس بات میں عزت اور شرف حاصل ہوتا ہے - اگر زمین پر پاؤں رکھتا ہوں - یا اور کسی کے لوٹے سے طہارت کرتا ہے تو ڈرتا ہے کہ لوگوں کی نگاہوں سے گر جاؤں گا - اسے چاہیے کہ اپنے آپ کو آزمائے لوگوں کے سامنے زمین پر پاؤں رکھے - چیزوں میں احتیاط کرے - اپنے باطن میں احتیاط کرے - اگر اس کا نفس اس بارے میں کچھ نزاع کرے تو سمجھ لے کہ ریا کا مرض اس میں گھس آیا ہے - اس وقت اس پر واجب ہو جاتا ہے ننگے پاؤں پھرے اور زمین پر نماز پڑھے اور احتیاط سے ہاتھ اٹھائے - کیوں کہ ریا حرام ہے اور احتیاط سنت ہے - جب ریا سے احتیاط ترک کیے بغیر بچ نہیں سکتا تو اسے احتیاط چھوڑ دینا ضروری ہے -

تیسری شرط یہ ہے کہ احتیاط کو اپنے اوپر فرض نہ کرے - ترک احتیاط میں جو مباح ہے - کبھی کبھی اسے بھی اختیار کرے - چنانچہ رسول مقبول ﷺ نے ایک مشرک کے برتن سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عورت کے برتن سے طہارت کی اور ان حضرات نے اکثر اوقات خاک پر نماز پڑھی اور جو شخص سونے کے لیے زمین پر کچھ نہ بچھاتا تھا - اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے - تو جو کوئی ان حضرات کی خصلت سے پرہیز عادت و روش کو چھوڑ دے گا - اس کا نفس ان حضرات کی اطاعت قبول نہ کرے گا - تو یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نفس نے اس احتیاط میں عزت اور لذت

پائی ہے-اب اسے احتیاط سے ہاتھ کھینچنا مشکل ہو چکا ہے-

چوتھی شرط یہ ہے جس احتیاط سے مسلمانوں کے دل کو تکلیف پہنچے اسے چھوڑ دے- کیوں کہ مسلمانوں کے دل کو تکلیف دینا حرام ہے- اور ترک احتیاط سے حرام نہیں جیسے کہ کوئی غلام راہ میں ہاتھ پکڑنے کا ارادہ کرے یا معانقہ کرنا چاہے اور حالت یہ ہو کہ اس کے بدن سے پسینہ بہہ رہا ہو اور دوسرا شخص اپنا بدن سمیٹے اور بچائے تو یہ حرام ہے بلکہ خلق سے پیش آنا اور مسلمانوں سے میل جول رکھنا ہزار احتیاط سے بہتر ہے اور مبارک اور افضل ہے- اس طرح اگر کوئی کسی کی جانماز پر پاؤں رکھنا چاہے یا کسی کے لوٹے سے طہارت کرنا یا برتن میں پانی پینا چاہے تو اسے منع کرنا اور اپنی کراہت ظاہر نہ کرنا چاہیے- کیوں کہ ایک بار جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے آبِ زمزم طلب فرمایا- حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ لوگوں نے اس میں بہت ہاتھ ڈالے ہیں- گھنگھولا ہے- ٹھہریے میں خاص ڈول آپ کے لیے منگا کر پانی نکال دیتا ہوں آپ نے فرمایا کہ نہیں میں مسلمانوں کے ہاتھ کی برکت کو پسند کرتا ہوں- اکثر جاہل قاری ان باتوں کو نہیں پہچانتے اور جو شخص احتیاط نہ کرے- اس سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور اسے رنجیدہ کرتے ہیں- اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے والدین اور دوست جب ان کا لوٹا یا کپڑا لینے کو ہاتھ بڑھاتے ہیں تو وہ ترش کلامی پر آتے ہیں اور یہ ناجائز ہے- اور جو احتیاط کہ واجب نہیں اس کے سبب سے یہ امور کیسے درست ہو جائیں گے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ ایسی احتیاط کرتے ہیں ان کے دماغ میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے- لوگوں پر یہ احسان جتاتے ہیں کہ ہم ایسی احتیاط عمل میں لاتے ہیں- اور اپنے آپ کو لوگوں سے بچا کر انہیں دکھ دینا غنیمت جانتے ہیں- اور اپنی پاکیزگی کی تفصیلات لوگوں سے بیان کر کے فخر کرتے ہیں- اور انہیں بدنام کرتے ہیں- صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جس آسان طریقہ پر چلتے تھے- اسے اختیار نہیں کرتے- جو شخص فقط پتھر سے استنجا کرے تو اس فعل کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں- اور یہ سب برے اخلاق ہیں- اور جس شخص سے بھی وقوع میں آئیں اس کی نجاست باطنی پر دلالت کرتے ہیں- دل کو ایسی خبیث عادتوں سے پاک رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب امور باعث ہلاکت ہیں- اور ان احتیاط کی باتوں کو ترک کرنا ہلاکت کا موجب نہیں ہے-

پانچویں شرط یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیز اور بات کرنے میں اس احتیاط کو نگاہ رکھے کہ یہ بہت ہی ضروری ہے- اور جب ضروری امر سے ہاتھ روکا یعنی اسے نہ کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اور باتوں میں یہ احتیاط فقط رعونت کے تحت ہے- یا محض عادت ہے- جیسے کوئی شخص کھانا تو تھوڑی سی بھوک لگنے کے ساتھ کھاتا ہے- اس میں تو کچھ بھی احتیاط نہیں کرتا پھر احتیاط سوجھتی ہے- جب تک ہاتھ منہ نہیں دھوتا نماز نہیں پڑھتا- اتنا نہیں جانتا کہ جو چیز نجس ہو اس کو کھانا حرام ہیں اگر نجس ہے تو بلا ضرورت کیوں کھاتا ہے- اگر پاک ہے تو ہاتھ کیوں دھوتا ہے- پھر جب منہ دھویا تو جس کپڑے پر عوام الناس بیٹھتے ہیں اس پر نماز نہیں پڑھتا یہ معلوم نہیں کہ عوام الناس کے گھر کا پکا ہوا کھانا کیوں چکھ لیتا ہے- اس میں احتیاط کیوں نہیں کرتا- حالانکہ لقمہ کی پاکی میں احتیاط بہت ہی ضروری ہے اور ایسے لوگ اکثر بازاری لوگوں کے گھر کا پکا

کھانا نوش کر جاتے ہیں۔ اور ان کے کپڑوں پر نماز نہیں پڑھتے۔ یہ باتیں احتیاط میں سچے ہونے کی دلیل ہیں۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ اپنی احتیاط منہیات اور منکرات کے ساتھ نہ کرے۔ مثلاً تین بار سے زیادہ طہارت نہ کرے کہ چوتھی بار بلا ضرورت منع ہے یا طہارت میں دیر لگائے کہ کوئی مسلمان اس کا منتظر ہے اور یہ ملنا نہ چاہے۔ یا فضول پانی بہائے یا اول وقت سے تاخیر کر کے نماز پڑھے یا امام ہو کر جماعت کو انتظار میں رکھے یا کسی سے کام کا وعدہ کیا ہو اور اسے دیر ہوتی ہو یا اس سبب سے اس مسلمان کے کسب و کمائی کا وقت ضائع ہوتا ہو یا اس کے عیال و اطفال تباہ ہوتے ہوں ایسے کام اس احتیاط کی وجہ سے جو فرض نہیں ہیں درست نہیں ہیں یا مسجد میں اپنا مصلیٰ اس لیے بہت پھیلا کر کہ اور کسی اور کا کپڑا اسے نہ چھو جائے۔ اس میں تین چیزیں ممنوع ہیں ایک یہ کہ مسجد کا ایک ٹکڑا اور مسلمانوں سے غصب کیا اور چھین لیا۔ حالانکہ اس کا حق سجدہ کرنے کی جگہ سے زیادہ نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ ایسی صفت جس میں بہت لمبا چوڑا مصلیٰ بچھا ہو۔ مل ہوئی نہیں ہو سکتی اور سنت یہ ہے کہ کاندھے سے کاندھا ملا رہے۔ تیسری یہ کہ مسلمان سے ایسا پرہیز کرتا ہے۔ جیسا کتے اور ناپاک چیزوں سے اور یہ نہ چاہیے اور ایسے منکرات بہت ہیں جاہل قاری احتیاط کے سبب سے ان کے مرتکب ہیں اور انہیں ممنوع اور برا نہیں جانتے۔

فصل: اے عزیز جب تو نے یہ جان لیا کہ ظاہری طہارت باطنی طہارت سے الگ ہے۔ اور باطن کی تین طہارتیں ہیں۔

ایک گناہوں سے اعضائے ظاہری کی طہارت دوسری اخلاق بد سے ظاہر دل کی طہارت تیسری ماسویٰ اللہ سے باطن دل کی طہارت۔ تو اب جان کہ ظاہری طہارت کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک نجاست سے طہارت دوسری حدث و خباثت اور تیسری بدن میں فضول چیزیں جو بڑھتی ہیں ان سے طہارت، مثلاً ناخن بال میل وغیرہ۔

پہلی قسم: ۔ یعنی نجاست سے طہارت اے عزیز تو جان کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے جمادات کی قسم سے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں وہ سب پاک ہیں۔ مگر شراب تھوڑی ہو یا بہت سب ناپاک ہے۔ اور جتنے جانور ہیں سب پاک ہیں۔ مگر کتا اور سور اور جو جانور مر جائے ناپاک ہے۔ مگر آدمی اور مچھلی اور ٹڈی دل اور جن جانوروں کے بدن میں بہتا ہوا لہو نہ ہو جیسے مکھی، بچھو اور کیڑے جو اناج میں پیدا ہوتے ہیں اور جو چیز جانوروں کے اندر مستحیل اور متغیر نہ ہوئی ہو پاک ہے جیسے پسینہ اور آنسو اور جو چیز ناپاک ہے اس کے ساتھ نماز درست نہیں مگر پانچ قسم کی نجاست دشواری کے سبب معاف ہے۔ ایک تین پتھر یا ڈھیلے لینے کے بعد براز کا جو اثر باقی رہ جائے بشرطیکہ اپنے مقام سے پھیلا ہوا نہ ہو۔ دوسری سڑک کیچڑ گو اس میں یقینی نجاست دکھائی دے۔ لیکن سڑک کی کیچڑ اسی قدر معاف ہے جس سے آدمی اپنے آپ کو بچا نہ سکے۔ یہ نہیں کہ آدمی کیچڑ میں گر پڑے۔ یا ہاتھی گھوڑا وغیرہ کیچڑ سے کپڑوں کو خراب کر دے۔ کہ یہ امور نادر ہیں اور اتنی کیچڑ معاف نہیں ہے۔

تیسری وہ جو موزہ میں بھر جائے مگر اسی قدر جس سے بچنا ممکن نہ ہو۔ اگر موزہ کو زمین پر رگڑ ڈالا اور اسے پہنے ہوئے نماز پڑھی تو معاف ہے۔ چوتھے پسو کا لہو جو کپڑے پر لگا ہو معاف ہے۔ گو پسینہ بھی آیا ہو۔ پانچویں سرخی مائل جو چھوٹے

چھوٹے دانوں سے نکلے معاف ہیں اس لیے کہ آدمی کا بدن اس سے خالی نہیں ہوتا-اسی طرح جو صاف رطوبت خارش دانوں سے نکلے وہ بھی معاف ہے- لیکن جو بڑا دانہ ہے اور اس سے پیپ نکلے-اس کا پھوڑے کا حکم ہے اور وہ کم ہوتا ہے- اس کا دھونا واجب ہے-اگر دھونے کے بعد اس کا کچھ اثر باقی رہ جائے تو امید ہے کہ معاف ہو جائے-اگر کسی نے فصد کھلوائی ہو-یا کسی کے زخم لگا ہو- تو اس کے خون کو دھونا چاہیے-اگر کچھ رہ جائے اور دھونے میں خطرہ ہو یا کسی قضا کرنا چاہیے کہ ایسا عذر نادر اور کم ہوتا ہے-

فصل : جو جگہ نجس ہو اور ایک بار اس پر پانی بہہ جائے تو پاک ہو جاتی ہے- لیکن اگر عین نجاست ہو تو اس کو دھونا چاہیے- تاکہ عین اور جرم نجاست زائل ہو جائے- اور اگر دھویا اور ملا اور کئی بار اسے ناخن سے کھر چا باین ہمہ اس کی رنگت اور بو باقی رہے تو پاک ہے اور جو پانی خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے- خود پاک ہے اور دوسری چیز کا پاک کرنے والا ہے مگر چار طرح کا پانی ایک وہ پانی جس سے ایک بار حدث دور کیا ہو- یہ خود پاک ہے اور دوسرے کو نہیں پاک کرتا-دوسرا وہ پانی جس سے نجاست دور کی ہو-وہ نہ خود پاک ہے اور نہ اور کا پاک کرنے والا ہے- لیکن اس کا رنگ اور مزہ اور نہ اگر نجاست کی وجہ سے نہ بدلا ہو تو پاک ہے- تیسرا وہ پانی جو اڑھائی سو من سے کم ہو اور اس میں نجاست پڑ جائے اگرچہ متغیر نہ ہوا ہو تو بھی نجس ہے- اور اگر اڑھائی سو من ہے یا زیادہ ہے تو نجاست پڑنے سے جب تک متغیر نہ ہو جائے' ناپاک نہیں ہوتا- چوتھا وہ پانی جس کا رنگ اور بو اور مزہ ایسی پاک چیز کے سبب سے بدل جائے- جس سے اس پانی کو بچا سکتے ہوں- جیسے زعفران' صابون' اشنان آٹا وغیرہ یہ پانی پاک ہے- پاک کرنے والا نہیں ہے- لیکن اس میں اگر معمولی تغیر ہوا ہو تو پاک کرنے والا بھی ہے-

دوسری قسم :- طہارت حدث اس میں پانچ چیزیں جاننا چاہیے- پاخانہ پھرنے پیشاب کرنے کے آداب استنجا کرنے کے آداب' وضو کے آداب غسل کے آداب' تیمم کے آداب-

فصل :پاخانہ جانے کے آداب کے بیان میں :اگر آدمی صحرا میں ہو تو چاہیے کہ لوگوں کی نگاہ سے دور ہو جائے اور ممکن ہو تو دیوار کی آڑ میں ہو جائے اور بیٹھنے سے پہلے شرمگاہ نہ کھولے اور آفتاب و ماہتاب کی طرف منہ نہ کرے اور قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرے- لیکن اگر بیت الخلاء میں ہو تو درست ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ قبلہ داہنے یا بائیں طرف رہے- جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں- وہاں نہ پاخانہ پھرے نہ پیشاب کرے- پانی میں کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے میوہ دار درخت کے نیچے اور کسی بل میں نہ پاخانہ پھرے نہ پیشاب کرے- سخت زمین پر اور ہوا کے رخ پیشاب نہ کرے- تاکہ اس پر چھینٹیں نہ پڑیں- اور بے عذر کھڑے کھڑے پیشاب نہ کرے- جہاں لوگ وضو یا غسل کرتے ہوں- وہاں پیشاب نہ کرے- اور بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھے- جب پاخانہ جانے لگے تو بایاں پاؤں پہلے رکھے- جب باہر آنے لگے تو داہنا پاؤں پہلے رکھے- اور جس چیز میں

خدا کا نام ہو-اسے اپنے ساتھ نہ لے جائے اور پاخانہ پیشاب کو ننگے سر نہ جائے پاخانہ جاتے وقت کہے :

اَعُوْذُ بَاللّٰہِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ الْخُبُثُ الْمُخْبَثِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ — پناہ مانگتا ہوں میں ناپاکی نجاست خباثت شیطان مردود سے-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّیْ مَایُؤْذِیْنِیْ وَابْقٰی فِیْ جَسَدِیْ مَایَنْفَعُنِیْ — سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو لے گیا مجھ سے وہ چیز جو مجھے ایذا دے اور باقی رہنے دی مجھ میں وہ شے جو نفع بخش ہے-

فصل : استنجا کرنے کے بیان میں : چاہیے کہ پتھر کے تین ٹکڑے یا مٹی کے تین ڈھیلے پاخانہ پھر چکنے سے پہلے تیار رکھے جب فارغ ہو تو بائیں ہاتھ میں لے کر پاخانہ کے مقام کے قریب پاک جگہ پر رکھ کر کھسکائے اور نجاست کے مقام پر لا کر پھیرے -اور نجاست پونچھے دوسری جگہ نجاست نہ بھرنے پائے-اسی طرح تین ڈھیلے کام میں لائے-اگر پاک نہ ہو تو دو ڈھیلے اور لے تاکہ طاق رہیں پھر پتھر کا ایک ٹکڑا یا ایک بڑا ڈھیلا داہنے ہاتھ میں لے اور آلہ تناسل بائیں ہاتھ پکڑے اور اس پتھر یا ڈھیلے پر تین بار تین جگہ اس کا سر رکھے یا دیوار پر تین جگہ تین بار رکھے اور بائیں ہاتھ سے ہلائے داہنے ہاتھ سے نہیں-اگر اتنے ہی پر قناعت کرے تو طہارت کے لیے کفایت کرتا ہے-لیکن بہتر یہ ہے کہ ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا کرے-اگر پانی لینا منظور ہو تو اس جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جائے تاکہ اس پر پانی نہ اڑے داہنے ہاتھ سے پانی ڈالے- بائیں ہاتھ سے ہتھیلی تک اس قدر ملے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اب نجاست کا اثر باقی نہیں رہا-جب یہ معلوم ہو جائے تو بہت پانی نہ بہائے اور ملنے میں بہت زور نہ لگائے- کہ پانی اندر پہنچ جائے-اسی طرح وہ قطرہ جھاڑنے میں تین بار ذکر کے نیچے ہاتھ لے جائے-اور تین بار جھٹکے اور تین قدم چلے اور تین مرتبہ کھنکھار لے-اس سے زیادہ اپنے آپ کو تکلیف نہ دے کہ وسواس پیدا ہوگا-اور اگر ایسا کر چکا اور ہر بار معلوم ہوتا ہے کہ استنجا کرنے کے بعد تری ظاہر ہوئی-تو اپنی شرمگاہ پر پانی ڈال لے تاکہ وہ تری پانی کی معلوم ہو کیونکہ رسول مقبول ﷺ نے وسواس دور کرنے کے لیے ایسا ہی فرمایا ہے-جب استنجا کرے اور فارغ ہو جائے تو دیوار یا زمین پر ہاتھ ملے اور پھر دھوئے تاکہ کچھ بو باقی نہ رہے اور استنجا کرنے کے بعد یہ کہے :

اَللّٰھُمَّ لَحِھرُ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَحَصِّنْ فَرْجِیْ مِنَ الْفَوَاحِشِ — اے اللہ پاک کر میرے دل کو نفاق سے اور پاک کر میری شرمگاہ کو بے حیائیوں سے-

فصل : کیفیت وضو کے بیان میں : جب استنجا کر کے فارغ ہو تو مسواک کرے اور داہنی طرف سے شروع کرے پہلے اوپر کے دانتوں میں مسواک کرے پھر نیچے کے دانتوں میں-اس کے بعد بائیں طرف بھی اسی طرح مسواک کرے پھر دانتوں کے اندر کی جانب اسی ترتیب سے- پھر زبان اور تالو میں مسواک رگڑے اور مسواک کرنا ضروری جانے کیونکہ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسواک کے ساتھ ایک نماز پڑھنا بے مسواک کیے ستر نماز پڑھنے سے افضل ہے اور مسواک کے وقت یہ نیت اور خیال کرے کہ خدائے تعالیٰ کے ذکر کا راستہ صاف کرتا ہوں اور جب وضو ٹوٹ جائے تو اسی وقت پھر وضو کرے کہ رسول مقبول ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے اور جب بھی وضو کرے تو مسواک کرنے سے محروم نہ رہے اور اگر وضو نہ کرے اور اس وجہ سے کہ بے کلی کیے سو گیا تھا۔ یا دیر تک منہ بند کئے چپکا بیٹھا رہا یا بدبودار چیز کھائی اور ان وجوہوں سے اس کے منہ کی کیفیت بدل گئی۔ تو مسواک کرنا سنت ہے۔ جب مسواک سے فارغ ہو تو بلندی پر قبلہ رو بیٹھے اور :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ يَحْضُرُوْنِ

تیرے پاس کے نام سے شروع کرتا ہوں اور پناہ مانگتا ہوں شیاطین کے وسوسوں سے اور پناہ لیتا ہوں۔ تیرے پاس تجھ سے اے پروردگار اس سے کہ آئیں میرے پاس۔

کہے اور تین بار دونوں ہاتھ دھوئے اور کہے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْيُمْنَ وَ اَعُوْذُ مِنَ الشُّوْمِ وَالْهَلَکَةِ

اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے برکت اور پناہ مانگتا ہوں شومی و ہلاکت سے۔

اور نماز کے مباح ہونے اور حدث دور کرنے کی نیت کرے اور دھونے تک نیت کا دھیان رکھے پھر تین بار کلی کر کے غرغرہ کرے اور اگر روزہ سے ہو تو غرغرہ نہ کرے اور کہے :

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَتِلَاوَةِ کِتَابِکَ

اے اللہ مدد کر میری اپنے ذکر اور اپنے شکر پر اور اپنی کتاب کی تلاوت پر۔

پھر تین بار ناک میں پانی ڈالے اور چھینکے اور کہے :

اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاض

اے اللہ سونگھا مجھے خوشبو جنت کی اس حالت میں کہ تو مجھ سے راضی ہو۔

پھر تین بار منہ دھوئے اور کہے :

اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِیْ بِنُوْرِکَ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَوْلِيَائِکَ

اے اللہ منور کر تو میرا منہ اپنے نور سے جس دن تو اپنے دوستوں کے منہ منور کرے گا۔

اور جو بال چہرہ پر ہیں ان کی جڑوں تک پانی پہنچائے۔ اگر داڑھی گنجان ہو تو اس پر پانی بہائے اور بالوں میں انگلیوں سے خلال کرے۔ اسی کا نام تخلیل ہے منہ کی طرف کانوں سے گوشتہ پیشانی تک چہرہ کی حد ہے۔ اور آنکھ کے کونے کو انگلی سے پاک کرے تاکہ سرمہ وغیرہ کا اثر نکل جائے۔ پھر داہنا ہاتھ آدھے بازو تک تین بار دھوئے اور جس قدر ہو بازو کے نزدیک تک دھوئے بہتر ہے۔ اور کہے :

اَللّٰھُمَّ اعۡطِنِیۡ کِتَابِیۡ بِیَمِیۡنِیۡ وَحَاسِبۡنِیۡ حِسَابًا یَّسِیۡرًا
اے اللہ عطا کر مجھے میرا عمل نامہ میرے داہنے ہاتھ میں اور آسان کردے مجھ سے حساب-

پھر اسی طرح بایاں ہاتھ دھوئے-اگر ہاتھ میں انگوٹھی ہو تو اسے جنبش دے کہ اس کے نیچے پانی پہنچ جائے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ تُعۡطِیۡنِیۡ کِتَابِیۡ بِشِمَالِیۡ اَوۡمِنۡ وَّرَاءِ ظَھۡرِیۡ
اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے پاس اس کے کہ میرا عمالنامہ میرے پاس میرے ہاتھ میں دے-یا پیٹھ کی طرف سے-

پھر دونوں ہاتھ تر کر کے انگلیاں ملا کر سر پر اگلی طرف رکھے اور گدی تک لے جائے پھر وہاں سے اپنے مقام پر پھیر لائے-تاکہ بالوں کے دونوں رخ تر ہو جائیں-اور یہ ایک بار مسح ہوا-اسی طرح تین بار کرے-اس طرح کہ ہر بار پورے سر کا مسح کرے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ غَشِّنِیۡ بِرَحۡمَتِکَ وَاَنۡزِلۡ عَلَیَّ مِنۡ بَرَکَاتِکَ وَاَظِلَّنِیۡ تَحۡتَ عَرۡشِکَ یَوۡمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّکَ
اے اللہ ڈھانپ لے اپنی رحمت سے اور اتار مجھ پر اپنی برکتیں اور سایہ دے مجھے اپنے عرش کے نیچے جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا-مگر تیرا سایہ-

پھر دونوں کانوں کا مسح کرے اور تین بار کانوں کے سوراخ میں انگلی ڈالے اور انگوٹھے کان کی پشت پر سے اتارے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ مِنَ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ
اے اللہ کر مجھے ان لوگوں میں سے جو سنتے ہیں پھر نیک بات کی پیروی کرتے ہیں-

پھر گردن پر مسح کرے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ فُکَّ رَقَبَتِیۡ مِنَ النَّارِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالۡاَغۡلَالِ
اے اللہ آزاد کر میری گردن آگ سے اور پناہ مانگتا ہوں میں تیرے پاس زنجیروں اور بیڑیوں سے-

پھر داہنا پاؤں آدمی پنڈلی تک تین بار دھوئے اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں سے پاؤں کی انگلیوں میں تلوں کی طرف سے خلال شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر یہ دعا پڑھے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتۡ قَدَمِیۡ عَلَی الصِّرَاطِ یَوۡمَ تَزِلُّ الۡاَقۡدَامُ
اے اللہ جمائے رکھ میرے قدم پلصراط پر جس دن قدم پھسلیں دوزخ میں-

پھر اسی طرح بایاں پاؤں دھوئے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ تَزِلَّ قَدَمِیۡ عَلَی الصِّرَاطِ یَوۡمَ تَزِلُّ اَقۡدَامُ الۡمُنَافِقِیۡنَ
الٰہی! میرے قدموں کو پل صراط پر نہ ڈگمگانا جس دن منافقوں کے قدم ڈگمگائیں-

جب وضو سے فراغت پائے تو کہے :

اَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں- اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں-

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُطَّهِرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ

اے اللہ تو مجھے بہت توبہ کرنے والا اور پاک و ستھرا رہنے والا اور تیرے نیک بندوں میں سے کر دے-

جو شخص عربی نہ سمجھتا ہو اسے چاہیے کہ ان سب دعاؤں کے معنی معلوم کرے تا کہ یہ تو پتہ ہو کہ میں کیا کہتا ہوں- حدیث شریف میں آیا ہے- جو شخص طہارت کے دوران خدا کا ذکر کرتا ہے- اس کے تمام اعضا کے تمام گناہ دھوئے جاتے ہیں اور اگر طہارت میں خدا کا ذکر نہیں کرتا تو فقط اتنا ہی بدن پاک ہوتا ہے- جہاں تک پانی پہنچتا ہے اور اگر پہلا وضو نہ ٹوٹا ہو تو بہتر ہے کہ نماز کے لیے تازہ وضو کرے- کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص طہارت تازہ کرتا ہے- حق تعالیٰ اس کے ایمان کو تازہ کرتا ہے- جب طہارت تمام کرے تو یقین کرے کہ یہ ہاتھ منہ جو پاک کئے ہیں یہ خلق کے دیکھنے کی چیزیں ہیں- خاص خدا کی نگاہ کی جگہ دل ہے- اگر توبہ کے ذریعہ اخلاق ناپسندیدہ سے دل نہ پاک کیا تو اس کی مثال ایسی ہے- جیسے کوئی شخص بادشاہ کو مہمان بنا کر لے آئے- اور گھر کا دروازہ تو صاف کرے- مگر گھر کے صحن کو جو بادشاہ کے بیٹھنے کا مقام ہے- ناپاک رکھے-

فصل: اے عزیز جان کہ وضو میں چھ چیزیں مکروہ ہیں- دنیا کی باتیں کرنا- منہ پر زور سے ہاتھ مارنا- ہاتھ جھٹکنا- دھوپ کے جلے ہوئے پانی سے وضو کرنا- زیادہ پانی بہانا- تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونا لیکن اس نیت سے منہ پونچھنا کہ گرد نہ جمے یا اس نیت سے منہ نہ پونچھنا کہ عبادت کا اثر دیر تک رہے- یہ دونوں باتیں منقول ہیں اور دونوں کی اجازت ہے اور چونکہ نیت یہ ہے- تو دونوں صورتوں میں فضیلت ہے- مٹی کے برتن سے وضو کرنا آفتابہ کی نسبت بہتر ہے- اور خاکساری کے قریب ہے-

فصل: غسل کے بیان میں: اے عزیز جان کہ جو شخص جماع کرے یا جسے نیند میں یا بیداری میں بے جماع کیے انزال ہو جائے- اس پر غسل فرض ہے- غسل میں فرض یہ ہے کہ تمام بدن دھوئے بالوں کی جڑیں تر کرے- رفع جنابت کی نیت کرے اور سنت یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ کہے اور تین بار ہاتھ دھوئے اور بدن پر جہاں نجاست لگی ہو دھو ڈالے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں- اسی طرح سنت کے مطابق وضو کرے اور غسل سے فارغ ہو کر پاؤں دھوئے غسل میں بدن پر تین بار داہنی طرف پانی بہائے- تین بار بائیں طرف اور جہاں جہاں ہاتھ پہنچے بدن ملے اور جگہ جو بند یا چپکی ہوئی ہو وہاں پانی پہنچانے میں کوشش کرے کہ یہ فرض ہے اور شرمگاہ سے ہاتھ بچائے رکھے-

فصل : تیمّم کے بیان میں : جس شخص کو پانی دستیاب نہ ہو یا اس قدر تھوڑا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صرف پی سکتا ہے - یا جہاں سے پانی لایا جاتا ہے - اس راستے میں کوئی درندہ یا ایسا شخص ہے جس سے خوف ہے - یا پانی غیر کی ملک ہے اور وہ فروخت نہیں کرتا یا زیادہ قیمت لیتا ہے - یا ایسا زخم یا بیماری ہے کہ اگر پانی استعمال کرے تو ہلاک ہو جائے گا - یا بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہے - تو ان سب صورتوں میں تیمّم کرے - جب نماز کا وقت آئے تو پاک مٹی ڈھونڈے - دونوں ہاتھ اس پر اس طرح مارے کہ اس سے غبار اڑے اور انگلیاں ملی نہ رکھے - نماز جائز ہونے کی نیت کرے اور سارے منہ پر دونوں ہاتھوں سے مسح کرے اور اتنا تکلف نہ کرے کہ خاک بالوں کے اندر پہنچے - پھر اگر انگوٹھی پہنے ہو - تو اتار کر انگلیاں کھلی رکھ کر دونوں ہاتھ مٹی پر مارے - اور داہنے ہاتھ کی انگلیوں کی پشت بائیں ہاتھ کے روبرو رکھ کر بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو داہنے کی کلائی کی پشت پر کہنی تک پھیرے - پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی داہنی کلائی پر پھیرے - پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی داہنی کلائی پر پھیرے - پھر بائیں ہاتھ کا انگوٹھا داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر پھیرے - اسی طرح داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر پھیرے - پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں باہم ملائے - پھر انگلیاں گھائیوں میں ڈال کر ملے - اگر ایسا کیا تو ایک ہی ضرب کفائت کرے گی - اگر یہ نہ ہو سکے تو ایک سے زیادہ ضرب مارے کہ کہنیوں تک تمام ہاتھ میں مٹی لگے - جب اس تیمّم سے ایک فرض پڑھے گا تو سنتیں جتنی چاہے پڑھے - لیکن اگر دوسرا فرض پڑھا جائے تو از سر نو تیمّم کرے -

تیسری قسم :- فضلات سے بدن کی طہارت : اس کی دو قسمیں ہیں - ایک اس میل سے طہارت جو سر اور داڑھی کے بالوں میں ہوتا ہے - کنگھی، پانی مٹی، گرم پانی سے یہ میل زائل ہو سکتا ہے - رسول مقبول ﷺ سے سفر حضر میں کبھی کنگھی جدا نہ ہوتی تھی - اور اپنے کو میل کچیل سے پاک رکھنا سنت ہے -

دوسرا وہ میل جو آنکھوں کے کوئے میں جمع ہو جاتا ہے - اسے وضو میں انگلی سے پاک کرنا چاہیے - اور کان میں جو میل ہوتا ہے - حمام میں سے نکلنے کے بعد عادت کے موافق اسے بھی نکال ڈالنا چاہیے - اور ناک میں جو ہوتا ہے اسے پانی ڈال کر دور کرے - اور دانتوں کے جبڑوں میں جو زردی جمع ہو جاتی ہے - اسے مسواک اور کلی سے زائل کرے -

اور جو میل انگلیوں کے جوڑوں اور پاؤں پر ایڑی اور ناخنوں میں اور تمام بدن میں ہوتا ہے - ان سب کا دور کرنا بھی سنت ہے - اور جاننا چاہیے کہ جہاں کہیں میل ہو - اور پانی کے کھال تک جانے میں نہ روکے تو طہارت باطل نہیں ہوتی - لیکن جب ناخنوں میں خلافِ عادت بہت میل جمع ہو جائے تو ضرور پانی کو روکے گا - ایسے کو گرم پانی اور حمام میں پاک کرنا سنت ہے -

فصل : اور جو حمام میں جائے اس پر چار کام ضروری ہیں اور دس سنت دو واجب - وہ شخص اپنی شرمگاہ کو لوگوں سے تکلف رکھے - یعنی ناف سے زانوں تک لوگوں کی نگاہ سے بچائے - اور بدن ملنے والوں کو بھی وہاں ہاتھ نہ لگانے دے - کیونکہ ہاتھ لگانا دیکھنے سے زیادہ ہے - اور خود بھی لوگوں کی شرمگاہ نہ دیکھے - اگر کوئی اپنی شرمگاہ ننگی کرے - تو اگر خوف و

اندیشہ نہ ہو تو اسے منع کرے- منع نہ کرے گا تو گنہگار ہو گا- اور اگر کسی نے ان واجبات پر عمل نہ کیا تو حمام سے گنہگار ہو کر نکلے گا- مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حمام میں دیوار کی طرف منہ کئے آنکھوں پر کچھ باندھے بیٹھے تھے اور عورتوں پر بھی یہی واجب ہے- اور بلا ضرورت شدید عورتوں کو حمام میں نہ جانے دے کہ شرع میں منع ہے- اور یہ باتیں سنت ہیں کہ پہلے نیت کرے کہ پانی کی سنت ادا کرتا ہوں- تاکہ نماز کے وقت آراستہ رہوں- اور لوگوں کو دکھانا منظور نہ ہو- اور حمام والے کو اجرت پہلے دے دے تاکہ نہلانے میں اس کا دل خوش رہے- اور وہ بھی جانے کہ یہ اجرت ملی ہے- پھر بایاں پاؤں پہلے اندر لے جائے اور یہ الفاظ کہے :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	شروع کرتا ہوں میں اللہ مہربان رحم والے کے نام سے
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ الْخَبِیْثِ الْمُخْبِثِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ	پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے ناپاکی نجس خبیث کرنے والے شیطان مردود سے-

کیونکہ حمام شیطان کی جگہ ہے اور کوشش کرنا چاہیے کہ حمام خالی ہو جائے- یا ایسے وقت جائے کہ حمام بالکل خالی ہو اور حمام میں جو جگہ گرم ہے- وہاں جلدی نہ جائے تاکہ پسینہ بہت نکلے- اور جب جائے تو اسی وقت طہارت کرے اور بدن دھونے میں جلدی کرے- اور پانی زیادہ نہ بہائے- اس قدر بہائے کہ اگر حمام والا دیکھ لے- تو اسے برا نہ منائے- حمام کے اندر جا کر کسی کو سلام نہ کرے- اگر مصافحہ کرے تو درست ہے- اگر کوئی سلام کرے تو یہ جواب دے کہ عافاک اللہ اور زیادہ باتیں نہ کریں اگر قرآن شریف پڑھے تو آہستہ پڑھے-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ٥	پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے ناپاکی نجس خبیث کرنے والے شیطان مردود سے-

بلند آواز سے کہے گا تو درست ہے- غروب آفتاب کے وقت اور نماز مغرب اور عشاء کے درمیان حمام میں نہ جائے کہ شیاطین کے منتشر ہونے کا وقت ہے- اور جب گرم مکان میں جائے- آتش دوزخ کو یاد کرے اور ایک ساعت سے زیادہ نہ بیٹھے تاکہ سمجھے کہ دوزخ کے قید خانہ میں کس طرح رہے گا- بلکہ عقلمند وہ شخص ہے کہ جو کچھ دیکھے اس سے آخرت کے حالات یاد کرے- اگر اندھیرا دیکھے تو قبر کی سیاہی و تاریکی یاد کرے- اگر سانپ دیکھے تو دوزخ کے سانپ یاد کرے اگر بری صورت دیکھے تو منکر نکیر اور دوزخ کے فرشتے یاد کرے- اگر ڈراؤنی آواز سنے تو نفخہ صور یاد کرے- اگر ذلت و عزت دیکھے تو قیامت کے دن مردود اور مقبول ہونا یاد کرے- یہ باتیں تو شرع کے موافق سنت ہیں- اور طبیبوں نے کہا ہے- کہ ہر مہینے میں چونے کا استعمال مفید ہوتا ہے- اور جب حمام سے باہر نکلنے لگے تو ٹھنڈا پانی پاؤں پر ڈالے تاکہ نقرس کی بیماری سے بے خوف ہے اور درد سر لاحق نہ ہو- اور ٹھنڈا پانی سر پر نہ ڈالے- اور گرمی کے دنوں میں حمام سے نکلے تو سو جائے کیونکہ یہ شربت اور دوا کا کام کرے گا-

فصل : فضلات بدن سے دوسری طرح کی بھی پاکی ہے اور فضلات سات چیزیں ہیں-ایک سر کے بال ان کا منڈوانا بہتر اور پاکیزگی کے نزدیک تر ہے-لیکن ارباب شرف وکمال کو بال رکھنا درست ہے اور تھوڑے بال مونڈنا اور فوجیوں کی طرح بال پراگندہ چھوڑنا مکروہ ہے-اور اس فعل کی ممانعت ہے-دوسرے مونچھوں کے بال لب کے برابر کر دینا سنت ہے اور چھوڑ دینا منع ہے- تیسرے بغل کے بال ہر چالیس دن کے بعد اکھاڑنا سنت ہے نہیں تو مونڈنا بہتر ہے کہ اذیت نہ ہو- چوتھے موئے زیر ناف ان کو استرے یالوزہ (ایک قسم کی مٹی) سے دور کرنا سنت ہے-اور چاہیے کہ چالیس دن سے زیادہ بڑھنے نہ دے-پانچویں ناخن کاٹنا تاکہ اس میں میل نہ جمے-اگر میل اکٹھا ہو گا تو طہارت حاصل نہ ہو گی-کیوں کہ رسول مقبول ﷺ نے ایک گروہ کے ہاتھ میں میل جمع دیکھا- فرمایا ناخن کاٹ ڈالو- مگر نماز قضا کرنے کا حکم نہ دیا-اور حدیث شریف میں آیا ہے-جب ناخن بڑھ جائے تو شیطان کے بیٹھنے کی جگہ بن جاتی ہے-چاہیے کہ اس انگلی سے ناخن کاٹنا شروع کرے جو انگلی بزرگ اور فاضل تر ہو اور پاؤں سے ہاتھ افضل ہے اور بائیں سے داہنا اولیٰ ہے اور انگلی شہادت اور انگلیوں سے متبرک وافضل ہے- تو چاہیے کہ اسی سے ناخن کاٹنا شروع کرے اور اس کے داہنی طرف کاٹتا چلے- حتیٰ کہ پھر اسی انگلی تک پہنچے-اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے ملا کر حلقے کے مانند فرض کرے- تو داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کرے اور چھنگلیا تک کاٹتا چلا جائے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرے اور وسطیٰ تک کاٹتا چلا جائے- پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرے-اور پانچواں ناخن کاٹ کر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کریں چھٹے ناف کاٹنا اور یہ پیدا ہونے کا وقت ہے-ساتویں عورتوں اور مردوں کا ختنہ کرنا-

فصل : داڑھی اگر لمبی ہو تو ایک مشت چھوڑ کر باقی کتر ڈالنا درست ہے- تاکہ حد سے تجاوز نہ کرے- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور تابعین کے ایک گروہ نے ایسا ہی کیا ہے اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ داڑھی چھوڑ دینا چاہیے-اے عزیز داڑھی میں دس چیزیں مکروہ ہیں-ایک تو سیاہ خضاب کرنا کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سیاہ خضاب دوزخیوں اور کافروں کا ہے اور سیاہ خضاب پہلے فرعون نے کیا ہے-ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں لوگ ہوں گے کہ سیاہ خضاب کریں گے-وہ اپنے کو جوانوں کے مشابہ بنائیں گے اور بہترین جوان وہ ہے-جو اپنے کو بڈھوں کے مانند بنائے اور اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ سیاہ خضاب بری غرض سے بناوٹ اور فریب ہے-دوسرے سرخ اور زرد خضاب اگر غازی لوگ سیاہ خضاب کریں تاکہ کافر ان پر دلیر نہ ہو جائیں-اور انہیں ضعیف اور بوڑھا نہ سمجھ بیٹھیں تو سنت ہے اور اسی غرض سے بعض علماء نے سیاہ خضاب بھی کیا ہے-اگر یہ غرض نہ ہو تو ہر قسم کا خضاب فریب ہے اور درست نہیں- تیسرے داڑھی کو گندھک سے سفید کرنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ بوڑھا ہے اور بہت عزت کریں اور یہ سمجھنا حماقت ہے-کیوں کہ عظمت عزت، علم، عقل سے ہوتی ہے-بوڑھاپے اور جوانی سے نہیں

ہوتی- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے جب انتقال فرمایا- تو آپ کے بالوں میں سے بیس بالوں سے زیادہ سفید نہ تھے- چوتھے داڑھی کے سفید بال چننا اور بڑھاپے سے ننگ وعار رکھنا یہ امر ایسا ہے جیسے خدا کے دیئے ہوئے نور سے ننگ وعار رکھنا اور یہ امر نادانی سے ہوتا ہے-

پانچویں ہوس اور خیال خام سے ابتدائے جوانی میں داڑھی کے بال اکھاڑنا اور منڈوانا تاکہ بے ریشوں کی سی صورت معلوم ہو یہ بھی نادانی سے ہوتا ہے- کیوں کہ حق تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جن کی تسبیح یہ ہے :

سُبْحَانَ مَنْ زَيَّنَ الرِّجَالَ بِاللِّحیٰ وَالنِّسَآءَ بِالذَّوَائِبِ یعنی وہ خدا پاک ہے جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو گیسو سے آراستہ فرمایا-

چھٹے کبوتر کی دم کی طرح داڑھی تراشنا تاکہ عورتوں کو اچھا معلوم ہو اور اس کی طرف رغبت کریں- ساتویں سر کے بالوں سے داڑھی میں بڑھانا اور پرہیزگاروں کی عادت کے خلاف زلفوں کو کان کی لو سے نیچے چھوڑ دینا آٹھویں داڑھی کی سیاہی یا سفیدی کو نظر تعجب سے دیکھنا کیونکہ خدا اس شخص کو دوست نہیں رکھتا- جو اپنے آپ کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہے- نویں لوگوں کے دکھانے کی کنگھی کرنا ادائے سنت کی نیست سے نہ کرنا دسویں اپنا زہد جتانے کو داڑھی پراگندہ اور الجھائے رکھنا تاکہ لوگ جانیں کہ وہ داڑھی میں کنگھی کرنے کی طرف مشغول نہیں ہوتا- طہارت کے اس قدر احکام کا بیان کافی ہے-

☆............☆............☆

چوتھی اصل نماز کے بیان میں

اے برادر یہ بات معلوم کر کہ نماز اسلام کا ستون' دین کی بنیاد اور بنا اور تمام عبادتوں کی سردار و پیشوا ہے- جو شخص پانچوں فرض نمازیں مع شرائط وقت پر ادا کرنے کا پابند ہے- اس کے لیے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ خدا کی حفاظت اور امان میں رہے گا- گناہ کبیرہ سے آدمی جب بچا رہا- تو جو گناہِ صغیرہ اس سے سرزد ہوں گے یہ پانچوں نمازیں اس کا کفارہ ہوں گی- رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے- جیسے کسی کے دروازے پر شفاف پانی بہتا ہو- اور وہ پانچ بار دن میں اس کے اندر نہاتا ہو- یہ فرما کر آپ ﷺ نے پوچھا جو شخص پانچ بار روزانہ نہاتا ہے- اس کے بدن میں کچھ میل رہنا ممکن ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ نہیں آپ نے فرمایا- جس طرح پانی میل کو دور کرتا ہے- اسی طرح یہ پانچ نمازیں گناہوں کو دور کرتی ہیں- اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے چھوڑا اس نے اپنے دین[۱] ویران کیا- جناب رسالت پناہ ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کون سا کام سب کاموں سے افضل ہے- آپ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا جنت کی کنجی ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا حق سبحانہ تعالیٰ نے توحید کے بعد اپنے بندوں پر نماز سے زیادہ پیاری کوئی چیز فرض نہیں کی- اگر کسی چیز کو نماز سے زیادہ دوست رکھتا تو فرشتے ہمیشہ نماز ہی میں لگے رہتے- کچھ فرشتے رکوع میں رہتے ہیں- کچھ سجود میں کچھ قیام میں- کچھ قعود میں اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس شخص نے ایک نماز بھی عمداً ترک کی وہ کافر ا ہو گیا- یعنی اس بات کے قریب ہو گیا کہ اس کے اصل ایمان میں خلل آجائے- جیسے لوگ کہتے ہیں کہ جنگل میں جس کسی کا پانی ضائع ہوا وہ ہلاک ہوا- یعنی خطرے میں پڑنے کے قریب ہو گیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے- قیامت کے دن نماز کو دیکھیں گے- اگر شرائط کے ساتھ پوری نکلی تو قبول کریں گے- باقی اعمال اس کے تابع ہوں گے- جیسے کیسے ہوں گے قبول ہو جائیں گے- اور اگر معاذ اللہ نماز ہی ناقص ہے تو باقی اعمال سمیت اس کے منہ پر ماردیں گے اور جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اچھی طرح طہارت کر کے نماز پڑھتا ہے- پورا رکوع و سجود بجالاتا ہے- اور دل سے عاجزی و فروتنی کرتا ہے- اس کی نماز سفید اور روشن شکل میں عرش تک جاتی ہے- اور نمازی سے کہتی ہیں جیسی تو نے میری حفاظت کی ہے اسی طرح خدا تیری حفاظت کرے- اور جو شخص وقت پر نماز نہ پڑھے- اور اچھی طرح طہارت نہ کرے- رکوع و سجود میں کمال عاجزی اختیار نہ کرے تو یہ نماز سیاہ ہو کر آسمان تک جاتی ہے اور نمازی سے کہتی ہے جیسا تو نے مجھے ضائع اور خراب کیا خدا تجھے بھی ضائع اور خراب کرے- جب تک خدا کو منظور ہوتا ہے- تب نماز یہی کہتی رہتی ہے- پھر اس کی نماز کو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر ماردیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب چوروں سے بدتر وہ

۱- یعنی کافروں والا کام کیا- ۱۲

چور ہے جو نماز میں چوری کرے۔

ظاہر نماز کی کیفیت

اے عزیز جان لے کہ نماز کے ظاہری ارکان بدن کی مانند ہیں اور ان کی ایک حقیقت اور سر ہے اسے نماز کی روح کہتے ہیں پہلے ہم نماز کا ظاہری خاکہ بیان کرتے ہیں۔ آدمی جب بدن اور کپڑوں کی طہارت سے فارغ ہو جائے اور ستر عورت کر چکے تو پاک جگہ میں کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف منہ کرے۔ دونوں قدموں میں چار انگل کا فاصلہ رکھیں پیٹھ سیدھی اور برابر کرے۔ سر آگے کی طرف جھکا دے۔ سجدے کی جگہ سے نظر نہ ہٹائے۔ جب سیدھا کھڑا ہو تو شیطان کو اپنے سے دور کرنے کی نیت سے پوری سورت قل اعوذ برب الناس پڑھے۔ پھر اگر اس کے ساتھ کسی مقتدی کا میسر آنا ممکن ہے تو بلند آواز سے آذان کہے ورنہ فقط تکبیر کہہ لے اور نیت کو دل میں حاضر کرے۔ مثلاً دل میں یوں کہے کہ ظہر کی فرض نماز خدا کے لیے ادا کرتا ہوں۔ اور جب نیت کے الفاظ کے معنی دل میں آجائیں تو کان کے برابر تک اس طرح ہاتھ اٹھائے کہ انگلیوں کے سرے کان کے برابر ہوں۔ اور انگوٹھے کا سرا کان کی لو کے برابر اور ہتھیلی شانہ کے برابر ہو جب ہاتھ اس جگہ ٹھہرے تو اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ سینہ کے نیچے باندھے۔ داہنا ہاتھ اوپر رکھے اور کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی بائیں ہاتھ کی کلائی کی پشت پر رکھے۔ اور باقی انگلیوں کو بائیں کلائی کے گرد حلقہ لے کر اور ایسا نہ کرے کہ کانوں سے ہاتھ لا کر سیدھے چھوڑ دے۔ پھر سینہ کی طرف لے جائے۔ بلکہ اتارتے وقت ہی ہاتھ سینہ کی طرف لے جائے یہی صحیح ہے۔ اس درمیان میں ہاتھ نہ جھٹکے اور نہ ادھر ادھر لے جائے۔ اور تکبیر میں اتنا مبالغہ نہ کرے کہ اللہ اکبر کے بعد واؤ پیدا ہو جائے یا اکبر کی (ب) کے بعد الف پیدا ہو' اس طرح پر کہ اکبار نکلے یہ سب کام جاہلوں اور وسوسہ والوں کے ہیں۔ بلکہ جس طرح نماز کے باہر بے تکلف اور بلا مبالغہ یہ کلمہ کہتا ہے۔ نماز میں بھی ایسے ہی کہے اور جب ہاتھ باندھ چکے تو کہے :

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا	اللہ بہت بڑا ہے۔ بڑی تعریف اللہ کے لیے ہے بہت پاک ہے اللہ صبح و شام یعنی ہمیشہ۔

پھر اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ پڑھے اس کے بعد :

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآاِلٰہَ غَیْرُکَ	پاک ہے تو اے اللہ اور تیری حمد و ثنا ہے اور برکت والا ہے تیرا نام اور بڑی ہے بزرگی تیری اور کوئی معبود نہیں تیرے سوا۔
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	میں پناہ لیتا ہوں خدا کے پاس شیطان مردوں سے۔ بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ شروع کرتا ہوں میں اللہ مہربان رحم کرنے والے کے نام سے۔

پھر الحمد شریف کی شدیں مدیں اچھی طرح ادا کرے - اور کسی حرف کے ادا کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرے کہ پریشان ہو جائے اور ض اور ظ میں فرق کرے - اگر فرق نہ ہو سکے تو بھی درست ہے اور جب الحمد شریف تمام کرے تو ذرا ٹھہر کر آمین کہے - بالکل چلا کر نہ کہے - پھر قرآن شریف کی جو سورت چاہے پڑھے - اگر مقتدی نہ ہو تو فجر کی نماز اور مغرب اور عشاء کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے پڑھے - پھر رکوع کی تکبیر اس طرح کہے کہ سورت کے آخر سے بالکل ملی ہوئی نہ ہو - اور اس تکبیر میں بھی اس طرح ہاتھ اٹھائے [1] جیسے تکبیر تحریمہ میں اٹھائے تھے اور رکوع کرے دونوں ہتھیلیاں زانوں پر رکھے اور انگلیاں کھلی ہوئی سیدھی قبلہ رو رکھے اور زانوں کی طرف نہ جھکائے بلکہ سیدھا رکھے اور سر و پیٹھ برابر رکھے کہ اس کی صورت لام سی ہو جائے - اور دونوں بازو دونوں پہلو سے دور رکھے اس کے برعکس عورت اپنا بازو پہلو سے جدا نہ کرے - جب اس طرح رکوع میں ٹھیک ہو جائے تو تین بار :

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ — پاک ہے پروردگار میرا بڑا اور اس کا شکر ہے -

کہے - اگر امام نہ ہو تو سات بار سے دس بار تک کہے تو بہتر ہے - پھر رکوع سے اٹھے اور سیدھا کھڑا ہو جائے اور ہاتھ اٹھائے اور کہے :

سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ — سن لی اللہ نے جس نے اس کی تعریف کی -

اور کھڑا رہ کر :

رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَاشِئْتَ مِنْ شَیْ ٍٔ بَعْدَہٗ — اے پروردگار تیرے لیے تعریف ہے آسمانوں اور زمین برابر اور اس چیز کے برابر ہو چاہے تو اس کے بعد -

کہے اور فجر کی دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھے اور تکبیر کہہ کر اس طرح سجدہ میں جائے کہ جو عضو زمین کے نزدیک ہے پہلے وہ زمین پر رکھے پہلے زانوں پھر ہاتھ پھر ناک اور ماتھا زمین پر رکھے اور زمین پر دونوں ہاتھ کاندھے کے برابر رکھے - انگلیاں کھلی رکھے اور کلائیاں زمین پر نہ رکھے بازو' پہلو' ران اور پیٹ کشادہ رکھے - اور عورت سب اعضاء ملالے پھر :

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَبِحَمْدِہٖ — پاک ہے میرا پروردگار برتر اور اس کا شکر ہے -

تین بار کہے اگر امام نہ ہو تو زیادہ بار کہنا اولیٰ ہے پھر :

اَللّٰہُ اَکْبَرُ — اللہ بہت بڑا ہے -

کہہ کر سجدہ سے اٹھے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دونوں ہاتھ دونوں زانوں پر رکھے اور کہے :

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَاعْفُ عَنِّیْ وَعَافِنِیْ — اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور مجھے روزی دے اور مجھے ہدایت عطا کر اور درگزر کر مجھ سے اور عافیت میں رکھ مجھ کو - ۱۲

پھر دوسرا سجدہ کرے پھر تھوڑا سا بیٹھ کر تکبیر کہے اور پھر کھڑا ہو کر پہلی رکعت کی طرح دوسری رکعت پڑھے

---

[1] رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرنا شافعیوں کے نزدیک ہے حنفیوں کے نزدیک منع ہے - ۱۲

اور الحمد شریف کے پہلے اعوذباللہ کہہ لے-جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو تو بائیں پاؤں پر تشہد کے لیے بیٹھے جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھا تھا-اسی طرح دونوں ہاتھ زانوں پر رکھ لے لیکن داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو بند کرے مگر کلمہ شہادت کی انگلی کو سیدھا چھوڑ دے اور جب کلمہ شہادت پڑھے اور الا اللہ کہے تو اس انگلی سے اشارہ کرے-لا الہ کہتے ہوئے اشارہ نہ کرے-اور انگوٹھے بھی اگر چھوڑے گا تو درست ہے-دوسرے تشہید میں بھی ایسا ہی کرے-لیکن دونوں پاؤں کو نیچے سے داہنی طرف نکال لے اور بایاں چوتڑ زمین پر رکھے-پہلے تشہد میں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہہ کر اٹھ کھڑا ہو اور دوسرے تشہد میں تمام درود اور دعائیں مشہور پڑھ کر:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ — تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں نازل ہوں-

کہے اور داہنی طرف اس طرف منہ پھیرے کہ جو بھی اس کے پیچھے داہنی طرف ہو وہ اس کا نصف چہرہ دیکھ سکے-پھر اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرے اور ان دونوں طرف سلاموں میں نماز سے باہر آنے کی نیت کرے-اور یہ نیت بھی کرے کہ حاضرین و ملائکہ کو بھی سلام کرتا ہوں-

فصل: مندرجہ ذیل کام نماز میں مکروہ ہیں-بھوک' پیاس' غصہ میں اور پائخانہ پیشاب کی حاجت کے وقت اور ہر ایسے مشغلہ کے وقت جو نماز میں خشوع سے باز رکھے-نماز پڑھنا' دونوں پاؤں خوب ہلانا' ایک پاؤں اٹھالینا' سجدے میں پاؤں کے سرے پر بیٹھنا' دونوں چوتڑوں پر بیٹھنا' دونوں زانوں سینہ تک لانا اور ہاتھ کپڑے کے نیچے اور آستین کے اندر رکھنا اور سجدے کے وقت کپڑے کو آگے پیچھے سے سمیٹنا اور کپڑے کے نیچے سے کمر باندھنا ہاتھ چھوڑ دینا-ہر طرف دیکھنا' انگلیاں چٹخانا' بدن کھجلانا' جمائی لینا' داڑھی کے بالوں سے کھیلنا' سجدے کے لیے کنکریاں ہٹانا' سجدے کی جگہ پھونکنا' انگلیاں ملا لینا' پیٹھ ٹیڑھی کرنا' غرضیکہ آنکھ' ہاتھ اور سب اعضاء ادب سے نماز کی صفت پر رہیں تاکہ نماز پوری ہو اور زادِ آخرت ہونے کے لائق ہو-نماز کے ارکان جو بیان کیے گئے اس میں سے چودہ فرض ہیں-نیت کرنا' پہلی تکبیر' قیام' الحمد پڑھنا' رکوع' رکوع میں تعدیل و آرام' قومہ یعنی رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہونا' قومہ میں آرام لینا' سجدہ' سجدہ میں آرام لینا' جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا آخری کا تشہد-رسول مقبول ﷺ پر درود بھیجنا-سلام پھیرنا' جب سلام پھیرنا' تو اتنی باتوں کا لحاظ رکھا تو نماز درست ہو گئی-یعنی نماز پڑھنے والا شمشیر گرفت سے بچ گیا-لیکن قبول ہونے میں خطرہ ہے-اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کی نذر کے لیے ایک لونڈی لے جائے وہ زندہ تو ہو-لیکن اس کے کان ہاتھ پاؤں نہ ہوں تو اس میں شک ہے کہ قبول ہو یا نہ ہو-

نماز کی روح اور حقیقت کا بیان

اے عزیز جان کہ یہ جو کچھ بیان ہوا نماز کی صورت و قالب کا بیان تھا- اس صورت کی ایک حقیقت ہے وہ نماز کی روح ہے- غرضیکہ ہر نماز اور ذکر کے لیے ایک روح خاص ہے- اگر اصل روح نہ ہو تو نماز مردہ انسان کی مانند بے جان بدن ہے اور اگر اصل روح تو ہو- لیکن اعمال و آداب پورے نہ ہوں تو نماز اس آدمی کی طرف ہے جس کی آنکھیں نکل گئی ہوں- ناک کان کٹے ہوں اور اگر نماز کے اعمال تو پورے ہوں لیکن روح اور حقیقت نہ ہو تو وہ نماز ایسی ہے- جیسے کسی شخص کی آنکھ تو ہو لیکن بصارت نہ ہو- کان ہوں سماعت نہ ہو- نماز کی اصل روح یہ ہے کہ اول سے آخر تک خشوع و حضور قلب رہے- اس لیے کہ دل کو حق تعالیٰ کے ساتھ راست و درست رکھنا اور یاد الٰہی کو کمال تعظیم ہیبت سے تازہ رکھنا نماز سے مقصود ہے- جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ نماز پڑھا کر میری یاد کے لیے-

اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے نمازی ایسے ہیں جن کو نماز سے رنج و تھکاوٹ کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا- اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ فقط بدن سے نماز پڑھتے ہیں- دل غافل رہتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے نمازی ایسے ہیں جن کی نماز کا فقط چھٹا حصہ یا دسواں لکھا جاتا ہے یعنی اس قدر نماز لکھی جاتی ہے-- جس میں حضور قلب موجود ہو اور آپ نے فرمایا ہے کہ نماز اس طرح پڑھنا چاہیے جس طرح کوئی کسی کو رخصت کرتا ہے- یعنی نماز میں اپنی خودی اور خواہش بلکہ ماسویٰ اللہ کو دل سے رخصت کر دے اور اپنے کو بالکل نماز میں مصروف کر دے اور یہی وجہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول مقبول ﷺ مصروف گفتگو ہوتے تھے- جب نماز کا وقت آتا تو آپ مجھے نہیں پہچانتے تھے نہ میں آپ کو یعنی نماز کا وقت آتے ہی معبود بر حق کی عظمت و ہیبت ہمارے ظاہر و باطن پر طاری ہو جاتی تھی اور حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو- حق تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں- جناب خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیٰ انبیاء و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب نماز پڑھتے تھے- تو دو میل سے ان کے دل کا جوش سنائی دیتا تھا اور ہمارے حضرت رسول سلطان الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء جب نماز شروع کرتے تو آپ کا دل حق منزل اس طرح جوش کھاتا جس طرح پانی بھری ہوئی تانبے کی دیگ آگ پر جوش کھاتی اور آواز دیتی ہے- شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب نماز کا قصد کرتے تو آپ کے بدن میں کپکپی طاری ہو جاتی رنگ متغیر ہو جاتا اور فرماتے تھے کہ وہ امانت اٹھانے کا وقت آیا- جسے ساتوں زمین و آسمان نہ اٹھا سکے- حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں- جسے نماز میں خشوع حاصل نہ ہو اس کی نماز درست نہیں ہوتی- حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے جو نماز حضور قلب کے ساتھ نہ ادا ہو وہ عذاب کے زیادہ نزدیک ہے- حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز میں قصداً دیکھے کہ اس کے داہنے بائیں کون کھڑا ہے- اس کی

نماز نہ ہو گی- حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی حضرت امام شافی اور اکثر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اگرچہ کہا ہے کہ پہلی تکبیر کے وقت اگر دل حاضر اور فارغ ہو تو نماز درست ہو جاتی ہے لیکن بضرورت یہ فتویٰ دیا ہے کیونکہ لوگوں پر غفلت غالب ہے اور یہ کہا کہ نماز درست ہو جاتی ہے-اس کے یہ معنی ہیں کہ ترک نماز کے جرم سے بچ گیا- لیکن زادِ آخرت وہی نماز ہو سکتی ہے- جس میں دل حاضر ہو- حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھے اور فقط تکبیر اول کے وقت اس کا دل حاضر ہو تو بھی امید ہے کہ بالکل نماز نہ پڑھنے والے کی نسبت اس کا حال قیامت کے دن بہتر ہو گا- لیکن یہ کھٹکا بھی ہے کہ اس کا حال بہتر ہونے کی جائے بدتر ہو کیونکہ جو شخص سستی کے ساتھ حاضر خدمت ہو- اس پر اس شخص کی نسبت جو بالکل حاضر ہی نہ ہو- زیادہ شدت اور سختی ہوتی ہے- حضرت حسن بصری نے فرمایا ہے کہ جو نماز بے حضور ہے- وہ عقوبت و سزا کے بہت زیادہ نزدیک اور ثواب سے دور ہے- بلکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو نماز بے حجابات اور بے محل خیالات سے محفوظ نہ رکھے- اس کو نماز سے خدا سے دوری کے سوا کچھ فائدہ نہیں- اے عزیز ان آیات اور اقوال سے تجھے یہ معلوم ہوا کہ کامل و جاندار وہی نماز ہے- جس میں اول سے آخر تک دل حاضر رہے اور جس نماز میں فقط تکبیر اولیٰ کے وقت دل حاضر ہو- اس نماز میں رمق بھر سے زیادہ روح نہیں ہوتی وہ نماز اس بیمار کے مثل ہے جو دم بھر کا مہمان ہو-

نماز کے ارکان کی روح اور حقیقت کا بیان

عزیزِ محترم یہ اسرار نماز کا آغاز ہے- اب یہ بات جان کہ پہلی آواز جو تیرے کان میں آتی ہے 'اذان نماز ہے- جس وقت تو اذان سنے تو چاہیے کہ شوق اور دل و جان سے سنے جس کام میں ہو اسے چھوڑ دے امور دنیا سے منہ موڑ لے- اگلے لوگوں کا یہی طریقہ تھا- یعنی دنیا کے کام چھوڑ کر وہ اذان سننا ضروری سمجھتے تھے- لوہار اگر ہتھوڑا اٹھائے ہو تا اذان سنتے ہی رک جاتا- پھر اسے نیچے لا کر لوہے پر نہ مارتا- موچی اگر چمڑے کے اندر سلائی کر رہا ہوتا تو باہر نکالنا تو دور ہے- جگہ سے بھی نہ ہلاتا- اس منادی سے روز قیامت کی ندا یاد کرتے تھے- یہ سمجھ کر اپنا دل خوش کرتے تھے کہ جو کوئی اس وقت اس حکم کی پیروی میں دوڑ جائے گا- قیامت کو منادی سے بشارت پائے گا- اے عزیز اگر تو اپنے دل کو اس منادی سے خوش و مسرور کرے گا تو منادی سے خوش اور مسرور ہو گا-

طہارت : طہارت کا راز یہ ہے کہ تو کپڑے اور بدن کی طہارت کو گویا غلاف کی طہارت سمجھ کر اور توبہ و پشیمانی کرنے اور برے اخلاق چھوڑنے کی شکل میں دل پاک کرنے کو اس ظاہری طہارت کی روح جان اس لیے کہ خدا کی نظر گاہ دل ہے- بدن صورتِ نماز کی جگہ دل حقیقت نماز کی منزل ہے-

سترِ عورت : اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو اعضاء تیرے ظاہر بدن میں لائق ستر ہیں- انہیں لوگوں کی نگاہ سے

چھپا اور اس کا راز اور روح یہ ہے کہ جو امر تیرے باطن میں برا ہے- اسے خدا تعالیٰ سے پوشیدہ رکھ اور یہ جان کہ حق تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں کر سکتا- مگر یہ کہ اپنے باطن کو اس سے پاک کر دے اور باطن کے پاک ہونے کی صورت یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں پر نادم ہو اور یہ عزم بالجزم کرے کہ آئندہ پھر گناہ نہ کروں گا-

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَاذَنْبَ لَہٗ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا-

یعنی توبہ گناہوں کو ناچیز اور نابود کر دیتی ہے- اگر ایسا نہیں کر سکتا تو ان گناہوں پر خوف و ندامت کا پردہ ڈال کر اس طرح خستہ و شکستہ اور شرمسار اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہو جیسے کوئی غلام خطا کر کے بھاگ جاتا ہے اور پھر اپنے مالک کے سامنے ڈرتا ہوا آتا ہے اور رسوائی اور ذلت کے مارے سر نہیں اٹھاتا-

قبلہ رو ہونا: اس کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ سب طرف سے اپنا منہ پھیر کر قبلہ رو ہو جائے اور راز یہ ہے کہ دل کو دونوں عالم سے پھیر کر خدا کی طرف لے آئے کہ ظاہر و باطن یک سو ہو جائے- جس طرح ظاہری قبلہ ایک ہے قبلہ دل بھی ایک ہی ہے- یعنی حق تعالیٰ دل کا اور خیالات میں مشغول ہونا ایسا ہے- جیسا منہ کو ادھر ادھر پھیرنا- جس طرح منہ پھیرنے سے نماز کی صورت نہیں رہتی- اسی طرح دل بھٹکنے سے نماز کی روح اور حقیقت بھی نہیں رہتی- اسی لیے جناب رسالتمآب ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص نماز کے لیے کھڑا ہو- اس کا منہ و دل اور خواہش ہر ایک خدا کی طرف ہو تو وہ نماز سے اس طرح باہر آتا ہے کہ گویا آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے- یعنی سب گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے- اور یقین جان کہ جس طرح قبلہ کی طرف سے منہ پھیر لینا نماز کی صورت کو باطل کر دیتا ہے دل کا منہ حق تعالیٰ کی جانب سے پھیر لینا اور دنیوی خیالات کو دل میں دخل دینا نماز کی روح اور حقیقت کو زائل کر دیتا ہے بلکہ دل کو خدا کی طرف متوجہ رکھنا اولیٰ ہے- کیونکہ ظاہر باطن کا غلاف ہے اور مقصود وہ چیز ہوتی ہے جو غلاف کے اندر ہو اور غلاف کی فی نفسہ چنداں قدر نہیں ہوتی-

قیام: اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ تو اپنے ڈیل ڈول سے خدا کے سامنے غلام کی طرح سر جھکائے کھڑا ہو- اور باطن یہ ہے کہ دل سب حرکتوں سے رک جائے- یعنی سب خیالات سے باز آئے خدا تعالیٰ کی تعظیم اور پورے انکسار کے ساتھ بندگی میں قائم رہے اور قیامت کے دن حق سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے قائم و حاضر ہونا اور اپنی سب پوشیدہ باتوں کو ظاہر ہونا یاد کرے اور سمجھے کہ اس وقت بھی حق تعالیٰ پر وہ سب کچھ ظاہر و عیاں ہے اور میرے دل میں جو کچھ تھا اور ہے خدا تعالیٰ اس کا عالم ہے اور سب اسی پر ظاہر ہے- اور میرے ظاہر و باطن سے وہ بالکل آگاہ ہے اور بڑے ہی تعجب کی بات یہ ہے کہ جب کوئی مرد صالح نمازی کو دیکھتا ہے کہ یہ کیسے نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اپنے تمام اعضاء کو مودب کر لیتا ہے- ادھر ادھر نہیں دیکھتا نماز میں جلدی کرنے اور دوسری طرف التفات کرنے سے اسے شرم آتی ہے- اور جب تصور کرتا ہے کہ حق تعالیٰ میری طرف

دیکھ رہا ہے- تو اس سے نہ شرماتا ہے نہ ڈرتا ہے- اس سے زیادہ اور کیا نادانی ہوگی کہ بندہ بیچارہ جسے کچھ اختیار نہیں اس سے تو شرم کرے اس کے دیکھنے سے مودب ہو جائے اور مالک الملوک سے کچھ نہ ڈرے- اس کے دیکھنے کو معمولی جانے- اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ خدا سے کیسے شرم کرنا چاہیے- آپ نے فرمایا جس طرح اپنے گھر والوں میں جو صالح اور متقی ہوتا ہے- اس سے تو شرم کرتے ہو اسی طرح خدا تعالیٰ سے بھی شرم کرو اور اسی تعظیم کی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں اس طرح ساکن کھڑے ہوتے تھے کہ پرندے ان سے بھاگتے نہیں تھے اور سمجھتے کہ یہ پتھر ہیں- جس کے دل میں خدا کی عظمت و بزرگی سما گئی اور اسے حاضر و ناظر سمجھا- اس کا ہر ہر عضو خاشع اور مودب ہو جاتا ہے اسی وجہ سے جناب رسول مقبول ﷺ جس کسی کو نماز میں داڑھی پر ہاتھ پھیرتے دیکھتے تو فرماتے کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کا ہاتھ بھی دل کی صفت پر ہوتا-

رکوع سجود : بدن سے عاجزی کرنا اس کے ظاہری معنی ہیں- اور اس کا اصل مقصود دل کی فروتنی ہے اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ زمین پر منہ رکھنا بہترین عضو کو خاک پر رکھنا ہے اور کوئی چیز خاک سے زیادہ ذلیل و خوار نہیں تو رکوع سجود اسی لیے مقرر کئے گئے ہیں تاکہ بندہ جان لے کہ خاک میری اصل ہے اور خاک ہی کی طرف مجھے رجوع کرنا ہے- اور اپنی اصل کے موافق تکبر نہ کرے اور اپنی بے کسی اور عاجزی کو پہچان لے- اسی طرح ہر ہر کام میں راز اور حقیقت ہے- کہ آدمی جب اس سے غافل ہوگا تو اسے صورت نماز کے سوا نماز سے کچھ حاصل نہ ہوگا-

حقیقت قرآن اور اذکار نماز کا بیان : اے عزیز جان کہ نماز میں جو کلمہ کہنا چاہیے اس کی ایک حقیقت ہے- اس سے آگاہ رہنا چاہیے اور ضروری طور پر قائل کا دل بھی اس صفت کے مطابق ہو جائے- تاکہ وہ اپنے قول میں صادق ہو- مثلاً اللہ اکبر کے یہ معنی ہیں کہ خدا اس سے بزرگ تر ہے کہ اسے عقل اور معرفت سے پہچان سکیں- اگر یہ معنی نہ جانے تو جاہل ہے اور اگر یہ تو جانتا ہو مگر اس کے دل میں خدا سے بزرگ کوئی اور چیز ہو- تو وہ اللہ اکبر کہنے میں جھوٹا ہے- اس لیے کہا جائے گا کہ حقیقت میں تو یہ کلام سچ ہے- لیکن تو جھوٹ کہتا ہے- اور جب آدمی خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی اور چیز کا مطیع ہوگا تو اس کے نزدیک وہ چیز خدا سے زیادہ بزرگ ہوگی- اور اس کا معبود اور اللہ وہی ہے- جس کا وہ مطیع ہے- جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :

اَفَرَئَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ — کیا تو نے دیکھا اسے جس نے ٹھہرالیا اپنی خواہش کو اپنا خدا-

اور جب وجہت وجہی کہا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے تمام عالم سے دل پھیر کر خدا کی طرف متوجہ کیا- اگر اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے تمام عالم سے دل پھیر کر خدا کی طرف متوجہ کیا- اگر اس کا دل اس وقت کسی اور طرف لگا

ہوا ہو تو اس کا یہ کلام جھوٹ ہے اور جب خدا سے مناجات کرنے میں پہلا ہی کلام جھوٹ ہو تو اس کا خطرہ ظاہر ہے اور جب حنیفاً مسلماً کہا تو اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اور رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان لوگ سلامت رہیں۔ تو چاہیے کہ وہ اس صفت سے موصوف ہو۔ یا عزم بالجزم کرے کہ میں اب ایسا ہی ہو جاؤں گا۔ اور جب الحمد شریف کہے تو چاہیے کہ خدا کی نعمتیں اپنے دل میں تازہ کرے اور اپنے دل کو بالکل شکر گزار بنا لے۔ کہ یہ شکر کا کلمہ ہے اور شکر دل سے ہوتا ہے۔ جب ایاک نعبد کہے تو چاہیے کہ اخلاص کی حقیقت اس کے دل میں تازہ ہو اور جب اہدنا کہے تو چاہیے کہ اس کا دل تضرع اور زاری کرے کیوں کہ وہ خدا سے ہدایت طلب کرتا ہے تسبیح و تہلیل و قرأت وغیرہ ہر ہر کلمہ میں بھی چاہیے کہ جیسا وہ سمجھتا ہے۔ ویسا ہی ہو جائے گا اور دل کو اس کلمہ کے معنی کی صفت سے موصوف بنا لے اس کی تفصیل لمبی ہے اور آدمی نماز کی حقیقت سے بہرہ مند ہونا چاہیے تو ایسا ہی ہو جائے جیسا بیان ہوا۔ ورنہ پھر صورت بے معنی پر ہی قناعت کرے۔

حضور قلب کی تدبیر کا بیان : اے عزیز جان کہ نماز میں دو وجہ سے غفلت لاحق ہوتی ہے۔ ایک ظاہر وجہ ہے۔ دوسری باطنی' ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھتا ہو جہاں کچھ دکھائی سنائی دیتا ہے۔ اور دل اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دل آنکھ کا تابع ہے۔ اس سے چھوٹنے کی تدبیر یہ ہے کہ خالی جگہ نماز پڑھے کہ وہاں کچھ آواز سنائی نہ دے۔ اگر جگہ تاریک ہو یا آنکھ بند کر لے تو بہتر ہے۔ اکثر عابدوں نے عبادت کے لیے چھوٹا سا تاریک مکان بنایا ہوتا ہے۔ کیونکہ کشادہ مکان میں دل پراگندہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب نماز ادا کرتے تو قرآن شریف اور تلوار کو اور ہر چیز کو الگ رکھ دیتے تھے کہ ان کی طرف مشغول نہ ہو جائیں۔ دوسری وجہ جو باطنی ہے یہ ہے کہ پریشان خیال اور پراگندہ خطرے دل میں آئیں۔ اس کا علاج بہت مشکل اور سخت ہے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو کسی کام کے سبب سے ہوتا ہے کہ اس کی طرف اس وقت دل مشغول ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس کام سے پہلے فراغت کرے پھر نماز پڑھے۔ اس لیے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے :

اِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ فَابْدَاَبِالْعَشَاءِ ٥ یعنی جب نماز اور کھانے کا وقت ساتھ ہی آئے تو پہلے کھانا کھائے۔

علیٰ ہٰذا القیاس اگر کوئی بات کہنا ہو تو کہہ لے پھر فراغت سے نماز پڑھ لے۔ دوسری قسم ایسے کاموں کا خیال اور اندیشہ جو ایک ساعت میں تمام نہ ہوں۔ یا خیالات واہیات' عادت کے موافق خود بخود دل پر غالب ہو گئے ہوں۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ذکر و قرآن جو نماز میں پڑھتا ہے اس کے معنوں میں دل لگائے اور اس کے معنی سوچے تاکہ اس سوچ سے اس کا خیال نہ دفع ہو گا۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ مسہل پئے تاکہ مادہ مرض کو باطن سے قطع کر دے اور اس مسہل کا نسخہ یہ ہے کہ جس چیز کا خیال رہتا ہے اسے ترک کرے تاکہ اس کے خیال سے نجات پائے۔ اگر ترک نہ کر سکے گا تو اس کے خیال

سے نجات نہ پائے گا اگر اس کی نماز ہمیشہ دل کی باتوں میں لگی رہے گی- اور اس نمازی کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص درخت کے نیچے بیٹھے اور چاہے کہ چڑیوں کا چہچہانا نہ سنے اور لکڑی اٹھا کر انہیں اڑا دے اور پھر اسی وقت وہ آبیٹھیں- اگر ان سے نجات پانا چاہتا ہے تو یہ تدبیر اختیار کرے کہ اس درخت کو ہی جڑ سے کاٹ ڈالے کہ جب تک درخت رہے گا چڑیوں کا نشیمن رہے گا- اسی طرح جب تک اس کے دل میں کسی کام کی خواہش غالب رہے گی- پریشان خیالات بھی ضرور آئیں گے- اسی بنا پر تھا کہ جناب سید الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء کے لیے کوئی شخص عمدہ کپڑا ہدیہ اور تحفہ لایا- اس میں ایک بڑا بوٹا عمدہ بنا ہوا تھا- نماز میں آپ کی نظر اس بوٹے پر پڑی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اس کپڑے کو اتار کر اس کے مالک کو دے دیا- اور پرانا کپڑا پہن لیا-

اس طرح ایک دفعہ نعلین شریف میں نیا تسمہ لگا ہوا تھا- نماز میں آپ کی نظر اس پر پڑی تو اچھا معلوم ہوا- آپ نے فرمایا کہ اسے نکال دو اور پرانا تسمہ ڈال دو- ایک دفعہ نعلین شریف نئی بنی ہوئی تھیں- آپ کو اچھی معلوم ہوئی آپ نے سجدہ کیا اور فرمایا کہ میں نے خدا کے سامنے عاجزی کی کہ یہ نعلین دیکھنے سے وہ مجھے اپنا دشمن نہ ٹھہرا لے پھر آپ باہر تشریف لائے تو پہلے جو سائل نظر آیا آپ نے وہ نعلین اسے عنایت فرمادیں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک عمدہ جانور دیکھا جو درختوں میں اڑتا پھرتا ہے اور راہ نہیں پاتا آپ کا دل اس کے ساتھ مشغول ہوا یہ یاد نہ رہا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں- رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے دل کا شکوہ کیا اور اس کے کفارہ میں یہ باغ صدقہ کر دیا- اگلے بزرگوں نے اکثر ایسے کام کئے ہیں- اور ان کاموں کو حضور قلب کی تدبیر سمجھے ہیں- غرضیکہ جب نماز کے پہلے سے خدا کا ذکر دل پر غالب ہو گا نماز میں بھی حاضر ہو گا- جو خیال دل میں سے پہلے مستحکم ہے- صرف نماز پڑھنے سے دور نہ ہو گا- جو شخص حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھنا چاہے اسے چاہیے کہ نماز سے پہلے دل کا علاج کرے- اور دل کو خالی کرے اور یہ کام اس طرح ہوتا ہے کہ دنیا کے شغل اپنے دل سے دور کر دے- اور بقدر ضرورت دنیا کی چیزوں پر کفایت کرے اتنے انداز سے بھی فراغت دل مقصود ہو- جب تک یہ امر نہ ہو گا- تمام نماز میں حضور قلب کا اندازہ نہ ہو گا- کچھ نماز میں ہو گا تو چاہیے کہ نوافل بڑھائے اور دل حاضر کرے- مثلاً چار رکعتوں کو حضور دل حاصل ہو جائے- کیونکہ نوافل فرائض کا تدارک کرتے ہیں-

جماعت کے مسنون ہونے کا بیان: رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے ایک نماز جماعت کے ساتھ تنہا ستائیس نمازوں کی مثل ہے اور فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے آدھی رات شب بیداری کی اور جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا ساری رات عبادت کی اور فرمایا کہ جس نے چالیس دن ہر وقت کی نماز جماعت سے پڑھی اور اس کی پہلی تکبیر بھی فوت نہ ہوئی- تو اس کے لیے دو قسم کی برائت لکھتے ہیں- ایک نفاق سے دوسری دوزخ سے- اسی بنا پر تھا کہ پہلے بزرگوں میں جس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی ہے- تین دن اپنی تعزیت کرتا

تھا- اور اگر جماعت فوت ہو جاتی تو سات روز تعزیت کرتا تھا- حضرت سعید ابن میسّب فرماتے ہیں- میں لگاتار بیس برس تک آذان سے پہلے مسجد میں آتا رہا- اکثر علماء نے فرمایا ہے کہ جو کوئی بے عذر تنہا نماز پڑھے اس کی نماز درست نہیں- تو جماعت کو ضروری جاننا چاہیے- اور امانت واقتدار کے آداب یاد رکھنے چاہیں- پہلے یہ کہ لوگوں کی خوش دلی سے امامت کرائے- اگر لوگ اس سے کراہت کریں تو امامت سے پرہیز کرنا چاہیے- اور جب اسے امام بنانا چاہیں تو بے عذر پہلو تھی نہ کرے کہ امامت کی بزرگی موذن سے زیادہ ہے- اور چاہیے کہ کپڑے پاک رکھنے میں احتیاط کرے- اور اوقات نماز کا دھیان رکھے اور اول وقت نماز پڑھے- جماعت کے انتظار میں تاخیر نہ کرے کہ اول وقت کی فضیلت جماعت سے زیادہ ہے- دو صحابہ کرام جب آجاتے تھے- تیسرے کا انتظار نہ کرتے تھے- اور کسی جنازہ پر جب چار صحابہ کرام آجاتے تو پانچویں کا انتظار نہ کرتے- ایک دن جناب سید الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء کو دیر ہو گئی- صحابہؓ نے آپؐ کی انتظار نہ کی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ امام ہو گئے- جب آپ تشریف لائے تو ایک رکعت ہو چکی تھی- صحابہ نے جب نماز مکمل کی توڈرے آپ نے ان سے فرمایا تم نے اچھا کیا- ہمیشہ ایسا ہی کیا کرو اور چاہیے کہ خلوص کے ساتھ للہ امامت کرائے- امامت کی کچھ مزدوری نہ لے اور جب تک صف سیدھی نہ ہو لے تکبیر نہ کہے اور نماز کے اندر کی تکبیریں بلند آواز سے کہے اور امامت کی نیت کرے کہ جماعت کا ثواب حاصل ہو- اگر امامت کی نیت نہ کرے گا- جماعت تو درست ہو گی- لیکن جماعت کا ثواب نہ ہو گا- اور جہری نماز میں قرأت بلند آواز سے پڑھے اور تین وقفے بجالائے- ایک جب تکبیر اولیٰ کہے اور وجہت وجہی پڑھے اور مقتدی سورہ فاتحہ پڑھنے میں مشغول ہوں- دوسرے جب سورہ فاتحہ پڑھ چکے تو دوسری صورت ٹھہر کر پڑھے تاکہ جس مقتدی نے سورہ فاتحہ ابھی پوری نہ کی یا بالکل نہ پڑھی ہو وہ پوری پڑھ لے- تیسرے جب سورۃ تمام کرے تو اتنا ٹھہرے کہ رکوع کی تکبیر سورۃ سے مل نہ جائے- اور مقتدی سورۃ فاتحہ کے سوا امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھے مگر اس صورت میں کہ دور ہو- اور امام کا پڑھنا نہ سنے- اور امام رکوع و سجود ہلکا کرے اور تین بار سے زیادہ تسبیح نہ کہے- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ سے زیادہ کسی کی نماز ہلکی اور کامل تر نہ تھی- اس کا سبب یہ ہے کہ جماعت میں شاید کوئی ضعیف ہو یا کسی کو کچھ کام ہو اور مقتدی کو چاہیے کہ امام کی اقتدار میں ہر رکن ادا کرے- اس کے ساتھ ادا نہ کرے- جب تک امام کی پیشانی زمین پر نہ لگ جائے- مقتدی سجدہ میں نہ جائے اور جب تک امام رکوع کی حد تک نہ پہنچے- مقتدی رکوع کا قصد نہ کرے کہ اسی کا نام متابعت ہے- اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع و سجود میں جائے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور جب سلام پھیرے تو اس قدر بیٹھے کہ یہ دعا پڑھ لے:

ٱللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَ اِلَيْكَ يَعُوْدُالسَّلَامُ فَحَيِّنَارَبَّنَابِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَالسَّلَامِ تَبَارَكْتَ رَبَّنَاوَتَعَالَيْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ	اے اللہ تو سلام ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے اور تیری طرف پھرتی ہے سلامتی پس زندہ رکھ مجھے سلامتی کے اور داخل کر مجھے جنت میں برکت والا ہے تو اے پروردگار ہمارے اور تو برتر ہے اے بزرگی اور بخشش والے-

لوگوں کی طرف منہ کر کے دعا کرے اور اہل جماعت امام سے پہلے نہ اٹھیں کہ یہ مکروہ ہے۔

نماز جمعہ کی فضیلت کا بیان

اے عزیز یہ جان کہ جمعہ کا روز مبارک اور افضل دن ہے۔ اس کی بڑی فضیلت ہے۔ یہ مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے۔ جس شخص نے بے عذر تین جمعے ناغے کیے اس نے اسلام کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس کا دل زنگ پکڑ گیا۔ اور ایک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ جمعہ کے دن چھ لاکھ بندے دوزخ سے آزاد کرتا ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آتش دوزخ کو روز دو پہر ڈھلے بھڑکاتے ہیں۔ اس وقت نماز نہ پڑھو مگر جمعہ کو کہ اس دن نہیں بھڑکاتے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص جمعہ کے دن مرے گا شہید کا ثواب پائے گا۔ نیز عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔

شرائط جمعہ : اے عزیز جان لے کہ جو شرطیں اور نمازوں کی ہیں ان کے سوا چھ شرطیں جمعہ کے لیے خاص ہیں۔ پہلی شرط وقت ہے یہاں تک کہ اگر مثلاً عصر کا وقت داخل ہو جانے کے بعد جمعہ کی نماز کا سلام پھیرے تو جمعہ فوت ہو گیا ظہر ادا کرنی چاہیے۔ دوسری جگہ شرط ہے کہ یہ نماز صحرا و خیمہ میں درست نہیں ہے۔ بلکہ شہر میں ہوتی ہے۔ یا اس گاؤں میں جہاں چالیس آزاد عاقل بالغ مرد مقیم ہوں۔ ایسی جگہ اگر مسجد میں نہ ہو تو بھی درست ہے۔ تیسری شرط عدد ہے۔ یعنی جب تک چالیس آزاد مکلّف یعنی عاقل بالغ مقیم مرد حاضر نہ ہوں نماز درست نہ ہو گی۔ اگر خطبہ یا نماز میں اس سے کم لوگ ہوں۔ تو یہ ظاہر ہے کہ نماز درست نہ ہو گی۔ چوتھی شرط جماعت ہے کہ اگر یہ گروہ الگ الگ تنہا نماز پڑھے گا تو درست نہ ہو گی لیکن جو آدمی اخیر کی رکعت پائے اس کی نماز درست ہے اگرچہ دوسری رکعت میں تنہا ہو۔ اور اگر کوئی شخص امام کے ساتھ دوسری رکعت کا رکوع نہ پائے تو اقتدار کرے اور نماز ظہر کی نیت کرے پانچویں شرط یہ ہے کہ لوگوں نے پہلے جمعہ کی نماز نہ پڑھ لی ہو کیونکہ ایک شہر میں جمعہ کی ایک جماعت سے زیادہ نہ چاہیے۔ لیکن اگر اتنا بڑا شہر ہے کہ وہاں کی ایک جامع مسجد میں نمازی نہیں سما سکتے یا وقت سے آتے ہیں۔ تو ایک جماعت سے زیادہ میں مضائقہ نہیں۔ اگر ایک ہی مسجد میں سب لوگ بے تکلف سما سکتے ہیں اور دو جگہ نماز پڑھی تو وہی نماز درست ہو گی جس کی تکبیر تحریمہ پہلے کہی گئی۔ چھٹی شرط نماز سے پہلے دو خطبہ ہیں۔ اور دونوں فرض ہیں۔ اور دونوں خطبوں کے درمیان میں بیٹھنا بھی فرض ہے۔ اور دونوں خطبوں میں کھڑا رہنا فرض ہے۔ اور پہلے خطبے میں چار چیزیں فرض ہیں تحمید یعنی حمد کرنا۔ الحمد للہ کہنا کافی ہے اور قرآن شریف کی ایک آیت پڑھنا۔ رسول مقبول ﷺ پر درود و پاک پڑھنا۔ تقویٰ کی وصیت کرنا۔ اُوصِیکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ کہنا کافی ہے۔ اور دوسرے خطبہ میں بھی چار چیزیں فرض ہیں۔ لیکن آیت کے عوض دعا پڑھنا فرض ہے۔ جمعہ کی نماز عورتوں، غلاموں، لڑکوں اور مسافروں پر فرض نہیں۔ اور عذر کی وجہ سے ترک جمعہ درست ہے۔ مثلاً کیچڑ، بیماری، پانی، تیمارداری

کے عذر سے اگر کوئی بیمار کا سنبھالنے والا نہ ہو لیکن معذور کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ ظہر کی نماز جب پڑھے کہ لوگ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو چکیں۔

آداب جمعہ : جمعہ کا ادب کرنا چاہیے اور جمعہ کے دن یہ دس سنتیں اور آداب نہ بھولے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ جمعرات۔ کے دن دل سے اور درستی سامان سے جمعہ کا استقبال کرے مثلاً سفید کپڑے درست کرنا۔ پہلے کام کاج ختم کر دینا کہ صبح کے وقت ہی نماز کی جگہ پر پہنچ سکے اور جمعرات کے دن عصر کی نماز کے وقت خالی بیٹھنا اور تسبیح اور استغفار میں مشغول ہونا۔ کیونکہ اس کی بڑی فضیلت ہے اور اس نیک ساعت کے مقابلے میں ہے جو دوسرے دن جمعہ کو ہو گی۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ شب جمعہ کو بیوی سے جماع کرنا سنت ہے۔ تاکہ یہ امر جمعہ کے دن دونوں کے غسل کا باعث بنے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ اگر مسجد کو جلد جانا چاہتا ہے تو صبح ہی غسل کر لے۔ ورنہ تاخیر بہت بہتر ہے اور رسول مقبول ﷺ نے جمعہ کے دن غسل کا حکم بڑی تاکید سے فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ کچھ علماء اس غسل کو فرض سمجھتے ہیں اور مدینہ منورہ کے لوگ اگر کسی سے سخت کلامی چاہتے تو کہتے تو اس شخص سے بھی بدتر ہے جو جمعہ کو غسل نہ کرے۔ اگر جمعہ کے دن کوئی شخص ناپاک ہو۔ اور غسل کرے تو اولیٰ یہ ہے کہ جمعہ کے غسل کی نیت سے بھی مزید پانی اپنے اوپر ڈالے۔ اور اگر ایک غسل میں دونوں نیتیں یعنی نیت رفع جنابت اور ادائے سنت کرے تو بھی کافی ہے۔ غسل جمعہ کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ آراستہ و پاکیزہ اور اچھی نیت کر کے مسجد میں آئے اور پاکیزگی کے یہ معنی ہیں کہ بال منڈوائے۔ ناخن کٹوائے مونچھوں کے بال کتروائے۔ اگر حمام میں پہلے ہی جا کر یہ امور کر چکا ہے تو کافی ہے اور آراستہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ سفید کپڑے پہنے کیونکہ حق تعالیٰ سب کپڑوں سے زیادہ سفید کپڑوں کو پسند کرتا ہے اور تعظیم اور نماز کی عظمت کی نیت سے خوشبو ملے تاکہ اس کے کپڑوں سے بدبو نہ آئے تاکہ کوئی اس سے رنجیدہ نہ ہو اور غیبت نہ کرے چوتھا ادب یہ ہے کہ صبح ہی جامع مسجد میں پہنچ جائے اس کی بڑی فضیلت ہے۔ اگلے زمانے میں لوگ چراغ لے کر مسجد میں جاتے تھے اور راہ میں اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ مشکل سے گزر ہوتا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن مسجد میں گئے تو تین آدمی پہلے سے وہاں موجود تھے۔ اپنے اوپر ہوئے اور کہا کہ میں چوتھے درجہ میں ہوا۔ میرا انجام کار کیا ہو گا۔ کہتے ہیں کہ دین اسلام میں پہلے جو بدعت ظاہر ہوئی وہ یہی ہے کہ لوگوں نے اس سنت کو ترک کر دیا۔ جب یہود و نصاریٰ ہفتہ اتوار کے دن کلیسا اور کنشت یعنی اپنے اپنے عبادت خانوں میں صبح ہی جائیں اور مسلمان جمعہ کے روز جو ان کا دن ہے۔ سویرے سویرے مسجد میں جانے میں تقصیر کریں تو کیا حال ہو گا۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کی پہلی ساعت میں مسجد میں جائے۔ اس نے گویا ایک اونٹ قربانی کیا۔ جو دوسری ساعت میں جائے اس نے گویا ایک گائے کی قربانی کی۔ جو تیسری ساعت میں جائے اس نے گویا ایک بکری قربان کی جو چوتھی ساعت میں جائے اس نے گویا ایک مرغی قربان کی اور جو پانچویں ساعت میں جائے اس نے گویا ایک انڈا خیرات کیا اور جب خطبہ پڑھنے والا اپنے مکان سے نکلتا ہے تو وہ فرشتے جو

قربانیاں لکھتے ہیں اپنے کاغذ لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں- جو اس کے بعد آتا ہے نماز کی فضیلت کے سوا اور کچھ نہیں پاتا- پانچواں ادب اگر دیر سے آئے تو لوگوں کی گردنوں پر پاؤں نہ رکھے- یعنی انہیں پھاندے نہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اس کو پل بنائیں گے اور لوگ اس پر سے گزریں گے رسول مقبول ﷺ نے ایک شخص کو ایسا کرتے دیکھا اور جب نماز پڑھ چکا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے جمعہ کی نماز کیوں نہ پڑھی اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں تو آپ کے ساتھ تھا- آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے دیکھا کہ تو نے لوگوں کی گردنوں پر پاؤں رکھا- یعنی جو شخص ایسا کرتا ہے وہ ایسا ہے گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی- لیکن اگر پہلی صف خالی ہے تو پہلی صف میں جانے کا قصد کرنا درست ہے- کیونکہ یہ لوگوں کا قصور ہے کہ پہلی صف کو خالی چھوڑ دیا- چھٹا ادب یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھتا ہو- اس کے سامنے سے نہ گزرے- کیونکہ نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے- اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے سے یہ بہتر ہے کہ آدمی خاک ہو کر برباد ہو جائے- ساتواں ادب یہ ہے کہ پہلی صف میں جگہ ڈھونڈے اگر نہ پائے تو جتنا امام کے نزدیک ہوگا بہتر ہے کہ اس میں بڑی فضیلت ہے- لیکن اگر پہلی صف میں لشکری یا وہ لوگ ہوں جو اطلس کے کپڑے پہنے ہوں یا خطبہ پڑھنے والا سیاہ ریشمی کپڑا پہنے ہو یا اس کی تلوار میں سونا لگا ہو- یا کوئی اور برائی ہو- تو جتنا دور رہے بہتر ہے- کیوں کہ جہاں کوئی برائی ہو- وہاں قصداً نہ بیٹھنا چاہیے- آٹھواں ادب یہ ہے کہ جب خطبہ پڑھنے والا نکلے تو پھر کوئی نہ بولے- اور موذن کا جواب دینے اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جائے- اگر کوئی شخص بات کرے تو اشارہ سے اسے چپ کر دینا چاہیے- زبان سے نہیں- کیونکہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی خطبہ کے وقت دوسرے سے کہے کہ چپ رہ یا خطبہ سن اس نے بے ہودہ کام کیا- اور جس نے اس وقت بے ہودہ بات کہی اسے جمعہ کا ثواب نہ ملے گا اور اگر خطیب سے دور ہو اور خطبہ نہ سنائی دے تو بھی چپ رہنا چاہیے- جہاں لوگ باتیں کرتے ہوں وہاں نہ بیٹھے- اور اس وقت نماز تحیۃ المسجد کے سوا اور کوئی نماز نہ پڑھے نواں ادب یہ ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو- الحمد، قل ہو اللہ، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، سات سات بار پڑھے، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان سورتوں کا پڑھنا اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک شیطان سے پناہ دے گا اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ يَاغَنِیُّ يَاحَمِيْدُ يَامُبْدِیُٔ يَامُعِيْدُ يَارَحِيْمُ يَاوَدُوْدُ اِغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِفَضْلِکَ مِمَّنْ سِوَاکَ

اے اللہ بے نیاز اے بڑائی والے اے پیدا کرنے والے اے پھیرنے والے اے رحم کرنے والے اے دوست رکھنے والے بے پرواہ کر دے تو مجھے اپنے حلال بدولت حرام سے اور اپنے کرم کے طفیل اپنے ماسوا سے-

اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس دعا کو ہمیشہ پڑھے گا- تو جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو- وہاں سے اس کی روزی اور اس کا رزق پہنچے گا اور لوگوں سے بے پرواہ ہو جائے گا- پھر چھ رکعت نماز سنت پڑھے کہ اس قدر رسول مقبول ﷺ پڑھتے تھے- دسواں ادب یہ ہے کہ عصر کی نماز تک مسجد میں رہے- اور اگر مغرب کی نماز تک مسجد میں رہے تو

بہت بہتر ہے- علماء نے فرمایا ہے کہ اس بات میں ایک حج اور عمرے کا ثواب ہے اگر مسجد میں نہ رہ سکے اور گھر جائے تو چاہیے کہ خدا کی یاد سے غافل نہ رہے- تاکہ وہ ایک بزرگ ساعت جو جمعہ کے دن ہوتی ہے- اسے غفلت میں نہ پائے اور اس کی فضیلت سے محروم نہ رہے-

روز جمعہ کے آداب کا بیان : بندے کو چاہیے کہ جمعہ کے روز تمام دن میں سات فضیلتیں طلب کرے ایک فضیلت یہ کہ صبح کو مجلس علم میں حاضر ہو اور قصہ خوانوں کی مجلس سے دور رہے- اور ایسے شخص کی مجلس میں حاضر ہو جس کے قال و حال سے رغبت دنیا کم اور محبت آخرت زیادہ ہو- جس کے کلام میں یہ اثر نہ ہو- اس کی صحبت اور مجلس علم میں بیٹھنا درست نہیں ہے اور جو شخص ایسا صاحب تاثیر ہو- اس کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز سے افضل ہے- یہ مضمون حدیث شریف میں آیا ہے- دوسری فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن ایک ساعت نہایت بزرگ اور معزز ہے- حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس ساعت میں خدا تعالیٰ سے مراد مانگے گا پوری ہو گی- اس ساعت کے تعین میں اختلاف ہے طلوع یا زوال یا غروب آفتاب کے وقت یہ ساعت ہوتی ہے- یا جس وقت جمعہ کی آذان ہو- یا خطیب کے منبر پر جانے کے وقت یا جمعہ کی نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت پھر عصر کی نماز کے وقت غرض کہ صحیح یہ ہے کہ اس ساعت کا وقت معلوم نہیں شب قدر کی طرح مبہم ہے- چاہیے کہ تمام دن اس ساعت کی تلاش میں رہے اور کسی وقت خدا کی یاد اور عبادت سے خالی نہ رہے- تیسری فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن رسول مقبول ﷺ پر درود و شریف کثرت سے بھیجے- کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی جمعہ کے دن مجھ پر اسی بار درود شریف بھیجے گا- اس کے اسی برس کے گناہ بخشے جائیں گے- لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ پر درود کیوں کر بھیجیں- آپ نے فرمایا کہ کہو :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضَاءً وَّلِحَقِّهِ اَدَاءً وَاَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَهٗ اِجْزِهٖ عَنَّا مَاهُوَ اَهْلُهٗ وَاَجْزِهٖ اَفْضَلَ مَاجَزَيْنَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

اے اللہ تو رحمت نازل فرما محمد ﷺ اور آپ کی اولاد پر وہ رحمت جو تیری رضا ہو اور جس سے ان کا حق ادا ہو اور عطا کر انہیں وسیلہ شفاعت اور بزرگی اور مقام محمود کا وعدہ کیا ہے تو نے ان سے اور جزا دے انہیں ہماری طرف سے وہ جزا جس کے وہ لائق ہیں اور جزا دے انہیں بہت اچھی جو جزا تو نے کسی نبی کو دی- اس کی امت کی طرف سے اور رحمت نازل کر ان کے سب بھائیوں پر اور اچھے کام کرنے والوں میں سے اسے بہت بڑے رحم کرنے والے-

کہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے روز سات بار یہ درود پڑھے اسے رسول مقبول ﷺ کی شفاعت بے شک ہو گی اور اگر :

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ — پاک ہے اللہ اور سب تعریف واسطے اللہ کے ہے اور نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور اللہ بہت بڑا ہے۔

پڑھے تو بھی کافی ہے۔ چوتھی فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن قرآن شریف کثرت سے پڑھے اور سورت کہف بھی پڑھے حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت وارد ہے اور اگلے عابدوں کی عادت تھی کہ جمعہ کے دن قل ھو اللہ احد' درود شریف استغفار اور:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ — پاک ہے اللہ اور سب تعریف واسطے اللہ کے ہے اور نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور اللہ بہت بڑا ہے۔

ہزار ہزار بار پڑھتے۔ پانچویں فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن نماز زیادہ پڑھے۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی مسجد جامع میں جاتے ہی چار رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں ایک بار الحمد اور پچاس بار قل ھو اللہ احد تو جب تک جنت میں اس کا مقام اس کو نہ دکھادیں اور کسی کو نہ بتادیں کہ وہ اس سے کہہ دے اس وقت تک وہ اس جہان سے نہ جائے گا اور مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے دن چار رکعت نماز پڑھے اور اس میں چار سورتیں پڑھے انعام' کہف' طٰہٰ' یٰسین اور اگر یہ نہ پڑھ سکے تو لقمان سجدہ اور ملک پڑھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن کبھی صلوٰۃ التسبیح کا ناغہ نہ کرتے تھے۔ اور صلوٰۃ التسبیح مشہور نماز ہے۔ اولیٰ ہے یہ وقت زوال تک نوافل پڑھے اور نماز جمعہ کے بعد عصر کی نماز تک مجلس علم میں جائے۔ اس کے بعد مغرب کی نماز تک تسبیح واستغفار میں مشغول رہے۔ چھٹی فضیلت یہ ہے جو سائل خطبہ کے وقت کچھ مانگے اسے ڈانٹنا چاہیے اور اس وقت کچھ نہ دینا چاہیے کہ مکروہ ہے۔ ساتویں فضیلت یہ ہے کہ ہفتہ بھر میں جمعہ کے دن کو آخرت کے لیے وقف رکھے باقی دنوں میں دنیا کے کام کرے اور حق سبحانہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خرید وفروخت اور کسب دنیا' اس آیت کے معنی نہیں۔ بلکہ طلب علم بھائیوں کی زیارت' بیماروں کی عیادت' جنازہ کے ساتھ جانا اور جو کام ایسے ہوں وہ اس آیت سے مراد ہیں۔

مسئلہ: اے عزیز جان کہ نماز میں جو باتیں ضروری ہیں۔ وہ بیان کردی گئیں۔ اور مزید مسئلوں کی ضرورت ہو تو علماء سے پوچھنا چاہیے۔ کہ اس کتاب میں تمام مسائل کی تفصیل نہیں آسکتی۔ لیکن نماز کی نیت میں اگر وسوسہ واقع ہوتا ہے۔ اس کے تین سبب ہیں۔ یا تو جس کی عقل میں خلل ہے۔ اسے وسوسہ ہوتا ہے۔ یا جسے وہم ہو یا جو شریعت کے احکام سے جاہل ہو۔ اور نیت کے معنی نہ جانتا ہو کہ نیت اس رغبت سے عبارت ہے جو آدمی کو خدا کا حکم بجالانے کے لیے کھڑا کرتی ہے۔ جیسے کوئی شخص تجھ سے کہے کہ فلاں عالم آتا ہے اس کے لیے اٹھ اور تعظیم کر تو تو اپنے دل میں کہے گا کہ فلاں عالم کے لیے اس کے علم کی عظمت کی خاطر فلاں شخص کے کہنے سے میں کھڑا ہوتا ہوں۔ اور فوراً اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور بے اس کے کہ تو

دل یازبان سے کہے یہ نیت خود تیرے دل میں ہو گی- اور جو کچھ دل میں تو کہتا ہے- وہ نفس کی بات ہے- نیت نہیں ہے- نیت تو وہ رغبت ہے جس نے تجھے اٹھا کھڑا کیا ہے- لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ نیت کے بارے میں کیا حکم ہے- تو اس قدر جاننا چاہیے کہ مثلاً ظہر یا عصر کی نماز ہے- جب اس سے دل غافل نہ ہو- تو اللہ اکبر کہے اور دل غافل ہے تو یاد کرے اور یہ گمان نہ کرے کہ ادا ظہر کے معنی سب ایک بار مفصل دل میں جمع ہوں- لیکن جو دل کے نزدیک ہوا سے باہم جمع کرے- نیت اس قدر کافی ہے- اس لیے کہ اگر تجھ سے کوئی پوچھے کہ ظہر کی نماز پڑھی- تو کہے گا ہاں- تو جس وقت ہاں کہتا ہے یہ سب معنی تیرے دل میں موجود ہوتے ہیں- مفصل نہیں ہوتے- تو تجھے اپنے کو یاد دلانا اس شخص کے پوچھنے کی مثل ہے- اور اللہ اکبر کہنا ایسا ہے جیسا ہاں کہنا اور جو اس سے زیادہ کھوج کرے گا اس کا دل اور نماز دونوں پریشان ہوں گے- آدمی کو چاہیے کہ آسان بات اختیار کرے جس قدر بیان ہوا ہے- جب اتنی نیت کر لی پھر کسی حالت میں ہو جاننا چاہیے کہ نماز درست ہو گئی- کیونکہ نماز کی نیت بھی اور کاموں کی نیت کی طرح ہے اسی لیے تھا کہ رسول مقبول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں کسی کو نیت میں وسوسہ واقع نہ ہوتا تھا- کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ کام آسان ہے اور جو کوئی اسے آسان نہ جانے وہ نادان ہے-

پانچویں اصل زکوٰۃ کے بیان میں

اے عزیز جان کہ زکوٰۃ ارکانِ مسلمانی ہے- کیونکہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے- پانچ اصول پر اسلام کی بنا ہے- کلمہ لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ- اور نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج شریف پر ہے کہ جو لوگ سونا چاندی اپنی ملک میں رکھیں- اور زکوٰۃ نہ دیں ان میں سے ہر ایک کے منہ پر ایسا داغ دیں گے کہ پیٹھ کے پار نکل جائے گا- اور پیٹھ پر داغ دیں گے جو سینے کے پار ہو جائے گا- اور جو شخص چارپائے ملک میں رکھے اور ان کی زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے دن ان چارپایوں کو اس پر مسلط کریں گے کہ سینگوں سے اپنے مالک کو ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے- جب ایک بار آگے پیچھے سب اس پر سے گزر جائیں گے تو آگے والے پھر اسے روندنا شروع کر دیں گے- پھر اسی طرح سب اس پر سے گزریں گے- یہ عمل جاری رہے گا- یہاں تک کہ سب کا حساب ہو جائے- چارپائے پھر پھر کر اسے پامال کرتے رہیں گے- اور یہ مضمون حدیث صحیح میں آچکا ہے- لہٰذا مالداروں پر زکوٰۃ کا علم فرض ہے-

زکوٰۃ کی اقسام اور شرائط کا بیان : اے عزیز جان کہ چھ قسم کی زکوٰۃ فرض ہے-

پہلی قسم : چارپایوں کی زکوٰۃ- وہ چارپائے اونٹ گائے، بھینس ہیں- گھوڑے اور گدھے وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں اور یہ

زکوٰۃ چار شرطوں سے فرض ہوتی ہے- پہلی شرط یہ ہے کہ وہ جانور گھر میں نہیں بلکہ چراگاہ میں پلتے ہوں- تاکہ اس پر زیادہ خرچ نہ پڑے- اگر سارا سال گھر میں چارہ کھلائے اور اسے خرچ سمجھے تو زکوٰۃ ساقط ہے- دوسری شرط یہ ہے کہ پورا سال اس کی ملک میں رہے- اس لیے کہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی اس کی ملک سے نکل جائیں- تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی- اور اگر آخر سال میں بچے پیدا ہوں تو ان کو حساب میں شامل کر لیا جائے گا- اور اصل مال کے تابع قرار دے کر ان کی زکوٰۃ بھی واجب ہو گی- تیسری شرط یہ ہے کہ اس مال کی بدولت مالدار ہو چکا ہو اور وہ مال اس کے تصرف میں رہا ہو- اگر کم ہو گیا یا کسی ظالم نے اس سے چھین لیا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے- لیکن اگر سب جانور اس فائدہ سمیت جو ان سے حاصل ہوا ہو اسے واپس کر دیں تو اس پر گذشتہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہو گی- اور اگر کوئی شخص جتنا مال رکھتا ہے- اتنا ہی قرض بھی رکھتا ہے- تو صحیح یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں- حقیقت میں فقیر ہے- چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کے پاس مال بقدر نصاب ہو- جس کے سبب سے مالدار ہوتا ہے تھوڑے مال سے مالدار نہیں ہوتا تو اونٹ جب تک پانچ نہ ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں- اور جب پانچ ہو جائیں تو ایک بکری زکوٰۃ دینا واجب ہے اور دس اونٹوں میں دو بکریاں پندرہ میں تین اور بیس میں چار اور یہ بکری ایک برس سے کم کی نہ ہو- اور اگر بکرا ہو تو دو برس سے کم کا نہ ہو- اور پچیس اونٹوں میں ایک سالہ اونٹنی دینا واجب ہے- اونٹنی نہ ہو تو دو برس کا ایک اونٹ دینا چاہیے- جب تک چھتیس اونٹ نہ ہو جائیں- تب تک یہی زکوٰۃ ہے- اور چھتیس میں ایک دو سالہ اونٹنی دینا واجب ہے- اور چھیالیس میں تین برس کی ایک اونٹنی اور اکسٹھ میں چار سالہ ایک اونٹنی اور چھہتر میں دو- دو برس کی دو اونٹنیاں اور اکانوے میں سہ سالہ دو اونٹنیاں اور ایک سو اکیس میں دو- دو سال کی تین اونٹنیاں واجب ہیں- پھر یہ حساب کرے کہ ہر چالیس میں دو سالہ اور ہر پچاس میں سہ سالہ اونٹنی دے اور گائے بیل جب تک تیس نہ ہوں- ان پر کچھ زکوٰۃ نہیں- جب تیس پورے ہوں- تو ان میں ایک ایک سالہ بچھڑے دینا فرض ہے- اور چالیس میں دو سالہ ایک اور ساٹھ میں ایک ایک برس کے دو پھر یہ حساب کرے کہ ہر تیس میں یک سالہ اور ہر چالیس میں دو سالہ ایک بچھڑا دے- لیکن چالیس بکری میں ایک اور ایک سو اکیس میں سے دو اور دو سو ایک میں سے تین اور چار سو میں اسی حساب سے سینکڑے پیچھے ایک بکری دے- بکری ہو تو ایک برس سے کم کی نہ ہو- بکرا ہو تو دو برس سے کم کا نہ ہو- اگر دو آدمی اپنی اپنی بکریاں اکٹھی رکھتے ہوں تو اگر دونوں صاحب زکوٰۃ ہیں- یعنی ایک کافر مکاتب نہ ہو- تو دونوں کا حصہ ایک ہی مال کا حکم رکھتا ہے- اگر دونوں کا حصہ ملا کر چالیس بکریوں سے زیادہ نہ ہوں- تو ہر ایک پر آدھی آدھی بکری واجب ہے- اگر دونوں ملا کر ایک سو بیس بکریاں ہوں تو اگر دونوں شخص مل کر ایک بکری دیں گے تو بھی کافی ہے-

دوسری قسم : غلہ وغیرہ کی زکوٰۃ ہے- جس کسی کے پاس آٹھ سو من گیہوں یا جو یا خرما یا منقیٰ یا اور کوئی چیز جو کسی قوم کی قوت اور غذا ہو سکتی ہے اور جس پر وہ لوگ گزارا کر سکتے ہیں- جیسے مونگ' چنا' چاول وغیرہ تو اس میں عشر دینا واجب ہے- اور جو چیز قوت و غذا نہ ہو جیسے روئی کتان وغیرہ اس میں عشر واجب نہیں- اگر چار سو من گیہوں اور چار سو من جو ہوں تو عشر

واجب نہیں۔اس لیے کہ وجوب زکوٰۃ میں ایک ہی جنس بقدر نصاب ہونا شرط ہے۔اگر ندی نہر چشمے سے پانی نہ لیا ہو۔ان سے کھیت وغیرہ نہ سینچا ہو۔تو بھی عشر واجب نہیں اور زکوٰۃ میں انگور تازہ غیر خشک دینا چاہیے۔لیکن اگر وہ انگور خشک ہو کر منقیٰ نہ ہوتا ہو۔تو انگور دینا درست ہے اور یہ چاہیے کہ جب انگور رنگ پکڑے۔گیہوں جو کا دانہ سخت ہو جائے تو جب تک فقیروں کا حصہ تخمیناً اس میں اندازہ نہ کرے۔اس وقت اس میں کچھ تصرف نہ کرے۔جب فقیروں کا حصہ پس انداز کر لیا تو سب میں تصرف کرنا درست ہے۔

تیسری قسم: سونے چاندی کی زکوٰۃ ہے۔چاندی کے دوسو درہم میں پانچ درہم آخر سال میں دینا فرض ہے اور خالص سونے کے بیس دینار میں نصف دینا واجب ہو گا اور یہ وہ ایک کی چوتھائی ہے۔(یعنی دوسو درہم کا دسواں حصہ بیس ہے) پانچ درہم بیس کا چوتھائی ہے۔اسی طرح بیس دینار کا دسواں حصہ دو دینار ہیں نصف دینار دو کی چوتھائی ہے۔اور سونا چاندی جس قدر زیادہ ہو۔اسی حساب سے زکوٰۃ دینا چاہیے۔اور چاندی سونے کی برتن اور گھوڑے کے ساز اور اس سونے چاندی میں جو تلوار پر لگا ہو اور جو چیز سونے چاندی کی ناجائز ہو۔اس میں زکوٰۃ فرض ہے لیکن جو زیور مرد اور عورت کو رکھنا درست ہیں اس میں زکوٰۃ نہیں اور جو سونا چاندی اوروں کے پاس رکھا ہے اور جب چاہے لے سکتے ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی واجب ہے۔

چوتھی قسم: مال تجارت کی زکوٰۃ ہے جب بیس دینار کے قدر ایک چیز تجارت کی نیت سے مول لے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو وہی بیس دینار کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور سال بھر میں جو نفع ہو وہ بھی حساب میں شامل کیا جائے گا اور ہر سال کے آخر میں مال کی قیمت معلوم کرنا چاہیے اگر سرمایہ تجارت سونے چاندی سے ہوا ہے تو اسی سے زکوٰۃ دے اور اگر نقد سے نہیں خریدا تو جو سکہ شہر میں اکثر رائج ہو۔اس سے زکوٰۃ دے اور اگر کچھ سامان رکھتا ہے اور تجارت کی نیت سے اس کے عوض میں کوئی چیز مول لے تو ابتدائے سال میں صرف نیت سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن اگر وہ نقد اور بقدر نصاب ہو تو مالک ہونے کے وقت ہی صاحب نصاب ہو جائے گا۔اور ہر سال کے اندر تجارت کا ارادہ نہ رہے تو زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔واللہ اعلم۔

پانچویں قسم: زکوٰۃ فطر ہے جو مسلمان عید رمضان کی رات کو اپنے اور اپنے اہل وعیال کی قوت سے جو عید کے دن کام آئے اور گھر کے کپڑے اور جو چیز ضروری ہو۔اس سے زیادہ استطاعت رکھتا ہو تو اس پر جنس کے اناج سے جو وہ روزانہ کھاتا ہے۔ایک صاع [۱] اناج دینا واجب ہے اور صاع پونے تین سیر ہوتا ہے اگر گیہوں کھاتا ہو تو جو نہ دینا چاہیے۔اگر جو خوراک ہو تو گیہوں نہ دینا چاہیے۔اگر ہر قسم کا اناج کھاتا ہے تو اس میں سے جو اناج بہتر ہے۔اس سے دے اور گیہوں کے

[۱] دوسو چوراسی تولے کا ایک صاع ہوتا ہے شاہجہان آبادی سیر اور انگریزی سیر سے تین سیر آدھ پاؤ۔

بدلے آٹا وغیرہ نہ دینا چاہیے - اگر ہر قسم کا اناج کھاتا ہے تو اس میں سے جو اناج بہتر ہے اس سے دے اور گیہوں کے بدلے آٹا وغیرہ نہ دینا چاہیے - یہ امام شافعی کے نزدیک ہے اور جس کا نفقہ اس کے ذمہ کو واجب ہے اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب ہے - جیسے بیوی' لڑکے' ماں باپ' لونڈی یا غلام اگر دو آدمیوں میں مشترک ہو تو اس کا صدقہ فطر دینا دونوں پر واجب ہے اور جو لونڈی غلام کافر ہو اس کا صدقہ واجب نہیں - اگر بیوی اپنا صدقہ خود دے تو درست ہے اور اگر شوہر بیوی کی بے اجازت اس کی طرف سے دے تو بھی درست ہے - اس قدر احکام زکوٰۃ جاننا ضروری ہیں - اگر اس کے علاوہ کوئی اور صورت پیدا ہو - تو علماء سے دریافت کرنا چاہیے -

زکوٰۃ دینے کی کیفیت : چاہیے کہ زکوٰۃ دینے میں پانچ چیزوں کا خیال رکھے پہلے یہ کہ زکوٰۃ دیتے وقت یہ نیت کرے کہ میں فرض زکوٰۃ دیتا ہوں - یا اگر زکوٰۃ دینے کے لیے وکیل مقرر کرے تو وکیل مقرر کرتے وقت یہ نیت کرے کہ فرض زکوٰۃ تقسیم کرنے کے لیے میں وکیل مقرر کرتا ہوں یا وکیل کو یہ حکم کر دے کہ دیتے وقت فرض زکوٰۃ کی نیت کرنا - دوسرے یہ کہ جب سال تمام ہو - تو زکوٰۃ دینے میں جلدی کرے کیونکہ بلا عذر دیر نہ کرنا چاہیے - اور صدقہ فطر میں عید سے تاخیر نہ کرے اور رمضان میں ہی جلدی دے دینا بھی درست ہے - رمضان سے پہلے دینا درست نہیں - اور مال کی زکوٰۃ میں سال بھر جلدی کرنا درست ہے - لیکن جس شخص کو زکوٰۃ دی ہے وہ اگر سال گزرنے سے پہلے مر جائے یا مالدار ہو جائے یا کافر ہو جائے تو دوبارہ زکوٰۃ دینا چاہیے - تیسرے یہ کہ ہر جنس کی زکوٰۃ اسی جنس سے دے سونا چاندی کے بدلے اور گیہوں جو کے عوض یا اور کوئی مال بمقدار قیمت دینا امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں نہ چاہیے - چوتھے یہ کہ زکوٰۃ اسی جگہ دے جہاں مال ہو - کیونکہ وہاں کے محتاج امیدوار رہتے ہیں - اگر دوسرے شہر میں بھیج دے گا - تو صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی - پانچویں یہ کہ جس قدر زکوٰۃ ہو آٹھ[۱] گروہوں میں تقسیم کرنا چاہیے - اور ہر گروہ کے تین تین آدمیوں سے کم نہ ہوں اور سب چوبیس آدمی ہوں - اور زکوٰۃ ایک درہم ہو تو امام شافعی کے نزدیک چوبیس آدمیوں کو پہنچانا چاہیے - اس کے آٹھ حصے کر کے ایک ایک حصہ تین تین[۲] آدمیوں کو یا اس سے زیادہ کو جیسے چاہے تقسیم کر دے گو برابر نہ ہوں - اس زمانہ میں تین گروہ کے لوگ نادر ہیں' نمازی' مولفۃ القلوب' عامل زکوٰۃ' مگر فقیر' مسکین' مکاتب' مسافر قرضدار میں سے نہ چاہیے کہ پندرہ آدمیوں سے کم کو زکوٰۃ دے - یہ حکم امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں ہے - اور شافعی مذہب میں یہ دو مسئلے مشکل ہیں ایک تو یہ کہ زکوٰۃ سب کو دے دوسرا یہ کہ ہر چیز کی زکوٰۃ میں وہی چیز دے اس کا عوض نہ دے اور اکثر شافعی المذہب حضرات اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ کی پیروی کرتے ہیں - ہمیں امید ہے کہ وہ لوگ ماخوذ نہ ہوں گے -

ان آٹھ گروہوں کی تعریف : پہلی قسم فقیر ہے - فقیر وہ شخص ہے جو نہ کوئی چیز اپنے ملک میں رکھے نہ کوئی

۱- یہ تفصیل حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہے - احناف کے نزدیک صرف ایک مستحق زکوٰۃ کو دے دینا بھی درست ہے - ۱۲ مترجم غفرلہ'

۲- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر جنس کے تین تین آدمیوں کو زکوٰۃ کا مال دینا کوئی شرط نہیں - ۱۲

کچھ کمائی کر سکے اگر کسی کے پاس ایک دن کا کھانا اور بدن پر پورا لباس ہے تو وہ پورا فقیر نہیں۔ اور اگر آدھے دن کا کھانا اور ادھورا کپڑا ہے۔ یعنی لباس بے پگڑی یا پگڑی بے لباس ہے تو وہ شخص فقیر ہے۔ اور اگر اوزار پاس ہوں تو آدمی کمائی کر سکتا ہے۔ اگر کوئی اوزار نہیں تو وہ بھی فقیر ہے اگر طالب علم ہے اور کمائی کرے تو طلب علم سے محروم رہتا ہے۔ تو وہ بھی فقیر ہے اور اس صفت کے فقیر کمتر ملتے ہیں مگر بچے تو یہ تدبیر ہے کہ عیالدار فقیر ڈھونڈیئے اور لڑکوں کے لیے اس عیالدار فقیر کا حصہ دیا جائے دوسری قسم مسکین ہے۔ جس شخص کا خرچ ضروری آمدن سے زیادہ ہو اگرچہ وہ مکان اور کپڑے رکھتا ہو لیکن مسکین ہے۔ جب ایک سال کی روزی اس کے پاس نہ ہو اور اس کی کمائی سال بھر کو کفایت نہ کرے تو اسے اس قدر دینا درست ہے کہ سال بھر اس کا خرچ چل سکے۔ اگرچہ فرش۔ گھر کے برتن اور کتابیں رکھتا ہو۔ مگر جب سال بھر کے مصارف ضروری کا محتاج ہے۔ تو مسکین ہے۔ ہاں اگر احتیاج سے زیادہ کوئی چیز رکھتا ہو تو محتاج نہیں۔ تیسری قسم کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں جو مالداروں سے زکوٰۃ لے کر مستحقین تک پہنچاتے ہیں۔ ان کی اجرت مال زکوٰۃ سے دینا چاہیے۔ چوتھی قسم مولفہ قلوب ہیں اور یہ وہ معزز اور شریف مرد ہیں۔ جو مسلمان ہو جائیں۔ اگر ان کو مال دیں گے تو اوروں کو اس لالچ سے مسلمان ہونے کی رغبت ہو گی۔ پانچویں قسم مکاتب ہے اور وہ لونڈی غلام ہے جو اپنے آپ کو خود مول لے لے اور اپنی قیمت دو بار یا زیادہ قسطیں کر کے اپنے مالک کو ادا کرے۔ چھٹی قسم وہ شخص ہے۔ جو نیک کام میں قرضدار ہو گیا ہے یا فقیر ہو یا امیر لیکن قرض کسی مصلحت کے لیے لیا ہو۔ جس سے کوئی فتنہ فرد ہوا۔ ساتویں قسم غازی لوگ ہیں جن کا یومیہ بیت المال سے مقرر نہ ہوا اگرچہ وہ تونگر ہوں لیکن انہیں سامان سفر' مال زکوٰۃ سے دینا چاہیے۔ آٹھویں قسم مسافر ہے کہ سفر میں ہو اور زادِ راہ نہ رکھتا ہو۔ یا اپنے وطن کو سفر کرنے چلا ہو۔ تو راستے کے خرچ اور کرایہ کی مقدار اسے دینا چاہیے اور کوئی کہے کہ میں فقیر یا مسکین ہوں۔ اگر معلوم نہ ہو کہ یہ جھوٹا ہے تو اس کے قول کو سچ ماننا درست ہے۔ اگر نمازی اور مسافر جہاد اور سفر کو روانہ ہوں تو ان سے مال زکوٰۃ واپس لے لینا درست ہے اور دوسری اقسام کے مستحقین کے بارے میں معتمد لوگوں سے دریافت کرے۔

زکوٰۃ کے اسرار کا بیان: اے عزیز جان کہ جس طرح نماز کی ایک صورت ہے اور حقیقت ہے اور وہ حقیقت صورت کی روح ہے اسی طرح زکوٰۃ کی بھی ایک صورت اور ایک روح ہے جو کوئی زکوٰۃ کی روح کو نہ پہنچے گا اس کی زکوٰۃ صورت بے روح ہے۔

زکوٰۃ میں تین راز ہیں پہلا راز یہ ہے: کہ بندوں کو خدا کی محبت کا حکم ہے اور کوئی مسلمان ایسا نہیں جو خدا کے ساتھ محبت کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ بلکہ مسلمان اس بات کے مامور ہیں کہ کسی چیز کو بھی خدا تعالیٰ سے زیادہ دوست اور عزیز نہ رکھیں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآءُ كُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَايَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۵

یعنی آپ فرمادیں اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور جو مال کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہو جانے سے ڈرتے ہو اور گھر جو تم کو پسند ہیں بہت پیارے ہیں تمہیں اللہ، اس کے رسول اور جہاد سے اس کی راہ میں تو منتظر رہو، یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم اور اللہ نہیں ہدایت دیتا فاسق لوگوں کو۔

غرض کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو یہ دعویٰ نہ کرتا ہو کہ مجھے خدا سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے اور ہر ایک سمجھتا ہے کہ جو میں کہتا ہوں واقع میں بھی ایسا ہی ہے تو اس کی علامت و دلیل کی ضرورت پڑی تاکہ ہر شخص اپنے بے اصل دعویٰ سے مغرور نہ ہو۔ اور مال بھی آدمی کی ایک محبوب چیز ہے۔ تو آدمی کو حق تعالیٰ نے مال سے آزمایا اور فرمایا کہ اگر تو میری دوستی میں سچا ہے تو اپنے ایک معشوق کو مجھ پر فدا کر تاکہ تو اپنا درجہ میری دوستی میں پہنچانے تو جو لوگ اس بتہ کو پہنچے اور یہ بھید سمجھ گئے ان کے تین درجے ہو گئے۔ پہلا درجہ صدیق لوگوں کا ہے کہ جو کچھ اپنے پاس رکھتے ہیں سب اس پر نثار کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم اس کی راہ میں دینا کنجوسوں کا کام ہے ہم پر لازم ہے کہ محبت میں سب دے دیں۔ جس طرح امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں اپنا سارا مال لے آئے آپ نے استفسار فرمایا کہ اے صدیق اپنے بچوں کے لیے کیا چھوڑا۔ عرض کی کہ فقط خدا اور رسول کو چھوڑا ہے۔ بعض نے اپنا نصف مال راہِ خدا میں دیا جس طرح امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصف مال لائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ فاروق بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا عرض کی کہ اسی قدر جس قدر یہاں حاضر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

بَيْنَكُمَا مَابَيْنَ كَلِمَتَيْكُمَا تَفَاوُتٌ

تم دونوں کے درجوں میں بھی اتنا ہی فرق ہے جتنا دونوں کے کلام میں ہے۔

دوسرے درجے پر نیک مرد ہیں جنہوں نے اپنا مال یکبارگی خرچ نہ کیا کہ اس کی قدرت نہ رکھتے تھے لیکن اس کو محفوظ رکھا اور فقیروں کی حاجات اور خیرات کی صورتوں کے منتظر رہے اور اپنے آپ کو فقیروں کے برابر رکھا اور فقط زکوٰۃ پر کفایت کی جو محتاج بھی ان کے پاس پہنچا اسے اپنے اہل و عیال کے برابر رکھا اور خبر گیری کی۔ تیسرا درجہ وہ کھرے لوگ ہیں جو اس سے زیادہ طاقت نہیں رکھتے کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم بطور زکوٰۃ زیادہ دیں۔ انہوں نے فقط فرض پر اکتفا کی اور حکم خدا خوش دلی سے قبول کیا اور جلدی بجا لائے۔ اور زکوٰۃ دے کر فقیروں پر احسان نہ جتایا۔ اور یہ آخری درجہ ہے کیونکہ دو سو درہم میں سے جو حق تعالیٰ نے عنایت فرمائے پانچ درہم دینے کو بھی جس کا جی نہ چاہے وہ خدا کی دوستی سے بالکل

بے بہرہ ہے- اور جو شخص پانچ درہم سے زیادہ نہیں دے سکتا- اس کی دوستی نہایت خفیف ہے اور وہ سب دوستوں میں بخیل اور ہلکے درجے کا ہے-

دوسرا راز: بخل کی نجاست سے دل پاک کرنا ہے کہ بخل دل میں نجاست کی طرح ہے- جس طرح نجاست ظاہری بدن کو نماز کے قابل نہیں رکھتی- نجاست بخل دل کو جناب احدیت کے قرب کے لائق نہیں رہنے دیتی اور بے مال خرچ کئے دل بخل کی نجاست سے پاک نہیں ہوتا- اسی وجہ سے زکوٰۃ بخل کی ناپاکی کو دل سے دور کرتی ہے اور زکوٰۃ اس پانی کی مانند ہے جس سے نجاست صاف ہو- اسی وجہ سے زکوٰۃ و صدقہ مال رسول مقبول ﷺ پر اور آپ کے اہل بیت پر حرام ہے- کیونکہ ان کے منصب و مرتبہ پاکیزہ کو لوگوں کے میل سے بچانا چاہیے-

تیسرا راز: شکر نعمت ہے کیونکہ مال دنیا اور آخرت میں مسلمان کے لیے راحت کا سبب ہیں تو جس طرح نماز روزہ، حج، نعمت بدن کا شکر ہے اسی طرح زکوٰۃ نعمت مال کا شکر ہے تاکہ جب آدمی اپنے آپ کو مال کی بدولت بے پرواہ دیکھے اور دوسرے مسلمان بھائی کو جو اس کی مانند ہے- درماندہ اور عاجز پائے تو اپنے دل میں کہے کہ یہ بھی تو میری طرح خدا کا بندہ ہے- خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس سے بے پرواہ کیا اور اسے میرا محتاج کیا تو میں اس کے ساتھ مہربانی و مدارت کروں مبادا یہ میری آزمائش ہو اور اگر خاطر مدارت میں کوتاہی کروں تو ایسا نہ ہو کہ خدا مجھے اس جیسا اور اسے میرے جیسا کر دے تو آدمی کو چاہیے کہ زکوٰۃ کے یہ اسرار جانے تاکہ اس کی عبادت صورت بے معنی نہ رہے-

آداب زکوٰۃ کا بیان: جو شخص چاہے کہ میری عبادت زندہ رہے اور بے روح نہ ہو اور دوگنا ثواب ملے اسے چاہیے کہ سات آداب اپنے اوپر لازم جانے-

پہلا ادب: یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے میں جلدی کرے- فرض ہونے سے پہلے ہی سال کے اندر اندر دے دیا کرے اس سے تین فائدے ہوں گے ایک تو یہ کہ اس پر عبادت کے شوق کا اثر ظاہر ہوگا- کیونکہ فرض ہونے کے بعد دینا بضرورت ہے- اگر نہ دے گا تو عذاب میں پڑے گا اس وقت دینا خوف و عذاب و عقوبت کی بنا پر ہے- دوستی اور محبت سے نہیں اور وہ اچھا بندہ نہیں ہوتا- جو ڈر سے کام کرے- شفقت اور دوستی سے نہ کرے- دوسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ جلدی دینے سے فقیروں کا دل خوش ہوگا خلوص دل سے وہ دعائے خیر کریں گے- کہ انہیں اچانک خوشی حاصل ہوئی اور فقیروں کی دعا اس کے حق میں سب آفات سے حصار و حفاظت بنے گی- تیسرا فائدہ یہ ہے کہ زمانے کی آفات سے بے فکر ہو جائے گا کیونکہ تاخیر کرنے میں بہت سی آفات ہیں شاید کوئی امر مانع پیش آجائے اور وہ اس خیر سے محروم رہ جائے- جب آدمی کے دل میں امر خیر کی رغبت پیدا ہو تو اسے غنیمت جانے کہ یہ اس پر خدائی نظر رحمت ہے اور قریب ہے کہ شیطان اس پر حملہ

کردے۔

فَاِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ
بے شک دل مومن کا دو انگلیوں میں ہے۔ خدا کی انگلیوں میں سے۔

حکایت: ایک بزرگ کو پاخانہ میں خیال آیا کہ پیراہن فقیر کو دوں۔ فوراً اپنے مرید کو بلایا اور پیراہن اتار دیا۔ مرید نے کہا یا شیخ باہر نکلنے تک کیوں صبر نہ کیا۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ میں ڈرا کہ مبادا میرے دل میں اور کچھ آئے جو مجھے اس امر خیر سے باز رکھے۔

دوسرا ادب: یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ ایک بار دینا ہو تو محرم کے مہینے میں دے کہ افضل مہینہ ہے اور شروع سال ہے یا رمضان المبارک میں دے کہ دینے کا وقت جتنا افضل ہوگا ثواب بھی اتنا ہی ملے گا۔ رسول مقبول ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ جو کچھ آپ کے پاس ہوتا اللہ دیتے اور رمضان شریف میں کوئی چیز نہ رکھتے بالکل خرچ کر ڈالتے۔

تیسرا ادب: یہ ہے کہ زکوٰۃ چھپا کر دے۔ اعلانیہ نہ دے تاکہ ریا سے دور اخلاص سے نزدیک رہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ پوشیدہ صدقہ دینا حق تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی عرش کے سایہ میں ہوں گے۔ ایک بادشاہ عادل دوسرا وہ شخص جو داہنے ہاتھ سے اس طرح صدقہ دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ اے عزیز جان کہ چھپا کر صدقہ دینے کا یہ مرتبہ ہے کہ قیامت کے دن پوشیدہ صدقہ دینے والا بادشاہ عادل کے درجے پر ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے جو صدقہ چھپا کر نہیں دیا جاتا۔ اسے اعمال ظاہری میں لکھتے اور جو چھپا کر دیا جاتا ہے اسے اعمال باطنی میں درج کرتے ہیں۔ صدقہ دے کر کہے کہ میں نے یہ خیرات کی تو اس صدقہ کو اعمال ظاہری اور باطنی دونوں کی فرد سے مٹا دیتے ہیں اور ریا کی فرد میں لکھ لیتے ہیں۔ اسی لیے اگلے بزرگ صدقہ چھپا کر دینے میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کوئی تو اندھا فقیر ڈھونڈ کر چپکے سے اس کے ہاتھ میں صدقہ دیتا اور منہ سے کچھ نہ بولتا تاکہ وہ بھی نہ جانے کہ کس نے دیا اور کوئی فقیروں کی گزرگاہوں پر ڈال دیتا اور کوئی کسی واسطہ سے دیتا اور کوئی سوتے فقیر کے کپڑے میں اس طرح چپکے سے باندھ دیتا کہ وہ جاگنے نہ پائے۔ یہ سب باتیں اس لیے تھیں کہ فقیر بھی نہ جانے اوروں سے پوشیدہ رکھنا تو بہت ضروری جانتے تھے۔ کیونکہ اگر ظاہر کر کے آدمی صدقہ دے تو دل میں ریا پیدا ہوتا ہے۔ اگر بخل ٹوٹتا ہے تو ریا مضبوط ہوتا ہے۔ اور بخل و ریا وغیرہ سب مہلک چیزیں ہیں بخل بچھو اور ریا سانپ کی مانند ہے۔ جو بچھو سے بھی بڑھ کر ہے۔ جب کوئی شخص بچھو سانپ کو کھلائے گا۔ سانپ کی قوت اور بڑھے گی۔ تو ایک مہلک سے چھوٹے گا۔ دوسرے مہلک سخت کے شکنجے میں پھنسے گا اور ان باتوں کا زخم جواب دل پر ہے۔ جب آدمی قبر میں جائے گا تو وہ زخم سانپ بچھو

کے زخموں کی مانند ہو گا- جیسا کہ عنوان مسلمانی میں ہم بیان کر چکے ہیں تو اعلانیہ صدقہ دینے کا نقصان نفع سے زیادہ ہے-

چوتھا ادب: یہ ہے کہ اگر ریا کا بالکل اندیشہ نہ ہو- اور اپنے دل کو ریا سے بالکل پاک کر چکا ہو- اور یہ سمجھے کہ اگر میں اعلانیہ صدقہ دوں گا تو اور لوگوں کو بھی صدقہ دینے کی رغبت پیدا ہو گی- اور میری اقتدار کریں گے تو ایسے شخص کو اعلانیہ دینا بہتر ہے اور ایسا آدمی وہ ہوتا ہے جس کے نزدیک تعریف و مذمت یکساں ہوں اور تمام کاموں میں خدا کے جاننے پر ہی اکتفا کرتا ہو-

پانچواں ادب: یہ ہے کہ احسان جتا کر اور لوگوں کو سنا کر صدقہ کو ضائع نہ کرے حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَاتُبۡطِلُوۡا صَدَقَاتِکُمۡ بَالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی ہ — نہ ضائع کرو تم لوگ اپنے صدقات کو احسان جتانے اور دل ستانے سے-

اذیٰ کے معنی فقیر کو آزردہ کرنا ہے- اس طرح کہ اس سے ترس رو ہو یا ناک بھوں چڑھائے یا اسے کلماتِ سخت کہے- یا محتاج جان کر اور سوال کرنے سے اسے ذلیل و خوار سمجھا اور نگاہِ حقارت سے دیکھا- یہ باتیں دو قسم کی جہالت اور حماقت سے ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ مال ہاتھ سے دینا ناگوار ہے اس وجہ سے جھنجھلاہٹ میں آ کر سخت کلامی کی اور جسے ایک درہم دے کر ہزار لینا ناگوار ہو- وہ جاہل و نادان ہے- کیوں کہ اگر وہ زکوٰۃ دے گا تو جنت اور خدا کی رضامندی حاصل کرے گا- اور اپنے آپ کو دوزخ سے آزاد کرے گا- اگر ان باتوں پر ایمان رکھتا ہے تو زکوٰۃ دینا اسے کیوں ناگوار ہے دوسری حماقت یہ ہے کہ اگر مالدار ہونے کی وجہ سے آدمی اپنے آپ کو فقیر سے اشرف سمجھے اور یہ نہیں جانتا کہ جو اس سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائے گا وہ اس سے افضل ہے اور اس کا درجہ بہت اعلیٰ ہے اور خدا کے نزدیک ایک فخر اور فضیلت فقیر ہی کو ہے دولت مندی کو نہیں اور فقیری کے افضل ہونے کی دنیا میں یہ دلیل اور علامت ہے کہ امیر کو خدا تعالیٰ نے دنیا اور مال کے اشغال اور اس کے رنج و ملال میں مصروف کر رکھا ہے حالانکہ امیر کو ضرورت کے اندازے سے زیادہ دنیا سے کچھ حصہ نہیں اور امیر پر فرض کر دیا ہے کہ بقدر ضرورت فقیر کو دے- تو حقیقت میں حق تعالیٰ نے دنیا میں امیر کو فقیر کا بیگاری بنایا ہے- اور آخرت میں امیر کے لیے پانچ سو برس جنت کا انتظار خاص کر دیا ہے-

چھٹا ادب: یہ ہے کہ احسان نہ جتلائے اور جہالت احسان جتلانے کی اصل اور دل کی صفت ہے احسان جتلانا یہ ہے کہ سمجھے میں نے فقیر کے ساتھ نیکی کی اپنی ملک سے اسے دولت دی کہ فقیر میرا زیردست رہے- جب یہ سمجھا تو یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ یہ امیدوار ہے کہ فقیر میری زیادہ خدمت کرے اور میرے کاموں میں مستعد رہا کرے- اور پہلے مجھے سلام کیا کرے- غرضیکہ امید رکھتا ہے کہ میری زیادہ عزت کرے اور اگر وہ فقیر اس کے حق میں کچھ کوتاہی کرے تو

پہلے سے زیادہ تعجب کرتا ہے اور چاہے تو یہ بھی کہے کہ میں نے اس کے ساتھ یہ نیکی کی یہ جہالت و نادانی ہے - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فقیر نے اس سے دوستی اور نیکی کی کہ اس سے صدقہ قبول کیا اسے آتش دوزخ سے رہائی عطا کی اور اس کے دل کو بخل کی نجاست سے پاک کیا - اگر حجام اس امیر کے پچھنے مفت لگاتا ہے تو اس کا احسان جانتا ہے کہ جو خون میرے ہلاک ہونے کا باعث تھا - اس نے مجھے اس سے نجات دی - اسی طرح اس کے دل میں بخل اور اس کے پاس مال زکوٰۃ بھی اس کی ہلاکت و نجاست کا باعث تھا - کہ فقیر کی وجہ سے اس سے طہارت بھی ہوئی - نجات بھی ملی تو امیر کو ایک تو اس وجہ سے فقیر کا احسان مند ہونا چاہیے - دوسرے یہ کہ رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا: "صدقہ پہلے خدا کے دست رحمت پر رکھا جاتا ہے 'پھر فقیر کے ہاتھ آتا ہے -" تو جب صدقہ حق تعالیٰ کو دیا اور فقیر نے یہ نیابۃً لیا تو دینے والے کو چاہیے کہ فقیر کا احسان مند ہو نہ کہ اس پر احسان جتائے - آدمی جب اسرار زکوٰۃ میں سے ان تین امور کو سوچے گا تو سمجھ لے گا کہ احسان جتلانا نادانی ہے - اگلے بزرگوں نے احسان سے پرہیز کرنے میں بڑی کاوش کی ہے - اور فقیر کے سامنے عاجزی اور فروتنی سے کھڑے رہے ہیں اور گذارش کر کے عرض کی ہے کہ مجھ سے یہ قبول فرمایئے اور نذر دکھانے کی طرح فقیر کے سامنے ہاتھ بڑھایا ہے - تاکہ فقیر پیسہ روپیہ اوپر سے اٹھالے - اور فقیر کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کے نیچے نہ ہو :

اَلْیَدُالْعُلْیَا خَیْرٌمِنْ یَدِ الْسُفْلیٰ ۵ — اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے -

تو کس لائق ہے کہ احسان جتلائے ام المومنین حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما جب کسی فقیر کو کچھ بھیجتیں تو لے جانے والے سے فرمادیتیں کہ فقیر جو دعا دے وہ یاد رکھنا کہ ہر دعا کی مکافات میں ہم بھی اس کے لیے دعا کریں تاکہ صدقہ بے عوض و خالص رہے - فقیر سے دعا کا لالچ بھی پسند نہ کرتی تھیں کہ دعا اس نظر سے ہوتی ہے کہ دینے والے نے احسان کیا ہے - حقیقت میں احسان کرنے والا فقیر ہے کہ تیری اس خدمت کو اس نے قبول کیا -

ساتواں ادب : یہ ہے کہ اپنے مال میں سے جو بہت اچھا بہتر اور حلال ہو وہ فقیر کو دے کیونکہ جس مال میں شبہہ ہو وہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لائق نہیں - کیونکہ خدا تعالیٰ پاک ہے اور اس نے فرمایا ہے کہ میں پاک ہی چیزوں کو قبول فرماتا ہوں :

وَلَاتَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ — یعنی جو چیز لوگ تمہیں دیں اور تم اسے کراہت سے لو تو اس کو راہ خدا میں کیوں خرچ کرتے ہو -

اور جس شخص نے اپنے گھر کی چیزوں میں سے بدتر چیز مہمان کے سامنے رکھی - اس نے مہمان کی حقارت کی تو یہ کیونکر درست ہوگا کہ بدتر چیز خدا کی راہ میں دے اور اچھی چیز اس کے بندوں کے لیے رکھ چھوڑے اور بری چیز دینا اس بات پر دلیل ہے کہ خوش دلی سے نہیں دے رہا اور جو صدقہ خوش دلی سے دیا جائے - اس کے قبول نہ ہونے کا اندیشہ ہے - رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے ہو سکتا ہے کہ صدقہ کا ایک درہم ہزار درہم پر فضیلت لے جائے اور وہ درہم وہ ہے جو بہتر

ہو اور خوش دلی سے دیا جائے-"

زکوٰۃ کے لیے فقیر کے آداب : اگرچہ ہر مسلمان فقیر کو زکوٰۃ دینے سے فرض ادا ہو جاتا ہے- لیکن جو شخص آخرت کی تجارت کرے- اسے محنت سے دست بردار نہیں ہونا چاہیے- اور جب زکوٰۃ درست جگہ صرف ہوگی تو اس کا ثواب کئی گنا بڑھ جائے گا- تو چاہیے کہ پانچ صفات میں سے کسی ایک صفت کا آدمی ڈھونڈے- پہلی صفت یہ ہے کہ متقی پرہیزگار ہو حضور علیہ ﷺ نے فرمایا ہے :

اَطعِمُوْا طَعَامُکُمْ اِلْاَ تقِیَاء ۝ یعنی پرہیزگاروں کو اپنا کھانا کھلاؤ-

اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگ جو کچھ لیتے ہیں اسے خدا کی بندگی میں اپنا مددگار بناتے ہیں- دینے والا ان کی عبادت میں شریک رہتا ہے- کیونکہ اس نے عبادت میں اس عابد کی مدد کی ہے-

حکایت : ایک امیر ہمیشہ صوفیوں ہی کو صدقہ دیتا اور کہا کرتا کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کا مقصد نہیں رکھتے اگر ان کو کچھ حاجت اور ضرورت ہوتی ہے تو ان کا دھیان ہٹ جاتا ہے اور میں ایسے دل کو خدا تعالیٰ کی جناب میں لے جانا ان لوگوں کے ساتھ مراعات کرنے سے بہتر جانتا ہوں- جن کا مقصد دنیا ہو- یہ حال جب خواجہ جنید قدس سرہ سے لوگوں نے بیان کیا آپ نے فرمایا کہ وہ خدا کے دوستوں میں سے ہے یہ شخص پہلے بقال تھا- پھر مفلس ہو گیا- کیونکہ فقیر جو کچھ اس سے خریدتے اس کی قیمت نہ لیتا تھا- حضرت جنید قدس سرہ نے پھر دکان رکھنے کے لیے تھوڑا سا مال اسے دے دیا اور فرمایا کہ تیرے جیسے آدمی کو تجارت میں کبھی نقصان نہ ہوگا- دوسری صفت یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے والا طلب علم ہو کہ اگر صدقہ دیں گے تو علم حاصل کرنے کی فرصت پائے گا- اور دینے والا علم کے ثواب میں شریک ہوگا- تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شخص اپنی غریبی اور فقیری کو چھپائے ہو اور شان و شوکت سے بسر کرتا ہو- وہ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے-

یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاۤءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۝ گمان کرتے ہیں انہیں ناواقف لوگ غنی گداگری سے بچنے کی وجہ سے-

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی مفلسی پر تحمل و شوکت کا نقاب ڈالا ہے- ایسا نہ چاہیے کہ ان لوگوں کو چھوڑ کر پیشہ ور فقیروں کو دے- چوتھی صفت یہ ہے کہ عیالدار یا بیمار ہو- کیوں کہ جس کسی کو جس قدر حاجت اور رنج و مصیبت زیادہ ہوگی- اسی قدر اسے آرام پہنچانے کا ثواب بھی زیادہ ہوگا- پانچویں صفت یہ ہے کہ قرابت والے ہوں کہ انہیں دینا بھی خیرات ہے اور ادائے حقِ قرابت بھی جو کوئی خدا کی محبت میں کسی سے رشتہ و تعلق رکھتا ہو- وہ بھی قرابت داروں کے درجہ میں ہے جس کسی میں یہ صفات سب کی سب یا اکثر پائی جائیں وہ بہتر ہے جب ایسے لوگوں کو دے گا تو ان کی دعا و ہمت دینے والے کے حق میں قلعہ بن جائے گی- یہ نفع اس نفع کے علاوہ ہے کہ بخل کو اپنے دل سے دور کر دیا اور شکر نعمت بجا لایا اور

زکوٰۃ سادات کو نہ دے کہ یہ میل لوگوں کے مال کی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو دینے کے لائق نہیں اور کفار کو بھی نہ دے کیونکہ یہ مال کفار کو دینا بری اور افسوس کی بات ہے۔

زکوٰۃ لینے والے کے آداب: زکوٰۃ لینے والے کو چاہیے کہ پانچ چیزوں کی رعایت کرے۔ایک یہ سمجھے کہ جب خدا تعالیٰ نے اپنے کچھ بندوں کو محتاج پیدا کیا اس بنا پر اور بندوں کو کثرت سے مال عطا کیا اس نے جس پر بہت مہربانی فرمائی اسے دنیا اور دنیا کے مال کے بکھیڑوں سے محفوظ رکھا۔ نیز دنیا کے حاصل کرنے کا بوجھ اور مال کی نگہبانی کا رنج و وبال امیر لوگوں پر ڈالا اور انہیں حکم دیا کہ ہمارے ان بندوں کو جو بہت معزز و ممتاز ہیں بقدر حاجت دیا کریں۔ تاکہ وہ لوگ دنیا کے بارے سے نجات پاکر دلجمعی سے عبادت کیا کریں اور جب حاجت کے باعث پراگندہ ہمت اور پریشان خاطر ہوں تو امیروں کے ہاتھ سے انہیں بقدر حاجت پہنچ جایا کرے۔ تاکہ ان کی دعا اور ہمت کی برکت سے امیروں کے اعمال کا کفارہ ہو جائے تو فقیر جو کچھ لیتا ہے اس نیت سے لے کر اپنی حاجت میں خرچ کرے۔ تاکہ عبادت میں فراغت حاصل ہو۔ اور اس نعمت الٰہی کی قدر پہچانے کہ امیروں کو اسی کا بیگاری اس لیے بنادیا ہے کہ وہ عبادت میں مصروف رہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے دنیا کے بادشاہ اپنے جن خاص خاص غلاموں کو چاہتے ہیں کہ ہماری خدمت و حضوری سے غیر حاضر نہ ہوں ان کو دنیا کمانے میں مشغول ہونے کے لیے رخصت نہیں دیتے اور ان دہقانوں اور بازاریوں کو جو خدمت خاص کے لائق نہیں۔ ان غلاموں کا بیگاری بناتے ہیں ان سے محصول خراج لے کر غلامانِ خاص کا یومیہ مقرر فرماتے ہیں جس طرح بادشاہ کو سب سے اپنے خواص کی خدمت لینا مقصود ہے اسی طرح حق تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ تمام مخلوق اس کی بندگی کرے۔ اسی لیے فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ — میں نے جن وانس پیدا نہیں کئے مگر صرف اپنی عبادت کے لیے۔

تو فقیر کو چاہیے کہ جو کچھ لے اسی نیت سے لے اسی لیے جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ دینے والا لینے والے سے افضل نہیں اگر وہ حاجت کے لیے لے اور یہ لینے والا وہ شخص ہے جس کی یہ نیت ہو کہ لینے سے مجھے عبادت میں فراغت ہو۔

دوسرا یہ کہ جو کچھ لیتا ہے یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ سے لیتا ہے اور امراء کو حکم الٰہی کا مطیع جانے کیونکہ ایک موکل اس کے ساتھ لگادیا ہے تاکہ وہ اسے دے اور اس کا موکل ایمان ہے۔ اسی کو دیتا ہے اس طرح کہ اس کی نجات و سعادت خیرات سے وابستہ ہے۔ اگر یہ موکل نہ ہوتا تو امیر ایک دانہ بھی کسی کو نہ دیتا تو فقیر پر اس کا احسان ہے جس نے امیر کے ساتھ ایک موکل لگادیا ہے۔ جب لینے والا یہ سمجھا کہ امیر کا ہاتھ واسطہ اور مطیع ہے۔ تو چاہیے کہ اس وساطت کا خیال کرے۔ اس کا شکر ادا کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

فَاِنَّ مَنْ لَّمْ یَشْکُرُ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرُ اللّٰہَ
تو بے شک جس نے بندوں کا شکر ادا نہ کیا وہ خدا کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔

اور اس کے باوجود کہ حق تعالیٰ بندوں کے کاموں کا خالق ہے مگر اس کی یہ بندہ نوازی ہے کہ ان کی تعریف فرماتا اور ان کا شکر بجالاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ
کیا اچھا بندہ ہے بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے۔

اور فرمایا:

اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا
بے شک وہ راست باز نبی تھا۔

اور ایسی آیات اور یہ اس لیے ہے کہ خدا تعالیٰ جسے واسطہ خیر بناتا ہے اسے معزز کرتا ہے۔ جیسا کہ رسول خدا ﷺ کی زبانی فرمایا:

طوبیٰ لمن خلقته للخیر ویسرت الخیر علییدیه
خوشی ہے اس کے لیے جسے میں نے نیکی کے لیے پیدا کیا اور اس کے ہاتھ میں نے نیکی آسان کر دی۔

تو جن کو اس نے معزز کیا ان کی قدر پہچاننا ضروری ہے۔ شکر کے یہی معنی ہیں اور فقیر کو چاہیے کہ دینے والے کے حق میں یہ دعا کرے۔

طهرالله قلبک فی قلوب الا براروزکیٰ عملک فی عمل الاخیاروصلی علی روحک فی روح الشهداء
نیکوں کے دلوں میں اللہ تیرے دل کو بھی نیک کرے اور پاک لوگوں کے کاموں میں اللہ تیرا عمل بھی پاک کرے اور شہداء کی روح میں اللہ تیری روح پر بھی رحمت نازل کرے۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کا بدلہ دو۔ اگر نہ ہو سکے تو اس کے حق میں اتنی دعا کرو کہ جان لو کہ اس کی بھلائی کا عوض پورا ہو گیا۔ اور جس طرح دینے والے کے لیے یہ بات شرط ہے کہ جو کچھ دے اگرچہ زیادہ ہو اسے حقیر جانے اور اس کی کچھ قدر نہ سمجھے اسی طرح لینے والے کا کمال شکر یہ ہے کہ صدقہ کا عیب پوشیدہ رکھے اور تھوڑی چیز کو تھوڑا نہ جانے اور حقیر نہ سمجھے۔

تیسرے یہ کہ جو مال حلال نہ ہو وہ نہ لے۔ ظالم اور سود خور کے مال سے کچھ نہ لے۔ چوتھے یہ کہ جس قدر ضرورت ہو اسی قدر لے۔ اگر سفر کی ضرورت سے لیتا ہے تو زادِ راہ اور کرایہ کے اندازے سے زیادہ نہ لے۔ اگر ادائے قرض کے لیے لیتا ہے تو قرض سے زیادہ نہ لے۔ اگر عیال واطفال کی کفالت کے لیے دس درہم کافی ہوں تو گیارہ نہ لے کہ وہ ایک درہم جو ضرورت سے زیادہ ہے اس کا لینا حرام ہے اور اگر گھر میں کچھ سامان یا کپڑا وغیرہ صرف زیادہ ہو تو چاہیے کہ زکوٰۃ نہ لے۔

پانچویں یہ کہ اگر زکوٰۃ دینے والا عالم نہ ہو تو اس سے پوچھے کہ یہ جو تو دیتا ہے مساکین کا حصہ ہے یا مثلاً قرضدار کا

اگر لینے والا اسی نوعیت کا ہے جس نوعیت والے کا وہ حصہ دیا جاتا ہے اور دینے والا اسے زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ دیتا ہے جو نہ لینا چاہیے کیونکہ امام شافعیؒ کے مذہب میں سب ایک آدمی کو نہ دینا چاہیے۔

صدقہ اور زکوٰۃ کی فضیلت: رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ صدقہ دیا کرو۔ اگرچہ آدھا خرما ہو۔ کیونکہ وہ فقیر کو زندہ رکھتا اور گناہ کو یوں مٹاتا ہے جیسے پانی آگ کو اور فرمایا ہے کہ دوزخ سے بچو اگرچہ آدھے ہی خرمے کی بدولت ہو۔ اگرچہ یہ بھی نہ ہو سکے تو میٹھی بات ہی سہی اور فرمایا جو مسلمان اپنے مال حلال سے صدقہ دیتا ہے۔ اسے حق تعالیٰ اپنے دستِ شفقت و لطف سے اس طرح پرورش فرماتا ہے۔ جیسے تم اپنے چارپایوں کی پرورش کرتے ہو۔ یہاں تک کہ چند خرمے کوہِ احد کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اور فرمایا ہے۔ صدقہ شر کے دروازوں میں سے ستر دروازے بند کر دیتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کون سا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا جو صدقہ تندرستی میں دیا جائے۔ جب زندگی کی امید ہو اور افلاس کا ڈر ہو۔ یہ نہیں کہ صبر کرتا رہے جب حلقوم میں دم آجائے تو کہے کہ یہ چیز فلاں کو دینا یہ فلاں کو۔ کیونکہ رب وہ کہے خواہ نہ کہے وہ چیزیں تو فلاں فلاں کو خواہ مخواہ ہو ہی جائیں گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص اپنے دروازے سے سائل کو محروم پھیرتا ہے سات دن تک اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے۔ رسولِ مقبول ﷺ دو کام اوروں پر نہیں چھوڑتے تھے۔ بلکہ اپنے ہی ہاتھ سے کرتے تھے فقیر کو صدقہ اپنے ہی دستِ مبارک سے دیتے اور رات کو وضو کے لیے پانی برتن میں خود رکھتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا ہے جو شخص مسلمان کو کپڑا پہنائے گا۔ جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا دینے والا خدا کی حفاظت میں رہے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پچاس ہزار درہم صدقہ دیئے اور اپنے پیراہن میں پیوند لگائے رکھے۔ اور نیا پیراہن اپنے لیے نہ سلوایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک آدمی نے ستر برس عبادت کی۔ اس سے اتنا بڑا ایک گناہ سرزد ہوا کہ وہ سب عبادت برباد اور رائیگاں ہو گئی۔ وہ ایک فقیر کی طرف سے گزرا اور اسے ایک روٹی دی۔ تو حق تعالیٰ نے اس کا وہ گناہ عظیم بخش دیا اور ستر برس کی عبادت اسے واپس کر دی۔ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی۔ کہ بیٹا تجھ سے جب کوئی گناہ سرزد ہو تو صدقہ دینا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود بہت مقدار میں شکر صدقہ دیتے اور فرماتے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ — تم لوگ ہر گز نیکی کے مقام کو نہ پا سکو گے جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے۔

اور حق تعالیٰ جانتا ہے کہ میں شکر کو پسند کرتا ہوں۔ حضرت شبعیؒ نے فرمایا ہے جو کوئی اپنے آپ صدقہ کے ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ جانے۔ جتنا فقیر اس کا محتاج جانتا ہے۔ تو اس شخص کا صدقہ قبول نہیں ہوتا حضرت حسن بصری نے ایک بردہ فروش کے پاس ایک خوبصورت لونڈی دیکھی پوچھا اسے دو درہم سے بیچتا ہے اس نے کہا نہیں آپ نے کہا بھئی خدا تعالیٰ تو حور عین دو حبہ سے بیچتا ہے۔ حالانکہ وہ اس لونڈی سے نہایت خوبصورت ہے۔ یعنی صدقہ کے عوض عنایت فرما دیتا ہے۔

☆..........☆..........☆
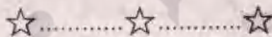
چھٹی اصل روزہ کا بیان

اے عزیز جان کہ ارکان اسلام میں سے ایک رکن روزہ ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: نیکی کا بدلہ دس سے سات سو تک دیتا ہوں۔ مگر روزہ کہ وہ خاص میرے لیے ہے اس کی جزا خود میں دیتا ہوں اور فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ — سوائے اس کے نہیں کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر و ثواب دیا جائے گا۔

یعنی جو لوگ خواہشات کو روکتے ہیں ان کی مزدوری حساب میں نہیں آتی اور نہ اندازہ میں سماتی بلکہ حد سے زیادہ ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ صبر نصف ایمان ہے' اور روزہ نصف صبر ہے اور فرمایا روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے کھانا پینا اور جماع میرے لیے چھوڑ دیا۔ میں ہی اس کی جزا دے سکتا ہوں۔ اور رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا ہے۔ روزہ دار کا سونا عبادت' سانس لینا تسبیح اور دعا بہترین اجابت ہے اور فرمایا ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو قید کر دیتے ہیں اور منادی پکارتا ہے کہ اے طالب خیر جلد آ کہ تیرا وقت ہے اور اے طالب شر ٹھہر جا کہ تیری جگہ نہیں اور روزہ کی بڑی شان ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ — روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

اگرچہ سب عادتیں اسی معبودِ حق کے لیے ہیں لیکن یہ تخصیص ایسی ہے۔ جیسے بیت اللہ شریف کو اپنا گھر فرمایا گو تمام عالم اسی کی ملک ہے اور روزہ کی دو خاصیتیں ہیں جن کے باعث جناب صمدیت کی طرف منسوب ہونے کے لائق ہوا۔ ایک یہ کہ اس کی حقیقت ترک شہوات ہے اور یہ باطن امر ہے لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے ریا کو اس میں کچھ دخل نہیں دوسرے یہ کہ ابلیس خدا تعالیٰ کا دشمن ہے اور شہوات ابلیس کا لشکر اور روزہ اس کے لشکر کو شکست دیتا ہے۔ کیونکہ روزہ کو حقیقت ترک شہوات ہے اسی لیے جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ شیطان آدمی کے باطن میں اس طرح چلتا ہے۔ جیسے خون بدن میں رواں ہے۔ شیطان کی راہ بھوک سے تنگ کرو اور یہ بھی فرمایا ہے:

اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ — روزہ ڈھال ہے۔

یعنی روزہ سپر ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے۔ جنت کا دروازہ کھٹکھٹایا کرو۔ لوگوں نے پوچھا کس چیز سے فرمایا بھوک سے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ روزہ عبادت کا دروازہ ہے یہ سب فضیلتیں اسی وجہ سے ہیں کہ خواہشات عبادات سے مانع ہیں اور سیر ہو کر کھانا خواہش کی مدد ہے اور بھوک خواہشوں کو مار دیتی ہے۔

روزہ کے فرائض : روزہ میں دس چیزیں فرض ہیں۔

پہلا رمضان کا چاند ڈھونڈھے کہ انتیس کا ہے یا تیس کا اس بارے میں ایک شاہد عادل کے قول پر اعتماد کرنا درست ہے اور عید کے چاند کے لیے دو گواہ سے کم درست نہیں جو کسی ایسے معتمد شخص سے رمضان کا چاند ہونا سنے جسے وہ سچا جانتا ہو تو اس پر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ گو قاضی اس کے قول پر حکم نہ کرے اگر کسی شہر میں چاند دیکھا گیا۔ جو سولہ کوس ایک بستی سے دور ہے۔ تو اس بستی والوں پر روزہ فرض نہ ہوگا اور اگر سولہ کوس سے مسافت کم ہے تو ہوگا۔

دوسرا فرض نیت ہے چاہیے کہ ہر شب نیت کیا کرے اور یاد رکھے کہ یہ روزہ رمضان کا ہے۔ اور فرض اور ادا ہے۔ جو مسلمان یہ بات یاد رکھے گا۔ اس کا دل نیت سے خالی نہ رہے گا۔ اگر شک کی رات کو یوں نیت کی کہ اگر کل رمضان ہے تو میں روزہ دار ہوں تو نیت درست نہیں۔ اگرچہ رمضان ہو۔ یہاں تک کہ ایک معتمد کے قول سے شک دور ہو جائے اور رمضان کی اخیر رات میں یہ نیت درست ہے۔ اگرچہ شک ہو۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ ابھی رمضان باقی ہے اور جب کوئی شخص اندھیری جگہ میں بند ہو۔ خیال اور سوچ کر کے وقت تجویز کرے اور اسی اعتماد پر نیت کرے تو درست ہے۔

تیسرا فرض یہ ہے کہ باہر سے کوئی چیز عملاً اپنے اندر لے جائے۔ فصد لینا' پچھنے لگوانا' سرمہ لگانا۔ سلائی کان میں ڈالنا روئی سوراخ ذکر میں رکھنا اس سے روزہ میں کچھ نقصان نہیں ہوتا کیونکہ باطن سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے ٹھہرنے کی جگہ ہو۔ جیسے دماغ' پیٹ' معدہ' مثانہ اور اگر بلا قصد کوئی چیز پیٹ میں چلی جائے جیسے مکھی غبار یا کلی کا پانی حلق میں پہنچے تو روزہ میں نقصان نہیں مگر یہ کہ کلی میں مبالغہ کیا اور پانی حلق سے لے لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور بھولے سے اگر کچھ کھا لیا تو کچھ قباحت نہیں لیکن اگر صبح و شام کے گمان سے کوئی چیز کھالی۔ پھر معلوم ہوا کہ صبح کے بعد یا غروب آفتاب سے پہلے کھائی تھی تو روزہ قضا کرے۔

چوتھا فرض یہ ہے کہ جماع نہ کرے۔ اگر اس قدر قربت کی کہ غسل واجب ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اگر روزہ یاد نہ تھا تو نہ ٹوٹے گا۔ اگر رات کو صحبت کی اور صبح کے بعد نہایا تو روزہ درست ہے۔

پانچواں فرض یہ ہے کہ کسی طریقہ سے منی نکلنے کا ارادہ نہ کرے۔ اگر اپنی بیوی سے قربت یعنی مساس بوس و کنار وغیرہ کیا' جماع نہ کیا اور خود جوان ہے اور انزال کا اندیشہ ہے اور انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

چھٹا فرض یہ ہے کہ عمداً قے نہ کرے بے اختیاری سے ہو تو روزہ باطل نہ ہوگا اور اگر زکام یا اور کسی وجہ سے بلغم کو کھنکھنار کے تھوک دیا تو کچھ قباحت نہیں۔ کیونکہ اس سے بچنا دشوار ہے اور اگر منہ میں آنے کے بعد پھر نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

روزہ کی سنتیں : روزہ کی سنتیں چھ ہیں۔ ۱۔ سحری دیر سے کھانا۔ ۲۔ کھجور یا پانی سے جلد افطار کرنا ۳۔ زوال کے بعد مسواک نہ کرنا ۴۔ فقیر کو کھانا کھلانا ۵۔ قرآن بہت پڑھنا ۶۔ مسجد میں اعتکاف کرنا۔ خصوصاً عشرہ آخر میں جس میں

قدر ہوتی ہے حضور نبی اکرم ﷺ اس عشرہ میں آرام اور نیند ترک کر کے عبادت پر کمر باندھ لیتے آپ اور آپ کے اہل خانہ عبادت سے ایک دم غافل نہ ہوتے- شب قدر اکیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں رات ہے اکثر ستائیسویں کی ہوتی ہے-اولیٰ یہ ہے کہ اس عشرہ میں مسلسل اعتکاف کرے- اگر نذر کا ہے تو لازم ہو گا- اعتکاف میں پائخانہ پیشاب کے سوا اور کسی کام کے لیے مسجد سے نہ نکلے اور جتنی دیر وضو میں صرف ہوتا ہے- اس سے زیادہ گھر میں نہ ٹھہرے- اور اگر نماز جنازہ یا عیادت مریض یا گواہی یا تجدید طہارت کے لیے نکلے گا تو اعتکاف نہ ٹوٹے گا- مسجد میں ہاتھ دھونا کھانا کھانا سو جانا درست ہے جب قضائے اجابت سے فارغ ہو کر آئے تو اعتکاف کی تازہ نیت کرے-

روزہ کی فضیلت : اے عزیز جان کہ روزہ کے تین درجے ہیں- ایک عوام کا روزہ دوسرے خواص کا روزہ تیسرے خاص الخواص کا- عوام کا روزہ وہ ہے جس کا بیان ہو چکا ہے- کھانے پینے' جماع کرنے سے باز رہنا اس کا انتہائی مرتبہ ہے اور یہ روزے کا ادنیٰ درجہ ہے خاص الخواص کا روزہ اعلیٰ ترین درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو ماسوائے اللہ کے خطرے سے بچائے اور اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپرد کر دے اور جو چیز اللہ کے سوا ہے اس سے ظاہراً باطناً روزہ رکھے' اور الگ رہے- جب کلام الٰہی اور اس کے متعلقات کے سوا دوسری بات کا خیال کرے گا- تو وہ روزہ کھل جائے گا اور غرض دنیوی کا خیال کرنا اگرچہ مباح ہے' لیکن اس روزہ کو باطل کر دیتا ہے- مگر وہ دنیا جو دین میں مددگار ہو فی الحقیقت دنیا نہیں ہے- حتیٰ کہ علماء نے کہا ہے کہ آدمی دن کو اگر افطاری کی تدبیر کرے تو اس کے نام پر گناہ لکھتے ہیں- کیونکہ یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ رزق کے بارے میں جو حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے- اس شخص کو اس کا یقین نہیں- یہ مرتبہ انبیاء اور صدیقوں کا ہیں ہر ایک اس مرتبہ کو نہیں پہنچتا- خواص کا روزہ یہ ہے کہ آدمی فقط کھانا' پینا' جماع کرنا نہ چھوڑ دے بلکہ اپنے تمام جوارح کو حرکات ناشائستہ سے بچائے اور یہ روزہ چھ چیزوں سے پورا ہوتا ہے- ایک تو یہ کہ آنکھ کو ایسی چیزوں سے بچائے جو خدا کی طرف سے دل کو پھیرتی ہیں- خصوصاً ایسی چیز کی طرف نظر نہ کرے جس میں شہوت پیدا ہوتی ہے کیونکہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ نظر ابلیس کے تیروں میں سے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے- جو شخص خوف خدا کے تحت اس سے بچے گا- اسے ایمان کا ایسا خلعت عطا فرمائیں گے جس کی حلاوت اپنے دل میں پائے گا- حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ہے کہ پانچ چیزیں روزہ کو توڑ ڈالتی ہیں- ۱- جھوٹ ۲- غیبت ۳- سخن چینی ۴- جھوٹی قسم کھانا ۵- شہوت سے کسی کی طرف نظر کرنا- دوسری چیز جس سے روزہ پورا ہوتا ہے یہ ہے کہ بیہودہ گوئی اور بے فائدہ بات سے زبان کو بچائے- ذکر الٰہی یا تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہے- یا خاموش رہے- بحث اور جھگڑا بیہودہ گوئی میں داخل ہے لیکن غیبت اور جھوٹ بعض علماء کے مذہب میں روزۂ عوام کو بھی باطل کرتا ہے- حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا اور پیاس کے مارے ہلاکت کے قریب ہو گئیں نبی

۱- احناف کے نزدیک بعد زوال بھی مسواک کرنا جائز اور کار ثواب ہے- مسواک نہ کرنا شافعیوں کا مسلک ہے- مترجم غفرلہٗ

اکرم ﷺ سے روزہ توڑنے کی اجازت چاہی آپ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا کہ اس میں قے کریں ہر ایک کے حلق سے خون کے ٹکڑے نکلے۔ لوگ اس ماجرے سے حیران ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان دونوں عورتوں نے ان چیزوں سے جو خدا نے حلال کی ہیں روزہ رکھا اور جو اس نے حرام کی ہیں۔ اس سے توڑ ڈالا۔ یعنی کسی کی غیبت کی ہے اور یہ خون آدمیوں کا گوشت ہے جو انہوں نے کھایا۔ تیسرے یہ کہ کان سے بری بات نہ سنے کیونکہ جو بات کہنا نہ چاہیے۔ وہ سننا بھی نہ چاہیے۔ غیبت اور جھوٹ کا سننے والا بھی کہنے والے کے گناہ میں شریک ہے۔ چوتھے یہ کہ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کو ناشائستہ حرکتوں سے بچائے جو روزہ دار ایسے برے کام کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار ہونے سے تو پرہیز کرے لیکن زہر کھائے کیونکہ گناہ زہر ہے اور طعام غذا ہے۔ مگر زیادہ کھانے میں نقصان ہے۔ ہاں اصل غذا مضر نہیں اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا روزہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پانچویں یہ کہ افطار کے وقت حرام اور شبہ کی چیز نہ کھائے۔ نیز حلال خالص بھی بہت نہ کھائے۔ اس لیے کہ رات کو دن کا حصہ بھی جب کھا لے گا تو کیا فائدہ۔ روزے سے مقصود تو خواہشات کا توڑنا ہے۔ اور دوبار کا کھانا ایک ہی بار کھا لینا خواہش میں اضافہ کرتا ہے۔ خصوصاً جب طرح طرح کا کھانا ہو اور جب تک معدہ خالی نہ رہے گا دل صاف نہ ہوگا۔ بلکہ سنت یہ ہے کہ دن میں زیادہ نہ سوئے جاگتا رہے تاکہ بھوک اور ضعف کا اثر محسوس کرے۔ جب رات کو تھوڑا کھانا کھا کے جلدی نہ سو جائے گا۔ تہجد کی نماز نہ پڑھ سکے گا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھرا ہوا برتن معدہ سے بدتر نہیں ہے۔ چھٹے یہ کہ افطار کے بعد اس کا دل اس خیال میں رہے کہ نہ معلوم روزہ قبول ہوا یا نہیں۔

حضرت حسن بصری ﷺ عید کے دن ایک قوم کے پاس سے گزرے وہ ہنس کھیل رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کو گویا ایک میدان بنایا ہے۔ تاکہ اس کے بندے طاعت و عبادت میں پیش قدمی اور اضافہ کریں۔ ایک گروہ سبقت لے گیا اور ایک گروہ پیچھے رہ گیا۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو ہنستے ہیں اور اپنی حقیقت حال نہیں جانتے۔ قسم خدا کی اگر پردہ اٹھ جائے اور حال کھل جائے تو جن کی عبادت مقبول ہے وہ خوشی میں اور جن کی عبادت نامقبول ہے۔ وہ رنج میں مشغول ہو جائیں اور کوئی ہنسی کھیل میں مصروف نہ ہو۔

اے عزیز ان سب باتوں سے تو نے یہ پہچانا کہ جو شخص روزے میں فقط نہ کھانے پینے پر اکتفا کرے اس کا روزہ ایک صورت بے روح ہے۔ روزے کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو فرشتوں کی مانند بنائے کہ فرشتوں کو ہرگز خواہش نہیں ہوتی۔ اور چارپایوں کی خواہش غالب ہے۔ اسی لیے وہ ملائک سے دور ہیں۔ اور جس آدمی پر خواہش غالب ہو۔ وہ بھی چارپایوں کے مرتبہ میں ہے۔ جب اس کی خواہش مغلوب ہو گئی تو اس نے فرشتوں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لی اسی وجہ سے آدمی صفت میں ملائکہ کے قریب ہے۔ مکان میں نہیں اور فرشتے حق تعالیٰ کے نزدیک ہیں۔ تو وہ آدمی بھی حق تعالیٰ کا مقرب ہو جائے گا۔ جب مغرب کی نماز کے بعد اہتمام کرے گا اور جو جی چاہے پیٹ بھر کے کھائے گا۔ تو اس کی خواہش اور زیادہ قوی ہو جائے گی، ضعیف نہ ہوگی۔ اور روزے کی روح حاصل نہ ہوگی۔

قضا' کفارہ' امساک اور فدیہ کا بیان : اے عزیز جان کہ رمضان میں روزہ توڑ ڈالنے سے قضا اور کفارہ' اور فدیہ لازم آتا ہے۔ لیکن ہر ایک کا مقام علیحدہ ہے۔ جو مکلّف مسلمان کسی عذر سے یا بے عذر رمضان میں روزے نہ رکھے' اس پر قضا لازم ہے۔ اسی طرح حائضہ' مسافر' بیمار اور حاملہ اور مرتد پر بھی قضا واجب ہے لیکن دیوانہ اور نابالغ لڑکے پر قضا واجب نہیں۔ اور کفارہ سوا اس عورت کے کہ روزہ دار جماع کرے یا اپنے اختیار سے منی نکالے اور کسی صورت میں واجب نہیں۔ اور کفارہ یہ ہے کہ ایک لونڈی غلام آزاد کرے۔ اگر نہ ہو سکے تو دو مہینے کے برابر روزے رکھے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مد اناج ساٹھ مسکینوں کو دے۔ اور مد ایک تہائی کم ایک سیر ہوتا ہے۔

امساک یعنی باقی دن بھر کھانے پینے جماع سے باز رہنا۔ اس شخص پر واجب ہے جو بے عذر روزہ کھول ڈالے۔ اور حائضہ اگر دن کو پاک ہو جائے اور مسافر دن کے وقت مقیم ہو جائے اور بیمار اگر دن کو اچھا ہو جائے تو ان پر کسی پر امساک واجب نہیں۔ اگر شک والے دن ایک آدمی نے خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو جو کوئی کھانا کھا چکا ہے اس پر لازم ہے کہ روزہ داروں کی طرح شام تک کچھ نہ کھائے پیئے۔ اور جو روزہ دار سفر کو جائے اسے روزہ کھول نہ ڈالنا چاہیے۔ اگر روزہ نہ کھولا اور دن کو کسی شہر میں جا پہنچا تو بھی روزہ نہ کھولنا چاہیے اور مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے سے رکھنا اولیٰ ہے۔ مگر جب طاقت نہ رہے تو فدیہ دے۔ فدیہ یہ ہے کہ ایک مد اناج فقیر کو دے۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت نے بچہ ہلاک ہو جانے کے خوف سے اگر روزہ کھول ڈالا تو اسے قضا کے ساتھ فدیہ دینا بھی واجب ہے۔ اس بیمار پر فدیہ واجب نہ ہو گا جس نے اپنی ہلاکت کے اندیشہ سے افطار کیا ہو اور شیخ فانی جو ضعف کے باعث روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس پر قضا کے عوض فدیہ واجب ہے اگر کسی نے قضائے رمضان میں یہاں تک تاخیر کی کہ دوسرا رمضان آ گیا تو اس پر روزے کے عوض قضا[1] کے ساتھ فدیہ بھی واجب ہے۔

فصل : سال بھر میں جو دن متبرک و افضل ہیں ان میں روزہ رکھنا سنت ہے۔ جیسے عرفہ کا دن' عاشورہ کا دن ذوالحج کے پہلے نو دن یعنی پہلی تاریخ سے نو تاریخ تک اور محرم کی پہلی تاریخ سے دسویں تاریخ تک اور رجب و شعبان' حدیث شریف میں آیا ہے کہ رمضان کے بعد ماہ محرم کا روزہ سب روزوں سے افضل ہے۔ اور پورا محرم روزے رکھنا سنت ہے اور پہلے عشرہ میں روزہ رکھنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ماہ محرم کا ایک روزہ اور مہینوں کے تیس روزوں سے بہتر ہے۔ اور رمضان کا ایک روزہ ماہ حرام کے تیس روزوں سے افضل ہے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی ماہ حرام میں جمعرات' جمعہ' ہفتہ کو روزہ رکھتا ہے۔ اس کے لیے سات سو برس کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ چار مہینے عزت والے ہیں۔ محرم' رجب' ذی قعد اور ذوالحجہ اور اس میں ذوالحجہ افضل ہے۔ کیوں کہ یہ حج کا مہینہ ہے۔ حدیث شریف میں

---

[1] یہ مسئلہ بھی شافعیوں کے نزدیک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی صرف قضا واجب ہے۔ مترجم غفرلہٗ

آیا ہے کہ خدا کے نزدیک کسی وقت کی عبادت ذوالحجہ کے عشرہ اول کی عبادت سے زیادہ محبوب اور پیاری نہیں ہے۔اس میں ایک دن کا روزہ ایک برس کے روزہ کی مثل ہے اور ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کی مانند ہے۔لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ کیا جہاد میں اتنی فضیلت نہیں آپ نے فرمایا جہاد میں بھی نہیں۔ مگر جس شخص کا گھوڑا مارا جائے اور اس کا خون بھی جہاد میں گرایا جائے۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایک گروہ کے نزدیک یہ امر مکروہ ہے کہ رجب کا پورا مہینہ روزے رکھیں۔ تاکہ وہ رمضان کے ساتھ مشابہ نہ ہو جائے اس وجہ سے ایک دن یا ایک سے زیادہ دن روزے نہ رکھے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب شعبان نصف کو پہنچ جائے تو رمضان تک روزہ نہیں ہے اور آخر شعبان میں افطار کرنا بہتر ہے کہ رمضان اس سے الگ رہے۔اور آخر شعبان میں رمضان کے استقبال کے لیے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔مگر قصد استقبال کے سوا اور کوئی نیت ہو۔اور مہینے میں ایام بیض کے روزے افضل ہیں۔اور ہفتہ میں پیر' جمعرات جمعہ کے پورا سال لگاتار روزے رکھنا سب روزوں کو شامل ہے۔لیکن سال بھر میں پانچ دن افطار کرنا ضروری ہے عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے تین دن یعنی ذوالحجہ کی گیارہویں بارہویں تیرہویں تاریخ اور چاہیے کہ اپنے اوپر افطار کی ممانعت نہ کرے کہ یہ امر مکروہ ہے اور جو شخص صوم دہر یعنی سال بھر کے روزے نہیں رکھتا۔وہ ایک دن روزہ رکھے۔ایک دن افطار کرے۔یہ صوم داؤد ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام یونہی روزہ رکھتے تھے۔اس کی بڑی فضیلت ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص نے جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات سے روزے کا بہتر طریقہ پوچھا۔ آپ نے یہی طریقہ صوم داؤد ارشاد فرمایا۔انہوں نے عرض کی میں اس سے بھی بہتر چاہتا ہوں آپ نے فرمایا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے اور اس سے کم تر یہ ہے کہ جمعرات اور دوشنبہ کے دن روزہ رکھے۔یہاں تک ماہ رمضان کے نزدیک ہو جائے۔سال کی ایک تہائی سے اور جب کوئی شخص روزہ کی حقیقت پہچان لے کہ اس سے خواہشات توڑنا اور دل کا صاف کرنا مقصود ہے۔تو چاہیے کہ اپنے دل کی حفاظت کرے اس صورت میں کبھی افطار بہتر ہوگا۔اور کبھی روزہ اسی وجہ سے جناب رسالت مآب ﷺ کبھی یہاں تک روزے رکھتے کہ لوگ سمجھتے کبھی افطار نہ فرمائیں گے اور کبھی یہاں تک افطار کرتے کہ لوگ سمجھتے اب کبھی روزہ رکھیں گے آپ کے روزہ رکھنے کی کوئی ترتیب مقرر نہ تھی اور علماء نے چار دن سے زیادہ برابر افطار کرنا مکروہ جانا ہے اور اس کراہت کو بقر عید اور ایام تشریق سے لیا ہے کہ چار ہی دن ہیں اس لیے کہ ہمیشہ روزہ نہ رکھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ دل سیاہ اور غفلت غالب کردے اور دل کی آگاہی کمزور پڑ جائے۔

ساتویں اصل حج کا بیان

اے عزیز جان کہ حج ارکان اسلام میں سے ہے اور یہ عبادت عمر بھر میں ایک بار فرض ہے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے حج نہ کیا اور مر گیا اس سے کہہ دو کہ یہودی مرے خواہ نصرانی مرے اور یہ بھی فرمایا۔ شخص حج کرے۔ اسی کے ساتھ گناہ اور بے ہودہ باتوں سے بچے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا ماں کے شکم سے پیدا ہونے کے دن پاک تھا۔ اور آپ نے فرمایا۔ بہت گناہ ایسے ہیں کہ عرفات میں کھڑے ہونے کے سوا اور کوئی چیز ان کا کفارہ نہیں ہو سکتی۔ اور فرمایا ہے کہ عرفہ کے دن سے زیادہ شیطان کبھی خوار و ذلیل اور زرد زر نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس دن حق سبحانہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت بے نہایت نازل فرماتا اور بے انتہا گناہ کبیرہ معاف کرتا ہے اور فرمایا ہے کہ جو کوئی حج کی فکر میں گھر سے نکلے اور راہ میں مر جائے اس کے لیے قیامت تک ایک حج اور ایک عمرہ ہر سال لکھا جاتا ہے۔ اور جو کوئی کعبہ شریف یا مدینہ شریف میں پہنچ کر مرے وہ قیامت کے دن حساب کتاب سے پاک ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ایک حج مبرور (مقبول) دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ بہشت کے سوا اور کوئی چیز اس کی جزا نہیں۔ اور فرمایا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں کہ آدمی حج میں میں مقام عرفات میں کھڑا ہو اور گمان کرے کہ میں بخشا نہیں گیا۔

علی ابن الموفق نامی ایک بزرگ تھے انہوں نے فرمایا ہے کہ ایک سال میں نے حج کیا عرفہ کی شب دو فرشتے خواب میں دیکھے کہ سبز لباس پہنے آسمان سے اترے ایک نے دوسرے سے کہا جانتا ہے اب کی سال کتنے حاجی تھے اس نے کہا نہیں۔ بولا چھ لاکھ۔ پھر کہا یہ جانتا ہے کہ کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا اس نے کہا کہ نہیں کہا کہ چھ آدمیوں کا یہ بزرگ کہتے ہیں میں ان فرشتوں کی باتوں کے خوف سے جاگ پڑا اور نہایت غمگین اور سخت فکر مند ہوا اور اپنے جی میں کہا کہ میں ان چھ آدمیوں میں سے کبھی نہ ہوں گا۔ اس فکر و رنج میں مشعر الحرام میں پہنچا وہاں سو گیا۔ ان ہی دونوں فرشتوں کو پھر دیکھا کہ آپس میں وہی باتیں کرتے ہیں اس وقت ایک نے دوسرے سے کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ آج رات خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے بارے میں کیا حکم دیا ہے۔ دوسرے نے کہا نہیں۔ اس نے کہا ان چھ کے طفیل چھ لاکھ کو بخش دیا۔ پھر میں خواب سے خوش خوش اٹھا اور ارحم الراحمین کا شکر بجا لایا۔ حضور جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر سال چھ لاکھ بندے حج کے ذریعے خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے۔ اگر کم ہوں گے تو فرشتے بھیج دیئے جائیں گے کہ چھ لاکھ پورے ہو جائیں اور کعبہ شریف کو عروس جلوہ آراء کے مانند اٹھائیں گے۔ حاجی لوگ اس کے گرد پھرتے اور اس کے پردوں پر ہاتھ مارتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ کعبہ شریف جنت میں داخل ہو جائے گا اور حاجی لوگ بھی اس کے ساتھ بہشت میں چلے جائیں گے۔

ا۔ یہ بھی شافعیوں کا مذہب ہے۔ احناف کے نزدیک حج بدل کے لیے یہ شرط نہیں۔ کما فی الهدایہ ۱۲۔ مترجم غفرلہ

حج کی شرائط: اے عزیز جان لے کہ جو شخص وقت پر حج کرے گا اس کا حج درست ہوگا۔ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج کے نو دن حج کا وقت ہے۔ جب عید فطر کی صبح طلوع ہوا اس وقت سے حج کا احرام باندھنا درست ہے۔ اگر اس سے پہلے حج کا احرام باندھا تو وہ عمرہ ہوگا اور سمجھ دار لڑکے کا حج درست ہے۔ اگر شیر خوار ہو اور اس کی طرف سے ولی احرام باندھے اور اسے عرفات پر لے جائے اور سعی اور طواف کرلے تو بھی درست ہیں تو حج اسلام کی درستی کی شرط فقط وقت ہے لیکن حج اسلام ذمہ سے ساقط و فرض ادا ہونے کی پانچ شرطیں ہیں۔ ۱۔ مسلمان ہونا، ۲۔ آزاد ہونا، ۳۔ بالغ ہونا، ۴۔ عاقل ہونا، ۵۔ وقت پر احرام باندھنا، اگر نابالغ احرام باندھے اور مقام عرفات میں کھڑا ہونے سے پہلے بالغ ہو جائے یا لونڈی غلام آزاد ہو جائے تو حج اسلام ادا ہو جائے گا فرض عمرہ ساقط ہونے کے لیے بھی یہی شرطیں ہیں۔ لیکن عمرہ کا وقت پورا سال ہے۔ دوسرے کی طرف سے نیابتہً حج کرنے کی شرط یہ ہے کہ پہلے اپنا فرض اسلام ادا کرے اگر اسے ادا کرنے سے پہلے دوسرے کی طرف سے حج کی نیت کرے گا تو اسی حج کرنے والے کی طرف سے ادا ہوگا۔ اس دوسرے کی طرف سے ادا نہ ہوگا پہلے حج اسلام ہونا چاہیے۔ پھر قضا، پھر نذر پھر حج نیابت اور اسی ترتیب سے ادا ہوگا۔ اگرچہ اس کے خلاف نیت کرے اور حج واجب ہونے کی یہ شرطیں ہیں۔ ۱۔ اسلام، ۲۔ بلوغ، ۳۔ استطاعت، استطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ آدمی توانا ہو کہ خود چل کر حج کرے۔ یہ استطاعت تین چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک تندرستی دوسرے راستہ پر امن ہو تیسرے اس قدر مال دار ہو کہ اگر قرضدار ہو تو قرض ادا کر کے آنے جانے کے مصارف اور آنے تک اہل و عیال کے نفقہ کو مال کفایت کرے اور چاہیے کہ سواری کا کرایہ بھی ادا کر سکتا ہو اور پیادہ نہ چلنا پڑے دوسری قسم یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں سے حج نہ کر سکے مثلاً فالج کا مارا ہوا ہے یا ایسا صاحب فراش ہے کہ تندرست ہونے کی امید نہیں مگر شاذ و نادر تو ایسے شخص کی استطاعت یہ ہے کہ اتنا مال رکھتا ہو کہ ایک وکیل کو اجرت دے کر روانہ کرے۔ وہ اس معذور کی طرف سے حج کرے اور اگر اس کا بیٹا اس کی طرف سے مفت حج کرنے کو راضی ہو تو لازمی ہے کہ اسے اجازت دے کہ باپ کی خدمت موجب شرف و عزت ہے اور بیٹا اگر یہ کہے کہ میں مال دیتا ہوں۔ کسی کو اجرت پر مقرر کرے۔ تو قبول کرنا لازم نہیں۔ جب آدمی کو استطاعت حاصل ہو تو جلدی کرنا چاہیے۔ اگر تاخیر کرے گا تو بھی درست ہے پھر اگر کسی دوسرے سال حج کرنے کی توفیق حاصل ہوگی تو خیر۔ اور اگر تاخیر کی اور حج کرنے سے پہلے مر گیا تو گنہگار مرا۔ اس کے لڑکے سے نیابتہً حج کرانا چاہیے۔ گو اس نے وصیت نہ بھی کی ہو۔ کیونکہ یہ اس پر قرض ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا ارادہ ہے کہ لکھ بھیجوں کہ جو کوئی اور شہروں میں استطاعت رکھتا ہو اور حج نہ کرے اس سے جزیہ لیا جائے۔

حج کے ارکان: اے عزیز جان لے کہ حج کے ارکان جن کے بغیر وہ درست نہیں ہوتا پانچ ہیں ۱۔ احرام، طواف، اسی

کے بعد سعی اور عرفات ا؎ میں کھڑا ہونا- اور ایک قول میں بال منڈوانا اور حج کے واجبات جن کے ترک کرنے سے حج باطل نہیں ہوتا- لیکن ایک بکرا ذبح کرنا لازم آتا ہے چھ ہیں- میقات میں احرام باندھنا- اگر وہاں سے بے احرام باندھے گزرے گا تو ایک بکرا ذبح کرنا واجب ہوگا- سنگریزے مارنا' غروب آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا- اور مزدلفہ میں رات قیام کرنا اور اسی طرح منیٰ میں اور وداع کا طواف ایک قول یہ ہے کہ پچھلے چار واجبات اگر ترک کرے گا تو بکرا واجب نہیں سنت ہے اور حج ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں- افراد قران تمتع افراد سب سے بہتر ہے- جیسے پہلا اکیلا حج کرے جب تمام ہو جائے تو حرام سے باہر آئے اور عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ بجالائے اور عمرہ کا احرام جعرانہ ۲؎ میں باندھنا تنعیم میں باندھنے سے بہتر ہے اور تنعیم ۳؎ میں باندھنا حدیبیہ ۴؎ میں باندھنے سے افضل ہے- اور تینوں مقام سے باندھنا سنت ہے- قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ کی نیت ملا کر کرے اور کہے:

اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ بِحَجَّۃٍ وَّعُمْرَۃٍ — اے اللہ میں حاضر ہوں حج اور عمرہ کے لیے-

تاکہ دونوں کا احرام اکٹھا ہو جائے- جب حج کے اعمال بجالائے گا تو عمرہ بھی اس میں داخل ہوگا- جیسے غسل میں وضو داخل ہوتا ہے- جو شخص ایسا کرے گا اس پر ایک بکرا واجب ہوگا- لیکن مکہ معظمہ کے رہنے والے پر واجب نہیں اس لیے کہ اسے میقات سے احرام باندھنا واجب نہیں اس کے احرام کی جگہ مکہ معظمہ ہے جو شخص قران کرے- وہ اگر عرفات میں ٹھہرنے سے پہلے طواف اور سعی کرے گا- تو سعی حج اور عمرہ میں شمار ہوگی- لیکن عرفات میں ٹھہرنے کے بعد طواف کا اعادہ کرنا چاہیے- کیونکہ طواف رکن کی یہ شرط ہے کہ عرفات میں ٹھہرنے کے بعد میں تمتع سے یہ مراد ہے کہ جب میقات کو پہنچے عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ میں تحلیل ۵؎ کرے- تاکہ قید احرام میں نہ رہے- پھر حج کے وقت مکے میں حج کا احرام باندھے اور اس پر ایک بکرا واجب ہوگا- اگر نہ ہو سکے تو عیدالاضحیٰ سے پہلے تین روزے متواتر خواہ متفرق رکھے اور وطن پہنچ کر سات روزے مزید رکھے اور قرآن میں اگر بکرا نہ ہو سکے تو بھی اسی طرح دس روزے رکھے تمتع کی قربانی اس شخص پر لازم آتی ہے جس نے عمرہ کا احرام شوال یا ذیقعدہ یا ذالحجہ کے عشرہ میں باندھا ہو یا حج میں خلل ڈالا ہو اور حج کا احرام اپنے میقات سے نہ باندھا ہو تو اگر وہ مکہ معظمہ کا رہنے والا یا مسافر ہے اور حج کے وقت میقات کو گیا- یا اتنی مسافت پر گیا تو اس پر بکرا واجب ہوگا-

حج میں چھ چیزیں منع ہیں ایک لباس پہننا کہ احرام میں پیراہن ازار اور پگڑی نہ چاہیے- بلکہ تہبند چادر اور نعلین چاہیے اگر نعلین نہ ہو تو چپل ٹھیک ہے- اگر تہبند نہ ہو تو ازار درست ہے- ہفت اندام کو تہبند سے ڈھانپنا چاہیے- ہاں سر کھلا رہے- عورت کے لیے عادت کے موافق لباس پہننا درست ہے لیکن منہ بند نہ کرنا چاہیے- اگر محمل یا سائبان میں ہو تو حرج نہیں-

---

ا؎ مکہ معظمہ سے نو کوس کے فاصلہ پر ایک وسیع میدان ہے- ۲؎ مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک موضع ہے-
۳؎ مکہ معظمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے- ۴؎ مکہ معظمہ کے قریب ایک مقام ہے-
۵؎ احرام سے باہر نکلنا-

دوسرے خوشبو لگانا‘ اگر خوشبو استعمال کی یا لباس پہنا تو ایک بکرا واجب ہو گا تیسرے بال منڈوانا ناخن کٹوانا اگر ایسا کیا تو ایک بکرا واجب ہو گا- حمام جانا‘ قصد کھلوانا‘ پچھنے لگوانا- اس طرح بال کھولنا کہ اکھڑ نہ آئیں درست ہے- چوتھے جماع کرنا- اگر جماع کرے گا تو ایک اونٹ یا ایک گائے یا سات بکرے واجب ہوں گے اور حج فاسد ہو جائے گا- قضا واجب آئے گی- لیکن اگر پہلے کے بعد جماع کیا تو ایک اونٹ واجب ہو گا اور حج فاسد نہ ہو گا- پانچویں مجامعت کے مقدمات اور محرکات مثلاً چھونا‘ بوسہ لینا وغیرہ نہ چاہیے اور جو چیز عورت و مرد کے باہم چھونے میں طہارت کو توڑتی ہو اس میں اور عورت سے حظ اٹھانے میں ایک بکرا واجب ہوتا ہے- احرام میں نکاح نہ کرنا چاہیے اگر کرے گا تو درست نہ ہو گا- اسی وجہ سے نکاح کرنے میں بکرا واجب نہیں آتا- چھٹے شکار نہ کرنا چاہیے- لیکن دریائی شکار جائز ہے- اگر خشکی میں شکار کیا تو اس کی مثل بکرا گائے اونٹ جس بہتر جانور سے وہ شکار مشابہہ ہو واجب ہو گا-

حج کی کیفیت: اے عزیز جان لے کہ اول سے آخر تک ارکان حج کی کیفیت ترتیب وار جاننا چاہیے- طریقہ مسنون کے موافق فرائض سنتیں آداب ملے جلے پہچاننا چاہیں کہ جو شخص عادت کی مانند عبادت کرے گا فرائض سنن آداب اس کے نزدیک برابر ہوں گے- آدمی مقام محبت میں نوافل و سنت سے پہنچتا ہے- جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے- فرائض ادا کرنے سے بندوں کو میرے ساتھ بڑا قرب حاصل ہوتا ہے اور جو بندہ ہو گا وہ نوافل و سنت کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرنے سے کبھی آسودہ نہ ہو گا- یہاں تک کہ اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ میں اس کے کان‘ ہاتھ‘ پاؤں‘ آنکھ بن جاؤں- مجھی سے سنے مجھی سے دیکھے مجھ ہی سے لے اور مجھ ہی سے کہے تو عبادت کے سنن و آداب بجالانا ضروری ہے اور ہر جگہ آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے-

سامان سفر اور راہ کے آداب: چاہیے کہ ارادہ حج سے پہلے توبہ کرے- لوگوں سے معافی مانگ لے- قرض ادا کرے- زن و فرزند اور جس جس کا نفقہ اس کے ذمے ہے ان کا نفقہ ادا کرے- وصیت نامہ لکھے- حلال کی کمائی سے زادِ راہ لے جس میں شبہ ہو- اس مال سے پرہیز کرے- کیونکہ اگر شبہ کا مال خرچ کر کے حج کرے گا تو خوف ہے کہ حج قبول نہ ہو اور اتنا مال اپنے ساتھ لے کہ راہ میں فقیروں سے سلوک کر سکے اور گھر سے نکلنے سے پہلے سلامتی راہ کے لیے کچھ صدقہ دے- قوی اور تیز جانور کرائے کا لے- اور جو کچھ سامان ساتھ لے جانا چاہتا ہے کرایہ لینے والے کو دکھا دے تاکہ اس کی ناخوشی نہ ہو- اور سفر کے امور میں رفیق صالح تجربہ کار اور ہوشیار اختیار کرے- کہ دین کی مصلحتوں اور راہ کے نشیب و فراز میں اس کا مددگار ہو- دوستوں کو وداع کرے اور ان سے دعائے خیر کا خواستگار ہو اور ہر ایک سے کہے:

أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِمَ عَمَلِكَ — میں اللہ کے حوالے کرتا ہوں تیرا دین- تیری امانت اور تیرا انجام کار-

اور یہ لوگ اسے یوں جواب دیں :

فِیْ حِفْظِ اللّٰہِ وَکَنَفِہٖ وَزَوَّدَکَ اللّٰہُ التَّقْوٰی وَجَنَّبَکَ عَنِ الرَّدٰیٰ وَغَفَرَذَنْبَکَ وَوَجَّھَکَ لِلْخَیْرِاَیْنَمَا تَوَجَّھْتَ

اللہ نگہبانی کی اور یاری میں توشہ دے تجھے خدا پرہیزگاری کا اور بچائے تجھے ہلاکت سے اور بخشے تیرا گناہ- اور متوجہ کرے تجھے نیکی کی طرف جدھر بھی تو توجہ کرے-

اور جب گھر سے نکلے تو دو رکعت نماز پڑھ لے پہلی رکعت میں قل یاایھاالکافرون اور دوسری میں قل ھواللہ سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھے- اخیر میں یوں کہے :

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِیْ السَّفَرِ وَاَنْتَ الْخَلِیْفَۃُ فِیْ الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ اِحْفِظْنَا وَاِیَّاھُمْ مِنْ کُلِّ اٰفَۃٍ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ مَسِیْرِنَا ھٰذاالْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَاتَرْضٰی

اے اللہ تو ساتھی رہے سفر میں اور تو قائم مقام ہے گھر والوں اور اولاد اور مال میں- بچا ہمیں اور انہیں ہر بلا سے- اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے اپنے اس سفر میں فرماں برادری، پرہیزگاری اور وہ کام جس سے تو راضی ہو-

اور جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو یوں کہے :

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ اَکْبَرُ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَاکُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ٥

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں سفر نام اللہ پر بھروسہ کیا میں نے اور تیرے ہی ساتھ میں نے چنگل مارا اے اللہ توشہ دے مجھے پرہیزگاری کا اور بخش دے میرے لیے میرے گناہ اور متوجہ کرنے کی طرف جدھر میں متوجہ ہوں-

اور جب سواری پر سوار ہو تو کہے :

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ اَکْبَرُ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَاکُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

اللہ کے نام سے اور اللہ کے ساتھ - اللہ بہت بڑا ہے- پاک ہے جس نے مسخر کر دیا- ہمارے لیے- اسے اور نہیں تھے ہم اس پر قدرت رکھنے والے- بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف پھرنے والے ہیں-

سارے راستے میں قرآن کریم پڑھتا اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے- جب بلندی پر سے گزرے تو کہے :

اَللّٰھُمَّ لَکَ الشَّرَفُ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ وَلَکَ الْحَمْدُ عَلٰی کُلِّ حَالٍ٥

اے اللہ تیرے ہی لیے ہے بزرگی- سب بزرگیوں پر اور تیرے ہی لیے شکر ہے ہر وقت-

اگر راہ میں کچھ خوف و ڈر ہو تو پوری آیت الکرسی اور شھداللہ تمام آیۃ قل ھواللہ اور قل اعوذبرب الفلق قل اعوذبرب الناس پڑھے-

احرام باندھنے اور مکہ شریف میں داخل ہونے کے آداب: جب میقات میں پہنچے اور وہاں قافلہ احرام باندھے- پہلے غسل کرے- بال اور ناخن کاٹے' جیسا جمعہ شریف کے دن کرتے ہیں اور سلے ہوئے کپڑے اتار ڈالے- سفید چادر اور تہبند باندھے اور احرام سے پہلے خوشبو کا استعمال کرے اور جب چلنے کی نیت سے کھڑا ہو تو اونٹ کو اٹھائے- منہ راستے کی طرف کرے اور حج کی نیت کرے اور زبان و دل سے یہ کہے:

اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ

حاضر ہوں میں اے اللہ حاضر ہوں میں- نہیں ہے تیرا کوئی شریک- حاضر ہوں بے شک سب تعریف اور نعمت تیرے لیے ہے- نہیں کوئی شریک تیرے لیے-

اور جہاں کہیں چڑھائی یا اتار آئے کثرت سے قافلے اکٹھے ہوں تو یہ ہی کلمات بلند آواز سے کہتا رہے- جب کعبہ شریف کے قریب پہنچے تو غسل کرے اور حج میں نو وجہ سے غسل کرنا سنت ہے- احرام' دخول مکہ' طواف زیارت وقفہ' عرفہ مقام مزدلفہ' اور تین غسل تین جمروں کو پتھر پھینکنے کے لیے اور طواف وداع- لیکن جمرۃ العقبہ میں سنگ اندازی کے لیے غسل نہیں جب غسل کر کے مکہ معظمہ میں جائے اور بیت اللہ پر نگاہ پڑے تو اگرچہ شہر میں ہو مگر فوراً یہ پڑھے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَدَارُکَ دَارُالسَّلَامِ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا بَیْتُکَ عَظَّمْتَہٗ وَشَرَّفْتَہٗ وَکَرَّمْتَہٗ اَللّٰھُمَّ مَزِدْہُ تَعْظِیْمًا وَزِدْہُ تَشْرِیْفًا وَتَکْرِیْمًا وَزِدْہُ مَھَابَۃً وَ زِدْمِنْ حَجِّہٖ بِرًّا وَّکَرَامَۃً اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَاَدْخِلْنِیْ جَنَّتَکَ وَاَعِذْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور اللہ بہت بڑا ہے اے اللہ تو سلام ہے- اور تجھی سے سلامتی ہے اور گھر تیرا گھر ہی سلامتی والا برکت والا ہے تو اے بزرگی اور عزت والے- اے اللہ یہ گھر تیرا ہے- عظمت دی تو نے اسے اور شرافت دی تو نے اسے اے اللہ زیادہ کر اس کی تعظیم اور زیادہ کر اس کی تعلیم اور زیادہ کر اس کی تکریم اور زیادہ کر اس کی عظمت اور زیادہ کر نیکی اور بزرگی اس شخص کی جس نے اس کا حج کیا- اے اللہ کھول دے میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے اور داخل کر مجھے اپنی جنت میں اور پناہ دے شیطان مردود سے- ۱۲

پھر بنی شبیہ کے دروازے سے مسجد میں داخل ہو اور حجر اسود کا ارادہ کرے- اور بوسہ دے- اگر اژدھام کے سبب سے بوسہ نہ دے سکے- تو اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اَمَانَتِیْ اَدَّیْتُھَا وَمِیْثَاقِیْ تَعَاھَدْتُہٗ اِشْھَدْلِیْ بِالْمُوَافَاتِ ہ

اے اللہ اپنی امانت میں نے ادا کی اور اپنا عہد وفا کیا- تو میری حق گزاری کا گواہ رہ-

پھر طواف میں مشغول ہو جائے۔

طواف کے آداب :اے عزیز جان لے کہ طواف نماز کی طرح ہے اس میں بدن اور کپڑوں کی طہارت اور ستر عورت شرط ہے۔لیکن بات چیت کی اجازت ہے پہلے سنت اضطباع ادا کرنے۔اضطباع یہ ہے کہ تہ بند کا پیچ داہنے ہاتھ کے نیچے کر کے اس کے دونوں کنارے بائیں کاندھے پر ڈالے اور بیت اللہ کو پہلو کی جانب کرے اس طرح حجر اسود سے طواف شروع کرے کہ اس میں اور بیت اللہ میں تین قدم سے کم فاصلہ نہ رہے تا کہ پاؤں فرش اور پردہ پر نہ پڑے کہ وہ خانہ کعبہ کی حد میں ہے اور جب طواف شروع کرے۔تو یوں کہے :

اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ تَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاِتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اے اللہ یہ طواف تجھ پر ایمان تیری کتاب کی تصدیق تیرے عہد کی وفا اور تیرے نبی محمد ﷺ کی اتباع کے لیے ہے۔

اور جب خانہ کعبہ کے دروازے پر پہنچے تو یوں کہے :

اَللّٰهُمَّ هٰذَا الْبَيْتُ بَيْتُكَ وَهٰذَا الْحَرَمُ حَرَمُكَ وَهٰذَا الْاَمْنُ اَمْنُكَ وَهٰذَا حَتَامُ خَلِيْكَ اَلْعَايِذِبِكَ مِنَ النَّارِ

اے اللہ یہ گھر تیرا گھر ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے اور امن تیرا امن ہے اور یہ جگہ ہے اس کی جو پناہ لینے والا ہے۔تیرے ساتھ آگ سے۔

اور جب رکن عراقی پر پہنچے تو یوں کہے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالْكُفْرِ وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمُنْظَرِ فِیْ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ

اے اللہ پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے شک شرک' نفاق' دشمن اور برے اخلاق اور بری نگاہ سے گھر والوں اور مال اور اولاد میں۔

اور جب پرنالے کے نیچے پہنچے تو یوں کہے :

اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ عَرْشِكَ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّاظِلُّ عَرْشِكَ اَللّٰهُمَّ اِسْقِنِیْ بِكَاسِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرْبَةً لَااَظْمَاءُ بَعْدَهَ اَبَدًاہ

اے اللہ سایہ عطا کر مجھے اپنے عرش کے نیچے جس دن کوئی سایہ نہ ہو گا۔مگر تیرے عرش کا سایہ اے اللہ پلا مجھے کاسہ محمد ﷺ سے ایسا شربت کہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوں۔

اور جب رکن شامی پر پہنچے تو یوں کہے :

اَللّٰھُمَّ اَجْعَلْہُ حَجًّامَّبْرُوْرًا وَّسَعْیًا مَشْکُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَتِجَارَۃً لَنْ تَبُوْرَیَا عَزِیْزُیَا غَفُوْرُ اِغْفِرْوَ اَرْحَمْ وَتَجَاوَزْعَمَّا تَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ اَلْاَعَذُّالْاَکْرَمُ

اے اللہ اس حج کو مقبول بنا اور سعی و کوشش کو مشکور۔ گناہ بخش اور ایسی تجارت جو تباہ نہ ہو اے غالب اے بخشنے والے بخش تو اور رحم فرما۔ اور جو کچھ تو جانتا ہے۔ اس سے در گزر فرما۔ تو بہت عزت والا بڑا کریم ہے۔

اور جب رکن یمانی پر پہنچے تو یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفَقْرِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَاءِ وَالْمَمَاتِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخِزْیِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے پاس کفر سے اور محتاجی اور عذاب قبر سے اور زندگی و موت کے فساد سے اور پناہ مانگتا ہوں میں رسوائی سے دنیا اور آخرت میں۔ ۱۲

اور رکن اور حجر اسود کے درمیان یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا بِرَحْمَتِکَ عَذَابَ الْقَبْرِوَعَذَابِ النَّار

اے اللہ ہمارے پروردگار دے ہم کو دنیا اور آخرت میں نیکی اور بچا ہم کو اپنی رحمت کے عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے۔ ۱۲

اسی طرح سات بار طواف کرے ہر بار یہی دعائیں پڑھے۔ ہر گردش کو شوط کہتے ہیں۔ تین شوط میں جلدی اور نشاط کے ساتھ چلے اگر خانہ کعبہ کے پاس ہجوم ہو تو دور ہی طواف کرے تاکہ جلدی جلدی چل سکے اور اخیر کے چار شوط میں آہستہ آہستہ چلے۔ ہر بار حجر اسود کو بوسہ دے۔ رکن یمانی پر ہاتھ پھیرے اور بھیڑ کے باعث اگر ہاتھ نہ پھیر سکے تو ہاتھ سے اشارہ کرے۔ جب ساتوں شوط مکمل ہو جائیں تو بیت اللہ اور حجر اسود کے درمیان کھڑا ہو کر پیٹ سینہ اور داہنا رخسار کعبہ شریف کی دیوار سے لگادے۔ اور دونوں ہتھیلیاں دیوار پر رکھ کر اس پر سر رکھے یا کعبہ شریف کے آستانہ پر رکھے۔ اس مقام کو ملتزم کہتے ہیں اور اس جگہ دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اور یوں دعا مانگے:

اللھمَّ یارب البیت العتیق اعتق رقبتی من النار واعذنی من کل سوء وقنّعنی بما رزقتنی وبارک فیما اتیتنی

اے اللہ اے گھر بزرگ کے پروردگار آزاد کر میری گردن نار دوزخ سے اور پناہ دے مجھے ہر برائی سے اور قناعت سے مجھے اس چیز پر جو دی تو نے مجھے اور برکت عطا کر اس چیز میں جو تو نے دی مجھے۔

اس وقت درود شریف پڑھے اور استغفار کرے اور مراد مانگے۔ پھر مقام کے سامنے کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اس کو دوگانہ طواف کہتے ہیں۔ اسی سے طواف مکمل ہوتا ہے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قل یاایہاالکافرون یا دوسری میں الحمد شریف اور قل ہو اللہ پڑھے۔ نماز کے بعد دعا مانگے۔ اور جب تک ساتواں شوط نہ پھرے گا۔ ایک طواف مکمل نہ ہوگا۔ ساتوں بار یہی دوگانہ پڑھیں اس کے بعد حجر اسود کے پاس

جا کر بوسہ دے کر ختم کرے اور سعی میں مشغول ہو۔

سعی کے آداب کا بیان: چاہیے کہ صفانامی جو پہاڑ ہے اس کی طرف جائے اور اتنی سیڑھیوں پر چڑھے کہ کعبہ شریف نظر آئے۔ پھر کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر کہے:

لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِی وَیُمِیْتُ وَهُوَحَیٌّ لاَّیَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُوَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَللّٰهُ وَحْدَهٗ وَصَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَعَبْدَهٗ وَاَعَزَّجَنْدَهٗ وَهَزَمَ اْلاَحْزَابَ وَحْدَهٗ لاَاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْکَرِهَ الْکَافِرُوْنَ

نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی ملک ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے مرے گا نہیں اسی کے ہاتھ میں خیر ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے کوئی معبود نہیں مگر اللہ اکیلا ہے۔ اور سچا ہے وعدہ اس کا مدد کی اس نے اپنے بندے کی اور عزت دی اپنے لشکر کو اور اس نے اکیلے شکست دی لشکروں کو۔ نہیں کوئی معبود مگر اللہ خالص کرنے والے ہیں اسی کے لیے دین کو اگرچہ برا جانیں کافر لوگ۔ ۱۲

اور دعا کرے اور جو مراد رکھتا ہو مانگے پھر وہاں سے اترے اور سعی شروع کرے کہ کوہِ مروہ تک پہلے آہستہ آہستہ چلے اور کہے:

رَبِّ اغْفِرْوَارْحَمْ وَتَجَاوَزْعَمَّا تَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ اْلاَکْرَمُ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی اْلاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

پروردگار بخش اور رحم اور درگزر کر اس چیز سے جو تو جانتا ہے بے شک تو بڑا عزت والا بڑا کریم ہے اے اللہ اے ہمارے پروردگار دے تو ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں نیکی اور بچا ہم کو آگ کے عذاب سے۔

اور سبز میل جو مسجد کے کنارے ہے۔ وہاں تک آہستہ آہستہ چلے اس کے آگے چھ گز کا اندازہ جلدی جلدی چلے یہاں تک کہ دوسرے میل تک پہنچے پھر آہستہ آہستہ چلے یہاں تک کہ کوہ مروہ تک پہنچ جائے اس پر چڑھ کر کوہ صفا کی طرف منہ کرے اور وہی دعائیں پڑھے جو اوپر مذکور ہوئی ہیں پڑھے۔ یہ ایک بار ہوا۔ جب صفا پر جائے گا تو دوبار ہو گا۔ سات بار یوں ہی کرے جب اس سے فراغت ہو تو طواف قدوم اور طواف سعی کرے یہ طواف حج میں سنت ہے اور وہ طواف جو رکن ہے وقوف عرفات کے بعد ہو گا۔ اور سعی کے وقت طہارت سنت ہے۔ اور طواف میں واجب اور سعی اسی قدر کافی ہے۔ کیونکہ وقوف عرفات کے بعد سعی کرنا شرط نہیں لیکن طواف کے بعد ہونا چاہیے۔ گو وہ طواف سنت ہو۔

وقوف عرفہ کے آداب: اے عزیز جان لے کہ اگر عرفہ کے دن اہل قافلہ عرفات میں پہنچیں تو طواف قدوم

میں مشغول نہ ہوں اگر عرفہ کے دن سے پہلے پہنچیں تو طواف قدوم کر لیں ترویہ کے دن یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ مکہ معظمہ سے نکل کر منیٰ میں شب باش ہوں- دوسرے دن عرفات جائیں اور وقوف کا وقت عرفہ کے دن زوال کے بعد سے عید کی صبح روشن ہونے تک ہے- اگر صبح کے بعد کوئی شخص پہنچے گا تو اس کا حج فوت ہو گا- عرفہ کے دن غسل کرے- ظہر کی نماز عصر کی نماز کے ساتھ پڑھیں اور دعا میں مشغول ہو اور عرفہ کے دن روزہ نہ رکھے- تاکہ قوت رہے اور خوب دعائیں مانگ سکے کہ حج سے اصل غرض یہی ہے کہ اس سعید و شریف وقت میں عزیزوں کے دل اور ہمتیں جمع ہوتی اور دعائیں قبول ہوتی ہیں- اس وقت لا الہ الا اللہ سب اذکار سے بہتر ہے- زوال کے وقت سے شام تک تضرع زاری اور استغفار و توبہ نصوح اور گذشتہ گناہوں سے عذر خواہی اور استغفار کرنا چاہیے اس وقت کے پڑھنے کی دعائیں بہت ہیں- ان کا لکھنا موجب طوالت ہے- کتاب احیائے علوم میں مذکور ہیں- اس میں سے یاد کرنا چاہیے پھر جو دعا یاد ہو اسے پڑھے کہ سب ادعیہ ماثورہ اس وقت پڑھنا بہتر ہے- اگر یاد نہیں کر سکتا تو دیکھ کر پڑھے یا اور کوئی پڑھے اور وہ آمین کہے اور غروب آفتاب سے پہلے حدود عرفات سے نکلے-

باقی اعمال حج کے آداب: عرفات کے بعد مزدلفہ جائے اور غسل کرے- اس لیے کہ مزدلفہ حرم میں داخل ہے اور مغرب کی نماز دیر کر کے نماز عشاء کے ساتھ ملا کر آذان و اقامت سے پڑھے- اگر ممکن ہو تو اس شب کو مزدلفہ میں شب بیداری کرے کہ یہ رات بابرکت ہے اور یہاں رات کو مقام عبادات میں سے ہے اور جو کوئی یہاں پر مقام نہ کرے گا- اسے ایک بکرا ذبح کرنا ہو گا اور منیٰ میں پھینکنے کے لیے وہاں سے ستر کنکریاں اٹھالے کہ ایسی کنکریاں پتھر وہاں بہت ہوتی ہیں- پچھلی رات کو منیٰ کا قصد کرے- فجر کی نماز اول وقت پڑھے اور جب مزدلفہ کے اخیر میں جسے مشعر الحرام کہتے ہیں پہنچے تو اجالا ہونے تک ٹھہرے اور دعا مانگتا رہے- پھر وہاں سے اس مقام پر پہنچے جس کو وادی محسر کہتے ہیں- جانور کو تیز ہانکے اگر پیادہ ہو تو خود جلد چلے- یہاں تک کہ وہ میدان طے ہو جائے- یہی سنت ہے- پھر صبح عید کو کبھی اللہ اکبر کہے کبھی لبیک جب تک کہ اس بلندی پر پہنچے جو قبلہ رو ہونے سے راستے کے داہنے پر واقع ہے- اسے جمرۃ العقبہ کہتے ہیں- جب آفتاب ایک نیزہ بلند ہو سات پتھر اس جمرہ میں پھینکے اور قبلہ کی طرف منہ رکھنا اولیٰ ہے- یہاں لبیک کے بدلے اللہ اکبر کہے اور ہر پتھر پھینکتے وقت یہ کہے:

اَللّٰھُمَّ تَصْدِیقًا بِکِتَابِکَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ — اے اللہ یہ پتھر پھینکنا تیری کتاب کی تصدیق اور تیرے نبی کی سنت کے اتباع کے لیے ہے-

جب فراغت اصل ہو تو لبیک اور اللہ اکبر کہنا موقوف کر دے- مگر ایام تشریق کے آخری روز کی صبح تک فرض نمازوں کے بعد کہا کرے اور وہ دن عید کے روز سے چوتھا دن ہے- پھر اپنی قیام گاہ میں جا کر دعا میں مشغول ہو پھر اگر کچھ کرنا ہے تو قربانی کرے اور اس کی شرط کا لحاظ رکھے- اس وقت بال منڈوائے جب کنکریاں پھینکنے اور بال منڈوانے سے فارغ ہوا- تو تحلل اسے حاصل ہو گیا- اور ممنوعات احرام مباح ہو گئے- مگر جماع اور شکار پھر مکہ معظمہ جا کر طوائف رکن کر لے- عید کی آدھی رات گزرنے کے بعد اسے اس طواف کا وقت ہے- مگر عید کے دن کرنا اولیٰ ہے اور اس طواف کے وقت کی انتہا

مقرر نہیں - بلکہ جتنی تاخیر کرے گا - فوت نہ ہو گا - لیکن دوسرا تحلل حاصل نہ ہو گا - اور جماع کرنا حرام رہے گا - جب یہ طواف بھی اس طرح جس طرح ہم نے طواف قدم کا ذکر کیا' تمام ہو گیا - تو حج اختتام پذیر ہو گا - جماع اور شکار کرنا بھی حلال ہو جائے گا - اگر سعی پہلے ہی کر چکا ہے تو پھر نہ کرے ورنہ سعی رکن اس طواف کے بعد کرے - اور جب پتھر مار لیے بال منڈوا چکا تو حج مکمل ہو گیا - اور احرام سے باہر ہو گیا - لیکن ایام تشریق میں پتھر پھینکنا اور منیٰ میں شب باش ہونا زوال احرام کے بعد ہوتا ہے - جب طواف اور سعی سے فارغ ہوا - تو عید کے دن منیٰ میں پھر آئے - اور وہاں شب باش ہو کہ یہ واجب ہے اور دوسرے دن سورج ڈھلنے سے پہلے پتھر پھینکنے کے لیے غسل کرے اور پہلے جمرہ میں جو عرفات کی طرف ہے - سات پتھر پھینکے اور اس وقت قبلہ رو کھڑا رہے اور سورہ بقرہ کے بقدر اندازاً دعا مانگے پھر سات پتھر درمیان کے جمرہ میں پھینکے اور دعا کرے پھر سات پتھر جمرة العقبہ میں پھینکے اور اس رات کو منیٰ میں قیام کرے پھر عید کے تیسرے دن بھی اسی ترکیب سے - اکیس پتھر ان تینوں جمروں میں پھینکے اگر چاہے تو اسی پر کفایت کر کے مکہ معظمہ کو جائے اگر غروب آفتاب تک وہاں ٹھہرے گا تو اس رات کو بھی وہیں ٹھہرنا واجب ہو جائے گا - پھر دوسرے دن پتھر پھینکنا ہو گا - حج کا پورا بیان یہی ہے جو مذکور ہوا -

عمرہ کا بیان : جب عمرہ جالانا چاہے تو غسل کر کے احرام کے کپڑے جیسے حج میں پہنتے ہیں پہنے اور مکہ معظمہ سے نکل کر عمرہ کی میقات تک جائے اور وہ جعرانہ - تنعیم (تنعیم مکہ سے تین چار کوس کے فاصلے پر ایک موضع کا نام ہے) اور حدیبیہ (حدیبیہ ایک موضع کا نام ہے جو مکہ سے دو کوس کے قریب ہے) ہے اور عمرہ کی نیت کرے اور کہے لَبَّیْکَ بِعُمْرَۃٍ اور مسجد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے اور پھر مکہ معظمہ میں آئے اور راہ میں لبیک کہے - جب مسجد میں داخل ہو تو لبیک کہنا موقوف کر دے اور طواف و سعی کرے - جس طرح حج میں مذکور ہوا پھر بال منڈوائے عمرہ اس سے مکمل ہو گا - عمرہ سال میں ہر وقت کر سکتے ہیں - جب کوئی مکہ معظمہ میں رہے اسے چاہیے کہ جس قدر ہو سکے عمرے زیادہ کرے - ورنہ طواف کرے سیر بھی نہ ہو سکے تو بیت اللہ شریف کو دیکھتا رہے - جب خانہ کعبہ کے دروازے کے اندر جائے تو چاہیے کہ دوستوں کے درمیان نماز پڑھے - اور ننگے پاؤں بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ اندر جائے اور آب زمزم پیٹ بھر کر پیئے جس نیت سے پیئے گا شفا حاصل ہو گی اور کہے :

اللھم اجعله شفاءً من كل سقم وارزقنی الاخلاص والیقین و المعافاة فی الدنیا والاخرة	اے اللہ تو اس پانی کو ہر بیماری کے لیے شفا بنا اور مجھے دنیا و آخرت میں اخلاص 'یقین اور صحت و عافیت عطا فرما -

طواف وداع کا بیان : جب واپسی کا ارادہ کرے تو پہلے اسباب باندھے اور سب کاموں کے بعد بیت اللہ شریف کو رخصت کرے - یعنی سات بار طواف وداع کرے - دو رکعت نماز پڑھے - جیسا کہ طواف کے حال میں پہلے ذکر ہوا - اس طواف میں اضطباع اور جلدی چلنا کچھ ضروری نہیں - پھر ملتزم میں جا کر دعا کرے اور کعبہ شریف کو دیکھتا ہوا الٹا پاؤں پھرے - یہاں تک کہ مسجد سے باہر آ جائے -

مدینہ منورہ کی زیارت کا بیان : پھر مدینہ منورہ کو جائے کیونکہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے جو کہ میری زیارت کرے گا اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی اور فرمایا ہے جو کوئی مدینہ میں آئے اور زیارت کے سوا اس کی کوئی غرض نہ ہو تو حق تعالیٰ کے نزدیک اس کا حق ثابت ہو جاتا ہے، مجھے اس کا شفیع کرے گا- اور مدینہ منورہ کے راستے میں درود شریف بہت کثرت سے پڑھے اور جب مدنیہ منورہ کے درودیوار سراپا انوار پر نظر پڑے تو کہے :

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ رَسُوْلِکَ فَجْعَلْہُ لِیْ وِقَایَۃً مِنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِنَ الْعَذَابِ وَ سُوْءِ الْحِسَابِ

اے اللہ یہ حرم ہے تیرے رسول کا پس کر تو اسے حفاظت دوزخ سے اور امان عذاب سے اور حساب کی برائی سے-

پہلے غسل کرے بعدہ مدینہ منورہ میں داخل ہو خوشبو اور سفید پاکیزہ کپڑے پہنے جب اندر داخل ہو- تو فروتنی اور توقیر کے ساتھ رہے اور یوں کہے :

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَصِیْرًا o

اے اللہ داخل کر تو مجھے اچھی طرح اور نکال تو مجھ کو اچھی طرح اور کر تو میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ مدد دینے والا-

پھر مسجد نبوی میں جاکر ممبر کے نیچے دو رکعت نماز اس انداز سے پڑھے کہ ممبر کا ستون اس کے ذریعے کاندھے کے مقابل ہو کیوں کہ وہ حضرت سرور کائنات کا موقف اور مقام تھا- پھر زیارت کا ارادہ کرے اور مزار اقدس کی طرف متوجہ ہو اور منہ پھیر کر پشت بقبلہ ہو جائے- دیوار سراپا انوار پر ہاتھ رکھ کر بوسہ دینا سنت نہیں- بلکہ دور رہنے میں زیادہ تعظیم ہے پھر کہے :

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلُ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاصَفِیُّ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدَوُاْلِدَ اٰدَمَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَرَسُوْلَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی آلِکَ وَاَصْحَابِکَ الطَّاھِرِیْنَ وَاَزْوَاجِکَ الطَّاھِرَاتِ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنَّا اَفْضَلَ مَاجَزٰی نَبِیًّا مِنْ اُمَّتِہٖ وَصَلِّ عَلَیْکَ کُلَّ مَاذَکَرَکَ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْکَ الْغَافِلُوْنَ

سلام آپ پر ہو اے اللہ کے رسول سلام آپ پر اے اللہ کے نبی سلام آپ پر اے اللہ کے دوست سلام آپ پر اے اللہ کے برگزیدہ سلام آپ پر اے اولاد آدم کے سردار سلام آپ پر اے رسولوں کے سردار اور ختم کرنے والے انبیاء کے اور تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول سلام آپ پر اور آپ کی اولاد اور آپ کے دوستوں پر ایسے دوست کہ پاک ہیں اور آپ کی ازواج طاہرات پر جو مسلمانوں کی مائیں ہیں- جزا دے آپ کو اللہ ہماری طرف سے وہ جزا کہ جزا دی کسی نبی کو امت سے اور رحمت نازل کرے آپ پر اتنی جتنا یاد کرتے ہیں آپ کو یاد کرنے والے اور غافل ہیں آپ کی یاد سے غافل لوگ-

اگر کسی نے حضرت ﷺ کو سلام پہنچانے کی وصیت کی ہو تو یوں کہیے :

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلَانٍ
سلام آپ پر اے رسول اللہ فلاں آدمی کی طرف سے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلَانٍ
سلام آپ پر یار سول اللہ فلاں آدمی کی طرف سے۔

پھر تھوڑا سا آگے بڑھ کر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلام عرض کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاوَزِیْرِی رَسُوْلَ اللّٰہِ وَالْمُعَاوِنِیْنَ لَہٗ عَلَی الْقِیَامِ بِالدِّیْنِ مَادَامَ حَیًّا وَالْقَائِمَیْنِ بَعْدَہٗ فِیْ اُمَّتِہٖ بِاُمُوْرِ الدِّیْنِ تَتَّبِعَانِ فِیْ ذٰلِکَ بِاٰثَارِہٖ تَعْمَلَانِ بِسُنَّتِہٖ فَجَزَاکُمَااللّٰہِ خَیْرَ مَاجَزَاوَزِرَا النَّبِیِّ عَلٰی دِیْنِہٖ

سلام ہو تم پر اے رسول خدا کے دونوں وزیر اور جب آپ زندہ رہے دین قائم کرنے میں ان کی مدد کرنے والے اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت میں امورِ دین کے ساتھ قائم رہنے والے۔ اس بارے میں آپ کے آثار ونشانات کی پیروی کرنے والے۔ آپ کی سنت پر عمل کرنے والے۔ تو جزادے تم دونوں کو اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہتر جزا جو اس نے اپنے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی۔

پھر وہاں کھڑے کھڑے جتنی دعا مانگی جائے پھر وہاں سے نکل کر بقیع کے قبرستان میں جائے۔ بزرگواروں اور حضرت محمد ﷺ کے دوستوں کی زیارت کرے۔ جب مدینہ منورہ سے واپس ہونے لگے تو محبوب رب العالمین کی زیارت سراپا بشارت کے ذریعے سعادت کونین حاصل کر کے رخصت اور وداع کرے۔

حج کے اسرار : اے عزیز جان لے کہ یہ جو بیان ہوا۔ حج کے ارکان واعمال کی صورت ہے۔ ان میں سے ہر ایک رکن میں ایک راز اور سر ہے اور ہر ایک کی ایک حقیقت ہے۔ عبرت اور امور آخرت کی یاد آوری اس سے اصل مقصود ہے حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس طرح پیدا ہوا ہے جیسا کہ مسلمانی کے عنوان میں مذکور ہو چکا ہے اور یہ بھی آغاز کتاب میں ذکر ہو چکا کہ خواہش کی اطاعت اس کے لیے موجب ہلاکت ہے۔ جب تک اپنے اختیار میں ہے۔ اس کا کوئی فعل حکم شرع سے نہیں بلکہ خواہش کی پیروی سے ہے اور اس کا کام بندے والا کام نہیں اور بندگی کے سوا اور کسی کام میں اس کے لیے کوئی سعادت ووقار نہیں۔ اس بنا پر تھا کہ خدا تعالیٰ نے پہلے امتوں میں ہر امت کو رہبانیت وسیاحت کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ عبادت کرنے والے آبادی سے نکل جاتے۔ لوگوں سے انقطاع صحبت کرتے اور پہاڑوں پر جا کر تمام عمر مجاہدہ وریاضت کرتے جناب رسالت مآب ﷺ سے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ہمارے دین میں سیاحت ورہبانیت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے عوض ہمیں جہاد اور حج کا حکم ہے تو خدا تعالیٰ نے رہبانیت کے بدلے اس امت کو حج کا حکم فرمایا۔ کہ اس میں مجاہدہ کا مقصد بھی حاصل ہے اور عبرتیں بھی موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ نے کعبہ شریف کو بزرگی عنایت فرمائی۔ اپنی طرف منسوب کیا اور اس کو بادشاہوں کو دردولت کی مثل بنایا اطراف وجوانب کو اس کا حرم ٹھہرایا اس کی تعظیم وعزت کے لیے

وہاں کے شکار اور اشجار کو حرام کر دیا- عرفات شریف کو درِ دولت سلطانی کے جلو خانے کی طرح حرم کے سامنے بنایا- تاکہ ہر طرف سے تمام عالم بیت اللہ کا قصد کرے- حالانکہ سب جانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ مکان اور خانہ کعبہ میں رہنے سے منزہ اور پاک ہے- لیکن جب آدمی کو شوق بغایت اور آرزو بے نہایت لاحق ہو تو بھی چیز دوست کی طرف منسوب ہوتی ہے- وہ جان و دل سے مرغوب اور مطلوب ہوتی ہے- تو مسلمانوں نے اس اشتیاق میں اپنے اہل و عیال اور وطن و مال کو چھوڑا جنگلوں کے خوف و خطر گوارا کئے- غلاموں اور نوکروں کی طرح بر حق اور مالک مطلق کے آستانہ کا قصد کیا- اور اس عبادت میں ان کو ایسے کاموں کا حکم ہوا جو عقل میں نہیں آسکتے- جیسے کنکر پھینکنا اور صفا اور مروہ میں دوڑنا- یہ اس لیے نہیں ہوا کہ جو کچھ عقل میں آسکتا ہے- نفس کو بھی اس کے ساتھ کچھ انس ہوتا ہے- اس لیے ہوا کہ حواس کام اور اس کی وجہ کو جانتا ہے- مثلاً جانتا ہے کہ زکوٰۃ دینے میں محتاجوں کی مدد و مدارت ہے اور نماز میں معبود حقیقی کے سامنے فروتنی اور روزہ میں شیطان کے لشکر کی شکست ہے- تو ممکن ہے کہ آدمی کی طبیعت عقل کے موافق حرکت کرے اور کمال بندگی یہ ہے کہ بندہ محض حکم مالک سے ہی کام کرے اور اس کے باطن میں اس کام کی کوئی محرک نہ ہو پتھر پھینکنا اور دوڑنا اسی قبیل سے ہے کہ بندگی کے سوا اور کسی وجہ سے آدمی نہیں کر سکتا- اس لیے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا خاص کر حج کی شان میں زبان فیض ترجمان پر آیا- لَبَّیْکَ بِحَجَّۃٍ تَعَبُّدًا وَّرِقًا! آپ نے اس کا نام عبودیت اور بندگی رکھا اور بعض لوگ جو حیران ہیں کہ حج کے اعمال سے کیا مقصود مراد ہے تو ان کی یہ حیرانی غفلت کے باعث سے ہے- حقیقت حال سے یہ لوگ بے خبر ہیں- کہ بے مطلبی اس کا مطلب اور بے غرضی اس سے غرض ہے- تاکہ اس سے بندگی ظاہر ہو اور بندہ کی نظر محض حکم مالک پر رہے- اس میں کسی طرح طبیعت اور عقل کا فعل نہ ہو تاکہ آدمی اپنے آپ کو باقی مطلق میں بالکل فنا کر دے کہ نیستی اور بے نصیبی ہی آدمی کی سعادت ہے تاکہ اس سے حق اور فرمان حق کے سوا کچھ باقی نہ رہے-

حج کی عبرتیں: یہ ہیں کہ اس سفر کو ایک اعتبار سے سفر آخرت تک کی طرح بنایا ہے کیوں کہ اس سفر سے خانہ مقصود ہے اور اس سفر سے صاحب خانہ اس سفر کے حالات مقدمات سے اس سفر کے حالات یاد کرنے چاہیں جب اپنے اہل و عیال دوست و احباب کو الوداع کرے تو سمجھے یہ رخصت اس کی مانند ہے جو سکرات موت میں ہوگی اور اس سفر سے پہلے تمام علائق سے فارغ البال ہو جاتا ہے- اسی طرح آخر عمر میں بھی چاہیے کہ تمام دنیا سے دل کو خالی کرے ورنہ سفر آخرت تکلیف دہ بن جائے گا اور جب ہر طرح اس سفر کا توشہ اور ہر قسم کا زاد راہ مہیا کرتا اور ہوشیار رہتا ہے اور ہر طرح کی احتیاط کرتا ہے- کہ جنگل بیابان میں کہیں بے سامان نہ ہو جائے تو خیال کرنا چاہیے کہ میدان حشر بہت بڑا اور بہت ہولناک ہے- وہاں توشہ اور زاد راہ آخرت کی بڑی ضرورت ہے- اور جب اس سفر میں جلدی خراب ہو جانے والی چیز ساتھ نہیں لیتا کہ جانتا ہے کہ یہ میرا ساتھ نہ دے گی اور توشہ اور زاد راہ کے لائق نہیں اسی طرح جس عبادت میں ریا اور نقص کو دخل ہو وہ بھی زاد آخرت کے لائق نہیں اور جب سواری پر بیٹھے تو چاہیے کہ جنازہ کو یاد کرے کیونکہ یقیناً جانتا ہے کہ سفر آخرت میں

بھی سواری ہو گی- اور ممکن ہے کہ سواری سے اترنے نہ پائے کہ وقت جنازہ آجائے اور چاہیے کہ سفر حج ایسا ہو کہ زادِ سفر آخرت بن سکے اور جب احرام کے کپڑے مہیا کرے کہ نزدیک پہنچتے ہی روزمرہ کے کپڑے اتار کر انہیں پہنے گا اور وہ دو سفید چادریں ہیں- تو چاہیے کہ کفن یاد کرے کہ وہ بھی دنیا کے لباس کے خلاف ہے اور جب پہاڑ کی گھاٹیاں اور جنگل کے خطرناک مقامات دیکھے تو منکر نکیر اور قبر کے سانپ بچھو یاد کرے کہ قبر سے حشر تک بہت بڑا جنگل ہے اور اس میں بہت سی گھاٹیاں ہیں اور جس طرح بے رہبر جنگل کی آفتوں سے بچنا ممکن نہیں- اسی طرح عبادت کے بغیر قبر کے خوف سے بچنا ممکن نہیں اور جیسے جنگل میں اہل و عیال دوست آشنا سے چھوٹ کر تنہا ہوتا ہے- قبر میں بھی اسی طرح اکیلا ہو گا اور جب لبیک کہنا شروع کرے تو خیال کرے کہ خدا تعالیٰ کی ندا کا جواب ہے- قیامت کے روز اسے اسی طرح ندا آئے گی اس خوف کا خیال کرے اور اس ندا کے خطر میں ڈوبا رہے-

حضرت علی ابن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا چہرہ احرام کے وقت زرد ہو جاتا اور بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا اور لبیک نہ کہہ سکتے تھے- لوگوں نے کہا آپ لبیک کیوں نہیں کہتے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ لبیک کہوں اور لا لبیک ولا سعدیک جواب آئے- اتنا کہا اور اونٹ پر سے بے ہوش کر گر پڑے-

ابن الحواری جو حضرت ابو سلیمان دارانی کے مرید تھے- حکایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو سلیمان نے اس وقت لبیک نہ کہا اور ایک میل چل کر آپ کو غش آگیا- جب ہوش آیا تو فرمایا خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ اپنی امت کے ظالموں سے کہہ دے کہ مجھے یاد نہ کریں اور میرا نام نہ لیں کہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اسے یاد کرتا ہوں- اگر یاد کرنے والے ظالم ہیں تو میں انہیں لعنت کے ساتھ یاد کرتا ہوں اور فرمایا میں نے سنا ہے کہ جو کوئی حج کا خرچ مال مشتبہ سے لیتا ہے اور لبیک کہتا ہے اس کو جواب دیتے ہیں :

لَا لَبَّیْکَ وَلَا سَعْدَیْکَ حَتّٰی تَرُدَّ مَا فِیْ یَدِکَ — یعنی تیرا لبیک اور سعدیک کہنا ناپسند ہے یہاں تک کہ واپس کرے تو اسے جو تیرے قبضہ میں ہے-

اور طواف و سعی اس کے مشابہ ہیں- جیسے غریب' محتاج' ناچار لوگ سلاطین کے در دولت پر جاتے اور محل کے گرد عرض حاجت کا موقع ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور جلو خانے میں آتے جاتے اور اپنا مددگار اور شفیع ڈھونڈتے ہیں- انہیں امید ہوتی ہے کہ شاید بادشاہ کی نظر ہم پر پڑ جائے اور ہمیں ایک نظر دیکھ لے صفا مروہ کے درمیان کا میدان جلو خانے سلطانی کے مانند ہے- عرفات میں لوگوں کا کھڑا رہنا- اطراف جہان سے لوگوں کا مجتمع ہو کر آنا مختلف زبانوں میں دعائیں مانگنا عرضیات قیامت کے مانند ہے- وہاں بھی تمام عالم جمع ہو گا اور ہر ایک کو اپنی اپنی فکر دامنگیر ہو گی- ہر شخص امید و بیم میں ہو گا کہ میں مقبول ہوں- یا مردود اور پتھر مارنے سے ایک تو اظہار بندگی مقصود ہے- دوسرے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے مشابہت ہے کہ وہاں پر ابلیس آپ کے سامنے آیا تھا کہ وسوسہ میں ڈالے- آپ نے اس پر پتھر پھینکے تھے- اے عزیز! اگر تیرے خیال میں یہ بات آئے کہ ابلیس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی دیا تھا- ہمیں دکھائی نہیں دیتا- ہم بے فائدہ پتھر

کیوں ماریں- تو اس خطرہ کو وسوسہ شیطانی جان اور بے تامل پتھر مار کر شیطان کی پیٹھ توڑ، پتھر مارنے سے شیطان کی پیٹھ ٹوٹتی ہے اور تو بندہ فرمانبردار ہو جا- جو حکم تجھے ہوا بجالا اور اپنے آپ کو بالکل خداوند کریم کے تصرف میں دے دے اور یہ جان لے کہ پتھر مارنے سے بے شک میں نے شیطان کو مغلوب و متصور کر لیا- حج کی عبرتوں کا اس قدر بیان اس لیے ہوا کہ اگر کوئی شخص اس راہ کو پہنچانے گا تو جس قدر اس کا ذہن روشن، شوق کامل اور سعی و کوشش بلیغ ہے- اسی قدر اسے یہ معنی دکھائی دیں گے- اور ہر امر میں سے حصہ پائے گا کہ روح عبادت یہی ہے اور یہ باتیں معلوم ہونے سے کاموں کی ظاہری صورت سے معنوں کی طرف بہت ترقی کرے گا-

آٹھویں اصل تلاوت قرآن مجید

اے عزیز جان لے کہ قرآن شریف پڑھنا سب عبادتوں سے بہتر ہے- خصوصاً نماز میں کھڑے ہو کر، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کی عبادتوں میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے اور فرمایا جس شخص کو حق تعالیٰ نے نعمت قرآن عطا فرمائی ہو اور وہ سمجھے کہ اور کسی کو اس سے بہتر کوئی چیز ملی ہے- تو اس نے اس چیز کی تحقیر کی جس کی خدا تعالیٰ نے تعظیم و توقیر کی اور فرمایا کہ اگر مثلاً قرآن کو کسی کھال میں رکھیں تو آگ اس کے قریب بھی نہ جائے گی اور فرمایا کہ قیامت کے دن کوئی فرشتہ اور پیغمبر وغیرہ قرآن سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے ہاں شفیع نہیں ہے- اور فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے- جس کو تلاوت قرآن دعا مانگنے سے باز رکھے تو شکر گزاروں کے لیے جو بڑا ثواب ہے، میں وہ اسے دوں گا اور فرمایا دلوں میں لوہے کی طرح زنگ لگتا ہے، لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ وہ چھوٹتا کاہے سے ہے فرمایا قرآن شریف پڑھنے اور موت کو یاد کرنے سے اور فرمایا میں دنیا سے جارہا ہوں اور تم میں دو واعظ و ناصح چھوڑے جاتا ہوں وہ ہمیشہ تمہیں پند و نصیحت کرتے رہیں گے ایک گویا اور دوسرا خاموش ہے- گویا تو قرآن مجید ہے- اور موت خاموش ہے-

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ قرآن مجید پڑھو کہ ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں بطور ثواب ملتی ہیں- میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے- بلکہ الف ایک لام ایک حرف اور م ایک حرف ہے- امام احمد حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا- عرض کی یا اللہ کس چیز کے ذریعے سے تیرے ساتھ تقرب افضل ہے- ارشاد ہوا کہ میرے کلام قرآن کے ذریعے سے میں نے عرض کی کہ خواہ معنی سمجھتا ہو خواہ نہیں ارشاد ہوا ہاں معنی سمجھے خواہ نہ سمجھے-

غافلوں کی تلاوت کا بیان: اے عزیز جان کہ جس نے قرآن پڑھا اس کا بڑا درجہ ہے- اسے چاہیے کہ قرآن شریف کی عزت کا خیال رکھے ناشائستہ باتوں سے بچا رہے- ہر وقت آداب سے رہے- ورنہ معاذ اللہ اس بات کا خوف ہے کہ مبادا قرآن شریف اس کا دشمن ہو جائے اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا میری امت میں منافق اکثر قرآن خواں لوگ ہوں گے-

ابو سلیمان درانی کا قول ہے کہ دوزخ کا فرشتہ سب فرشتوں کی نسبت مفسد قرآن خوانوں کو جلد پکڑے گا- توریت میں لکھا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا- میرے بندے تجھے شرم نہیں آتی کہ اگر تیرے بھائی کا خط تجھے پہنچے تو اگر راہ میں ہوتا ہے تو ٹھٹھر جاتا ہے- تو راستہ سے الگ ہو بیٹھتا ہے اور اس کا ایک ایک حرف پڑھتا ہے اور اس میں غور و تامل کرتا ہے اور یہ کتاب میرا خط ہے تجھے میں نے لکھا اس میں غور و تامل کرے اور اس پر کاربند ہو اور تو اس سے انکار کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اور جو تو پڑھتا بھی ہے تو غور و تامل نہیں کرتا-

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگلے لوگ قرآن شریف کو جانتے تھے کہ حق تعالیٰ کے پاس سے یہ خط آیا ہے- رات کو اس میں غور و تامل کرتے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے تم لوگوں نے اس کا درس اختیار کیا ہے- اس کے حروف کے زیر و زبر درست کرتے ہو اور اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہو- الغرض قرآن شریف سے مقصود اصلی فقط پڑھنا نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا ہے- پڑھنا یاد رکھنے کے لیے ہے اور یاد رکھنا عمل کرنے کے لیے جو لوگ پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی غلام کے پاس اس کے مالک کا خط آئے اور اس میں اس غلام کی نسبت احکام لکھے ہوں وہ غلام بیٹھے اور اس خط کو خوش آوازی سے پڑھے اس کے حروف خوب درست ادا کرے اور ان احکام میں سے جو اس میں لکھے ہیں- کچھ بجا نہ لائے تو بلاشبہ وہ غلام عقوبت و سزا کا مستحق ہے-

تلاوت قرآن کے آداب: ظاہر میں چھ چیزیں ملحوظ رکھنی چاہیں- اول یہ کہ تعظیم سے پڑھے- پہلے وضو کرے اور قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور عجز و انکسار کے ساتھ پڑھے جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی نماز میں کھڑے ہو کر قرآن شریف پڑھتا ہے اس کے لیے ہر ہر حرف کا ثواب سو سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو بیٹھ کر نماز میں پڑھتا ہے تو پچاس پچاس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر باوضو ہو کر نماز کے علاوہ پڑھے تو پچیس پچیس نیکیاں اور اگر وضو بھی نہ ہو تو دس دس نیکیوں سے زیادہ نہیں لکھتے اور اگر رات کی نماز میں پڑھے تو بہت افضل ہے کہ دل جمعی بہت ہوتی ہے- دوسرے یہ کہ آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اس کے معنوں میں غور کرے- جلد ختم ہونے کی فکر میں نہ رہے- بعض لوگ ایک روز میں ختم کرتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی تین دن سے کم وقت میں قرآن شریف ختم کرے تو علم دین جو قرآن میں ہے وہ اسے حاصل نہ ہو گا- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر:

اذا ذلزلت الارض اور القارعہ میں آہستہ پڑھوں اور غور و تامل کروں- تو سورہ بقر اور سورۃ آل عمران جلدی پڑھنے سے مجھے زیادہ پسند ہے- ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی کو جلدی جلدی قرآن شریف پڑھتے سنا تو فرمایا یہ شخص نہ قرآن پڑھتا ہے نہ خاموش ہے- اگر عجمی ہو کہ قرآن شریف کے معنی نہیں جانتا تو بھی قرآن شریف کی عظمت کے لیے آہستہ اور ٹھہر کے پڑھنا افضل ہے- تیسرے یہ کہ روئے کیوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قرآن پڑھو اور روؤ اگر رونا نہ آئے تو تکلیف کر کے قصداً رونا لاؤ- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا

ہے- سبحان الذی میں جو آیۂ سجدہ ہے- جب اسے پڑھو تو سجدہ کے لیے جلدی نہ کرو- تاوقتیکہ رونہ لو- اگر کسی کی آنکھ نہ روئے تو چاہیے کہ اس کا دل روئے اور جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے- قرآن رنج کے لیے نازل ہوا ہے- جب اسے پڑھو تو اپنے آپ کو غمگین کرو اور جو قرآن کے وعدہ وعید اور احکام میں تامل کرے گا اور اپنی عاجزی اور ناچاری دیکھے گا تو ضرور اندوہ گین ہو گا- بشرطیکہ اس پر غفلت نہ غالب ہو- چوتھے یہ کہ ہر آیت کا حق ادا کرے- کیونکہ حضور کریم ﷺ جب عذاب کی آیت پر پہنچتے استعاذہ کرتے یعنی خدا تعالیٰ سے پناہ مانگتے اور جب رحمت کی آیت پر پہنچتے تو خدا تعالیٰ سے رحمت مانگتے اور تنزیہہ کی آیت پر پہنچ کر تسبیح کرتے اور قرآن حکیم کو شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھتے اور جب تلاوت سے فارغ ہوتے تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ وَاجْعَلْہُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْہُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْہُ مَاجَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَہٗ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ وَاجْعَلْہُ حُجَّۃً لِیْ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ

اے اللہ مجھ پر رحم کر قرآن کے طفیل اور بنا اسے میرے لیے امام نور اور ہدایت اور رحمت- اے اللہ یاد دلا مجھے جو میں اس سے بھول گیا اور لکھا مجھے اس سے جس سے میں جاہل ہوں اور توفیق دے تو مجھے اس کی تلاوت کی رات کی گھڑیوں اور دن کے کناروں میں- اور بنا تو اسے حجت میرے لیے اے رب العالمین-

اور جب سجدہ کی آیت پر پہنچے تو سجدہ کرے- پہلے تکبیر یعنی اللہ اکبر کہے- پھر سجدہ کرے- نماز کی شرطیں یعنی طہارت اور ستر عورت وغیرہ سجدۂ تلاوت بھی ملحوظ رہیں- فقط اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرنا بے تشہد و سلام کافی ہے- پانچواں یہ کہ ریا کا شبہ و اندیشہ ہو یا کسی کی نماز میں خلل پڑتا ہو تو آہستہ پڑھے کیوں کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ چپکے قرآن پڑھنے کو چلا کر پڑھنے پر ایسی فضیلت ہے- جیسے چھپا کر صدقہ دینے کو علانیہ دینے پر- اگر ریا اور دوسرے کی نماز میں فتور پڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ بلند آواز سے پڑھے تاکہ اور لوگ بھی سنیں اور انہیں بھی واقفیت حاصل ہو- ہمت جمع ہو- شوق بڑھے نیند بھاگ جائے اور سونے والے بھاگ پڑیں- اگر یہ سب نیتیں جمع ہوں تو ہر ہر نیت پر ثواب پائے گا اور اگر دیکھ کر پڑھنا بہتر ہے کہ آنکھ کو بھی کام میں لگایا- لوگوں نے کہا ہے کہ ایک قرآن شریف دیکھ کر ختم کرنا سات ختموں کے برابر ہے- علمائے مصر میں سے ایک عالم حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے پاس گیا دیکھا کہ سجدے میں پڑے ہیں اور قرآن شریف سامنے رکھا ہے- فرمایا فقہ نے تمہیں قرآن شریف سے باز رکھا جب میں عشاء کی نماز پڑھتا ہوں تو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں اور صبح تک بیدار رہتا ہوں- جناب رسالت مآب ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تشریف لے گئے- دیکھا کہ ابوبکر صدیق رات کے وقت نماز میں آہستہ آواز سے قرآن شریف پڑھ رہے تھے- حضور ﷺ نے فرمایا آہستہ آہستہ کیوں پڑھتے ہو- عرض کی اس وجہ سے کہ جس کے حضور میں مناجات کر رہا ہوں وہ سنتا ہے- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا چلا کر کیوں پڑھتے ہو- عرض کی کہ

سوتوں کو جگاتا- شیطان کو بھگاتا ہوں- آپ نے فرمایا کہ دونوں آدمی اچھا کرتے ہیں تو ایسے اعمال نیت کے تابع ہیں چونکہ دونوں حضرات کی نیت درست تھی- دونوں طرح سے ثواب ملے گا- چھٹے یہ کہ کوشش کرے کہ خوش آوازی سے پڑھے- کیونکہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے قرآن کو اچھی آواز سے آراستہ کرو- حضور ﷺ نے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ کو دیکھا کہ خوش آوازی سے قرآن شریف پڑھتا ہے فرمایا:

الحمدللہ الذی جعل فی امتی مثلہ — اس خدا کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے شخص کو داخل کیا-

اس کی وجہ یہ ہے کہ آواز جتنی اچھی ہو گی قرآن کا اثر بھی زیادہ ہو گا- سنت یہ ہے کہ خوش الحانی سے پڑھے کلمات و حروف میں بہت الحان کرنا جیسے قوالوں کی عادت ہے مکروہ ہے-

تلاوت کے آداب باطن: چھ ہیں- اول یہ کہ کلام کی عظمت پہچانے حق سبحانہٗ تعالیٰ کا کلام جانے اور یقین کرے کہ یہ کلام قدیم اور حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کی ذات سے قائم ہے اور زبان پر جاری ہوتا ہے یہ حروف ہیں- اور جیسے زبان سے آگ کہنا آسان ہے- ہر ایک کہہ سکتا ہے- لیکن اصل آگ کی طاقت نہیں- اسی طرح ان حروف کے معنی کی اصل حقیقت اگر ظاہر ہو جائے تو ساتوں زمین اور ساتوں آسمانوں کو اس کی تجلی کی تاب و طاقت نہ ہو- یہی وجہ تھی کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ — اگر اتارتے ہم اس قرآن کو پہاڑ پر تو بے شک دیکھتے تم- اے محمد ﷺ پہاڑ کو ڈرنے اور ٹکڑے ہونے والا خدا کے خوف سے-

لیکن قرآن کی عظمت اور جمال کو حروف کے لباس میں پوشیدہ کیا ہے- تاکہ زبان اور دلوں کو اس کی طاقت ہو لباس حروف کے سوا بندوں کی طرف اس عظمت و جمال کو پہنچانے کی اور کوئی صورت نہ تھی- یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حروف کے سوا اور بھی کوئی بڑا کام ہے جس طرح جانوروں کو ہانکنا ادب سکھانا اور ان سے کام کہنا آدمی کے کلام اور الفاظ سے ممکن نہیں- کیونکہ انہیں انسانی باتیں سمجھنے کی طاقت نہیں- ضرورۃً چارپایوں کی آواز سے ملتی ہوئی آواز مقرر کی کہ جانوروں کو اس آواز سے جتائیں- اور یہ اس آواز کو سن کر کام کریں لیکن اس کام کی حکمت و رعایت جانور نہیں جانتے کیونکہ بیل کو جو آواز دیتے ہیں تو وہ زمین کو نرم کرتا ہے- لیکن زمین نرم کرنے کی حکمت و مصلحت نہیں جانتا- کہ اس سے یہ مقصود ہے کہ مٹی میں ہوا جائے اور دونوں میں پانی ملے- تاکہ تینوں جمع ہوں تو وہ مجموعہ بیج کی غذا ہو کر اسے پرورش کرے اکثر آدمیوں کا حصہ قرآن شریف سے بھی آواز اور ظاہری معنوں کے سوا اور کچھ نہیں- یہاں تک کہ بعض آدمی قرآن مجید کو فقط حروف اور آواز ہی سمجھتے ہیں- یہ سمجھنا نہایت ضعیف بات اور خراب دل ہے اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی یہ

سمجھے کہ آتش کی حقیقت فقط الف تے شین ہے یہ نہ سمجھے کہ آتش اگر کاغذ کو چھپائے تو جلادے اور کاغذ اس کی تاب نہیں لاسکتا- لیکن یہ حروف ہمیشہ کاغذ میں لکھے رہتے ہیں مگر کچھ اثر نہیں کرتے اور جس طرح ہر بدن کے لیے روح ہے اور وہ بدن اس کے ذریعے سے باقی رہتا ہے حروف کے معنی بھی روح کے مانند ہیں- اور حروف ڈھانچہ میں اور ڈھانچے کو روح کی بدولت عظمت و عزت ہوتی ہے اور حروف کو معانی کے سبب سے شرف ہے- اس کتاب میں اس کی پوری تحقیق بیان کرنا ممکن نہیں دوسرا ادب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت بجالائے کہ یہ اس کا کلام ہے- قرآن شریف کرنے سے پہلے دل میں حاضر کرے اور سمجھے کہ کس کا کلام پڑھ رہا ہے اور کتنے بڑے کام کے لیے بیٹھتا ہے کہ خدا تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے :

لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ ۝ نہ چھوئیں اسے مگر پاک لوگ-

اور جس طرح ظاہر قرآن کو نہیں چھوتا مگر پاک ہاتھ سے اسی طرح حقیقت کلام کو نہیں پاتا مگر وہ دل جو اخلاق بد کی نجاست سے طاہر و پاکیزہ اور تعظیم و توقیر کے نور سے منور و آراستہ ہو- اسی بنا پر تھا- کہ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مصحف کھولتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی اور فرماتے :

هُوَ كَلَامُ رَبِّیْ وہ میرے پروردگار کا کلام ہے-

اور کوئی شخص قرآن مجید کی عظمت نہیں جان سکتا- تاوقتیکہ حق سبحانہ تعالیٰ کی عظمت نہ پہچانے اور حق تعالیٰ کی عظمت دل میں نہیں حاضر ہوتی تاوقتیکہ آدمی اس کے صفات وافعال میں نہ سوچے- جیسے عرش، کرسی، سات زمین، سات آسمان، اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں جیسے فرشتے، جن بشر، حیوانات، حشرات الارض، جمادات نباتات اور انواع مخلوقات ان سب کو خیال میں لائے اور سمجھے کہ یہ قرآن اس ذات کا کلام ہے- جس کے قبضے میں یہ سب کچھ بلکہ ساری مخلوقات ہے- اگر سب کو ہلاک کر ڈالے تو اسے کچھ خوف وڈر نہیں اور اس کے کمال میں کچھ نقصان نہ آئے گا- سب کا خالق، حافظ، رازق وہی ہے- ان سب باتوں کا خیال کرے تو اس کی عظمت وبزرگی کا کچھ نہ کچھ حصہ آدمی کے دل میں آئے گا-

تیسرا ادب یہ ہے کہ پڑھنے میں دل حاضر رہے غافل نہ ہو- نفس کی باتیں اسے ادھر ادھر نہ لے جائیں اور جو کچھ غفلت سے پڑھا اسے نہ پڑھنے کے برابر جانے اور پھر سے پڑھے- اس کی مثال ایسی ہے- جیسے کوئی سیر کے لیے باغ میں گیا اور وہاں کے عجائب وغرائب سے غافل رہا اور باہر چلا آیا کیونکہ قرآن مجید مومنوں کا تماشہ گاہ ہے اس میں بہت عجائب اور حکمتیں ہیں اگر کوئی اس میں غور کرنا شروع کردے تو پھر اور کسی چیز کی طرف مشغول نہ ہو- تو جو شخص قرآن شریف کے معنی نہ سمجھے وہ بڑا کم نصیب ہے- لیکن چاہیے کہ اس کی عظمت دل میں رکھے تاکہ خیال اور طرف نہ بٹے-

چوتھا ادب یہ ہے کہ ہر لفظ کے معنی کا خیال کرے تاکہ معنی سمجھ میں آئیں- اگر ایک بار نہ سمجھے دوبارہ پڑھے اور اگر اس سے کچھ لذت حاصل ہوتی ہے تو بھی اعادہ کرے- زیادہ پڑھنے سے یہ اولیٰ اور افضل ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ ایک رات نماز میں یہ آیت بار بار پڑھتے تھے-

ان تعذبھم فانھم عبادک و ان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم — اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو غالب حکمت والا ہے۔

اور بیس بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اعادہ فرماتے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں پوری ایک رات بسر کی۔

وامتازوا الیوم ایُّھا المجرمون — تم جدا ہو جاؤ آج اے بدکار لوگو۔

اگر کوئی شخص ایک آیت پڑھے اور دوسری آیت کے معنوں کا دھیان کرے تو اس نے اس آیت کا حق ادا نہیں کیا۔

اخبار میں وارد ہے کہ حضرت عامر ابن عبداللہ وسواس کا گلہ شکوہ کرتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کیا دنیوی وسوسے آتے ہیں جواب دیا اگر میرے سینہ میں چھری ماریں تو نماز میں دنیوی خیال لانے سے مجھے یہ زیادہ آسان ہے بلکہ مجھے یہ خیال زیادہ رہتا ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے کیسے کھڑا ہوں گا اور کس طرح وہاں سے پھروں گا۔ تو دیکھنا چاہیے کہ ان خیالات کو بھی بزرگ لوگ وسواس جانتے تھے۔ اس بنا پر کہ آدمی جو آیت نماز میں پڑھے۔ چاہیے کہ اس وقت اس کے معنوں کے سوا اور کچھ خیال نہ کرے۔ جب اور بات کا خیال کیا۔ اگرچہ وہ دین کی بات ہی ہو۔ تو بھی وسوسہ ہے۔ بلکہ چاہیے کہ ہر آیت میں اس کے معنوں کے سوا اور کچھ خیال میں نہ لائے جب حق تعالیٰ کی صفات کی آیتیں پڑھے۔ تو صفات کے اسرار میں تامل اور غور کرے کہ قدوس عزیز جبار حکیم وغیرہ کے کیا معنی ہیں اور جب حق تعالیٰ کے افعال کی آیات پڑھے۔ مثلاً:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۝ — پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو۔

تو عجائب خلق سے خالق کی عظمت کا تصور کرے۔ اور اس کا کمال علم وقدرت ذہن میں لائے۔ حتیٰ کہ یہ کیفیت ہو جائے کہ جس چیز میں دیکھے خدا ہی کو دیکھے۔ سب اس کے ساتھ دیکھے۔ اور اسی سے دیکھے جب یہ آیت پڑھے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ — بے شک پیدا کیا ہم نے آدمی کو نطفہ سے۔

تو نطفہ کے عجائبات کا خیال کرے کہ ایک طرح کے قطرہ پانی سے کیسی کیسی مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً گوشت، پوست، رگیں، ہڈیاں وغیرہ یوں ہی اعضاء جیسے سر، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، زبان وغیرہ کیسے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر عجیب عجیب قوتیں جیسے سمع بصر، حیات وغیرہ کس طرح ظاہر ہوتی ہیں اور قرآن مجید کے سب معنی بیان کرنا مشکل ہے اس قدر بیان سے صرف فکر اور غور پر آگاہ کرنا مقصود ہے تین افراد کو قرآن شریف کے معنی معلوم نہیں ہوتے۔ ایک وہ جو ظاہر تفسیر نہ پڑھا ہو۔ اور عربی زبان نہ جانتا ہو۔ دوسرے وہ جو کسی گناہ کبیرہ پر مصر ہو۔ کسی بدعت کا اعتقاد اس کے دل میں جاگزین ہو۔ اس کا دل گناہ اور بدعت کی ظلمت سے تاریک ہو گیا ہو۔ تیسرے وہ جس نے علم کلام میں کوئی عقیدہ پڑھا۔ پھر اس پر اڑا اور ٹھہرا ہوا ہے۔ اور اس کے دل میں اس اعتقاد کے خلاف جو کچھ آتا ہے اس سے نفرت کرتا ہے۔ تو ممکن نہیں کہ ایسا شخص اس ظاہری اعتقاد سے پھرے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ اس کا دل بھی مختلف صفات کی طرف پھرتا ہے جس طرح آیات کے معنے مختلف آتے ہیں۔ مثلاً جب خوف کی آیت پر پہنچے تو دل پر خوف وہراس اور رقت غالب ہوں اور جب رحمت کی آیات پر پہنچے تو فرحت و

انبساط دل میں پیدا ہو-اور جب حق تعالیٰ کی صفات سنے تو عین تواضع وانکسار بن جائے اور جب کفار کے وہ اقوال سے جو حق سبحانہ تعالیٰ کی جناب کے لائق نہیں کہتے جیسے اس کا شریک اور فرزند ہونا تو آواز ہلکی کرے اور شرم و خجالت سے پڑھے اسی طرح ہر آیت کے معنی ہیں اور جو معنی کا مقتضا ہے اسی صفت پر ہو جانا چاہیے-تا کہ آیت کا حق ادا ہو-

چھٹا ادب یہ ہے کہ قرآن اس طرح پڑھے گویا حق تعالیٰ سے سنتا ہے اور فرض کرے کہ فی الحال اسی سے سنتا ہے-ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں قرآن شریف پڑھتا تھا اور کچھ حلاوت نہ پاتا تھا-یہاں تک کہ میں نے فرض کر لیا کہ میں رسول مقبول ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے سنتا ہوں-پھر آگے پڑھا اور فرض کیا کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سے سنتا ہوں اور زیادہ حلاوت پائی-پھر آگے پڑھا اور بڑے مرتبے کو پہنچا اب اس طرح پڑھتا ہوں گویا بے واسطہ حق سبحانہ تعالیٰ سے سنتا ہوں-اب وہ لذت پاتا ہوں کہ ہرگز نہ پائی تھی-

نویں اصل ذکرِ الٰہی

اے عزیز جان کہ حق تعالیٰ کو یاد کرنا تمام عبادات کا خلاصہ اور جان[۱] ہے کیونکہ نماز اسلام کا ستون ہے اس سے بھی یاد الٰہی مقصود ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ

بے شک نماز باز رکھتی ہے-بدی اور برائی سے اور بے شک ذکر اللہ کا بہت بڑا ہے-

اور تلاوت قرآن سب عبادتوں سے اس لیے افضل ہے کہ وہ خدائے عزوجل کا کلام ہے-حق تعالیٰ کی یاد دلاتا ہے اور جو کچھ اس میں ہے خدا کے ذکر کی تازگی کا سبب اور واسطہ ہے اور روزہ سے شہوت اور خواہش کا توڑنا مقصود ہے-دل ہجوم شہوت سے نجات پا جاتا ہے-صاف ہو کر خدا تعالیٰ کے ٹھہرنے کا مقام بن جاتا ہے-اس لیے کہ جب تک شہوات و خواہشات سے بھرا ہوا ہے اس سے ذکر الٰہی ناممکن ہے اور ذکر اس میں اثر نہیں کرتا اور حج جو خانہ خدا کی زیارت کا نام ہے اس سے بھی صاحب خانہ کی یاد اور اس کی ملاقات کا شوق پیدا کرنا مقصود ہے تو ذکر الٰہی تمام عبادتوں کا سر اور خلاصہ ہے بلکہ اسلام کی اصل اور جڑ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے اور یہ عین ذکر ہے اور عبادتیں اس ذکر کی تاکید و مضبوط کرنے والی ہیں-اور تیرے ذکر کا ثمرہ یہ ہے کہ خدا تجھے یاد کرتا ہے[۲]-اس سے زیادہ ثمرہ اور نتیجہ کیا ہو سکتا ہے-اسی لیے ارشاد فرمایا:

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ

تم مجھے یاد کرو تا کہ میں تمہیں یاد کروں-

خدا کو ہمیشہ یاد کرنا چاہیے-اگر ہمیشہ نہ ہو تو اکثر اوقات میں تو ہو کہ آدمی کی فلاح اس کے ساتھ وابستہ ہے-اسی لیے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۱- خدا کی یاد سب عبادتوں کی جان ہے-

۲- جو خدا کا ذکر کرے خدا اس کا ذکر کرتا ہے-

وَاذْکُرُوْا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ — اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

یعنی فلاح کی امید رکھتے ہو۔ تو کثرت اس کی کنجی ہے۔ بہت ذکر کرو۔ تھوڑا سا نہیں۔ اکثر اوقات کرو کبھی کبھی نہیں۔ اسی لیے فرمایا:

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ — جو لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر۔

ان بندوں کی تعریف فرمائی جو کھڑے بیٹھے سوتے کبھی اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور فرمایا:

وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ ٥ — اسے یاد کر زاری سے اور ڈرتے ہوئے اور پوشیدہ صبح و شام اور کسی وقت غافل نہ ہو۔

جناب رسولِ مقبول ﷺ سے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ سب کاموں سے افضل کون سا کام ہے۔ آپ نے فرمایا مرتے وقت ذکرالٰہی سے تر زبان ہونا۔

جناب رحمتہ اللعالمین ﷺ نے فرمایا۔ خداوند کریم کے نزدیک جو کام بہترین اعمال اور مقبول ہے اور تمہارے لیے بزرگ ترین درجہ ہے اور سونا چاندی صدقہ دینے سے بہتر اور خدا کے دشمن کے ساتھ اس طرح جہاد کرنے سے بھی بڑھ کر ہے کہ تم ان کی گردنیں مارو، وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔ اس کام سے میں تمہیں آگاہ کروں۔ جاں نثاروں نے عرض کیا یا رسول اللہ ارشاد فرمائیے۔ وہ کیا کام ہے آپ نے فرمایا: ذکرالٰہی یعنی حق تعالیٰ کو یاد کرنا۔ اللہ نے فرمایا جس کو میرا ذکر دعا مانگنے سے باز رکھے۔ میرے نزدیک اس کا انعام اور اس کو عطا کرنا مانگنے والوں کے انعام و عطا سے بہتر ہے اور فرمایا خدا کو یاد کرنے والا غافلوں میں ایسا ہے جیسے مردوں میں زندہ اور جیسے سوکھی گھاس میں ہرا درخت اور جہاد سے بھاگ جانے والوں میں ثابت قدم غازی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اہل جنت کو کسی امر پر حسرت نہ ہوگی مگر دنیا میں جو ساعت یادالٰہی سے غفلت میں گزری ہوگی اس پر حسرت ہوگی۔

ذکر کی حقیقت: اے عزیز جان کہ ذکر کے چار درجے ہیں۔ ایک یہ کہ فقط زبانی ذکر ہو۔ دل اس سے غافل اور بے فکر

ہو اس کا اثر کم ہوتا ہے مگر بالکل بے اثر نہیں۔ اس لیے کہ جو زبان ذکرالٰہی میں مشغول ہو۔ اس کو اس زبان پر جو بے ہودہ باتوں میں مصروف یا بالکل معطل اور بیکار ہو فضیلت ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دل میں تو ہو لیکن قرار نہ پکڑے اور نہ گھر کرے ایسا ہو کہ دل کو تکلف سے ذکر کے ساتھ مشغول رکھیں۔ کہ اگر یہ جہد اور تکلف نہ ہو تو دل غفلت یا نفس کے خطروں سے پھر اپنی طبیعت کے موافق ہو جائے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دل میں گڑ گیا ہو اور ایسا غالب اور متمکن ہو گیا ہو کہ اور کام کی طرف اسے تکلف سے مشغول کریں۔ یہ بڑی بات ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ جس کا ذکر مطلوب ہے وہی

دل میں بس چکا ہو-اور وہ حق سبحانہ و تعالیٰ ہے اور ذکر دل میں نہ ہو اس لیے کہ جس شخص کا دل مذکور یعنی خدا کو دوست رکھتا ہے اس میں اور اس شخص میں جس کا دل ذکر کو دوست رکھتا ہے بڑا فرق ہے-بلکہ کمال یہ ہے کہ ذکر اور ذکر کا خیال بھی دل سے بالکل جاتا رہے-مذکور ہی مذکور رہ جائے-کیونکہ ذکر عربی ہو یا فارسی کلام سے خالی نہ ہو گا-بلکہ عین کلام ہو گا اور اصل یہ ہے کہ عربی اور فارسی سخن وغیرہ جو کچھ ہے-سب سے دل خالی ہو اور سب وہی ہو جائے-دل میں کسی چیز کی گنجائش ہی باقی نہ رہے-فرط محبت جس کو عشق کہتے ہیں یہ امر اس کا نتیجہ ہے یعنی اس سے حاصل ہوتا ہے اور عاشق ہمیشہ معشوق ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے-ایسا ہوتا ہے کہ اس کے تصور اور کمالِ خیال میں اس کا نام بھی بھول جاتا ہے-جب ایسا مستغرق اور محو ہو جائے کہ اپنے آپ کو اور غیرت حق جو کچھ ہے سب کو بھول جائے تو تصوف کے پہلے راستے پر آئے گا-صوفیہ صافیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حالت کو فنا اور نیستی کہتے ہیں-یعنی جو کچھ ہے سب اس کے ذکر سے نیست اور خود بھی نیست ہو گیا کہ اپنے آپ کو بالکل بھول گیا-اور جس طرح حق تعالیٰ کے بہت سے عالم ایسے ہیں کہ ہمیں ان کی خبر نہیں اور وہ ہمارے حق میں نیست ہیں اور جن سے ہم آگاہ ہیں اور ہمیں جن کی خبر ہے وہ ہمارے نزدیک ہست ہیں-اگر یہ عالم جو خود خلق کے نزدیک موجود ہیں کسی کو بھول گئے-تو اس کے نزدیک نیست ہو گئے-اور جب اپنی خودی بھولے گا تو خود بھی اپنے نزدیک نیست ہو گیا اور خدا کے سوا جب کوئی چیز اس کے ساتھ نہ رہی تو حق تعالیٰ ہی اس کے نزدیک ہست اور اس کے سامنے موجود ہے-

اے عزیز جس طرح تو جب نگاہ اٹھائے اور زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں ہے وہی دیکھے اس کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے تو یہی کہے گا کہ اس کے سوا عالم ہستی نہیں اور تمام عالم یہی ہے-اسی طرح یہ ذاکر بھی خدا کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور کہتا ہے کہ ہمہ اوست یعنی اللہ ہی اللہ ہے-سوا اللہ کے کچھ نہیں-اس مقام پر اس کے اور خدا کے درمیان جدائی باقی نہیں رہتی-اور یگانگی حاصل ہو جاتی ہے-یہ توحید اور وحدانیت کا پہلا عالم ہے یعنی جدائی اٹھ جاتی ہے جدائی اور دوری سے کچھ خبر ہی نہیں رہتی-اس لیے کہ جدائی وہ جانتا ہے-جو دو چیزیں جانے-اپنے آپ اور خدا کو پہچانے اور یہ شخص اس وقت آپ سے بے خبر ہے-ایک کے سوا دوسرے کو پہچانتا ہی نہیں تو جدائی کیونکر جانے گا-آدمی جب اس درجہ پر پہنچتا ہے-تو فرشتوں کی صورتیں اس پر ظاہر ہونے لگتی ہیں-فرشتے اور انبیاء علیہ السلام کی روحیں اچھی صورتوں میں اسے نظر آنے لگتی ہیں-جناب احدیت کے لیے جو چیزیں خاص ہیں وہ منکشف ہوتی ہیں اور بڑے بڑے احوال ظاہر ہوتے ہیں کہ ان کا بیان ممکن نہیں جب پھر اپنے میں آتا ہے اور دوسرے کاموں سے آشنا ہوتا ہے تو اس کا اثر اس میں رہتا ہے اور اس حالت کا شوق غالب ہو جاتا ہے اور دنیا و مافیہا اور جن کاموں میں لوگ مشغول ہیں وہ سب اسے ناگوار و ناپسند ہوتے ہیں-اپنے ظاہر سے تو آدمیوں میں ہوتا ہے مگر دل سے غائب رہتا اور نگاہ تعجب سے لوگوں کو دیکھتا ہے کہ دنیا کے کام میں مشغول ہیں اور رحمت و حسرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس لیے کہ جانتا ہے کہ یہ لوگ کتنے بڑے اور عمدہ کام سے محروم ہیں اور لوگ ہنستے ہیں کہ وہ خود بھی دنیا کے کاموں میں کیوں مشغول نہیں ہوتا-اور برا گمان کرتے ہیں کہ اسے دیوانگی لاحق ہو جائے گی-

اگر کوئی شخص فناو نیستی کے درجے کو نہ پہنچے اور یہ حالات و مکاشفات اور پر منکشف نہ ہوں لیکن ذکر الٰہی اس پر غالب اور مستولی ہو جائے تو یہ بھی کیمیائے سعادت ہے- اس لیے کہ جب ذکر غالب ہو گا تو انس و محبت مستولی ہو گی اور دل پر چھا جائے گی- یہاں تک کہ حق تعالیٰ کو دنیاومافیہا سے زیادہ دوست رکھے گا اور اصل سعادت یہی ہے کیونکہ جب خدا کی طرف رجوع ہو گا تو موت سے اس کے دیدار کی بنا پر کمال لذت بقدر محبت حاصل ہو گی- اور جس کی محبوبہ و معشوقہ دنیائے دوں ہے اور جو اس پیرزال پر عاشق و مفتون ہے وہ باندازہ عشق و محبت اس کی فرقت میں رنج واذیت اٹھائے گا- جیسا عنوان مسلمانی میں بیان ہو چکا ہے تو اگر کوئی شخص بہت ذکر کرتا ہے- اور وہ احوال جو صوفیہ کو ظاہر ہوتے ہیں اس پر ظاہر و نمودار نہ ہوں تو چاہیے کہ بیزار نہ ہو کہ سعادت اس حال پر موقوف نہیں- اس لیے کہ جب دل ذکر نور سے آراستہ ہوا تو کمال سعادت پر تیار ہوا اور جو کچھ اس جہان میں اسے ظاہر نہ ہو گا- مرنے کے بعد ظاہر ہو گا- تو آدمی کو چاہیے کہ مراقبہ دل کا التزام رکھے تاکہ خدا سے لگا رہے- اور کبھی غافل نہ ہو- اس لیے کہ دائمی ذکر حضرت الہیت اور عجائب ملکوت کی کنجی ہے- یہ جو جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات نے فرمایا ہے کہ جو شخص جنت کے باغات کی سیر کرنا چاہتا ہے- اسے چاہیے کہ خدا کا ذکر کثرت سے کیا کرے- اس کے یہی معنی ہیں اور یہ جو ہم نے بیان کیا ہے- اس سے معلوم ہوا کہ ذکر سب عبادتوں کا خلاصہ ہے اور حقیقی ذکر یہ ہے کہ اوامر و نواہی کے وقت خدا کو یاد کرے- گناہ سے ہاتھ کھینچ- حکم الٰہی جالائے- اگر ذکر اس بات پر آمادہ نہ کرے تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ذکر سخن نفس اور بے حقیقت تھا-

تسبیح و تہلیل، تحمید، صلوٰۃ اور استغفار کے فضائل

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ بندہ جو نیکی کرتا ہے اسے قیامت کے دن ترازو میں رکھیں گے- مگر کلمہ لاالہ الااللہ کہ اگر اسے میزان میں رکھیں تو سات زمینیں اور سات آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ان سب سے اس کا وزن زیادہ ہو- اور فرمایا کہ لاالہ الااللہ کہنے والا اگر صدق دل سے کہتا ہے اور زمین کی خاک کے برابر گناہ رکھتا ہے- تو بھی اسے بخش دیں گے- اور فرمایا کہ جس نے خلوص سے لاالہ الااللہ کہا وہ جنت میں جائے گا- اور فرمایا جو:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ اکیلا ہے وہ نہیں ہے کوئی شریک اس کا اسی کے واسطے ہے بادشاہی اسی کے لیے ہے سب تعریف اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے-

ہر روز سو بار پڑھے- تو دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہے- اور سو نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی اور سو گنا مٹائے جائیں گے اور رات تک یہ کلمہ شیطان سے اس کے لیے حصار ہو گا-

صحیح بخاری میں ہے جو شخص یہ کلمہ کہے- اس نے گویا فرزندان اسماعیل علیہ السلام میں سے چار غلام آزاد کیے-

تسبیح و تحمید کا بیان: رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص ایک دن میں :

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ — پاک ہے اللہ اور اس کی حمد کے ساتھ اسے یاد کرتا ہوں۔

سو بار کہے۔ اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اگرچہ کثرت میں دریا کی کشادگی کے برابر ہوں اور فرمایا جو کوئی ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہے اس کے بعد اس کلمہ سے سو پورا کرے :

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اگر دریا کے جھاگ کے برابر ہوں۔ اور روایت ہے کہ ایک مرد رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ دنیا نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ میں تنگدست، محتاج اور عاجز ہو گیا ہوں۔ میں کیا کروں۔ فرمایا تو کدھر ہے۔ ملائکہ کی اس صلوٰۃ اور خلق کی اس تسبیح سے کیا بے خبر ہے۔ جس کی بدولت وہ روزی پاتے ہیں۔ اس نے عرض کی وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا :

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ — پاک ہے اللہ اور اس کی حمد کے ساتھ اسے یاد کرتا ہوں۔ پاک ہے اللہ بڑا اور اس کی تعریف کے ساتھ یاد کرتا ہوں۔ اس سے بخشش چاہتا ہوں۔

فجر کی نماز کے پہلے سو بار پڑھا کرو تاکہ دنیا خواہ مخواہ تیری طرف متوجہ ہو اور حق تعالیٰ ہر کلمہ سے ایک ایک فرشتہ پیدا کرتا ہیں وہ قیامت تک تسبیح کیا کرتا ہے اور اس کا ثواب تجھے ملے گا اور فرمایا یہ کلمات باقیات الصالحات ہیں :۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ — پاک ہے اللہ اور سب تعریف اللہ کے واسطے ہے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر اللہ اور اللہ بہت بڑا ہے۔

اور فرمایا میں یہ کلمات کہتا ہوں اور جو چیزیں گردش آفتاب کے نیچے ہیں۔ ان سے بھی زیادہ ان کو پسند رکھتا ہوں۔ اور فرمایا خدا کے نزدیک یہی چار کلمے سب کلموں سے بہتر ہیں اور فرمایا دو کلمے ہیں کہ زبان پر ہلکے اور میزان میں گراں اور خدا کو بہت پسند ہیں۔

فقرا نے رسولِ مقبول ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ آخرت کا ثواب تو سب امیروں نے لے لیا۔ کیونکہ جو عبادت ہم کرتے ہیں وہ تو وہ بھی کرتے ہیں اور اس کے علاوہ صدقہ خیرات بھی دیتے ہیں۔ اور ہم صدقہ نہیں دے سکتے۔ آپ نے فرمایا تمہاری محتاجی کے سبب تمہاری ہر تسبیح و تہلیل اور ہر تکبیر صدقہ ہے اور ہر امر معروف اور نہی منکر بھی صدقہ ہے اور اگر کوئی تم میں سے ایک لقمہ اپنے عیال کے منہ میں دیتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔

اے عزیز جان کہ درویشی کے حق میں تسبیح و تہلیل کی فضیلت اس بنا پر زیادہ ہے کہ اس کا دل دنیا کی ظلمت سے تاریک نہیں بلکہ بہت صاف ہوتا ہے۔ ایک کلمہ جو وہ کہتا ہے اس تخم کی مثل ہے۔ جو پاک زمین میں ڈالا جائے بہت اثر

کرتا اور بہت پھل دیتا ہے اور جو ذکر اس دل میں ہوتا ہے جو دنیا کی خواہشوں سے بھرا ہوا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے وہ بیج جو کھاری زمین میں بویا جائے کہ اس کا اثر بہت کم ہوتا ہے۔

درود شریف کا بیان : رسولِ مقبول ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے۔ خوشی کے آثار آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر تھے۔ فرمایا جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ پیغام لائے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس امر پر تم کفایت نہیں کرتے کہ جو کوئی تمہاری امت میں سے تم پر ایک بار درود بھیجے گا۔ میں اس پر دس بار رحمت بھیجوں گا اور جو ایک بار سلام بھیجے گا۔ میں دس بار اس پر سلام بھیجوں گا اور فرمایا جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ تمام ملائکہ اس پر درود بھیجتے ہیں خواہ بہت درود بھیجیں خواہ کم۔ اور میرا بڑا مقرب وہ ہے۔ جو مجھ پر بہت درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس برائیاں اس سے مٹائی جاتی ہیں اور فرمایا کہ جو کوئی کچھ لکھتا ہے اور اس میں مجھ پر درود لکھتا ہے۔ تو جب تک میرا نام اس پر لکھا پاتے ہیں۔ ملائکہ اس کے لیے مغفرت طلب کیا کرتے ہیں۔

استغفار کا بیان : حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قرآن شریف میں دو آیتیں ہیں جو کوئی گناہ کر کے ان دونوں آیات کو پڑھ کر استغفار کرے۔ اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے وہ دو آیتیں یہ ہیں :

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَافَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ٥

وہ لوگ جب کرتے ہیں برا کام یا ظلم کرتے ہیں اپنی جانوں پر یاد کرتے ہیں۔ اللہ کو پھر بخشش چاہتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہوں کو مگر اللہ اور نہیں اصرار کرتے اس پر جو انہوں نے کیا اور وہ جانتے ہیں۔

اور دوسری آیت یہ ہے :

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْيَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥

جس نے برا کام کیا یا ظلم کیا اپنی ذات پر پھر بخشش مانگی اللہ سے پائے گا۔ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا۔

اور حق تعالیٰ رسولِ مقبول ﷺ سے فرماتا ہے :

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ فَاسْتَغْفِرْهُ

پس تسبیح کر تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اور مغفرت چاہ اس سے۔

اسی سبب سے رسولِ مقبول ﷺ اکثر فرماتے تھے :

سُبُحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ
پاک ہے تو اے اللہ اور تعریف کرتا ہوں میں تیری اے اللہ بخش دے مجھے بے شک تو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے۔جو کوئی استغفار کرے اور کسی تکلیف میں ہو۔خوش ہو جائے گا اور جہاں سے اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو روزی پائے گا اور فرمایا میں دن بھر میں ستر بار توبہ واستغفار کرتا ہوں۔رسول مقبول ﷺ کا یہ حال تھا۔تو معلوم ہوا کہ دوسروں کو کسی وقت بھی توبہ واستغفار سے خالی نہ رہنا چاہیے اور فرمایا جو کوئی سوتے وقت تین بار :
اَسْتَغْفِرُاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ٥
مغفرت چاہتا ہوں اللہ سے ایسا اللہ کہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے۔

کہے تو اس کے سبب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔اگرچہ کثرت میں دریا کی کشادگی۔میدان کی ریت' درخت کے پتوں اور دنیا کے دنوں کے برابر ہوں اور فرمایا ہے جو بندہ گناہ کرتا ہے۔اور خوب طہارت کر کے دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور استغفار کرتا ہے۔اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے۔

آداب دعا کا بیان : اے عزیز تو جان کہ تضرع وزاری سے دعا کرنا عبادت اور انسان کو خدا کے قریب کرتا ہے۔
رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا ہے۔دعا عبادتوں کا مغز وخلاصہ ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات سے عبودیت مقصود ہوتی ہے۔اور عبودیت یہ ہے کہ بندہ اپنی شکستگی' عاجزی اور خدا کی قدرت وعظمت دیکھے اور جانے اور دعا ان دونوں کو شامل ہے۔تضرع اور زاری جس قدر زیادہ ہو بہتر ہے۔دعا میں آٹھ آداب نگاہ میں رکھنے چاہئیں۔

پہلا ادب یہ ہے کہ افضل اوقات میں دعا کرنے کی کوشش کرے۔مثلاً عرفہ' رمضان المبارک' جمعہ صبح کے وقت' رات کے درمیان۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ افضل حالات کو نگاہ میں رکھے جیسے غازیوں کے جنگ کرنے کا وقت بارش کے وقت اور فرض نماز کے بعد کا وقت کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔کہ ان اوقات میں آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔اسی طرح اذان اور تکبیر کے درمیان اور روزہ دار ہونے کی حالت میں اور اس وقت جب دل بہت نرم ہو۔اس لیے کہ دل کی رقت خدا تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت کھلنے کی دلیل ہے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھائے اور آخر کو منہ پر پھیرے۔اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ اس بات سے بہت بلند وبرتر ہے کہ جس ہاتھ کو اس کی طرف اٹھائیں وہ اسے خالی پھیرے رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی دعا کرے گا۔تین چیزوں سے خالی نہ رہے گا۔یا اس کا گناہ معاف فرمایا جائے گا۔یا فوراً کوئی چیز اسے پہنچے گی یا آئندہ۔

چوتھا ادب یہ کہ دعا میں شک نہ کرے۔بلکہ دل اسی بات پر جمائے کہ ضرور قبول ہو گی۔رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا :

اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ — دعا کرو تم اللہ سے در آنحالیکہ تم اس کی قبولیت کا یقین رکھتے ہو۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ دعا خشوع خضوع اور حضور قلب سے کرے اور تکرار کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو دل غافل ہو۔ اس کی دعا نہیں سنی جاتی۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ دعا میں لجاجت و تکرار کرے اور اس میں لگا رہے دعا کرنا نہ چھوڑے۔ یہ نہ کہے کہ ہم نے بہت دفعہ دعا کی اور قبول نہ ہوئی۔ اس لیے کہ قبولیت کا وقت اور اس کی مصلحت خدا بہتر جانتا ہے۔ جب دعا قبول ہو تو یہ کہنا سنت ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتِ — شکر اللہ کا جس کی نعمت کے ساتھ تمام ہوتی ہیں نیکیاں۔

اگر دعا قبول ہونے میں دیر لگے تو کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ — ہر حال میں خدا تعالیٰ کا شکر ہے۔

ساتواں ادب یہ ہے کہ دعا سے پہلے تسبیح اور درود شریف پڑھے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ دعا سے پہلے یوں فرماتے۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی الْوَهَّابُ — پاک ہے میرا رب بڑے مرتبے والا بخشش دینے والا۔

اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی دعا سے پہلے درود پڑھے گا اس کی دعا مقبول ہو گی۔ حق سبحانہ تعالیٰ بڑا کریم ہے ایسا نہیں کہ دو دعاؤں میں سے ایک کو قبول اور دوسری کو رد کر دے۔ یعنی درود قبول فرمائے۔ اور اصل مقصد نہ بر لائے۔

آٹھواں ادب یہ ہے کہ دعا سے پہلے توبہ کرے گناہوں سے قدم باہر رکھے، دل کو بالکل خدا کے حوالے کر دے اس لیے کہ اکثر دعاؤں کے رد ہونے کا سبب دل کی غفلت اور گناہوں کی ظلمت ہوتی ہے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اسرائیل کے زمانے میں کال پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی تمام امت کے ساتھ تین مرتبہ دعائے باراں کے لیے نکلے دعا قبول نہ ہوئی۔ وحی آئی کہ اے موسیٰ تمہارے گروہ میں ایک چغل خور ہے۔ جب تک وہ رہے گا۔ میں دعا قبول نہ کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ خداوندا وہ کون شخص ہے بتلا کہ میں اسے نکال دوں۔ ارشاد ہوا کہ میں غمازی سے منع کرتا ہوں، خود کیوں کروں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ سب لوگ غمازی سے توبہ کرو۔ غرض سب نے توبہ کی تو باران رحمت نازل ہوا۔ مالک ابنِ دینار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار بنی اسرائیل میں قحط پڑا لوگ بارہا دعائے باراں کے لیے گئے۔ دعا قبول نہ ہوئی۔ ان کے پیغمبر پر وحی آئی کہ ان لوگوں سے کہہ کہ تم دعا کے لیے ایسی حالت میں نکلے ہو کہ تمہارے بدن نجس اور پیٹ حرام سے بھرے ہوئے ہیں اور ہاتھ خون ناحق میں آلودہ ہیں۔ ایسے نکلنے سے میرا غصہ تم پر اور زیادہ ہوا۔ میرے سامنے سے دور ہو۔

۱۔ ناچیز مترجم کتاب ہذا نے بدایہ الہدایۃ کا بھی ۱۹۶۳ء میں سلیس اردو ترجمہ کیا اور "وسیلہ نجات" کے نام سے شائع کیا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

متفرق دعاؤں کا بیان : اے عزیز جان کہ ماثورہ دعائیں جو رسول مقبول ﷺ نے فرمائی ہیں - اور صبح و شام اور مختلف نمازوں کے اوقات مختلف ہیں جن کا پڑھنا سنت ہے - بہت ہیں - ان میں سے اکثر کتاب احیاء العلوم میں جمع کی ہیں اور چند بہت عمدہ دعائیں کتاب بدایۃ الہدایۃ اھ میں مذکور ہیں جسے منظور ہو ان کتابوں میں سے یاد کرے اس لیے کہ اس کتاب میں ان دعاؤں کا لکھنا طوالت کا سبب ہوگا - ان میں سے اکثر دعائیں مشہور اور ہر ایک کو یاد ہیں - چند دعائیں جن کا حوادث امور میں پڑھنا سنت ہے اور لوگوں کو کم یاد ہیں بیان کی جاتی ہیں کہ لوگ یاد کر لیں اور ان کے معنی سمجھ لیں اور وقت پر پڑھا کریں - اسی لیے کہ کسی وقت بھی بندہ کو اپنے خالق سے غافل نہ ہونا چاہیے اور تضرع دعا سے خالی نہ رہنا چاہیے - جب گھر سے باہر جائے تو کہے :

بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْاُضَلَّ اَوْاَظْلِمَ اَوْاُظْلَمَ اَوْاَجْهَلَ اَوْيُجْهَلُ عَلَيَّ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ

ساتھ نام اللہ کے - اے اللہ پناہ لیتا ہوں میں تیرے پاس اس بات سے کہ گمراہ ہو جاؤں میں یا گمراہ کیا جاؤں یا ظلم کروں میں یا ظلم کیا جاؤں یا ایذا دوں یا میں کسی کو ایذا پہنچائے کوئی مجھے - نکلتا ہوں میں ساتھ نام خدا مہربان رحم کرنے والے کے - نہیں بچاؤ ہے اور نہیں قوت ہے - بھلائی پر مگر اللہ کی مدد سے -

مسجد میں داخل ہونے کے وقت یہ کہے :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍوَّعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

اے اللہ رحمت نازل کر تو محمد ﷺ اور ان کی آل پر اور سلام بھیج اے اللہ بخش دے میرے لیے گناہ اور کھول میرے لیے دروازے اپنی رحمت کے -

اور اپنا داہنا قدم پہلے رکھے - جب ایسی مجلس میں بیٹھے جہاں واہی تباہی باتیں ہوں - تو یہ کہنا ان کا کفارہ ہے :

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَيْکَ عَمِلْتُ سُوْءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّهٗ لَايَغْفِرُالذُّنُوْبَ اِلَّااَنْتَ

پاک ہے تو اے اللہ اور تعریف کرتا ہوں میں تیری گواہی دیتا ہوں میں کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر تو مغفرت چاہتا ہوں میں تجھ سے اے اللہ توبہ کرتا ہوں میں تیری طرف کام کیے میں نے برے اور ظلم کیا میں نے اپنی ذات پر بخش دے تو مجھ کو تحقیق کوئی بخشنے والا نہیں مگر تو۔

جب بازار جائے تو یہ کہے :

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَهُوَحَيٌّ لَّايَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔

جب نیا کپڑا پہنے تو یہ کہے :

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ كَسَوْتَنِىْ هٰذَا الثَّوْبَ فَلَكَ الْحَمْدُ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِهٖ وَخَيْرِمَاصُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ مَاصُنِعَ لَهٗ

اے اللہ پہنایا تو نے مجھے یہ کپڑا پس تیرا شکر ہے مانگتا ہوں میں تجھ سے اس کی نیکی اور اس چیز کی نیکی جس کے واسطے بنایا گیا ہے۔ اور اس کے شر سے میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

جب نیا چاند دیکھے تو کہے :

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالسَّلَام رَبِّىْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ

اے اللہ اس چاند کو بنا ہم پر امن، ایمان اور سلامتی و اسلام کا، اے چاند میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

جب آندھی آئے تو یہ کہے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهٰذِهِ الرِّيْحَ وَخَيْرَ مَافِيْهَا وَخَيْرَمَا اَرْسَلْتَ بِهٖ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَافِيْهَا وَشَرِّمَا اَرْسَلْتَ بِهٖ

اے اللہ مانگتا ہوں میں تجھ سے اچھائی اس ہوا کی اور اچھائی اس چیز کی جو بھیجی ہے تو نے اس کے ساتھ اور پناہ مانگتا ہوں میں اس کی برائی اور اس چیز کی برائی سے جو تو نے بھیجی اس کے ساتھ۔

جب کسی کے مرنے کی خبر سنے تو یہ کہے :

سُبْحَانَ الْحَىِّ الَّذِىْ لَايَمُوْتُ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

پاک ہے وہ زندہ رب جو نہ مرے گا بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف پھرنے والے ہیں۔

جب خیرات دے تو یہ کہے :

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اے اللہ قبول فرما تو ہم سے بے شک تو ہے سننے جاننے والا۔

جب کچھ نقصان ہو تو یہ کہے :

عَسٰى رَبُّنَا اَنْ يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ

تو قریب ہے کہ رب ہمارا بدلہ دے اچھا اس سے بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف پھرنے والے ہیں۔

جب کوئی نیا کام شروع کرے تو یہ کہے :

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّیءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا

اے ہمارے پروردگار دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت اور مہیا کر ہمارے لیے ہمارے کام میں درستی۔

جب آسمان کی طرف دیکھے تو یہ کہے :

رَبَّنَآ مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۵ تَبَارَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا

اے پروردگار ہمارے نہیں پیدا کیا تو نے اس کو باطل، پاک ہے تو بچا ہم کو عذاب دوزخ سے برکت والا ہے وہ جس نے پیدا کیے آسمان میں برج اور ان میں آفتاب اور ماہتاب روشن کیے۔

جب آسمان گرجنے کی آواز سنے تو یہ کہے :

سُبْحَانَ مَنْ یُّسَبِّحُ الرَّعْدَ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَآئِکَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ

پاک ہے وہ ذات جس کی پاکی بیان کرتا ہے رعد اس کی تعریف کے ساتھ اور ملائکہ اس کے ڈر سے۔

جب کہیں بجلی گرے تو یہ کہے :

اَللّٰهُمَّ لاَتَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلاَتُهْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِکَ

اے اللہ نہ قتل کر ہمیں اپنے غضب سے اور نہ ہلاک کر تو ہم کو اپنے عذاب سے اور عافیت دے ہمیں اس سے پہلے۔

پانی برستے وقت یہ کہے :

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ سَقْیًا هَنِیْأً وَمُبَارَکًا نَّافِعًا وَّاجْعَلْهُ سَبَبَ رَحْمَتِکَ وَلاَتَجْعَلْهُ سَبَبَ عَذَابِکَ

اے اللہ کر تو اسے مینہ کو سیرابی اور خوشی دینے والا اور مینہ نفع دینے والا کر اسے سبب اپنی رحمت کا ذریعہ بنا۔ اور تو اسے اپنے عذاب کا باعث نہ بنا۔

غصہ کے وقت یہ کہے :

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاذْهَبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

اے اللہ بخش دے تو گناہ میرا اور دور کر غصہ میرے دل کا اور چھڑا کر مجھ کو شیطان مردود سے۔

ہیبت اور خوف کے وقت یہ کہے :

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ وَنَدْرَءُ بِکَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ

اے اللہ پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے ان کی بدی سے اور پیش کرتے ہیں ہم تجھے ان کے مقابلے میں۔

جب کہیں درد ہو تو وہاں ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سات بار :

اَعُوْذُبِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّمَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ

پناہ مانگتا ہوں میں اللہ اور اس کی قدرت کے پاس اس چیز کی برائی سے جسے میں پاتا ہوں۔ اور جس سے میں ڈرتا ہوں۔

جب کوئی رنج پہنچے تو یہ کہے :

لَآاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمَ لاَاِلٰهَ الاَّ اللّٰه ربُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْم لاَ اِلٰه اِلاَّاللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمَ

اَللّٰهُمَّ انی عبدکَ وابن عبدک و ابن امتک نامیتی بیدک ماض فی قضائک اسئلک بکل اسم سمیت به نفسک وانزلته فی کتابک واعطیته احدا من خلقک اواستا ثرت به فی علم الغیب عندک ان تجعل القران ربیع قلبی و نور صدری وجلاء غمی وذهاب حزنی وهمی

اے اللہ تحقیق میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا اور تیری لونڈی کا فرزند ہوں پیشانی میری تیرے دستِ قدرت میں ہے جاری ہے میرے حق میں تیرا حکم' جاری ہے مجھ پر تیری مرضی' مانگتا ہوں میں تجھ سے بطفیل ہر نام کے جو رکھا تو نے اپنی ذات کا اور اسے تو نے اپنی کتاب میں اتارا' اور دی تو نے اسے اپنے علم غیب میں جگہ یہ کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے دل کا نور اور خلاصی میرے رنج سے نجات اور لے جانے والا میرے اندوہ و ملال کا بنا سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے پیدا کیا- پھر اچھی کی میری خلقت-

جب آئینہ دیکھے تو یہ کہے :

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَاَحْسَنَ خَلْقِنِیْ وَصَوَّرَنِیْ فَاَحْسَنَ صُوَّرَنِیْ

سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے پیدا کیا- پھر اچھی کی میری خلقت اور پتلا بنایا میرا- پھر اچھی کی میری صورت-

جب کوئی غلام مول لے تو اس کے ماتھے کے بال پکڑ کر کہے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ خَیْرَهٗ وَخَیْرَ مَاجبلَّ عَلَیْهِ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّمَا جبلَّ عَلَیْهِ

اے اللہ مانگتا ہوں میں تجھ سے اس غلام کی اچھائی اور اس امر کی اچھائی جس پر وہ پیدا کیا گیا اور پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے اس غلام کی برائی اور اس امر کی برائی سے جس پر وہ پیدا کیا گیا-

سوتے وقت کہے :

رَبِّ باسْمِکَ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبَاسْمِکَ اَرْفَعُهٗ هٰذِهٖ نَفْسِیْ اَنْتَ تَتَوَفّٰهَالَکَ مُحْیَاهَا وَمَمَاتَهَا اِنْ اَمْسَکْتَهَا فَاغْفِرْلَهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَاتَحْفَظُ بِهٖ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ

پروردگار میرے تیرے نام کے ساتھ رکھا میں نے پہلو اپنا- اور تیرے نام کے ساتھ اٹھاؤں گا اسے یہ ہے میری ذات تو ہی مار ڈالتا ہے اسے تیرے ہی لیے ہے زندگی اور موت اس کی اگر بند کرے تو اسے بخش دے اسے اور اگر چھوڑ دے اسے تو نگہبانی کر اس کی جس طرح کہ نگہبانی کرتا ہے تو نیک بندوں کی-

جب جاگے تو کہے:

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَمَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ اَصْبَحْنَاوَاَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالسُّلْطَانُ وَالْعَظْمَۃُ لِلّٰہِ وَالْعِزَّۃُ وَالْقُدْرَۃُ لِلّٰہِ اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَۃَ الْاِسْلَام وَکَلِمَۃِ الْاِخْلَاص وَدِیْنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی مِلَّۃِ اِبْرَاہِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَاکَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں زندہ کیا-بعد اس کے کہ مارڈالا تھا ہمیں اس کی طرف ہی اٹھنا ہے صبح کی ہم نے فطرت اسلام اور کلمہ اخلاص اور اپنے نبی محمد ﷺ کے دین اور اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی امت پر در آں حالیکہ وہ موحد مسلمان تھے مشرکوں میں سے نہ تھے-

دسویں اصل ترتیب اوراد میں

اے عزیز جان لے کہ جو کچھ عنوان مسلمانی میں بیان ہوا ہے اس سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ آدمی کو اس عالم سفر میں کہ خاک و آب سے عبارت ہے' تجارت کے لیے بھیجا ہے ورنہ اس کی روح کی حقیقت علوی ہے وہیں سے آئی اور وہیں واپس جائے گی اور اس تجارت میں عمر اس کی پونجی ہے اور یہ پونجی ہمیشہ گھٹ رہی ہے-اگر اس سے ہر لحہ فائدہ نہ اٹھائے تو یہ پونجی ضائع ہو جائے گی-اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلاَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَلْاٰیَۃَ

قسم ہے زمانے کی بے شک آدمی نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے-

اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس کا سرمایہ برف ہو اور گرمی کے موسم میں فروخت ہو اور کہتا ہو کہ اے مسلمانو! اس شخص پر مہربانی کرو جس کا سرمایہ پگھلا جارہا ہے-اسی طرح ہمیشہ عمر کا سرمایہ بھی پگھل رہا ہے کیونکہ تمام عمر گنتی کے چند سانس ہی ہیں-جس کا حساب و شمار خدا ہی جانتا ہے-تو جن لوگوں نے اس کام کا خطرہ اور انجام دیکھ لیا-وہ اپنے دلوں کی نگہبانی کرتے رہے-کیونکہ ہر سانس کو سعادت ابدی کے حصول کے لیے گوہر قابل سمجھتے اور اس گوہر پر اس سے زیادہ تر مہربان تھے-جتنا کوئی زرو سیم کے سرمایہ پر مہربان ہو اور یہ شفقت اس طرح تھی کہ رات دن کے اوقات کو انہوں نے نیکیوں پر تقسیم کیا ہوا تھا ہر چیز کا ایک ایک وقت مقرر کر رکھا تھا اس میں اوراد و وظائف جدا جدا ہوئے تھے- تاکہ ان کا کوئی وقت بے کار نہ جائے-کیونکہ جانتے تھے کہ آخرت کی سعادت اس کو حاصل ہو گی جو دنیا سے اس حال میں جائے کہ خدا کی محبت و انس اس پر غالب ہو اور یہ انس دوام' ذکر و فکر کی مداومت تخم سعادت ہے اور ترک دنیا اور ترک شہوات و معاصی اس لیے ہوتا ہے کہ آدمی ذکر و فکر کے لیے فراغت پائے اور ذکر دائمی کے دو طریقے ہیں-ایک تو یہ کہ ہمیشہ دل

سے اللہ اللہ کا ورد کیا کرے زبان سے نہیں دوم یہ کہ دل سے بھی نہ کرے کہ دل کا ورد بھی نفس کی بات ہے۔بلکہ اسی طرح مشاہدہ میں رہے۔ کبھی غافل نہ ہو۔ یہ بہت مشکل ہے کہ اپنے دل کو ہر وقت ایک حالت پر رکھنا ہر ایک کا کام نہیں۔اکثر لوگ اس سے عاجز ہیں اس لیے مختلف اوراد مقرر کیے گئے ہیں بعض تمام بدن سے متعلق ہیں، جیسے نماز۔ بعض زبان سے جیسے قرآن مجید اور تسبیح پڑھنا، بعض دل سے جیسے ذکر کرنا کہ دل بھی مصروف رہے۔اس طرح ہر وقت نیا شغل رہے گا۔ اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا ایک تو خوشی کا باعث ہوتا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ آدمی اگر اپنے تمام اوقات آخرت کے کاموں میں نہ صرف کر سکے تو اکثر اوقات تو صرف کرے تاکہ نیکیوں کا پلہ بھاری ہو جائے۔اگر آدھا وقت دنیا اور معاملات سے متمتع ہونے میں صرف کرے گا اور دوسرا نصف کار آخرت میں تو اس بات کا ڈر ہے کہ دوسرا پلہ جھک جائے۔کیونکہ طبیعت اس چیز کی معاون اور مددگار ہوتی ہے۔جو مطابق طبع ہے اور دل کو دین کے کاموں میں لگانا طبیعت کے خلاف اور دینی کام میں خلوص مشکل ہے اور جو کام بے خلوص ہو وہ بے فائدہ ہے تو اعمال کی کثرت چاہیے۔ تاکہ ان میں سے کوئی ایک تو خلوص کے ساتھ ہو۔لہٰذا اکثر وقت دین کے کاموں میں مصروف رہنا چاہیے اور دنیا کے کام اس کی تبعیت میں کرنا چاہیے۔اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمِنْ اٰنَآیِٔ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی

اور رات کی کچھ گھڑیوں میں تسبیح کیا کر اور دن کے کنارے میں تاکہ تو راضی ہو۔

اور فرمایا:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً وَّمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَہٗ وَسَبِّحْہُ لَیْلاً طَوِیْلاً

اور یاد کر نام اپنے رب کا صبح و شام اور کچھ اس کی رات میں عبادت کر اور تسبیح کر اس کی کافی رات تک۔

اور فرمایا:

کَانُوْا قَلِیْلاً مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ

سوتے تھے وہ لوگ رات کا تھوڑا حصہ

ان سب آیات میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اکثر اوقات یاد الٰہی میں گزرنے چاہئیں اور یہ بات بغیر اس کے کہ آدمی دن رات کے وقت تقسیم کرے۔ میسر نہیں آسکتی۔اس بنا پر تقسیم اوقات کا بیان بھی ضروری ہے۔

دن کے اوراد کا بیان: اے عزیز جان کہ دن کے پانچ اوراد میں پہلا ورد صبح سے طلوع آفتاب تک ہے یہ ایسا مبارک اور افضل وقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی ارشاد فرمایا:

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ

قسم ہے صبح کی جب پھٹتی ہے۔

اور فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ

کہہ تو اے محمد ﷺ پناہ مانگتا ہوں رب صبح کے ساتھ۔

اور فرمایا:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ — پھاڑنے والا صبح کا۔

یہ سب آیات اسی وقت کی عظمت و بزرگی میں وارد ہیں۔ چاہیے کہ آدمی اس وقت اپنے تمام انفاس کی نگہبانی کرے۔ جب خواب سے بیدار ہو تو کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ — سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے جگایا ہمیں مارنے کے بعد اور اسی کی طرف ہے اٹھنا۔

آخر تک یہ دعا پڑھے۔ اور کپڑے پہن کر ذکر و دعا میں مشغول ہو۔ کپڑے پہننے میں ستر عورت اور تعمیل حکم کی نیت کرے۔ یا 'رعونت' سے بچے پھر پاخانے جائے اور بایاں پاؤں پہلے رکھے۔ وہاں سے نکل کر جیسا اوپر بیان ہوا ہے۔ سب دعاؤں اور اذکار سمیت وضو اور مسواک کرے پھر فجر کی نماز سنت گھر پڑھ کر مسجد میں جائے۔ اس لیے کہ رسول مقبول ﷺ ایسا کرتے تھے اور وہ دعا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے۔ سنت کے بعد پڑھے۔ وہ دعا کتاب بدایۃ الہدایۃ [۱] میں مذکور ہے دیکھ کر یاد کرتے۔ پھر سکون و وقار سے مسجد کو جائے اور داہنا پاؤں پہلے رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی دعا پڑھے اور پہلی صف کا قصد کرے فجر کی سنت پڑھے اگر گھر میں سنت پڑھ چکا ہے تو نماز تحیۃ المسجد [۲] پڑھے جماعت کے انتظار میں بیٹھے۔ تسبیح اور استغفار میں مشغول ہو اور نماز فرض پڑھ کر طلوع آفتاب تک مسجد میں بیٹھا رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طلوع آفتاب تک مسجد میں بیٹھنے کو چار غلام آزاد کرنے سے میں زیادہ پسند کرتا ہوں، طلوع آفتاب تک چار چیزوں دعا، تسبیح اور استغفار، تلاوت قرآن اور تفکر میں مشغول رہے۔ نماز فرض کا سلام پھیر کر دعا شروع کرے اور کہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَالسَّلَامِ تَبَارَکْتَ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

اے اللہ رحمت نازل فرما محمد ﷺ اور آپ کی آل پاک پر۔ اے اللہ تو سلام ہے تجھی سے سلامتی ہے اور تیری ہی طرف سلامتی لوٹتی ہے۔ زندہ رکھ ہم کو سلامتی کے ساتھ اور داخل کر ہمیں جنت میں۔ برکت والا ہے تو اے بزرگی اور عزت والے۔

پھر ادعیہ ماثورہ پڑھنا شروع کرے۔ دعاؤں کی کتاب سے یاد کرے۔ جب دعاؤں سے فارغ ہو تو تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو۔ ہر ایک کو سو بار یا ستر دفعہ یا دس مرتبہ کہے اور جب دس ذکر دس بار ہوں گے تو سو مرتبہ ہو جائے گا۔ اس

۱۔ ناچیز نے ۱۹۶۳ء میں حضرت مصنف غلام قدس سرہٗ کی اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا اور درج شدہ دعاؤں کو نمایاں کر کے لکھا بدایۃ الہدایہ کے اردو ترجمہ معروف بہ وسیلہ نجات کی چند کاپیاں موجود ہیں۔ نئے اضافات کے ساتھ نئی طباعت کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ مترجم غفرلہٗ

۲۔ مسلک حنفی میں طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے بیس منٹ تک ہر قسم کے نوافل کی ممانعت ہے لہٰذا حنفی حضرات اپنے مسلک پر عمل کریں۔ ۱۲ مترجم غفرلہٗ

سے کم نہ چاہیے۔ ان دس ذکر کے فضائل میں بہت احادیث وارد ہیں۔ طوالت کے خیال سے ہم نے ان احادیث کا ذکر نہیں کیا۔ پہلا ذکر یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ وَهُوَحَيٌّ لَّايَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرِ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ

نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اکیلا ہے وہ کوئی شریک نہیں اس کا اسی کی بادشاہی ہے۔ اور اسی کے لیے تعریف ہے۔ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا۔ اس کے ہاتھ میں نیکی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسرا ذکر:

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْمُلْكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ

نہیں کوئی معبود مگر اللہ بادشاہ حق ظاہر کرنے والا۔

تیسرا ذکر:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلاَّبِاللّٰهِ الْعَلِىُّ الْعَظِيْمِ

پاک ہے اللہ ہر حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ بڑا ہے۔ برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت و طاقت نہیں مگر اللہ کی توفیق سے جو بلند اور عظمت والا ہے۔

چوتھا ذکر:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ

پاک ہے اللہ تعالیٰ اور وہی حمد کے لائق ہے پاک ہے اللہ تعالیٰ عظمت والا اور حمد و ثناء کے لائق۔

پانچواں ذکر:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ

ہمارا اور ملائکہ کا رب (اللہ تعالیٰ) پاک اور بہت پاک ہے۔

چھٹا ذکر:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ

پاک ہے ہمارا رب اور ملائکہ اور روح کا رب۔

ساتواں ذکر:

يَاحَىُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِىْ اِلٰى نَفْسِىْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِىْ شَانِىْ كُلَّهٗ

اے زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے تیری رحمت سے فریاد کرتا ہوں۔ نہ سپرد کر مجھ کو میرے نفس کی طرف ذرا بھی اور اچھے کر تو میرے سب کام۔

آٹھواں ذکر:

اَللّٰھُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلاَ مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلاَ یَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ

اے اللہ کوئی نہیں روکنے والا اسے جو تو نے عطا کیا اور کوئی نہیں عطا کرنے والا اسے جو تو روک دے- نہیں نفع دیتا دولت مند کو تیرے مقابلے میں اس کا مال-

نواں ذکر:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لاَیَضُرُّمَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ فِی السَّمَاءِ وَھُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اے اللہ محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل کر- خدا کے نام سے وہ خدا کہ زمین و آسمان میں اس کے نام کے ساتھ کوئی چیز ضرر و نقصان نہیں دے سکتی اور وہ سننے اور جاننے والا ہے-

ان دس کلمات کو دس دس بار پڑھے- یا جس قدر ہو سکے پڑھے- ہر ایک کی فضیلت الگ اور انس و لذت جدا ہے اس کے بعد قرآن مجید پڑھنے میں مشغول ہو اگر قرآن نہیں پڑھ سکتا تو قوارع (جھنجوڑنے والی آیات) قرآنی یعنی آیۃ الکرسی، آمن الرسول، شہد اللہ اور قل اللھم مالک الملک اور سورہ حدید کا شروع اور سورہ حشر کا آخر یاد کر کے پڑھا کرے اگر ایسی چیز پڑھنا چاہے جو ذکر و دعا اور قرآن کی جامع ہے تو حضرت ابراہیم تیمی کو حضرت خضر علیہ السلام نے مکاشفہ میں جو سکھایا وہ پڑھے- اس میں بڑی فضیلت ہے- اسے مسبعات عشر کہتے ہیں وہ دس دس چیزیں ہیں کہ ہر ایک سات بار پڑھی جاتی ہیں- الحمد للہ قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس قل ہو اللہ قل یاایہا الکافرون آیۃ الکرسی یہ چھ چیزیں قرآن میں سے ہیں اور چار ذکر ہیں ایک: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآاِلٰہَ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ

دوسرا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ

تیسرا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اے اللہ بخش دے تو مسلمان مردوں اور عورتوں کو-

چوتھا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَالِوَالِدَیَّ وَافْعَلْ بِیْ وَبِھِمْ عَاجِلاً فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مَااَنْتَ لَہٗ اَھْلٌ وَلاَ تَفْعَلْ بِنَایَا مَوْلاَنَا مَانَحْنُ لَہٗ اَھْلٌ اِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

اے اللہ بخش دے تو مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور کر تو میرے ساتھ اور ان کے ساتھ جلدی اور دیر میں دنیا اور آخرت میں وہ امر جو تیری شان کے لائق ہے اور نہ کر تو ہمارے ساتھ اے ہمارے مالک وہ امر جس کے ہم لائق ہیں- بے شک تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے-

ان مسبعات عشر کی فضیلت میں ایک بڑی روایت احیائے علوم میں مذکور ہے جب اس سے فارغ ہو تو تفکر میں مشغول ہو- تفکر کی بہت سی صورتیں ہیں- اس کتاب کے آخر میں ان کا ذکر آئے گا- لیکن جو فکر ہر روز کرنا ضروری ہے- یہ ہے کہ موت اور اجل کے نزدیک ہونے کا تفکر کرے اپنے دل میں کہے یہ امر ممکن ہے کہ اجل میں ایک دن سے زیادہ

باقی نہ رہا ہو-اس تفکر کا بڑا فائدہ ہے-اس لیے کہ مخلوق دنیا کی طرف- فقط درازی امید کی وجہ سے متوجہ ہے اگر اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ ایک مہینے یا ایک برس میں مر جائیں گے- تو جس دنیوی امر میں مشغول ہیں اس سے دور بھاگیں اور ایک دن میں بھی مر جانا ممکن ہے- بااین ہمہ لوگ ایسے کاموں کی تدبیر میں مشغول ہیں جو دس برس تک کام آئیں-اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ وَّاَنْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ

کیا نہیں دیکھتے سلطنتیں زمین و آسمان کی اور جو کچھ خدا نے پیدا کیا- کسی چیز سے اور شاید کہ ان کا وقت قریب آ گیا ہو-

جب دل کو صاف کر کے آدمی یہ تامل کرے گا- تو زاد آخرت مہیا کرنے کی رغبت دل میں پیدا ہو گی اور چاہیے کہ یوں فکر کرے کہ آج کتنی نیکیاں جمع کر سکتا ہے اور کن کن گناہوں سے پرہیز کر سکتا ہے- ایام گذشتہ میں کیا کیا کوتاہیاں سرزد ہو چکی ہیں جن کا تدارک ضروری ہے ان سب باتوں کے لیے تفکر و تدبیر کی ضرورت ہے- اگر کسی کو کشف حاصل ہو تو ملکوت آسمان و زمین اور ان کے عجائبات دیکھے بلکہ جلال و جمال الٰہی ملاحظہ کرے- یہ تفکر سب عبادات و تفکرات سے بہتر ہے- اس لیے کہ اس کی بدولت خدا تعالیٰ کی عظمت دل پر غلبہ کرتی ہے اور جب تک عظمت غالب نہ ہو- محبت کا غلبہ نہیں ہوتا- اور کمال محبت میں کمال سعادت ہے- لیکن ہر ایک کو یہ مقام نہیں حاصل ہوتا تو اس کے عوض خاص نعمتیں جو اس کے شامل حال ہیں' سوچے اور ان مصیبتوں کا تفکر کرے جو اس جہان میں ہیں- اور ان سے وہ محفوظ ہے- مثلاً بیماری محتاجی وغیرہ تاکہ سمجھے کہ مجھ پر شکر واجب ہے شکر اس طرح ادا ہو گا کہ احکام بجا لائے- گناہوں سے دور رہے الغرض ایک ساعت ان افکار میں کہ طلوع صبح سے طلوع آفتاب تک فجر کی سنت و فرض کے سوا اور کوئی نماز درست نہیں اس کے بجائے ذکر فکر ہے-

دوسرا ورد طلوع آفتاب سے وقت چاشت تک ہے اگر ممکن ہو تو جب تک آفتاب ایک نیزہ بلند ہو مسجد میں ٹھہرے اور تسبیح میں مشغول رہے- جب وقت مکروہ گزر جائے تو دو رکعت نماز پڑھے- پھر دن چڑھے نماز چاشت افضل ہے اس وقت چار یا چھ یا آٹھ رکعت نماز پڑھے کہ یہ سب منقول ہیں یا جب آفتاب بلند ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان نیک کاموں میں جو خلق اللہ سے متعلق ہیں مشغول ہو جیسے بیمار پرسی کرنا' جنازے کے ساتھ جانا' مسلمانوں کے کام کرنا' علماء کی محفل میں حاضر ہونا-

تیسرا ورد وقت چاشت سے ظہر کی نماز تک ہے یہ ورد لوگوں کے حالات کے مطابق مختلف ہے اور چار حالتوں سے خالی نہیں پہلی حالت یہ ہے کہ آدمی تحصیل علم کی قدرت رکھتا ہو تو کوئی عبادت اس سے بہتر نہیں بلکہ ایسے شخص کو لازم ہے کہ نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی علم سیکھنے میں مشغول ہو- مگر ایسا علم پڑھے- جو آخرت میں کام آئے- نافع ا- آخرت وہ علوم ہیں جو رغبت دنیا کو ضعیف اور رغبت آخرت کو قوی کریں علوم کے عیوب و آفتاب کو واضح کریں اور اخلاص

کی طرف دعوت دیں لیکن جو علوم مناظرے ومباحثے اور غصے کا باعث ہوں نیز تاریخ قصص کا علم جو آراستگی اور محض تقریر بازی سے متعلق ہے دنیا کی حرص اور زیادہ کرتا ہے اور دل میں غرور وحسد کا تخم بوتا ہے۔ وہ نافع علم' احیاء علوم' جواہر القرآن اور اس کتاب میں مذکور ہے سب علوم سے پہلے اسے حاصل کرے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ آدمی تحصیل علم کی قدرت نہیں رکھتا۔ لیکن ذکر' تسبیح' عبادت میں مشغول ہو سکتا ہے۔ تو یہ بھی عابدوں کا درجہ ہے اور یہ بڑا مقام ہے۔ خصوصاً جب ایسے ذکر میں مشغول ہو سکے جو دل پر غالب ہو اور اس میں گھر کرے۔ اور اس کے ساتھ چمٹ جائے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ ایسے کام میں جس سے لوگوں کے لیے راحت و آرام ہو' مشغول ہو' جیسے صوفیاء' فقہا اور فقراء کی خدمت کرنا یہ نفل نمازوں سے افضل ہے کہ یہ عبادت بھی ہے اور مسلمانوں کی راحت کا سامان بھی اور عبادت پر ان کی معاونت بھی اور ان حضرات کی دعا کی برکت میں بڑا اثر ہے چوتھی حالت یہ ہے کہ اس کام پر بھی نہ قادر ہو تو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کسب میں مشغول ہو۔ اگر کسب میں امانت کرے اور لوگ اس کے ہاتھوں اور زبان سے سلامت رہیں اور حرصِ دنیا اسے زیادہ طلبی میں نہ ڈال دے اور ضرورت کے انداز پر قناعت کرے۔ تو وہ شخص بھی اگر سابقین مقربین سے نہ ہوگا تاہم عابدوں میں داخل ہوگا اور اصحاب الیمین کے درجے پر پہنچے گا اور درجہ سلامت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا کمترین درجات سے ہے جو شخص ان چار حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں اپنے اوقات صرف نہ کرے گا۔ وہ تباہ حال اور شیطان کے تابعین میں سے ہے۔

چوتھا ورد وقت زوال سے نماز عصر تک ہے۔ وقت زوال سے پہلے قیلولہ کرنا چاہیے اس لیے کہ قیلولہ رات کی نماز کے لیے ایسا ہے جیسے روزہ کے لیے سحر کھانا۔ اگر رات کو عبادت گزار نہ ہو تو قیلولہ مکروہ ہے کیونکہ زیادہ سونا مکروہ ہے۔ جب قیلولہ سے بیدار ہو تو چاہیے کہ وقت سے پہلے طہارت کرے اور یہ کوشش کرنا چاہیے کہ مسجد میں پہنچ کر اذان سنے اور نماز تحیۃ المسجد پڑھے اور موذن کو جواب دے اور فرض سے پہلے چار رکعت نماز پڑھے۔ اور لمبی کر کے پڑھے۔ رسول مقبول ﷺ پر چار رکعت لمبی پڑھتے اور فرماتے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے جو کوئی یہ چار رکعت نماز پڑھتا ہے ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ نماز پڑھتے اور رات تک دعائے مغفرت کیا کرتے ہیں پھر امام کے ساتھ فرض اور دو رکعت سنت پڑھے پھر عصر کی نماز تک علم سکھانے یا مسلمانوں کی مدد کرنے یا ذکر تلاوت قرآن یا بقدر حاجت حلال کمائی کرنے کے سوا اور کسی دنیوی کام میں مشغول نہ ہو۔

پانچواں ورد عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک ہے چاہیے کہ عصر کی نماز سے پہلے مسجد میں آئے چار رکعت نماز پڑھے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے خدا تعالیٰ اس پر رحمت فرماتا ہے جو فرض عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتا ہے۔ جب نماز فرض سے فارغ ہو تو جو ہم بیان کر چکے ہیں ان کاموں کے سوا اور کسی امر دنیوی میں مشغول نہ ہو پھر نماز مغرب

۱۔ نافع آخرت وہ علوم ہیں جو دنیا کی رغبت کو کمزور اور رغبت آخرت کو قوی کریں۔ ۱۲

سے پہلے مسجد میں جائے۔ تسبیح واستغفار میں مصروف ہو اس لیے کہ اس وقت کی فضیلت بھی صبح کے وقت کے برابر ہے۔ جیساکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا — اور تسبیح کر اپنے رب کی حمد کے ساتھ آفتاب نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے۔

اس وقت والشمس، واللیل، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس پڑھنا چاہیے اور آفتاب ڈوبتے وقت میں استغفار میں ہونا چاہیے غرضیکہ سب اوقات منضبط و منقسم رہیں اور ہر وقت وہ کام کرے جو تقاضائے وقت کے مطابق ہو اس سے ظاہری عمر میں برکت ہوتی ہے اور جس شخص کے اوقات نظم وضبط کے تحت نہ ہوں گے بلکہ جس کام کا اتفاق ہوا وہ کرلیا اس کی عمر ضائع ہو جائے گی۔

رات کے تین اوراد: پہلا ورد مغرب کی نماز سے عشا کی نماز تک ہے ان دونوں نمازوں کے درمیان میں جاگتے رہنے کی بڑی فضیلت ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ آیۂ کریمہ:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ — الگ ہوتے ہیں پہلو ان کے خواب گاہ سے

اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چاہیے کہ عشاء کی نماز تک نماز ہی میں مشغول رہے۔ بزرگوں نے دن کو روزہ رکھنے سے زیادہ اس امر کو افضل قرار دیا ہے اور اس وقت کھانا نہیں چکھنا ہے اور وتر سے فارغ ہو کر گپ شپ لہو ولعب میں مشغول نہ ہو۔ کہ سب اعمال واشغال کا خاتمہ اسی پر ہوتا ہے اور ان کاموں کا انجام کار خیر پر ہونا چاہیے۔

دوسرا ورد سونا ہے۔ اگرچہ نیند عبادات سے نہیں۔ لیکن اگر آداب و سنن سے آراستہ ہو تو منجملہ عبادات ہے۔ سنت یہ ہے کہ قبلہ رو سوئے پہلے داہنے کروٹ سوئے جس طرح مردے کو قبر میں سلاتے ہیں۔ خواب کو موت کا بھائی اور بیداری کو حشر کے برابر سمجھے اور ممکن ہے جو روح خواب میں قبض ہو جاتی ہے واپس نہ آئے تو چاہیے کہ کار آخرت درست ہوں بایں طور کہ طہارت کے ساتھ سوئے توبہ کر کے عزم بالجزم کرے کہ اگر صبح اٹھنا نصیب ہوا تو پھر گناہ نہ کروں گا اور تکیہ کے نیچے وصیت نامہ لکھ کر رکھے اور تکلف سے نیند نہ لائے۔ نرم بچھونا نہ بچھائے تاکہ نیند غلبہ نہ کرے۔ کیونکہ سونا عمر کو بیکار کھونا ہے۔ دن رات میں آٹھ گھنٹے سے زیادہ نہ سونا چاہیے۔ کہ چوبیس گھنٹے کا تیسرا حصہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب ایسا کرے گا۔ تو اگر ساٹھ برس کی عمر پائے گا تو اس میں سے بیس برس کا زمانہ نیند کی نذر ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ ضائع نہ کرنا چاہیے۔ پانی اور مسواک اپنے ہاتھ سے اپنے قریب رکھ لے تاکہ رات کو یا صبح سویرے نماز کے لیے اٹھے تو وضو کا آرام ہو۔ قیام شب کا یا صبح اٹھنے کا قصد کرے کہ جب یہ قصد کرے گا تو اگر نیند غالب بھی ہو جائے اور یہ شخص وقت سے زیادہ بھی سو جائے تو بھی ثواب حاصل ہو گا اور جب زمین پر پہلو رکھے تو کہے:

بِاسْمِکَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِاسْمِکَ أَرْفَعُہٗ — اے میرے رب میں نے تیرے نام سے پہلو بستر پر رکھا اور تیرے نام سے ہی اٹھاؤں گا۔

جیسا کہ دعاؤں میں مذکور ہے اور آیۃ الکرسی، امن الرسول، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور تبارک الذی پڑھے۔ تاکہ ذکر و طہارت کے عالم میں سوئے۔ جو شخص اس طرح سوتا ہے اس کی روح کو ہیں اور جب تک جاگے اس کو نماز ادا کرنے والوں میں لکھتے ہیں۔

تیسرا اورد تہجد ہے اور وہ نمازِ شب ہے۔ چاہیے کہ آدھی رات کو اٹھے کہ پچھلی آدھی رات کو دو رکعت نماز پڑھنا اور بہت سی نمازوں سے بہتر و افضل ہے کہ اس وقت دل صاف ہوتا ہے اور دنیا کا کوئی مشغلہ نہیں ہوتا۔ رحمت الٰہی کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ رات کی نماز کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ کتاب احیائے علوم میں وہ سب احادیث مذکور ہیں غرض دن رات کے ہر وقت میں ایک کام مقرر و معلوم ہونا چاہیے۔ کوئی وقت بیکار نہ کھونا چاہیے۔ جب ایک شبانہ روز ایسا کیا تو آخر عمر تک ہر روز ایسا ہی کیا کرے۔ اگر یہ اس پر دشوار ہو تو بڑی امید نہ رکھے۔ اپنے دل میں یہ کہے کہ آج کے دن تو ایسا کرلوں شاید آج ہی رات مر جاؤں۔ آج کی رات توبہ کرلوں شاید کل ہی مر جاؤں۔ ہر روز ایسا ہی کرے۔ جب اوراد کی پابندی سے کمزور ہو جائے تو اپنے آپ کو سفر میں سمجھے اور آخرت کو اپنا وطن جانے سفر میں تکلیف و مصائب ہوتے ہیں۔ فراغت اور آسودگی اسی میں ہے کہ مسافر جلدی قدم اٹھانے اور اپنے وطن میں آرام پائے عمر کی مقدار ظاہر و واضح ہے کہ عمرِ جاودانی جو آخرت میں ملے گی اس کی نسبت کتنی ہے اور کیا ہے۔ اگر کوئی شخص دس برس کی راحت کے لیے ایک سال رنج و اذیت برداشت کرے تو تعجب کی کون سی بات ہے پھر لاکھ برس بلکہ ہمیشہ کی راحت کے لیے سو برس رنج اور اذیت اٹھانا مقام تعجب کب ہے۔

کیمیائے سعادت اردو کا رکن عبادات ختم ہوا۔

بفضل تعالی ومنه و احسانه وصلی الله تعالی علی خیر خلقه ونور عرشه سیدنا و مولانا محمد و آله و اصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

رکن دوم

یہ رکن معاملات میں ہے
اس کی بھی دس اصلیں ہیں

اصل اول : کھانا کھانے کے آداب
اصل دوم : آداب نکاح
اصل سوم : آداب کسب تجارت
اصل چہارم : طلب حلال
اصل پنجم : مخلوق کے ساتھ میل جول
اصل ششم : آداب گوشہ نشینی
اصل ہفتم : آدابِ سفر
اصل ہشتم : آدابِ سماع
اصل نہم : امر بالمعروف و نہی عن المنکر
اصل دہم : حکومت واقتدار کے آداب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ؕ

دوسرا رکن معاملات کا بیان

پہلی اصل کھانا کھانے کے آداب

اے عزیز جان کہ ذریعۂ عبادت بھی عبادت میں داخل ہے اور زادِ راہ بھی راہ ہی میں شامل ہے- تو راہِ دین میں جس چیز کی ضرورت ہے وہ بھی دین میں سے ہے اور راہِ دین میں کھانا کھانے کی ضرورت ہے کیونکہ خدا کا دیدار سب سالکوں کا مقصود و مطلوب ہے- اس کا تخم علم و عمل ہے اور علم و عمل پر ہمیشگی بدن سلامت رہے بغیر محال ہے اور بدن کی سلامتی کھانے پینے کے بغیر ممکن نہیں- لہٰذا ارادۂ دین کے لیے کھانا کھانے کی ضرورت ہے تو یہ بھی دین میں سے ہو گا- اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا — حلال و طیب کھانا کھاؤ اور اچھے عمل کرو-

کھانے اور اچھا کام کرنے کو اس آیت میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایک ساتھ بیان فرمایا تو جو کوئی اس نیت سے کھانا کھائے کہ مجھے علم و عمل کی قوت اور آخرت کی راہ چلنے کی قدرت حاصل ہو اس کا کھانا بھی عبادت ہو گا- اسی لیے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے- مسلمان کو ہر چیز پر ثواب ملتا ہے- یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی جو وہ اپنے منہ میں رکھے یا اپنے اہل و عیال کے منہ میں دے اور یہ اس لیے فرمایا کہ ان سب کاموں سے راہ آخرت ہی مسلمان کو مقصود ہوتی ہے- اور کھانا کھانا راہِ دین سے ہے- اس کی علامت یہ ہے کہ آدمی حرص سے نہ کھائے کسب حلال سے بقدر ضرورت کھائے اور کھانا کھانے کے آداب ملحوظ رکھے-

کھانا کھانے کے آداب :اے عزیز جان کہ کھانا کھانے میں کئی چیزیں سنت ہیں بعض کھانے سے پہلے بعض بعد اور بعض درمیان میں جو کام کھانے سے پہلے مسنون ہیں ان میں سے :

پہلا یہ ہے کہ ہاتھ منہ دھوئے کہ کھانا کھانا جب زاد آخرت کی نیت سے ہو تو عین عبادت ہے۔ پہلے ہاتھ منہ دھونا وضو کے مانند ہے۔ نیز اس طرح ہاتھ منہ پاک بھی ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے جو کوئی کھانے سے پہلے ہاتھ دھویا کرے گا وہ افلاس و تنگدستی سے بے فکر رہے گا۔

دوسرا یہ کہ کھانا دستر خوان پر رکھے۔ خوان [1] پر نہیں۔ رسول مقبول ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ کیونکہ سفرہ (دستر خوان) سفر یاد دلاتا ہے۔ اور سفر دنیا آخرت یاد دلاتا ہے اور دستر خوان پر کھانا تواضع و انکساری سے قریب ہے۔ اگر خوان پر کھانا رکھ کر کھائے گا۔ تو بھی درست ہے اس کی نہی نہیں آئی۔ لیکن دستر خوان پر کھانا اگلے بزرگوں کی عادت تھی اور رسول مقبول ﷺ نے دستر خوان ہی پر کھانا نوش فرمایا ہے۔

تیسرا یہ کہ اچھی طرح داہنا زانو اٹھا کر بائیں پسلی دبا کر بیٹھے تکیہ لگا کر نہ کھائے اس لیے کہ جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا کہ میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا اور بندوں کے طریقوں سے کھاتا ہوں۔

چوتھا یہ کہ یہ نیت کرے کہ قوتِ عبادت کے لیے کھاتا ہوں۔ خواہش کے لیے نہیں ابراہیم ابن شیبان نے فرمایا اسی برس ہوئے ہیں کوئی چیز میں نے خواہش نفس کے تحت نہیں کھائی اس نیت کی درستی کی علامت یہ ہے کہ تھوڑا کھانے کا ارادہ کرے کہ زیادہ کھا جانا آدمی کو عبادت سے روکتا ہے۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے۔ چھوٹے چھوٹے چند لقمے جو آدمی کی پیٹھ سیدھی رکھیں کافی ہیں اگر اس پر قناعت نہ ہو سکے تو ایک تہائی پیٹ کھانے کے لیے ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے ہے، یعنی دو حصہ پیٹ کھانے پانی سے بھرے اور ایک حصہ سانس لینے کی خاطر خالی رکھے۔

پانچواں یہ کہ جب تک بھوک نہ ہو کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔ کھانے سے پہلے جو چیزیں سنت ہیں ان میں سے بہترین سنت بھوک ہے اس لیے کہ بھوک سے پہلے کھانا مکروہ بھی ہے اور مذموم بھی جو کوئی کھانا شروع کرتے وقت بھی بھوکا ہو۔ اور کھانے سے ہاتھ کھینچتے وقت بھی بھوکا رہتا ہو وہ ہرگز طبیب کا محتاج نہ ہوگا۔

چھٹا یہ کہ جو کچھ حاضر ہو اس پر قناعت کرے عمدہ کھانا ڈھونڈے اس لیے کہ مسلمان کو عبادت کی حفاظت مقصود ہوتی ہے نہ کہ عیش و عشرت۔ اور روٹی کی تعظیم سنت ہے کہ آدمی کی بقا اسی سے ہے اور روٹی کی بڑی تعظیم یہ ہے کہ اسے سالن وغیرہ کے انتظار میں نہ رکھیں بلکہ نماز کے انتظار میں بھی نہ رکھیں۔ جب روٹی حاضر ہو تو پہلے اسے کھالیں پھر نماز پڑھیں۔

ساتواں یہ کہ جس کسی کے ساتھ آدمی کھاتا ہے۔ جب تک وہ نہ آئے تب تک کھانا شروع نہ کرے۔ کہ تنہا کھانا اچھا نہیں۔ اور کھانے میں جتنے افراد زیادہ ہوں اتنی برکت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

---

[1] دستر خوان کپڑا وغیرہ ہے جو زمین پر بچھایا جاتا ہے۔ خوان میز وغیرہ اونچی چیز کو کہتے ہیں۔

ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ اکیلے کھانا ہرگز تناول نہ فرماتے تھے۔

کھانے کے وقت کے آداب: یہ ہیں کہ اول بسم اللہ کہے آخر کو الحمد للہ اور بہتر یہ ہے کہ پہلے نوالے میں کہے بسم اللہ دوسرے میں بسم اللہ الرحمٰن تیسرے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور زور سے کہنا چاہیے کہ اوروں کو بھی یاد آجائے۔ داہنے ہاتھ سے کھائے نمک سے شروع کرے اور نمک ہی پر ختم کرے کہ یہ حدیث شریف میں آیا ہے تاکہ وہ پہلے ہی حرص کو اس طرح توڑے کہ خواہش کے خلاف ایک لقمہ لے چھوٹا نوالہ اٹھائے اور خوب چبائے جب تک پہلا نوالہ نہ نگل جائے دوسرے لقمہ کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔ اور کسی کھانے کا عیب نہ نکالے۔ رسول کریم ﷺ کھانے کا ہرگز عیب نہ نکالتے اگر اچھا ہوتا تو نوش فرماتے ورنہ ہاتھ روک لیتے۔ اور اپنے سامنے سے کھائے۔ مگر طباق کے ادھر ادھر سے میوہ لے کر کھانا درست ہے۔ کہ وہ انواع واقسام پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور ثرید[۱] کو پیالے کے بیچ سے نہ کھائے۔ کنارے سے کھائے اور روٹی کو بیچ سے نہ کھائے بلکہ کنارے سے لے کر اور گرد سے توڑ توڑ کر کھائے چھری سے روٹی اور گوشت کے ٹکڑے نہ کرے پیالہ وغیرہ جو چیز کھانے کی نہیں روٹی سے ہاتھ نہ پونچھے جو نوالہ وغیرہ گر پڑے اسے اٹھالے اور صاف کر کے کھالے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر چھوڑ دے گا تو شیطان کے لیے چھوڑا ہوگا۔ انگلی پہلے منہ سے چاٹے پھر اپنے کسی کپڑے سے پونچھ ڈالے تاکہ کھانے کا نشان نہ ہو جائے۔ کیونکہ شاید اس میں برکت باقی ہو۔ گرم کھانے میں پھونکے نہیں۔ بلکہ تامل کرے کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے۔ اگر خرما یا زرد آلو یا وہ چیز جو شمار کرنے کے لائق ہو تو طاق کھائے۔ سات گیارہ یا اکیس تاکہ اس کے سب کام خدا تعالیٰ کے ساتھ مناسبت پیدا کریں۔ کیونکہ خدا طاق ہے۔ اس کا جوڑا نہیں۔ اور جس کام کے ساتھ ساتھ خدا کا ذکر کسی طرح سے بھی نہ ہو وہ کام باطل اور بے فائدہ ہوگا۔ اسی بنا پر طاق جفت سے اولیٰ ہے کہ حق تعالیٰ سے مناسبت رکھتا ہے۔ خرمے کی گٹھلی خرمے کے ساتھ ایک طباق میں اکٹھا نہ کرے اور ہاتھ میں لئے نہ رہے۔ علیٰ ہذا القیاس وہ چیز جس کا پھوک پھینکتے ہوں، کھانا کھانے میں بہت پانی نہ پئے۔

پانی پینے کے آداب: یہ ہیں کہ پانی کا برتن داہنے ہاتھ میں لے بسم اللہ کہے اور آہستہ پئے۔ کھڑے کھڑے لیٹے لیٹے نہ پیئے۔ پہلے دیکھ لے کہ اس میں تنکا یا کیڑا نہ ہو اگر ڈکار آئے تو کوزہ کی طرف سے منہ پھیرے۔ اگر ایک دفعہ سے زیادہ میں پینا چاہتا ہے تو تین دفعہ کر کے پیئے ہر بار بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہے اور کوزہ کے نیچے دیکھتا رہے تاکہ پانی کہیں نہ ٹپکے جب پی چکے تو کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَہٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِہٖ وَلَمْ یَجْعَلْہُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا

تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے اسے میٹھا خوشگوار بنایا اپنی رحمت سے اور ہمارے گناہوں کے باعث اسے کڑوا اور کھاری نہ بنایا۔

---

[۱] سالن میں روٹی کے ٹکڑے کر کے ڈال دیئے جائیں تو اس کھانے کو ثرید کہتے ہیں۔

کھانے کے بعد کے آداب : یہ ہیں کہ پیٹ بھرنے سے پہلے ہی ہاتھ کھینچے انگلی کو منہ سے صاف کرے پھر دستر خوان میں پونچھے روٹی کے ٹکڑے چن لے کہ حدیث شریف میں آیا ہے - جو کوئی ایسا کرے گا - اس کی گزر اران میں وسعت ہوگی - اور اس کی اولاد بے عیب و سلامت رہے گی اور وہ ٹکڑے حور عین کا مہر ہوگا - پھر خلال کرے - جو کچھ دانتوں سے نکل کر زبان پر آئے اسے نگل جائے اور جو کچھ خلال کے ساتھ آئے اسے پھینک دے اور برتن کو انگلی سے صاف کرے کہ حدیث شریف میں آیا ہے "جو شخص برتن پونچھ لیتا ہے تو برتن اس کے حق میں یوں دعا کرتا ہے کہ اے پروردگار جس طرح اس نے مجھے شیطان کے ہاتھ سے چھڑایا تو اسے آتش دوزخ سے آزاد کر اور اگر برتن کو دھو کر اس کا دھون پی جائے تو ایسا ثواب ہوگا گویا ایک غلام آزاد کیا -" کھانے کے بعد کہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا وَهُوَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا اس کے بعد قُلْ هُوَاللّٰهُ اور

سب تعریف اس اللہ کے لیے جس نے کھلایا اور پلایا - ہمیں اور کافی ہوا ہمارے لیے اور پناہ دی ہم کو اور ہمارا سردار اور ہمارا صاحب ہے -

اور لایلف پڑھے - اگر حلال کا کھانا کھایا ہو تو شکر کرے اور شبہ کا کھانا کھایا ہو تو روئے اور غم کرے کہ جو شخص کھاتا اور روتا ہے وہ اس شخص کا سا نہیں جو کھاتا اور غفلت کے سبب سے ہنستا ہے - جب ہاتھ دھونے لگے تو اشنان بائیں ہاتھ میں لے پہلے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے بے اشنان ملے - دھوئے پھر منہ اشنان میں انگلی ڈبوئے پھر ہونٹ اور دانت اور تالو پر رکھ کر خوب ملے اور انگلیوں کو دھوئے پھر منہ کو اشنان سے دھوئے -

کسی کے ساتھ کھانا کھانے کے آداب : تنہا ہو یا کسی کے ساتھ کھانا کھائے یہ آداب جو بیان ہو چکے ہیں ان کا تو بہر حال دھیان رکھے لیکن اگر کسی کے ساتھ کھانا کھائے تو سات آداب اور ملحوظ رکھے -

پہلا یہ کہ جو شخص عمر یا علم یا پرہیز گاری میں یا اور کسی وجہ سے بڑھ کر ہو جب تک وہ کھانے کو ہاتھ نہ بڑھائے اس وقت تک یہ بھی ہاتھ نہ لپکائے - اگر خود سب سے بڑھ کر ہو تو اوروں کو انتظار میں نہ رکھے -

دوسرا یہ کہ چپ نہ رہے کیونکہ یہ اہل عجم کی عادت ہے بلکہ متقی اور پرہیز گاروں کے قصے حکایات اور کلام حکمت و شریعت میں سے اچھی اچھی باتیں کرے واہیات خرافات نہ بکے -

تیسرا یہ کہ ہم پیالہ کا دھیان رکھے تاکہ اس سے زیادہ نہ کھا جائے - اگر کھانا مشترک ہے تو یہ حرام ہے بلکہ خود کم کھائے اور اپنے ساتھی کو زیادہ دے اور اچھا کھانا اس کے سامنے بڑھائے - اگر ساتھی آہستہ آہستہ کھاتا ہے تو اس سے اصرار

اے ایک کھاری پتی کھاری زمین میں اگتی ہے اس سے کپڑا دھوتے ہیں تو صابن کی طرح صاف کرتی ہے اگر اس کو جلادیں تو پتھر کی مانند ہو جایا کرتی ہے - عام زبان میں اسے سجی کے نام سے موسوم کرتے ہیں - (۱۲ غیاث اللغات)

کرے کہ اچھی طرح خوشی سے کھائے مگر تین بار سے زیادہ کھاؤ کھاؤ نہ کرے کہ اس سے زیادہ کہنا الحاح وافراط ہے اور قسم نہ دے اس لیے کہ کھانا قسم دلانے سے کم شان رکھتا ہے۔

چوتھا یہ کہ ساتھی کو اس سے کھاؤ کھاؤ کہنے کی حاجت نہ پڑے۔بلکہ جس طرح وہ کھاتا ہے اسی طرح اس کا ساتھ دے اور اپنی عادت سے کم نہ کھائے۔اس لیے کہ یہ ریا ہے اور تنہائی میں بھی اپنے آپ کو اسی طرح باادب رکھے جس طرح لوگوں کے سامنے مودب رہتا ہے تاکہ جب لوگوں کے ساتھ ہو تو ادب سے کھانا کھا سکے۔اور اگر دوسرے کو زیادہ کھلانے کی نیت سے خود کم کھائے گا تو بہتر ہے اور اگر اوروں کی خوشی کے لیے زیادہ کھائے گا تو بھی بہتر ہے۔حضرت ابن مبارک فقیروں کی دعوت کرتے اور خرمے ان کے آگے دھرتے اور کہتے جو زیادہ کھائے گا ایک ایک گٹھلی کے پیچھے اسے ایک ایک درہم دوں گا۔پھر گٹھلیاں گنتے کہ کس کے پاس زیادہ ہیں اور ہر گٹھلی کے پیچھے اسے ایک درم دیتے۔

پانچواں یہ کہ نگاہ نیچی رکھے اوروں کے نوالے کو نہ دیکھے اگر لوگ اس کا ادب اور ملاحظہ کرتے ہیں تو اوروں سے پہلے خود ہاتھ نہ کھینچے۔اگر اوروں کے نزدیک کچھ حقیر ہے تو پہلے ہاتھ روکے رکھے تاکہ آخر کو اچھی طرح کھا سکے۔اگر اچھی طرح نہیں کھا سکتا تو عذر بیان کر دے۔تاکہ دوسرے شرمندہ نہ ہوں۔

چھٹا یہ کہ جس امر سے لوگوں کی طبیعت کو کراہت و نفرت ہو وہ نہ کرے۔برتن میں ہاتھ نہ جھٹکے برتن کی طرف منہ اتنا نہ جھکائے کہ منہ سے جو نکلے وہ برتن میں جائے۔اگر منہ سے کچھ نکالے تو منہ کو پھیرے۔چکنا نوالہ سرکہ میں نہ ڈبوئے جو نوالہ دانت سے کاٹا ہوا سے برتن میں نہ ڈالے کہ ان باتوں سے لوگوں کی طبیعت نفرت کرے گی۔اور گھنونی قسم کی باتیں نہ کرے۔

ساتویں یہ کہ اگر طشت میں ہاتھ دھوئے تو لوگوں کے سامنے طشت میں نہ تھوکے۔جو شخص معزز ہو اسے مقدم کرے۔اگر لوگ اس کی تعظیم کریں تو مان لے اور داہنی طرف سے طشت کو گھمائے۔سب کے ہاتھوں کا دھون جمع کرے۔مگر ایک کے ہاتھ کا دھون الگ نہ پھینکے کہ یہ اہل عجم کی عادت ہے اگر سب لوگ ایک ہی بار ہاتھ دھولیں تو بہت اولیٰ اور فروتنی سے نزدیک تر ہے اگر کلی کرے تو آہستہ کرے تاکہ چھینٹ نہ اڑے کسی آدمی اور فرش پر نہ پڑے جو شخص ہاتھ پر پانی ڈالتا ہے بیٹھنے سے اس کا کھڑا رہنا اولیٰ تر ہے یہ سب آداب حدیث میں وارد ہوئے ہیں انسان و حیوان میں ان ہی آداب سے فرق ہوتا ہے کہ حیوان جس طرح اس کا جی چاہتا ہے کھاتا ہے۔بات نہیں جانتا۔خدا نے اس کو یہ تمیز ہی نہیں دی اور انسان کو چونکہ یہ تمیز عنایت ہوئی ہے اگر وہ اس پر کاربند ہوگا تو عقل و تمیز کی نعمت کا حق اس نے ادا نہ کیا اور کفران نعمت کا مرتکب ہوا۔

دوستوں اور دینی بھائیوں کے ساتھ کھانا کھانے کی فضیلت :اے عزیز جان کہ کسی دوست کی ضیافت کرنا کثیر مقدار میں صدقہ دینے سے بھی افضل ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے تین چیزوں کا بندہ سے حساب نہ

لیں گے- ایک تو جو کچھ سحری کے وقت کھائے گا- دوسرے جس سے روزہ افطار کرے گا- تیسرے جو کچھ دوستوں کے ساتھ کھائے گا- حضرت جعفر ابن محمد صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جب دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے تو جلدی نہ کر تا کہ دیر ہو کہ اس قدر زندگی کا حساب نہ ہو گا- حضرت حسن بصری فرماتے ہیں بندہ جو کچھ کھاتا پیتا ہے اور اپنے ماں باپ کو کھلاتا ہے اس کا حساب ہو گا- جو کھانا دوستوں کے ساتھ کھاتا ہے اس کا حساب نہ ہو گا- ایک بزرگ کی عادت تھی کہ جب بھائیوں کے سامنے دستر خوان بچھاتے تو بہت سا کھانا لگاتے اور کہتے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کھانا دوستوں کے آگے بڑھے اس کا حساب نہ ہو گا- میں چاہتا ہوں کہ جو کھانا دوستوں کے سامنے سے بڑھاؤں- اس میں سے کھاؤں- امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک صاع کھانا بھائیوں کے سامنے رکھنا مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ ایک غلام آزاد کروں- حدیث شریف میں آیا ہے حق تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ اے بنی آدم میں بھوکا ہوا اور تو نے مجھے کھانا نہ دیا- آدمی عرض کرے گا- بار خدایا تو کیونکر بھوکا ہوا- تو تو عالم کا مالک ہے- تجھ کو کھانے کی کچھ حاجت نہیں ارشاد ہو گا تیرا بھائی بھوکا تھا تو اگر اس کو کھانا دیتا تو گویا مجھ کو دیتا- رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص مسلمان بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا پانی دیتا ہے حق تعالیٰ اس کو آتش دوزخ سے سات خندق دور رکھتا ہے- ہر ایک خندق کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت ہے اور فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ — تم میں وہ شخص بہتر ہے جو کھانا بہت دے-

جو دوست ایک دوسرے کی ملاقات کو جائیں ان کے کھانا کھانے کے آداب

اے عزیز جان کہ اس صورت میں چار ادب ہیں-

پہلا ادب یہ ہے کہ قصداً کھانے کے وقت کسی کے پاس نہ جائے کہ حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص بے بلائے کسی کا کھانا کھانے کا قصد کرے' وہ جانے میں گنہگار ہو گا اور کھانے میں حرام خور اگر اتفاقاً کھانے کے وقت جا پہنچے تو بے کہے نہ کھائے- اور اگر کہیں کہ کھاؤ اور وہ جانے کہ دل سے نہیں کہتے ہیں تو بھی کھانا نہ چاہیے- لیکن لطائف الحیل کے ساتھ انکار کرے- مگر جس دوست پر اعتماد اور جس کے دل سے آگاہ ہے اس کے گھر قصداً کھانے کی نیت سے جانا درست ہے- بلکہ دوستوں میں یہ امر سنت ہے- حدیث شریف میں آیا ہے- جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھوک کے وقت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوالہیثم ابن التیہان کے گھر تشریف لے گئے اور مانگ کر کھانا نوش فرمایا یہ امر خیر ہر میزبان کی اعانت ہے- بشرطیکہ معلوم ہو کہ وہ راغب ہے- کسی بزرگ کے تین سو ساٹھ دوست تھے- وہ بزرگ ہر شب ایک دوست کے گھر رہتے- کسی بزرگ کے تیس دوست تھے کوئی بزرگ سات دوست رکھتے تھے- ہر شب ایک دوست کے گھر رہتے یہ دوست ان بزرگوں کے لیے گویا کسب وصنعت تھے اور ان کی عبادت میں سبب فراغت تھے- بلکہ جب دینی

دوستی ہو گئی تو اگر دوست گھر میں نہ ہو تو بھی اس کے کھانے میں سے کھا لینا درست ہے- جناب سرور انبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کا کھانا نوش فرمایا- کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ اس سے خوش ہوں گے- حضرت محمد بن واسع صاحب ورع بزرگ تھے- اپنے دوستوں کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے گھر تشریف لے جاتے اور جو کچھ پاتے کھاتے جب حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اپنے گھر تشریف لاتے تو اس سے بہت خوش ہوتے- ایک گروہ نے حضرت سفیان ثوری کے گھر میں ایسا ہی معاملہ کیا- جب حضرت سفیان تشریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگوں نے اگلے بزرگوں کے اخلاق مجھ کو یاد دلائے کہ انہوں نے ایسا ہی کیا ہے-

دوسرا ادب یہ ہے کہ جب کوئی شخص ملاقات کو آئے تو جو کچھ حاضر ہو اس کے سامنے لا رکھے- کچھ تکلیف نہ کرے- اگر اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق ہو زیادہ نہ ہو تو اسے رکھ چھوڑے- ایک شخص نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی دعوت کی آپ نے فرمایا تین شرائط سے تیرے گھر آؤں گا ایک یہ کہ بازار سے کچھ نہ لائے دوسری یہ کہ جو کچھ گھر میں ہو اس میں سے کچھ پھیر نہ لے جا- تیسری یہ کہ اپنے اہل و عیال کا پورا حصہ بچا- حضرت فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے لوگ جو ایک دوسرے سے چھوٹ گئے ہیں تکلف کے سبب چھوٹ گئے ہیں اگر درمیان سے تکلف اٹھ جائے تو بے دھڑک ایک دوسرے سے مل سکتا ہے- ایک دوست نے ایک بزرگ سے تکلف کیا انہوں نے فرمایا تم جب اکیلے ہوتے ہو تو ایسا نہیں کھاتے اور میں بھی اکیلے میں ایسا نہیں کھاتا تو جب ہم اور تم اکٹھے ہوں تو یہ تکلف کرنا کیوں چاہیے یا تم تکلف ختم کر دو یا میں آنا موقوف کروں- حضرت سلمانؓ کہتے ہیں- جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں فرمایا ہے کہ تکلف نہ کرنا جو کچھ حاضر ہو اس سے بھی نہ دریغ کرنا صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین روٹی کا ٹکڑا اور خشک چھوہارے ایک دوسرے کے سامنے لاتے اور فرماتے ہم نہیں جانتے کہ وہ شخص بڑا گنہگار ہے جو ماحضر کو ناچیز جان کر سامنے نہ لائے- یا وہ شخص جس کے سامنے حاضر کریں اور وہ اسے حقیر جانے حضرت یونس علی نبینا و علیہ السلام روٹی کا ٹکڑا اور جو ترکاری ہوتے وہی دوستوں کے سامنے رکھتے اور فرماتے اگر حق سبحانہ و تعالیٰ تکلف کرنے والوں پر لعنت نہ کرتا تو میں تکلف کرتا- کچھ لوگوں میں باہم جھگڑا تھا- حضرت زکریا علیہ السلام کو تلاش کیا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں وہ لوگ آپ کے مکان پر حاضر ہوئے- آپ کو تو نہ پایا- ایک خوبصورت عورت دیکھی متعجب ہوئے کہ حضرت زکریا علیہ السلام پیغمبر ہو کر ایسی عورت پری طلعت کے ساتھ عیش و عشرت کرتے ہیں جب آپ کو ڈھونڈا تو ایک جگہ مزدوری کو گئے ہوئے تھے- آپ کو وہاں کھانا کھاتے پایا ان لوگوں نے آپ سے باتیں کیں- آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ کھانا کھا لو- جب اٹھے تو وہاں سے ننگ پاؤں چلے ان لوگوں کو آپ سے ان تینوں کاموں کا سرزد ہونا محل تعجب معلوم ہوا- عرض کی یا حضرت یہ کیا باتیں ہیں- آپ نے فرمایا کہ خوبصورت عورت اس لیے رکھتا ہوں کہ میرے دین کو بچائے- میری آنکھ اور دل کہیں نہ لگ جائے- اور تم سے کھانے کو جو نہ کہا تو اس لیے کہ یہ میری مزدوری تھی کہ کام کروں اگر کم

کھاتا تو کام میں تقصیر کرتا اور کام کرنا مجھ پر فرض تھا اور ننگے پاؤں اس لیے چلا کہ اس زمین کے مالکوں میں جھگڑا ہے- میں نے نہ چاہا کہ اس زمین کی مٹی میرے جوتے میں بھرے اور دوسرے کی زمین میں جائے- تو اس سے معلوم ہوا کہ کاموں میں صدق و راستی تکلف کرنے سے بہتر ہے-

تیسرا ادب یہ ہے کہ جب جانے کہ میزبان پر دشوار ہوگا تو اس پر حکومت نہ کرے جب مہمان کو دو چیزوں میں اختیار دیں تو جو چیز میزبان پر زیادہ آسان ہو اسے اختیار کرے- اس لیے کہ رسول مقبول ﷺ ہر کام میں ایسا ہی کرتے تھے- کوئی شخص حضرت سلیمان کے پاس گیا- انہوں نے جو کی روٹی کا ٹکڑا اور نمک اس شخص کے سامنے لا کر رکھ دیا وہ بولا اگر نمک میں سعتر[۱] ہوتا تو بہتر ہوتا- حضرت سلمان اور کوئی چیز پاس نہ رکھتے تھے آفتابہ گرو رکھ کر سعتر مول لائے وہ شخص جب روٹی کھا چکا تو کہنے لگا-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا رَزَقْنَا — شکر ہے اس اللہ کا جس نے قناعت دی مجھ کو اس چیز پر جو روزی مجھے دی-

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تجھ میں قناعت ہوتی تو میرا آفتابہ گرد رکھنے کی نوبت نہ آتی مگر جہاں جانے کہ میزبان کو دقت نہ ہوگی بلکہ خوش ہوگا- تو اس سے مانگنا درست ہے- حضرت امام شافعیؒ بغداد میں زعفرانی کے گھر تشریف رکھتے تھے- زعفرانی روز کھانے کی اقسام لکھ کر پکانے والے کو دے دیتا ایک دن امام صاحب نے ایک قسم کا کھانا دستخط خاص سے اس میں بڑھا دیا- جب زعفرانی نے اس کتبہ کو لونڈی کے ہاتھ میں دیکھا بہت خوش ہوا اور شکرانہ میں اس لونڈی کو آزاد کر دیا-

چوتھا ادب یہ ہے کہ صاحب خانہ اگر مہمانوں کا حکم بجالانے پر دل سے راضی ہو تو مہمانوں سے پوچھے کہ تم کیا چاہتے ہو اور کس چیز کی آرزو کرتے ہو- اس لیے کہ جو ان کی آرزو بر لانے میں کوشش و مستعدی کرتا ہے ہزار ہزار نیکیاں اس کے اعمال نامہ میں لکھتے اور ہزار ہزار برائیاں اس کے اعمال نامہ سے مٹا دیتے اور ہزار ہزار درجہ بلند کرتے ہیں اور تین جنتوں میں سے اسے حصہ دیتے ہیں- ایک فردوس دوسری عدن تیسری خلد لیکن مہمان سے یہ پوچھنا کہ فلانی چیز لاؤں یا نہ لاؤں مکروہ اور برا ہے بلکہ جو کچھ موجود ہے لے آئے اگر مہمان نہ کھائے تو لے جائے-

میزبانی کی فضیلت: اے عزیز جان کہ جو بیان کیا گیا اس صورت میں تھا کہ کوئی شخص بے بلائے ملاقات کو آئے دعوت کرنے کا حکم اور ہے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مہمان خود آجائے تو کچھ تکلف نہ کر اور اگر تو بلائے تو کچھ اٹھا نہ رکھ یعنی جو تکلف تجھ سے ہو سکے کر اور ضیافت کی بڑی فضیلت ہے اور یہ عرب کی عادت ہے کہ وہ لوگ سفر میں ایک دوسرے کے گھر جاتے ہیں اور ایسے مہمان کا حق ادا کرنا اہم ہے اسی لیے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص مہماندار

---

[۱] ایک قسم کی پتی ہے جس سے فقیر لوگ روٹی کھاتے ہیں-۱۲

نہیں اس میں خیر نہیں اور فرمایا ہے مہمان کے واسطے تکلف نہ کرو کیونکہ جب تکلف کرو گے تو اس کے ساتھ دشمنی رکھو گے اور جو شخص مہمان سے دشمنی رکھتا ہے وہ خدا کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے خدا اس کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اور اس کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔اگر کوئی غریب مہمان آپہنچے تو اس کے لیے قرض لے کر تکلف کرنا درست ہے۔لیکن دوستوں کے لیے جو ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں تکلف نہ کرنا چاہیے کہ تکلف کرتے کرتے محبت ہی جاتی رہے گی۔جناب نبی کریم علیہ السلام کے غلام ابو رافع کہتے ہیں۔حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا فلاں یہودی سے کہو کہ مجھے آٹا قرض دے میں رجب کے مہینے میں ادا کروں گا کہ ایک مہمان میرے پاس آیا ہوا ہے یہودی نے کہا جب تک کچھ گرو نہیں رکھو گے نہ دوں گا۔حضرت ابو رافع کہتے ہیں کہ میں واپس آیا اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں اس کا جواب عرض کیا۔آپ نے فرمایا واللہ میں آسمان میں امین ہوں زمین میں امین ہوں اگر وہ دے دیتا تو میں ادا کر دیتا۔اب میری وہ زرہ لے جا اور گرو رکھ کر لا میں لے گیا اور گرو رکھ کر لایا۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مہمان کو ڈھونڈنے ایک دو میل جاتے۔جب تک مہمان نہ ملتا کھانا نہ کھاتے ان کے صدق و خلوص کی برکت سے آج تک ان کے مشہد میں رسم ضیافت باقی ہے حتیٰ کہ کوئی رات مہمان سے خالی نہیں جاتی اور کبھی سو دو سو مہمان آ رہتے ہیں۔بہت سے گاؤں اس مقصد کے لیے وقف ہیں۔

دعوت اور اسے قبول کرنے کے آداب: جو شخص دعوت کرتا ہے اس کے لیے یہ سنت ہے کہ نیک لوگوں کے سوا اور کو نہ بلائے۔کیونکہ کھانا کھلانا قوت بڑھاتا ہے اور فاسق کو کھانا دینا فسق میں اس کی مدد کرنا ہے اور فقیروں کو بلائے امیروں کو نہ بلائے۔رسول مقبول علیہ السلام نے فرمایا ہے وہ طعام ولیمہ سب کھانوں سے بدتر ہے جس کے لیے امیروں کو بلائیں اور فقیروں کو محروم رکھیں۔' اور فرمایا ہے تم لوگ دعوت کرنے میں بھی گناہ کرتے ہو۔ایسے شخص کو بلاتے ہو جو نہ آئے اور جو آنے والا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو اور چاہیے کہ یگانوں اور نزدیک کے دوستوں کو نہ بھولے کہ وحشت کا سبب ہوگا۔دعوت سے تکبر و بڑائی کا ارادہ نہ کرے ادائے سنت اور فقراء کی راحت کا خیال کرے جسے جانے کہ دعوت قبول کرنا اسے دشوار ہے اسے نہ بلائے کہ اسے تکلیف ہوگی اور جو شخص اس کی دعوت قبول کرنے میں رغبت نہ کرے۔اس کی بھی دعوت نہ کرے کہ وہ اگر مان بھی لے گا تو کھانا کراہت سے کھائے گا اور یہ امر خطا کا سبب ہوگا۔دعوت کرنے کا

پہلا ادب: پہلا ادب یہ ہے کہ فقیر و امیر میں کچھ فرق نہ کرے فقیر کی دعوت سے بے پروائی نہ کرے۔اس لیے کہ جناب سلطان الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام فقیروں کی دعوت قبول فرماتے تھے۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا گزر ایک محتاج قوم کی طرف ہوا وہ لوگ روٹی کے ٹکڑے کھا رہے تھے۔عرض کی کہ اے فرزند رسول آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جائیے۔آپ سواری پر سے اتر کر ان کے ساتھ شریک ہو گئے اور فرمایا حق تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔جب نوش فرما چکے تو ان لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ کل تم میری دعوت قبول کرو۔دوسرے دن ان کے لیے

عمدہ کھانا پکوایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر نوش فرمایا-

دوسرا ادب: یہ ہے کہ اگر جانتا ہے کہ میزبان مجھ پر احسان جتائے گا اور رسمی میزبانی جانے گا تو اس سے حیلے بہانے سے معذرت کر دے اور دعوت قبول نہ کرے بلکہ میزبان کو چاہیے کہ مہمان کے قبول کرنے کو اپنے لیے موجب فضیلت جانے اور اس کا احسان مانے علیٰ ہذا القیاس اگر جانتا ہے کہ اس کے کھانے میں شبہ ہے یا وہاں کا انداز برا ہے مثلاً اس جگہ فرش اطلسی ہے- چاندی کی انگیٹھی یا دیوار اور چھت میں جانوروں کی تصویر ہے یا راگ مع مزامیر ہے یا کوئی مسخرہ پن کرتا ہے- یا فحش بکتا ہے یا جوان عورتیں مردوں کو دیکھنے آتی ہیں- یہ سب بری باتیں ہیں ایسی جگہ نہ جانا چاہیے اسی طرح اگر میزبان بدعتی یا ظالم یا فاسق ہو یا ضیافت سے اس کا مقصد لاف و تکبر ہو تو اس کی دعوت قبول نہ کرے- اگر دعوت قبول کی اور وہاں کوئی بری بات دیکھی اور منع نہیں کر سکتا تو وہاں سے چلا جانا واجب ہے-

تیسرا ادب: یہ ہے راہ دور ہونے کے سبب سے دعوت رد نہ کرے- بلکہ عادت کے مطابق جتنی راہ چلنے کی برداشت ہے اس کا متحمل ہو جائے توریت میں ہے کہ بیمار پرسی کے لیے ایک میل جا- جنازے کے ساتھ دو میل جا- مہمان کے لیے تین میل جا دینی بھائی کی ملاقات کے لیے چار میل جا-

چوتھا ادب: یہ ہے کہ روزے کی وجہ سے دعوت رد نہ کرے بلکہ اس میں شرکت کرے- اگر میزبان کی خوشی ہو تو خوش ہو اور اچھی باتوں پر قناعت کرے کہ روزہ دار کی میزبانی یہی ہے- اگر رنجیدہ ہو تو روزہ کھول ڈالے کہ مسلمان کا دل خوش کرنے کا ثواب روزہ سے بہت زیادہ ہے- رسول مقبول ﷺ نے ایسے شخص پر جو میزبان کی رضامندی کے لیے روزہ نہ کھول ڈالے اعتراض کیا ہے اور فرمایا کہ تیرا بھائی تو تکلیف کرے اور تو کہے کہ میں روزہ دار ہوں-

پانچواں ادب: یہ ہے کہ پیٹ کی خواہش مٹانے کے لیے دعوت قبول نہ کرے کہ یہ جانوروں کا کام ہے- بلکہ اتباع سنت نبوی کی نیت کرے اور اسبات سے بچنے کی نیت کرے جو رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دعوت نہ قبول کرے گا' وہ خدا اور رسول کا گنہگار ہو گا اسی سبب سے علماء کے ایک گروہ نے کہا کہ دعوت قبول کرنا واجب ہے اور دعوت قبول کرنے میں مسلمان بھائی کے اعزاز و اکرام کی نیت کرے- حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی مومن کا اعزاز و اکرام کرے اس نے خدا کا اعزاز و اکرام کیا اور مسلمان کا دل خوش کرنے کی نیت کرے حدیث شریف میں آیا ہے جو کوئی مسلمان کو خوش کرے اس نے خدا کو خوش کیا اور ملاقات میزبان کی نیت کرے اس لیے کہ دینی بھائیوں کی ملاقات عبادات میں سے ہے اور اپنے آپ کو غیبت سے بچانے کی نیت کرے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ فلاں شخص بد خوئی اور تکبر کی وجہ سے نہ آیا- دعوت میں جانے کی یہ چھ نیتیں ہیں- ہر ایک نیت کے عوض ثواب حاصل ہو گا اور ایسی نیتوں کی بدولت

مباح چیزیں قربِ خدا کا باعث ہوتی ہیں۔ بزرگانِ دین نے کوشش کی ہے کہ تمام حرکات و سکنات میں ان کی ایسی نیت ہو جسے دین سے مناسبت ہو تاکہ ان کا کوئی دم ضائع نہ جائے۔

میزبان کے ہاں حاضر ہونے کے آداب : یہ ہیں کہ میزبان کو منتظر نہ رکھے جانے میں جلدی کرے اچھی جگہ نہ بیٹھے۔ جہاں میزبان کہے وہاں بیٹھے اگر اور مہمان مقام صدر میں اسے بٹھالیں تو انکار نہ کرے عورتوں کے حجرے کے برابر نہ بیٹھے۔ جہاں سے کھانا لاتے ہیں ادھر بار بار نہ دیکھے۔ جب بیٹھے تو جو شخص قریب تر ہے اس کی مزاج پرسی کرے۔ اگر کوئی امر خلاف شرع دیکھے تو انکار کرے۔ اگر اس امر کو منع نہ کر سکے تو وہاں سے اٹھ جائے۔

حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر چاندی کی سرمہ دانی دیکھے تو چاہیے کہ اٹھ کھڑا ہو اگر مہمان رات رہنا چاہے تو میزبان کا ادب ہے کہ اسے قبلہ اور طہارت کی جگہ بتادے کھانا رکھنے کے آداب یہ ہیں کہ جلدی کرے۔ یہ امر مہمان کے اکرام میں سے ہے تاکہ مہمان کھانے کا انتظار نہ کرے۔ اگر بہت لوگ آچکے ہیں اور ایک باقی ہو تو حاضرین کی رعایت زیادہ بہتر ہے۔ مگر جب فقیر نہ آیا ہو اور انتظار نہ کرنے سے دل شکستہ ہو جائے گا تو اس کی خوشی کی خاطر نیت سے تاخیر بہتر ہے۔

حاتم اصم نے فرمایا ہے جلدی شیطان کا کام ہے مگر پانچ چیزوں میں جلدی چاہیے۔ ۱۔ مہمان کو کھانا کھلانے میں، ۲۔ مردہ کی تجہیز میں۔ ۳۔ لڑکیوں کے نکاح میں ۴۔ قرض ادا کرنے میں ۵۔ گناہوں سے توبہ کرنے میں اور دعوت ولیمہ میں جلدی کرنا سنت ہے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ کھانے سے پہلے میوہ لائے اور دستر خوان کو ترکاری سے خالی نہ رکھے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے "دستر خوان پر جب ہری چیز ہوتی ہے تو ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔" اور اچھا کھانا آگے رکھنا چاہیے تاکہ اس سے آسودہ ہو جائیں۔ بہت سے کھلانے والوں کی یہ عادت ہے کہ ثقیل غذا آگے رکھتے ہیں تاکہ مہمان بہت نہ کھاسکے یہ مکروہ ہے اور بعض کی یہ عادت ہے کہ یکبارگی سب طرح کے کھانے رکھ دیتے ہیں تاکہ جس کا جو جی چاہے کھائے۔ جب طرح طرح کی چیزیں رکھیں تو جلدی نہ اٹھائے اس لیے کہ شاید کوئی ایسا ہو کہ ابھی سیر نہ ہوا ہو۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ تھوڑا کھانا نہ رکھے۔ کہ اس میں بے مروتی ہے اور حد سے زیادہ بھی نہ رکھے کہ اس میں تکبر ہے مگر اس نیت سے زیادہ کھانا رکھنے میں مضائقہ نہیں کہ جو کچھ بڑھ جائے گا اس کا حساب نہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے بہت سا کھانا رکھا۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے ان سے فرمایا۔ "کیا تمہیں اسراف کا خوف نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ضیافت کے کھانے میں اسراف ہوتا ہی نہیں اور چاہیے کہ اپنے اہل و عیال کا حصہ پہلے نکال لے تاکہ ان کی نظر دستر خوان پر نہ رہے۔ کیونکہ جب کچھ نہ بچے گا تو وہ مہمان کا شکوہ کریں گے۔ اس امر میں مہمان کے ساتھ خیانت ہوتی ہے اور یہ امر درست نہیں کہ مہمان کھانا باندھ لے جائے جیسے بعض صوفیوں کی عادت ہے مگر یہ کہ میزبان ان کی

شرم کا لحاظ نہ کرے اور صاف کہہ دے یا یہ جانتے ہوں کہ میزبان دل سے راضی ہے تو کھانا باندھ لے جانا درست ہے۔ بشرطیکہ اپنے ہم پیالہ کے ساتھ ظلم نہ کرے۔ اس لیے کہ اگر زیادہ لے جائے گا تو حرام ہو جائے گا۔ اگر میزبان کی مرضی نہ ہو تو بھی حرام ہے۔ اس میں اور چوری سے لے جانے میں کوئی فرق نہیں اور جو کچھ وہ شخص جو ہم پیالہ ہے شرم سے چھوڑے خوشی کی خاطر سے نہ چھوڑے وہ بھی حرام ہے۔

ضیافت خانہ سے باہر آنے کے آداب: یہ ہیں کہ اجازت سے نکلے اور میزبان کو چاہیے کہ اپنے گھر کے دروازے تک مہمان کے ساتھ آئے۔ اس لیے کہ جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا ہی کرتے تھے اور چاہیے کہ میزبان اچھی طرح بات کہے اور کشادہ پیشانی رہے۔ اگر مہمان اس سے قصور دیکھے تو معاف کرے کہ حسن خلق سے چھپا دے کہ حسن خلق بہت سی عبادات سے بہتر ہے۔

حکایت: ایک شخص نے لوگوں کی دعوت کی اس کا بیٹا باپ کی بے اطلاع حضرت جنید قدس سرہ کو بھی بلا لایا۔ آپ جب اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ اس کے باپ نے اندر نہ جانے دیا۔ آپ پھر آئے۔ لڑکا پھر دوبارہ بلانے آیا آپ تشریف لے گئے۔ پھر اس کے باپ نے اندر نہ جانے دیا۔ آپ پھر آئے اس طرح چار بار حضرت جنید قدس سرہ تشریف لائے تاکہ اس لڑکے کا دل خوش ہو اور ہر بار پلٹ گئے تاکہ اس کے باپ کا دل خوش ہو۔ حالانکہ آپ اس سے فارغ تھے اور ہر دو قبول میں آپ کو عبرت ہوتی تھی کہ اس امر کو منجانب اللہ دیکھتے تھے۔

دوسری اصل آدابِ نکاح کا بیان

اے عزیز یہ بات جان کہ کھانا کھانے کی طرح نکاح کرنا بھی راہِ دین سے ہے۔ کیونکہ راہِ دین کو جس طرح انسانیت کی بقا کی ضرورت ہے اور زندگی بے کھانے پینے کے محال ہے۔ اسی طرح آدمی کی جنس اور نسل کی بقاء کی بھی حاجت ہے اور یہ بے نکاح ممکن نہیں۔ تو نکاح اصل وجود کا سبب اور طعام بقائے وجود کا سبب ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کے لیے نکاح کو مباح کیا ہے۔ شہوت کے لیے نہیں بلکہ شہوت کو بھی اس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ نکاح کا متقاضی ہو اور لوگ نکاح کریں اور راہ دین پر چلنے والے پیدا ہوں اور راہ دین پر چلیں۔ اس لیے کہ خالق نے تمام کو دین ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ — اور نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر اس لیے کہ عبادت کریں میری۔

اور جتنے آدمی زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت ربوبیت کے بندے بڑھتے اور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت زیادہ

ہوتی ہے- اسی بنا پر حضور ﷺ نے فرمایا ہے "نکاح کرو تاکہ زیادہ ہو کہ میں قیامت کے دن تمہارے سبب سے اور پیغمبروں کی امت پر فخر کروں گا-" حتیٰ کہ اس عمل کے سبب بھی فخر کروں گا جو اپنی ماں کے پیٹ سے گر جائے تو جو شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ اولاد بڑھے اور خدا کی بندگی کرے اس کا بڑا ثواب ہے- اس لیے باپ کا بڑا حق ہے اور استاد کا حق اس سے بھی زیادہ ہے- اس لیے کہ باپ پیدائش کا سبب ہے اور استاد راہِ دین پہنچانے کا- اسی بناء پر علماء کا ایک گروہ قائل ہوا ہے کہ نکاح کرنا نوافل عبادت میں مشغول ہونے سے بہتر ہے اور جبکہ معلوم ہو گیا کہ نکاح کرنا راہِ دین میں سے ہے تو اس کے آداب کی تفصیل جاننا بھی ضروری ہے اس کی تفصیل تین بابوں میں معلوم ہو گی- پہلا باب نکاح کے فوائد و آفات کے بیان میں دوسرا باب عقد نکاح کے آداب کے بیان میں تیسرا باب نکاح کے بعد معاشرت و گزاران کے آداب ہیں-

پہلا باب نکاح کے فوائد و آفات کے بیان میں- اے برادر اس بات کو معلوم کر کہ نکاح کی فضیلت اس کے فوائد کے لحاظ سے ہے اور اس کے پانچ فوائدے ہیں-

پہلا فائدہ اولاد ہے- اولاد کے سبب سے چار طرح کا ثواب ہے- پہلا ثواب یہ ہے کہ آدمی کا پیدا ہونا اور بقائے نسل جو حق تعالیٰ کو محبوب و مرغوب ہے- اس کے کوشش کرتا رہے گا اور جو شخص حکمت آفرینش پہنچانے گا اسے اس بات میں کوئی شک نہ رہے گا کہ یہ بات حق تعالیٰ کی محبوب ہے- جب مالک اپنے بندے کو قابل زمین کاشت کے لیے دے بیج عنایت کرے بیلوں کی جوڑی گوئی اور آلات زراعت عطا کرے اور اس پر ایک ارادہ مسلط کرے کہ اسے کھیتی کرنے میں مشغول رکھے تو گو مالک زبان سے نہ کہے لیکن اگر عقل رکھتا ہے تو اس کا مطلب و مقصد جان جائے گا کہ مجھ سے کھیت جتوانا' بیج کاشت کرانا' درخت پیدا کرانا مقصود ہے خداوند کریم نے بچہ دان پیدا کیا- آلات مباشرت پیدا کیے- مردوں کی پشت عورتوں کے سینہ میں اولاد کا بیج پیدا کیا شہوت کو مرد اور عورت پر مسلط کیا- تو ان باتوں سے جو مقصود الٰہی ہے- وہ کسی عقل مند سے پوشیدہ نہیں- اگر کوئی شخص بیج یعنی نطفہ ضائع کرے اور شہوت کو کسی حیلہ سے ٹال دے- تو وہ پیدائش کے مقصد سے منحرف رہے گا- اس واسطے صحابہ کرام اور اگلے بزرگ بے نکاح اپنے سے نفرت رکھتے تے- یہاں تک کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیویاں طاعون میں مریں اور خود ان کو طاعون ہوا- فرمایا جب تک میں مروں میرا نکاح کر دو- میں نہیں چاہتا کے بے جورو مر جاؤں دوسرا ثواب یہ ہے کہ رسول مقبول ﷺ کی موافقت کرنے میں نکاح کے ذریعے سے کوشش کرتا رہے گا تاکہ آپ کی امت زیادہ ہو کہ اس کے سبب سے آپ فخر کریں گے- اس لیے آپ نے بانجھ عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی اور فرمایا اگر کھجور کی چٹائی گھر میں پھٹی ہو تو بانجھ عورت سے بہتر ہے اور فرمایا عورت بد صورت جننے والی خوبصورت بانجھ سے بہتر ہے- ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ نکاح کرنا شہوت کے لیے نہیں ہے اس لیے کہ شہوت کی خاطر خوبصورت عورت بد صورت سے بہتر ہے-

تیرا ثواب یہ ہے کہ اولاد سے دعا حاصل ہوتی ہے- حدیث شریف میں ہے جن نیکیوں کا ثواب منقطع نہیں ہوتا ان میں سے ایک اولاد بھی ہے کہ باپ کی موت کے بعد اس کی دعا برابر جاری رہتی اور باپ کو پہنچتی ہے حدیث شریف میں

ہے کہ دعا کو نور کے طباقوں میں رکھ کر مردوں کو دکھاتے ہیں- اس طرح سے وہ راحت پاتے ہیں-

چوتھا ثواب یہ ہے کہ لڑکا ہو اور باپ کے سامنے مر جائے تاکہ وہ اس مصیبت کا رنج برداشت کرے اور لڑکا قیامت میں اس کی شفاعت کرے- رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ بچے سے کہیں گے کہ جنت میں جاوہ مچل جائے گا اور کہے گا کہ اپنے ماں باپ کے بغیر ہرگز اندر نہ جاؤں گا- رسول مقبول ﷺ نے کسی کپڑے کو پکڑ کر کھینچا اور فرمایا جس طرح میں تجھے کھینچتا ہوں اسی طرح بچہ اپنے ماں باپ کو جنت میں کھینچتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بچے جنت کے دروازے پر جمع ہوں گے اور دفعتاً چلانا اور رونا شروع کریں گے اور اپنے ماں باپ کو ڈھونڈیں گے- حتیٰ کہ ماں باپ کو حکم ہوگا کہ تم لڑکوں کی جماعت میں جاؤ اور ہر بچہ اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جائے گا-

حکایت : ایک بزرگ نکاح کرنے میں عذر کرتے تھے- یہاں تک کہ ایک رات انہوں نے خواب دیکھا کہ قیامت ہے اور لوگ پیاس کے مارے بیتاب ہیں- لڑکوں کا ایک گروہ ہے ان کے ہاتھوں میں چاندی سونے کے کٹورے ہیں اور لوگوں کو پانی پلا رہے ہیں- اس بزرگ نے بھی پانی مانگا انہیں کسی لڑکے نے نہ دیا اور کہا کہ ہم میں تیرا بیٹا کوئی نہیں ہے- وہ بزرگ جب خواب سے بیدار ہوئے اسی وقت نکاح کیا-

دوسرا فائدہ نکاح میں یہ ہے کہ آدمی اپنے دین کی حفاظت کرتا اور شہوت جو ہتھیار ہے شیطان کا اسے اپنے سے دور کرتا ہے- اسی لیے جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جس نے نکاح کیا اس نے اپنے آدھے دین کو حفاظت میں کر لیا اور جو شخص نکاح نہیں کرتا گو فرج کو بچالے لیکن اکثر یہ ہے کہ آنکھ کو بد نگاہ سے اور دل کو وسواس سے نہیں بچا سکتا-

نکاح اولاد کی نیت سے کرے شہوت کے لیے نہیں اس لیے کہ یہ کام مالک کو محبوب و مرغوب ہے- فرمانبرداری کے لیے یوں نہیں ہوتا ہے کہ شہوت ٹالنے کی نیت کرے- کیونکہ شہوت کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ متقاضی ہو اگرچہ اس میں اور حکمت بھی ہے وہ حکمت یہ ہے کہ اس میں بڑا مزہ رکھا ہے تاکہ وہ مزا آخرت کے مزوں کا نمونہ ہو جس طرح آگ کو اس لیے پیدا کیا کہ اس کی تکلیف رنج آخرت کا نمونہ ہو- اگرچہ مباشرت کی لذت اور آگ کی اذیت آخرت کی لذت و مصیبت کے سامنے حقیر و ناچیز ہے اور جو کچھ پیدا فرمایا ہے خالق کے ہاں اس کی بہت سی حکمتیں ہیں اور ممکن ہے کہ ایک ہی چیز میں بہت سی حکمتیں ہوں- جو عالموں اور بزرگوں ہی پر ظاہر ہوں- رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے عورت کے ساتھ شیطان رہتا ہے- جب کسی کو کوئی عورت اچھی معلوم ہو تو چاہیے کہ اپنے گھر جائے اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے کہ اس بات میں سب عورتیں برابر ہیں-

تیسرا فائدہ یہ ہے نکاح کی بدولت عورتوں سے موانست ہوتی ہے اور ان کے پاس بیٹھنے سے ان کے ساتھ مزاح کرنے سے دل کو راحت ہوتی ہے اور اس آسائش کے ذریعے سے شوق عبادت تازہ ہوتا ہے کیونکہ ہمیشہ عبادت میں رہنا اداسی لاتا ہے- اس میں آدمی دل گرفتہ ہو جاتا ہے یہ آسائش اس قوت کو پھیر لاتی ہے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ

وجہہ نے فرمایا ہے راحت و آسائش دل سے دفعتہً نہ چھین لو کہ اس سے دل نابینا ہو جائے گا۔ حضرت سرورِ کائنات ﷺ کو کسی وقت مکاشفہ میں اتنا بڑا کام آپڑتا تاکہ آپ کا جسم نازک اس کا متحمل نہ ہو سکتا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ہاتھ رکھ کر فرماتے:

كَلِّمِيْنِيْ يَا عَائِشَةَ — اے عائشہ میرے ساتھ باتیں کرو۔

اس سے آپ کی غرض یہ ہوتی تھی کہ اپنے آپ کو تقویت دیں تاکہ وحی کا بار اٹھانے کی قوت پیدا ہو جائے۔ جب آپ کو پھر اس عالم میں لاتے اور وہ قوت تمام ہو جاتی تو اس کا شوق آپ پر غالب ہوتا اور فرماتے ارحنا یا بلال یہاں تک کہ نماز کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی دماغ کو خوشبو سے قوت دیتے۔ اسی لیے فرمایا ہے:

حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ — یعنی تمہاری دنیا سے تین چیزوں کو حق تعالیٰ نے میرا محبوب کیا ہے۔ خوشبو کو عورتوں کو اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اور نماز کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ مقصود یہ ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک تو نماز میں ہے اور خوشبو اور عورتیں بدن کی آسائش کے واسطے ہیں تاکہ نماز کی طاقت پیدا ہو، آنکھوں کی روشنی جو نماز میں ہے وہ حاصل ہو۔ اسی لیے حضور ﷺ دنیا و مال و اسباب جمع کرنے سے منع کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ دنیا کے بعد ہم لوگ کیا چیز اختیار کریں۔ فرمایا:

لِيَتَّخِذَ اَحَدُكُمْ لِسَانًا ذَاكِرًا وَّقَلْبًا شَاكِرًا وَّزَوْجَةً مُّؤْمِنَةً — زبان ذاکر اور دل شاکر اور عورت پارسا اختیار کرلے۔

یہاں عورت کو ذکر و شکر کے ساتھ بیان فرمایا۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ عورت گھر کی غم خواری کرتی ہے۔ کھانا پکانا برتن دھونا جھاڑو دینا ایسے کاموں کے لیے کفایت کرتی ہے اگر مرد ایسے کاموں میں مشغول ہوگا تو علم و عمل اور عبادت سے محروم رہے گا۔ اس لیے دین کی راہ میں عورت اپنے خاوند کی یار و مددگار ہوتی ہے۔ اس بنا پر حضرت ابو سلیمان درانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نیک عورت امور دنیا سے نہیں ہے بلکہ اسباب آخرت سے ہے یعنی تجھے فارغ البال رکھتی ہے۔ تاکہ آخرت کے کاموں میں مشغول رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ایمان کے بعد نیک عورت سے بہتر کوئی نعمت نہیں ہے۔

پانچواں فائدہ عورتوں کے اخلاق پر صبر کرنا ہے اور ان کی ضروریات مہیا کرنا اور ان کو راہِ شرع پر قائم رکھنا اور یہ بڑی کوشش پر موقوف ہے اور یہ کوشش بہترین عبادت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے بیوی کو نفقہ دینا خیرات دینے سے بہتر ہے اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اہل و عیال کے لیے کسب حلال کرنا ابدالوں کا کام ہے حضرت ابن المبارک رحمتہ اللہ علیہ چند بزرگوں کے ساتھ جہاد میں مشغول تھے کسی نے پوچھا کوئی ایسا کام بھی ہے جو جہاد سے بہتر ہو۔ بزرگوں نے فرمایا جہاد

سے بہتر ہم کوئی کام نہیں جانتے۔ حضرت ابن المبارک نے فرمایا میں جانتا ہوں وہ کام یہ ہے کہ جس کے اہل و عیال ہوں وہ ان کو درستی کے ساتھ رکھے اور جب رات کو اٹھے لڑکوں کو ننگا کھلا دیکھے انہیں کپڑا اڑھادے۔ اس کا یہ عمل جہاد سے افضل ہوگا۔ حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا امام حنبلؒ میں تین خصلتیں ہیں۔ جو مجھ میں نہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے لیے اور اپنے زن و فرزند کے لیے کسب حلال کرتے ہیں۔ میں فقط اپنے ہی لیے کسب کرتا ہوں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ گناہوں میں ایک گناہ ایسا ہے کہ عیال داری کے رنج و مشقت کے سوا اور کچھ اس کا کفارہ نہیں۔

حکایت : ایک بزرگ تھے ان کی بیوی فوت ہوگئی دوسرے نکاح کے لیے بضد ہوئے۔ مگر وہ راغب نہ ہوئے اور فرمایا تنہائی میں حضور قلب اور دلجمعی بہت ہے ایک رات انہوں نے خواب دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور مردوں کا ایک گروہ آگے پیچھے اترتا ہے اور ہوا میں جاتا ہے۔ جب ان کے پاس آئے تو ایک نے کہا کہ کیا یہ وہی مرد شوم ہے دوسرے نے کہا ہاں کہ یہ وہی مرد شوم ہے۔ چوتھے نے کہا ہاں وہی ہے۔ یہ بزرگ ان لوگوں کی ہیبت سے خواب میں ڈرے اور کچھ نہ پوچھ سکے۔ ان سب کے بعد ایک لڑکا تھا اس سے پوچھا کہ ان لوگوں نے شوم کس کو کہا۔ اس نے کہا کہ تم ہی کو تو کہا ہے۔ اس لیے کہ پہلے تمہارے اعمال مجاہدین کے اعمال کے ساتھ آسمان پر لے جاتے تھے اب نہ معلوم تم نے کیا کیا ہے کہ ایک ہفتہ ہوا کہ تمہیں مجاہدین کے زمرے سے نکال دیا ہے وہ بزرگ جب بیدار ہوئے تو فوراً نکاح کیا تاکہ پھر مجاہدین میں داخل ہو جاؤں۔ ان فوائد کے پیش نظر نکاح کی خواہش کرنا چاہیے۔

نکاح کی آفات : تین ہیں ایک یہ کہ شاید کسب حلال نہ کر سکے۔ خصوصاً اس زمانہ میں اور شاید عیال داری کے سبب سے شبہے یا حرام کا مال پیدا کرے یہ امر اس کے دین کی تباہی اور عیال و اطفال کی خرابی کا باعث بنے گا اور کوئی نیکی اس کا تدارک نہیں کرتی۔ کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک بندے کے نیک عمل پہاڑ کے برابر ہوں گے اسے ترازو کے پاس ٹھہرا کر پوچھیں گے کہ تو نے اپنے عیال کو نفقہ کہاں سے دیا اس سے اس بات کی پکڑ ہوگی اور اس کی تمام نیکیاں اس وجہ سے رائیگاں ہو جائیں گی۔ اس وقت منادی ندا کرے گا۔ دیکھو یہ وہ شخص ہے کہ اس کے عیال اس کی تمام نیکیاں کھا گئے اور یہ گرفتار ہوا۔ حدیث شریف میں ہے "قیامت کے دن بندے سے پہلے اس کے عیال جھگڑیں گے اور کہیں گے کہ بار خدایا اس کا ہمارا انصاف کر کہ اس نے ہم کو حرام کھانا کھلایا ہم نہ جانتے تھے اور جو بات سکھانے کی تھی وہ ہمیں نہیں سکھائی ہم جاہل رہ گئے۔" تو جو شخص حلال ترکہ نہ پائے یا مال حلال نہ کمائے اسے نکاح نہ کرنا چاہیے۔ مگر جب کہ یقیناً جانتا ہو کہ اگر نکاح نہ کرے گا تو زنا میں مبتلا ہوگا۔

دوسری آفت یہ ہے کہ عیال کا حق بجا نہیں لایا جا سکتا مگر حسن خلق سے اور ان کی بے محل باتوں پر صبر کرنے اور برداشت کرنے سے اور ان کے کاموں کے نتائج بھگتنے پر آمادہ رہنے سے اور یہ امور ہر ایک سے نہیں ہو سکتے شاید عیال کو

ستائے اور گناہ گار ہو جائے- یا ان کی خبر نہ لے انہیں تباہ کرے- حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بیوی بچوں سے بھاگے گا اس کی مثالیں بھگوڑے غلام کی سی ہو گی- جب تک بیوی بچوں کے پاس نہ جائے نماز روزہ کچھ قبول نہیں ہوتا- غرض ہر ایک آدمی کا نفس ہے جب تک اپنے نفس سے نہ بر آئے اولیٰ یہ ہے کہ پرائے نفس کا ذمہ نہ اٹھائے حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ تم نکاح کیوں نہیں کرتے ہو- فرمایا کہ میں اس آیت سے ڈرتا ہوں :

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ
عورتوں کا مردوں پر ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کا عورتوں پر-

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کیوں نکاح کروں مجھے نکاح کی حاجت نہیں اور عورت کا حق ادا کرنے کی ضرورت نہیں-

تیسری آفت یہ ہے کہ دل جب اہل و عیال کے کام کی فکر میں ڈوبتا ہے آخرت کے خیال اور زادِ آخرت کی تیاری اور خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور جو چیز یادِ الٰہی سے روک رکھے- وہ تیری ہلاکت کا سبب ہے- اس لیے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُلْهِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِاللّٰهِ
اے مسلمانو! نہ غافل کرے تم کو مال تمہارا اور اولاد تمہاری یاد خدا سے- ۱۲

تو جس شخص کو یہ خیال ہو کہ رسول مقبول ﷺ کو عیال داری کا شغل خدا سے مہجور نہ کرتا تھا- اس طرح مجھ سے نہ ہو سکے گا- اور جانے کہ اگر میں نکاح نہ کروں گا تو ہمیشہ خدا کی یاد اور بندگی میں رہوں گا اور حرام سے بچوں گا تو نکاح نہ کرنا افضل ہے اور جسے زنا کا خوف ہو اسے نکاح کرنا بہتر ہے اور جسے اس کا خوف نہ ہو اسے نکاح نہ کرنا افضل ہے- مگر وہ شخص جو کسب حلال پر قادر اور اپنے خلق نیک و شفقت و مہربانی پر اعتماد رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ نکاح مجھے یادِ الٰہی سے باز نہ رکھے گا- اگر میں نکاح کروں گا تب بھی ہمیشہ یادِ الٰہی میں مشغول رہوں گا اس کے لیے نکاح کرنا اولیٰ ہے- واللہ اعلم-

پس جسے زنا کا خوف ہو اسے نکاح کرنا افضل ہے اور جسے یہ خوف نہ ہو اسے نکاح نہ کرنا بہتر ہے-

دوسرا باب : عقد نکاح کی کیفیت اور آداب میں اور ان صفتوں کے بیان میں جن کا عورت میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے

نکاح کی شرطیں پانچ ہیں- پہلی شرط ولی ہے کہ بے ولی نکاح درست نہیں- جس عورت کا ولی نہ ہو بادشاہ وقت اس کا ولی ہے- دوسری شرط عورت کی رضامندی ہے- لیکن جب عورت کم سن ہو تو اگر اس کا باپ یا دادا نکاح کرے تو اس کی رضامندی شرط نہیں ہے تاہم اولیٰ یہ ہے کہ اس کو خبر دیں اگر چپ رہے تو کافی ہے- تیسری شرط یہ ہے کہ دو گواہ عادل حاضر ہوں اور اولیٰ یہ ہے کہ متقی اور پرہیز گاروں کی جماعت اس وقت موجود ہو فقط دو گواہوں پر اکتفا نہ کریں- اگر وہ دو مرد موجود ہوں جن کا حال پوشیدہ ہے اور ان کا فسق مرد اور عورت کو معلوم نہیں- تو نکاح درست ہے- چوتھی شرط یہ ہے کہ جس طرح تزویج کا لفظ صراحتہً کہا جائے اسی طرح شوہر اور عورت کا ولی خواہ ان کا وکیل ایجاب و قبول کا لفظ بھی

صراحتہً کہے یا اس کی فارسی کہے اور سنت یہ ہے کہ نکاح کے خطبہ کے بعد ولی یوں کہے :
بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ فلاں عورت کا نکاح اتنے مہر پر تیرے ساتھ کر دیا اور شوہر کہے کہ :
اس نکاح کو میں نے اتنے مہر پر قبول کیا عقد سے پہلے عورت کو دیکھ لینا بہتر ہے تاکہ پسند کرے پھر عقد کرے کہ اس میں محبت والفت کی بڑی امید ہے - اور چاہیے کہ نکاح سے فرزند پیدا ہونا اور دل اور آنکھ کو برے کاموں سے بچانا مقصود ہو بالکل حظ و حرص ہی مقصود نہ ہو -

پانچویں شرط یہ ہے کہ عورت کا ایسا حال ہو کہ اس سے نکاح کرنا حلال ہو بیس صفتوں کے قریب ہیں جن کے باعث نکاح حرام ہوتا ہے - اس لیے کہ جو عورت دوسرے کے نکاح یا عدت میں ہو - یا مرتدہ یا بت پرست یا زندیق ہو یعنی قیامت اور رسول پر ایمان نہ رکھتی ہو - یا اباحتی ہو یعنی اجنبی مردوں کے ساتھ مل بیٹھنا اور نماز نہ پڑھنا اس کے نزدیک درست ہو اور کہے کہ میرے نزدیک یہ درست ہے اور آخرت میں اس امر پر عذاب نہ ہو گا یا نصرانیہ یا یہودیہ ہو یا ایسے کی نسل سے جس نے جناب ختم الانبیاء علیہ الصلوۃ والثناء کی رسالت کے بعد نصرانیت یا یہودیت اختیار کی ہو یا لونڈی ہو اور مرد آزاد عورت کے مہر دینے کی قدرت رکھتا ہے - یا زنا کا خوف نہ رکھتی ہو یا مرد اس کا مالک ہو کل کا مالک ہو - خواہ بعض کا یا قرابت میں مرد کی محرم ہو یا دودھ پینے کے سبب اس پر حرام ہو گئی یا قرابت کے سبب سے اس پر حرام ہے - مثلاً اس کی بیٹی یا ماں یا دادی سے پہلے نکاح کر کے یہی مرد صحبت کر چکا ہے یا اس مرد کے بیٹے یا باپ کے نکاح میں یہی عورت آچکی ہے یا اس مرد کی چار بیویاں موجود ہیں - یہ پانچویں ہوتی ہے - یا اس عورت کی بہن یا پھوپھی یا خالہ کو اپنے نکاح میں رکھتا ہے - کیونکہ دو بہنوں اور پھوپھی بھتیجی اور خالہ و بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا درست نہیں - وہ دو عورتیں جن میں ایسی قرابت ہو کہ ایک کو مرد اور ایک کو عورت فرض کریں - تو دونوں مرد اور عورت مفروضہ میں نکاح درست نہ ہو ان دونوں عورتوں کو بھی نکاح میں جمع کرنا درست نہیں ہے یا یہ عورت اس مرد کے نکاح میں تھی اس نے تین طلاقیں دیں ہیں - یا تین بار خرید و فروخت کی ہے - ایسی عورت جب تک دوسرا خاوند نہ کرے گی پہلے مرد پر حلال نہ ہو گی یا ان دونوں میں لعان واقع ہوا ہے - یا مرد عورت کا محرم یا حج و عمرہ کا احرام باندھے ہو یا وہ عورت کم سن یتیم ہو کہ کم عمر یتیمہ جب تک بالغ نہ ہو لے اس کا نکاح نہ کرنا چاہیے - ایسی سب عورتوں کا نکاح باطل ہے - نکاح حلال اور درست ہونے کے بھی شرائط ہیں - جن صفات و خوبیوں کا عورت میں دیکھ لینا سنت ہے - وہ آٹھ ہیں -

پہلی صفت پارسائی ہے اور یہی اصل ہے - اس لیے کہ اگر عورت پارسا نہ ہو اور شوہر کے مال میں خیانت کرے تو شوہر فکر مند رہے گا اور اگر اپنی عصمت میں خیانت کرے گی اور مرد خاموش رہے گا - تو حمیت دین کا نقصان ہے - لوگوں میں ذلیل اور بدنام ہو گا اور اگر خاموش نہ رہے گا تو زندگی تلخ ہو جائے گی اور اگر طلاق دے گا تو شاید اس کے دل سے لگی ہو - خوبصورت عورت ناپرہیزگاری بری بلا ہے (زن خوبصورت اگر ناپارسا ہے تو بری بلا ہے - نکاح سے قبل عورت کو دیکھ لینا امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے -) جب ایسی ہو تو اسے طلاق دینا بہتر ہے مگر یہ کہ دل سے لگی ہو - ایک شخص نے جناب

رسول مقبول ﷺ کے حضور میں اپنی بیوی کی ناپارسائی کا شکوہ کیا آپ نے فرمایا اسے طلاق دے دے۔ اس نے عرض کی یا حضرت میں اس سے محبت کرتا ہوں فرمایا تو اسے طلاق نہ دینا۔ اگر طلاق دے گا تو اس کے بعد مصیبت میں پڑے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی جمال یا مال کی خاطر کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے گا۔ تو وہ دونوں سے محروم رہے گا۔ اور جب دین کے لیے نکاح کرے گا تو دونوں مقصد بر آئیں گے۔

دوسری صفت حسن خلق ہے کہ بد مزاج عورت ناشکر گزار اور زبان دراز ہوتی ہے اور بے جا حکومت کرتی ہے۔ ایسی عورت کے ساتھ زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور دین میں خلل پڑتا ہے۔

تیسری صفت جمال ہے جو محبت و الفت کا ذریعہ ہے۔ اس لیے نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھ لینا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے انصار کی عورتوں کی آنکھ میں ایک چیز ہے کہ دل اس سے نفرت کرتا ہے۔ جو کوئی ان کے ساتھ نکاح چاہے پہلے انہیں دیکھ لے بزرگوں کا قول ہے کہ عورت کو بے دیکھے جو نکاح ہوتا ہے اس کا انجام پریشانی اور غم ہے اور جو حضرت نے فرمایا ہے کہ عورت کی طلب دین کے لیے کرنی چاہیے۔ جمال کے لیے نہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ فقط جمال کے لیے نکاح نہ کرے نہ یہ کہ جمال ڈھونڈے ہی نہیں۔ اگر نکاح کرنے سے فقط فرزند اور اتباع سنت کس شخص کا مقصود ہے۔ جمال نہیں چاہتا تو یہ پرہیز گاری ہے۔ امام احمد حنبلؒ نے کانی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور اس کی بہن جو خوبصورت تھی اس کی خواہش نہ کی کیوں کہ آپ نے سنا تھا کہ یہ کانی عقل میں اس خوبصورت سے بہتر ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ مہر کم ہو۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا عورتوں میں وہ بہت بہتر ہے جس کا حسن و جمال زیادہ اور مہر کم ہو۔ بہت مہر باندھنا مکروہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بعض عورتوں کا دس درہم مہر باندھا ہے اور اپنی بیٹیوں کا مہر چار سو درہم سے زیادہ نہیں باندھا۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ بانجھ نہ ہو رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ کھجور کی پرانی چٹائی جو گھر کے کونے میں پڑی ہو۔ بانجھ عورت سے بہتر ہے۔

چھٹی صفت یہ کہ عورت باکرہ یعنی کنواری ہو۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ بڑی جست ہو گی اور جو عورت ایک شوہر کو دیکھ چکی ہے۔ اکثر اس کا دل اسی طرف رہتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک غیر کنواری عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ رسول مقبول ﷺ نے ان سے فرمایا تو نے باکرہ کے ساتھ کیوں نکاح نہ کیا۔ وہ تیرے ساتھ کھیلتی اور تو اس کے ساتھ۔

ساتویں صفت یہ ہے کہ عورت شریف النسب ہو دین داری اور پرہیز گاری کے لحاظ سے کیونکہ بد اصل عورت بد اخلاق ہوا کرتی ہے اور شاید اس کے اخلاق اولاد میں اثر کریں۔

آٹھویں صفت یہ ہے کہ عورت عزیز و قریبی نہ ہو کہ شہوت بہت کم ہوتی ہے۔ عورتوں کی صفات یہی ہیں اس ولی پر جو اپنی لڑکی کا نکاح کرتا ہے واجب ہے کہ اس کی صلاح و فلاح کا لحاظ رکھے ایسے شخص کو اختیار کرے جو شائستہ ہو

بد خوزشت رو اور جو روٹی کپڑا نہ دے سکے اس سے پرہیز کرے- مرد اگر عورت کا کفو نہ ہو گا تو نکاح درست نہیں اور فاسق و بدکار کے ساتھ نکاح کرنا بھی درست نہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے- جس نے اپنی لڑکی کا نکاح فاسق کے ساتھ کر دیا- اس کا قطع رحم ہو جائے گا اور فرمایا نکاح لونڈی پن ہے ہوشیار رہ کہ اپنی لڑکی کو کس کی لونڈی بناتا ہے-

تیسرا باب: نکاح سے آخر تک عورتوں کے ساتھ معاشرت کے آداب میں اے عزیز جان کہ یہ بات جب معلوم ہو چکی کہ دین کے اصول میں سے ایک اصل نکاح بھی ہے تو آدمی کو چاہیے کہ دین کے آداب اس میں نگاہ رکھے- ورنہ آدمیوں کے نکاح اور جانوروں کو جفتی میں کچھ فرق نہ ہو گا- لہٰذا نکاح میں بارہ آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے-

پہلا ادب ولیمہ کا کھانا ہے- یہ سنت موکدہ ہے- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کیا تھا- جناب سید المرسلین ﷺ نے ان سے فرمایا:

اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ — یعنی دعوت ولیمہ کر اگرچہ ایک ہی بکری ہو-

اور جس کو بکری ذبح کرنے کی قدرت نہ ہو وہ کھانے کی جو چیز دوستوں کے سامنے رکھے گا وہی ولیمہ ہے رسول مقبول ﷺ نے جب ام المومنین حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کیا تو خرمے اور جو کے ستو سے دعوت ولیمہ کی تو جس قدر ممکن ہو تعظیم نکاح کے لیے اسی قدر ولیمہ کرے اگر تاخیر ہو تو ایک ہفتہ سے زیادہ نہ گزرنے پائے- دف بجانا اور اس سے اعلان کرنا سنت ہے (دف بجا کر اعلان نکاح اور خوشی کرنا سنت ہے) کیوں کہ روئے زمین پر آدمی سب مخلوق سے زیادہ عزت دار ہے اور نکاح اس کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے- تو یہ خوشی بجا ہے اور ایسے وقت سماع اور دف سنت ہے ربیع بنت معوذ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جس رات میں دلہن بنی اس کے دوسرے دن رسول مقبول ﷺ تشریف لائے کنیزیں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں- جب آپ کو دیکھا تو اشعار میں آپ کی تعریف کرنے لگے- آپ نے فرمایا تم جو پہلے کہتی تھی آپ نے اجازت نہ دی- اس لیے کہ آپ کی تعریف عمدہ بات ہے- اسے بے ہودہ باتوں کے ساتھ ملانا درست نہیں- دوسرا ادب یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ نیک خو رہیں- اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کو تکلیف نہ دیں- بلکہ یہ مراد ہے کہ مرد عورتوں کا رنج برداشت اور ان کے حکم محال اور ناشکری پر صبر کریں حدیث شریف میں آیا ہے عورتوں کو ضعف اور چھپانے کی چیز سے پیدا کیا گیا ہے- ان کے ضعف کا علاج خاموشی ہے اور چھپانے کی تدبیر یہ ہے کہ ان کو گھر میں بند رکھیں- رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنی بیوی کی بد خصلتی پر صبر کرے اس کو اتنا ثواب ملے گا- جتنا حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی مصیبت پر ملا- لوگوں نے سنا کہ جناب رحمتہ العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات شریف کے وقت آہستہ آہستہ یہ تین باتیں فرماتے تھے- نماز پڑھا کرو- لونڈی غلاموں کے ساتھ بھلائی کیا کرو اور عورتوں کے بارے میں اللہ ہی اللہ ہے یہ تمہاری قیدی ہیں- ان کے ساتھ اچھا نباہ کرو- رسول مقبول ﷺ عورتوں کے غصہ پر تحمل فرماتے تھے- ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بی بی نے غصہ سے ان کو

جواب دیا- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے بد زبان تو جواب دیتی ہے وہ بولیں ہاں- رسول مقبول ﷺ تم سے افضل ہیں- آپ کی ازواج مطہرات آپ کو جواب دیتی ہیں- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا- اگر ایسا ہے تو حفصہ رضی اللہ عنہا پر افسوس ہے کہ فرمانبردار نہ ہو- پھر اپنی بیٹی حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو رسول مقبول ﷺ کی بی بی تھیں- دیکھ کر کہنے لگے خبردار رسول مقبول ﷺ کو جواب نہ دیا کرو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کی برابری نہ کرنا کہ رسول مقبول ﷺ انہیں دوست رکھتے ہیں اور ان کی ناز برداری کرتے ہیں- رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے :

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَ هْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَهْلِیْ — یعنی تم میں وہ بہتر ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر ہے اور میں اپنی بیویوں کے ساتھ تم سے بہتر ہوں-

تیسرا ادب یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ مزاج اور خوش طبعی کرے ان سے رکا نہ رہے- اور ان کی عقل کے موافق رہے- اس لیے کہ کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ اتنی خوش طبعی نہ کرتا جتنی رسولِ مقبول ﷺ کرتے تھے- حتیٰ کہ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑے کہ دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے حضور ﷺ آگے نکل گئے- دوبارہ دوڑنے کا اتفاق ہوا- حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے نکل گئیں- حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ پہلے کا بدلہ ہو گیا- یعنی اب ہم تم برابر ہو گئے' ایک دن حبشیوں کی آواز سنی کہ کھیلتے اور کودتے ہیں- حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تم چاہتی ہو کہ دیکھو وہ بولیں- ہاں آپ نزدیک تشریف لائے اور ہاتھ پھیلایا- حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے بازو پر ٹھوڑی رکھ کر دیر تک دیکھتی رہیں- آپ نے فرمایا عائشہ ابھی بس نہ کرو گی جب وہ چپ ہو رہیں تین بار آپ نے فرمایا- تب انہوں نے بس کیا- امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوصف سختی اور تیزی کے جو ہر کام میں رکھتے ہیں- فرماتے ہیں کہ مرد اپنی اہلیہ کے ساتھ لڑکوں کی طرح اور خانہ داری کے بارے میں مردوں کی طرح رہے- بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مرد کو چاہیے کہ جب گھر میں آئے ہنستے ہوئے آئے جب باہر جائے چپ جائے اور جو کچھ پائے کھائے جو نہ پائے اسے نہ پوچھے چوتھا ادب یہ ہے کہ ٹھٹھا اور کھیل اس درجہ نہ بڑھائے کہ اس کا ڈر جاتا رہے اور برے کاموں میں عورتوں کے ساتھ موافقت نہ کرے بلکہ جب کوئی کام آدمیت اور شریعت کے خلاف دیکھے تو تنبیہ کردے- کیوں کہ اگر شبہہ دے گا متبع ہو جائے گا اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ — مرد غلبہ رکھنے والے ہیں عورتوں پر یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر-

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے :

تَعِسَ عَبْدُالزَّوْجَةِ — بیوی کا غلام بدبخت ہے-

اس لیے بیوی کو چاہیے کہ خاوند کی لونڈی بنی رہے- بزرگوں نے فرمایا ہے عورتوں سے مشورہ کرو لیکن ان کے کہنے کے خلاف عمل کرو- حقیقت میں عورتوں کی ذات نفس سرکش کے مانند ہے اگر ذرا بھی مرد ان کو ان کے حال پر چھوڑ

دے گا تو ہاتھ سے جاتی رہیں گی اور حد سے گزر جائیں گی اور تدارک مشکل ہو جائے گا- غرضیکہ عورتوں میں ایک طرح کی کمزوری ہے تحمل وبرداشت اس کا علاج ہے اور کجی بھی ہے- تدبیر و حکمت اس کی دوا ہے مرد کو چاہیے کہ طبیب حاذق کی طرح رہے- ہربات کا فوراً علاج کرے- لیکن چاہیے کہ صبر و تحمل زیادہ رکھے- کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے عورت کی مثال ایسی ہے جیسی پسلی کی ہڈی اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو ٹوٹ جائے گی- پانچواں ادب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے غیرت کی بات میں اعتدال ہاتھ سے نہ چھوڑے- جو چیز بلا اور آفت کا باعث ہو اس سے عورت کو منع کرے اور حتی المقدور باہر نہ نکلنے دے- چھت اور دروازے پر نہ جانے دے- تاکہ وہ نامحرم مرد اور نامحرم مرد اس کو نہ دیکھ سکے- اور کھڑکی دروازے سے مردوں کا تماشہ دیکھنے کی اجازت نہ دے کہ تمام آفات آنکھ سے پیدا ہوتی ہیں- گھر میں بیٹھے نہیں پیدا ہوتیں- بلکہ کھڑکی روشندان چھت' دروازے سے پیدا ہوتی ہیں- عورت کے تماشہ دیکھنے کو معمولی بات نہ سمجھے اور بلاوجہ اس سے بدگمان ہونا اور اس کی مذمت کرنا اور حد سے زیادہ اس سے شرم و غیرت رکھنا بھی نہ چاہیے- ہر امر کا بھید دریافت کرنے میں اصرار نہ کرے- ایک مرتبہ جناب سرور کائنات ﷺ شام کے قریب سفر سے واپس آئے اور فرمایا آج کی رات کوئی شخص اپنے گھر میں اچانک نہ جائے کل تک یہیں ٹھہر وان میں سے دو آدمیوں نے حکم عدولی کی دونوں نے اپنے اپنے گھر میں برا کام دیکھا- حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے- عورتوں پر غیرت کا بار حد سے زیادہ نہ رکھو کہ یہ امر لوگوں کو معلوم ہو گا تو طعنہ زنی کریں گے- بڑی غیرت یہ ہے کہ نامحرم پر عورت کی نظر نہ پڑنے دے رسول مقبول ﷺ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ عورتوں کے حق میں کیا چیز بہتر ہے- حضرت بی بی فاطمہ نے فرمایا یہ بہتر ہے کہ نامحرم مردان کو نہ دیکھے اور کسی غیر مرد کو وہ نہ دیکھیں- حضرت ﷺ کو یہ بات پسند آئی- حضرت بی بی فاطمہ کو گلے لگا کر فرمایا بضعۃٌ مِنّی یعنی تو میری جگر پارہ ہے- حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی عورت کو دیکھا کہ کھڑکی سے جھانکتی ہے- اُسے دیکھا کہ سیب میں سے ایک ٹکڑا خود کھایا اور ایک ٹکڑا غلام کو دیا- اس پر بھی مارا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے عورتوں کو اچھے کپڑے نہ پہناؤ تاکہ وہ گھر میں بیٹھیں- کیونکہ جب اچھے کپڑے پہنیں گی تو باہر جانے کی آرزو پیدا ہو گی- رسول مقبول ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو اجازت تھی کہ مسجد میں جائیں اور پچھلی صف میں رہیں- صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اپنے وقت میں منع کر دیا- حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اگر رسول مقبول ﷺ ملاحظہ فرماتے کہ ہمارے دور کی عورتیں کس حالت پر ہیں- تو مسجد میں نہ آنے دیتے اب مسجد و مجلس میں جانے مردوں کو دیکھنے سے منع کرنا بہت ہی ضروری ہے مگر بوڑھیا پرانی چادر اوڑھ کر جائے تو مضائقہ نہیں- اکثر عورتوں کے حق میں مجلس اور نظارہ سے فتنہ پیدا ہوتا ہے- جہاں کہیں فتنہ کا ڈر ہو وہاں عورت کو جانے دینا درست نہیں- ایک اندھا رسول مقبول ﷺ کے دولت خانہ میں آیا حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عورتیں وہاں بیٹھی تھیں نہ اٹھیں اور کہا کہ یہ اندھا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ اندھا ہے تو تم بھی کیا اندھی ہو-

چھٹا ادب یہ ہے کہ مرد عورت کو نفقہ اچھی طرح دے- تنگی نہ کرے اور فضول خرچی بھی نہ کرے اور یقین

رکھے کہ بیوی کو نفقہ دینے کا ثواب خیرات کے ثواب سے زیادہ ہے- حضور ﷺ نے فرمایا ہے جس کسی نے ایک دینار جہاد میں دیا-ایک دینار کا غلام مول لے کر آزاد کیا ایک دینار کسی مسکین کو دیا اور ایک دینار اپنی بیوی کو دیا- تو یہ دینار ثواب میں سب سے افضل ہے اور چاہیے کہ مرد اچھا کھانا اکیلا نہ کھائے اگر کھایا ہے تو چھپائے اور جو کھانا نہیں پکوا سکتا-اس کی تعریف عورتوں کے سامنے نہ کرے-ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہفتہ بھر میں ایک بار حلوا پکائے یا مٹھائی بنائے- دفعتہً شیرینی چھوڑ دینا بے مروتی ہے اگر کوئی مہمان نہ ہو تو اپنی بیوی کے ساتھ کھانا کھائے- کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے جو گھر والے آپس میں مل کر کھانا کھاتے ہیں-ان پر حق تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں اصل یہ ہے کہ جو نفقہ دے حلال کمائی سے پیدا کر کے دے- کیونکہ گھر والوں کو حرام مال سے پرورش کرنا بڑی خیانت ہے اور ظلم کا موجب ہے اس سے زیادہ اور کوئی ظلم اور خیانت نہیں-

ساتواں ادب یہ ہے کہ علم دین جو نماز طہارت اور حیض وغیرہ میں کام آتا ہے- عورتوں کو سکھائے اگر نہ سکھائے گا تو باہر جا کر عالم سے پوچھنا عورت پر واجب اور فرض ہے-اگر شوہر نے اسے سکھا دیا ہے تو اس کی بے اجازت باہر جانا اور کسی سے پوچھنا درست نہیں اگر دین سکھانے میں قصور کرے گا تو خود گنہگار ہو گا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :

قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا — اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ-

اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب غروب آفتاب سے پہلے حیض بند ہو جائے تو نماز عصر کی قضا ضروری ہے-اکثر عورتیں اس مسئلہ سے ناواقف ہیں-

آٹھواں ادب یہ ہے کہ اگر دو بیویاں ہیں تو ان کے درمیان عدل وانصاف کرے-حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو مرد ایک بیوی کی طرف مائل رہے گا قیامت کے دن اس کا آدھا بدن ٹیڑھا ہو گا- عطیہ دینے اور رات کو پاس رہنے میں دونوں سے مساوات کا لحاظ رکھے- یعنی محبت اور مباشرت کرنے میں عدل واجب نہیں کہ یہ امر اپنے اختیار میں نہیں- رسول مقبول ﷺ ہر شب ایک بی بی کے پاس رہتے-اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب سے زیادہ پیار کرتے اور فرماتے کہ یا اللہ جو امر میرے اختیار میں ہے میں اس کی کوشش کرتا ہوں لیکن دل میرے اختیار میں نہیں ہے اگر کوئی شخص کسی عورت سے سیر ہو جائے اور اس کے پاس جانے کو جی نہ چاہے تو اسے طلاق دے دے قید میں نہ رکھے- رسول مقبول ﷺ نے حضرت بی بی سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دینا چاہا کہ وہ بوڑھی ہو گئیں تھیں-انہوں نے عرض کی میں نے اپنی باری حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دی آپ مجھے طلاق نہ دیجئے- تاکہ قیامت کے دن آپ کی ازواج مطہرات میں میرا حشر ہو- حضور ﷺ نے ان کی عرض قبول فرمائی اور انہیں طلاق نہ دی-دو شب حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اور ایک ایک شب اور بیبیوں کے پاس رہنے لگے-

نواں ادب یہ ہے کہ اگر بیوی خاوند کی اطاعت نہ کرے اور نہ اس کی طاقت رکھے تو خاوند اس سے بہ نرمی و شفقت اپنی اطاعت کروائے اگر فرمانبرداری نہ کرے تو خاوند غصہ کرے اور سونے کے وقت اس کی طرف پشت کر کے سوئے اگر

اس طرح بھی مطیع نہ ہو تو تین راتیں اس سے علیحدہ سوئے۔اگر یہ امر بھی مفید ثابت نہ ہو تو اسے مارے مگر منہ پر نہ مارے اور اتنے زور سے نہ مارے کہ زخمی ہو جائے۔اگر نماز یا دین کے کسی اور کام میں قصور کرے تو مہینہ بھر تک اس سے خفا رہے کیونکہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ایک پورا مہینہ سب بیبیوں سے ناراض رہے تھے۔

دسواں ادب یہ ہے کہ صحبت کرنے میں قبلہ کی طرف سے منہ پھیر لے۔ پہلے پہل بات چیت کھیل پیار بوس و کنار سے اس کا دل خوش کرے۔رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ مرد کو نہ چاہیے کہ اپنی عورت پر جانور کی طرح گرے۔صحبت سے پہلے قاصد ہوتا ہے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ وہ قاصد کیا ہے آپ نے فرمایا بوس و کنار۔جب کرنا چاہے تو کہے: بِسْمِ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ: اور اگر قل ہو اللہ پڑھ لے تو بہتر ہے اور کہے:

اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مِمَّا رَزَقْتَنَا

اے اللہ دور رکھ مجھے شیطان سے اور دور رکھ شیطان کو اس چیز سے جو تو نے مجھے عطا کی۔

کہ حدیث شریف میں ہے۔جو شخص یہ دعا پڑھے گا اس کے ہاں جو فرزند پیدا ہوگا۔شیطان سے محفوظ رہے گا اور انزال کے وقت اس آیت کریمہ کا دھیان رکھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے پیدا کیا پانی سے آدمی کو پس کر دیا اسے نسب اور سسرال والا۔

اور جب منزل ہونے لگے تو رکے تاکہ عورت کو بھی انزال ہو جائے۔حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں مرد کی عاجزی کی نشانی ہیں۔ایک یہ کہ کسی کو دیکھے کہ اس سے دوستی رکھتا ہے اور اس کا نام دریافت نہ کرے۔دوسری یہ کہ کوئی بھائی اس کی تعظیم و تکریم کو رد کر دے۔تیسری یہ کہ بوس و کنار سے پہلے بیوی سے صحبت کرنے لگے اور جب اس کی حاجت روائی ہونے لگے تو صبر نہ کرے کہ عورت کی بھی حاجت روائی ہو جائے۔امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ چاند رات اور پندرھویں شب اور مہینے کی آخر رات صحبت کرنا مکروہ ہے۔کہ ان راتوں میں صحبت کرنا مکروہ ہے کہ ان راتوں میں صحبت کرنے کے وقت شیطان حاضر ہوتے ہیں اور حالت حیض میں صحبت سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔لیکن حیض والی عورت کے ساتھ برہنہ سونا درست ہے اور حیض کے بعد غسل سے پہلے بھی صحبت نہ کرنا چاہیے۔جب ایک بار صحبت کر چکے تو دوبارہ ارادہ کرے۔تو چاہیے کہ اپنا بدن دھو ڈالے اگر ناپاک آدمی کوئی چیز کھانا چاہے تو چاہیے کہ وضو کر لے اور اگر سونا چاہے تو بھی وضو کر لے۔اگرچہ نجس رہے گا کہ سنت یہی ہے اور غسل سے پہلے بال نہ منڈوائے ناخن نہ کٹوائے تاکہ جنابت کی حالت میں اس سے بال و ناخن جدا نہ ہوں اور چاہیے کہ منی بچہ دان میں گرائے پھیر نہ لے اور اگر عزل کرے (بالفتح بابیکار اور بیکار کرنا) تو صحیح یہ ہی ہے کہ حرام نہیں۔رسول مقبول ﷺ سے ایک مرد نے پوچھا یارسول اللہ ایک لونڈی میری خادمہ ہے۔میں نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو کیوں کہ پھر کام نہیں کر سکے گی۔آپ نے فرمایا عزل کرے اگر تقدیر میں ہے تو خود بخود بچہ پیدا ہوگا۔پھر وہ

شخص حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ بچہ پیدا ہوا- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے :

كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ ہم عزل کرتے تھے- قرآن اترتا تھا- ہمیں ممانعت نہیں ہوئی-

گیارہواں ادب یہ ہے کہ جب اولاد ہو تو اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہے- حدیث شریف میں ہے جو شخص ایسا کرے گا تو لڑکا بچپن کی بیماریوں سے محفوظ رہے گا اور اچھا نام رکھنا چاہیے- حدیث شریف میں ہے عبداللہ اور عبدالرحمٰن اور اس طرح کے نام خدا کے نزدیک سب ناموں سے افضل ہیں- لڑکا اگر پیٹ سے گر پڑے یعنی اگر حمل ساقط ہو جائے تو بھی اس کا نام رکھنا سنت ہے-

اور عقیقہ سنت موکدہ ہے- لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکرا اور لڑکے کے لیے دو بکرے ذبح کرنا چاہیے اور اگر ایک ہے تو بھی اجازت ہے- حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے عقیقہ کے بکرے کی ہڈی نہ توڑنا چاہیے اور سنت یہ ہے کہ جب لڑکا پیدا ہو تو اس کے منہ میں میٹھی چیز ڈالیں- ساتویں دن اس کے بال منڈوائیں اور اس کے بالوں کے برابر چاندی یا سونا صدقہ کریں- اور چاہیے کہ آدمی لڑکی سے کراہت اور لڑکے سے بہت خوشی نہ کرے- آدمی نہیں جانتا کہ بھلائی کس میں ہے- لڑکی بہت مبارک ہے اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے- رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور ان کے سبب محنت اٹھائے تو اس مہربانی کے عوض جو وہ کرتا ہے- حق تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا- کسی نے عرض کی اگر ایک ہی ہو فرمایا تو بھی اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جس شخص کے ایک لڑکی ہو وہ رنجور ہے- جس شخص کے دو ہوں وہ گران بار ہے جس کے تین ہوں اے مسلمانو! اس کی مدد اور اعانت کرو (جس مسلمان کی تین لڑکیاں ہوں مسلمانو اس کی مدد کرو) کہ وہ میرے ساتھ جنت میں ہے- جیسے دو انگلیاں یعنی مجھ سے نزدیک رہے گا- اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص بازار سے میوہ مول لے کر گھر آئے وہ ثواب میں صدقہ کی طرح ہے- چاہیے کہ پہلے لڑکی کو دے پھر لڑکے کو جو لڑکی کو خوش کرے گا وہ ایسا ہے جیسا خدا تعالیٰ کے خوف سے رویا اور جو خدا کے خوف سے روئے اور پر آتش دوزخ حرام ہو جاتی ہے-

بارہواں ادب یہ ہے کہ حتی الامکان بیوی کو طلاق نہ دے کہ طلاق دینا اگرچہ مباح ہے- لیکن حق تعالیٰ اس سے راضی نہیں- طلاق کا لفظ زبان پر لانا عورت کے لیے سخت تکلیف دہ ہے اور کسی کو تکلیف دینا کیسے درست ہو گا- مصرعہ :

گر ضرورت بود روا باشد (مگر بوقت ضرورت جائز ہے) جب طلاق کی ضرورت پڑے تو چاہیے کہ ایک طلاق سے زیادہ نہ دے کہ یکمشت تین طلاقیں دینا مکروہ ہے- حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے اور پاکی کے ایام میں اگر صحبت کی ہے تو بھی حرام ہے اور چاہیے کہ شفقت کے طور پر طلاق میں کچھ عذر معذرت کرے- غصہ و حقارت کے لہجہ میں طلاق نہ دے اور طلاق کے بعد عورت کو تحفہ دے تاکہ اس کا دل خوش ہو اور عورت کی پوشیدہ باتیں کسی سے نہ کہے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ میں فلاں عیب کے باعث طلاق دیتا ہوں- ایک شخص سے لوگوں نے پوچھا تو کیوں طلاق دیتا ہے کہا میں اپنی بیوی کا راز

فاش نہیں کر سکتا جب طلاق دے چکا تو لوگوں نے پوچھا تو نے کیوں طلاق دی اس نے کہا مجھے پرائی عورت سے کیا کام کہ اس کا بھید ظاہر کروں۔

فصل : یہ جو بیان کیا گیا۔ شوہر پر بیوی کا حق ہے۔ لیکن بیوی پر شوہر کا بہت زیادہ حق ہے۔ کیوں کہ حقیقت میں بیوی خاوند کی لونڈی ہے۔ حدیث شریف میں ہے اگر خدا کے سوا اور کو سجدہ کرنا درست ہو تو بیویوں کو حکم ہو تا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کریں۔ بیوی پر خاوند کے جو حق ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ بیوی گھر بیٹھے خاوند کے بے حکم باہر نہ جائے۔ کھڑکی میں اور چھت پر نہ آئے۔ پڑوسیوں سے دوستی اور بہت باتیں نہ کیا کرے۔ بلا ضرورت ان کے گھر نہ جائے۔ اپنے خاوند کی بھلائی کے سوا اور کچھ نہ کہے اس سے اور خاوند سے صحبت اور نباہ کرنے میں جو بے تکلفی ہوتی ہے کسی سے نہ کہے ہر کام میں خاوند کے مقصود اور خوشی کا طالب رہے۔ خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے۔ خاوند سے نرمی سے پیش آئے۔ خاوند کا دوست دروازہ کھٹکھٹائے تو اس طرح جواب دے کہ وہ اسے نہ پہنچانے کہ یہ صاحب خانہ کی بیوی ہے۔ خاوند کے سب دوستوں سے پردہ کرے تاکہ وہ اسے نہ پہنچانیں۔ جو کچھ میسر ہو اس پر خاوند کے ساتھ قناعت کرے۔ زیادہ طلبی نہ کرے۔ خاوند کا حق اپنے عزیزوں سے زیادہ جانے۔ اپنے آپ کو ہمیشہ ایسا صاف ستھرا رکھے جیسا صحبت کے لیے ہونا چاہیے اور جو کام اپنے ہاتھ سے کر سکتی ہے کرے خاوند کے سامنے اپنے حسن و جمال پر فخر نہ کرے۔ خاوند کے احسان کی ناشکری نہ کرے یہ نہ کہے کہ تو نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ہر وقت خرید و فروخت اور طلاق کا سوال بلاوجہ نہ کرے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے میں نے دوزخ میں نگاہ ڈالی تو وہاں بہت سی عورتوں کو پایا اس کا سبب پوچھا معلوم ہوا کہ اپنے خاوندوں پر لعن طعن اور ان کی ناشکری کرنے کی سزا میں گرفتار ہیں۔

☆............☆............☆
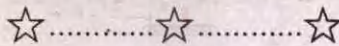
تیسری اصل کسب و تجارت کے آداب میں

اے عزیز یہ بات جان کہ دنیا راہِ آخرت کی منزل ہے اور آدمی کو کھانے پینے کی حاجت ہے اور کھانا پینا بے کسب ممکن نہیں تو کسب کے آداب بھی جاننا چاہیے۔ کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو ہمہ تن دنیا کمانے میں مصروف کرے گا وہ بدبخت ہو گا اور جو شخص خدا پر توکل کر کے اپنے آپ کو بالکل آخرت کے کام بنانے میں مصروف کرے گا وہ نیک بخت ہے۔ لیکن درمیانہ درجہ یہ ہے کہ آدمی دنیا کمانے میں بھی مصروف ہو اور آخرت کے کام بنانے میں بھی مگر مقصود آخرت ہی ہو اور دنیا کمانا فقط آخرت کے کام بنانے میں فراغت حاصل ہونے کے لیے ہو کسب کے وہ احکام و آداب جن کا جاننا ضروری ہے۔ ہم پانچ بابوں میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا باب کسب کی فضیلت اور ثواب کے بیان میں : اے عزیز جان کہ اپنے آپ کو اور اہل و عیال کو لوگوں سے بے پرواہ رکھنا اور کسب حلال سے ان کی کفالت کرنا راہ دین میں جہاد کرنا ہے اور بہت سی عبادات سے افضل ہے۔ ایک دن جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے۔ صبح تڑکے ایک قوی جوان ادھر سے گزرا اور ایک دکان میں چلا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا افسوس یہ اس قدر سویرے راہِ خدا میں اٹھا ہوتا۔ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کہو کیوں کہ اگر وہ اپنے آپ کو یا اپنے ماں باپ یا بیوی لڑکوں کو لوگوں سے بے پروا کرنے جاتا ہے تو بھی وہ خدا کی راہ میں ہے اور اگر تفاخر اور لاف زنی تونگری کے لیے جاتا ہے تو شیطان کی راہ میں ہے رسول مقبول علیہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص لوگوں سے بے پرواہ ہونے یا اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی غرض سے دنیا میں طلب حلال کرتا ہے۔ قیامت کے دن اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح منور و تاباں ہو گا اور فرمایا کہ سچا تاجر قیامت کے دن صدیقین و شہدا کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور فرمایا ہے پیشہ ور مسلمان کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور فرمایا پیشہ ور کی کمائی سب چیزوں سے حلال ہے اگر وہ نصیحت بجا لائے۔ اور فرمایا تجارت کرو کیونکہ روزی کے دس حصے ہیں۔ نو حصے فقط تجارت میں ہیں اور فرمایا ہے جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس پر مفلسی کے ستر دروازے کھول دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا پوچھا تو کیا کام کرتا ہے عرض کی عبادت کرتا ہوں۔ پوچھا روزی کہاں سے کھاتا ہے۔ عرض کی میرا ایک بھائی ہے وہ مجھے روزی مہیا کر دیا کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کسب نہ چھوڑو اور یہ نہ کہو کہ حق تعالیٰ روزی دیتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ آسمان پر سے سونا چاندی نہیں بھیجتا۔ یعنی اس بات کی اسے قدرت ہے مگر کسی حیلہ سے روزی دینا اس کی عادت ہے۔ حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا کسب نہ چھوڑنا کہ جو شخص لوگوں کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کا دین تنگ ہو جاتا ہے۔ عقل ضعیف ہو جاتی ہے۔ مروت زائل ہو جاتی ہے۔ لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک

بزرگ سے لوگوں نے پوچھا عابد بہتر ہے یا تاجر امانت دار اس بزرگ نے فرمایا تاجر امانت دار بہتر ہے کہ وہ جہاد میں ہے۔ کیونکہ شیطان ترازو اور لین دین کے پردے میں اس کا درپے رہتا ہے لیکن وہ اس کے خلاف کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے "میں کسی جگہ اپنی موت کو اس سے زیادہ دوست نہیں رکھتا کہ میں بازار میں اپنے عیال کے لیے طلب حلال میں مصروف ہوں اور میری موت آجائے۔ حضرت امام حنبل رحمتہ اللہ تعالیٰ سے لوگوں نے پوچھا آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو عبادت کے لیے مسجد میں بیٹھ رہے اور کہے خدا مجھے رزق دے گا۔ امام صاحب نے فرمایا وہ جاہل ہے شرع نہیں جانتا اس لیے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے میری روزی میرے نیزہ کے سایہ میں رکھی ہے۔ یعنی جہاد کرنے میں اور اوزاعی نے حضرت ابراہیم ادہم قدس سرہ کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا گردن پر اٹھائے ہیں۔ پوچھا آپ کا یہ کسب کب تک ہوگا۔ آپ کے مسلمان بھائی آپ کے اس رنج و تکلیف کو دور کر سکتے ہیں فرمایا چپ رہو کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی طلب حلال کے لیے ذلیل جگہ کھڑا ہوگا۔ اس کے لیے بہشت واجب ہو جاتی ہے۔

سوال: اگر کوئی یہ کہے کہ حضور رسالتمآب ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔

مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَجْمَعَ الْمَالَ وَاَکُنْ مِنَ التَّاجِرِیْنَ وَلٰکِنْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السَّاجِدِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ

یعنی خدا مجھ سے یہ نہیں فرماتا کہ مال جمع کر اور سوداگروں میں سے ہو بلکہ یہ فرماتا ہے تسبیح کر اپنے پروردگار کی اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو اور اپنے پروردگار کی عبادت کر آخیر عمر تک۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ عبادات کرنا کسب سے بہتر ہے۔

جواب: یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ جو شخص اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے کافی مال رکھتا ہو۔ اس کے لیے بالاتفاق عبادت کسب سے بہتر ہے اور جو کسب کفایت و ضرورت کی مقدار سے زیادہ طلبی کے لیے ہو اس میں کچھ فضیلت نہیں۔ بلکہ اس میں نقصان ہے اور دنیا سے دل لگانا ہے ایسا کسب سب گناہوں کا سردار ہے اور وہ شخص جو مال نہیں رکھتا مگر مال صالح سے اس کی بسر اوقات ہوتی ہے اسے کسب نہ کرنا اولیٰ ہے اور یہ چار قسم کے لوگوں کے لیے ہے۔ ایک وہ شخص جو ایسے علم میں مشغول ہو جس سے لوگوں کو دینی نفع ہو مثلاً علام شرعیہ یا دنیا کا فائدہ ہو جیسے علم طب' دوسرا وہ شخص جو عہدہ قضا اور وقف و مصالح خلق میں مشغول ہو تیسرا وہ شخص جو اس خانقاہ میں جو عابدوں کے لیے وقف ہو بیٹھ کر اوراد و عبادت ظاہری میں مشغول رہے۔ چوتھا وہ شخص جس کے باطن میں صوفیائے حالات و مکاشفات کا راستہ کھلا ہو۔ ایسے لوگوں کو کسب معاش نہ کرنا اولیٰ ہے۔ تو اگر ان کی روزی لوگوں کے ہاتھ سے پہنچتی ہو اور ایسا زمانہ ہو کہ بے سوال کیے اور بے احسان

مانے لوگ خود ایسے نیک کاموں میں رغبت رکھتے ہوں تو اس صورت میں کسب معاش نہ کرنا بہتر ہے-

حکایت : اگلے زمانے میں ایک بزرگ تھے ان کے تین سو ساٹھ دوست تھے وہ بزرگ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے اور سال بھر ہر رات ایک دوست کے مہمان رہتے- ان کے دوستوں کی یہ عبادت تھی کہ انہیں فارغ البال رکھتے یہ امر اس وجہ سے تھا کہ خیر کا دروازہ لوگوں پر کھلا رہے- ایک بزرگ کے تیس دوست تھے- مہینہ بھر ہر رات ایک دوست کے پاس رہتے- لیکن جب ایسا زمانہ ہو کہ بے سوال کیے اور ذلت اٹھائے لوگ دینے کی طرف راغب نہ ہوں- تو اپنی بسر اوقات کے لیے کسب کرنا بہتر ہے- کیوں کہ سوال کرنا برا کام ہے اور بضرورت حلال ہوتا ہے- مگر وہ شخص جو عظیم المرتبہ ہو اور اس کے ذریعے سے بہت فائدہ ہو اور تلاش روزی میں اس کی تھوڑی سی ذلت ہو تو اس وقت ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کے لیے کسب معاش نہ کرنا اولیٰ ہے- لیکن وہ شخص جس سے ظاہری عبادت کے سوا اور کوئی فیض و فائدہ نہیں ہوتا اسے کسب کرنا اولیٰ ہے اور جو شخص عین کسب معاش میں دل خدا کے ساتھ مشغول رکھتا ہے- اس کے لیے کسب معاش بہتر ہے کیونکہ یاد خدا سب عبادتوں کی حقیقت ہے اور کسب معاش میں بھی وہ دل خدا کے ساتھ مشغول رکھ سکتا ہے-

دوسرا باب علم کسب میں تاکہ شرائطہ شرعیہ کے مطابق ہو : اے عزیز جان کہ یہ ایک بہت بڑا باب ہے- ہم نے اس کا بیان کتب فقہ میں کیا ہے اس کتاب میں بقدر حاجت بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ ضروری مسائل جان لیں اور اگر کچھ مشکل در پیش ہو تو پوچھ سکیں، جو اس قدر بھی نہ جانے وہ حرام و بیاج میں مبتلا ہوگا- تو جاننا چاہیے کہ کسب تجارت اکثر چھ قسم کا ہوتا ہے- بیع، ربوا، سلم، اجارہ، قراض، شرکت تو ہم ان اقسام کی تمام شرائط بیان کرتے ہیں-

پہلا عقد بیع ہے بیع کے مسائل جاننا فرض ہے- کیونکہ ہر ایک کو اس سے سروکار ہو سکتا ہے- امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں جا کر درے مارتے اور فرماتے کہ مسائل بیع سیکھے بغیر کوئی شخص اس بازار میں لین دین نہ کرے ورنہ دانستہ نادانستہ سود میں مبتلا ہو جائے گا-

اے عزیز جان کہ بیع کے تین رکن ہیں- ایک مول لینے والا اور بیچنے والا جنہیں عاقد کہتے ہیں- دوسرا مال تجارت اسے معقود علیہ کہتے ہیں- تیسرا رکن لفظ بیع ہے- پہلا رکن عقد بیع کرنے والا عاقد ہے- اسے چاہیے کہ پانچ قسم کے لوگوں سے معاملہ نہ کرے- لڑکے، دیوانے، لونڈی، غلام، اندھے، حرام کھانے والے سے جو لڑکا بالغ نہ ہوں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی بیع باطل ہے- گو ولی کے حکم سے ہو- اور دیوانہ کا بھی یہی حکم ہے آدمی جو کچھ ان سے مول لے گا وہ اگر ضائع ہو جائے تو مول لینے والے پر تاوان ہوگا اگر انہیں کچھ دے گا تو اس کا تاوان ان سے نہیں لے سکتا کیونکہ اس نے خود انہیں دے کر مال ضائع کیا اور لونڈی غلام کی بیع اس کے مال کی اجازت کے بغیر باطل ہے- قصاب نان بائی، بنیئے وغیرہ جب تک مالک سے اجازت نہ لے لے تب تک انہیں لونڈی غلام سے معاملہ کرنا درست نہیں- یا کوئی عادل خبر دے یا شہر میں

مشہور ہو کہ اس کو اس کے مالک نے معاملہ کرنے کی اجازت دے دی ہے تو اگر مالک کی اجازت کے بغیر اس سے کچھ لیں گے تو ان پر تاوان ہو گا اور اگر اسے کچھ دیں گے تو جب تک وہ آزاد نہ ہو جائے اس سے تاوان نہیں مانگ سکتے۔اندھے کا کیا ہوا معاملہ باطل ہے مگر اس صورت میں کہ ایک وکیل بینا مقرر کرے وہ جو کچھ لے گا اس پر تاوان لازم آئے گا کیونکہ وہ مکلف اور آزاد ہے۔

حرام کھانے والے جیسے ترک' ظالم' چور' سود دینے والے' شراب بیچنے والے' ڈاکو' گویئے' نوحہ خوانی کرنے والے' جھوٹی گواہی دینے والے اور رشوت کھانے والے ان سب کے ساتھ معاملہ درست نہیں ہے اگر لین دین کرے اور تحقیق ہو کہ ان سے جو کچھ خریدا ہے ان ہی کی ملک ہے تو حرام نہیں درست ہے اور اگر یقین ہو کہ جو چیز لی وہ ان کی ملک کی نہیں تو معاملہ باطل ہے اور مشتبہ ہو تو پھر یہ دیکھے کہ اگر زیادہ مال حلال ہے تھوڑا حرام کا مال ہے تو معاملہ درست ہے۔تاہم شبہ سے خالی نہیں۔اگر زیادہ حرام کا مال ہے تھوڑا سا مال حلال ہے تو ہم ظاہراً معاملہ کو حرام نہیں کر سکتے۔یہ شبہ حرام کے قریب ہے اور اس کا خطرہ بہت بڑا ہے۔یہود اور نصاریٰ کے ساتھ اگرچہ معاملہ کرنا درست ہے۔لیکن قرآن شریف ان کے ہاتھ بطور ہدیہ نہ دے۔یہود اور نصاریٰ کے ہاتھ قرآن شریف ہدیہ نہ کرے۔یعنی نہ بیچے۔اور مسلمان لونڈی غلام ان کے ہاتھ نہ فروخت کرے اور اگر حربی ہو تو ہتھیار بھی ان کے ہاتھ نہ بیچے کہ یہ معاملہ ظاہر مذہب کی رو سے باطل ہے اور بیچنے والا گناہ گار ہو گا۔اہل اباحت بے دین ہیں ان کے ساتھ لین دین باطل ہے۔ایسے لوگوں کا قتل کرنا اور مال لے لینا حلال ہے بلکہ جو لوگ کسی چیز کے مالک نہیں اور ان کا نکاح باطل ہے اور ان کا حکم مرتدوں کے مانند ہے اور جو شخص شراب پینے' نامحرم عورتوں کے پاس بیٹھنے اور نماز نہ پڑھنے کو ان سات شبہات میں سے کسی ایک شبہ کے باعث جو عنوان مسلمانی میں مذکور ہوئے درست جانے وہ زندیق ہے۔اس سے لین دین اور نکاح نہیں کرنا چاہیے۔

دوسرا رکن مال ہے جس پر عقد منعقد ہوتا ہے اس میں چھ شرائط ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ مال نجس نہ ہو۔لہذا کتے' سور' گوہ' ہاتھی کی ہڈی' شراب' مردار' روغن مردار کی بیع باطل ہے۔ ہاں پاک روغن میں اگر نجاست پڑ جائے تو اس کی بیع حرام نہیں ہے۔اس طرح جو کپڑا ناپاک ہو جائے لیکن مشک نافہ اور تخم ابریشم کی بیع درست ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ دونوں پاک ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مال میں کچھ منفعت مقصود پائی جاتی ہے تو چوہے' سانپ' بچھو اور حشرات الارض کی بیع باطل ہے۔کھیل تماشہ کرنے والوں کو سانپ میں جو نفع ہے۔وہ شرع میں باطل ہے۔گیہوں کہ ایک دانہ یا اور کوئی چیز جس میں معتدبہ فائدہ نہ ہو اس کی بیع باطل ہے۔مگر بلی' مماکھی' چیتا' شیر' بھیڑیا وغیرہ جس کی ذات میں یا چمڑے میں منفعت ہو تو بیع درست ہے۔طوطے' مور اور خوبصورت چڑیوں کی بیع درست ہے کہ ان سے یہ منفعت ہوتی ہے کہ آدمی کو ان کے دیکھنے سے راحت پیدا ہوتی ہے اور بربط' چنگ ورباب کی بیع باطل ہے۔ان چیزوں سے منفعت اٹھانا حرام ہے اور ان کا نفع کالعدم ہے۔اور لڑکوں کے کھیلنے کے لیے مٹی کے کھلونے جو بناتے ہیں اگر حیوان کی صورت بنائی ہے۔تو اس کی قیمت

حرام ہے اور اس کا توڑنا واجب ہے۔ درخت اور پھول پتی بنانا درست ہے کہ اس کپڑے کا تکیہ بچھونا درست ہے۔ جس طباق اور کپڑے میں تصویر ہو اس کی بیع درست ہے کہ اس کپڑے کا تکیہ بچھونا بنانا درست ہے۔ پہننا درست نہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مال بیچنے والے کی ملک ہو کیونکہ اگر دوسرے کا مال بے اجازت بیچے گا تو بیع باطل ہے۔ گو خاوند کا مال ہو خواہ باپ یا بیٹے کا ہو اور اگر بیچنے کے بعد مالک نے اجازت دی تو بھی بیع درست نہ ہو گی کہ پہلے سے اجازت چاہیے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ایسی چیز بیچے جو مول لینے والے کو حوالے کر سکے۔ تو جو لونڈی غلام بھاگ گیا ہو۔ اور جو مچھلی پانی میں اور چڑیا ہوا میں اور بچہ پیٹ میں اور نطفہ گھوڑے کی پیٹھ میں ہو اس کی بیع درست نہیں۔ کیونکہ اس کا فوراً حوالے کر دینا بیچنے والے کے اختیار میں نہیں۔ اور جو بال جانور کی پیٹھ پر یا جو دودھ تھن میں ہو اس کی بیع بھی باطل ہے۔ کیونکہ جب تک حوالہ کرے گا نیا دودھ جو پیدا ہوتا ہے۔ اس میں یہ دودھ مل جائے گا اور مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن میں رکھی ہوئی چیز کی بیع بھی باطل ہے اور اس لونڈی کی بیع بھی باطل ہے جو بچے کی ماں بن چکی ہو۔ یعنی ام ولدہ۔ کیونکہ وہ مشتری (خریدنے والے) کے حوالے نہیں کی جا سکتی۔ نیز وہ لونڈی جس کا بچہ چھوٹا ہو اس بچے کو علیحدہ کر کے صرف لونڈی کی بیع یا لونڈی کے بغیر صرف بچے کی بیع بھی منع ہے۔ کیونکہ ان دونوں ماں بیٹا میں جدائی ڈالنا حرام ہے۔

پانچویں شرط عین مال۔ اس کی مقدار اور اس کی صفت و حالت بھی معلوم ہونا بیع کے لیے ضروری ہے۔ عین مال نہ جاننے کی صورت میں یہ ہے کہ مثلاً کہے اس ریوڑ میں سے ایک بکری یا اس گٹھڑی میں سے ایک تھان جو تو چاہے گا دوں گا اس طرح کی بیع باطل ہے۔ اگر فروخت کرنا چاہتا ہے تو چاہیے کہ الگ کر کے اس کی طرف اشارہ کر کے فروخت کرے اور اگر یہ کہے کہ اس سرزمین میں سے دس گز میں نے تیرے ہاتھ فروخت کر دی جس طرف سے چاہے لے لے۔ تو یہ بیع بھی باطل ہیں مقدار معلوم کرنے کی وہاں ضرورت ہے جہاں مال آنکھ سے نہ دیکھا ہو۔ مثلاً فروخت کرنے والا کہے میں نے تیرے ہاتھ اتنے کو فلاں چیز فروخت کی جتنے کو فلاں نے فروخت کی ہے۔ یا فلاں چیز کے ہموزن سونے اور چاندی کے عوض اور عین و ثمن دونوں کی مقدار معلوم نہ ہو۔ تو یہ بھی باطل ہے۔ لیکن اگر کہے کہ اتنے گیہوں اتنے بھر سونے یا چاندی کے عوض میں نے تیرے پاس فروخت کیے اور خریدار دیکھ رہا ہو تو یہ بیع درست ہے۔

شے کی صفت و حالت کا جاننا اس طرح ہوتا ہے کہ جو چیز پہلے دیکھی نہیں اسے دیکھ لے یا بہت عرصہ پہلے دیکھی تھی اور اس مدت میں وہ چیز ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہو جانے والی ہو تو اس کی بیع بھی باطل ہے اور جو کپڑا ٹاٹ یا موٹے کپڑے میں لپیٹا ہو۔ یا گندم ابھی خوشوں میں ہو تو اس کی بیع بھی باطل ہے اور جب لونڈی خرید کرے تو اس کے سر کے بال اور ہاتھ پاؤں جو بردہ فروش عادۃً دیکھتے ہیں' دیکھ لے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز دیکھنے سے رہ جائے گی تو بیع باطل ہو گی اور اگر کوئی مکان خریدا اس کا ایک حصہ و درجہ بھی اگر دیکھنے سے رہ گیا تو بیع باطل ہے۔ ہاں اخروٹ' بادام' سبزی' انار اور مرغی کا انڈا اگر چھلکے میں بند ہیں تو مصلحتاً ان کی اسی طرح بیع درست ہے۔ اسی طرح تر سبزی' کچے اخروٹ اگر چھلکے میں ہوں تو ان کی بیع بھی درست ہے۔ فقاع (ایک قسم کی گھاس) کی بیع باطل ہے کہ وہ پوشیدہ ہوتی ہے۔ البتہ اجازت کے

ساتھ اس کا استعمال مباح ہے-
چھٹی- خریدی چیز پر جب تک قبضہ نہ ہو آگے اس کی بیع درست نہیں- پہلے قبضے میں لائے پھر فروخت کرے-

بیع کا تیسرا رکن : عقد ہے- زبان سے یہ کہنا ضروری ہے کہ میں نے یہ چیز فروخت کی اور خریدار کہے میں نے خریدی- یا یوں کہے فلاں چیز کے عوض میں نے یہ چیز تجھے دی اس کے جواب میں وہ کہے میں نے قبول کی- یا کوئی اور ایسا لفظ زبان سے کہے جو بیع کا مفہوم ادا کرتا ہے- اگرچہ صریح بیع کا لفظ نہ ہو- لہذا اگر لین دین سے پہلے کوئی لفظ نہ بولا ہو تو بیع درست نہ ہو گی- جیسا کہ ہمارے زمانے میں بے لفظ بولے خرید و فروخت کا رواج ہو چکا ہے- ہاں معمولی درجے کی چیزوں میں درست ہے کہ اس کا رواج ہو چکا ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی یہی ہے اور شافعی حضرات نے بھی رخصت کے طور پر اس قول کو پسند کیا ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق تین وجہ سے اس پر فتویٰ دینا بعید نہیں ہے-

۱- اس کی ضرورت و حاجت عام ہو چکی ہے-
۲- صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بھی اس کا رواج تھا کہ لفظ بیع کی بہ تکلف ضرورت کو دشوار جانتے ہوتے تو ضرور اسے نقل کرتے چھپا کر نہ رکھتے-
۳- اگر ایک بات کا رواج پڑ جائے تو اسے قول کے قائم مقام کر لینا روا نہیں- جیسا کہ ہدیہ میں- ظاہر ہے کہ لوگ جو کچھ بطور ہدیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے جاتے تھے- اس میں ایجاب و قبول کا تکلف نہ ہوتا تھا- اور ہر زمانے میں ایسا ہی رواج رہا ہے- اور جس چیز میں عوض نہ ہو اس میں مطابق عادت صرف فعل سے ملک حاصل ہو جاتی ہے- تو بیع میں کہ عوض (قیمت) موجود ہے- فقط فعل سے ملک کا حاصل ہو جانا ناجائز نہیں ہے- لیکن ہدیے میں عادت و رواج کے مطابق تھوڑے اور زیادہ میں فرق نہیں کیا گیا- مگر قیمتی شے میں لفظ بیع کا رواج تھا- مثلاً مکان' زمین' پانی' غلام' جانور اور قیمتی کپڑا- تو ایسی چیزوں میں اگر خرید و فروخت کا لفظ نہ کہا جائے گا تو یہ سلف کے خلاف عادت ہو گا اور اس طرح ملک حاصل نہ ہو گی- تاہم گوشت' روٹی' میوہ اور دیگر معمولی اور متفرق چیزیں جو خریدی جاتی ہیں- ان میں حسب عادت و رواج اجازت دے دینا بے دلیل نہیں اور معمولی اور قیمتی اشیاء کے مدارج ہیں- لہذا اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آیا یہ چیز معمولی اشیاء میں سے ہے یا نہیں اور ان درجات کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا تو احتیاط ملحوظ رکھنا ضروری ہے-

واضح رہے کہ اگر کسی نے گندم کی ایک مانی (دس من) خریدی مگر لفظ بیع و شرا نہ کہا تو اس کی ملک نہ ہو گی کے یہ معمولی چیزوں میں سے نہیں ہے- تاہم اس میں سے کھانا اور اس میں تصرف کرنا حرام ہے- کیونکہ خود بائع کے سپرد کرنے کی وجہ سے اباحت و جواز حاصل ہو چکا ہے- اگرچہ ملک حاصل نہیں ہوئی- اگر اس میں سے کسی کی دعوت و مہمان گا تو اس

کا کھانا حلال ودرست ہے- کیونکہ مالک کا خریدنے والے کے سپرد کر دینا قرینہ حالیہ کے طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے لیے حلال کر دیا ہے- مگر بشرط عرض اور اگر صراحۃً کہتا کہ میرا اناج مہمان کو دے پھر تاوان ادا کر تو درست ہوتا اور تاوان لازم ہوتا- جب اس نے اس فعل کو دلیل قرار دیا تو یہاں بھی جواز حاصل ہو گیا- لفظ بیع نہ کہنے سے یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ شے اس کی ملک نہیں ہوتی اور وہ خریدنے والا آگے فروخت کرنا چاہے تو فروخت نہیں کر سکتا- اور خریدنے والے کے اس سے کھا لینے سے قبل اگر مالک واپس کرنا چاہے تو کر سکتا ہے-

جاننا چاہیے کہ بیع اس صورت میں درست ہے جبکہ کوئی شرط (فاسد) نہ لگائے- کیونکہ اگر اس نے مثال کے طور پر لکڑی کا گٹھا خریدا اور بیچنے والے کو اس شرط کا پابند کیا کہ اسے میرے گھر پہنچایا مثلاً گندم خریدی اور شرط لگائی کہ اس کا آٹا پیس دے- یا مجھے قرض دے- یا کوئی اور شرط لگائے- ان سب صورتوں میں بیع باطل ہو گی- مگر چھ شرائط لگانے سے باطل نہ ہو گی- ایک یہ کہ یہ شرط لگائے- فلاں چیز میرے پاس رہن رکھ- یا کسی کو گواہ بنا یا فلاں شخص کو ضامن بنا- یا ابھی قیمت ادا کر اتنے عرصے تک مجھے منظور نہیں یا تین دن یا اس سے کم میں ہم دونوں کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے- تین دن سے زیادہ کا اختیار نہیں- چھٹے یہ کہ غلام اس شرط پر خریدے کہ وہ لکھنا یا کوئی پیشہ جانتا ہو تو ایسی شرائط بیع کو باطل نہیں کرتیں-

دوسرا عقد ربوا (سود) ہے- یہ نقد اور غلہ دونوں میں ہوتا ہے- مگر نقد میں دو چیزیں حرام ہیں- ایک ادھار فروخت کرنا کیونکہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے بدلے فروخت کرنا جائز نہیں جب تک دونوں موجود نہ ہوں اور ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے قبضہ نہ کر لے- اگر اس مجلس بیع میں قبضہ نہ کریں گے تو بیع باطل ہو گی- دوسرے یہ کہ سونا چاندی سونے چاندی کے عوض فروخت کرے تو اس میں زیادتی حرام ہے اور اس دینار کو جو ثابت ہو اس دینار یا پیسے کے کہ عوض فروخت کرنا درست نہیں جو ثابت نہ ہو- اور کھوٹے کو کھوٹے کے عوض زیادتی کے ساتھ بھی فروخت نہ کرنا چاہیے- بلکہ کھرا کھوٹا اور سالم و شکستہ برابر ہونا چاہیے اور اگر کوئی کپڑا سالم دینار سے خریدا اور پھر اسے ٹوٹے ہوئے دینار یا اس کی مقدار پیسوں سے فروخت کر دیا تو درست ہے اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور ہریوہ کے سونے کو جس میں چاندی ملی ہوتی ہے کھرے سونے چاندی سے فروخت نہیں کرنا چاہیے- اور نہ ہی ہریوہ کے سونے کے عوض فروخت کرنا چاہیے- بلکہ چاہیے کہ درمیان میں کوئی چیز اور بھی ہو- اور جس نقرہ یا طلائی چیز کا سونا چاندی کھرا نہ ہو اس کا بھی یہی حال ہے- اسی طرح اگر موتی کی لڑی میں سونا ہو تو اس کو سونے کے عوض فروخت کرنا درست نہیں- اسی طرح سونے کی تاروں والا کپڑا سونے کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں- مگر جب کہ کپڑے میں زر قیمت کے برابر اور جلانے کے بعد اتنا ہی سونا نکلے- اور اگر اناج کی دو جنسیں ہوں تو بھی اناج اناج کے عوض ادھار فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ ایک ہی مجلس میں دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے اور ایک ہی جنس ہو جیسے گندم کے عوض گندم فروخت کی تو بھی ادھار جائز نہیں اور نہ ہی زیادتی کے ساتھ جائز ہے- بلکہ ناپ میں برابر ہو تول میں برابر ہونا بھی کفایت نہیں کرتا- بلکہ ہر شے کی برابری اور مساوات اس کے حال کے مطابق دیکھی جائے گی- جس انداز کی عادت ہو- تو قصاب کو گوشت کے عوض بکرا دینا- نانبائی

کو روٹی کے عوض گندم دینا- تیلی کو تیل کے عوض ثابت تل دینا اور ناریل دینار جائز نہیں اور نہ ہی یہ بیع درست ہے اور نہ منعقد ہو گی اور جو شخص بیع تو نہ کرے مگر اس ارادے سے دے کہ اس کے عوض روٹی لے تو اس کا کھانا مباح اور جائز ہے- مگر یہ روٹی اس کی ملک نہ ہو گی- اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہ ہو گا اور نانبائی کے لیے اس گندم میں تصرف تو جائز ہے مگر اسے فروخت نہیں کر سکتا بلکہ روٹی لینے والے کی گندم نانبائی کے ذمہ اور نانبائی کی روٹی روٹی لینے والے کے ذمہ باقی رہتی ہے- جب چاہیں ایک دوسرے سے مانگ سکتے ہیں- اگر ایک نے دوسرے کو صاف کر دیا تو کافی نہ ہو گا- کیونکہ اگر ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اس شرط پر تجھے معاف کیا کہ تو بھی معاف کر دے تو باطل ہے اور اگر یہ شرط صراحتہً نہ لگائی اور یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھے معاف کیا اور دوسرے کو معلوم ہے کہ اس کے دل میں یہ شرط ہے کہ اس ایک من گندم کے بغیر اسے نہیں دے گا تو اس طرح معافی نہ ہو گی- تو یہ معافی اس جہان میں اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان حاصل ہے کہ یہ رضامندی فقط زبانی ہے نہ دل سے اور جو رضامندی دل سے نہ ہو وہ اس جہاں میں کام نہ آئے گی- ہاں اگر اس طرح کہے کہ تو مجھے معاف کرے یا نہ کرے میں نے معاف کر دیا اور دل میں بھی یہی بات ہو تو جائز ہے- پھر اگر دوسری جانب والا بھی چھوڑ دے تو اس کا بھی یہی حال ہے اور اگر ایک دوسرے کو معاف نہ کرے اور دونوں کی چیزیں مقدار اور قیمت میں برابر ہوں تو دنیا میں ان سے کچھ جھگڑا نہیں اور اس جہاں میں بدلہ متصور ہو جائے گا- اگر کچھ کمی زیادتی ہے تو دنیا میں جھگڑے اور جہان آخرت میں حق دار کے حق کا ڈر ہے-

اور جاننا چاہیے کہ اناج سے جو چیز بنتی ہے اسے اسی اناج کے عوض فروخت نہ کرنا چاہیے- اگرچہ برابر ہی کیوں نہ ہو اور جو چیز گندم سے بنتی ہے جیسے آٹا' روٹی' خمیر اسے گندم کے بدلے فروخت نہ کرنا چاہیے- علیٰ ہذا القیاس انگور کو سرکہ اور شہد کے بدلے دودھ کو پنیر کے بدلے اور مکھن کے عوض فروخت کرنا درست نہیں- بلکہ انگور کو انگور کے عوض اور تر کھجور کو تر کھجور کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں- جب تک کہ انگور کا منقیٰ نہ بن جائے- اور تر کھجور خشک کھجور نہ بن جائے- اس کی تفصیل دراز ہے- جو کچھ بیان کیا گیا سیکھنا ضروری تھا- جب کوئی ایسا موقعہ پیش آئے جس کا اسے علم نہ ہو تو علماء کرام سے دریافت کرے اور اس بات سے پرہیز کرنا چاہیے تا کہ حرام میں مبتلا نہ ہو جائے- دریافت کرنے میں کوتاہی نہ کرے- کیونکہ جس طرح علم پر عمل کرنا فرض ہے- اسی طرح علم حاصل کرنا بھی فرض ہے-

تیسرا عقد: سلم ہے- اس میں دس شرائط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے-

پہلی شرط یہ ہے کہ عقد میں کہے مثلاً یہ چاندی یا یہ سونا یا یہ کپڑا جیسا بھی ہو اس خریدار کے لیے سلم کے طور پر میں نے دیا اور جس صفت کی گندم مقصود و مطلوب ہو اس چیز کی قیمت سے بدلے جا سکیں- اور صفت کا حسب عادت کہنا ضروری سمجھا جاتا ہو تو سب واضح طور پر کہہ دے- تا کہ دوسری جانب والے کو پتہ چل جائے- اور وہ کہے میں نے قبول کیا- اور اگر لفظ سلم کے بدلے کہے کہ اس طرح کی چیز میں نے مول لی تو بھی درست اور ٹھیک ہے-

دوسری شرط یہ ہے کہ جو چیز دے بے حساب کیے نہ دے بلکہ اس کا ناپ تول کرلے۔ اگر واپس کرنے کی ضرورت پڑے تو پتہ ہو کہ کتنی دی تھی اور کتنی لینی ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں راس المال (روپے) اس کے حوالے کردے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ سلم ایسی چیز میں کرے جس کے حال وصف وغیرہ سے معلوم ہو جائے۔ جیسے اناج' روٹی' جانور کے بال' ریشم' دودھ' گوشت' حیوان مگر جو چیز کئی چیزوں سے مل کر بنی ہو اور ان کی مقدار الگ الگ معلوم نہ ہو۔ جیسے مختلف اشیاء سے مرکب خوشبو یا ہر ایک چیز سے علیحدہ مرکب ہو۔ جیسے ترکی کمان یا بنی ہوئی ہو۔ کفش موزہ' جوتا' تراشا ہوا تیر ان سب میں بیع سلم باطل ہے۔ کیونکہ یہ اشیاء صفت پذیر نہیں۔ بیان سے ان کی پوری کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی اور صحیح یہ ہے کہ روٹی میں سلم جائز ہے۔ اگرچہ نمک اور پانی کی اس میں ملاوٹ ہوتی ہے۔ مگر وہ مقدار مقصود نہیں اور جہالت پیدا نہیں کرتی جو جھگڑا کا باعث بنے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ اگر وعدہ پر خریدتا ہے تو مدت معلوم ہونی چاہیے۔ یہ نہ کہے کہ غلہ تیار ہونے تک کیونکہ یہ ہمیشہ ایک وقت میں نہیں ہوتا اور اگر کہے نوروز مشہور ہو یا یہ کہے کہ جمادی الاول تک تو درست ہے اور اسے جمادی الاول پر عمل کریں گے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ اس چیز میں سلم کرے جسے وقت وعدہ میں موجود پاتا ہو۔ اگر میوہ میں سلم کرے گا تو جب تک وہ میوہ پختہ نہ ہو سلم باطل ہے۔ اگر اس وقت اکثر پک گیا ہے تو درست ہے۔ پھر اگر کسی آفت اور حادثے کے باعث دیر ہو جائے تو اگر اس کی مرضی ہو تو مہلت دے ورنہ بیع فسخ کر کے مال واپس لے لے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ پہلے دریافت کرلے کہ کہاں دی جائے گی۔ شہر یا گاؤں میں جہاں سپرد کرنا ممکن ہو وہ جگہ مقرر کرلے تاکہ اس کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی جھگڑا پیدا ہو۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ کسی معین کی طرف اشارہ نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ اس باغ کے انگور یا اس زمین کے گیہوں کہ یہ باطل ہے۔

نویں شرط یہ ہے کہ ایسی چیزیں سلم نہ کرے جو نایاب ہو جیسے بڑے موتی کا دانہ جو بے نظیر ہو یا خوبصورت لونڈی یا حسین لڑکا یا اس طرح کی اور چیزیں۔

دسویں شرط یہ ہے کہ کسی اناج میں سلم نہ کرے جب کہ راس المال اناج ہو جیسے جو گندم' باجرہ وغیرہ کہ ان میں سلم نہ کرے۔

چوتھا عقد : اجارہ ہے۔ اس کے دو رکن ہیں۔ ایک اجرت دوسرا منفعت۔

پہلا رکن : اجرت، عاقد اور لفظ عقد کا وہی حکم ہے کہ بیع میں مذکور ہوا۔ اور اجرت کا حال بھی معلوم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ مسائل بیع میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اگر کوئی مکان تعمیر پر کرایہ کو دے تو جائز اور درست نہیں کیونکہ تعمیر نامعلوم ہے اور اگر یہ کہہ دے کہ مثلاً دس درہم صرف کر کے تعمیر کرائے تو یہ بھی درست نہیں۔ کہ تعمیر فی نفسہ مجہول چیز ہے اور جو قصاب کہ بکرا صاف کرتا ہے۔ اس کی مزدوری میں کھال دینی اور پس ہاری کی پسائی میں چوکر بھوسی یا ذرا سا آٹا دینا درست نہیں۔ جو چیز مزدور کے کام کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں سے مزدوری دینی جائز نہیں ہے اور اگر یہ کہے کہ یہ دوکان میں نے مہینے بھر کے لیے ایک دینار کرایہ پر تجھے دی تو یہ امر بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ اجارہ کی مدت معلوم نہیں ہوئی۔ یہ کہنا چاہیے کہ ایک سال یا دو سال کے لیے کرایہ پر دی تاکہ اجارہ کی ساری مدت معلوم ہو جائے۔

دوسرا رکن : منفعت ہے واضح ہو کہ جو اہز مباح اور معلوم ہو اور اس میں کچھ محنت و مشقت ہو اور اس میں نیابت کی بھی گنجائش ہو اس میں اجارہ درست ہے۔ مگر پانچ شرائط ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اس عمل میں قدر و قیمت اور رنج و محنت ہو۔ اگر کوئی دکان کے سنوارنے کے لیے کرایہ پر لے یا کپڑا سکھانے کے لیے درخت یا سونگھنے کے لیے کوئی سیب کرایہ پر لے یہ اجارہ باطل ہے کیونکہ ان کاموں کی کچھ قدر و قیمت نہیں یہ گندم کے ایک دانہ فروخت کرنے کی طرح ہے۔ اگر کوئی آڑھتی یا دلال ایسا شان و شوکت والا ہو کہ اس کی ایک ہی بات سے مال فروخت ہو جاتا ہو اور اس کی مزدوری مقرر کر دے تاکہ وہ ایک بات کہہ دے اور مال بک جائے۔ تو یہ اجارہ باطل ہے اور مزدوری حرام ہے کہ اس میں کوئی مشقت و محنت نہیں۔ بلکہ آڑھتی اور دلال کے لیے اس وقت مزدوری حلال ہوتی ہے۔ جب اسے بہت سی باتیں کرنی پڑیں بہت سا چلنا پھرنا پڑے یہاں تک کہ اس میں محنت مشقت اور دشواری ہو اس صورت میں بھی اجرت مثل سے زیادہ واجب نہ ہو گی اور یہ جو عادت مقرر ہو چکی ہے کہ پانچ درہم سینکڑہ لیتے ہیں اور مال کے اندازے کے مطابق لیتے ہیں محنت کے مطابق نہیں لیتے۔ یہ اجرت حرام ہے۔ پس آڑھتیوں اور دلالوں کا مال جو اس طرح حاصل کرتے ہیں مالِ حرام ہے دلال اس مال حرام سے دو طریقوں سے بچ سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جو کچھ اسے دے دیا جائے لے لے تکرار نہ کرے اپنی محنت کے مطابق طلب کرے قیمت کی مقدار پر جھگڑا نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ پہلے کہہ دے کہ جب یہ چیزیں فروخت کر دوں گا تو ایک درہم یا دینار لوں گا۔ وہ شخص راضی ہو جائے گا تو دلال یہ نہ کہے قیمت میں سے پانچ درہم سینکڑوں لوں گا۔ کیوں کہ وہ مجہول ہے۔ معلوم نہیں خریدار کتنے کو خریدے گا۔ اس کا یہ کہنا باطل ہے اسے اس کی محنت کے مطابق اجرت دینے کے سوا اور کچھ دینا لازم نہ ہو گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اجارہ منفعت پر ہو نہ عین شے پر۔ اگر باغ یا انگور کا درخت اجارہ پر لیا تاکہ میوہ لے یا گائے اجارہ پر لی تاکہ دودھ حاصل کرے یا گائے اجارے پر دی کہ وہ گھاس دانہ کھلائے اور آدھا دودھ لے یہ سب اجارے باطل ہیں

کیونکہ چارہ اور دودھ وغیرہ سب مجہول ہیں مگر عورت کو بچہ کے دودھ پلانے کے لیے اجارہ درست ہے کیونکہ اصل مقصود بچہ کی نگہبانی ہے اور اس کا تابع دودھ ہے۔ جیسے کاتب کی سیاہی۔ درزی کا دھاگہ کہ اس قدر مجہول عمل کے ساتھ میں جائز ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ایسے کام پر اجارہ کرے جو کام اس کے سپرد کرنا ممکن و مباح ہے۔ اگر کمزور آدمی کو ایسے کام پر مقرر کیا جو اس سے نہیں ہو سکتا تو یہ باطل ہے۔ یا حیض والی عورت کو مسجد صاف کرنے کے لیے اجرت پر مقرر کیا تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اس کو یہ فعل کرنا حرام ہے اگر کسی کو تندرست بچے کے دانت اکھاڑنے کو یا صحیح سلامت ہاتھ کاٹنے کو یا بالیاں پہنانے یا کان چھدوانے کی اجرت پر مقرر کرے تو یہ سب باطل ہے۔ کیونکہ یہ باتیں شرع میں درست نہیں۔ ایسے کاموں کی اجرت لینا حرام ہے۔ اسی طرح گودنے والوں کا حکم ہے۔ مردوں کے لیے اطلس کی ٹوپی ریشمی قبا جو درزی سیتے ہیں ان کی اجرت حرام ہے۔ نہ ایسے کاموں کا اجارہ درست ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کسی نے کسی کو نٹ بازی سکھانے کے لیے مقرر کیا تو یہ حرام اور اس کا تماشا بھی حرام ہے۔ کیونکہ جو ایسا کرے گا وہ اپنی جان کے خطرے میں ہے اور جو شخص تماشا دیکھنے کھڑا ہو گا وہ اس کے خون میں شریک ہو گا۔ لوگ اس کا تماشا دیکھنا چھوڑ دیں یا نہ دیکھیں تو وہ اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالے۔ جو ایسے نٹوں وغیرہ کو کچھ دے گا تو وہ گناہ گار ہو گا کیونکہ وہ لوگ بے فائدہ اور خطرناک کام کرتے ہیں۔ اسی طرح مسخرے گویے اور نوحہ گر اور ہجو کرنے والے شاعر کو مزدوری دینا حرام ہے۔ قاضی کو حکم دینے کے عوض اور گواہ کو گواہی کے عوض اجرت دینا حرام ہے۔ مگر قاضی کو چک یا قبالہ یا فرمان کی لکھائی کی اجرت دینا جائز ہے۔ کیونکہ کتابت اس کے ذمہ واجب نہیں بشرطیکہ اوروں کو ان کاغذات کے لکھنے سے نہ روکے۔ اکیلا آپ ہی لکھے اور اس کاغذ کی مزدوری جو گھڑی بھر میں لکھا ہے دس دینار یا ایک دینار مانگے تو حرام ہے۔ اگر اوروں کو منع نہ کرے اور یہ کہہ دے کہ میں اپنے ہی خط سے لکھوں گا اور دس دینار لوں گا تو اس صورت میں جائز اور درست ہے۔ اگر کوئی اور لکھے اور یہ فقط دستخط یا مہر لگائے اور اس کا معاوضہ طلب کرے اور کہے کہ یہ مجھ پر لازم و ضروری نہیں تو یہ حرام ہے۔ کیونکہ اس قدر کام جس سے لوگوں کے حقوق مستحکم ہوں قاضی پر واجب و لازم ہے۔ اگر واجب نہ بھی ہو یہ محنت ایک دانہ گندم کی طرح ہے۔ جس کی کچھ قیمت نہیں اور اس نشانی یا مہر یا دستخط کی قدر و قیمت اس وجہ سے ہے کہ حاکم شرع کا خط ہے۔ جو شخص جاہ و مرتبہ کے لحاظ سے حاکم ہوا سے اجرت لینی مناسب نہیں۔ مگر قاضی کے وکیل کی اجرت حلال ہے بشرطیکہ ایسے قاضی کا وکیل نہ ہو۔ جو حقداروں کے حقوق تباہ کرتا ہو۔ چاہیے کہ حق کے فیصلہ کرنے والے کا وکیل بنے اور اسے حق ثابت کرنے والا جانے یا اس بات سے بے علم ہو کہ یہ حق ضائع کرنے والا ہے۔ بشرطیکہ جھوٹ نہ بولے اور اسے حق ثابت کرنے والا جانے یا اس بات سے بے علم ہو کہ یہ حق ضائع کرنے کا ارادہ کرے اور جب حق ظاہر ہو جائے تو خاموشی اختیار کرے اور ایسی بات کا انکار کرنا درست ہے جس کے اقرار سے کوئی حق ضائع ہو رہا ہو اور اس ثالث کو جو جھگڑنے والوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ دونوں سے لینا جائز نہیں۔ کیونکہ ایک جھگڑے میں کام تردد سے نہیں کر سکتا۔ مگر ایک کی طرف سے کوشش کر کے ایسی محنت و مشقت اٹھائے جس کی اجرت و قیمت ہو تو اس کی اجرت حلال اور جائز ہو گی۔ بشرطیکہ جھوٹ جو حرام ہے اس سے اجتناب

کرے اور دغے بازی سے بھی بچے اور دونوں کی طرف سے جو حق ہو اسے پوشیدہ نہ کرے- اور ہر ایک کو بلاوجہ نہ ڈرائے اور وہ صلح پر راضی ہو- کیونکہ اگر وہ حقیقت حال جانتے تو صلح پر آمادہ نہ ہوتے اور ایسے ثالث سے صلح ہو بھی نہیں سکتی- اکثر ثالثی ظلم اور جھوٹ فریب سے خالی نہیں ہوتی- یہ اجرت حرام ہے- جب ثالث جان لے کہ ایک فریق کا حق درست ہے- تو اسے یہ جائز نہیں کہ حقدار کو کسی حیلہ بہانہ سے ایسی بات پر مجبور کرے کہ وہ حق سے کم پر صلح کر لے- ہاں اگر یہ جانتا ہو کہ یہ اس پر ظلم کرے گا تو کسی طریقہ سے ڈرائے تاکہ وہ اس برے ارادے سے باز آجائے- اس میں اسے اجازت ہے اور جس پر دیانت مخالف ہو اور جانتا ہے کہ جو بات وہ زبان پر لائے گا اس کا حساب اس سے لیا جائے گا کہ کیوں اس طرح کہا اور کس بنا پر کہا- صحیح کہا یا جھوٹ اور اس بارے میں اچھا ارادہ رکھتا تھا- یا برا تو ممکن نہیں کہ ایسے شخص سے ثالثی یا وکالت یا حکم وقوع پذیر ہو- لیکن وہ شخص جو امیروں سے کسی کام میں سعی و کوشش کر کے اجرت وصول کرتا ہے تو یہ درست کرتا ہے- بشر طیکہ ایسا کام کرے جس میں دقت اور تکلیف ہو- اور فخر و جاہ اور اپنے اثر ورسوخ کی اجرت و قیمت وصول نہ کرے اور جس کام میں اجرت لینا درست ہے اس میں گفتگو اور سعی اور کوشش کرے- اگر ظالم کی فتح یابی یا حرام روزینہ کے لیے کہے یا سچی گواہی کو چھپائے یا حرام کے لیے گفتگو کرے تو گناہگارہ ہوگا اور اس کی اجرت حرام ہے- اجارہ کے باب میں ان احکام کا جاننا ضروری ہے- کیونکہ دینے والا اور لینے والا دونوں گناہگار ہوتے ہیں اور اس کی تفصیل دراز ہے- مگر اس کتاب میں اس قدر بیان کردہ مسائل سے ناواقف آدمی مشکل مقامات جان لے گا اور یہ بات بھی جان لے گا کہ فلاں بات اور فلاں مسئلہ جاننا ضروری ہے-

چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ کام اس پر پہلے سے واجب ولازم نہ ہو- کیونکہ واجب میں نیابت نہیں اگر نمازی کو جہاد کے لیے اجرت دے کر مقرر کیا تو درست نہیں کیونکہ جب وہ صف جنگ میں جائے گا تو خود اس پر لڑنا ضروری ہو جائے گا- قاضی اور گواہ کی اجرت بھی اسی بنا پر درست نہیں اور کسی کو نماز یا روزہ کے لیے اجرت ادا کرنا تاکہ وہ اس کی جگہ نماز روزہ ادا کرے جائز نہیں کہ ان کاموں میں نیابت درست نہیں اور حج کے لیے اس شخص سے اجرت لینا درست ہے جو معذور اور عاجز ہو- اور تندرست ہونے کی امید نہ ہو- قرآن مجید کی تعلیم اور وہ علم جو راہ دین میں مددگار ہو اس کے سکھانے کی اجرت حق کرنا جائز ہے اور قبر کھودنا' مردے کو نہلانا' جنازہ اٹھانا- اگرچہ فرض کفایہ ہے مگر ان کی اجرت لینا بھی درست اور روا ہے- نماز تراویح کی امامت کی اجرت میں علماء کرام کا اختلاف ہے- صحیح یہ ہے کہ اس کی اجرت حرام نہیں- یہ اس تکلیف کے مقابلے میں ہے کہ وقت پہچان کر آتا ہے- وہ اجرت اذان و نماز کے مقابلہ میں نہیں ہے مگر یہ اجرت کراہت و شبہ سے خالی نہیں-

پانچویں شرط یہ ہے کہ عمل معلوم ہو جب کوئی جانور کرایہ پر لے تو اسے دیکھ لینا چاہیے اور کرایہ والا معلوم کر لے کہ کتنا بوجھ اور کب سوار ہوگا- اور کتنے دن اسے اس کام میں مصروف رکھے گا- اور اس باب میں جو عرف و عادت ہو وہی کافی ہے اگر زمین ٹھیکہ پر لے تو یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ میں فلاں چیز کاشت کروں گا- کیونکہ چنے کی کاشت کرنے

سے زمین کو گندم کاشت کرنے کی نسبت زیادہ نقصان پہنچتا ہے- ہاں اگر عادت ہو تو وضاحت ضروری نہیں اسی طرح ہر طرح کے اجارہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کا علم ہو تاکہ بعد میں کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہو- اور جس اجارے میں ایسی جہالت پائی جاتی ہو جس سے جھگڑا پیدا ہو سکتا ہو تو وہ اجارہ باطل ہے-

پانچواں عقد : عقدِ قراض ہے- اس کے تین رکن ہیں-

پہلا رکن - سرمایہ ہے چاہیے کہ سرمایہ نقد ہو جیسے چاندی اور درہم وغیرہ- کپڑا اور سامان وغیرہ نہ ہو- نیز چاہیے کہ وزن بھی معلوم ہو اور کام کرنے والے کے حوالے کرے اگر مالک یہ شرائط لگائے کہ میں اسے اپنے پاس رکھوں گا تو درست نہیں-

دوسرا رکن - نفع ہے- چاہیے کہ جو کچھ عامل کو ملے وہ اس کے علم میں ہو- مثلاً نصف ہے یا تیسرا حصہ اگر کہے کہ دس درہم میرے یا تیرے ہیں اور باقی مال ہم تم آپس میں بانٹ لیں گے تو یہ باطل ہے-

تیسرا رکن - عمل ہے اور شرط یہ ہے کہ وہ تجارت کا عمل ہو- یعنی خرید و فروخت ہو نہ کہ پیشہ وری- اگر گندم نانبائی کو دے کہ روٹی پکا کر نفع کے دو حصے کرے تو یہ درست نہیں اور تیلی کو السی اس صورت پر دے تو بھی درست نہیں- اگر تجارت میں یہ شرط لگائے کہ فلاں کے سوا اور کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرے یا فلاں کے سوا اور کسی سے نہ خریدے تو یہ شرط بھی باطل ہے- نیز ہر وہ بات جو معاملہ بیع و شراء وغیرہ میں تنگی پیدا کرتی ہے اس کی شرط کرنا بھی درست نہیں- اور عقد قراض یہ ہے کہ یوں کہے کہ یہ مال میں نے تجھے دیا تاکہ تو تجارت کرے- ہم تم آدھا آدھا بانٹ لیں گے- وہ کہے میں نے اسے قبول کیا جب عقد ہو جائے گا تو عامل (کام کرنے والا) خرید و فروخت میں اس کا وکیل متصور ہوگا- مالک کو اختیار ہے جب چاہے معاملے کو فسخ کر دے- جب مالک معاملے کو فسخ کرے اس وقت اگر سارا مال مع نفع نقد ہو تو نفع نصف نصف تقسیم کر لیں اور اگر مال جنس اور نفع ہو تو عامل پر یہ واجب ہے کہ اتنا مال فروخت کرے جتنا اس کا سرمایہ تھا- زیادہ فروخت نہ کرے- جب سرمایہ کے برابر کھرا کر لے تو باقی مال تقسیم کر لیں اس باقی کا فروخت کر دینا عامل پر لازم نہیں اور جب پورا ایک سال گزر جائے تو ادائے زکوٰۃ کے لیے مال کی قیمت لگانی چاہیے- اس کی قیمت جاننا ضروری ہے- عامل کے حصہ کی زکوٰۃ عامل پر ہے- عامل کو بے اجازت مالک سفر کرنا جائز نہیں- اگر وہ سفر بلا اجازت اختیار کرے گا تو مال کا تاوان اس پر آئے گا اور اگر مالک کی اجازت سے سفر کرے گا تو سارا خرچ اس مالِ تجارت سے ہوگا- جیسا کہ ناپ تول، بار برداری، کرایہ بھاڑے وغیرہ کا خرچہ اور جب سفر سے واپس لوٹے تو دستر خوان لوٹا وغیرہ جو کچھ مال میں سے لے کر خریدا تھا اس سب مال میں داخل ہو جائے گا-

چھٹا عقد : عقد شرکت ہے- جب مال مشترک ہو تو از روئے شرکت ایک دوسرے کو تصرف کی اجازت دے اگر دونوں کا مال برابر ہے نفع نصف نصف بانٹ لیں اور اگر مال کم زیادہ ہے تو نفع بھی اس کے مطابق کم زیادہ ہو گا- اور رقم واپس لینے کی اجازت نہیں اور اس صورت میں زیادہ نفع کی شرط جائز ہے- جب کہ محنت کرنے والا محنت زیادہ کرتا ہو- اور یہ شرکت یا تو شرکت قراض ہو گی یا باہم آپس میں تین اور طرح کی شرکتیں بھی مروج ہیں اور وہ باطل اور ناجائز ہیں- ایک مزدور اور پیشہ ور لوگوں کی آپس میں شرکت کہ باہم شرط لیتے ہیں کہ جو کچھ کمائے گے مشترک ہو گا- یہ شرکت باطل ہے- کیونکہ ہر ایک مزدور کی مزدوری اس کی اپنی خالص ملک ہے- دوسری شرکت مفاوضت جو دو آدمیوں کے پاس جو کچھ ہو سامنے رکھ دیں اور کہیں کہ جو نفع نقصان ہو گا اس میں ہم تم شریک ہیں- یہ بھی باطل و ناروا ہے- تیسری شرکت کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص مالدار ہو اور دوسرا اثر ورسوخ والا- مال والا صاحب اثر ورسوخ کے کہنے سے مال فروخت کرے اور اس کا نفع دونوں لیں- یہ شرکت بھی باطل و ناجائز ہے- معاملات کے بارے میں اس قدر جاننا ضروری ہے کہ اس کی اکثر ضرورت پڑتی ہے- ان صورتوں کے علاوہ اور صورتیں نادر ہیں- جب آدمی اس قدر جان لے گا تو اور صورتیں جان سکے گا اور اگر اتنی مقدار مسائل بھی نہ جانے گا تو حرام میں گرفتار ہو گا اور اپنے اس حرام میں گرفتار ہونے کا اسے شعور بھی نہ ہو گا اور اس کی بے علمی کا عذر نا قابل سماعت ہو گا-

تیسرا باب معاملے میں عدل و انصاف ملحوظ رکھنے کے بیان میں : جاننا چاہیے کہ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے ظاہر شرع کے مطابق معاملے کے درست ہونے کی شرائط تھیں بہت سے معاملات و مسائل ایسے ہیں جن میں فتویٰ ہم تو یہی دیں گے کہ یہ معاملہ شرعاً درست ہے- لیکن اس معاملے کا مرتکب خدا تعالیٰ کی لعنت میں گرفتار ہو گا اور یہ وہ معاملہ ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کو تکلیف و اذیت پہنچتی ہو- یہ دو قسم ہے ایک عام ایک خاص- عام کی دو صورتیں ہیں-

پہلی صورت احتکار، یعنی غلہ خرید کر اس نیت سے ذخیرہ کر لینا کہ جب مہنگا ہو گا تو فروخت کروں گا- ایسے ذخیرہ اندوز کو محتکر کہتے ہیں اور محتکر لعنت کا مستحق ہے- حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص چالیس روز اس نیت سے اناج رکھ چھوڑے کہ مہنگا ہو گا تو فروخت کروں گا وہ اگر تمام اناج خیرات کر دے گا تو بھی اس کا کفارہ نہ ہو گا-

نیز ارشاد فرمایا جو شخص چالیس دن اناج ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑے خدا تعالیٰ اس سے بیزار ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے یہ بھی ارشاد فرمایا جس نے اناج خریدا اور کسی شہر میں لے گیا اور اس وقت مروجہ نرخ پر فروخت کر دیا وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے وہ سارا اناج خیرات کر دیا اور ایک روایت میں ہے گویا اس نے ایک لونڈی غلام آزاد کیا-

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا فرمان ہے جو شخص چالیس دن اناج رکھ چھوڑے گا اس کا دل سیاہ ہو جائے گا-

آپ کو کسی شخص نے ایک ذخیرہ اندوز کی خبر دی آپ نے فرمایا جا کر اسے آگ لگا دو- سلف صالحین میں سے کسی نے اپنے وکیل کے ہمراہ فروخت کے لیے غلہ بصرے بھیجا- جب وکیل بصرے پہنچا تو اتفاق سے وہاں غلہ بہت سستا ہو چکا تھا- وکیل ایک ہفتہ وہاں ٹھہرا اس کے بعد دگنی قیمت پر وہ غلہ فروخت کیا اور اس بزرگ کو جس کا غلہ تھا خط لکھا کہ میں نے ایسا کام کیا ہے- اس بزرگ نے جواب میں لکھا میں نے اس تھوڑے نفع پر قناعت کر لی تھی جو دین کی سلامتی کے ساتھ ہو- تیرا ایسا کرنا مناسب نہ تھا- زیادہ نفع کے عوض تو نے دین برباد کر دیا- یہ کام جو تو نے کیا ہے بڑا گناہ ہے- اب تیرے لیے مناسب ہے کہ سارا مال خیرات کر دے- تاکہ اس گناہ کا کفارہ ہو جائے- اور شاید ایسا کرنے کے باوجود ہم اس فعل بد کی نحوست سے نہ چھوٹ سکیں-

جاننا چاہیے کہ اس فعل کے حرام ہونے کا باعث و سبب مخلوق خدا کو ضرور نقصان رسانی کا ارادہ و عمل ہے- کیونکہ روزی سے انسان کی زندگی وابستہ ہے- اگر کثرت سے لوگ غلے کی خرید و فروخت کریں تو مباح اور درست ہے اور اگر ایک ہی آدمی خرید کر کے ذخیرہ کرے تو باقی لوگوں کو دستیاب نہ ہو گا- اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص مباح پانی کو روک لے تاکہ لوگ پیاس سے تنگ آ کر زیادہ قیمت دے کر خریدیں- اسی نیت سے اناج خریدنا بھی گناہ ہیں ہاں اگر غلہ ایک شخص کی اپنی ملک ہے تو اسے اختیار ہے- جب چاہے فروخت کرے اسے جلدی فروخت کر دینا لازم نہیں- اگرچہ تاخیر نہ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے- لیکن اگر اس کے دل میں یہ خواہش ہو کہ غلہ گراں ہو تو فروخت کروں تو اس کی یہ خواہش ایک بری خواہش ہے- دوائیں وغیرہ جن کی اکثر و بیشتر ضرورت و حاجت نہیں پڑتی انہیں گراں ہونے کی نیت سے رکھ چھوڑنا حرام نہیں ہے- لیکن اناج کو اس نیت سے ذخیرہ کرنا حرام ہے اور وہ چیزیں جو ضرورت و حاجت میں اناج کے قریب ہیں جیسے گھی گوشت وغیرہ ان میں علماء کا اختلاف ہے- صحیح یہ ہے ایسا کرنا ان میں بھی کراہت سے خالی نہیں- اگرچہ اناج کے درجہ سے کم برا ہے- البتہ اناج کا ذخیرہ کرنا بھی اس کو ممنوع ہے- جب تک کہ اس کی قلت ہو اور اگر ہر سال آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے تو جمع کرنا حرام نہیں کہ اس طرح کے جمع کرنے میں کسی کا نقصان نہیں- بعض علماء نے کہا ہے کہ اس صورت میں بھی حرام ہے- مگر صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے- کیونکہ کچھ نہ کچھ گرانی کا خیال ضرور ہوتا ہے- اور لوگوں کی تکلیف کا منتظر رہنا بری بات ہے- سلف صالحین نے دو قسم کی تجارت مکروہ قرار دی ہے- ایک اناج کی دوسری کفن کی کیونکہ لوگوں کی تکلیف اور موت کا منتظر رہنا بہت بری بات ہے دو اور پیشوں کو بھی برا جانتے تھے- ایک قصاب کا پیشہ کہ اس سے دل سخت ہوتا ہے- دوسرے سنار کا پیشہ کہ یہ زینت کا سبب ہے-

دوسری نوع: جس کی اذیت و تکلیف عام ہوتی ہے- وہ کھوٹے روپے پیسے کا معاملہ ہے- کیونکہ لینے والے کو اگر معلوم نہ ہو گا تو دینے والا اس پر ظلم کرے گا اور اگر اسے علم ہو گا تو شاید وہ آگے اور لوگوں کو دغا اور فریب دے اور وہ آگے کسی اور کو اس طرح مدت دراز تک دغابازی کا سلسلہ قائم رہے گا- جس نے سب سے پہلے دغابازی کا آغاز کیا آخیر تک سب کا

گناہ اس کے ذمے بھی ہوگا- اسی لیے کسی بزرگ نے فرمایا ہے- ایک کھوٹا درہم دینا سو درہم چرانے سے بدتر ہے- کیونکہ چوری کا گناہ اسی وقت تک ہے اور کھوٹے پیسے کا گناہ ممکن ہے موت کے بعد تک جاری رہے اور وہ شخص بہت ہی بدبخت ہے جو مر جائے مگر اس کا گناہ نہ کرے- اور اس گناہ کا سو برس تک موجود رہنا ممکن ہے اور ایسے شخص کو قبر میں عذاب ہوتا رہے گا- جس کے ہاتھ سے اس گناہ کی ابتداء ہوئی تھی-

کھوٹے چاندی سونے میں چار چیزیں معلوم کرنا ضروری ہیں- ایک یہ کہ کھوٹا روپیہ پیسہ جس تک پہنچے اسے چاہیے کہ کنویں وغیرہ میں ڈال دے اور کسی کو یہ کہہ کر بھی نہ دے کہ یہ کھوٹا پیسہ ہے کہ شاید وہ آگے دغابازی کا سلسلہ جاری کرے- دوسری بات یہ ہے دکان دار کے لیے ضروری ہے کہ کھرے پیسے کے پرکھنے کا طریقہ سیکھے- تاکہ کھوٹے سکے کو پہچان سکے- یہ اس لیے ضروری نہیں کہ خود نہ لے بلکہ اس لیے ضروری ہے کہ کسی اور کو دھوکہ نہ دے اور مسلمان کا حق ضائع نہ کرے- جو شخص کھرے کھوٹے کی پہچان کرنا نہ سیکھے گا اور دھوکہ سے کھوٹا روپیہ اس کے ہاتھ سے نکلے تو گناہ گار ہوگا- کیونکہ ہر اس معاملے اور کام کا علم حاصل کرنا واجب ہے- جو بندے کو درپیش ہو- تیسرے یہ کہ کھوٹا سکہ اس نیت سے لے جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے-

رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرأً سَهَّلَ الْقَضَاءَ وَسَهَّلَ الْاِقْتِضَاءَ رحم فرمائے خدا تعالیٰ اس شخص پر جو ادا کرنے میں بھی آسانی کرے اور واپس لینے میں بھی آسانی کا رویہ اختیار کرے-

تو بہت بہتر ہے- لیکن اس ارادے سے کہ کنویں میں پھینک دے گا- لیکن اگر خدشہ ہو کہ خرچ کر دے گا تو چاہیے کہ نہ لے اگرچہ دیتے وقت یہ کہہ بھی دے کہ کھوٹا ہے-

چوتھی بات یہ ہے کہ کھوٹا سکہ وہ ہے جس میں سونا چاندی بالکل نہ ہو- لیکن جس سکے میں سونا چاندی ہو- اگرچہ ناقص ہو اس کا کنویں میں پھینک دینا ضروری نہیں- بلکہ اگر خرچ کرے تو اس میں دو باتیں ضروری ہیں- ایک یہ کہ بتادے پوشیدہ نہ رکھے- دوسرے اس کو دے جس کی امانت و دیانت پر اسے اعتماد ہو تاکہ وہ آگے کسی سے فریب نہ کرے اور اگر اسے علم ہو کہ جس کو دے رہا ہوں وہ خرچ کرے گا اور نقص ظاہر نہیں کرے گا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایسے آدمی کے پاس انگور فروخت کرے جس کے متعلق جانتا ہو کہ یہ اس سے شراب تیار کرے گا- یا ایسے شخص کے پاس اسلحہ فروخت کرے جس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ ڈاکہ زنی کرے گا-

ظاہر ہے کہ ایسا کرنا حرام ہیں معاملات میں امانتداری ملحوظ رکھنے کو دشوار جانتے ہوئے سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ امانتدار تاجر عابد سے افضل ہے-

دوسری قسم ظلم خاص ہے اور یہ اسی پر ہوتا ہے جس سے معاملہ اور کاروبار ہو اور جس معاملے کی بنیاد ضرر و نقصان رسانی پر ہو وہ ظلم اور حرام ہیں خلاصہ امر یہ ہے کہ جو بات اپنے ساتھ ہونے کو روا نہ رکھتا ہو وہ بات خود کسی مسلمان سے روا نہ رکھے- کیونکہ جو شخص دوسرے مسلمان کے لیے وہ بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند نہیں کرتا اس کا ایمان ناقص و

ناتمام ہے۔اس کی تفصیل چار باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اپنے مال کی اس کی اصل نوعیت سے زیادہ تعریف نہ کرے کہ یہ جھوٹ بھی ہے اور فریب و ظلم بھی۔بلکہ اس کی جائز اور صحیح تعریف بھی نہ کرے۔جب کہ خریدار جانتا ہو کہ یہ بے ہودہ اور بے فائدہ گفتگو میں داخل ہے۔قرآن مجید میں وارد ہے۔

مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلاَّ لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌo انسان زبان پر کوئی بات نہیں لاتا مگر اس کے پاس ایک منتظر نگہبان تیار بیٹھا ہوتا ہے۔

تو انسان جو کچھ زبان سے کہتا ہے اس کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ کیوں کی اس وقت بے ہودہ گفتگو کرنے والے کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔اور قسم کھانا اگر جھوٹی ہو تو گناہ کبیرہ ہے اور اگر سچی ہو تو معمولی کام کے لیے خدا کا نام لینا بے حرمتی میں داخل ہے اور حدیث میں وارد ہے ان تاجروں پر افسوس ہے جو لا واللہ اور بلی واللہ کہتے ہیں۔اور پیشہ وروں پر افسوس ہے جو کہتے ہیں کل کر دیں گے کل کر دیں گے۔حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا مال قسم کے ذریعے فروخت کرے اور اسے رواج دے خدا تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نگاہ رحمت نہ ڈالے گا۔

حکایت : حضرت یونس بن عبید رحمتہ اللہ علیہ ریشم کی تجارت کرتے تھے۔مگر اس کی صفت اور تعریف نہ کرتے۔ایک دن جامہ دان سے ریشم نکال رہے تھے کہ ان کے شاگرد نے کہا اے اللہ مجھے بہشتی لباس عطا فرما۔آپ نے اس کی یہ بات سنتے ہی جامہ دان رکھ دیا اور ریشم فروخت نہ کیا۔اور ڈر گئے کہ یہ کلمہ اپنے مال کی تعریف میں داخل نہ ہو جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خریدار سے اپنے مال کا کوئی عیب و نقص پوشیدہ نہ رکھے۔بلکہ اس کے متعلق سب کچھ دیانتداری اور سچائی سے کہہ دے۔اگر چھپائے رکھے گا تو یہ خیانت ہوگی اور خیر خواہی کو نظر انداز کرنے کی بات ہوگی اور یہ شخص ظالم و گناہگار ہوگا اور اگر کپڑے کی اچھی طرف دکھائی یا اندھیری جگہ میں کپڑا دکھایا تاکہ اچھا نظر آئے یا جوتے اور موزے کا اچھا پیر دکھایا تو ایسی تمام صورتوں میں وہ ظالم و خائن متصور ہوگا۔

ایک دن حضور نبی کریم ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو گندم فروخت کر رہا تھا۔آپ نے گندم کے ڈھیر کے اندر جو دست مبارک ڈالا تو دیکھا کہ اندر سے گندم تر ہے۔آپ نے فرمایا یہ کیا ہے۔اس نے عرض کی بھیگی ہوئی ہے۔آپ نے فرمایا تر گندم خشک گندم سے الگ کیوں نہ کی۔

مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا یعنی جو ہم سے دغابازی کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک شخص نے تین سو درہم سے اونٹ فروخت کیا اس کے پاؤں میں کوئی عیب تھا حضرت واثلہ بن لاسقع رضی اللہ عنہ جو صحابہ کرام میں سے ہیں اتفاق سے وہاں کھڑے تھے اور عیب بتادینے کی بات سے بے خبر تھے۔جب آپ کو معلوم ہوا کہ خریدار پر عیب ظاہر نہیں کیا گیا تو خریدار کے پیچھے دوڑے اور اس کو بتایا کہ اس کے پاؤں میں عیب ہے۔وہ شخص

واپس آیا اور تین سو درہم واپس لے لیے- فروخت کرنے والے نے کہا آپ نے میرا یہ سودا کیوں خراب و تباہ کیا ہے- آپ نے فرمایا اس لیے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے- یہ حلال اور جائز نہیں کہ انسان کوئی چیز فروخت کرے اور اس کا عیب ظاہر نہ کرے اور پاس موجود ہونے والے کے لیے بھی حلال نہیں کہ عیب کا پتہ ہو مگر خریدار کو نہ بتائے-

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ہم سے بیعت لی کہ مسلمانوں سے خیر خواہی کا رویہ اختیار کرنا اور ان سے شفقت سے پیش آنا اور عیب چھپا رکھنا خیر خواہی کے خلاف ہے-

معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا معاملہ اور ایسی سچی تجارت بڑی دشوار بات ہے اور بہت بڑا مجاہدہ ہے اس میں دو طرح آسانی پیدا ہو سکتی ہے- ایک یہ کہ عیب دار مال خرید ہی نہ کرے- اور اگر خریدے تو دل میں اس کا عہد کرے کہ بوقت فروخت عیب ظاہر کر دے گا- اگر کسی نے اسے ٹھگ لیا تو یہ خیال کرے کہ یہ نقصان مجھے ہی پہنچا آگے دوسروں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کرے- جب کہ خود دغاباز انسان پر لعنت کرتا ہے تو دوسروں کی لعنت اپنے اوپر نہ ڈالے- اصل بات یہ ہے کہ اس بات کا یقین رکھے کہ دغابازی سے رزق کم زیادہ نہیں ہو سکتا- بلکہ الٹا مال سے برکت ختم ہو جاتی ہے اور بہتری جاتی رہتی ہے اور عیاری و فریب سے انسان جو کچھ کماتا ہے اچانک ایسا واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ سب کچھ تباہ اور ضائع ہو جاتا ہے اور فریب و عیاری کا گناہ ہی باقی رہ جاتا ہے اور اس شخص کا سا حال ہو جاتا ہے جو دودھ میں پانی ملایا کرتا تھا ایک بار اچانک سیلاب آیا اور اس کی گائے کو بہا لے گیا- اس کے لڑکے نے کہا ابا جان بات یہ ہے کہ دودھ میں ملایا ہوا سارا پانی جمع ہوا اور سیلاب کی شکل اختیار کر کے گائے کو بہا لے گیا-

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جب کسی کاروبار میں خیانت گھس آتی ہے تو اس سے برکت اٹھ جاتی ہے- برکت کا یہ معنی ہے کہ مال تھوڑا ہو مگر اس سے فائدہ اور نفع زیادہ لوگوں کو پہنچے- اور زیادہ لوگوں کی راحت و آسائش کا باعث بنے اور خیر و بہتری زیادہ لوگوں کو نصیب ہو- اور ایک وہ شخص ہوتا ہے جو مال تو بہت زیادہ رکھتا ہے مگر وہی مال دنیا و آخرت میں اس کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتا ہے اور کسی کو بھی اس سے فائدہ نہیں پہنچتا تو بندے کو چاہیے کہ برکت کا متلاشی ہو زیادہ مال کا طالب نہ ہو اور برکت امانتداری میں ہے- بلکہ مال کی زیادتی بھی امانتداری میں مضمر ہے- کیونکہ جو شخص امانتداری میں مشہور ہوتا ہے- سب لوگ معاملہ اور لین دین کرنے میں اس کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اسے بہت فائدہ ہوتا ہے- اور جب ایک شخص خیانت میں مشہور ہو تو سب لوگ اس سے گریز کرتے ہیں-

دوسری بات یہ ہے کہ مثلاً اس بات پر یقین کرے کہ میری عمر زیادہ سے زیادہ سو سال ہو گی- اور آخرت کے جہاں کی کوئی نہایت نہیں- یہ کیسے درست ہے کہ اس مختصر زندگی میں سونے چاندی کے پیچھے پڑ کر اپنی زندگی کو نقصان و خسارے میں ڈال دے ہمیشہ اس خیال کو اپنے دل میں تازہ زندگی میں سونے چاندی کے پیچھے پڑ کر اپنی زندگی کو نقصان و خسارے میں ڈال دے ہمیشہ اس خیال کو اپنے دل میں تازہ رکھے- تاکہ فریب و خیانت اسے اچھی محسوس نہ ہو اور حضور نبی

کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگ خدا تعالیٰ کے غصے سے کلمہ لا الہ الا اللہ کی پناہ میں ہیں اور جب دنیا کو دین پر فوقیت دیتے ہیں اور یہ کلمہ کہتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم جھوٹ کہتے ہو اور اس کلمہ گوئی میں سچے نہیں ہو اور جس طرح تجارت میں فریب ودغابازی سے بچنا ضروری ہے اسی طرح ہر پیشہ میں اس سے بچنا ضروری ہے اور کھوٹی چیزوں کا کاروبار نہ کرنا چاہیے- اور اگر کرے تو کھوٹ اور عیب ظاہر کردے-

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے رفو کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا نہیں چاہیے- مگر اس شخص کے لیے جو خود پہننے کے لیے رفو کرے- فروخت کرنے کے لیے نہ کرے- اور جو شخص فریب ودغابازی کی نیت سے کرے وہ گناہگار ہوگا اور اس کی مزدوری حرام ہے-

تیسری بات یہ ہے کہ وزن کرنے میں دغا فریب نہ کرے- بلکہ صحیح اور ٹھیک تولے خدا تعالیٰ فرماتا ہے-

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِيْنَ ان لوگوں پر افسوس ہے جو جب دیتے ہیں تو کم تول کر دیتے اور جب لیتے ہیں تو زیادہ لیتے ہیں اور سلف صالحین کی عادت تھی کہ جب لیتے تھے تو نیم حبہ کم لیتے تھے اور جب دیتے نیم حبہ زیادہ دیتے اور فرماتے تھے یہ نیم حبہ ہمارے اور دوزخ کے درمیان روک اور پردہ ہے کہ ڈرتے تھے کہ ہم پورا نہیں تول سکتے- اور فرماتے تھے کہ وہ شخص بے وقوف ہے جو اس بہشت کو جس کی کشادگی آسمان وزمین کے برابر ہے آدھے دانے کے عوض فروخت کردے- اور وہ بھی بے وقوف ہے جو آدھے دانے کے پیچھے طوبیٰ (جنت) کو ویل (دوزخ) سے بدل دے-

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کوئی چیز خریدتے تو فرماتے قیمت کے مطابق تول اور جھکتا تول-

حضرت فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ کسی کو دینے کے لیے دینار تول رہا ہے- اور اس کے نقش سے میل کچیل صاف کررہا ہے فرمایا بیٹے تیرا یہ کام دو حج اور دو عمروں سے افضل ہے-

سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم فرماتے تھے جو شخص ایک ترازو سے تولے اور دوسرے ترازو سے لے وہ تمام فاسقوں سے بڑھ کر فاسق ہے اور بزاز کپڑا لیتے وقت ڈھیلا رکھ کرناپے اور دیتے وقت سخت کرکے اور کھینچ کردے- وہ ان بدتر فاسق لوگوں کے گروہ میں داخل ہے اور جو قصاب کے اس ہڈی کو گوشت میں رکھ کر فروخت کرے جس کی فروخت کا رواج نہیں وہ بھی انہیں بدترین فاسقین میں داخل ہے اور جو شخص غلہ فروخت کرے اور عرف وعادت سے زیادہ مقدار میں مٹی اور خاک پڑی رہنے دے وہ بھی ان میں داخل ہے اور یہ سب باتیں حرام وناجائز ہیں اور ہر قسم کے کاروبار اور معاملات میں لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کرنا فرض وضروری ہے- اور جو شخص دوسرے سے ایسی بات کرے جس کا خود اپنے لیے سننا گوارا نہ کرے تو وہ لین دین کے فرق میں مبتلا ہے اور اس برائی سے اس وقت نجات پاسکتا ہے جب کہ کسی بات میں اپنے آپ کو اپنے مسلمان بھائی پر فوقیت نہ دے اور یہ بات بہت مشکل ودشوار ہے اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے-

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا○ کوئی ایسا نہیں جس کا گھر دوزخ پر نہ ہو یہ بات اللہ تعالیٰ کے ذمے لازم اور فیصلہ شدہ ہے-

لیکن جو تقویٰ کے راستے میں زیادہ نزدیک ہوگا وہ جلدی نجات پائے گا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مال کے خرچ اور بھاؤ میں دغا نہ کرے اور اصل نرخ چھپا کر نہ رکھے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات سے منع فرمایا کہ باہر سے مال لانے والے قافلے کو راہ میں ہی جا ملیں اور شہر کا نرخ ان سے چھپائیں۔ تاکہ خود سستا خرید لیں۔ جب ایسا دغا کریں تو مال فروخت کرنے والے کے لیے اس سودے کو توڑ دینا جائز ہے اور آپ نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی اجنبی آدمی مال شہر میں لائے اور وہ مال اس وقت ارزاں ہو شہر کا آدمی اس سے کہے مال میرے پاس رکھ دے جب گراں ہوگا تو میں اس کو فروخت کر دوں گا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ کوئی شخص گراں بھاؤ پر نرخ مکائے تاکہ دوسرا شخص اسے سچا جان کر زیادہ قیمت دے کر اس سے خریدے اگر کسی نے ایسا لین دین کیا اور بعد میں اصل حقیقت واضح ہوئی تو وہ اس بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔ تاجر لوگوں کی عادت ہے کہ مال بازار میں رکھ دیتے ہیں جو لوگ در حقیقت خریدنا نہیں چاہتے وہ اس کا نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ تو یہ فعل بھی شرعاً حرام ہے اسی طرح جو شخص سادہ لوح ہو اور مال کی صحیح قیمت نہ جانتا ہو اور ارزان فروخت کرتا ہو اس سے خریدنا بھی درست نہیں۔ اسی طرح ایسا سادہ لوح انسان جو مال کا بھاؤ نہ جانتا ہو اور گراں خریدتا ہو اس کے پاس بھی کسی چیز کا فروخت کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ فتویٰ یہی ہے کہ ظاہراً بیع درست ہے لیکن حقیقت حال جب کہ اس سے پوشیدہ رکھی تو گناہ گار ضرور ہوگا۔

حکایت: بصرہ میں ایک سوداگر رہتا تھا اس کے غلام نے شہر سوس سے اسے خط لکھا کہ اس سال گنے کی فصل تباہ ہوگئی ہے۔ تم دوسروں کو خبر ہونے سے پہلے ہی شکر خرید لو۔ اس تاجر نے کافی مقدار میں شکر خرید لی اور پھر مناسب وقت پر فروخت کی تیس ہزار درہم نفع ہوا۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ میں نے مسلمانوں سے دھوکہ کیا کہ حقیقت حال کو ان سے چھپائے رکھا میرا یہ فعل کس طرح جائز و درست ہو سکتا ہے۔ وہ تیس ہزار درہم اٹھائے جس سے شکر خریدی تھی اس کے پاس گیا اور کہا یہ تیس ہزار درہم در حقیقت تیرا مال ہے۔ اس نے دریافت کیا کس طرح۔ اس نے اصل حقیقت کا انکشاف کیا تو اس نے کہا میں نے یہ تیس ہزار درہم تجھے بخش دیئے۔ وہ سوداگر جب واپس اپنے گھر آیا تو رات کو سوچا شاید فروخت کنندہ نے مجھ سے شرم کر کے ایسا کیا ہے اور میں نے فی الواقع اسے دغا کیا ہے۔ دوسرے دن پھر اس کے پاس گیا اور یہی بات جا کر کہی کہ یہ تمہارا مال ہے اور بڑا اصرار کر کے وہ تیس ہزار درہم اسے واپس کر دیئے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ لین دین کرنے والے کو چاہیے کہ چیز کی قیمت صحیح صحیح بتائے۔ اس میں کوئی دغا فریب نہ کرے اور مال عیب دار ہو تو صاف صاف بتا دے اور اگر مال گراں خریدا ہو۔ اور جس سے خریدا ہے اس کے دوست اور قریبی ہونے کی وجہ سے اس سے چشم پوشی کے طور پر گراں خرید لیا ہو تو یہ بات بھی ظاہر کر دے اور اگر کوئی چیز دس دینار کی خرید کر مال کے عوض فروخت کرے اور وہ چیز اتنے سے نہیں ملتی اور خرید کردہ دس دینار کی قیمت نہ کہنا چاہیے اور اگر پہلے مال سستا خریدا بعد میں مہنگا ہو گیا تو پہلے قیمت ظاہر کرے اور اس کی تفصیل دراز ہے اور تاجر اور بازاروں میں کام کرنے والے لوگ اس بات میں بہت زیادہ خیانت اور دغا فریب کے مرتکب ہوتے ہیں اور نہیں خیال کرتے کہ یہ خیانت ہے۔ اصل بات یہ ہے

کہ انسان جوبات اپنے لیے درست نہیں جانتا چاہیے کہ دوسرے کے لیے بھی اسے روانہ رکھے اور اس اصول کو میعار بنالے- کیونکہ جو شخص کسی سے کوئی چیز خرید تا ہے وہ اسی اعتماد پر خرید تا ہے کہ میں نے خوب جانچ پڑتال کر کے اور صحیح قیمت پر خریدا ہے اور جب اس میں دغا ہو گا تو خریدار اس دغا پر راضی نہ ہو گا- اور ایسا کرنا صریح دغابازی ہے-

چوتھا باب لین دین میں احسان اور بھلائی کے بیان میں : جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے احسان کرنے کا حکم بھی دیا ہے- جیسا کہ اس نے عدل کا حکم دیا اور فرمایا ہے :

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُوْبِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَان — بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے-

گذشتہ باب عدل کے بیان میں تھا تاکہ انسان ظلم سے گریز کرے اور یہ باب احسان کے بیان میں ہے- خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّ رَحْمَۃَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِنَ الْمُحْسِنِیْنِ — بے شک خدا تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے-

اور جو شخص صرف عدل پر کفایت کرتا ہے- وہ اپنے دین کا سرمایہ محفوظ رکھتا ہے- مگر فائدہ اور نفع احسان کرنے میں ہے- عقلمند وہ ہے جو کسی معاملہ میں بھی آخرت کا فائدہ ہاتھ سے نہ جانے دے اور احسان یہ ہے کہ جس پر تو احسان کرے اسے تو فائدہ پہنچے مگر تجھ پر وہ احسان ضروری اور واجب نہ ہو- اور احسان کا درجہ چھ طریقوں سے حاصل ہوتا ہے-

پہلا طریقہ : ضرورت مند خریدار اگر اپنی ضرورت کے تحت زیادہ نفع دینے پر بھی تیار ہو مگر تو جذبہ احسان کے باعث زیادہ نفع نہ لے- حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ دکان کرتے تھے اور پانچ درہم سینکڑہ سے زیادہ نفع نہ لیتے- حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ ساٹھ دینار کے بادام خریدے پھر باداموں کا نرخ تیز ہو گیا- ایک دلال نے آپ سے مانگے آپ نے فرمایا تریسٹھ دینار سے فروخت کرنا دلال نے کہا اس وقت بادام نوے درہم کے ہیں- آپ سستے کیوں فروخت کرتے ہیں- فرمایا میں نے طے کر لیا ہے کہ پانچ درہم سینکڑہ سے زیادہ نفع نہ لوں گا اور میں اپنا ارادہ تبدیل کرنے کو تیار نہیں- دلال نے کہا میں آپ کا مال کم قیمت پر فروخت نہیں کرنا چاہتا- غرض دلال فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ زیادہ نفع لینے پر راضی نہ ہوئے- تو احسان ایسا ہوتا ہے-

حضرت محمد بن المنکدر رحمتہ اللہ علیہ جلیل القدر بزرگ تھے- دوکانداری کرتے تھے- آپ کے پاس کئی قسم کے کپڑے ہوتے تھے- کسی کی قیمت دس دینار ان کسی کی پانچ دینار کی عدم موجودگی میں ان کے شاگرد نے پانچ دینار قیمت والا کپڑا دس دینار سے ایک اعرابی کو فروخت کر دیا- جب آپ تشریف لائے تو سارا دن اعرابی کو تلاش کرتے رہے- آخر جب وہ ملا تو فرمایا وہ کپڑا پانچ دینار سے زیادہ قیمت کا نہیں- اعرابی نے کہا شاید میں نے خوشی وہ کپڑا دس دینار سے خریدا ہو- آپ

نے فرمایا جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتا دوسرے کسی مسلمان کے لیے بھی پسند نہیں کرتا- یا توبیع فسخ کرلے یا پانچ دینار واپس لے لے- یا میرے ساتھ آتا کہ دس دینار کی قیمت کا کپڑا دے دوں- اعرابی نے پانچ دینار واپس لے لیے پھر کسی سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے- لوگوں نے کہا یہ حضرت محمد بن المنکدر ہیں تو کہنے لگا سبحان اللہ یہ وہ بزرگ ہستی ہے کہ جب بارش نہ برسے اور میدان میں جا کر ان کا نام لیں تو پانی برسنے لگے-

اور سلف صالحین کی عادت مبارک تھی کہ نفع کم لیتے اور لین دین زیادہ کرتے اور اس بات کو زیادہ نفع حاصل کرنے کی انتظار سے زیادہ مبارک جانتے- سیدنا حضرت علی مرضی رضی اللہ عنہ کوفہ کے بازار میں چکر لگاتے اور فرماتے اے لوگو تھوڑے نفع کو رد نہ کرو کہ زیادہ نفع سے بھی محروم رہو گے-

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا- آپ کس طرح دولت مند ہوئے ہیں- فرمایا میں نے تھوڑے نفع کو رد نہیں کیا- جس نے بھی مجھ سے کوئی جانور خرید کرنا چاہا میں نے اسے اپنے پاس نہ رکھا بلکہ فروخت کر دیا- اور صرف ایک دن کے اندر ہزار اونٹ اصل قیمت خرید پر فروخت کر دیا اور ہزار رسیوں کے سوا کچھ نفع حاصل نہ کیا- پھر ایک ایک رسی ایک ایک درہم سے فروخت کی اور اونٹوں کے اسی دن کے چارہ کی قیمت میرے ذمہ سے ساقط ہو گئی- تو اس طرح دو ہزار درہم مجھے نفع ہوا-

دوسرے یہ کہ درویش لوگوں کا مال گراں قیمت پر خریدے تاکہ وہ خوش ہوں- جیسے بیوہ عورتوں کا سوت اور جو میوہ بچوں اور فقیروں کے ہاتھ سے واپس آیا ہو- کیونکہ اس طرح کی چشم پوشی صدقے سے بھی زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور جو شخص ایسا کرے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا لے گا- آپ نے فرمایا ہے:

رَحِمَ اللّٰهُ اُمَرأً سَهَّلَ الْبَيْعَ وَسَهَّلَ الْشِراَءَ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو بیع شراء میں آسانی کرے-

لیکن دولت مند آدمی سے زیادہ قیمت پر خریدنا نہ باعث ثواب ہے اور نہ شکر میں داخل ہے- بلکہ دام ضائع کرنا ان سے تکرار و اصرار کرکے سستا خریدنا بہتر ہے- حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کوشش کرتے کہ جو کچھ خریدتے ارزاں خریدتے اور اس میں تکرار و اصرار کرتے- لوگوں نے ان سے عرض کی آپ حضرات روزانہ کئی ہزار درہم خیرات کر دیتے معمولی مقدار پر اس قدر تکرار و اصرار میں کیا نکتہ ہے- فرمایا ہم لوگ جو کچھ دیتے ہیں- راہ خدا میں دیتے ہیں اور خرید و فروخت میں دھوکہ کھانا عقل و مال کے نقصان کا باعث ہے-

تیسرے، قیمت لینے میں تین طرح کا احسان کیا جا سکتا ہے- ایک کچھ کم کرنے سے دوسرے شکستہ اور کھوٹے اور درہم لینے سے- تیسرے مہلت دینے سے- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اس شخص پر خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہو- جو دینے اور لینے میں آسانی کرے اور فرمایا جو آسانی کرتا ہے- اللہ تعالیٰ اس کے کام آسان کر دیتا ہے اور درویش محتاج کو مہلت دینے سے زیادہ کوئی احسان نہیں- لیکن اگر وہ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا تو اسے مہلت دینا واجب ہے اور یہ بات عدل میں

داخل ہو گی-احسان میں شمار نہ ہو گی اور اگر وہ محتاج نادار نہ ہو- مگر جب تک اپنی کوئی چیز خسارے سے فروخت نہ کرے-یا جس کی اسے خود ضرورت نہ آئے فروخت نہ کرے-اس وقت تک قیمت ادا نہ کر سکتا ہو تو ایسے شخص کو مہلت دینا احسان اور اعلیٰ درجے کی خیرات ہے- حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن ایک آدمی کو محشر میں لائیں گے-اس نے دین (قرض) کے بارے میں اپنے اوپر ظلم کیا ہو گا اور اس کے عمل فاقہ میں کوئی نیکی نہ ہو گی-اس سے کہا جائے گا تو نے کوئی نیک کام نہیں کیا-وہ عرض کرے گا ٹھیک ہے میں نے کوئی نیکی نہیں کی مگر اتنا ضرور کرتا تھا کہ اپنے شاگردوں کو کہا کرتا تھا کہ جس کے ذمہ میرا قرض ہے اور وہ تنگدست ہے اسے مہلت دو اور تنگ نہ کرو-اس کی یہ بات سن کر دریائے رحمت جوش میں آئے گا اور خدائے ارحم الراحمین اس سے فرمائے گا- آج میرے سامنے تو تنگدست اور بے نوا ہے مجھے بھی تیرے ساتھ آسانی کرنا لائق و زیبا ہے اور اسے بخش دے گا-

ایک حدیث میں وارد ہے جو شخص کسی کو ایک مدت معین کے وعدہ پر قرض دیتا ہے تو جو دن گزرتا ہے روزانہ اسے صدقے کا ثواب ملتا ہے-اور جب مدت معین گزر جاتی ہے تو پھر ہر روز اسے اس قدر ثواب ملتا ہے کہ گویا اس نے سارا قرض صدقہ کر دیا- زمانہ گذشتہ میں ایسے بزرگ لوگ ہوتے تھے- جو یہ نہ چاہتے تھے کہ قرضدار ہمارا قرض ادا کرے- کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہر روز ہمارے لیے سارے قرض کے صدقے کا ثواب لکھا جاتا ہے- حضور ﷺ نے فرمایا ہے- میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقے کا ہر درہم دس درہم کے برابر ہے اور قرض کا ہر درہم اٹھارہ درہم کے برابر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض صرف حاجت مند انسان ہی لیتا ہے اور صدقے میں یہ وہم موجود ہے کہ شاید محتاج نہ آئے-

چوتھے' قرض ادا کرنا ہے-اس میں احسان یہ ہے کہ تقاضے کی ضرورت نہ پڑے اور روپیہ پیسہ کھرا ادا کرے اور جلدی ادا کرے-اور خود اپنے ہاتھ سے جا کر دے اسے اپنے گھر نہ بلائے-

حدیث شریف میں ہے جو شخص قرض لیتا ہے اور یہ نیت کرتا ہے کہ میں اچھی طرح ادا کروں گا- تو خدا تعالیٰ اس پر چند فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اس کا قرض ادا ہو جائے اور اگر قرضدار قرض ادا کر سکتا ہو تو قرض خواہ کی مرضی کے بغیر ایک گھڑی بھر بھی اگر دیر کرے گا تو گناہگار ہو گا اور ظالم قرار پائے گا چاہے روزے کی حالت میں ہو یا نماز کی حالت میں یا نیند کر رہا ہو-اس کے ذمے گناہ لکھا جاتا رہے گا اور بہر صورت خدا کی لعنت اس پر پڑتی رہے گی اور یہ ایسا گناہ ہے کہ نیند کی حالت میں بھی اس کے ساتھ رہتا ہے اور ادا کرنے کی طاقت کی یہ شرط نہیں کہ نقد روپیہ ہو-بلکہ کوئی چیز اگر فروخت کر سکتا ہے مگر فروخت کر کے ادا نہیں کرتا تو گناہگار ہو گا اور جب تک اسے راضی نہ کرے گا' اس زیادتی سے نجات نہ پائے گا- کیونکہ اس کا یہ فعل کبیرہ گناہوں میں سے ہے- مگر لوگ اسے معمولی خیال کرتے ہیں-

پانچویں یہ کہ جس سے لین دین کرے وہ لین دین اور بیع شراء کے بعد پشیمان ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا تو چاہیے

کہ اس سودے کو فسخ کر دے۔ حضور نبی کریم علیہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ جو شخص کسی بیع کو فسخ کر دے اور یہ تصور کرے کہ میں نے بیع کی ہی نہیں تو خدا تعالیٰ اس کے گناہوں کو ایسا جانتا ہے گویا اس نے گناہ کیے ہی نہ تھے۔ اگرچہ ایسا واجب و ضروری نہیں تاہم اس کا ثواب بہت ہے اور احسان میں داخل ہے۔

چھٹے۔ یہ کہ حاجت مند لوگوں کے ساتھ ادھار فروخت کرنا اگرچہ تھوڑی سی چیز ہی ہو اس نیت سے کہ جب تک انہیں ادا کرنے کی طاقت نہیں میں ان سے قیمت طلب نہ کروں گا اور جو ان میں سے تنگدستی کے اندر ہی مر جائے گا اسے بخش دوں گا۔ تو یہ بھی احسان کی ایک صورت گذشتہ زمانے میں کچھ بزرگ ایسے گزرے ہیں جو یادداشت کی دو فہرستیں رکھتے تھے۔ ایک میں مجہول نام درج کرتے کہ وہ سب درویش اور فقراء ہوتے اور بعض نیک بخت ایسے بھی ہوتے تھے جو فقراء کا سرے سے نام ہی نہ لکھتے تھے۔ تاکہ اگر وہ مر جائیں تو ان سے کوئی مطالبہ ہی نہ کر سکے اور سلف صالحین کے نزدیک ان لوگوں کا شمار بھی بہترین لوگوں میں نہ ہوتا تھا۔ ہاں ان کی یہ بات بہتر قرار دی جاتی تھی کہ درویشوں کے نام ان سے قرض وصول کرنے کے لیے اپنے پاس درج ہی نہ کرتے پھر اگر وہ فقیر لوگ قرض واپس کر دیتے تو لے لیتے ورنہ ان سے لینے کی تمنا نہ رکھتے تھے۔ معاملات میں اعلیٰ کردار کے مالک ایسے ایسے اہل دین گزرے ہیں۔ اور سچے دینداروں کا درجہ اور مقام ان دنیوی معاملات سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ دین کی حفاظت کے لیے جو شخص شبہ کے درہم پر بھی لات مار دے درحقیقت ایسا ہی شخص دینداروں میں سے ہے۔

پانچواں باب دنیا کے معاملات میں دین پر شفقت کو ملحوظ رکھنے کے بیان میں :

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جسے دنیا کی تجارت دین کی تجارت سے غافل کرے وہ بدبخت ہے اور اس کا حال اس شخص کی مانند ہے جو سونے کا کوزہ دے کر مٹی کا کوزہ لے اور دنیا مٹی کے کوزے کی مانند ہے۔ جو بدصورت اور جلد ٹوٹ جاتا ہے اور آخرت سونے کے کوزے کی طرح ہے جو بہت خوبصورت بھی اور دیرپا بھی ہوتا ہے مگر آخرت کے لیے تو کبھی فنا ہی نہیں اور دنیا کی تجارت آخرت کا توشہ بننے کے لائق نہیں۔ بلکہ بہت کوشش کی ضرورت ہے کہ کہیں دنیا کی تجارت دوزخ کے راستے پر ہی نہ ڈال دے اور آدمی کا سرمایہ اس کا دین اور اس کی آخرت ہے۔ ہرگز نہیں چاہیے کہ انسان اس سے غفلت اختیار کرے اور دین کے بارے میں شفقت کی راہ پر نہ چلے اور ہمیشہ تجارت دینوی اور زمینداری کے کاموں میں ہی ڈوبا رہے اور دین پر یہ شفقت اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ سات باتوں میں احتیاط کرے۔

اول یہ کہ ہر روز صبح اول اچھی نیتوں کو تازہ کرے اور یہ نیت کرے کہ بازار اس لیے جاتا ہوں کہ اپنے اہل و عیال کی روزی فراہم کروں۔ تاکہ لوگوں کی محتاجی سے بے نیازی حاصل ہو اور مخلوق سے کسی قسم کا طمع نہ رہے تاکہ اس قدر روزی اور فراغت میسر آجائے کہ دل جمعی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کر سکوں اور آخرت کے راستے پر چل سکوں۔ اور یہ نیت بھی کرے کہ پورا دن لوگوں کے ساتھ نصیحت، شفقت اور امانت سے پیش آؤں گا۔ اور یہ نیت بھی کرے کہ امر

معروف اور نہی منکر کروں گا اور جو خیانت کا مرتکب ہو اسے باز رکھنے کی کوشش کرے- اس پر راضی اور خوش نہ ہو- جب ہر صبح اس طرح کی نیتیں کر لیا کرے تو اس کے دنیا کے کام بھی اعمال آخرت میں ہی متصور ہوں گے اور دین کا نقد نفع ہاتھ آئے گا اور اگر دنیا کی کوئی چیز بھی میسر آجائے تو یہ اس پر مزید نفع ہے-

دوسرا- یہ کہ اس بات کا یقین رکھے کہ اس کی ایک دن کی زندگی بھی نہیں گزر سکتی- جب تک کہ کم از کم ہزار افراد اس کے مختلف کام انجام نہ دیں- جیسے نانبائی کاشتکار' جولاہا' لوہار' روٹی پکنے والا اور دوسرے بہت پیشوں والے لوگ یہ سب اس کا کام کرتے ہیں اور اسے ان سب کی حاجت و ضرورت ہے اور یہ نامناسب ہے کہ دوسروں سے تو اسے نفع اور فائدہ پہنچے مگر اس سے کسی کو نفع نہ پہنچے- کیونکہ اس دنیا میں سب لوگ مسافر ہیں اور مسافروں کو چاہیے کہ ایک دوسرے سے تعاون کریں اور ایک دوسرے کا مددگار بنیں- نیز یہ نیت بھی کرے کہ میں بازار جاتا ہوں تاکہ ایسا کام کروں جس سے مسلمانوں کو راحت و آرام پہنچے جس طرح دوسرے مسلمان کام کاج میں مصروف ہیں- کیونکہ تمام پیشے فرض کفایہ ہیں اور یہ نیت کرے کہ میں ان فرائض میں سے کسی ایک فرض کی بجا آوری کروں گا اور اس نیت کی درستی کی نشانی یہ ہے کہ ایسے کام میں مشغول ہو جس کی لوگوں کو حاجت و ضرورت ہو کہ اگر وہ کام نہ کیا جائے تو لوگوں کے کام میں خلل واقع ہو- زرگری' نقاشی' پچکاری وغیرہ کا پیشہ اختیار نہ کرنے کہ یہ سب دنیا کی آرائش و زیبائش ہے ان پیشوں کی کچھ حاجت و ضرورت نہیں اور ان کا نہ کرنا بہتر ہے- اگرچہ مباح ہیں- لیکن مردوں کے لیے ریشمی کپڑا سینا اور اس پر مردوں کے لیے سونے کا کام کرنا حرام ہے اور جن پیشوں کو سلف صالحین مکروہ و ناپسند جانتے ہیں ان میں ایک غلے کی تجارت دوسرا کفن فروشی کا پیشہ ہے- قصاب و صراف جو سود کی باریکیوں سے اپنے آپ کو مشکل سے ہی بچا سکیں اسی طرح لوگوں کو سینگی لگانے کا کام جس میں یہ گمان ہو کہ فائدہ ہو گا- یا نہ ہو گا- نیز جاروب کشی اور چمڑہ رنگنے کا کام جس میں کپڑے پاک رکھنا مشکل ہو- بھی کمینہ ہمت ہونے کی دلیل ہے اور مویشی چرانے کا پیشہ بھی اسی حکم میں ہے اور دلالی کا پیشہ جس میں ان بسیار گوئی کا مرتکب اور بعض اوقات کسی پر زیادتی کرنے میں مبتلا ہوتا ہے اس سے بھی پرہیز کرنا بہتر ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ بہترین تجارت کپڑے کی تجارت ہے اور بہترین پیشہ خرازی کا پیشہ ہے یعنی چھاگل اور مشک وغیرہ سینا' حدیث شریف میں ہے کہ اگر جنت میں تجارت ہوتی تو بزازی کی تجارت ہوتی اور اگر دوزخ میں تجارت ہوتی تو صرافی کی ہوتی-

چار پیشے ایسے ہی ہیں جنہیں لوگ حقیر اور کمینے تصور کرتے ہیں- جولاہا ہونا- روٹی پکنے کا پیشہ' سوت کاتنا اور معلّمی کا پیشہ' انہیں حقیر جاننے کا باعث یہ ہے کہ ان پیشہ والوں کو لڑکوں اور عورتوں سے واسطہ پڑتا ہے اور جو شخص کم عقل لوگوں سے ملا جلا رہے وہ بھی کم عقل ہو جاتا ہے-

تیسری احتیاط یہ ہے کہ بندہ کو دنیا کا بازار آخرت کے بازار سے نہ روکے اور آخرت کا بازار مسجدیں ہیں- خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

لاَ تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلاَبَيْعٌ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ انہیں اللہ کے ذکر سے غفلت میں مبتلا نہیں کرتی سوداگری اور نہ خرید و فروخت۔

آیہ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگوں چوکنے رہو' مشغلہ تجارت کہیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے۔ کیونکہ اس صورت میں خسارے اور نقصان میں جاپڑوگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اے لوگو دن کا پہلا حصہ آخرت کے کاموں کے لیے مختص کرو اور دن کا آخری حصہ دنیا کے کاموں کے لیے سلف صالحین کی یہ عادت تھی کہ صبح و شام آخرت کے کاموں میں مصروف رہتے یا مسجد میں ذکر الٰہی اور درود وظائف میں مشغول رہتے یا مجلس علم میں موجود رہتے اور ہریسہ اور بھنے ہوئے سری پائے چے اور ذمی لوگ فروخت کرتے کیوں کہ ان کاموں کے وقت مرد مسجدوں میں ہوتے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ فرشتے جب بندے کا اعمال نامہ آسمان پر لے جاتے ہیں اگر اس بندے نے دن کے اول و آخر حصہ میں نیک کام کیا ہوتا ہے تو دن کے درمیانی حصہ کے کام کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے صبح اور شام جمع ہو کر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں جب ہم نے انہیں چھوڑا وہ نماز میں تھے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے اس وقت بھی وہ نماز میں تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے تم کو گواہ بنایا کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ اور چاہیے کہ دن کے وقت جب اذان کی آواز سنے تو جس کام میں بھی مصروف ہو اس کو وہیں چھوڑے اور مسجد میں آجائے۔

اور آیۃ تلھیم تجارۃ الخ کی تفسیر میں آیا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے کہ ان میں سے لوہے کا کام کرنے والے نے اگر ہتھوڑا لوہے پر مارنے کے لیے اٹھایا ہوتا اور ادھر سے کان میں اذان کی آواز پہنچتی تو اسے نیچے نہ لاتا یعنی لوہے پر نہ مارتا اور چمڑے کا کام کرنے والا اگر ستان چمڑے میں چھبوتا ادھر سے اذان کی آواز سنائی دیتی تو اسے باہر نہ نکالتا۔ اسی طرح چھوڑ کر نماز ادا کرنے چل پڑتا۔

چوتھی احتیاط یہ کہ بازار میں ذکر و تسبیح اور یاد الٰہی سے غافل نہ رہے اور حتی الامکان دل و زبان کو بے کار نہ رہنے دے اور یہ یقین کرے کہ جو فائدہ ذکر و تسبیح نہ کرنے سے فوت ہوتا ہے سارے جہان کا فائدہ اس کا بدلہ نہیں بن سکتا۔ اور جو ذکر غافل لوگوں کے درمیان یاد الٰہی کرنے والے کی مثال ایسے ہے جیسے خشک درختوں پر ہرا درخت اور مردوں میں زندہ اور بھگوڑوں میں غازی۔ اور آپ نے فرمایا جو شخص بازار جائے اور یہ پڑھے :

لَآاِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ لَہُ المُلکُ وَلَہُ الحَمدُ یُحیِ وَیُمِیتُ وَھُوَ حَیٌّ لاَّیَمُوتُ بِیَدِہِ الخَیرُ وَھُوَعَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ

کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اس کی بادشاہی ہے اور وہی حمد و ثناء کے لائق ہے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ ہے' موت اس پر طاری نہیں ہوگی' اس کے ہاتھ میں خیر و برکت ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔

یہ تسبیح پڑھنے والے کے لیے دو دو ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بازار میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر صوفی لوگوں کے کان پکڑیں اور ان کی جگہ پر خود بیٹھ جائیں تو اس کے لائق ہیں اور فرمایا کہ میں ایک شخص کو جانتا ہوں کہ جو ہر روز بازار میں تین سو رکعات نماز اور تیس ہزار تسبیح اس کا ورد و وظیفہ ہے اور علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی ذات مراد لی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص بازار میں حصول معاش کے لیے جائے تاکہ دین کے کاموں میں فراغت حاصل کرے وہ ایسا ہی ہے اور اس مقصود کو نظر انداز نہ کرے گا۔ اور جو زیادہ دنیا طلب کرنے جائے گا اسے یہ بات نصیب نہ ہوگی۔ وہ اگر مسجد میں جا کر نماز بھی ادا کرے گا تو بھی اس کا دل پراگندہ اور دکان کے حساب میں مصروف رہے گا۔

پانچویں احتیاط یہ ہے کہ بازار میں زیادہ دیر ٹھہرنے کی حرص و خواہش نہ کرے مثلاً یہ کہ سب سے پہلے بازار جائے اور سب کے بعد آئے۔ یا دور دراز پر خطر سفر اختیار کرے یا دریا کا سفر کرے یہ امور کمالِ حرص کی دلیل ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ابلیس کا ایک بیٹا ہے اس کا نام زلنبور ہے وہ اپنے باپ کا خلیفہ اور نائب بن کر بازاروں میں موجود رہتا ہے۔ ابلیس اسے سکھاتا رہتا ہے کہ تو بازار میں جا کر جھوٹ' مکر و فریب' دغابازی اور قسم کھانے کی رغبت دلایا کر اور ایسے شخص سے چمٹا رہ جو سب سے پہلے بازار جاتا ہے اور سب کے بعد آتا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ سب جگہوں سے بری جگہ بازار ہے اور بازار کے لوگوں میں سب سے بدتر وہ ہے جو سب سے پہلے کاروبار کے لیے بازار پہنچ جائے اور سب کے بعد واپس آئے۔ تو دکاندار کو چاہیے کہ یہ بات اپنے اوپر لازم و ضروری قرار دے کہ جب تک مجلس علم' صبح کے اوراد و ظائف اور نماز صبح سے فارغ نہ ہو۔ بازار کا رخ نہ کرے اور جب اس دن کی روزی کما لے تو واپس آجائے۔ اور مسجد میں جا کر عمرِ آخرت کی روزی کمانے میں مصروف ہو جائے۔ کیونکہ آخرت کی مدت بڑی دراز اور اس کی روزی کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور انسان آخرت کے توشے سے بالکل مفلس اور تنگدست ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاد و محترم حضرت حماد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوپٹے بیچتے تھے۔ جب دو حبہ (معمولی) نفع کما لیتے تو گٹھڑی اٹھا کر گھر آجاتے۔

حضرت ابراہیم بن بشار رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ میں آج مٹی کے کام کے لیے جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے ابن بشار تم روزی ڈھونڈتے ہو اور موت تمہیں ڈھونڈتی ہے۔ جو تمہیں ڈھونڈ رہی

ہے اس سے تم نہیں چھوٹ سکتے اور جسے تم ڈھونڈ رہے ہو وہ تمہیں ضرور مل کر رہے گی۔ لیکن شاید تم نے حریص کو محروم اور کاہل کو رزق کھانے والا نہیں دیکھا ابن بشار نے کہا میری ملک میں صرف دانگ (ایک قسم کا سکہ) ہے جو ایک سبزی فروش کے ذمہ ہے۔ فرمایا تمہاری ایمانداری پر افسوس ہے کہ ایک دانگ اپنی ملک میں رکھنے کے باوجود مٹی کا کام کرنے جا رہے ہو۔ سلف صالحین میں ایسے حضرات تھے کہ پورے ہفتہ میں صرف دو دن بازار جاتے اور بعض روزانہ جاتے مگر ظہر کے وقت آجاتے بعض نمازِ عصر کے بعد بازار میں کام کاج کرتے اور ہر شخص جب اس دن کی روزی کما لیتا تو پھر مسجد کو چلا جاتا۔

چھٹی احتیاط یہ ہے کہ شبہ کے مال کے قریب نہ جائے اور اگر حرام مال لینے کا ارادہ کرے گا تو فاسق اور گناہگار ہوگا اور جس چیز میں شبہ ہو تو اگر خود صاحب دل ہے تو اپنے دل سے فتویٰ دریافت کرے۔ مفتیوں سے دریافت نہ کرے اور یہ بات نادر ہے۔ اور جس چیز سے دل نفرت اور کراہت کرے اسے نہ خریدے۔ ظالموں اور ان کے متعلقین سے لین دین نہ کرے۔ کسی ظالم کے ہاتھ مال ادھار فروخت نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ ظالم آدمی مر جائے گا تو قرض خواہ کو رنج و صدمہ ہوگا اور ظالم کے مرنے پر پریشان ہونا اور اس کے دولت مند ہونے پر خوش نہ ہونا چاہیے۔ وہ چیز ظالم کے ہاتھ فروخت نہ کرے جس کے متعلق جانتا ہو کہ یہ چیز اس کے ظلم میں معاون ہوگی اور اس کے ظلم میں اضافہ ہوگا۔ بلکہ فروخت کرنے والا بھی اس ظلم میں شریک ہوگا۔ مثلاً ظلم و زیادتی کرنے والوں کے ہاتھ کاغذ فروخت کرے گا تو گناہگار ہوگا۔ غرضیکہ کہ ہر آدمی سے لین دین نہ کرے۔ بلکہ جو شخص لین دین کے لائق ہو اسے تلاش کرے۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ جو شخص بازار جاتا کہتا کہ میں کس سے لین دین کروں لوگ کہتے جس سے تیرا دل کرے لین دین کرے کہ سب ہی احتیاط کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ لوگ کہتے سب سے لین دین کر مگر فلاں آدمی سے نہ کرنا۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ لوگ جواب دیتے کہ کسی کے ساتھ لین دین نہ کرنا مگر صرف فلاں آدمی سے۔ اب اس بات کا ڈر ہے کہ آئندہ ایسا زمانہ نہ آئے کہ کوئی کسی سے لین دین نہ کر سکے۔ اور یہ ہمارے (امام غزالی کے) زمانہ سے پہلے لوگوں کا قول تھا۔ ہمارے (امام غزالی علیہ الرحمتہ کے) زمانے میں حالت ہو گئی ہے کہ لین دین کرنے میں لوگوں نے بالکل فرق ہی اٹھا دیا ہے اور لین دین میں دلیر ہو چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ناقص علم اور ناقص دین لوگوں سے جو عوام الناس نے سن رکھا ہے کہ دنیا کا سب مال ایک جیسا ہو چکا ہے اور سب حرام ہے۔ اب احتیاط ناممکن ہے تو یہ ایک بہت غلط بات ان کے ذہن میں بٹھا دی گئی ہے۔ بات یوں نہیں ہے۔ اس کی شرط اس کتاب کے حلال و حرام کے باب میں جو آگے آرہی ہے بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ساتویں احتیاط یہ ہے کہ جس سے بھی لین دین کرے گفتگو دینے لینے اور عمل میں اپنا حساب درست اور ٹھیک رکھے اور یہ یقین رکھے کہ قیامت کے دن ایک ایک کام کے بارے میں باز پرس کریں گے اور عدل و انصاف کا مطالبہ ہوگا۔

حکایت: کسی بزرگ نے ایک تاجر کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ نے تجھ سے کیسا سلوک کیا اس نے

جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس ہزار صحیفہ میرے سامنے رکھا- میں نے عرض کی باری تعالیٰ یہ پچاس ہزار صحیفے کن کن کے ہیں- تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے دنیا میں پچاس ہزار افراد سے لین دین کیا- یہ ان میں سے ایک سے متعلق اعمال نامہ ہے چنانچہ میں نے ہر صحیفہ میں اول سے آخر تک ہر ایک کے ساتھ کیے ہوئے لین دین کو دیکھا- تو مختصر بات یہ ہے کہ اگر کسی کا ایک ٹکہ بھی اس کے ذمے ہو گا تو جس سے اس نے حیلہ وفریب سے لیا ہو گا اس کے عوض پکڑا جائے گا اور کوئی چیز اسے فائدہ نہ دے گی- جب تک اس کی ادائیگی سے بری الذمہ نہ ہو گا یہ ہے سلف صالحین کی سیرت اور شریعت کا راستہ جو انہوں نے لین دین میں اختیار کیا ہے- سلف صالحین کا یہ طریقہ اب اٹھ چکا ہے اور معاملات اور ان کا علم بھی لوگوں نے اب فراموش کر دیا ہے- جو شخص سلف کے ان طریقوں سے ایک طریقہ پر بھی عمل پیرا ہو گا ثواب عظیم کا مستحق ہو گا- کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جو احتیاط تم کرتے ہو اس کا دسواں بھی بجالائے گا تو کفایت کرے گا- صحابہ کرام نے عرض کی ایسا کیوں ہو گا- فرمایا اس لیے کہ نیک کاموں میں تمہیں مددگار میسر ہیں- اس لیے تم پر نیک کام بجالانا آسان ہے- مگر ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا اور وہ غافل لوگوں کے اندر اپنے آپ کو اجنبی اور غریب الدیار تصور کریں گے- یہ بات اس بنا پر کہی گئی ہے کہ کوئی ناامیدوار مایوس نہ ہو اور یہ کہے کہ اس زمانہ میں کون احتیاط کر سکتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں جس قدر احتیاط ہو سکے وہی بہت ہے- بلکہ جو شخص اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے وہ ہر طرح کی احتیاط کر سکتا ہے- کیونکہ اس طرح کی احتیاط سے فقیری اور تنگدستی میں ہی اضافہ ہو گا اور جو مفلسی اور درویشی ابدی بادشاہی کا سبب وذریعہ بنے اسے برداشت کر لیا جاتا ہے- دنیا میں لوگ بے سروسامان، سفر کی تکالیف اور کئی قسم کی ذلت وخواری برداشت کر لیتے ہیں تاکہ بہت سا مال حاصل کر سکیں- باوجودیکہ اگر کسی دوسرے ملک میں ان کی موت واقع ہو جائے تو ان کی وہ کوششیں ضائع اور برباد ہو جائیں اور یہ کوئی مشکل اور بڑی بات نہیں ہے کہ انسان آخرت کی بادشاہی حاصل کرنے کے لیے وہ معاملہ جس کے متعلق وہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس سے نہ کریں خود بھی دوسروں کے لیے روا نہ رکھے- واللہ اعلم-

چوتھی اصل حلال وحرام اور شبہ کی پہچان

یہ بات جان لے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ — رزق حلال کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے

اور تو اس وقت تک حلال کی تلاش نہیں کر سکتا جب تک یہ نہ جانے کہ حلال کیا ہوتا ہے- اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور دونوں کے درمیان مشکل اور پیچیدہ شبہات ہیں جو شخص ان شبہات کے گرد گھومے گا خطرہ ہے کہ حرام میں جا پڑے یہ بڑا وسیع علم ہے- ہم نے احیاء العلوم میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتی- اس کتاب میں ہم ان مسائل کی اتنی ہی مقدار بیان کریں گے جو

عوام کی استعداد کے مطابق ہو۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ چار بابوں میں اس کی شرح بیان کرتے ہیں۔

باب اول طلب حلال کی فضیلت و ثواب میں۔ دوسرا باب حلال و حرام میں درجات ورع کے بیان میں۔ تیسرا باب حلال کی تجسّس و تلاش اور اس کے متعلق دریافت کرنا۔ چوتھا باب شاہی وظیفے اور بادشاہ سے میل جول کے بیان میں۔

پہلا باب حلال طلب کرنے کے ثواب اور فضیلت کے بیان میں

اے عزیز جان لے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

یَاَیُّھَاالرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اے گروہِ انبیاء رزقِ حلال کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

یعنی اے گروہ انبیاءَ جو کچھ کھاؤ حلال اور پاک کھاؤ اور جو کام بھی کرو اچھا اور شائستہ ہی کرو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اسی بنا پر فرمایا ہے کہ حلال کی تلاش تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص مسلسل چالیس روز حلال کھائے کسی حرام چیز کی آمیزش نہ ہونے دے۔ خدا تعالیٰ اس کے دل کو نور سے بھر دیتا ہے اور اس کے دل میں حکمت و دانائی کے چشمے جاری کر دیتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے دل سے دنیا کی محبت و دوستی دور کر دیتا ہے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بزرگ صحابہ کرام میں سے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی یارسول اللہ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ میری ہر دعا قبول کر لیا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ حلال خوراک کھایا کرو تاکہ تمہاری دعا مستجاب ہو اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا کھانا اور کپڑا حرام کا ہوتا ہے یہ لوگ ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا کرتے ہیں مگر ان کی دعا کیسے قبول ہو۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ بیت المقدس میں خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو ہر شب آواز دیتا ہے کہ جو حرام کھاتا ہے خدا تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول کرتا ہے نہ سنت اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے جو شخص دس درہم سے کپڑا خریدے ان میں ایک درہم حرام کا ہو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے جس کا گوشت حرام خوراک سے بنا ہو آتش دوزخ اس کے زیادہ لائق ہے اور آپ کا ایک ارشاد مبارک یہ ہے کہ جو شخص اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ مال کہاں سے ہاتھ آتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے بارے میں بھی پرواہ نہیں کرتا کہ کس جگہ سے اسے دوزخ میں ڈال دے اور آپ نے فرمایا ہے عبادت کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے طلب حلال میں ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے جو شخص تلاش حلال میں تھک کر رات کو گھر آتا ہے اسے سونے سے پہلے بخش دیا جاتا ہے اور صبح جب اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ حرام سے بچتے ہیں مجھے شرم آتی ہے کہ ان سے حساب لوں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے سود کا ایک درہم مسلمان ہو کر تیس بار زنا کرنے سے زیادہ برا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص حرام مال سے صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس صدقے کو قبول نہیں فرماتا اور جو مال جمع کر کے رکھے گا اس کا توشہ دوزخ بنے گا۔

ایک دفعہ سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کے ہاتھ سے دودھ پی لیا بعد میں آپ کو

خیال آیا کہ یہ دودھ حلال طریقہ سے حاصل نہیں کیا گیا۔ انگشت مبارک حلق میں ڈال کر قے کر دیا اور آپ کو اس قدر خوف وڈر پیدا ہوا کہ روح پرواز کر جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا اور آپ نے عرض کی بار خدایا میں تیرے پاس پناہ لیتا ہوں اس سے جو میری رگوں میں باقی رہ گیا ہے قے کے ذریعے باہر نہیں نکلا۔

اور سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا جب ایک دفعہ غلطی سے صدقے کا دودھ آپ کو لوگوں نے پلا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر تو اس قدر کثرت سے نمازیں پڑھے کہ تیری کمر ٹیڑھی ہو جائے اور اس قدر روزے رکھے کہ سوکھ کر بال کی طرح پتلا ہو جائے تو بھی کچھ فائدہ نہ ہو گا اور اس نماز روزے کو قبول نہ کریں گے جب تک تو حرام سے پرہیز نہ کرے۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں جو آدمی حرام مال سے صدقہ اور خیرات کرے وہ اس طرح ہے جیسے کوئی پیشاب سے ناپاک کپڑا دھوئے تاکہ اور زیادہ ناپاک ہو جائے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں نیکی خدا تعالیٰ کا خزانہ ہے اس کی چابی دعا اور اس چابی کے دندانے لقمہ حلال ہے۔ حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کوئی شخص بھی ایمان کی حقیقت نہیں پا سکتا مگر چار چیزوں کے ذریعے (۱) سنت کے مطابق سب فرائض ادا کرے۔ (۲) پرہیز گاری کی شرط کے مطابق رزق حلال کھائے۔ (۳) تمام ناشتہ حرکات وافعال سے ظاہر وباطن میں دست کش ہو جائے۔ (۴) موت تک اسی حالت میں رہے بزرگوں نے فرمایا ہے جو شخص چالیس روز شبے کا کھانا کھاتا ہے اس کا دل سیاہ اور زنگ آلود ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں شبے کا ایک درہم جو اس کے مالک کو واپس کر دوں وہ میرے نزدیک ایک لاکھ درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے ساتوں اعضاء نافرمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ نافرمانی میں مبتلا ہونا چاہے یا نہ چاہے اور جو شخص حلال کھاتا ہے اس کے اعضا نیک کام میں لگے رہتے ہیں اور اس کو خیر کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ اس بارے میں احادیث وروایات بہت وارد ہوئی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اہل ورع اس سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے ان اہل ورع میں سے ایک حضرت وہب بن الورد ہوئے ہیں۔ آپ کا دستور تھا کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاتے جب تک یہ نہ جان لیتے کہ کہاں سے آئی ہے۔ ایک دن آپ کی ماں نے آپ کو دودھ کا پیالہ دیا آپ نے دریافت فرمایا یہ کہاں سے آیا ہے اس کی قیمت کس نے ادا کی ہے اور کس سے خریدا ہے۔ جب سب کچھ دریافت فرما لیا تو پوچھا یہ بکری کہاں چرتی ہے۔ پتہ چلا کہ جہاں چرتی تھی وہ مسلمانوں کا حق تھا اور دودھ نہ پیا۔ ماں نے فرمایا پی لے اللہ تجھ پر رحمت نازل کرے آپ نے فرمایا میں نہ پیوں گا اگرچہ اللہ تعالیٰ رحمت ہی کرے کہ اس صورت میں میں اس کی رحمت تک اس کی نافرمانی سے پہنچوں گا اور میں یہ نہیں چاہتا۔

حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا آپ کہاں سے کھاتے ہیں اور آپ بہت احتیاط کرتے تھے۔ فرمایا جہاں سے دوسرے لوگ کھاتے ہیں۔ لیکن فرق ہے اس کے درمیان جو کھاتا ہے اور روتا ہے اور اس کے درمیان جو کھاتا ہے اور ہنستا ہے اور آپ فرماتے تھے اس سے کچھ نہیں ہوتا کہ انسان ہاتھ سمیٹے اور لقمے کم کھائے۔ یعنی اصل چیز یہ ہے کہ انسان

حرام خوراک سے پرہیز کرے۔

دوسرا باب حلال و حرام میں ورع و پرہیز گاری کے درجات: اے عزیز یہ بات جان کہ حلال و حرام میں بہت درجے ہیں۔ سب کا ایک ہی درجہ نہیں۔ ایک چیز حلال ہوتی ہے اور ایک حلال بھی ہوتی ہے اور پاک بھی اور ایک چیز پاک تر اسی طرح حرام میں بعض سخت حرام اور بہت پلید اور ایک چیز کم ناپاک ہوتی ہے۔ جس طرح وہ بیمار جسے گرمی نقصان دہ ہو تو جو چیز بہت زیادہ گرم ہو وہ اسے زیادہ نقصان دے گی اور گرم اشیاء کے بھی مختلف درجات ہیں کہ شہد کی گرمی شکر کی گرمی کی طرح نہیں۔ یہی حال حرام کا ہے اور مسلمانوں کے طبقات و گروہ حرام و شبہ سے بچنے میں پانچ درجوں میں منقسم ہیں۔

پہلا درجہ۔ عادل شخص کا پرہیز ہے اور یہ عام مسلمانوں کا پرہیز و تقویٰ ہے۔ کہ جن چیزوں کو ظاہر فتویٰ حرام قرار دیتا ہے اس سے بچتے ہیں۔ یہ پرہیز گاری کا سب سے نیچے کا درجہ ہے اور جو اس درجے کی پرہیز گاری بھی قائم نہ رکھے اس کی عدالت باطل ہے اور اسے فاسق و نافرمان کہیں گے۔ پھر اس کے بھی کئی درجے ہیں۔ کہ جو شخص دوسرے کا مال عقد فاسد کے ذریعے حاصل کرے مگر مالک کی رضامندی سے کھائے اگرچہ یہ بھی حرام ہے مگر اس کے مقابلے میں جو دوسروں کا مال غصب کر کے کھائے، حرام تر ہے اور یتیم یا فقیر محتاج سے چھین کر کھائے تو سخت ترین حرام اور بہت ہی برا ہے اور عقد فاسد اگر سود کے طور پر ہو تو سب سے زیادہ بڑھ کر حرام و نجس ہے۔ اگرچہ حرام کا اطلاق سب پر ہوتا ہے اور جو زیادہ حرام ہوگا اس میں آخرت کا خطرہ بھی زیادہ ہوگا اور اس سے معافی کی امید بہت کم ہے۔ جس طرح وہ بیمار جو شہد کھائے اس کی موت کا خطرہ قند و شکر کھانے والے بیمار سے زیادہ ہے اور اگر زیادہ مقدار میں کھالے تو خطرہ اور زیادہ بڑھ جائے گا اور اس بات کی تفصیل کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا پورے طور پر اسے معلوم ہوتا ہے جو علم فقہ پڑھے۔ فقہی تفصیلات کا جاننا سب لوگوں پر واجب و لازم نہیں۔ کیونکہ جس شخص کا ذریعہ معاش نہ مال غنیمت سے ہو اور نہ جزیہ سے اسے غنائم اور جزیہ کے مسائل جاننے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں ہر شخص پر اتنی مقدار مسائل جاننا ضروری ہے۔ جس کی اسے حاجت و ضرورت ہے جب کسی کا ذریعہ معاش تجارت ہو تو اسے تجارت کے مسائل سیکھنا ضروری ہیں اور اگر اس کی روزی کا ذریعہ محنت مزدوری ہے تو اجارہ کے مسائل کا سیکھنا اس پر واجب و لازم ہے اور ہر پیشے کا الگ علم ہے۔ انسان نے جو پیشہ بھی اختیار کیا ہو اس کا علم سیکھنا واجب ہے۔

دوسرا درجہ نیک لوگوں کا ورع ہے۔ جنہیں صالحین کہا جاتا ہے اور ورع و تقویٰ یہ ہے کہ جس چیز کو مفتی حرام نہ کہے مگر یہ کہے کہ اس میں شبہ ہے اس سے بھی ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اور شبہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے اور ایک وہ ہے جس سے پرہیز واجب تو نہیں البتہ مستحب ضرور ہے جس سے بچنا ضروری ہے اصل سے پرہیز کرنا اول درجہ کا پرہیز ہے اور دوسری قسم سے بچنا درجہ دوم کا پرہیز ہے۔ تیسری قسم وہ جس سے پرہیز کرنا محض وسوسہ ہوتا

ہے- یہ پرہیز بے کار ہے جس طرح کوئی شخص شکار کا گوشت نہ کھائے اور کہے شاید یہ شکار کسی کی ملک ہو اور اس سے بھاگ آیا ہو یا مانگے ہوئے مکان سے باہر نکل جائے اور کہے شاید اس کا مالک مر گیا ہو اور وارث کی ملک ہو گیا ہو- ایسی باتوں پر جب تک دلیل صریح قائم نہ ہو محض وسوسہ بے کار ہیں-

ورع کا تیسرا درجہ پرہیزگار لوگوں کا ورع ہے- جن کو دوسرے الفاظ میں متقی کہتے ہیں- اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز نہ حرام ہو نہ شبہ والی بلکہ مطلق حلال ہو اس سے خطرے کے تحت پرہیز کیا جائے کہ کہیں شبہے یا حرام میں بتلا نہ ہو جائے- کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں- بندہ متقی لوگوں کے درجہ تک نہیں پہنچتا جب تک اس چیز سے بھی نہ بچے جس میں کوئی خطرہ نہ ہو اس خطرہ کی بنا پر کہ کہیں خطرہ والی چیز کا مرتکب نہ ہو جائے-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں- میں نے دس حلال چیزیں چھوڑیں اس ڈر کے مارے کہ کہیں حرام میں نہ جا پڑوں اسی بنا پر نیک لوگوں کا دستور تھا کہ اگر کسی سے سو درہم لینے ہوتے تھے تو اس سے ایک کم سو لیتے تھے کہ کہیں زیادتی نہ ہو جائے-

علی بن معبد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کرایہ کے مکان میں رہتا تھا- ایک روز میں نے خط لکھا اور ارادہ کیا کہ دیوار سے مٹی لے کر اسے خشک کروں- پھر خیال آیا کہ دیوار میری ملک نہیں- اس لیے مجھے ایسا نہ کرنا چاہیے- پھر دل میں کہا اتنی تھوڑی سی مٹی لینے سے کیا گناہ ہے- تو تھوڑی سی مٹی لے کر ڈال لی- رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کچھ کہہ رہا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ خاک دیوار کی کوئی حیثیت نہیں- اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں- انہیں کل قیامت کو اس کا انجام معلوم ہوگا- جو لوگ پرہیزگاری کے اس درجہ میں ہوتے ہیں- وہ تھوڑی اور معمولی چیز سے اس بنا پر پرہیز کرتے ہیں کہ ممکن ہے اگر ایسا کیا تو زیادہ کرنے کی عادت پڑ جائے- اور اسی احتیاط کی بنا پر یہ واقعہ پیش آیا کہ جب حضرت حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ جب کہ آپ بچے تھے صدقے کے مال سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈالی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کخ کخ القھا نکالو نکالو تھوکو-

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دفعہ مال غنیمت میں مشک لائی گئی- تو آپ نے ناک بند کر لی کہ اس کا نفع تو اسکی خوشبو سونگھنا ہی ہے- اور یہ سب مسلمانوں کا حق ہے- میں اکیلا اس سے نفع اٹھانے کا مجاز نہیں- بزرگان دین میں سے کوئی بزرگ کسی بیمار کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا- جب حکم الٰہی آ گیا اور وہ بیمار فوت ہو گیا تو اس بزرگ نے چراغ گل کر دیا- اور فرمایا اب اس تیل میں وارث کا حق بھی داخل ہو گیا ہے-

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت کی مشک اپنے گھر میں رکھی ہوئی تھی تاکہ آپ کی اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا اسے مسلمانوں کے پاس فروخت کر دیں- ایک روز آپ گھر تشریف لائے تو آپ کی بیوی کے دوپٹے سے مشک کی خوشبو آئی- پوچھا یہ کیا ہے- بیوی صاحبہ نے جواب دیا میں خوشبو تول رہی تھی اس سے میرے ہاتھ کو لگ گئی وہ

میں نے دوپٹے سے مل لی- حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوپٹہ ان کے سر سے اتار کر دھوتے اور پھر سونگھتے اور مٹی سے ملتے اس وقت اسے دھونے سے چھوڑا جب کہ خوشبو بالکل ختم ہو گئی- پھر وہ دوپٹہ استعمال کے لیے بیوی کو دیا اگرچہ اسقدر خوشبو کا لگ جانا قابل گرفت عمل نہ تھا- لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ بالکل دروازہ بند ہو جائے تاکہ وہ کسی دوسری برائی تک نہ پہنچادے اور نیز حرام میں گرفتار ہونے کے ڈر سے حلال کو چھوڑ دیا جائے اور متقی لوگوں کا ثواب بھی حاصل ہو-

اور لوگوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کوئی شخص مسجد میں ہو اور اس میں بادشاہ کے مال سے اگربتی وغیرہ خوشبو کے لیے جلالے تو درست ہے آپ نے فرمایا وہاں سے (مسجد سے) باہر آجانا چاہیے- تاکہ خوشبو نہ سونگھے اور یہ بات حرام کے نزدیک ہے کیونکہ اس قدر خوشبو جو ان کے کپڑوں میں لگ گئی ہیں یہی تو مقصود ہے اور شاید کہ اس بات کو معمولی اور آسان تصور کریں-

اور لوگوں نے حضرت سے دریافت کیا کہ اگر کسی شخص کو ایسا کاغذ ملے جس میں احادیث درج ہوں مالک کی اجازت کے بغیر اس سے نقل کرتا ہے آیا اس کی اجازت ہے- آپ نے فرمایا اس کی اجازت نہیں-

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے آپ پیار کرتے تھے- جب آپ خلیفہ بنے تو اس عورت کو طلاق دے دی اس ڈر سے کہ شاید کسی بارے میں سفارش کرے اور تعلق و پیار کی وجہ سے آپ اس کی سفارش مسترد نہ کر سکیں-

جان لے کہ ہر مباح چیز جو انسان کو زینتِ دنیا کی طرف راغب کرے یہ اس لیے ہوتا ہے کہ جب بندہ اس کام میں مشغول ہوتا ہے- تو وہ کام اسے ایک دوسرے کام میں مصروف کر دیتا ہے- بلکہ جو شخص حلال بھی سیر ہو کر کھاتا ہے- متقی لوگوں کے درجہ سے محروم ہو جاتا ہے- اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب حلال سیر ہو کر کھاتا ہے تو شہوت و خواہش میں جنبش پیدا ہوتی ہے اور اس بات کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ ناشائستہ حرکات کے خیالات دل میں آنا شروع ہو جائیں اور اس بات کا خطرہ بھی لاحق ہو جاتا ہے کہ نظر میں کجی پیدا ہو جائے اور اہل دنیا کے مال ان کے محلات اور باغات کو دیکھنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ بات حرص دنیا کو تیز کرتی ہے اور دنیا کی طلب و تلاش میں ڈال دیتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ حرام تک پہنچا دیتی ہے اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے دنیا کی محبت تمام گناہوں کی سردار ہے اور اس محبت سے آپ نے مباح دنیا کی محبت مراد لی ہے یہ محبت انسان کے دل کو دنیا کی طرف کھینچتی ہے یہاں تک کہ یہ زیادہ دنیا طلبی میں مبتلا کرتی ہے اور زیادہ دنیا طلبی نافرمانی اور معصیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ محبت ذکر الٰہی کو دل میں ٹھہرنے نہیں دیتی- اور تمام بدبختیوں کا سرچشمہ یہ بات ہے کہ دل پر خدا تعالیٰ سے غفلت کا غلبہ ہو جائے اور اس وجہ سے ایک دفعہ یہ ہوا کہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ جو ایک صاحب علم بزرگ تھے ایک مکان کے دروازے پر سے گزرے جو آدمی آپ کے ساتھ تھا اس نے اس مکان کو دیکھنا شروع کر دیا آپ نے اسے منع فرمایا اور فرمایا کہ تم لوگ اگر دنیا داروں کی ان چیزوں کو نہ دیکھو تو

یہ لوگ اس طرح کے اسراف میں نہ پڑیں۔ پس تم لوگ بھی ان کے اس اسراف کے گناہ میں شریک ہو۔

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو دیوار اور گھر کے گچ قلعی کرنے کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا زمین یعنی فرش کا گچ کرنا تو درست ہے تاکہ مٹی نہ اڑے لیکن دیوار کا گچ کرنا مکروہ جانتا ہوں کہ زینت و آرائش میں داخل ہے۔ بزرگان سلف نے یوں فرمایا ہے کہ جس کا لباس تنگ وباریک ہوتا ہے اس کا دین بھی تنگ ہوتا ہے۔ یعنی ضعیف وکمزور ہوتا ہے۔ خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ حلال وپاک سے بھی ہاتھ کھینچ کر رکھے۔ تاکہ حرام میں نہ جا پڑے۔

چوتھا۔ صدیق لوگوں کا ورع ہے۔ یہ لوگ اس حلال سے بھی پرہیز کرتے ہیں جو حرام تک پہنچانے کا ذریعہ ہو۔ مگر اس کے ذرائع حصول میں سے کوئی ذریعہ حرام ومعصیت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے قریب بھی نہیں آتے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ بادشاہ کی کھدوائی ہوئی نہر سے پانی نہیں پیتے تھے اور حاجیوں کا ایک گروہ ایسا ہوتا تھا کہ سفر حج میں بادشاہوں کے بنوائے ہوئے حوضوں سے پانی نہیں پیتا تھا اور ایسے پاک لوگ بھی ہوتے تھے جو اس باغ کے پھل نہ کھاتے تھے جسے بادشاہ کی کھدوائی ہوئی نہر کا پانی دیا جاتا تھا۔

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں بیٹھ کر کپڑے سینے کو مکروہ جانتے تھے اور مسجد میں بیٹھ کر کسی قسم کے کام کرنے کو اچھا نہ جانتے تھے۔ اور قبر کے گنبد میں بیٹھ کر رسیاں بٹنے کو بھی مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے قبرستان آخرت کے لیے ہے اور ایک روایت ہے کہ کسی کے غلام نے بادشاہ کے گھر سے چراغ جلایا غلام کے مالک نے وہ چراغ بجھا دیا۔ ایک رات ایک بزرگ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ اس وقت نزدیک سے شاہی مشعلیں گزر رہی تھیں آپ نے ان کی روشنی میں تسمہ درست کرنا اچھا نہ جانا۔ ایک پارسا عورت سوت کات رہی تھی۔ اتفاق سے سلطانی روشن مشعلیں اس کے پاس سے گزریں تو اس نے سوت کاتنا ترک کر دیا تاکہ اس کی روشنی میں کوئی تاگہ نہ کتنے پائے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ گرفتار کئے گئے۔ چند روز بھوکے رہے ایک پارسا عورت نے جو آپ کی مرید تھی۔ اپنے حلال سوت کے پیسوں سے کھانا پکا کر بھیجا۔ آپ نے نہ کھایا۔ اس عورت نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ میں نے آپ کے پاس بھیجا حلال تھا اور آپ بھوکے تھے۔ آپ نے وہ کھانا کیوں نہ کھایا۔ آپ نے فرمایا وہ کھانا ظالم کے طباق میں ڈال کر میرے پاس آیا۔ کیونکہ وہ طباق جیل خانہ کے محافظ کے ہاتھ کا تھا۔ میں نے اس وجہ سے پرہیز کیا۔ میں نے خیال کیا کہ ظالم کی قوت سے مجھ تک پہنچا ہے۔ شاید وہ قوت حرام سے حاصل ہوئی ہو۔ اور یہ اس باب میں پرہیزگاری کا عظیم ترین درجہ ہے اور جو شخص اس کی تحقیق سے ناواقف ہو ممکن ہے اس کے دل میں وسوسہ آئے اور وہ کسی فاسق کے ہاتھ سے کوئی چیز نہ کھائے۔ لیکن اصل یہ بات ہے کہ کسی ظالم سے کوئی چیز نہ کھائے۔ کیونکہ وہ حرام کھاتا ہے اور اس کی قوت بھی حرام سے ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص زنا کرتا ہے اس کی قوت زنا سے نہیں ہوتی۔ پس طعام کے پہنچنے کا سبب وہ قوت نہیں ہوتی جو حرام سے ہو۔

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ایک دفعہ ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ کہ ایک چشمہ پر پہنچا وہاں

اگی ہوئی گھاس دیکھی- میں نے دل میں کہا میں یہ گھاس بھی کھاؤں گا اگر مجھے حلال کھانے کی خواہش ہے- عین اس وقت ہاتف نے آواز دی کہ وہ قوت جس نے تجھے یہاں تک پہنچایا کہاں سے آئی تھی- میں پشیمان ہوا توبہ واستغفار کی صدیق لوگوں کا درجہ یہ ہوتا ہے- وہ ایسی احتیاطوں میں اس قدر باریک بینی سے کام لیتے تھے- لیکن اب اس کی جگہ لوگ کپڑے دھونے اور پاک پانی تلاش کرنے میں احتیاط کرتے ہیں- مگر ان لوگوں کے نزدیک یہ باتیں آسان تھیں وہ ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے اور جو پانی میسر آجاتا ہے اس سے وضو وطہارت کر لیتے تھے- لیکن یہ ظاہری طہارت جسم کی آرائش اور لوگوں کی نظارہ گاہ ہے- اس میں نفس کا بہت زیادہ حصہ ہے- وہ مکروفریب سے بندۂ مومن کو اس میں مصروف کرنا چاہتا ہے اور یہ طہارت جسے صدیق لوگ اختیار کرتے ہیں باطن کی طہارت اور خدا تعالیٰ کے نظارے کی جگہ ہے- اسی وجہ سے دشوار اور مشکل ہے-

پانچواں درجہ- مقرب و موحد لوگوں کا ورع و تقویٰ ہے کہ جو چیز بھی خدا تعالیٰ کے لیے نہ ہو- چاہے وہ کھانے سے تعلق رکھتی ہو یا سونے اور گفتگو کرنے سے سب کچھ حرام تصور کرتے ہیں اور یہ وہ قوم ہے جو ایک ہی ہمت اور صفت کے مالک ہوتے ہیں اور حقیقت میں پکے توحید پرست یہی لوگ ہیں-

حکایت : حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ آپ نے دوا کھائی ہوئی تھی- آپ کی بیوی نے عرض کی آپ گھر میں ہی چند قدم ٹہل لیں (تاکہ آپ کی صحت بہتر ہو جائے) آپ نے جواب دیا میرے پاس اس طرح چلنے پھرنے کی کوئی وجہ (جواز) نہیں اور تیس سال سے میں اپنا محاسبہ کر رہا ہوں کہ جو کچھ کروں صرف دین کی خاطر کروں- کسی اور نیت سے کچھ نہ کروں- پس اس مقرب قوم کا دستور ہے کہ جب تک دینی نیت ملحوظ نہ ہو کچھ حرکت نہیں کرتے- اگر کھانا کھاتے ہیں تو صرف اتنی مقدار میں جس سے عقل اور زندگی برقرار رہے اور تاکہ عبادت الٰہی بجالا سکیں- اگر زبان پر کوئی بات لاتے ہیں تو وہ بھی دین کی بات ہی ہوتی ہے اس کے سوا جو کچھ ہوتا ہے اسے اپنے اوپر حرام جانتے ہیں- یہ ہیں ورع و پرہیز گاری کے درجے اور کم از کم اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ تو ان باتوں کو سنے اور جانے تاکہ تجھے اپنی کوتاہی کا احساس ہو اور اگر تو چاہے کہ ورع کا پہلا درجہ ہی حاصل کرے جو کہ عادل مسلمانوں کا درجہ ہے تاکہ تجھ پر فسق کا اطلاق نہ ہو- تو تو اس کے حاصل کرنے سے بھی عاجز رہتا ہے اور جب اس سے متعلق باتیں کرنے لگتا ہے تو بہت لمبی چوڑی باتیں کرتا ہے اور سب عالم ملکوت کی باتیں کرتا ہے اور ظاہری شرع کی باتوں سے تجھے شرم آتی ہے- بلکہ تو چاہتا ہے کہ سب پراگندہ اور بڑی بڑی اونچی باتیں کرتا رہے- حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا بدترین ہیں وہ لوگ جن کے جسم آرام و نعمت میں ہیں اور مرغن پر تکلف کھانے کھاتے اور عمدہ و نفیس لباس زیب تن کرتے ہیں اور پھر جب منہ کھولتے ہیں تو بڑی بڑی اونچی باتیں کرتے- (یعنی صرف گفتار کے غازی ہیں کردار کے غازی نہیں ہیں) اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لوگوں کی آفات سے محفوظ رکھے-

تیسرا باب حلال و حرام میں فرق و امتیاز کرنے اور اس کی جستجو میں : جان لے کہ ایک گروہ نے یہ گمان کر لیا ہے کہ دنیا کا سب مال یا بیشتر مال حرام ہے اور یہ لوگ تین گروہوں میں منقسم ہیں۔(۱) وہ لوگ جن پر احتیاط و ورع کا غلبہ ہو چکا ہے۔ان کا قول ہے کہ ہم گھاس پات جو جنگل وغیرہ میں اگتی ہے اور مچھلی اور شکار کے گوشت کے سوا اور کچھ نہ کھائیں گے۔(۲) وہ لوگ ہیں جن پر شہوت و لغویت سوار ہو چکی ہے وہ کہتے ہیں کسی چیز میں کچھ فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔سب چیزیں کھانی درست ہیں۔(۳) وہ لوگ ہیں جو اعتدال کے بہت قریب ہیں۔وہ کہتے ہیں کھا تو سب کچھ لینا چاہیے مگر بوقت ضرورت لیکن ان تینوں قسم کے لوگ قطعاً خطا پر ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ قیامت تک ہمیشہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر۔اور شہادت ان دونوں کے درمیان ہیں۔اور یہی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور یہ جو لوگ سمجھ رہے ہیں کہ دنیا کا اکثر مال حرام ہے۔ غلطی پر ہیں۔کیونکہ مال حرام کا وجود تو ضرور ہے مگر اکثر اور بیشتر حرام نہیں۔یہ امر واضح ہے کہ "بہت اور بہت زیادہ" میں فرق ہے جیسے بیمار' مسافر اور فوجی لوگ بہت ہیں۔مگر بہت زیادہ نہیں۔اسی طرح ظالم بہت ہیں مگر مظلوم لوگ بہت زیادہ ہیں اور اس غلطی کی وجہ میں نے کتاب احیاء العلوم میں پوری شرح سے بیان کر دی ہے۔اس بات کی اصل حقیقت یہ ہے کہ تجھے پتہ ہونا چاہیے کہ لوگوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ صرف وہ چیز کھائیں جو علم الٰہی میں حلال ہے۔کیونکہ یہ جاننے کی کسی میں طاقت نہیں۔بلکہ یہ حکم ہے کہ وہ چیز کھائیں جس کے متعلق ان کو گمان ہو کہ حلال ہے۔یا اس کا حرام ہونا ظاہر نہ ہو۔اور یہ بات ہمیشہ آسانی سے میسر آسکتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کے برتن سے وضو کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی کے مٹکے سے وضو کیا اور اگر وہ پیاسے ہوتے تو اس سے پانی پی بھی لیتے اور پلید اور ناپاک چیز کا کھانا پینا تو حلال نہیں ہوتا۔اور غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ ان کے ہاتھ ناپاک ہوتے ہیں۔کیونکہ یہ لوگ خمر نوشی کرتے اور مردار کھاتے ہیں۔لیکن چونکہ ان کو اس کے ناپاک ہونے کا یقین نہ تھا اس لیے اسے پاک جانتے ہوئے استعمال کر لیا اور صحابہ کرام جس شہر میں بھی تشریف لے جاتے وہاں سے کھانا خریدتے اور ان سے لین دین کرتے۔حالانکہ ان شہر والوں میں چوری چکاری کرنے والے' سود خوار اور شراب فروشی ہر قسم کے لوگ ہوتے۔لیکن صحابہ کرام ان سے دنیا کا مال لینے میں ہاتھ نہ کھینچ لیتے اور سب کو برابر بھی خیال نہ کرتے اور بقدر ضرورت چیزوں پر کفایت کرتے۔پس چاہیے کہ تو یہ بات جانے کہ لوگ تیرے حق میں چھ قسم ہیں۔

قسم اول۔وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تجھے پتہ نہیں ہوتا کہ وہ نیک ہیں یا برے۔جس طرح کہ تو کسی شہر میں مسافر بن کر جائے۔تو تیرے لیے جائز ہے کہ جس سے بھی چاہے کھانا کھالے اور معاملہ کرے۔کیونکہ جو کچھ اس کے پاس ہے ظاہر یہی ہے کہ وہ اس کی اپنی چیز ہے اور اس کی حلت کے لیے صرف اتنی دلیل کافی ہے اور سوائے ایسی علامت کے جو اس کا حرام ہونا ظاہر کرے اس سے معاملہ باطل نہ ہوگا۔لیکن اگر کوئی شخص اس بارے میں توقف کرے اور ایسے شخص کو

تلاش کرے جو اس کا نیک ہونا بتائے تو اس کی اس طرح کی احتیاط بھی ورع میں داخل ہے اور مستحسن ہے واجب و ضروری نہیں۔

دوسری قسم۔ وہ لوگ ہیں جن کا اچھا ہونا تجھے معلوم ہو۔ اس کے مال سے کھانا درست و روا ہے اور اس میں بھی توقف کرنا ورع میں داخل نہیں۔ بلکہ یہ وسوسہ ہے۔ چنانچہ اگر وہ شخص تیرے توقف کی وجہ سے رنجیدہ ہو گا تو تیرے ذمے گناہ اور معصیت لکھی جائے گی۔ کیونکہ اچھے لوگوں کے بارے میں تیرا بدگمانی کرنا گناہ اور معصیت ہے۔

تیسری قسم۔ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تجھے پورا پتہ ہو کہ ظالم ہیں جیسے ترک لوگ اور بادشاہوں کے مقرر کردہ حاکم۔ یا تجھے اس بات کا علم ہو کہ اس کا سارا یا بیشتر مال حرام کا ہے تو اس کے مال سے بچنا ضروری اور واجب ہے۔ مگر یہ کہ تجھے علم ہو کہ یہ مال اس کے پاس حلال جگہ سے آیا ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کے حلال ہونے کی علامت موجود ہے کہ اس چیز پر اس شخص کا قبضہ جائز ہے غاصبانہ قبضہ نہیں۔

چوتھی قسم۔ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق علم ہو ان کا بیشتر مال حلال ہے۔ لیکن کس قدر حرام کی ملاوٹ سے خالی بھی نہیں جیسے ایک شخص کاشتکار ہو مگر بادشاہ وقت کے پاس بھی کام کرتا ہو۔ یا ایسے تاجر جو لوگوں سے بھی لین دین کرتے ہوں اور بادشاہ سے بھی تو ان کا مال بھی حلال ہے اور جائز و درست ہے کہ اس سے بیشتر مقدار میں مال لے لے۔ کیونکہ وہ حلال ہے۔ تاہم اس سے پرہیز کرنا ورع و تقویٰ میں داخل و ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کے وکیل نے بصرہ سے آپ کو لکھا کہ ایسے لوگوں سے لین دین کرنا پڑتا ہے۔ جو بادشاہوں سے لین دین کرتے ہیں (کیا ان سے لین دین اور معاملہ درست ہے) آپ نے اس کے جواب میں اپنے وکیل کو لکھا کہ اگر یہ لوگ صرف بادشاہوں سے ہی لین دین کرتے ہیں تو تم ان سے لین دین نہ کرو۔ اور اگر اور لوگوں سے بھی معاملہ رکھتے ہو تو پھر تم بھی ایسے لوگوں سے لین دین کر لیا کرو۔

پانچویں قسم۔ وہ لوگ ہیں جن کا ظالم ہونا تجھے معلوم نہ ہو اور اس کے مال کے متعلق بھی تجھے خبر نہ ہو لیکن اتنا ہو کہ اس میں کوئی ظلم کی علامت تجھے نظر آتی ہو جیسے قبا اور کلاہ اور فوجی لوگوں کی شکل و صورت۔ تو یہ ظاہر علامت ہے اس لیے ان کے ساتھ معاملہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جب تک تجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مال جو تجھے دے رہا ہے وہ کہاں سے لایا ہے۔

چھٹی قسم۔ وہ لوگ ہیں جن میں ظلم کی علامت تو تجھے کچھ نظر نہ آئے البتہ ان میں فسق کی علامت پائی جاتی ہو۔ جیسے وہ ریشمی لباس پہنتا ہو۔ یا سونے کا زیور اور تجھے یہ بھی پتہ ہو کہ یہ شخص شراب پیتا ہے اور نامحرم عورتوں کو دیکھتا ہے۔ تو ایسے شخص کے بارے میں صحیح حکم یہ ہے کہ اس کے مال سے بھی پرہیز کرنا واجب و ضروری نہیں کہ ان افعال سے مال حرام نہیں ہو جاتا اور اس سے زیادہ وہم کی گنجائش نہیں کہ یہ شخص ان افعال کو حلال جانتا ہے تو ممکن ہے کہ حرام مال سے بھی پرہیز نہ کرتا ہو۔ لیکن اس وہم سے اس کے مال کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ کوئی شخص بھی مکمل طور پر گناہ اور

معصیت سے پرہیز نہیں کرتا حلال و حرام کے فرق کرنے میں اس قاعدہ کو نگاہ رکھنا چاہیے۔ اس نگہداشت کے باوجود اگر حرام چیز کھانے میں آجائے اور پتہ نہ ہو تو اس پر مواخذہ نہ ہو گا۔ جیسا کہ نجاست کی حالت میں نماز جائز نہیں۔ اگر نجاست کہیں لگی ہوئی ہو اور علم نہ ہو تو مواخذہ نہ ہو گا اور بعد میں پتہ چل جائے تو ایک قول کے مطابق اس نماز کی قضا واجب نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے عین حالت نماز میں نعلین شریف اتار دیئے اور وہ نماز نہ لوٹائی اور اتارنے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ نعلین شریف نجاست سے آلودہ ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ جہاں ہم نے کہا ہے کہ اہل ورع کے لیے پرہیز کرنا ضروری ہے اگرچہ واجب نہیں کہ اس مال والے سے یہ دریافت کیا جائے کہ یہ تو کہاں سے لایا ہے۔ بشرطیکہ وہ اس تفتیش سے آزردہ خاطر نہ ہو۔ اور اگر آزمودہ ہو تو اس طرح کی تفتیش حرام ہے۔ کیونکہ تقویٰ احتیاط ہے اور کسی کو آزردہ کرنا حرام ہے بلکہ اس سے نرمی کرے اور کوئی بہانہ کرلے اور نہ کھائے اور اگر کوئی چارہ نہ پائے تو کھالے۔ تاکہ وہ شخص رنجیدہ خاطر نہ ہو اور اگر کسی اور سے اس طرح دریافت کرے کہ وہ سن لے تو ایسا کرنا بھی حرام و ناجائز ہے۔ کیونکہ اس فعل سے تجسس، غیبت اور بدگمانی پائی جاتی ہے اور یہ تینوں فعل حرام ہیں اور احتیاط کی خاطر یہ فعل حلال نہیں ہو سکتا کہ حضور نبی کریم ﷺ جب کہیں مہمان ہوتے تو کچھ دریافت نہ فرماتے اور کہیں سے کچھ ہدیہ تحفہ آتا تو اس کے متعلق بھی کچھ دریافت نہ کرتے۔ مگر ایسی جگہ دریافت فرمالیتے جہاں کوئی شبہ ظاہر ہوتا اور ابتداء میں جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو جو کچھ لوگ آپ کی خدمت اقدس میں لاتے آپ دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ۔ ایسا اس لیے کرتے کہ یہ شک کا مقام تھا اور اس سے کوئی رنجیدہ خاطر نہ ہوتا۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھ لو اگر بازار میں بادشاہ کا مال لایا جائے یا لوٹ مار کی بکریاں لاکر فروخت کی جاتی ہوں تو اگر یہ پتہ ہو کہ بازار میں بیشتر مال حرام کا ہے تو چاہیے کہ نہ خریدے جب تک کہ اس کے متعلق دریافت نہ کرلے۔ کہ یہ مال کہاں سے اور کس طرح آیا ہے۔ اگر بازار میں زیادہ مال حرام کا نہیں ہے۔ تو بلا تفتیش و دریافت اس کا خریدنا جائز و درست ہے۔ لیکن ورع و تقویٰ کے تحت دریافت کرنا ضروری ہے۔

چوتھا باب بادشاہوں سے وظیفہ لینے اور انہیں سلام کرنے اور ان سے حلال مال لینے کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ جو کچھ شاہانِ زمانہ کے پاس ہوتا ہے۔ اس میں سے جو مال مسلمانوں سے خراج کے طور پر یا جرمانہ یا رشوت کی صورت میں ان سے لیا ہے وہ حرام ہے۔ ہاں ان کے پاس تین قسم کا مال حلال ہے ایک وہ جو مال انہیں کفار سے بطور غنیمت ملا ہو۔ دوسرا وہ مال جو زمینوں سے شرع شریف کے شرائط کے مطابق لیا ہو۔ تیسرا لاوارث مال جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ یہ تینوں قسم کا مال مسلمانوں کے لیے ہے۔ مگر چونکہ ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ ان تین قسم کا مال نادر و کمیاب ہے اور بادشاہوں کے پاس اکثر خراج، جرمانہ وغیرہ کا مال ہی ہوتا ہے اور اس کا لینا جائز نہیں ہوتا۔ جب تک یہ پتہ نہ ہو کہ یہ حلال طریقہ سے آیا ہے۔ یا غنیمت اور جزیہ یا لاوارث لوگوں کے ترکہ میں سے ہے، اس وقت تک شاہانِ زمانہ سے کچھ لینا جائز نہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ بادشاہ نے کوئی غیر آباد زمین آباد کی ہو اور اس کی آمدن اسے حلال ہو لیکن اگر اس نے بیگار لی ہو گی تو اس میں شبہے کا

دخل ہے اگرچہ حرام نہیں اور وہ اس کی ملک ہو گی اور اگر زمین خریدے تو اس کی ملک ہو جائے گی- لیکن جب اس کی قیمت حرام مال سے ادا کرے تو اس میں آجائے گا- پس جو شخص بادشاہ سے وظیفہ لیتا ہو- اگر ایسی چیز سے لیتا ہے جو خاص بادشاہ کی ملک ہے تو روا اور درست ہے اور اگر ترکوں اور مسلمانوں کے رفاہِ عامہ کے مال میں سے ہے تو وہ وظیفہ حلال نہیں- جب تک کہ وظیفہ لینے والے ہیں مسلمانوں کے مصالح میں سے کوئی مصلحت نہ پائی جاتی ہو- جیسے مفتی، قاضی متولی، اور طبیب مختصر یہ کہ جو لوگ ایسے کام میں مشغول ہوں جس میں عامتہ الناس کی بہتری ہو- ان کے لیے جائز ہے اور دین کے طالب علم ایسے ہی لوگوں میں داخل ہیں اور جو شخص کمانے سے عاجز ہے- نیز وہ جو محتاج درویش ہے اس کا بھی اس مال میں حق ہے- لیکن اہل علم اور دوسرے مذکورہ لوگوں کے لیے اس مال کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ بادشاہ کے مقرر کردہ حکام اور خود سلطان وقت سے دین کے بارے میں مداہنت سے کام نہ لیں اور غلط اور باطل کاموں میں ان سے موافقت نہ کریں اور ان کی ظالمانہ حرکات کے باوجود انہیں پاک وصاف ظاہر نہ کریں بلکہ مناسب یہ ہے کہ ان کے قریب بھی نہ جائیں اور اگر جانے کی ضرورت پیش آئے تو دستور و شرائط شرع شریف کے مطابق جائیں- جیسا کہ اس کا بیان آگے آرہا ہے-

فصل : معلوم ہونا چاہیے کہ علماء اور غیر علماء کی سلاطین کے ساتھ تعلقات کے اعتبار سے تین حالتیں ہیں- ایک تو یہ کہ یہ لوگ نہ سلاطین، عمال اور حکام کے پاس جائیں اور نہ وہ ان کے پاس آئیں- دین کی حفاظت اور سلامتی اسی میں ہے دوسری حالت یہ ہے کہ سلاطین و حکام کے پاس جائیں اور انہیں سلام کریں یہ شریعت میں بہت مذموم ہے ہاں کسی خاص ضرورت کے تحت ہو تو حرج نہیں- ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ظالم امراء کے حالات بیان فرمارہے تھے- پھر آپ نے فرمایا جو شخص ان سے دور رہے نجات پائے گا اور جو ان سے مل کر دنیا کی حرص میں مبتلا ہو گا- وہ ان میں شمار ہو گا اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے بعد ظالم سلاطین ہوں گے جو شخص ان کے ظلم و جھوٹ کو عدل تصور کرے گا اور ان سے راضی اور خوش ہو گا وہ ہم میں سے نہیں ہو گا- اور روزِ قیامت اسے میرے حوض کوثر کا راستہ نہ ملے گا- اور آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ خدا تعالیٰ کے سب سے زیادہ دشمن وہ علماء ہیں جو امراء کے پاس جائیں اور سب سے بہتر امراء وہ ہیں جو علماء کے پاس جائیں اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ علماء پیغمبروں کے امین ہیں- جب تک کہ وہ امراء سے میل جول اور تعلقات نہ رکھیں اور جب ان سے میل جول اور تعلقات قائم کریں گے تو وہ انبیاء کی امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے- ایسی حالت میں ان سے دور رہنا-

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سلاطین کی درگاہ سے دور رہ کہ ان کا دنیا سے تجھے جو کچھ ملتا ہے اس سے زیادہ تیرا دین برباد ہوتا ہے اور فرمایا کہ دوزخ میں ایک جگہ ہے کہ اس میں سوائے علمائے کے نہ ڈالا جائے گا جو امراء کی زیارت کو جاتے ہیں- حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ امراء کا علماء اور پارسا لوگوں سے دوستی رکھنا ان کے نفاق کی دلیل ہے- اور علماء و پارسا لوگوں کا دولت مند سے دوستی رکھنا ان کے

ریاکار ہونے کی دلیل ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک انسان ایسا ہوتا ہے کہ دین کے ساتھ بادشاہ کے پاس جاتا ہے اور بے دین ہو کر اس کے پاس سے واپس آتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کس طرح ہوتا ہے فرمایا جا کر بادشاہوں کی خوشنودی اس کام میں تلاش کرتا ہے جس میں خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہوتی ہے اور حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عالم شخص جس قدر بادشاہ کے قریب ہوتا ہے۔ اسی قدر خدا تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ علماء جو بادشاہوں کی خوشامد کے لیے ان کے پاس جاتے ہیں جوئے بازوں کی نسبت لوگوں کو ان علماء سے زیادہ نقصان اور ضرر پہنچتا ہے اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نجاست اور گندگی پر بیٹھی ہوئی مکھی اس عالم سے بہتر ہے جو بادشاہوں کے دربار میں جائے۔

فصل : جاننا چاہیے کہ اس بارے میں اس قدر شدت و سختی کا سبب یہ ہے کہ جو شخص بھی بادشاہ کے پاس جاتا ہے وہ کردار گفتار، خاموش رہنے یا اعتقاد میں کسی نہ کسی نافرمانی کے خطرے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کردار میں نافرمانی تو یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ کا گھر غالب یہی ہے خدا کا غضب نازل ہونے کی جگہ ہے اور ایسی جگہ جانا ٹھیک نہیں اور گھر کے جائے صحراء میں بادشاہ قیام پذیر ہوا اور وہاں خیمہ اور فرش کا اہتمام کر رکھا ہو تو ان کی یہی چیزیں حرام کی ہوتی ہیں۔ تو نہیں چاہیے کہ انسان رک جائے اور اس فرش پر قدم رکھے اور اگر بادشاہ باج زمین پر فروکش ہو اور خیمہ و فرش کا اہتمام نہ کیا ہو تو ایسی جگہ بھی اس کی بارگاہ میں سر نیچے کیے ہوئے حاضر ہونا، اس کی خدمت کرنا اور ظالم کی تواضع کا مرتکب ہونا بھی غیر مناسب اور منع ہے۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص دولت مند کی تواضع اس کے دولت مند ہونے کی وجہ سے کرے اگرچہ وہ دولت مند ظالم نہ ہو تو انسان کے دین کا ایک حصہ برباد ہو جاتا ہے۔ اسے صرف سلام کرنا مباح اور جائز ہے۔ اس کے ہاتھ کو بوسہ دینا۔ اس کے آگے جھکنا، سر نیچے کرنا سب ممنوع اور نامناسب ہے۔ ہاں اگر سلطان عادل ہو یا عالم دین ہو یا دین کی بنا پر تواضع کرے تو درست امر ہے اور بعض سلف صالحین نے اس بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور ظالموں کو سلام کا جواب دینا بھی روا نہیں رکھا۔ تاکہ ان کے ظلم کی وجہ سے ان کی عزت کے جائے ان کی اہانت ہو۔

لیکن بادشاہ سے گفتگو کرنے میں معصیت اور گناہ یہ ہے کہ اس کے لیے دعا کرے۔ مثلاً یوں کہے "اللہ تجھے زندگی دراز عطا کرے اور تجھے راحت و سکون میں رکھے" اور اسی طرح اور دعائیں۔ اس کے لیے ایسی دعائیں بھی ٹھیک نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص ظالم کے لیے دعا کرے کہ اللہ اس ظالم کی زندگی دراز کرے۔ تو ایسا انسان دراصل یہ چاہتا ہے کہ زمین پر ایسا شخص تادیر موجود رہے۔ جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہے۔ اس لیے ظالم کے لیے کوئی دعا کرنا روا نہیں۔ سوائے اس دعا کے "اللہ تیری اصلاح کرے، تجھے اچھے کاموں کی توفیق عطا کرے اور تجھے اپنی فرمانبرداری میں زندگی دراز عطا کرے۔" جب ایسا شخص دعا سے فارغ ہوتا ہے تو غالب امر یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے اشتیاق کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ہمیشہ یہ چاہتا ہوں کہ جناب کی خدمت میں پہنچوں۔ اگر اس طرح کا اشتیاق فی

الواقع اس کے دل میں نہ ہو تو اس کا اس طرح کا اظہار جھوٹ اور غلط بیانی ہو گا- اور بلا ضرورت نفاق کا مظاہرہ ہو گا اور اگر واقع میں یہ اشتیاق اس کے دل میں موجود ہو گا تو جو دل ظالموں کے دیدار کا مشتاق ہو وہ نور اسلام سے خالی ہوتا ہے بلکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت کرتا ہو تو اس سے بالکل اس طرح نفرت کرے جیسے تو اپنے مخالف سے نفرت کرتا ہے اور جب یہ شخص دعا سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے عدل و انصاف اور اس کے کرم و احسانات کی قصیدہ خوانی شروع کرتا ہے اور اس کی یہ قصیدہ خوانی بھی دروغ و نفاق سے خالی نہیں ہوتی- اور کم از کم یہ برائی تو ضرور ہوتی ہے کہ ظالم کا دل خوش ہوتا ہے اور ایسا کرنا بھی اچھا نہیں اور جب اس کی قصیدہ خوانی اور صفت و ثناء سے فارغ ہوتا ہے کہ وہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ظالم کوئی بری بات کرتا ہے تو اس کو سر ہلانا پڑتا اور تصدیق کرنی پڑتی ہے اور یہ سب کچھ بھی گناہ اور معصیت ہے-

لیکن خاموش رہنے کے گناہ کی تفصیل یہ ہے کہ ظالم کے گھر میں ریشمی فرش' دیواروں پر تصویریں اسے ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھے یا اس کے پاس چاندی کا لوٹا دیکھے- یا یہ کہ ظالم کی زبان سے فحش اور جھوٹی باتیں سنے اور خاموش رہے- حالانکہ ایسے حالات میں احتساب و سرزنش کرنا واجب ہو جاتا ہے- خاموشی اختیار کرنا نامناسب ہوتا ہے اور اگر وہ احتساب و سرزنش کرنے سے ڈرتا ہے تو معذور ہے- تاہم اس کے پاس بلا ضرورت جانے میں تو معذور نہیں- کیونکہ بلا ضرورت ایسی جگہ جانا منع ہے جہاں معصیت و گناہ کا ارتکاب ہوتا دیکھے اور سرزنش نہ کر سکے-

اور دل اور اعتقاد کی معصیت و نافرمانی یہ ہے کہ دل اس کی طرف راغب کرے' اسے دوست رکھے' اور اس کی تواضع کا اعتقاد کرے اور دولت و نعمت کو دیکھے اور اس طرح اس کے دل میں دنیا کی رغبت و محبت جنبش میں آئے- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اے گروہ مہاجرین دنیاداروں کے پاس نہ جاؤ- کیونکہ اس طرح خدا تعالیٰ اس روزی پر جو اس نے تمہیں دی ہے تم سے ناراض ہو گا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اے لوگو دنیاداروں کے مال کی طرف نہ دیکھو کیونکہ ان کی دنیا کی چمک دمک تمہارے ایمان کی مٹھاس کو تمہارے دل سے لے جائے گی- پس اس ساری گفتگو سے یہ بات معلوم ہوئی کسی ظالم کے پاس جانے کی رخصت و اجازت نہیں- مگر دو عذر پیش آنے کی صورت میں۔ ایک یہ کہ بادشاہ اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کا حکم جاری کرے کہ اگر تو اس کے حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو وہ ستائے اور رنج پہنچائے گا یا اس کا رعب و دبدبہ جاتا رہے گا اور رعیت میں جرات و دلیری پیدا ہو جائے گی- دوسرا عذر یہ ہے کہ اپنے لیے انصاف چاہیے یا کسی مسلمان کا حق دلانے میں اس کی سفارش کے لیے جائے- تو اس مقصد کے لیے جانے کی اجازت ہے- بشرطیکہ دروغ گوئی اور قصیدہ خوانی نہ کرے اور اسے سختی کے ساتھ نصیحت کرنے سے پہلو تہی نہ کرے اور اگر سختی کے ساتھ نصیحت کرنے سے ڈرتا ہو تو نرمی سے نصیحت کرنا ترک نہ کرے اگرچہ جانتا ہو کہ نصیحت کا کچھ اثر نہ ہو گا- لیکن جھوٹ بولنے اور صفت و ثناء کرنے سے بہر حال بچے اور اگر جانتا ہو کہ نصیحت قبول نہیں کرے گا تو بہر صورت خود جھوٹ اور اس کی قصیدہ خوانی سے دور رہے اور کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی سفارش کے لیے جا رہے ہیں اور اگر وہ

کام کسی دوسرے کی سفارش سے ہو جائے یا بادشاہ کے ہاں اس دوسرے کی قبولیت ہو جائے تو یہ آزردہ خاطر ہوتے ہیں اور یہ اس امر کی علامت ہوتی ہے کہ یہ شخص ضرورت کے تحت شاہی دربار میں نہیں جاتا بلکہ طلب جاہ کی خاطر جاتا ہے۔

تیسری حالت۔ یہ ہے کہ وہ سلاطین کے پاس نہ جائے بلکہ سلاطین اس کے پاس آئیں اور اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ سلام کا جواب دے اور اگر احتراماً کھڑا ہو جائے تو روا ہے کہ اس کا اس کے پاس آنا احترام علم کے باعث ہوتا ہے تو وہ بھی اس نیکی کی وجہ سے احترام و اکرام کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جس طرح ظلم کی صورت میں اہانت کا مستحق تھا۔ لیکن اگر کھڑا نہ ہو اور دنیا کی حقارت ظاہر کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ ہاں جب کہ یہ ڈر ہو کہ کھڑا نہ ہونے کی صورت میں وہ آزردہ ہو گا یا رعیت میں بادشاہ کا رعب و دبدبہ باطل ہو جائے گا تو پھر تعظیماً و احتراماً کھڑا ہو جانا بہتر ہے اور جب بادشاہ اس کے پاس بیٹھ جائے تو تین طرح اسے نصیحت کرنا واجب ہے۔

ایک یہ کہ اگر بادشاہ کوئی ایسا فعل کرے جو حرام ہو لیکن اسے اس کی حرمت کا علم نہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ اس کی حرمت سے اسے آگاہ کرے۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسا کام کرے جسے وہ خود حرام جانتا ہو۔ جیسے ظلم و فسق وغیرہ تو اسے ڈرائے اور نصیحت کرے اور اسے بتائے کہ دنیا کی لذت اس لائق نہیں کہ اس کی خاطر اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے۔ اسی کے مانند اور باتوں سے نصیحت کرے۔ تیسرے یہ کہ اگر جانتا ہو کہ فلاں کام میں لوگوں کی مصلحت اور بہتری ہے اور بادشاہ اس کام سے غافل ہو تو اگر جانتا ہو کہ میری بات قبول کر لے گا تو ضرور اس کی توجہ اس طرف مبذول کرائے۔ اور جس شخص کا بھی بادشاہ کے ہاں آنا جانا ہو اور سلطان وقت اس کی بات قبول کر لیتا ہے اسے لازم ہے کہ ان تینوں طریقوں سے اسے نصیحت کرے اور جب عالم با عمل ہو گا تو اس کی بات کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہو گا۔ لیکن اگر وہ ان سے دنیا کی حرص رکھتا ہو تو اسے خاموش رہنا بہتر ہے۔ کیونکہ اس کی نصیحت سے صرف یہ فائدہ ہو گا کہ لوگ اس پر ہنسیں گے۔

حضرت مقاتل بن صالح رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت حماد بن سلمہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تھا ان کے گھر کے سامان کی ساری کائنات ایک چٹائی، ایک چمڑہ، ایک قرآن مجید اور وضو کے لیے ایک لوٹا تھا۔ کسی نے ان کے دروازے پر دستک دی آپ نے فرمایا کون ہے۔ بتانے والوں نے کہا محمد بن سلمان خلیفہ وقت ہے۔ وہ اندر آیا اور بیٹھ گیا اور کہنے لگا کیا وجہ ہے کہ میں جب بھی آپ کو دیکھتا ہوں میرا دل ہیبت و خوف سے بھر جاتا ہے۔ حضرت حماد نے فرمایا اس کی وجہ وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ جس عالم کا اپنے علم سے مقصود صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے سب اس سے ڈرتے ہیں اور اس کے برعکس اگر اس کا مقصود و مطلوب دنیا ہو تو وہ ہر ایک سے ڈرتا ہے خلیفہ وقت نے چالیس ہزار درہم ان کے سامنے رکھے اور کہا انہیں اپنی ضروریات میں خرچ کریں۔ آپ نے فرمایا اٹھ کر چلا جا۔ اس نے دس دفعہ خدا کی قسم کھائی کہ یہ رقم مجھے حلال وراثت سے ملی ہے اس میں حرام کی آمیزش نہیں ہے آپ نے فرمایا مجھے اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس نے کہا تو اسے آپ مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ آپ نے جواب دیا عدل و انصاف سے تقسیم کرنے کے باوجود ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ تقسیم کرنے میں انصاف نہیں کیا اور گناہگار ہوں اور میں ایسا نہیں کرنا چاہتا

اور وہ چالیس ہزار درہم نہ لیے سلاطین کے ساتھ علماء کی باتیں اور حال یہ ہوتا تھا اور جب وہ سلاطین کے پاس تشریف لے جاتے تو اس طرح لے جاتے جس طرح حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک کے پاس تشریف لے گئے۔ ہشام جب مدینہ منورہ پہنچا تو کہا صحابہ کرام میں سے کسی کو میرے پاس لایا جائے لوگوں نے بتایا سب صحابہ وصال فرما چکے ہیں۔ اس وقت کوئی صحابی دنیا میں موجود نہیں۔ اس نے کہا تابعین میں سے کسی کو لاؤ۔ حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ کو اس کے پاس لایا گیا۔ حضرت طاؤس جب اندر داخل ہوئے تو جوتا مبارک اتار اور کہا السلام علیک یا ہشام اے ہشام بتاؤ کیا حال ہے۔ ہشام اس طرح کے طرز عمل سے سخت غصے ہوا اور آپ کو مار دینے کا ارادہ کیا۔ پھر خیال کیا یہ جگہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حرم پاک ہے اور یہ شخص بزرگ علماء میں سے ہے لہٰذا اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس نے کہا اے طاؤس تو نے یہ کہا دلیری اور جرات کی ہے آپ نے فرمایا میں نے کیا دلیری اور جرت کی ہے تو اسے اور غصہ آیا اور کہنے لگا تو نے چار بے ادبیاں کی ہیں۔ ایک یہ کہ تو نے میری نشست گاہ کے بالکل قریب آکر جوتے اتارے ہیں اور خلفاء کے سامنے ایسا کرنا بڑی سخت بات ہے۔ اور موزوں اور جوتوں سمیت بیٹھنا چاہیے تھا۔ اس وقت بھی خلفاء کے درباروں اور گھروں میں جوتے اتار کر بیٹھنے کی رسم نہیں۔ دوسری بے ادبی یہ کی ہے کہ مجھے امیر المومنین نہیں کہا۔ تیسری یہ کہ تو نے مجھے کنیت سے نہیں نام لے کر بلایا ہے اور عربوں کے طور طریقے کے مطابق یہ بہت بری بات ہے۔ چوتھی یہ کہ میرے سامنے بلا اجازت بیٹھ گیا ہے اور پھر میرے ہاتھ کو بوسہ بھی نہیں دیا۔ حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تیرے سامنے میں نے جو جوتے اتارے ہیں تو اس میں کوئی بے ادبی نہیں۔ میں روزانہ پانچ دفعہ اپنے رب العزۃ کے سامنے جوتے اتارتا ہوں اور غصے اور ناراض نہیں ہوتا۔ اور تجھے امیر المومنین نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے سب لوگ تیرے امیر المومنین ہونے پر راضی اور خوش نہیں ہیں میں ڈرا کہ جھوٹ کا مرتکب نہ ہو جاؤں اور جو تجھے نام لے کر بلایا کنیت سے نہیں بلایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو نام لے کر بلایا اور پکارا ہے چنانچہ فرمایا ہے یاداؤد یایحیٰی یاعیسیٰ۔ اور اپنے دشمن کو کنیت سے پکارا ہے چنانچہ فرمایا تبت یدا ابی لھب اور تیرے ہاتھ کو جو بوسہ نہیں دیا تو میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کسی کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز نہیں۔ مگر یہ کہ انسان شہوت سے اپنی عورت کا ہاتھ چوم لے یا شفقت ورحمت کے طور پر اپنے بچے کا ہاتھ اور میں تیرے سامنے بیٹھ اس لیے گیا کہ میں نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ جو دوزخی انسان کو دیکھنا چاہے تو وہ ایسے انسان کو دیکھے جو بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آگے کھڑے ہوں۔ ہشام کو یہ نصیحت کی باتیں اچھی لگیں اور کہا آپ مجھے نصیحت فرمائیں۔ تو آپ نے کہا میں نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ دوزخ میں پہاڑ جتنے بڑے بڑے سانپ اور اونٹ کے برابر بچھو ہیں۔ یہ ایسے حاکم کی انتظار میں ہیں جو اپنی رعیت سے عدل وانصاف نہیں کرتا۔ پھر آپ اٹھے اور وہاں سے تشریف لے گئے۔

سلیمان بن عبدالملک جب مدینہ منورہ گیا تو حضرت ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ کو جو اکابر اولیاء میں سے تھے اپنے پاس بلایا اور ان سے دریافت کیا "ہم لوگ موت کو کیوں برا جانتے ہیں اور ناخوش ہوتے ہیں۔ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں

نے دنیا کو آباد اور آخرت کو ویران کر رکھا ہے- ظاہر ہے جو آبادی سے ویران جگہ جائے گا ضرور اس سے نفرت کرے گا اور برا منائے گا- خلیفہ نے پھر دریافت کیا لوگ جب خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو ان کا کیا حال ہو گا- فرمایا نیک لوگ تو ایسے ہوں گے جیسے کوئی سفر ختم کر کے اپنے عزیزوں سے آملے اور خوش ہو اور بدکار بھگوڑے غلام کی طرح جس کو زبردستی پکڑ کر اپنے مالک کو روبرو پیش کرتے ہیں- خلیفہ نے پھر کہا کاش مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ وہاں میرا کیا حال ہو گا- فرمایا قرآن مجید میں دیکھ لے تجھے اپنا حال معلوم ہو جائے گا- خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ۝ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ۝ بے شک نیک لوگ نعمت میں ہوں گے اور برے لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں-

خلیفہ نے پھر دریافت کیا خدا تعالیٰ کہاں ہے تو فرمایا قریب من المحسنین- یعنی اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے قریب ہے- تو سلاطین کے ساتھ علمائے دین کی باتیں اس طرح کی ہوتی تھیں- اس کے برعکس دنیادار علماء کی باتیں ان کے حق میں دعائیں کرنا ان کی صفت و ثناء کرنا اور ایسی باتوں کی تلاش ہوتی ہے جس سے وہ خاموش ہوں دنیادار علماء ایسے حیلے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں جن سے ان کی مطلب برآری ہو اور اگر نصیحت کرتے بھی ہیں تو ایسے طریقہ سے جس سے ان کا مطلب پورا ہو- یعنی جس سے بادشاہ کے دربار میں ان کی عزت و وقار قائم ہو اور یہ بات معلوم کرنے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص نصیحت کرے تو یہ اس سے جلتے اور حسد کرتے ہیں- مختصر یہ ہے کہ جس قدر ہو سکے ان ظالم حکام و سلاطین کی شکل دیکھنے سے بھی دور ہی رہے- اور ان سے میل جول نہ کرنا بہتر ہے اور جو لوگ بادشاہوں اور حکام سے میل جول رکھتے ہیں ان سے بھی تعلق نہ رکھنا چاہیے اور کوئی شخص ان سے میل جول کو ترک کرنے پر قادر نہیں تاوقتیکہ گوشہ نشینی اختیار نہ کرے اور دوسرے عام لوگوں سے بھی متعلق منقطع کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے چاہیے کہ گوشہ خلوت اختیار کرے- اور ان سے میل جول ترک کر دے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "میری امت ہمیشہ خدا تعالیٰ کی نگہبانی اور حمایت میں رہے گی جب تک کہ ان کے علماء امراء و حکام سے موافقت نہ کریں گے-" خلاصہ یہ ہے کہ رعیت میں فساد و خرابیوں کا پھیلنا بادشاہوں کے خراب ہونے سے ہوتا ہے اور سلاطین میں فساد و خرابی کا پیدا ہونا علماء کے فساد و خرابی کے باعث ہوتا ہے- جو ان کی اصلاح نہیں کرتے اور ان کی غلط باتوں پر زبان انکار نہیں کھولتے-

فصل : اگر کوئی بادشاہ کسی عالم کے پاس اس غرض سے مال بھیجے کہ وہ اسے خیرات کے طور پر تقسیم کر دے تو اگر اس مال کا مالک موجود ہو اور اس عالم کو پتہ ہو کہ دراصل یہ مال فلاں شخص کا ہے تو ہرگز اسے تقسیم نہ کرے- بلکہ چاہیے کہ اس مالک کو دے دے اور اگر مالک کا علم نہ ہو- تو اس صورت میں بھی علماء کے ایک گروہ نے وہ مال لینے اور اسے تقسیم کرنے سے منع کیا ہے اور ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ان سے لے لے اور خیرات کے طور پر تقسیم کر دے تاکہ ظالم حکام کے ہاتھ سے تو باہر نکل آئے اور ان کے ظلم و فسق کا ذریعہ نہ بنے- اور تاکہ محتاج اور درویش لوگوں کی راحت کا باعث بنے-

کیونکہ ایسے مال کا حکم یہی ہے کہ درویش اور محتاج لوگوں تک پہنچ جائے۔ لیکن تین شرائط کے تحت اول یہ کہ تیرے مال لینے سے بادشاہ کے دل میں یہ اعتقاد پیدا نہ ہو کہ اس کا مال حلال ہے کہ اگر حلال نہ ہوتا تو یہ عالم دین سے لے کر بطور خیرات تقسیم نہ کرتا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ حرام مال حاصل کرنے میں دلیر ہو جائے گا اور اس بات کی خرابی اس کے تقسیم کرنے کی نیکی سے بڑھ کر ہے دوسری یہ کہ عالم ایسے مقام میں نہ ہو کہ دوسرے لوگ بھی بادشاہ' سے مال لینے میں اس کی پیروی شروع کر دیں اور اس کے خیرات کرنے کے عمل سے بے خبر رہیں۔ جیسا کہ ایک گروہ نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ خلفاء سے مال لیتے تھے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ آپ وہ سارا مال تقسیم کر دیتے تھے۔

حضرت وہب بن منبہ اور حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہما دونوں بزرگ حجاج بن یوسف کے بھائی کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت طاؤس اسے نصیحت کرتے ایک روز صبح کو سخت سردی تھی۔ حجاج کے بھائی نے حکم دیا کہ چادر ان کے کندھے پر ڈال دی جائے۔ حضرت طاؤس اس وقت مصروف گفتگو تھے۔ آپ نے کندھوں کو جنبش دی یہاں تک کہ چادر آپ کے کندھے سے گر پڑی۔ حجاج کا بھائی یہ دیکھ کر غصے ہوا۔ جب آپ اس کے دربار سے باہر تشریف لائے تو حضرت وہب نے حضرت طاؤس سے فرمایا اگر آپ وہ چادر لے لیتے اور کسی درویش محتاج کو دے دیتے تو یہ اس سے بہتر تھا جو آپ نے اسے ناراض کر دیا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر میں لے لیتا تو کوئی دوسرا بھی میری پیروی شروع کر دے اور ان سے مال لینا شروع کر دے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ میں نے تو اس سے لے کر درویش کو دے دی ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے اس کے دل میں ظالم سے انست و محبت پیدا نہ ہو اور اس محبت کی دلیل و علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کے مرنے یا معزول ہونے سے وہ غمگین ہوتا ہے اور اس کی شوکت و سلطنت میں ترقی سے خوش ہوتا ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اے رب ذوالجلال کسی فاجر کو یہ طاقت نہ دے کہ وہ مجھ سے نیکی کرے۔ کیونکہ اس صورت میں میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گی اور آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ جو شخص بھی انسان سے نیکی کرتا ہے تو خواہ مخواہ دل میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا — اور ظالموں کی طرف نہ جھکو۔

حکایت: کسی خلیفہ نے ایک دفعہ ہزار درہم حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھیجے۔ آپ نے وہ ہزار کے ہزار ہی تقسیم کر دیئے۔ ایک درہم بھی پاس نہ رکھا۔ حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا تو فرمایا سچ بتائیں آپ کے دل میں اس کی طرف کچھ نہ کچھ میلان اور کسی قدر دوستی پیدا ہوئی فرمایا ہاں۔ حضرت محمد بن واسع علیہ الرحمتہ نے فرمایا میں اسی بات سے ڈرتا تھا۔ آخر کار اس مال کی نحوست نے تجھ سے اپنا کام نکال لیا۔

حکایت: بصرہ کے ایک بزرگ سلطان وقت سے مال لیتے اور فقراء میں تقسیم کر دیتے۔ لوگوں نے اس بزرگ سے کہا آپ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اس کی دوستی آپ کے دل میں جنبش کرنا شروع کر دے آپ نے فرمایا اللہ کے فضل سے میرے ایمان کی مضبوطی کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی شخص میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بہشت میں لے جائے۔ اور وہاں جا کر کوئی گناہ اور معصیت کرے تو میں اسے بھی دشمن جانوں گا اور اس ذات کی خاطر دشمن جانوں گا جس نے اسے میرا مطیع کر دیا کہ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بہشت میں لے گیا۔ جب کسی کی پختگی ایمان کا یہ عالم ہو تو اسے کوئی ڈر نہیں اگر بادشاہوں سے مال لے اور فقراو محتاجوں میں تقسیم کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پانچویں اصل

رضا الٰہی کی خاطر مخلوق کے حقوق ادا کرنے اور اپنے خویش و اقارب، اپنے ہمسائے غلام اور محتاج لوگوں کی نگہداشت کے بیان میں۔

جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ تک جانے والے راستے کی منزلوں میں دنیا بھی ایک منزل ہے اور سب لوگ اس منزل میں مسافر ہیں اور سب مسافروں کا مقصد سفر ایک ہی ہو تو ان سب کو چاہیے کہ آپس میں الفت، اتحاد اور ایک دوسرے سے تعاون کا جذبہ موجود ہو اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں۔ ہم ان حقوق کی شرح و تفصیل تین ابواب میں بیان کرتے ہیں۔ باب اول ان دوستوں اور بھائیوں کے حقوق جن سے دوستی محض خدا تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور اس کی شرط کا بیان۔ باب دوم عام دوستوں کے حقوق میں۔ باب سوم عام مسلمانوں کے حقوق، خویش و اقارب اور غلاموں، نوکروں وغیرہ سے شفقت و رحمت کے بیان میں۔

پہلا باب

اس دوستی اور بھائی چارے کے بیان میں جو محض خدا تعالیٰ کے لیے ہو

معلوم ہونا چاہیے صرف رضائے الٰہی کے لیے کسی سے دوستی اور بھائی چارہ قائم کرنا دین میں افضل عبادتوں اور اونچے مقامات میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ جس بندے کو خیر و بھلائی عطا کرنا چاہتا ہے۔ اسے اچھی دوستی عطا کرتا ہے۔ تاکہ اگر یہ بندہ کسی وقت خدا تعالیٰ کو بھول جائے تو اس کا دوست اسے یاد کرا دے اور خدا تعالیٰ اسے یاد ہی ہو تو اس کا دوست اور زیادہ یاد کرنے میں اس کا مددگار بنے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کوئی سے دو مومن اکٹھے نہیں ہوتے مگر ایک کو دوسرے سے دین کے اندر کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور پہنچتا ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے جو کسی کو محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنا دوست اور بھائی بنائے تو اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں ایسا بلند مقام عطا کرے گا جو

کسی دوسرے نیک عمل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔
اور حضرت ابو ادریس خولانی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں تجھے صرف خدا تعالیٰ کی خاطر دوست رکھتا ہوں۔ تو حضرت معاذ نے جواب میں فرمایا تجھے خوشخبری ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن عرش کے ارد گرد کرسیاں چھائی جائیں گی اور بندوں کا ایک گروہ ان پر تشریف فرما ہو گا جس کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ سب لوگ خوف وہراس میں ہوں گے مگر وہ امن وعافیت کی حالت میں ہوں گے۔ اور سب لوگوں میں خوف طاری ہو گا مگر یہ سکون وراحت میں ہوں گے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے دوست ہوں گے جنہیں کسی قسم کا نہ خوف ہو گا اور نہ غم۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کہ یہ دوست کون لوگ ہوں گے فرمایا: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ اللّٰہِ یعنی اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے دوستی کرنے والے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ دو شخص اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے دوستی نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ ان دونوں میں سے اس کو زیادہ دوست رکھتا ہے جس کے دل میں زیادہ دوستی ہوتی ہے اور وہ اللہ کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مجھ پر حق ہے کہ میں ان کو اپنا دوست بناؤں جو محض میرے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرنے جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے میری خاطر دوستی رکھتے ہیں اور صرف میری خاطر ایک دوسرے سے مال کے لینے دینے میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ اور صرف میری رضا اور خوشنودی کے لیے ایک دوسرے کی مدد ونصرت کرتے ہیں۔

اور حضور نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو صرف میرے لیے ایک دوسرے سے پیار ودوستی کرتے تھے۔ تاکہ آج جب کہ کہیں بھی سائے کا نام ونشان نہیں ہے کہ لوگ پناہ لیں۔ میں ان کو اپنے پاس پناہ عطا کروں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے سات اشخاص اللہ تعالیٰ کے سائے کے نیچے ہوں گے قیامت کے روز جب کہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔ ایک عدل وانصاف کرنے والا حاکم۔ دوسرا وہ نوجوان جو ابتدائے جوانی سے ہی عبادت الٰہی میں مصروف ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جو مسجد سے باہر آئے مگر اس کا دل مسجد سے اٹکا ہوا ہو۔ یہاں تک کہ وہ پھر مسجد میں جا پہنچے۔ چوتھے وہ دو شخص جو ایک دوسرے سے محض اللہ کے لیے دوستی رکھیں۔ اکٹھے ہوں تو بھی اللہ ہی کے لیے اور جدا ہوں تو بھی خدا کی خاطر پانچواں وہ شخص جو تنہائی اور خلوت میں خدا تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑیں۔ چھٹا وہ آدمی جسے صاحب حشمت وجمال عورت برائی کی طرف بلائے۔ اور وہ جواب دے کہ میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ ساتواں وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں دائیں ہاتھ سے اس قدر چھپا کر صدقہ دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کوئی بھائی رضائے الٰہی کے لیے اپنے دوسرے بھائی کی زیارت نہیں کرتا۔ مگر اس کے پیچھے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے۔ تجھے خدا تعالیٰ کی جنت مبارک ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ایک شخص اپنے دوست کی زیارت کو روانہ ہوا خدا تعالیٰ نے راستے میں ایک

کی طرف ایک فرشتہ بھیجا- فرشتے نے آکر اس سے دریافت کیا کہ کہاں جاتا ہے فرمایا فلاں بھائی کی زیارت کرنے فرشتے نے پوچھا تجھے اس سے کوئی کام ہے- فرمایا کوئی کام نہیں- فرشتے نے کہا کوئی رشتہ داری ہے کہا کوئی رشتہ داری نہیں- کہا تو نے اس کی جگہ کوئی نیکی کی ہے- کہا ایسی کوئی بات نہیں- فرشتے نے کہا پھر کس مقصد کے تحت اس کے پاس جارہا ہے فرمایا صرف رضائے الٰہی کے لیے اور میری دوستی بھی اس سے اللہ ہی کے لیے ہے تو اس پر فرشتے نے کہا مجھے خدا تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ تجھے بشارت دوں کہ خدا تعالیٰ تجھے دوست رکھتا ہے- اور تیرے اسے دوست رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے جنت واجب کر دی ہے-

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز یہ ہے کہ بندہ خدا کے لیے کسی سے دوستی اور دشمنی کرے اور خدا تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کو وحی کی کہ یہ زہد جو تو نے اختیار کر رکھا ہے اس سے در حقیقت تو اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے میں جلدی کرتا ہے- یعنی یہ اللہ کی رحمت کے نزول کا سبب اور دنیا کے رنج و کوفت سے نجات پانے کا ذریعہ ہے اور جو تو میری عبادت میں مشغول رہا ہے تو اس سے تو نے میری بارگاہ میں عزت و توقیر حاصل کی- میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا تو نے کبھی میرے دوستوں سے دوستی اور میرے دشمنوں سے دشمنی کی ہے-

اور خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل کی کہ اگر تو تمام اہل زمین و آسمان جتنی بھی عبادت بجالائے اور اس عبادت میں میرے لیے کسی سے دوستی اور میری خاطر کسی سے دشمنی کی نیکی نہ ہوگی- تو تیری سب عبادتیں بے فائدہ جائیں گی-

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے نافرمان اور برے لوگوں سے دل میں دشمنی رکھ کر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا پیارا بناؤ اور ان سے دور رہ کر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے نزدیک کرو اور ان سے ناراض رہ کر خدا تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرو- لوگوں نے عرض کی اے روح اللہ تو ہم کن لوگوں کے پاس بیٹھا کریں- فرمایا ایسے شخص کی ہم نشینی کرو جس کی زیارت سے خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جس کا کردار اور طور طریقہ تمہیں آخرت کی طرف مائل کرے-

خدا تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی ارسال کی اے داؤد تو نے لوگوں سے بھاگ کر گوشہ تنہائی کیوں اختیار کر لیا ہے- عرض کی اے پروردگار تیری دوستی نے لوگوں کی یاد میرے دل سے مٹادی ہے- اس لیے میں سب سے متنفر ہو گیا ہوں- حکم الٰہی ہوا اے داؤد اپنے لیے بھائی پیدا کر البتہ جو دین میں مددگار ثابت نہ ہو- اس سے الگ اور دور رہ کیونکہ وہ تیرے دل کو سیاہ اور مجھ سے دور کر دے گا-

حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے- جس کا نصف برف اور نصف آگ سے بنایا گیا ہے- اس کا ہر وقت یہی ورد اور خدا تعالیٰ سے ہر وقت یہی دعا ہوتی ہے کہ اے خداوند تعالیٰ تو نے جس طرح آگ اور برف کے درمیان الفت پیدا کی ہے اسی طرح اپنے نیک اور اچھے بندوں میں الفت و محبت پیدا فرما- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

یہ بھی فرمایا ہے جولوگ اللہ کے لیے آپس میں دوستی اور الفت کرتے ہیں ان کے لیے سرخ یاقوت کا ایک ستون کھڑا کریں گے -اس کی چوٹی پر ستر ہزار کھڑکیاں ہوں گی ان پر سے وہ اہل جنت کو جھک کر دیکھیں گے -ان کے چہروں کا نور اہل جنت پر اس طرح پڑے گا جس طرح سورج کا نور دنیا پر اہل جنت آپس میں کہیں گے چلو ان نورانی لوگوں کی زیارت کریں -ان کے جس بدن پر مندس (ریشم) کا لباس ہوگا اور ان کی پیشانیوں پر اَلْمُتَحَابُوْنَ فِیْ اللّٰہِ (ایک دوسرے کے ساتھ اللہ کے لیے محبت والفت کرنے والے) لکھا ہوگا-

ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ نے بوقت وفات خدا تعالیٰ سے عرض کی خداوندا تو خوب جانتا ہے کہ میں گناہ کرتے وقت تیرے فرمانبردار بندوں کے ساتھ دوستی و محبت رکھتا تھا- اس لیے تو اس دوستی کو میرے گناہوں کا کفارہ بنادے -حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اللہ کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی رکھنے والے جب ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو ان سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں- جیسے درختوں سے پتے-

اس دوستی کی حقیقت پیدا کرنے کا بیان جو خدائے تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے

جاننا چاہیے کہ جو دوستی اور الفت ایک مدرسہ یا ایک سفر یا ایک محلّہ میں رہنے سے پیدا ہوتی ہے وہ الحب فی اللہ کے قبیلہ میں سے نہیں اور جسے تم اس کی خوبصورتی یا شیریں کلامی یا دل کو پسند آجانے کے باعث دوست بنالو وہ بھی اس قبیلہ میں سے نہیں- نیز جسے تم اس بنا پر دوست بناؤ کہ اس سے تمہیں کسی مرتبے یا مال یا دنیوی غرض کے حصول کی توقع ہو تو یہ دوستی بھی خدا کے لیے نہیں- کیونکہ ان امور کا حصول اس شخص کی طرف سے بھی ممکن ہے جو خدا اور آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو- خدا تعالیٰ کے لیے جو دوستی ہوتی ہے وہ ایمان کے بغیر متصور نہیں ہو سکتی- اس دوستی کے بھی دو درجے ہیں-

درجہ اول : جس سے دوستی اور الفت کا رشتہ قائم کرو کسی غرض کے پیش نظر کرو- لیکن وہ غرض دینی ہو اور خدا کے لیے ہو- جیسے استاد سے محبت و دوستی جو تمہیں علم سکھاتا ہے- تو یہ دوستی خدا کے لیے ہے- جب کہ علم سے مقصود آخرت ہو- جاہ و مال کا حصول مقصود نہ ہو اور اگر علم سے دنیا مقصود ہو تو یہ دوستی خدا کے لیے نہ ہوگی اور اگر تم شاگرد سے محبت کرو تاکہ وہ تم سے علم حاصل کرے اور تیری تعلیم سے اسے خدا تعالیٰ کی خوشنودی نصیب ہو تو تمہارا یہ عمل خدا کے لیے ہوگا اور حصول حشمت کے لیے تم اس کو دوست رکھتے ہو تو پھر وہ اس تعریف میں نہیں آئے گا اور تمہارا وہ عمل محض دنیا کے لیے ہوگا مثلاً اگر کوئی شخص صدقہ دے اور اس شرط کے ساتھ دے کہ وہ اس کو درویشوں تک پہنچادے یا اس کو درویشوں کی مہمانداری میں خرچ کرے یا وہ کسی شخص کو اس لیے دوست رکھتا ہے کہ وہ شخص اچھے اچھے کھانے غریبوں کو کھانے کے لیے پکواتا ہے تو یہ امر بھی حب الٰہی اور خدا دوستی میں شامل ہے بلکہ وہ اگر کسی شخص کو محض اس لئے عزیز رکھتا ہے کہ وہ اس کو کھانا اور کپڑا دیتا ہے اور اپنے اس عمل سے اس کو دنیاوی جھگڑوں سے فارغ رکھتا ہے تاکہ سکونِ خاطر کے ساتھ عبادت

الٰہی میں مصروف رہ سکے - تو یہ بھی خدادوستی ہو گی چونکہ اس عمل سے اس کا مقصود دوسروں کے لیے عبادت میں فراغت اور آسودگی پیدا کرنا ہے-

عابدوں اور عالموں کا امیروں کو دوست رکھنا : اس دنیا میں بہت سے عالموں اور عابدوں نے امیروں کو دوست رکھا ہے محض اس مقصد کی بنا پر یہ دونوں گروہ بھی خدا تعالیٰ کے دوستوں میں شمار ہوں گے بلکہ یہاں تک ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو محض اس لیے چاہتا ہے کہ وہ اس کو غلط کاری سے بچاتی ہے اور اس کے قدم غلط راستے پر نہیں پڑنے دیتی نیز اس کے لیے فرزند پیدا کرتی ہے جو بڑے (جوان) ہو کر اس کے حق میں دعائے خیر کریں گے تو یہ بھی دوستی ہو گی اور وہ شخص اس بیوی پر جو کچھ خرچ کرے گا وہ صدقہ میں شمار ہو گا' بلکہ اگر کوئی شخص اپنے شاگردوں کو ان دوباتوں کے سبب سے عزیز رکھتا ہے ایک یہ کہ وہ اس کی خدمت کر کے اس کو عبادت کے لیے فارغ رکھتا ہے تو وہ شاگرد اس عبادت کے لئے وقت دینے پر بھی ثواب پائے گا اور اس شخص کی شاگرد سے یہ چاہت بھی خدا دوستی ہو گی-

درجہ دوم : یہ ایک بہت بڑا اور عظیم المرتبت درجہ ہے- یعنی ایک شخص کسی دوسرے کو محض اللہ کے لیے دوست رکھتا ہے بغیر اس امر کے کہ اس کی اس شخص سے کوئی غرض پوری ہوتی ہو یا اس کے ذریعہ مال و متاع کا حصول وابستہ ہو یا کسی منصب کے ملنے کی امید ہو' نہ اس محبت میں کسی قسم کے درس و تدریس یا تعلیم و تعلیم کا دخل ہے اور نہ کسی قسم کی فراغت دینی کا حصول وابستہ ہے علاوہ ازیں وہ اس شخص کو اس کی بزرگی کے سبب سے بھی دوست نہیں رکھتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع فرمان بندہ ہے بلکہ وہ اس کو محض اس لئے دوست رکھتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے تو یہ دوستی محض اللہ کے لیے ہو گی- اور اس کی یہ دوستی اسی نوع میں شمار ہو گی-

اس نوع کی دوستی سب سے عظیم اور اعلیٰ ہے' ایسی دوستی صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ دوست رکھنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس قدر مفرط ہو کہ وہ بڑھتے بڑھتے حد عشق تک پہنچ جاتی ہے- دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ مجازی محبت میں یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پر عاشق ہوتا ہے تو معشوق کے گلی کوچوں ہی سے نہیں بلکہ اس کے درودیوار سے بھی محبت کرتا ہے-

پس جب کسی پر یہ خدادوستی غالب آجاتی ہے تو وہ تمام بندگانِ خدا کو دوست رکھتا ہے خاص کر اس کے دوست بندوں سے اور اس کی تمام مخلوقات سے اس لیے دوستی اور محبت کرے گا کہ جو چیز بالفعل موجود ہے وہ سب اثر محبوب کی صنعت و قدرت کا ہے- اور عاشق معشوق کے خط سے اور اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیز سے پیار کرتا ہے-

حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں جب کوئی نیا میوہ لایا جاتا تو آپ اس کی بڑی تعظیم و تکریم فرماتے اسے آنکھوں سے لگاتے اور فرماتے اس کا زمانہ پیدائش خدائے تعالیٰ سے بہت قریب ہے-

اور خدائے تعالیٰ کی دوستی دو قسم کی ہے-ایک تو دنیا اور آخرت کی نعمت کے لیے-دوسری خاص خدائے تعالیٰ ہی کے لیے کہ اس میں کسی اور شے کا دخل نہیں ہوتا-یہ بڑی عظیم دوستی ہے-اس مضمون کی شرح و تفصیل ہم اس کتاب کی اصل محبت اور رکن چہارم میں بیان کریں گے-غرض خدائے تعالیٰ کی محبت کی قوت ایمان کی قوت کے مطابق ہوتی ہے کہ جس قدر ایمان قوی ہو گا-محبت بھی زیادہ ہو گی پھر اس کے دوستوں اور مقبول بندوں میں سرایت کرے گی-اگر دوستی کسی غرض اور فائدہ کے لیے ہی ہوا کرتی تو وصال یافتہ انبیاء و علماء کے ساتھ دوستی کی کوئی صورت نہ ہوتی-حالانکہ ان تمام نفوس قدسیہ کی دوستی مسلمانوں کے دلوں میں موجود ہوتی ہے-تو جو شخص دانشمندوں صوفیوں' عابدوں اور خدمت گاروں اور ان کے دوستوں سے دوستی کرتا ہے تو یہ خدائے تعالیٰ کی دوستی ہے-لیکن دوستی کی مقدار اور اس کا اندازہ اپنا مال اور مرتبہ قربان کرنے سے ہوتا ہے-کوئی ایسا ہوتا ہے جس کے ایمان کی دوستی اس قدر مضبوط اور قوی ہوتی ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ گھر کا سارے کا سارا مال و متاع راہ خدا میں صرف کر دیتا ہے-جیسا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اور کچھ نیک بخت وہ ہوتے ہیں جو نصف مال و متاع خرچ کر دیتے ہیں-جیسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف تھوڑا سا دے سکتے ہیں-کسی مومن کا دل اصل دوستی سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ تھوڑی سی ہی ہو-

وہ دوستی جو صرف خدا کے لیے ہوتی ہے: جاننا چاہیے کہ جن اطاعت گزار لوگوں کی دوستی محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے وہ لازماً کافروں نافرمانوں' ظالموں اور فاسقوں سے دشمنی رکھتے ہیں-ان کی یہ دشمنی اور عداوت خدا کے لیے ہوتی ہے کیونکہ جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہے وہ اس کے دوست سے محبت کرتا اور دوست کے دشمن کو دشمن جانتا ہے-تو خدائے تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھنی چاہیے اور جو مسلمان فاسق ہو اس سے مسلمان ہونے کے باعث تو دوستی رکھنی چاہیے اور اس کے فسق کے باعث دشمنی اس سے دوستی اور دشمنی دونوں رکھے جس طرح ایک شخص اپنے لڑکے کو تو خلعت و انعام دے مگر دوسرے لڑکے کے ساتھ سختی کرے-ایک اعتبار سے تو اس سے دوستی کرے اور دوسرے اعتبار سے دشمنی اور یہ کوئی محال اور ناممکن نہیں-کیونکہ اگر ایک شخص کے تین بیٹے ہوں ایک زیرک اور فرماں بردار ہو دوسرا بے وقوف اور نافرمان اور تیسرا بے وقوف اور فرمانبردار-پہلے کے ساتھ اس کی دوستی ہو گی دوسرے کے ساتھ دشمنی اور عداوت اور تیسرے کے ساتھ ایک اعتبار سے دوستی اور محبت اور دوسرے اعتبار سے عداوت اور دشمنی ان دو معاملوں کا اثر بھی ظاہر ہو گا کہ ایک کی عزت کرتا ہے اور دوسرے کی اہانت اور تیسرے کی کچھ عزت اور کچھ اہانت-غرض جو شخص خدائے تعالیٰ کا نافرمان ہو اسے اس طرح تصور کرنا چاہیے جس طرح وہ تیری نافرمانی کرے اور تو اس سے مخالفت کے اندازہ کے مطابق اس سے دشمنی اور عداوت کرے اور دوستی کے اندازہ کے مطابق اس سے دوستی کرے اور اس معاملے کا اثر باہمی میل ملاپ اور بات چیت میں ظاہر ہونا چاہیے-یہاں تک کہ گناہگاروں کی گرفت کیا کرے بات چیت

میں اس سے تلخ لہجہ اختیار کرے اور جو فسق میں بڑھا ہوا ہو اس کی گرفت بھی زیادہ کرے اور جب وہ فسق و فجور اس حد تک بڑھ جائے تو اس سے گفتگو بند کر دے اور منہ پھیر لے اور ظالم کے ساتھ فاسق سے بھی بڑھ کر سخت رویہ اختیار کرے۔ ہاں جو شخص خاص تیرے ساتھ ظلم کرے تو اسے معاف کر دینا اور نیک گمان رکھنا بہتر ہے اس بارے میں سلف صالحین کی عادت مختلف تھی۔ چنانچہ ایک گروہ نے دین کی مضبوطی اور شرع کے تحفظ کی خاطر ایسے لوگوں سے سخت رویہ اختیار کیا ہے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ اسی گروہ میں سے ہیں کہ آپ حضرت حارث محاسبی رحمتہ اللہ علیہ سے سخت ناراض تھے۔ جب انہوں نے معتزلہ کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی تو آپ نے وہ کتاب دیکھ کر کہا کہ تم نے اس کتاب میں پہلے معتزلہ کے اعتراضات بیان کئے ہیں۔ پھر ان کا جواب دیا ہے۔ شاید کوئی آدمی ان اعتراضات کو پڑھے اور کوئی اعتراض اس کے دل پر اثر کر جائے۔ اسی طرح جب ایک دفعہ حضرت یحییٰ بن معین رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ میں کسی سے کچھ نہیں چاہتا ہاں اگر بادشاہ وقت کچھ دے تو لے لوں گا۔ تو آپ ان سے بھی ناراض ہوئے اور بولنا چالنا بند کر دیا۔ انہوں نے عذر خواہی کی اور عرض کیا کہ میں نے تو محض ہنسی مذاق کے طور پر ایسا کہا ہے اس پر آپ نے فرمایا حلال کھانا دین میں سے ہے اور دین میں ہنسی مذاق کی اجازت نہیں ہے۔

اور ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے سب کو نگاہِ رحمت سے دیکھا ہے۔ اور یہ فکر و خیال بد لتا رہتا ہے کیونکہ جن لوگوں کی نگاہ توحید پر ہوتی ہے وہ سب کو خدائے تعالیٰ کے قبضہ قہر میں بے بس و مضطرب جانتے ہیں۔ اور ان پر رحم و شفقت کرتے ہیں اور یہ بڑے اونچے درجے کی بات ہے۔ اگرچہ بسا اوقات لوگ اس سے دھوکا اور فریب بھی کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن میں ظاہر داری اور سستی ہوتی ہے وہ اسے توحید تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ توحید کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کو زدوکوب کریں۔ اس کا مال و متاع چھین لیں اور اس سے سخت زبان درازی سے پیش آئیں تو بھی وہ غصے میں نہ آئے۔ بلکہ نگاہِ شفقت سے ہی دیکھے۔ کیونکہ اس کا دیکھنا توحید اور ضرورت خلق کے تحت ہو گا۔ جس طرح کفار نے حضور نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک شہید کئے۔ چہرہ انور پر خون بہہ رہا تھا۔ مگر آپ کی زبان مبارک پر یہ دعا تھی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ نہیں جانتے۔

لیکن جب کوئی شخص خدائے تعالیٰ کے معاملے میں خاموش اور چپکا رہے مگر اپنے معاملے میں فوراً بگڑ جائے تو یہ مداہنت' نفاق اور حماقت ہے نہ کہ توحید۔ تو جس شخص پر اس درجہ کی توحید غالب نہ ہو اور وہ فاسق کو اس کے فسق کے باعث اپنا دشمن قرار نہ دے۔ تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری اور فاسق سے دوستی کی دلیل و علامت ہے جس طرح کوئی آدمی تیرے دوست کو برا بھلا کہے اور تو سن کر غصے میں نہ آئے بلکہ چپ ہو رہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیری دوستی بے حقیقت ہے۔

فصل : معلوم ہونا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کے دشمنوں کے درجے بھی مختلف ہیں اور ان پر سختی اور تشدد کے بھی مختلف درجات ہیں۔

پہلا درجہ : کفار کا ہے۔ یہ اگر حربی ہوں تو ان کے ساتھ دشمنی اور عداوت رکھنا فرض ہے اور ان کے ساتھ جدال و قتال کرنا اور انہیں گرفتار کر کے غلام بنانا چاہیے۔

دوسرا درجہ : ذمیوں کا ہے ان سے عداوت رکھنا بھی ضروری ہے۔ ان کے ساتھ معاملات کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی عزت نہ کریں۔ بلکہ ان کو حقیر جانیں۔ آتے جاتے وقت ان کا راستہ تنگ کریں۔ ان سے دوستی اور الفت کرنا مکروہ بلکہ ممکن ہے حرام ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَاتَجِدُ قَوۡمًا یُّوۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ

تمہیں کوئی ایسی قوم نہ ملے گی جو ایک طرف تو اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتی ہو اور دوسری طرف ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتی ہو جو خدا اور اس کے رسول کے مخالف ہوں۔

ان کفار پر اعتماد کرنا کسی عمل یا عہدے کے ذریعے انہیں مسلمانوں پر مسلط کرنا مسلمانوں کی تحقیر اور گناہ کبیرہ ہے۔

تیسرا درجہ : اہل بدعت کا ہے۔ یہ لوگوں کو بدعات کی دعوت دیتے ہیں ان سے اظہار عداوت کرنا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو ان سے نفرت ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اہل بدعت کو سلام نہ کرے اور نہ ہی ان کے سلام کا جواب دے کیونکہ بدعتی کا فتنہ بہت سخت ہے۔ یہ لوگوں کو بدعت کی طرف ملاتا ہے۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بدعت کی تبلیغ کرنے والے کا شر متعدی ہوتا ہے اور اگر مبتدع عام آدمی ہو تو اس کا شر اتنا خطرناک نہیں۔

چوتھا درجہ : اس نافرمان آدمی کا ہے جس کی نافرمانی اور گناہ لوگوں کے لیے اذیت کا باعث ہو۔ جیسے ظلم، جھوٹی گواہی طرفداری کا فیصلہ۔ شعر کے ذریعہ کسی کی ہجو و مذمت، غیبت کرنا اور لوگوں میں فساد برپا کرنا۔ ایسے لوگوں سے اعراض کرنا، گفتگو کے وقت ان سے تلخ اور سخت لہجہ اختیار کرنا بہت مستحسن امر ہے۔ اور ان سے دوستی کا تعلق استوار کرنا مکروہ ہے۔ ظاہر فتویٰ کے مطابق ان سے دوستی حرام کے درجہ میں نہیں۔ کیونکہ اس بارے میں سختی سے حکم وارد نہیں ہوا۔

پانچواں درجہ : ان لوگوں کا ہے جو شرابی اور فاسق ہیں۔ اگر کسی کو اس شرابی اور فاسق سے کوئی تکلیف نہیں پہنچ رہی

ہے تو اس کا شر اتنا زیادہ نہیں۔ اس سے نرمی اور نصیحت سے پیش آنا بہتر ہے۔ اگر نصیحت قبول کرنے کی امید ہو ورنہ اس سے بھی اعراض بہتر ہے۔ ہاں اس کے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ البتہ اس پر لعنت کرنا درست نہیں۔

ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں متعدد دفعہ شراب نوشی کی اور شراب نوشی کی سزا میں متعدد دفعہ اسے کوڑے بھی لگائے گئے صحابہ میں سے کسی نے اس پر لعنت کی اور کہا تو کب تک اس گناہ کا ارتکاب کرتا رہے گا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں لعنت سے منع کیا اور فرمایا خود شیطان اس کی دشمنی کے لیے کافی ہے۔ تو شیطان کا مددگار نہ بن۔

دوسرا باب صحبت کے حقوق و شرائط : معلوم ہونا چاہیے کہ ہر آدمی دوستی اور صحبت کے لائق نہیں۔ بلکہ ایسے آدمی سے دوستی کا تعلق قائم کیا جائے۔ جس میں تین باتیں موجود ہوں۔

۱۔ عقلمند ہو کہ احمق کی صحبت و دوستی سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ انجام کار ندامت اور نقصان لاحق ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تیرے ساتھ نیکی کرنا چاہے گا تو اس کی حماقت سے تجھے نقصان پہنچے گا اور اسے اس نقصان کا شعور بھی نہ ہوگا۔ علماء کرام فرماتے ہیں احمق سے دور رہنا ہی اس کے قریب ہونا ہے اور اس احمق کا چہرہ دیکھنا گناہ ہے اور احمق وہ ہوتا ہے جو کاموں کی حقیقت نہ جانتا ہو اور سمجھانے سے سمجھ نہ سکتا ہو۔

۲۔ نیک اخلاق ہو کہ بداخلاق سے سلامتی کی امید نہیں۔ جب اس کی بداخلاقی جوش میں آئے گی تو تیرا حق اور تیرا مرتبہ ضائع کر دے گی اور اسے کچھ پرواہ نہ ہوگی۔

۳۔ نیک ہو کیونکہ جو گناہ پر اڑا ہوا ہوگا وہ خدائے تعالیٰ سے بھی نہ ڈرے گا اور جو خوفِ خدا سے خالی ہو اس پر بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ لِمَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ
ایسے شخص کی اطاعت نہ کر جس کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کا پیروکار بنا ہوا ہے۔

اگر بدعتی ہو تو اس سے الگ رہنا چاہیے تاکہ اس کی بدعت کی برائی کا اس پر اثر نہ ہو۔ اور جو بدعت اس زمانہ میں پیدا ہوئی ہے اس سے بڑھ کر کوئی بدعت نہیں اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ سختی نہ کرنی چاہیے اور ان کو فسق و معصیت سے روکنا نہ چاہیے کیونکہ لوگوں سے جھگڑا کرنا ٹھیک نہیں اور یہ کہ ہمیں ان کے معاملات میں مداخلت کی ضرورت نہیں۔ ان کی یہ بات اباحت کا تخم اور الحاد و زندقہ کا سرا ہے اور بہت بڑی بدعت ہے۔ ان لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھنا چاہیے۔ یہ ان کا ایسا قول ہے جس کی مدد کے لیے شیطان ہر وقت تیار کھڑا ہے اور اس بات کو دل میں بساتا اور اباحت کی طرف جلدی سے کھینچتا ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پانچ قسم کے لوگوں کی صحبت و مجلس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۱- جھوٹے کی صحبت سے کہ ہمیشہ اس سے دھوکا کھائے گا۔

۲- احمق کی صحبت و مجلس سے کہ اگر وہ نفع پہنچانا چاہے تو بھی نقصان کرے گا۔

۳- بخیل سے کہ وہ تیری عین ضرورت کے وقت تجھ سے قطع تعلق کرلے گا۔

۴- بزدل آدمی سے کہ وہ ضرورت کے وقت تجھے ضائع کردے گا۔

۵- فاسق شخص سے کہ وہ ایک لقمہ بلکہ اس سے بھی کم چیز کے عوض تجھے فروخت کردے گا۔لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا طمع کے باعث۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نیک خلق فاسق کی صحبت و مجلس کو بداخلاق قاریوں کی صحبت سے بہتر جانتا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ یہ مذکورہ تین خصلتیں بیک وقت ایک شخص میں جمع ہونی بہت مشکل ہیں۔ تجھے چاہیے کہ صحبت کی غرض و غایت کو ذہن میں رکھے۔ اگر انس و محبت مطلوب ہو تو نیک اخلاق انسان تلاش کر۔ اور اگر دنیا مقصود ہو تو سخاوت و کرم کی جستجو کر اور ہر ایک کی شرائط علیحدہ علیحدہ ہیں۔

واضح ہو کہ اخلاق تین قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو غذا کی مانند ہیں جن کے بغیر چارہ کار نہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو دوا کی طرح ہیں۔ کہ ان کی ضرورت کبھی کبھی پڑتی ہے۔ تیسرے بیماری کی طرح ہیں کہ ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر ان میں پھنس جاتے ہیں۔ تو ان کا علاج کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ان سے نجات پائیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے آدمی سے صحبت و دوستی کا تعلق قائم کرنا چاہیے کہ جسے تجھ سے فائدہ حاصل ہو یا تجھے اس سے نفع پہنچے۔

حقوق دوستی و صحبت: جاننا چاہیے کہ جب کسی سے دوستی اور بھائی چارے کا رشتہ اور تعلق قائم ہو گیا۔ تو اس کو نکاح کے تعلق کی طرح تصور کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے بھی حقوق ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ دو بھائی دو ہاتھوں کی طرح ہیں کہ ایک دوسرے کو دھوتا ہے اور یہ دس قسم کے حقوق ہیں۔

۱- مال سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا درجہ سب سے بڑا ہے کہ اس کے حق کو اپنے حق سے مقدم جانے اور ایثار و قربانی سے پیش آئے کہ اپنا حصہ بھی اسے دیدے۔ جیسے قرآن مجید میں انصار کی شان میں وارد ہوا ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ — وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود ان کو ضرورت و حاجت ہو۔

چاہیے کہ اپنے دوست کو اپنی طرح جانے اپنے مال کو اس کے اور اپنے درمیان مشترک جانے۔ سب سے کمتر درجہ یہ ہے کہ اسے اپنا غلام اور خادم تصور کرے اور جو چیز اپنی ضرورت اور حاجت سے زائد ہو بے مانگے اسے دیدے اگر اسے مانگنے سے اور کہنے کی نوبت آئے تو دوستی کے درجہ سے خارج ہے۔ کیونکہ اس کے دل میں غمخواری اور ہمدردی نہیں

ہے۔اس طرح کی دوستی اور صحبت محض عادت کے طور پر ہے۔جس کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے۔

عتبہ الفلاح کا ایک دوست تھا اس نے آپ سے کہا مجھے چار ہزار درہم کی ضرورت ہے اس نے جواب دیا دو ہزار درہم دوں گا۔دوست نے یہ سن کر منہ پھیر لیا اور کہا تجھے شرم آنی چاہیے کہ تو اللہ کے لیے دوستی کا دعویٰ کرتا ہے پھر دنیا کو اس پر ترجیح دیتا ہے۔

صوفیا کے ایک گروہ کے متعلق کسی نے بادشاہِ وقت کے سامنے شکایت کی بادشاہ ناراض ہوا اور حکم دیا کہ ایسے تمام صوفیوں کو قتل کر دو۔حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ جو ان میں موجود تھے' ان سب سے آگے بڑھے اور فرمایا سب سے پہلے مجھے قتل کرو۔بادشاہ نے کہا کیوں۔فرمایا یہ سب لوگ میرے دینی بھائی ہیں۔میں نے چاہا ایک گھڑی کے لیے اور کچھ نہیں تو اپنی جان ہی ان پر قربان کر دوں۔بادشاہ نے یہ ایثار دیکھ کر قتل کا حکم واپس لے لیا اور کہا جو لوگ اس درجہ کے ایثار پسند ہوں انہیں قتل کرنا ناروا ہے اور سب کو چھوڑ دیا۔

حضرت فتح موصلی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ایک دوست کے گھر تشریف لے گئے وہ موجود نہ تھا اس کی لونڈی سے فرمایا صندوقچہ لے آوہ اٹھا لائی جتنے روپوں کی آپ کو ضرورت تھی اتنے اس میں سے لے لیے جب دوست گھر آیا اور یہ واقعہ سنا تو اس لونڈی کو اس خوشی میں آزاد کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ سے بھائی چارہ قائم کروں۔آپ نے اس سے فرمایا تجھے حق برادری کا پتہ ہے یا نہیں۔عرض کی مجھے تو معلم نہیں فرمایا اپنے سونے چاندی میں مجھ سے زیادہ حقدار نہ رہے۔عرض کیا میں ابھی اس درجہ کو نہیں پہنچا۔تو فرمایا چلا جا یہ تیرا کام نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔صحابہ کرام میں سے ایک نے کسی کو بھنی ہوئی سری بھیجی انہوں نے فرمایا میرا فلاں دوست زیادہ ضرورت مند ہے۔یہ اسے دینا بہتر ہے۔چنانچہ وہ سری انہوں نے اس کے پاس بھیج دی۔اس نے وہ سری دوسرے دوست کے پاس بھیج دی۔اس نے آگے کسی اور کو دی۔غرض کئی جگہ گھوم کر پھر پہلے دوست کے پاس آگئی۔

حضرت مسروق اور خیثمہ میں دوستانہ تھا اور ہر ایک قرضدار تھا۔دونوں نے ایک دوسرے کا اس طرح قرض ادا کیا کہ دونوں میں کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔میرے نزدیک اپنے دوست پر بیس درہم خرچ کرنا سو درہم فقیروں میں تقسیم کرنے سے بہتر ہے۔

ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔جا کر دو مسواکیں توڑیں ایک سیدھی تھی اور ایک ٹیڑھی ایک اصحابی آپ کے ہمراہ تھے۔سیدھی مسواک آپ نے صحابی کو عطا کی اور ٹیڑھی اپنے لیے رکھی۔صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اچھی مسواک آپ لیں۔آپ نے ارشاد فرمایا۔جو شخص کسی کے ساتھ ایک گھڑی کے لیے بھی صحبت

و مجلس کرتا ہے- قیامت کے دن اس صحبت کے حق میں اس سے باز پرس ہو گی- کہ اس کا حق ادا کیا یا ضائع کیا- اے عزیز یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حق صحبت ایثار ہے- یعنی اچھی اور کام کی چیز دوسرے پر قربان کرنی چاہیے-

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب دو آدمی باہم ساتھی بنیں تو ان دونوں میں سے خدا تعالیٰ اس کو زیادہ دوست رکھتا ہے- جو دوسرے ساتھی کا حق زیادہ بہتر طریقے سے ادا کرتا ہے-

دوسرا حق : یہ ہے کہ دوست اور ساتھی کی حاجات و ضروریات میں اس کے کہنے سے پہلے اس کی مدد کرے اور خوشدلی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس کی خدمت کرے- اس کی تکالیف و مہمات میں اس کے کام آئے- سلف صالحین کی عادت مبارک تھی کہ روزانہ گھر جا کر اپنے دوستوں کے اہل خانہ سے دریافت کرتے کہ کس چیز کی ضرورت ہے- لکڑی آٹا ہے نمک تیل موجود ہے- اسی طرح ان کے سارے کام اپنے کاموں کی طرح ضروری جانتے تھے- اس کے باوجود دوسرے کا احسان اپنے اوپر جانتے تھے-

حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے دینی بھائی مجھے اپنے بال بچوں سے زیادہ عزیز ہیں- کیونکہ یہ لوگ مجھے دین یاد دلاتے ہیں اور بیوی بچے دنیا کی طرف لگاتے ہیں-

حضرت عطا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں- تین دن کے بعد اپنے بھائیوں کو بلایا کرو اور ان کی خبر گیری کیا کرو بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرستی کیا کرو- اگر کسی کام میں مصروف ہوں تو ان کی مدد کیا کرو- اگر کوئی بات بھول گئے ہوں تو یاد دلایا کرو-

حضرت جعفر بن محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں- دشمن بھی جب تک مجھ سے بے رخ نہ کرے اور بے نیاز نہ ہو- میں اس کی حاجت بر آری میں جلدی کرتا ہوں- تو دوست کے حق کو کیوں ادا نہ کروں-

سلف صالحین میں سے ایک بزرگ تھے- جنہوں نے اپنے دینی بھائی کی موت کے بعد چالیس سال تک اس کے بال بچوں کی خبر داری کا فریضہ ادا کیا-

تیسرا حق : زبان کا حق ہے کہ اپنے بھائیوں کے حق میں نیک بات کہے- ان کے عیب چھپائے- اگر کوئی پس پشت ان کی بد گوئی کرے تو اس کا جواب دے- اور ایسا خیال کرے کہ وہ دیوار کے پیچھے سن رہا ہے اور جس طرح یہ خود چاہتا ہے کہ وہ پس پشت اس کے ساتھ وفادار رہے' اس کے پس پشت یہ خود بھی اس کا وفادار رہے اور اس میں سستی نہ کرے- جب وہ بات کرے تو کان لگا کر سنے- اس سے جھگڑا اور بحث و مناظرہ نہ کرے اس کا راز ظاہر نہ کرے- اگرچہ اس سے قطع تعلق ہو چکا ہو- کیونکہ یہ بد طینی کی باتیں ہیں- اس کے اہل و عیال کی غیبت سے بھی زبان بند رکھے- اس کے دوست احباب کی غیبت بھی نہ کرے- اگر کسی نے اس کی برائی یا مذمت کی ہو تو اسے آ کر نہ بتائے کہ اس طرح اسے تکلیف پہنچے گی- دوست کی نیک اور اچھی بات جو اسے معلوم ہو نہ چھپائے ورنہ حاسد شمار ہو گا- اگر اس سے کوئی قصور صادر ہو جائے تو اس کا گلہ نہ کرے- بلکہ

اسے معذور جانے - اپنے قصور یاد کرے جو وہ خدائے تعالیٰ کی اطاعت میں کرتا ہے تو اس پر تعجب نہ کرے - اگر کوئی اس کے حق میں قصور کرے اور اگر یہ خیال کرے کہ ایسا آدمی تلاش کرے جس سے کوئی قصور نہ ہوتا ہو اور نہ اس میں کوئی عیب ہو تو ایسا شخص ملنا ناممکن ہے - تو اس طرح وہ لوگوں کی صحبت سے محروم رہ جائے گا -

حدیث شریف میں ہے کہ مومن ہمیشہ عذر ڈھونڈتا ہے اور منافق ہمیشہ عیب جوئی کرتا ہے - ہونا یہ چاہیے کہ دوست کی ایک نیکی کے عوض اس کی دس برائیوں کی پردہ پوشی کرے - حضور علیہ السلام فرماتے ہیں برے دوست سے پناہ مانگنا چاہیے - کیونکہ جب وہ برائی دیکھے گا تو اسے چھپائے گا نہیں بلکہ نشر کرے گا - اور جب کوئی اچھائی دیکھے گا تو اسے چھپائے گا اور بہتر یہ ہے کہ جب دوست کا قصور درگزر کرنے کے لائق ہو تو درگزر کرے - نیکی پر محمول کرے بدگمانی نہ کرے کہ بدگمانی حرام ہے - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مومن کی چار چیزیں دوسروں پر حرام ہیں - اس کا مال' جان' عزت و آبرو اور بدگمانی -

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں تم اس آدمی کے متعلق کیا کہتے ہو جو اپنے بھائی کو سوتا دیکھے تو اس کی شرمگاہ سے کپڑا اتار دے اور اس کو بالکل ننگا کر دے لوگوں نے عرض کی یا روح اللہ ایسا کون شخص ہے جو اس امر کو جائز رکھتا اور ایسا کرتا ہو - فرمایا تم لوگ ہی ایسا کرتے ہو - اپنے بھائی کا عیب ظاہر کرتے ہو اور نشر کرتے پھرتے ہو تاکہ دوسرے لوگ بھی واقف ہو جائیں -

ایک بزرگ فرماتے ہیں - جب کسی کو اپنا دوست بنانے لگو تو پہلے اس کو غصے میں لاؤ پھر خفیہ طور پر اس کے پاس کسی کو بھیجو تاکہ وہ تمہارا تذکرہ کرے - اگر اس نے ذرا سا بھی تمہارا بھید اور راز ظاہر کر دیا تو وہ دوستی کے لائق نہیں اور بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ دوستی کے لائق ایسا شخص ہے کہ تیرا حال جو خدائے تعالیٰ جانتا ہے وہ بھی جان لے تو جس طرح خدائے تعالیٰ تیرے عیب چھپاتا ہے وہ بھی چھپائے اور پوشیدہ رکھے ایک آدمی نے اپنے دوست سے اپنے راز کی بات کہہ دی بعد میں دریافت کیا تجھے وہ راز معلوم ہے اس نے جواب دیا میں اس کو بھول چکا ہوں - یعنی دوسرے شخص تک اس راز کے پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص چار اوقات میں تیرا ساتھ چھوڑ دے وہ دوستی اور صحبت کے لائق نہیں - (۱) رضا اور خوشی کے وقت - (۲) غصہ کے وقت - (۳) طمع اور لالچ کے وقت - (۴) خواہش نفسانی کے وقت - بلکہ چاہیے تو یہ تھا کہ تیرے حق کو ان اوقات میں نہ چھوڑتا -

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجھے اپنے پاس بٹھایا اور قرب عطا کیا ہے - بوڑھوں پر تجھے فوقیت عطا کی ہے - خبردار پانچ باتوں کا خیال رکھنا - (۱) کبھی ان کا راز ظاہر نہ کرنا - (۲) ان کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا - (۳) کوئی غلط اور جھوٹی بات ان سے نہ کہنا - (۴) جو کچھ وہ فرمائیں اس سے خلاف نہ کرنا - (۵) کبھی وہ تجھ سے خیانت نہ دیکھنے پائیں -

اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ دوستی میں سب سے زیادہ خرابی مناظرے اور دوست کی بات کی مخالفت

کرنے سے آتی ہے-دوست کی بات کاٹنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کو جاہل واحمق سمجھے اور اپنے آپ کو عقلمند اور فاضل تصور کرے اور اسے تکبر و حقارت کی نگاہ سے دیکھے- یہ سب باتیں دوستی سے دور اور دشمنی کے قریب ہیں-رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے-اپنے بھائی کی بات کے خلاف نہ کیا کرو-نہ اس سے ہنسی مذاق کیا کرو اور اس سے جو وعدہ کرو پورا کیا کرو-دوستی کے باب میں بزرگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر دوست کہے اٹھ اور ہمارے ساتھ چل اور تو کہے کہاں تو یہ بات دوستی کے لائق نہیں-بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس کے کہتے ہی فوراً ساتھ چل پڑے-

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں-میرا ایک دوست تھا-میں جو کچھ اس سے مانگتا دے دیتا-ایک دفعہ میں نے اس سے کہا مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے-اس نے کہا کس قدر چاہیے-اس کی اتنی بات کہنے سے دوستی کی حلاوت میرے دل سے نکل گئی-جاننا چاہیے کہ محبت کا وجود موافقت سے وابستہ ہے جہاں تک ہو سکے موافقت کرنی چاہیے-

چوتھا حق: یہ ہے کہ زبان سے شفقت اور دوستی کا اظہار کرے- حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اِذَا اَحَبَّ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُخْبِرْہُ

جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے دوستی رکھتا ہو تو اس کو اس سے آگاہ کر دے-

یہ آپ نے اس لیے فرمایا ہے کہ اس کے دل میں بھی محبت پیدا ہو-اس صورت میں دوسری جانب سے بھی دوستی میں اضافہ ہو گا- مناسب یہ ہے کہ اس سے زبانی سارے حالات دریافت کیا کرے- پھر اس کی خوشی میں خوشی ظاہر کرے اور غم میں غم اس کی خوشی کو اپنی خوشی اور اس کے غم کو اپنا غم جانے-اور جب اسے بلائے تو اچھے نام سے بلائے بلکہ اگر اس کا کوئی لقب یا خطاب ہے تو اس سے بلائے-یہ وہ اس سے زیادہ پسند کرے گا-

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں-دینی بھائی کی دوستی تین چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے ایک یہ کہ اسے اچھے نام سے پکارے-دوسرے یہ کہ پہلے خود اسے سلام کرے- تیسرے یہ کہ پہلے اسے بٹھائے اور ان ہی باتوں میں سے یہ بات ہے کہ پس پشت اس کی تعریف کرے-جس سے وہ خوش ہو-یوں ہی اس کے بیوی بچوں کی بھی تعریف کرے کہ ان باتوں سے دوستی بہت مضبوط ہوتی ہے اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کرے-

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں-جو آدمی اپنے دینی بھائی کی نیک نیتی پر شکر نہ کرے گا وہ نیک کام پر بھی اس کا شکر ادا نہ کرے گا اور چاہیے کہ پس پشت اس کی مدد و اعانت کرے اور طعن و تشنیع کرنے والے کو اس کا جواب دے اور اسے اپنی طرح تصور کرے اور یہ بڑا ظلم ہے کہ کوئی اس کے دوست کو برا کہے اور یہ چپ بیٹھا رہے-اس کی مثال اس طرح ہے کہ اس کے دوست کی پٹائی ہو رہی ہو اور وہ بیٹھا دیکھتا رہے اور اس کی کچھ مدد نہ کرے-حالانکہ بات کا زخم بڑا شدید ہوتا ہے-کسی کا قول ہے کہ جب کسی نے پس پشت میرے دوست کا ذکر کیا تو میں نے فرض کر لیا کہ دوست موجود ہے اور سن رہا ہے-تو میں نے ایسا ہی جواب دیا کہ جسے وہ بھی سنے-

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دو بیلوں کو اکٹھے بندھے ہوئے دیکھا۔ جب ان میں سے ایک کھڑا ہوا تو دوسرا بھی کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آپ رو پڑے اور فرمانے لگے دینی بھائی ایسے ہوتے ہیں کہ آپس میں اٹھنے بیٹھنے اور چلنے میں ایک دوسرے کی موافقت و مطابقت کرتے ہیں۔

پانچواں حق: یہ ہے کہ اگر اسے علم دین کی ضرورت ہو تو سکھائے کہ اپنے بھائی کو دوزخ کی آگ سے بچانا دنیا کے رنج والم سے بچانا دنیا کے رنج والم سے نجات دینے سے زیادہ اہم و ضروری ہے۔ اگر اسے سکھایا پھر اس نے اس پر عمل نہ کیا تو اسے سمجھائے نصیحت کرے اور خدائے تعالیٰ کا خوف دلائے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اسے خلوت میں نصیحت کرے۔ تاکہ شفقت کا اظہار کرے۔ علانیہ نصیحت کرنے میں اس کی شرمندگی ہے اور جو کچھ اسے سمجھائے یا نصیحت کرے نرمی سے کرے۔ سختی سے نہ کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ یعنی اپنا عیب اور نقص ایک دوسرے سے معلوم کرتا ہے۔ جب تیرا بھائی شفقت کی بنا پر تیرا عیب علیحدگی میں تجھے بتائے تو اس کا احسان سمجھتے ہوئے اس پر خفا نہ ہونا چاہیے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی آدمی تجھے اطلاع دے کہ تیرے کپڑوں میں سانپ بچھو ہے تو تو اس سے کبھی ناراض نہ ہو گا۔ بلکہ اس کا ممنون ہو گا حقیقت یہ ہے کہ انسان میں جس قدر بری صفات ہیں وہ سب سانپ بچھو کی مانند ہیں۔ ہاں ان کا زخم قبر میں جا کر محسوس ہو گا۔ اور روح اس کا احساس کرے گی اور وہ اس جہاں کے سانپ بچھوؤں سے زیادہ سخت ہو گا کیونکہ یہ زخم بدن پر ہوتا ہے نہ کہ روح پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے خدا تعالیٰ اس پر رحمت کرے جو میرے عیب میرے سامنے ہدیۃً لائے۔

جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو فرمایا اے سلمان سچ سچ کہو تم نے میرے متعلق کیا دیکھا اور سنا ہے انہوں نے عرض کیا آپ اس بات سے مجھے معاف کر دیں۔ فرمایا نہیں۔ ضرور بتانا چاہیے۔ جب آپ نے اصرار کیا تو حضرت سلمان نے فرمایا سنا ہے کہ آپ کے دستر خوان پر دو طرح کا کھانا ہوتا ہے اور آپ دو کرتے رکھتے ہیں ایک دن کا اور ایک رات کا۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ اور سنا ہے عرض کیا نہیں۔

حضرت حذیفہ مرعشی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت یوسف اسباط کو خط لکھا تو نے اپنے دین کو دو پیسوں کے عوض فروخت کر دیا ہے۔ یعنی بازار میں جا کر تو نے کوئی چیز خریدنا چاہی دوکاندار نے اس کی قیمت تین پیسے بتائی تو نے اسے کہا میں تو دو پیسے میں لوں گا۔ اس نے تعارف اور واقفیت کی بنا پر دو پیسے میں ہی دے دی اس نے یہ چشم پوشی تیری دینداری اور نیکی کی بنا پر کی۔ سر سے غفلت کا پردہ اتار اور خواب غفلت سے بیدار ہو۔

واضح ہونا چاہیے کہ جو شخص علم دین اور علم قرآن حاصل کر کے اس کے عوض دنیا طلبی کی رغبت کرے تو مجھے ڈر ہے کہ ایسا شخص اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتا ہے۔ دین کی رغبت کی علامت یہ ہے کہ ایسا علم عطا کرنے کو خدائے تعالیٰ کا

احسان جانے نہ کہ اسے دنیا طلبی کاذریعہ بنائے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلٰكِنْ لَّا يُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ لیکن تم لوگ نصیحت کرنے والوں کو اچھا نہیں جانتے۔

آیۂ کریمہ میں ان جھوٹے لوگوں کی صفت بیان ہوئی ہے۔جو شخص نصیحت کرنے والے کو اچھا نہیں جانتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تکبر و غرور میں مبتلا ہے۔تکبر و غرور اس کے عقل اور دین پر چھا گیا ہے اور یہ باتیں اس وقت رونما ہوتی ہیں جب اسے اپنے عیب دکھائی نہیں دیتے ور جب اپنے عیب جاننے لگے تو اسے ضرور نصیحت کرنا چاہیے۔مگر سب کے سامنے اعتراض کے طور پر کچھ نہ کہنا چاہیے اور ایسا انجان بن جائے کہ تجھ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہونے پائے۔اگر اس قصور کے باعث دوستی میں فرق آنے لگے تو مخفی طریقے سے ڈانٹ لینا قطع تعلق کرنے سے بہتر ہے۔لیکن زبان درازی اور جھگڑے کی نسبت قطع تعلق کر لینا بہتر ہے۔مناسب یہ ہے کہ صحبت و دوستی سے یہ مقصد اپنے پیش نظر رکھے کہ اپنے بھائیوں کی باتوں کو برداشت کر کے اپنے اخلاق و عادات کو مہذب و درست کرے گا نہ یہ کہ ان سے نیکی کی امید رکھے۔

حضرت ابو بکر کتانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ایک شخص میرے ساتھ رہتا تھا۔اس کے ساتھ رہنے سے میرے دل پر گرانی ہوتی تھی۔میں نے خیال سے اسے کچھ دیا کہ دل سے گرانی دور ہو جائے گی۔مگر اس طرح بھی دور نہ ہوئی پھر میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لایا اور کہا اپنے پاؤں کا تلوا میرے منہ پر رکھ۔اس نے کہا یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔میں نے کہا تم ضرور یہ کام کرو۔آخر کار جب اس نے ایسا کیا تو وہ گرانی میرے دل سے جاتی رہی۔

حضرت ابو علی رباطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ میں عبداللہ رازی کا رفیق سفر بن کر سفر کو روانہ ہوا۔انہوں نے فرمایا راستے کا سردار تم ہو گے یا میں۔میں نے کہا آپ بنیں۔تو فرمایا جو کچھ میں کہوں گا اسے ماننا پڑے گا میں نے کہا بسر و چشم۔فرمایا توبرہ لاؤ میں نے ان کے فرمانے سے توبرہ لایا۔زادراہ کپڑے اور جو سامان موجود تھا اس توبرہ میں بھر کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور چل پڑے۔میں نے انتہائی اصرار کے ساتھ عرض کیا یہ سامان مجھے دے دیں کہ اسے میں اٹھالوں گا تا کہ آپ تھک نہ جائیں تو فرمایا تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اپنے سردار پر حکم چلاؤ اب تم کو فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رات بھر مینہ برستا رہا اور آپ میرے اوپر چادر تانے کھڑے رہے۔تا کہ بارش مجھ پر نہ پڑے۔جب میں گفتگو کرتا تو فرماتے میں تمہارا سردار اور امیر ہوں تم میرے مطیع فرمان ہو۔میں اپنے دل میں کہتا "کاش میں ان کو سردار نہ بناتا۔"

چھٹی قسم : حقوق کی یہ ہے کہ جو بھول چوک صادر ہو جائے۔اسے معاف کر دینا چاہیے۔کہ بزرگان دین نے کہا ہے کہ اگر تیرا کوئی بھائی قصور کر بیٹھے تو اس کی طرف سے ستر قسم کی عذر خواہی قبول کر۔اگر نفس قبول نہ کرے تو اپنے دل سے کہہ کہ تو بہت ہی بد خواہ اور بد ذات ہے کہ تیرے بھائی نے ستر عذر کئے مگر تو نے قبول نہ کئے۔اگر وہ ایسا قصور ہے جس میں گناہ ہو تو اس کو نرمی سے نصیحت کر تا کہ وہ اسے چھوڑ دے۔اگر وہ اس پر اصرار نہ کرتا ہو تو چاہیے کہ تو اس گناہ سے انجان

بن جائے اسے نہ جتلائے اور اس گناہ پر مصر ہو تو اسے نصیحت کر- اگر نصیحت فائدہ مند نہ ہو تو اس بارے میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے قطع تعلق کرے- کیونکہ پہلے اس کے ساتھ صرف اللہ کے لیے دوستی کا رشتہ قائم کیا تو اب گناہ پر اصرار کرنے کے باعث اللہ کی دوستی کی خاطر اس سے دوستی ختم کردے- حضرت ابوالدرداء اور صحابہ کی جماعت کا مسلک یہ ہے کہ رشتہ دوستی نہ کاٹنا چاہیے- کیونکہ امید ہے کہ اس گناہ سے توبہ کرے- ایسے شخص سے ابتدا رشتہ دوستی جوڑنا منع ہے لیکن جب رشتہ محبت جوڑ لیا تو اب قطع نہ کرنا چاہیے-

حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی گناہ کرنے کی بنا پر بھائی سے تعلق دوستی ختم نہ کر کیونکہ اگر آج گناہ میں مبتلا ہے کل توبہ کرلے اور اسے چھوڑ دے- حدیث شریف میں ہے کہ عالم آدمی کی غلطی پر اعتراض کرنے سے بچو اور اس سے قطع عقیدت نہ کرو- ممکن ہے کل وہ اس برائی سے باز آجائے-

حکایت : بزرگان دین میں سے دو بھائی ایک دوسرے کے دوست تھے ان میں سے ایک خواہش نفس کے تحت کسی کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور اپنے دوست سے کہا کہ میرا دل بیمار ہو گیا ہے- اگر تیری خواہش ہے کہ مجھ سے تعلق و دوستی قطع کرلے- تو میری طرف سے تجھے ایسا کرنے کا اختیار ہے- اس کے دوست نے جواب دیا معاذ اللہ کہ صرف ایک گناہ کے سرزد ہونے پر میں تجھ سے رشتہ دوستی کاٹ لوں اور پختہ ارادہ کرلیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے دوست کو اس گناہ سے نجات عطا نہ کرے گا میں کھانے پینے کے نزدیک نہ جاؤں گا اور دوست سے دریافت کیا کہ تیرا کیا حال ہے اس نے کہا بدستور مبتلائے مرض ہوں- دوست یہ سن کر کھانے پینے سے کنارہ کش رہا اور غم سے اندر ہی اندر پگھلتا رہا یہاں تک کہ وہ بھائی آیا اور کہا خدائے تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے نجات عطا کردی ہے اور میرا دل معشوق کے عشق سے متنفر ہو گیا ہے- تب جا کر اس نے کھانا کھایا-

ایک شخص سے کہا گیا تیرا بھائی خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہو گیا ہے اور تو نے اس سے قطع تعلق نہیں کیا اس نے جواب دیا کہ میرے اس دوست کو آج میری دوستی اور بھائی چارے کی بہت ضرورت ہے کیونکہ وہ غلط کام میں پھنس گیا ہے میں اس حالت میں اس سے کس طرح علیحدگی اختیار کرسکتا ہوں- میں نرمی اور شفقت کے ساتھ اسے دوزخ کے راستے سے ہٹاؤں گا اور اس کی دستگیری کروں گا-

حکایت : بنی اسرائیل میں دو دوست تھے اور دونوں ایک پہاڑ پر عبادت الٰہی کرتے تھے- ان میں سے ایک شہر میں کچھ خریدنے آیا- اس کی نگاہ ایک فاحشہ عورت پر پڑی اور اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا اور اس کی مجلس اختیار کرلی- جب کچھ روز گزر گئے تو دوسرا دوست اس کی تلاش میں آیا اور اس کا حال سنا- اس کے پاس آیا اس نے شرمندہ ہو کر کہا کہ میں تو تجھے

جانتا ہی نہیں۔اس نے کہا بُرادر عزیز دل کو اس کام میں مشغول نہ کر۔میرے دل میں تجھ پر جس قدر آج شفقت پیدا ہوئی ہے۔ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے بوسہ دیا گناہ میں مبتلا ہونے والے دوست نے جب اس کی طرف سے شفقت کا یہ مظاہرہ دیکھا تو جان لیا کہ میں اس کی نگاہ سے نہیں گرا رنڈی کی مجلس سے اٹھا، توبہ کی اور دوست کے ساتھ چلا گیا۔اس بارے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا طریقہ سلامتی کے زیادہ نزدیک ہے۔لیکن ابو درداء کا طریقہ لطیف تر اور فقہ کے قریب ہے۔کیونکہ یہ لطف و مہربانی اور توبہ کے راستے پر ڈالتا ہے اور عاجزی اور بے بسی کے دن دینی دوستوں کی ضرورت و حاجت پیش آتی ہے۔لہٰذا ایسی حالت میں دینی دوست سے کیونکر قطع تعلق کریں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عقد دوستی جو قائم کیا جاتا ہے وہ رشتہ قرابت کی طرح ہے اور قطع رحم کسی گناہ کے سبب نہیں کیا جا سکتا۔اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ

پس اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیں میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔

یعنی اگر تیرے خویش و اقارب تیری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔یہ نہ کہہ کہ میں تیرے سے بیزار ہوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا آپ کا بھائی تو معصیت و گناہ کا مرتکب ہو گیا تم اس سے دشمنی کیوں نہیں کرتے۔آپ نے جواب دیا میں اس کی معصیت کو برا جانتا ہوں۔لیکن جب تک وہ میرا بھائی ہے۔اس سے دشمنی اختیار نہ کروں گا۔لیکن تاہم ایسے آدمی سے ابتدا دوستی کا تعلق قائم نہ کرنا چاہیے کیونکہ ایسے شخص سے بھائی چارہ قائم نہ کرنا گناہ کی بات نہیں ہے ہاں صحبت اور دوستی ترک کرنا گناہ ہے اور اس حق کو نظر انداز کرنا ہے جو دوستی قائم کرنے سے ثابت ہو چکا ہے۔لیکن اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر تیرے حق میں کوئی قصور کیا ہو تو اس کا معاف کر دینا بہت بہتر ہے جب کہ وہ معذرت کر لے۔اگرچہ تجھے علم ہو کہ جھوٹی عذر خواہی کر رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس کا بھائی اس سے عذر خواہی کرے اور وہ اس کا عذر قبول نہ کرے۔تو اس کا گناہ اس شخص کے گناہ کی طرف ہے جو لوگوں سے ظلماً مال اسباب لے لیتا ہو۔حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مومن جلد غصے میں آتا ہے اور جلد ہی خوش بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید سے فرمایا جب تیرا کوئی دوست تجھ سے زیادتی کرے تو اس پر ناراض نہ ہو۔کیونکہ شاید اس صورت میں تو اس سے ایسی باتیں سنے جو اس زیادتی سے بھی سخت تر ہوں۔مرید کہتا ہے جب میں نے اس کا تجربہ کیا تو ایسا ہی سامنے آیا۔جیسا کہ شیخ نے فرمایا۔

ساتویں قسم: کا یہ حق ہے کہ اپنے دوست کو دعائے خیر میں یاد رکھے اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد

بھی نیز اس کے بال بچوں کے لیے بھی دعا کرتا رہے۔ جس طرح اپنے لیے دعا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دعا حقیقۃً تو خود اپنے لیے کرے گا۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جو شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر کہتا ہے خدا تجھے بھی ایسا ہی عطا کرے اور ایک روایت میں ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں اس دعا کے جواب میں عطا کرنے میں تجھ سے ابتداء کرتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو دعا دوستوں کے لیے ان کی عدم موجودگی میں کی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں سجدے میں پڑ کر ستر دوستوں کا نام لے کر ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔"

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حقیقی دوست کی نشانی یہ ہے کہ تیرے مرنے کے بعد جب وارث تیری وراثت تقسیم کرنے میں مصروف ہوں تو وہ تیرے لیے دعا اور تیرے لیے مغفرت میں مصروف ہو اور اس کا دل اس فکر میں مشغول ہو کہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مردے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ڈوب رہا ہو اور بچنے کے لیے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہو۔ بالکل اسی طرح مردہ بھی اپنے گھر والوں، اولاد اور دوستوں کی دعاؤں کا منتظر رہتا ہے اور ان زندوں کی دعا نور کے بڑے بڑے پہاڑ بن کر قبر میں پہنچتی ہے۔

حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ دعا کو نور کے طباقوں میں رکھ کر مردوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں کی طرف سے ہدیہ اور تحفہ ہے اور مردہ یہ دیکھ کر اسی طرح خوش ہوتا ہے۔ جس طرح زندہ انسان ہدیے تحفے سے خوش ہوتا ہے۔[۱]

آٹھویں قسم: کا حق یہ ہے کہ وفائے دوستی کی حفاظت کی جائے۔ وفاداری کا ایک معنی یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اہل و عیال اور دوستوں سے غفلت نہ برتے۔

ایک بوڑھی عورت حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اس کی بڑی عزت کی۔ لوگ اس عزت افزائی پر متعجب ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ عورت میری زوجہ خدیجہ کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی۔ کرم نوازی کا ایسا سلوک ایمان میں سے ہے۔

دوسری وفاداری یہ ہے کہ جو لوگ بھی اس سے تعلق رکھتے ہوں جیسے اس کے اہل و عیال اس کے غلام اور شاگرد

۱۔ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کو ایصال ثواب بہت مستحسن اور نازک وقت میں ان کی زبردست امداد ہے۔ بقول حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تیجا، چالیسواں گیارہویں وغیرہ ایصال ثواب کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔ اس مسئلے کے ثبوت میں بحوالہ احادیث، فقہاء کرام کے اقوال اور مخالفین کے اعتراضات کے شافی جوابات کے لیے بندہ مترجم کی کتاب تالیف در مسلک امام ربانی شائع کردہ مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور کا مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲۔

وغیرہ ان سب کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور اس شفقت کا اثر اس کے دل پر خود اس پر شفقت کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر مرتبہ، حشمت اور اقتدار حاصل کرے تو پھر بھی اسی تواضع و انکساری کو ملحوظ رکھے جو پہلے رکھتا تھا اور دوستوں کے معاملے میں تکبر کو نزدیک نہ آنے دے۔

تیسری وفاداری یہ ہے کہ دوستی کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھے۔ اور کسی بات کو دوستی کے ختم ہونے کا سبب نہ بننے دے۔ کیونکہ ابلیس کے نزدیک سب سے اہم بات یہ ہے کہ دو بھائیوں میں نفرت اور اختلاف ڈال دے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ

بے شک ابلیس لوگوں کے مابین نفرت و عداوت پیدا کرتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطَانُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ

اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان نفرت و عداوت پیدا کر دی تھی۔

چوتھی وفاداری یہ ہے کہ دوست کے حق میں کسی کے منہ سے بھی غلط بات سننا گوارا نہ کرے اور چغلخور کو جھوٹا جانے۔

پانچویں وفاداری یہ ہے کہ دوست کے دشمن سے دوستی نہ کرے۔ بلکہ اس کے دشمن کو اپنا دشمن جانے کیونکہ جو شخص کسی سے دوستی کرے مگر اس کے دشمن سے بھی رشتہ دوستی استوار رکھے اس کی دوستی ضعیف اور کمزور ہوتی ہے۔

نویں قسم: کا حق یہ ہے کہ دوست کے حق میں تکلیف و بناوٹ کو قریب نہ آنے دے اور دوستوں کے درمیان بھی اسی طرح رہے جیسے اکیلے رہتا ہے۔ اگر ایک دوسرے سے رعب و دبدبے سے پیش آئیں تو وہ دوستی ناقص ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: "بدترین دوست وہ ہے جس سے تجھے معذرت اور تکلیف کرنے کی ضرورت پڑے۔"

حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے بہت سے بھائیوں (دوستوں) کو دیکھا ہے۔ مگر کہیں بھی ایسے دوست نہیں دیکھے جن کے درمیان بلا کسی وجہ کے حشمت و تکلیف کا سلوک و معاملہ ہو۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ اہل دنیا کے ساتھ ادب سے پیش آؤ اور اہل آخرت کے ساتھ علم سے اور اہل معرفت کے ساتھ جیسے چاہو۔ صوفیائے کرام کی ایک جماعت ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح دوستی کرتی تھی کہ ان میں سے اگر ایک ہمیشہ روزہ رکھتا یا رمضان کے علاوہ کبھی روزہ نہ رکھتا یا تمام رات سوتا رہتا یا ساری رات نماز پڑھتا رہتا تو دوسرا اب دریافت نہ کرتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ مختصر یہ کہ دوستی اتحاد و یگانگت کا تقاضا کرتی ہے اور یگانگت و اتحاد میں تکلف بناوٹ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

دسویں قسم: کا حق یہ ہے کہ اپنے آپ کو اپنے دوستوں سے کمتر خیال کرے۔ اور ان کے ساتھ کسی معاملے میں رعب و تحکم کے ساتھ پیش نہ آئے اور رعایت کی بات ان سے پوشیدہ نہ رکھے اور ان کے تمام حقوق ادا کرے۔

ایک شخص حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے سامنے کہتا تھا کہ اس زمانے میں دینی بھائی ناپید اور نایاب ہو چکے ہیں۔ یہ بات اس نے چند بار دہرائی اس پر حضرت جنید رحمتہ اللہ نے فرمایا اگر تو ایسا دوست چاہتا ہے جو تیرا رنج برداشت کرے اور تیری تکلیف و مشقت میں تیرا ہمدرد و غمخوار بنے تو وہ البتہ نایاب ہے۔ اور اگر ایسے دوست کا متلاشی ہے جس کے رنج و تکلیف کو تو برداشت کرے۔ میری نظر میں ایسے دوستوں کی کچھ کمی نہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جو شخص اپنے آپ کو دوسروں کے برابر جانے تو اس صورت میں بھی وہ خود بھی اور دوست بھی دقت محسوس کریں گے اور اگر اپنے آپ کو ان کے اذن و اجازت کے تحت رکھے تو اس طرح یہ خود بھی اور اس کے دوست بھی راحت و سلامتی میں رہیں گے۔

حضرت ابو معاویہ الاسود نے فرمایا ہے کہ میں اپنے تمام دوستوں کو اپنے سے بہتر جانتا ہوں کیونکہ وہ ہر معاملے میں مجھے اپنے آپ پر مقدم رکھتے اور میری فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں۔

☆..........☆..........☆

تیسرا باب

عام مسلمانوں، خویش واقارب، ہمسایوں اور نوکر غلاموں کے حقوق

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر ایک کا حق اس کی قرابت اور تعلق کے مطابق ہوتا ہے اور تعلق و قرابت کے بہت سے درجے ہیں اور حقوق اس کی مقدار کے مطابق ہیں اور قوی تر رابطہ اور تعلق خدا کے لیے برادری کا تعلق اور رابطہ ہے اور اس کے حقوق بیان ہو چکے بعض اوقات ایک شخص سے دوستی تو نہیں ہوتی تاہم قرابت اسلامی کا رشتہ موجود ہوتا ہے۔ اس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔

پہلا حق: یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے۔ دوسرے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں۔ کہ اگر جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی اعضاء کو بھی اس کا احساس ہوتا ہے اور رنج و تکلیف سے متاثر ہوتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص چاہے کہ دوزخ سے نجات حاصل کرے اسے چاہیے کہ ایسے حال میں زندگی بسر کرے کہ جب موت آئے تو کلمہ شہادت پر مرے اور جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عدل و انصاف کرنے والا کون ہے۔ فرمایا جو اپنی طرف سے ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آتا ہے۔

دوسرا حق: یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے اذیت اور تکلیف نہ دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جانتے ہو مسلمان کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا خدا اور رسول جل و علا صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا مومن کون ہوتا ہے۔ فرمایا مومن وہ ہے جس سے ایمان والوں کو اپنے مال و جان میں کوئی خوف و خطرہ نہ ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا مہاجر کون ہوتا ہے۔ فرمایا جو برے کام کرنے چھوڑ دے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کی طرف آنکھ

سے اس طرح اشارہ کرے جس سے اسے تکلیف پہنچے۔ اور نہ یہ حلال اور جائز ہے کہ ایسا کام کرے جس سے مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلے۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل دوزخ پر ایک خارش مسلط کرے گا۔ تو وہ اس قدر اپنے جسموں کو نوچیں گے کہ ہڈیاں ننگی ہو جائیں گی۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا۔ بتاؤ اس خارش کی تکلیف کیسی ہے۔ اہل دوزخ کہیں گے۔ یہ بہت سخت عذاب کی چیز ہے۔ فرشتے کہیں گے یہ اس وجہ سے ہے کہ تم لوگ دنیا میں مسلمانوں کو اذیت اور تکلیف دیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں نے جنت میں ایک شخص کو دیکھا جو کیف و مستی میں جھومتا پھرتا تھا یہ مقام اسے محض اتنی سی بات سے حاصل ہوا کہ دنیا میں اس نے ایک راستے سے ایسا درخت کاٹ دیا تھا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔

تیسرا حق: یہ ہے کہ کسی کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری طرف وحی نازل ہوئی کہ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آؤ تاکہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔ اسی بنا پر رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ بیوہ عورتوں اور مسکینوں کے ساتھ جاتے اور ان کی حاجات پوری کرتے اور ایسا ہرگز نہ چاہیے کہ کوئی کسی کی طرف نظر حقارت سے دیکھے کیونکہ ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور دوست ہو اور وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے تاکہ کوئی ان تک راہ نہ پا سکے۔

چوتھا حق: یہ ہے کہ کسی مسلمان کے حق میں چغلخور کی بات کا اعتبار نہ کرے۔ کیونکہ اعتبار عادل کی بات کا ہوتا ہے اور چغلخور فاسق ہے (اور فاسق کی بات غیر معتبر ہے)۔

حدیث شریف میں ہے کہ کوئی چغلخور بہشت میں نہ جائے گا اور یہ بات ذہن میں رہے کہ جو شخص کسی کی بدگوئی تیرے سامنے کرتا ہے وہ اس کے سامنے تیری بدگوئی بھی کرنے سے باز نہ آئے گا۔ لہٰذا ایسے آدمی سے کنارہ کشی ضروری ہے اور اسے جھوٹا تصور کرنا چاہیے۔

پانچواں حق: یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی آشنا اور واقف کار سے ناراض نہ رہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کسی مسلمان بھائی کے لیے حلال اور جائز نہیں کہ مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔ دونوں میں بہترین وہ ہے جو السلام علیکم کرنے میں ابتدا کرے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا- میں نے تیرا درجہ اور نام اس بنا پر بلند کیا کہ تو نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا-

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر تو اپنے بھائی کی غلطی اور خطا کو معاف کر دے گا تو تیری عزت و بزرگی میں ہی اضافہ ہو گا-

چھٹا حق : یہ ہے کہ جو آدمی بھی اس کے پاس آئے اس سے نیک سلوک کرے- نیک اور بد میں فرق نہ کرے- حدیث میں ہے ہر ایک کے ساتھ نیکی سے پیش آ- کیونکہ اگر وہ نیکی کا اہل نہیں تو تو نیکی کرنے کا اہل ہے- ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے بعد عمدہ عقلمندی کی بات لوگوں سے محبت و پیار کرنا اور نیک اور برے ہر ایک انسان کے ساتھ بلا امتیاز نیک سلوک کرنا ہے-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک کو پکڑتا تاکہ آپ سے کوئی بات کرے تو آپ اس وقت تک نہ چھڑاتے جب تک وہ آپ کا ہاتھ نہ چھوڑتا اور جب تک کوئی شخص آپ سے مصروف گفتگو رہتا آپ اپنا چہرہ مبارک اس سے نہ پھیرتے اور اس کی بات مکمل ہونے تک صبر و ضبط سے کام لیتے-

ساتواں حق : یہ ہے کہ بوڑھوں کی عزت کرے اور چھوٹوں سے شفقت و نرمی سے پیش آئے- رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص بوڑھوں کی عزت اور چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور فرمایا سفید بالوں کی عزت کرنا خدائے تعالیٰ کی عزت کرنا ہے اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ جو جوان بوڑھوں کی عزت ملحوظ رکھتا ہے- اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت کسی جوان کو اس کی خدمت پر مامور کرتا جو اس کے ساتھ عزت و حرمت سے پیش آتا ہے اور یہ اس جوان کی درازی عمر کی بشارت ہے- کیونکہ جسے مشائخ کی تعظیم و توقیر کی توفیق نصیب ہوتی ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ خود بھی بڑھاپے تک پہنچے گا- تاکہ اس نیک کام کی جزا اسے بھی اللہ تعالیٰ عطا کرے-

حضور ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو لوگ اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے آپ ان کو اپنی سواری پر بٹھا لیتے بعض کو اپنے آگے اور بعض کو اپنے پیچھے اور بچے آپس میں فخر کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے آگے بیٹھایا اور تجھے پیچھے- اور لوگ اپنے چھوٹے بچوں کو حضور کی خدمت میں لے جاتے تاکہ آپ نام تجویز کریں اور دعا کریں آپ بچے کو لے کر اپنی گود میں بٹھاتے- بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا کہ بچہ آپ کی گود میں پیشاب کر دیتا- لوگ شور مچاتے اور گود سے اٹھانے کی کوشش کرتے مگر آپ فرماتے اب گود میں ہی رہنے دو تاکہ مکمل طور پر پیشاب کر لے اب اس پر سختی نہ کرو اور پیشاب نہ روکو- پھر آپ بچے کے ماں باپ کے سامنے پیشاب نہ دھوتے- تاکہ رنج و تکلیف محسوس نہ کرے- جب وہ باہر چلے جاتے تو آپ دھو کر کپڑا پاک کرتے اور اگرچہ بہت چھوٹی عمر کا ہوتا تو کپڑے پر

پیشاب کی جگہ چھینٹے مار لیتے- دھوتے نہ تھے-۱ے

آٹھواں حق : یہ ہے کہ تمام مسلمانوں سے خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے پیش آئے اور سب کے ساتھ ہنسی خوشی سے رہے- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کشادہ رو آسانی مہیا کرنے والے بندے کو دوست رکھتا ہے- یہ بھی آپ نے فرمایا ہے- وہ نیک کام جو مغفرت و بخشش کا ذریعہ ہے' آسانی مہیا کرنا کشادہ پیشانب اور خوش زبان ہونا ہے-

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بے سہارا عورت راستے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی مجھے آپ سے ایک کام ہے آپ نے فرمایا اس کوچے میں جہاں چاہے بیٹھ جا ہم تیرے ساتھ بیٹھ جائیں گے اور تیری بات سنیں گے چنانچہ آپ ایک جگہ بیٹھ گئے اور عورت کی مکمل بات چیت سن کر اٹھے-

نواں حق : یہ ہے کہ کسی مسلمان کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کرے- حدیث پاک میں ہے کہ جس میں تین برائیاں پائی جائیں وہ منافق ہے- اگر چہ نماز پڑھے اوز روزہ رکھے- جو جھوٹ بولے اور وعدہ خلافی کرے اور امانت میں خیانت کرے-

دسواں حق : یہ ہے کہ ہر آدمی کی عزت و حرمت اس کی شان اور درجے کے مطابق کرے اور جو زیادہ عزیز ہو- لوگوں کے درمیان بھی اس کی عزت زیادہ کرے اور چاہیے کہ جب وہ اچھا کپڑا پہنے- گھوڑے پر سواری کرے اور صاحب جمال وو قار ہو تو عزت و حرمت میں اس کو فوقیت دے-

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں تھیں کھانے کے لیے جب دستر خوان بچھایا گیا تو ایک درویش قریب سے گزرا تو فرمایا ایک روٹی اسے دے دو- پھر کھانے کے دوران ایک سوار قریب سے گزرا تو فرمایا اس کو بلاؤ اور کھانے میں شریک کرو- لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے درویش کو تو جانے دیا مگر دولت مند کو بلا لیا- فرمایا اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ایک مرتبہ اور درجہ دیا ہے- ہمیں بھی اس کے درجے اور مرتبے کے مطابق اس کے حق کا لحاظ کرنا چاہیے- درویش تو ایک روٹی سے خوش ہو جاتا ہے لیکن دولت مند کے ساتھ ایسا کرنا نامناسب ہے اس کے ساتھ وہ سلوک کرنا چاہیے جس سے وہ خوش ہو-

ایک حدیث میں وارد ہے جب کسی قوم کا سردار اور صاحب عزت انسان تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو- کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے تھے کہ جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے تو آپ اس کے لیے چادر بچھا دیتے جس پر وہ بیٹھتا

ا- چھینٹے مارنے کا مطلب یہ ہے کہ پیشاب کا اثر زائل کرنے کے لیے دھونے میں مبالغہ نہ کرتے بلکہ ہلکا دھوتے- امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہا کا یہی مذہب ہے اور یہی حق ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے-

اور ایک بڑھیا عورت جس کا آپ نے دودھ پیا تھا- آپ کے پاس آئی تو آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا کر اس پر بٹھایا اور فرمایا مرحبا اے مادر مشفق- تو جس کے لیے سفارش کرنا چاہتی ہے کر اور جو مانگنا چاہتی ہے مانگ تا کہ میں دوں- چنانچہ جو حصہ غنیمت سے آپ کو ملا تھا وہ اسے عطا کر دیا اور اس عورت نے غنیمت کا وہ مال ایک لاکھ درم کے عوض حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس فروخت کر دیا-

گیارہواں حق : یہ ہے کہ جن دو مسلمانوں میں ناراضگی ہو کوشش کر کے صلح کرائے- رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں بتاؤں کہ نماز، روزہ اور صدقہ سے بھی افضل کون سا عمل ہے- لوگوں نے عرض کیا- ہاں بتائیے فرمایا مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا-

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے آپ نے تبسم فرمایا- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں- آپ نے کس بنا پر تبسم فرمایا ہے- ارشاد فرمایا میری امت میں سے دو آدمی اللہ رب العزت کے حضور دو زانو گر پڑیں گے ایک عرض کرے گا بار خدایا اس سے میرا انصاف دلا کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا تھا- خدائے تعالیٰ فرمائے گا اس کا حق اس کو دے دے- وہ دوسرا عرض کرے گا بار خدایا میری تمام نیکیاں اہل حقوق مجھ سے چھین کر لے گئے ہیں- اب تو میرے پاس کچھ نہیں- اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب یہ بے چارہ کیا کرے اس کے پاس تو کوئی نیکی باقی نہیں- مظلوم عرض کرے گا میرے گناہ اس کے ذمے ڈال دے- تو اس کے گناہ ظالم کے ذمے ڈال دیئے جائیں گے- اس کے باوجود حساب بے باق نہ ہو گا- اتنی بات فرما کر آپ رو پڑے اور فرمایا یہ ہے ظلم عظیم- کیونکہ اس روز (قیامت کے روز) جب ہر شخص اس کا ضرورت مند ہو گا کہ اس کا بوجھ ہلکا ہو- خدائے تعالیٰ مظلوم سے فرمائے گا- دیکھ تیرے سامنے کیا ہے- وہ عرض کرے گا اے پروردگار میں اپنے سامنے چاندی کے بڑے شہر اور بڑے بڑے محلات جو سونے اور جواہر و مروارید سے آراستہ اور مرصع ہیں دیکھ رہا ہوں- یہ شہر اور عمدہ محلات کس پیغمبر یا صدیق یا شہید کے لیے ہیں- اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ اس کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے- بندہ عرض کرے گا- ان کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے- اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے- وہ عرض کرے گا کس طرح- اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس طرح کہ تو اپنے بھائی کے حقوق معاف کر دے- بندہ عرض کرے گا- بار خدایا میں نے سب حقوق معاف کئے تو رب العزت فرمائے گا' اٹھ اور اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ دونوں اکٹھے جنت میں چلے جاؤ- پھر حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مخلوق میں صلح کراؤ- کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن مسلمانوں میں صلح کرائے گا-

بارہواں حق : یہ ہے کہ مسلمانوں کے عیوب و نقائص چھپائے کیونکہ حدیث میں ہے جو آدمی اس جہان میں مسلمانوں کے عیب چھپاتا ہے- کل قیامت کو خدا تعالیٰ اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا-

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں- میں اگر چور یا شراب نوش بھی پکڑتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کی پردہ پوشی کردے-

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے- اے لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو- مگر ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا- لوگوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیب تلاش نہ کرو- کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیب ڈھونڈتا ہے تاکہ ان کی تشہیر کرے اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کرتا ہے- تاکہ شرمندہ ہو اگرچہ گھر میں چھپ کر گناہ کرے-

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یاد ہے کہ سب سے پہلے جو شخص چوری کے جرم میں پکڑا گیا اور حضور کے سامنے پیش کیا گیا- تاکہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے- اسے دیکھ کر آپ کے چہرہ انور پر ملال کے آثار ظاہر ہوئے- لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو اس کام سے نفرت ہوئی ہے- فرمایا کیوں نہیں اپنے بھائیوں کے جھگڑے میں میں کیوں ابلیس کا مددگار ہوں- اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ خدائے تعالیٰ تمہیں معاف کرے اور تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرے اور تمہارا عذر قبول کرے تو تم بھی لوگوں کے گناہوں کو چھپاؤ کیونکہ جب بادشاہ کی عدالت میں مقدمہ پہنچ جاتا ہے تو پھر اس پر حد شرعی قائم کرنا ضروری ہو جاتا ہے-

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت چوکیدار کی حیثیت سے گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے گانے بجانے کی آواز سنائی دی- دیوار پر چڑھ کر مکان کے اندر داخل ہو گئے- کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی عورت کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی رہا ہے- فرمایا اے دشمن خدا تیرا یہ گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ تیری اس معصیت کو چھپائے رکھے گا- وہ آدمی کہنے لگا امیر المومنین! جلدی نہ کیجئے- اگر میں نے ایک معصیت کی ہے تو آپ تین معصیوں کے مرتکب ہوئے ہیں- اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لاَ تَجَسَّسُوْا — لوگوں کے عیب تلاش نہ کرو-

اور آپ نے تجسس کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَاْتُو الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا — گھروں میں دروازوں کے راستے داخل ہوا کرو-

اور آپ دیوار پھاند کر داخل ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لاَ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهَا — بلا اجازت اور بلا سلام کئے دوسروں کے گھروں میں نہ جاؤ-

اور آپ بلا اجازت اور بلا السلام علیکم کہے اندر آ گئے ہیں- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں تجھے معاف کروں تو توبہ کرلے گا اس نے کہا ہاں میں تائب ہو جاؤں گا- پھر کبھی ایسے کام کے قریب نہ آؤں گا- آپ نے اسے معاف کر دیا اور وہ بھی تائب ہو گیا-

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے- جو شخص کسی کی ایسی گفتگو کی طرف کان لگائے جس کا سننا ان کو پسند نہ ہو تو

قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا-

تیرہواں حق : کسی کو تہمت لگانے سے دور رہے- تاکہ مسلمانوں کے دل اس کے متعلق بدگمانی سے اور ان کی زبانیں اس کی غیبت سے بچی رہیں- کیونکہ جو آدمی دوسروں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا سبب بنتا ہے- وہ خود بھی اس معصیت اور گناہ میں شریک قرار دیا جاتا ہے-

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے- وہ شخص کتنا برا ہے جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دے- لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ایسا کون کر سکتا ہے- فرمایا جو شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے تاکہ وہ اس کے ماں باپ کو گالیاں دیں تو گویا وہ گالیاں خود وہ اپنے ماں باپ کو دیتا ہے-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص تہمت کی جگہ بیٹھتا ہے- اسے ملامت کرنی چاہیے اگر کوئی اس پر بدگمانی کرے-

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان المبارک کے مہینے کے آخر میں مسجد کے اندر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے باتیں کر رہے تھے کہ دو آدمی آپ کے پاس سے گزرے آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا یہ میری بیوی صفیہ ہے- انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ دوسرے کے متعلق تو بدگمانی ہو سکتی ہے آپ کی ذات پاک کے متعلق تو ایسا وہم بھی نہیں ہو سکتا- فرمایا شیطان انسان کے بدن میں رگوں کے اندر خون کی طرح گھومتا ہے-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو راستے میں ایک عورت سے باتیں کر رہا تھا- آپ نے درے سے اس کو مارا اس نے عرض کیا یہ میری اپنی بیوی ہے- فرمایا ایسی جگہ اس سے باتیں کیوں نہیں کرتا جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑے- (تاکہ کسی کے دل میں بدگمانی پیدا نہ ہو-)

چودہواں حق : یہ ہے کہ اگر دینی بھائی صاحب اقتدار اور صاحب مرتبہ ہو تو اس کے پاس جائز حاجت والے کی سفارش کرنے میں دریغ نہ کرے- رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا- مجھ سے حاجتیں طلب کیا کرو کیونکہ میرے دل میں ہوتا ہے کہ کسی کو کچھ عطا کروں اور دیر اور انتظار کرتا ہوں تاکہ تم میں سے کوئی کسی کے لیے سفارش کرے- تاکہ اس کے لیے بشارت ہو- سفارش کیا کرو تاکہ ثواب پاؤ- اور آپ نے فرمایا ہے- کوئی صدقہ زبان کے صدقہ سے بہتر نہیں- لوگوں نے عرض کیا وہ کیسے- فرمایا وہ سفارش جس سے کسی کا خون محفوظ ہو جائے یا جس سے کسی کو فائدہ پہنچے- یا جس سے کوئی تکلیف و رنج سے نجات پائے-

پندرہواں حق : یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کے بارے میں سنے کہ کوئی آدمی اس کی شان میں زبان درازی کرتا ہے یا

اس کا مال اٹھالے جانا چاہتا ہے تو اس کی غیر موجودگی میں اس کی طرف سے جواب دینے میں اس کا نائب بنے اور اس پر ظلم کرنے سے روکے- کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب کسی مسلمان کو کسی جگہ برائی سے یاد کیا جارہا ہو اور سننے والا اس سے نفرت نہ کرے اور جب کوئی کسی کی بے عزتی کر رہا ہو اور دیکھنے والا اس کی مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی مدد و نصرت نہ کرے گا جہاں اس کو مدد کی شدید ضرورت ہو گی- اور جو مسلمان مدد و نصرت کے موقعہ پر مدد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایسی جگہ مدد فرمائے گا جہاں اس کو مدد کی سخت ضرورت ہو گی-

سولھواں حق : یہ ہے کہ اگر کسی برے آدمی کی صحبت میں پھنس جائے تو نرمی اور تحمل کے ساتھ اس سے نجات حاصل کرے اور بالمشافہ اس سے تلخ کلامی نہ کرے- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیۃ کریمہ :

يَدْرَؤُنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَه — وہ نیکی نیک کام کے ساتھ برائی کی مدافعت کرتے ہیں-

کے معنی یُں فرمایا ہے کہ وہ برائی کا سلام اور نرمی سے مقابلہ کرتے ہیں-

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی- آپ نے فرمایا اس شخص کو اندر آنے دو- یہ اپنی قوم میں بدترین شخص ہے- وہ آدمی جب اندر آیا تو آپ نے اس کی اتنی آؤ بھگت کی کہ مجھے گمان ہوا کہ حضور کی نگاہ میں یہ شخص بڑے مرتبے والا ہے- جب وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے خود ہی فرمایا تھا کہ یہ برا آدمی ہے پھر آپ نے اس کی آؤ بھگت بھی بہت کی ہے- فرمایا اے عائشہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز بدترین انسان وہ ہو گا جس کے شر کے ڈر سے لوگ اس کی آؤ بھگت کریں اور ایک حدیث میں ہے جو شخص بدگو لوگوں کی بدگوئی سے بچنے کے لیے اپنی حفاظت کرتا ہے- یہ بھی اس کی طرف سے صدقہ میں شمار ہو گا-

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ اس کے منہ پر تو ہنستے ہیں- مگر دل سے اس پر لعنت کرتے ہیں-

سترہواں حق : یہ ہے کہ درویشوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھے اور دولت مندوں کی مجلس سے پرہیز کرے- رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے- مردوں کے ساتھ مجلس نہ کرو لوگوں نے عرض کیا مردے کون ہیں فرمایا دولت مند لوگ-

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے دور حکومت میں جہاں مسکین دیکھتے اس کے پاس بیٹھتے اور فرماتے مسکین مسکین کے ساتھ بیٹھا ہے-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب سے زیادہ یہ پسند کرتے تھے کہ لوگ آپ کو یا مسکین کہہ کر بلائیں-

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا بار خدایا جب تک مجھے زندہ رکھنا ہے مسکین کی حالت میں زندہ رکھنا اور جب موت دے تو مسکین مارنا اور حشر کے دن مساکین کے ساتھ میرا حشر کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا بارِ خدایا میں تجھ کو کہاں تلاش کروں۔ فرمایا شکستہ دلوں کے پاس۔

اٹھارہواں حق : یہ ہے کہ اس بات کی کوشش اور جدوجہد میں رہے کہ مسلمانوں کے دل اس سے خوش رہیں۔ اور اس سے لوگوں کی حاجت برآری ہوتی ہو۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو آدمی مسلمان بھائی کی حاجت برآری کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے وہ ساری عمر خدائے تعالیٰ کی خدمت کرتا رہا۔

لور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے جو شخص کسی کی آنکھ روشن کرتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ روشن کرے گا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا جو آدمی دن یا رات میں ایک گھڑی کسی کی حاجت روائی کے لیے جاتا ہے۔ چاہے وہ پوری ہو جائے نہ ہو مسجد میں دو ماہ اعتکاف کرنے سے اس کا ثواب زیادہ ہے اور یہ اس سے بہتر ہے۔

اور فرمایا جو شخص کسی غمناک بندے کے لیے خوشی اور مسرت کا سامان فراہم کرتا ہے۔ یا کسی مظلوم کو ظلم سے نجات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تہتر قسم کی مغفرتیں عطا کرتا ہے اور فرمایا اپنے بھائی کی مدد و نصرت کیا کرو چاہے ظالم ہو یا مظلوم۔ لوگوں نے عرض کیا ظالم کی مدد کس طرح کریں۔ فرمایا ظلم سے باز رکھنا اس کی مدد ہے۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اس نیکی کو پسند کرتا ہے جس سے کسی مسلمان کا دل خوش کیا جائے اور فرمایا دو برائیاں ایسی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شرک اور مخلوق خدا کو تکلیف دینا اور فرمایا جس شخص کو مسلمان کی تکلیف کا احساس نہیں وہ ہم میں سے نہیں۔

لوگوں نے دیکھا کہ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میں ان بے چارے مسلمانوں کے غم میں روتا ہوں جنہوں نے مجھ پر ظلم کئے ہیں۔ کہ کل قیامت کے دن ان سے سوال ہو گا کہ تم نے ایسا کام کیوں کیا اور ذلیل و رسوا ہوں گے اور ان کا کوئی عذر سنا جائے گا۔

حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص روزانہ تین بار کہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَصلَحُ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ الرُحَمُ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ — اے اللہ امت محمدؐ کی اصلاح کر اے اللہ امت محمدؐ پر رحم کر۔

اَللّٰھُمَّ فَرج عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ — اے اللہ امت محمد ﷺ سے مصائب و مشکلات دور کر۔

اس کا نام ابدال کے گروہ میں لکھ دیتے ہیں۔

انیسواں حق : یہ ہے کہ جس سے بھی ملے سلام علیکم سے ابتدا کرے اور بات چیت کرنے سے پہلے اس کا ہاتھ پکڑے (مصافحہ کرے) رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ جو آدمی سلام کہنے سے پہلے ہی گفتگو شروع کر دے۔ اس کی باتوں

کا جواب نہ دو۔ جب تک پہلے سلام نہ کرے۔

ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا۔ سلام نہ کیا۔ فرمایا جا اور السلام علیکم کہہ کر اندر آ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب مجھے حضور اقدس کی خدمت میں رہتے اور خدمت کرتے آٹھ سال ہو گئے تو فرمایا اے انس طہارت ٹھیک طرح کیا کرو تاکہ عمر دراز پاؤ اور جس سے ملو پہلے سلام کیا کرو تاکہ تمہاری نیکیاں زیادہ ہوں اور جب اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو اپنے اہل و عیال کو سلام کیا کرو۔ تاکہ تمہارے گھر میں خیر و برکت زیادہ ہوا کرے۔

ایک آدمی حضور رسالتمآب ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا اور السلام علیکم عرض کیا۔ فرمایا اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور ایک آدمی آیا اور عرض کیا السلام علیکم ورحمتہ اللہ فرمایا اسے بیس نیکیاں ملیں گی (اتنے میں) ایک اور شخص نے حاضر خدمت ہو کر السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ عرض کیا فرمایا اس کے عمل نامہ میں تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جب گھر میں آؤ تو سلام کہو۔ جب گھر سے باہر جاؤ تو بھی سلام کہو کہ پہلے کہنے والا بعد میں کہنے والے سے بہت بہتر ہے اور فرمایا جب دو مسلمان پیار سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں تو ان پر ستر رحمتیں تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کم ستر اس کو ملتی ہیں جو ان دونوں میں سے زیادہ خوش اور زیادہ کشادہ رو ہوتا ہے اور جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور سلام کہتے ہیں تو ان میں سو رحمت تقسیم کرتے ہیں۔ نوے اس کے حصے میں آتی ہیں جو ملاقات اور سلام سے ابتدا کرتا ہے اور دس اسے نصیب ہوتی ہیں جو جواب دیتا ہے۔

اور بزرگان دین کے ہاتھوں کو بوسہ دینا سنت ہے۔ حضرت ابو عبیدہ جراح رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا ہم لوگ جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں تو پشت کو جھکائیں فرمایا نہ میں نے عرض کیا ہاتھ کو بوسہ دیں فرمایا نہ میں نے عرض کیا ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں۔ فرمایا ہاں۔ ہاں سفر سے واپس آتے وقت چہرے کو چومنا اور معانقہ کرنا سنت ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کھڑے ہونے کو پسند نہ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے سب سے زیادہ حضور علیہ السلام سے محبت تھی۔ مگر میں تعظیم کے طور پر کھڑا نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ مجھے علم تھا کہ آپ اس کو پسند نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص تعظیم کے طور پر ایسا کرے اور اس علاقہ میں اس کی عادت بھی ہو تو پھر قیام تعظیمی میں حرج نہیں ہے۔ لیکن کسی کے سامنے کھڑے رہنا منع ہے اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو آدمی یہ بات پسند کرے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو تو اس کو کہہ دو کہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے۔

بیسواں حق : کہ جب چھینک آئے تو الحمد للہ کہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہم کو سکھایا کہ جس شخص کو چھینک آئے چاہیے کہ الحمد للہ رب العالمین کہے۔ چھینکنے والا جب یہ الفاظ کہے تو سننے والا یرحمک اللہ کہے۔ سننے والے کے یہ الفاظ سن کر چھینکنے والا کہے یغفر اللہ ولکم یعنی اللہ میری اور تمہاری مغفرت کرے اور اگر چھینکنے والا الحمد للہ نہ کہے تو یرحمک اللہ کا مستحق نہیں ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کو جب چھینک آتی تو آواز پست کرتے اور چہرہ انور پر ہاتھ رکھ لیتے۔ اور اگر کسی کو بول و براز کی حالت میں چھینک آئے تو دل میں الحمد للہ کہے اور ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے اگر زبان سے بھی کہہ لے تو حرج نہیں۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار اگر تو قریب ہے تو راز میں تجھ سے بات کروں اور اگر دور ہے تو بلند آواز سے تجھے پکاروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص مجھے یاد کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار ہم مختلف حالتوں میں ہوتے ہیں۔ کبھی جنابت کی حالت میں کبھی بول و براز کی حالت میں اور ایسے وقت میں تجھے یاد کرنا تیری شان بزرگی کے خلاف جانتے ہیں۔ فرمایا جس حال میں ہو مجھے یاد کرتا رہ اور کوئی حرج محسوس نہ کر۔

اکیسواں حق : یہ ہے کہ جس سے واقفیت اور آشنائی ہو اس کی بیمار پرسی کرے۔ اگرچہ دوست نہ ہو۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص بیمار کی بیمار پرسی کرتا ہے۔ جب تک اس کے پاس بیٹھا ہوتا ہے بہشت کے درمیان بیٹھا ہوتا ہے۔ اور جب لوٹتا ہے تو ستر ہزار فرشتے کو مقرر کیا جاتا ہے جو رات تک اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور سنت ہے کہ بیمار کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے۔ یا اس کی پیشانی پر اور پوچھے کہ کیا حال ہے اور پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمَ اُعِيْذُكَ بِاللّٰهِ اَلْاَحَدَ الصَّمَدَ الَّذِىْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ مِنْ شَرِّ مَا نَجِدُ

اللہ رحمٰن اور رحیم کے نام سے تیری شفا چاہتا ہوں۔ تجھے خدائے احد بے نیاز کی پناہ میں دیتا ہوں۔ جس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور جس کی مثل کوئی نہیں، ہر شے سے جسے ہم پاتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں بیمار تھا۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور چندبار یہ فرمایا اور بیمار کی سنت بھی یہ ہے۔

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ

میں اللہ کی عزت اور قدرت کے ساتھ پناہ لیتا ہوں ہر اس شر اور بیماری سے جس کو میں پاتا ہوں۔

اور جب بیمار پرستی کرنے والا کہے کس حال میں ہے تو گلہ نہ کرے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتے اس پر مقرر کرتا ہے۔ یہ بات دیکھنے کے لیے کہ جب کوئی بیمار پرسی کے لیے آتا ہے تو یہ شکر کرتا ہے یا شکایت۔ اگر شکر کرتا اور کہتا ہے الحمد اللہ تو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرا بندہ میرے ذمہ ہے۔ میں اسے اگر موت دوں گا تو رحمت کی حالت میں دوں گا اور بہشت میں لے جاؤں گا۔ اور اگر صحت و شفا عطا کروں گا تو اس بیماری کے طفیل اس کے گناہ بخش دوں گا اور پہلے گوشت اور خون سے بہتر گوشت اور خون عطا کروں گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس کے پیٹ میں درد ہو وہ اپنی عورت سے اس کے مہر کی رقم سے کچھ لے کر شہد خریدے اور بارش کے پانی سے ملا کر کھائے تو اللہ شفا دے گا کہ خدا تعالیٰ نے بارش کے پانی کو مبارک' شہد کو شفا مہر کو جو مردوں کو دے دیں خوشگوار فرمایا ہے اور جب یہ تین چیزیں مل جائیں تو ضرور شفا حاصل ہو گی۔

الغرض بیمار کے لیے مستحب ہے کہ گلہ شکوہ نہ کرے۔ بے صبری نہ کرے اور اس امر کا امیدوار رہے کہ بیماری اس کی گناہوں کا کفارہ بنے اور جب دوا استعمال کرے تو دوا پر بھروسہ نہ کرے بلکہ خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔

اور بیماری پرسی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھیں۔ اور زیادہ پوچھ گچھ نہ کریں۔ اور اس کی صحت کے لیے دعا کریں اور اپنے آپ کو بھی بیمار ظاہر کریں۔ اور بیمار کے مکان کے کمروں اور دیواروں پر نگاہ ڈالیں اور بیمار کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر اندر داخل ہونے کی جب اجازت طلب کریں۔ تو سامنے نہ کھڑے ہوں بلکہ ایک طرف کھڑے ہوں اور دروازے کو آہستہ بند کریں اور اے غلام کہہ کر نہ بلائے اور جب اندر سے آواز آئے کون ہے تو یہ نہ کہے کہ میں ہوں اور اسے غلام کہنے کی بجائے سبحان اللہ اور الحمد للہ کے اور جو بھی کسی کا دروازہ کھٹکھٹائے اسی طرح کرے۔

بائیسواں حق : یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص جنازے کے ساتھ جاتا ہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو ساتھ جانے کے ساتھ ساتھ دفن تک وہاں موجود بھی رہے اسے دو قیراط ثواب ملے گا اور ہر قیراط کا وزن کئی احد پہاڑوں کے برابر ہو گا اور جنازے کے ساتھ چلنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ خاموشی کے ساتھ چلے نہ ہنسے بلکہ عبرت میں مشغول ہو اور اپنی موت کی فکر کرے۔

حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم لوگ ایک جنازے کے ساتھ گئے۔ سب لوگ اس قدر غم میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ کس کی تعزیت کریں اور کچھ لوگ مردہ پر اظہار غم کرنے میں مصروف تھے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ کسی موت کے وقت اپنا غم کھاؤ کہ مرنے والا تو تین خوفوں سے نجات پا گیا۔ اس نے ملک الموت کا منہ دیکھ لیا۔ موت کی تلخی چکھ لی اور خاتمہ کے خوف سے آزاد ہو گیا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ تین چیزیں جنازہ کے ساتھ چلتی ہیں۔ اہل و عیال' مال اور اعمال مال اور اہل و عیال تو واپس آجاتے ہیں۔ البتہ عمل انسان کے ساتھ رہ جاتا ہے۔

تئیسواں حق: یہ ہے کہ زیارت قبور کے لیے جایا کرے اور ان کے لیے دعا کیا کرے۔ اور انہیں دیکھ کر عبرت گر ہوا کرے۔ اور یہ خیال کیا کرے کہ یہ لوگ پہلے آخرت کو سدھار گئے اور مجھے بھی جلد ان کی جگہ جانا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو شخص قبر کو زیادہ یاد کرتا ہے۔ وہ قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ پائے گا اور جو قبر کو فراموش کر دے گا وہ قبر کو دوزخ کے غاروں سے ایک غار پائے گا۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ جن کی تربت مبارک طوس میں ہے 'بزرگان تابعین میں سے تھے اور گور کنی کرتے تھے۔ جب گھر تشریف لاتے اور دل میں غفلت پیدا ہوتی تو قبر میں کچھ وقت کے لیے سو جاتے اور عرض کرتے اے میرے رب مجھے پھر دنیا میں بھیج تاکہ اپنے گناہوں کا تدارک کر کے آؤں۔ پھر قبر سے اٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے اے ربیع تجھے اللہ نے دنیا میں بھیج دیا ہے۔ کوشش کر کیونکہ ایک وقت وہ آنے والا ہے جب واپس نہ آنے دیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ قبرستان تشریف لے گئے۔ ایک قبر کے سرہانے بیٹھ کر بہت روئے۔ میں آپ کے قریب تھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیوں روئے۔ فرمایا یہ میری ماں کی قبر ہے۔ میں نے خدائے تعالیٰ سے اس کی زیارت کی اجازت چاہی اور ان کی بخشش کی بھی اجازت چاہی۔ زیارت کی اجازت تو ملی اور دعا کی اجازت نہ ملی۔[1] میرے دل میں فرزندی کی شفقت نے جوش مارا۔ جس سے رونا آ گیا۔

یہ ہے مسلمانوں کے محض مسلمان ہونے کی حیثیت سے حقوق کی تفصیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہمسایوں کے حقوق

ان میں کافی تفصیل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ ایک ہمسایہ وہ ہوتا ہے جس کا صرف ایک حق ہوتا ہے اور یہ کافر ہمسایہ ہے۔ ایک ہمسایہ وہ ہے جس کے دو حق ہیں اور وہ مسلمان ہمسایہ ہے اور ایک ہمسایہ کے تین حق ہیں اور یہ رشتہ میں قریبی ہمسایہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ جبرئیلؑ ہمیشہ مجھے ہمسایہ کے حق کی وصیت و تاکید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ اسے میری وراثت میں بھی حصہ دار بنایا جائے گا۔ اور فرمایا جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے کہو اپنے ہمسایہ کی عزت کرے اور فرمایا آدمی مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو اور فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے آپس میں جھگڑنے والے دو ہمسائے ہوں گے اور فرمایا جس نے ہمسایہ کے پتھر پر پتھر رکھا اس نے ہمسایہ کو تکلیف دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی اور رات کو نماز پڑھتی ہے۔ لیکن ہمسایہ کو

---

[1] یاد رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علوم غیبیہ تدریجاً عطا کیے گئے۔ یہ واقعہ اس بارے میں علم عطا ہونے سے پہلے کا ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب شامی میں ہے کہ آپ والدین کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ باذن الٰہی انہیں زندہ کر کے کلمہ پڑھایا اور شرف صحابیت سے مشرف فرمایا۔ مزید تفصیل کے لیے علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کے رسالہ ابناء الذکیا اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہما کے رسالہ شمول الاسلام کا مطالعہ کریں۔ مترجم غفرلہ۔

تکلیف دیتی ہے- فرمایا اس کی جگہ دوزخ ہے اور فرمایا ہے- اور فرمایا چالیس گھر ہمسائیگی کا حق ہے- امام زہری نے فرمایا چالیس آگے کی طرف چالیس پیچھے کی طرف چالیس بائیں طرف اور چالیس دائیں طرف-

جاننا چاہیے کہ ہمسایہ کا حق یہ ہے کہ اسے تکلیف نہ دے بلکہ اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ درویش اور غریب ہمسایہ اپنے امیر اور دولت مند ہمسایہ کے گلے پڑے گا اور عرض کرے گا خداوندا اس سے پوچھ کہ اس نے میرے ساتھ نیک سلوک کیوں نہ کیا اور اپنے گھر کا دروازہ مجھ پر کیوں بند رکھا-

ایک بزرگ کو گھر کے چوہے بہت ستاتے تھے- لوگوں نے کہا آپ بلی کیوں نہیں رکھتے- فرمایا اس خطرے سے کہ کہیں چوہے بلی کی آواز سے ڈر کر ہمسایہ کے گھر نہ چلے جائیں اور میں جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا اور کسی کے لیے بھی پسند نہیں کرتا-

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جانتے ہو ہمسائے کا حق کیا ہے- ہمسائے کا یہ حق ہے کہ اگر وہ تجھ سے مدد طلب کرے- اس کی مدد کرے- اسے قرض کی ضرورت آئے تو قرض دو- غریب ہو تو اس کی امداد کرے- بیمار پڑے تو اس کی بیمار پرسی کرے- فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور اگر اسے خوشی نصیب ہو تو مبارکباد دے- مصیبت میں گرفتار ہو تو اس کی ہمدردی کرے اور اپنے گھر کی دیوار بلند نہ کرے تاکہ اسے ہوا پہنچنے میں رکاوٹ نہ ہو اور جب تو میوہ کھائے تو اسے بھیجے اور اگر تو ایسا نہ کر سکتا ہو تو پوشیدہ کر کے کھائے- اور ایسا نہ کر کہ تیرے بچے میوہ ہاتھ میں لیے باہر نکلیں اور ہمسائے کے بچے دیکھ کر اس پر غصہ کریں- جو کچھ پکائے اس میں سے اسے بھی دے تاکہ وہ برا نہ منائے اور آپ نے فرمایا جانتے ہو ہمسائے کا کیا حق ہے- اس خدائے واحد کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے- ہمسائے کا حق ادا نہیں کر سکتا- مگر وہی جس پر خدائے تعالیٰ کی رحمت ہو-

جاننا چاہیے کہ حقوق ہمسایہ میں یہ بھی شامل ہے کہ چھت اور کھڑکی وغیرہ سے اس کے گھر میں جھانک کر نہ دیکھے اور اگر وہ تیری دیوار پر لکڑیاں رکھے تو منع نہ کرے اور اس کے مکان کا پرنالہ بند نہ کرے- اور اگر تیرے گھر کے آگے کوڑا ڈالے تو اس سے جھگڑا نہ کرے اور اس کے جو عیب تجھے معلوم ہوں انہیں پوشیدہ رکھے- اس سے تسکین دینے والی باتیں کرے- اور اپنی نگاہ اس کی مستورات پر نہ ڈالے- اور اس کی لونڈی کو بھی بار بار نہ دیکھے- یہ سب حقوق عام مسلمانوں کے ان حقوق کے علاوہ ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں- ان سب حقوق کا نگاہ رکھنا ضروری ہے-

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے دوست رسول اکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ جب سالن پکائے تو اس میں پانی زیادہ ڈال لیا کر اور اس میں سے ہمسایہ کو بھی بھیجا کر-

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا میرے ہمسائے کو میرے غلام سے شکایت ہے- اگر میں غلام کو بلاوجہ مارتا ہوں تو میں خود گناہگار ہوتا ہوں اور اگر مارتا نہیں تو ہمسایہ ناراض ہوتا ہے- لہٰذا کیا کروں- فرمایا ذرا انتظار کر کہ غلام سے کوئی قصور ہو تو اسے سزا دے اور ہمسایہ کی شکایت کرنے تک سزا میں تاخیر کر پھر اس

کی شکایت کرنے پر اس کو سزا دے تاکہ دونوں مقصد پورے ہو جائیں۔

خویش واقارب کے حقوق

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میرا نام رحمان ہے اور قرابت رحم ہے میں نے رحم کا نام اپنے نام سے نکالا ہے۔ جو آدمی قرابت کے تعلق کو جوڑے رکھے گا میں اس کے ساتھ رہوں گا اور جو اس تعلق کو کاٹے گا میں اس کو اپنی ذات سے کاٹ دوں گا۔

اور آپ نے فرمایا جو شخص عمر دراز کا خواہشمند ہے اور یہ کہ اس کا رزق فراخ و کشادہ ہو اسے چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرے۔

اور آپ نے فرمایا ہے کہ صلہ رحمی سے زیادہ کسی عبادت کا ثواب نہیں۔ بعض لوگ فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں۔ جب صلہ رحمی کرتے ہیں تو ان کے مال اور ان کی اولاد میں اس کی برکت سے اضافہ ہوتا ہے اور آپ نے فرمایا کوئی صدقہ اس سے بہتر نہیں کہ ان قرابت داروں سے جو تیرے ساتھ جھگڑتے ہوں نیک سلوک کرے۔

اے عزیز یہ بات جان اور ذہن میں رکھ کہ صلہ رحمی کا یہ معنی ہے کہ رشتہ دار اگر تجھ سے قطع تعلق کریں تو ان سے تعلق منقطع نہ کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ سب سے افضل یہ ہے کہ جو تجھ سے قطع کرتا ہے تو اس سے قطع تعلق نہ کرے اور جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کرے اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دے۔

ماں باپ کے حقوق

اے عزیز والدین کا حق بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ ان کا رشتہ اور تعلق سب سے زیادہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کوئی شخص باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ مگر اس وقت جبکہ اپنے باپ کو غلام پائے اور خرید کر آزاد کرے اور فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک اور احسان کرنا' نماز' روزہ' حج و عمرہ اور جہاد سے بھی افضل ہے۔ اور فرمایا لوگ جنت کی خوشبو پانچ سو برس سے سونگھیں گے مگر والدین کا نافرمان اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا محروم رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی جو شخص والدین کی فرمانبرداری نہ کرے میں اس کو نافرمان لکھتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جو شخص ماں باپ کے نام سے صدقہ دیتا ہے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اس صدقے کا ثواب ان دونوں کو بھی ملتا ہے اور خود اس کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوتی۔

ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میرے والدین فوت ہو گئے ہیں مجھ پر ان کا کیا حق ہے جو ادا کروں۔ فرمایا ان کے لیے نماز پڑھ اور دعائے مغفرت کر اور ان کا عہد اور وصیت پوری کر۔ ان کے دوستوں کی عزت کر۔ ان کے عزیزوں کے ساتھ نیک سلوک کر اور فرمایا ماں کا حق باپ کے حق سے دگنا ہے۔

اولاد کے حقوق

ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ میں کس کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کروں۔ فرمایا والدین کے ساتھ اس نے عرض کیا وہ تو فوت ہو چکے ہیں تو فرمایا اپنی اولاد کے ساتھ کہ جیسا ماں باپ کا حق ہے ایسا ہی اولاد کا ہے۔اولاد کا حق یہ بھی ہے کہ ان کی بدخوئی کے باعث ان کو عاق اور نافرمان قرار نہ دے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے خدائے تعالیٰ اس والد پر رحمت نازل کرتا ہے جو اپنے بیٹے کو نافرمانی کے کاموں میں نہ مصروف ہونے دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لڑکا جب سات دن کا ہو جائے تو اس کا عقیقہ کرو۔نام رکھو اور پاک کرو۔جب چھ برس کا ہو جائے تو ادب واحترام سکھاؤ۔اور جب نو برس کا ہو جائے تو اس کا بستر الگ کر دو۔اور تیرہ سال کا ہو جائے تو مار کر نماز پڑھاؤ اور جب اس کی عمر سولہ برس کی ہو جائے تو نکاح کر دو۔اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہوں میں نے تجھے ادب واحترام سکھایا تیری تربیت کر دی اور تیرا نکاح کر دیا۔اب خدا کی پناہ مانگتا ہوں دنیا میں تیرے فتنوں سے اور آخرت میں تیرے عذاب سے۔

اولاد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ انہیں دینے دلانے پیار کرنے اور تمام اچھے کاموں میں مساوات کرے۔ چھوٹے بچے کو پیار کرنا اور بوسہ دینا سنت ہے۔حضور نبی کریم ﷺ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیتے تھے اقرع بن حابس نے کہا میرے دس لڑکے ہیں میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سن کر فرمایا جو رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحمت نازل نہیں کرتا۔

ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ گر پڑے۔آپ نے فوراً منبر شریف سے اتر کر آپ کو اٹھا لیا اور یہ آیۃ کریمہ پڑھی:

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔

ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز ادا کر رہے تھے۔جب سجدے میں گئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کی گردن مبارک پر چڑھ گئے۔اس بنا پر آپ نے سجدے میں ہی اتنی دیر کی کہ صحابہ کرام کو گمان ہوا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔اس لیے آپ نے سجدے کو لمبا کر دیا ہے۔جب سلام پھیرا تو صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ سجدے کے دوران وحی نازل ہو رہی تھی۔فرمایا نہیں۔بلکہ حسین نے مجھے اونٹ بنا لیا تھا۔میں نے چاہا اسے الگ نہ کروں۔غرض اولاد کے حقوق کی نسبت والدین کے حقوق زیادہ ہیں۔اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تاکید زیادہ ہے۔کیونکہ ان کی تعظیم اولاد پر واجب ولازم ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعظیم کا ذکر اپنی عبادت کے ساتھ کیا ہے۔چنانچہ فرمایا:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلاَّ تَعْبُدُوْٓ اِلآَ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

اور تیرے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کر اور والدین کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کر۔

والدین کے حق عظمت کی بنا پر دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اگر کھانا شبہہ والا ہو حرام خالص نہ ہو اور والدین اولاد کو کہیں اسے کھاؤ تو اولاد کو چاہیے کہ ان کی اطاعت کرتے ہوئے کھالے۔ کیونکہ ان کی خوشی کے لیے ان کی اطاعت ضروری ہے دوسرے یہ کہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی سفر نہ کرے۔ سوائے اس سفر کے جو شرعاً فرض ہے۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ دینی باتوں کا علم حاصل کرنے کے لیے سفر بشرطیکہ اس کے شہر میں کوئی فقیہہ اور عالم موجود نہ ہو اور صحیح یہ ہے کہ والدین کی بلا اجازت حج اسلام کا سفر اختیار نہ کرے۔ کیونکہ اس میں تاخیر کرنا درست ہے۔ اگرچہ فی نفسہ فرض ہے۔

ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے پوچھا تیری والدہ زندہ ہے۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس کی خدمت میں رہ کہ تیری جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔

یمن کا ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی فرمایا تیرے ماں باپ زندہ ہیں عرض کیا زندہ ہیں فرمایا ان سے اجازت لے اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی بات مان۔ کیونکہ توحید کے بعد خدائے تعالیٰ کے نزدیک کوئی رشتہ اور عبادت اس سے بہتر نہیں ہے۔

اے عزیز بڑے بھائی کا حق باپ کے حق کے قریب ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائی پر اس طرح ہے جیسے باپ کا حق بیٹے پر۔

لونڈی غلاموں کے حقوق

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے لونڈی غلاموں کے حقوق ادا کرنے میں خدائے تعالیٰ سے ڈرو جو تم لوگ خود کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ۔ اور ایسا مشکل کام ان کے ذمہ نہ لگاؤ جو وہ نہ کر سکیں۔ اگر تمہارے مطلب کے ہیں تو ان کو رکھو ورنہ فروخت کر دو۔ اور خدا کے بندوں کو اذیت اور تکلیف میں نہ رکھو۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے تمہارے لونڈی غلام بنایا اور تمہارے تابع کر دیا ہے۔ اگر چاہتا تو تم کو ان کے تابع اور زیردست کر دیتا۔

ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا ہم لوگ دن میں کتنی بار اپنے لونڈی غلاموں کے قصور معاف کریں۔ فرمایا ستر بار۔

احمد بن قیس رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا آپ نے تحمل اور بردباری کس سے سیکھی ہے فرمایا قیس بن عاصم سے کہ ایک دفعہ ان کی لونڈی بکری کا بھنا ہوا چہ لوہے کی سلاخ میں لگا کر لا رہی تھی کہ اتفاقاً اس کے ہاتھ سے چھوٹ

کر ان کے لڑکے پر گر پڑا- وہ مر گیا- لونڈی ڈر کے مارے بے ہوش ہو کر گر گئی- حضرت قیس بن عاصم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا سنبھل تیرا کوئی قصور نہیں اور میں نے تجھے خدائے تعالیٰ کی راہ میں آزاد کیا-

حضرت عون بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ جب اپنے غلام کی نافرمانی دیکھتے تو فرماتے تو نے بھی اپنے آقا کی عادت اختیار کی ہے- جس طرح تیرا آقا اپنے مالک کی نافرمانی کرتا ہے اسی طرح تو بھی اپنے آقا کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے-

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک غلام کو مار رہے تھے کہ آواز سنی اے ابو مسعود رضی اللہ عنہ آپ اس طرف پھرے- کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جتنی قدرت تو اس غلام پر رکھتا ہے- اس سے زیادہ خدائے تعالیٰ تجھ پر رکھتا ہے-

لونڈی غلاموں کے حقوق یہ ہیں کہ ان کو روٹی سالن اور کپڑے وغیرہ ضروریات سے محروم نہ رکھے اور انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور یہ خیال کرے کہ یہ بھی میری طرح بندے ہیں اور اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو آقا خود خدا کے جو قصور اور گناہ کرتا ہے ان کا خیال کرے اور یاد کرے اور جب ان پر غصہ آئے تو اللہ احکم الحاکمین کا جو اس پر قدرت رکھتا ہے خیال کرے-

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جب غلام نے تکلیف اور محنت اٹھا کر آقا کے لیے کھانا تیار کیا اور اسے رنج و محنت سے پکایا تو چاہیے کہ غلام کو کھانے میں اپنے ساتھ بٹھائے اور اس کے ساتھ مل کر کھائے- اگر ایسا نہیں کر سکتا تو کم از کم ایک لقمہ گھی میں ڈبو کر اس کے منہ میں ڈالے اور کہے یہ لقمہ کھالے-

---

چھٹی اصل

گوشہ نشینی کے آداب میں

اے عزیز جان کہ اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ گوشہ نشینی بہتر ہے یا لوگوں سے ملے جلے رہنا حضرت سفیان ثوری حضرت ابراہیم ادھم- حضرت داؤد طائی' حضرت فضیل بن عیاض' حضرت ابراہیم خواص حضرت یوسف اسباط' حضرت حذیفہ مرعشی' حضرت بشر حافی اور دیگر بہت سے اصحاب ورع تقویٰ کا مذہب یہ ہے کہ عزلت و گوشہ نشینی لوگوں کے ساتھ میل جول سے بہتر ہے- اس کے برعکس علماء ظاہر کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ لوگوں سے مخالطت اور ملے جلے رہنا افضل و بہتر ہے-

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گوشہ نشینی سے اپنا حصہ لے لو- حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں گوشہ نشینی عبادت ہے- ایک شخص نے حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمائیں-

فرمایا دنیا سے روزہ رکھ اور موت تک یہ روزہ نہ کھول اور لوگوں سے اس طرح بھاگ جس طرح درندے سے بھاگتا ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات میں ہے جب آدمی نے قناعت اختیار کرلی تو بے پرواہ ہو گیا۔ جب گوشہ نشینی اختیار کی۔ تو سلامتی میں ہو گیا۔ جب خواہش نفسانی کو پامال کر ڈالا تو آزاد ہو گیا۔ جب حسد سے کنارہ کش ہو گیا تو مردوں والا کام کیا۔ اور جب صبر کا دامن تھام لیا تو اپنے مقصد کو پالیا۔

حضرت وہب بن الورد فرماتے ہیں حکومت و دانائی کے دس حصے ہیں۔ نو خاموشی میں ہیں اور ایک گوشہ نشینی میں۔ حضرت ربیع بن خثیم اور حضرت ابراہیم نخفی رحمتہ اللہ علیہما نے کہا ہے۔ علم سیکھ اور لوگوں سے گوشہ نشینی اختیار کر۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ بھائیوں کی زیارت 'بیماروں کی عیادت اور جنازہ کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ پھر ان میں سے ایک ایک چیز سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس شخص کا احسان مند ہوں گا جو میرے پاس سے گزرے اور مجھے سلام نہ کرے اور جب بیمار پڑوں تو میری بیمار پرسی کو نہ آئے۔

حضرت سعد بن وقاص اور حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہما اکابر صحابہ میں سے تھے۔ مدینہ منورہ کے قریب مقام عقیق میں رہتے تھے۔ یہ دونوں حضرات کسی بھی کام کے لیے لوگوں کے اجتماع میں نہ آتے۔ یہاں تک کہ اسی جگہ انتقال فرمایا۔

ایک امیر شخص نے حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کچھ ضرورت و حاجت ہے۔ فرمایا ہاں۔ دریافت کیا کہ کیا حاجت ہے۔ فرمایا یہ کہ نہ تو مجھے دیکھے اور نہ میں تجھے دیکھوں۔ ایک آدمی نے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں میں صحبت و مجلس رہا کرے۔ فرمایا ہم میں سے جب ایک فوت ہو جائے گا تو دوسرا کس سے صحبت اختیار کرے گا۔ اس نے کہا خدائے تعالیٰ سے فرمایا تو اب بھی خدائے تعالیٰ ہی سے صحبت و سنگت رکھنا چاہیے۔

اے عزیز اس مسئلہ میں ویسا ہی اختلاف ہے جیسا نکاح میں کہ کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ بندے کے حال کے مطابق حکم بھی بدلتا ہے۔ کیونکہ ایک شخص ایسا ہوتا ہے جس کے لیے گوشہ نشینی بہتر ہوتی ہے اور ایک وہ ہوتا ہے جس کے لیے میل جول بہتر ہے اور جب تک گوشہ نشینی کے فوائد اور اس کی آفات اور نقصانات تفصیل سے بیان نہ کیے جائیں اس وقت تک اس حکم کی صحیح حقیقت واضح نہیں ہو سکتی۔

گوشہ نشینی کے فوائد : اے عزیز گوشہ نشینی کے چھ فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ : ذکر و فکر کے لیے فراغت کیونکہ خدائے تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عجیب و غریب صنعتوں اور زمین و آسمان کی کائنات میں غور و فکر کرنا نیز دنیا و آخرت میں خدائے تعالیٰ کے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا افضل ترین عبادت ہے۔ بلکہ اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کی یاد میں مستغرق رکھے کیونکہ جو کچھ خدائے تعالیٰ سے سوا ہے

خدائے تعالیٰ سے دور کرنے والا ہے۔ خاص کر اس شخص کو جس شخص میں یہ طاقت نہ ہو کہ مخلوق میں رہ کر خدا کے ساتھ بھی رہے۔ جس طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے کہ یہ حضرات مخلوق میں رہ کر بھی مخلوق سے جدا رہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کار وحی کی ابتداء میں گوشہ نشینی اختیار کر کے کوہ حرا میں جاگزین ہوئے اور نورِ نبوت کے قوی ہونے تک لوگوں سے قطع تعلق کیے رکھا۔ پھر اس مرتبہ پر فائز ہوئے کہ بدن سے لوگوں کے ساتھ اور دل سے خدا کے ساتھ ہوئے اور فرمایا اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی محبت نے کسی اور سے محبت کی گنجائش باقی نہیں رہنے دی۔ حالانکہ لوگ جانتے تھے کہ آپ کو ہر ایک کے ساتھ پیار ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ حضور کی اطباع تتبع میں اولیاء اللہ بھی اس مرتبہ کو پالیں۔

چنانچہ حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں تیس برس سے خدا کے ساتھ باتیں کرتا ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ مخلوق کے ساتھ ہمکلام ہوں۔ اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص پر کسی کی محبت اور عشق غالب ہوتا ہے اور وہ لوگوں میں رہتے ہوئے دل سے اپنے معشوق کے ساتھ ہوتا ہے اور غلبہ عشق میں نہ کسی کی بات سنتا ہے اور نہ انہیں دیکھتا ہے۔ لیکن ہر ایک کو فریب دھوکے میں نہ آنا چاہیے۔ کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ لوگوں میں رہنے کے باعث خدائے پروردگار مجمع انوار کی بارگاہ سے مردود ہو جاتے ہیں۔

ایک شخص نے کسی راہب سے کہا تنہائی میں رہنا بڑا کام ہے۔ اس نے جواب دیا میں تنہا نہیں ہوں۔ بلکہ خدا میرے ساتھ ہے۔ جب میں اس سے راز و نیاز کی باتیں کرنا چاہتا ہوں تو نماز پڑھتا ہوں اور جب چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے باتیں کرے تو تورات کی تلاوت کرتا ہوں۔

لوگوں نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ گوشہ نشینی سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے تو فرمایا خدائے تعالیٰ کے ساتھ رشتہ انس و محبت قائم ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا یہاں ایک ایسا شخص ہے جو ہمیشہ ستون کے پیچھے رہتا ہے۔ فرمایا جب وہ موجود ہو تو مجھے بتانا۔ لوگوں نے بتایا تو آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے شخص تو ہمیشہ اکیلا بیٹھا رہتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ مل کر کیوں نہیں بیٹھتا۔ جواب دیا میں ایک عظیم کام میں مصروف ہوں جس نے مجھے لوگوں سے جدا کر دیا ہے۔ فرمایا تو حسن بصری کے پاس کیوں نہیں جاتا اور اس کی باتیں کیوں نہیں سنتا۔ اس نے جواب دیا کہ اس کام نے حسن بصری اور تمام لوگوں سے دور کر دیا ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا کام ہے۔ تو اس نے کہا کہ کوئی وقت ایسا نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی نعمتوں سے مجھے نہ نوازتا ہو اور میں گناہ نہ کرتا ہوں۔ اس لیے اس کی نعمتوں کے شکر اور اپنے گناہوں سے استغفار کرنے میں مصروف رہتا ہوں۔ نہ حسن بصری کے ساتھ اور نہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی فرصت و فراغت ہے۔ یہ سن کر حضرت حسن بصری نے فرمایا تو اپنی جگہ بیٹھا رہ کہ تو حسن سے زیادہ فقیہہ اور عالم ہے۔

حضرت ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت اویس نے دریافت

کیا کیسے آئے ہو- فرمایا اس لیے آیا ہوں کہ تم سے آرام حاصل کروں- حضرت اویس نے فرمایا میں ہر گز نہیں جانتا کہ کوئی شخص خدائے تعالیٰ کو جانتا ہو اور پھر دوسرے سے آرام کا متلاشی ہو-

حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب رات کی تاریکی چھاتی ہے تو میرا دل خوش ہوتا ہے- اپنے جی میں کہتا ہوں کہ صبح تک اپنے خدا کے ساتھ تنہائی میں بیٹھوں گا- جب دن طلوع ہوتا ہے تو غمگین ہوتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ لوگ مجھے خدائے تعالیٰ سے باز رکھیں گے-

حضرت مالک دینار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جو شخص لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے سے خدائے تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے ذریعے باتیں کرنے کو افضل نہیں جانتا اس کا علم بہت تھوڑا اور اس کا دل اندھا اور اس کی عمر ضائع اور برباد ہے-

کسی دانا نے کہا ہے جسے یہ خواہش ہو کہ کسی کو دیکھوں اور اسی سے باتیں کروں تو یہ اس کے نقصان کی بات ہے- کیونکہ جو کچھ چاہیے اس سے تو اس کا دل خالی ہے اور ادھر ادھر سے دل بہلانا چاہتا ہے- جو نہ چاہیے-

بزرگوں نے فرمایا ہے جس کو لوگوں کے ساتھ انس ہے وہ مفلس و کنگال لوگوں میں سے ہے- تو اے عزیز ان تمام اقوال و روایات سے یہ سمجھ لے کہ جس شخص کو اس بات کی قدرت ہو کہ ہمیشہ ذکر کے ذریعے حق تعالیٰ کے ساتھ انس پیدا کرے یا ہمیشہ فکر کرنے سے اس کے جلال و جمال کی معرفت کا علم حاصل کرے تو یہ ان سب عبادتوں سے افضل و بہتر ہے جو لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں- کیونکہ تمام سعادتوں کی غایت یہ ہے کہ جو شخص بھی اس جہاں میں جائے تو خدائے تعالیٰ کی محبت اس پر غالب ہو- اور انس و محبت ذکر کی بدولت کامل ہوتی ہے- محبت ثمرہ معرفت ہے اور معرفت ثمرہ فکر اور یہ سب باتیں خلوت اختیار کرنے سے میسر آتی ہیں-

دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ عزلت یعنی گوشہ نشینی کی بدولت اکثر گناہوں سے آدمی بچا رہتا ہے- چار گناہ ایسے ہیں کہ باہم ملے جلے رہنے سے ہر آدمی ان سے نہیں بچ سکتا- عیب کرنا یا عیب سننا اور یہ گناہ دین کی تباہی کا باعث ہے- دوسرا امر بالمعروف اور نہی المنکر کیونکہ آدمی اگر خاموش رہے گا تو فاسق و نافرمان ہو جائے گا- اور اگر ناراضگی کا اظہار کرے گا تو نفرت اور جھگڑے کی صورت پیدا ہو گی- تیسرا گناہ ریا اور نفاق ہے جس کا ارتکاب مل جل کر رہنے کی صورت میں ضرور ہو جاتا ہے کیونکہ اگر لوگوں سے نرمی نہ کرے گا تو وہ ستائیں گے اور اگر نرمی اور خوشامد کرے گا تو ریا میں مبتلا ہو گا- کیونکہ نفاق و ریا کو نرمی سے جدا کرنا بہت مشکل ہے- اور اگر دو دشمنوں سے گفتگو کرے گا اور ہر ایک کے موافق کچھ کہے گا تو یہ نفاق ہے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی دشمنی سے نجات نہ ملے گی اور کم سے کم یہ بات تو ضرور ہے کہ جسے دیکھے گا اس سے کہے گا میں ہمیشہ تمہاری ملاقات کا مشتاق رہتا ہوں- حالانکہ بیشتر یہ بات جھوٹی ہوتی ہے- اگر اس طرح نہ کہے گا تو لوگ اس سے نفرت کریں گے اور اگر اس کے ساتھ بھی ایسی بات کہے گا تو نفاق اور جھوٹ ہو گا- کم سے کم یہ بات تو ضرور ہے کہ ہر ایک سے یہ پوچھنا پڑتا ہے کہ تم کیسے ہو اور تمہاری طرف کے لوگوں کا کیا حال ہے- حالانکہ حقیقتاً اسے اس سے کوئی

سروکار نہیں ہوتا کہ وہ کیسے ہیں تو ایسی گفتگو بھی نفاق میں شامل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے کہ کام کاج کے لیے باہر جاتا ہے اور کسی سے اس کی غرض ہوتی ہے تو از راہ نفاق اس کی اچھائی اور اس کی تعریف اس قدر کرتا ہے کہ اس کے سر پر ذہن رکھ کر بے مقصد خدا کو ناراض کر کے اپنے گھر آجاتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جب کوئی دینی بھائی میرے پاس آتا ہے اور میں اپنی ڈاڑھی کے بال سیدھے کرنے کے لیے اس پر ہاتھ پھیروں تو اس کا ڈر ہے کہ میرا نام منافقوں میں لکھ دیا جائے۔

حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا تم میرے پاس کس لیے آئے ہو۔ اس نے عرض کیا۔ آپ کے ساتھ آرام پانے اور آپ کی زیارت کے ذریعے انس حاصل کرنے کے لیے آپ نے اس کی بات سن کر فرمایا۔ خدا کی قسم یہ بات وحشت اور نفرت کے زیادہ نزدیک ہے۔ تو میرے پاس نہیں آیا مگر اس لیے کہ تو میری جھوٹی مدح کرے اور میں تیری اور تو مجھ پر کوئی جھوٹ باندھے اور میں تجھ پر اور تو جب لوٹے تو ہم دونوں منافق ہو چکے ہوں گے۔ تو اسی طرح جو شخص اس قسم کی باتوں سے پرہیز کر سکتا ہے اس کے لیے میل جول نقصان دہ نہیں ہے۔

سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو دنیا کا حال دریافت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دین کا حال پوچھتے تھے۔

حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حامد لفاف سے فرمایا۔ کس حال میں ہو۔ اس نے کہا سلامت و عافیت سے ہوں۔ حضرت حاتم نے فرمایا سلامتی تو اس وقت نصیب ہوگی۔ جب پل صراط سے گزر جاؤ گے اور عافیت اس وقت میسر آئے گی جب بہشت میں پہنچو گے۔

لوگ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرتے کہ آپ کس حال میں ہیں تو آپ فرماتے کہ جس چیز میں میرا نفع ہے وہ تو میرے ہاتھ میں نہیں اور جو چیز میرے لیے نقصان دہ ہے۔ میں اس کے دور کرنے پر قادر نہیں اور میں اپنے کام کے گرد گھومتا ہوں۔ اور حقیقت میں میرا کام دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔ پس کوئی درویش بھی مجھ سے زیادہ درویش نہیں اور کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ بے چارہ اور عاجز نہیں۔

لوگ جب حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھتے کہ آپ کس حال میں ہیں تو فرماتے کہ ایک ضعیف اور گنہگار انسان ہوں۔ اپنی روزی کھا رہا ہوں اور اپنی موت کے انتظار میں ہوں۔

اور جب لوگ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتے کہ آپ کا کیا حال ہے۔ تو آپ فرماتے کہ دوزخ کے عذاب سے بچ گیا تو خیر ہے۔

اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب لوگ کہتے کہ آپ کا کیا حال ہے۔ تو آپ فرماتے اس شخص کا

کیا حال ہو گا جو صبح کو نہیں جانتا کہ شام تک زندہ رہے گا یا نہیں۔ اور شام کو یہ علم نہیں رکھتا کہ صبح تک زندہ رہنا نصیب ہو گا یا نہیں۔

مالک بن دینار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا اس شخص کا کیا حال ہو گا۔ جس کی عمر تو کم ہو رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں۔

حضرت حکیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا گیا۔ آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا روزی تو خدا تعالیٰ کی کھاتا ہوں اور فرمانبرداری اس کے دشمن ابلیس کی کرتا ہوں۔ لوگوں نے حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا آپ کس حال میں ہیں فرمایا اس شخص کا کیا حال ہو گا جو ہر دن ایک منزل آخرت کی طرف نزدیک ہو رہا ہے۔

حامد لفاف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کس حال میں ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں اس آرزو میں ہوں کہ کسی دن تو مجھے عافیت ہو۔ لوگوں نے کہا آپ آرام اور عافیت میں نہیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا آرام اور عافیت میں وہ ہوتا ہے جو معصیت اور نافرمانی کے قریب نہ جائے۔

ایک شخص سے اس کی موت کے وقت لوگوں نے پوچھا کہ کس حال میں ہو۔ اس نے جواب دیا اس شخص کا کیا حال ہُو گا جو بغیر خرچ کے لمبے سفر پر روانہ ہو رہا ہو اور بغیر ساتھی کے اندھیری قبر میں جا رہا ہو۔ اور بغیر کسی دلیل اور صفائی کے عدل وانصاف والے بادشاہ کے سامنے پیش ہو رہا ہو۔ حضرت حسان بن سنان رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے حال دریافت کیا۔ فرمایا۔ اس شخص کا کیا حال ہو گا جس کے لیے مرنا ضروری ہے اور جسے حساب کتاب کے لیے ضرور اٹھایا جائے گا۔

حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے ایک آدمی سے پوچھا کیا حال ہے۔ اس نے جواب دیا اس شخص کا کیا حال ہو گا جس کے ذمے پانچ سو درہم قرض ہو۔ اس کا کافی عیال ہو اور کوئی چیز اس کے پاس نہ ہو۔ حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ یہ بات سن کر اپنے گھر گئے اور ہزار درہم اٹھا لائے اور آکر اسے دے دیئے اور اس سے کہا کہ پانچ سو درہم سے تو اپنا قرض ادا کرو۔ اور پانچ سو درہم اپنے عیال کے خرچ کے لیے رکھو۔ اس کے بعد ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ آئندہ کسی کا حال دریافت نہیں کروں گا۔ آپ نے یہ اس لیے کیا کہ آپ کو خوف محسوس ہوا کہ اگر میں نے اس کی مدد نہ کی تو پوچھنے میں منافق شمار ہوں گا۔ کئی بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے کئی لوگوں کو دیکھا۔ جو ایک دوسرے کو ہرگز سلام نہ کرتے تھے اور اگر ایک دوسرے کو کوئی حکم دیتا تو جو کچھ اس کے پاس ہوتا۔ سب اسے دے ڈالتا۔ اور اب ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں کہ ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اس سے مرغی خانے کا حال پوچھتے ہیں اور وہ جرأت کر کے ضرورت کے تحت چار آنے مانگ لے تو صاف انکار کر جاتے ہیں اور یہ کھلا ہوا نفاق ہے۔ جب لوگوں کی حالت یہ ہو چکی ہے تو جو آدمی ان سے میل جول رکھتا ہے۔ اگر وہ اس نفاق اور جھوٹ میں ان کی موافقت کرتا ہے تو وہ بھی اس نفاق اور جھوٹ میں ان کی موافقت کرتا ہے اور اگر مخالفت کرتا ہے تو اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں اور سب اس کی غیبت میں مصروف ہو جاتے ہیں تو اس کا دین ان کی وجہ سے تباہ ہوتا ہے اور ان کا اس کی وجہ سے۔

چوتھا گناہ جو لوگوں سے میل جول رکھنے کی بنا پر لازم آتا ہے۔ یہ ہے کہ تو جس کی مجلس اختیار کرے گا اس کی عادتیں اس طرح تیرے اندر آجائیں گی کہ تجھے خبر بھی نہ ہو گی اور تیری طبیعت اس کی طبیعت سے اس طرح بہت سی باتیں چرالے گی کہ تجھے علم بھی نہ ہو گا۔ اس طرح بہت سی نافرمانیوں کا بیج تیرے اندر اگ آئے گا۔ آدمی کی نشست و برخاست جب اہل غفلت کے ساتھ ہو تو جو بھی اہل دنیا کو اور دنیا پر ان کی حرص کو دیکھتا ہے۔ یہی چیز اس میں بھی نمایاں ہو جاتی ہے اور جو آدمی فاسقوں کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ ان کے فسق کو برا ہی جانتا ہو۔ جب بار بار دیکھتا ہے تو وہ فسق اسے بھی معمولی محسوس ہونے لگتا ہے۔ اور جس معصیت اور نافرمانی کے کام کو لوگ بار بار دیکھتے ہیں۔ اس کا انکار اور اس کی نفرت دل سے نکل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر لوگ کسی عالم کو ریشم کا لباس پہنا ہوا دیکھتے ہیں تو اس پر اعتراض کرتے ہیں اور برا جانتے ہیں۔ مگر وہی عالم اگر سارا دن غیبت کرتا رہے تو اسے برا نہیں جانتے۔ حالانکہ غیبت کرنا ریشمی لباس پہننے سے بدتر ہے۔ بلکہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ لیکن چونکہ یہ برائی کثرت سے دیکھتے اور سنتے ہیں اس لیے اس کی مذمت اور خرابی دلوں سے نکل چکی ہے۔ بلکہ اہل غفلت کی حالت کو دیکھنا بھی نقصان دہ ہے۔ جس طرح صحابہ اور بزرگوں کے حالات سننا فائدے مند ہے اور ان پاک لوگوں کے ذکر کے وقت خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةَ
نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

رحمت کا نزول اس لیے ہوتا ہے کہ ان کی باتیں سن کر دین کی رغبت اور محبت جوش میں آتی ہے اور دنیا کی رغبت کم ہوتی ہے اسی طرح اہل غفلت کے ذکر کے وقت لعنت برستی ہے۔ کیونکہ لعنت کا سبب غفلت اور دنیا سے رغبت ہے۔ تو اس غفلت اور رغبت کا سبب ان کا ذکر ہوتا ہے۔ جب ان کا صرف ذکر کرنا لعنت کا باعث ہے تو انہیں دیکھنا تو اس سے بھی بدرجہا برا ہو گا۔ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ برے آدمی کی مجلس لوہار کے پاس بیٹھنے کی طرح ہے کہ اگر کپڑا نہ جلے گا تو اس کا دھواں ضرور پہنچے گا اور نیک آدمی کی صحبت عطر فروش کی مجلس کی طرح ہے کہ اگر تجھے عطر نہ بھی دے گا تو اس کی خوشبو تو پہنچے گی۔ لہٰذا تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ برے آدمی کی مجلس سے تنہائی بہتر ہے۔ اور نیک آدمی کی مجلس تنہائی سے بہتر ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

مختصر یہ کہ جس کی مجلس تجھ سے دنیا کی رغبت کو نکالے اور خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دے۔ اس کے پاس بیٹھنا بہت غنیمت ہے۔ اس سے ہرگز جدا نہ ہو اور جس کا حال اس کے خلاف ہو اس سے دور رہ۔ خصوصاً اس عالم سے جو دنیا کی حرص میں مبتلا ہو۔ اور جس کا کردار اس کی گفتار کے مطابق نہ ہو۔ کیونکہ اس کی مجلس زہر قاتل ہے اور مسلمان کی عزت دل سے اکھاڑ پھینکنے والی چیز ہے۔ کیونکہ دیکھنے والا اپنے دل میں کہے گا کہ اگر مسلمانی کی کوئی اصل اور بنیاد ہوتی تو یہ عالم خود ضرور اس پر عمل کرتا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص روغن بادام میں پکے ہوئے حلوے کو سامنے رکھ کر بڑی چاہت سے کھا رہا ہو اور ساتھ ساتھ یہ شور بھی مچا رہا ہو کہ اسے مسلمانوں اس حلوے سے دور رہنا کیونکہ یہ سب زہر ہے تو کوئی شخص بھی اس

کی بات پر اعتبار نہ کرے گا اور اس کا بڑی چاہت سے اسے کھانا اس بات کی دلیل ہو گی کہ اس میں کوئی زہر نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ حرام کھانے اور گناہ کرنے کی پہلے جرأت نہیں کرتے اور جب سنتے ہیں کہ فلاں عالم صاحب ایسا کرتے ہیں تو ان میں بھی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم کی غلطی بیان کرنا دو وجہ سے حرام ہے۔ ایک تو اس لیے کہ یہ غیبت ہے۔ دوسرے اس لیے کہ لوگوں میں جرأت پیدا ہو گی اور وہ اسے دلیل بنا کر اس کی پیروی کریں گے اور شیطان بھی اس کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہو گا اور اس سے کہے گا کہ تو فلاں عالم سے بڑھ کر پرہیزگار تو نہیں ہے۔

عام آدمی کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ جب عالم سے کوئی غلط کام ہوتا دیکھے تو دو باتیں ذہن میں رکھے ایک یہ کہ اپنے ذہن میں یہ سمجھے کہ عالم سے اگر غلطی ہو رہی ہے تو شاید اس کا علم اس کی معافی کا باعث بن جائے کیونکہ علم بھی ایک بہت بڑی سفارش کرنے والی چیز ہے اور عام آدمی بے چارا علم سے خالی ہے۔ جب عمل بھی نہیں کرے گا تو اپنی نجات کے لیے کس چیز پر بھروسہ کرے گا۔ دوسری بات یہ ذہن میں لائے کہ عالم کا یہ جاننا کہ حرام مال نہیں کھانا چاہیے۔ بالکل اسی طرح ہے۔ جس طرح ایک عام آدمی جانتا ہے کہ شراب پینا اور زنا کرنا نہیں چاہیے۔ سب لوگ اتنی بات میں برابر ہیں کہ شراب پینا اور زنا کرنا حرام ہے اور ایک عام آدمی کا شراب پینا دلیل نہیں بن سکتی کہ اسے دیکھ کر دوسرا بھی پینا شروع کر دے۔ تو عالم کا حرام کھانا بھی اسی طرح ہے اور زیادہ تر حرام کھانے کی جرأت وہ لوگ کرتے ہیں جو نام کے عالم ہوتے ہیں۔ حقیقت علم سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یا جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کا عذر اور اس کی تاویل ایسی ان کے علم میں ہوتی ہے کہ عوام اسے نہیں سمجھ سکتے۔ عام آدمی کو چاہیے کہ عالم کی غلطی اس نظر سے دیکھے تاکہ ہلاک نہ ہو۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ کہ خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کیا اور حضرت موسیٰؑ نے اس پر اعتراض کیا قرآن مجید میں اسی لیے بیان کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زمانہ ایسا ہی ہو چکا ہے کہ عموماً لوگوں سے مجلس رکھنا نقصان دہ ہے اور گوشہ نشینی اور علیحدہ رہنا زیادہ بہتر ہے۔

تیسرا فائدہ : یہ ہے کہ الا ماشاءاللہ کوئی شہر بھی جھگڑوں، فتنہ وفساد اور تعصب کی باتوں سے خالی نہیں۔ جو شخص گوشہ نشین ہو جاتا ہے۔ فتنہ وفساد سے نجات پا جاتا ہے اور میل جول اختیار کرنے سے اس کا دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جب لوگوں کو آپس میں دشمنی، عداوت، اختلاف وانتشار میں مبتلا دیکھے تو اپنے گھر کے اندر سے بالکل باہر نہ نکل اور اپنی زبان کی حفاظت کر جو کچھ جانتا ہے اس پر عمل کر۔ جس بات کا علم نہ ہو اس سے دور رہ۔ اپنے کام میں مصروف رہ اور دوسروں کے کاموں سے ہاتھ اٹھا لے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آ رہا ہے کہ انسان کا دین سلامت نہ رہ سکے گا مگر اس صورت میں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگے اور ایک پہاڑ سے

دوسرے پہاڑ کی طرف اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ کی طرف جس طرح لومڑی اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتی پھرتی ہے-لوگوں نے عرض کی کہ ایسا زمانہ کب آئے گا- فرمایا جب معصیت اور گناہ کے بغیر رزق میسر نہ آئے گا-اس وقت لوگوں سے الگ ہو جانا حلال و روا ہو گا-لوگوں نے عرض کیا الگ تھلگ رہنا کس طرح درست ہو گا-حالانکہ آپ نے ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیا تھا- فرمایا اس زمانے میں مرد کی ہلاکت اس کے ماں باپ کے ہاتھ میں ہو گی اور اگر وہ مر چکے ہوں گے تو پھر اس کی ہلاکت و بربادی اس کی اولاد اور بیوی کے ہاتھ میں ہو گی اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو اس کے خویش و اقارب اسے ہلاکت میں مبتلا کریں گے-لوگوں نے کہا کس طرح- فرمایا اس کی تنگدستی اور درویشی پر اسے لعنت ملامت کریں گے-اور جس چیز کی اس میں طاقت نہ ہو گی اس کا مطالبہ اس سے کریں گے- یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائے گا- یہ حدیث اگرچہ (عزوبت) الگ تھلگ رہنے سے متعلق ہے- تاہم خلوت گزینی اور گوشہ نشینی بھی اس سے ثابت ہوتی ہے اور یہ زمانہ جس کا ذکر نبی کریم علیہ ﷺ نے کیا ہے ہمارے زمانے سے کافی عرصہ پہلے شروع ہو چکا ہے- چنانچہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانے کے متعلق فرمایا کرتے تھے :

والله لقد حلت العزوبة — اللہ کی قسم الگ تھلگ رہنا حلال و روا ہو چکا ہے-

چوتھا فائدہ : یہ ہے کہ انسان لوگوں کے شر سے امن میں رہتا ہے- کیونکہ جب تک لوگوں کے درمیان رہتا ہے- ان کی غیبت اور ان کی بدگمانی کے رنج سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی نہ حاصل ہونے والی چیز کے طمع سے اسے نجات میسر آتی ہے- کیونکہ انسان اس بات سے نہیں بچ سکتا کہ اس سے کوئی ایسی چیز اور ایسا عمل لوگ دیکھیں جس کو نہ سمجھ سکیں- تو اس کے بارے میں اس پر زبان درازی کریں- کیونکہ انسان اگر یہ چاہے کہ سب لوگوں کے حقوق مثلاً ماتم پرسی- مبارک بادی اور مہمان نوازی کرے- تو اس کا سارا وقت ان کاموں میں صرف ہو جائے گا- لیکن وہ کسی کا حق بھی پورے طور پر ادا نہ کر سکے گا اور اپنے کاموں سے بھی رہ جائے گا اور بعض لوگوں کو ترجیح دے گا اور ان سے خصوصیت برتے گا تو دوسرے اسے برا جانیں گے- اور رنج محسوس کریں گے- اور جب گوشہ نشینی اختیار کر لے گا تو یکمشت سب سے چھوٹ جائے گا اور وہ اس سے خوش بھی رہیں گیں ایک بزرگ تھے جو ہمیشہ قبرستان میں رہتے تھے- اور تنہا ہی بیٹھتے تھے- لوگوں نے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں انہوں نے فرمایا- محفوظ رہنے کے لیے تنہائی سے بہتر میں نے کسی چیز کو نہیں پایا اور قبر کی طرح کوئی نصیحت کرنے والا نہیں پایا- اور اپنے اعمال کو دیکھتے رہنے سے زیادہ بہتر کوئی ساتھی نہیں پایا حضرت ثابت بنانی رحمتہ اللہ علیہ نے جو اولیاء اللہ میں سے تھے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ حج کو جا رہے ہیں- میں چاہتا ہوں کہ اس سفر میں آپ کے ساتھ رہوں- آپ نے جواب دیا یہ خیال ترک کر دیں- تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے پردہ ستاری میں اپنی زندگی بسر کروں- کیونکہ ممکن ہے جب ہم دونوں اکٹھے رہیں تو ہم میں سے ہر ایک ایک دوسرے سے ایسی چیز دیکھے جس کی بنا پر ہم اپنے آپ کو دشمن بنا لیں- تو یہ بھی گوشہ نشینی کے فوائد میں سے ایک فائدہ ہے- تاکہ

انسان کی انسانیت کا پردہ اپنی جگہ پر قائم رہے اور باطنی حالات ظاہر نہ ہوں- کیونکہ بسا اوقات آدمی کی بہت سی ایسی باتیں جو نہ دیکھی ہوتی ہیں نہ سنی ہوتی ہیں- سامنے آجاتی ہیں-

پانچواں فائدہ : یہ ہے کہ لوگوں کی امیدیں اور ان کا طمع اس سے کٹ جاتا ہے اور اس کے طمع کا سلسلہ لوگوں سے ختم ہو جاتا ہے اور دونوں طرف کے طمع اور امیدوں سے بہت سی نافرمانیاں اور تکلیف دہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں کیونکہ بندہ جب دنیاداروں کو دیکھتا ہے تو اس میں حرص پیدا ہوتی ہے- حرص سے طمع پیدا ہوتا ہے اور طمع سے ذلت و خواری حاصل ہوتی ہے- اسی لیے خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے :

لاَ تَمُدَّنَ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ الاٰيَةَ

نہ کھول اپنی دونوں آنکھیں اس کی طرف جو قسم قسم کا سامان ہم نے منکر لوگوں کو دے رکھا ہے-

تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کی خوشنما دنیا کی طرف نہ دیکھیں کیونکہ در حقیقت یہ دنیا ان کے لیے فتنہ ہے-

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے- جو شخص دنیا کے سازوسامان میں تم سے بڑھ کر ہو- اس کی طرف نہ دیکھو- کیونکہ اس طرح جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھی ہیں- تمہاری نگاہ میں حقیر ہو جائیں گی اور جو شخص مالدار لوگوں کی نعمتوں کی طرف دیکھتا- اس کے حاصل کرنے کی فکر میں پڑ جاتا ہے- لیکن حاصل نہیں کر سکتا مگر اپنی آخرت کا نقصان کر بیٹھتا ہے اور ان نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو صبر کی مشقت میں مبتلا ہوتا ہے اور صبر کی مشقت برداشت کرنا بھی بڑی مشکل بات ہوتی ہے-

چھٹا فائدہ : یہ ہے کہ ناپسندہ اور احمق لوگوں اور ان کو دیکھنے سے جن سے طبیعت نفرت کرتی ہے چار رہتا ہے-

حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا آپ کی آنکھ میں کیوں خلل واقع ہو چکا ہے- فرمایا کہ میں نے اپنی آنکھ کو ناپسندیدہ لوگوں کو دیکھنے سے چھپایا ہوا ہے-

مشہور حکیم جالینوس کا قول ہے کہ جس طرح جسم کو بخار ہوتا ہے- روح کو بھی بخار ہوتا ہے اور روح کا بخار ناپسندیدہ لوگوں کو دیکھنا ہے-

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی کسی ناپسندیدہ آدمی کے پاس بیٹھا- اس سے میں نے اس آدمی سے بھی زیادہ پسندیدہ باتیں دیکھیں- اور یہ فائدہ اگرچہ دنیا سے تعلق رکھتا ہے- تاہم دین بھی اس سے کسی حد تک وابستہ ہے- کیونکہ جب وہ ایسے آدمی کو دیکھے گا جسے دیکھنا اس کو اچھا نہیں لگتا- تو زبان یا دل سے اس کی غیبت کے گناہ میں مبتلا ہو گا- اور جب گوشہ نشین رہے گا تو سب باتوں سے محفوظ رہے گا- یہ ہیں گوشہ نشینی کے فوائد-

گوشہ نشینی کی آفات

جاننا چاہیے کہ بعض دینی اور دنیاوی مقاصد ایسے ہیں جو دوسروں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور میل جول کے بغیر انسان انہیں حاصل نہیں کر سکتا اور گوشہ نشین ہونے کی صورت میں وہ مقاصد فوت ہو جاتے ہیں اور ان کا فوت ہونا بندے کے لیے آفت اور نقصان دہ چیز ہے۔ ان آفات کی تعداد بھی چھ ہے۔

پہلی آفت : یہ ہے کہ آدمی علم سیکھنے اور سکھانے سے محروم رہتا ہے۔ جان لو کہ جو شخص وہ علم بھی نہ سیکھے جو فرض ہے اور گوشہ نشینی اختیار کرلے تو ایسی گوشہ نشینی حرام ہے اور اگر اتنا علم سیکھ چکا ہے جو فرض ہے اور باقی علم نہیں سیکھ سکتا اور نہ ان کے سمجھنے کی اس میں استعداد ہے تو ایسا شخص اگر عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرے تو جائز ہے اور اگر وہ ایسا آدمی ہے کہ شریعت کے تمام علوم سکھا سکتا ہے تو اس کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا عظیم خسارہ ہے۔ کیونکہ جو شخص علم حاصل کرنے سے پہلے گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے اس کا زیادہ وقت خواب و خیال اور بے کار اور فضول تفکرات میں ضائع ہو جاتا ہے اور اگر ہر روز اور ہمیشہ عبادت میں مشغول رہے گا۔ جب علم میں پختہ نہیں ہو گا تو غرور اور تکبر سے خالی نہ رہ سکے گا اور جو چیزیں عقیدے میں منع اور گناہ ہیں۔ ان سے بھی خالی نہ رہ سکے گا اور اس کے دل میں خدائے تعالیٰ کی شان کے متعلق بہت سے ایسے خیالات گزرتے رہیں گے جو کفر یا بدعت ہوں گے اور وہ جانتا بھی نہ ہو گا مختصر بات یہ ہے کہ گوشہ نشینی علماء کو اختیار کرنی چاہیے نہ کہ عوام کو کیونکہ عوام بیمار کی طرح ہیں اور بیمار کے لیے نہیں چاہیے کہ طبیب سے دور بھاگ جائے۔ کیونکہ جب وہ اپنا علاج خود کرنے بیٹھے گا تو اپنے آپ کو بہت جلد ہلاک کر ڈالے گا۔ اور دینی تعلیم دینے کا درجہ بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ جو شخص عالم ہو اور اس پر عمل کرتا ہو اور دوسروں کو بھی علم سکھاتا ہو۔ اسے آسمانوں کے اندر بڑے آدمی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور تعلیم اسی وقت دی جا سکتی ہے۔ جبکہ گوشہ نشینی سے دور رہے۔ لہٰذا دین کی تعلیم دینا گوشہ نشینی سے بہتر ہے۔ بشرطیکہ اس کی اور سیکھنے والے کی نیت دین ہو نہ کہ مرتبے اور مال کی چاہت اور چاہیے کہ وہ علم سکھائے۔ جو دین میں نفع مند ہو اور اس علم کو پہلے سکھائے جو زیادہ ضروری ہو۔ مثال کے طور پر جب طہارت کے مسائل بیان کرنا شروع کرے تو یہ بتائے کہ کپڑوں کو تو پاک رکھنا مختصر اور آسان بات ہے۔ اس طہارت سے اصل مقصود دوسری چیز ہے اور وہ آنکھ کان زبان اور تمام اعضاء کو گناہوں سے پاک رکھنا ہے اور اس کی تفصیل بیان کرے اور اس پر عمل کی تاکید کرے اور اگر پڑھنے والا اس پر عمل نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے آگے علم کی تلاش کرتا ہے۔ تو اس کا مقصود مرتبے کا حصول ہے اور جب اس طہارت کے بیان سے فارغ ہو جائے تو کہے کہ اس سے مقصود ایک دوسری طہارت ہے جو اس سے بھی بلند ہے اور وہ دل کو دنیا اور خدائے تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز کی دوستی سے پاک کرنا ہے۔ اور لا الہ الا اللہ کی حقیقت یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی چیز اس کا معبود نہ رہے اور جو شخص اپنی

خواہش میں گرفتار ہے اور اپنی خواہش کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے ایسا شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت سے محروم ہے اور انسان خواہش سے کٹ جانے کا طریقہ نہیں پہچان سکتا جب تک کہ اس مضمون کو نہ پڑھے جو ہم نے مہلکات (تباہ کرنے والے اعمال) اور منجیات (نجات دینے والے اعمال) کے باب میں بیان کیا ہے اور اس کا جاننا سب لوگوں پر فرض عین ہے۔

اور جو طالب علم اس علم سے فارغ ہونے سے پہلے حیض اور طلاق خراج (زمین کا مالیہ) فتویٰ اور جھگڑے کا علم حاصل کرتا ہے یا مذہب کے اختلافات یا علم کلام یا علم جدل و مناظرہ حاصل کرتا ہے یا معتزلہ اور کرامیہ فرقوں کے عقائد کا علم حاصل کرتا ہے یا معتزلہ اور کرامیہ فرقوں کے عقائد کا علم حاصل ہوتا ہے تو جان لو کہ وہ مرتبے اور مال کا طالب ہے نہ کہ دین کا۔ کیونکہ اس کا شر عظیم ہے اس سے دور رہنا چاہیے اور جبکہ وہ شیطان کے ساتھ جو اسے ہلاک کرنے کے درپے ہے۔ مناظرہ نہیں کرتا اور اپنے نفس کے ساتھ جو اس کا بدترین دشمن ہے نہیں جھگڑتا اور چاہتا ہے کہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ وغیرہ سے جھگڑتا رہے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان نے اس پر پورا قبضہ کر لیا ہے اور اس پر ہنستا ہے اور جو عادتیں اس کے اندر ہیں۔ جیسے حسد، تکبر، ریا اپنے آپ کو اچھا جاننا۔ دنیا کی دوستی اور مرتبے و مال کی حرص، تو یہ سب پلیدی اور نجاست ہے۔ جو اس کی ہلاکت کا سبب ہے۔ جب اپنے دل کو اس سے پاک نہیں کرتا تو اس کے لیے نکاح کے فتووں طلاق، سلم اور اجارہ کے مسائل میں مصروف ہونا کب درست ہے اور اگر کوئی شخص ان میں غلطی کر بیٹھے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ دو نیکیوں میں سے ایک کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے اجتہاد کیا اور درستی پر قائم رہا۔ اس کے لیے دو درجے ثواب ہے اور اگر غلطی واقع ہو گئی تو ایک درجہ ثواب ہے۔ پس اگر امام شافعی یا امام ابو حنیفہ کا مذہب اختیار کرے تو اس کا یہی فائدہ ہے کہ مسائل سے آگاہ ہو جائے گا اور جب ان مذکورہ بری صفات کو اپنے آپ سے دور نہ کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا دین ہی ضائع ہو جائے گا اور زمانے کا حال کچھ اس طرح کا ہو چکا ہے کہ بڑے سے بڑے شہر میں سے بھی ایک یا دو آدمیوں سے زیادہ ایسے اشخاص نہیں ملیں گے جو اس طرح کا علم حاصل کرنے کی چاہت رکھتے ہوں۔ اس لیے مدرس کے لیے بھی گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔ کیونکہ جو شخص ایسے آدمی کو علم سکھاتا ہے جو دنیا حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایسے آدمی کے پاس تلوار فروخت کرے جو ڈاکہ زنی کرنا چاہتا ہو اور اگر علم سکھانے والا یہ کہے کہ شاید کسی دن ایسا شاگرد دین کی خدمت کا ارادہ بھی کرے تو یہ اس طرح ہے کہ تلوار فروخت کرنے والا یہ خیال کرے کہ شاید یہ ڈاکو کسی دن ڈاکے سے اور چوری سے توبہ کر لے اور کافروں سے جہاد شروع کر دے اور اگر وہ استاد یہ تاویل کرے کہ تلوار تو توبہ نہیں سکھاتی اور علم توبہ سکھاتا ہے اور خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ فتویٰ جات، جھگڑے کی باتوں کا علم اور علم کلام اور نحو و لغت کا علم بھی کسی کو خدا تک نہیں پہنچاتا۔ کیونکہ ان علوم میں سے کسی علم میں بھی دین کی رغبت اور حرص و چاہت نہیں پائی جاتی۔ بلکہ ان علوم میں سے ہر ایک علم کے ذریعہ دل میں حسد فخر تکبر اور تعصب کی تخم ریزی ہوتی ہے اور یہی چیزیں دل میں پرورش پاتی ہیں۔ سننا اور ہے دیکھنا اور ہے، تم مشاہدہ کر لو۔ کہ جو لوگ ان علوم میں مشغول ہوتے ہیں وہ کس حال میں زندہ رہتے ہیں اور کس حال میں مرتے

ہیں اور جو علم آخرت کے سامان کی تیاری کی دعوت دیتا اور دنیا سے ہٹاتا ہے -وہ علم حدیث و تفسیر ہے اور وہ علم ہے جس کا ذکر ہم نے باب مہلکات اور منجیات میں کیا ہے تو لازماً اسی علم کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے -جو ہر شخص کو متاثر کرتا ہے -الاماشاء اللہ -وہ لوگ متاثر نہیں ہوتے جن کے دل بہت سخت ہو چکے ہوتے ہیں اور جو شخص اس علم کو جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو اس سے گوشہ نشینی اختیار کرنا کبیرہ گناہ ہے اور اگر کوئی شخص علم حدیث و تفسیر اور دوسرا ضروری علم حاصل کر رہا ہو اس کے ساتھ ساتھ اس پر مرتبے اور طلب جاہ بھی غالب ہو تو چاہیے کہ اسے علم سکھانا چھوڑ دے کیونکہ اگرچہ اسے تعلیم دینے میں دوسرے لوگوں کا بہت سا فائدہ ہے تاہم وہ خود تو تباہ و برباد ہو رہا ہے اور دوسروں کی خاطر اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہے -اسی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے دین کی ان لوگوں سے مدد کرائے گا جن کا خود اس میں سے کچھ حصہ نہ ہوگا -ایسے شخص کی مثال چراغ کی سی ہے کہ گھر تو اس سے روشن ہوتا ہے اور وہ خود جل رہا اور کم ہو رہا ہے اور اسی بناء پر حضرت حافی رحمتہ اللہ علیہ نے حدیث کی کتابوں کے ساتھ دفتر جو آپ نے سنے ہوئے تھے خاک میں دفن کر دیئے اور حدیث روایت کرنا چھوڑ دی اور فرمایا کہ میں اس لیے حدیث کی روایت کرنا ترک کر رہا ہوں کہ اس کی خواہش اپنے اندر پاتا ہوں -اگر خاموشی کی چاہت پاتا تو حدیث روایت کرنا ترک نہ کرتا-

بزرگوں نے اس طرح فرمایا ہے کہ حَدَّثَنَا (حدیث بیان کی ہم سے) دنیا کے بابوں میں سے ایک باب ہے جو بھی حَدَّثَنَا کے الفاظ کہنا پسند کرتا ہے وہ دراصل یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے اپنے آگے بٹھائیں اور عزت کریں-

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا- فرمایا یہ شخص دراصل یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے پہچانیں اور اس کی شخصیت کو دیکھیں-

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہر روز نماز صبح کے بعد لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کی اجازت چاہی آپ نے اسے اجازت نہ دی- اس شخص نے کہا کہ آپ وعظ و نصیحت سے روکتے ہیں فرمایا ہاں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اس طرح تو تکبر و غرور میں مبتلا ہو جائے اور اپنے آپ کو تحت الثریٰ میں گرا دے-

حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہا نے حضرت سفیان ثوری سے فرمایا تم اچھے آدمی ہو بشرطیکہ دنیا کو دوست نہ رکھو- فرمایا وہ کس طرح تو انہوں نے کہا اس لیے کہ تم حدیث روایت کرنے کو پسند کرتے ہو-

حضرت ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں جو شخص یہ چاہے کہ تمہارے ساتھ مجلس کرے اور تم سے علم حاصل کرے تو اس زمانے میں ایسے لوگوں سے بھی بچو اور دور رہو- کیونکہ ان لوگوں کے پاس نہ تو ضرورت کے مطابق مال ہوتا ہے اور نہ کوئی دوسری اچھائی- ایسے لوگ بظاہر دوست ہوتے ہیں- لیکن اندر سے دشمن ہوتے ہیں سامنے صفت و ثناء کرتے ہیں مگر پیٹھ پیچھے غیبت اور برائی کرتے ہیں- یہ سب لوگ منافقت نکتہ چینی اور مکر و فریب سے بھرے ہوتے ہیں- ان لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ تجھے اپنے برے مقاصد کے لیے سیڑھی بنائیں اور استعمال کریں تجھے اپنی خواہشات کی تکمیل میں اپنا ٹٹو بنانا چاہتے ہیں- تاکہ تو ان کے لیے برے مقاصد کے لیے شہر میں گھومتا پھرے اور جب وہ تیرے پاس

آتے ہیں تو اس کا بڑا احسان جتلاتے ہیں- مگر حقیقت میں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تو اپنی عزت اپنا مرتبہ اور اپنا مال ان پر قربان کر دے- اس کے بدلے کہ وہ تیرے پاس آئے ہیں اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اپنے حقوق اور اپنے رشتہ داروں اور تعلق داروں کے حقوق کو ادا کرے- یہ لوگ دراصل تجھے بے وقوف بناتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تو ان کے دشمنوں کے ساتھ بدمزاجی سے پیش آئے اور اگر کسی وقت تو ان کی بات نہ مانے اور ان کی رائے کے خلاف کرے تو پھر دیکھ کہ کس طرح تجھ پر اور تیرے علم پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور کس طرح تجھ سے اپنی دشمنی ظاہر کرتے ہیں- صورت حال کچھ ایسی ہی ہے- جیسا کہ انہوں نے فرمایا کہ آج کل کے شاگرد استادوں کو مفت ہی قبول نہیں کرتے پہلے تجھ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تو ان کا وظیفہ جاری کرائے مدرس بے چارہ اس کی طاقت نہیں رکھتا- کہ شاگرد کو نظر انداز کرے اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے باعزت انسان ظاہر کرے اور ان کا وظیفہ جاری نہیں کرا سکتا- جب تک ظالموں کی خدمت اور ان کے سامنے دین میں سستی نہ دکھائے اور ان کے سامنے اپنے دین کو برباد نہ کرے- اور پھر شاگردوں سے خود کسی قسم کا مطالبہ نہ کرے- تو جو مدرس تعلیم دے سکتا ہے اور ان آفات سے بھی دور رہ سکتا ہے تو اس کے لیے تعلیم دینے کا کام گوشہ نشینی سے بہتر ہے عام آدمی کے لیے یہ حکم ہے کہ جس عالم کو دیکھے کہ مجلس میں بیٹھتا ہے اور درس و تدریس کرتا ہے اس کے بارے میں برا گمان نہ کرے کہ شاید یہ مال و جاہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کر رہا ہے- بلکہ نیک گمان کرے کہ یہ خدا کے لیے کرتا ہے- کیونکہ یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کے بارے میں اچھا گمان ہی رکھے اور جب باطن میں پلیدی ہو تو نیک گمان کی کوئی جگہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ دوسروں کو بھی اپنے اوپر ہی قیاس کرتا ہے- یہ باتیں اس لیے بیان کی ہیں- تاکہ عالم اپنی شرط کو پہچانے اور عام آدمی اپنی حماقت کے باعث کوئی بہانا نہ تراشے اور علماء کی عزت میں کوتاہی نہ کرے- کیونکہ اس برے گمان کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جائے گا-

دوسری آفت: یہ ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرنے سے نفع حاصل کرنے اور نفع پہنچانے سے محروم رہتا ہے- نفع حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ روزی کمانا میل جول کے بغیر میسر نہیں آتا اور جو شخص عیال دار ہو اور روزی کمانے میں مشغول نہ ہو- بلکہ گوشہ نشینی اختیار کرے- تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اپنے اہل و عیال کے حقوق ضائع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور اگر گزارے کے مطابق اہل و عیال کے لیے ذریعہ معاش ہو یا عیال ہی نہ ہو تو اس کے لیے گوشہ نشینی بہتر ہے- نفع پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کرے اور مسلمانوں کے حقوق ادا کرے اور گوشہ نشینی اختیار کرنے میں ظاہری عبادت میں مشغول ہونے کے سوا اور کچھ نہ کرے- تو حلال روزی کمانا اور صدقہ و خیرات کرنا اس کے لیے گوشہ نشینی سے بہتر ہے اور اس کے باطن میں خدائے تعالیٰ کی معرفت کا راستہ کشادہ ہو چکا ہے- اور خدا سے مناجات کرنے میں اسے انس و محبت پیدا ہوتی ہے- تو یہ بات صدقہ و خیرات سے بہتر ہے- کیونکہ تمام عبادتوں سے اصل مقصود یہی ہے-

تیسری آفت : یہ ہے کہ لوگوں کے اخلاق و عادات اور ان کے سلوک پر صبر کرنے کے باعث جو ریاضت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اس سے محروم رہ جاتا ہے اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے ہر اس شخص کے لیے جس نے ابھی ریاضت نفس مکمل نہ کرلی ہو- کیونکہ نیک خلق تمام عبادات کی اصل ہے اور یہ میل جول کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی- کیونکہ اچھی خو اور عادت اس کا نام ہے کہ لوگوں کی تکلیف دہ باتوں پر صبر اور برداشت سے کام لے- صوفیائے کرام کے خادم اور درویش اسی نیت سے میل جول رکھتے ہیں- تاکہ عوام سے اپنی حاجت بیان کر کے رعونت اور تکبیر کے بت کو توڑیں اور صوفیاء کے لیے نان و نفقہ مہیا کر کے خلل کی زنجیر کو کاٹیں اور لوگوں کی بدسلوکی برداشت کر کے اپنے آرام سے الگ رہیں اور ان کی خدمت میں رہ کر برکت دعا اور ان کی توجہ سے حصہ حاصل کریں پہلے وقتوں میں اول کام یہی ہوتا تھا اگرچہ اب نہیں ہے اور محض خیالات ہی باقی رہ گئے ہیں اور بعض لوگوں کا مقصود مرتبے اور مال کا حاصل کرنا ہوتا ہے- تو اگر کوئی شخص ریاضت میں مکمل ہو چکا ہے اور گوشہ نشینی سے بھی اونچی بات حاصل کرنے کا مستحق ہو چکا ہے کیونکہ ریاضت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہمیشہ تکلیف ہی اٹھاتا رہے جس طرح دوا سے مقصود اس کی تلخی سے متاثر ہونا نہیں بلکہ یہ ہے کہ بیماری دور ہو جائے اور جب بیماری دور ہو گئی تو ہمیشہ اپنے آپ کو تلخی میں رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں- بلکہ مقصود ریاضت و مجاہدہ سے بھی ایک اور بلند چیز ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کی یاد کے ذریعے اس سے انس و محبت کرنا ہے اور ریاضت و مجاہدہ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو چیز اس انس و محبت کے راستے میں رکاوٹ بنے تو اپنے آپ اسے دور کر دے تاکہ یاد الٰہی میں مصروف ہو سکے-

جاننا چاہیے کہ جس طرح خود اپنے آپ کو ریاضت و مجاہدہ میں ڈالنا ضروری ہے اسی طرح دوسر دل کو ریاضت و مجاہدہ اور اچھی تربیت کی طرف رغبت دلانا بھی دین کی اہم ارکان میں سے ہے اور دوسروں کو رغبت دلانے کا یہ کام گوشہ نشینی کی حالت میں میسر نہیں آسکتا- بلکہ مرشد کامل کے لیے مریدوں کے ساتھ میل جول رکھنے کے سوا کوئی چارا نہیں اور اس کا ان سے کنارہ کشی کرنا مناسب نہیں- لیکن جس طرح جاہ اور ریا کی آفت سے بچنا ضروری ہے علماء اور مشائخ کے لیے بھی محتاط رہنا ضروری ہے اور جب ان کا مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ میل جول شرط اور قاعدے کے مطابق ہو گا تو ان کے اندر رہنا خلوت نشینی سے بہتر ہو گا-

چوتھی آفت : یہ ہے کہ گوشہ نشینی میں وسوسے دل پر غلبہ کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ دل ذکر سے نفرت کرنے لگے اور سستی میں اضافہ ہو جائے اور یہ خرابی لوگوں کے ساتھ میل جول کے بغیر دور نہیں ہو سکتی- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اگر مجھے وسوسوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھتا-

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دل کو دوسرے دل سے راحت حاصل کرنی چاہیے کیونکہ دل کو جب ایک ہی بات پر مجبور کرو گے تو وہ نابینا ہو جائے گا- تو چاہیے کہ ہر دن کوئی ایسا ساتھی ہو- جس سے انس و محبت کا تعلق

قائم رہے تاکہ اسے راحت حاصل ہو- اور طبیعت کے خوش رہنے میں اضافہ ہوتا رہے- لیکن یہ ایسا آدمی ہونا چاہیے جس کی سب باتیں دین سے تعلق رکھتی ہوں اور جو دین کے اندر اپنے آپ کو کوتاہ سمجھتا ہو اور جو ہر وقت دین کے اسباب کی تدبیریں سوچنے میں مصروف رہتا ہو اہل غفلت کے ساتھ بیٹھنا اگرچہ ایک ہی گھڑی کے لیے ہو نقصان دہ ہے اور وہ صفائی جو حاصل ہوتی ہے جاتی رہتی ہے-

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہر آدمی اپنے دوست کے طور طریقے پر ہوتا ہے لہذا تم اس بات کا خیال رکھو کہ تمہاری دوستی کیسے آدمی سے ہے-

پانچویں آفت : یہ ہے کہ بیمار پرستی کے ثواب' جنازے کے ساتھ جانے کے ثواب- دعوت میں شریک ہونے کے ثواب اور لوگوں کو مبارک باد دینے ان کی ماتم پرسی کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے سے آدمی محروم رہ جاتا ہے اور ان کاموں میں اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں اور رسم و رواج' نفاق' بناوٹ وغیرہ کی خرابیاں ان میں پیدا ہو چکی ہیں- کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو ان کاموں کی آفات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے- ایسے لوگوں کے لیے گوشہ نشینی بہتر ہے اور بہت سے سلف صالحین نے ایسا ہی کیا ہے یہ سب کچھ انہوں نے اپنی آخرت کی سلامتی کے لیے کیا ہے- کیونکہ انہیں سلامتی گوشہ نشینی میں ہی نظر آئی-

چھٹی آفت : یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے میں ایک قسم کی تواضع و انکساری پائی جاتی ہے اور گوشہ نشینی میں تکبر بھی پیدا ہو سکتا ہے- عین ممکن ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرنے کا باعث تکبر اور سرداری کا خیال ہی ہو- ایسے شخص کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ وہ تو کسی کی زیارت اور ملاقات کو نہ جائے لیکن لوگ اس کی زیارت اور ملاقات کو آئیں-

حکایت : منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا دانا آدمی تھا جس نے حکمت اور دانائی کی باتوں میں تین سو ساٹھ کتابیں لکھی تھیں- آخر کار اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ میرا اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں بہت بڑا درجہ ہے اس زمانے کے پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی- کہ اس سے کہہ دو- کہ تو نے روئے زمین پر اپنی شہرت کروا دی ہے- میں تیری کسی بات کو بھی قبول نہیں کرتا- تو اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور اس خیال سے توبہ کی اور ایک الگ کونے میں جا بیٹھا- اور کہا اب خدائے تعالیٰ مجھ سے خوش ہو گیا- پھر وحی آئی کہ میں اس سے خوش نہیں ہوں- تو وہ خلوت خانے سے باہر آیا اور بازاروں میں جانا اور لوگوں سے میل جول کرنا شروع کیا اور ان کے ساتھ نشست و برخاست اور کھانا پینا شروع کر دیا- اس وقت خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اب میں تجھ سے خوش ہوں اور تو نے مجھے پا لیا ہے-

پس جان لو کہ جو شخص تکبر کی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ مجمعوں اور محفلوں اور مجلسوں میں لوگ اس کی عزت نہیں کرتے یا اس بات سے ڈرتا ہے کہ لوگ اس کے علم یا عمل میں کسی خرابی سے واقف ہو جائیں گے اور اس طرح اس کوتاہی کا پرداچاک ہو جائے گا اور ہمیشہ اس آرزو میں رہے۔ کہ لوگ اس کی زیارت کرنے آئیں اور اسے بابرکت جانے اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیں تو یہ گوشہ نشینی عین نفاق ہے اور اس بات کی ایک علامت یہ ہے کہ گوشہ نشینی حق اور خیر کے لیے ہے۔ اس لیے تنہائی کے کونے میں بے کار نہ بیٹھا رہے۔ بلکہ ذکر و فکر میں مشغول رہیں یا علم و عبادت میں۔ دوسری علامت یہ ہے کہ لوگوں کے اس کی زیارت کے لیے آنے کو برا جانے۔ البتہ اس شخص کے اپنے پاس آنے کو برا نہ جانے جس سے دینی فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوالحسن حاتمی جو خواجگان طوس میں سے تھے۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہما جو اونچے درجے کے اولیاء میں سے تھے سلام عرض کرنے کے لیے گئے جب ان کے پاس پہنچے تو عذر کرنے لگے کہ میں کوتاہی کرتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں بہت کم پہنچتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خواجہ صاحب عذر خواہی نہ کیجئے۔ کیونکہ لوگ زیارت کے لیے آنے کو احسان سمجھتے ہیں اور میں نہ آنے کو احسان سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ہمیں کسی بڑے آدمی کے ہمارے پاس آنے کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہمیں تو ایک ہی شخصیت کے آنے کی پرواہ ہے۔ یعنی عزرائیل فرشتے کے آنے کی ایک امیر آدمی حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گیا اور کہا۔ آپ کوئی حاجت اور ضرورت رکھتے ہیں۔ فرمایا ہاں اور وہ یہ ہے کہ آئندہ تو مجھے نہ دیکھے اور میں تجھے نہ دیکھوں اور جاننا چاہیے کہ اس لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں۔ بہت بڑی جہالت ہے کیونکہ کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ مخلوق کا کوئی کام بھی میرے اختیار میں نہیں ہے اور وہ اس بات کو بھی جانے کہ اگر کسی پہاڑ کی چوٹی پر چلا جائے گا تو نکتہ چین آدمی یہ کہے گا کہ یہ نفاق میں مبتلا ہے اور اگر شراب خانے جائے گا تو جو اس کے دوست اور مرید ہیں اس کی ملامت اور برائی کریں۔ تاکہ اپنے آپ کو لوگوں کی آنکھوں سے گرادے۔ بہر حال لوگوں کے ایسے آدمی کے حق میں دو گروہ بن جاتے ہیں کچھ اس کو اچھا کہیں گے کچھ برا کہیں گے۔ اس لیے چاہیے کہ دل دین میں لگائے نہ کہ لوگوں میں حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو کسی کام کا حکم دیا۔ اس نے کہا میں لوگوں کی طعن و تشنیع کے خوف سے یہ کام نہیں کر سکتا۔ حضرت سہل نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ کوئی شخص بھی اس کام کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ جب تک اپنے اندر دو باتیں پیدا نہ کرے۔ یا تو ساری مخلوق اس کی آنکھوں میں کچھ حیثیت نہ رکھتی ہو کہ وہ خالق کے سوا کسی کو نہ دیکھتا ہو یا اس کا نفس اس کی نگاہ سے گر چکا ہو اور اسے کوئی پرواہ نہ ہو اور لوگ اسے جس حال میں بھی دیکھیں اس کا خیال نہ ہو۔

حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ ایک گروہ آپ کی مجلس میں آتا ہے اور آپ کی باتیں یاد کرتا ہے کہ آپ پر اعتراض کرے اور آپ کے عیب تلاش کرے آپ نے فرمایا کہ جب سے میرے نفس میں فردوس اعلیٰ کا اور خدائے تعالیٰ کے پڑوس میں رہنے کا شوق پیدا ہو چکا ہے۔ لوگوں کی طرف سے سلامتی کا خیال نکل چکا ہے۔

کیونکہ لوگوں کی زبان سے تو ان کا خالق بھی سلامت نہیں۔رہا۔ مختصر یہ کہ تو نے گوشہ نشینی کے فائدے اور نقصانات جان لیے ہیں۔ ہر آدمی کو چاہیے کہ اپنا محاسبہ کرے اور اپنے آپ کو ان فوائد و آفات کے سامنے پیش کرے۔ تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے لیے گوشہ نشینی بہتر ہے یا لوگوں میں رہنا۔

گوشہ نشینی کے آداب: جب کسی نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تو چاہیے کہ یہ نیت کرے کہ میں اس گوشہ نشینی کے ذریعے اپنے شر سے لوگوں کو بچاتا ہوں اور لوگوں کے شر سے اپنے آپ کو بچاتا ہوں اور اس کی یہ نیت بھی ہو کہ عبادت الٰہی کے لیے فراغت حاصل کرنا چاہتا ہے اور چاہیے کہ کوئی لمحہ بھی بے کار نہ جانے دے بلکہ ذکر و فکر اور علم و عمل میں مشغول رہے اور لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت بھی نہ دے اور گوشہ نشینی میں بیٹھ کر اپنے شہر کے بڑے بڑے لوگوں کے حالات بھی دریافت نہ کرے کیونکہ جو چیز بھی وہ سنے گا اس کی تخم ریزی اس کے اپنے سینے میں بھی ہو جائے گی اور چاہیے کہ خلوت کے درمیان سر اپنے سینے کی طرف رکھے اور خلوت میں سب سے بڑا کام یہ ہے کہ نفسانی خیالات کو بالکل کاٹ کر رکھ دے۔ تاکہ ذکر الٰہی نکھر جائے اور صاف ہو جائے اور لوگوں کی باتیں اور حالات پوچھنا نفس کی باتوں کا ختم اور بیج ہے۔ اور چاہیے کہ گوشہ نشینی کی حالت میں مختصر خوراک اور معمولی لباس پر کفایت کرے وگرنہ لوگوں کے میل جول سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور چاہیے کہ ہمسایوں کے رنج اور تکلیف پر صبر و ضبط سے کام لے اور اس کی جتنی بھی صفت یا مذمت کریں اس طرف کان نہ لگائے اور دل کو اس میں مبتلا نہ کرے اور اگر اسے گوشہ نشینی کی حالت میں لوگ منافق اور ریاکار کہیں یا مخلص اور متواضع کہیں اور اسے متکبر اور مکار کہیں تو بھی ان باتوں پر کان نہ دھرے کیونکہ ان باتوں میں پڑنا اپنے سارے قیمتی وقت کو برباد کرنا ہے اور گوشہ نشینی سے مقصود یہ ہے کہ آخرت کے کاموں میں مشغول اور مستغرق رہے۔
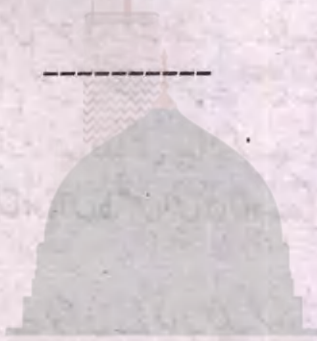
ساتویں اصل سفر کے آداب میں

جاننا چاہیے کہ سفر دو طرح کا ہے - ایک باطن کا سفر اور ایک ظاہر کا سفر - باطن کا سفر دل کا سفر ہے جو آسمانوں اور زمین اور خدائے تعالیٰ کی کاریگری کے عجائبات میں اور دین کے راستے کی منزلوں میں ہوتا ہے - اور مردوں کا سفر یہی ہے کہ جسم سے تو گھر میں بیٹھے ہوتے ہیں اور دل سے بہشت میں جس کی کشادگی سات آسمانوں اور زمین کی مقدار کے برابر ہے - بلکہ اس سے بھی زیادہ کھلی فضا میں گھومتا ہے کیونکہ ملکوت کے عالم عارفوں کی بہشت ہے یہ ایسی بہشت ہے کہ اس میں ممانعت رکاوٹ اور تصادم کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی - اللہ تعالیٰ اس ملک کی طرف سفر کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ

کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے بادشاہوں کو نہیں دیکھا اور ان چیزوں کو بھی جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں -

اور جو شخص یہ سفر اختیار نہ کر سکے اسے چاہیے کہ ظاہر سفر اختیار کرے اور بدن کو ہر ایسی جگہ لے جائے جہاں اسے فائدہ ہوتا ہے - اس شخص کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو اپنے پاؤں سے چل کر کعبے جائے تاکہ اس کی ظاہری عمارت کو دیکھے اور اس دوسرے کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو ایک جگہ بیٹھا ہو اور کعبہ اس کے پاس آئے اور اس کے گرد طواف کرے اور اپنے اسرار و رموز اس سے بیان کرے - ان دونوں آدمیوں میں بڑا فرق ہے - اسی بات کو بیان کرتے ہوئے شیخ ابو سعید فرماتے تھے کہ نامرد لوگوں کے تو پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں اور مردوں کی سرینوں میں -

اس کتاب میں ظاہری سفر کے آداب دو بابوں میں بیان کرتے ہیں - کیونکہ باطنی سفر کی شرح بڑی دقیق اور باریک ہے - یہ کتاب اس کی شرح کی متحمل نہیں ہو سکتی -

باب اول سفر کی نیت اور اس کے اقسام و آداب کے بیان میں دوسرا باب سفر کے علم اور اس میں رخصت کے بیان میں -
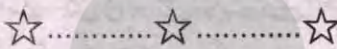
باب اوّل

نیت سفر اور اس کے انواع و آداب کا بیان!

فصل اول : اقسام سفر کے بیان میں : سفر پانچ طرح کا ہوتا ہے- قسم اول علم کی تلاش میں سفر کرنا- یہ سفر فرض ہے جب کہ علم کا سیکھنا فرض یا سنت ہو- جس علم کا حاصل کرنا سنت ہوتا ہے اس کے لیے سفر تین طرح کا ہوتا ہے- ایک یہ کہ شرع کے مسائل سیکھنے کے لیے سفر کرے- حدیث مبارک میں ہے کہ جو شخص تلاش علم میں گھر سے نکلتا ہے وہ گھر واپس آنے تک خدائے تعالیٰ کے راستے میں ہوتا ہے- حدیث میں ہے کہ اس طالب علم کے پاؤں کے نیچے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں- سلف صالحین میں سے ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے ایک حدیث کے لیے لمبا لمبا سفر کیا ہے- حضرت شبعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص شام سے یمن تک کا سفر کرے صرف ایک کلمہ سیکھنے کے لیے جو اس کے دین میں فائدہ مند ہو اور جو علم کہ بندے کو دنیا سے آخرت کی طرف اور حرص سے قناعت کی طرف ریا سے اخلاص کی طرف اور مخلوق سے ڈرنے کے بجائے خالق سے ڈرنے کی طرف راغب نہ کرے- وہ نقصان اور خسارے کا موجب ہے-

علم سنت کے لیے سفر کی دوسری وجہ : یہ ہے کہ سفر اپنی ذات اور اپنے اخلاص کو پہنچاننے کے لیے ہو تاکہ اپنی صفات مذمومہ کے علاج میں مصروف ہو سکے اس غرض کے لیے سفر کرنا بھی بڑا ضروری ہے- کیونکہ انسان جب تک گھر میں ہی رہتا ہے اور اس کے کام اس کی منشاو مراد کے مطابق ہوتے رہتے ہیں- وہ اپنے آپ کو نیک گمان کرتا ہے- سفر اختیار کرنے سے اس کے باطنی اخلاق سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اپنی کمزوری' بدخوئی اور اپنے عجز و بے بسی کو پہچان لیتا ہے اور جب علت اور مرض معلوم ہوتا ہے تو انسان اس کے علاج کے لیے بھی تیار ہو جاتا ہے اور جس نے سفر کی صعوبتیں برداشت نہیں کی ہوتیں وہ بہت سے اہم کاموں سے رہ جاتا ہے-

حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اے گروہ علماء سفر کی دقتیں برداشت کرو تاکہ پاک ہو سکو- کیونکہ جو پانی ایک جگہ کھڑا رہتا ہے گندہ ہو جاتا ہے-

تیسری وجہ : یہ ہے کہ اس لیے سفر اختیار کرے تاکہ خشکی اور تری کو پہاڑوں بیابانوں اور مختلف ممالک میں پھیلی

ہوئی خدائے تعالیٰ کی صنعتوں اور قدرتوں کو دیکھے اور حیوانات' نباتات وغیرہ اطراف عالم میں پائی جانے والی عجیب عجیب مخلوقات کو پہنچانے اور جانے کہ سب اپنے خالق کی تسبیح و تقدیس میں رطب اللسان ہیں اور اس کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی گواہی دے رہے ہیں اور جس خوش قسمت انسان کی وہ آنکھ کھل چکی ہو جس سے وہ جمادات کی باتیں جو نہ حرف رکھتی ہیں نہ آواز سن سکے اور خط خداوندی جو تمام موجودات کے چہرہ پر لکھا ہوا ہے جو نہ حرف ہے اور نہ تحریر ہے کہ پڑھ سکے اور ان سے اسرار مملکت کی شناخت کر سکے تو اس کی حاجت نہیں کہ جہاں کے گرد طواف کرتا پھرے۔ بلکہ وہ ملکوت آسمانی پر نگاہ ڈالے جو دن رات اس کے گرد طواف کر رہے ہیں اور اپنے عجائبات کے اسرار و رموز اس سے بیان کر رہے ہیں اور پکار رہے ہیں کہ :

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۞

آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ گذرتے ہیں۔ مگر ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

بلکہ اگر کوئی شخص صرف اپنی پیدائش اور اپنے اعضاء و صفات پر نگاہ ڈالے تو ساری عمر اپنے آپ کو ہی عجائب و غرائب کو نظارہ گاہ بنا لے۔ مگر یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ظاہری نگاہ سے گزر کر دل کی آنکھ کھول کر دیکھے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "لوگ کہتے ہیں کہ اپنی آنکھیں کھولو تاکہ عجائبات قدرت تم کو نظر آئیں۔"

دونوں باتیں حق اور درست ہیں۔ کیونکہ منزل اول یہ ہے کہ اپنی ظاہری آنکھ کھولے اور ظاہری عجائبات کا نظارہ کرے۔ اس کے بعد دوسری منزل میں داخل ہوگا۔ جس میں باطنی عجائبات کو دیکھے گا۔ اور ظاہری عالم کے عجائبات کی تو حد اور انتہا ہے۔ کیونکہ اس کا اجسام سے تعلق ہے اور وہ متناہی ہیں۔ مگر عالم باطن کے عجائبات کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق ارواح و حقائق سے ہے اور حقائق کی کوئی انتہا نہیں اور ہر صورت کی ایک حقیقت اور روح ہے۔ صورت کو دیکھنے چشم ظاہر کا کام ہے اور حقیقت کا معائنہ کرنا چشم باطن کو نصیب ہوتا ہے اور صورت انتہائی مختصر چیز ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص زبان کو دیکھ کر گمان کرے جو کہ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے اور دل کو دیکھ کر خیال کرے کہ سیاہ خون کا ایک ٹکڑا ہے تو خیال کرو کہ ظاہری آنکھ کا زبان اور دل کی حقیقت کے سامنے کس قدر تھوڑا حصہ ہے تمام اجزاء کی اور ذرات عالم کی نوعیت ایسی ہی ہے کہ ظاہر میں مختصر دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ان کی حقیقت کی کوئی انتہا نہیں اور جس شخص کو صرف ظاہری آنکھ ہی ملی ہے اس کا مرتبہ گائے بھینس کے مرتبے کے قریب ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ بعض چیزوں میں ظاہری آنکھ کی چاہی ہے۔ اسی وجہ سے تخلیق کائنات کے عجائب دیکھنے کے لیے سفر کرنا خالی از فائدہ نہیں۔

دوسری قسم : عبادت کے لیے سفر کرنا۔ جیسے حج بیت اللہ' جہاد' قبور انبیاء' اولیاء' صحابہ اور تابعین کی زیارت کے لیے سفر' بلکہ علماء اور بزرگان دین کی زیارت کرنا اور ان کے چہروں کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور ان کی دعاؤں کی برکات حاصل کرنا بڑے درجے کی چیز ہے۔ ان کے مشاہدے اور ان کی زیارت کی برکات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی اتباع اور اقتدار کی رغبت

دل میں پیدا ہوتی ہے۔لہذا ان کا دیدار بھی عبادت ہے۔ عبادات کے مختلف شعبے ہیں۔ جب اہل اللہ کی صحبت اور ان کے ارشادات بندے کے ساتھی بن جاتے ہیں تو عبادت کے مختلف فوائد کئی گنا بڑھ جاتے ہیں اور اس نیت و ارادہ کے تحت بزرگوں کے مقامات و مزارات کی زیارت کرنا بھی روا اور درست ہے اور وہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ :

لَاتَشُدُّوا الرِّحَالُ اِلاَّ اِلیٰ ثَلاَثَةِ مَسَاجِد — نہ کجاوے کسو (سفر اختیار کرو) مگر تین مسجدوں کے لیے

یعنی مسجد خانہ کعبہ مسجد مدینہ منورہ اور مسجد بیت المقدس۔ آپ کا ارشاد مبارک دراصل اس امر کی دلیل ہے کہ صرف بعض جگہوں اور مسجدوں کو متبرک نہ جانو۔ کیونکہ اس امر میں سب برابر و مساوی ہیں۔ ماسوائے ان تین مذکورہ مساجد کے۔ لیکن جس طرح زندہ علماء کرام کی زیارت کو جانا اس ممانعت میں داخل نہیں اسی طرح وصال یافتہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مزارات مقدسہ کی زیارت کو جانا بالکل روا اور درست ہے۔

تیسری قسم : اس لیے سفر اختیار کرنا کہ بندہ دین میں خرابی پیدا کرنے والے اسباب سے دور بھاگ سکے۔ جیسے جاہ و مال حکمرانی اور مصروفیات دنیا وغیرہ۔ یہ سفر اس شخص پر فرض ہے جس کے لیے ان اسباب کی وجہ سے دین کے راستے پر چلنا دشوار ہو چکا ہو۔ یا مشاغل و نیا فراغت کے ساتھ اسے راہ دین پر چلنے میں رکاوٹ بنیں اس طرح انسان اگرچہ مکمل طور پر اپنی ضروریات و حاجات سے فارغ نہیں ہو سکتا تاہم بہت حد تک مصروفیات کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے :

قَدْ نجا المخففون — ہلکے پھلکے لوگ نجات پا گئے۔

مصروفیات کے بوجھ سے اگرچہ کلیتہً فراغت نصیب نہیں ہو سکتی پھر بھی کم بوجھ والے لوگ اپنے مقصد کے راستے پر چل نکلتے ہیں اور جو شخص لوگوں کے اندر شان و شوکت اور ان کے ساتھ جان پہچان رکھتا ہو۔ تو غالب یہی ہے کہ یہ باتیں اسے خدائے تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس زمانہ میں بالکل غیر متعارف انسان کو بھی بہت سے خطرات لاحق ہیں۔ جان پہچان والا آدمی ان خطرات سے کس طرح نجات پا سکتا ہے یہ ایسا زمانہ ہے کہ تیری جس سے بھی واقفیت و آشنائی ہو اس سے دور بھاگ جائے اور ایسی جگہ چلا جائے جہاں لوگ تجھے پہچانتے نہ ہوں لوگوں نے حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ توبرا پشت پر اٹھائے جا رہے ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ فرمایا فلاں گاؤں میں جا رہا ہوں کہ وہاں خوراک سستے داموں دستیاب ہوتی ہے۔ لوگوں نے کہا آپ بھی اس مقصد کے لیے سفر کو درست جانتے ہیں۔ فرمایا جہاں معیشت فراخ ہوتی ہے وہاں دین زیادہ سلامت رہتا ہے اور دل کو زیادہ فراغت نصیب ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ آپ ایک شہر میں چالیس روز سے زیادہ قیام نہ فرماتے۔

چوتھی قسم کا سفر: سفر تجارت ہے جس سے مقصود دنیا طلبی ہوتی ہے۔ یہ سفر مباح ہے اور اگر نیت یہ ہو کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو لوگوں کی محتاجی سے بے نیاز کرے تو یہ سفر طاعت بن جاتا ہے اور اگر مقصد زیبائش و آرائش اور تفاخر کے لیے دنیا جمع کرنا ہو تو یہ سفر راہِ شیطان میں شمار ہو گا۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ شخص ساری عمر سفر کی تکلیف و مشقت میں ہی رہے گا۔ کیونکہ دنیا کی حرص کی کوئی انتہا نہیں اور آخر کار ڈاکو اچانک حملہ کر کے اس کا سارا مال لوٹ کر لے جائیں گے۔ یا کسی اجنبی ملک میں اس کی موت آجائے گی اور اس کے مال پر وہاں کا بادشاہ قبضہ کر لے گا اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس کا مال وارث لے لے اور پھر اسے اپنی نفسانی خواہشات میں صرف کرے اور اس مال کمانے والے کو کبھی یاد بھی نہ کرے۔ اور مال والا مرتے وقت وصیت کر گیا ہو تو اس پر عمل نہ کرے۔ یا اپنے ذمے قرض چھوڑ گیا ہو اور وارث اسے ادا نہ کرے اور آخرت کا وبال اس کی گردن پر رہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی خسارے کی بات نہیں کہ مال اکٹھا کرنے کی مشقت بھی برداشت کرے پھر آخرت کا وبال بھی اس کے سر پڑے اور فائدہ اور راحت دوسرا آدمی اٹھائے۔

پانچویں قسم کا سفر: تماشا بینی اور تفریح کے لیے سفر ہے۔ یہ سفر مباح ہے جبکہ تھوڑا اور کبھی کبھی ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص شہروں میں گھومنے کی عادت بنا لے اور اس کے ماسوائے اس کے کوئی غرض و غایت نہ ہو کہ نئے نئے شہروں اور لوگوں کو دیکھے۔ تو اس سفر میں لوگوں کا اختلاف ہے ایک گروہ علماء کا خیال ہے کہ یہ بے مقصد اپنے آپ کو رنج و تکلیف میں مبتلا کرنا ہے جو نہیں چاہیے اور ہمارے نزدیک یہ سفر حرام نہیں ہے کیونکہ تماشا بینی بھی ایک غرض ہے۔ اگرچہ خسیس درجے کی ہے اور جواز و اباحت ہر شخص کے حال کے مطابق ہوتا ہے اور جب آدمی اس طرح کا خسیس الطبع ہو تو اس کی غرض بھی خسیس اور ادنیٰ نوعیت کی ہو گی۔ لیکن گدڑی پہننے والے ایسے ملنگ جنھوں نے یہ عادت بنالی ہوتی ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے ہیں اور ان کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ کسی مرشد حقانی کی خدمت میں پابندی کے ساتھ قیام کریں بلکہ محض کھیل تماشا مقصد ہوتا ہے۔ ان میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ عبادت پر پابندی اور دوام کا مظاہرہ کر سکیں اور ان پر باطن کا راستہ بھی کھلا ہوا نہیں ہوتا اور مقامات تصوف میں کاہلی سستی اور لاف زنی کے باعث یہ طاقت بھی نہیں رکھتے کہ مرشد حقانی کے حکم سے ایک جگہ پابندی سے بیٹھ جائیں۔ اس طرح بیٹھنے کے بجائے شہروں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اور جہاں لقمہ تر میسر آتا ہے۔ وہاں اپنی زیارت کرانے کے لیے قیام کرتے ہیں اور جہاں لقمہ تر میسر نہ آئے وہاں کے خادموں کے حق میں زبان درازی کرتے اور برا بھلا کہتے ہیں اور کسی دوسری جگہ جہاں لقمہ تر کی امید ہوتی ہے، چلے جاتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگ کسی جگہ کی زیارت کا بہانہ تراشتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد زیارت ہے۔ حالانکہ مقصد یہ نہیں ہوتا، اگر یہ سفر حرام نہ ہو، تب بھی مکروہ ضرور ہے اور یہ لوگ اگرچہ نافرمان اور فاسق نہ بھی ہوں تب بھی برے لوگ ہیں اور جو شخص صوفیا کا کھانا کھائے پھر دست سوال دراز کرے اور اپنے آپ کو

صوفیوں کی شکل و صورت میں ظاہر کرے- فاسق و عاصی ہے اور جو کچھ لوگوں سے حاصل کرتا ہے- حرام حاصل کرتا ہے- کیونکہ ہر گدڑی پوش اور پانچ وقت کا ہر نمازی صوفی نہیں ہو سکتا- صوفی وہ ہے جو اپنے مقصد کی طلبِ صادق رکھتا ہو اور اس کے حاصل کرنے میں مصروف ہو- یا مقصد کو پا چکا ہو- یا اس کی کوشش میں ہو اور ضرورت شدید کے بغیر اس میں کوتاہی نہ کرے- یا اس گروہ صوفیا کی خدمت میں مصروف و مشغول ہو- ان تین قسم کے لوگوں کے علاوہ اور لوگوں کو صوفیاء کا کھانا حلال نہیں ہے اور جو شخص عادل اور ثقہ ہو مگر اس کا باطن مقصد کی طلب و مجاہدہ سے خالی ہو اور صوفیاء کی خدمت میں بھی مشغول نہ ہو- وہ چاہے گدڑی پوش ہو صوفی نہیں کہلا سکتا- اگر کسی شخص نے جیب تراشوں کے لیے کوئی چیز وقف اور مباح کر دی ہو اور ان جیب تراشوں نے صوفیوں کی شکل و صورت کا روپ دھار رکھا ہو- ان کی صفت و سیرت کا ان میں کوئی نشان نہ ہو تو ایسے لوگ اگر کسی کا مال کھائیں تو ان کا یہ فعل سر اسر نفاق اور جیب تراشی میں شامل ہو گا اور ان سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں- جنہوں نے صوفیوں کی چند عبادتیں یاد کر رکھی ہیں اور بے ہودہ گوئی میں مصروف رہتے ہیں اور گمان کیے بیٹھے ہیں کہ اولین و آخرین کا علم ان پر منکشف ہو چکا ہے- اسی علم کی روشنی میں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں- بہت ممکن ہے کہ صوفیوں کی یاد کی ہوئی باتیں اسے اس جگہ پہنچا دیں کہ وہ علم اور علماء کو نگاہِ حقارت سے دیکھنے لگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ شریعت بھی اس کی نگاہ میں مختصر اور معمولی چیز دکھائی دے اور یہ کہنا شروع کر دے کہ شریعت اور علم کی باتیں دین میں کمزور اور ضعیف لوگوں کے لیے ہیں اور جو لوگ مضبوط اور قوی ہو چکے ہیں انہیں کوئی شخص نقصان اور خسارے میں نہیں ڈال سکتا- کیونکہ ان کا دین دو قلے (بہت زیادہ قوت) ہو چکا ہے کوئی چیز اسے نجس و ناپاک نہیں کر سکتی- یہ لوگ جب اس درجہ خرابی کو پہنچ جائیں تو ان میں سے ایک آدمی کو قتل کرنا ہزار کافروں کے قتل کرنے سے افضل ہے- کیونکہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے ملک میں مسلمان اپنے دین کو محفوظ رکھ سکتے ہیں- کیونکہ وہ کافروں سے نفرت کرتے ہیں اور یہ لعنتی گروہ تو اسلام کو اسلام کی زبان سے تباہ کرنا چاہتا ہے اور شیطان نے دین اسلام کو کمزور کرنے کے لیے اس زمانہ میں اس سے زیادہ وسیع جال اور کوئی نہیں بچھایا- ایک کائنات اس جال میں پھنس کر تباہ و برباد ہو چکی ہے-

ظاہری سفر کے آداب: یہ کل آٹھ ہیں-

پہلا ادب: یہ کہ لوگوں کی ناجائز طریقہ پر لی ہوئی چیزیں سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ان کو واپس کرے- جن کی امانتیں اس کے پاس ہیں وہ انہیں واپس دے اور جن لوگوں کا نان و نفقہ اس کے ذمے واجب ہے اس کا انتظام کرے اور حلال توشہ ہاتھ میں کرے اور پھر اتنی مقدار میں ساتھ لے کر چلے کہ راستے کے رفیقوں اور دوستوں کی مدد بھی کر سکے- کیونکہ کھانا کھلانا- اچھی باتیں کرنا اور سفر کے دوران غلط لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا مکارم اخلاق میں سے ہے-

دوسرا ادب: یہ ہے کہ اچھا رفیق اور ساتھی اختیار کرے جو دین میں مددگار ہو اور حضور نبی اکرم ﷺ نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا ہے کہ تین آدمی جماعت ہیں۔ اور حکم دیا ہے کہ ایک شخص کو اپنا امیر مقرر کرلیں۔ کیونکہ سفر میں بہت سے خطرات پیش آتے ہیں اور جو کام کسی کے سپرد داری میں نہ ہو۔ وہ تباہ ہو جاتا ہے اور اگر جہان کا انتظام دو خداؤں کے حوالے ہوتا تو وہ بھی درہم برہم ہو جاتا اور ایسے شخص کو امیر بنائیں جس کے اخلاق بھی اچھے ہوں اور کئی دفعہ سفر بھی کرچکا ہو۔

تیسرا ادب: یہ ہے کہ اپنے رفقاء اور حاضرین کو وداع کرے اور ہر ایک کے لیے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کرے اور وہ یہ ہے:

اَستَودِعَ اللّٰہُ دِینِکَ وَ اَمَانَتِکَ وَ خَوَاتِیمَ عَمَلِکَ — میں اللہ کی امانت میں دیتا ہوں تیرے دین کو اور تیری امانت کو اور تیرے عمل کے خاتمے کو۔

اور رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی شخص آپ کے پاس سے سفر پر روانہ ہوتا تو آپ اس کے لیے مندرجہ ذیل دعا فرماتے۔

زَوَّدَکَ اللّٰہُ التَّقویٰ وَ غَفَرَ ذَنبَکَ وَجَّہُ لَکَ الْخَیرَ مَاتَوَجَّھتَ — اللہ تعالیٰ تجھے پرہیزگاری کا توشہ عطا کرے اور تیرے گناہ کو بخشے۔ اور تیرے لیے خیر اور بھلائی کو بھی اس طرف موڑ دے جدھر کو تو متوجہ ہوا۔

یہ دعا آپ کی ہمیشہ کی سنت ہے اور چاہیے کہ جب وداع کرے تو سب کو خدائے تعالیٰ کے حوالے کرے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ عطا فرما رہے تھے کہ ایک شخص ایک لڑکے کو ساتھ لیے حاضر خدمت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ سبحان اللہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ کہ اس طرح کسی کے ساتھ رہتا ہو جس طرح یہ لڑکا تیرے ساتھ رہتا ہے۔ اس آدمی نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین میں اس لڑکے کے عجیب واقعے سے آپ کو آگاہ کرتا ہوں "میں سفر کو روانہ ہوا جبکہ یہ بچہ میری بیوی کے پیٹ میں تھا۔" بیوی نے مجھے سفر پر روانہ ہوتے وقت کہا۔ "مجھے تو اس حال میں چھوڑ کر جا رہے ہو تو میں نے بیوی سے کہا:

اَستَودِعَ اللّٰہُ مَافِی بَطنِکَ — یعنی جو کچھ تیرے شکم میں ہے میں اسے خدا کے حوالے کرتا ہوں۔

جب میں سفر سے واپس آیا تو اس بچے کی ماں مرچکی تھی۔ ایک رات میں باتوں میں مصروف تھا کہ دور سے آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ میں نے پوچھا۔ "یہ کیسی آگ ہے" لوگوں نے کہا کہ یہ تیری بیوی کی قبر پر آگ جلتی ہے اور ہر رات کو ہم لوگ اسی طرح آگ جلتی دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میری بیوی تو نماز گزار اور روزہ دار تھی اس کی قبر پر آگ جلنے کی کیا وجہ ہے۔ میں

قبر پر گیا اور قبر کو کھولا کہ اس میں کیا ہے- تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چراغ قبر میں جل رہا ہے اور بچہ اس میں کھیل رہا ہے- اسی حالت میں میں نے آواز سنی کہ کہنے والے کہہ رہے ہیں تو نے صرف یہ بچہ ہمارے حوالے کیا تھا- وہ ہم نے تجھے دے دیا- اگر اس کی ماں کو بھی ہمارے سپرد کر جاتا- تو وہ بھی ہم تجھے واپس کر دیتے-

چوتھا ادب : یہ ہے کہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے دو نمازیں ادا کرے- ایک تو نماز استخارہ سفر اختیار کرنے سے پہلے اور یہ نماز اور اس کی دعا مشہور و معروف ہے- دوسری سفر پر روانہ ہوتے وقت چار رکعت ادا کرے- کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا- اور عرض کیا کہ میرا سفر کا خیال ہے اور میں نے وصیت لکھی ہوئی ہے- وہ وصیت باپ کے حوالے کروں یا بیٹے کے یا بھائی کے سپرد کروں- رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص سفر کو روانہ ہوتا ہے اور چار رکعت نماز کو اپنا خلیفہ بنا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر کوئی پسندیدہ عمل نہیں- جبکہ وہ سفر کے لیے سامان باندھ چکا ہو اور اس چار رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھے- اس کے بعد یہ دعا کرے-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَقَرَّبُ بِھِنَّ اِلَیْکَ فَاَخْلُفْنِیْ خَلِیْفَۃً فِیْ اَھْلِیْ وَمَالِیْ وَھِیَ خَلِیْفَۃٌ فِیْ اَھْلِہٖ وَمَالِہٖ دَوَّرَتَ حَوْلَ دَارِہٖ حَتّٰی یَرْجِعُ اِلٰی اَھْلِہٖ

اے اللہ میں تیرا قرب چاہتا ہوں- اس چار رکعت نماز کے ساتھ- پس نائب بنا تو ان کو میرے اہل میں اور میرے مال میں اور یہ چار رکعتیں اس کے اہل اور اس کے مال میں اس کا نائب بنی رہتی ہیں اور اس کے واپس آنے تک اس کے گھر کے گرد گھومتی رہتی ہیں-

پانچواں ادب : یہ ہے کہ جب سفر کی نیت سے گھر کے دروازے سے باہر قدم رکھے تو کہے :

بسم الله وبالله توكلت على الله ولاحول ولاقوة الا بالله رب اعوذبک ان اضل او اضل او اظلم او اظلم او اجهل او يجهل على

میں اللہ کے نام سے سفر کرتا ہوں اور اللہ کی ذات پر ہی میرا توکل اور بھروسہ ہے اور برائی سے بچنے کی طاقت نہیں اور نہ نیک کام کرنے کی مجھے طاقت ہے مگر اللہ کی مدد اور توفیق سے- اے میرے پروردگار میں پناہ لیتا ہوں تیرے پاس اس بات سے کہ میں کسی کو گمراہ کروں یا کوئی مجھے گمراہ کرے اور اس بات سے کہ میں کسی پر ظلم کروں- یا کوئی مجھ پر ظلم کرے اور اس بات سے کہ میں کسی کے ساتھ بد دماغی سے پیش آؤں یا کوئی میرے ساتھ بد دماغی سے پیش آئے-

اور جب سواری پر بیٹھے تو کہے :

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّالَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْن

پاک ہے اللہ کے لیے جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کر دیا- ہم اس کو تابع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ہم لوگ اپنے پروردگار کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں-

چھٹا ادب : یہ ہے کہ کوشش کرے کہ سفر جمعرات کے دن صبح کے وقت اختیار کرے- کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ سفر کا آغاز جمعرات کے دن کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جو آدمی سفر پر جانا چاہے یا کسی سے کوئی مقصد حاصل کرنا چاہے تو چاہیے کہ صبح کے وقت کرے- کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی ہے کہ :

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِهَا یَوْمَ السَّبْتِ

اے اللہ میری امت کے لیے ہفتے کے دن صبح کے وقت میں برکتیں ڈال دے-

تو ہفتے اور جمعرات کے روز صبح کا وقت سفر کے لیے مبارک ہے-

ساتواں ادب : یہ ہے کہ سواری کے جانور پر کم بوجھ لادے اور اس کی پشت پر کھڑا نہ ہو- (یعنی سواری کا جانور کھڑا کر کے اس کی پشت پر بیٹھے ہوئے کسی کے ساتھ باتوں میں مصروف نہ ہو جائے) اور نہ اس کی پشت پر سوئے (کیونکہ نیند کی حالت میں جسم کا بوجھ زیادہ محسوس ہوتا ہے) اور نہ ہی سواری کے منہ پر مارے اور صبح اور شام کے وقت نیچے اتر کر چلے تاکہ اس کے پاؤں ہلکے ہو سکیں اور سواری بھی ذرا سستا لے- اور سواری کے مالک کو بھی خوش رکھے- بعض سلف صالحین کسی جانور کو جب سواری کے لیے کرائے پر لیتے تو یہ شرط لگاتے کہ ہم پورے سفر میں سواری سے نیچے نہیں اتریں گے- پھر جب سوار ہو کر چل پڑتے تو راستے میں نیچے اتر آتے تاکہ وہ اترنا جانور کے حق میں صدقہ بن جائے اور جس سواری کو بلاوجہ ماریں گے اور بوجھ بھی زیادہ لادیں گے تو قیامت میں وہ سواری اس سے جھگڑے گی-

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اونٹ مر گیا- آپ نے اس سے فرمایا اے اونٹ اللہ کے حضور میرا کوئی گلہ شکوہ نہ کرنا کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ میں نے طاقت سے زیادہ تجھ پر بوجھ نہیں رکھا- اور چاہیے کہ جو کچھ سواری پر لادے سواری والے کو پہلے دکھا دے- اور اس سے شرط کر لے تاکہ اس کی رضامندی حاصل ہو جائے- پھر طے شدہ بات سے زیادہ کوئی چیز اس پر نہ رکھے- کیونکہ یہ نامناسب ہے-

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے کسی شخص نے آپ کو خط دیا کہ فلاں آدمی کو دے دینا- آپ نے وہ خط نہ لیا اور فرمایا کہ میں نے سواری والے سے یہ شرط نہیں کی ہوئی اور آپ فقہاء کی تاویلوں میں نہ پڑے

کہ خط کا تو کوئی وزن نہیں ہوتا اور نہ اس کی کوئی لمبائی چوڑائی ہوتی ہے جو جگہ کو گھیرے آپ کا ایسا کرنا کمال تقویٰ کی بنا پر تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور علی الصلوٰۃ والسلام سفر پر روانہ ہوتے تو کنگھی شیشہ مسواک اور سرمہ دان اور بالوں کو صاف کرنے والی چیز اپنے ساتھ لے کر چلتے۔ اور ایک روایت میں ناخن اتارنے والے آلے کا بھی آیا ہے اور صوفیائے کرام نے ان چیزوں کے ساتھ رسی اور ڈول کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن سلف کی یہ عادت نہیں تھی۔ وہ لوگ جہاں پہنچتے تھے اگر پانی میسر نہ آتا تو تیمم کر لیتے تھے اور استنجے کے لیے صرف پتھروں سے ضرورت پوری کر لیتے تھے اور جس پانی میں بھی ان کو نجاست نظر نہ آتی اس سے وضو کر لیتے تھے۔ سلف صالحین کی اگرچہ رسی اور ڈول ساتھ رکھنے کی عادت نہ تھی مگر ان لوگوں یعنی اس دور کے صوفیوں کے لیے بہتر ہے کہ ساتھ لے کر چلیں کیونکہ ان کا سفر ان کی طرح احتیاط والا سفر نہیں ہوتا۔ اگرچہ احتیاط اچھی چیز ہے سلف صالحین کا زیادہ تر سفر غزوہ و جہاد اور بڑے بڑے کاموں کے لیے ہوتا تھا۔ ان کے لیے اس طرح کی احتیاط کرنا مشکل ہوتا تھا۔

آٹھواں ادب : یہ ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ منورہ پر آپ کی نگاہ پڑتی تو فرماتے :

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِھَا قَرَارًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا — اے اللہ اس شہر کو ہمارے لیے جائے قرار بنا اور ہمیں عمدہ رزق عطا فرما۔

پھر کسی شخص کو اپنے آگے گھر روانہ فرماتے اور بلا اطلاع اور اچانک گھر پہنچنے سے منع فرماتے دو آدمیوں نے اس ممانعت کی خلاف ورزی کی اور اچانک اپنے گھروں میں داخل ہوئے تو دونوں نے اپنے اپنے گھروں میں ایسی ناپسندیدہ حالت دیکھی جس سے ان کو دکھ ہوا اور جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ اور جب گھر کی طرف روانہ ہوتے تو فرماتے :

تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا لَا یُغَادِرُ عَلَیْنَا حُوْبًا — ہم لوگ اپنے رب کے حضور باربار ایسی خالص توبہ کرتے ہیں۔ جو ہمارے تمام گناہوں کو مٹا دے۔

اور اپنے اہل خانہ کے لیے کچھ نہ کچھ تحفہ لانا سنت موکدہ ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اگر کچھ بھی ساتھ نہ لائے تو تھیلے میں پتھر ہی ڈال کر لے آئے اور اس سنت کی تاکید کی ایک مثال ہے۔ یہ ہیں ظاہری سفر کے آداب۔

باطنی سفر میں خواص کے آداب : یہ ہیں کہ یہ حضرات اس وقت تک سفر اختیار نہیں کرتے جب تک یہ نہ جان لیں کہ سفر ان کے لیے دین کی ترقی کا ذریعہ بنے گا اور جب راستے میں اپنے دل کے اندر کوئی نقص یا عیب محسوس کرتے ہیں تو واپس لوٹ کر آجاتے ہیں اور سفر کو جاتے وقت نیت کرتے ہیں کہ جس شہر میں بھی جائیں گے وہاں کے

بزرگوں کے مزارات کی زیارت کریں گے اور وہاں کے بزرگوں کو تلاش کر کے ان سے استفادہ کریں گے اور یہ بات نہیں کہتے کہ ہم نے مشائخ کو دیکھا ہوا ہے اور ہم کو ان سے ملنے کی ضرورت نہیں اور کسی شہر میں بھی دس دن سے زیادہ قیام نہیں کرتے ماسوائے اس کے کہ کوئی شیخ و بزرگ مقصد کے تحت زیادہ دن ٹھہرنے کا اشارہ کرے اور اگر کسی بھائی کی زیارت کو جائے تو اس کے پاس تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے کہ مہمانی کی حد اسی قدر ہے۔ ہاں اگر وہ جانے سے رنجیدہ ہو تو زیادہ دن قیام کر سکتا ہے۔ اور جب کسی پیر حقانی کے پاس جائے تو ایک دن رات سے زیادہ نہ ٹھہرے جب کہ مقصود صرف اس کی زیارت ہو۔ اس سے پہلے کسی اور کام کو شروع نہ کرے۔ اور جب تک وہ نہ کہے بات چیت شروع نہ کرے۔ اور اگر وہ کسی بات کے متعلق پوچھے تو صرف جواب تک بات کرے اور اگر کوئی سوال کرنا چاہیے تو پہلے اس سے اجازت طلب کرے۔ اور اس شہر میں عیش و عشرت میں نہ پڑ جائے تاکہ زیارت کا ثواب باقی رہے اور راستے میں ذکر و تسبیح میں مشغول رہے۔ اور چپکے چپکے قرآن مجید بھی اس طرح پڑھتا رہے کہ کوئی نہ سنے اور جب کوئی اس سے بات کرے تو اس کے جواب دینے کو تسبیح سے زیادہ اہم خیال کرے۔ اور اگر گھر میں ہی ایسی پیز میں مشغول ہو تو سفر اختیار نہ کرے (جس کے لیے سفر اختیار کرنا چاہتا ہے) کیونکہ یہ نعمت کی ناشکری ہے۔

دوسرا ادب: اس علم کے بیان میں جو مسافر کے لیے سفر پر جانے سے پہلے سیکھنا چاہیے۔ سفر اختیار کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ سفر کی رخصتوں کا علم حاصل کرے۔ اگرچہ اس کا ارادہ یہی ہو کہ رخصت پر عمل نہیں کرے گا پھر بھی رخصت کا علم ہونا چاہیے کیونکہ بسا اوقات رخصت کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اور قبلے اور وقت نماز کا علم بھی سیکھنا چاہیے اور سفر میں طہارت کے اندر دو رخصتیں ہیں۔ موزے کا مسح اور تیمم اور نماز میں قصر اور جمعہ اور سواری پر ہی نماز سنت ادا کرنا اور چلتے ہوئے نماز پڑھنا اور روزے میں ایک رخصت ہے اور وہ روزہ نہ رکھنا ہے اور یہ سات رخصتیں بنتی ہیں۔

رخصت اوّل: موزے کا مسح جس آدمی نے پورا وضو کر کے موزہ پہنا ہو۔ پھر بے وضو ہو جائے تو اس کے لیے موزے کا مسح کرنا جائز ہے۔ بے وضو ہونے کے وقت سے تین دن رات تک مسح کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے اور اگر گھر میں ہی ہو۔ تو ایک دن رات لیکن مسح موزہ کے لیے پانچ شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ پورا وضو کر کے موزہ پہنے۔ اگر ایک پاؤں دھو کر ایک موزہ پہن لے۔ دوسرا پاؤں دھونے سے پہلے تو یہ امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک درست نہیں ہے۔ پس جب ایک پاؤں دھو کر موزہ پہن لیا تو چاہیے کہ موزے سے پہلے پاؤں باہر نکالے اور پہنے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ موزہ ایسا ہو کہ اسے پہن کر عادت کے مطابق کچھ نہ کچھ چل سکتا ہو اور اگر چمڑے کا نہ ہو تو درست نہیں ہے۔ تیسری شرط یہ کہ موزہ ٹخنے تک ہو۔ یعنی ٹخنا بھی چھپ جائے۔ اگر پاؤں کے حصے میں موزے میں کوئی خلل یا سوراخ پیدا ہو جائے تو امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کا مسح کرنا درست نہیں اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ

ہے کہ اگرچہ موزہ پھٹا ہوا ہو۔جب اسے پہن کر چلنا درست ہو تو اس پر مسح جائز ہے اور یہ امام شافعی کا قول قدیم ہے اور ہمارے نزدیک یہی قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ راستے میں موزہ کے پھٹ جانے کے واقعات زیادہ پیش آتے ہیں اور ہر وقت اس کا سینا ممکن نہیں ہوتا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ موزہ پہننے کے بعد پاؤں موزے سے باہر نہ نکالے۔اور جب باہر نکال لیا تو بہتر یہ ہے کہ نئے سرے سے وضو کرے اور اگر پاؤں کے دھونے میں اختصار کیا تو ظاہر مذہب یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے (اختصار سے مراد تین بار سے کم دھونا ہے۔)۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مسح پنڈلی تک نہ کرے۔بلکہ قدم کے حصے پر ہی کرے اور پاؤں کی پشت پر کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ایک ہی انگلی سے مسح کرلے تو بھی کافی ہے۔اور تین انگلیوں سے بہتر ہے اور ایک بار سے زیادہ مسح نہ کرے اور جب سفر پر جانے سے پہلے مسح کر لیا تو ایک دن رات پر ہی مسح کی حد ٹھہرائے۔اور سنت یہ ہے کہ پاؤں میں موزہ پہننے سے پہلے اسے الٹا کر جھاڑ لے۔کیونکہ حضور ﷺ نے ایک پاؤں میں موزہ پہنا۔ایک پرندے نے آپ کے دوسرے موزے کو اٹھایا اور ہوا میں لے گیا۔جب اسے زمین پر پھینکا تو اس سے سانپ نکلا۔اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ جھاڑنے سے پہلے موزہ پاؤں میں نہ پہنے۔

دوسری رخصت : تیمم ہے اور اس کی تفصیل ہم طہارت کی اصل میں بیان کر چکے ہیں۔اس لیے دوبارہ بیان نہیں کرتے تاکہ مضمون لمبا نہ ہو جائے۔

تیسری رخصت : یہ ہے کہ ہر فرض نماز جو چار رکعت ہے دو رکعت ادا کرے مگر اس کے لیے چار شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ نماز وقت میں ادا کرے۔اگر قضا ہو جائے تو صحیح مسئلہ یہ ہے کہ قصر نہ کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قصر کی نیت کرے۔اگر پوری نماز کی نیت کی یا شک واقع ہو گیا کہ پوری نماز کی نیت کی ہے یا نہیں تو لازم ہے کہ چار رکعت پوری پڑھے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس آدمی کی اقتداء میں نماز ادا نہ کر رہا ہو جس نے چار پوری پڑھنی ہیں۔اور اگر اس کی اقتداء میں نماز پڑھے تو چار پوری کرنا ضروری ہے۔بلکہ اگر گمان ہو کہ امام معتبر ہے اور وہ پوری چار پڑے گا۔یا وہ شک میں ہو تو اس صورت میں بھی پوری چار پڑھنا ضروری ہے۔کیونکہ مسافر دوران نماز اصل حقیقت کو نہیں جان سکتا۔لیکن جب جانتا ہو کہ امام مسافر ہے۔مگر شک ہو کہ امام قصر کرے گا یا نہیں تو اس کے لیے قصر کرنا جائز ہے۔اگرچہ امام قصر نہ کرے۔کیونکہ نیت پوشیدہ چیز ہے اور اس کا جاننا کوئی شرط نہیں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ سفر لمبا اور مباح ہو اور مفرور غلام کا سفر اور ڈاکو کا سفر اور حرام روزی تلاش کرنے والے کا سفر

اور ماں باپ کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنے والے کا سفر حرام ہے۔ اسی طرح اس آدمی کا سفر جو قرض مانگنے والے سے بھاگا ہوا ہو۔ حالانکہ وہ قرض ادا کر سکتا ہو۔ مختصر یہ کہ وہ سفر جو کسی ایسی غرض کے لیے ہو۔ جو حرام اور منع ہو تو وہ سفر بھی حرام ہے اور سفر دراز کی تشریح یہ ہے کہ اڑتالیس کوس ہو۔ اس سے کم میں قصر جائز نہیں۔ اور اڑتالیس کوس سولہ فرسخ بنتا ہے اور ہر فرسخ بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے اور سفر کی ابتداء شہر کی عمارتوں سے نکلنے کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس شہر کے خزانے اور باغات سے باہر نہ نکلا ہو اور سفر کی انتہا اپنے وطن کی عمارت میں پہنچ آنے پر ہوتی ہے۔ یا کسی دوسرے شہر میں تین دن یا تین سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لے۔ اور اگر ٹھہرنے کا ارادہ نہ کرے مگر کام کاج کی مصروفیات کے باعث رکا رہے اور نہ جانتا ہو کہ کب کام سے فارغ ہو گا اور ہر روز چلے جانے کی امید ہے اس شہر میں اگرچہ تین دن سے بھی زیادہ وقت گزار لے۔ تو قصر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ مسافر کی طرح ہے کیونکہ دل ٹھہرنے پر قائم نہیں اور نہ ہی ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔

چوتھی رخصت: دو نمازوں کا جمع کرنا ہے۔ لمبے سفر میں جائز ہے کہ نماز ظہر اتنی تاخیر سے پڑھے کہ عصر کی نماز بھی اس سے ملا کر پڑھ لے۔ (یہ مسئلہ شافعی مذہب کے نزدیک ہے۔ حنفی مذہب میں ایسا کرنا جائز نہیں) پھر جمع کرنے کی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ عصر کی نماز پہلے پڑھ لے۔ ظہر کی اس کے بعد۔ اور ظہر و عصر کی طرح نماز مغرب و عشاء میں بھی جمع کرنا جائز ہے۔ (یہ بھی شافعی مذہب کے مطابق ہے۔ مسلک حنفی میں ایسا کرنا روا نہیں۔ چاہیے یہ کہ پہلے نماز ظہر ادا کریں اس کے بعد نماز عصر اور بہتر یہ ہے کہ سنتیں بھی ادا کرے تاکہ سنتوں کی فضیلت فوت نہ ہو۔ کیونکہ اس سے سفر میں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔) کیونکہ سنتیں ادا کرنے میں کوئی زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا۔ لیکن سنت ادا کرنے میں یہ سہولت شرعاً حاصل ہے کہ سواری کی پشت پر بھی ادا کر لے۔ یا چلتے ہوئے ادا کر لے اور سنتوں کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ظہر کی چار سنتیں ادا کرے پھر عصر کی چار سنتیں ادا کرے۔ پھر اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ظہر ادا کرے۔ اس کے بعد اقامت کہہ کہ عصر کے فرض ادا کرے اور اگر تیمم کیا ہو۔ تو دوبارہ تیمم کرے دوسری فرض نماز ادا کرے اور دونوں نمازوں کے درمیان تیمم اور اقامت سے پہلے وقت نہ گزرنے دے۔ پھر ظہر اور عصر کے فرض ادا کرنے کے بعد ظہر کی سنتیں ادا کرے۔ اور جب ظہر کو عصر تک موخر کرے۔ تو بھی ایسا کرے اور اگر نماز عصر ادا کرنے کے بعد سورج غروب ہونے سے پہلے شہر پہنچ جائے تو نماز عصر دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اور مغرب و عشاء کی نماز کا حکم بھی یہ ہے اور ایک قول کے مطابق چھوٹے سفر میں جمعہ ادا کرنا بھی جائز ہے۔

پانچویں رخصت: یہ ہے کہ جس طرح سنت نماز سواری کی پشت پر ادا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اس میں قبلہ کی طرف رخ کرنا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ راستہ ہی قبلے کا بدل ہے۔ اگر ارادۃً بلاوجہ سواری کو راستہ سے قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف موڑے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر سہواً ایسا ہو جائے یا جانور چارہ چرنے میں مصروف ہو جائے تو کوئی حرج

نہیں اور رکوع سجود اشارہ سے کرے اور پشت کو خم کرے- سجدہ میں پشت زیادہ خم کرے اور یہ ضروری نہیں کہ بالکل گر ہی جائے اور اگر زمین پر ہو تو رکوع سجود مکمل کرے-

چھٹی رخصت : یہ ہے کہ چلتے وقت نماز سنت ادا کرے- ابتدائے تکبیر کے وقت منہ قبلہ رخ کرے- کیونکہ یہ آسان کام ہے اور سوار آدمی اشارہ سے رکوع سجود کرے اور تشہد کی حالت میں بھی چلتا جائے اور التحیات پڑھتا جائے اور اس بات کا خیال رکھے کہ پاؤں نجاست پر نہ پڑیں اور اس پر یہ ضروری نہیں کہ نجاست سے بچنے کی خاطر دوسرا راستہ اختیار کرے اور اپنے لیے دشواری پیدا کرے اور جو شخص دشمن سے بھاگ رہا ہو یا صف جہاد میں ہو یا سیلاب اور بھیڑیے وغیرہ درندے سے بھاگ رہا ہو تو چلتے ہوئے یا سواری کی پشت پر ہی نماز ادا کرے- جیسا کہ سنت میں ہم نے بیان کیا ہے اور اس پر قضا واجب نہیں-

ساتویں رخصت : روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور جس مسافر نے روزے کی نیت کر لی ہو- اسے بھی جائز ہے کہ روزہ توڑ دے اور اگر صبح کے بعد سفر کی نیت سے شہر سے باہر نکلا تو اب روزہ توڑنا جائز نہیں- اگر روزہ نہ رکھا ہوا ہو اور کسی شہر میں پہنچے تو کھانا کھانا جائز ہے اور اگر روزہ رکھا ہوا ہو اور کسی شہر میں پہنچا تو اس صورت میں روزہ توڑنا اور کھانا پینا جائز نہیں- اور پوری نماز ادا کرنے سے قصر کرنا زیادہ بہتر ہے تاکہ مخالفت ائمہ کے شبہ سے نکل جائے- کیونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سفر میں پوری نماز ادا کرنا جائز نہیں- لیکن سفر میں روزہ رکھ لینا نہ رکھنے سے افضل ہے تاکہ قضا کے خطرے سے نکل جائے- ہاں اگر جان ہلاک ہونے کا ڈر ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اس صورت میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے- اور ان سات رخصتوں میں سے تین لمبے سفر میں ہوتی ہیں- یعنی قصر کرنا روزہ نہ رکھنا اور تین دن رات موزے پر مسح کرنا اور چھوٹے سفر میں بھی تین رخصتوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہیں سواری کی پشت پر اور چلتے ہوئے سنت نماز ادا کرنا اور جمعہ نہ پڑھنا اور نماز قضا ہونے کے خطرے کے بغیر بھی تیمم کرنا اور دو نمازوں کے جمع کر کے پڑھنے میں آئمہ کا اختلاف ہے- ظاہر یہی ہے کہ چھوٹے سفر میں جمع نہ کرنا چاہیے- مسافر کو سفر پر روانہ ہونے سے قبل ان مذکورہ باتوں کا جاننا ضروری ہیں جبکہ سفر کے دوران کوئی سکھانے والا نہ ہو اور قبلہ کے دلائل کا علم نیز وقت نماز کی دلیل کا علم سیکھنا بھی ضروری ہے تاہم یہ اس صورت میں ضروری ہے کہ جبکہ راستہ میں ایسے گاؤں ہوں جہاں مسجد و محراب ظاہر و نمایاں نہ ہوں- اور اتنی بات بھی علم میں ہونی چاہیے کہ ظہر کے وقت سورج کہاں ہوتا ہے اور اس کے طلوع و غروب کے کیا اوقات ہیں اور قطب ستارہ کہاں واقع ہے اور اگر پہاڑی راستے میں سفر کر رہا ہو تو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ قبلہ داہنی طرف ہے یا بائیں طرف- مسافر کے لیے اس قدر علم کے بغیر چارہ کار نہیں-

----

آٹھویں اصل

سماع اور وجد کے آداب میں

ہم اس کے احکام و مسائل انشاء اللہ العزیز دو بابوں میں بیان کریں گے- پہلا باب اس امر کے بیان میں کہ کون سا سماع حلال ہے اور کون سا حرام ہے- دوسرا باب سماع کے آثار اور اس کے آداب کے بیان میں-

باب اول : سماع کے مباح ہونے اور حرام و حلال ہونے کے بیان میں-

جاننا چاہیے کہ بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایک سر اور راز ہے- جس طرح پتھر میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے- جب لوہے کو زور سے پتھر پر مارتے ہیں تو وہ پوشیدہ آگ ظاہر ہو جاتی ہے اور بسا اوقات سارے صحرا میں پھیل جاتی ہے- اسی طرح موزوں اور سریلی آواز کے سننے سے دل کے گوہر میں جنبش پیدا ہوتی ہے اور اس میں ایسی کیفیات پیدا ہوتی ہیں جن میں آدمی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا- اور اس کا سبب وہ مناسبت ہے جو آدمی کے گوہر کو عالم علوی جسے عالم ارواح کہتے ہیں سے ہے اور عالم علوی عالم حسن و جمال ہے- اور حسن و جمال کی اصل تناسب ہے اور جو کچھ متناسب ہے اس عالم کے حسن و جمال کی نمود کاری سے ہے اور وہ متناسب جو عالم محسوسات میں پایا جاتا ہے- سب اس عالم کے حسن و جمال کا ثمرہ ہے- موزوں و متناسب آواز بھی اس عالم سے مشابہت رکھتی اور اس عالم کے عجائبات میں سے ہے- اس بنا پر دل میں ایک قسم کی آگاہی پیدا ہوتی ہے اور ایک طرح کی حرکت اور شوق ظاہر ہوتا ہے- جسے آدمی محسوس کرتا ہے کہ یہ کیا شے ہے اور صرف اس قدر احساس اس دل میں پیدا ہوتا ہے- جو سادہ اور اس عشق و شوق سے خالی ہوتی ہے- جو بندے کو عالم علوی کے راستے پر ڈالتا ہے اور وہ دل جو عشق و شوق سے خالی نہ ہو بلکہ پہلے سے ہی شوق کی کسی کیفیت سے موصوف ہو تو سریلی آواز سننے سے اس میں مزید حرکت پیدا ہوتی ہے جس طرح آگ کو پھونک مارتے ہیں تو جل اٹھتی ہے اور جس شخص کے دل میں شوق الٰہی کے دل کا راستہ ہو اس کے لیے سماع ضروری ہے تاکہ وہ شوق تیز تر ہو جائے اور جس شخص کے دل میں بری باتوں سے پیار و الفت ہو سماع اس کے لیے زہر قاتل اور حرام ہے-

علماء کرام کا سماع میں اختلاف ہے کہ حرام ہے یا حلال حرام کہنے والے ظاہر بین علماء ہیں جن کے دل میں یہ صورت نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی دوستی فی الواقع آدمی کے دل میں گھس اتی ہے- کیونکہ ظاہر بین عالم یہ کہتا ہے کہ آدمی کی دوستی اپنی جنس سے ہی استوار ہو سکتی ہے- جو چیز آدمی کی جنس سے نہ ہو اور اس کی کوئی نظیر و مثال بھی نہ ہو تو اس سے رشتہ دوستی کیسے استوار ہو سکتا ہے- تو ایسے عالم کے نزدیک صرف مخلوق کی صورتوں سے ہی عشق کیا جا سکتا ہے- کیونکہ اگر عشق خالق کسی صورت یا تشبیہ کے واسطے سے ہو تو یہ باطل ہے اسی بنا پر اچھا لگتا ہے اور یہ دونوں باتیں دین میں مذموم اور بری

ہیں- لیکن اس عالم کا خیال درست نہیں ہے- کیونکہ اس سے یہ دریافت کیا جائے کہ مخلوق کے خدائے تعالیٰ کے ساتھ دوستی کے واجب اور ضروری ہونے کے کیا معنی ہیں تو وہ اس کا معنی خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری اور طاعت کرنے کو قرار دیتا ہے اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس میں ایسے عالم مبتلا ہیں اور ہم رکن منجیات کی کتاب محبت میں اس کی وضاحت کریں گے- یہاں ہم اتنی بات کہتے ہیں کہ سماع کا جواز دل سے حاصل کرنا چاہیے- کیونکہ سماع کوئی ایسی چیزیں پیدا نہیں کرتا جو پہلے سے دل میں موجود نہ ہو- بلکہ صرف اس چیز میں جنبش پیدا کرتا ہے جو پہلے سے اس میں موجود ہوتی ہے اور جس شخص کے دل میں ایسی بات موجود ہو جو شرع میں محبوب اور پسندیدہ ہے اور اس کی تقویت مقصود ہوتی ہے جب سماع اس کی تقویت کا باعث ہوتا ہے- تو اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور جس آدمی کے دل میں کسی باطل اور غلط چیز کا خیال جاگزین ہو جو شرع میں مذموم اور بری ہو تو ایسے آدمی کے لیے سماع عذاب ہے اور جس آدمی کا دل ان دونوں سے خالی ہو اور صرف کھیل تماشے کے طور پر سنے اور طبع کے مطابق اس سے محظوظ ہو تو اس کے لیے سماع مباح ہے- پس سماع کی تین قسمیں ہوئیں-

قسم اول: یہ ہے کہ غفلت دل لگی اور کھیل تماشے کے طور پر سنے- یہ اہل غفلت کا طریقہ ہے اور دنیا سب کی سب لہو لعب اور کھیل تماشا ہے تو سماع کی یہ قسم بھی اسی میں داخل ہے اور یہ کہنا درست نہیں کہ سماع چونکہ خوشی اور مسرت کا موجب ہے اور اچھا معلوم ہوتا ہے- اسی وجہ سے حرام ہے کیونکہ ہر خوشی و مسرت کی بات حرام نہیں ہے اور خوشی و مسرت کی باتوں میں جو حرام ہیں وہ اس وجہ سے حرام نہیں ہیں کہ وہ طبیعت کو اچھی لگتی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کچھ ضرور نقصان ہوتا ہے- ورنہ چڑیوں کی آواز بھی تو اچھی لگتی اور مرغوب ہوتی ہے- حالانکہ حرام نہیں- بلکہ سبزہ زار- بہتا ہوا پانی اور پھول کلیاں وغیرہ اشیاء طبیعت کو اچھی لگتی ہیں اور حرام بھی نہیں ہیں- تو سریلی آواز کان کے حق میں آنکھ کے لیے سبزہ زار اور بہتے ہوئے پانی کی طرح ہیں اور ناک کے لیے خوشبو کی طرح ہے اور قوت ذائقہ کے لیے لذیذ کھانے کی طرح ہے- اسی طرح حکمت کی اچھی اچھی باتیں عقل کے لیے اور ان حواس میں سے ہر ایک کے لیے ایک قسم کی لذت پائی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سب چیزیں تو حرام نہ ہوں لیکن سماع حرام ہو اور اس بات کی دلیل کہ خوشبو اور کھیل تماشا وغیرہ حرام نہیں ہیں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ عید کے دن چند حبشی مسجد کے صحن میں کھیل رہے تھے- (یعنی مسجد کے صحن میں مشق کے طور پر جنگی ہتھیاروں کے ساتھ کچھ کرتب کر رہے تھے) رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو بھی دیکھنا چاہتی ہے میں نے کہا ہاں- تو آپ نے اپنے ہاتھ نیچے کر لیے اور میں نے اپنی ٹھوڑی ان پر رکھی اور میں اتنی دیر دیکھتی رہی کہ آپ نے چند دفعہ فرمایا کہ بس نہیں کرو گی میں نے کہا نہیں یہ حدیث مبارک صحیح ہے اور ہم اسی کتاب میں یہ حدیث پہلے درج کر آئے ہیں- اس حدیث مبارک سے پانچ قسم کی اجازت معلوم ہوتی ہے-

ایک یہ کہ کھیلنا کودنا اور اسے دیکھنا (جبکہ مقصد صحیح کے لیے ہو اور کبھی کبھی ہو) حرام نہیں ہے- اور وہ حبشی اس کھیل کود میں رقص و سرور بھی کر رہے تھے- دوم یہ کہ وہ یہ کام مسجد میں کر رہے تھے- سوم یہ کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر وہاں گئے تو حبشیوں سے فرمایا۔ اے میرے لڑکو کھیل میں مصروف ہو جاؤ۔ یہ آپ کا حکم تھا۔ اگر یہ حرام ہوتا تو آپ کیوں یہ حکم دیتے۔ چہارم یہ کہ آپ نے اس کے دیکھنے کی ابتداء کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم بھی دیکھو گی تو آپ نے گویا تقاضا فرمایا اور یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے سے اسے دیکھ رہی تھیں اور آپ خاموش رہے کیونکہ اس صورت میں بھی یہ گنجائش نکلتی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ آپ نے اس لیے ان کو منع نہ فرمایا تاکہ انہیں رنج نہ پہنچے۔ کیونکہ یہ بات بد خلقی میں داخل ہے۔ پنجم یہ کہ آپ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کافی وقت کھڑے رہے۔ حالانکہ کھیل تماشے کو دیکھنا آپ کا کام نہیں تھا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کی موافقت کے لیے ایسا کرنا تاکہ اس طرح کے کام دیکھ کر ان کا دل خوش ہو۔ نیک اخلاق میں ہے۔ اور یہ بات اپنے آپ کو الگ کر لینے اور اپنی پارسائی ظاہر کرنے سے افضل ہے۔

اور یہ بات بھی صحیح حدیث مبارک میں آئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں ابھی نابالغ بچی تھی اور گڑیوں کو بنا سنوار کر رکھتی تھی۔ جس طرح چھوٹی بچیوں کی عادت ہوتی ہے کچھ اور بچے بھی آجاتے تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے تو بچے وہاں سے بھاگ جاتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو واپس میرے پاس بھیجتے۔ ایک دن آپ نے ایک بچے سے فرمایا کہ یہ گڑیاں کیا ہیں۔ اس نے کہا یہ میری بچیاں ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے جسے تو نے ان کے درمیان باندھا ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا یہ ان کا گھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا اس گھوڑے پر یہ کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یہ اس کے بال و پر ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا گھوڑے کے بال و پر کہاں ہوتے ہیں۔ اس نے عرض کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کے بال و پر تھے۔ یہ بات سن کر رسول اکرم ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک دکھائی دینے لگے میں نے یہ روایت اس لیے نقل کی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ نفرت کرنا ترش رو ہونا اور ایسے کام سے اپنے آپ کو الگ رکھنا دین میں سے نہیں ہے۔ خاص کر کے بچوں کے لیے اور اس شخص کے لیے جو وہ کام کرے جو اس کے لیے برا محسوس نہ ہوتا ہو اور یہ حدیث مبارک اس امر کی دلیل ہے کہ صورت بنانا جائز ہے کیونکہ بچوں کی گڑیاں لکڑی اور کپڑے کی ہوتی ہیں اور پوری شکل و صورت نہیں رکھتی روایت ہے کہ گھوڑے کے بال کپڑے کے تھے۔

حدیث مبارک میں بھی آیا ہے جس کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ دو لونڈیاں میرے پاس دف بجا رہی تھیں اور عید کا دن تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر میں تشریف لائے اور بچھے ہوئے کپڑے پر دوسری طرف منہ کر کے سو گئے۔ اسی دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور ان لونڈیوں کو ڈانٹا اور فرمایا کہ رسول خدا ﷺ کے گھر میں شیطانی گانا گاتی ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا انہیں چھوڑ دے کہ آج عید کا دن ہے تو اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دف بجانا اور گانا گانا مباح ہے اور شک نہیں ہے کہ دف بجانے اور گانے کی آواز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ تو آپ کا سننا اور حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منع کرنے سے روکنا اس کے مباح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

دوسری قسم : یہ ہے کہ دل میں تو برا خیال ہو۔ جیسے کسی عورت یا لڑکے سے دوستی ہو اور اس کے سامنے سریلی آواز سے سماع کرے تاکہ لذت میں اضافہ ہو یا اپنے معشوق کی عدم موجودگی میں اس کے وصال کی امید پر سماع کرے۔ تاکہ شوق میں اضافہ ہو۔ یا ایسا گانا سنے جس میں زلف خال اور جمال کا ذکر ہو اور اپنے تصورات پر اس گانے کو چسپاں کرے تو یہ جرم ہے اور اکثر نوجوان اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسا فعل برائی کے عشق کی آگ کو اور تیز کرتا ہے اور جس آگ کو بجھانا ضروری ہے۔ اسے جلانا کیسے جائز ہو سکتا ہے البتہ اگر یہ عشق اپنی بیوی یا اپنی لونڈی سے ہو تو یہ دنیا کی چیز سے نفع اٹھانے میں داخل ہے اور جائز ہے ہاں جب بیوی کو طلاق دے دے یا لونڈی کو فروخت کر دے تو پھر اس سے عشق و محبت کا تعلق قائم کرنا حرام ہے۔

تیسری قسم : یہ ہے کہ دل میں کوئی اچھی بات ہو جیسے سماع سے قوت حاصل ہوتی ہو اور یہ چار قسم پر ہے۔

قسم اوّل : حاجیوں کا خانہ کعبہ اور جنگل کی صفت میں اشعار پڑھنا۔ کیونکہ یہ اشعار خانہ خدا کے ساتھ محبت کی آگ کو آدمی کے باطن میں جوش پیدا کرتے ہیں۔ ایسا سماع اس شخص کے لیے درست ہے جو حج کو جا رہا ہو لیکن وہ آدمی جسے اس کے ماں باپ حج کی اجازت نہ دیں یا اور کسی وجہ سے حج کو جا نہ سکتا ہو اور اس کے لیے ایسے اشعار کا سننا روا نہیں۔ اور یہ چیز دل میں اس آرزو کو قوی کرتی ہے۔ البتہ اگر یہ جانتا ہو کہ اگر شوق میں اضافہ ہو گیا تو پھر بھی وہ حج پر جانے کی قدرت رکھتا ہے اور اپنے گھر میں ہی ٹھہرا رہے گا تو اس صورت میں ایسے اشعار کا سننا مباح ہے اور اسی کے نزدیک ہے غازیوں کا گانا اور سماع جو لوگوں کو خدا کے دشمنوں کے ساتھ جنگ اور جہاد پر آمادہ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی دوستی میں جان کو ہتھیلی پر رکھنے کی آرزو رکھتے ہیں تو اس کا بھی ثواب ہے۔ اسی طرح وہ اشعار پڑھنا جن کی میدان جہاد میں عادت ہو تاکہ مجاہدین میں دلیری پیدا ہو اور جنگ کرنے پر آمادہ ہوں اور دلیری میں اضافے کا باعث ہوں تو ان پر بھی ثواب ملے گا۔ جنگ ہو رہی ہو۔ البتہ اگر یہ جنگ اہل حق سے ہو تو پھر ایسا کرنا حرام ہے۔

قسم دوم : وہ گانا اور رونا جس سے رونا آئے اور دل کے درد میں اضافہ ہو تو اس میں بھی ثواب ہے جبکہ یہ رونا اپنی مسلمانی میں کوتاہی کے مرتکب ہونے اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے ہو اور بلند درجے فوت ہو جانے سے ہو اور خدا کی خوشنودی کے لیے ہو۔ جیسے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رونا' آپ اس قدر زار و قطار روتے تھے کہ اس کی درد انگیزی سے متاثر ہو کر کئی جنازے اٹھتے تھے اور آپ نہایت خوش الحان اور خوش آواز تھے اور اگر دل میں حرام کام کا صدمہ ہو تو اس پر رونا اور اظہار غم کرنا بھی حرام ہے۔ جیسے کوئی عزیز مر جائے تو اس پر بین کرنا کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

لِئَلَاتَاْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ — تاکہ تم لوگ فوت شدہ چیز پر غم نہ کرو۔

اور جب کوئی شخص قضاالٰہی پر راضی نہ ہو اور اس پر اظہار غم کرے اور نوحہ اور بین کرے تاکہ غم اور صدمہ میں اضافہ ہو تو ایسا کرنا حرام ہے اور ایسے بین اور نوحہ گری پر اجرت وصول کرنا بھی حرام ہے اور ایسا کرنے سے وہ گناہگار ہوگا اور اس کو سننے والا بھی گناہگار ہوگا۔

تیسری قسم: یہ ہے کہ دل میں خوشی ہو اور چاہے کہ سماع کے ذریعے اس خوشی میں اضافہ کرے تو اس مقصود کے لیے بھی سماع جائز ہے۔ جبکہ ایسے کام کی خوشی ہو جو شرع میں جائز ہو اور لوگ اس پر اظہار خوشی کرتے ہوں۔ جیسے شادی کا موقعہ دعوت ولیمہ، عقیقہ اپنے لڑکے کا باہر سفر سے آنا ختنے کے وقت اور خود سفر سے واپس آنے کے وقت جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ہجرت کر کے مدینہ شریف میں پہنچے تو لوگوں نے آپ کا استقبال کیا خوشی منائی اور دف جائے اور لوگ اس موقعہ پر یہ شعر پڑھتے تھے:

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — مادعی للہ داع

ترجمہ: ثنیۃ الوداع کی پہاڑیوں سے ہم پر چاند طلوع کر آیا ہے۔ ہم پر اس نعمت کا شکر لازم ہے۔ جب تک دعوت حق دینے والا دعوت دیتا رہے۔

اسی طرح شادی اور خوشی کے موقعہ پر ایسا کرنا جائز ہے۔ اور ان مواقع پر سماع بھی جائز و روا ہے اسی طرح جب دوست احباب اکٹھے بیٹھے کھانا کھا رہے ہوں اور ایک دوسرے کو خوش کرنا چاہیں تو سماع کی محفل قائم کرنا اور ایک دوسرے کی موافقت میں اظہار خوشی کرنا بھی روا اور درست ہے۔

چوتھی قسم: اصل بات یہ ہے کہ جب کسی شخص کے دل پر خدائے تعالیٰ کی دوستی کا غلبہ ہو چکا ہو اور حد عشق تک پہنچ چکا ہو تو اس کے حق میں سماع ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سماع کا اثر بہت سی رسمی قسم کی خیرات سے زیادہ ہوتا ہے اور جو چیز بھی خدائے تعالیٰ کی دوستی میں اضافہ کا باعث ہو اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہیں صوفیوں میں جو سماع مروج ہے اس کی بناء اور اصل یہی بات ہے مگر اب اس میں بھی رسم کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ اس گروہ کے سبب جو ظاہری صورت میں تو صوفی ہے مگر معنی اور حقیقت صوفی سے مفلس اور تہی دست ہے اور سماع اس آتش عشق کے بھڑکانے میں بڑا اثر رکھتا ہے۔ صوفیاء میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو دوران سماع مکاشفات ہوتے ہیں اور اس میں ان کو وہ لطف حاصل ہوتا ہے جو سماع کے علاوہ نصیب نہیں ہو سکتا اور وہ لطیف احوال جو ان پر سماع کے دوران وارد ہوتے ہیں انہیں وجد کہتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ سماع سے ان کا دل اس قدر پاک و صاف ہو جاتا ہے جس طرح چاندی کو آگ میں ڈال کر میل کچیل سے پاک کر دیتے ہیں۔

سماع بھی دل میں ایسی ہی آگ لگا دیتا ہے جس سے دل کی تمام کدورتیں دھل جاتی ہیں اور یہ چیز بسااوقات بہت سی ریاضتوں سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی- اور اس مناسبت کو جو روح انسانی کو عالم ارواح سے ہے تیز تر کر دیتا ہے چنانچہ بعض اوقات یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ کلیتہً اس عالم فانی سے کٹ جاتا اور جو کچھ جہاں میں ہے اس سے بے خبر ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہو جاتا ہے کہ اس کے اعضاء کی طاقت جاتی رہتی ہے اور وہ گر پڑتا اور بے ہوش ہو جاتا ہے تو سماع کے دوران میں اسے پیش آنے والے جو حالات مطابق شرع درست اور صحیح ہوتے ہیں ان کا بڑا درجہ ہے اور جو شخص ان حالات کی تصدیق کرتا ہے اور مجلس میں موجود ہوتا ہے وہ بھی اس کی برکات سے محروم نہیں رہتا- تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ پر ہے کہ یہاں بہت سی غلطیوں کا اندیشہ ہوتا ہے اور بہت سے مبنی بر خطا گمان آدمی کے دل میں پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کے حق و باطل کے نشانات کو پختہ کار اور راستے سے واقف کار بزرگ ہی جانتے ہیں اور مرید کے لیے درست نہیں کہ از خود سماع اختیار کر لے اور اپنے تقاضائے طبع کے مطابق اس راستے پر چل پڑے-

شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مرید علی حلاج آئے آپ سے سماع کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا تین دن تک کچھ نہ کھا بعد میں تیرے سامنے اچھا مرغن کھانا تیار کیا جائے اور ساتھ مجلس سماع منعقد کی جائے اگر تیری طبیعت اس کھانے کی بجائے سماع کی طرف ہو تو اس صورت میں تیرے لیے سماع درست اور حلال ہے لیکن وہ مرید جس کے دل میں ابھی عالم غیب کے حالات پیدا نہیں ہوتے اور اس معاملہ کے راستے سے بے خبر ہے یا احوال و مواجیہ پیدا تو ہوتے ہیں لیکن ابھی تک شہوت کا زور مکمل طور پر نہیں ٹوٹا تو پیر کے لیے ضروری ہے کہ اسے سماع سے روکے- کیونکہ ایسے مرید کو سماع سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچتا ہے-

جاننا چاہیے کہ جو شخص صوفیوں کے احوال اور وجد کا منکر ہے دراصل کم ظرفی کے باعث انکار کرتا ہے- ایسا شخص معذور ہے کیونکہ آدمی کے لیے اس چیز پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا دشوار ہوتا ہے- جس سے ناواقف ہوتا ہے- اس شخص کی مثال مخنث کی سی ہے کہ مجامعت کی لذت کو باور نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا تعلق قوت شہوت سے ہے- جب اس میں قوت شہوت پیدا نہیں کی گئی تو وہ اسے کیسے جان سکتا ہے- اگر نابینا آدمی سبزہ زار اور بہتے پانی کے نظارے کی لذت کا انکار کرے تو تعجب کی کونسی بات ہے- وہ بے چارہ بینائی سے محروم ہے اس لذت پر کیسے یقین کر سکتا ہے- اسی طرح بچہ اگر حکمرانی اور فرمانروائی کی لذت سے انکاری ہے تو تعجب کی کوئی بات نہیں- سو وہ تو کھیل کود میں مگن ہے- اسے حکومت و سلطنت چلانے سے کیا واسطہ-

جاننا چاہیے کہ صوفیوں کے احوال و مواجیہ کا انکار کرنے والے کو چاہیے دانشمند ہوں چاہے عام لوگ سب بچوں کی مانند ہیں- کیونکہ جس چیز کو ابھی تک انہوں نے نہیں پایا اس کا انکار کر رہے ہیں اور جو شخص تھوڑا سا زیرک ہے وہ ضرور اقرار کرے گا اور کہے گا کہ مجھے یہ خیال حاصل نہیں- لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ صوفیاء کو یہ احوال و مواجید ضرور حاصل ہیں- تو ایسا شخص کم از کم صوفیاء کے احوال و مواجید پر ایمان رکھتا اور جائز تو کہتا ہے لیکن جو شخص دوسرے کے لیے بھی اس چیز کو محال جانے جو اسے حاصل نہیں تو اس کی غایت ہے- ایسا آدمی دراصل ان لوگوں میں سے جن کے بارے میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَاِذْ لَمْ یَھْتَدُوْا بِہٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ ھٰذَآ اِفْکٌ قَدِیْمٌ
اور جب کہ ان کو اس راہ کی واقفیت نہ ہو سکی تو عنقریب کہیں گے یہ تو جھوٹ وافتراء ہے۔

فصل : جاننا چاہیے کہ جہاں ہم نے سماع کو مباح قرار دیا ہے۔ وہیں پانچ وجہ سے وہ سماع حرام بھی ہو جاتا ہے۔

پہلی وجہ : یہ ہے کہ سماع عورت یا لڑکے سے سنے کہ یہ دونوں شہوت کا موجب ہیں۔ یہ سماع حرام ہے۔ اگر کسی آدمی کا دل حق تعالیٰ کے کام میں ڈوبا ہوا ہو۔ جب شہوت جو اس کی فطرت و سرشت میں داخل ہے اور اچھی صورت اُس کی آنکھوں کے سامنے آئے گی تو شیطان اس کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہو گا اور یہ سماع شہوت کی آگ بھڑکانے کا موجب بن جائے گا۔ ہاں اس بچے کی زبان سے سماع درست ہے جو فتنے کا موجب نہ ہو۔ مگر عورت چاہے کتنی بھی بد صورت ہو اس کی زبان سے سماع جائز نہیں جبکہ اسے دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ عورتیں جس شکل و صورت کی بھی ہوں انہیں دیکھنا حرام ہے اور اگر عورت کی آواز پردہ کے پیچھے سے آ رہی ہو تو اگر فتنے کا باعث ہو تو حرام ہے ورنہ مباح۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ دو لونڈیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گا رہی تھیں اور بلاشبہ ان کی آواز نبی کریم ﷺ سن رہے تھے۔ لہٰذا عورتوں کی آواز پردے میں رہنے والی چیز نہیں جس طرح لڑکوں کے چہرے۔ لیکن لڑکوں کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنا جو فتنے کا موجب ہے حرام ہے اور عورتوں کی آواز کا بھی یہی حکم ہے اور حکم کے حالات کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ مضبوط ارادے کے مالک ہوتے ہیں انہیں فتنے میں مبتلا ہونے کا ڈر نہیں ہوتا اور بعض جو پختگی کے مالک نہیں ہوتے۔ انہیں فتنے میں مبتلا ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس کا ڈر نہ ہو اس کے لیے اجازت ہے اور اس شخص کے لیے حرام ہے۔ جسے مباشرت کا ڈر ہو یا خطرہ ہو کہ بوسہ دیتے ہی انزال ہو جائے گا۔

دوسری وجہ : یہ ہے کہ سرود و سماع کے ساتھ رباب، چنگ، بربط یا رود یا عراقی بانسری میں سے کچھ موجود ہو کیونکہ رود کے بارے میں نہی آ چکی ہے۔ نہ اس بنا پر کہ اس کی آواز اچھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اسے بری اور ناموزوں آواز سے بھی بجائے تو بھی حرام ہے۔ بلکہ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ شراب نوش لوگوں کی عادت ہے اور جو چیز ان کے ساتھ خاص ہے۔ اسے حرام کیا گیا ہیں شراب کے تابع سمجھتے ہوئے کیونکہ یہ شراب کی یاد کو تازہ کرتی ہے اور اس کی خواہش کو تیز کرتی ہے۔ لیکن طبل، شاہین اور دف اگرچہ اس میں دائرے پڑے ہوئے ہوں حرام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں حدیث کے اندر کچھ نہیں آیا اور یہ رود کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں شراب خوروں کی عادت اور شعار نہیں ہیں۔ لہٰذا انہیں اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ دف تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بجایا گیا ہے اور آپ نے شادی بیاہ کے موقع پر اس کے بجانے کی اجازت دی ہے اور اس پر دائرے وغیرہ چاہے کتنے ہی زیادہ ہوں حرام نہیں ہے اور حاجیوں اور غازیوں

کے طبل بجانا ایک رسم ہے۔ لیکن ہیجڑوں کا طبلہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ ان کا شعار ہے اور یہ ایک لمبی شکل کا طبلہ ہوتا ہے اس کا درمیانی حصہ باریک ہوتا ہے اور دونوں سرے چوڑے ہوتے ہیں۔ لیکن شاہین کا سر اگر نیچے کی طرف نہ بھی ہو۔ کسی طرح بھی حرام نہیں ہے۔ کیونکہ اسے بجانا چرواہوں کی عادت ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شاہین کے حلال اور جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی خوش آواز ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کانوں میں پہنچی تو آپ نے انگلی اپنے کانوں میں ڈال لی اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا۔ کہ کان لگا کر سنتے رہو۔ جب بجانا بند ہو جائے تو مجھے بتانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سننے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مباح لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے کانوں میں انگلی ڈال لینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پر اس وقت بہت عجیب اور نہایت عمدہ روحانی حالت طاری تھی۔ آپ نے خیال فرمایا ہو گا کہ یہ آواز مجھے اس حال سے روک دے گی۔ کیونکہ سماع خداوند تعالیٰ کے شوق کو حرکت میں لانے کا بڑا اثر رکھتا ہے۔ تاکہ جو شخص دور ہو۔ اسے خدا کے نزدیک کرے اور یہ کام ان بے چاروں کے لیے بڑی بات ہے جن کو یہ حالت نصیب نہ ہو۔ لیکن جو شخص عین اصل کام میں مصروف ہو۔ یعنی حالت استغراق میں ہو۔ اس کے لیے سماع مانع ہو اور اس کے لیے نقصان دہ ہو۔ تو آپ کا نہ سننا اس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بہت سی مباح چیزیں ایسی ہیں جن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا جاتا۔ لیکن اجازت دینا اس کے مباح ہونے کی بڑی مضبوط دلیل ہے۔ اس کی اور کوئی وجہ نہیں۔

تیسرا سبب: یہ ہے کہ گانے بجانے میں فحش باتوں کا بھی عمل دخل ہو یا اس میں کسی اہل دین کی مذمت اور ان پر طعن و تشنیع ہو۔ جیسے رافضی صحابہ کرام کے متعلق شعر پڑھتے ہیں یا کسی مشہور عورت کی صفت کی جاتی ہے۔ کیونکہ عورتوں کی صفت مردوں کے سامنے کرنا منع ہے۔ تو اس قسم کے اشعار پڑھنا اور سننا حرام ہے لیکن وہ اشعار جن میں زلف، خال، جمال اور صورت کی صفت ہو یا وصال و فراق کی بات ہو۔ یا وہ باتیں جو عاشقوں کی عادت کے مطابق کہی اور سنی جاتی ہوں ان کا کہنا اور سننا حرام نہیں ہے۔ یہ اس وقت حرام ہے جبکہ پڑھنے یا سننے والا کسی عورت کا خیال کرلے۔ جس سے اس کی دوستی ہو۔ یا کسی خوبصورت لونڈے پر چسپاں کرے تو اس صورت میں اس کا ایسا خیال حرام ہے۔ اور اگر اپنی عورت یا لونڈی پر سماع کرے تو حرام نہیں ہے۔ لیکن صوفیائے کرام اور وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی دوستی میں مشغول و مستغرق ہوتے ہیں۔ اور اس بنا پر سماع اختیار کرتے ہیں۔ تو یہ اشعار انہیں نقصان نہیں پہنچاتے۔ کیونکہ یہ حضرات ہر ایک شعر سے وہی معنی سمجھتے ہیں جو ان کا اپنا حال ہوتا ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ زلف سے تاریکی کفر مراد لیں اور چہرے کے نور سے نور ایمان اور یہ بھی ممکن ہے کہ زلف سے حضرت خداوندی کی اشکال کا سلسلہ مراد لیں جیسے کسی کے یہ اشعار ہیں:

شعر:

گفتم بشمارم سریک حلقہ زلفش تابو کہ بہ تفصیل بر جملہ بر آرم

خندید ہمن برسر زلفین کہ مشکین یک پیچ بہ پیچیدہ و غلط کرد شمارم

ترجمہ : میں نے کہا کہ اس کی زلف کے حلقے کے ایک سرے کو شمار کروں- تاکہ تفصیل کے ساتھ سب کو شمار کر سکوں- تو معشوق اپنی مشکیں زلفوں کے ساتھ مجھ پر ہنس پڑا صرف ایک پیچ زلف کو کھولا اور کہا کہ اس کے شمار کرنے کا خیال غلط ہے- وہ ایسا نہیں کر سکتا- اور میرا سارا حساب غلط کر دیا-

ممکن ہے کہ زلف سے اشکال مراد لیں جو شخص چاہے کہ عقل کا تصرف اس درجہ کو پہنچ جائے کہ عجائبات الٰہیہ میں سے بال کے ایک سرے کو پہچان لے تو ایک پیچ پڑ جانے سے سارا شمار غلط ہو جائے گا- اور تمام عقلیں بے ہوش ہو جائیں گی اور جب اشعار میں شراب ز مستی کا ذکر ہو تو اس کا ظاہر معنی مراد نہ لیں مثال کے طور پر جب یہ شعر پڑھیں-

گر مے دو ہزار رطل پیمائی — تا مے نخوری نباشدت شیدائی

ترجمہ : اگر تو ایک ہزار سیر شراب کی پیمائش بھی کرے جب تک پیئے گا نہیں مست و شیدا نہ ہو گا-

تو اس سے یہ مراد لیں کہ محض باتوں اور تعلیم سے دین کا کام درست نہیں ہو سکتا- بلکہ ذوق و شوق سے درست ہوتا ہے- کیونکہ اگر تو محبت، عشق، زہد توکل وغیرہ کو محض باتیں کرے اور اس میں کتابیں بھی تصنیف کرے اور کاغذوں کے کاغذ سیاہ کر دے- جب تک خود اپنے آپ کو ان صفات سے موصوف نہ کرے گا کچھ فائدہ نہ ہو گا اور خرات سے متعلق جو اشعار پڑھے جائیں تو ان سے ظاہر معنی مراد نہ لیں- بلکہ اصل مطلب سمجھیں- مثال کے طور پر جب یہ شعر پڑھیں-

ہر کہ بخرابات نشد بیدین است — زیرا کہ خرابات اصول دین است

جو شخص خرابات میں نہ جائے بے دین ہے- کیونکہ خرابات میں جانا اصول دین سے ہے-

تو خرابات کے لفظ سے صفات بشریت مراد لیں- کیونکہ یہی بات اصول دین سے ہے کہ یہ صفات جو اس وقت تجھ میں موجود ہیں- خراب اور ویران ہوں- تاکہ آدمی کا اصل گوہر جواب تک نمایاں نہیں ہو سکا- معرضِ وجود میں آجائے- اور تو اس کے ساتھ آباد ہو جائے- اور ان بزرگوں کے فہم و فراست کی تفصیل لمبی ہے- کیونکہ ہر ایک کی سمجھ اس کی نظر کے مطابق ہے اور دوسرے کی سمجھ سے الگ ہے-

سماع کے باب میں میں نے اس قدر جو بیان کیا ہے- اس کا سبب یہ ہے کہ بے وقوف اور بدعتی لوگوں کا ایک گروہ ان بزرگوں پر طعن و تشنیع کرتا ہے- کہ یہ لوگ صنم زلف و خال اور مستی و خرابات کی باتیں کرتے اور سنتے ہیں حالانکہ یہ سب کو حرام و ناروا ہے- یہ احمق لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے ان بزرگوں پر بڑی حجت قائم کر دی ہے اور بہت بڑا اعتراض کر دیا ہے- حالانکہ حقیقت میں یہ لوگ بزرگوں کے حال سے بالکل بے خبر ہیں- ان حضرات کو خود وجد ہوتا ہے مگر شعر کے معنی پر نہیں بلکہ محض آواز پر ہوتا ہے- کیونکہ شاہین کی آواز اگرچہ کچھ معنی نہیں رکھتی اس کے باوجود وجد کا باعث بن جاتی ہیں اسی بنا پر جو لوگ عربی اشعار نہیں سمجھتے انہیں بھی یہ اشعار سن کر وجد ہوتا ہے احمق لوگ ہنستے ہیں کہ عربی اشعار تو ان کی سمجھ میں نہیں آتے وجد میں کیوں آتے ہیں- ان احمقوں کو پتہ نہیں کہ اونٹ عربی نہیں سمجھتا اس کے باوجود عرب حدی خانوں کی

آواز سے وجد میں آکر قوت اور خوشی میں آکر بھاری بوجھ لے کر بے خودی کے عالم میں اس قدر چلتا ہے کہ جب منزل پر پہنچتا ہے اور وجد کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے تو فوراً زمین پر گر پڑتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے ان منکرین کو چاہیے کہ گدھے اور اونٹ سے جھگڑیں اور منازرہ کریں کہ تو عربی تو سمجھتا نہیں تو یہ خوشی تجھے کیسے پیدا ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ عربی اشعار سے بزرگ حضرات ظاہری معنوں کے علاوہ کچھ اور معنی مراد لیتے ہوں اور جو خیالات ان کے ذہن میں ہیں اس کے مطابق معانی مراد لیتے ہوں۔ کیونکہ ان کو شعر کی تفسیر سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک شخص نے یہ الفاظ پڑھے :

ماازارنی فی النوم الا خیالکم   تمہارے خیال نے نیند میں میری زیارت کی۔

تو ایک صوفی کو وجد آگیا لوگوں نے دریافت کیا تمہارے اس وجد کی کیا وجہ ہے۔ کیونکہ تو خود نہیں جانتا کہ شاعر کیا کہنا چاہتا ہے تو صوفی نے جواب دیا میں کیوں نہیں جانتا۔ شاعر یہ کہتا ہے کہ زار و نا چار ہیں۔ تو شاعر سچ کہتا ہے۔ حقیقت میں ہم زار و ناچار ہیں اور خطرے میں ہیں۔ تو ان حضرات کا وجد ایسا ہوتا ہے کہ جس کے دل میں جو تصور غالب ہوتا ہے تو وہ جو کچھ سنتا ہے اسے اپنے خیال کی بات ہی سنائی دیتی ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اپنے مقصد کی چیز ہی دکھائی دیتی ہے جو شخص عشق حقیقی یا عشق مجازی کی آگ میں نہ جلا ہو وہ اس مضمون کو نہیں سمجھ سکتا۔

چوتھا سبب : یہ ہے کہ سننے والا جوان ہو اور اس پر شہوت کا بھی غلبہ ہو اور خدائے تعالیٰ کی محبت کو جانتا ہی نہ ہو کہ کیا چیز ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ وہ جوان زلف و خال اور صورت و جمال کا ذکر سنے گا تو اس پر شیطانی خیالات ہی سوار ہوں گے اور اس کی شہوت تیز ہوگی اور خوبرو عورتوں اور لونڈوں کے عشق کو اسے دل میں آراستہ کرے گا اور عاشقوں کے حالات جو سنے گا تو غالباً سے اچھے محسوس ہوں گے۔ اس کے دل میں تمنا پیدا ہوگی اور معشوق کی تلاش میں مستعد ہو کر کوچہ عشق میں قدم رکھے گا۔ عورتوں اور مردوں میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے صوفیوں کا لباس پہن رکھا ہے اور اس بے ہودہ کام میں مصروف ہیں اور ان لایعنی باتوں کے مرتکب ہیں اور عذر گناہ بدتر از گناہ میں مبتلا ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں شخص محبت میں دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور اس کے دل میں عشق کا کانٹا چبھ گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عشق خدا کا جال ہے اور خدا نے اپنی محبت میں اس کو کھینچ لیا ہے۔ اس لیے اس کے دل کی حفاظت کرنا اور اس کی کوشش کرنا بڑے درجے کی بات ہیں زنا کی متلاشی عورتوں سے میل جول کا نام طریقت اور فسق ولواطت کا نام عشق کی مستی رکھا ہوا ہے اور ممکن ہے کہ ان بری حرکات پر عذر کرتے ہوئے کہیں کہ فلاں پیر صاحب بھی فلاں لڑکے کو نظرِ محبت سے دیکھتے تھے۔ اور بزرگوں نے بھی ایسا کیا ہے اور یہ لواطت بازی نہیں بلکہ عشق بازی ہے اور معشوق کو دیکھنا روح کی غذا ہے۔ اسی طرح کی بے ہودہ باتیں کرتے ہیں اور جو شخص ان باتوں کو حرام اور فسق نہ جانے لاحق ہے اس کا قتل مباح ہے اور پیروں کی طرف جو ایسی باتیں منسوب کرتے اور حکایتیں سناتے ہیں کہ وہ بھی خوبرو لونڈوں سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ سب جھوٹ و افتراء ہے۔ اپنے لیے جواز پیدا کرنے کے لیے ایسا کہنے میں بالفرض اگر کسی بزرگ نے ایسا کیا ہے تو وہ شہوت کی نیت سے نہ تھا۔ بلکہ ان

کا دیکھنا ایسا تھا جیسے سرخ رنگ کے سیب کو دیکھنا یا خوبصورت پھول کو دیکھنا- پھر پیر سے بھی خطا ہو سکتی ہے- کیونکہ معصوم تو نہیں ہیں اور پیر اگر خطایا معصیت کا مرتکب ہو جائے تو وہ معصیت مباح نہیں ہو سکتی-

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ اس سلسلے میں پیش کیا جا سکتا ہے- تاکہ تجھے یہ گمان نہ ہو کہ کوئی شخص بھی اس قسم کے صغائر سے محفوظ رہ سکتا ہے- اگرچہ بزرگ ہی ہو قرآن مجید میں ان کے رونے گریہ زاری کرنے اور توبہ کے واقعات اسی لیے آئے ہیں- تاکہ تو ان سے حجت پکڑے اور اپنے آپ کو معذور جانے-

اور ایک وجہ یہ ہے- اگرچہ وہ نادر الوجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص کو اس حالت میں جو صوفیوں پر طاری ہوتی ہے بہت سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ممکن ہے کہ فرشتوں کی مقدس ذاتیں اور انبیاء کی ارواح کا اس پر کشف ہوتا ہے- کسی مثال کے آئینے میں اور یہ کشف ایسے آدمی کی صورت میں ہو سکتا ہے جو انتہائی خوبصورت ہو- کیونکہ شے کی مثال لازماً اس کے حقیقی معنی کے مطابق ہوتی ہے اور چونکہ وہ معنی عالم ارواح کے معانی میں سب سے زیادہ باکمال ہوتا ہے- تو عالم صورت میں اس کی مثال بھی نہایت حسین ہو گی- عرب میں کوئی شخص حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ خوبصورت نہ تھا- اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت جبریل علیہ السلام کو اس کی صورت دیکھتے تھے- للہذا ممکن ہے کہ ان اشیاء میں سے کوئی چیز خوبصورت لونڈے کی شکل میں منکشف ہو اور دیکھنے والا اس سے عظیم لذت پائے- اور جب اس حالت سے واپس ہو تو وہ معنی روپوش ہو جائے اور وہ اس معنی کی تلاش میں مصروف ہو جائے جس کی وہ صورت مثال بن کر سامنے آئی تھی اور ہو سکتا ہے کہ وہ معنی اس صورت کی شکل میں دوبارہ کبھی دکھائی نہ دے- ایسی حالت میں اگر اس کی آنکھ کسی خوبصورت شکل پر پڑے جس کی اس سے مناسبت ہو تو پھر وہی حالت تازہ ہو جائے اور اس گم شدہ معنی کو پالے اور اس طرح اس پر وجد اور حال طاری ہو جائے- تو جائز ہے کہ کسی شخص میں خوبصورت شکل والے انسان کے دیکھنے کی رغبت پیدا ہو جائے اس حالت کو واپس لانے کے لیے- اور جو آدمی ان اسرار کی خبر نہیں رکھتا- جب اس کی رغبت دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ وہ بھی اسی نیت سے خوبصورت انسان کو دیکھ رہا ہے جس نیت سے یہ خود دیکھ رہا ہے- کیونکہ اسے دوسرے مقصد کی کوئی خبر نہیں- مختصر یہ کہ صوفیاء کا کام بڑا عظیم بڑا پر خطر اور نہایت پوشیدہ ہے اور کسی چیز میں بھی اس قدر غلطی واقع نہیں ہو سکتی جتنی کہ اس میں ہوتی ہے- ہماری یہ گفتگو اس معاملے کی طرف محض اشارہ ہے- تاکہ معلوم ہو جائے کہ صوفیائے حضرات مظلوم ہیں- کیونکہ لوگ انہیں بھی اپنی ہی جنس میں سے گمان کرتے ہیں اور اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور حقیقت میں مظلوم وہ شخص ہوتا ہے جو ایسا گمان کرتا ہے کیونکہ وہ خود ظلم کر رہا ہوتا ہے کیونکہ دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کر کے اپنے جیسا سمجھ رہا ہے-

پانچواں سبب: یہ ہے کہ عوام عیش و عشرت اور کھیل کود کے طور پر سماع کے عادی ہوتے ہیں- اس قسم کا سماع اس شرط پر مباح ہے کہ اسے پیشہ نہ بنالیں اور ہمیشہ اسی کو اپنا مشغلہ نہ ٹھہرالیں- کیونکہ بعض گناہ جو صغیرہ ہوتے ہیں جب آدمی

ان کا عادی بن جائے تو کبیرہ کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں- اسی طرح بعض چیزیں کبھی کبھار اور تھوڑی عقدار میں اختیار کی جائیں تو مباح ہوتی ہیں اور جب ان کی کثرت ہو جائے تو حرام ہو جاتی ہیں- اس مباح کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار چند حبشی مسجد نبوی میں کھیل کود کر رہے تھے- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو منع نہ فرمایا اور اگر وہ مسجد کو کھیل کود کا اکھاڑہ بنا لیتے تو آپ انہیں منع فرما دیتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی طرف دیکھنے سے منع نہ فرمایا اور اگر کوئی شخص ہمیشہ انہیں دیکھنا شروع کر دے اور پیشہ بنالے تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا اور ہنسی مذاق اگر کبھی کبھی ہو تو جائز ہے اور اگر مسخرے کی طرح عادت بنالے تو یہ جائز نہیں-

دوسرا باب

سماع کے آثار و آداب

جاننا چاہیے کہ سماع میں تین مقام ہیں- پہلا مقام، سمجھنا، دوسرا مقام وجد کا طاری ہونا، تیسرا مقام حرکت میں آنا اور ہر ایک مقام کے لیے اس مقام پر کسی قدر بحث و گفتگو کی جاتی ہے-

مقام اوّل: سمجھنے میں جو شخص سماع طبیعت بشری کے تقاضے یا غفلت کے تحت یا کسی مخلوق کے ساتھ وابستگی کی بنا پر کرتا ہے وہ اس سے زیادہ خسیس ہے کہ اس کے فہم حال اور گفتگو کے متعلق کچھ کہا جائے- وہاں وہ شخص کہ جس پر دین کی فکر غالب ہو اور خدائے تعالیٰ کی محبت اس پر چھائی ہوئی ہو- تو اس کے دو درجے ہیں-

پہلا درجہ: مرید کا درجہ ہے کہ اسے طلب و سلوک کے راستے میں مختلف حالات پیش آتے ہیں- جیسے قبض، بسط اور آسانی و دشواری اور قبولیت یا مردودیت کے آثار اور اس کا دل ہمیشہ اس بارے میں بے چین اور مضطرب رہتا ہے- جب ایسی بات سنتا ہے جس میں عتاب قبولیت، رو، وصل، ہجر، قرب و بعد، رضا اور ناراضگی، امید اور ناامیدی، خوف اور امن، وفا اور بے وفائی، شادی وصل اور غم و فراق اور اسی قسم کی چیزوں کا ذکر ہوتا ہے تو وہ اپنے حال پر چسپاں کرتا ہے اور جو کچھ اس کے باطن میں ہوتا ہے- وہ شعلہ زن ہو جاتا ہے- مختلف کیفیات و حالات اس میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اس میں مختلف خیالات آنا شروع ہو جاتے ہیں اور اس میں مختلف خیالات آنا شروع ہو جاتے ہیں- اور اگر اس کا علم و اعتقاد پختہ نہ ہو تو وہ سماع کے دوران ایسے خیالات میں مبتلا ہو جاتا ہے جو کفر ہوتے ہیں- کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ایسی باتیں سنتا ہے جو اس کی شان کے خلاف ہوتی ہیں- مثلاً یہ شعر ؎

اول ہمت میل بد اں میل کجاست — وامروز ملول گشتن ازبر چراست

ترجمہ: پہلے پہلے تیرا میلان میری طرف تھا-اب وہ میلان کہاں ہے اور اب ملول اور پشیمان ہونا کس بنا پر ہے (پشیمانی کی نسبت خدا کی طرف کرنا درست نہیں ہے-)

جس مرید کی ابتداء اچھی اور رواں ہو پھر کمزور اور سست پڑ جائے تو وہ خیال کرے گا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی اس پر عنائت اور اس کی طرف اس کا میلان تھا اور اب اللہ تعالیٰ اس عنایت اور میلان سے پھر گیا ہے تو اگر اس تبدیلی کو خدائے تعالیٰ کی شان قرار دے گا تو یہ کفر ہو گا-بلکہ یہ سمجھنا چاہیے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں تغیر و تبدیلی کو ہر گز دخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تبدیلی لانے والا ہے خود تبدیل ہونے والا نہیں-بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ میری حالت بدل گئی حتیٰ کہ وہ معنی جو پہلے مجھ میں موجود تھا-اب نہیں رہا-خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہر گز کسی قسم کا حجاب اور ملال اور رکاوٹ رونما نہیں ہوتی-بلکہ اس کی درگاہ تو ہمیشہ کھلی ہوئی ہے جس طرح آفتاب کہ اس کا نور پھیلا ہوا ہوتا ہے- مگر جو شخص دیوار کی اوٹ میں ہو جائے تو آفتاب کی روشنی اس پر نہیں پڑے گی تو یہ تبدیلی اس شخص میں آئی ہے آفتاب کی روشنی میں نہیں آئی تو جو کرتا ہے اس سے صادر ہوئی ہے چاہیے کہ حجاب و کمی کو اپنی طرف نسبت کریں خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرے-اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ نقصان اور تغیر کی صفات اور کیفیات اپنے اور اپنے نفس کے حق میں تصور کریں اور جو جلال و جمال موجود رہے اسے خدائے تعالیٰ کی شان سمجھے-مرید اگر علم کا یہ سرمایہ اور یہ سمجھ اور فراست نہیں رکھتا تو جلد ہی کفر کے فتنے میں مبتلا ہو گا اور اسے پتہ بھی نہیں ہو گا-اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی محبت میں سماع اختیار کرنے میں بڑا خطرہ ہے-

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ سماع اختیار کرنے والا مریدین کے درجے سے آگے نکل گیا ہو-اور حالات و مقامات کو پیچھے چھوڑ گیا ہو اور انتہاء کو پہنچ چکا ہو-جسے اگر ماسوائے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کریں تو فنا اور نیستی کہتے ہیں-اور اگر خدائے تعالیٰ کی طرف نسبت کریں تو توحید اور یگانگت کے نام سے موسوم کرتے ہیں ایسے آدمی کا سماع معنی سمجھنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ سماع کے ساتھ ہی فنا اور نیستی اور توحید و یگانگت اس کے لیے تازہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ سے بالکل غائب ہو جاتا ہے اور اس جہان سے بے خبر ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اگر آگ میں گر پڑے تو اسے کوئی خبر نہیں ہوتی جیسے حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حالت وجد میں گنے کے کٹے ہوئے کھیت میں دوڑ پڑے- گنے کی جڑوں سے ان کے پاؤں بالکل کٹ گئے-لیکن انہیں بالکل خبر نہ ہوئی یہ کامل ترین وجد کا نقشہ ہے لیکن مریدین کا وجد صفات بشریت کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ وجد یہ ہے کہ مرید کو اس کی ذات سے نکال لیا جاتا ہے-جس طرح وہ عورتیں جنہوں نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو وہ اپنے آپ کو بھول گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے-

اے عزیز تجھے چاہیے کہ اس قسم کی نیستی اور فنا کا انکار نہ کرے-اور یہ نہ کہے کہ میں تو اسے دیکھتا ہوں وہ نیست کیسے ہو گیا-کیونکہ مرید وجد کی حالت میں وہ نہیں ہے جیسے تو دیکھتا ہے کیونکہ ایک شخص جو مر جاتا ہے تو اس وقت بھی تو

اسے دیکھ رہا ہوتا ہے- حالانکہ وہ نیست ہو چکا ہے- لہٰذا اس کی حقیقت وہ لطیف معنی ہے جو معرفت کا محل ہے- جب تمام چیزوں کی پہچان اور معرفت اس سے غائب ہو گئی- تو سب چیزیں اس کے حق میں نیست اور فنا ہو گئیں اور جب وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا تو خود اپنی ذات سے بھی نیست اور فنا ہو گئیں- اور جب خدائے تعالیٰ اور اس کے ذکر کے سوا کچھ باقی نہ رہا تو جو کچھ فانی تھا وہ ختم ہو گیا اور جو باقی ہے وہی رہ گیا- یگانت اور توحید کے یہی معنی ہیں- کہ جب آدمی خدائے تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا تو کہتا ہے کہ سب کچھ وہی ہے- اس حالت میں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں بھی نہیں ہوں- یا یوں کہتا ہے کہ میں بھی نہیں یا یوں کہتا کہ میں خود وہی ہوں اور ایک گروہ یہاں غلطی میں مبتلا ہوا اور اس نیستی اور فنا کو حلول سے تعبیر کیا (یعنی یہ خیال کیا کہ خدا میرے اندر گھس آیا ہے) اور ایک گروہ نے اس مقام کو اتحاد سے تعبیر کیا یعنی کہ بندہ اور خدا ایک ہو جاتے ہیں- (معاذاللہ) اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی آدمی نے پہلے کبھی آئینہ نہ دیکھا ہو اور اب آئینہ سامنے رکھ کر اپنی صورت اس میں دیکھے تو خیال کرے کہ میں خود ہی آئینے میں گھس آیا ہوں کہ یہ صورت خود آئینے کی صورت ہے- کیونکہ آئینے کی صفت اور حالت یہ ہے کہ وہ سرخ و سفید ہوتا ہیں تو اگر یہ خیال کرے کہ میں خود آئینے میں آگیا ہوں تو یہ حلول ہے اور اگر یہ سمجھے کہ آئینہ اس کی صورت بن گیا ہے تو اتحاد ہے اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں- کیونکہ نہ تو وہ خود آئینے میں گھس آیا ہے اور نہ صورت آئینہ بن چکی ہے- بلکہ صرف ایسا دکھائی دیتا ہیں جس شخص نے ان باطنی اسرار کو پوری طرح نہیں پہچانا وہی ایسا سمجھتا ہے اس کتاب میں اس مضمون کو مفصلاً بیان کرنا مشکل ہے- کیونکہ یہ بڑا وسیع علم ہے احیاء العلوم میں ہم نے اسے مفصل بیان کیا ہے-

دوسرا مقام: فہم کے بعد دوسرا مقام حال کا ہے- اسے وجد بھی کہتے ہیں- وجد کے معنی کسی چیز کو پانے کے ہیں اس کا مطلب یہ ہے- ایسی حالت کا پانا جو پہلے حاصل نہ تھی- وجد کی حقیقت میں بہت کچھ کہا گیا ہے کہ وہ کیا چیز ہے- اس بارے میں درست بات یہ ہے کہ وجد ایک نوعیت کا نہیں ہوتا- بلکہ اس کے بہت سے اقسام ہیں اور یہ دو طرح کا ہے- ایک قبیلہ احوال سے اور دوسرا از قسم مکاشفات احوال کی تحقیق تو یہ ہے کہ بندے پر ایک صفت غالب آجاتی ہے جو اسے مست کر دیتی ہے- یہ صفت کئی طرح کی ہوتی ہے- کبھی شوق کی صورت میں اور کبھی خوف یا آتش عشق کے لباس میں اور کبھی طلب اور کبھی غم کی صورت میں اور کبھی حسرت و افسوس کے رنگ میں اور اس کے بہت سے اقسام ہیں- جب یہ آگ دل پر غلبہ کرتی ہے اور دل سے اس کا اثر دماغ تک پہنچتا ہے- تو حواس پر بھی غالب آجاتی ہے- یہاں تک کہ بندہ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے جس طرح سویا ہوا آدمی ہوتا ہے اور اگر وہ دیکھتا اور سنتا ہو تو اس حالت سے غائب اور غافل ہو گا-

دوسری نوع قبیلہ مکاشفات سے ہے- جس میں بہت سی چیزیں اسے دکھائی دیتی ہیں- جنہیں صوفیاء حضرات دیکھتے ہیں- ان چیزوں میں سے بعض تو مثال کے لباس میں اور بعض صریحاً نظر آتی ہیں اور سماع کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل کو صاف کرتا ہے- سماع سے قبل دل کا حال اس آئینے کی طرح ہوتا ہے- جس پر گرد و غبار پڑا ہو اس گرد و غبار کو صاف کیا

جائے کہ اس میں صاف صاف نظر آئے اور اس معنی اور مطب کو الفاظ کے اندر صرف علمی، قیاس اور مثالی طور پر ہی بیان کیا جا سکتا ہے اس کی صحیح طور پر حقیقت صرف وہی شخص جان سکتا ہے۔ جو اس مقام کو پا چکا ہو۔ اس مقام کو حال کے طور پر پا لینے کے بعد ہی اصل حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو اگر وہ دوسرے کے سامنے بیان بھی کرے گا تو محض قیاس اور اندازے سے بیان کرے گا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز قیاسی ہوتی ہے وہ علم میں سے ہے۔ ذوق میں سے نہیں۔

تاہم اس قدر تفصیل اس لیے بیان کر دی ہے کہ وہ لوگ جو ذوق کے طور پر اس حال تک پہنچے اس کی صداقت کو تسلیم کریں انکار نہ کریں کہ اس کا انکار نقصان دہ ہے۔ اور سب سے بے وقوف وہ شخص ہے جو یہ گمان کرے کہ جو کچھ اس کے خزانہ میں نہیں بادشاہوں کے خزانہ میں بھی نہیں ہے اور اس سے بھی بڑھ کر وہ آدمی بے وقوف ہے جو اپنی مختصر پونجی کو دیکھ کر اپنے آپ کو بادشاہ تصور کر لے اور کہنا شروع کر دے کہ سب کچھ میرے پاس ہے اور سب کچھ میرا ہو چکا ہے اور جو کچھ میرے پاس نہیں اس کا وجود ہی نہیں۔ اس دو طرح کی بے وقوفی کے باعث انسان انکار و حقائق کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ وجد تکلف و بناوٹ سے بھی ہوتا ہے۔ ایسا وجد عین نفاق ہے۔ وہاں اگر وجد کے اسباب اپنے اندر تکلف سے پیدا کرے۔ اس امید پر کہ حقیقت وجد نصیب ہو جائے۔ تو یہ نفاق نہیں ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ جب قرآن مجید سنو تو روو اگر رونا نہ آئے تو تکلف سے رونا لاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ جب دل میں تکلفاً بھی تم حزن کے اسباب پیدا کرو گے تو اس کا بھی اثر ہو جائے گا۔ چہ جائے کہ حقیقت میں واقع ہو۔ سوال!

اگر کوئی سوال کرے کہ جب ان حضرات کا سماع حق ہے اور صرف حق کے لیے ہے۔ جو دعوت (مجلس) میں قرآن خوانی کرنے والے حضرات کو بٹھایا جاتا اور وہ لوگ قرآن پڑھتے نہ کہ قوالوں کو بلایا جاتا ہے اور وہ گانا گاتے ہیں اس لیے کہ قرآن حق ہے اور سماع (قوالی) اس سے کہیں زیادہ پست ہے اس سوال یا اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سماع آیات قرآنی سے بہت ہوتا ہے اور ان آیات کو سن کر وجد بھی بکثرت آتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم سنتے سنتے بے ہوش بھی ہو جاتے ہیں اور اکثر لوگوں نے اس حالت میں جان بھی دے دی ہے ایسے واقعات کو بیان کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے ہم نے ایسے واقعات کتاب "احیاء العلوم" میں بیان کر دیئے ہیں لیکن یہ کہنا کہ جائے قوال کے کسی "مقری" کو بلایا جائے اور قرآن شریف کے بدلے جو لوگ غزلیں گاتے ہیں اس کے پانچ اسباب ہیں۔

اول یہ کہ تمام آیات قرآنی عاشقوں کے حالات سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں (ان میں محبت کی باتیں نہیں ہوتی ہیں) اس لیے کہ قرآن حکیم میں کافروں کے قصے، اہل دنیا کے معاملات کے احکام کثرت سے ہیں اس کے علاوہ اور بہت سے امور بیان کئے گئے ہیں اس لیے کہ قرآن حکیم تمام قسم کے لوگوں کے درد کا مداوا ہے۔ اگر مقری (قرآن خواں) مثال کے طور پر یہ آیت پڑھے کہ میراث میں ماں کا ایک بٹا چھ (1/6) حصہ ہے اور بہن کا نصف (1/2) ہے یا یہ آیت پڑھے کہ چار ماہ دس روز عدت کے ہیں اسی یا اس قسم کی دوسری آیتیں تو ان آیتوں سے آتش عشق تیز نہیں ہو سکتی سوائے اس شخص کے جس کا عشق منتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہو اگر چہ اس کے لیے بھی یہ احکام اس کے مقصود سے بہت بعد اور دوری رکھتے ہیں

اور یہ بات بہت ہی شاذ و نادر ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ قرآن حکیم بکثرت یاد ہوتا ہے اور بہت لوگ پڑھتے ہیں اور جس بات کو بہت کثرت سے سنا جاتا ہے اکثر حالات میں وہ دل میں ذوق و آگہی پیدا نہیں کرتی ہے یہ اس کے لیے ہی (وجد آفرین) ہو سکتا ہے جس نے پہلی بار قرآن پاک سنا ہو لیکن نیا قرآن نہیں پڑھا جا سکتا۔

حضور اکرم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں جب عرب کے لوگ حاضر ہوتے تھے اور تازہ تازہ (یعنی پہلی بار) قرآن شریف سنتے تھے تو رونے لگتے تھے اور ان پر وجد و کیف طاری ہو جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ پہلے ہم بھی تمہاری ہی طرح تھے (کہ قرآن کریم سن کر ہم پر یہ وزاری طاری ہو جاتی تھی) لیکن پھر ہمارے دل سخت ہو گئے (کنا کما کنتم ثم قست قلوبنا) کہ اب ہم قرآن حکیم کے سننے کے عادی ہو چکے ہیں اور اس کی سماعت کے خوگر ہو چکے ہیں پس جو چیز تازہ اور نو ہوتی ہے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاجیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حج سے فراغت پا کر جلد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوا تو کعبۃ اللہ کی حرمت ان کے دلوں سے اٹھ جائے گی۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ بہت سے دل ایسے ہیں کہ جب تک انہیں کسی لحن سے یا راگ سے حرکت نہ دی جائے وہ حرکت نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ سماع سننے والے سماع میں جو بات کہی جا رہی ہے اس کی طرف توجہ نہیں دیتے بلکہ تمام تر توجہ راگ یا اچھی آواز کی طرف ہوتی ہے اس طرح ہر طرز ادا' ہر راگ اور ہر لے اور لحن کا دوسرا ہی اثر مرتب ہوتا ہے۔ اور قرآن حکیم کو راگ راگنی کی صورت میں نہیں پڑھا جا سکتا۔ کہ پڑھیں اور تالیاں جائیں یا اس میں کسی قسم کا تصرف کریں اور جب یہ قرآن بغیر الحان کے ہوگا تو صرف سخنِ الٰہی رہ جائے گا۔ اس وقت وہ دہکتی آگ نہیں ہوتا جو جلائے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ الحان میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ دوسری آوازوں سے اس کو تقویت پہنچائی جائے تاکہ زبان سے زیادہ اثر کرے یعنی قوال کی آواز کے ساتھ بانسری طبلہ' دف اور شاہین کی آوازیں بھی شامل ہوں تاکہ اثر زیادہ پیدا ہو اور یہ صورت ہزل کی ہے اور قرآن حکیم اس کی بالکل ضد ہے اس کی قرأت میں ان باتوں سے گریز کرنا چاہیے جو عوام کی نظر میں ہزل ہوں جیسا کہ منقول ہے کہ سرور کونین ﷺ ربیع بنت مسعود رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئے اس وقت گھر میں موجود کنیزیں دف بجا رہی تھیں اور کچھ گا رہی تھیں جب انہوں نے رسول کریم ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا تو وہ آپ کے مدحیہ اشعار پڑھنے لگیں۔ حضور ﷺ نے کنیزوں سے فرمایا کہ یہ ثناء پر مبنی اشعار مت پڑھو بلکہ تم جو کچھ گا رہی تھیں وہی گاؤ کہ ثناء کا مقدس مقام ہے ان کو دف پر گانا جو ہزل کی صورت ہے مناسب نہیں ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ ہر شخص کی ایک مخصوص حالت ہوتی ہے جس کا وہ حریص ہوتا ہے اور جس شعر کو وہ اپنے مناسب حال پاتا ہے اس کو سنتا ہے اور اگر وہ اس کے موافق حال نہیں ہوتا تو اس سے کراہیت اور ناگواری کا اظہار کرتا ہے اور ہو سکتا

۱۔ حضرت امام غزالی نے یہاں جائے آیات قرآنی کے ان کا ترجمہ پیش کر دیا ہے۔

ہے کہ وہ کہہ اٹھے کہ یہ مت پڑھو اور دوسرا شعر پڑھو- قرآن پاک کے سلسلہ میں ایسی بات نہیں کہی جاسکتی کہ یہ آیت مت پڑھو اور دوسری پڑھو اور ممکن ہے کہ وہ آیت اس کے مناسب حال نہ ہو اور اس کو ناگوار ہو کہ قرآن پاک کی ہر ایک آیت ہر ایک کے مناسب حال نہیں- اور نہ وہ اس طرح نازل ہوئی ہے- شعر کی صورت میں تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس سے وہی مراد لے جس جذبہ کے تحت شاعر نے کہا ہے لیکن قرآن پاک کے سلسلہ میں ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق اس سے معنی مراد لے-

مقام سوم : سماع میں حرکت، رقص اور جامعہ دری ہوتی ہے اس سلسلہ میں جو چیز اس سماع سے مغلوب ہو جاتی ہے اور اضطراری طور پر اس سے سرزد ہوتی ہے تو وہ اس سلسلہ میں ماخوذ نہیں ہوگا- البتہ اختیار کے ساتھ (ارادہ کے طور پر) جو کچھ کرے گا تاکہ لوگ اس کی حرکات کو دیکھیں اور سمجھیں کہ وہ صاحب حال ہے تو یہ درست نہیں ہے اور ایسی حرکت، رقص یا جامہ دری حرام ہے اور قطعی نفاق ہے شیخ ابوالقاسم نصر آبادی فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا سماع میں مشغول ہونا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کی غیبت میں مشغول ہوں- شیخ ابو عمرو ابن نجید کہتے ہیں کہ کوئی شخص اگر تیس سال تک غیبت میں مصروف رہے تب بھی وہ شخص کی طرح گنہگار نہیں ہے جو سماع میں ایسی حالت کا اظہار کرے جو بناوٹی ہو پس سب سے زیادہ مناسب اور عمدہ بات یہ ہے کہ سماع میں مشغول ہو اور خاموش بیٹھا رہے کہ وہ اس کے احوال ظاہری کے مطابق ہوگا- سماع کے سامع میں اتنی قوت ہونا چاہیے کہ دوران سماع میں وہ خود پر قابو رکھے کہ حرکت کرنا اور رونا بھی ضعف کی علامت (اور خود نگہداری کے خلاف) ہے لیکن ایسی قوت اور ایسا قابو بہت کم ہوتا ہے-

پس وہ بات جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے اس قول میں ظاہر فرمائی ہے کہ ہم بھی پہلے تم لوگوں کی طرح تھے (رقیق القلب) پھر ہمارے دل سخت ہوگئے- یعنی دلوں میں اب طاقت آگئی ہے- یعنی جسم میں اتنی قوت آگئی ہے کہ ہم خود کو قابو میں رکھ سکیں- پس جو شخص اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا- اس کو چاہیے کہ جب تک ضرورت ہی نہ آپڑے وہ خود نگہداری کرے- ایک نوجوان حضرت جنید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب وہ سماع میں مشغول ہوا تو اس نے ایک نعرہ مارا- حضرت جنید نے فرمایا کہ اگر اب تم نے ایسی حرکت کی تو تم ہماری صحبت کے لائق نہیں رہو گے- پس اس نے صبر کیا اور کیفیت سماع کو برداشت کرتا رہا اور اس کو بہت کوشش اس کام کے لیے کرنی پڑتی تھی آخر کار ایک روز وہ بہت صبر کرتا رہا لیکن زیادہ ضبط نہیں کرسکا اور اس نے ایک نعرہ مارا- اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا-

البتہ اگر کوئی شخص اپنی حالت کا اظہار نہیں کر رہا ہے اور وہ رقص کرنے لگے یا تکلف اور تصنع کے بغیر رونے لگے تو اس کے لیے ایسا کرنا روا ہے- اور رقص مباح ہے کہ چند حبشی مسجد میں رقص کر رہے تھے- تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا رقص دیکھا تھا-

جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو یہ سن کر آپ خوشی سے رقص کرنے لگے اور کئی مرتبہ زمین پر پاؤں مارا اس طرح جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت جعفر (طیار)

رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے جعفر! تم خلق اور خلق میں میری طرح ہو یہ سن کر انہوں نے رقص کیا تھا- حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ' سے فرمایا تم میرے بھائی اور میرے مولا ہو تو وہ بھی خوشی سے رقص کرنے لگے تھے-

پس جو شخص ایسے رقص کو (جو انبساط کے باعث ہو) حرام کہتا ہے وہ غلطی پر ہے ہاں اگر رقص محض بازی کے طور پر ہو تو وہ حرام ہے کہ بازی بھی جائے خود حرام ہے اگر کوئی شخص اس لیے رقص کر رہا ہے کہ اس کے دل میں جو حالت پیدا ہوئی ہے وہ زیادہ قوی ہو جائے تو ایسا رقص جائے خود محمود ہے-

ہاں! جامعہ دری اختیاری طور پر نہیں کرنا چاہیے کہ یہ مال کا ضیاع ہے البتہ اگر یہ کیفیت سے مغلوب ہو جائے تر رواہے- اگرچہ جامہ دری اختیار ہی سے ہوتی ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ اس اختیار میں اضطرار ہو اور اضطرار اس طرح غالب آجائے کہ کپڑے نہ پھاڑنا چاہے پھر بھی پھاڑ ڈالے جیسے بیمار کا کراہنا اگرچہ اختیاری امر ہے لیکن اگرچہ کراہنا نہ چاہے- تب بھی کراہتا ہے ورنہ جو کچھ ارادہ اور مقصد سے ہوتا ہے تو ہر وقت اس کو ترک کر سکتا ہے پس جب کوئی اس طرح مغلوب ہو جائے تو اس سے مواخذہ نہیں ہے-

اور جس طرح صوفی حضرات جامعہ داری کرتے ہیں اور اس کے ٹکڑوں اور پاروں کو تقسیم کر دیتے ہیں اس پر ایک طبقہ نے اعتراض کیا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے- تو یہ ان لوگوں کی غلطی ہے کہ لوگ تو ٹاٹ کو بھی ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتے ہیں- پیراہن دری تو بڑی بات ہے پس اگر وہ بیکار نہیں پھاڑتے اور پھاڑ کر ضائع نہیں کرتے بلکہ ایک مقصد کے تحت پارہ پارہ کرتے ہیں تو ایسا کرنا روا ہے اس طرح جب لباس کے پارے کو مزید دو دو تین تین ٹکڑے کرتے ہیں تو غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو یہ ٹکڑے مل جائیں اور اس سے وہ اپنا سجادہ یا گدری تیار کر لیں تو ایسا کرنا روا ہے کہ کوئی شخص کرپاس کے لباس کو سو ٹکڑے کر ڈالے اور سو درویشوں میں ان کو تقسیم کر دے تو ایسا کرنا مباح ہے اس لیے کہ وہ ہر پارہ کام میں آئے گا-

آداب سماع

چاہیے کہ سماع میں تین باتوں کا لحاظ رکھیں!

زمان ' مکان اور اخوان (محفل میں سننے والے ساتھی) زمان سے مراد یہ ہے کہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہر وقت سماع میں ہی مشغول ہیں- یا ایسے وقت مشغول ہوں جو نماز کا وقت ہو یا کھانے کے وقت سماع کیا جائے جب دل پریشان اور پراگندہ ہوں تو سماع میں مشغول ہو جائیں ایسا سماع بے فائدہ ہے-

مکان سے مقصد یہ ہے کہ کوئی راہ گذر ہو یا ناپسندیدہ اور تاریک جگہ ہو یا کسی ایسے نامہربان شخص کا مکان ہو جو ہر وقت غیظ و غضب میں رہتا ہو تو ایسی جگہیں سماع کے لیے مناسب نہیں ہیں-

اخوان سے مراد یہ ہے کہ سماع کی محفل میں جو کوئی بھی حاضر ہو وہ سماع کا اہل ہو جب کوئی متکبر و مغرور دنیا والا اس محفل میں موجود ہو گا تو وہ افترا پردازی کے ساتھ انکار کرے گا یا ایسا بناوٹی شخص موجود ہو جو بناوٹی حال اور رقص کرتا

ہے تو ایسا شخص بھی اس محفل کے لیے مناسب نہیں ہے یا کچھ غفلت پسند ایسے لوگ موجود ہوں جو بے ہودہ خیالات کے ساتھ سماع کی سماعت کریں یا دوران سماع پوچ اور لچر گفتگو میں مشغول ہوں اور ادھر ادھر دیکھنے میں مصروف ہوں اور باوقار لوگ نہ ہوں تو یہ بھی اخوان سماع میں نہیں ہیں یا ایسے لوگ ہوں جو عورتوں کو تاکتے جھانکتے ہوں یا نوجوان لوگ محفل میں ہوں اور دونوں طرف سے ایک دوسرے کے خیال میں مگن ہوں تو ایسا سماع بیکار ہے اسی لحاظ سے شیخ جنید قدس سرہ نے سماع میں جو زمان و مکان اور اخوان کی شرط رکھی ہے وہ اسی اعتبار سے رکھی ہے۔

سماع کے لیے ایسی جگہ بیٹھنا کہ جوان عورتوں کا نظارہ ہو سکے یا جوان مرد (امرد) شامل ہوں اور ایسے اہل غفلت ہوں جن پر شہوت کا غلبہ ہو تو ایسے وقت اور ایسی حالت میں سماع حرام ہے کہ ایسے موقع پر سماع سے دونوں طرف آتش شہوت بھڑک اٹھتی ہے اور شہوت کی نظر سے دوسروں پر نظر ڈالنے لگتے ہیں (عورتیں جوان مردوں کو اور جوان مرد عورتوں کو دیکھتے ہیں) اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سے دل پھنس ہوا اور اس تخم سے بہت سے فتنہ و فساد برپا ہوتے ہیں۔ تو ایسا سماع کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

پس جب سماع کے اہل حضرات موجود ہوں اور وہ سماع کی مجلس میں بیٹھیں تو ادب یہ ہے کہ سب لوگ سر جھکا کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں نہ ہاتھ ہلائیں اور نہ سر کو جنبش دیں بلکہ اس طرح بیٹھیں جیسے نماز میں تشہد میں بیٹھتے ہیں اور سب کے دل اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور اس بات کے منتظر ہوتے ہیں کہ غیب سے اس سماع کی بدولت کیا کچھ ظہور میں آتا ہے تمام اہل محفل خود نگہداری کریں اختیاری طور پر سماع کے دوران کھڑے نہ ہو جائیں اور جنبش نہ کریں البتہ اگر کوئی غلبہ شوق کے باعث سماع میں کھڑا ہو جائے تو پھر سب لوگ اس کی موافقت کریں اور کھڑے ہو جائیں اگر اس حال میں اس کی دستار گر جائے تو سب لوگ اپنی اپنی پگڑی اتار کر رکھ دیں یہ صورت حال اگرچہ بدعت ہے اور صحابہ کرام یا تابعین حضرات (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے ایسا نہیں کیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو امر بدعت ہے اس کو نہ کیا جائے کہ بہت سی بدعتیں ایسی ہیں جو نیک اور خوب ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تراویح کی جماعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وضع کردہ ہے پس یہ بدعت حسنہ ہے بدعت سیئہ یا بدعت مذموم وہ ہے جو سنت کے مخالف ہو جبکہ حسن خلق اور دوسروں کے دلوں کو خوش کرنا شریعت میں محمود اور پسندیدہ ہے۔

ہر قوم کی ایک مخصوص عادت یا ان کا رواج ہوتا ہے اور اس کی مخالفت کرنا ان لوگوں کے اخلاف میں بدخوئی سمجھا جاتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے خلق انسان باخلاقھم (ہر شخص کے ساتھ اس کی عادت اور خو کے مطابق زندگی بسر کرو) جبکہ اصحاب سماع اور موافقت عمل سے خوش ہوتے ہیں اور اس کی مخالفت سے ان کو وحشت اور پریشانی ہوتی ہے تو پھر ان کی موافقت کرنا سنت پر گامزن ہونا ہے صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی لیکن جہاں یہ دیکھا جائے کہ نہ اٹھنے سے لوگوں کو وحشت و ناگواری ہوگی تو ان کی دلدہی کی خاطر اٹھنا زیادہ بہتر ہے کہ عربوں کی عادت اور ہے اور عجمیوں کی عادت اور ہے واللہ اعلم۔

☆..........☆..........☆
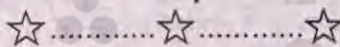
اصل نہم

امر معروف و نہی منکر

امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کا ایسا قطب ہے جس کے ساتھ ہر ایک نبی کو بھیجا گیا اگر اس قطب کو درمیان سے اٹھالیا جائے تو شریعت تمام کی تمام بیکار اور باطل ہو جائے یہ موضوع (اہم) تین ابواب میں ہم پیش کر رہے ہیں۔

باب اول :- اس کے وجوب کے بارے میں ہے۔

باب دوم :- احتساب کی شرائط میں ہے۔

باب سوم :- یہ بات منکرات کے بیان میں ہے۔

باب اوّل

امر معروف و نہی منکر کا وجوب

معلوم ہونا چاہیے کہ امر معروف و نہی منکر واجب ہے اگر کوئی شخص معذور نہیں اور اس کو ترک کرے گا گنہگار ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔
تم میں ایک ایسا گروہ (جماعت) ہونا چاہیے جن کا کام یہ ہو کہ وہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں (بھلائی کا حکم دیں) اور برائی سے باز رکھیں (سورۂ آل عمران)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فریضہ ہے لیکن ایسا فریضہ جو فرض کفایہ ہے کہ جب ایک گروہ اس پر کاربند ہو جائے تو کافی ہے لیکن اگر کوئی بھی نہ ادا کرے۔ تو سب لوگ گنہگار ہوں گے۔اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وہ لوگ ہیں جو زمین پر اقتدار حاصل کر لیتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں نیک کاموں کا

حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ شامل کیا ہے اور اہل دین کی اس طرح صفت بیان کی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

تم لوگ معروف کا حکم دو ورنہ خداوند تعالیٰ تم میں سے بدترین لوگوں کو تم پر مسلط فرمادے گا۔ اس وقت تم میں سے بہترین لوگ جب دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس وقت اس دعا کو نہیں سنے گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں معصیت کاری ہوتی ہو اور وہ اس بات کا انکار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب نازل کرنے والا ہے جو سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تمام نیک کام جہاد کرنے کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے بہت بڑے دریا کے سامنے ایک قطرہ اور امر معروف کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے دریائے عظیم کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔

انسان جو بات کہتا ہے اس کا تعلق اس کی ذات سے ہے صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ خاص بندوں پر عوام کے سبب سے عذاب نہیں نازل فرمائے گا۔ مگر اس وقت کہ وہ کسی کو منکر میں مبتلا دیکھے اور اس کو منع نہ کر سکے اور خاموش رہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسی جگہ مت بیٹھو جہاں کسی کو ظلم سے قتل کیا جائے یا ظلم سے مارا جائے کہ ایسی جگہ لعنت برستی ہے اس شخص پر جو اس حال کو دیکھے اور منع نہ کرے۔"

ایک اور ارشاد ہے کہ ایسی جگہ جہاں کوئی ناشائستہ بات ہو رہی ہو اور دیکھنے والا احتساب نہ کرے کہ اس احتساب کے باعث نہ تو اس کو موت ہی اس کی موت کے وقت سے پہلے آئے گی اور نہ اس کی روزی کم ہوگی۔" یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ ظالموں کے مکانات میں یا ایسی جگہ جہاں کوئی ظالم ہو اور اس پر احتساب کی طاقت نہ ہو تو بغیر ضرورت کے نہیں جانا چاہیے۔" یہی سبب تھا کہ اسلاف کرام میں سے بہت سے حضرات گوشہ نشین ہو گئے تھے کیونکہ بازار اور راستوں کو وہ منکرات سے خالی نہیں پاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص کے سامنے کوئی گناہ ہوتا ہے اور وہ اس سے کراہت کرتا ہے تو ایسا شخص غائب شخص کی مانند ہے اور اگر وہ وہاں موجود نہیں ہے لیکن اس گناہ پر راضی ہے۔ تو گویا وہ گناہ اس کے سامنے ہو رہا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے (ﷺ) کہ جو رسول بھی دنیا میں آیا اس کے حواری یعنی اصحاب ہوئے تھے جو اس رسول کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول علیہ السلام کی سنت کے مطابق کام کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے بعد ایسے لوگ آئے جو منبروں پر بیٹھ کر تو نیک اور اچھی باتیں کرتے تھے لیکن خود برے معاملات کرتے تھے۔ تو اس وقت ہر ایک مومن پر فرض ہے اور اس پر حق ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہاتھوں سے جہاد کرے اگر ہاتھوں سے نہ کر سکے تو زبان سے کرے اور اگر زبان سے بھی نہیں کر سکتا تو پھر وہ خود مسلمان نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو زیر زبر کردو۔ فرشتے نے کہا کہ

الٰہی فلاں شخص جس نے کبھی ایک لحہ کے لیے بھی گناہ نہیں کیا ہے اس شہر میں موجود ہے پھر میں اس شہر کو کیسے زیر وزبر کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ اور ایسا ہی کرو کہ اس شخص نے کبھی دوسروں کے گناہوں پر ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہے اللہ تعالیٰ ایسے شہر کے تمام باشندوں پر جس کی آبادی اٹھارہ ہزار مردوں پر مشتمل ہو اور ان کے اعمال پیغمبروں کے اعمال کی طرح ہوں، عذاب نازل فرماتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ایسا کیوں ہے ؟ حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں (کے برے کاموں) پر غیظ و غضب اور ان کا احتساب نہیں کیا۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! شہیدوں میں فاضل ترین شہید کون ہے آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جس نے سلطان جابر سے محاسبہ کیا۔ تاکہ اس کو اس محاسبہ کی پاداش میں وہ قتل کر دے اور اگر اس کو قتل نہیں کیا گیا تب بھی اس سے زیادہ مرتبہ کسی کا نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی طویل عمر پائے۔

اخبار میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں تمہاری قوم سے ایک لاکھ آدمیوں کو ہلاک کروں گا۔ جس میں اسی ہزار نیک افراد ہوں گے اور بیس ہزار اشرار و گنہگار حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ نیک لوگ کیوں ہلاک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس لیے کہ انہوں نے ان اشرار اور خطا کاروں کو اپنا دشمن نہیں سمجھا اور ان کے ساتھ کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے اور دوسرے معاملات کرنے میں احتراز نہیں کیا۔

باب دوم

احتساب کی شرط

معلوم ہونا چاہیے کہ احتساب تمام مسلمانوں پر واجب ہے پس اس علم کا اس کی شرائط کے ساتھ جاننا بھی واجب ہوا۔اس لیے کہ جس فریضہ کی شرائط سے آگاہی نہیں ہو گی اس ادائیگی ممکن نہیں ہے۔احتساب کے چار ارکان ہیں۔

ایک محتسب' دوم جس کا احتساب کیا جائے۔سوم جس معاملہ یا جس چیز میں احتساب کیا جائے چہارم' احتساب کی نوعیت اور کیفیت۔

رکن اول یعنی محتسب : محتسب کے لیے بس یہ شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو اور مکلّف ہو کہ احتساب دین کا حق بھی ہے سلطان کی اجازت اور محتسب کے صاحب عدل ہونے کی شرط کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے اور بعض کہتے ہیں یہ ضروری نہیں ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہ شرط نہیں ہے عدالت اور پارسائی احتساب کی شرط کس طرح ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی شخص بھی گناہوں سے معصوم نہیں ہے کہ یہ شرط لگائی جائے کہ احتساب وہی کر سکتا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو پس اگر احتساب ہم اس وقت کر سکتے ہیں کہ ہم سے کوئی گناہ نہ ہو تو اس صورت میں ہم ہر گز احتساب نہیں کر سکتے۔

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ جب تک خود کو پاک نہ کر لو مخلوق کو نیکی کی دعوت مت دو۔آپ نے جواب میں فرمایا کہ شیطان کو سوائے اس کے اور کسی چیز کی آرزو نہیں ہے کہ یہ بات وہ ہمارے دل میں جاگزیں کر دے تاکہ محاسبہ کا دروازہ بند ہو جائے۔پس اس مسئلہ میں حقیقی بات یہ ہے کہ محاسبہ یا احتساب دو طرح کا ہے ایک وعظ و نصیحت' جس کی توضیح و تشریح یہ ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ کام مت کرو اور خود اسی کام کو کرتا ہے تو بجز اس کے اور کیا فائدہ ہو گا کہ لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے اور اس کا وعظ اثر نہیں کرے گا کہ ایسا محاسبہ فاسق کے لیے مناسب نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ بات اور خراب ہو جائے۔جب محتسب یا واعظ یہ جانتا ہے کہ اس کی بات نہیں سنے گا اور

اس کا مذاق اڑائیں گے جس سے وعظ کی رونق اور اس کا بھرم برباد ہو گا اور شریعت کا وقار لوگوں کی نظروں میں گر جائے گا- یہی وجہ ہے کہ ایسے دانشوروں کی نصیحت جو خود فسق میں مبتلا ہوتے ہیں مخلوق کے لیے ضرر رساں ہے اور وہ لوگ اور جری ہو جائیں گے -رسول اکرم ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ :

شب معراج میں میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا کہ ان کے لب آگ کے ناخن تراش سے کاٹے جا رہے تھے- میں نے دریافت کیا کہ تم کون لوگ ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ دوسروں کو خیر کا حکم دیتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے -دوسروں کو شر سے منع کرتے تھے اور خود اس سے باز نہیں رہتے تھے-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے ابن مریم! پہلے خود کو نصیحت کرو جب تم اس کو قبول کر لو تب دوسروں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرم کرو۔

احتساب کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ہاتھ اور قوت سے ہو' جیسے شراب رکھی ہوئی دیکھے تو اس کو گرا دے یا چنگ و رباب کو توڑ ڈالے اور اگر کوئی جھگڑا کرنے لگے تو اپنی قوت سے اس فاسق کو روکے اور منع کرے ایسا کرنا روا ہے ہر شخص پر دو باتیں واجب ہیں اول یہ کہ نہ خود کرے نہ دوسروں کو کرنے دے اگر نہ کرے تو اس کو دوسرا کیوں کرے اسی طرح ریشمی کپڑے پہن کر کون احتساب کرے اور دوسرے کے ریشمی لباس کو اس کے جسم سے اتارے-

خود شراب پیتا ہے اور دوسرے کی شراب بہا دے تو ایسا کرنا نہایت ہی بری بات ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زشت اور چیز ہے اور باطل اور چیز ہے یہ بات اس لیے زشت ہے کہ اس نے اس سے مہم تر کو ترک کر دیا- اس لیے برا اور زشت نہیں ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا- مثلاً اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا تو یہ بات زشت ہے کہ اس نے ایک مہم تر بات کو ترک کر دیا ہے یعنی نماز کو- اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ روزہ رکھنا باطل و بیکار ہے- بلکہ قائل کا اس قول سے مقصود یہ ہے کہ چونکہ نماز روزہ سے مہم تر ہے اس طرح کرنا کہنے سے زیادہ مہم ہے لیکن ہیں یہ دونوں واجب ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہیں ہیں کہ اس کو اس کے بدلہ میں ادا کر دیا- جیسے مثال کے طور پر کہا جائے کہ شراب نوشی سے منع کرنا کیا اس پر اس لیے واجب ہے کہ وہ خود نہیں پیتا ہے اور جب وہ خود پی لے تو یہ واجب اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یہ محال ہے-

شرط دوم یہ ہے کہ اس محاسبہ کے لیے بادشاہ کی اجازت اور اس کے حکم نامہ کی ضرورت ہو تو یہ بھی محاسبہ کے لیے شرط نہیں ہے بزرگان سلف نے تو خود (اس کے برعکس) بادشاہوں اور سلاطین پر محاسبہ کیا ہے اس کی تفصیل بہت طویل ہے- اس مسئلہ کی حقیقت اس طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ تم محاسبہ کے درجات معلوم کر لو وہ ہم بیان کرتے ہیں-

احتساب کے چار درجات ہیں :

محاسبہ کا درجہ اول : نصیحت کرنا ہے اور خداوند عزوجل سے ڈرانا اور اس کی نافرمانی کا خوف دلانا اور یہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے تو پھر کسی منشور اور فرمان کی کیا ضرورت ہے بلکہ فاضل ترین عبادت یہ ہے کہ بادشاہ کو نصیحت کی جائے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا جائے۔

درجہ دوم : برے الفاظ کہنا ہے۔ مثلاً جس کا محاسبہ کرنا ہے اس سے کہا جائے کہ اے فاسق! اے ظالم! اے احمق! یا اے جاہل تو خدا سے نہیں ڈرتا جو ایسے کام کرتا ہے یہ تمام باتیں بالکل درست ہیں اگر فاسق کے حق میں کہی جائیں۔ ایسے کلمات کہنے کے لیے کسی فرمان یا اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

درجہ سوم : تیسرا درجہ ہاتھ سے منع کرنے کا ہے جیسے شرابی کی شراب بہادے یا چنگ و رباب توڑ دے ریشمی پگڑی اس کے سر سے اتارے۔ یہ تمام باتیں عبادت کی طرح واجب ہیں ہر وہ بات جو ہم نے باب اول میں بیان کی ہے اس امر پر دلیل ہے کہ جو کوئی مومن ہے اس کو شریعت نے اس قسم کا اختیار دیا ہے جس کے لیے سلطان کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

درجہ چہارم : یہ ہے کہ احتساب کے لیے مارے لیکن مارتے وقت اس بات کا خیال رہے اور اس بات سے ڈرے کہ اگر وہ لوگ مقابلہ پر ڈٹ جائیں تو مددگاروں کی ضرورت ہو گی پس ایسی صورت میں اپنے کچھ حامیوں کو جمع کر لے۔ تب مار دھاڑ سے محاسبہ کرے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس طرح سے فتنہ برپا ہو جائے کہ بادشاہ وقت سے اس کی اجازت نہیں لی گئی تھی پس بہتر یہ ہے کہ اس درجہ کے محاسبہ میں بادشاہ سے اجازت لے لی جائے۔ احتساب کے یہ درجات اگر پیش نظر رہیں تو کوئی تعجب نہیں کہ بیٹا باپ کا احتساب کرے تو سوائے اس کے کہ لطف و مدارا کے ساتھ نصیحت کرے اور کوئی صورت نہیں ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ باپ کو نصیحت کرے تو جب باپ غصہ کرے تو خاموش ہو جائے لیکن باپ سے سخت بات کہنا مناسب نہیں ہے مارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی طرح قتل کرنا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اگر بیٹا جلاد بھی ہے تو کوڑے نہیں مارنا چاہیے کہ یہی زیادہ مناسب ہے ہاں اس کی شراب پھینک دے ریشمی کپڑے پھاڑ ڈالے یا کوئی چیز اس نے حرام ذریعہ سے حاصل کی ہے تو اس سے لے کر اس کے مالک کو پہنچا دے چاندی کے پیالے توڑ دے اور دیوار پر جو تصویریں بنی ہیں ان کو بگاڑ دے اس طرح اور باتیں ہیں یہ تمام باتیں بیٹے کے لیے روا ہیں خواہ اس صورت میں باپ کتنا ہی غصہ کیوں نہ کرے کہ ایسا کرنا حق ہے اور اس کے جواب میں باپ کا غصہ کرنا باطل ہے ایسا کرنا باپ کے نفس پر تصرف کرنا نہیں ہے البتہ مارنا اور برا کہنا نفس پدر پر تصرف میں داخل ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ باپ ایسی باتوں سے بہت رنجیدہ ہو گا لہٰذا نہ کرے حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتساب سے اگر باپ غصہ ہو تو محتسب بیٹا خاموش ہو جائے اور وعظ و نصیحت سے باز رہے۔

اسی طرح غلام کا احتساب اپنے آقا پر اور آقا کا غلام پر' بیوی کا احتساب شوہر پر اور رعیت کا احتساب بادشاہ پر اسی طرح ہے جس طرح بیٹے کا احتساب باپ پر کہ یہ تمام حقوق موکدو مقرر ہیں اور ان کی بڑی اہمیت ہے البتہ شاگرد کا احتساب استاد پر بہت آسان ہے کہ استاد کی حرمت دین کے اعتبار سے ہے پس وہ جب اس علم کے مطابق جو استاد سے حاصل کیا ہے عمل پیرا ہو (احتساب کرے) تو کوئی محال بات نہیں ہے بلکہ وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے ۔اس نے اپنی عزت تو پہلے ہی گنوادی ہے۔

رکن دوم
یعنی
وہ امور جن میں احتساب کیا جاتا ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر وہ کام جو منکر ہے اور محتسب بغیر تجسّس کے اسے جان لے اور اس کام کی ناشائستگی پر اس کو یقین ہو تو اس پر محاسبہ کرنا روا ہے البتہ یہ چار شرطیں اس کے ساتھ ہیں :

شرط اوّل : یہ ہے کہ وہ کام از قسم منکر ہو خواہ معصیت نہ ہو نہ گناہ صغیرہ ہو جیسے کسی دیوانے یا بچے کو دیکھے کہ وہ کسی جانور کے ساتھ صحبت کر رہا ہے تو منع کرنا چاہیے اگرچہ اس فعل کو گناہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں مکلّف نہیں (دیوانہ اور بچہ) لیکن چونکہ شریعت میں ایسا فعل منکر میں داخل ہے اور فحش بات ہے لہٰذا احتساب درست ہے اسی طرح اگر کسی دیوانہ کو دیکھے کہ وہ شراب پی رہا ہے یا کسی بچہ کو دیکھے کہ وہ کسی کا مال تلف کر رہا ہے تب بھی منع کرنا چاہیے اور جو باتیں معصیت میں داخل ہیں خواہ وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہوں اس میں احتساب کرنا چاہیے جیسے عورت کا حمام میں برہنہ ہونا' عورتوں کو تکنا اور خلوت و تنہائی میں ان کے ساتھ کھڑا ہونا سونے کی انگوٹھی پہننا ریشمی لباس پہننا یا چاندی کے کٹورے میں پانی پینا ایسے تمام صغیرہ گناہوں میں احتساب کرنا چاہیے۔

شرط دوم : دوسری شرط یہ ہے کہ معصیت فی الحال پائی جاتی ہو لیکن اگر کوئی شخص شراب پی چکا ہے پس اس کو صرف نصیحت کرے احتساب کر کے اس کو دکھ نہیں پہنچانا چاہیے اس پر حد لگانا صرف سلطان وقت کا کام ہے ۔اسی طرح اگر کسی شخص کا ارادہ ہو کہ آج رات میں شراب پیوں گا تو اس کو رنجیدہ نہیں کرنا چاہیے ہاں نصیحت ضرور کرے کہ شراب مت

پیئو- ممکن ہے کہ اس نصیحت کے بعد وہ شراب نہ پئے اور جب وہ یہ کہہ دے کہ اچھامیں نہیں پیوں گا تو پھر اس کی طرف سے گمان بد نہ کرے-ہاں!اگر کوئی جوان خلوت میں عورت کے ساتھ بیٹھے تو اس کا احتساب کرنا روا ہے قبل اس کے کہ وہ وہاں سے فرار ہو جائے کہ ایسی خلوت خود ایک معصیت ہے اس طرح اگر کوئی شخص عورتوں کے حمام کے دروازہ پر کھڑا ہو جائے کہ جب عورتیں حمام سے نکلیں گی تو میں ان کو دیکھوں گا تو ایسے شخص کا بھی احتساب کرنا چاہیے کہ یہ کھڑا ہونا بھی معصیت ہے-

شرط سوم : تیسری شرط یہ ہے کہ معصیت محتسب کے تجسّس کے بغیر ہی ظاہر ہو تب تجسّس نہیں کرنا چاہیے-جو کوئی گھر میں داخل ہو جائے اور گھر کا دروازہ بند کر لے تب بغیر اجازت گھر میں داخل ہونا اور دریافت کرنا تم کیا کر رہے تھے (مناسب نہیں) اسی طرح در و بام سے کان لگانا تاکہ کانوں میں آواز آئے اور محاسبہ کرے یہ بھی درست نہیں ہے بلکہ جس چیز کو خدا نے چھپایا ہے اس کو پوشیدہ ہی رکھنا چاہیے مگر جب آواز باہر تک پہنچے اور مستوں کا شور و غل تو باہر تک پہنچتا ہے اس وقت بغیر اجازت گھر میں داخل ہو کر احتساب کرنا درست ہے اگر کوئی فاسق اپنے دامن کے نیچے کوئی چیز چھپائے ہوئے ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ شراب ہو تو اس سے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ دکھاؤ تمہارے دامن کے نیچے کیا ہے-یہ تجسّس ہو گا ہو سکتا ہے کہ وہ شراب نہ ہو اور محتسب نے بغیر دیکھے ہی یہ گمان کر لیا ہو کہ شراب ہو گی ہاں اگر شراب کی بدبو آتی ہو تو پھر روا ہے کہ اس کو (لے کر) پھینک دے-یا اس کے پاس بڑا بربط ہے اور باریک کپڑا پہنے ہے جس سے وہ نمایاں ہو رہا ہے تو پھر چھین کر پھینک دینا روا ہے بہت ممکن ہے کہ زیر دامن اور کوئی چیز ہو تو پھر اس کو نادیدہ ہی سمجھنا چاہیے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں ہے کہ آپ ایک چھت پر چڑھ گئے اور ادھر ادھر دیکھا تو ایک شخص کو ایک عورت اور شراب کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا-[۱] والا معاملہ ہو ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے حقوق صحبت کے باب میں بیان کیا ہے اور یہ واقعہ بہت مشہور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز منبر پر تشریف فرما تھے تو آپ نے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے فرمایا کہ بتایئے آپ اس معاملہ میں کیا کہتے ہیں-اگر امام وقت اپنی آنکھوں سے کوئی منکر دیکھے تو کیا روا ہے کہ وہ اس پر حد جاری کرے کچھ اصحاب نے فرمایا کہ حد جاری کرنا درست ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دو عادل گواہوں کے ساتھ مقید و مشروط کیا ہے-صرف ایک شخص کافی نہیں ہے اور یہ روا نہیں ہو گا کہ امام تنہا اپنے اس کو دو عادل گواہوں کے ساتھ مقید و مشروط کیا ہے صرف ایک شخص کافی نہیں ہے اور یہ روا نہیں ہو گا کہ امام تنہا اپنے علم کی بنا پر اس پر حد جاری کر دے بلکہ اس کا چھپانا واجب ہے-

شرط چہارم : چوتھی شرط یہ ہے کہ معلوم ہو کہ حقیقت میں یہ بات ناروا ہے گمان اور اجتہاد سے نہیں بلکہ یقین سے پس

۱- آپ یہ دیکھ کر احتساب کے لیے وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ عورت اس کی بیوی ہے اور برتن میں شراب نہیں بلکہ شربت ہے-

شافعی مسلک کے شخص کے لیے یہ بات روا نہیں ہے کہ وہ حنفی مسلک پر اس مسئلہ میں اعتراض کرے کہ بغیر ولی کے نکاح جائز ہے یا حنفی نے بغیر ولی کے نکاح کر دیا- یا کسی نے حق شفع حاصل کر لیا ہاں اگر کوئی شافعی مسلک کا پیرو بغیر ولی کے نکاح کر دے اس مجلس کے خرمے کھائے (یعنی اس مجلس میں موجود ہو) تو اس کے لیے روا نہیں ہے- اس کو منع کرنا روا ہے کہ وہ جس مذہب کا مقلد ہے اس کے صاحب (بانی مسلک) کے خلاف عمل کرنا کسی شخص کے نزدیک روا نہیں ہے ایک جماعت (فقہاء) کی رائے ہے کہ شراب نوشی' زناکاری یا کسی ایسے فعل پر احتساب کرنا روا ہے جس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے- (مسالک اربعہ متفق ہیں) اور اس پر یقین ہو نہ کہ اپنے اجتہاد سے کام لیا ہو کہ تمام فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کوئی اپنے اجتہاد یا اپنے صاحب مذہب کے اجتہاد کے خلاف کرتا ہے وہ عاصی ہے اور یہ بات حقیقت میں حرام ہے کہ جیسے اپنے اجتہاد سے قبلہ کی سمت متعین کرے اور پھر اس سمت نماز ادا کرے جس سے حقیقت میں سمت قبلہ کی طرف پشت ہوتی ہے تو ایسے اجتہاد سے وہ گنہگار ہو جائے گا خواہ دوسرا شخص یہ خیال کرے کہ وہ راہ صواب پر ہے (اس کا عمل درست ہے) اور کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ جو شخص جس فقہی مذہب کو چاہے اختیار کرلے روا ہے تو یہ کہنا بالکل لغو اور بیہودہ بات ہے قابل اعتماد نہیں ہے- بلکہ ہر عالم شخص اس بات کا مکلف ہے کہ اپنے ظن و گمان کے مطابق کام کرے اور جب اس کا ظن و گمان یہ ہو کہ مثلاً امام شافعی دوسرے ائمہ فقہ سے عالم تر ہیں یعنی اس باب میں امام شافعی کا اجتہاد سب سے بہتر ہے تو یہ جانتے ہوئے ان کی مخالفت کا عذر سوائے ہوائے نفس کے اور کچھ نہ ہو گا لیکن جو شخص عقائد میں مبتدع (بدعت کا بانی) ہو مثلاً حق تعالیٰ کے جسم کا قائل ہو (کہ حق تعالیٰ جسم رکھتا ہے) یا قرآن کو مخلوق کہتا ہے اور دیدار الٰہی کا (قیامت میں) منکر ہے تو ایسے شخص پر احتساب کرنا لازم ہے خواہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما احتساب نہ کریں کہ ایسا مذہب (تجسیم الٰہی کے قائل یعنی مبتدع) رکھنے والوں کی خطا یقینی ہے لیکن فقہ کے مسائل میں مجتہد کی خطا بالیقین معلوم نہیں-

البتہ بد عقیدہ شخص پر ایسی بستی میں احتساب کرنا چاہیے جہاں مبتدع لوگ کم ہوں اور اہل سنت و جماعت کی کثرت ہو- اور جب ایسی دو جماعتیں موجود ہوں کہ تم ان پر احتساب کرو گے تو وہ تم پر احتساب کریں گے اور فتنہ و فساد برپا ہو گا تو ایسے احتساب میں سلطان وقت کی اعانت ضروری ہے-

رکن سوم: یہ تیسرا رکن اس شخص کے باب میں ہے جس پر احتساب واقع ہوتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مکلّف ہو اور اس کا فعل معصیت کا سبب بنتا ہو اور اس کی بزرگی بھی مانع احتساب نہ ہو جس طرح کسی کا باپ ہو کہ اس کی بزرگی تنبیہ' تادیب اور اہانت سے فرزند کو مانع ہے ہاں وہ دیوانے اور غیر مکلّف لڑکے کو منع کر سکتا ہے لیکن اس کو احتساب نہیں کہا جائے گا- بلکہ اگر ایک جانور کو دیکھا کہ مسلمانوں کا اناج کھا رہا ہے تو اس کو روکنا درست ہے تاکہ مسلمانوں کے مال کا تحفظ ہو- لیکن ایسا کرنا اس پر واجب نہیں ہے البتہ اس صورت میں کہ یہ روکنا آسان ہو اور اس سے خود اس کو کسی مضرت کا اندیشہ نہ ہو تب مسلمان کے حق میں اتنا کام کرنا واجب ہے جس طرح اگر کسی کا مال ضائع ہو اور وہ خود اس ضیاع کا گواہ ہے اور گواہی دینے جانے کا راستہ بھی بہت دور دراز نہیں تو ایک مسلمان بھائی کا حق بجالانے کے واسطے اور ادائے شہادت کے

لیے جانا واجب ہو گا۔

ظلم : جب کوئی صاحب عقل و ہوش کسی کا مال ضائع کرتا ہے تو یہ ظلم و گناہ ہے اگرچہ اس میں محنت ہو پر احتساب ضروری اور لازمی ہے کیونکہ فسق و معصیت سے باز رہنا یا کسی کو اس سے باز رکھنا محنت و مشقت سے خالی نہیں ہے اس کو برداشت کرنا ضروری ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ محنت و مشقت اتنی ہو کہ اس کے برداشت کرنے کی اس میں طاقت ہو۔

احتساب سے غرض اسلام کی روش اور اس کے شعائر کا اظہار ہے پس اس باب میں اس کا محنت برداشت کرنا واجب ہو گا۔ مثلاً اگر کسی جگہ اتنی مقدار میں شراب موجود ہے کہ اس کو پھینکتے پھینکتے تھک جائے گا تو یہ مشقت اٹھانا واجب ہو گا۔ یا بہت سے بکرے بکریاں ہیں جو کسی مسلمان کا اناج کھا رہی ہیں اور ان کو ہنکانے سے وقت ضائع ہو تو ایسی محنت یا وقت کا ضیاع واجب نہیں ہے کیونکہ انسان کو اپنے حقوق کی رعایت اس طرح کرنا چاہیے جس طرح دوسروں کے حقوق کی رعایت کرتا ہے اور اس وقت اس کا حق ہے لہٰذا کسی کے مال کی حفاظت میں اس کو ضائع کرنا واجب نہیں ہے البتہ دین کی مدد میں اس کو صرف کرنا اور اس معصیت کو منع کرنا واجب ہے۔

احتساب میں ہر ایک قسم کی محنت برداشت کرنا واجب نہیں ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر خود عاجز ہے تو اس کو معذور سمجھا جائے گا۔ بس اس پر اتنا ہی واجب ہے کہ دل سے اس کام کا انکار کرے۔ ہاں جبکہ عاجز نہیں لیکن ڈرتا ہے کہ احتساب کروں گا۔ تو مجھ کو زدو کوب کریں گے یا یہ سمجھتا ہے کہ اس کا منع کرنا نفع بخش نہ ہو گا تو اس بات کی بھی چار صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ منع کرنے پر اس کو ماریں گے اور اس گناہ سے باز نہیں آئیں گے تو اس صورت میں اس پر احتساب واجب نہیں ہے البتہ زبان سے یا ہاتھ سے احتساب کرے یہ مباح ہے اور مار دھاڑ یا چوٹ آنے پر صبر کرے کہ اس صورت میں اس کو ثواب حاصل ہو گا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی شخص اس شہید سے افضل نہیں جو بادشاہ پر احتساب کرے اور قتل کر دیا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ معصیت کو روک سکتا ہے اور کسی بات کا خطرہ نہیں ہے اس احتساب پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے اب اگر احتساب نہیں کرتا ہے تو عاصی ہے اور گنہگار ہے تیسری صورت یہ ہے کہ اگر معصیت بھی نہیں چھڑوا سکتے اور احتساب پر اس کو مار بھی نہیں سکتے تو ایسے مقام پر شرع کی تعظیم کے لیے زبان سے احتساب کرنا واجب ہے کیونکہ جس طرح زبان سے انکار کرنے میں عاجز نہیں ہے اس طرح زبان سے منع کرنے میں بھی عاجز نہیں چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ معصیت کو مٹا سکتا ہے لیکن اس کو ماریں گے جیسے شراب کے شیشے اور چنگ و رباب کو پتھر سے توڑا تو اس کو ماریں گے ایسی صورت میں بھی احتساب واجب نہیں لیکن اگر احتساب کے بعد اس پر جو ظلم و زیادتی ہو اگر اس پر صبر کرے تو یہ افضل و بہتر ہے اس موقع پر اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے :

ولا تلقو بایدیکم الی التھلکۃ اپنے ہاتھوں سے خود کو بلا میں مت ڈالو تو اس کا جواب یہ ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہے کہ خدا کی راہ میں مال صرف کرو تا کہ ہلاک نہ ہو- (مال نفقہ کنید در راہ خدا تا ہلاک نہ شوید) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی گناہ کرے اور کہے کہ میری توبہ قبول نہ ہو گی- حضرت ابو عبید نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گناہ کریں اس کے بعد کچھ نیکی نہ کریں-

دوسری قسم یہ ہے کہ اس کو خطرہ ہے کہ جو چیز بالفعل اس کو حاصل ہے وہ ہاتھ سے نکل جائے گی (فوت ہو جائے گی) مثلاً اگر احتساب کرے گا تو اس کا مال چھین لیا جائے گا- یا اس کا گھر ویران کر دیں گے یا بدن کی سلامتی باقی نہ رہے گی اس کو ماریں گے یا اس کی جاہ و عزت میں فرق آئے گا- اس کو سر برہنہ بازار میں لے جائیں گے (خواہ اس کو نہ ماریں) ان تمام باتوں میں بھی وہ احتساب سے معذور ہو گا- ہاں اگر کسی ایسی بات کا خوف ہے جو مروت میں خلل انداز نہ ہو لیکن شان و شوکت میں رخنہ انداز ہو جیسے اس کو پکڑ کر بازار میں پیادہ پا لے جائیں گے اور پر تکلف لباس نہ پہننے دیں یا اس کے سامنے سخت بات چیت کریں- (نرمی سے گفتگو نہ کریں) تو ان تمام باتوں میں جاہ طلبی کا خیال ہے ایسے اسباب کی بنا پر معذور نہ ہو گا کیونکہ خود شریعت میں ایسے کاموں پر مداومت اور مواظبت نازیبا ہے لیکن حفظ مروت شریعت میں مطلوب ہے- (اس کا خیال ضرور رکھنا چاہیے) اور اگر وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کی غیبت کریں گے اس کو گالی دیں گے اس کے دشمن ہو جائیں اور دوسرے امور میں اس کی بات نہیں مانیں گے تو بلاشبہ یہ باتیں احتساب کے لیے عذر نہیں ہو سکتیں ہیں- اس لیے ہر محتسب کو ایسی آفتوں سے گذرنا پڑتا ہے- البتہ جب یہ اندیشہ ہو کہ احتساب کی وجہ سے لوگ اس کی غیبت کریں گے اور اس غیبت سے معصیت میں اضافہ ہو گا تو اس عذر کی بنا پر ترک احتساب روا ہے- البتہ اگر اپنے اقربا اور متعلقین کے باب میں اس کو ان آفات کا اندیشہ ہے یعنی وہ خود زاہد ہے اور اس کو یقین ہے (کہ اس کے زہد کی بنا پر) احتساب پر اس کو نہیں ماریں گے اور نہ اس کے پاس مال ہے جس کو وہ چھین لیں گے لیکن ڈر یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں اس کے عزیزوں اور دوستوں کو ستایا جائے گا تب احتساب درست نہ ہو گا کیونکہ اپنے حق کے تلف ہونے پر صبر کرنا تو روا ہے لیکن دوسروں کے حق کے ضائع ہونے پر روا نہیں بلکہ ان کے حقوق کی رعایت کرنا دین کا حق ہے اور اہم ہے-

احتساب کے آداب

احتساب کی کیفیت : معلوم ہونا چاہیے کہ احتساب کے آٹھ درجے ہیں- ان میں پہلا درجہ احوال کا جاننا ہے- یعنی چاہیے کہ محتسب اولاً یقین کے ساتھ جان لے (کہ اس کی حالت احتساب کی متقاضی ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ تجسس نہ کرے نہ در و دیوار سے کان لگا کر سنے اور نہ اس کے پڑوسیوں سے دریافت کرے اگر کوئی اپنے دامن سے کسی چیز کو چھپائے تو ہاتھ سے نہ ٹٹولے البتہ اگر بغیر تجسس کے پتہ چل جائے جیسے ساز کی آواز اور شراب کی بدبو تب احتساب کرنا

درست ہے یادو شاہد عادل اس کے حال کی خبر دیں تو قبول کرلے ان دو عادل گواہوں کے قبول کی بنا پر بغیر اجازت گھر میں داخل ہونا درست ہے البتہ محض ایک شاہد کی بات سن کر گھر کے اندر داخل نہ ہو یہی اولیٰ ہے کیونکہ گھر اس شخص کی ملکیت ہے اور ایک شاہد عادل کے قول سے اس کی ملکیت کا حق باطل نہ ہوگا۔ منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری پر یہ تحریر تھا کہ ایسی چیز کا چھپانا جو علانیہ نظر آئے گمان کی بنا پر رسوا کرنے سے اولیٰ ہے۔"

دوسرا درجہ اس کا یہ ہے کہ اس چیز کی برائی بیان کردے ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک ایسا کام کرتا ہو جس کی برائی سے وہ واقف نہ ہو جیسے ایک دہقان جو مسجد میں نماز پڑھتا ہے لیکن کامل رکوع و سجود نہیں کرپاتا یا اس کی نعلین میں نجاست لگی ہے اگر وہ جانتا تو اس طرح نماز نہ پڑھتا پس اس کو نماز سکھانا ضروری ہوا اور ادب تعلیم یہ ہے کہ اس کو نرمی سے سکھائے تاکہ اس کو ناگواری نہ ہو کسی مسلمان کو بلا ضرورت خفا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جب تم نے کسی کو کچھ سکھلایا تو واقعتہً اس کو نادان سمجھا اور اس کو اس کے عیب سے آگاہ کیا یہ ایسا زخم ہے کہ بغیر مرہم کے کوئی اس کو برداشت نہیں کرسکتا اور اس کا مرہم یہ ہے کہ تم معذرت کرتے ہوئے کہو کہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے سیکھ کے پیدا نہیں ہوتا اور جو کوئی نادان رہتا ہے اس کا گناہ اس کے ماں باپ اور استاد کی گردن پر رہتا ہے شاید تمہارے پڑوس میں کوئی ایسا عالم نہیں ہے جو تم کو سکھلائے غرض اس قسم کی عمدہ باتوں سے اس کے دل کو خوش کرنا چاہیے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرے گا یا اس کی باتوں سے کوئی رنجیدہ ہوگا تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کپڑے کا خون پیشاب سے دھو رہا ہے یا چاہتا تو یہ ہے کہ خیر کرے لیکن پیدا ہو رہا ہے شر۔

تیسرا درجہ: وعظ و نصیحت کا ہے نرمی کے ساتھ نہیں۔ جبکہ کسی کام کا کرنے والا خود جانتا ہے کہ جس کام کو وہ کر رہا ہے وہ حرام ہے تو پھر اس کے حرام کہنے سے کیا فائدہ بلکہ اس میں تخفیف کرنا چاہیے اور نرمی کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غیبت کرتا ہے تو اس سے کہے کہ ہم میں ایسا کون شخص ہے جو عیب سے پاک ہو پس اپنے عیب پر نظر کرنا زیادہ بہتر ہے یا اس کو غیبت کے بارے میں جو وعید اور سزا ہے اس کا حال پڑھ کر سنائیں۔ اس مقام پر ایک بڑی آفت ہے کہ اس سے بچنا بہت دشوار ہے بس وہی شخص بچ سکتا ہے۔ جس پر توفیق کا دروازہ کھلا ہے کیونکہ نصیحت کرنے میں نفس کے لیے دو بزرگیاں ہیں ایک یہ کہ ناصح اپنے علم و زہد کی بزرگی کو ظاہر کرتا ہے اور دوسری بزرگی اور اس کو دوسرے پر حکم چلانے اور اس پر فوقیت رکھنے کی حاصل ہوتی ہے اور یہ دونوں باتیں حب جاہ سے پیدا ہوتی ہیں انسانی طبیعت کا مقتضی ہی یہ ہے کہ اکثر وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں وعظ کرتا ہوں اور شریعت کا پابند اور مطیع ہوں لیکن حقیقت میں وہ محبت جاہ کا مطیع و تابع ہوتا ہے اور اس کی معصیت اس عمل سے جو دوسرا کرتا ہے بدتر ہے پس اس صورت میں اپنے دل میں غور کرے کہ جس کو نصیحت کر رہا ہے اس کا برائی سے باز آنا اپنی نصیحت و وعظ کے مقابلہ میں دوسرے واعظ کی نصیحت زیادہ پسند ہے اور خود اس کو اپنی نصیحت کے سلسلہ میں پسند نہیں کرتا تو ایسے شخص کو نصیحت کرنا سزاوار ہے اور اگر اس کو یہ بات پسند ہے کہ بس یہ شخص

میری ہی نصیحت سے اس گناہ سے باز آجائے تو اس کو خدا سے ڈرنا چاہیے کیونکہ وہ اس نصیحت سے اس کو اپنی طرف بلا رہا ہے خداوند تعالیٰ کی طرف نہیں۔

شیخ داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جو کوئی شخص بادشاہ سے احتساب کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کے کوڑے مارے جائیں گے کہا کہ اگر وہ ان کوڑوں کو برداشت کرے تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا کہا کہ اگر وہ اس کو بھی خوشی برداشت کرلے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک ایسی بلا میں جو ان دونوں باتوں سے بھی عظیم ہے مبتلا ہو جائے اور وہ بلا غرور ہے۔

شیخ ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے چاہا کہ فلاں فتنہ پر احتساب کروں اور میں سمجھتا تھا کہ وہ مجھے مار ڈالے گا لیکن میں نے اس کا خوف نہیں کیا لیکن اس وقت بہت سے لوگ وہاں موجود تھے تب مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ جب وہ لوگ مجھے اس راستے پر عمل پیرا دیکھیں گے اور سختی برداشت کرنے والا مجھے پائیں گے تب میرے دل میں غرور پیدا ہوگا اور اس وقت میں بے اخلاص ہو جاؤں گا اور میرا قتل میری غرض نفسانی کے تحت ہوگا (محض اللہ کے لیے میرا قتل نہیں ہوگا۔)

چوتھا درجہ: یہ ہے کہ سختی سے بات چیت کی جائے لیکن اس میں بھی دو ادب ہیں ایک یہ کہ جب تک نرمی اور لطف و مدارا سے روک سکتا ہے اور وہ کافی ہو تو سختی نہ کرے دوسرا ادب یہ ہے کہ فحش بات زبان سے نہ نکالے اور سچ کے سوا دوسری بات نہ کہے یعنی فاسق، ظالم اور جاہل سے زیادہ بات نہ کرے کیونکہ جو شخص کرتا ہے وہ احمق اور جاہل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ زیرک وہ ہے جو اپنا حساب خود کرے اور آخرت پر نظر رکھے احمق وہ ہے جو خواہش نفس کی پیروی کرے اور مغرور ہو اور یہ خیال کرے کہ اس کو معاف کر دیا جائے گا پس سخت گوئی ویسے وقت روا ہے کہ اس کے مفید ہونے کی امید ہو اور جب محتسب یہ سمجھے کہ سخت گوئی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا تو چیں بہ جبیں ہو کر اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور اس سے روگردانی کرے۔

پانچواں درجہ: جو احتساب محتسب کے ہاتھ سے تعلق رکھتا ہے اس کے بھی دو ادب ہیں اول یہ کہ اس کو لباس بدلنے پر مائل کرے اور کہے کہ یہ ریشمی لباس اتار دے غیر کی زمین سے نکل جائے اور شراب اگر ہے تو اس کو پھینک دے اس سے کہے کہ جنابت کی حالت میں مسجد سے دور رہ دوسرا ادب یہ ہے کہ اگر اس طرح کہنا کافی نہ ہو تو اس کو ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکال دے۔ اس بات میں عمل کا طریقہ یہ ہے کہ کمتر پر عمل کرے مثلاً جب کہ ہاتھ پکڑ کر نکال سکتا ہے تو داڑھی نہ پکڑے، پاؤں پکڑ کر نہ کھینچے۔ جب ساز کو توڑ دیا ہے تو اس کو ریزہ ریزہ نہ کرے ریشمی کپڑے بغیر پھاڑے اس کے جسم سے اتار دے۔ جب شراب کا پھینکنا ممکن ہے تو اس کے برتن کو نہ توڑے ہاں اگر ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکے تو پھر پتھر مار کر توڑ

دے اس پر تاوان لازم نہیں آئے گا یا قرابے (شراب کا برتن کا) منہ چھوٹا ہے اور ڈر ہے کہ جتنی دیر میں اس سے شراب گرے گی اتنی دیر میں وہ لوگ مجھ کو پکڑ کر ماریں گے تو پھر قرابہ پھوڑ کر بھاگ جائے اسلام میں جب اولاً شراب حرام ہوئی تو حکم یہ تھا کہ قرابہ اور خم کو پھوڑ دیں (توڑ ڈالیں) پھر یہ پھوڑنا منسوخ ہو گیا- بعض علماء کہتے ہیں کہ اس وقت یہ شراب کے مخصوص برتنوں کے بارے میں تھا اب بلا عذر ان کا توڑنا درست نہیں ہے- اگر کوئی شخص ان برتنوں کو توڑے گا تو اس پر تاوان ہو گا-

چھٹا درجہ : چھٹا درجہ اس احتساب میں ڈرانے دھمکانے کا ہے مثلاً یوں کہے کہ اس شراب کو پھینک دے ورنہ تیرا سر توڑ دوں گا یا تجھے رسوا کروں گا اگر نرمی سے کام نہ نکلے- اس وقت اس قسم کے کلمات کہنا درست ہیں- تہدید میں اور ادب میں مثلاً ایسی چیز کی تہدید نہ کرے جو درست نہ ہو مثلاً کہہ دے میں تیرے کپڑے پھاڑ دوں گا تیرا گھر کھول دوں گا تیرے اہل و عیال کو ستاؤں گا- (ایسی باتیں کہنا درست نہیں ہے) دوسرا ادب یہ ہے کہ تہدید میں وہی بات کہے جو کر سکتا ہے تاکہ دروغ گوئی لازم نہ آئے مثلاً یوں نہ کہے کہ تیری گردن مار دوں گا سولی پر چڑھا دوں گا- البتہ ہراس اور خوف کی خاطر ایسے کلمات اگر کہے اور تہدید میں مبالغہ کرے تو مصلحتاً جائز ہے جس طرح دو شخصوں میں صلح کرانے کی خاطر دروغ مصلحت آمیز درست اور روا ہے-

ساتواں درجہ : یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں اور لکڑی سے مارے یہ بات بوقت حاجت بقدر حاجت درست ہے یعنی اگر کوئی بغیر مار کھائے معصیت سے دست بردار نہیں ہو رہا ہے تو جب اس کو باندھ دیا تو اب مارنا درست نہیں ہو گا- معصیت کے بعد سزا دینے کو تعزیر اور حد کہتے ہیں اور تعزیر کرنا اور حد جاری کرنا سلطان وقت کا کام ہے اور ادب اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر ہاتھ سے مارنا کافی ہو سکتا ہے تو لکڑی سے نہ مارے اور ضربات منہ پر نہ مارے اور اگر یہ کافی نہ ہو تو تلوار کھینچ کر اس کو ڈرائے اگر محتسب اور اس شخص کے درمیان دریا حائل ہو تو تیر کمان پر رکھ کر کہے اگر تو اس کام سے باز نہیں آئے گا تو یہ تیر تیرے ماردوں گا اگر نہ مانے تو اس پر تیر چلانا جائز ہے لیکن تیر ران یا پنڈلی پر مارے نازک جگہوں پر نہ مارے-

آٹھواں درجہ : یہ ہے کہ اگر محتسب احتساب کی ضرورت پورا کرنے کے لیے تنہا کافی نہ ہو تو دوسرے لوگوں کو بھی جمع کرے اور اس سے لڑے، شاید ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اپنی خامیوں کو جمع کرے اور نوبت مقابلہ تک پہنچے- علماء اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جب ایسی صورت درپیش ہو تو حکم شاہی کے بغیر ایسا مقابل درست نہیں ہے کیونکہ اس سے فتنہ برپا ہو گا اور فساد واقع ہو گا- بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار سے جہاد کرنا سلطان کی اجازت کے بغیر درست ہے اسی طرح فاسقوں سے جنگ کرنا بغیر اجازت سلطان درست اور روا ہے کیونکہ اس زد و خورد میں اگر محتسب مارا جائے گا تو شہید ہو گا-"

محتسب کے آداب

محتسب کے اندر تین خصلتوں کا ہونا ضروری ہے علم' زہد اور حسن اخلاق کیونکہ اگر اس کو علم نہیں ہے (وہ عالم نہیں ہے) تو برے اور بھلے کام میں تمیز نہیں کر سکے گا اور اگر اس میں زہد نہیں ہے تو اگر برے بھلے میں علم کے باعث تمیز تو کر سکے گا لیکن اس کا کام غرض نفسانی سے خالی نہیں ہو گا اور جب اس میں حسن خلق نہیں ہو گا تو لوگ اس پر سختی کریں گے تو وہ غصہ میں قوت خدا کو بھول جائے گا اور حد میں نہیں رہے گا اور اس کا ہر ایک کام نفس کے ماتحت ہو گا حقانیت سے دور رہے گا پس اس صورت میں اس کا احتساب خود ایک معصیت بن جائے گا اسی بنا پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ایک بار ایک کافر کو پچھاڑا اور اس کو قتل کر دینا چاہا تو اس کافر نے آپ کے منہ پر تھوک دیا آپ نے فوراً اس کو چھوڑ دیا۔ (جب اس نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا) کہ مجھے غصہ آگیا تھا۔ تب میں ڈرا کہ یہ قتل کہیں فسق کے واسطے نہ ہو (غصہ کے باعث یہ قتل نفس کی غرض سے متعلق ہو گیا خالصتاً اللہ نہ رہا) اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے درے مارے اس نے آپ کو گالیاں دیں تو آپ نے مارنا فوراً روک دیا اس نے پوچھا کہ آپ کے مارنا کیوں چھوڑ دیا آپ نے فرمایا کہ اب تک تو میں تجھے خدا کے واسطے مار رہا تھا اب تو نے مجھے گالیاں دیں۔ تو اگر میں تجھے ماروں تو نفس کے تحت مارنا ہو گا۔ اسی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ احتساب وہی کرے کہ جس چیز میں امر و نہی کر رہا ہے اس میں حلیم ہو اور نرمی کرنے والا ہو۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کام کے کرنے کا حکم دے رہے ہو ضروری ہے کہ اول تم خود اس پر عالم ہو یہ بات شرط احتساب نہیں بلکہ منجملہ آداب احتساب ہے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم اس وقت تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کریں جب تک خود اس کو نہ بجالائیں۔ حضور علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا ایسا نہیں ہے اگر تم سے سب ادا نہ ہو تب بھی احتساب کو ترک نہ کرو۔

احتساب کے آداب میں سے یہ ہے کہ محتسب صابر رہے اور اس راہ میں رنج و محنت کو برداشت کرے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وامر بالمعروف وانہٗ عن المنکر واصبر علی ما اصابک (پس جو کوئی محنت پر صبر نہیں کر سکتا اس سے احتساب نہیں ہو سکتا احتساب کے ضروری آداب میں سے یہ بھی ہے کہ طمع کم رکھتا ہو اور علائق میں کم سے کم گرفتار ہو کیونکہ جہاں طمع کا دخل ہو گا وہاں احتساب نہیں ہو سکے گا۔ منقول ہے کہ ایک شخص ایک قصاب سے بلی کے لیے (مفت میں) چھیچھڑے لیا کرتا تھا اس نے قصاب کی ایک دن ایک بیجا حرکت دیکھی تو سب سے پہلے وہ شخص گھر آیا۔ اور بلی کو نکال باہر کیا پھر قصاب کے پاس آیا اور اس پر احتساب کیا' قصاب نے کہا اچھا اب آئندہ تم مجھ سے چھیچھڑے مانگنا! اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے اس سے پہلے ہی بلی کو گھر سے نکال دیا ہے تب تم پر احتساب کرنے آیا ہوں۔

اگر کوئی شخص یہ بات چاہتا ہے کہ لوگ اس سے محبت کریں اس کی تعریف کریں اور اس سے رضامند رہیں تو ایسا

شخص احتساب نہیں کر سکے گا- حضرت کعب الاحبار نے شیخ ابو سلم خولانی سے دریافت کیا کہ لوگوں کا تمہارے ساتھ رویہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا کہ ان کا برتاؤ میرے ساتھ اچھا ہے تو انہوں نے کہا کہ توریت میں مذکور ہے کہ جو شخص احتساب کرے گا-وہ اپنی قوم میں ذلیل و خوار ہو گا- یہ سن کر انہوں نے کہا کہ توریت کی یہ بات سچی اور درست ہے اور ابو مسلم نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ ہے-

معلوم ہونا چاہیے کہ احتساب کی اصل یہ ہے کہ محتسب اس عاصی کے لیے جو معصیت کر رہا ہے دل سوز ہے اور شفقت کی نظر سے اس کو دیکھے اور اس کو اس طرح منع کرے جس طرح اپنے فرزند کو منع کرتے ہیں اور اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے- منقول ہے کہ کسی شخص نے مامون الرشید پر احتساب کیا اور اس سے سختی کے ساتھ گفتگو کی تو مامون الرشید نے کہا کہ اے جواں مرد! حق تعالیٰ نے تجھ سے بہتر شخص کو مجھ سے بدتر شخص کے پاس جب بھیجا تو اس کو حکم دیا کہ اس سے نرمی سے بات کرو یعنی حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو (جو تجھ سے بہتر تھے) فرعون (جو مجھ سے بدتر تھا) کے پاس جب بھیجا تو فرمایا فقولا لہ قولا لینا تم دونوں نرمی سے بات کرنا' شاید وہ تمہاری بات قبول کرے- پس احتساب کرنے والے کو چاہیے کہ اس معاملہ میں حضور اکرم ﷺ کی پیروی کرے کہ جب ایک جوان حضرت سرور کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے یہ سنتے ہی تمام صحابہ کرام بگڑ گئے اور شور کرنے لگے اور مارنا چاہا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس کو مت مارو پھر اس کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور فرمایا اے جواں مرد کیا تجھے پسند ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے ایسا فعل کرے اس نے کہا میں اس کو کس طرح روا رکھ سکتا ہوں- تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر دوسرے لوگ تیرے بارے میں اس کو کس طرح روا رکھ سکتے ہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تیری بیٹی سے اگر ایسا کام کریں تو اس کو پسند کرے گا کہا نہیں- آپ نے فرمایا کہ تیری بہن سے اگر کوئی ایسی ناشائستہ حرکت کرے یا پھر یہی خالہ سے 'اسی طرح آپ نے ایک ایک رشتہ کے بارے میں سوال فرمایا اور وہ کہتا رہا مجھے پسند نہیں اور لوگ بھی رضامند نہیں تب حضور اکرم ﷺ نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا الٰہی! اس کے دل کو پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کو بچالے اور اس کا گناہ بخش دے اس کے بعد وہ شخص حضور ﷺ کی خدمت سے جدا ہوا پھر تمام عمر زنا سے بیزار رہا-

حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ سفیان بن عینیہؒ شاہی خلعت قبول کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا بیت المال میں اس کا حق ہے لیکن خلوت و تنہائی میں ان سے ملے اور ان پر عتاب کیا اور ان کو ملامت کی تب سفیان نے کہا کہ اے ابو علی ہم اگر صلحا میں داخل نہیں ہیں لیکن صلحاء سے ہم کو محبت ہے شیخ صلت بن اشیم اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے سے ایک شخص گذرا اس کی ازار زمین پر گھسٹ رہی تھی (ازار لمبی اور دراز تھی) جیسے عرب کے مغروروں کا دستور ہے (کہ ان کی ازار دراز ہوتی تھی' شرع میں اس کی ممانعت ہے) شاگردوں نے چاہا کہ اس پر سختی کریں لیکن انہوں نے اپنے شاگردوں کو جھڑکنے سے منع کر دیا اور کہا کہ میں اس کی تدبیر کرتا ہوں تب آپ نے اس کو پکارا

اور کہا کہ بھائی مجھے تم سے کچھ کام ہے اس نے کہا کہ کیا کام ہے آپ نے فرمایا کہ اپنا تہبند (ازار) اونچا کرلو اس نے کہا بہت خوب (یہ کہہ کر ازار اونچا کر لیا) تب انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اگر میں اس سے سختی سے کہتا یا اس کو گالی دیتا تو یہ ہرگز قبول نہیں کرتا۔ منقول ہے کہ ایک شخص ایک عورت کو زبردستی پکڑے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں چھری تھی عورت شور وواویلا کر رہی تھی لیکن کسی کا یہ مقدر نہ تھا کہ اس شخص کے پاس جائے اور اس کو روکے۔ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ اس کے پاس گئے اور اس کے شانہ سے شانہ ملا کر کھڑے ہوئے وہ شخص بے ہوش ہو کر گر پڑا اور اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا اور عورت اس کے ہاتھ سے نکل گئی جب کچھ دیر کے بعد اس کو ہوش آیا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ تجھ پر کیا گذری اس نے کہا کہ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اپنا بدن میرے بدن سے ملا کر آہستہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ تو کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے اس بات کی ہیبت سے میں بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے کہا کہ وہ بشیر حافی رحمتہ اللہ علیہ تھے اس نے کہا کہ میں اس قدر شرمسار ہوں کہ اب میں ان کا دیدار بھی نہیں کر سکتا اسی وقت اس شخص کو بخار آگیا اور ایک ہفتہ ہی میں وہ مر گیا۔

باب سوم

وہ منکرات جو لوگوں پر عام طور پر غالب ہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ اس زمانہ (چوتھی اور پانچویں صدی ہجری) میں تمام دنیا برے کاموں سے بھری پڑی ہے خلق کو ان کی اصلاح کی امید نہیں کہ چوں کہ وہ سب باتوں کے ترک پر قادر نہیں ہیں لہٰذا اس چیز کو بھی ترک نہیں کرتے جس کا چھوڑنا ممکن ہے یہ حال تو ان کا ہے جو دیندار ہیں اور اہل غفلت کی حالت یہ ہے کہ وہ ضلالت کے کاموں پر راضی ہیں جاننا چاہیے کہ یہ بات کسی طرح روا نہیں کہ جس کے مٹانے اور ترک کرنے پر تم قادر ہو۔ اس پر خاموش رہو ہم اس سلسلہ میں اس کے ہر جنس کے بارے میں اشارہ کریں گے اور بتلائیں گے (تفصیل سے نہیں) کہ تمام منکرات کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور ان منکرات میں سے بعض کا تعلق مساجد سے ہے بعض کا بازار اور بعض کا تعلق راستوں سے ہے۔

مساجد کے منکرات : یوں سمجھو کہ ایک شخص نے نماز پڑھی لیکن رکوع و سجود تعدیل سے ادا نہیں کئے یا قرآن پاک پڑھا لیکن گانے کی دھن میں یا قرآن پاک پڑھنے میں اس سے غلطی ہو یا کئی موذن مل کر اذان دیں یا بہت زیادہ لحن سے اس کو ادا کریں کہ اس کے بارے میں ممانعت آئی ہے۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہتے وقت تمام جسم کو قبلہ کی طرف سے موڑ لیں۔'' ان منکرات میں سے یہ بھی ہے کہ خطیب ابریشمی لباس پہنتا ہے اور سنہری تلوار رکھتا ہے یہ دونوں باتیں حرام ہیں منکرات مساجد میں یہ بھی ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں اور اشعار (عاشقانہ) پڑھیں یا قصہ گوئی کریں یا تعویذ

فروخت کریں یا اور کوئی چیزیں بیچیں جس کے باعث بچے' دیوانے اور بدمست لوگ مسجد میں آکر شور و غوغا کریں اور اہل مسجد کو ان سے اذیت ہو ہاں اگرچہ اندر آکر خاموش رہے یا دیوانہ سے کسی کو اذیت نہ پہنچے اور وہ مسجد کو ناپاک نہیں کرتا ہے تب ان کا آنا روا ہے اگر کوئی چہ مسجد میں آکر کبھی کبھار بازی میں مشغول ہو جائے تو اس صورت میں منع کرنا واجب نہیں ہے کہ مدینہ کی مسجد (مسجد نبوی) میں حبشیوں نے شمشیر و سپر کے کرتب دکھائے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دیکھا تھا البتہ اگر اس کو بازی گاہ بنالیں تو منع کرنا واجب ہے اگر کوئی وہاں بیٹھ کر کچھ سیئے یا کتابت کرے تو اس صورت میں کہ اس سے خلق خدا کو تکلیف و اذیت نہ ہو تو روا ہے لیکن اگر ان کاموں کے لیے دکان بنالے تو یہ مکروہ ہے یعنی ایسا کام مسجد میں نہ کرے جس سے اس کام کے کرنے کا غلبہ ظاہر ہو- متعدد بار بیٹھ کر ہمیشہ حکم یا قبالہ نویسی کرنا- کبھی کبھار بیٹھ کر وہاں حکم دے سکتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے بھی گاہ گاہ وہاں تشریف فرما ہو کر حکم دیا ہے- لیکن صرف اس مقصد کے لیے آپ مسجد میں بطور دوام تشریف فرما نہیں ہوتے تھے اسی طرح دھوبیوں کا مسجد میں کپڑے دھو کر خشک کرنے کے لیے پھیلانا یا رنگیرزوں کا کپڑوں کا رنگ کر پھیلانا اور خشک کرنا یہ تمام کام برے ہیں- بلکہ جو لوگ مسجد میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں جو احادیث معتبرہ سے نہ ہوں اگر کریں تو ان لوگوں کو وہاں سے نکال دینا روا ہے کہ بزرگان سلف نے ایسا ہی کیا ہے اسی طرح وہ لوگ جو بنے ٹھنے رہتے ہیں اور شہوت کا ان پر غلبہ رہتا ہے مسجع گفتگو کرتے ہیں گاتے ہیں ان کے مجمع پر جوان عورتیں جمع ہوتی ہیں تو یہ سب گناہ کبیرہ ہیں- مسجد تو مسجد باہر بھی مناسب نہیں ہیں واعظ ایسا شخص ہونا چاہیے کہ اس کا ظاہر بھی صلاحیت سے آراستہ ہو- دینداروں کا لباس پہنے' اور یہ بات کسی حال میں بھی درست نہیں کہ جوان عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا تھا حالانکہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مسعود میں آتی تھیں- چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ اگر حضرت ﷺ اس زمانہ کا حال ملاحظہ فرماتے تو ضرور منع فرماتے-

منکرات مسجد میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں کچہری لگائی جائے یا وہاں روپیہ پیسہ تقسیم کیا جائے یا دیہاتیوں کے معاملات اور حساب چکائیں یا اس کو تماشہ گاہ بنائیں- وہاں غیبت اور بے ہودہ گوئی میں مشغول ہوں- یہ سب کام بیجا اور مسجد کے تقدس کے خلاف ہیں-

بازار کے منکرات : بازار کے منکرات یہ ہیں کہ خریدار سے جھوٹ بولا جائے مال کا عیب چھپائیں ترازو درست اوزان اور گز صحیح نہ رکھیں مال میں دغا کریں- عید کے دن بچوں کے لیے چنگ اور سارنگیاں بنا کر بیچیں- کاٹھ کی تلواریں اور سپر بنا کر عید نوروز میں فروخت کریں یا جشن سدہ (ماہ بہمن کی بارہ تاریخ ایرانی یہ جشن مناتے ہیں) میں مٹی کے بگل بنا کر فروخت کریں یا مردوں کے لیے قبا اور ریشمی ٹوپیاں بنا کر بیچیں- یا رفو کیا ہوا کپڑا یا دھلا کپڑا جو استعمال شدہ ہو اس کو تیار کر کے فروخت کریں غرض کہ ہر وہ چیز جس میں غل اور فریب ہو- اسی طرح روپہلی' سنہری انگوٹھیاں بخوردان (مجمرہ)

دوات اور برتن سونے چاندی کے یہ سبب چیزیں فروخت کرنا منع ہے اور بعض ان میں سے حرام ہیں (ان کا استعمال حرام ہے) اور بعض مکروہ ہیں جانوروں کی تصویریں بنانا (اور بیچنا) حرام ہیں اور جو چیزیں جشن سدہ اور نوروز میں فروخت کرتے ہیں یعنی لکڑی کی ڈھال اور تلوار اور مٹی کا بگل یہ چیزیں فی نفسہا تو حرام نہیں ہیں بلکہ چونکہ اس سے آتش پرستوں کا طریقہ اور شعار ظاہر ہوتا ہے اس لیے یہ حرام ہیں کیونکہ شرع کے خلاف ہیں پس نوروز کی وجہ سے بازاروں کا سجانا یا اس کی مٹھائی بنانا اور اس دن کے لحاظ سے دوسرے الغرض مسلمان کو روا ہے کہ کافروں کی صف پر حملہ کردے اور ان سے لڑے یہاں تک کہ اس کو قتل کردیا جائے- اگرچہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے لیکن فائدے سے خالی نہیں ہے- کہ اس صورت میں بھی کسی کو قتل کرے گا اور کافر دل شکستہ ہوں گے اور کہیں گے کہ دیکھو مسلمان کیسے جیوٹ اور دلاور ہوتے ہیں اس سے ثواب حاصل ہوگا-

کوئی نابینا یا کمزور شخص ان کافروں کی صف پر اس طرح حملہ کردے تو درست نہیں کہ اس صورت میں بے فائدہ خود کو ہلاک کرنا ہے (یہی اس آیت کا مفہوم ہے) اسی طرح اگر ایسا موقع ہے کہ احتساب کرے گا تو اس کو ستائیں گے یا مار ڈالیں گے اور معصیت سے دستبردار نہیں ہوں گے اور اپنی گمراہی پر سختی سے کاربند رہیں گے کہ اس سے فاسقوں کے دل نہیں گھبراتے اور ان میں سے کسی کو خیر کی توفیق نہیں ہوتی تو ایسا احتساب بھی واجب نہیں کیونکہ بے فائدہ مشقت اٹھانے سے کیا حاصل اس قاعدہ میں دو اشکال ہیں ایک یہ کہ شائد اس کا یہ ہراس اور خوف بد گمانی یا نامردی کے باعث ہو یا یہ صورت ہو کہ وہ مار دھاڑ سے تو نہیں ڈرتا لیکن اس کے جاہ و جلال یا قرابتوں کے تعلق سے ڈرتا ہے- اس میں پہلے اشکال کی وضاحت تو یہ ہے کہ اگر اس بات کا ظن غالب ہے کہ اس کو ماریں گے تب تو وہ معذور ہے اور اگر مار کھانے کا ظن غالب نہیں ہے بلکہ صرف احتمال ہے تو ہمیشہ موجود رہتا ہے پس اگر مارنے کا شک موجود ہے تو احتساب بالیقین واجب ہے اور شک سے رفع نہ ہوگا اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ احتساب ایسے مقام میں واجب ہوگا جہاں سلامتی کا ظن غالب ہو دوسرا اشکال یہ ہے کہ احتساب سے ضرر محتسب کے مال پر ہوتا ہو یا جاہ و شوکت پر یا اس کے جسم پر یا اس کے عزیز و اقارب اور شاگردوں پر یا اس بات کا خوف ہو کہ اس سے زبان درازی کریں گے یا دین و دنیا کے فائدے اس کے لیے ختم ہو جائیں (اس طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں اور یہ فوائد بہت اقسام کے ہیں) اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک حکم ہے اب سب سے پہلی بات لو کہ وہ اپنے حق میں خوفزدہ ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ ڈرتا ہے کہ اگر احتساب کرے گا تو مستقبل میں کوئی چیز فوت ہو جائے جیسے استاد پر احتساب کرتا ہے تو تعلیم سے محروم رہ جائے گا یا طبیب اس کے علاج میں کوتاہی کرے گا یا آقا اس کا ماہانہ وظیفہ بند کردے گا یا اگر کوئی کام آپڑے گا تو اس حمایت سے محروم رہے گا تو ان باتوں سے اس کو معذور نہیں سمجھا جائے گا کہ یہ ضرر کوئی خاص ضرر نہیں ہے بلکہ صرف اتنا ہے کہ اس سے مستقبل کے ایک فائدہ کے فوت ہو جانے کا ڈر ہے اگر فی الحال وہ اس مدد کا محتاج ہے جیسے خود بیمار ہے اور طبیب ریشمی لباس پہنے ہے- اب اگر احتساب کرتا ہے تو طبیب اس کی طرف متوجہ نہیں ہوگا یا ایک عاجز درویش ہے توکل نہیں کرسکتا فقط ایک شخص سے اس

کو نفقہ ملتا ہے اب اگر یہ درویش اس پر احتساب کرے گا تو وہ شخص نفقہ بند کر دے گا یا اگر کسی شریر کے ہاتھ پڑ گیا ہے اور صرف ایک شخص اس کا حمایتی ہے تو تمام حاجتیں وہ ہیں جو فی الحال موجود ہیں ممکن ہے کہ ہم اس کو احتساب نہ کرنے کی خاموشی کے ساتھ اجازت دے دیں کہ یہ وقتی ضرورت ظاہر ہے لیکن یہ ضرر احوال کے تحت بدلتا رہے گا اور یہ بات اس کے اختیار سے متعلق ہے پس چاہیے کہ دین کی طرف نظر کر کے احتیاط کرے اور بغیر ضرورت احتساب سے دستبردار نہ ہو تکلفات کرنا درست نہیں ہے بلکہ نوروز اور سدہ کے تیوہاروں کو یکسر ختم کر دینا ہی زیادہ مناسب ہے تاکہ پھر آئندہ ان کا کوئی نام بھی نہ لے۔[1]

بعض علمائے سلف نے فرمایا ہے کہ اس دن روزہ رکھے تاکہ وہ چیزیں اس کے کھانے میں نہ آئیں سدہ کی رات میں ہر گز چراغاں نہ کرے تاکہ روشنی بالکل نظر نہ آئے اور محققین فرماتے ہیں کہ اس دن کا روزہ رکھنا بھی اس دن کو یاد رکھنا ہے اور اس کی یاد بھی مناسب نہیں ہے بلکہ دوسرے ایام کی طرح اس کو بھی سمجھے (کوئی اہمیت اس دن کو نہ دے) نہ سدہ کی رات سے کوئی تعلق رکھے غرض کہ کسی اعتبار سے بھی اس کو یاد نہ رکھے تاکہ اس کا نام و نشان مٹ جائے۔

شاہراہوں کے منکرات: بڑے بڑے راستوں یعنی شاہراہوں کے منکرات یہ ہیں کہ ستون راستہ میں "گاڑ" کے دوکان بنائیں جس سے راستہ تنگ ہو جائے یا ایسی جگہ درخت لگائیں یا سائبان ڈالیں کہ اگر کوئی شخص سوار ہو کر وہاں سے گذرے تو اس کو چوٹ لگے یا راستہ پر چیزوں کا انبار لگا دیں یا راستہ پر جانور باندھ دیں جس سے راستہ تنگ ہو جائے یہ تمام کام درست نہیں ہیں صرف بقدر حاجت و ضرورت جیسے بوجھ وہاں سے اتار کے گھر کو لے جائیں لیکن دیر نہ کی جائے) کانٹوں دار جھاڑیوں سے لدے ہوئے گدھے کو تنگ راستوں سے نہ گذاریں اس سے لوگوں کے کپڑے پھٹ جائیں گے البتہ اس صورت میں منع نہیں ہے کہ سوائے اس راستہ کے اور کوئی راستہ نہ ہو اس صورت میں حاجت و ضرورت کے اعتبار سے روا ہو گا۔ جانور کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر بار نہ کریں۔ اسی طرح قصائی کا راستہ میں بکروں کو ذبح کرنا اور کاٹنا درست نہیں ہے کہ راہگیروں کے کپڑے خراب ہوں گے۔ بلکہ اس جگہ دکان ہی میں بنانا چاہیں خربوزہ کا چھلکا راستہ میں نہ پھینکنا چاہیے اور نہ اتنا پانی چھڑکانا چاہیے جس سے لوگوں کے پاؤں پھسلیں جو شخص راستہ میں برف پھینکے یا اس کی چھت کا پانی راستہ میں جہاں پر گرتا ہے اس جگہ کو مالک مکان کو صاف کرنا چاہیے لیکن جہاں اس مکان کی نالیاں بہتی ہوں۔ اس کی درستگی عام لوگوں کے ذمہ ہے اور حاکم کو روا ہے کہ وہ عوام کو اس کی درستی پر مامور کرے اگر کوئی شخص اپنے دروازہ پر جو گزرگاہ پر واقع ہے موذی کتے کو باندھے تو ناروا ہے البتہ صرف راستہ کو وہ نجس کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی اذیت اس سے نہیں پہنچتی تو منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ راہگیر اس سے بچ بھی سکتا ہے اگر کتا راستہ میں سو جائے جس سے راستہ تنگ ہو جائے جس سے راستہ تنگ ہو جائے تو

---

[1] پاکستان میں شیعہ نوروز بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ مترجم

یہ مناسب نہیں کہ اس طرح کتے کا مالک اگر راستہ پر آکر بیٹھ جائے تو اس کو منع کرنا چاہیے۔

حمام کی برائیاں

حمام کی برائیاں یہ ہیں کہ ناف سے زانو تک ستر عورت نہ کرے (ناف سے زانو تک جسم کو ننگا کرنا) یا لوگوں کے سامنے کھڑا ہو کر رانوں کو رگڑے اور میل دور کرے بلکہ لنگی کے اندر ہاتھ ڈال کر اگر ران کو پکڑے گا اور ملے گا تب بھی درست نہیں کہ رگڑنا بھی چھونے کے مانند ہے۔ جانوروں کی تصویریں بھی حمام میں بنانا درست نہیں برا ہے بلکہ ان کو مٹا دینا چاہیے یا وہاں سے نکل جائے اس پر واجب ہے امام شافعی کے مذہب میں نجس ہاتھ، طسلہ طشت وغیرہ جو پلید ہے اس کو آبِ اندک میں (آب قلیل) ڈالنا منع ہے لیکن امام مالک کے مذہب میں روا اور درست ہے پانی کا بیکار خرچ کرنا بھی منکرات میں سے ہے اس کے علاوہ چند اور بری باتیں ہیں جن کو ہم کتاب طہارت میں بیان کر چکے ہیں۔

مہمانی کی برائیاں

ریشمی بچھونا، چاندی کی انگیٹھی اور گلاب دان، ایسے پردے جن پر تصویریں ہوں منع ہے البتہ اگر بچھونے پر اور تکیہ پر تصویریں ہوں تو کچھ ہرج نہیں ہے انگیٹھی جس کی شکل کسی جانور کی ہو استعمال کرنا منع ہے۔ راگ رنگ، ایسا سماع جہاں مردوں کے ساتھ عورتیں ہوں اور ان کا دیکھنا چونکہ خطرہ سے خالی نہیں۔ فساد کا بیج ہے لہٰذا ان سب باتوں سے منع کرنا واجب ہو گا اگر منع نہیں کر سکتا تو اس جگہ سے فوراً نکل جائے۔ منقول ہے کہ امام حنبلؒ نے ایک مجلس میں چاندی کا سرمہ دان دیکھا تو وہاں سے اٹھ کر چلے آئے اسی طرح اگر مجلس میں کوئی شخص ریشمی لباس پہنے ہے یا سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہے تو وہاں بیٹھنا درست نہیں ہے اگر کوئی باشعور لڑکا ریشمی لباس پہنے تب بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ مردوں پر حرام ہے اسی طرح جیسے شراب حرام ہے اور پھر جب وہ اس کا عادی ہو جائے گا تو بلوغ کے بعد اس کا چسکا باقی رہے گا البتہ جب لڑکا باشعور نہ ہو اور اس کی لذت سے بھی ناآشنا ہو تو اس کے لیے مکروہ ہے لیکن مکروہ تحریمی نہیں ہے۔

اگر مجلس میں کوئی مسخرہ لوگوں کو اپنی مسخرگی اور یاوہ گوئی سے ہنساتا ہے تو اس کے ساتھ بیٹھنا بھی درست نہیں ہے۔

اے عزیز! منکرات کی تفصیل بہت دراز ہے جب تم نے ان (بیان کردہ) منکرات کو جان لیا تو پھر تم مدرسہ، خانقاہ کچہری اور دوسرے محکموں دربار وغیرہ کے منکرات کو اس پر قیاس کر سکتے ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔
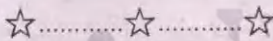
اصل دہم

حکمرانی اور رعیت کی پاسبانی

معلوم ہونا چاہیے کہ فرمانروائی ایک اہم اور عظیم کام ہے اور حق تعالیٰ کی زمین پر خلافت ہے بشرطیکہ یہ عدل کے ساتھ ہو اور جب یہ خلافت یا حکمرانی انصاف اور شفقت سے خالی ہو گی تو پھر یہ ابلیس کی نیابت ہو گی کیونکہ حاکم کے ظلم سے بڑا اور کوئی فساد نہیں ہے۔

فرمانروائی کی اصل : فرمانروائی کی اصل علم و عمل ہے حکومت و فرمانروائی کا علم اگرچہ بہت وسیع ہے۔ لیکن اس کا عنوان یا مقدمہ یہ ہے کہ حاکم معلوم کرے کہ اس کو اس دنیا میں کسی مقصد سے بھیجا گیا ہے اور اس کا ٹھکانا کہاں ہے اور یہ دنیا اس کی صرف منزل ہے قرار گاہ نہیں ہے وہ بظاہر ایک مسافر ہے۔ ماں کا پیٹ اس کی راہ منزل کی ابتدا ہے اور قبر اس کی منزل کا آخری ٹھکانا ہے اس کا وطن اس کے سوا ہے ہر برس ہر مہینہ اور دن جو اس کی عمر سے گذرتا ہے وہ بھی ایک منزل کا حکم رکھتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی آخری منزل یا قرار گاہ (قبر) کے نزدیک ہوتا جاتا ہے اور جو کوئی اپنی اس منزل کو بھولا اور پل کی تعمیر میں لگا رہا دنیا کی فکر میں لگا رہا) وہ بالکل نادان ہے دانشور اور ہوشیار وہ شخص ہے جو اس دنیا کی منزل میں راہ آخرت کا توشہ فراہم کرنے کے سوا کچھ اور طلب نہ کرے اور دنیا میں بس اتنی چیز پر جس کی ضرورت رکھتا ہے اکتفا کرے اس کے سوا کچھ اور طلب نہ کرے اور دنیا میں بس اتنی چیز پر جس کی ضرورت رکھتا ہے اکتفا کرے اس کے سوا جو کچھ اور ہے وہ حسرت و ندامت کا سرمایہ ہو گا اور موت کے وقت سکرات مرگ اس پر دشوار ہو گی اور پھر یہ سختی تو اس صورت میں ہے کہ مال حلال ہو اگر مال حرام ہو گا تو آخرت کا عذاب اس حسرت سے کہیں زیادہ ہو گا۔ جاننا چاہیے کہ دنیاوی خواہشوں سے صبر کرنا مشکل ہے بغیر محنت کے نہیں ہو سکتا البتہ اس شخص کے لیے آسان ہے جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہو کہ دنیا کی لذت چند روزہ ہے اور آخرت کی لذت ابدی ہے اور کبھی زوال پذیر نہیں اور ہاتھ سے نہیں جائے گی تو ایسے شخص کے لیے چند روز صبر کرنا آسان ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کا کوئی معشوق اور محبوب ہے اگر اس سے کہا جائے کہ اگر آج کی رات تو اس سے ملے گا۔

تو پھر تمام عمر اس سے نہیں مل سکے گا اور اگر آج کی رات صبر کر لیا تو پھر تمام عمر کے لیے اس کو تیرے سپرد کر دیا جائے گا اور اس طرح کہ کوئی رقیب درمیان میں حائل نہ ہو گا تو اس صورت میں اگر اس کا عشق کتنا ہی فزوں ہو پھر بھی ایک شب کا صبر کرنا اس کے لیے ہزار شب ہائے وصل کی امید پر آسان ہو گا اور دنیا کی مدت آخرت کی مدت کے ہزارویں حصہ سے بھی کم تر ہے بلکہ اس سے کچھ نسبت ہی نہیں رکھتی۔ ابد کی درازی انسان کے وہم اور خیال میں ہر گز نہیں آسکتی کہ اگر

فرض یہ کرلیا جائے کہ آسمان اور زمین کے تمام طبقات کو دانوں سے پر کردیا جائے اور ایک ہزار سال تک ایک پرندہ اس کھلیان سے ایک ایک دانہ چگتا رہے تب بھی وہ کھلیان ختم نہ ہو اور اس کھلیان سے کچھ کم نہ ہو۔

اسی طرح اگر انسان کی عمر سو سال کی ہو اور روئے زمین کی تمام سلطنت یعنی مشرق سے مغرب اسے دے دی جائے اور کوئی اس کا مخالف بھی نہ ہو تو آخرت کی دولت کے مقابلہ میں اس کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی۔ پس جبکہ ہر شخص کو دنیا سے تھوڑا حصہ دیا گیا اور وہ بھی کدورت سے خالی نہیں ہے اور ایسے بہت سے لوگ ہوں گے جو دولت میں اس سے فائق اور برتر ہوں تو پھر دائمی سلطنت کو اس چھوٹی سی دولت کے عوض بیچنے کا کیا باعث ہو سکتا ہے پس رعیت اور حاکم دونوں کو چاہیے کہ دل میں اسباب پر خوب غور کریں تاکہ کچھ دیر کے لیے دنیوی لذتوں سے دست بردار ہو سکیں اس وقت رعیت پر مہربانی اور خدا کے بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کو صحیح طور پر چلانا اس پر آسان ہوگا۔

جب حاکم کو اس بات کا علم ہو جائے تب اس کو فرمانروائی میں مشغول ہونا چاہیے اور اس طرح جیسا کہ اس کو حکم دیا گیا ہے نہ اس طرح کہ اس میں دنیا کی خوبی ہو کیونکہ حق تعالیٰ کے حضور میں کوئی عبادت حاکم کے عدل سے بہتر نہیں ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سلطان عادل کے عدل کا ایک روز ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے اور حدیث شریف میں یہ جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں سات شخص ہوں گے ان میں سب سے پہلا سلطان عادل ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بادشاہ عادل کے لیے ہر روز ساٹھ صدیقین عابد کا عمل ملائکہ (عرش پر) لے جاتے ہیں۔" حضور ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا بڑا مقرب اور بہت محبوب بادشاہ عادل ہے اور سب سے بڑا دشمن اور گرفتار عذاب بادشاہ ظالم ہے۔

حضور سرور کونین ﷺ فرماتے ہیں قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ ہر روز عادل بادشاہ کا اتنا عمل نیک ملائکہ لے جاتے ہیں جو اس کی تمام رعیت کا عمل ہوتا ہے اس کی ہر ایک نماز ستر ہزار نمازوں کے برابر ہوگی۔

جب صورت حال یہ ہے تو اس سے زیادہ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو سلطنت کا منصب عطا فرمائے تاکہ اس کی ایک ساعت دوسرے شخص کی تمام عمر کے برابر ہو جائے اور جب کوئی شخص اس نعمت کا حق نہ پہنچانے ظلم اور ہوا و ہوس میں مشغول ہو تو اس پر غضب الٰہی نازل ہوگا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ عدل کا درجہ ان دس قاعدوں کی رعایت سے حاصل ہوتا ہے۔ قاعدہ اول یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ اس کے حضور میں پیش ہو تو اس میں وہ اس طرح فرض کرے کہ وہ خود رعیت ہے اور سلطان کوئی دوسرا ہے۔ پس جو بات وہ اپنے بارے میں پسند نہ کرے کسی دوسرے مسلمان کے بارے میں پسند نہ کرے اگر وہ پسند کرے گا تو فرمانروائی میں دغا اور خیانت کرے گا۔ جنگ بدر کے روز حضور اکرم ﷺ سایہ میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام دھوپ میں تھے۔ حضرت جبریل امین تشریف لائے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ سایہ میں بیٹھے ہیں اور آپ کے

اصحاب دھوپ میں ہیں (تو در سایہ ویاران تو در آفتاب) بس اتنی سی بات پر اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا (گلہ کیا) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی چاہتا ہے کہ دوزخ سے نجات پائے اور بہشت میں جگہ ملے چاہیے کہ آخروقت تک (دم باز پسیں) کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھے اور جو چیز اپنی خاطر پسند نہیں کرتا ہے کسی دوسرے مسلمان کے لیے پسند نہ کرے ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص صبح کو اٹھے اور خدا کے سوا اس کا دل کسی اور سے لگا ہو وہ مرد خدا نہیں ہے اور اگر مسلمانوں کے کام کاج سے بے پرواہ ہے تو وہ مسلمانوں میں داخل نہیں ہے۔

قاعدہ دوم : قاعدہ دوم یہ ہے کہ اپنے دروازے پر ارباب حاجات کے انتظار کرنے کو معمولی بات نہ سمجھے اور اس آفت سے بچے اور جب تک کسی مسلمان کے کام سے فارغ نہ ہو جائے نفلی عبادت میں مشغول نہ ہو کہ مسلمانوں کی حاجت روائی کرنا تمام نوافل سے افضل ہے۔ منقول ہے کہ ایک روز حضرت عمر بن عبدالعزیز نماز ظہر تک مخلوق کے کاموں میں مصروف رہے پھر گھر میں تھکے ماندے گئے تاکہ ایک ساعت آرام کرلیں ان کے اس ارادہ سے آگاہ ہو کر ان کے فرزند نے کہا کہ اے والد محترم آپ کو کیا معلوم شاید آپ کو اس ساعت میں پیام اجل آجائے اور اس وقت کوئی امیدوار آپ کے دروازہ پر کھڑا ہو اور آپ اس امر میں قصوروار ٹھہریں آپ نے فرمایا بیٹے تم سچ کہتے ہو یہ کہہ کر آپ فوراً باہر تشریف لے آئے۔

قاعدہ سوم : تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ اچھی خوراک اور عمدہ لباس کا عادی نہ بنے بلکہ تمام امور میں قناعت اختیار کرے کیونکہ قناعت کے بغیر عدل ممکن نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم نے جو باتیں میرے بارے میں سنی ہیں ان میں تم کو کون سی باتیں ناپسند ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک وقت کے کھانے میں دو سالن آپ کے دستر خوان پر ہوتے ہیں اور آپ کے پاس دو جوڑے کپڑے ہیں آپ ایک دن کو پہنتے ہیں اور ایک رات کو آپ نے دریافت کیا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی ایسی بات سنی ہے جو تم کو ناپسند ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں تب آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں بے اصل ہیں۔

قاعدہ چہارم : اس سلسلہ میں چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک کام میں نرمی اختیار کرے (سختی سے کام نہ لے) رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں جو حاکم رعیت کے ساتھ نرمی کرے گا قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ نرمی کرے گا۔ حضور سرور کونین ﷺ نے دعا فرمائی کہ بار الہا! جو بادشاہ اپنی رعیت کے ساتھ نرمی کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما اور جو کوئی سختی کرے تو بھی اس کے ساتھ سختی فرما حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے 'جو کوئی حکومت کا حق بجالائے اس کی حکومت خوب ہے اور جو کوئی اس باب میں تقصیر کرے اس کی حکومت بری ہے۔

ہشام بن عبدالمالک کا دور خلافت تھا اس نے شیخ ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ سے جو بہت بڑے عالم تھے دریافت کیا

حکومت وریاست میں نجات کی تدبیر کیا ہے ؟انہوں نے جواب دیا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ جو درم تم لیتے ہو حلال طور پر اور ایسے شخص کو دو جو اس کا حق دار ہے- ہشام نے دریافت کیا کہ یہ کام کون شخص انجام دے سکتا ہے انہوں نے جواب دیا یہ کام یہ کر سکے گا جو دوزخ کے عذاب سے ڈرے اور بہشت کو دوست رکھتا ہو-

قاعدہ پنجم : پانچواں قاعدہ ہے کہ حاکم کی کوشش یہ ہو کہ تمام رعایا اس سے خوش رہے اور شرع کے خلاف کام نہ کرے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اچھے حاکم وہ ہیں جو تم کو پیار کریں-(تم سے محبت کرتے ہوں) اور تم ان سے پیار کرو اور برے وہ ہیں جو تم سے عداوت رکھیں اور وہ تم پر لعنت کریں اور تم ان پر- حاکم کو چاہیے کہ لوگوں کی تعریف سے خوش اور اس پر مغرور نہ ہو- اور ان کی تعریف سے یہ نہ سمجھنے لگے کہ سب لوگ اس سے خوش ہیں کیونکہ لوگ تو خوف سے بھی سراہتے اور تعریف کرتے ہیں- معتمد لوگوں کو مقرر کرے تاکہ وہ اس امر میں تجسس کریں اور حاکم کے بارے میں مخلوق سے دریافت کریں کہ انسان اپنا عیب دوسرے لوگوں کی زبان سے ہی معلوم کر سکتا ہے-

قاعدہ ششم : چھٹا قاعدہ یہ ہے کہ شریعت کے خلاف کام کر کے لوگوں کی رضامندی کا خواہاں نہ ہو- کیونکہ جو شخص شریعت کی مخالفت سے ناخوش ہوتا ہے تو ایسی ناخوشی اس کے لیے مضرت رساں نہیں ہوتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جب صبح کو میں اٹھتا ہوں تو مخلوق کے آدھے لوگ مجھ سے خفا ہوتے ہیں اور یہ ضرر ہے کہ جب ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے گی تو وہ خفا ہو گا- پس دونوں فریق (ظالم و مظلوم) کو خوش کرنا ممکن نہیں ہے اور وہ شخص بڑا ہی نادان ہے جو خلائق کی رضامندی کے لیے حق تعالیٰ کی رضامندی کو ترک کر دے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو خط لکھا کہ مجھے ایک مختصر نصیحت کیجئے- آپ نے جواب میں لکھا کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے مخلوق کو خوش کر کے خداوند تعالیٰ کی رضامندی تلاش کی تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گا اور خلق کو بھی اس سے راضی رکھے گا اور جس نے حق تعالیٰ کی نارضامندی میں مخلوق کی خوشی چاہی خداوند تعالیٰ اس سے ناخوش ہو گا اور خلائق کو بھی اس سے ناخوش رکھے گا-

قاعدہ ہفتم : ساتواں قاعدہ یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ حکومت کرنا ایک خطرناک کام ہے خلائق کے امور کا کفیل ہونا آسان بات نہیں ہے جس نے اس سے عہدہ برا ہونے کی توفیق پائی تو اس نے ایسی سعادت حاصل کی کہ اس سے بالاتر اور کوئی سعادت نہیں ہے اور اگر اس امر میں تقصیر کی تو وہ ایسی بدبختی اور شقاوت میں مبتلا ہوا کہ کفر کے بعد ایسی شقاوت کوئی اور انہیں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور در کعبہ کا حلقہ آپ نے پکڑا اس وقت حرم میں قریشی حضرات موجود تھے آپ نے فرمایا کہ حکام اور سلاطین قریش سے

ہوتے رہیں گے جب تک وہ یہ تین کام بجالاتے رہیں گے (۱) جب لوگ ان سے مہربانی کے خواہاں ہوں تو وہ مہربانی کریں (۲) حکم چاہیں تو انصاف کریں (۳) اور جو اقرار کریں اس کو پورا کریں۔ جو کوئی ایسا نہ کرے اس پر خدا کی فرشتوں کی اور تمام مخلوق کی لعنت ہو حق تعالیٰ نہ اس کی فرض عبادت قبول فرمائے اور نہ سنت پس غور کرو کہ یہ کیسی بڑی تقصیر ہو گی جس کے سبب سے عبادت قبول نہ ہو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرے اور اس میں ظلم کرے اس پر خدا لعنت کرے۔ حضور انور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن پر قیامت کے دن حق تعالیٰ نظر نہیں فرمائے گا ایک دروغ گو سلطان! دوسرا بوڑھا زانی! تیسرا متکبر اور لاف زن درویش۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قریب ہے کہ مشرق و مغرب کے ممالک تم فتح کرو گے وہاں کے عامل دوزخ میں پڑیں گے مگر وہ شخص جو خدا سے ڈرے گا وہ تقویٰ اختیار کرے گا اور امانت گذار رہے گا ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ وہ حاکم جس کے حوالے خداوند تعالیٰ نے رعیت کو کیا ہے "اگر دغا کرے گا اور شفقت بجا نہیں لائے گا حق تعالیٰ اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور فرمایا ہے جس کو مسلمانوں پر سرداری عطا کی گئی اور اس نے ان کی ایسی نگہبانی نہیں کی جیسی وہ اپنے گھر والوں کی کرتا ہے تو اس سے کہہ دو دوزخ میں اپنا ٹھکانا اختیار کرے حضور اکرم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ دو شخص میری امت کے شفاعت سے محروم رہیں گے ایک ظالم بادشاہ دوسرا وہ بدعتی جو دین میں فساد کر کے حد سے تجاوز کرے اور فرمایا کہ قیامت میں بادشاہ کو بڑا عذاب ہو گا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے پانچ اشخاص سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے اگر چاہے گا تو دنیا میں ان پر غضب نازل فرمائے گا۔ ورنہ دوزخ میں ان کی جگہ ہو گی ان میں ایک وہ سردار قوم ہے جو قوم سے تو اپنا حق لے لے لیکن ان کا حق ادا نہ کرے اور ظلم کو ان سے موقوف نہ کرے دوسرا وہ امیر ہے لوگ جس کے مطیع ہیں لیکن وہ ضعیف و قوی کو یکساں نہیں سمجھتا اور طرف داری کی بات کرتا ہے تیسرا وہ امیر ہے لوگ جس کے مطیع ہیں لیکن وہ ضعیف و قوی کو یکساں نہیں سمجھتا اور طرف داری کی بات کرتا ہے تیسرا وہ شخص ہے جس نے ایک مزدور کو کام پر لگایا اور جب وہ اس کا کام تمام کر چکا تو یہ اس کی پوری اجرت نہیں دیتا چوتھا وہ شخص ہے جو اپنے زن و فرزند کو اللہ کی اطاعت کا حکم نہ کرے اور دین کی باتیں انہیں نہ سکھائے اور ان کے کھلانے پلانے میں حلال و حرام کی روزی کی تمیز نہ کرے۔ (جیسے بھی ہو ان کا پیٹ بھر دے) پانچویں وہ شخص جو مہر کے بارے میں اپنی بیوی پر ظلم کرے (کہ وہ اس کا مہر معاف کر دے)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز ایک جنازہ پر نماز پڑھنی چاہی کہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی جب اس میت کو دفن کر چکے تو آپ نے اس کی قبر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا بار الہا! اگر تو اس کو عذاب دے تو اس کا سزاوار ہے کہ اس نے تیری تقصیر کی ہو گی اور اگر تو اس پر رحم فرمائے گا اور رحمت کرے تو یہ تیری رحمت کا محتاج ہے! اے مردے! تجھے مبارک ہو اگر تو کبھی امیر (حکام) نہ تھا اور نہ نقیب تھا اور نہ مددگار' نہ کاتب اور نہ خراج وصول کرنے والا۔ آپ کی اس دعا کرنے کے بعد وہ شخص جس نے نماز پڑھائی تھی نظر سے غائب ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کو تلاش کرو لیکن تلاش کرنے پر وہ شخص نہیں ملا تب آپ نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے افسوس ہے ان امیروں پر 'نقیبوں پر 'امینوں پر جو عمل نہیں کرتے تھے وہ اپنے گیسوؤں کے بل آسمان سے لٹکے ہوں گے حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف دس آدمیوں پر امیر ہے تب بھی اس کو قیامت کے دن دست بزنجیر لایا جائے گا۔ اگر وہ نیک رہا ہے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا ورنہ ایک اور زنجیر اس کی طرف بڑھا دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ زمین کے حاکم پر آسمان کے حاکم کی طرف سے افسوس کیا جاتا ہے جب وہ سامنے پیش ہوتا ہے ہاں جب کہ اس نے انصاف کیا ہو 'حق گذار رہا ہو اور حرص و ہوا سے حکم نہ کیا ہو اور اپنے اقربا کی حمایت نہ کی ہو اور خوف و رجا کے تحت حکم نہ کیا ہو اور خداوند تعالیٰ کی کتاب کو (ان معاملات میں) آئینہ کی طرح اپنی نظر کے سامنے رکھا ہو اور ہر ایک حکم کتاب الٰہی کے مطابق دیا ہو اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے قیامت کے دن حاکموں کو حاضر کیا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ تم میرے ریوڑوں کے نگہبان تھے اور میری زمین و مملکت کے خزینہ دار تھے میرے فرمان کے خلاف تم نے کسی کو کوئی سزا دی اور اس پر حد جاری کی وہ جواب دیں گے کہ الٰہی اس غیظ و غضب کی بنا پر ایسا کیا کہ انہوں نے تیری مخالفت کی تھی حق تعالیٰ فرمائے گا کیوں؟ کیا تمہارا غصہ میرے غصہ سے زیادہ تھا دوسرے امیر سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرے حکم سے کم سزا کیوں دی (جتنی سزا کا میں نے تجھے حکم دیا تھا اس سے کم سزا کیوں دی) وہ جواب دے گا کہ بار الٰہی! مجھے اس پر رحم آیا تھا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تو مجھ سے زیادہ رحیم ہو سکتا ہے اس کے بعد دونوں سے مواخذہ کیا جائے گا۔ اس سے بھی جس نے اس کے حکم سے زیادہ کیا تھا اور اس سے بھی جس نے حکم الٰہی سے کم کیا تھا اور دوزخ کے گوشوں کو ان سے بھر دیا جائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی حاکم کی تعریف نہیں کرتا خواہ وہ نیک ہو یا بد! لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن تمام حاکموں کو لایا جائے گا خواہ وہ عالم ہوں یا ظالم سب کو صراط پر کھڑا کیا جائے گا اور صراط کو حکم دیا جائے گا کہ ان کو ایک جھٹکا دے پس جس نے حکم دینے میں زیادتی کی ہو گی یا قضاء میں رشوت لی ہو گی یا ایک فریق کی بات غور سے سنی ہو گی اور دوسرے کی سرسری طور پر ایسے سب لوگ اس جھٹکے سے نیچے گر پڑیں گے اور ستر برس تک دوزخ کے غار میں چلیں گے تب کہیں اپنی قرار گاہ تک پہنچیں گے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر باہر نکلتے تھے جو کوئی نظر آتا اس سے دریافت کرتے کہ داؤد کی سیرت 'طرز زندگی اور معاش کیسی ہے؟ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک شخص کی صورت میں سامنے آئے حسب معمول ان سے حضرت داؤد علیہ السلام نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ داؤد نیک مرد ہوتا اگر وہ بیت المال سے اپنی روزی نہ لیتا ہوتا۔ پس داؤد علیہ السلام اپنی محراب میں گئے اور روتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی! مجھے کوئی حرفہ سکھادے تاکہ میں اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھا سکوں! اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہ بنانا سکھا دیا اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بجائے شحنہ کے رات کو خود گشت کیا کرتے تھے تاکہ جہاں کہیں خرابی نظر آئے اس کا تدارک کریں اور فرماتے تھے کہ اگر ایک خارش زدہ گوسفند کو دریائے فرات کے کنارے چھوڑ دیا جائے اور اس کی خارش دور کرنے کا روغن

اس کے نہ ملا جائے تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کا سوال کیا جائے گا باوجود اس کے کہ آپ کی احتیاط کا یہ حال تھا اور آپ کا عدل ایسا تھا کہ کوئی دوسرا شخص اس عدل کو نہیں پہنچ سکتا جب آپ کا انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دعا کی کہ حق تعالیٰ ان کو مجھے خواب میں دکھادے چنانچہ بارہ سال کے بعد (وفات) میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ آپ چلے آرہے ہیں اس طرح جیسے کوئی غسل کر کے آیا ہو اور ازار باندھے ہو (یعنی جسم پسینہ سے شرابور تھا) آپ کو دیکھ کر میں نے پوچھا کہ اے امیر المومنین حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا آپ نے فرمایا کہ اے عبید اللہ تمہارے پاس سے مجھے گئے ہوئے کتنا عرصہ گذر گیا؟ میں نے عرض کیا کہ بارہ سال گزرے آپ نے فرمایا کہ میں اب تک حساب دے رہا تھا اور مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ میرا معاملہ تباہ ہو جائے گا آخر کار رحمت الٰہی کے سبب مجھے نجات ہو گئی۔ دیکھو حضرت عمرؓ کا یہ حال ہوا جبکہ سرداری و سروری کے لوازم میں سے آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔

بزرجمہر کا ایلچی: منقولہ ہے کہ بزرجمہر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قاصد بھیجا تا کہ دیکھے کہ آپ کیسے شخص ہیں اور آپ کی سیرت کیسی ہے جب یہ شخص مدینہ منورہ پہنچا تو اس نے دریافت کیا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہمارا بادشاہ نہیں ہے ہمارا امیر ہے اور وہ ابھی کسی کام سے باہر گیا ہے یہ خبر سن کر سفیر باہر نکلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ "درہ" (کوڑا) جائے تکیہ کے سر کے نیچے رکھے ہوئے دھوپ میں (زمین پر) سو رہے ہیں اور آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہے اور پسینہ سے زمین تر ہو رہی ہے جب اس نے یہ کیفیت دیکھی تو اس کے دل میں عجیب ہی تاثر پیدا ہوا اور کہنے لگا کہ عجیب بات ہے کہ وہ شخص جس کی ہیبت سے تمام بادشاہ لرزتے ہیں اور خائف ہیں اس کا اپنا یہ حال ہے پھر وہ کہنے لگا کہ اے امیر المومنین آپ نے عدل فرمایا ہے اس لیے آپ بے فکر ہو کر سو رہے ہیں اور ہمارا بادشاہ چونکہ ظالم اور جابر ہے اس لیے وہ ہمیشہ خوف زدہ اور ہراساں رہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ دین برحق صرف تمہارا دین ہے اگر میں سفیر بنکر نہ آیا ہوتا تو اس وقت مسلمان ہو جاتا اب میں پھر آؤں گا اور اسلام قبول کروں گا۔

پس معلوم ہوا کہ حکومت ایک کارنامہ عظیم ہے اور اس کا علم بھی ایک وسیع وبسیط علم ہے پس حاکم کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ علمائے دیندار کے ساتھ ہم نشینی رکھے تاکہ عدل کا راستہ وہ اس کو بتائیں حاکم ان کی نصیحت دل سے سنے اور دنیادار عالموں کی صحبت سے بچے کہ وہ لوگ اس کو فریب دیں گے اس کی بیجا تعریف کریں گے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہیں گے تاکہ یہ لوگ اس مردار حرام سے (دنیا اور حکومت) جو اس حاکم کے ہاتھ میں ہے مکر و حیلہ سے کچھ حاصل کر لیں۔

دین دار عالم: دیندار عالم وہ ہے جو حاکم سے کوئی طمع نہ رکھے اور انصاف سے کسی وقت نہ چوکے منقول ہے کہ شیخ شفیق بلخیؒ ہارون رشید کے پاس گئے تو ہارون نے کہا کہ شفیق زاہد تم ہی ہو انہوں نے کہا کہ میں شفیق ہوں زاہد نہیں ہوں ہارون نے کہا مجھے نصیحت کرو۔ شفیق بلخیؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی مسند پر بٹھایا ہے

پس وہ تجھ سے ایسا صدق چاہتا ہے جیسا کہ اس کو مطلوب ہے اور فاروق رضی اللہ عنہ اعظم کی مسند پر بٹھایا ہے اور وہ آپ سے حق وباطل میں فرق چاہتا ہے جیسا کہ وہ چاہتا ہے (ہونا چاہیے) اور عثمان ذوالنورین کی جگہ آپ کو بٹھایا ہے اور آپ سے وہ علم و عدل چاہتا ہے یہ سن کر ہارون نے کہا کہ کچھ اور نصیحت کیجئے۔ شفیق بلخیؒ نے فرمایا! حق تعالیٰ کا ایک گھر ہے جس کو دوزخ کہتے ہیں آپ کو اس کا دربان بنایا ہے اور آپ کو تین چیزیں دی ہیں۔

بیت المال کے اموال، شمشیر اور تازیانہ اور حکم دیا ہے کہ ان تین چیزوں کے ذریعہ مخلوق کو دوزخ سے بچایئے یعنی جو محتاج تمہارے پاس آئے اس کو مال سے محروم نہ رکھو اور جو خدا کی نافرمانی کرے اس کو اس تازیانے سے سزا دیجئے اور جو شخص کسی کو ناحق قتل کر دے اس کو (والی کی اجازت کے بعد اگر وہ دیت نہ دے) اس تلوار سے قتل کر دیجئے اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو پھر آپ ہی دوزخیوں کے پیشوا ہوں گے اور دوسرے لوگ آپ کے پیچھے پیچھے آئیں گے یہ سن کر ہارون نے کہا کہ ابھی کچھ اور نصیحت فرمائیے شفیق بلخیؒ نے فرمایا آپ ایک چشمہ ہیں اور آپ کے عمال اس دنیا میں اس کی نہریں ہیں اگر چشمہ روشن اور پاکیزہ ہے تو نہروں کے گدلے پن سے کچھ نقصان نہیں ہوگا ہاں اگر چشمہ تاریک اور گدلا ہو گیا تو پھر نہریں بھی صاف نہیں رہ سکتیں۔

حضرت فضیلؒ بن عیاض کی نصائح : منقول ہے کہ ہارون الرشید اپنے مصاحب عباس کے ساتھ شیخ فضیل بن عیاض کے پاس گئے جب ان کے دروازہ پر پہنچے تو سنا کہ وہ قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کر رہے ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ

"وہ لوگ جنہوں نے برے اعمال کئے ہیں آیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو برابر رکھیں گے ایسے لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ان کی زندگی اور موت برابر ہے انہوں نے جو کیا وہ برا حکم تھا۔"

یہ آیت سن کر ہارون نے کہا کہ اگر ہم نصیحت حاصل کریں تو ہم کو یہی کافی ہے ہارون نے کہا کہ اچھا دروازہ کھٹکھٹاؤ عباس نے دروازہ پر دستک دی اور آواز دی کہ اے شیخ امیر المومنین تشریف لائے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ ان کا مجھ سے کیا کام عباس نے کہا کہ امیر المومنین کی اطاعت کیجئے یہ سن کر فضیل بن عیاضؒ نے دروازہ کھول دیا رات کا وقت تھا شیخ نے چراغ بجھا دیا۔ تاریکی میں فضیلؒ کے ہاتھ سے ہارون کا ہاتھ مس ہوا تو شیخ نے فرمایا کہ اگر ایسا نازک ہاتھ عذاب الٰہی سے محفوظ نہ رہے تو حیف ہے۔ یا پھر کہا کہ اے امیر المومنین! قیامت کے دن خداوند تعالیٰ کے جواب کے واسطے تیار رہئے کہ آپ کو ہر ایک مسلمان کے ساتھ بٹھایا جائے گا اور اس کا انصاف آپ سے طلب کیا جائے گا۔ یہ سن کر ہارون رونے لگا عباس نے کہا کہ اے شیخ آپ نے تو امیر المومنین کو مار ڈالا۔ شیخ فضیل نے فرمایا اے ہامان تو اور تیرے جیسے لوگوں نے امیر المومنین کو ہلاک کیا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں نے مار ڈالا۔ ہارون نے عباس سے کہا کہ شیخ نے مجھے فرعون سمجھا اس وجہ

سے تجھ کو ہامان کہا اس کے بعد ہارون نے ہزار دینار ان کو پیش کئے اور کہا کہ یہ مال حلال ہے میری والدہ کے مہر کی رقم ہے اس کو قبول کر لیجئے۔ شیخ فضیل نے فرمایا کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کو ترک کر دو اور مال والوں کو مال دے دو اور تم مجھے مال دے رہے ہو! آخر کار یہ دونوں وہاں سے واپس آگئے۔

محمد بن کعب القرظی کی نصیحت : منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شیخ محمد بن کعب القرظی سے کہا کہ عدل کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کوئی مسلمان آپ سے بڑا ہو آپ اس کے حق میں فرزند اور برابر والے کے لیے بھائی بن جائیں ہر سزا پانے والے کو بس اتنی ہی سزا دیجئے جو کہ اس کے تصور اور اس کی برداشت کے مطابق ہو خبردار! کبھی غصہ سے کسی کو تازیانہ نہ ماریں ورنہ آپ کا ٹھکانا دوزخ ہو گا۔

منقول ہے کہ ایک زاہد کسی خلیفہ کے پاس گئے خلیفہ نے ان سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے انہوں نے کہا کہ میں مملکت چین گیا تھا۔ وہاں کا بادشاہ بہرا تھا وہ زار و قطار روتا رہتا تھا کہ میں اس لیے نہیں رو رہا ہوں کہ میری سماعت ختم ہو گئی ہے بلکہ اس لیے روتا ہوں کہ اگر کوئی مظلوم آئے اور فریاد کرے تو میں اس کی فریاد نہیں سن سکوں گا۔ لیکن ابھی میری بصارت باقی ہے۔ لہٰذا تمام مملکت میں اعلان کر دیا جائے کہ جو کوئی فریادی ہو وہ سرخ لباس پہنے اس کے بعد وہ ہر روز ہاتھی پر سوار ہو کر نکلتا اور جو کوئی سرخ لباس پہنے ہوئے نظر آتا اس کو اپنے حضور میں بلا کر اس کا انصاف کرتا۔ اے امیر المومنین! یہ بادشاہ کافر تھا اور وہ خدا کے بندوں پر اس طرح مہربان تھا اور آپ مومن ہیں اور اہلِ بیت رسول (ﷺ) سے ہیں تو پھر غور کیجئے کہ آپ کی روش کیسی ہونی چاہیے۔ ابو قلابہ، عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے تو عمر بن عبدالعزیز نے ان سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے اب تک کوئی خلیفہ باقی نہیں رہا ہے مگر آپ! انہوں نے کہا کہ اور نصیحت کرو! انہوں نے کہا کہ اب پہلا خلیفہ جو انتقال کرے گا وہ آپ ہوں گے۔ (از روزگار آدم تا امروز ہیچ خلیفہ نہ ماندہ است مگر تو۔ گفت بے فرمائی گفت پیشتر خلیفہ کہ بمیرد تو خواہی بود) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ اور کچھ نصیحت مجھے کیجئے۔ کہا کہ اگر حق تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے تو پھر آپ کو کچھ خوف نہیں۔ لیکن اگر وہ آپ کے ساتھ نہ رہے۔ تو پھر آپ کسی کی پناہ ڈھونڈیں گے یہ سن کر انہوں نے کہا کہ ۔

بس یہ نصیحت مجھے کافی ہے

منقول ہے کہ سلیمان بن عبدالملک [۱] کا دور خلافت تھا ایک دن اس نے غور کیا کہ میں نے دنیا میں اس قدر عیش

---

[۱] اس مقام پر کیمیائے سعادت کے تمام نسخے دیکھے گئے نولکشوری نسخہ جو پاکستان میں قدیم ترین مطبوعہ نسخہ ہے یعنی ۱۸۷۹ء دیکھا گیا لفظ سلیمان بن عبدالملک ہی موجود ہے بجہ حقیقت میں یہ مروان بن عبدالحکم بن ابی العاص ہے جس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف خروج کیا اور خفیہ سازشوں کے ذریعہ مصر و شام پر قابض ہو کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ۶۵ھ میں اپنے بیٹے عبدالملک کو اپنا جانشین نامزد کیا اور اسی سال مر گیا مروان کا دوسرا بیٹا عبدالعزیز تھا جس کو مروان نے جانشین نہیں کیا اسی سے حضرت عمر پیدا ہوئے جو عمر بن عبدالعزیز کے نام سے مشہور ہیں۔ عبدالملک کے دو بیٹے تھے ولید اور سلیمان جو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے اسی عبدالملک کی بیٹی فاطمہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زوجیت میں تھیں اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز، سلیمان کے پوتے تو نہیں ہاں چچازاد بھائی اور بہنوئی ضرور تھے اس لیے یہاں کاتب سے تسامح ہوا ہے اور جائے سلیمان بن عبدالملک کے مروان بن حکم پڑھا جائے تب عبارت درست ہو گی مترجم۔

و آرام کیا قیامت میں میرا کیا حال ہو گا- اس اندیشہ میں خادم کو شیخ ابو حازمؒ کے پاس بھیجا وہ عالم وزاہد زمانہ تھے- اور کہلایا کہ آپ جس چیز سے اپنا روزہ افطار کرتے ہیں اس میں سے کچھ مجھے بھیج دیئے- شیخ نے تھوڑی سی بھوسی بھون کر سلیمان بن عبد الملک کے پاس بھیج دی اور کہلایا کہ میں رات کو یہی کھاتا ہوں (میری رات کی غذا یہی ہے) سلیمان بھوسی کو دیکھ کر رو دیا اور اس کے دل پر بہت اثر ہوا اس نے پے بہ پے تین روزے رکھے اور کچھ نہ کھایا تیسرے دن اس بھوسی (سبوس بریاں) سے روزہ افطار کیا کہتے ہیں کہ اسی شب اس نے اپنی بیوی سے قربت کی اور اس صحبت کے نتیجہ میں (بیوی کو حمل رہ گیا) عبد العزیز پیدا ہوئے انہی عبد العزیز کے فرزند حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں جو عدل وانصاف میں حضرت عمر ابن الخطاب کے مانند تھے علماء نے کہا ہے کہ اسی سبوب بریاں کھانے کی برکت تھی جو شیخ ابو حازم نے عطا کی تھی-

حضرت عمر بن عبد العزیز سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی توبہ کا کیا سبب ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک روز میں نے اپنے غلام کو مارا تو اس نے مجھ سے کہا کہ اس دن کو یاد کیجئے جس کی صبح کو قیامت قائم ہو گی اس بات نے میرے دل پر بہت اثر کیا-

منقول ہے کہ کسی بزرگ نے ہارون الرشید کو عرفات کے میدان میں دیکھا کہ سر وپا برہنہ گرم ریگ اور پتھر پر کھڑا ہے اور ہاتھ اٹھا کر اس طرح کہہ رہا ہے کہ بار الٰہی! تو آقا ہے اور میں غلام ہوں میرا کام یہ ہے کہ میں ہر لحظہ گناہ کروں اور تیرا کام یہ ہے کہ تو بخش دے اور مجھ پر رحم کی نظر فرمائے یہ حالت دیکھ کر اس بزرگ نے کہا کہ یہ مغرور انسان خداوند زمین وآسمان کے سامنے کیسی گریہ وزاری کر رہا ہے-

ایک بار حضرت عمر ابن عبد العزیز نے شیخ ابو حازمؒ سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے انہوں نے فرمایا کہ زمین پر سو اور موت کو سرہانے (بالیں کی طرح) رکھو اور ایسی حالت کو پیش نظر رکھو جس میں تم موت کا آنا پسند کرتے ہو جو چیز تم روا نہیں رکھتے اس سے دور رہو کیونکہ موت قریب ہے-

پس حاکم کو چاہیے کہ وہ ان حکایتوں کو یاد رکھے اور ان نصیحتوں کو جو یہ لوگ دوسروں کو دیتے ہیں تسلیم کریں اور جس حاکم کو دیکھیں اس سے نصیحت حاصل کریں اور ہر ایک عالم کو چاہیے کہ وہ ان حاکموں کو اس طرح کی نصیحتیں کریں اور حق کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اگر ان کو فریب دیا اور ان سے حق بات نہیں کہی تو پھر دنیا میں جو ظلم ہو گا اس میں یہ عالم شریک ہو گا-

قاعدہ نہم : نواں قاعدہ یہ ہے کہ صرف اپنے آپ سے برائیوں سے دست بردار ہونا کافی نہ سمجھے بلکہ اپنے نوکروں چاکروں اور نائبوں کو بھی سدھارے اور کسی طرح ان کے ظلم پر راضی نہ ہو کیونکہ ان کے ظلم کے سلسلہ میں بھی اس سے باز پرس کی جائے گی- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے عامل تھے ایک نامہ تحریر فرمایا جس میں تحریر تھا کہ نیک بخت وہ عامل ہے کہ رعیت اس کی وجہ سے نیک وسعید ہو اور بہت ہی بدبخت عامل وہ ہے جس کی وجہ سے بدبخت بن جائے خبردار فراخ روی اختیار نہ کرنا ورنہ تمہارے عمال بھی ایسا ہی کریں گے اس

وقت تم اس جانور کے مثال ہو گئے جس نے بہت سی گھاس دیکھی تو اس خیال سے خوب کھائی کہ فربہ ہو جائے گا لیکن یہی فربہی اس کی ہلاکت کا سبب بن گئی (لوگوں نے فربہ پا کر اس کو ذبح کر کے کھالیا-)

توریت میں لکھا ہے کہ جو ظلم بادشاہ کے عامل کے ہاتھوں سے ہوتا ہے اور بادشاہ اس سے واقف ہو کر خاموش رہے تو وہ ظلم اسی بادشاہ کا ہو گا اور اس سے مواخذہ کیا جائے گا- حاکم کو یہ بات اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ اس شخص سے زیادہ نادان اور کوئی نہیں ہے جو اپنے دین و آخرت کو دوسروں کی دنیا کے عوض فروخت کر دے یہ تمام کارندے (عمال) اور نوکر چاکر محض دنیا طلبی کے لیے خدمت کرتے ہیں اور اپنے ظلم کو اپنے حاکم کی نگاہ میں بنا سنوار کے پیش کرتے ہیں (کہ وہ ظلم نہیں ہے بلکہ عنایت ہے) تاکہ اپنا مطلب پورا کر لیں اور حاکم کو دوزخ میں ڈالدیں پس غور کرنا چاہیے کہ ان لوگوں سے بڑھ کر تمہارا اور کون دشمن ہو گا کہ اپنے چند درہموں کے لیے تمہاری بربادی کا سامان فراہم کریں- مختصر یہ کہ جس نے اپنے عاملوں اور نوکروں چاکروں کو عدل پر قائم نہ رکھا اور اپنے زن و فرزند اور غلاموں کو عدل پر نہیں رکھ سکا وہ رعایا میں کس طرح عدل قائم کر سکے گا- یہ اہم کام اسی سے سرانجام ہو سکتا ہے جو پہلے اپنی ذات سے انصاف کرے اور اس کے ساتھ عدل قائم کر سکے اور یہ اس طرح ہو گا کہ آدمی ظلم و غضب اور خواہشات کو اپنی عقل پر غالب نہ کرے ان جذبات کو عقل و دین کا قیدی بنائے ایسا نہ کرے کہ عقل و دین ظلم و غضب اور شہوت کے اسیر بن جائیں- اکثر ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ انہوں نے عقل کو غضب اور شہوت کے تابع بنایا ہے اور حیلہ و بہانہ تلاش کرتے ہیں تاکہ شہوت و غضب اپنی مراد حاصل کر سکیں اور پھر کہتے ہیں کہ دانشمندی اور عقل اسی کام نام ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ عقل فرشتوں کا جوہر اور حق تعالیٰ کا لشکر ہے اور غضب اور شہوت شیطان کا لشکر ہے پس عدل کا آفتاب سب سے پہلے سینے میں طلوع ہو گا اور اس کے بعد اس کا نور گھر والوں اور خاص لوگوں میں ظاہر ہو گا پھر اس کی روشنی رعیت کو پہنچے گی- اور جو شخص اس آفتاب کے بغیر اس کے شعاعوں کی امید رکھتا ہے وہ ایک محال چیز کی طلب کرتا ہے-

معلوم ہونا چاہیے کہ عدل کمال عقل سے پیدا ہوتا ہے اور عقل کا کمال یہ ہے کہ انسان اشیاء کی حقیقت معلوم کرے اور اس کے ظاہر پر فریفتہ نہ ہو مثلاً جب محض دنیا کی خاطر عدل کو ترک کر جائے تو غور کرے کہ دنیا سے مقصود و مراد کیا ہے اگر دنیا سے یہی مقصود ہے کہ اچھا کھائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک حیوان ہے انسان کی شکل کیونکہ کھانے کا حریص ہونا جانوروں کا کام ہے اور اگر اس نے دنیا کو اس لیے پسند کیا ہے کہ دیبا و حریر کا لباس پہنے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک عورت ہے مرد کی شکل میں کہ آرائش عورتوں کا کام ہے اور ان ہی کا دستور ہے اور اگر دنیا سے مقصود یہ ہے کہ اپنے مخالفوں پر عتاب کرے اور ان پر غصہ ہو تو وہ درندوں میں شمار ہو گا جو انسان کی صورت میں ہے اس لیے کہ غرانا، غصہ کرنا درندوں کی سیرت ہے اور اس کا مقصود دنیا سے یہ ہے کہ لوگ اس کی خدمت کریں تو پھر وہ ایک جاہل محض ہے جو عاقل کی صورت میں ہے کیونکہ اگر عقل اس کے پاس ہوتی تو سمجھ لیتا کہ سب خدمت گار اپنے پیٹ کے نوکر ہیں اگر وہ ایک دن بھی ان کا روزینہ نہ دے تو یہ لوگ اس کے پاس نہ پھٹکیں گے- پس یہ لوگ جو اس کی خدمت کرتے ہیں تو انہوں نے اس کو اپنی

خواہشات کا جال بنا رکھا ہے اور یہ جو اس کی بندگی کرتے ہیں وہ حقیقت میں اس کی نہیں بلکہ اپنی بندگی کرتے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض دروغ پر مبنی یہ بات کہہ دے کہ حکومت واقتدار کسی دوسرے شخص کو ملنے والا ہے تو یہ سب لوگ اس سے روگرداں ہو جائیں گے اور اس دوسرے سے قرب حاصل کریں گے ان لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ جہاں سے ان کو روپیہ ملے گا تو بس خدمت اور سجدے وہاں کرنے لگیں گے پس حقیقت میں یہ خدمت نہیں ہے بلکہ صاحب دولت پر ہنسنا اور اس کا مذاق اڑانا ہے۔

پس عاقل وہی ہے کہ کاموں کی حقیقت اور ان کی روح کو سمجھے اور ان کی صورت اور ظاہر کو نہ دیکھے ان تمام باتوں کی حقیقت وہی ہے جو بتائی گئی پس اگر وہ اس حقیقت کو نہ سمجھے تو عاقل نہیں بلکہ وہ جاہل ہے اور جو عاقل نہیں وہ عادل نہیں اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اسی بنا پر تمام نیکیوں کی جڑ اور اصل عقل ہے واللہ اعلم۔

قاعدہ دہم : قاعدہ دہم یہ ہے کہ حاکم پر تکبر کا غلبہ نہ ہو۔ اسی تکبر سے اس پر غضب وغیظ غالب ہوگا اور یہ غضب اس کو انتقام پر آمادہ کرے گا پس غیظ وغضب عقل کے لیے دیو کی طرح ہے ہم غضب کی آفت اور اس کے علاج کی تشریح اس کتاب کے رکن چہارم "مہلکات" میں کریں گے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب غیظ وغضب غالب ہو تو اس وقت یہ کوشش کرنی چاہیے کہ تمام کاموں میں عفوودرگذر کی طرف اس کا جھکاؤ ہو اور کرم اور بردباری (تحمل) اپنا شعار بنالے۔ اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ جب وہ کرم کو اپنا شعار بنالے گا تو پھر وہ اولیاء صحابہ اور انبیاء کی مانند ہوگا (کہ یہ سب حضرات کرم پیشہ تھے) اور اس کو ابلہ اور بے وقوف لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے کہ یہ ابلہ لوگ تو جانوروں اور درندوں کی طرح ہوتے حکایت ہیں منقول ہے کہ ابو جعفر (منصور) کا عہد خلافت تھا اس نے ایک دن ایک خیانت کرنے والے شخص کے قتل کا حکم دیا۔ شیخ مبارک بن فضالہ اس وقت موجود تھے انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اس قتل سے قبل مجھ سے رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث سن لیجئے ابو جعفر نے کہا سناؤ شیخ مبارک نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق کو ایک صحرا میں جمع کیا جائے گا اور منادی آواز دے گا کہ جس کسی کا اللہ تعالیٰ پر حق ہو وہ کھڑا ہو جائے اس وقت کوئی شخص بھی نہیں اٹھے گا سوائے اس شخص کے جس نے کسی کو معاف کیا ہوگا۔ یہ حدیث سن کر ابو جعفر نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو میں نے اس کو معاف کر دیا۔

اکثر غیظ وغضب اس سبب سے پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان سے زبان درازی کرنے والے کو فوراً قتل کر دیں ایسے موقع پر حاکم کو چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کو یاد کرے جو انہوں نے یحییٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر تہمت لگانے والا تیرے بارے میں صحیح کہہ رہا ہے تو اس کا شکریہ ادا کر اور اگر وہ جھوٹ بول رہا ہے تو بہت زیادہ شکر ادا کر کہ تیرے نامہ اعمال میں ایک عمل خیر کا اضافہ ہوا بغیر اس کے کہ اس کے عمل میں تو نے کچھ تکلیف اٹھائی یعنی اس شخص کی عبادت تیرے اعمالنامہ میں لکھ دی جائے گی جس کے لیے تو نے کوئی تکلیف نہیں اٹھائی۔

منقول ہے کہ رسول خدا ﷺ کے سامنے ایک شخص کی اس طرح تعریف کی گئی کہ وہ بہت طاقتور ہے آپ نے فرمایا کس طرح؟ کہنے والے نے کہا کہ وہ جس کسی سے لڑتا ہے اس کو شکست دے دیتا ہے اور ہر شخص پر غالب رہتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قوی اور مرد وہ شخص ہے کہ جو اپنے غصہ پر غالب آجائے وہ شخص نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تین چیزیں ہیں جس شخص کو یہ تینوں چیزیں حاصل ہو جائیں اس کا ایمان ایمان ہے یہ کہ جب غصہ کرے تو کسی باطل بات کا ارادہ نہ کرے جب خوشنود ہو تو اس کا حق ادا کرے اور جب قدرت رکھتا ہو تو اپنے حق سے زیادہ نہ لے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خلق میں تم اس شخص پر اعتماد مت کرو جب تک تم غصہ کی حالت میں اس کو نہ دیکھ لو (کہ وہ غصہ کو ضبط کرنے والا ہے) اور جب تک تم کسی شخص کو حرص و طمع میں نہ آزمالو اس کے دین پر اعتماد مت کرو۔ جناب علی ابن حسین رضی اللہ عنہما ایک روز مسجد کی طرف جارہے تھے راستہ میں ایک شخص نے ان کو گالی دی آپ کے ملازمین نے اس شخص کو مارنے کا ارادہ کیا آپ نے ان کو منع کر دیا اور اس شخص سے کہا کہ میرے بارے میں تم پر اس سے زیادہ چھپا رہا ہے۔ جو تم نے کہا ہے' کیا تمہاری کوئی ضرورت مجھ سے پوری ہو سکتی ہے اگر ہو سکتی ہو تو مجھے بتاؤ۔

رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی غصہ کو پی جاتا ہے اور ہو سکے تو اس کو دل سے نکال دے تو خداوند تعالیٰ اس شخص کے دل کو دین و ایمان سے معمور فرما دیتا ہے اور جو کوئی شاندار لباس نہیں پہنتا کہ وہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں تواضع کا اظہار کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خلعت بہشتی عطا فرماتا ہے رسول خدا ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے افسوس ہے کہ اس شخص پر جو غضب ناک ہو اور اس وقت اپنے اوپر خداوند تعالیٰ کے غضب کو بھول جائے۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے گذارش کی کہ حضور (ﷺ) مجھے کوئی ایسا کام بتائیں جس کے کرنے سے میں بہشت میں داخل ہو جاؤں آپ نے فرمایا غصہ مت کرو بہشت تمہاری ہے اس شخص نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) کچھ اور بتائیں آپ نے فرمایا کسی شخص سے کسی چیز کے طالب مت ہو جنت تمہاری ہے اس شخص نے کہا کہ حضور کچھ اور کام بتائیں آپ نے فرمایا کہ نماز کے بعد ستر بار استغفار کرو تاکہ تمہارے ستر سال کے گناہ بخش دیئے جائیں اس شخص نے کہا کہ حضور میرے تو ستر سال کے گناہ نہیں ہیں آپ نے فرمایا کہ اس میں تمہاری ماں کے گناہ بھی شامل ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میری ماں کے بھی ستر سال کے گناہ نہیں ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تمہارے باپ کے گناہ اس شخص نے کہا کہ حضور میرے والد کے بھی ستر سال کے بقدر گناہ نہیں ہیں آپ نے فرمایا کہ تیرے بھائیوں کے ستر سال کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ یہ تقسیم تو اللہ کے لیے نہیں ہے یعنی انصاف کے ساتھ نہیں ہے یہ سن کر رسول خدا ﷺ کا روئے مبارک سرخ ہو گیا اور آپ بہت زیادہ خشمگیں ہوئے لیکن اس وقت آپ نے بس اتنا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ

علیہ السلام پر رحمت فرمائے کہ ان کو لوگوں نے اس سے زیادہ ستایا اور انہوں نے اس پر صبر فرمایا اخبار و حکایات سے اتنی باتیں بطور نصائح اہل ولایت اور حاکموں کے لیے بہت کافی ہیں کہ جب اصل ایمان بر قرار ہوتا ہے تو یہ باتیں اثر کرتی ہیں اور اگر ان باتوں کا اثر نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس شخص کا دل ایمان سے خالی ہے اور سوائے باتوں کے اس شخص کے دل اور زبان پر کچھ اور نہیں ہے کہ ایمان کی بات جو دل میں ہوتی ہے وہ دوسری ہے اور ایمان ظاہری دوسرا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسے عامل کے ایمان کی حقیقت کیا ہوگی جو سال بھر میں ہزاروں دینار حرام میں کھالیتا ہے خود کھاتا ہے اور جو دوسرے لوگ اس سے وابستہ ہوتے ہیں ان کو بھی کھلاتا ہے قیامت میں تمام لوگ (جن کا مال اس نے زبردستی کھایا ہے) اس سے وہ مال طلب کریں گے اور اس کی نیکیاں دوسروں کو دے دی جائیں گی یہ کیسی غفلت اور مسلمانی سے بعید بات ہوگی۔ والسلام (کتاب کیمیائے سعادت کا رکن اول و دوم ختم ہوا الحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ علیہ خیر خلقه و اٰله الطبین وسلم تسلیما ودائما کثیرا

کیمیائے سعادت

جلد دوم

یعنی

رکن سوم و چہارم
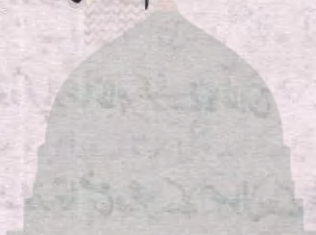
رکنِ سوم

راہ دین کے عقبات جن کو مہلکات کہتے ہیں

اصل اول : ریاضت نفس کا پیدا کرنا، بری عادتوں کا علاج اور نیک عادتوں کے حصول کی تدبیریں کرنا۔

اصل دوم : خواہشاتِ شکم و فرج کا علاج اور ان دونوں کی حرص کا توڑنا اور ختم کرنا۔

اصل سوم : بہت زیادہ حرص، بہت زیادہ گفتگو کرنے کا علاج زبان کی آفتیں جیسے دروغ اور غیبت وغیرہ کا علاج

اصل چہارم : غصہ، حسد اور عداوت کی آفتیں اور ان کا علاج۔

اصل پنجم : دوستی دنیا کا علاج اور یہ بتانا کہ دنیا کی دوستی ہی تمام گناہوں کی بنیاد ہے۔

اصل ششم : دوستی مال کا اور بخل کا علاج۔

اصل ہفتم : دوستی جاہ و حشمت کا علاج اور ان کی آفات۔

اصل ہشتم : عبادت میں ریا کرنے اور خود کو پارسا ظاہر کرنے کا علاج

اصل نہم : کبر و نخوت کا علاج، اخلاق حسنہ اور تواضع و عجز کے حصول کے طریقے

اصل دہم : غرور و فریفتگی اپنے اندر پیدا کرنا اور اپنے بارے میں حسن ظن کا علاج۔

اصل اوّل

ریاضت نفس اور خوئے بد سے پاکی حاصل کرنا

ہم اس فصل میں خوئے نیک کی بزرگی و اہمیت کے بارے میں بیان کریں گے اس کے بعد خوئے نیک کی حقیقت اور اصل کو بتائیں گے اور بتائیں گے کہ ریاضت سے خوئے نیک حاصل ہو سکتی ہے۔ (اس کا حصول ممکن ہے) پھر اس کے حصول کا طریقہ بیان کریں گے۔ خوئے بد کی علامتوں کو بیان کیا جائے گا اس کے بعد ہم وہ تدبیر بتائیں گے جس کے ذریعہ کوئی شخص اپنے عیب کو خود پہچان سکے۔ پھر خوئے نیک پیدا کرنے کے طریقے بتائیں گے۔ اس کے بعد کی پرورش اور ان کی تربیت کا ذکر کریں گے اور بتائیں گے کہ اس کی ابتدائے کار میں مرید کو کس طرح کوشش کرنی چاہیے۔ اب ہم خوئے نیک کا فضل اور اس کا اجر سب سے پہلے بیان کرتے ہیں۔

خوئے نیک کا فضل اور اس کا اجر

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلق نیک کی اس طرح تعریف فرمائی ہے:
(بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں) خود سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہے۔ "مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اخلاق کے محاسن اور ان کی خوبیوں کا اتمام کروں۔" نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اعمال کے پلہ میں سب سے عظیم چیز جو رکھی جائے گی وہ خوئے نیک ہے۔"

ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خلقِ نیک "پھر وہ شخص آپ کے داہنی جانب گیا اور یہی سوال کیا آپ نے اس کو وہی جواب دیا۔ پھر وہ بائیں جانب گیا اور یہی سوال کیا آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ آخری بار اس کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ تجھے نہیں معلوم! دین یہ ہے کہ تجھے غصہ نہ آئے۔ تو خشمگیں نہ ہو۔

روایت ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ فاضل ترین اعمال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خلق نیک۔ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے آپ نے فرمایا تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ اس نے کہا کچھ اور نصیحت کیجئے تو آپ نے فرمایا ہر بدی کے بعد نیکی کرتا کہ وہ اس کو مٹا دے۔ اس شخص نے عرض کیا کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا رکھ۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھے اخلاق عطا فرمائے ہیں اور خوبصورت چہرہ دیا ہے اس کو چاہیے کہ اس کو جہنم کا ایندھن نہ بنائے۔

رسول اکرم ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ اور رات کو نماز میں بسر کرتی ہے لیکن وہ بد خو ہے۔ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو دکھ پہنچاتی ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ خوئے بد بندگی اور اطاعت کو اس طرح تباہ کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو تباہ کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ دعا میں فرمایا کرتے تھے بار الٰہی! تو نے میری خلقت خوب کی ہے تو میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا دے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی مجھے تندرستی، عافیت اور اچھی عادتیں عطا فرما۔ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ بندہ کے حق میں اللہ تعالیٰ کی کون سی عطا بہترین ہے آپ نے فرمایا خلقِ نیک۔ پھر آپ نے فرمایا کہ نیک اخلاق گناہوں کو اس طرح نیست کر دیتا ہے جس طرح آفتاب برف کو پگھلا دیتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا رسول ﷺ نے فرمایا کل رات میں نے ایک عجیب چیز مشاہدہ کی۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو زانوں کے بل (اوندھا) پڑا تھا اور اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب حائل تھا۔ اس شخص کے نیک اخلاق آئے اور وہ حجاب دور ہو گیا اور اس خلق نیک نے اس کو حق تعالیٰ تک پہنچا دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ بندہ خلق نیک کے بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جس طرح کوئی دن میں روزہ رکھے اور رات میں نماز ادا کرے۔ اس کو آخرت میں اور بھی بلند درجے ملتے ہیں۔ اگرچہ وہ عبادت میں کم بھی ہوتا ہے تو اس کو خلق نیک کے باعث آخرت میں بلند درجے عطا ہوتے ہیں۔

سب سے پسندیدہ تر اخلاق رسول کریم ﷺ کے تھے۔ ایک روز حضور رسول ﷺ کے سامنے کچھ عورتیں بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں اور شور مچا رہی تھیں اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے وہ عورتیں وہاں سے بھاگنے لگیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈر رہی ہو اور رسول خدا ﷺ کا تم کو ڈر نہیں ہے۔ ان عورتوں نے جواب دیا کہ رسول ﷺ کی بہ نسبت تمہارا خوف بہت زیادہ ہے اور آپ ان سے بہت زیادہ تند مزاج ہیں۔ رسول خدا ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ایک بار فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان جس راستہ پر تم کو دیکھتا ہے اس راستہ کو چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور وہ تمہاری ہیبت سے وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

شیخ فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نیک خو فاسق کی صحبت و ہم نشینی کو بد خو قاری کی صحبت سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ شیخ ابن المبارک ایک روز راستہ میں ایک بد خو کے ساتھ جا رہے تھے۔ جب وہ اس سے جدا ہوئے تو رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے کہا کہ میں اس سبب سے رو رہا ہوں کہ بد خو بے چارہ تو میرا ساتھ چھوڑ گیا لیکن اس کی بد خوئی نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا اور اس کے ساتھ لگی ہے۔ شیخ کتانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی ہونا نیک خو ہوتا ہے پس جو کوئی تم میں سے نیک خوئی میں زیادہ ہے وہ تم سے بڑا اور بلند پایہ صوفی ہے۔

شیخ یحییٰ ابن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوئے بد ایک ایسی معصیت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی عبادت فائدہ نہیں دیتی اور خوئے نیک ایک ایسی اطاعت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی معصیت سے نقصان نہیں پہنچتا۔

نیک خوئی کی حقیقت

معلوم ہونا چاہیے کہ نیک خوئی کیا ہے؟ اس کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے اور ہر ایک نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر اس کی وضاحت کی ہے لیکن اس کی جامع ومانع تعریف نہیں کی جا سکی ہے- چنانچہ ایک دانشمند کا قول ہے کہ کشادہ روئی کا نام نیک خوئی ہے! ایک حکیم کا قول ہے لوگوں کی ایذا کو برداشت کرنا نیک خوئی ہے- ایک صاحب فرماتے ہیں کہ "بدلہ نہ لینا" نیک خوئی ہے اور اسی طرح کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں اور تمام تعریفیں فروعی ہیں اس کی حقیقت اور جامع تعریف کسی میں بھی بیان نہیں کی گئی ہے- ہم یہاں اس کی حقیقت اور جامع تعریف بیان کرتے ہیں-

معلوم ہو کہ انسان کو دو چیزوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے- ایک جسم جس کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور ایک روح جس کو چشم دل کے سوا کسی اور چیز سے نہیں دیکھ سکتے اور ان دونوں کے ساتھ برائی اور بھلائی وابستہ ہے ایک کو حسن خلق کہتے ہیں اور دوسرے کو حسن خلق کہا جاتا ہے- حسن خلق سے مراد صورت باطنی ہے جس طرح حسن خلق سے مراد صورت ظاہر ہے اور جس طرح ظاہری صورت کو اس وقت اچھا کہا جاتا ہے کہ آنکھیں خوبصورت ہوں دہن خوبصورت ہو اور جب ناک منہ اور آنکھیں خوبصورت ہوتی ہیں تو اور دوسرے اعضاء بھی اس کی مناسبت سے خوبصورت ہوتے ہیں- پس یہی حال صورت باطنی کا ہے کہ وہ اس وقت تک خوبصورت نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اندر یہ تمام قوتیں اچھی اور عمدہ حالت میں نہ ہوں یعنی قوت علم، قوت خشم، قوت شہوت اور قوت عدل-"

قوت علم سے ہماری مراد زیرکی اور دانائی ہے- قوت علم کی خوبی یہ ہے کہ آسانی سے کلام کے جھوٹ اور سچ میں تمیز کر سکے- اور برائی سے اچھائی کو پہچان سکے- اسی طرح اعمال وافعال کی اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکے اور حق کو باطل سے پہچان سکے (حق وباطل میں تمیز کر سکے) اعتقادات میں (کون سا عقیدہ حق ہے اور کون سا عقیدہ باطل ہے) جیسا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا :- یعنی جس نے حکمت حاصل کی اس نے خیر کثیر کو حاصل کیا-

قوت غضب شہوت کی خوبی اور نیکی یہ ہے کہ وہ سرکشی نہ کر سکے اور شرع وعقل کے حکم کے تابع ہو تاکہ عقل و شرع کی اطاعت آسانی سے کر سکے-

قوت عدل کی خوبی اور نیکوئی یہ ہے کہ غضب اور شہوت کو اس طرح قابو میں رکھے جیسا کہ دین اور عقل کا اشارہ ہو غیظ وغضب کی مثال شکاری کتے کی ہے اور شہوت کی مثال گھوڑے کی اور عقل کی مثال اس گھوڑے پر سوار ہونے والے کی ہے اور گھوڑا کبھی کبھی سرکش بھی ہو جاتا ہے اور کبھی اشاروں پر چلتا ہے اور کبھی کتا سکھایا ہوا ہوتا ہے (اس کے مطابق کام کرتا ہے) اور کبھی وہ اپنی طبع کے مطابق کام کرتا ہے پس جب تک گھوڑا سدھایا ہوا اور کتا تربیت کیا ہوا نہیں ہوگا سوار کو یہ امید نہیں کرنی چاہیے کہ شکار حاصل کرلے گا بلکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں خود ہلاک نہ ہو جائے کہ کتا اس پر حملہ نہ کردے اور گھوڑا اس کو زمین پر پٹخ نہ دے اور عدل کے یہ معنی ہیں کہ ان دونوں (غضب وشہوت) کو عقل ودین کا مطیع

بنائے- کبھی شہوت کو خشم و غضب پر مسلط کردے تاکہ اس کی سرکشی ختم ہو جائے اور کبھی غضب و خشم کو شہوت پر مسلط کردے تاکہ اس کی حرص ختم ہو جائے- جب ان چاروں صفات میں یہ خوبی اور نیکوئی پیدا ہو جائے گی تو پھر اس کو خوبی مطلق کہا جائے گا اور اگر ان میں بعض کے اندر خوبی نہ ہو اور بعض میں ہو تو اس کو خوبیٔ مطلق نہیں کہا جائے گا- جس طرح کسی کا دہن تو خوبصورت ہو لیکن ناک اچھی نہ ہو تو یہ مطلق خوبصورتی نہ ہو گی-

معلوم ہونا چاہیے کہ جب ان چاروں صفات میں سے کوئی ایک بھی زشت و خراب ہو گی تو اس سے برے اخلاق اور برے کام سرزد ہوں گے- ان صفات کی برائی اور ان کی زشتی دو اسباب کی بنا پر ہوتی ہے یعنی ایک کا محدود نہ ہونا: حد سے بڑھ جانا اور دوسری صورت میں ناقص ہونا- اسی طرح جب قوت علم حد سے فزوں ہوتی ہے تو وہ برے کاموں میں صرف ہونے لگتی ہے اور اس سے کرپٹری (چالاکی) اور ہمہ دانی کے دعویٰ کی بری صفت پیدا ہوتی ہے- اور جب یہ ناقص اور تفریط میں ہوتی ہے تو اس سے ابلہی (بے خبری) اور حماقت کا ظہور ہوتا ہے- جب یہ اعتدال پر ہوتی ہے تو اس سے درست تدبیر' صائب رائے' مناسب اور درست فکر و خیال اور صحیح دانشوری کے صفات پیدا ہوتے ہیں-"

جب قوت غضبانی (خشم) حد افراط میں ہوتی ہے تو اس کو "تہور" کہا جاتا ہے اور جب ناقص اور تفریط میں ہوتی ہے تو اس وقت بدولی اور بے حمیتی (بے غیرتی) ظہور میں آتی ہے اور جب یہ حالت اعتدال میں ہوتی ہے نہ زیادہ نہ کم تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اسی شجاعت سے کرم' بزرگ ہمتی' دلیری' حلم' بردباری' آہستہ روی' غصہ کا ضبط اور اسی قسم کے دوسرے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور تہور سے شیخی' تکبر اور غرور' ڈھیٹ پن اور خطرناک کاموں میں دخل اندازی اور اس جیسی بری صفات پیدا ہوتی ہیں اور جب یہ تفریط کی صورت میں ہوتی ہے تو اس سے بے بسی (خود خواری) بے چارگی' رونا دھونا' دوسروں کی خوشامد کرنا اور مذلت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں-

اب رہی قوت شہوانی: جب یہ عالم افراط میں یا حد سے فزوں ہوتی ہے تو اس کو "شرہ" کہتے ہیں اور اس سے شوخی' ڈھٹائی بے باکی' بے مروتی' ناپاکی' حسد اور امراء و تونگروں کے ہاتھوں ذلت برداشت کرنا اور درویشوں کو حقیر سمجھنا جیسے برے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اگر یہ حد تفریط میں ہوتی ہے تو اس سے سستی' نامردی' بے شرمی' بے حسی' کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور جب یہ حالت اعتدال پر ہوتی ہے تو اس سے شرم' قناعت مسامحت (نرمی کرنا) صبر پاک دلی اور دوسروں سے موافقت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں- اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان قوتوں میں سے ہر ایک قوت کے دو جانب اور دونوں زشت و مذموم ہیں- صرف ان کا اعتدال اچھا اور پسندیدہ ہے اور ان کے دونوں کناروں میں جو درمیانہ حصہ ہے وہ بال سے زیادہ باریک ہے یعنی اعتدال اور اسی کا نام صراط مستقیم ہے یہ اپنی باریکی میں آخرت کے صراط کی طرح ہے جو کوئی دنیا میں اس صراط پر سیدھا قدم اٹھائے گا (صحیح اور درست طریقہ پر چلے گا) کل قیامت میں اس صراط سے اس کو کچھ خطرہ نہیں ہو گا- یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر خلق میں حد اعتدال رکھی ہے اور اس کے دونوں کناروں پر قدم رکھنے سے منع فرمایا ہے- ارشاد فرمایا ہے- وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا o

اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اس شخص کی تعریف کی ہے جو نفقہ کے اندر نہ تنگی کرتا ہے اور نہ اسراف کرتا ہے بلکہ درمیانہ روی اختیار کرتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔ وَلَاتَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَاتَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ اپنے ہاتھ کو اس طرح بند نہ کرو۔ یعنی نہ ہاتھ کو بالکل روک لو کہ کچھ نہ دو اور نہ اس قدر کشادہ کردو کہ سب کچھ دے دو اور خود بے سروسامان رہ جاؤ۔

پس معلوم ہونا چاہیے کہ مطلق نیک خوئی ہے کہ جس میں یہ تمام باتیں بشرط اعتدال موجود ہوں جس طرح خوبصورتی وہی ہے کہ جسم کے تمام اعضاء سڈول اور خوبصورت ہوں۔ لوگ اس حیثیت سے چار طرح پر ہیں۔ اول ایسا شخص کہ ان تمام صفات کا کمال اس کے اندر موجود ہو اور نیک خوئی اس میں بدرجہ کمال موجود ہو۔ پس تمام مخلوق کو ایسے شخص کی پیروی کرنی چاہیے اور ایسا شخص اور ایسی ہستی سوائے رسول اکرم ﷺ کے اور کوئی دوسری نہیں ہے جس طرح خوبصورتی کا کمال یوسف علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

دوم یہ کہ یہ صفات اس شخص کے اندر نہایت زشتی اور برائی کے ساتھ موجود ہوں اس کا نام مطلق بدخوئی ہے۔ مخلوق سے اس کا نکال باہر کردینا واجب ہے۔ اور زشتی جس کا نام ہے وہ شیطان کی زشتی ہے جو باطن اور صفات واخلاق کی زشتی ہے۔

سوم وہ جو زشتی اور خوبی کے درمیان میں ہو لیکن نیکوئی سے قریب تر ہو۔ چہارم وہ جو ان دونوں کے درمیان ہو لیکن زشتی سے قریب تر ہو جس طرح حسن ظاہری میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس میں نیکوئی حد درجہ موجود ہوتی ہے اور زشتی کم تر ہوتی ہے بلکہ اکثر درمیانہ حالت اس کی ہوتی ہے اسی طرح خلق نیکو میں بھی یہی صورت ہوتی ہے۔ پس ہر ایک شخص کو کوشش کرنا چاہیے کہ اگر وہ کمال کے درجہ تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم اس درجہ تک ضرور پہنچ جائے جو کمال سے نزدیک تر ہو۔ خواہ اس کے تمام اخلاق اچھے ہوں یا زیادہ تر اچھے اور کم تر برے ہوں یا بعض نیکو اور خوب ہوں۔ جس طرح خوش روئی اور زشت روئی میں تفاوت درجات کی کوئی انتہا نہیں ہے اسی طرح خلق میں بھی تفاوت درجات کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔

یہ تھے معنی خلق نیک کے جو ہم نے بیان کئے اور یہ صرف ایک چیز نہیں ہے نہ دس بیس نہ سو۔ بلکہ بے شمار ہیں لیکن ان سب کی اصل وہی چار قوتیں ہیں یعنی وقت علم، قوت غضب، قوت شہوت اور قوت عدل اور دوسری تمام چیزیں اور باتیں اس کی فروع ہیں۔

خلق نیک کا حصول ممکن ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جیسا کہ یہ تخلیق ظاہری نظر آتا ہے اس اعتبار سے کوتاہ کو دراز اور دراز کو تاہ نہیں کہا جاسکتا اسی طرح زشت کو خوب اور خوب کو زشت نہیں بنایا جاسکتا۔ لیکن ان لوگوں کا ایسا خیال کرنا غلطی ہے اگر یہ بات صحیح ہوتی تو پھر تادیب و تربیت، نصائح اور نیک باتوں کی ترغیب دینا یہ سب باتیں باطل ٹھہرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم اپنے اخلاق کو اچھا بناؤ تو پھر یہ بات کس طرح محال ہوسکتی ہے۔ غور کرو! جانوروں کو سدھار کر

سرکشی سے باز رکھا جاتا ہے- وحشی جانوروں میں انس کا جذبہ پیدا کر دیا جاتا ہے پس اس کا نیک خلقت پر کرنا باطل ہے- حقیقت یہ ہے کہ کام دو طرح کے ہوتے ہیں بعض وہ ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں (یعنی افعال اختیاری اور ارادی) یعنی انسان کے اختیار کو ان میں دخل ہے اور بعض وہ ہیں جو انسان کے اختیار سے باہر ہیں جیسے کھجور کی گٹھلی سے سیب کا درخت نہیں اگایا جاسکتا- ہاں اس سے درخت خرما اگایا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس کی تربیت کی جائے اور اس کے تمام لوازم پورے کئے جائیں پس اسی طرح غضب اور خواہش کی اصل (حذبہ اصلی) کو انسان سے اختیار کے ذریعہ نہیں نکالا جاسکتا (انسان کے اختیار میں نہیں ہے) لیکن اس قوت غضبی اور شہوانی کو ریاضت سے حد اعتدال پر لایا جاسکتا ہے اور ایسا تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے البتہ بعض اخلاق کی تربیت اور ان کو اعتدال پر لانا دشوار تر بھی ہے اس دشواری کے دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ یہ خلق اصل فطرت میں قوی تر ہو اور دوسرے یہ کہ ایک مدت مدید تک اس کی طاعت میں رہا ہے (یعنی خلق بد کو اپنائے رہا ہے)

اخلاق کے چار درجہ ہیں

اخلاق کے مراتب و درجات چار ہیں- اول درجہ یہ کہ انسان سادہ دل ہو اور نیک و بد کی پہچان نہ ہو- اور نہ نیک و بد کسی عادت کو اختیار کیا ہو' یا وہ اپنی فطرت اولین پر ہو تو ایسی فطرت نقش پذیر ہوتی ہے اور جلد ہی اصلاح کو قبول کر لیتی ہے پس اس کو صرف تعلیم کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے- تاکہ وہ اس کو اخلاق بد کی آفتوں سے آگاہ کر دے اور اچھے اخلاق کی طرف اس کی راہنمائی کرے- ابتداء میں بچوں کی یہی فطرت ہوتی ہے (یعنی سادہ و صاف) اور ان کے ماں باپ ان کی راہ کھوٹی کرتے ہیں کہ ان کو دنیا کا حریص بنا دیتے ہیں اور ان کو اتنی ڈھیل دے دیتے ہیں کہ وہ جس طرح چاہیں زندگی بسر کریں- پس ان کا خون ناحق باپ کی گردن پر ہوتا ہے' اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے قوانفسکم واھلیکم نارًا یعنی خود کو اور اپنے اہل کو آتش دوزخ سے بچاؤ-

درجہ دوم : درجہ دوم یہ ہے کہ ابھی ایک فرد نے بری باتوں پر اعتقاد نہیں کیا ہے لیکن وہ ہمیشہ کے لیے شہوت و غضب کی اتباع کا عادی بن گیا ہے- باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ یہ کام کرنے کے لائق نہیں پھر بھی ان کو کرتا ہے تو ایسے شخص کی اصلاح ایک کارِ دشوار ہے ایسے شخص کو دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ فساد کی عادت اس سے دور کی جائے دوسرے یہ کہ صلاح و درستی کی اس کے اندر تخم کاری کی جائے- ہاں اگر اس کے اندر اس کا احساس پیدا ہو جائے کہ میری اصلاح ہونی چاہیے اور یہ خوہائے بد مجھ سے دور ہونا چاہیے تو پھر ایسے شخص کی اصلاح بہت جلد ہو جاتی ہے اور فساد کی خو اس سے دور ہو جاتی ہے-

درجہ سوم : یہ ہے کہ خوئے فساد ایک شخص کے اندر پیدا ہو چکی ہے اور اس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ایسے کام نہیں کرنے چاہئیں

بلکہ خوئے فساد اس کی نظر میں پسندیدہ اور خوب ہے تو ایسے شخص کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔سوائے شاذ و نادر کے:-

درجہ چہارم: یہ ہے کہ وہ خوہائے فساد پر فخر کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ شاندار کام ہیں جیسے کوئی شخص لاف زنی کرتا ہے کہ میں تو اتنے لوگوں کو فوت کر چکا ہوں اور اتنی شراب پی چکا ہوں تو ایسے شخص کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔البتہ آسمانی سعادت اس کے شریک حال ہو تو دوسری بات ہے (اصلاح ہو جائے) ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

علاج کا طریقہ

معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی عادت کو وہ ترک کر دے تو اس کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ عادت جس بات کو کہے (کرنے پر آمادہ کرے) تو اصلاح چاہنے والا شخص اس کے خلاف کرے کہ شہوت کو سوائے مخالفت کے شکست نہیں دے سکتے۔ہر چیز کو اس کی ضد ہی توڑتی ہے جس طرح اس بیماری کا علاج جو گرمی سے پیدا ہوتی ہے سردی کھانے سے کیا جا سکتا ہے اسی طرح بخل کی عادت بد کا علاج سخاوت و داد و دہش ہے اسی طرح دوسری عادتوں کا قیاس کرنا چاہیے۔

پس جس کام میں نیک عادت پیدا کی جائے گی اس میں خلق نیک پیدا ہو جائے گا اور شریعت نے جو نیکوکاری کی تعلیم دی ہے اس کا یہی راز ہے کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ بری صورت یا بری عادت سے دل کو نفرت ہو جائے اور اچھی صورت کی طرف اس کا رخ ہو جائے۔انسان کو اور تکلیف کے ساتھ جس بات کی عادت ڈالتا ہے وہ اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔بچہ کو دیکھ لو کہ وہ ابتدا میں مکتب سے بھاگتا ہے اور تعلیم سے چڑتا ہے لیکن جب اس کو التزام کے ساتھ تعلیم دی جاتی ہے تو پھر وہی تعلیم جس سے وہ بھاگتا تھا اس کی طبیعت بن جاتی ہے اور جب وہ جوان ہوتا ہے تو پھر اس کو علم کے اندر لطف حاصل ہوتا ہے اور بغیر پڑھے لکھے وہ نچلا نہیں بیٹھ سکتا بلکہ یہاں تک کہ اگر کبوتر بازی' شطرنج بازی یا قمار بازی کسی کی طبیعت بن جاتی ہے تو وہ دنیا کی تمام راحتیں اور اس کے پاس جو کچھ مال و متاع ہے ان بازیوں پر تج دیتا ہے اور ان کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا بلکہ بعض چیزیں جو انسان کی طبیعت کے خلاف ہوتی ہیں وہ بھی عادت کی بنا پر طبع ثانی بن جاتی ہیں۔بہت سے ایسے لوگ ہیں جو عیاری پر فخر کرتے ہیں باوجودیکہ ان کو کوڑے لگائے جاتے ہیں ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں لیکن وہ ان تمام باتوں پر صبر کرتے ہیں مثلاً سینگی لگانے والے اور خاک روبوں ہی کو دیکھ لو کہ وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں کہ ایسا فخر علماء اور سلاطین بھی ایک دوسرے پر نہیں کرتے ہیں۔یہ تمام باتیں اس عادت کا ثمرہ ہیں۔جو لوگ مٹی کھانے کے عادی ہو جاتے ہیں وہ بیماری بلکہ ہلاکت کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن مٹی کھانا نہیں چھوڑتے۔

پس اسی طرح وہ باتیں جو خلاف طبع اور اس کی ضد ہیں جب وہ عادت کے باعث طبع ثانیہ بن جاتی ہیں تو جو چیز طبیعت کے مطابق ہو اور دل کو ایسا فائدہ بخشے جیسا کھانا اور پانی جسم کو تو وہ عادت سے کیوں نہ حاصل ہو گی (جبکہ خلاف طبیعت

چیزیں عادت سے موافق طبع بن جاتی ہیں) اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی بندگی اور قوت شہوانی اور غضبانی کو مغلوب کرنا انسان کی طبیعت کا تقاضا ہے کیونکہ اس کو ملائکہ کے بھرپور جوہر سے بنایا ہے اور اس کی غذا یہی ہے۔گناہوں کی طرف اس کا مائل ہونا اس سبب سے ہے کہ وہ بیمار ہے یا پانی اصل غذا سے بیزار ہو گیا ہے اور مشاہدہ ہے کہ بیمار اکثر اچھے اور لطیف کھانوں سے بیزار ہوتے ہیں اور نقصان پہنچانے والی غذاؤں کے حریص اور مشتاق ہوتے ہیں۔پھر جو شخص خداوند تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت سے زیادہ کسی دوسری چیز کو دوست رکھے تو سمجھ لو کہ اس کا دل بیمار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِیْ قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ (ان کے دلوں میں آزار ہے) اور فرمایا کہ اِلاَّ مَنْ اَتَی اللّٰهِ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (رستگاری اس کے لیے ہے جو پاک دل کے ساتھ خدا کے حضور میں آیا) جس طرح جسم اور بدن کا بیمار اس دنیا کی ہلاکت میں گرفتار ہوگا اسی طرح جو دل بیمار ہے کہ وہ اس جہان کی ہلاکت میں گرفتار ہوگا اور جس طرح بیمار کی صحت اس بات پر موقوف ہے کہ طبیعت کے حکم کے بموجب نفس کی خواہش کے برخلاف کڑوی دوا استعمال کرے اسی طرح دل کی بیماری بھی اس وقت دور ہوگی جبکہ خواہشات نفسانی کو ترک کردے اور صاحب شرع کے ارشاد کے مطابق جو دلوں کے طبیب ہیں عمل کرے۔

وصل سوم یہ کہ تن کا علاج اور دل کا علاج دونوں ایک ہی طرح پر ہیں جس طرح گرمی کے لیے سردی اور سردی کے لیے گرمی موزوں اور موافق ہے اسی طرح جس پر تکبر کا مرض غالب ہے وہ تواضع اختیار کرنے سے شفا پائے گا اور جب تواضع کا کسی میں غلبہ ہوگا اور تواضع عالم تفریط میں پہنچ جائے گی تو صفت نمودار ہوگی اس کا علاج تکبر اختیار کرنے سے ہوگا۔پس معلوم ہوا کہ نیک اخلاق پیدا ہونے کے تین ذرائع ہیں۔ایک اصل خلقت ہے جو حق تعالیٰ کا انعام اور اس کی بخشش ہے کہ اس نے کسی کو اصل خلقت ہی میں نیک تو پیدا کیا ہے یعنی سخت اور متواضع بنایا ہے اور ایسے بہت سے لوگ ہیں۔دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ کوئی بہ تکلف نیک افعال اس طرح اختیار کرے کہ وہ اس کی عادت بن جائیں۔تیسرا ذریعہ یہ ہے کہ خوش اخلاق کو دیکھے اور ان سے میل جول رکھے تو اس طرح وہ بھی ان کے سے اخلاق اختیار کرے گا اگرچہ خود ان سے بے خبر رہے۔

پس جس کسی کو یہ تینوں سعادتیں حاصل ہو جائیں کہ وہ اصل خلقت میں بھی نیک خو ہو اور نیک کاموں کی عادت ڈالے اور نیک لوگوں کی صحبت میں رہے تو ایسا شخص درجہ کمال کو پہنچ جائے گا اور جو شخص ان تینوں سعادتوں سے محروم ہے یعنی اصل فطرت بھی اس کی ناقص، اشرار کی صحبت میں رہا اور برے کاموں کی عادت ڈال لی تو وہ شقاوت میں پورا ہے (پورا پورا اشقی ہے) اس سعادت اور شقاوت کے درمیان بہت سے مدارج ہیں کہ بعض کو وہ حاصل ہوں اور بعض کو حاصل نہ ہوں یا بعض کو بعض حاصل ہوں اور بعض حاصل نہ ہوں پس ہر ایک کی شقاوت و سعادت اسی کے مطابق ہوگی۔جیسا کہ ارشاد ہے:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ

جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بدی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا (دونوں کی جزا و سزا پائے گا)

فصل

اعمال خیر ہی تمام سعادتوں کی اصل ہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ اعمال کی اصل اعضاء رئیسہ سے ہے (جوارح اصل اعمال ہیں) یعنی اس سے مقصود دل کا تغیر ہے کیونکہ دل ہی ہے جو عالم آخرت کا سفر کرے گا' پس چاہیے کہ دل جمال و کمال کا مالک ہو تاکہ بارگاہ الٰہی کے (حضور کے) قابل بن سکے کہ جب آئینہ صاف و شفاف (بے زنگار) ہوتا ہے تو ملکوت کی صورت اس میں نظر آئے گی۔ جب یہ صاف و شفاف ہوگا تو ایسا جمال اس میں مشاہدہ کرے گا کہ وہ بہشت جس کی تعریف اس نے سنی ہے اس کو حقیر و ناچیز نظر آئے اگرچہ اس عالم میں جسم کا بھی ایک حصہ ہے لیکن اصل دل ہے اور تن اس کا تابع ہے۔ دل کچھ اور ہے اور جسم کچھ اور ہے کہ دل عالم ملکوت ہے اور تن عالم اجسام و عالم سہادت ہے جس کا بیان ہم اس کتاب (کیمیائے سعادت) میں کر چکے ہیں۔

اگرچہ دل' تن سے ایک الگ چیز ہے لیکن دل کا اس سے ایک خاص تعلق ہے اس لیے کہ ہر ایک نیک عمل سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے اور عمل بد سے اس میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے جو نور دل میں پیدا ہوتا ہے وہ نور سعادت کا تخم ہے اور یہ ظلمت' شقاوت اور بدبختی کا بیج ہے۔ اسی علاقہ کے باعث انسان کو اس عالم (فانی) میں لایا گیا ہے تاکہ اس تن کے واسطے اور آلہ سے اپنے اندر سعادت اور صفات کمال پیدا کرے مثلاً کتابت دل کی ایک صفت ہے لیکن کتابت کا فعل انگلیوں سے تعلق رکھتا ہے اب اگر کوئی چاہتا ہے کہ اچھا لکھے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ خوب کوشش کر کے اچھے لکھے تاکہ اس کا دل اچھے خط کا نقش قبول کرے اور اس کا عادی بن جائے۔ جب اس طرح دل اس نقش کو قبول کرے گا تو پھر انگلیاں (خودبخود) باطن سے اس کو لینے لگیں گی۔ پس اسی طرح نیک کاموں کی مشق سے انسان کا دل خلق نیک کو قبول کرنے لگتا ہے اور خلق نیک اس کی صفت بن جاتی ہے اس وقت تمام افعال اس خلق کے موافق و مطابق صادر ہونے لگتے ہیں۔ پس تمام سعادتوں کا آغاز نیک کاموں سے ہوگا جو کہ تکلف کے ساتھ کئے گئے ہیں جس کے نتیجہ میں دل نیکی کی صفت کو قبول کر لیتا ہے اور پھر اس نیکی کا نور آشکارا ہوتا ہے پھر یہ حالت ہو جائے گی کہ وہ نیک کام جو پہلے بہ تکلف کئے جاتے تھے ان کا اب اس کو ملکہ ہو جائے گا (بغیر دشواری کے ان کا صدور ہوگا) اس کیفیت اور عادت کی اصل وہ علاقہ ہے جو دل اور تن میں موجود ہے کہ اس سے یہ دونوں اثر قبول کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو کام غفلت سے کیا جائے گا ناچیز ہوگا۔ کیونکہ اس کا علاقہ دل سے نہ تھا اور دل اس سے غافل تھا۔

فصل

تمام اخلاق حسنہ کو طبیعت بن جانا چاہیے تاکہ تکلف بر قرار نہ رہے

معلوم ہونا چاہیے کہ اس بیمار کو جو سردی سے بیمار ہوا ہے بے انداز گرم چیزوں کا استعمال نہیں کرنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حرارت بھی ایک مرض بن جائے۔اس کے لیے اعتدال کی ضرورت ہے اور اس کا معیار مقرر ہے جس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مزاج اعتدال پر ہے۔نہ زیادہ گرمی سے رغبت ہو اور نہ زیادہ سردی سے! جب مزاج اس حد اعتدال پر پہنچ جائے تو علاج کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس وقت یہ کوشش ہونی چاہیے کہ یہ اعتدال مزاج باقی رہے۔اس وقت معتدل چیزوں کو استعمال میں لانا چاہیے۔

پس اس طرح اخلاق کی بھی دو طرفیں ہیں (ہر خلق کے دو پہلو ہیں) ایک محمود ہے اور دوسرا مذموم اور جوان کے وسط میں ہو گا وہی معتدل ہے اور وہی ہمارا مقصود ہے۔مثلاً ایک شخص بخیل ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اس کو مال خرچ کرنے پر آمادہ کریں یہاں تک کہ خرچ کرنا اس کے لیے آسان کام بن جائے لیکن اتنا بھی خرچ نہ کرنے لگے کہ اسراف بن جائے کہ یہ مذموم ہے۔اخلاقی درستی کے لیے ایسی میزان شریعت ہے۔جس طرح جسم کے علاج کے لیے طب ایک ترازو ہے۔ پس یہ ہونا چاہیے کہ جہاں شریعت خرچ کرنے کا حکم دے تو یہ خرچ کرے (خرچ کرنے میں تکلف نہ کرے) اور ایسے مقام پر امساک اور بخل سے کام نہ لے اور جہاں شریعت مال خرچ کرنے کا حکم نہ دے تو پھر ایسے موقع پر خرچ نہ کرے تاکہ اعتدال کی حد باقی رہے۔اب جہاں خرچ کرنے کا حکم ہو وہاں اس کا دل خرچ کرنا نہ چاہے یا بہ تکلف خرچ کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ابھی تک بیمار ہے اس سلسلہ میں پسندیدہ بات یہ ہے کہ بہ تکلف دوا استعمال کرے تاکہ یہ تکلف رفتہ رفتہ اس کی سرشت بن جائے۔چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "حق تعالیٰ کی اطاعت رغبت سے کرو اگر یہ ممکن نہ ہو تو جبر سے کرو کہ اس میں جبر کرنا بھی بھلائی کا سبب ہو گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اپنا مال تکلف سے دیتا ہے اس کو سخی نہیں کہتے بلکہ سخی وہ ہے کہ مال کا دینا اس پر گراں نہ ہو اور جو کوئی بہ تکلف خرچ کرتا ہے وہ بخیل نہیں بلکہ بخیل وہ ہے جو بالطبع مال کو جمع کرے۔پس ضروری ہے کہ آدمی کے تمام اخلاق ملکہ ہوں اور ان میں تکلف کو دخل نہ ہو بلکہ کمال خلق یہ ہے کہ آدمی اپنے اختیار کی باگ شرع کے ہاتھ میں دے دے اور شریعت کی اطاعت اس پر آسان ہو اور اس کے دل میں کسی قسم کا نزاع باقی نہ رہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اس ارشادگرامی میں ایک راز ہے اگرچہ اس کتاب میں اس کا بیان مشکل ہے لیکن اس کی طرف ہم اشارہ کریں گے۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی کی سعادت یہ ہے کہ ملائکہ کی صفت حاصل کرے کیونکہ وہ ان کے جوہر سے بنا ہے اور اس عالم میں ایک پردیسی کی طرح آیا ہے اور اس کا اصل ٹھکانا فرشتوں کا مقام ہے۔ پس جو یہاں سے اجنبی بن کر جائے گا اس کو فرشتوں میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ پس ضروری ہے کہ جب وہاں پہنچے تو ٹھیک ٹھیک ان کی صفت رکھتا ہو اور کوئی اجنبی صفت دنیا کی اس کے ساتھ نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جس کو مال جمع کرنے کا شوق دنیا میں رہا ہے وہ مال کے خیال میں یہاں مصروف ہے اور جس کو خرچ کرنے کا ذوق ہے وہ اپنے اس دھندے میں مصروف ہے اور جو تکبر میں مبتلا تھا وہ اب بھی مخلوق کے ساتھ مشغول ہے اور جو تواضع کا حریص ہے وہ بھی مخلوق کے ساتھ مشغول ہے اور ملائکہ کا حال یہ ہے کہ وہ نہ مال کی طرف مائل ہیں نہ خلق کے ساتھ مشغول ہیں بلکہ خدا کی محبت میں اس طرح مستغرق ہیں کہ کسی اور چیز کی طرف التفات ہی نہیں کرتے۔ پس ضروری ہے کہ آدمی کے دل کا تعلق مال اور مخلوق کے ساتھ نہ رہے تاکہ ان تعلقات سے بالکلیہ پاک و صاف ہو اور اگر کوئی ایسا وصف ہے کہ کلیتہً اس کا ترک کرنا ممکن نہیں ہے تو چاہیے کہ اس کے وسط (اعتدال) کو اختیار کرے تاکہ ایک اعتبار سے وہ دونوں سے خالی ہو۔ جس طرح پانی کی گرمی اور سردی اس کے لیے ضروری ہے لیکن جب وہ حالت اعتدال پر ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ پانی نہ سرد ہے اور نہ گرم پس تمام صفات میں جو اعتدال کا حکم دیا گیا ہے اس کا راز یہی ہے۔ پس ان باتوں کا خیال دل سے رکھنا چاہیے تاکہ تمام مخلوق سے کٹ کر خدا کی محبت میں مستغرق ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

قُلِ اللّٰہُ لاَ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ بلکہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت بھی یہی ہے چونکہ تمام آلائشوں سے انسان کا پاک ہونا ممکن نہیں ہے تو اس طرح حکم دیا گیا: وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلاَّ وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا

پس اس سے معلوم ہو کہ تمام ریاضتوں سے مقصود یہ ہے کہ انسان مرتبہ توحید تک کسی طرح پہنچ جائے۔ اسی کو دیکھے، اسی کو پکارے، اسی کی بندگی کرے۔ اس کے سوا اس کے دل میں کچھ اور خواہش باقی نہ رہے۔ جب یہ وصف پیدا ہوگا۔ تو انسان عالم بشریت سے گذر کر مقامِ حقیقت تک جا پہنچے گا۔

فصل

جاننا چاہیے کہ ریاضت بہت زیادہ دشوار ہے بلکہ جانکندنی کا مقام ہے لیکن اگر مرشد طبیب حاذق ہو اور اچھی دوا جانتا ہو تو یہ بات سہل ہے۔ طبیب کی خوبی یہ ہے کہ مرید کو بارِ اول ہی حقیقت کی طرف دعوت نہ دے کہ اس کو وہ سمجھ نہ سکے گا۔ جیسے ایک بچے سے کہا جائے کہ مدرسہ چل، تاکہ وہاں تجھ کو ریاست کا درجہ حاصل ہو تو بچہ ابھی خود نہیں جانتا کہ ریاست کیا چیز ہے۔ تو اس کے دل میں کس طرح مدرسہ جانے کا شوق پیدا ہو گا۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ اگر تو مدرسہ جائے گا تو شام کے وقت تجھے کھیل کے لیے گوئے چوگان (گیند بلا) یا چڑیاں دوں گا تو بچہ شوق سے مدرسہ چلا جائے گا۔ جب وہ کچھ بڑا ہو تو اچھے لباس اور عمدہ عمدہ چیزوں کا اس کو لالچ دیا جائے تاکہ وہ کھیل سے دستبردار ہو جائے جب کچھ اور بڑا ہو تو سرداری اور ریاست کا وعدہ کر کے اس کو بتایا جائے کہ دنیا کی سرداری اور حکومت ہیچ ہے کہ موت کے بعد یہ باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اس وقت آخرت کی بادشاہی اور سرداری کی اس کو دعوت دے۔ ممکن ہے کہ مرید ابتدائے کار میں اخلاص عمل کی طاقت اور قدرت نہ رکھتا ہو تو اس وقت اس کی اجازت دی جائے کہ مخلوق کی نگاہوں میں پسندیدہ اور محبوب بننے کے واسطے کوشش کرے تاکہ اس ریا کے شوق میں کھانے پینے کا ذوق اس سے جاتا رہے جب یہ بات حاصل ہو جائے اور مرید میں رعونت پیدا ہو (کہ وہ خلق میں محبوب ہے) اس وقت اس کی رعونت کی شکست کے لیے اس کو حکم دیا جائے کہ بازار میں جا کر گداگری کرے جب وہ اس کو قبول کر لے (چند روز اس میں مصروف رہے) تو پھر اس کو گدائی سے منع کر کے پاخانہ، غسل خانہ وغیرہ صاف کرنے کی ہلکی خدمتوں میں لگا دے اسی طرح جو صفات (دنیاوی) اس میں پیدا ہوں بتدریج ان کا علاج کرے۔ ایک ہی بار تمام باتوں سے نہ روکے کہ وہ اس کو برداشت نہ کر سکے گا۔ البتہ وہ ریا اور نیک نامی کی آرزو میں تمام تکالیف اٹھا سکتا ہے۔ یہ تمام صفتیں سانپ اور بچھو کی طرح ہیں اور ریا ان میں اژدھے کی مانند ہے جو ان سب کو نگل لیتا ہے۔ اسی لیے جب خطرات حقیقی کمال کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں تو ریا کی صفت ان سے نابود ہو جاتی ہے۔

عیوب نفس اور بیماری دل کی شناخت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ بدن، ہاتھ، پاؤں اور آنکھ کی صحت اسی وقت معلوم ہو سکتی ہے کہ ہر ایک عضو سے اس کا کام خوبی انجام پائے مثلاً آنکھیں اچھی طرح دیکھتی ہوں پیر خوب چلتے ہوں اسی طرح دل کی صحت بھی اسی وقت معلوم ہو گی وہ جس کام کے لیے بنایا گیا ہے اور جس کام کی اس کو ضرورت ہے وہ اس پر آسان ہو (آسانی سے ان کاموں کو انجام دے) اور وہ ان چیزوں کو درست رکھتا ہو جو اس کی اصل فطرت اور سرشت ہیں۔ اس بات کو دو چیزوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے ایک ارادت اور دوسرے قدرت ارادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی چیز کی محبت نہ رکھتا ہو کیونکہ حق تعالیٰ کی معرفت دل کی غذا ہے جس طرح کھانا جسم کی غذا ہے جب بھوک نہ رہے یا بدن کمزور ہو تو وہ انسان بیمار ہے۔ اسی طرح

جب دل میں خداوند تعالیٰ کی معرفت اور محبت نہ رہے یا بہت کم ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بیمار ہو گیا ہے اسی لیے خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاءُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا الاٰيَةُ (کہہ دیجئے: کہ اگر تم ماں باپ، چچوں، بیٹوں اور قرابت داروں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور جہاد سے زیادہ دوست رکھتے ہو تو خدا کا حکم آنے تک ٹھہرو اور دیکھو!) یہ تو ارادت کے سلسلہ میں تھا۔ قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس پر آسان ہو۔ اور تکلف کی حاجت نہ ہو بلکہ خود ذوق و شوق پیدا ہو چنانچہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: جعلت قرة عینی فی الصلوٰة (میرے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) پس جب کوئی شخص اپنے اندر یہ ذوق و شوق نہ پائے تو سمجھ لے کہ اس کا دل بیمار ہے اور اس کی بیماری کی صحیح نشانی اور علامت اس کا علاج کرنا چاہیے شاید وہ سمجھے کہ وہ یہ قدرت رکھتا ہے اور واقعی میں یہ بات نہ ہو کہ انسان اپنے عیب کو پہچان نہیں سکتا۔ اس کے پہچاننے کے چار طریقے ہیں ایک یہ کہ کسی کامل مرشد کی خدمت میں حاضر رہے تاکہ وہ اس کے احوال پر نظر کر کے اس کے عیوب کو ظاہر کرے اور ایسا شخص اس زمانہ میں نادر و کمیاب ہے۔ دوسرا یہ کہ اپنے ایک مشفق اور دوست کو اپنا نگران مقرر کرے جو محض اس کی خاطر داری سے اس کے عیوب کو نہ چھپائے اور نہ حسد کے باعث ان میں اضافہ کرے ایسا شخص بھی کمیاب ہے۔

شیخ داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں اٹھتے بیٹھتے۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ میرا عیب مجھ پر ظاہر نہیں کرتے پھر ان کے پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ؟

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بارے میں دشمن کی بات سنے کیونکہ دشمن کی نظر ہمیشہ عیب پر پڑتی ہے خواہ دشمنی میں مبالغہ بھی کرے اس کی بات راستی سے خالی نہیں ہوتی۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آپ دوسروں کے حال پر نظر کرے اور جب کسی کا عیب دیکھے تو خود اس سے حذر کرے اور خیال کرے کہ وہ خود بھی ایسا ہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کو یہ ادب کس نے سکھایا انہوں نے فرمایا کہ جب میں نے کسی کی کوئی برائی دیکھی تو میں خود اس سے حذر کرنے لگا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو بڑا احمق ہو گا وہی اپنے بارے میں نیک گمان ہو گا اور جو ہوش مند ہو گا وہ اپنے بارے میں بدگمان رہے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے منافقوں کے راز (ان کی علامات) سے تم کو آگاہ کیا ہے تم نے ان علامات میں سے کوئی علامت مجھ میں پائی ہے۔

پس لازم ہے کہ ہر شخص اپنا عیب تلاش کرے کیونکہ جب تک مرض نہ معلوم ہو گا وہ علاج نہ کر سکے گا اور تمام علاج خواہش اور شہوت کی مخالفت پر مبنی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ہ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ہ

اور جس نے باز رکھا نفس کو خواہش سے پس بالیقین جنت اس کی آرام گاہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ جب غزوہ سے واپس تشریف لاتے تو صحابہ کرام سے فرماتے کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد

کی طرف واپس آئے ہیں- صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ کون سا جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا نفس کے ساتھ جہاد کرنا- حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ نفس کے بارے میں مشقت مت اٹھاؤ اور اس کی حاجت روائی مت کرو- خداوند تعالیٰ کی نافرمانی میں کہ قیامت کے دن وہ تجھ سے محاسبہ کرے گا اور تجھ پر لعنت کرے گا- اور تیرے اعضاء ایک دوسرے پر لعنت کریں گے-

خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہر منہ زور اور سرکش جانور کی نسبت نفسِ سرکش سخت لگام کا محتاج ہے- شیخ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ چالیس سال سے میرا نفس چاہتا ہے کہ شہد کے ساتھ روٹی کھاؤں لیکن میں نے اب تک نہیں کھایا ہے- شیخ ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں کوہِ لگام پر جاتا تھا وہاں انار کثرت سے تھے، مجھے انار کھانے کا شوق ہوا میں نے ایک انار توڑا وہ ترش نکلا میں نے اس کو یوں ہی چھوڑ دیا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ زمین پر پڑا ہے بھڑیں اس کو کاٹ رہی ہیں میں نے اس شخص کو سلام کیا اور اس نے جواب میں وعلیک السلام یا ابراہیم کہا- میں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ آپ کو میرا نام کس طرح معلوم ہو گیا- انہوں نے جواب دیا کہ جو کوئی خدا کو پہچان لے تو پھر کوئی چیز اس سے مخفی نہیں رہتی ہے- میں نے کہا کہ آپ کو خداوند تعالیٰ کے حضور میں ایک نسبت حاصل ہے پس آپ دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ ان بھڑوں کو آپ سے دفع فرمادے- انہوں نے فرمایا تم اس سے نسبت رکھتے ہو پھر تم دعا کیوں نہیں مانگتے کہ انار د کھانے کا شوق تم سے دور فرمادے کیونکہ اس شوق سے آخرت میں ضرر پہنچے گا اور زنبوروں کی یہ اذیت فقط دنیا تک ہے-

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ انار اگرچہ مباح ہے لیکن جو صاحبانِ احتیاط ہیں ان کی نظر میں ہے کہ خواہش وہ حلال چیز کی ہو یا حرام کی یکساں ہے اگر نفس کو حلال سے نہیں روکا جائے گا اور بقدر ضروری پر قناعت نہیں کی جائے گی تو پھر یقیناً نفس حرام کی طلب کرے گا اسی وجہ سے بزرگانِ دین نے مباحات کی خواہش کو بھی اپنے لیے مسدود کر دیا تھا تاکہ حرام خواہشوں سے محفوظ رہیں- حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ۷۰ بار حلال چیزوں کو اس لیے ترک کرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کسی حرام شے میں مبتلا ہوں جاؤں-

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب نفس دنیا کی مباح چیزوں سے پرورش پاتا ہے تو دنیا کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور پھر دنیا اس کے لیے بہشت بن جاتی ہے اور موت اس پر دشوار بن جاتی ہے- دل میں غفلت پیدا ہوتی ہے- ذکر الٰہی اور مناجات سے اس کو حلاوت حاصل نہیں ہوتی- مباح چیزیں اگر نفس کو نہ دو تو سرکشی کرتا ہے اور جب انسان دنیا سے بیزار ہوتا ہے تو آخرت کی نعمتوں کا شوق پیدا ہوتا ہے اس وقت غم اور شکستگی کی حالت میں ایک تسبیح اس کے دل پر اس قدر اثر کرے گی کہ خوشی اور آسائش کی حالت میں وہ تسبیح اثر نہیں کرتی۔

نفس کی مثال باز کی سی ہے جس کو تربیت کرنے کے لیے گھر میں لاتے ہیں (پالتے ہیں) اور اس کی آنکھیں سی دیتے ہیں- تاکہ گھر کی چیزوں سے مانوس نہ ہو پھر تھوڑا تھوڑا گوشت اس کو کھلاتے ہیں تاکہ وہ بازار سے خوب مانوس نہ ہو جائے اور اس کا مطیع بن جائے اسی طرح نفس جب تک اللہ تعالیٰ سے انسیت نہ پیدا کرلے مرید کو تمام عادتوں سے باز رکھے

اور آنکھ کان اور زبان کا راستہ بند کر لے۔ تنہائی بھوک، خاموشی اور بیدار رہنے کی مشق اس سے نہ کرائی جائے کہ ابتدائے کار میں یہ بات اس پر دشوار ہوگی جس طرح بچہ پر یہ باتیں دشوار ہوتی ہیں اور جب بچہ کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے تو پھر اگر زبردستی بھی اس کو دودھ دیں تو وہ نہیں پیتا۔ انسان کی ریاضت کا بھی یہی انداز ہے کہ جس چیز سے دل خوش ہوتا ہو اس کو چھوڑ دے اور جو چیز اس پر غالب ہو اس کے خلاف کرے۔

پس جو شخص جاہ و حشمت سے دلشاد ہوتا ہے اس کو ترک کر دے اور جس کو مال و زر سے فرحت ہوتی ہے وہ مال کو خرچ کرے۔ اسی طرح ہر اس چیز کو جو خداوند تعالیٰ کی محبت کے سوا اس کے لیے آرام کا موجب ہے اور اس کے لیے آرام گاہ بنی ہوئی ہے اس کو اپنی ذات سے جدا کر دے اور ایسی چیز سے دل لگائے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہ سکتی ہو اور ایسی چیز کو جس سے مرنے کے بعد بچھڑ جائے گا خود اپنے اختیار سے اس کو چھوڑ دے۔ خداوند تعالیٰ اس کا رفیق اور ساتھ ہی رہے گا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اور فرمایا اے داؤد علیہ السلام میں تیرا ساتھی ہوں تو میرا رفیق بن حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرائیل (علیہ السلام) نے میرے دل میں القا کیا۔ اَحْبِبْ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ دنیا کی جس چیز کو چاہے دوست رکھو لیکن آخر کار اس سے تمہاری جدائی ہے۔

خلق نیک کی علامت

جاننا چاہیے کہ نیک عادت کی علامات یہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مومنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ٥ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ٥

(بے شک ایمان والے مراد کو پہنچے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ کسی بے ہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ جو زکوٰۃ دیتے اور بھلائی کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اور فرمایا گیا:۔

اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاکِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ٥

(توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدے والے، بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو۔)

اور ارشاد ہوا کہ:

وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ھَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الۡجٰھِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا۔

(اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام اور وہ جو رات کاٹتے ہیں آپ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں۔)

اور جو کچھ منافقوں کی علامتیں بیان کی گئیں ہیں وہ سب کی سب "خوئے بد" کی علامتیں ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے' فرماتے ہیں۔ میری تمام تر ہمت نماز' روزہ اور عبادت ہے اور منافق کی تمام تر ہمت طعام و شراب (کھانا پینا) ہے۔ جیسے جانور' حضرت عاصم اصم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مومن فکر اور عبرت میں مشغول رہتا ہے اور منافق سوائے خداوند تعالیٰ کے ہر ایک سے ڈرتا ہے۔" اسی طرح مومن ہر ایک سے ناامید ہو سکتا ہے مگر خداوند تعالیٰ سے ناامید نہیں ہوتا۔ منافق ہر ایک سے امید رکھتا ہے مگر حق تعالیٰ سے امید نہیں رکھتا۔ مومن اپنا مال دین کے لیے فدا اور قربان کرتا ہے اور منافق اپنا دین مال پر قربان کر دیتا ہے۔ مومن عبادت کرتا ہے اور روتا ہے اور منافق گناہ کرتا ہے اور ہنستا ہے۔ مومن تنہائی اور خلوت کو پسند کرتا ہے اور منافق صحبت اور میل جول سے رغبت رکھتا ہے گویا مومن کشت کاری کرتا ہے اور کبھی کاٹنے کی امید رکھتا ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ نیک خو وہ ہے جو شرمیلا' کم گو' راست گو' دوسروں کی بھلائی چاہنے والا' جلد رنجیدہ نہ ہونے والا' بندگی بہت زیادہ کرنے والا' کم غلطی کرنے والا اور بہت کم فضول باتوں میں پڑنے والا ہوتا ہے۔ وہ دوسرے تمام لوگوں کا بھی خواہ' دوسروں کے حقوق کے سلسلہ میں نیک کردار' شفیق اور باوقار ہوتا ہے۔ اس کو امیدیں اور لالچ بہت کم ہوتا ہے' وہ صبر کرنے والا' متین' قانع' شاکر' بردبار' رقیق القلب کوتاہ سخن ہوتا ہے نہ بڑی باتیں زبان سے نکالتا ہے اور نہ کسی کی چغلی کھاتا ہے' نہ کسی کو گالی دیتا ہے اور نہ کسی پر لعنت بھیجتا ہے' نہ کسی کی غیبت کرتا ہے۔ اس میں عجلت پسندی نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی سے کینہ و حسد رکھتا ہے۔ خوش رو کشادہ پیشانی اور خوش زبان ہوتا ہے۔ اس کی دوستی اس کی دشمنی' اس کی خوشی اور اس کی ناراضگی صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے اور بس!! جاننا چاہیے کہ بہت سے اخلاق حسنہ اور نیک عادتیں صرف ایک تحمل اور بردباری کے اندر موجود ہیں جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کو بہت کچھ دکھ پہنچائے گئے' کفار نے بڑی ایذائیں دیں یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک بھی شہید کر دیئے لیکن انتہائی بردبار اور تحمل کے باعث آپ نے ان کے حق میں یہی فرمایا کہ "الٰہی ان پر رحم فرما کہ یہ جانتے نہیں ہیں۔ آپ نے ان کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی۔"

شیخ ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ ایک بار جنگل میں گئے کچھ دیر بعد ایک سپاہی ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ تم غلام ہو انہوں نے کہا کہ ہاں! اس نے کہا کہ مجھے آبادی کا پتہ بتاؤ۔ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کر دیا اور کہا کہ وہاں آبادی ہے۔ لشکری نے ان کے سر پر ڈنڈا مارا۔ ان کے سر سے خون بہنے لگا۔ سپاہی ان کو پکڑ کر شہر لے آیا۔

لوگوں نے جب آپ کو دیکھا تو سپاہی سے کہا کہ اے بے وقوف! یہ تو ابراہیم ادھم (بزرگ صوفی) ہیں۔ لشکری یہ سنتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا اور ان کی پابوسی کی اور کہا کہ میں آپ کا غلام ہوں۔ لیکن یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے کیوں بتایا تھا کہ

میں غلام ہوں- آپ نے کہا کہ میں نے اس وجہ سے کہا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں- لشکری نے کہا کہ جب میں نے آبادی کے بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیوں کیا تھا- آپ نے فرمایا کہ اس لیے کیا تھا کہ شہروں کی یہ آبادی تو ایک دن ویران ہو جائے گی- لشکری نے کہا کہ اچھا یہ بتایئے کہ جب میں نے ڈنڈا سے آپ کا سر پھوڑ دیا تھا تو آپ نے مجھے دعا کیوں دی تھی آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ دعا دینے میں دو ثواب ہیں- میں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ تم سے مجھے نیکی اور ثواب حاصل ہو اور اس کے عوض مجھ سے تم کو (بدی) بددعا حاصل ہو-

شیخ ابو عثمان حیری رحمتہ اللہ علیہ کو ایک دعوت میں بلایا گیا تاکہ ان کے تحمل کی آزمائش کی جائے- چنانچہ جب وہ صاحبِ خانہ کے یہاں پہنچے تو اس نے ان کو اندر نہیں جانے دیا اور کہا کہ کھانا ختم ہو چکا ہے یہ سن کر آپ واپس تشریف لے آئے آپ نے ابھی کچھ راستہ طے کیا تھا کہ صاحبِ خانہ آپ کے پیچھے پہنچا اور آپ کو واپس لے آیا لیکن پھر لوٹا دیا- اسی طرح کئی بار آپ کو بلایا اور واپس کر دیا آخر کار صاحب خانہ نے کہا کہ واقعی آپ ایک عظیم جواں مرد ہیں- آپ نے اس شخص سے کہا کہ یہ جو کچھ تم نے دیکھا یہ تو کتے کی عادت ہے کہ جب اس کو بلاتے ہیں وہ بلانے پر آجاتا ہے اور جب اس کی دھتکارتے ہیں تو واپس ہو جاتا ہے- پس یہ کوئی قابل قدر بات تو نہیں۔

ایک اور واقعہ :ایک بار آپ کے سر پر ایک چھت سے بہت سی خاک کسی نے ڈال دی- آپ نے اپنے کپڑوں سے اس خاک کو جھاڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا- لوگوں نے کہا کہ آپ شکر کس بات کا ادا کر رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو آگ میں ڈالے جانے کا مستحق ہو (جس کے سر پر آگ ڈالنا چاہیے)۔ اگر اس کے سر پر خاک ڈالی جانے ہی پر اکتفا کی جائے تو کیا شکر کا مقام نہیں ہے-

نقل ہے کہ بزرگوں میں سے ایک بزرگ کا رنگ کالا تھا ان کے گھر کے سامنے ایک حمام تھا- جب آپ حمام میں جاتے تو اس کو خالی کرایا جاتا تھا- ایک روز حسب معمول جب آپ حمام میں گئے تو حمامی کی غفلت سے ایک دہقان وہاں رہ گیا تھا- اس نے جب ان کو دیکھا تو سمجھا کہ یہ شخص حمام کے خدمت گاروں میں سے کوئی ہے تب اس نے کہا کہ اٹھ اور پانی لا- آپ نے پانی لا کر رکھ دیا پھر اس نے کہا کہ ملنے کے لیے مٹی لا- اسی طرح آپ اس کے کام کرتے رہے- جب حمامی آیا اور اس نے دہقان کی آواز سنی تو وہ آپ کے خوف سے حمام سے بھاگ گیا- جب آپ حمام سے باہر آئے تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ حمامی سے کہو کہ نہ بھاگے کہ خطا تو اس شخص کی ہے جس نے فرزند کے نطفہ کو ایک سیاہ فام کنیز کے رحم میں ڈالا- (اس میں حمامی کا کیا قصور ہے-)

شیخ عبداللہ خیاط ایک بڑے بزرگ شخص تھے- ایک آتش پرست ان سے کپڑے سلواتا اور ہر بار اجرت میں کھوٹا درہم ان کو دے دیتا اور وہ اس کو لے لیتے- ایک بار یہ کہیں گئے ہوئے تھے شاگرد نے آتش پرست سے کھوٹا درہم نہ لیا جب عبداللہ خیاط واپس آئے اور ان کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے شاگرد سے کہا کہ تم نے کھوٹا درہم کیوں نہیں لیا- کئی سال سے وہ

مجھے کھوٹی نقدی دیتا ہے اور میں خاموشی سے لے لیتا ہوں تاکہ وہ یہ کھوٹا سکہ کسی دوسرے مسلمان کو نہ دے-"
منقول ہے کہ اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ جب کہیں جاتے تو لڑکے آپ کو پتھر مارتے وہ فرماتے کہ لڑکو! چھوٹے چھوٹے پتھروں سے مجھے مارو کہیں میرا پیر نہ ٹوٹ جائے اگر پیر ٹوٹ گیا تو نماز میں قیام کس طرح کروں گا- احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ کو ایک شخص گالیاں دیتا ہوا ان کے ساتھ ہو گیا اور بالکل خاموش رہے- جب یہ اپنے محلّہ کے قریب پہنچے تو رک گئے اور اس شخص سے کہا کہ اگر کوئی گالی باقی ہے تو وہ بھی دے تو کیونکہ جب میرے متعلقین سنیں گے تو وہ تم کو ایذا دیں گے-
ایک عورت نے شیخ مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ اے ریاکار؟ آپ نے کہا اے خاتون! بصرہ کے لوگ میرا نام بھول گئے تھے تو نے اس نام کو تلاش کر لیا-

کمال حسن خلق کی علامت

کمال حسن خلق کی علامت وہ ہے جو بزرگان دین کہتے تھے اور یہ صفت ان لوگوں کی ہے جو خود کو بشریت سے پاک کر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہ دیکھیں اور ہر ایک فعل کو خداوند تعالیٰ سے منسوب کریں جو شخص اس صفت سے پاک وصاف نہ ہو اس کو اپنے بارے میں نیک خوئی کا گمان نہیں کرنا چاہیے-"

بچوں کی تادیب وتربیت

معلوم ہونا چاہیے کہ فرزند ماں باپ کے پاس خداوند تعالیٰ کی امانت ہے اور اس کا دل ایک نفیس گوہر ہے جو موم کی مانند ہے- نقش کو قبول کر لیتا ہے اور اس پر کوئی نقش موجود نہیں ہے- اس کی مثال ایک پاک زمین کی ہے- جب تم اس میں بیج بوو گے تو وہ اگے گا پس تم اگر اس میں نیکی کا تخم بوو گے تو اس سے دین ودنیا کی سعادت کا پھل حاصل ہو گا- ماں باپ اور استاد اس کے ثواب میں شریک رہتے ہیں اگر اس کے برخلاف ہو گا تو وہ بدبخت ہے جو کچھ برا کام وہ کرے گا اس میں یہ لوگ (ماں باپ اور استاد) اس کے شریک ہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے:
قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴿خود کو اور اپنے اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ﴾ اور بچے کو دوزخ کی آگ سے بچانا' دنیا کی آگ سے بچانے سے زیادہ ضروری ہے- یہ بات ادب اور نیک اخلاق سکھانے سے حاصل ہو گی- اس کو بری صحبت سے بچائیں کہ ساری آفتیں صحبت بد سے پیدا ہوتی ہیں- پس اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کا اس کو عادی نہ کریں تاکہ اگر کبھی میسر نہ ہو سکے تو وہ اس پر صبر نہیں کر سکے گا اور اپنی تمام عمر اس کی تلاش میں ضائع کر دے گا- چاہیے کہ اس بات کی کوشش کریں کہ اس کی دایہ صالح' نیک اطوار اور حلال روزی کمانے والی ہو کیونکہ دایہ کی خوئے بد اس میں اثر کرتی ہے اور جو دودھ حرام سے حاصل ہو وہ ناپاک ہے جب اس حرام دودھ سے اس بچہ کا گوشت پوست بنے گا تو بلوغ کے بعد اس کا اثر

ظاہر ہوگا- جب بچہ بولنے لگے تو اس کو اللہ کا نام سکھایا جائے- جب ایسا ہو کہ وہ بعض چیزوں سے شرمائے تو یہ اس امر کی بشارت ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ عقل کا نور اس میں پیدا ہو گیا ہے- جب شرم کو اس نے اپنا محافظ ٹھہرایا تو وہ اس کو ہر بری چیز سے روکے گا-

بچہ میں سب سے پہلے کھانے کا شوق پیدا ہوتا ہے لہٰذا لازم ہے کہ اس کو کھانا کھانے کے آداب سکھائیں تاکہ وہ سیدھے ہاتھ سے کھائے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرے- جلدی جلدی نہ کھائے- اچھی طرح لقمے چبائے- دوسروں کے نوالوں پر نظر نہ کرے اپنے سامنے سے لقمہ اٹھائے اور جب تک ایک نوالہ نہ نگل لے دوسرا نوالہ نہ لے- کھانے سے ہاتھوں کو نہ لیسے اور نہ کپڑے خراب کرے- کبھی کبھی اس کو روکھی روٹی بھی کھلائیں تاکہ وہ ہمیشہ سالن کا طالب نہ ہو بچہ کے سامنے بسیار خواری کی مذمت کریں اور بتائیں کہ یہ کام جانوروں اور احمقوں کا ہے اور اس کے سامنے پیٹو بچہ کی مذمت کی جائے اور باادب بچہ کی تعریف کریں تاکہ اس کی تعریف سن کر اس میں حمیت پیدا ہو اور وہ خود بھی اس پر عمل کرنے لگے- اس کے سامنے سفید لباس کی تعریف کریں- ریشمی اور رنگین کپڑوں کی برائی بیان کریں- بتائیں کہ آرائش عورتوں اور معشوقوں کا طریقہ ہے اور خود کو سنوارنا مخنثوں کا کام ہے- کیونکہ جب وہ ایسے لوگوں کو دیکھے گا تو خود بھی بگڑے گا اور ان جیسا شوق اس میں پیدا ہوگا- بچہ کو بری صحبت سے بچائیں ورنہ وہ ڈھیٹ' بے حیا' چور' دروغ گو' گستاخ اور بے ادب ہو جائے گا اور پھر یہ روش مدتِ دراز تک اس سے ترک نہ ہو گی-

بچہ کو جب مکتب میں بھیجیں اور وہ قرآن پاک پڑھنے لگے تو نیک لوگوں کی حکایتیں اور صحابہ کرام کی سیرت سے اس کو آگاہ کریں- ایسے اشعار اس کو نہ پڑھنے دیں جن میں حسن و عشق اور عورتوں کا ذکر ہو اور ایسے استاد کے پاس اس کو نہ جانے دیں جو یہ کہتا ہو کہ ایسے عشقیہ اشعار سے تیزی طبع پیدا ہوتی ہے ایسا استاد ادب آموز نہیں ہے بلکہ ابلیس ہے کہ وہ فساد کا بیج بچہ کے دل میں بو رہا ہے- جب بچہ اچھا کام کرے اور خوش اخلاق بنے تو اس کی تعریف کریں اور ایسی چیز اس کو دیں جس سے اس کا دل خوش ہو- دوسرے لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کریں- اگر بچہ غلطی کرے تو ایک دو مرتبہ انجان بن جائیں- (اس کی گرفت نہ کریں) تاکہ وہ بے شرم اور ڈھیٹ نہ بن جائے- خصوصاً جبکہ وہ اپنی غلطی کو چھپاتا ہو کیونکہ بار بار ٹوکنے اور سرزنش کرنے سے وہ بے شرم بن جائے گا اور پھر اس کی جھجھک دور ہو جائے گی اور وہ کھلم کھلا ایسی تقصیر کرنے لگے گا اگر وہ عمداً پھر ایسی غلطی کرے تو ایک بار خلوت اور تنہائی میں اس کو سرزنش کریں اور تنبیہہ کریں کہ آئندہ کسی کے سامنے ایسا کام نہ کرے کہ رسوا ہوگا اور بتائیں کہ اس کی قدر و منزلت ختم ہو جائے گی- باپ کو چاہیے کہ بیٹے کے ساتھ بزرگی سے رہے- (اپنی بزرگی اور وقار کو قائم رکھیں) اور اس کو ماں باپ کے خوف سے آگاہ کریں- (بتائیں کہ ماں باپ سے ڈرنا چاہیے) بچہ کو دن میں سونے نہ دیں کہ وہ سست ہو جائے گا- رات کو اسے نرم بستر پر نہ سلائیں تاکہ اس کا جسم مضبوط بنے- تمام دن میں ایک گھنٹہ اس کو کھیل کی اجازت دیں- تاکہ وہ رنجیدہ خاطر نہ ہو کہ اس تنگ دلی سے اس میں بدخوئی پیدا ہو گی اور وہ غبی بن جائے گا- اس کو تواضع سکھائیں دوسرے بچوں کے ساتھ اس کو لاف زنی نہ کرنے دیں- اس

کو دوسروں سے کچھ نہ لینے دیں- بلکہ اس کو بتائیں کہ وہ خود دوسروں کو کچھ نہ کچھ دے- اس کو بتائیں کہ کسی سے کچھ لینا فقیروں اور بے ہمتوں کا شیوہ ہے- اس کو ہرگز اجازت نہ دیں کہ کسی سے روپیہ پیسہ قبول کرے- یہ اس کی ابتری اور خرابی کا باعث ہوگا- اس کو اس امر کی تعلیم دیں کہ لوگوں کے روبرو نہ چھینکے' نہ تھوکے' اور ان کی طرف بیٹھ کر پیشاب نہ کرے بلکہ ان کے سامنے ادب سے بیٹھے' ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے کہ یہ سستی کی علامت ہے- بہت زیادہ باتیں اس کو نہ کرنے دیں' اسی طرح قسمیں نہ کھائے- بغیر سوال کے جواب نہ دے- (باتیں نہ بنائے) جو اس سے بزرگ ہو اس کی تعظیم کرے' زبان کو گالی اور فحش باتوں سے روکے-

اس کو تعلیم دیں کہ اگر استاد سزا دے تو اس سزا پر شور وواویلا نہ کرے اور نہ کسی سفارشی کو سزا سے بچنے کے لیے لائے- بلکہ استاد کی سزا پر صبر کرے- اس کو بتائیں کہ تحمل اور برداشت جواں مردوں کا کام ہے اور شور و غوغا عورتوں اور لڑکیوں کا شیوہ ہے-

جب لڑکا سات برس کا ہو جائے تو اس کو طہارت اور نماز کا حکم نرمی کے ساتھ دیں- جب دس سال کا ہو جائے اور وہ نماز نہ پڑھے تو اس کو ماریں اور نماز پڑھائیں- چوری حرام خوری' اور دروغ گوئی کی برائی اس پر ظاہر کریں- ایسی پرورش اور تربیت کے بعد ان آداب کی خوبیاں اس پر ظاہر کریں تاکہ وہ اس میں اثر کریں- اس کو بتائیں کہ کھانا کھانے سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو عبادت کی قوت حاصل ہو- بتائیں کہ دنیا سے غرض زاد آخرت ہے کہ دنیا بے وقاف ہے- موت یکایک آجاتی ہے پس دانا وبینا وہ شخص ہے جو دنیا سے زاد آخرت فراہم کرے تاکہ بہشت میں اس کو جگہ ملے اور خدا کی خوشنودی اس کو حاصل ہو- اس کے سامنے بہشت اور دوزخ کا احوال بیان کرنا چاہیے اور ثواب وعذاب کی حقیقت اس کو سمجھائیں-

جب اول اول اس کی ادب کے ساتھ پرورش کریں گے تو یہ باتیں اس کے دل میں انمٹ ہو جائیں گی (اس کے دل پر نقش کالحجر ہو جائیں گی) اور اگر اس کو آزاد و مطلق العنان چھوڑ دیا جائے گا تو اس کا حال ایسا ہوگا جیسے خاک دیوار سے گرتی ہے-

شیخ سہل تستری نے فرمایا ہے کہ جب میری عمر تین سال کی تھی تو میں اپنے ماموں محمد بن سوارؒ کو جب وہ نماز پڑھتے دیکھتا رہتا تھا- ایک بار انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے لڑکے؟ تو اس خدا کو جس نے تجھے پیدا کیا ہے یاد نہیں کرتا- میں نے کہا کس طرح یاد کروں؟ انہوں نے فرمایا کہ رات کو سوتے وقت تین بار یوں کہو: خدا میرے ساتھ ہے' خدا مجھے دیکھتا ہے' چنانچہ کئی راتیں میں نے یہی عمل کیا- پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہر رات میں گیارہ بار کہا کرو- آخر کار اس ذکر کی حلاوت میرے دل میں پیدا ہو گئی- جب اسی طرح ایک سال گزر گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا جو کچھ میں نے تم کو بتایا ہے اس کو اپنی تمام زندگی میں یاد رکھو- میں نے چند سال اس ذکر کو کیا یہاں تک کہ اس کی حلاوت میرے دل و دماغ میں پیدا ہو گئی پھر ایک دن ماموں نے مجھ سے فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کسی کو دیکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اس کی نافرمانی نہ کرے- خبردار! اے لڑکے گناہ نہ کر کیونکہ خدا تجھے دیکھتا ہے اس کے بعد مجھے معلم کے سپرد کر دیا گیا

لیکن وہاں میرا دل پراگندہ رہتا تھا للہذا میں نے کہا کہ مجھے مکتب میں ایک ساعت سے زیادہ کے لیے نہ بھیجا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا- سات برس کی عمر میں میں نے قرآن پاک ختم کر لیا- جب میں دس برس کا ہوا تو میرا یہ معمول بن گیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھتا اور جو کی روٹی کھاتا تھا' بارہ برس کی عمر تک میرا یہی حال رہا- جب میری عمر کا تیرھواں سال شروع ہوا تو ایک مشکل مسئلہ میرے دل میں پیدا ہوا کہ میں اس کے حل کے لیے بصرہ گیا وہاں کے تمام عالموں سے وہ مشکل حل نہ ہوئی- مجھے معلوم ہوا کہ عبادان میں ایک عالم متبحر ہیں ان سے وہ مسئلہ حل ہو گا چنانچہ میں وہاں گیا انہوں نے اس مسئلہ کو حل کر دیا چند روز میں ان کے پاس مقیم رہا پھر تستر واپس آ گیا- یہاں میں نے ایک درہم کے جو خریدے- افطار کے وقت جو کی روٹی بغیر سالن کے کھایا کرتا تھا- سال بھر کے لیے ایک درم کے جو کافی ہوتے تھے- پھر میں نے ارادہ کیا کہ تین دن کے بعد کچھ کھایا کروں- جب میں اس کا عادی ہو گیا اور اس کی طاقت پیدا ہو گئی تو پانچ دن رات' پھر سات شبانہ روز بھوکا رہنے لگا- آخر کار پچیس دن تک بھوکا رہنے کی طاقت میرے اندر پیدا ہو گئی- بیس برس تک میری یہی حالت رہی- بیس شبانہ روز بھوکا رہتا اور رات بیداری میں گزارتا-

یہ مفید حکایت اس واسطے لکھی گئی تاکہ معلوم ہو کہ جو کام بڑا اور عظیم ہو اس کی عادت طفلی ہی سے ڈالی جائے-

ابتدائے کار میں مرید کے لیے شرائط

اور راہ دین میں ریاضت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ جس نے معرفت الٰہی حاصل نہ کی اس کا ایک سبب یہ ہے کہ اس نے راہِ الٰہی کو طے نہیں کیا اور اس کا باعث یہ ہو گا کہ یا تو اس کو اس بات کی طلب نہ تھی یا اس کا موجب یہ ہو گا کہ وہ معرفت الٰہی سے بے خبر رہا اور اس کا ایمان کامل نہ تھا کیونکہ جو کوئی یہ جانتا ہے کہ دنیا کدورتوں سے بھری ہوئی ہے اور اس کو قیام نہیں ہے اور اس کے مقابلے میں آخرت پائیدار اور پاک ہے اس کے دل میں زاد آخرت کی ضرورت طلب پیدا ہو گی اور یہ کام اس پر زیادہ دشوار نہ ہو گا- پس ان تمام باتوں کا سبب ضعف ایمان ہے اور اس ضعف ایمان کا موجب یہ ہے کہ راہ بتلانے والے جو علمائے پرہیزگار ہیں وہ مفقود ہیں جب رہبر نہ ہو تو راستہ خالی رہے گا اور لوگ اپنی سعادت کے حصول سے محروم رہیں گے اور اب جو علماء موجود ہیں ان پر دنیا کی محبت غالب ہے- جب یہ خود دنیا طلبی میں مصروف ہیں تو مخلوق کو دنیا سے روگرداں کر کے آخرت کی طرف کس طرح بلائیں گے- دنیا کی راہ آخرت کی راہ کے برخلاف اور برعکس ہے- دنیا اور آخرت میں اس قدر تفاوت ہے- جیسا کہ مشرق اور مغرب میں- جب کوئی شخص دنیا سے نزدیک اور آخرت سے دور ہو گا! لیکن اس کے دل میں شوق الٰہی پیدا ہو تو وہ اس فریق میں داخل ہو جائے گا جس کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۝ پس آدمی کو چاہیے کہ پہلے وہ

اس سعی کے معنی معلوم کرے۔ سعی سے مراد راستہ کا طے کرنا اور اور چلنا ہے۔ اس سلوک کے مرتبہ اول میں چند شرطیں ہیں جن کا بجالانا ضروری ہے اس کے بعد اس دستاویز کا وہ تمسک کر سکتا ہے۔ پھر وہ اپنی پناہ کے لیے ایک حصار بنائے۔

پہلی شرط

شرط اول یہ ہے کہ اپنے اور خداوند تعالیٰ کے درمیان جو حجاب ہے اس کو اٹھادے تاکہ اس جماعت میں داخل نہ ہو جائے جس کے بارے میں ارشاد کیا گیا ہے: وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ○

یہ حجاب چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے: مال، جاہ، تقلید اور محبت۔ مال اس وجہ سے حجاب بنتا ہے کہ دل کا اس سے ہر دم تعلق رہتا ہے اور راہِ حق اس وقت طے کی جاسکے گی جبکہ دل فارغ ہو پس چاہیے کہ مال کو اپنے پاس سے دور کردے صرف بقدر ضرورت رہنے دے کہ بقدر ضرورت مال و دل کی مشغولی کا سبب نہیں ہوگا اور اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور اس کو شوق الٰہی ہے تو وہ راستہ جلد طے کرے گا۔

جاہ و حشمت کا حجاب اس وقت دور ہوگا کہ انسان اپنے لوگوں سے بھاگے اور ایسی جگہ پہنچے جہاں اس کو کوئی پہچانتا نہ ہو۔ اس لیے کہ صاحب شہرت ہمیشہ مخلوق کے ساتھ مشغول رہتا ہے اور اس کی ذات میں سرگرم رہتا ہے اور جب مخلوق سے اس کو لذت حاصل ہوگی تو وہ درگاہ الٰہی میں نہیں پہنچے گا۔

تقلید اس وجہ سے حجاب ہے کہ جب کسی مذہب و مسلک کی تقلید کی اور مناظرہ کی باتیں گوش گزار ہوئیں تو پھر دوسری بات اس کے دل میں جاگزیں نہیں ہوگی پس چاہیے کہ ان سب باتوں کو فراموش کرے اور لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لائے اور اپنے دل سے اس کی تحقیق کرے اور تحقیق یہ ہے کہ اس کا سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہ رہے اور جس پر حرص و ہوا کا غلبہ ہے تو اس کا معبود وہی ہے جب یہ حال حقیقت بن جائے تو دوسرے امور کا کشف مجاہدے اور ریاضت میں تلاش کرے بحث و جدل سے بالکل بے تعلق ہو جائے۔ معصیت بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک بڑا حجاب ہے کیونکہ جو شخص معصیت پر قائم رہتا ہے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے پھر اس پر حق کس طرح آشکارا ہو سکتا ہے خصوصاً جب کہ وہ حرام روزی کھاتا ہو اور جو یہ ارادہ رکھتا ہو احکام شریعت بجالانے سے قبل ہی دین و شرع کے اسرار اس پر ظاہر ہو جائیں ایسے شخص کی مثال اس شخص جیسی ہے جو عربی زبان سیکھنے سے پہلے تفسیر و قرآن پڑھنا چاہتا ہو اور جب یہ حجابات اس سے دور ہو جائیں گے تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا کہ طہارت کر کے نماز ادا کرنے کے لائق ہو اب اس کو صرف ایک امام کی ضرورت ہے جس کی وہ اقتدا کرے اور وہ مرشد ہے کیونکہ بغیر مرشد کے اس راہ پر چلنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ ایک راز خفیہ ہے اور شیطان کی راہیں، راہِ الٰہی کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور راہ ہائے باطل تو ہزاروں ہیں۔ راہِ حق صرف ایک ہے۔ بغیر رہبر کے راہ طے کرنا پھر کیونکر ممکن ہوگا۔ جب مرشد مل جائے تو اپنا کام اس کے سپرد کردے پھر اپنا اختیار باقی نہ رکھے اور یقین

کے ساتھ اس بات کو سمجھ لے کہ اپنی رائے صواب کے مقابل میں مرشد کی غلط رائے میں بھی بڑی منفعت ہے۔ اگر اپنے مرشد سے کوئی ایسا کام دیکھے جس کی بظاہر وجہ سمجھ میں نہ آئے تو اس وقت حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرے کہ وہ حکایت پیر و مرید ہی کے لیے ہے' کیونکہ مشائخ ایسے بہت سے امور سے آگاہ ہوتے ہیں کہ مرید کی عقل ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی۔

منقول ہے کہ حکیم جالینوس کے زمانے میں ایک شخص کی سیدھی انگلی درد کرنے لگی ناقص اطباء' اس انگلی پر دوائیاں لگاتے رہے لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا' انگلی کے درد کو شانہ کے علاج سے کیا تعلق؟ آخر کار انگلی کا درد جاتا رہا جالینوس نے پہچان لیا تھا کہ اصل میں عصب (پٹھے) کا خلل ہے۔ تمام اعصاب دماغ اور پشت سے نکلے ہیں جو اعصاب بائیں جانب سے نکلتے ہیں وہ داہنی جانب آتے ہیں اور جو داہنی جانب سے نکلتے ہیں وہ بائیں جانب آتے ہیں۔ مقصود اس مثال سے یہ ہے کہ مرید اپنے باطن میں کچھ تصرف نہ کرے۔ خواجہ ابو علی فارمدی (مرشد امام غزالی) سے میں نے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ ایک بار شیخ ابو قاسم گرگانی ؒ سے میں نے ایک خواب بیان کیا وہ مجھ پر ناراض ہوئے اور ایک مہینہ تک مجھ سے بات چیت بند رکھی۔ اس کا سبب مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ آخر کار خود انہوں نے فرمایا کہ اس خواب میں تم نے مجھ سے بیان کیا کہ تم شیخ ہو اور خواب میں مجھ سے ہم کلام ہو۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں شیخ کس طرح ہو گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تمہارے دل میں یہ بات جاگزیں نہ ہوتی تو خواب میں تمہاری زبان پر یہ بات نہ آتی۔

جب مرید اپنا کام شیخ کے سپرد کر دیتا ہے تو پھر اس کو اپنے حصار اور پناہ میں لے لیتا ہے تاکہ وہ آفتوں سے محفوظ رہے۔ اس حصار کی دیواریں چار ہیں۔ ایک خلوت' دوسری خاموشی' تیسری بھوک' چوتھی بے خوابی (شب بیداری) بھوک شیطان کا راستہ بند کر دیتی ہے۔ بے خوابی سے دل روشن ہوتا ہے۔ خلوت نشینی خلائق کی ظلمت کو دور کرتی ہے اور چشم و گوش کا راستہ بند کر دیتی ہے اور خاموشی بے ہودہ باتوں کو دل میں نہیں آنے دیتی شیخ سہل تستری ؒ فرماتے ہیں وہ حضرات جو ابدال کے مرتبے پر پہنچے ہیں وہ خلوت' گرسنگی' خاموشی اور بے خوابی سے اس درجے پر پہنچے ہیں۔

جب مرید اشغال دنیوی سے الگ تھلگ ہو جائے تب سمجھنا چاہیے کہ اس نے سلوک میں قدم رکھا' اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ راستے کے خطرات کو دور کرے اس سے مراد بری صفتیں ہیں جو دل میں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے افعال کی جڑیں جن سے حذر کرنا ضروری ہے جیسے مال و جاہ کی حرص اور کھانے پینے کا شوق' مکر ریا وغیرہ سے باطن کا تعلق بھی قطع ہو جائے اور دل ان سے خالی ہو جائے اگر کوئی مرید ایسا ہے کہ یہ تمام باتیں اس میں نہیں ہیں لیکن ایک چیز موجود ہے تو اس کو چاہیے کہ اس سے بھی قطع تعلق کرے اس طرح پر جیسے اس کا شیخ مناسب خیال کرتا ہے' اس کا آئین اور طریقہ ہر شخص کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہو گا۔ اس طرح جب زمین پاک ہو جائے تو شیخ اس میں تخم ریزی کرے' تخم ریزی سے مراد ذکر الٰہی ہے جب دل ماسوائے اللہ سے خالی ہو گیا تو گوشے میں بیٹھ کر دل سے اور زبان سے اللہ اللہ کرے اور یہاں تک یہ ذکر کرے کہ زبان خاموش ہو جائے اور دل ذکر کرتا رہے پھر دل بھی خاموش ہو جائے اور اس کلمہ کے معنی دل پر اس

طرح غالب آجائیں کہ الفاظ کا دخل ختم ہو جائے نہ عربی ہو نہ فارسی کہ دل سے بولنا بھی بات کرنا ہے اور گویائی اس تخم کا پوست ہے یعنی عین تخم نہیں ہے، پھر وہ معنی دل میں اس طرح نقش ہو جائیں کہ دل اس سے بلا تکلف وابستہ ہو جائے بلکہ ایسا عاشق ہو جائے کہ تکلف اور کوشش سے بھی اس کو دل سے نہ نکال سکے۔

حضرت شبلیؒ کا ارشاد

حضرت شبلیؒ نے اپنے مرید سے کہا کہ جمعہ جمعہ جو تم میرے پاس آیا کرتے ہو اگر ماسوائے اللہ کا خیال اس عرصہ میں تمہارے دل میں آئے تو تمہارا میرے پاس آنا درست نہیں ہے۔ پس جب دل کی دنیاوی وسوسوں کے فساد سے نکال لیا اور یہ بیج (ذکر) دل میں بو دیا تو پھر کوئی چیز باقی نہیں رہے گی جو دل کے اختیار سے تعلق رکھتی ہو بس اختیار یہیں تک تھا۔ اس کے بعد مرید انتظار کرے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے، یہ تخم عموماً ضائع نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ — جس کو آخرت کی زراعت کا خیال ہو اس کو ہم بہت سا ثمر دیتے ہیں۔

مریدوں کے احوال مختلف

یہ ایک ایسا مقام ہے کہ اس مقام پر مریدوں کے احوال مختلف ہوا کرتے ہیں، کوئی مرید تو ایسا ہوگا کہ اس کلمہ کے معنی میں اس کو اشکال پیش آئے اور خیال باطل اس کے اندر پیدا ہوگا اور کوئی ایسا ہوگا کہ اس وسوسے سے اس کو نجات حاصل ہوگی، فرشتے اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح بہترین صورتوں میں اس کو نظر آئیں گی حالت خواب میں بھی اور عالم بیداری میں بھی! اس کے بعد کچھ ایسی حالت ہو جاتی ہے جس کی تفصیل بیان کرنا طوالت کا موجب ہے اور نہ اس کے بیان کرنے سے کچھ حاصل ہے کیونکہ یہ راستہ سلوک کا ہے قیل و قال کا نہیں ہے ہر ایک کو مختلف کیفیت پیش آئے گی (اس کو کہاں تک بیان کیا جائے) سالک کے حق میں مناسب یہی ہے کہ ان احوال کی کیفیت کسی سے نہ سنے کیونکہ اس طرح اس کا دل کیفیت کے انتظار میں مشغول رہے گا اور دل کی مشغولی حجاب بن جاتی ہے، علم کی پہنچ اور رسائی یہیں تک ہے، کہنے کا مقصود یہ ہے کہ انسان اس پر ایمان لائے اگرچہ اکثر علمائے نے اس سے انکار کیا ہے اور یہ لوگ علم رسمی کے خلاف جو بات ہوتی ہے اس کو باور نہیں کرتے واللہ اعلم۔

☆............☆............☆
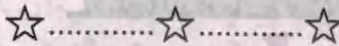
اصل دوم

شہوتِ شکم و فرج کا علاج اور ان کی حرص کا دور کرنا

معلوم ہونا چاہیے کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور تمام رگیں جو اس معدہ سے ہفت اندام میں پہنچی ہیں ان کی مثال نہروں کی طرح ہے (جو اس حوض سے نکلتی ہیں۔) تمام شہوتوں کا سرچشمہ معدہ ہے یہ سب سے عظیم شہوت ہے جس نے انسان پر غلبہ پایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت سے نکلنا اسی شہوت شکم کے۔باعث ہوا تھا۔ یہ شہوت شکم دوسری شہوتوں اور خواہشوں کی جڑ ہے کہ جب شکم سیر ہوتا ہے تو نکاح کی خواہش پیدا ہوتی ہے، شکم اور فرج کی شہوت مال کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی پس اس کی وجہ سے مال کی حرص پیدا ہوئی اور مال بغیر جاہ کے پیدا نہیں ہو سکتا پس جب تک مخلوق سے خصوصیت نہ رکھی جائے جاہ کا حصول ممکن نہیں پھر اسی سے حسد، تعصب، عداوت، کبیر، ریا اور کینہ پیدا ہوتا ہے پس معدہ کو مطلق عنان چھوڑ دینا ساری مصیبتوں کی جڑ ہے اور اس کو روکنا (قابو میں رکھنا) اور بھوک کی عادت ڈالنا سب نیکیوں کی اصل ہے۔

ہم اس فصل میں سب سے پہلے گرسنگی (بھوک) کی فضیلت بیان کریں گے اور اس کے بعد اس کیف ائدے! کم خوری کی ریاضت کا طریقہ اور اس کے بعد اس سلسلہ میں لوگوں کے مختلف احوال بیان کریں گے اور اس کے بعد شہوتِ فرج خواہش نکاح کی آفت اور جو شخص خود کو اس آفت سے بچائے گا اس کا آخر میں کریں گے۔

گرسنگی کی فضیلت

بھوکا رہنے کی فضیلت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "بھوک اور پیاس سے نفس کے ساتھ جہاد کرو اس کا ثواب اتنا ہے جتنا کافروں سے جہاد کرنے کا اور کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرسنگی اور تشنگی سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "جو شخص اپنا شکم پر کرتا ہے اس کو ملکوتِ آسمان کی طرف راستہ نہیں دیتے ہیں۔" لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا نیک شخص کون ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ وہ شخص ہے جو کم کھائے، کم ہنسے، اور ستر عورت پر قناعت کرے۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے گرسنگی تمام اعمال کی سردار ہے۔" آپ نے فرمایا لوگو! پرانا لباس پہنو اور آدھا پیٹ کھاؤ کہ یہ عمل نبوت کا ایک جزو ہے۔" حضور اکرم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ فکر کرنا نصف عبادت ہے کم کھانا کل عبادت

ہے۔" اور فرمایا ہے' تم میں سے بہتر شخص خداوند تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس کی فکر اور گرسنگی دراز ہو اور تم میں سے خداوند کریم کا بڑا دشمن وہ ہے کہ کھانا بہت کھائے اور بہت سوئے" اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ اس شخص سے فرشتے پر فخر کرتا ہے جس نے کم کھایا اور فرماتا دیکھو! میں نے اس کو بھوک تھی لیکن اس نے میرے لیے کم کھایا' اے فرشتو! گواہ رہنا کہ اس کے ہر اس لقمے کے عوض جو اس نے چھوڑا ہے میں اس کو بہت میں ایک درجہ دوں گا۔"

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اپنے دلوں کو بہت زیادہ کھانے پینے سے مردہ نہ بناؤ کہ وہ ایک کھیت کی طرح ہے جو زیادہ پانی دینے سے پژمردہ ہو جاتا ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "آدمی شکم سے بدتر اور کسی چیز کو پر نہیں کرتا اور آدمی کے لیے چند چھوٹے لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں پس تیسرا حصہ شکم کا کھانے کے واسطے اور تیسرا باقی سالن لینے ذکر الٰہی کے لیے چھوڑ دو۔"

حضر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "اپنے آپ کو ننگا اور بھوکا رکھو تاکہ تمہارے دل حق تعالیٰ کا مشاہدہ کریں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "شیطان آدمی کے جسم میں اس طرح سیر کرتا ہے جس طرح خون رگوں میں پس بھوک اور پیاس سے اس کی راہ تنگ کر دو۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ "مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور منافق سات آنتوں میں یعنی منافق کی بھوک اور خوراک مومن کی بہ نسبت سات گناہ زیادہ ہوتی ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ بہشت کے دروازے پر دستک دیا کرتا کہ اس کو کھول دیں! میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! دستک کس طرح دی جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا بھوک اور پیاس سے۔"

روایت ہے کہ ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے ڈکار لی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ڈکار کو مت آنے دو' جو اس جہان میں خوب سیر رہا ہے وہ اس جہان میں بھوکا رہے گا۔" ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کبھی سیر ہو کر تناول نہیں فرماتے تھے۔ مجھے آپ پر ترس آتا تھا' میں حضرت کے شکم اطہر پر ہاتھ رکھ کر کہا کرتی تھی کہ میں آپ پر قربان جاؤں' اگر آپ اتنا کھائیں جس سے بھوک جاتی رہے تو کیا حرج ہے' حضور اکرم ﷺ مجھے جواب دیتے کہ "وہ انبیاء اولوالعزم جو بڑے بھائی تھے اور مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں اور حق تعالیٰ سے انہوں نے شرف اور بزرگی حاصل کی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں شکم پر کروں تو میرا درجہ ان سے کم ہو جائے گا۔ پس چند روز صبر کرنا بہتر ہے بمقابلہ اس بات کے کہ آخرت میں میرا درجہ گھٹ جائے' مجھے اس بات سے زیادہ اور کوئی بات پسند نہیں کہ میں اپنے بھائیوں کے پاس پہنچوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم! اس کے بعد حضور ﷺ اس دنیا میں ایک ہفتہ سے زیادہ مقیم نہیں رہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹی کا ایک ٹکڑا لیے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے روٹی پکائی تھی جی نہیں چاہا کہ آپ کے بغیر

کھاؤں، آپ نے فرمایا کہ تین دن سے مجھے اس ٹکڑے کے علاوہ اور کچھ کھانا نہیں ملا ہے۔
شیخ ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ رات کے کھانے سے مجھے ایک نوالہ کم کھانا اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ تمام رات نماز پڑھتا رہوں۔ حضرت شیخ فضیلؒ اپنے دل سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے تھے "بھوک سے کیوں ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو یہ (نعمت) عطا کی تھی تو کیا تجھے عطا نہیں کرے گا۔ حضرت مالک دینارؒ کا ارشاد ہے کہ نیک بخت وہ شخص ہے جس کے پاس بقدر کفایت غلہ موجود ہے اور وہ مخلوق سے بے نیاز ہے۔" شیخ محمد واسعؒ کا ارشاد ہے کہ "ایسا نہیں ہے جیسا کہ مالک دینارؒ نے فرمایا بلکہ نیک بخت وہ ہے کہ رات اور دن کے فاقہ میں اللہ سے راضی رہے۔ شیخ سہل بن تستریؒ فرماتے ہیں کہ بزرگوں اور دانشوروں کا فیصلہ ہے کہ دین و دنیا میں کوئی چیز گرسنگی سے بہتر نہیں ہے اور آخرت کے معاملہ میں سیری سے زیادہ کوئی شے مضر نہیں ہے۔ شیخ عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ بھوکے کو دوست رکھتا ہے۔ اس گرسنگی کے باعث پانی پر چل سکتے ہیں اور طے الارض کر سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ 'موسیٰ علیہ السلام نے ان چالیس دنوں میں جبکہ حق تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا کچھ نہیں کھایا۔

گرسنگی کے فوائد اور سیری کی آفتیں

گرسنگی کی فضیلت

گرسنگی کی فضیلت کا سبب یہ نہیں ہے کہ اس میں تکلیف اٹھانا پڑتی ہے جس طرح تلخی دوا کی خوبی نہیں ہے بلکہ گرسنگی میں دس فائدے ہیں، پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل صاف اور روشن ہوتا ہے اور سیری دل کو دھندلا اور غبی کرتی ہے اور ایک بخار معدے سے اٹھ کر دماغ کو جاتا ہے جس سے انسان کا دل پریشان ہوتا ہے اس بنا پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "کم کھانے سے اپنے دل کو زندہ کرو اور گرسنگی سے اس کو پاک صاف بناؤ تاکہ تصفیہ حاصل ہو۔" آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ 'جو شخص بھوکا رہتا ہے اس کا دل زیرک ہوتا ہے اور اس کی عقل زیادہ ہوتی ہے۔
شیخ شبلیؒ نے فرمایا ہے کہ ایسا نہیں ہوا کہ میں کسی دن اللہ کے لیے بھوکا رہا ہوں اور میرے دل میں ایک تازہ حکمت نہ پیدا ہوتی ہو۔ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ 'سیر ہو کر نہ کھاؤ کیونکہ معرفت کا نور سیری کے باعث تمہارے دل میں مر جائے گا بس جب کم خوری معرفت بہشت کی راہ ہے اور گرسنگی معرفت کی درگاہ ہے تو بھوکا رہنا بہشت کے دروازے پر دستک دینا ہے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:
"گرسنگی سے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔"

دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ بھوک سے دل نرم ہو جاتا ہے اور ذکر و مناجات کی لذت اس کو حاصل ہوتی ہے، سیری سے

قساوت اور سختی پیدا ہوتی ہے کہ جو ذکر کیا جائے وہ زبان ہی تک رہے (تا زباں ماند) حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ "جس نے اپنے اور خدا کے درمیان کھانے کا طشت رکھا اور پھر چاہے کہ مناجات کی لذت حاصل کرے تو ہرگز یہ بات حاصل نہ ہو سکے گی۔"

تیسرا فائدہ : یہ ہے کہ غرور و غفلت دوزخ کا دروازہ ہے، عاجزی اور بیچارگی بہشت کی درگاہ ہے، سیری غفلت کو پیدا کرتی ہے اور گرسنگی عاجزی کو! جب تک انسان خود کو چشم حقارت و عجز سے نہیں دیکھے گا اور اس کو ایک لقمہ کھانے کو نہ ملے تو سارا جہان اس کو تاریک نظر آئے اس وقت تک اپنے پالنے والے کی عزت و قدرت اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی، اس وجہ سے جب روئے زمین کے خزانوں کو کنجیاں حضور اکرم ﷺ کو پیش کی گئیں تو آپ نے فرمایا "میں یہ نہیں چاہتا بلکہ میری خوشی یہ ہے کہ میں ایک دن بھوکا رہوں ایک دن کھاؤں جب بھوکا ہوں تو صبر کروں اور جب سیر ہوں تو شکر کروں۔"

چوتھا فائدہ : یہ ہے کہ آدمی اگر سیر رہے گا تو بھوکوں کو بھول جائے گا اور خداوند تعالیٰ کے بندوں پر مہربانی نہیں کرے گا اور آخرت کے عذاب کو فراموش کر دے گا اور جب بھوکا رہے گا تو اہل دوزخ کی بھوک یاد کرے گا اور پیاسا رہے گا تو دوزخیوں کی پیاس یاد آئے گی۔ آخرت کا ڈر، خلقِ خدا پر شفقت اور مہربانی بہشت کا دروازہ ہے اسی لیے جب لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کیا کہ روئے زمین کا خزانہ آپ کے پاس ہے پھر آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر سیر رہوں گا تو بھوکوں کو بھول جاؤں گا۔"

پانچواں فائدہ : یہ ہے کہ انسان کی بڑی سعادت یہ ہے کہ نفس سرکش کو اپنا مغلوب بنائے اور اس کی شقاوت یہ ہے کہ خود اس کا مغلوب ہو جائے جس طرح شریر اور سرکش گھوڑے کو سوائے بھوکا رکھنے کے رام نہیں کر سکتے ہیں پس انسان کے نفس کا بھی یہی حال ہے اس میں صرف یہی ایک فائدہ نہیں بلکہ وہ تمام فوائد کا خزانہ ہے اور ان کی کیمیا ہے کیونکہ سارے گناہ شہوت سے ہوتے ہیں اور شہوت کا موجب سیری ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا ہے جب بھی میں سیر ہو کر کھاتا معصیت کرتا یا اس کا ارادہ کرتا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ نے عنہا نے فرمایا ہے کہ، پہلی بدعت جو رسول اکرم ﷺ کے بعد پیدا ہوئی وہ لوگوں کا پیٹ بھر کر کھانا تھی۔ "جب وہ لوگ سیر ہو کر کھانے لگے تو ان کے نفس سرکشی کرنے لگے۔"

گرسنگی کا اگر کچھ اور فائدہ تو یقینی ہے کہ خواہش جماع ضعیف ہو جائے گی اور گفتگو کرنے کی خواہش بھی کم ہو جائے گی کیونکہ انسان جس قدر سیر ہوتا ہے اتنا ہی فضول گوئی اور غیبت کی طرف مشغول ہوتا ہے اور خواہش جماع بھی غالب ہوتی ہے، اگر اس نے اپنی شرمگاہ کو چایا بھی تو آنکھ کو کس طرح چا سکتا ہے اگر آنکھ کو بھی چالیا تو دل کو کس طرح

روک سکتا ہے اور گرسنگی میں ان تمام باتوں کا تدارک موجود ہے اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے کہ "گرسنگی حق تعالیٰ کے خزانے کا ایک گوہر ہے یہ ہر ایک کو نہیں ملتا ہے بلکہ یہ اسی کو دیا جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔" کسی دانشور نے کہا ہے کہ جو شخص صرف روٹی ایک سال تک کھائے اور اپنی عادت کے برعکس آدھا پیٹ تو حق تعالیٰ اس کے دل سے عورتوں کا خیال دور کرتا ہے۔

چھٹا فائدہ: یہ ہے کہ کم کھانے سے انسان کم سوتا ہے اور کم خوابی تمام عبادتوں اور ذکر و فکر کی اصل ہے خصوصاً شب میں اور جو شخص سیر ہو کر کھائے اس پر نیند کا غلبہ ہو تو ممکن ہے کہ اس غلبہ سے ایک مردے کی مانند گر پڑے اور اس کی تمام عمر ضائع ہو جائے' منقول ہے کہ ایک بزرگ دستر خوان پر بیٹھتے تو اپنے مریدوں سے کہتے کہ اے یارو! بہت نہ کھاؤ اگر بہت کھاؤ گے تو پانی زیادہ پیو گے اور اس صورت میں نیند بہت آئے گی جس کے باعث قیامت کے دن پشیمان ہو گے۔ ستر صدیقوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ پانی بہت پینے سے نیند بہت آتی ہے جبکہ انسان کا سرمایہ اس کی زندگی ہے اور اس کی ہر سانس ایک ایسا گوہر ہے جس سے آخرت کو سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور نیند عمر کو ضائع کرتی ہے تو نیند کو دفع کرنے والی چیز سے اور کون سی چیز بہتر ہو سکتی ہے۔ جو شخص پیٹ بھر کر تہجد کی نماز پڑھتا ہے' مناجات کا مزہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ خواب کا اس پر غلبہ ہو گا اور ممکن ہے کہ ایسی نیند میں اس کو احتلام ہو جائے اور رات کو وہ غسل نہ کر سکے اور اس جنابت کے باعث وہ عبادت سے محروم رہے یا غسل کی مشقت اس کو برداشت کرنا پڑے' ممکن ہے کہ اس کے پاس پیسہ نہ ہو کہ وہ حمام جائے اور اگر وہاں گیا بھی تو ممکن ہے کہ گرمابہ میں اس کی نظر عورتوں پر پڑے جو اس کے لیے بہت سی آفتوں کا سبب بن جائے' شیخ سلیمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ احتلام ایک عقوبت ہے اور یہ سیری سے ہوا کرتا ہے۔

ساتواں فائدہ: یہ ہے کہ گرسنگی کے سبب علم و عمل کے لیے فراغت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب آدمی بہت زیادہ کھانے کا عادی ہو جاتا ہے کہ تو کھانے' سودا سلف خریدنے' کھانا پکانے اور تیار ہونے کے انتظار میں بہت سا وقت گزر جاتا ہے پھر بیت الخلاء جانا اور طہارت کرنا ضروری ہے اس میں بھی بہت سا وقت ہوتا ہے اور ہر ایک سانس ایک گوہر بیش قیمت ہے اور سرمایہ زندگانی ہے اس کو بغیر ضرورت ضائع کرنا حماقت ہے۔ شیخ سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ علی جرجانیؒ کو دیکھا کہ جو کے ستو پھانک لیتے تھے' میں نے دریافت کیا کہ آپ روٹی کیوں نہیں کھاتے فرمایا کہ اس میں اور روٹی کھانے میں ستر تسبیح کا تفاوت ہے اس وجہ سے میں چالیس سال سے روٹی نہیں کھاتا ہوں (اور یہی ستو پھانک لیتا ہوں) میں مناسب نہیں سمجھتا کہ روٹی کھانے سے میرے فائدے میں خلل پڑے۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص بھوک کی عادت ڈال لے گا' روزہ رکھنا اس پر آسان ہو گا وہ مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے اور ہمیشہ طہارت سے رہ سکتا ہے اور آخرت کی تجارت کرتے ہیں ان کے لیے یہ فائدے کچھ کم نہیں ہیں۔ شیخ ابو سلیمان دارانیؒ نے کہا ہے کہ جو سیر ہو کر کھاتا ہے اس

میں چھ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ عبادت کی حلاوت اس کو حاصل نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ اس کا حافظہ کمزور ہو جاتا ہے تیسرے وہ لوگوں پر شفقت نہیں کر سکے گا وہ تو یہی سمجھے گا کہ دنیا کے تمام لوگ سیر ہیں چوتھے یہ کہ عبادت الٰہی اس پر دشوار ہو گی' پانچویں یہ کہ اس کی شہوت بڑھ جائے گی' چھٹے یہ کہ جب دوسرے مسلمان مسجد کو جاتے ہوں گے اس کو پاخانے کی ضرورت ہو گی۔

آٹھواں فائدہ : یہ ہے کہ کم خوراک شخص تندرست رہتا ہے اور بیماری کی اذیت' دوا کا خرچ' طبیب کے ناز نخرے فصد و حجامت کی محنت اور کڑوی دوا کی صعوبت سے بچا رہتا ہے' حکماء اور اطباء نے کہا ہے کہ جو چیز سراپا منفعت اور کم ضرر ہے وہ کم خوری ہے ایک دانشمند کا قول ہے کہ انسان کے حق میں سب چیزوں سے بہتر اور نافع انار ہے اور بدترین چیز گوشت کا خشک کباب ہے اس لیے تھوڑا سا کباب کھانے سے بہت سا انار کھانا بہتر ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے "روزہ رکھا کرو تاکہ تندرستی حاصل ہو۔"

نواں فائدہ : یہ ہے کہ جو شخص کم خور ہو گا اس کا خرچ بھی تھوڑا ہو گا اور زیادہ مال کی اس کو حاجت نہیں ہو گی' بہت سے مال کی ضرورت سے طرح طرح کی آفتوں اور گناہوں کے اشغال پیدا ہوتے ہیں کیونکہ انسان جب چاہتا ہے کہ ہر روز اچھی اچھی نعمتیں کھائے تو تمام دن اسی فکر میں لگا رہتا ہے کہ کس طرح ان کو حاصل کرے ممکن ہے مالِ حرام کی حرص اس میں پیدا ہو جائے۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ تمام حاجتوں کے ترک سے میری حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور یہ بات مجھ پر بہت آسان ہے ؎

ترک مطلب ہی سے حاصل ہو گیا مطلب مرا

ایک اور دانشور کا قول ہے کہ جب مجھے کسی سے قرض لینے کی ضرورت پیش آتی ہے تو میں اپنے پیٹ سے قرض لے لیتا ہوں اور اس سے کہتا ہوں کہ فلاں چیز مجھ سے مت مانگ۔ منقول ہے کہ شیخ ابراہیم ادھمؒ چیزوں کا نرخ پوچھا کرتے تو لوگ کہتے کہ گراں ہے آپ فرماتے: ترکوا ورخصوا (ان کو ترک کر کے سستا کر دو۔)

دسواں فائدہ : یہ ہے کہ انسان خود کو جب کسی چیز سے روکنے پر قادر ہو جاتا ہے تو صدقہ دینا اور کرم کرنا اس پر آسان ہو جاتا ہے کیونکہ جو چیز پیٹ میں جاتی ہے اس کی جگہ پاخانہ ہے اور جو چیز خیرات میں صرف ہوتی ہے اس کی جگہ خداوند تعالیٰ کا بہت کرم ہو گا' رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ ایک فربہ شکم شخص کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ "یہ غذا جو تو نے اس میں ڈالی ہے اس کو اگر دوسری جگہ یعنی صدقہ و خیرات میں خرچ کرتا تو اچھی بات ہوتی۔"

مرید میں کم خوری کے آداب پیدا کرنا

معلوم ہونا چاہیے کہ مرید کے کھانا کھانے کے بھی آداب ہیں جبکہ وہ وجہ حلال سے ہو' مرید کو چاہیے کہ ان آداب کو ملحوظ رکھے۔ احتیاط اول یہ کہ یکبارگی زیادہ کھانے سے کم کھانے کی طرف نہیں آنا چاہیے کہ مرید میں اس کی طاقتِ برداشت نہیں ہو گی مثلاً اپنی غذا سے اگر اس کو ایک روٹی کم کرنا ہے تو چاہیے کہ روزانہ ایک ایک لقمہ کم کرے پہلے دن ایک اور دوسرے دن دو اور تیسرے دن تین تاکہ ایک مہینے میں ایک روٹی کم کر دے' اس طرح کم کرنا مرید کے لیے آسان ہو گا اور اس سے اس کو کچھ نقصان بھی نہیں پہنچے گا اور طبیعت اس کمی کی عادی ہو جائے گی اس کے بعد وہ مقدار جو اس کے لیے مقرر کی گئی ہے اس کے چار مراتب ہیں۔

روش اوّل

یہ عظیم ترین ہے جو صدیقین کا درجہ ہے وہ ضروری مقدار پر قناعت کرتے ہیں' شیخ سہل تستریؒ نے اس کو اختیار کیا ہے' ان کا ارشاد ہے کہ خدا کی بندگی' حیات' عقل اور قوت سے ہوتی ہے' جب تک تم کو قوت کے نقصان کا ڈر نہ ہو اس وقت تک نہ کھاؤ' بھوک کے ضعف سے بیٹھ کر پڑھی جانے والی نماز اس پیٹ بھرے کی نماز سے افضل ہے جو کھڑے ہو کر پڑھی جائے' اگر مرید سمجھتا ہے کہ بھوک سے زندگی اور عقل میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے تو اس وقت کھانا چاہیے کہ بغیر عقل کے عبادت اور بندگی نہیں ہو سکتی اور جان لو کہ تمام باتوں کی اصل یہی ہے۔

حضرت سہل تستریؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس طرح اور کس قدر کھاتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میرے تمام سال کا خرچ تین درم ہے' ایک درم کا چاول کا آٹا' ایک درم کا شہد اور ایک درم کا روغن' اس سامان کے میں تین سو ساٹھ حصے کر لیتا تھا اور ہر ایک حصے سے روزانہ روزہ کھولتا ہوں' لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کا اب کیا عمل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر روز ایک درم وزن سے زیادہ غذا نہیں کھاتا۔ یہ حضرات بتدریج اس منزل تک پہنچے ہیں۔

دوسری روش

دوسری روش یہ ہے کہ ایک مد پر کفایت کرے ایک مد آٹے کی سوا روٹی ہوتی ہے یہ وہ روٹی ہے جس کو چار منی کہا جاتا ہے اس کے ۳/۱ (ایک ثلث) ہی سے پیٹ بھر سکتا ہے جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ پیٹ کا ۳/۱ حصہ غذا کے لیے ہے اور ۳/۱ (ایک ثلث) پانی کے لیے اور ۳/۱ (ایک ثلث) حصہ ذکر الٰہی کے لیے ہے۔ ایک روایت میں ایک ثلث یعنی ۳/۱ (ایک ثلث) (سانس لینے کے لیے) آیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "چند لقمے بس ہیں" یہ چند لقمے دس نوالوں سے کم ہوتے ہیں"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سات یا نو لقموں سے زیادہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔

تیسری روش

تیسری روش یہ ہے کہ ایک مد پر کفایت کرے اور یہ تین گروہ نان کے برابر ہوگا' یہ ضرور ہے کہ اتنی مقدار بعض لوگوں کے معدے کے تیسرے حصے سے زیادہ ہوگی اور اس سے آدھا پیٹ بھر جائے گا۔

چوتھی روش

چوتھی روش یہ ہے کہ ایک من بر کفایت کرے (یہ من ایرانی ہے) اور ممکن ہے کہ جو غذا ایک مد سے بڑھ جائے وہ اسراف کے درجہ تک پہنچ جائے اور اس ارشاد ربانی کا مصداق بن جائے اِنَّ اللّٰہُ لَایُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ (اور فضول خرچی نہ کرو' اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) یہ بات وقت اور کام کرنے کے اعتبار سے مختلف ہوگی' حاصل یہ ہے کہ بھوک باقی رکھتے ہوئے کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے' بعض لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکے ہیں' لیکن انہوں نے اتنا کیا ہے کہ جب تک بھوک نہیں لگتی اور کچھ بھوک باقی ہوتی ہے کہ وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ بھوک کی علامت یہ ہے کہ انسان بغیر سالن کے روٹی کھالے' جو اور باجرے کی روٹی ذوق و شوق سے کھالے اور جب اس کو سالن کی حاجت ہو تو سمجھ لے کہ اشتہائے صادق نہیں ہے۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نصف سے زیادہ اپنی غذا کو نہیں بڑھایا' ان میں سے بعض حضرات ایسے تھے کہ ایک ہفتہ میں ان کی غذا ایک صاع ہوتی تھی' ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے جب یہ حضرات خرما کھاتے تو ڈیڑھ صاع تناول کرتے کیونکہ کھجور یا خرما میں گٹھلی بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک میری غذا' سرور کونین ﷺ کے زمانے میں صرف ایک صاع جو ہوتے تھے۔ خدا کی قسم جب تک حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا میں نے اس سے تجاوز نہیں کیا یعنی حضور اکرم ﷺ کی حیات ظاہری تک میرا یہ طریقہ رہا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بعض لوگوں پر طعنہ زنی فرمایا کرتے اور کہتے کہ تم نے اس قاعدے کو ترک کر دیا ہے حالانکہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرا بڑا دوست اور مقرب وہ ہے کہ آج کے دن اس کا جو معمول ہے اسی پر موت واقع ہو (اپنے معمول کو ترک نہ کرے) اور تم لوگ اس بات سے پھر گئے ہو۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں یہ بات نہیں تھی' تم لوگ جو کا آٹا چھان کر پتلی پتلی روٹی پکاتے ہو اور اسے سالن سے کھاتے ہو اور رات کے لباس کو دن کے لباس سے الگ رکھا ہے (رات کا لباس اور' دن کا اور) حضرت سرور کونین ﷺ کے عہد مبارک میں یہ بات نہیں تھی۔ حضرات اہل صفہ کی غذا ایک مد کھجور کا تھا وہ بھی دو حضرات میں جبکہ اس کی گٹھلیاں نکال کر پھینک دیتے تھے۔

شیخ سہل تستریؒ نے فرمایا ہے کہ اگر سارا عالم خون ہی خون ہو جائے جب بھی میں قوت حلال ہی کھاؤں گا اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ضرورت سے زیادہ نہ کھائے! اباحیتوں کی طرح نہیں کہ جب حرام روزی اس کو ملتی ہے تو وہ اس کو

حلال سمجھتا ہے جب کہ رسولِ خدا ﷺ کے حضور میں صدقہ کا ایک خرما بھی پہنچتا تو وہ حلال نہیں سمجھا جاتا تھا۔

احتیاطِ دوم

کھانے کے اوقات میں

اس احتیاط کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ بھوکا نہ رہے اگرچہ بعض حضرات نے ایک ہفتہ بلکہ دس بارہ دن تک کچھ نہیں کھایا ہے، تابعین حضرات میں بعض اصحاب ایسے تھے کہ چالیس دن تک نہیں کھاتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر چھ دن تک بے کھائے رہا کرتے تھے، شیخ ابراہیم ادھم اور سفیان ثوری (رحمہما اللہ) ہر تیسرے روز کھایا کرتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ جو کوئی چالیس دن تک بغیر کھائے رہتا ہے تو بہت سے عجائب اس پر آشکار ہو جاتے ہیں، ایک صحابی ایک راہب سے مناظرے میں مشغول تھے انہوں نے راہب سے کہا کہ تم رسول خدا ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لاتے، اس نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس دن تک کچھ نہیں کھاتے تھے اور یہ کام سوائے نبی صادقین کے اور کسی سے نہیں ہو سکتا اور تمہارے رسول ﷺ ایسا نہیں کرتے، انہوں نے جواب دیا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا میں ایک ادنیٰ امتی ہوں اگر میں چالیس دن تک کچھ نہ کھاؤں تو تم ایمان لے آؤ گے اس نے کہا ہاں! چنانچہ وہ چالیس دن تک بھوکے رہے اور کہا کہ اگر کہو تو کچھ دن اور بڑھا دوں چنانچہ وہ ساٹھ دن تک بھوکے رہے اور وہ راہب مسلمان ہو گیا۔

یہ ایک بہت بڑا درجہ ہے کہ کوئی شخص محض تکلف سے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا صرف وہی شخص اس مقام تک پہنچ سکتا ہے جو صاحبِ کرامت ہو اور اس کی قوت محفوظ رہتی ہے اور اس کو بھوک نہیں لگتی۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو دن یا تین دن تک کچھ نہ کھائے، ممکن ہے کہ بہت سے لوگ ایسا کر سکیں، تیسرا درجہ یہ ہے کہ ہر روز ایک مرتبہ کھائے یہ سب سے کمتر درجہ ہے اگر دوبار کھائے تو پھر یہ اسراف ہے (کسی وقت بھی بھوکا نہ رہے) حضور اکرم ﷺ اگر صبح کو تناول فرما لیتے تو رات کو کچھ تناول نہیں فرماتے تھے اور اگر آپ رات کو کھانا تناول فرماتے تو صبح کو کچھ نہ کھاتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ارشاد فرماتے کہ خبردار! کھانے میں اسراف نہ کرنا ایک دن میں دوبار کھانا اسراف ہے، اگر کوئی شخص ایک مرتبہ کھائے تو اولیٰ یہ ہے کہ سحر کے وقت کھائے تاکہ رات کی نماز میں ٹھیک رہے اور اس کا دل صاف رہے اور اگر رات کو کھانے کی رغبت ہو تو پھر ایک روٹی افطار کے وقت کھائے اور ایک روٹی سحر کو۔

تیسری احتیاط

جنسِ طعام کے سلسلہ میں : معلوم ہونا چاہیے کہ گیہوں کا چھنا ہوا آٹا اعلیٰ درجہ ہے اور بغیر چھنا اس کا ادنیٰ درجہ ہے اور جو کا آٹا چھنا ہوا درمیانی درجہ ہے۔ بہتر سالن گوشت کا شوربا اور شیرینی ہے اور ادنیٰ درجہ سالن کا سرکہ اور نمک ہے اور درمیانی درجہ روغنی روٹی کا ہے۔

سالکانِ طریقت نے سالن سے پرہیز کیا ہے وہ اپنے دل میں جس چیز سے رغبت پاتے اس سے خود کو روکتے تھے ان کا کہنا ہے کہ جب نفس کو اس کی مراد حاصل ہوتی ہے تو غرور، غفلت اور ظلمت اس میں پیدا ہوتی ہے پھر وہ دنیا کی زندگی کو درست رکھنے لگتا ہے اور موت کو ناپسند کرنے لگتا ہے۔

آدمی کو چاہیے کہ دنیا کو اپنے اوپر اتنا تنگ کردے کہ وہ اس کے حق میں زنداں بن جائے اور موت اس کو اس (زنداں) سے نکالے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ اَشْرَارُ اُمَّتِیْ الَّذِیْنَ یَاکُلُوْنَ مَخَّ الْحِنْطَةِ (میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو میدہ استعمال کرتے ہیں) البتہ کبھی کبھار اس کا استعمال برا نہیں ہے (حرام نہیں ہے) بلکہ درست ہے کیونکہ اگر اس کو ہمیشہ استعمال کریں گے تو طبیعت ناز پروردہ بن جائے گی پھر اس بات کا بھی ڈر ہے کہ غفلت پیدا ہو جائے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جن کا بدن ناز پروردہ ہو اور ان کی تمام تر ہمت گوناگوں نعمتوں کی خواہش اور پوشاک میں مصروف ہو تب وہ خود نمائی کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ تمہارا ٹھکانا قبر ہے پس چاہیے کہ جسم کو خواہش پرستی سے دور رکھو اور جس کو اچھی نعمتیں ملیں اور دل کی آرزو بر آئے وہ نیک لوگوں میں شمار نہیں ہوگا، حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ فلکِ چہارم پر دو فرشتے آپس میں ملے ایک نے کہا کہ میں دنیا میں اس لیے جا رہا ہوں کہ فلاں ماہی کو شکاری کے جال میں پھنسا دوں کیونکہ فلاں یہودی اس کا خواستگار ہے، دوسرے فرشتے نے کہا کہ میں زمین پر اس لیے جا رہا ہوں کہ فلاں عابد کے پاس لوگ روغن کا پیالہ لائے ہیں میں اس کو گرا دوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آبِ سرد کا ایک پیالہ جس میں شہد پڑا ہوا تھا پیش کیا گیا آپ نے وہ آبِ سرد نہیں پیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے اس کے مواخذے میں مت ڈالو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار تھے ان کا دل چاہا کہ بھنی ہوئی مچھلی کھائیں، حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں بڑی جستجو کے بعد ڈیڑھ درم میں وہ مچھلی میں نے خریدی میں اس کو تل کر آپ کے پاس لے گیا، اتنے میں ایک سائل آگیا آپ نے فرمایا اے نافع! یہ مچھلی سائل کو دے دو! میں نے کہا کہ یہ تو آپ کی فرمائش تھی اور میں نے بڑی کوشش کے بعد یہ مچھلی فراہم کی ہے آپ یہ رہنے دیں میں اس کی قیمت اس سائل کو دے دوں گا آپ نے فرمایا نہیں تم یہ مچھلی ہی اس کو دے دو چنانچہ میں نے وہ مچھلی اس سائل کو دے دی اور پھر اس کے پیچھے جا کر اس سے مچھلی خرید لی اور پھر آپ

کے پاس لے کر آیا آپ نے فرمایا یہ اسی سائل کو دے دو اور جو قیمت اس کی سائل کو دی ہے وہ بھی واپس مت لو کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جب کسی کو ایک چیز کھانے کی خواہش ہو اور وہ اس کو خدا کے واسطے نہ کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے-"

عتبہ الغلامؒ گندھا ہوا آٹا دھوپ میں سکھا کے بغیر پکائے کھا لیتے تھے تا کہ اس میں مزہ نہ آئے' اسی طرح دھوپ میں گرم کیا ہوا پانی پیتے تھے' حضرت مالک دینارؒ کا دل دودھ پینے کو چاہتا تھا آپ نے چالیس سال تک نہیں پیا' کوئی شخص آپ کے پاس لے کر آیا آپ دیر تک اس کو ہاتھ میں لیے رہے پھر آپ نے لانے والے شخص کو واپس دے کر کہا کہ تم کھا لو! میں نے چالیس برس سے خرما نہیں کھایا ہے-

شیخ احمد ابوالحواریؒ شیخ ابو سلیمان دارانیؒ کے مرید تھے' کہتے ہیں کہ میرے پیر نے ایک روز گرم روٹی کی خواہش کی تا کہ اس کو نمک سے کھائیں' میں نے گرم روٹی لا کر پیش کی آپ نے اس کا ایک ٹکڑا توڑا اور پھر رکھ دیا اور رو کر کہنے لگے' بارالہا! تو نے میری خواہش کی چیز مجھے عطا فرما دی' شاید مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے' میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں تو میری تقصیر معاف فرما دے- مالک ابن ضیغمؒ فرماتے ہیں کہ پچاس برس ہو چکے ہیں کہ میں دنیا کو طلاق دے چکا ہوں' میرا دل دودھ کا خواہاں ہے لیکن میں جب تک خداوند تعالیٰ کے حضور میں جاؤں نہیں پیوں گا- شیخ حماد اہل حنیفہ رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ شیخ داؤد طائی کے دروازے پر ایک روز جب میں پہنچا تو میرے کان میں آواز آئی کہ ایک بار تو نے گاجر مانگی وہ میں نے تجھ کو دے دی' اب تو خرما مانگ رہا ہے وہ میں تجھے ہرگز نہیں دوں گا- جب میں اندر مکان میں پہنچا تو وہاں کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا' یہ بات وہ خود اپنے نفس سے کہہ رہے تھے' عتبہ الغلامؒ نے شیخ عبدالواحد بن زید سے کہا کہ فلاں شخص اپنے دل کی ایک ایسی حالت بیان کرتا ہے مجھے وہ حال حاصل نہیں ہے انہوں نے جواب دیا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ روکھی روٹی کھاتا ہے اور تم خرمے کے ساتھ روٹی کھاتے ہو' عتبہ الغلام نے کہا کہ اگر میں خرمے کے ساتھ کھانا ترک کر دوں تو کیا وہ حال حاصل ہو جائے گا انہوں نے کہا یقیناً چنانچہ انہوں نے یہ عادت ترک کر دی لیکن رونے لگے کسی نے ان سے دریافت کیا کہ تم اس خرمے کے لیے رو رہے ہو- شیخ عبدالواحدؒ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان کا نفس خرما طلب کر رہا ہے اور ان کے صدق عزم سے واقف ہے جانتا ہے کہ اب کبھی اس کو خرما نہیں ملے گا' اس واسطے ان کا نفس رو رہا ہے-

شیخ ابو بکرؒ جلا فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے نفس کو ایک چیز کی خواہش تھی' کہتا ہے کہ یہ مجھ سے فلاں چیز کھلانے کا اگر وعدہ کریں تو میں دس دن تک کچھ نہیں کھاؤں گا' انہوں نے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ تو اس دن تک نہ کھائے تو اس آرزو سے باز آجا-

بزرگان طریقت اور سالکانِ معرفت کا یہی طریقہ ہے اگر کوئی شخص اس درجہ تک نہ پہنچ سکے تو اتنا تو کرے کہ بعض خواہشوں سے دستبردار ہو جائے اور اپنا حصہ دوسروں کو دے دے اور گوشت کھانے پر مداومت نہ کرے' جو شخص چالیس دن تک گوشت کھائے گا اس کا دل سخت ہو جائے گا اور جو شخص چالیس دن تک مطلق کچھ نہ کھائے گا وہ بدخو ہو جائے

گا۔

(ہر کہ چہل روز مطلق نخورد بد خو شود۔ کیمیائے سعادت باب تہران ص ۶۲۳)

اس راہ میں درجہ اعتدال وہ ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرزند سے فرمایا کہ "کبھی کبھار گوشت کھالیا کرو ایک بار روغن استعمال کرو ایک بار دودھ ایک بار سر کہ ایک بار بغیر سالن کے روٹی کھاؤ (اس کو اپنا معمول بنالو)

مستحب یہ ہے کہ آدمی پیٹ بھر کر نہ سوئے کہ اس سے دو غفلتیں پیدا ہوتی ہیں' حدیث شریف میں آیا ہے کہ "کھانے کے بعد نماز اور ذکر سے تحلیل کرو' سیر ہو کر مت سو جاؤ کہ دل سیاہ ہو جائے گا۔" حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "کھانے کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے اور تسبیح پڑھے یا قرآن کی تلاوت کرے۔" حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ جب سیر ہو کر کھاتے تو تمام رات بیدار رہتے اور فرماتے کہ جب جانور کو دانہ اور چارہ دو تو اس سے محنت بھی لو" ایک بزرگ اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ بھوک کے وقت مت کھاؤ اور جب کھاؤ تو غذا کو تلاش مت کرو اور اگر تلاش کرو تو اس کو دوست مت رکھو۔

ریاضتِ گرسنگی کا راز

پیر و مرید کا حال اس باب میں مختلف ہوتا ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ گرسنگی سے غرض یہ ہے کہ نفس شکستہ ہو' عاجز ہو اور ادب سیکھے' جب بھوکا رہ کر نفس سدھر جائے تو پھر ان پابندیوں کی ضرورت نہیں ہے' اسی وجہ سے شیخ اپنے تمام مریدوں کو ان تمام ریاضتوں کا حکم دیتا ہے اور خود آپ نہیں کرتا کہ اس سے مقصود گرسنگی نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اتنا کھانا کھایا جائے کہ معدہ بھاری نہ ہو اور بھوک بھی نہ لگے کہ دونوں باتیں تشویش خاطر کا باعث ہیں اور عبادت سے باز رکھتی ہیں۔

کمال انسانیت

آدمی کا کمال یہ ہے کہ فرشتوں کی صفت حاصل کرے اور فرشتوں کو نہ بھوک کی اذیت ہوتی ہے نہ طعام کی گرانی' پس جب تک ابتدائے کار میں نفس پر توجہ نہ دیں گے' اعتدال پیدا نہیں ہوگا چنانچہ اکثر بزرگان دین' اپنے نفس سے بدگمان رہ کر احتیاط کرتے تھے اور وہ جو کامل ہے اور درجہ کمال پر پہنچ جاتا ہے وہ اس اعتدال پر مقیم رہتا ہے اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کبھی تو اس طرح روزے رکھتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے تھے کہ آپ کبھی افطار نہیں کریں گے (بغیر صوم کے نہیں رہیں گے) اور کبھی اس طرح بغیر روزے کے رہتے کہ گمان ہوتا تھا کہ آپ کبھی روزہ نہیں رکھیں گے۔ حضور اکرم ﷺ گھر والوں سے کھانا طلب فرماتے اگر کچھ موجود ہوتا تو تناول فرماتے ورنہ

فرمادیتے کہ آج میرا روزہ ہے' شہد اور گوشت غذا میں آپ کو بہت مرغوب تھا-

حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لوگ لذیذ کھانے لے جاتے تو آپ کھا لیتے لیکن حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ نہیں کھاتے تھے اور ایسے کھانے واپس کر دیتے تھے حضرت معروف کرخیؒ سے لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا میرے بھائی بشر حافیؒ پر زہد غالب ہے اور مجھ پر معرفت کی راہ کشادہ کر دی گئی ہے- میں اپنے مولا کے گھر کا مہمان ہوں- جب وہ دیتا ہے تو کھاتا ہوں اور جب نہیں دیتا تو صبر کرتا ہوں اس معاملہ میں میرا کچھ اختیار نہیں ہے' اس مقام پر نادان لوگ دھوکے میں آجاتے ہیں کہ وہ شخص جو نفس کو شکستہ نہیں کر سکا ہے وہ بھی یہی کہے گا کہ میں معرفت کرخیؒ کی طرح عارف ہوں پس مجاہدے اور ریاضت سے دو شخص باز رہتے ہیں ایک وہ صدیق جس نے اپنے کام کو سدھار لیا ہے نفس کو شکستہ کر لیا ہے دوسرا وہ احمق اور نادان جو یہ گمان کرتا ہے کہ میں اپنے کام کو سدھار لیا ہے (نفس کو شکستہ کر لیا ہے) حالانکہ ایسا نہیں ہوتا- حضرت معروف کرخیؒ اپنی خودی اور انانیت کی قید سے نکل آئے تھے اگر کوئی ان کو مارتا یا گالی دیتا تو وہ ناراض نہیں ہوتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے' یہ ان ہی حضرات کے بس کی بات تھی وہ اس سے اور بلند درجے پر پہنچے پس جب بشر حافیؒ سری سقطیؒ اور مالک دینارؒ باوجود اس جلالت و قدر و منزلت و مرتبت کے اپنے نفس سے بے فکر اور غافل نہ رہے اور مجاہدوں سے دستبردار نہیں ہوئے تو دوسرے لوگ کس حساب اور شمار میں ہیں-

خواہشات سے دستبرداری کی آفتیں

ترک خواہشات سے دو آفتیں پیدا ہوتی ہیں ایک یہ کہ آدمی بعض خواہشات کو ترک کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور نہیں چاہتا کہ لوگوں پر اس کی یہ کمزوری ظاہر ہو پس وہ خلوت میں تو کھاتا پیتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کے سامنے کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے ایسا کرنا عین نفاق ہے اور ممکن ہے کہ شیطان نے اس کو ورغلایا ہو کہ مسلمانوں کا اس میں فائدہ ہے کہ وہ تیرے اس فعل کی پیروی کریں یہ محض ایک کھلا فریب ہے- بعض لوگ ایسے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزیں لوگوں کے سامنے خرید کر لے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو لیکن بعد میں پوشیدہ طور پر وہ چیزیں دوسروں کو دے دیتے ہیں یہ کمال ایثار ہے اور یہ کام صدیقین کا ہے یہ کام نفس پر بہت ہی دشوار ہے اور خلوص کی شرط یہ ہے کہ نفس پر یہ کام آسان ہو کیونکہ اگر دشوار ہوگا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس میں ابھی ریائے خفی باقی ہے اور وہ ریا کی طاعت و بندگی کر رہا ہے حق کی نہیں! جو کوئی خواہشِ طعام سے گریز کر کے ریائی خواہش میں پڑ جاتا ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو بارش سے بچنے کے لیے پرنالے کے نیچے بیٹھ جائے جب نفس میں ایسی خواہش پیدا ہو تو چاہیے کہ لوگوں کے سامنے کھائے پیئے لیکن بہت نہ کھائے تاکہ ریا کا خطرہ بھی ہٹ جائے اور بھوک بھی نہ رہے :

حرص جماع کی آفت

معلوم ہونا چاہیے کہ جماع کے شوق کو انسان پر مسلط کر دیا گیا ہے تاکہ نسل باقی رکھنے کے لیے وہ تخم ریزی کرے علاوہ ازیں اس میں بہشت کی لذت کا نمونہ ہے لیکن اس شہوت کی آفت بہت عظیم ہے۔ ابلیس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرنا کہ اس صورت میں' میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں تاکہ اس کو بلا میں ڈالوں۔ حضرت سعد بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ جس کسی پیغمبر (علیہ السلام) کو خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا! ابلیس ان کو عورتوں کے فریب میں نہ ڈال سکا لیکن مجھے اس آفت کا بہت ڈر ہے: اسی وجہ سے وہ اپنے اور اپنی بیٹی کے گھر کے سوا اور کہیں نہیں جاتے تھے۔

اس خواہش (جماع) میں بھی افراط و تفریط اور اعتدال کے درجات ہیں' افراط یہ ہے انسان فسق و فجور سے نہ گھبرائے اور سراپا میں غرق ہو جائے' ایسی شہوت کو روزے سے توڑنا ضروری ہے اگر روزے سے بھی نہ ٹوٹے تو نکاح کرے۔ تفریط یہ ہے کہ مطلقاً شہوت باقی نہ رہے یہ بھی نقصان کی صورت ہے۔ اعتدال کا درجہ یہ ہے کہ شہوت مغلوب رہے بعض لوگ مہیجی چیزیں کھاتے ہیں تاکہ ان کی شہوت میں اضافہ ہو یہ محض حماقت ہے' ایسے لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جو بھڑوں کے چھتے کو چھیڑتا ہے پھر وہ اس پر گرتی ہیں (اس کو کاٹتی ہیں) جو شخص متعدد نکاح کرنے کا خواہش مند ہے اور سب بیویوں کا حق ادا کرنا چاہتا ہے تب مضائقہ نہیں کیونکہ مرد' عورتوں کے حصار ہیں۔

ایک حدیث (غریب) میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے اندر باہ کی کمزوری پائی تو جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ ہریسہ کھائیے' اس کا سبب یہ تھا کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات نو تھیں اور کسی اور شخص کو ان سے نکاح کرنا حرام تھا اور ان کو کسی سے امید نکاح نہ تھی (متن کیمیائے سعادت کے الفاظ یہ ہیں۔)

واندر غرائب اخبار است کہ گفت رسول اللہ ﷺ کہ اندر خود ضعف شہوت دیدم جبرائیل علیہ السلام مرا ہریسہ فرمود سبب آئی بود کہ وے نہ زناں داشت ایشاں بر ہمہ عالم حرام شدہ بود ند وامید ایشان از ہمہ گستہ بود۔ کیمیائے سعادت ص ۴۶۵ چاپ تہران)

شہوت فرج کی آفتوں میں سے ایک آفت عشق ہے جس کے باعث بہت سے گناہ سرزد ہوتے ہیں' آدمی اگر ابتداء میں احتیاط نہ کرے تو سمجھ لو کہ ہاتھ سے گیا' اس کی تدبیر یہ ہے کہ آنکھ کو چائے اگر اتفاقاً کسی پر پڑ جائے تو دوسری مرتبہ اس کو چا سکتا ہے لیکن اگر آنکھ کو آزاد چھوڑ دے گا تو پھر روکنا دشوار ہوگا' اس معاملہ میں نفس کی مثال اس گھوڑے کی ہے کہ اولاً اگر کسی غلط راہ کا قصد کرے تو اس کی باگ موڑنا آسان ہے اور جب وہ لگام سے آزاد ہو گیا تو پھر اس کی دم پکڑ کر اس کو روکنا دشوار ہوگا' پس آنکھ کو قابو میں کرنا چاہیے یہی اصل کام ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام آنکھ ہی کے باعث مبتلا ہوئے۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ زنا کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے' انہوں نے فرمایا آنکھ سے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس کو زہر کے پانی سے بجھایا گیا ہے۔پس جو کوئی خداوند کریم کے ڈر سے اپنی نگاہ کو بچائے گا اس کو ایسا ایمان نصیب ہو جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا' حضور علیہ التحیہ والثنانے یہ بھی فرمایا کہ "میرے بعد امت کے معاملہ میں عورتیں بڑے فتنے کا موجب ہوں گی۔" آپ ﷺ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ آنکھ بھی شرمگاہ کی طرح زنا کرتی ہے اور آنکھ کا زنا نظر ہے' وہ شخص جو نظر بچانے کی قدرت نہیں رکھتا اس پرواجب ہے کہ شہوت کو ریاضت سے ختم کرے' اس کی تدبیر یہ ہے کہ روزے رکھے ورنہ نکاح کرے' اگر نظر کو امردوں سے نہ بچاسکے تو یہ بڑی آفت سے اس کو جائز نہیں کہا جاسکتا' جس شخص کے دل میں امرد کے دیکھنے سے شہوت پیدا ہوتی ہو اور وہ اس سے لطف اندوز ہو تو ایسی دید حرام ہے ہاں اگر ایسی لذت اور راحت حاصل ہو جیسے سبزے' پھول اور اچھے نقش و نگار کے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے (شہوت پیدا نہیں ہوتی) تو پھر اس میں کچھ قباحت نہیں ہے اور علامت اس کی یہ ہے کہ امرد کے دیکھنے پر اس کی قربت کا خیال پیدا نہ ہو کہ غنچے اور پھول اچھے لگتے ہی ہیں لیکن ان کو چھونے اور چومنے کی آرزو پیدا نہیں ہوتی اگر اس طرح کی خواہش دل میں پیدا ہو تو یہ علامت شہوت کی ہے اور لواطت کی طرف پہلا قدم ہے۔

ایک شیخ کا ارشاد

ایک شیخ کا ارشاد ہے کہ مرید کے معاملہ میں مجھے کسی شیر سے اتنا خوف نہیں آتا جو امرد سے پیدا ہوتا ہے' ایک مرید نے بیان کیا کہ ایک بار شہوت کے غلبہ سے میں بے تاب ہوا' بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی' ایک رات میں نے ایک شخص کو میں نے خواب میں دیکھا' انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تجھے کیا ہوا ہے میں نے اپنا حال بیان کیا' انہوں نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا' جب میں بیدار ہوا تو میری طبیعت میں سکون تھا اس طرح ایک سال گزر گیا' اس کے بعد پھر شہوت کا زور ہوا پھر میں نے اسی طرح آہ وزاری کی وہی صاحب پھر خواب میں نظر آئے اور مجھ سے فرمایا کیا تو اس شہوت کا دفع چاہتا ہے میں نے کہا ہاں' انہوں نے فرمایا گردن جھکا' میں نے گردن جھکادی! انہوں نے تلوار سے میری گردن اڑادی! جب میں بیدار ہوا تو مجھے سکون تھا اس طرح ایک سال اور گزر گیا' سال کے بعد پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی میں رونے لگا میں نے خواب میں پھر انہی صاحب کو دیکھا' انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تو خود سے ایسی چیز کو رفع کرنا چاہتا ہے جو خدا کی مرضی نہیں ہے جب میں بیدار ہوا تو (متنبہ ہو کر) میں نے نکاح کر لیا اور اس غلبہ شہوت سے نجات حاصل کی:

شہوت کو روکنے والے شخص کا اجر

معلوم ہونا چاہیے کہ جس قدر شہوت غالب ہوگی' اس کے روکنے سے اسی قدر زیادہ ثواب حاصل ہوگا انسان پر اس شہوت کا غلبہ بہت زبردست ہوتا ہے لیکن اس شہوت کا جو مطلب ہے وہ عظیم گناہ ہے بس وہ لوگ جو شہوت رانی سے الگ تھلگ رہتے ہیں اس کا سبب اگر ان کا عجز یا خوف یا شرم یا بدنامی کا ڈر ہے تو پھر یہ بچاؤ ثواب کا موجب نہیں ہے کیونکہ یہ

گریز اور بچاؤ تو دنیاوی غرض کی بنا پر ہوا شرع کی اطاعت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اسباب معصیت سے انسان کا عاجز ہونا اس کی سعادت ہے کیونکہ وہ اپنے اس عجز کے باعث گناہ اور عذاب سے توبچ گیا اور اگر کوئی شخص اس شہوت پر قادر ہے اور بغیر کسی مانع کے محض حق تعالیٰ کے خوف سے ترک کردے گا تو اس کو اجر عظیم حاصل ہوگا اور وہ ان سات آدمیوں (سات طبقات) میں شامل ہوگا جو قیامت کے دن عرش کے سائے میں رہیں گے اور اس کا درجہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مانند ہوگا' اس معاملہ میں خواہ وہ حاکم ہو یا رعیت جب اس کو ترک کردے گا وہ یوسف علیہ السلام کے مثل ہے۔

منقول ہے کہ سلیمان بن یسارؒ بہت صاحب جمال تھے' ایک عورت ان کے پاس آئی تو یہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں انہوں نے کہا ہاں میں ہی یوسف ہوں۔ میں اس عورت کا قصد کرتا اگر اپنے رب کی نشانی نہ دیکھتا اور تو سلیمان ہے کہ تو نے اس عورت کا قصد نہیں کیا' یہ اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا الآيَة (بے شک عورت نے یوسفؑ کا قصد کیا اور یوسف (علیہ السلام) بھی اس عورت کا قصد کرتے) یہ ہی سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں حج کو جارہا تھا جب مدینہ سے نکل کر ابوا میں پڑاؤ کیا تو میرا ساتھی اناج لادنے کے لیے چلا گیا' اتنے میں ایک عورت آئی جو حسن میں عرب کی ماہِ جبین تھی' اس نے مجھ سے کہا اٹھو! میں سمجھا کہ مجھ سے کھانا مانگ رہی ہے۔ دستر خوان لانے لگا تو اس نے کہا یہ نہیں چاہیے میں تو وہ چاہتی ہوں جو عورتیں مردوں سے چاہتی ہیں' میں سر جھکا کر رونے لگا اور اس قدر رویا کہ وہ عورت مایوس ہو کر چلی گئی' جب میرا رفیق واپس آیا اور میرے چہرے پر رونے کا اثر دیکھا تو مجھ سے دریافت کیا کہ یہ رونا کیسا! میں نے جواب دیا کہ بچے یاد آگئے تھے ان کی یاد میں رو دیا تھا' میرے ساتھی نے کہا یہ بات نہیں ہے! تم پر جو افتاد گزری ہے وہ مجھے سناؤ! جب اس نے بہت ضد کی تو میں نے جو کچھ واقعہ گزرا تھا اس کو سنایا' یہ قصہ سن کر وہ بھی رونے لگا میں نے کہا کہ تم کیوں رو رہے ہو! اس نے کہا کہ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو مجھ سے انکار نہیں ہو سکتا تھا' پھر جب ہم مکہ معظمہ پہنچے تو طواف و سعی سے فراغت کے بعد ایک حجرے میں جا کر سو گیا' خواب میں ایک بہت ہی حسین و جمیل شخص کو میں نے دیکھا میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں یوسف (علیہ السلام) ہوں! میں نے کہا اچھا آپ ہی یوسف صدیق ہیں! فرمایا ہاں! میں نے کہا کہ عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ آپ کا معاملہ عجیب و غریب ہے! آپ نے فرمایا اعرابی عورت کے ساتھ تمہارا معاملہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ سابقہ زمانہ میں تین شخص سفر پر گئے جب رات ہوئی تو ایک غار میں (سونے کے لیے) چلے گئے' تاکہ بے فکری سے رات گزاریں' رات میں ایک بڑا پتھر (چٹان) پہاڑ سے گرا اور اس سے اس غار کا دروازہ ایسا بند ہو گیا کہ راستہ باہر نکلنے کا نہ رہا اس پتھر کا ہلانا بھی ممکن نہ تھا تب ان تینوں نے آپس میں کہا کہ اس پتھر کے ہٹانے کی بس یہی تدبیر ہے کہ ہم بارگاہ الٰہی میں عا کریں اور ہم میں سے ہر ایک شخص اپنی اپنی نیکی کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرے ممکن ہے کہ اس نیکی کے وسیلے سے خداوند ذوالجلال ہماری مشکل کو

آسان کر دے چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا' بار الہا! تجھ پر روشن ہے کہ میں اپنے ماں باپ سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو کھانا نہیں دیتا تھا (جب میرے ماں باپ کھانا کھا لیتے تھے تب میرے زن و فرزند کھاتے تھے) ایک روز میں کسی کام سے گیا تھا بہت رات گئے واپس آیا تو میرے ماں باپ سو چکے تھے میں ان کے لیے ایک پیالہ دودھ کا لایا تھا میں ان کے جاگنے کے انتظار میں رہا اور دودھ کا وہ پیالہ اسی طرح میرے ہاتھ میں تھا' میرے بچے بھوک سے رو رہے تھے لیکن میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب تک میرے ماں باپ دودھ نہیں پی لیں گے میں تم کو کھانا نہیں دوں گا اور میرے ماں باپ صبح تک بیدار نہیں ہوئے اور میں دودھ کا پیالہ اپنے ہاتھ میں لیے اسی طرح کھڑا رہا حالانکہ میں اور میرے بچے بھوکے تھے' الٰہی! اگر میرے اس عمل میں خلوص تھا تو ہماری اس مشکل کو آسان فرمادے' اس دعا سے پتھر اپنی جگہ سے ہلا اور ایک سوراخ پیدا ہو گیا لیکن ہم لوگ اس سوراخ سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

دوسرے ساتھی نے اس طرح دعا کی کہ خدایا! تجھ پر روشن ہے کہ میری ایک عم زاد بہن تھی جس پر میں فریفتہ تھا لیکن وہ مجھ سے کسی طرح راغب نہیں ہوتی تھی اور میرے کہنے پر عمل نہیں کرتی تھی ایک سال سخت قحط پڑا وہ قحط سے عاجز ہو گئی اور میرے پاس آئی میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ میرا کہنا مان لے' جب میں اس کے پاس گیا تو وہ کہنے لگی کیا تم کو خدا کا خوف نہیں ہے جو تم میری بکارت اس کے حکم کے بغیر زائل کرنا چاہتے ہو' میں نے خدا کے خوف سے اس کو چھوڑ دیا اور پھر اس کا قصد نہیں کیا حالانکہ دنیا میں اس سے زیادہ مجھے اور کوئی چیز عزیز نہیں تھی' بار الہا! اگر میرا یہ فعل تیری رضا کی خاطر تھا تو اس مشکل کو حل فرمادے' اس دعا سے اس پتھر نے پھر حرکت کی اور راستہ کچھ اور کشادہ ہو گیا لیکن اب بھی اس سے باہر نکلنا ممکن نہیں تھا۔

جب تیسرے ساتھی کی باری آئی تو وہ کہنے لگا کہ ''ایک بار میرے پاس کچھ مزدور کام کر رہے تھے۔ سب نے اپنی اپنی اجرت مجھ سے لے لی سوائے ایک شخص کے وہ کہیں چلا گیا' میں نے اس کی اجرت کی رقم سے بکریاں خرید لیں اور ان بکریوں کی میں نے تجارت شروع کر دی' مال بڑھتا گیا' ایک عرصہ دراز کے بعد وہ شخص اپنی مزدوری لینے کے لیے میرے پاس آیا' اس وقت اس کے مال میں بہت سے اونٹ' خچر' بکریاں اور چند غلام تھے' میں نے اس سے کہا کہ یہ سب مال تمہارا ہے' اس کو لے لو' اس نے کہا کہ اب مجھ سے کیوں مذاق کر رہے ہیں' میں نے کہا کہ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں یہ تمام مال تمہاری اس رقم سے بڑھا ہے' الغرض وہ تمام مال میں نے اس کے حوالے کر دیا اور اپنے پاس اس میں سے کچھ بھی نہیں رکھا' الٰہی! اگر میرا یہ عمل خاص تیرے لیے تھا تو ہماری مشکل آسان فرمادے اس دعا پر وہ پتھر وہاں سے کھسک گیا اور راستہ کشادہ ہو گیا اور وہ تینوں ساتھی غار سے باہر نکل آئے۔

شیخ ابوبکر بن عبداللہ حزنیؒ کہتے ہیں کہ ایک قصاب اپنے پڑوسی کی لونڈی پر عاشق تھا' ایک روز وہ کنیز کسی دوسرے گاؤں کو جا رہی تھی قصاب اس کے پیچھے لگ گیا اور کچھ دور جا کر اس کو پکڑ لیا تب کنیز نے کہا کہ اے جوان! میرا دل بھی تجھ پر فریفتہ ہے لیکن میں خداوند کریم سے ڈرتی ہوں یہ سن کر اس قصاب نے کہا کہ جب تو اللہ سے

ڈرتی ہے تو کیا میں اس سے نہ ڈروں یہ کہہ کر وہ توبہ کر کے وہاں سے پلٹ پڑا لیکن راستے میں پیاس کے مارے دم لبوں پر آگیا' اتفاق سے ایک شخص سے ملاقات ہوئی وہ شخص کسی پیغمبر کا قاصد تھا اس مرد قاصد نے پوچھا اے جوان کیا حال ہے قصاب نے جواب دیا کہ پیاس سے بدحال ہوں اس شخص نے کہا کہ آؤ ہم دونوں مل کر خدا سے دعا کریں تاکہ خدا تعالیٰ ابر کے فرشتے کو بھیج دے اور وہ شہر پہنچنے تک اپنا سایہ ہم پر کئے رہے اس جوان نے کہا کہ میں نے تو خدا کی عبادت بھی نہیں کی ہے میں کس طرح دعا کروں' تم دعا کرو میں امین کہوں گا اس شخص نے دعا مانگی' ابر کا ایک ٹکڑا ان کے سروں پر سایہ فگن ہو گیا یہ دونوں راستہ طے کرتے ہوئے جب ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ابر کا ٹکڑا قصاب کے سر پر سایہ افگن رہا اور وہ قاصد دھوپ میں ہو گیا تب اس نے کہا کہ اے جوان تو نے کہا تھا کہ میں نے بندگی نہیں کی ہے لیکن ابر کا ٹکڑا تیرے سر پر سایہ افگن ہے تو مجھے اپنا حال سنا اس نے کہا کہ اور تو مجھے کچھ معلوم نہیں لیکن ایک کنیز سے خوف خدا کی بات سن کر میں نے برے کام سے توبہ ضرور کی تھی' قاصد نے کہا سچ ہے خداوند تعالیٰ کے حضور میں جو مرتبہ اور درجہ تائب کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں ہے۔

نظر حرام اور عورتوں کے دیکھنے کی آفت

اے عزیز! شاید ہی کوئی ایسا ہو جو نظر حرام سے اپنے آپ کو بچا سکے (اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے علاوہ) اسی واسطے اولیٰ یہ ہے کہ پہلے ہی سے اس کا بندوبست کر لیا جائے اور وہ آنکھ سے غیر عورت کا دیکھنا ہے' شیخ علاء بن زیادؒ نے کہا ہے کہ کسی عورت کی چادر پر بھی نظر نہ ڈالو کہ اس سے دل میں ایک آرزو پیدا ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عورتوں کا لباس دیکھنے' ان کی خوشبو سونگھنے' آواز سننے اور سلام و پیام بھیجنے سے حذر کرنا واجب ہے ایسی جگہ جانا ہی مناسب نہیں جہاں اگر تم عورت کو نہ دیکھ سکو لیکن عورت تم کو دیکھ سکے اس لیے کہ جہاں حسن و جمال ہو گا وہاں شوق وصال شہوت کا بیج دل میں بو دے گا پس عورت کو چاہیے کہ خوبصورت مردوں سے حذر کرے۔ جو نظر قصد اور ارادے سے عورت پر ڈالی جائے گی وہ حرام ہے البتہ اگر بے اختیار کسی پر نظر پڑ جائے تو اس میں گناہ نہیں لیکن دوسری نظر ڈالنا حرام ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ پہلی نظر سے تیرے لیے نفع ہے اور دوسری نظر سے نقصان ہے' حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کا عاشق ہو اور اس نے خود کو اس سے بچایا اور اسی غم میں مر گیا تو شہید ہے' خود کو بچانے سے مراد یہ ہے کہ پہلی نظر اتفاقاً پڑ جائے تو دوسری نظر کو روکے اور دیکھنے کی آرزو نہ کرے بلکہ اس طلب اور آرزو کو دل میں چھپائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مردوں اور عورتوں کی مصاحبت اور ہم نشینی اور نظر بازی ایسا فساد کا بیج ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی تخم فساد نہیں ہے جبکہ درمیان میں پردہ حائل نہ ہو' عورتیں جو چادر اوڑھتی ہیں اور نقاب ڈالتی ہیں یہ کافی نہیں ہے بلکہ جب وہ سفید چادر اوڑھتی ہیں یا خوبصورت نقاب ڈالتی ہیں تو شہوت کو اس سے

زیادہ تحریک ہوتی ہے کہ شاید منہ کھولنے پر وہ اور زیادہ حسین نظر آئیں پس سفید چادر اور خوبصورت نقاب و برقع پہنے ہوئے باہر جانا عورتوں کے حق میں حرام ہے جو عورت ایسا کرے گی گنہگار ہو گی' اگر باپ' بھائی یا شوہر اس کو اس بات کی اجازت دیں گے تو وہ بھی اس کی معصیت میں شریک ہوں گے۔ کسی مرد کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ وہ عورت کا لباس پہنے' شہوت کے ارادے سے یا اس کی خوشبو سے خط اٹھانے کے لیے اس کے کپڑوں کو ہاتھوں میں لے یا کسی عورت کو پھول دے یا اس سے خود قبول کرے یا لطف و مدارا کے ساتھ اس سے بات کرے اسی طرح عورت کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ اجنبی مرد سے بات کرے اور ضروری ہو تو سخت اور تند لہجہ میں بات کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝

اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے! ہاں اچھی بات کہو۔ (احزاب)

یعنی اللہ تعالیٰ حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات سے فرماتا ہے' نرم اور خوش آواز کے ساتھ مردوں سے بات نہ کرو ورنہ وہ شخص طمع کرے گا جس کے دل میں آزار ہے اور ان سے قولِ معروف کہو۔

جس کوزے سے کسی عورت نے پانی پیا ہے تو قصداً اس جگہ منہ لگا کر پانی پینا جہاں اس عورت نے منہ لگایا تھا پینا درست نہیں ہے' اسی طرح کسی پھل پر جہاں عورت کا دانت لگا ہو اس کا بھی کھانا روا نہیں ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی اور آپ کے بچے اس پیالے کو جس سے حضور ﷺ کا پاک دہن اور پاک انگلیاں لگی تھیں تبرک کے طور پر اپنی انگلیوں سے مس کرتے تھے تاکہ ثواب حاصل ہو۔

اگر کوئی حصولِ لذت کے مقصود سے ایسے برتن کو چھوئے (جو کسی عورت کے دہن سے لگا ہو) تو وہاں گناہ ہے۔ پس عورت سے تعلق رکھنے والی اس قسم کی چیز سے حذر کرنا ضروری ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی عورت یا مرد کسی کے سامنے آتا ہے تو شیطان وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ اس کو دیکھنا چاہیے اس وقت تم کو کہنا چاہیے کہ میں اس کو کیا دیکھوں اگر وہ بد صورت ہے تو مجھے دکھ بھی ہو گا اور گنہگار بھی ہوں گا کیونکہ میں تو اس خیال میں اس کو دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ حسین و جمیل ہے اور اگر وہ خوبصورت ہے اس کا دیکھنا جائز نہیں گناہ کا موجب ہے اور حسرت دل میں رہے گی اور اگر اس کا تعاقب کروں تو دین اور عمر دونوں برباد ہوتے ہیں اور پھر بھی یقین نہیں کہ مقصد حاصل ہو۔ ایک روز حضور اکرم ﷺ کی نظر اچانک ایک حسین عورت پر پڑ گئی آپ اسی وقت اس جگہ سے گھر واپس تشریف لائے اور حرم محترم سے قربت کی پھر غسل فرمایا اور باہر تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو تعلیم کے لیے فرمایا کہ جس کے سامنے کوئی عورت آئے اور شیطان اس کی شہوت کو حرکت میں لائے تو اس کو چاہیے کہ اپنے گھر جا کر اپنی بیوی سے قربت کرے کہ جو چیز تمہاری بیوی کے پاس ہے وہی اس عورت کے پاس ہے۔

☆ .... ☆ .... ☆
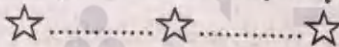
اصل سوم

حرص گفتگو کا علاج اور زبان کی آفتیں

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ زبان عجائبات صفت الٰہی سے ہے اگرچہ وہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے لیکن حقیقت میں جو کچھ موجود ہے وہ سب کچھ اس کے تصرف میں ہے وہ بھی! کیونکہ وہ موجود و معدوم دونوں کا بیان کرتی ہے' زبان عقل کی نائب ہے اور عقل کے احاطے سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اور جو کچھ عقل و وہم اور خیال میں آتا ہے زبان اس کی تعبیر کرتی ہے (اس کو بیان کرتی ہے) انسان کے کسی دوسرے عضو میں یہ صفت نہیں ہے آنکھ کی حکومت میں فقط انواع و اشکال ہیں اور کان کی حکومت فقط آواز پر ہے دوسرے اعضاء کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیے' ہر عضو کی حکومت مملکتِ وجود کے ایک خطے پر ہو گی لیکن زبان کی حکومت ساری مملکت وجود میں جاری و ساری ہے' بالکل دل کی حکومت کی طرح' جس طرح زبان دل سے صورتیں لے کر بیان کرتی ہے اسی طرح دوسری صورتیں دل کو پہنچاتی ہے اور جو بات وہ کہتی ہے دل میں اس سے ایک صفت پیدا ہوتی ہے مثلاً جب انسان گریہ وزاری کرتا ہے اور زبان سے الفاظ نوحہ گری کے نکالتا ہے تو دل اس سے رقت اور سوز کی صفت لیتا ہے اور دل کی تپش کی حرارت دماغ کو پہنچتی ہے اور وہ بخار (آنسو بن کر) آنکھوں سے نکلتا ہے اور جب خوشی کی باتیں' معشوق کی صفت بیان کرتی ہے تو دل میں سرور و نشاط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور شہوت متحرک ہوتی ہے اسی طرح ہر ایک کلمہ جو اس سے ادا ہوتا ہے اس سے ایک صفت اس کلمہ کے مطابق دل میں رونما ہوتی ہے اور یہی زبان جب بری باتیں کہتی ہیں تو دل تاریک ہو جاتا ہے اور جب اس سے حق بات نکلتی ہے تو دل روشن ہوتا ہے جب یہ جھوٹ باتیں کرتی ہے تو دل اندھا ہو کر چیزوں کو ٹھیک نہیں دیکھتا اور اس آئینے کے مانند ہو جاتا ہے جو بے نور ہو گیا ہے اسی وجہ سے شاعر دروغ گو کا خواب اکثر و بیشتر سچ نہیں ہوتا کیونکہ اس کا باطن دروغ گوئی سے اندھا ہو گیا ہے اور اس کے برعکس جو شخص سچ بولنے کا خوگر ہے اس کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ جس طرح دروغ گو سچا خواب نہیں دیکھتا تو جب وہ اس جہان سے رخصت ہوتا ہے تو بارگاہِ خدا بھی جس کے دیدار میں بڑی لذت ہے' اس کے دل میں بے نور نظر آتی ہے اور لذت سعادت سے محروم رہتا ہے' جس طرح بے نور آئینے میں اچھی صورت بری نظر آتی ہے یا جس طرح تلوار کے طول و عرض میں چہرے کی خوبصورتی بگڑ جاتی ہے تو اس دل کے کام اور خداوند تعالیٰ کے کاموں کی حقیقت بھی اس کے دل میں اسی طرح پھر (بگڑی ہوئی صورتوں میں) نظر آئے گی' پس دل کی راستی و کجی' زبان کی راستی اور کجی کے تابع ہے چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے' ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو گا جب تک دل راست نہ ہو گا۔'' پس زبان کی آفت اور خرابی' فحش گوئی' دشنام طرازی اور زبان درازی'، لعنت' مسخرہ پن اور یاوہ گوئی کی آفت' دروغ گوئی غمازی اور نفاق کی آفت ہے' ہم ہجو و مدح وغیرہا کی آفت بیان کر کے انشاء اللہ اس کا علاج بتائیں گے۔

خاموشی کا ثواب

کوئی تدبیر خاموشی سے بہتر نہیں ہے

اے عزیز! جب یہ معلوم ہو گیا کہ زبان کی آفتیں بے شمار ہیں تو پھر کوئی تدبیر خاموشی سے بہتر نہیں ہے پس حتی الامکان انسان کو چاہیے کہ زیادہ بات نہ کرے' بزرگوں کا ارشاد ہے کہ ابدال وہ لوگ ہیں جن کا بات کرنا' کھانا پینا اور سونا صرف بقدر ضرورت ہوتا ہے' اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَاخَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّامَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْاِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاس

ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات کا یا لوگوں میں صلح کرنے کا۔

یعنی پوشیدہ باتیں خوب نہیں ہیں مگر خیرات کا حکم اور امر معروف اور لوگوں میں صلح صفائی کرا دینا حدیث شریف میں آیا ہے' من سکت نجی جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس کو شکم' فرج اور زبان کے شر سے محفوظ رکھا گیا وہ سب چیزوں سے مامون رہا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل بہتر ہے تو آپ نے دہن اطہر سے پاک زبان باہر نکال کر اس پر انگلی رکھی یعنی خاموشی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اپنی زبان کو انگلیوں سے پکڑ کر کھینچ رہے تھے اور اس کو ملتے تھے' میں نے کہا یا خلیفۃ الرسول اللہ! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس نے مجھ کو بہت سے معاملات میں مبتلا کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے کہ بنی آدم کی اکثر تقصیریں اس کی زبان میں ہیں! آپ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کیا میں تم کو ایک بہت ہی اسان عبادت کی خبر دوں' وہ زبان کی خاموشی اور نیک عادت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "جو کوئی خداوند تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان لایا ہے اس سے کہہ دو کہ آدمی اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔" حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم کو کچھ سکھائیے تاکہ بہشت میں ہم کو جگہ ملے' آپ نے فرمایا کہ ہر گز بات نہ کرو' لوگوں نے کہا کہ یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا! تو آپ نے فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو سوائے نیک بات کے زبان سے کچھ اور نہ نکالو۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے' جب تم کسی مومن کو خاموش اور سنجیدہ پاؤ تو اس سے تقرب حاصل کرو وہ بغیر حکمت کے نہ ہو گا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے' جو بسیار گو ہو گا وہ بہت بے ہودہ ہو گا اور وہ بڑا گنہگار ہو گا اور دوزخ میں جائے گا۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے منہ میں کنکریاں رکھ لیتے تھے تاکہ بات نہ کر سکیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ عبادتیں دس ہیں ان میں سے (۹) تو خاموشی ہیں اور دسویں لوگوں سے چھپنا اور گریز کرنا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ زبان سے زیادہ اور کوئی چیز قید کرنے کے لائق نہیں ہے جناب

یونس بن عبید رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس شخص کو میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی زبان کو روکا ہے اس کے سب اعمال میں میں نے خوبی کا مشاہدہ کیا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے لوگ گفتگو کر رہے تھے مگر حنفؒ خاموش تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم بات کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر میں جھوٹ بات کرتا ہوں تو خداوند کریم سے ڈرتا ہوں اور اگر سچ کہتا ہوں تو مجھے آپ کا خوف ہے۔' شیخ ربیع بن خثیمؒ نے بیس سال تک دنیا کی کوئی بات نہیں کی وہ صبح کو اٹھتے تو قلم اور کاغذ لے کر جو بات کہنا ہوتی اس کو لکھ لیتے اور اس کا حساب دل میں کرتے۔"

خاموشی کی فضیلت

معلوم ہونا چاہیے کہ خاموشی کی بہت فضیلت ہے اور یہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ زبان کی آفتیں بہت ہیں اور زبان سے ہمیشہ بے ہودہ بات نکلتی ہے کہنا تو بہت آسان ہے لیکن برے بھلے میں تمیز کرنا دشوار ہے پس خاموشی سے انسان اس کے وبال سے محفوظ رہتا ہے خاطر جمعی کے ساتھ ذکر فکر کر سکتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ گفتگو چار طرح پر ہے (چار قسمیں ہیں) ایک یہ کہ تمام مستحق مضرت ہی مضرت ہو اور دوسری یہ کہ اس میں مضرت بھی ہو اور منفعت بھی! تیسری یہ کہ نہ ضرر ہو نہ منفعت! چوتھی قسم یہ ہے کہ صرف منفعت ہو! بس مذکورہ تین قسمیں تو اجتناب کے لائق ہیں صرف ایک قسم کے لائق ہے اور یہ وہی قسم ہے جس کے بارے میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: حدیث شریف میں جو وارد ہے اس کی منفعت اس وقت معلوم ہوگی جب زبان کی آفتوں سے آگاہی ہو بس ہم ان آفتوں کو سلسلہ وار تفصیل سے ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

پہلی آفت

پہلی آفت یہ ہے کہ ایسی بات نہ کہے جس کے کہنے کی ضرورت نہ ہو اور اس کے نہ کہنے سے کسی قسم کا نقصان یا مضرت دینی یا دنیوی نہ ہو پس اگر تم نے ایسی بیکار اور بے ضرورت بات کہی تو تم حسنِ اسلام سے نکل جاؤ گے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ

آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ بے معنی بات ترک کردے

لایعنی کلام کی مثال یہ ہے کہ تم دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے سفر کا احوال' باغ' بوستاں کی کیفیت اور جو کچھ روئیداد ہو اس کو بے کم و کالت بیان کردو یہ سب یاوہ گوئی اور زیادہ گوئی ہے اس کی حاجت نہیں تھی اور اس کے نہ کہنے سے ضرر کا کچھ اندیشہ نہیں تھا اسی طرح اگر کسی سے ملاقات ہو اور اس سے ایسی بات پوچھو جس کی تم کو حاجت نہیں ہے اور تمہارے دریافت کرنے میں کوئی آفت اور ضرر کا اندیشہ نہیں مثلاً تم کسی سے پوچھو کیا تم نے روزہ رکھا ہے اب اگر وہ جواب میں وہ سچ کہتا ہے تو اس سے عبادت کا اظہار ہوتا ہے اور اگر جھوٹ کہتا ہے تو گنہگار ہوتا ہے اور اس کے جھوٹ بولنے کا

موجب تم ہو گے اور یہ بالکل بجا ہے اسی طرح اگر تم کسی شخص سے پوچھتے ہو کہ کہاں سے آرہے ہو یا کیا کر رہے ہو تو ممکن ہے کہ وہ اس بات کو چھپانا چاہتا ہو اور وہ جھوٹ بات کہہ دے یہ سب کلام بے جا اور یاوہ گوئی ہے اور معقول بات وہ ہے جس میں باطل کا دخل نہ ہو' منقول ہے کہ جناب لقمان ایک سال تک حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں آتے جاتے رہے' حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے رہتے تھے جناب لقمان معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ زرہ کیوں بناتے رہتے ہیں لیکن انہوں نے نہیں پوچھا جب زرہ بن کر تیار ہو گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو پہنا اور خود ہی فرمایا "جنگ کے لیے یہ اچھی پوشاک ہے" تب جناب لقمان سمجھ گئے کہ خاموشی حکمت ہے لیکن اب لوگوں کو اس کا خیال نہیں ہے۔ لوگ عام طور پر اس قسم کا سوال کرتے ہیں اس کا موجب یہ ہے کہ چاہتے ہیں کہ کسی کا حال معلوم کریں' بات چیت کریں اور اپنی دوستی کا اس طرح اظہار کریں' اس کا علاج یہ ہے کہ قائل یا سائل یہ سمجھے کہ موت در پیش ہے اور بہت قریب ہے پس تسبیح اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے کہ وہ ذخیرۂ آخرت ہو گا اور سمجھے کہ اگر اس کو ضائع کر دوں گا تو خود اپنا نقصان ہے یہ تو علمی علاج تھا' عملی علاج یہ ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرے یا خاموشی کے لیے منہ میں کنکریاں رکھ لے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جنگ احد کے روز ایک جوان شہید ہوا جب اس کو دیکھا تو اس کے پیٹ پر بھوک کے باعث پتھر بندھے ہوئے تھے اس کی ماں اس کے چہرے سے غبار صاف کرتی جاتی تھی اور کہتی تھی ھَنِیْئاً لَکَ الْجَنَّۃُ (تجھے بہشت مبارک ہو) حضور اکرم ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ تجھے کیا معلوم شاید یہ اپنے خلل کے باعث بھوکا رہا ہو اور اب وہ مال اس کے کام نہ آئے گا یا انسان اپنے بارے میں بات کرے جس کی اس کو ضرورت ہو' مطلب یہ ہے کہ اس کا حساب اس سے پوچھا جائے گا پس خوش اور مبارک وہ کام ہے جس میں کچھ رنج اور حساب کا معاملہ نہ ہو۔

منقول ہے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ فرمانے لگے کہ ایک شخص اہل بہشت سے یہاں آئے گا پس حضرت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دروازے سے داخل ہوئے لوگوں نے یہ خوشخبری ان کو سنادی اور دریافت کیا کہ کون سا عمل وہ ہے جس کے باعث آپ کو یہ بشارت دی گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا عمل تو بہت تھوڑا ہے لیکن میں نے کبھی بھی جس کام سے میرا تعلق نہ ہوتا اس کے بارے میں لوگوں سے دریافت نہیں کیا اور نہ میں نے لوگوں کی بد خواہی کی۔

معلوم ہونا چاہیے جو بات ایک لفظ میں ادا ہو سکتی ہو اگر اس کو دو لفظوں میں ادا کیا جائے تو یہ دوسرا لفظ فضول اور زیادہ ہے اور اس کا وبال تمہاری گردن پر ہو گا۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مجھ سے بات کرے اور اس کا جواب اس آب سرد کی طرح جو پیاسا چاہتا ہے میرے پاس موجود ہو تب بھی میں اس کا جواب نہیں دوں گا کہ مبادا وہ جواب بے ہودہ ہو۔ جناب مطرف ؒ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے جلال کی تکریم اس طرح کرو کہ ہر بات پر اس کا نام زبان پر نہ آئے مثلاً جانور اور بلی تک کو کہہ دیتے ہیں کہ "خدا تیرا ناس کرے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ نیک بخت شخص ہے جس نے یاوہ گوئی سے خود کو روکا اور (راہ خدا میں) زیادہ مال صرف کیا لیکن لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں کہ مال کو فضول اور بیکار دبا کر رکھتے ہیں اور کلام فضول صرف کرتے ہیں' حضور سرور کونین ﷺ کا ارشاد ہے آدمی کو زبان

درازی سے بدتر کوئی چیز نہیں دی گئی' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ تو کہے گا اس کو تیرے حساب میں لکھا جائے گا-"
جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا يَلفِظُ مِن قَولٍ اِلاَّ لَدَيهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ یعنی کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو-

اگر ایسا ہو تا کہ فرشتے رائیگاں باتوں کو نہ لکھتے اور باتوں کو تحریر میں لانے کی اجرت طلب کرتے (نہ وہ دس باتوں کے بجائے ایک بات لکھتے! ایسا نہیں ہے) بس سمجھ لینا چاہیے کہ بسیار گوئی میں وقت ضائع کرنا یا وہ اجرت ہے جو تجھ سے طلب کی جا سکتی تھی-

دوسری آفت

دوسری آفت وہ سخن ہے جو محض باطل اور معصیت میں کیا جائے' باطل یہ ہے کہ بدعات میں کلام کیا جائے اور معصیت یہ ہے کہ اپنے اور دوسروں کے گناہ فسق و فجور کی باتیں' شراب نوشی کی مجلسوں اور فسق و فجور کی حکایات زبان پر لائی جائیں۔ دو شخصوں کے مناظرے (جھگڑے اور جدل) کی باتیں بیان کی جائیں' ایک دوسرے سے فحش باتیں کریں یا اس طرح فحش باتیں بنائیں جن کو سن کر دوسروں کو ہنسی آئے' یہ تمام باتیں معصیت میں داخل ہیں اور یہ آفت پہلی آفت کی طرح نہیں ہے کہ اس میں تو صرف مرتبہ اور درجہ کا نقصان تھا اور اس میں تو معصیت ہے-

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی ایسا ہو گا کہ ایک بات ایسی کہے جس کا اس کو خوف نہ ہو اور اس کو حقیر نہ جانے آخر کار یہی بات اس کو قعر جہنم تک پہنائے گی اور کوئی ایسا ہو گا کے بے تکلف ایک بات کہے اور وہ بات اس کو بہشت میں لے جائے گی-

تیسری آفت

بحث کرنا اور جھگڑنا تیسری آفت ہے' کسی شخص سے ایک بات کہی اور اس کو فوراً رد کر دیا (خود ہی اس کی تردید کر دی) اور کہے کہ ایسا نہیں ہے- حقیقت یہ ہے کہ ایسا کہنا حماقت ہے وہ نادانی اور دروغ بافی کا دعویٰ کرتا ہے اور خود کو زیرک عاقل اور راست گو ثابت کرنا چاہتا ہے اس طرح ایک ہی بات سے وہ دو بڑی صفتوں کو تقویت پہنچاتا ہے ایک صفت تکبر اور ایک صفت درندگی' اسی بنا پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے' جو کوئی بات چیت میں مخالفت اور جھگڑنے سے باز رہے گا اور بیجا نہ کہے گا اس کے واسطے بہشت میں ایک گھر بناتے ہیں اور اگر جو کچھ حق ہے اس کو صاف صاف کہہ دے اس کے لیے بہشت میں ایک اعلیٰ درجہ کا گھر بنایا گیا ہے اور یہ ثواب اس زیادتی کا اجر ہے کہ محال اور جھوٹ بات سن کر صبر کرنا دشوار ہوتا ہے- حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے' جب تک آدمی مخالفت سے دستبردار نہیں ہو گا اس کا ایمان کامل نہیں ہو گا اگرچہ وہ حق پر ہو-

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ خلاف صرف مذہب ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص کہے کہ یہ انار میٹھا ہے اور

تم کہو کہ نہیں ترش ہے یا کوئی کہے کہ یہاں سے فلاں جگہ کا فاصلہ ایک کوس ہے اور تم کہو کہ ایسا نہیں ہے تو یہ انکار بھی نازیبا ہے- رسول خدا علیہ السلام نے فرمایا ہے' ہر ایک جھگڑے کا جو تم کسی کے ساتھ کرو گے کفارہ یعنی دو رکعت نماز ہے-"

انہی امور میں سے یہ ہے کہ کسی کے کلام پر حرف گیری نہ کی جائے یا کسی کے کلام کا نقص ظاہر کیا جائے- یہ فعل حرام ہے کیونکہ اس بات سے دوسرے شخص کو رنج پہنچتا ہے اور کسی مسلمان کو بغیر ضرورت رنج دینا مناسب نہیں ہے اور لوگوں کے کلام کی خطا اور غلطی ظاہر کرنا فرض نہیں ہے بلکہ خاموش رہنا تمہارے ایمان کی دلیل ہے' مذہب کے بارے میں جھگڑنا "جدل" کہلاتا ہے یہ بھی مناسب نہیں ہے (اماآنچہ در مذاہب بود آنرا جدل گویند واین نیز مذموم- کیمیائے سعادت صفحہ ۴۸۷ چاپ تہران)

البتہ بطور نصیحت خلوت میں حق بات کو ظاہر کر دو بشرطیکہ قبولیت کی امید ہو اگر نہ ہو تو خاموش رہنا مناسب ہے رسول اکرم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وہ قوم گمراہ نہ ہوئی جس پر جدل غالب نہیں ہوا-" جناب لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ علماء سے بحث نہ کرنا تاکہ وہ تجھ سے دشمنی نہ کریں-"

معلوم ہونا چاہیے کہ محال اور باطل پر خاموش رہنا پڑے تو صبر اور تحمل کی بات ہے اور یہ مجاہدوں کے فضائل میں سے ہے- شیخ داؤد طائیؒ نے عزلت نشینی اختیار کرلی تھی' حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم باہر کیوں نہیں نکلتے- انہوں نے کہا کہ میں مجاہدے میں رہ کر خود کو جدل سے باز رکھتا ہوں' امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مجلس میں آؤ' مباحثے اور مناظرے سنو! لیکن جواب مت دو' انہوں نے کہا کہ میں نے ایسا کیا لیکن اس سے دشوار تر اور کوئی مجاہدہ میں نے نہیں پایا-"

اس سے بڑھ کر اور کوئی آفت نہیں ہے کہ جس شہر میں مذہبی تعصب موجود ہو اور جو لوگ طالب جاہ ہوں اور یہ کہتے ہوں کہ جدل دین میں داخل ہے- درندگی اور تکبر کی طبیعت تو خود اس امر کی متقاضی ہوتی ہے (کہ جدل' مناظرہ کیا جائے) پس جب وہ جان لیں گے کہ جدل تقاضائے دین ہے تب یہ حرص اس قدر غالب ہو جائے گی کہ پھر اس سے رکنا اور اس پر صبر کرنا دشوار ہو جائے گا کہ نفس کے لیے تو اس میں کئی طرح کی لذتیں موجود ہیں-

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جدل دین میں داخل نہیں ہے' تمام بزرگان سلف نے اس سے منع کیا ہے البتہ اگر کسی مبتدع (بدعتی و منکر قرآن) سے معاملہ آپڑے تو بغیر جھگڑے اور طول کلام کے انہوں نے اس معاملہ میں بات کی ہے لیکن جب اس کو فائدہ بخش نہیں پایا تو اس سے اعراض کیا ہے-

چوتھی آفت

چوتھی آفت مال کے سلسلہ میں جھگڑا کرنا ہے' مالی خصومت کے معاملہ کو قاضی یا اور کسی حاکم کے سامنے پیش کیا جائے یہ بھی ایک عظیم آفت ہے' حضور اکرم علیہ السلام نے فرمایا ہے جو کوئی بغیر علم کے کسی سے جھگڑے' خداوند تعالیٰ اس سے

ناخوش ہوگا جب تک وہ خاموش نہ رہے' بزرگانِ دین نے فرمایا ہے 'مال کے سوا کوئی اور ایسی چیز نہیں ہے جو دل کو پریشان کرے اور عیش کو تلخ کرے اور مروت اور بھائی چارے میں خلل انداز ہو بزرگوں نے بھی یہ فرمایا ہے کہ کوئی زاہد مال کے سلسلہ میں خصومت نہیں کرے گا کیونکہ بغیر یاوہ گوئی کے یہ جھگڑا ختم نہیں ہوگا اور جو زاہد ہے وہ یاوہ گوئی نہیں کرے گا۔

اگر باہم جھگڑا نہ بھی ہو تب بھی دشمن کے ساتھ اچھی بات نہیں کی جاتی جبکہ اچھی بات کہنے کی بڑی فضیلت ہے پس جس کسی کو خصومت ہے تو جہاں تک ممکن ہو اس کو ترک کردے اور اگر ترک نہیں کرسکتا تو سوائے سچ بات کے اور کچھ نہ کہے اور دشمن کو رنج پہنچانے کا قصد کرے اور نہ سخت گفتگو کرے۔ کیونکہ اس میں دین کی تباہی ہے۔

پانچویں آفت

پانچویں آفت، فحش گوئی ہے، رسول خدا ﷺ نے فرمایا "ایسے شخص پر بہشت حرام ہوگی جو فحش گوئی کرے گا" حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے "دوزخ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے منہ سے نجاست نکلے گی اور اس کی بدبو سے تمام دوزخی فریاد کریں گے اور دریافت کریں گے کہ یہ کون لوگ ہیں' ان کو بتایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فحش گفتاری کو پسند کرتے تھے اور فحش بکتے تھے "شیخ ابراہیم بن میسرہؒ نے کہا ہے کہ جو کوئی فحش بات کہے گا قیامت میں اس کا منہ کتے کا ہوگا۔"

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بھی فحش میں شمار ہوتا ہے کہ جماع کی تعبیر برے الفاظ سے کریں۔ جیسے پاپی لوگوں کا شیوہ ہے اور کسی کو اس سے نسبت کرنا بھی دشنام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنے ماں باپ کو گالی دے اس پر خدا کی لعنت ہو' لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور! ایسا کام کون کرے گا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو اس کے جواب میں اس گالی دینے والے کے ماں باپ کو گالی دی جاتی ہے تو یہ گالی اسی کی طرف سے ہوئی! جماع کی بات کنایۃً کہنا چاہیے تاکہ فحش میں شمار نہ ہو' جو کچھ ہوا ہو اس کو اشاروں سے ظاہر کرے صراحتہً نہ کہے' عورتوں کے نام ظاہر نہیں کرنا چاہیے بلکہ مستورات کہنا چاہیے جب کوئی مرض میں مبتلا ہو جیسے احتناق الرحم' جذام وغیرہ تو اس کو صرف بیماری کہے ایسے الفاظ میں بھی ادب ملحوظ رکھے! اگر برے الفاظ استعمال کرے گا تو بھی یہ ایک قسم کی فحش کلامی ہوگی۔

چھٹی آفت

چھٹی آفت 'لعنت کرنا ہے' معلوم ہونا چاہیے کہ جانوروں کیڑے مکوڑوں اور لوگوں کو لعنت کرنا بھی برا ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن لعنت نہیں کرتا ہے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں ایک عورت شامل تھی اس نے ایک اونٹ پر لعنت کی سرور کونین ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ سے کجاوہ اتار کر اس کو قافلے سے باہر نکال دو کہ یہ ملعون ہے کئی روز تک وہ اونٹ ادھر ادھر پھرتا رہا اور کوئی اس کے پاس نہیں جاتا تھا۔ حضرت ابو الدرداء رضی

اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی زمین یا اور کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ چیز کہتی ہے کہ اس پر لعنت ہو جو ہماری بہ نسبت زیادہ گنہگار ہے' ایک روز حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی چیز پر لعنت کی حضور ﷺ نے ان کی لعنت سن کر فرمایا کہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو لعنت کرنا درست نہیں' رب کعبہ کی قسم آپ نے ان الفاظ کی تین بار تکرار فرمائی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس فعل سے توبہ کی اور اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کیا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ لوگوں پر لعنت کرنا درست نہیں ہے' لعنت صرف ایسے لوگوں پر کی جا سکتی ہے جو بد ہوں جیسے کہے کہ ظالموں پر لعنت ہے 'کافروں' فاسقوں اور بد مذہبوں پر لعنت ہے لیکن معتزلہ اور کرامیہ پر لعنت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں قباحت موجود ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے ہاں شرع میں جن پر لعنت موجود ہے ان پر لعنت کی جا سکتی ہے کیونکہ کسی کو کہنا کہ تجھ پر لعنت ہو" یا فلاں پر لعنت ہو۔ اسی وقت روا ہو گا کہ شریعت کی رو سے ان پر لعنت کرنا ظاہر ہو کہ وہ کفر پر ہوں جیسے فرعون اور ابو جہل پر لعنت کرنا۔ منقول ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے چند ہی کافروں پر ان کا نام لے کر' لعنت کی ہے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ مسلمان نہیں ہوں گے لیکن کسی یہودی کو مخاطب کر کے اس پر لعنت کرنا درست نہیں ہے شاید کہ موت سے قبل اس کو اسلام کی توفیق میسر ہو اور وہ اہل بہشت سے ہو جائے ممکن ہے کہ اس پر لعنت کرنے والے سے وہ بہتر ہو جائے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ مسلمان کو تو کہتے ہیں کہ "تجھ پر خدا کی رحمت ہو" حالانکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مرتد ہو کر مرے پس ہم حال ظاہر کو دیکھتے ہیں پس ہم حال ظاہر دیکھ کر کافر پر لعنت کریں گے کیونکہ وہ حال ظاہر میں کافر ہے۔ یہ غلطی ہے اور ایسا خیال کرنا خطا ہے کیونکہ "رحمت" کے معنی یہ ہیں اللہ تعالیٰ اس کو اسلام پر قائم رکھے جو رحمت کا سبب ہے ہاں یوں کہنا مناسب نہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو حالتِ کفر میں رکھے (کافر کے حق میں کہنا درست نہیں ہے اگر کوئی شخص سوال کرے کہ یزید پر لعنت کرنا درست ہے یا نہیں تو ہم جواب دیں گے کہ بس اتنا کہنا درست ہے "کہ قاتل حسینؓ پر لعنت ہو اگر وہ قبل از توبہ مر گیا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا کفر سے زیادہ نہیں ہے اور جب اس نے توبہ کر لی ہو تو لعنت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ وحشی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کے کچھ عرصہ بعد مسلمان ہو گیا تھا اور لعنت اس سے ساقط ہو گئی تھی اور یزید کا حال معلوم نہیں کہ وہ قاتل ہے' بعض کہتے ہیں کہ اس نے قتل کا حکم نہیں دیا تھا البتہ وہ قتلِ امام پر راضی تھا پس کسی کو محض تہمت کی بنا پر معصیت کی طرف منسوب کرنا درست نہیں ہے بلکہ یہ ایک تقصیر ہے' اس زمانے میں بہت سے بزرگان دین وملت قتل کیے گئے اور معلوم نہ ہوا کہ کس نے قتل کا حکم دیا تھا تو اب چار سو برس کے بعد اگر کوئی تمام عمر میں ابلیس پر ایک بار ہی لعنت نہ کرے تو اس سے قیامت میں یہ پرسش نہیں ہو گی کہ تو نے ابلیس پر لعنت کیوں نہیں کی' لیکن جب کسی شخص پر لعنت کریں گے تو آخرت کی باز پرس کا اندیشہ ہے کہ تو نے لعنت کیوں کی۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ میرے نامہ اعمال سے قیامت کے دن کلمہ لاالہ الا اللہ نکلے یا کسی پر لعنت نکلے تو مجھے یہ پسند ہے کہ کلمہ لاالہ الا اللہ نامۂ اعمال میں نکلے۔ کسی شخص نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائے تو

آپ نے ارشاد فرمایا "لعنت مت کر ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان پر لعنت کرنا اور اسے قتل کرنا دونوں یکساں ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تیرے دل کا تسبیح میں مشغول رہنا' ابلیس پر لعنت کرنے سے بہتر ہے پھر مسلمان پر لعنت کرنا کس طرح درست ہوگا اور جو شخص کسی پر لعنت کرے اور اپنے دل میں سمجھے کہ اس میں دین کی حمایت ہے تو یہ شیطان کا ایک فریب ہے' ایسا کام اکثر تعصب اور نفسانیت کی بنا پر ہوتا ہے۔

ساتویں آفت

ساتویں آفت شعر گوئی ہے یہ علی الاطلاق تو حرام نہیں ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے اشعار پڑھے گئے ہیں اور آپ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو جواب دیں اور ان کی ہجو کریں لیکن وہ شعر جس میں جھوٹ کو دخل ہو یا وہ کسی کی ہجو ہو یا جھوٹی تعریف ہو تو یہ درست نہیں ہے لیکن وہ جو تشبیہ کے طور پر کہا گیا ہے وہ درست ہے کہ تشبیہ شعر کی صفت ہے اگرچہ بظاہر دروغ ہو ایسا شعر حرام نہیں ہوگا کیونکہ مقصود اس سے یہ نہیں ہے کہ اس کی بات کا اعتقاد کر لیا جائے ایسے اشعار (عربی) حضور اکرم ﷺ کے روبرو پڑھے گئے ہیں۔

آٹھویں آفت

آٹھویں آفت مذاق اور بذلہ سنجی ہے' حضور اکرم ﷺ نے مذاق کرنے سے مطلقاً منع فرمایا ہے ہاں تھوڑی سی ظرافت کبھی کبھی مباح ہے اور حسن اخلاق میں داخل ہے بشرطیکہ اس کو عادت نہ بنالیا جائے اور حق بات کے سوائے اور کچھ نہ کہے کیونکہ زیادہ ظرافت اور بذلہ سنجی بھی وقت ضائع کرنا ہے اور ہنسی کا موجب ہوتا ہے اور ہنسی سے انسان کا دل سیاہ پڑ جاتا ہے لوگوں میں ایسا شخص سبک سر ہو جاتا ہے' کبھی مذاق سے جھگڑا بھی پیدا ہو جاتا ہے' حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میں ظرافت کرتا ہوں لیکن سوائے سچ کے کچھ اور نہیں کہتا۔" آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ' کوئی شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے ایک بات کہتا ہے اور اسی بات کی بدولت اپنے درجہ سے زیادہ گر جاتا ہے جتنا آسمان سے زمین پر گرتا اور جو بات بہت زیادہ ہنسی کا موجب ہو وہ بری ہے' ہنسی مسکراہٹ (تبسم) سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے' جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جان لو تو تھوڑا ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے۔

ایک شخص نے کسی سے دریافت کیا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ آدمی کو دوزخ سے گزرنا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّاo
اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو' تمہارے رب کے ذمے یہ ضرور بڑی ہوئی ہے)۔

اس شخص نے جواب دیا کہ ہاں میں جانتا ہوں! اس نے پوچھا کیا اس سے نکلنے کی تدبیر بھی تو جانتا ہے'؟ کہا نہیں!

تو اس شخص نے کہا کہ پھر اس صورت میں یہ ہنسی کیسی (ہنسنے کا کون سا موقعہ ہے) منقول ہے کہ شیخ عطا سلمی چالیس سال تک نہیں ہنسے' وہب ابن عود رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ لوگوں کو عید الفطر کے دن ہنستے ہوئے دیکھا تو کہا کہ اگر ان لوگوں کو خداوند تعالیٰ نے بخشدیا اور ان کے روزے قبول فرمالیے تو اس طرح ہنسنا شکر گزاری کا عمل نہیں اور اگر روزے قبول نہیں ہوئے تو پھر اس طرح ہنسنا خوف والوں کا شیوہ نہیں' ان کو زیب نہیں دیتا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جو شخص گناہ کر کے ہنسے گا وہ دوزخ میں جائے گا اور وہاں رہے گا' شیخ محمد بن واسع" فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہنسے تو تعجب کی بات ہو گی یا نہیں - لوگوں نے کہا بے شک عجیب بات ہو گی تب انہوں نے کہا کہ بس جو شخص دنیا میں ہنستا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کی جگہ دوزخ ہے یا بہشت تو یہ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات ہے -

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک اعرابی اونٹ پر سوار تھا' رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر اس نے سلام کیا اور چاہا کہ حضور ﷺ کے قریب جاکر آپ سے کچھ دریافت کرے ہر چند وہ آگے بڑھنا چاہتا لیکن اونٹ پیچھے ہٹ جاتا تھا صحابہ کرام ہنسنے لگے آخر کار اونٹ نے اس اعرابی کو گرادیا اور وہ بیچارا اس صدمے سے مر گیا' اصحاب رسول اللہ نے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) وہ شخص گر کر ہلاک ہو گیا آپ نے فرمایا ہاں تمہارا منہ اس کے خون سے بھرا ہے یعنی تم اس پر ہنس رہے تھے -

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے کہا ہے' خدا سے ڈرو اور ظرافت مت کرو' اس سے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ بد ہے جب باہم بیٹھو تو قرآن حکیم کی باتیں کرو' اگر یہ نہیں کر سکتے تو نیکوکار حضرات اور صالحین کی باتیں کرو' حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے "جب کوئی شخص کسی سے مذاق کرتا ہے تو وہ اس کی نظر میں خوار ہو جاتا ہے اور بے اعتبار بن جاتا ہے -

روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے تمام عمر شریف میں صرف چند باتیں ظرافت کی فرمائی ہیں' ایک بار ایک بوڑھی عورت سے آپ نے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی' وہ یہ سن کر رونے لگی تب آپ نے فرمایا اے عورت فکر نہ کر' اول تجھے جوانی عطا کی جائے گی اس کے بعد بہشت میں داخل کیا جائے گا -

ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میرا شوہر آپ کو بلاتا ہے آپ نے فرمایا کیا تیرا شوہر وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے ؟ وہ بولی نہیں میرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے تب آپ نے فرمایا کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو' اسی طرح ایک بار ایک عورت نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے اونٹ پر بٹھائیے ! آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹ کے بچے پر بٹھاؤں گا' اس نے کہا کہ میں اونٹ کے بچے پر نہیں بیٹھوں گی وہ مجھے گرا دے گا تب آپ نے فرمایا "کیا کوئی ایسا اونٹ بھی ہے جو اونٹ کا بچہ نہ ہو -"

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فرزند ابو عمیر تھا ان کے پاس چڑیا کا ایک بچہ تھا وہ مر گیا اور ابو عمیر رونے لگے ان کو روتا دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا "یاباعمیر مافعل النعیر لنغیرہ اے ابو عمیر نغیر کو کیا ہو گیا (نغیر چڑیا کے بچے کو کہتے ہیں) اس طرح کی ظریفانہ باتیں آپ امہات المومنین اور بچوں کے ساتھ فرماتے تھے تاکہ ان کا دل خوش ہو اور

آپ کی ہیبت ان کے دلوں سے دور ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا میرے پاس آئیں میں اس وقت دودھ میں کچھ پکا رہی تھی' میں نے ان سے کہا کہ کھاؤ! انہوں نے کہا کہ میں نہیں کھاؤں گی' میں نے کہا کہ اگر تم نہیں کھاؤ گی تو میں یہ تمہارے منہ پر مل دوں گی انہوں نے کہا کہ میں نہیں کھاؤں گی' میں نے ہاتھ بڑھا کر تھوڑا سا وہ جو کچھ پکایا تھا' ان کے منہ پر مل دیا' حضور اکرم ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے آپ نے میرے قریب سے اپنا زانوائے مبارک ہٹا لیا تا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو رستہ مل جائے اور وہ بھی میرے منہ پر اس کو مل دیں چنانچہ انہوں نے میرے منہ پر بھی اس کو مل دیا حضور ﷺ یہ دیکھ کر ہنسنے لگے۔

حضرت ضحاک ابن سفیان رضی اللہ عنہ نہایت بد صورت تھے وہ ایک دن رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہنے لگے کہ میری دو بیویاں ہیں' دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ خوبصورت ہیں' اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ایک کو طلاق دے دوں تا کہ آپ اس سے نکاح کر لیں وہ یہ بات بطور (خوش طبعی کے کہہ رہے تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ وہ عورتیں زیادہ خوبصورت ہیں یا تم! حضرت رسول اکرم ﷺ ان کا یہ سوال سن کر ہنسنے لگے۔ کیونکہ وہ مرد بہت ہی بد صورت تھا (یہ واقعہ حکم حجاب سے پہلے کا ہے)۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم خرما کھا رہے ہو اور تمہاری آنکھ آشوب کر آئی ہے! انہوں نے کہا کہ میں دوسری طرف سے کھا رہا ہوں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا" خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کو عورتوں سے بہت رغبت تھی ایک دن وہ مکہ معظمہ میں ایک راستے پر عورتوں کے ساتھ کھڑے تھے حضور ﷺ اس طرف تشریف لائے یہ حضور ﷺ کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے حضور ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ یہاں کس کام سے کھڑے ہو انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک سرکش اونٹ ہے' اس اونٹ کے لیے ان عورتوں سے رسی بٹوا رہا ہوں یہ سن کر حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے ایک بار پھر حضرت خوات رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اے خوات رضی اللہ عنہ کیا اونٹ نے سرکشی نہیں چھوڑی حضرت خوات رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں بہت شرمندہ ہوا اس کے بعد حضور اکرم ﷺ جب کبھی مجھے دیکھتے تو یہی فرماتے' ایک دن حضور اکرم ﷺ دراز گوش پر سوار تھے اور آپ دونوں پاہائے مبارک ایک طرف کئے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر فرمانے لگے اے فلاں! اب اس سرکش اونٹ کا کیا حال ہے؟ تب میں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس معبود کی جس نے آپ کو رسالت عطا فرمائی ہے کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں میرے اونٹ نے سرکشی نہیں کی ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر اللھم اھد ابا عبداللہ۔ اس کے بعد حضرت خوات رضی اللہ عنہ کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور آپ ثابت قدم مسلمان بن گئے۔

نعمان انصاری رضی اللہ عنہ بہت ظریف الطبع تھے' شراب پیتے تھے کئی بار ان کو رسول خدا ﷺ کی خدمت میں لا کر جوتیوں سے مارا گیا ایک صحابی نے ان سے کہا' اللہ کی تم پر لعنت ہو! کب تک شراب پیتے رہو گے! یہ سن کر حضور ﷺ نے

فرمایا اس پر لعنت مت کرو کیونکہ یہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے، نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ مدینہ منورہ میں جب کوئی نیا میوہ آتا تو وہ اس کو رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے اور کہتے یہ ہدیہ ہے جب اس کا مالک قیمت طلب کرتا تو وہ اس کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر کے کہتے کہ تمہارا میوہ حضور ﷺ نے کھایا ہے آپ ہی سے قیمت مانگو، رسول اللہ ﷺ ان کی اس بات پر تبسم فرماتے اور قیمت ادا فرما کر نعمان رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ تم کیوں لائے تھے وہ جواب دیتے کہ میرے پاس مال نہیں ہے کہ میں اس کو خرید تا اور میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا تھا کہ اس نئے میوہ کو آپ سے پہلے کوئی کھائے۔

حضور اکرم ﷺ کی تمام پاکیزہ زندگی میں صرف یہی چند بذلہ سنجیاں ہیں اور ان میں کوئی قباحت موجود نہیں ہے اور نہ ان باتوں سے کسی کو رنج پہنچنے کا امکان ہے اور نہ ایسا تھا کہ ان باتوں سے رعب نبوت میں فرق پیدا ہو سکے پس بذلہ سنجی گاہ گاہ کرنا سنت ہے البتہ ہمیشہ ایسا ہی کرنا درست نہیں۔

نویں آفت

کسی کا مذاق اڑانا ہے اور اس کی بات یا اس کے فعل کو اس طرح نقل کرنا کہ دوسرے کو ہنسی آئے اور وہ شخص جس کی نقل اتاری ہے رنجیدہ ہو اور یہ حرام ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَایَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ (اور نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے اس گناہ کے بارے میں غیبت کرے جس سے اس نے توبہ کر لی ہے تو غیبت کرنے والا اس گناہ میں گرفتار ہو کر رہے گا۔ اسی طرح گناہ سرزد ہونے پر بھی ہنسنے سے منع کیا گیا ہے کہ اس چیز پر کوئی شخص کیوں ہنسے جو خود اس سے بھی سرزد ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی استہزا کرے اور دوسرے لوگوں پر ہنسے تو قیامت کے دن بہشت کا دروازہ کھولیں گے اس کو بلائیں گے مگر اس کو اندر داخل نہیں ہونے دیں گے جب وہ لوٹے گا تو پھر اس کو بلائیں گے اور دوسرا دروازہ کھولیں گے اسی طرح چند بار کیا جائے گا کہ جب وہ نزدیک آئے گا دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر ہر چند اس کو بلایا جائے گا لیکن وہ نہیں آئے گا کیونکہ وہ سمجھے گا کہ اس کی تحقیر کی جارہی ہے۔"

بذلہ سنجی پر ہنسنا یا ایسی کسی بات پر جس سے کوئی آزردہ نہ ہو حرام نہیں ہے یہ خوش طبعی میں داخل ہے یہ اس وقت حرام ہو گا کہ اس سے کوئی آزردہ ہو۔

دسویں آفت

دسویں آفت جھوٹا وعدہ کرنا ہے حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ

تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک بھی جس شخص میں پائی جائے وہ منافق ہے خواہ نماز اور روزے کا پابند ہو۔ ایک یہ کہ جھوٹ بولتا ہو' دوسرے وعدہ خلافی کرتا ہو' تیسرے امانت میں خیانت کرتا ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ وعدہ قرض کی طرح ہے یعنی اس کا خلاف کرنا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف میں فرمایا ہے۔ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ۔ کہتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام نے کسی مقام پر کسی سے ملنے کا وعدہ کیا اور وہ شخص نہیں آیا آپ نے تین دن تک وہاں اس کا انتظار کیا تاکہ وعدہ پورا ہو جائے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ﷺ سے بیعت کی اور میں نے کہا کہ میں فلاں جگہ آپ سے ملاقات کے لیے آؤں گا' میں بھول گیا تیسرے دن مجھے یاد آیا تو میں وہاں گیا آپ وہاں (میرے انتظار میں) موجود تھے آپ فرمانے لگے اے جوانمر! تین دن سے میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں" حضور ﷺ نے ایک شخص سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب تم آؤ گے تمہاری حاجت بر لاؤں گا جب فتح خیبر سے مالِ غنیمت آیا تو اس شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا' آپ نے فرمایا کہو کیا چاہتے ہو۔ اس نے اسی بھیڑیں مانگی آپ نے اس کو عطا فرمادیں اور فرمایا تم نے تو بہت کم مانگا' اس عورت نے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش کا پتہ دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں تیری حاجت پوری کروں گا' اس [illegible] سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مانگا تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (پتہ بتانے کے بعد) اس عورت سے پوچھا کیا مانگتی ہے تو اس نے کہا کہ مجھے جوانی عطا کریں اور میں بہشت میں آپ کے ساتھ رہوں۔" اس واقعہ کے بعد سے وہ شخص عرب میں ضرب المثل بن گیا' لوگ مثل کے طور پر کہنے لگے کہ فلاں شخص تو اس اسی بھیڑیں مانگنے والے شخص سے بھی کم مانگنے والا ہے۔ پس آدمی کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے وعدہ بالجزم نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ جب وہ وعدہ فرماتے تو ارشاد فرماتے' شاید میں یہ کر سکوں۔" لہٰذا جب تم وعدہ کرو تو حتی المقدور اس کے خلاف نہ کرو مگر جب کوئی خاص ضرورت پیدا ہو جائے۔ (اور وعدہ وفا نہ ہو سکے) اگر کسی شخص سے کسی جگہ ملنے کا وعدہ کیا ہے تو اس جگہ اگلی نماز کے وقت تک ٹھہرنا ضروری ہے' اسی طرح جب ایک چیز کسی کو دے دو تو پھر اس کو لینا وعدہ خلافی سے بدتر ہے' حضور اکرم ﷺ نے ایسے شخص کی مثال اس کتے سے دی ہے جو قے کر کے پھر اس کو چاٹ لیتا ہے۔

گیارہویں آفت

جھوٹ بات کہنا اور جھوٹی قسم کھانا گیارہویں آفت ہے اور یہ بڑا گناہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "دروغ" نفاق کا ایک دروازہ ہے آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ بندے کی ایک ایک دروغ بات خداوند تعالیٰ کے حضور میں لکھی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دروغ گوئی "رزق" کی کمی کا سبب ہوتی ہے' آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے' تاجر لوگ فاجر ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یا رسول کیا خرید و فروخت حلال نہیں ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ قسم کھاتے ہیں اور گنہگار بنتے ہیں پھر جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ افسوس ہے اس شخص پر جو دوسروں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے افسوس ہے اس پر

افسوس ہے اس پر۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ 'معراج کی شب میں نے دو لوگوں کو دیکھا کہ ان میں سے ایک کھڑا ہے اور دوسرا بیٹھا ہے جو شخص کھڑا تھا اس بیٹھے ہوئے شخص کے منہ میں لوہے کا آنکڑا ڈال کر اس کے کلہ کو اتنا کھینچ رہا تھا کہ اس کا کلہ اس کے کندھے تک پہنچ جاتا تھا پھر اسی طرح اس کے دوسرے کلہ کو کھینچتا تب پہلا کلہ اپنی جگہ پر پہنچ جاتا تھا اور یہ عمل جاری تھا' میں نے جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ یہ کون ہے ؟ انہوں نے کہا کہ یہ "دروغگو" ہے اس کو قبر میں اس طرح کا عذاب دیا جارہا ہے اور عذاب کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضرت عبداللہ ابن جراد رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا مومن زنا کرسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا شاید (ممکن ہے) پھر فرمایا مومن جھوٹ نہیں بولے گا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی'

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ٥ (جھوٹ وہ لوگ بولیں گے جو صاحب ایمان نہیں ہیں)

حضرت عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا دو سالہ بچہ کھیلنے کے لیے باہر جارہا تھا میں نے اس سے کہا کہ (مت جاؤ) میں تجھے کچھ (کھانے کو) دوں گا اس وقت حضور اکرم ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے' آپ نے دریافت کیا کہ تم اس بچے کو کیا دو گے ؟ میں نے عرض کیا کہ اس کو خرما دوں گا' آپ نے فرمایا اگر تم کچھ نہ دیتے تو یہ تمہارا جھوٹ لکھا جاتا۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں تم کو خبر دوں کہ گناہ کبیرہ کیا ہے ؟ وہ شرک ہے اور ماں باپ کی نافرمانی۔ حضور ﷺ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے ؟ تب آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا ہوشیار ہو جھوٹ بات کہنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے 'جو بندہ جھوٹ بولتا ہے فرشتہ اس کی بدبو سے ایک کوس دور بھاگتا ہے' اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ بات کرتے وقت اگر چھینک آئے تو سچ بولنے پر گواہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ چھینک فرشتے کی طرف سے ہے اور جماہی شیطان کی طرف سے پس کہی جانے والی بات اگر جھوٹ ہوتی تو فرشتہ موجود نہ رہتا اور چھینک نہ آتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو کوئی کسی کے جھوٹ کو روایت کرتا ہے وہ بھی جھوٹا ہوتا ہے' اور فرمایا ہے جو کوئی جھوٹی قسم سے کسی کا مال ہتھیالیتا ہے حق تعالیٰ کو وہ قیامت میں اس طرح دیکھے گا کہ اس پر عتاب ہوتا ہوگا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مومن سے ہر ایک تقصیر ہو سکتی ہے لیکن وہ خیانت نہیں کرے گا اور جھوٹ نہیں بولے گا! جناب میمون ابن شبیبؒ کہتے ہیں کہ میں خط لکھ رہا تھا اسی دم ایک بات دل میں آئی کہ اگر خط میں اس کو تحریر کرتا تو حسنِ بیان میں اضافہ ہوتا لیکن وہ بات جھوٹ تھی پس میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ اس کو نہیں لکھوں گا' اسی وقت میں نے ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے سنا۔

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ (قائم رکھے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو لا الہ الا اللہ پر دنیاوی زندگی اور آخرت میں)۔

جناب ابن سماکؒ کہتے ہیں کہ میں جھوٹ اس وجہ سے کچھ نہیں بولتا کہ مجھے اس پر اجر ملے گا بلکہ میں اس وجہ سے جھوٹ نہیں بولتا ہوں کہ مجھے اس سے ننگ و عار آتی ہے۔

☆..........☆..........☆

فصل

دروغ کیوں حرام ہے؟

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ دروغ اس وجہ سے حرام کیا گیا ہے کہ یہ دل پر اثر کرتا ہے اور دل کو تیرہ و تاریک بنا دیتا ہے البتہ جہاں کہیں یہ مصلحت کی بنا پر بولا جائے اور بولنے والا اس سے بیزار ہو۔ (اس کو پسند نہ کرے) تو روا ہے کیونکہ جب اس سے کراہت کی جائے گی تو دل اس سے تاریک نہیں ہوگا اور جب کسی بھلائی کے خیال سے جھوٹ بولے گا تو دل تاریک نہیں ہوگا اگر کوئی مسلمان کسی ظالم سے بھاگا ہے تو مناسب نہیں ہے کہ اس کا صحیح پتا بتایا جائے بلکہ اس مقام پر جھوٹ کہنا واجب ہوگا، حضور اکرم ﷺ نے تین موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے ایک جنگ میں کہ آدمی اپنا ارادہ دشمن پر ظاہر نہ کرے کہ دوسرے جب دو شخصوں میں صلح کرانا مقصود ہو تو ہر ایک کی طرف سے اچھی بات بیان کرے اگرچہ حقیقت میں نہ کہی گئی ہو، تیسرا مقام یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہیں تو اگر ہر ایک سے وہ یہ کہے کہ میں تجھ سے بہت پیار کرتا ہوں، اگر کوئی ظالم کسی کے مال کا سراغ دریافت کرے تو اس کو چھپانا اور مخفی رکھنا درست ہے اور اگر کوئی شخص کسی کا راز معلوم کرنا چاہے تو بھی سچ نہ بولے اسی طرح اگر کسی کی معصیت اور گناہ کو ظاہر کرنے سے انکار کرے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ شرع کا حکم ہے کہ لوگوں کے عیب چھپاؤ، جب کوئی بیوی وعدہ کئے بغیر طاعت نہیں کرتی تو مرد اس سے وعدہ کرے خواہ اس کے ایفاء کی اس میں معذرت نہ ہو بس ایسی صورتوں میں دروغ گوئی روا ہے۔

دروغ گوئی کی حقیقت

دروغ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بات کہنے کے لائق نہیں ہے لیکن جہاں راست گوئی سے قباحت پیدا نہیں ہوتی ہو تو ایسے موقع پر چاہیے کہ ان دونوں کو عدل کی ترازو میں تولے اگر راست گوئی کا نقصان دروغ سے زیادہ سے جیسے دو شخصوں کی لڑائی، میاں بیوی کا بگاڑ، مال کا زیاں، راز کا افشاء ہونا یا کسی معصیت کے اعتبار سے سوا ہونا، ان تمام صورتوں میں دروغ گوئی مباح ہے کیونکہ ان تمام باتوں کی قباحت، دروغ کی برائی سے زیادہ ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جب بھوک سے مر جانے کا اندیشہ ہو تو مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے کیونکہ جان کی حفاظت، مردار کے کھانے کی قباحت سے زیادہ اور اہم ہے، اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا درست نہیں ہوگا پس وہ دروغ جو کوئی شخص مال و زر کی زیادتی کے لیے یا خود ستائی اور لاف زنی یا اپنا بلند مرتبہ ظاہر کرنے کے لیے بولے گا تو وہ حرام ہوگا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنی سوکن کو آزردہ کرنے کے لیے اپنے شوہر کی مہربانیاں

اپنے حال پر' اپنے دل سے بنا کر بیان کروں تو کیا یہ درست ہو گا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص ایسی خبر کو جو حقیقت میں نہ ہو' خود دل سے گڑھ کر بیان کرے گا وہ اس شخص کے مانند ہو گا جس نے دغا کے دو لباس پہنے ہوں یعنی وہ خود بھی جھوٹ بولا اور دوسرے کو بھی غلطی میں مبتلا کیا کہ اگر وہ اس بات کو دوسرے سے کہے تو دروغ ثابت ہو۔

البتہ بچے کو مدرسے بھیجنے کے لیے اس سے وعدہ کرنا روا ہے خواہ وہ وعدہ دروغ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کو بھی لکھا جاتا ہے اور جو دروغ مباح ہے اس کو بھی لکھتے ہیں اور سوال کیا جاتا ہے کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اگر وہ اس کا مناسب جواب یا سبب بیان کرے گا تو وہ اس کے لیے مباح ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص ایک بات روایت کرتا ہے اور کوئی اس سے اس سلسلے میں دریافت کرے اور وہ اس کا جواب دے در آں حالانکہ وہ اس کا جواب نہیں جانتا ہو تو یہ جرم ہو گا لوگ عموماً ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ ان کی عزت و وقار میں فرق نہ آئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خیرات اور اس کے ثواب کے بارے میں حدیثیں وضع کرنا درست ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی حرام ہے (گروہے روا داشتہ اند کہ اخبار دہند از رسول ﷺ اندر فرمودن خیرات و ثواب آں' آں نیز حرام است کیمیائے سعادت ص ۴۸۲ چاپ تہران)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو کوئی مجھ سے جھوٹ کو منسوب کرے' میری طرف سے جھوٹ بات کرے' اس سے کہہ دو کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے "پس سوائے اس مصلحت کے جس کا شرعاً اعتبار ہے' دروغ گوئی درست نہیں ہے کہ وہ بات محض ظن پر مشتمل ہے (یعنی ظنی ہے) یقینی نہیں ہے لہٰذا زیادہ مناسب یہ ہے کہ جب تک یقین نہ ہو اور شدید ضرورت پیش نہ آئے جھوٹ نہ بولے۔"

فصل

دروغ کے پسندیدہ اور ناموزوں و غیر پسندیدہ جملے

معلوم ہونا چاہیے کہ جب بزرگان سلف کو (مصلحتاً) جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ حیلہ کرتے اور ایسی بات کہتے جو حقیقت میں راست ہوتی لیکن سننے والا اس سے کچھ اور مطلب سمجھتا ایسی باتوں کو معاریض' کہتے ہیں' منقول ہے کہ شیخ مطرف جب امیری کے پاس پہنچے تو امیر نے کہا کہ آپ ہمارے پاس بہت کم آتے ہیں! شیخ مطرف نے جواب دیا کہ جب سے امیر کے پاس سے گیا ہوں میں نے زمین سے پہلو نہیں اٹھایا مگر جب اللہ تعالیٰ نے مجھے قوت دی تب پہلو اٹھایا' امیر نے ان کے اس قول سے یہ سمجھا کہ یہ بیمار تھے اور شیخ مطرف نے جو کچھ کہا اس میں صداقت تھی! امام شعبی نے اپنی کنیز سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی ان کے بلانے کو آئے تو وہ گھر کے دروازے کے سامنے ایک دائرہ کھینچ کر اس میں اپنی انگلی رکھ کر کہے کہ وہ صاحب خانہ اس میں نہیں ہیں یا یہ کہہ دے کہ ان کو مسجد میں تلاش کرو۔ حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ)

جب اپنے منصب (امارت) سے فارغ ہو کر واپس آئے تو ان کی بیوی نے کہا کہ تم اتنے عرصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عامل رہے، میرے واسطے کیا تحفہ لائے، انہوں نے کہا کہ ایک نگہبان میرے ساتھ رہا کرتا تھا- اس وجہ سے میں کچھ نہ لا سکا اور انہوں نے اس وقت نگہبان سے مراد ذاتِ خداوندی لی تھی، اور ان کی بیوی یہ سمجھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر کسی ناظر کو مقرر کر دیا تھا، حضرت معاذ رضی اللہ کی بیوی نے حضرت عمر رضی اللہ کے پاس جا کر شکایت کی کہ (حضرت) معاذ رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے امانت دار تھے لیکن آپ نے ان پر مشرف و ناظر کو بھیجا! (ان کی امانت پر شبہ کیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا قصہ دریافت کیا جب انہوں نے تمام واقعہ بیان کیا تو آپ ہنسنے لگے اور آپ کو کچھ بطور انعام دیا کہ اپنی بیوی کو جا کر دے دیں-

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حیلہ بھی اس وقت روا ہے جبکہ اس کی ضرورت ہو اگر ضرورت نہ ہو تو لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا درست نہیں ہے خواہ سخن راست ہی کیوں نہ ہو حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں اور میرے والد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے، میں اس وقت عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا جب ہم وہاں سے واپس ہوئے تو لوگ کہنے لگے کہ یہ خلعت امیر المومنین نے دی ہے! میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ سن کر میرے والد نے فرمایا کہ اے فرزند ہرگز جھوٹ نہ بولو اور جھوٹ کے مانند بھی بات زبان سے نہ نکالو تمہاری یہ بات (یعنی جواب) جھوٹ سے شابہہ ہے-

الغرض مقصود کچھ ہو جیسے خوش طبعی یا کسی کا دل خوش کرنا تو اس طرح کہنا مباح ہو گا جس طرح حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ "بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی، میں تجھے اونٹ کے بچے پر بٹھاؤں گا، تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے، (ان جملوں کی تفصیل قبل بیان کی جاچکی ہے) اگر ایسی بات کہنے میں کچھ مضرت ہو تو نہ کہے مثلاً کسی کو یہ کہہ کر فریب دینا کہ فلاں عورت تیری طرف مائل ہے تاکہ وہ شخص اس کا مشتاق ہو، اگرچہ کچھ ضرر نہ ہو اور محض مذاق کے طور پر دروغ کہے تو یہ معصیب تو نہیں ہے لیکن قائل کمال ایمان کے درجہ سے گر جائے گا-

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "آدمی کا ایمان اس وقت کامل ہو گا کہ مخلوق کی نسبت بھی وہ بات پسند نہ کرے جو اپنی نسبت پسند نہیں کرتا ہے اور جھوٹا مذاق بھی نہیں کرنا چاہیے کہ وہ بھی اسی قسم سے ہے" اکثر لوگ کہتے ہیں کہ تجھے سوبار تلاش کیا یا سوبار تیرے گھر آیا۔ ایسی بات حرام کے درجے کو تو نہیں پہنچے گی کیونکہ سننے والا جانتا ہے کہ اس کلام سے مقصود گنتی اور عدد نہیں ہے بلکہ کثرت کا اظہار مقصود ہے اگرچہ حقیقت میں وہ اتنی تعداد میں نہ ہو البتہ اگر بہت تلاش نہیں کیا ہے تب یہ جھوٹ بات ہو گی یہ عموماً ایک عادت سی ہے کہ کسی سے کہا گیا کچھ کھالو اور اس نے جواب دیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے پس اگر وہ بھوکا ہے تو ایسا کہنا درست نہیں ہے-

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شب عروسی کو دودھ کا ایک پیالہ موجودہ عورتوں کو دیا کہ وہ اسے پیئں انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو حاجت نہیں ہے یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا جھوٹ اور بھوک کو باہم جمع

مت کرو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اتنی بات بھی جھوٹ میں شمار ہو گی آپ نے فرمایا ہاں۔ اس کو جھوٹ میں لکھا جائے گا اگر دروغ کم درجے کا ہو گا تو کم درجے کا جھوٹ لکھا جائے گا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی آنکھ دکھ رہی تھی' ان کی آنکھ کے کونے (گوشہ) میں کوئی چیز (کیچڑ) جمع ہو گئی لوگوں نے کہا کہ اگر اس کو صاف کرلو تو کیا نقصان ہے! انہوں نے کہا کہ میں نے طبیب سے وعدہ کیا ہے کہ میں آنکھ کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا اب اگر میں اس کو صاف کرلوں تو یہ میری دروغ گوئی ہو گی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جھوٹی بات پر حق تعالیٰ کو گواہ بنائیں اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ بات اسی طرح ہے اور حقیقت میں وہ بات اس طرح نہ ہو' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے' جو جھوٹا خواب بیان کرے گا قیامت کے دن اس کو حکم دیا جائے گا کہ جو کے دانے پر گرہ لگائے۔

بارہویں آفت

بارہویں آفت غیبت ہے یہ بلا عالمگیر ہے شاید ہی کوئی شخص ہو (عام آدمی مراد ہے) جو اس سے بچا ہو' یہ زبردست گناہ ہے' حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں غیبت کرنے والے کو "مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے والے سے تشبیہ دی ہے اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے غیبت سے پرہیز کرو کیونکہ غیبت زنا سے بدتر ہے' زانی کی توبہ تو قبول کرلی جاتی ہے لیکن غیبت کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی جب تک وہ شخص جس کی غیبت کی گئی ہے' معاف نہ کردے' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ معراج کی شب میرا گذر ایک ایسی جماعت پر ہوا جو اپنے منہ کا گوشت ناخن سے نوچ رہے تھے' مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے تھے۔

حضرت سلیمان بن جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز سکھلایئے جو میری دستگیری کرے تو آپ نے فرمایا کہ خیر کو ترک مت کر خواہ وہ اتنی کم ہی کیوں نہ ہو جیسے تم اپنے ڈول سے کسی کے آبخورے میں پانی ڈال دو اور مسلمان بھائی کے ساتھ کشادہ پیشانی رہو اور جب لوگ تمہارے پاس سے (ملاقات کے بعد) جائیں تو ان کی غیبت نہ کرو حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ "جو غیبت سے توبہ کر کے مرے گا وہ سب سے آخر میں بہشت میں داخل ہو گا اور اگر بغیر توبہ کے مر جائے گا تو سب سے آگے دوزخ میں جائے گا۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا' دو قبروں پر آپ کا گزر ہوا' آپ نے فرمایا ان دونوں مردوں پر عذاب ہو رہا ہے' ان میں سے ایک شخص غیبت کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے بعد خود کو پاک نہیں کرتا تھا آپ نے کھجور کی ایک شاخ لے کر دو ٹکڑے کیے اور ان دونوں قبروں میں شاخ کے دونوں ٹکڑے گاڑ دیئے اور فرمایا جب تک یہ شاخیں نہیں سوکھیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

سرور کائنات ﷺ کے سامنے ایک شخص نے زنا کا اقرار کیا اس کو سنگسار (رجم) کر دیا گیا' حاضرین میں سے ایک

شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس کو اس طرح بٹھایا تھا جیسے کتے کو بٹھاتے ہیں (یا وہ اس طرح بیٹھا تھا جیسے کتا بیٹھتا ہے) پھر حضور اکرم علیہ السلام کے ساتھ ان لوگوں کا گذر ایک مردار پر ہوا آپ نے غیبت کرنے والے شخص سے کہا کہ تم اس مردار کو کھاؤ' اس نے عرض کیا کہ مردار کو کس طرح کھاؤں۔ آپ نے فرمایا وہ جو تم نے ابھی اپنے بھائی کا گوشت کھایا وہ اس مردار سے بھی بدتر تھا اور گندہ تھا اور غیبت سننے والے سے فرمایا کہ غیبت سننا بھی معصیب میں شرکت ہے۔"

حضرات صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ایک دوسرے سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے' ایک دوسرے کی غیبت نہیں کرتے تھے اور اس کو عبادت سمجھتے تھے اور اس کے خلاف کرنے کو نفاق جانتے تھے' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عذاب قبر کے تین حصے ہیں' ایک حصہ غیبت' دوسرا حصہ غمازی' اور تیسرا حصہ پیشاب سے پاک نہ ہونا ہے۔ (یعنی استنجانہ کرنا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں کے ساتھ ایک مرے ہوئے کتے کے قریب سے گزرے ان کے بعض حواریوں نے کہا' کیسا بدبودار ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے دانت کی سفیدی تو دیکھو! کس قدر اچھی ہے' یہ کہہ کر آپ نے ان کو غیبت سے روکا اور فرمایا کہ مخلوقات میں سے کسی چیز کو دیکھو تو اس کی خوبی زبان پر لاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے سے ایک سور (خنزیر) گزرا آپ نے کہا سلامتی کے ساتھ جا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے خوک کے لیے ایسا اچھا کلمہ استعمال فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں زبان کو اچھی بات کہنے کا خوگر اور عادی بنا رہا ہوں۔

فصل

غیبت کیا ہے؟

معلوم ہونا چاہیے کہ غیبت یہ ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں ایسی بات کہی جائے جو اس کو ناگوار گزرتی ہو اگرچہ کہنے والے نے سچ بات کہی ہو' اگر وہ بات جو (عدم موجودگی میں) کہی گئی ہے دروغ اور جھوٹ ہے تو یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ ایسی ہر ایک بات جس سے کوئی برائی ظاہر ہوتی ہو خواہ اس کا تعلق' اس کے لباس' جسم اس کے فعل یا قول کے بارے میں کہی جائے مثلاً جسم کے بارے میں کہا جائے کہ وہ طویل القامت ہے یا سیاہ فام یا زرد فام ہے یا گربہ چشم ہے (کنجی آنکھ والا) یا احوال (ڈھیرا) ہے یا کسی کے باپ کے بارے میں کہا جائے جیسے ہندو بچہ! ممامی بچہ "یا جولاہے کی اولاد یا اخلاق کے بارے میں کہا جائے کہ وہ بدخو ہے یا متکبر زبان دراز' بزدل اور کمزور ہے یا افعال کے بارے میں ہو کہ وہ چور ہے یا خائن ہے' بے نمازی ہے' نماز میں تعدیل ارکان نہیں کرتا' قرآن پاک غلط پڑھتا ہے یا اپنے لباس کو پیشاب سے محفوظ نہیں رکھتا ہے یا زکوٰۃ نہیں دیتا ہے حرام کا مال کھاتا ہے زبان چلاتا ہے' بہت کھاتا ہے' (پیٹو ہے) بہت سوتا ہے یا لباس کے بارے میں کہا جائے کہ ڈھیلی آستین کا کپڑا پہنتا ہے یا دراز دامن ہے یا میلا کچیلا لباس پہنتا ہے۔

حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم ایسی بات کہو کہ اس کے سننے سے کوئی آزردہ خاطر ہو تو وہ غیبت ہے اگرچہ تمہارا وہ قول سچ ہو' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک عورت کے بارے کہا کہ وہ پست قد ہے تو حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے غیبت کی ہے تم تھوک دو' جب میں نے تھوکا تو منہ سے سیاہ خون کا لوتھڑا (تکہ) نکلا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جب کبھی کسی گنہگار کا تذکرہ کیا جائے تو وہ غیبت نہیں ہے کیونکہ ایسے شخص کی مذمت کرنا دینداری ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بلکہ کسی کو فاسق' شراب خوار اور بے نمازی بھی نہ کہو البتہ اگر کوئی عذر ہو تو کہا جاسکتا ہے چنانچہ اس کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ غیبت وہ ہے جس سے آدمی کو کراہت پیدا ہو اور یہ سب باتیں سچ ہوں جب اس کے کہنے میں کچھ فائدہ نہیں تو نہ کہو۔

غیبت صرف زبان سے کہنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہاتھ' آنکھ کنایے اور اشاروں سے بھی غیبت ہو سکتی ہے یہ سب حرام ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ فلاں عورت پست قد ہے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے غیبت کی ہے' اسی طرح لنگڑے کی طرح چلنا' ڈھیری آنکھ بنانا' تاکہ کسی کا حال اس سے ظاہر ہو یہ سب غیبت ہے اگر نام لے کر کہے اور کہے کہ ایک شخص نے ایسا کیا تو یہ غیبت نہیں ہے مگر جب حاضرین کو معلوم ہو جائے کہ اس سے مراد فلاں شخص ہے تو اس طرح روایت کرنا بھی حرام ہے کیونکہ قائل کا مقصود سمجھانا ہے وہ کسی طرح پر بھی ہو۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ غیبت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ غیبت نہیں ہے مثلاً جب کسی کا ذکر ان کے سامنے آتا ہے تو کہتے ہیں الحمد للہ خدا نے ہم کو اس بات سے محفوظ رکھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص ایسا کام کرتا ہے مثلاً کہے کہ فلاں شخص تو بہت نیک تھا لیکن وہ بھی دنیا والوں میں پھنس گیا اور وہ بھی ہماری طرح مخلوق میں مبتلا ہو گیا اب خدا معلوم کہ کب نجات پائے گا' اسی قبیل کی اور باتیں کہتے ہیں اور کبھی اپنی مذمت اس طرح کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے کی مذمت ظاہر ہو اور کبھی جب ان کے سامنے کسی کی غیبت کی جاتی ہے تو اس بات پر اظہار تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انوکھی بات ہے تاکہ غیبت کرنے والا ہوشیار ہو جائے اور دوسرے بھی واقف ہو جائیں اور جو بے خبر تھے وہ بھی اس بات کو سن لیں یا کہتے ہیں کہ بھئی ہم کو تو اس کے بارے میں سن کر بہت رنج پہنچا حق تعالیٰ محفوظ رکھے مقصود یہ ہے کہ دوسرے لوگ آگاہ ہو جائیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کا ذکر درمیان میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ ہم کو توبہ کی توفیق نصیب کرے تو کہ لوگ سمجھ لیں کہ فلاں شخص نے گناہ کیا ہے یہ تمام باتیں غیبت میں شامل ہیں اور جب اس طرح بیکار باتوں سے مطلب پورا ہوتا ہو تو اس میں نفاق بھی پایا جاتا ہے کہ خود کو پارسا اور غیبت سے بیزار بنایا جارہا ہے بس اس میں دو گناہ ہوئے اور نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم نے غیبت نہیں کی ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والے سے کہتے ہیں چپ ہو جا بدگوئی مت کر لیکن دل سے اس کو برا نہیں سمجھتے تو ایسے لوگ منافق ہیں اور غیبت کرنے والے بھی ہیں' جب آدمی کسی کی غیبت کو سنتا ہے تو اس میں شریک ہو جاتا ہے ہاں اگر دل سے بیزار ہو تو غیبت میں شریک نہیں ہے۔

ایک روز حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کہیں جا رہے تھے ان میں سے ایک حضرت نے دوسرے صاحب سے کہا کہ فلاں شخص بہت سوتا ہے جب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور کھانا کھانے بیٹھے) تو ان حضرات نے سالن طلب کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تم سالن تو کھا چکے ہو انہوں نے عرض کیا کہ ہم دونوں کو پتہ نہیں کہ ہم نے کیا کھایا ہے آپ نے فرمایا تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے' حضرت ﷺ نے ان دونوں حضرات کو اس میں شریک کیا کیونکہ ایک نے کہا تھا اور دوسرے صاحب نے سنا تھا۔

اگر کوئی شخص دل سے برا جانتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کر کے غیبت سے روکے تب بھی خطا ہے کہ اس میں صراحت اور کوشش کے ساتھ زبان سے منع کرنا ضروری تھا تا کہ غائب کا حق جالانے میں تقصیر وارد نہ ہو' حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کسی مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور سننے والا اس کی حمایت نہ کرے اور اس کو چھوڑ دے (خود منع نہ کرے) تو حق تعالیٰ اس کو ایسے وقت میں چھوڑ دے گا جبکہ وہ نجات کا محتاج ہو۔

فصل

دل سے غیبت کرنا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح زبان سے

جس طرح کسی کا عیب دوسرے سے کہنا درست نہیں ہے اسی طرح اپنے دل سے بھی کہنا درست نہیں ہے' دل سے غیبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم کسی کے بارے میں بد گمانی کرو بغیر اس کے کہ تم نے کوئی برا کام اس سے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا کانوں سے سنا ہو یا اس کے برے کام پر تم کو یقین ہو۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کا خون ان کا مال اور ان سے بد گمانی' ان تینوں باتوں کو حرام کیا ہے اور جو بات کسی کے دل میں آئے اور اس پر یقین نہ ہو اور دو شاہد عادل نے اس کی خبر نہ دی ہو تو سمجھ لے کہ شیطان نے اس کے دل میں ڈالی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا فاسق کی بات باور مت کرو' اور شیطان جیسا فاسق کوئی اور نہیں ہے' اور وہ حرام ہے کہ اپنے دل کو اس بات سے تسکین دے لیکن اگر غیر اختیاری طور پر کوئی خطرہ دل میں گزرے (بد گمان) اور اس سے کراہت کرے تو اس میں وہ ماخوذ نہیں رہے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن گمانِ بد سے خالی نہ ہو گا لیکن اس کی سلامتی اس میں ہے کہ اپنے دل میں خیال نہ کرے اور جب تک احتمال کی گنجائش ہو نیک گمان کو دل میں جگہ دے' دل میں گمان بد کی تحقیق کرنے کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں وہ شخص بے قدر ہو جائے گا اور اس کی خاطر داری میں اس شخص سے قصور سرزد ہو گا اور جب دل اور زبان دونوں سے اس کے ساتھ مروت میں مثل اول (سابق) کے رہے تو سمجھ کہ دل میں یہ تحقیق بد گمانی نہیں ہے لیکن اگر ایک شاہد عادل سے سنا تو توقف کرنا چاہیے لیکن شاہد کو بھی دروغ گو نہ سمجھے کیونکہ شاہد عادل سے بد گمانی بھی درست نہیں ہے بلکہ خبر دہندہ فاسق سے بھی بد گمان نہ ہو اور کہے

کہ دونوں کے حال سے میں خوب باخبر نہیں ہوں ہاں اگر یہ جان لے کہ دونوں میں عداوت یا حسد ہے تب توقف کرنا اولیٰ اور افضل ہے البتہ اگر قائل کو بہت عادل سمجھتا ہے تو اس کی بات کو باور کرے۔

جب کوئی شخص کسی سے بدگمان ہو تو اس سے دوستی بڑھائے تاکہ شیطان غضب ناک ہو اور بدگمانی کم ہو جائے اور جب کسی کا عیب بالیقین معلوم ہو جائے تو پھر اس کی غیبت نہ کرے البتہ خلوت میں اس کو نصیحت کرے مگر عجز اور تواضع کے ساتھ بلکہ اس نصیحت کے وقت خود بھی غمگین ہو تاکہ ایک مسلمان کے سبب سے دل گرفتہ ہونے اور پند گوئی کا ثواب حاصل ہو۔

فصل

غیبت کا حریص ہونا دل کی بیماری ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ غیبت کا حریص ہونا دل کی بیماری ہے اور اس کا علاج ضروری ہے' اس علاج کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم علمی علاج ہے جو دو طریقے پر ہے ایک یہ کہ غیبت کی برائی میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان میں غور و فکر کرے اور خوب سمجھ لے کہ غیبت کے سبب سے اس کی نیکیاں اس کے دفتر میں منتقل ہوں گی اور یہ خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "غیبت انسان کی نیکیوں کو اس طرح نابود کر دیتی ہے جیسے آگ سوکھی لکڑی کو۔" اور شاید غیبت کرنے والے کے پاس ایک ہی نیکی ہو جو دوسرے گناہوں پر غالب ہو پس غیبت سے جو وہ کر رہا ہے اس کے گناہوں کی ترازو کا پلہ بھاری ہو جائے گا اور اس کے سبب سے دوزخ میں جائے گا۔ دوسرا طور یہ ہے کہ اپنی غیبت سے ڈرے اگر اپنی ذات میں کچھ عیب پاتا ہے تو سمجھے کہ وہ شخص بھی اپنے عیب میں اس کی ہی طرح معذور ہے اور اگر اپنی ذات میں کوئی عیب نہیں پاتا تو سمجھ لے کہ اپنے عیب سے بے خبر رہنا بھی بڑا عیب ہے' پھر اگر سچ کہتا ہے اور کوئی عیب مردار کا گوشت کھانے کے سوا نہیں ہے تو اپنے آپ کو جو بے عیب ہے معیوب نہ بنائے اور شکر الٰہی بجا لائے اور سمجھ لے اس بات میں دوسرے کی تقصیر ہے اور کوئی آدمی تقصیر سے خالی نہیں ہے اور جب میں خود ہی شرع کے حکم پر ثابت اور راست نہیں رہ سکتا اگرچہ صغیرہ ہو اور خود کو سنبھال نہیں سکتا تو دوسروں میں اس بات کو کیوں عیب سمجھتا ہوں۔ اور اگر جس عیب کو ظاہر کر رہا ہے وہ اس کی صورت سے متعلق ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس طرح وہ حق تعالیٰ کی عیب گیری کر رہا ہے کیونکہ صورت کی برائی اس شخص کے اختیار میں تو تھی نہیں کہ اس خرابی پر اس شخص کی ملامت درست ہو۔

غیبت کے علاج کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے یہ غور کرے کہ کس چیز نے اس کو غیبت پر ابھارا ہے' یہ آٹھ اسباب ہیں' پہلا سبب یہ ہے کہ کسی وجہ سے اس شخص سے ناراض ہے' اس صورت میں یہ خیال کہ کسی شخص سے خفا ہونے سے خود کو دوزخ میں ڈالنا حماقت ہے کہ اس طرح وہ خود اپنی ذات سے لڑا' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی غصے کو روکے گا تو حق تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے اس کو طلب فرمائے گا اور فرمائے گا کہ ان بہشت کی حوروں

میں سے جو تجھ کو پسند ہو اس کو لے لے -دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ غیبت کر کے دوسروں کی موافقت حاصل کرے تا کہ وہ لوگ شاد و سرور ہوں اس کا علاج اس طرح کرلے کہ اس صورت میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگوں کی خوشی کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناخوش کرنا کیسی عظیم حماقت اور نادانی ہے بلکہ چاہیے کہ لوگوں پر غصہ کر کے اور انکار کر کے (اس غیبت پر) خداوند تعالیٰ کی رضامندی کا جویا ہو- تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کو ایک تقصیر سے منسوب کرتے ہیں اور وہ اس اپنی خطا کو دوسرے پر ڈالتا ہے تا کہ خود کو اس نسبت سے بچالے' اس صورت میں اس کو غور کرنا چاہیے کہ غضب خدا کی آفت جو یقیناً آنے والی ہے اس سے کس طرح بچ سکے گا اور اس عیب سے، جو رہائی چاہتا ہے وہ مشکوک ہے پس چاہیے کہ اس عیب کو اپنی ذات سے رفع کرے اور کسی طرح دوسرے پر نہ ڈالے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ میں اگر حرام کھاتا ہوں اور بادشاہ کا مال قبول کرتا ہوں تو فلاں شخص بھی ایسا کام کرتا ہے -یوں کہنا حماقت کی دلیل ہے کیونکہ جو شخص معصیت کرتا ہے اس کی پیروی منع ہے اور یہ غور کام نہ آئے گا اگر تم کسی کو آگ میں گرتا دیکھو تو کیا خود بھی اس کی پیروی میں آگ میں گر جاؤ گے پس ایک کی طرح آپ بھی معصیت کرنا سزا اور نہیں ہے اس طرح عذر لنگ کر کے تم کو معصیت میں مبتلا ہونا اور غیبت کرنا لائق نہیں۔

چوتھا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص خودستائی کرنا چاہتا ہے جب خودستائی ممکن نہیں ہوتی تو دوسروں کا عیب بیان کرتا ہے تا کہ اس کی بزرگی اور فضیلت ظاہر ہو جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص نادان ہے اور فلاں شخص ریا سے حذر نہیں کرتا یعنی میں کرتا ہوں لیکن وہ نہیں کرتا اس صورت میں یوں سوچے کہ جو دانشور ہو گا وہ اس شخص کی بات سے اس کے جہل اور فسق کا یقین کرلے گا لیکن خود اس کی فضیلت اور پارسائی کا تعین نہیں کر سکے گا اور اگر کسی نادان نے اس کو فاضل اور پارسا سمجھا بھی تو اس سے کیا حاصل بلکہ بندہ ناچیز اپنی فضیلت ثابت کرنے کے واسطے خداوند تعالیٰ کے حضور میں اپنے ناقص ہونے کا اعتراف کرتا ہے پس اس خودستائی سے کیا فائدہ اور دوسرے کو جاہل و نادان کہنے سے کیا حاصل ہو گا-

پانچواں سبب حسد ہے کہ جب کسی کا علم اور مال میں بلند مرتبہ ہو اور لوگ اس کے معتقد ہوں تو یہ شخص اس کو گوارا نہیں کر سکتا اور اس کی عیب جوئی کرتا ہے تا کہ وہ شخص اس سے جھگڑا کرے اور حقیقت میں یہ اپنی ذات سے جھگڑتا ہے کیونکہ حسد کر کے دنیا میں رنج و عذاب میں مبتلا ہوا اور آخرت میں غیبت کا عذاب چکھتا ہے اس طرح دونوں جہان کی نعمتوں سے محروم ہوا' افسوس' اتنا نہیں جانتا کہ جس کو حق تعالیٰ نے حشمت و جاہ عطا فرمائی ہے' حاسد کے حسد سے اس میں اور اضافہ ہو گا-

غیبت کا چھٹا باعث' استہزاء ہوتا ہے یعنی کسی کا مذاق اڑا کر اس کو رسوا کرنا اور استہزا کرنے والا نہیں جانتا کہ اس صورت میں حق تعالیٰ کے حضور میں وہ خود کو مخلوق کے مقابلہ میں زیادہ رسوا کرے گا تم غور کرو کہ قیامت کے دن وہ شخص جس کا تم نے مذاق اڑایا ہے اپنے گناہوں کا بوجھ تمہاری گردن پر رکھ دے گا اور جس طرح گدھے کو ہانکتے ہیں اس طرح تم کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے تو تم سمجھ لو کہ اس شخص کی یہ نسبت تم پر ہنسنا زیادہ مناسب ہے اس وقت سمجھ جاؤ گے

کہ جس کا حال ایسا کچھ ہو گا تو اگر وہ بندۂ عاقل و فرزانہ ہے تو اس طرح ہنسی اور مذاق کی طرف توجہ نہیں کرے گا۔

ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ایک گناہ کرے اور محض اللہ کے لیے اس سے غمگین ہو جیسا کہ دینداروں کا طریقہ ہے تو اگر راستی سے یہ غم پہنچا ہے تو دینداری ہے لیکن جب تم نے اس شخص کی شکایت کی اور اس کا نام زبان سے لیا اور اس سے تم بے خبر ہو کہ یہ غیبت ہے اور تم کو یہ خبر بھی نہیں کہ شیطان نے تم پر حسد کیا ہے کہ اس دل سوزی پر تم کو ثواب حاصل ہو تا تو اس نے اس شخص کا نام تمہاری زبان سے نکلوایا ہے تا کہ غیبت کا گناہ' تمہارے اس اجر کو نابود کر دے۔

آٹھواں سبب یہ ہو تا ہے کہ کسی شخص پر محض اللہ کے لیے تم کو غصہ آئے یا تعجب ہو تو تم اس غصے یا تعجب کے باعث اس شخص کا نام ظاہر کر دو تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے (کہ وہ کون ہے) اور تم کو فلاں شخص پر اس کے اس کام کے باعث غصہ آیا ہے تو تمہارا یہ کام اس غصے کو ثواب کو جو محض اللہ کے لیے تم کو آیا تھا' برباد کر دے گا' پس لائق اور مناسب یہ ہے کہ غصے اور تعجب کا مذکور بغیر نام کے کیا جائے۔

وہ عذر جن کے باعث غیبت کی رخصت ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ غیبت کرنا حرام ہے جس طرح جھوٹ بولنا ہے' لیکن ضرورت اور حاجت کے وقت ان چھ عذروں کے باعث وہ مباح ہے اول بادشاہ یا قاضی کے روبرو فریاد کرنا' اس وقت غیبت درست ہے یا کسی ایسے شخص کے سامنے کہنا جس سے اعانت کا طالب ہے لیکن ایسے شخص کے سامنے کہنا جس سے مدد کی امید نہ ہو ظالم کے ظلم کو بیان کرنا درست نہیں ہے۔ کسی شخص نے حضرت ابن سیرینؒ کے سامنے حجاج کا ظلم بیان کیا تو انہوں نے فرمایا' حجاج کا انتقام اللہ تعالیٰ اس کی غیبت کرنے والے سے اس طرح لے گا جس طرح دوسرے لوگوں کا انتقام حجاج سے لے گا۔ دوسرا عذر یہ ہے کہ کسی مقام پر جھگڑا یا فساد دیکھ کر کسی ایسے شخص شخص سے بیان کرنا جو احتساب پر قدرت رکھتا ہو اور فساد برپا کرنے والے کو روک سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ' حضرت طلحہ یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس گئے انہوں نے آپ کو سلام کیا لیکن آپ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا تو انہوں نے اس امر کی شکایت حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کی تا کہ وہ اس بات کو ان سے دریافت کریں اور انہوں نے اس بات (شکایت) کو غیبت نہیں سمجھا۔ تیسرا عذر کسی فتویٰ کا دریافت کرنا ہے کہ میری بیوی یا باپ یا کوئی اور شخص مجھ سے یوں کہتا ہے تو اس سلسلہ میں اولیٰ یہ ہے کہ اس کے نام اور اس سے اپنی قرابت کو پوشیدہ رکھے (تا کہ پہچان نہ ہو سکے) اور اس طرح دریافت کرے کہ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے تو کیا کیا جائے' البتہ اس وقت نام ظاہر کرنے کی اجازت ہے کہ مفتی اس شخص مخصوص کو جان کر درست، فتویٰ دے سکے۔

ہندہ نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابو سفیان ایک مرد بخیل ہے وہ میرا اور میرے بچوں کا پورا خرچ نہیں دیتا' اگر میں اس کی اطلاع کے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لوں تو کیا درست ہو گا' یہاں ابو سفیان کو اس

ئی عدم موجودگی میں بخیل کہا گیا لیکن فتویٰ دریافت کیا جا رہا ہے) تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بقدر ضرورت انصاف کے ساتھ لے لو۔ یہاں بخل اور خست کا بیان غیبت سے خالی نہ تھا لیکن حضور اکرم ﷺ نے فتویٰ کے عذر کی بنا پر اس کو روا رکھا۔

چوتھا عذر یہ ہے کہ کسی کے شر سے بچنا چاہتا ہو جیسے کوئی بدعتی ہو یا چور ہو اور اس پر کوئی شخص بھروسا کرنا چاہتا ہے یا کوئی غلام خرید رہا ہے تو اگر اس کے عیب کو ظاہر نہیں کرے گا تو خریدار کو نقصان پہنچے گا' ان صورتوں میں عیب کا ظاہر کر دینا درست اور روا ہے اور اس کو چھپانا مسلمان کے ساتھ دغا کرنے کے مترادف ہے زکوٰۃ لانے والے کو روا ہے کہ گواہ کے بارے میں طعن کرے (عیب کو ظاہر کرے) اسی طرح اس شخص کے عیب کو ظاہر کر دے جس کے ساتھ مشورہ کیا جا رہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم فاسق میں جو عیب دیکھو صاف کہہ دو تاکہ لوگ اس سے حذر کریں (اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں آفت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو) لیکن بغیر عذر روا نہیں ہے کہا گیا ہے کہ تین شخصوں کی شکایت غیبت نہیں ہے' ایک ظالم بادشاہ کی دوسرے بدعتی شخص کی تیسرے اس شخص کی جو علانیہ گناہ کرتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی کوتاہیوں کو خود نہیں چھپاتے اور نہ ان کو کسی کے کہنے کی پروا ہے' پانچواں عذر یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے نام سے مشہور ہو جس میں غیبت کے معنی موجود ہوں جیسے اعمش اور اعرج یعنی رتوندیا اور لنگڑا یا اس قبیل کے دوسرے نام ہیں تو جب ایک آدمی ایسے کسی عیبی نام سے مشہور و معروف ہے تو اس کو پروا نہیں ہوتی (کہ کوئی اس کو غیبت کے ساتھ پکار رہا ہے) اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس کا کوئی دوسرا نام تجویز کیا جائے مثلاً اندھے کو بصیر اور زنگی کو کافور (برعکس نہند نام زنگی کافور) اور غلام کو مولا کہے۔ چھٹا عذر یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنا فسق ظاہر کرے جیسے ہجڑا (مخنث) شراب خور ایسے لوگ جو فسق کو معیوب نہیں سمجھتے ان کا ذکر۔ (نام لینا روا ہے)

غیبت کا کفارہ

غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ توبہ کرے اور پشیمان ہو تاکہ حق تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی کا خواستگار ہو تاکہ اس کے مظلمہ سے بچ جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے کسی پر' اس کی آبرو یا مال کے معاملہ میں ظلم کیا ہے اس سے معافی مانگے قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ درم رہے گا نہ دینار' مگر اس کے حسنات مظلوم کو دیدیئے جائیں گے' اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کے گناہ اس کی گردن پر رکھے جائیں گے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت سے کہا کہ تو زبان دراز ہے حضور اکرم ﷺ نے آپ سے کہا کہ تم نے غیبت کی ہے تم اس عورت سے معافی مانگو۔ ایک اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جب کسی شخص نے کسی کی غیبت کی تو چاہیے کہ خداوند تعالیٰ سے اس کی مغفرت چاہے۔" بعض علماء نے اس سے یہ معانی مراد لئے ہیں کہ اس کی مغفرت چاہنا کافی ہے' اس سے معافی مانگنا درکار نہیں ہے لیکن دوسری حدیثوں کی دلیل سے ایسا خیال کرنا غلط ہے' طلب مغفرت صرف اس مقام پر ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے وہ زندہ نہ ہو' ورنہ معافی مانگے اور معافی اس طرح مانگی جائے گی کہ تواضع

اور پشیمانی کے ساتھ اس کے پاس جائے اور کہے میں نے خطا کی ہے اور جھوٹ بولا ہے تم مجھے معاف کر دو' اگر وہ معاف نہ کرے تو اس کی تعریف کرے اور اس کے ساتھ مداوا اور لطف سے پیش آئے تاکہ اس کا دل خوش ہو جائے اور پھر وہ معاف کر دے اگر پھر بھی نہ بخشے تو وہ مختار ہے لیکن اس شخص کی اس مداوا کو اس کی نیکیوں میں لکھ لیا جائے گا اور ممکن ہے کہ اس کو قیامت میں دو بدلے دیئے جائیں۔ لیکن معاف کر دینا بہر صورت بہتر ہے۔ بعض بزرگان دین نے عفو کر کے کہا ہے کہ ہمارے نامہ اعمال میں کوئی نیکی اس سے بہتر نہیں ہے۔

صحیح بات یہی ہے کہ عفو کرنا بڑا نیک کام ہے' منقول ہے کہ کسی شخص نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی غیبت کی' انہوں نے ایک خوان کھجوروں کا اس کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنی عبادت بطور ہدیہ مجھے بھیجی ہے بس میں نے چاہا کہ اس ہدیہ کا کچھ بدل کروں۔ مجھے تم معاف کرنا کہ میں اس ہدیہ کا پورا بدل نہیں کر سکا ہوں' پس خطا بخشی اس سلسلہ میں خوب ہے کہنے والے نے کیا کہا ہے اس کو ظاہر کر دے کیونکہ نا معلوم بات سے بیزار ہونا درست نہیں ہے۔

تیر ہویں آفت

تیر ہویں آفت غمازی اور سخن چینی (دو رخا پن ہے) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ — ذلیل بہت طعنہ دینے والا دو رخا پن کرنے والا

اور ارشاد فرمایا :

وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ ٥ — خرابی ہے اس کے لیے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے اور پیٹھ پیچھے بدی کرے۔

اور فرمایا :

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ — لکڑیوں کا گٹھا سر پر لادنے والی۔

ان تینوں آیتوں سے مراد سخن چینی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "نمام یعنی چغل خور بہشت میں نہیں جائے گا اور ارشاد کیا ہے میں تم کو خبر دوں کہ تم میں سے بد تر لوگ کون ہیں (سنو) بد تر لوگ وہ ہیں جو چغل خوری کریں اور لوگوں میں فتنہ پیدا کریں' ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے بہشت کو پیدا فرمایا تو اس کو حکم دیا کہ بات کرے' بہشت کہنے لگی کہ نیک بخت وہ ہے جو مجھ تک پہنچے حق تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم کہ آٹھ قسم کے لوگ تیرے پاس نہیں پہنچ سکیں گے۔ شراب خور' زانی' (جو زنا پر کاربند رہے)' غماز' دیوث' پیادہ شحنہ' مخنث' قاطع رحم اور وہ شخص جو خدا سے عہد کرتا ہے کہ میں ایسا کام کروں گا اور پھر اس کو نہیں کرتا۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل قحط سے دوچار ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس دعائے باراں کے لیے گئے' (لیکن

دعا کے باوجود) بارش نہیں ہوئی تب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ میں تمہاری دعا قبول نہیں کروں گا کہ تمہاری جماعت میں ایک غماز موجود ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی مجھے اس کا نشان بتائیے کہ میں اس کو جماعت سے نکال دوں خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں غماز سے ناخوش ہوں تو میں کس طرح غمازی کروں۔ تب موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سے ہر ایک شخص نے غمازی سے توبہ کی' اس کے بعد بارش ہوئی۔

منقول ہے کہ کسی شخص نے ایک دانشور کے پاس جانے کے لیے سات سو فرسخ کا سفر کیا' دانشور کے پاس پہنچ کر اس سے دریافت کیا کہ وہ کون سی چیز ہے جو آسمانوں سے کشادہ تر زمین سے گراں تر' پتھر سے زیادہ سخت ہے اور وہ کون سی چیز ہے جو آگ سے زیادہ گرم (سوزاں) ہے اور وہ کون سی چیز ہے جو زمہریر سے زیادہ سرد' دریا سے زیادہ غنی ہے اور وہ کون ہے جو یتیم سے زیادہ خوار و زبوں ہے' دانشور نے جواب دیا کہ حق بات آسمان سے زیادہ کشادہ اور وسیع ہے اور بے گناہ پر بہتان لگانا زمین سے زیادہ گراں تر ہے' قناعت کرنے والا دل دریا سے زیادہ غنی ہے اور حسد آگ سے زیادہ گرم اور سوزاں ہے کافر کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے اور جو کوئی قرابت والے کی حاجت روائی نہ کرے وہ زمہریر سے زیادہ سرد دل ہے اور چغل خور جس کو لوگ جانتے ہیں۔ یتیم سے زیادہ خوار اور زبوں حال ہے۔

فصل

غمازی کی حقیقت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ غمازی فقط یہی نہیں ہے کہ ایک کی بات دوسرے سے لگا دیں بلکہ ایک شخص کسی کے ایسے کام یا ایسی بات کو ظاہر کر دے جس سے کوئی دوسرا شخص آزردہ ہو تو یہ بھی غمازی ہے اور اس کا اظہار فعل سے ہو یا قول سے یا اشارے یا تحریر سے' بلکہ کسی کا راز فاش کرنا بھی جس سے وہ شخص آزردہ ہو درست نہیں ہے' مگر اس وقت درست ہے کہ کوئی شخص کسی کے مال میں خیانت کرے۔ اسی طرح پر وہ کام جس سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے اس کو مخفی نہیں رکھنا چاہیے۔ جب کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں شخص نے تم کو ایسا ایسا کہا ہے یا تمہارے حق میں وہ ایسی باتیں کہتا ہے تو سننے والے کو ان چھ باتوں پر عمل کرنا چاہیے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس کی بات کو باور نہ کرے کیونکہ غماز فاسق ہے اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاسق کی بات مت سنو۔ دوسرے یہ کہ اس کو نصیحت کرے اور کہے کہ ایسا کام دوبارہ نہ کرنا' کیونکہ گناہ سے منع کرنا واجب ہے' تیسرے یہ کہ اللہ کے لیے اس سے دشمنی رکھے کیونکہ غماز سے دشمنی رکھنا واجب ہے' چوتھے یہ کہ اس شخص کے بارے میں (جس کے بارے میں بات لگائی گئی ہے) بدگمانی نہ کرے کیونکہ گمان بد حرام ہے پانچویں یہ کہ اس بات کی تحقیق کے درپے نہ ہو حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے' چھٹے یہ کہ جو بات اپنے بارے میں ناپسند کرتا ہو وہ دوسرے کے بارے میں بھی پسند نہ

کرے اور نہ اس کی غمازی کا معاملہ دوسرے سے بیان کرے بلکہ اس کو چھپالے' ان چھ باتوں میں سے ہر ایک پر عمل کرنا واجب ہے۔

کسی شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ سے کسی شخص کی چغلی کھائی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اس پر غور کریں گے اگر تو نے جھوٹ کہا ہے تو' تو ان لوگوں میں شامل ہے ان جاء کم فاسق بنبا (اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے) اور اگر تو نے سچ کہا ہے تو پھر تو ان لوگوں میں شامل ہو گا۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ذلیل بہت طعنہ دینے والا دور خاپن کرنے والا۔

اگر تو چاہتا ہے کہ میں تجھے بخشدوں اور معاف کردوں تو توبہ کر۔ اس نے کہا! اے امیر المومنین میں توبہ کرتا ہوں۔

منقول ہے کہ کسی شخص نے ایک دانشور سے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو برا کہا ہے' دانشور نے جواب دیا کہ عرصہ دراز کے بعد تم مجھے ملے اور تم نے تین خیانتیں کی ہیں' ایک یہ کہ دینی بھائی پر مجھے غصہ دلایا دوسرے یہ کہ میرے دل کو تشویش میں مبتلا کیا تیسرے یہ کہ تم نے خود اپنی ذات کو فاسق اور متہم ٹھیرایا۔

سلیمان بن عبدالملک (اموی) نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ کیا تو نے مجھے برا کہا ہے' اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے! سلیمان بن عبدالملک نے کہا کہ ایک عادل معتبر نے مجھ سے کہا ہے۔ اس وقت امام زہریؒ وہاں موجود تھے انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! غماز کس طرح عادل ہو سکتا ہے! یہ سن کر سلیمان نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا' پھر اس شخص سے فرمایا کہ خیریت سے رخصت ہو جاؤ۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسروں کا ذکر برائی سے تمہارے سامنے کرتا ہے وہ اسی طرح تمہارا ذکر دوسروں کے سامنے کرے گا پس ایسے شخص سے بچو۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسے شخص کو دشمن تصور کرنا چاہیے کیونکہ وہ بدگوئی کرتا ہے' حذر' خیانت' دغا' حسد' فتنہ انگیز اور نفاق کی بری صفتیں اس کے اندر موجود ہیں۔ بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ راستی ہر شخص سے ایک پسندیدہ عمل ہے مگر غماز اور نمام اگر سچ بولے اس صورت میں غمازی اور نمامی' تو وہ پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

حضرت مصعب ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ میرے نزدیک چغلی سننا' چغل خوری سے بھی بدتر ہے کہ نمامی سے مقصود تو غیبت ہے اور اس کا سننا گویا ایسا ہے کہ اس کو اجازت دے دی۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں' غماز' حلال زادہ نہیں ہے اور جان لو کہ فتنہ انگیز اور غماز کا شر بہت عظیم ہے' شاید کہ ان کی باتوں سے لوگ مارے مارے جائیں۔

منقول ہے کہ ایک شخص اپنے ایک غلام کو بیچ رہا تھا' خریدار سے اس نے کہا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے بجز اس کے کہ یہ غماز اور فتنہ انگیز ہے خریدار نے کہا کہ اس عیب کی کوئی پروا نہیں اور اس کو خرید لیا' چند روز کے بعد غلام نے مالک کی بیوی سے کہا کہ میرے آقا آپ سے پیار نہیں کرتے ہیں وہ ایک اور کنیز مول لے رہے ہیں' میں ایک منتر کردوں گا' آپ جب آقا سو جائیں تو ان کی ٹھوڑی کے نیچے کے چند بال تراش کر مجھے دے دینا' وہ اس منتر کے بعد آپ سے خوب پیار

کریں گے'عورت سے تو غلام نے یوں کہا اور اپنے آقا سے کہا کہ آپ کی بیوی ایک اور شخص پر فریفتہ ہے اور وہ آپ کو مار ڈالنا چاہتی ہے آپ میری بات آزما دیکھئے'آپ نیند کا بہانہ کر کے لیٹ جایئے (سوتے بن جایئے) آپ پر حقیقت روشن ہو جائے گی'مالک نے ایسا ہی کیا ادھر وہ عورت استرا لے کر آئی اور اس کی داڑھی پر ہاتھ رکھا آقا کو یقین ہو گیا کہ یہ مجھے قتل کرنا چاہتی ہے پس اس نے فوراً اٹھ کر اپنی بیوی کو قتل کر دیا'عورت کے ورثاء کو جب اس کی خبر ہوئی تو سب کے سب اس کے اوپر چڑھ آئے اور اس مالک کو قتل کر دیا اور طرفین سے جنگ میں بہت سے لوگ کام آئے۔

چودھویں آفت

چودھویں آفت دو دشمنوں کے درمیان لگائی بجھائی (دوزخی) کرنا ہے یعنی ہر ایک سے ایسی بات کہنا جو اس کو پسند آئے پھر ہر ایک کی بات دوسرے تک پہنچا دینا (دوتاپن) یہ کام غمازی سے بھی بدتر ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے'جو شخص دنیا میں دوتاپن کرے گا قیامت میں اس کی دو زبانیں ہوں گی۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "بندوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو دوتانہ ہو۔"

پس ایسے شخص سے جو دشمن سے دوستی رکھتا ہے تو لازم ہے کہ جب کسی سے ایک بات سنے تو یا تو خاموش ہو جائے یا جو بات سنے وہ سامنے کہہ دے (پیچھے نہ کہے) تاکہ لوگ اس کو منافق نہ کہیں'ایک کی بات دوسرے سے نہ لگائے اور ہر ایک سے اس طرح نہ کہے کہ "میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ جب ہم امراء کے پاس جاتے ہیں تو جیسی باتیں وہاں کہتے ہیں وہاں سے واپس آکر ہم ویسا نہیں کرتے'انہوں نے جواب دیا کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مسعود میں ہم اس طریقے کو نفاق سمجھتے تھے۔

جب کوئی شخص سلاطین کے پاس بغیر ضرورت کے جائے اور تعلق سے اس طرح باتیں کرے جس طرح وہ ان کے پیچھے نہیں کہتا تھا تو وہ منافق اور دورد (دوغلا) ہے ہاں اگر اس قسم کی گفتگو ضرورتاً لاحق ہو جائے تو اجازت دی گئی ہے۔

لوگوں کی مدح و ستائش

پندرہویں آفت

لوگوں کی مدح و ستائش پندرہویں آفت ہے اور ان کی تعریف میں غلو کرنا یہ بھی آفت ہے اور اس میں چھ نقصانات ہیں'ان میں سے چار کا تعلق مدح کرنے والے (مداح) سے ہے اور دو کا تعلق ممدوح سے ہے پہلا نقصان یہ ہے کہ اس طرح وہ یاوہ گوئی کرے گا اور دروغ ثابت ہو گا'حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جس نے مخلوق کی تعریف میں غلو کیا

قیامت کے دن اس کی زبان اتنی لمبی ہو گی کہ زمین سے لگ جائے گی اور وہ اس کو وہ روندتا ہوا گر پڑے گا- دوسرا نقصان یہ ہے کہ شاید کہنے والا (مدح کرنے والا) منافق ہو اور وہ نفاق سے کہہ رہا ہو کہ میں آپ کو دوست رکھتا ہوں لیکن حقیقت میں دوست نہ ہو، تیسرا نقصان یہ ہے کہ شاید مدح و ستائش میں وہ ایسی بات کہے جس کی حقیقت اس کو معلوم نہ ہو مثلاً کہے آپ بڑے پارسا اور پرہیزگار ہیں اور بہت بڑے عالم ہیں یا اسی قبیل کی اور باتیں کہے-

ایک شخص نے حضور انور ﷺ کے روبرو کسی شخص کی تعریف کی، حضور ﷺ نے فرمایا افسوس کے اس کی گردن ماردی، آپ نے پھر فرمایا کہ اگر تجھے کسی کی مدح کرنا ضروری ہے تو یوں کہہ کہ میں ایسا سمجھتا ہوں اور عنداللہ اس کو عیب سے بری خیال کرتا ہوں اگر تو اس خیال میں سچا ہے تب اس کا حساب خدا کے ساتھ ہے، چوتھا نقصان یہ ہے کہ ممدوح ظالم ہے اور مداح کی تعریف سے خوش ہوتا ہے اس صورت میں ظالم کو خوش کرنا درست نہیں ہے-

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "جب تم فاسق کو سراہتے ہو تو خدا تعالیٰ ناخوش ہوتا-" ممدوح کے دو نقصانوں میں ایک نقصان یہ ہے کہ اس مدح سے تکبر و غرور پیدا ہوتا ہے-

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ درہ لیے بیٹھے تھے جارود نامی شخص آپ کے پاس آیا ایک شخص نے کہا کہ وہ قبیلہ ربیعہ کا سردار ہے، جب وہ آکر آپ کے پاس بیٹھ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو درہ مارا جارود نے کہا کہ امیر المومنین! آپ مجھے کیوں مار رہے ہیں، آپ نے فرمایا کیا تو نے اس شخص کی بات نہیں سنی- جارود نے کہا میں نے نہیں سنی- آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہوا کہ تیرے دل میں اس شخص کی بات سن کر غرور نہ پیدا ہوا ہو (کہ یہ قبیلہ ربیعہ کا سردار ہے) پس میں نے چاہا کہ تیرے غرور کو توڑدوں- دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی کو کہا جائے کہ تو بڑا عالم ہے بہت زاہد ہے تو وہ آئندہ کاہلی اور سستی اختیار کرے گا اور دل میں کہے گا کہ میں تو درجہ کمال کو پہنچ گیا ہوں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا، تم نے اس کی گردن ماردی کہ اگر وہ اس بات کو یقین کرلے تو کوشش سے باز رہے گا- آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص تیز چھری لے کر کسی کے پاس جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے سامنے اس کی تعریف کی جائے- جناب زیاد بن اسلمؒ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنی مدح سنتا ہے- شیطان اس کے سامنے آکر اس کو اس جگہ سے اٹھاتا ہے لیکن مومن خود کو پہچان کر تواضع اختیار کرتا ہے پس اگر مدح و ستائش میں ان چھ آفتوں کا اندیشہ نہ ہو تو کسی کی مدح کرنا درست ہے-

حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب اکرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کہ تعریف فرمائی ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "اگر میرے بعد کسی کو رسالت دی جاتی تو عمر کو دی جاتی-" آپ نے فرمایا کہ تمام عالم کے ایمان کا اگر (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ایمان کے ساتھ مقابلہ کریں تو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ایمان زیادہ ہوگا- اس قسم کی ثناء و ستائش آپ نے صحابہ کرام کی نسبت کثرت سے فرمائی ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ جانتے تھے کہ آپ کی یہ تعریفیں ان اصحاب کے لیے مضرت رساں نہیں ہوں گی-

اپنی تعریف آپ کرنا اچھا نہیں ہے حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے انا سید ولد ادم ولا فخر اگر کوئی شخص کسی قسم کا پیشوا ہے اور وہ اپنی تعریف آپ اس لئے کرتا ہے تا کہ لوگ اس کی پیروی کریں تو روا ہے چنانچہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہے:

انا سیدنا البشیر ولا فخر - یعنی میں سید البشر ہوں اور اس میں فخر نہیں ہے (میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا) میں اس سرداری پر بڑائی نہیں کرتا اور نہ اس سے فخر کرتا ہوں' آپ نے یہ اس واسطے فرمایا کہ سب امتی آپ کی پیروی کریں اسی طرح یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہے قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر کردے بے شک میں حفاظت کرنے والا' علم والا ہوں)

فصل

جب لوگ کسی کی تعریف کریں تو اس شخص یعنی ممدوح کو چاہیے کہ غرور اور تکبر سے بچے اور اپنے خاتمہ سے بے فکر نہ ہو کیونکہ کسی کو اس کی خبر نہیں ہے اگر کوئی شخص دوزخ سے نجات نہ پائے تو کتا اور خنزیر اس سے بہتر ہیں اور کسی کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ وہ دوزخ سے نجات یافتہ ہے پس چاہیے کہ وہ اس طرح سوچے کہ مدح کرنے والے کو اس کے تمام راز معلوم ہوتے تو وہ اس طرح اس کی مدح نہ کرتا' اس صورت میں شکر الٰہی بجالائے کہ اس کے باطن کا حال مداح پر پوشیدہ ہے اور جب لوگ اس کی مدح کریں تو وہ خود اور دل میں اس مدح سے بیزار رہے' لوگوں نے ایک بزرگ کی تعریف کی وہ کہنے لگے یاالٰہی! یہ شخص میرا قرب اس چیز کے وسیلے سے ڈھونڈھ رہا ہے جس سے میں بیزار ہوں تو گواہ رہنا کہ میں مدح سے بیزار ہوں اور تیری بارگاہ کے تقرب کا خواہاں ہوں۔" کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا' بارِ الٰہا! مجھ سے مواخذہ نہ فرمانا اس بات پر جو یہ لوگ کہتے ہیں اور میری اس خطا کو بخش دینا جس کو یہ لوگ نہیں جانتے ہیں اور مجھ کو یہ لوگ جیسا سمجھتے ہیں اس سے بہتر فرمادے۔

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دل سے دوست نہیں رکھتا تھا اس نے نفاق سے آپ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا تو نے زبان سے جو کچھ مجھے کہا ہے میں اس سے کم تر ہوں اور دل میں تو مجھے جیسا سمجھتا ہے اس سے میں بہتر ہوں۔
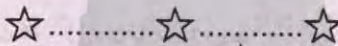
اصل چہارم

غصہ ' کینہ ' حسد اور ان کا علاج

غصہ کی اصل آتش ہے کیونکہ اس کا صدمہ اور اس کی ضرب دل پر پڑتی ہے اور اس کی نسبت شیطان کے ساتھ ہے جیساکہ کہا گیا ہے (قرآن میں ہے) خَلَقْتَنِی مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ٥ (تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو طین سے) اور معلوم ہے کہ آگ کا کام بے قراری ہے اور مٹی کا کام سکون ہے (ایک کی فطرت میں اضطراب ہے اور ایک کی فطرت میں سکون' پس جس پر غصہ غالب ہو گا اس کی نسبت آدم علیہ السلام کی نسبت سے زیادہ شیطان سے ہو گی اسی بنا پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے جو مجھے خداوند تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رکھے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "تو غصہ میں نہ آئے" ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسالتمآب ﷺ سے عرض کیا کہ حضور! مجھے ایک مختصر سا عمل بتایئے! آپ نے فرمایا "قصداً غصہ نہ کرنا" انہوں نے کئی بار حضور اکرم ﷺ سے یہی عرض کیا اور حضور ﷺ نے جواب میں ہر بار یہی فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "غصہ ایمان کو اس طرح بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا (صبر) شہد کی مٹھاس کو بگاڑ دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام سے کہا کہ غصہ نہ کیجئے تو انہوں نے کہا کہ ممکن نہیں ہے کہ میں انسان ہوں' تب انہوں نے فرمایا "گالی جمع مت کیجئے۔ انہوں نے کہا ہاں یہ ہو سکتا ہے (غصہ اور گالی دونوں کو جمع نہ کیا جائے۔)

معلوم ہونا چاہیے کہ بالکل غصہ نہ کرنا ممکن نہیں ہے البتہ غصہ کو پی جانا (روک لینا) ضروری ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے) اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو غصہ کو پی جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اس سے اٹھا لے گا اور جو کوئی خداوند تعالیٰ کی تقصیر کر کے عذر خواہی کرے وہ قبول فرمائے گا اور جو اپنی زبان کو روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی شرم رکھے گا۔ حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو کوئی غصہ کو پی جائے گا حق تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو اپنی رضامندی سے معمور فرمادے گا' ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ دوزخ کا ایک دروازہ ہے کوئی اس میں نہیں جائے گا۔ مگر وہی شخص جو شرع کے بر خلاف خشمگیں ہو گا۔ ایک اور ارشاد والا ہے کہ بندہ جو گھونٹ پیتا ہے' اللہ تعالیٰ کے نزدیک غصہ کو پی جانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان سے بھر دے گا۔

حضرت شیخ فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ' حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ اور بہت سے بزرگوں نے فرمایا ہے اور اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ غصہ سے جو حلم (برداشت) کیا جاتا ہے اس سے بہتر اور کوئی کام نہیں ہے جس طرح طمع کے وقت صبر کرنے سے بہتر کوئی کام نہیں ہیں کسی شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ سے ایک سخت بات

کہی' انہوں نے اپنا سر جھکا لیا اور فرمایا کہ تو نے جانا کہ مجھے غصہ آئے اور شیطان' حکومت اور سرداری کا غرور میرے اندر پیدا کر دے اور میں آج تجھ پر غصہ کروں اور کل قیامت میں تو اس کا مجھ سے بدلہ لے' یہ ہرگز نہیں ہو گا یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔

ایک نبی اللہ نے اپنی جماعت کے لوگوں سے فرمایا کہ کوئی ایسا ہے جو اس بات کا کفیل ہو کہ وہ غصہ نہیں کرے گا۔ وہی میرے بعد میرا خلیفہ ہو گا اور بہشت میں میرے ساتھ رہے گا' ایک شخص نے کہا کہ میں اس کا ذمہ لیتا ہوں' اس نے اس بات کو قبول کر لیا۔ دوسری بار پھر انہوں نے دریافت کیا تو پھر اس نے جواب دیا کہ میں قبول کرتا ہوں چنانچہ اس نے اس عہد کو پورا کیا اور وہی شخص ان کا جانشین ہوا' اسی کفالت اور ذمہ داری کے باعث ان کا نام (لقب) ذوالکفل رکھا گیا۔

فصل

معلوم ہونا چاہیے کہ غصہ انسان میں اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اس کا ہتھیار بن جائے تا کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے آپ سے مضرت اور نقصان کو دور کر سکے اور خواہش (شہوت) کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ جو چیز مفید ہو اس کو اپنی طرف کھینچ لے۔ انسان کو ان دو چیزوں سے گریز نا ممکن ہے لیکن جب ان میں افراطِ پیدا ہوتی ہے تو وہ خطرے اور اس آگ کی مانند ہے جو دل میں بھڑکتی ہے اور اس کا دھواں دماغ تک پہنچتا ہے اور عقل کے محل کو وہ دھواں تیرہ و تاریک کر دیتا ہے کہ عقل کو کوئی اور اچھی بات نہ سوجھ سکے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک غار میں اتنا دھواں پیدا ہو جائے کہ اس کے اندر کوئی جگہ نظر نہ آئے۔ یہ بہت ہی خرابی کی بات ہے' اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ غصہ عقل کے حق میں شیطان ہے اور اس کا بالکل کم ہو جانا بھی اچھا نہیں ہے کہ عزت اور دین کی حفاظت کے لیے قتال اور کافروں سے جنگ و جدال اسی جذبہ کی بدولت ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ یعنی کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) اور اصحاب رسول ﷺ کی تعریف میں فرمایا اَغْضِبُ كَمَا يَغْضِبُ الْبَشَرُ۔ (یعنی وہ کافروں پر سخت ہیں) یہ سب غصہ ہی کا نتیجہ ہے پس چاہیے کہ غصہ میں نہ افراط ہو نہ تفریط بلکہ اعتدال ہو اور عقل و دین کے حکم سے ہو' بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ریاضت سے مطلب یہ ہے کہ غصہ کی قطعی بیخ کنی ہو جائے ایسا خیال کرنا غلط ہے کیونکہ غصہ تو بمنزلہ ہتھیار کے ہے انسان کو اس سے گریز نا ممکن ہے۔ غصہ کا نابود ہونا جب تک انسان زندہ ہے نا ممکن ہے جس طرح شہوت کا استیصال یا اس کا نابود ہونا ممکن نہیں ہے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض کاموں اور بعض اوقات میں غصہ ظاہر نہ ہو بالکل پنہاں ہو جائے اور لوگ سمجھیں کہ غصہ بالکل ختم ہو گیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص ہماری ضرورت کی چیز ہم سے چھین لینا چاہتا ہے تو اس سے غصہ پیدا ہوتا ہے لیکن جب حاجت نہ ہو تو غصہ نہیں آئے گا مثلاً کسی کے پاس ایک کتا ہے اور اس کو اس کی حاجت نہیں ہے اب اگر اس کو کوئی لے گیا یا کسی نے اس کو مار ڈالا تو غصہ نہیں آئے گا۔ کھانا' کپڑا' گھر' صحت و تندرستی یہ تمام چیزیں ضرورت کی ہیں پس اگر کسی نے زخم لگایا جس سے جان کو اذیت پہنچی یا اس

کی خوراک یا کپڑا چھین لیا تو یقیناً غصہ آئے گا- اب اس کی جس قدر زیادہ حاجت ہو گی اسی قدر غصہ میں شدت پیدا ہو گی-

متاج شخص بہت عاجز اور لاچار رہتا ہے کیونکہ محتاج نہ ہونے ہی میں آزادی ہے جتنی حاجت زیادہ ہو گی اسی قدر بندگی اور غلامی میں اضافہ ہو گا' پس ریاضت سے یہ بات ممکن ہے کہ انسان ضروری چیز کا حاجت مند رہے- جاہ ومال اور دنیا طلبی کا خیال دور ہو جائے- پس غصہ جو اسی حاجت کا نتیجہ ہے ختم ہو جائے گا- کیونکہ جو شخص طالب جاہ نہیں ہے' اس شخص پر جو اس سے برتر مقام پر پہنچنا چاہتا ہے یا اس سے مقدم بننا چاہتا ہے غصہ نہیں کرے گا' اس معاملہ میں مخلوق کے مابین بہت ہی تفاوت ہے کیونکہ اکثر غصہ جاہ ومال کی افزونی کے سبب سے ہوا کرتا ہے یہاں تک کہ بعض سبک مایہ چیزوں پر بھی لوگ فخر کرتے ہیں- مثلاً شطرنج' نردبازی کبوتربازی' شراب خوری یا مثلاً کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص اچھا شاعر ہے اور شراب کم پیتا ہے یہ سن کر وہ غصہ میں آتا ہے ایسی صورت میں ریاضت اور توبہ سے اس جال سے رہائی پا سکتا ہے لیکن جو چیز آدمی کی ضرورت ہے اس معاملہ میں غصہ نابود نہیں ہو گا اور نابود ہونا بھی نہیں چاہیے لیکن خشم اور غصہ کو قابو میں رکھنا چاہیے یہ نہ ہو کہ غصہ میں آپے سے باہر ہو جائے اور عقل وشرع کے خلاف غصہ اس پر غلبہ پالے پس ریاضت کرنے سے غصہ کو اس درجہ پر لا سکتے ہیں-

اس بات کی دلیل کہ غصہ جڑ سے نہیں نکل سکتا (اور اس کا بالکل ختم ہو جانا درست بھی نہیں ہے) یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ میں یہ بات موجود تھی- چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

(میں بھی لباس بشریت میں ہوں اور میں بھی اس طرح غصہ کرتا ہوں جس طرح انسان غصہ کرتا ہے-) تو میں کس پر لعنت کروں یا غصہ سے اس کو برا کہوں یا ماروں الٰہی! تو اس کو اپنی رحمت کا سبب بنا دے- حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (ﷺ) آپ جو کچھ فرماتے ہیں کیا میں اس کو لکھ لیا کروں- خواہ آپ غصہ کی حالت میں کچھ فرمائیں! آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی برحق بنایا کہ غصہ کی حالت میں سوائے حق بات کے میری زبان پر کوئی اور بات نہیں آئے گی- غور کرو کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے غصہ نہیں آتا ہے بلکہ یوں فرمایا کہ غصہ مجھے حق اور انصاف سے نہیں روک سکتا-

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز مجھے بہت غصہ آیا- حضور ﷺ میرا یہ غصہ اور غضب دیکھ کر فرمانے لگے عائشہ رضی اللہ عنہا یہ تمہارا شیطان آیا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کے پاس غصہ کا شیطان نہیں ہے (گفت وترا شیطان نیست) آپ نے فرمایا۔ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر نصرت اور غلبہ عطا فرمایا ہے تاکہ وہ میرے قبضہ میں رہے (میرا غصہ قابو میں رہے) اور سوائے خیر کے اور کچھ نہ کہے- دیکھو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے پاس غصہ کا شیطان نہیں ہے (نہ گفت مرا شیطان غضب نیست صفحہ ص ۵۰۶ کیمیائے سعادت چاپ تہران)

فصل

توحید کا غلبہ 'غصہ کو چھپالیتا ہے

اے عزیز! غصہ کی جڑ انسان کے دل سے قطعی نابود نہیں ہوتی ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض احوال یا زیادہ مواقع پر توحید الٰہی کا اس پر غلبہ ہو اور وہ ہر ایک چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے اس طرح اس توحید کے غلبہ سے اس کا غصہ دب جائے گا یا پوشیدہ ہو جائے گا اور اس سے کسی چیز کا اظہار نہ ہو سکے مثلاً اگر کسی کو پتھر مارا جائے تو کوئی بھی پتھر پر غصہ نہیں کرتا اگرچہ غصہ کی جڑ اس کے دل میں اپنی جگہ پر موجود ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ سنگ کی نہیں بلکہ سنگ انداز کی خطا ہے 'اسی طرح اگر کوئی بادشاہ کسی کے قتل کے فرمان پر دستخط کرے تو کوئی بھی فرمان لکھنے والے قلم پر غضب ناک نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس میں قلم کا کچھ اختیار نہیں ہے اور حرکت اس سے نہیں ہے اگرچہ حرکت اس میں موجود ہے اسی طرح جب کسی پر توحید الٰہی غالب ہو تو وہ بالضرور یہی سمجھتا ہے کہ تمام مخلوق اپنے فعل میں مجبور ہے (کہ خلق مضطر اند دراں کہ برایشاں محی رود) کیونکہ حرکت اگرچہ قدرت کی قید میں ہے لیکن یہ قدرت ارادے اور خواہش کی قید میں نہیں ہے اور ارادے پر انسان کا اختیار نہیں ہے البتہ خواہش کی قوت کو اس پر مسلط کر دیا گیا ہے خواہ وہ اس کو چاہے یا نہ چاہے اور جب خواہش کی قوت کو اسے عطا کر دیا گیا تو اس سے فعل یقیناً صادر ہو گا تو یہ مثال اس پتھر کی ہے جو اس کو مارا گیا جس سے بدن کو درد اور تکلیف پہنچی پس اس سے غصہ نہیں آنا چاہیے اگر اس شخص کے پاس گوشت کھانے کے لیے ایک گوسفند تھا اور وہ مر گیا تو کیا یہ شخص اس گوسفند پر غصہ کرے گا (کہ تو کیوں مر گیا) البتہ اس کے مرنے پر غمگین اور رنجیدہ ضرور ہو گا اسی طرح اگر کوئی شخص اس کے گوسفند کو مار ڈالے اور تب بھی غصہ نہ کرے بشر طیکہ اس پر توحید الٰہی کا غلبہ ہو لیکن اس نور کا غلبہ علی الدوام نہیں ہوتا بلکہ برق کی طرح آئی (ذرا اس دیر کے لیے) ہوتا ہے اور یہ التفاتِ الٰہی یا اسباب کے بشری تقاضوں کے اعتبار سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اکثر اوقات توحید الٰہی سے مغلوب ہوتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ان کے دل سے غصہ کی جڑ نکل گئی ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اس فعل کا صدور کسی انسان سے نہیں سمجھتا ہے اس بنا پر وہ غصہ میں نہیں آتا ہے جیسے کسی کو ایک پتھر آ کر لگا اور اس پر وہ غصہ میں نہیں آیا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ توحید کا غلبہ تو نہیں ہوتا لیکن دل کسی امر عظیم میں مشغول ہوتا ہے ایسے موقع پر بھی غصہ دب جاتا ہے اور چھپ جاتا ہے 'کسی شخص نے ایک مسلمان کو گالی دی 'اس نے کہا کہ اگر قیامت میں میرے گناہوں کا پلہ بھاری ہے تو میں اس سے بھی بدتر ہوں جیسا کہ تو نے مجھ کو کہا اور اگر میرا وہ پلہ ہلکا ہے تو پھر مجھے تیری بات (گالی) کی کیا پرواہ۔

کسی شخص نے شیخ ربیع ابن خثیم ؒ کو گالی دی 'انہوں نے کہا کہ میرے اور بہشت کے درمیان ایک گھاٹی حائل ہے

میں اس کے طے کرنے میں مصروف ہوں اگر طے کر لوں تو تیری اس بات کی مجھے کیا پروا۔ اور اگر میں اس کو طے نہ کر سکا تو تیری یہ گالی میرے لیے کافی نہیں ہے (بلکہ اور زیادہ گالیوں کا مستحق ہوں) دیکھو یہ دونوں بزرگ آخرت کے معاملہ میں اس طرح مستغرق تھے کہ ان کا غصہ دب گیا تھا۔ کسی شخص نے امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی' آپ نے فرمایا کہ میرے ایسے بہت سے عیوب ہیں جو تجھ کو معلوم نہیں ہیں' آپ آخرت کی فکر میں منہمک تھے اس لیے گالی سن کر غصہ ظاہر نہیں ہوا۔ ایک عورت نے حضرت مالک دینارؒ سے کہا کہ تم ریاکار ہو' یہ سن کر آپ نے فرمایا تیرے سوا مجھے آج تک کسی نے نہیں پہچانا۔ ایک شخص نے امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک بری بات کہی' انہوں نے جواب دیا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور اگر تو جھوٹ کہتا ہے تو تیری مغفرت فرمائے پس ان حالتوں کی صورت میں غصہ کا دب جانا روا اور درست ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ معلوم ہو کہ بندے کے غصہ نہ کرنے سے خداوند تعالیٰ خوش ہوتا ہے' پس جب کوئی بات غصہ کرنے کی ظہور میں آتی ہے تو حق تعالیٰ کی محبت اس غصہ کو دبا دیتی ہے جیسے کوئی شخص ایک ایک شخص سے محبت کرتا ہے اور اس محبوب کا فرزند اس عاشق یا محبّ کو گالیاں دیتا ہے تو محبّ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے محبوب کا ارادہ یہ ہے کہ میں ان گالیوں سے تنگ آ کر اس کو چھوڑ دوں لیکن عشق اور محبت کا غلبہ ایسی صورت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اس گالی پر بھی خشمگیں نہیں ہوتا اور اس کو غصہ نہیں آتا۔ پس آدمی کو چاہیے کہ ان اسباب کے پیشِ نظر ایسا ہو جائے کہ غصہ کو مار ڈالے اگر مار نہیں سکتا تو اتنا تو کرے کہ اس کی قوت کو توڑ دے تاکہ غصہ اپنی سرکشی سے عقل و شرع کے خلاف جنبش نہ کر سکے۔

فصل

غصہ یا خشم کا علاج واجب ہے

اے عزیز! غصہ کا علاج اور اس بات میں محنت و مشقت برداشت کرنا فرض ہے' کیونکہ اکثر لوگ غصہ ہی کے باعث دوزخ میں جائیں گے' خشم و غضب سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ غصہ اور خشم کا علاج دو طرح پر ہو گا ایک بطور مسہل کے ہے جو اس کی جڑ اور اس کے مادے کو باطن سے باہر نکال پھینکے اور دوسرا بطور سکنجبین کے کہ اس کو دبا دے لیکن جڑ سے نہ اکھاڑ سکے۔ پس مسہل تو یہ ہے کہ انسان غور کرے کہ خشم اور غصہ کا سبب باطن میں کیا ہے بس ان اسباب کو جڑ سے اکھاڑے۔ غور کے بعد معلوم ہو گا کہ غصہ کے اسباب پانچ ہیں۔ اول تکبر! کہ تکبر ذرا سی بات پر جو اس کی بزرگی کے خلاف ہو غصہ میں آ جاتا ہے پس ایسی صورت میں چاہیے کہ تکبر کو تواضع سے توڑے اور خیال کرے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح ایک بندہ ہے اور بزرگی نیک اخلاق ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ تکبر جو ایک خلقِ بد ہے تواضع کے سوا دور نہیں ہو گا۔ دوسرا سبب وہ غرور ہے جو انسان کو اپنے بارے میں ہوتا ہے' اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے'

تکبر و غرور کا علاج ہم اس کے موقع پر تفصیل سے بیان کریں گے۔ تیسرا سبب مزاح ہے یعنی مذاق اور ٹھٹھول ہے کہ اکثر اس کا انجام خشم اور غصہ پر منتج ہوتا ہے۔ پس ٹھٹھول اور مذاق کرنا خشم کا موجب ہوگا۔ خود کو اس سے بچانا چاہیے کیونکہ جب دوسروں سے استہزا کیا جائے گا تو دوسرے تم سے استہزاء کریں گے اور تمہارے مذاق کا جواب دیں گے۔ اس طرح مذاق کرنے والا خود اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ چوتھا سبب عیب جوئی اور ملامت کرنا ہے یہ بھی دونوں جانب سے غصہ کا سبب ہو سکتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو شخص بے عیب نہ ہو اس کے حق میں عیب گیری زیبا نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بے عیب نہ ہوگا۔ پانچواں سبب مال و جاہ کی حرص ہے' انسان کو اس کی بڑی حاجت ہے اور جو شخص بخیل ہے کہ اگر اس کی ایک دمڑی بھی لے لیں تو وہ غصہ میں آجاتا ہے اور جو شخص حریص ہے اگر اس کے ایک لقمہ میں بھی خلل پڑ جائے تو وہ غصہ سے آگ بگولا ہو جاتا ہے یہ سب برے اخلاق ہیں غصہ کی جڑیں ہیں۔ اس کا علاج دو طریقوں سے ہوتا ہے ایک عملی اور دوسرا علمی۔ علمی علاج یہ ہے کہ آدمی ان کی آفت اور قیامت کو پہچانے اور سمجھے کہ ان کا ضرر دین اور دنیا میں کس قدر ہے تاکہ اس کے دل میں ان سے نفرت پیدا ہو۔ اس کے بعد عملی علاج کی طرف توجہ کرے وہ اس طرح کہ ان بری صفتوں (اخلاق بد) کی مخالفت کرے کہ تمام برے اخلاق کا علاج ان کی مخالفت ہے جیسا کہ ہم ریاضت کے سلسلہ میں بیان کر چکے ہیں۔ غصہ اور اخلاق بد کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص تو ایسے لوگوں پر جلد غصہ میں آجاتا ہے جو غرور کو پسند کرے اور وہ اس کا نام شجاعت اور بہادری رکھ دے اور اس پر فخر کرے اور کہے کہ فلاں شخص نے اس شخص کو ایک بات پر مار ڈالا اور اس کا گھر ویران کر دیا کسی کو اس کے خلاف بات کہنے کی جرأت نہیں تھی کیونکہ وہ بڑا سورما ہے۔ سپاہی اور جوانمرد ایسے ہی ہوتے ہیں اور کسی کو چھوڑ دینا (معاف کر دینا) تو خواری اور دوں ہمتی اور بے غیرتی کی ایک نشانی ہے پس ایسا غصہ جو کتوں کی عادت ہے اس کو شجاعت اور مردانگی کہا گیا اور شیطان کا تو بھی یہی ہے کہ سب کو مکر و فریب اور شاندار الفاظ سے تعبیر کر کے نیک اور اچھے اخلاق سے باز رکھتا ہے اور برے اخلاق کو اچھے نام دے کر وہ ان کی طرف بلاتا ہے ہر عقلمند شخص اس بات کو جانتا ہے۔

اگر غصہ جوانمردی کی علامت اور نشانی ہوتا تو عورتیں' بچے' بوڑھے اور بیمار لوگ غصہ سے دور رہتے (ان کو غصہ نہیں آتا) اور سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ لوگ جلد غصے میں آجاتے ہیں' پس یہ جوانمردی نہیں ہے' مردمی تو اس میں ہے کہ انسان اپنے غصہ کو روکے اور یہ صفت انبیاء (علیہ السلام) اور اولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی ہے غصہ کرنا' نادانوں' وحشی ترکوں اور درندہ صفت لوگوں کا شعار ہے۔ پس تم غور کرو کہ تمہاری بزرگی' انبیاء اور اولیاء کے مانند رہنے میں ہے یا احمقوں اور نادانوں کی طرح رہنے ہیں۔

فصل

یہ باتیں جو اوپر ہم نے ذکر کی ہیں وہ غصہ کے مادے کو دفع کرنے کے لیے مسہل کا حکم رکھتی ہیں جو کوئی اس طرح اس کو دفع نہیں کر سکتا تو چاہیے کہ غضب کے جوش کو تسکین دے اور یہ تسکین اس سکنجبین سے ہو گی- جو علم کی شیرینی اور صبر کی تلخی سے بنائی گئی ہے اور تمام اخلاق کا علاج "معجون علم و عمل" ہے علم یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں غور کرے جو غصہ کی مذمت اور غصہ کو پی جانے کے ثواب میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور اپنے دل سے کہے کہ حق تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جو تجھے دوسروں پر حاصل ہے- اگر تو کسی پر غصہ کرے گا تو قیامت میں خدا کے غضب سے کس طرح محفوظ رہے گا- حضور اکرم ﷺ نے ایک غلام کو کسی کام کے لیے بھیجا وہ دیر سے واپس آیا تو آپ نے فرمایا "اگر قیامت میں انتقام نہ لیا جاتا تو میں تجھے مارتا-"

پس غصہ کے وقت انسان اپنے دل میں کہے کہ یہ تیرا غصہ اس واسطے ہے کہ تقدیر الٰہی سے ایک کام ہوا نہ کہ تیرے ارادے سے پس تیرا یہ جھگڑا خدا سے جھگڑا ہوا' پس اگر ان اسباب کے بارے میں جو آخرت سے تعلق رکھتے ہیں غصہ فرو نہ ہو تو پھر دنیاوی اغراض پر نظر کرے اور سوچے کہ اگر وہ غصہ کرے گا تو دوسرا بھی غصہ کرے گا اور بدلہ لے گا کیونکہ دشمن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے مثلاً کوئی غلام جس نے خدمت تقصیر کی تھی بھاگ گیا ممکن ہے کہ وہ کبھی آکر معذرت کرے- انسان کو چاہیے کہ غصہ کی حالت میں اپنی صورت کی زشتی (بگاڑ) کا خیال کرے کہ غصہ میں صورت کس طرح بدل جاتی ہے- انسان بھیڑیے کی طرح ہو جاتا ہے- جو انسان پر حملہ کرتا ہے اور اس کا باطن جل اٹھتا ہے اور باؤلے کتے کی مانند ہو جاتا ہے اور اگر کبھی کسی کو بخشنا چاہتا ہے تو شیطان بھکاتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا کام نہ کر- لوگ تم کو عاجز سمجھیں گے اور تمہارے رعب و دبدبہ میں فرق پڑے گا- تب اس کو جواب دینا چاہیے کہ جو شخص انبیاء (علیہم السلام) کی سیرت اختیار کرے اور خداوند تعالیٰ کی رضا چاہیے تو کوئی عزت اس عزت کے برابر نہیں ہو سکتی اور اگر آج دنیا میں مجھے لوگ حقارت سے دیکھتے ہیں تو اس سے بہتر ہے کہ کل قیامت میں مجھے ذلیل و خوار کیا جائے- یہ تمام باتیں علمی علاج میں داخل ہیں اور عملی علاج یہ ہے کہ زبان سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھے اور سنت یہ ہے کہ غصہ کے وقت اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو لیٹ جائے اگر اس طرح بھی غصہ فرو نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرے- حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ غصہ آگ سے پیدا ہوتا ہے یہ پانی سے بجھے گا- ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سجدہ کرے اور منہ خاک پر رکھے تاکہ اس کو احساس ہو کہ وہ خاک سے بنا ہے اور بندے سے غصہ کرنا اسے زیب نہیں دیتا-

ایک دن امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آئے تو آپ نے ناک میں پانی چڑھانے کے لیے پانی طلب کیا اور فرمایا اور کہا کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے یہ ناک میں پانی چڑھانے (استنشاق) سے رفع ہو گا ایک دن

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی کسی سے لڑائی ہو گئی آپ نے غصہ میں اس شخص سے کہا "یاابن الحمرا" اے لونڈی کے بچے تب حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا "میں نے سنا ہے کہ آج تم نے کسی شخص کی ماں کی عیب گیری کی ہے" "اے ابوذر!" "تم کو کسی سیاہ یا سرخ پر فضیلت نہیں ہو گی سوائے تقویٰ کے۔ (تقویٰ باعث فضیلت ہے نہ کہ رنگ) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ نصیحت سن کر اس شخص کے پاس گئے تاکہ اس سے معذرت طلب کریں جب وہ شخص سامنے آیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو سلام کیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غصہ آتا تو حضور اکرم ﷺ ان کی ناک پکڑ کر فرماتے اے عائشہ رضی اللہ عنہا اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِیُّ مُحَمَّدٍا اَغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاَذْهَبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلاَّتِ الْفِتَنِ! یہ دعا پڑھو۔

فصل

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ کسی شخص نے ایک شخص پر ظلم کیا یا اس کو گالی دی تو اولیٰ یہ ہے کہ سننے والا خاموش رہے اور جواب نہ دے ہاں یہ واجب نہیں ہے اسی طرح ہر ایک کو جواب دینے کی رخصت ہی نہیں ہے اور گالی کے عوض گالی اور غیبت کے عوض غیبت درست نہیں ہے کہ ان چیزوں سے اس پر تعزیر واجب ہو گی' ہاں اگر کسی نے سخت بات کہی اور اس میں دروغ نہیں ہے تو اس کو رخصت ہے کیونکہ یہ بدلہ کے حکم میں ہے اگرچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص تیرا وہ عیب زبان پر لایا جو تجھ میں ہے تو اس کے عوض تو اس کا عیب ظاہر نہ کر' ایسا کرنا مستحب ہے اور جواب دینا واجب نہیں ہے جبکہ زنا یا گالی کی طرف نسبت نہ کی جائے اس کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔ وَالْمُسْتَبَّانِ مَاقَالاَ فَهُوَ عَلَى الْبَادِیْ حَتّٰی یَعْتَدِیْ الْمَظْلُوْمُ (وہ شخص جو ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں اس کا ضرر اس پر ہے۔ جس نے شروع کیا یہاں تک کہ مظلوم حد سے تجاوز کر جائے۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور رسولِ خدا ﷺ کی ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم حضور اکرم ﷺ سے کہو کہ ہم میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا میں حضور انصاف سے کام لیں۔ (کیونکہ حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے) حضور اکرم ﷺ استراحت فرما رہے تھے تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ازواج مطہرات کا یہ پیغام آپ کو پہنچایا' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جس کو میں دوست رکھتا ہوں کیا تم اسے دوست نہیں رکھتی ہو؟" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا جی ہاں میں اس کو دوست رکھتی ہوں۔ تب آپ نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوست رکھو کہ وہ مجھے بہت محبوب ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ ماجرا ازواج مطہرات کے گوش گزار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو اس بات سے طمانیت حاصل نہیں ہیں' اس کے بعد ان ازواج مطہرات نے (ام المومنین) حضرت زینبؓ کو اس پیغام کے ساتھ حضور کی مذمب

میں بھجاوہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ محبت میں میری برابری کا دعویٰ کرتی ہیں جس وقت حضور اکرم ﷺ میرے یہاں تشریف لائے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہہ رہی تھیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ایسی ہے ویسی ہے یعنی وہ مجھے برا کہہ رہی تھیں اور میں خاموشی کے ساتھ سن رہی تھی تاکہ مجھے حضور سرور کونین ﷺ جواب کی اجازت مرحمت فرمائیں چنانچہ آپ نے مجھے جواب دینے کی اجازت مرحمت فرمائی، میں نے جواب میں اس قدر باتیں کہیں کہ میرا گلا خشک ہو گیا اور (ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا) تھک گئیں تب حضرت رسول خدا ﷺ فرمانے لگے کہ عائشہ، ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے (یعنی تم اس سے مقابلہ نہ کر سکو گی۔)

مذکورہ بالا واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جواب دینا درست ہے بشرطیکہ وہ صحیح اور راست ہو (اس میں دروغ نہ ہو) مثلاً جواب میں کہے اے احمق! اے جاہل شرما اور خاموش ہو جا۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص حماقت اور جہل سے عاری و خالی نہیں ہیں پس انسان کو چاہیے کہ ایسے الفاظ کی عادت کرے جو بہت برا نہ ہو تاکہ غصہ کے وقت وہی الفاظ اس کے منہ سے نکلیں اور کوئی دوسرا فحش کلمہ اس کی زبان پر نہ آئے مثلاً بدبخت، ناکس، ناہنجار اور ٹکر گدا وغیرہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب کسی کو جواب دینا پڑے تو حد سے تجاوز نہ کرے اگرچہ یہ امر دشوار ہے۔ اسی واسطے جواب نہ دینا ہی زیادہ بہتر سمجھا گیا ہے کسی (کافر) نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا، آپ خاموش رہے جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس شخص کو جواب دینے لگے تو حضور اکرم ﷺ وہاں سے اٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) اب تک تو آپ تشریف فرما رہے اور جب میں جواب دینے لگا تو آپ تشریف لے جانے لگے (اس کا کیا موجب ہے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "جب تک تم خاموش تھے فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا مگر جب تم جواب دینے لگے تو شیطان آیا میں نے پسند نہیں کیا کہ شیطان کے ساتھ بیٹھا رہوں۔"

حضرت سرور کونین ﷺ فرماتے ہیں کہ آدمی کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ لوگ ہیں کہ دیر سے غصہ میں آتے ہیں اور دیر میں راضی ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو جلد غصے میں آجاتے ہیں اور جلد راضی ہو جاتے ہیں یہ اول الذکر کی ضد ہیں تم میں بہتر وہ شخص ہے کہ دیر سے خفا ہو اور جلد راضی ہو جائے اور بدتر وہ ہیں کہ جلد غصے میں آتے ہیں اور دیر سے خوش ہوتے ہیں۔

فصل

غصے کو پی جانے والا

جو کوئی غصے کو ارادے اور دیانت سے پی جائے وہ نیک بخت ہے البتہ اگر مجبوری اور ضرورت لاحق ہو جائے اور

تب غصہ کو پیئے تو وہ غصہ اس کے دل میں جمع ہو کر غرور اور تکبر کا سرمایہ بن جائے گا- حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے-
اَلْمُؤْمِنُ لَیْسَ بِحُقُوْدٍ (مومن میں حسد اور کینہ نہیں ہوتا) پس جان لینا چاہیے کہ کینہ غصہ کا فرزند ہے جس سے آٹھ اولادیں ہوئیں- اُن میں سے ہر ایک دین کی ہلاکت کا سبب ہوگا- ان میں سے ایک یہ ہے کہ حسد کرے گا یعنی کسی کے غم سے شاد ہوگا اور اس کی خوشی سے غمگین! دوسرا یہ کہ شماتت کرے گا یعنی کسی پر کچھ بلا نازل ہوگی تو شادمانی کا اظہار کرے گا- تیسرا یہ کہ غیبت، دروغ اور فحش سے اس کے رازوں کو آشکارا کرے گا چوتھا یہ کہ بات کرنا چھوڑ دے گا اور سلام کا جواب نہیں دے گا- پانچواں یہ کہ حقارت کی نظر سے دیکھے گا اور اس پر زبان درازی کرے گا- چھٹا یہ کہ اس کا مذاق اڑائے گا- ساتواں یہ کہ اس کا حق بجالانے میں قصور کرے گا اور صلہ رحمی نہیں کرے گا- یعنی اقربا سے مروت نہیں کرے گا اور رشتہ داروں کے حقوق ادا نہیں کرے گا اور ان کے ساتھ انصاف نہیں کرے گا اور طالبِ معافی نہیں ہوگا- آٹھواں یہ کہ جب اس پر قابو پائے گا اس کو ضرر پہنچائے گا اور دوسروں کو بھی اس کی ایذا رسانی پر ابھارے گا- اگر کوئی بہت دیندار ہے اور معصیت کے کام سے نفور ہے تو اتنا تو ضرور کرے گا کہ اس کے ساتھ جو احسان کرتا تھا اس کو روک دے گا اور اس کے ساتھ مدارات پیش نہیں آئے گا اور نہ اس کے کاموں میں دلسوزی کرے گا اور نہ اس کے ساتھ اللہ کے ذکر میں شریک ہوگا اور نہ اس کی تعریف کرے گا- یہ تمام باتیں آدمی کے نقصان اور اس کی خرابی کا باعث ہوتی ہیں-

مسطح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خالہ زاد بھائی تھے- جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی 'افک واقعہ تہمت) میں اس نے لب کشائی کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا نفقہ بند کر دیا اور قسم کھائی کہ آئندہ اس کی مالی مدد نہیں کروں گا تب یہ آیت نازل ہوئی-

وَلَا یَاْتَلِ اُوْلُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْآ اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ

اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے اپنے، قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے-

حاصل اس حکم کا یہ ہے کہ اہل قرابت اور مساکین وغیرہ سے ترک مروت کے باب میں قسم کھانا درست نہیں ہے بلکہ آدمی کو خطا بخش بنایا ہے کیا ایسے لوگ خداوند تعالیٰ کی بخشائش کی آرزو نہیں رکھتے- تب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے- واللہ میں مغفرت کو دوست رکھتا ہوں اور مسطح کا وظیفہ اور اس کا نفقہ پھر جاری کر دیا-

پس جب دل میں کسی سے کینہ پیدا ہوتا ہے تو وہ تین حال سے خالی نہیں ہوتا- ایک یہ کہ وہ شخص اپنے نفس سے جھگڑا کرے گا کہ دوسرے پر احسان کرے یہ درجہ صدیقین کا ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ نہ نیکی کرے نہ برائی- یہ درجہ

زاہدوں کا ہے- تیسر ادرجہ یہ ہے کہ اس سے بدی کرے' یہ درجہ فاسقوں اور ظالموں کا ہے-جب تم سے کوئی بدی کرے تو تم اس پر احسان کرو یہ بارگاہ الٰہی میں بڑے تقرب کا سبب ہوتا ہے اگر یہ حوصلہ نہیں ہے تو اس کو معاف کردے کہ عفوو معافی کی بڑی فضیلت ہے-رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں ہیں جن کو میں قسم کھا کر بیان کروں گا ایک یہ کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا ہے' صدقہ دیا کرو' دوسرے یہ کہ کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس نے کسی کی خطا بخشی ہو اور حق تعالیٰ نے قیامت میں بڑی عزت نہ دی ہو' تیسرے یہ کہ جو کوئی دریوزہ گری کی عادت ڈالے گا حق تعالیٰ اس کو افلاس میں گرفتار کرے گا-

حضور ﷺ نے اپنے کام کے لیے کبھی غصہ نہیں کیا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ نے اپنے کام کے واسطے کسی پر غصہ کیا ہو-پر جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا کام ترک کرتا تو حضور ﷺ اس سے بہت ناراض ہوتے تھے' اور جب آپ کو ان دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیا جاتا تو آپ وہ بات اختیار فرماتے جو مخلوق پر آسان ہوتی بشرطیکہ اس میں معصیت نہ ہوتی (امت کے لیے آسانی کے پہلو کو پسند فرماتے) حضرت عقیدبن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "کیا میں تجھے خبر دوں کہ بہترین خلق دنیا اور دین میں کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ کوئی تجھ سے قطعِ محبت کرے اور تو اس سے دوستی کرے اور جو کوئی تجھے محروم کرے تو اس کو عطا کرے اور جو کوئی تجھ پر ظلم کرے تو اس کو معاف کردے-" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ سے دریافت کیا کہ الٰہی تیرے بندوں میں کون تجھے سب سے زیادہ عزیز ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بندہ جو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کردے-" حضور اکرم ﷺ نے جب مکہ فتح کیا اور ان کفار قریش پر آپ غالب آگئے جنھوں نے آپ کو حد سے زیادہ ستایا تھا اور اس وقت ڈر رہے تھے اور سب کو اپنی جانوں کا خوف تھا- حضور ﷺ کعبہ کے دروازے پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندے کو نصرت عطا فرمائی اور دشمن کو شکست دی' تم اپنے بارے میں (اے کفار قریش) کیا سمجھتے ہو اور کیا کہتے ہو- کفار قریش کہنے لگے یا رسول اللہ (ﷺ) سوائے خیر کے ہم کیا کہیں- ہم آپ کے کرم کے امیدوار ہیں' آج آپ کو سب کچھ اختیار ہے' تب حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں وہ بات کہوں گا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر قابو پا کر کہی تھی' لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (یعنی تم پر سرزنش نہیں ہے-یہ فرما کر آپ نے سب کو فکر سے آزاد کردیا اور فرمایا کسی کو تم سے تعارض اور سروکار نہیں ہے-

خطا بخشی کا اجرِ عظیم

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب لوگ قیامت میں محشور ہوں گے تو منادی آواز دے گا کہ جس کا حق اللہ پر ہے وہ اٹھے تب کتنے ہی ہزار آدمی (جنہوں نے دوسروں کی خطا بخش دی تھی) اٹھیں گے اور بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ غصہ کی حالت میں صبر کرو' تاکہ تم کو فرصت ملے اور جب فرصت ملے اور تم کو قدرت ہو تو معاف کر دو' ایک مجرم شخص کو ہشام بن عبدالمالک کے سامنے حاضر کیا گیا وہ معذرت پیش کرنے لگا۔ ہشام نے کہا کہ میرے سامنے بحث مت کر' اس نے جواب دیا کہ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا جب خداوند تعالیٰ کے حضور میں اپنی عذر خواہی کے لیے جھگڑ سکتے ہیں تو آپ کے سامنے کیوں نہ جھگڑوں۔ یہ سن کر ہشام نے کہا اچھا کہہ کیا کہتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مال چوری ہو گیا۔ لوگ چور پر لعنت کرنے لگے' آپ نے فرمایا یاالٰہی! اگر چور حاجت مند تھا اور حاجت کے سبب سے اس نے میرا مال چرایا تو اس کو مبارک ہو اور اگر معصیت کی دلیری سے اس نے چوری کی ہے تو یہ گناہ اس کا آخری گناہ ہو (وہ آئندہ نہ کرے) حضرت شیخ فضیل بن غیاضؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو جس کا مال چوری ہو گیا تھا۔ طواف کے وقت دیکھا کہ وہ رو رہا تھا میں نے کہا کیا مال کے لیے رو رہے ہو؟ اس شخص نے مجھے جواب دیا کہ میں اس واسطے رو رہا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ قیامت میں وہ میرے ساتھ کھڑا ہو گا اور اس کا کچھ عذر پیش نہیں جائے گا۔ مجھے اس کے حال پر رحم آ رہا ہے (اس وجہ سے رو رہا ہوں۔)

عبدالملک بن مروان کے سامنے چند قیدیوں کو لایا گیا اس وقت ایک بزرگ بھی اس کے پاس تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عبدالملک سے کہا کہ آپ نے خدا سے جو چاہا تھا وہ خدا نے آپ کو عطا کیا (یعنی حکومت اقتدار) اب آپ بھی وہ کیجئے جس کو خدا پسند فرماتا ہے۔ یعنی عفو و درگزر۔ یہ سن کر عبدالملک نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ انجیل میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے اوپر ظلم کرنے والے کی خداوند تعالیٰ سے بخشایش چاہتا ہے' شیطان اس کے پاس سے بھاگ جائے گا۔ پس لازم ہے کہ جب غصہ ظاہر ہو تو عفو سے کام لے۔ اور معاملات میں نرمی اختیار کرے تاکہ غصہ ظاہر نہ ہونے پائے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! جس کو نرمی کی صفت سے بہرہ مند کیا گیا ہے وہ دین اور دنیا دونوں سے بہرہ مند ہوا۔ اور جس کو محروم کیا ہے وہ دین اور دنیا کی خوبی سے محروم رہا۔ "آپ کا ایک اور ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ' صاحبِ رفیق سے اور رفق (نرمی اور ملاطفت) کو دوست رکھتا ہے اور رفق کرنے پر وہ جو کچھ دیتا ہے وہ سختی پر ہرگز نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تمام کاموں میں نرمی اختیار کرو' جس کام میں رفق کا دخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کام کو آراستہ کر دیتا ہے اور جس میں رفق کا دخل نہیں ہوتا اس کو بگاڑ دیتا ہے۔

حسد اور اس کی آفتیں

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ غصے سے کینہ پیدا ہوتا ہے اور کینے سے حسد' اور یہ حسد مہلکات سے ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے' ایک اور ارشاد اس سلسلہ میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے کوئی انسان خالی نہیں ہے ایک گمان بد' دوم فال بد' سوم حسد۔ میں تم کو سکھلاؤں کہ اس کا علاج کیا ہے۔ جب کوئی کسی کے بارے میں بد گمانی کرے تو اپنے دل میں اس کو سچ نہ سمجھے اور اس پر ثابت و قائم نہ رہے اور جب بد فالی سنے تو اس پر اعتماد نہ کرے اور جب حسد پیدا ہو تو زبان اور ہاتھ کو اس پر عمل کرنے سے بچائے۔ حضور اکرم ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے "تمہارے اندر وہ بات پیدا ہونے لگی جس نے اگلی امتوں کو ہلاک کرایا تھا۔ اور وہ حسد و عداوت ہے قسم ہے اس معبود کی جس کے دستِ قدرت میں محمد (علیہ السلام) کی جان ہے کہ تم بہشت میں نہ جاؤ گے جب تک تم صاحب ایمان نہ ہو گے اور صاحبِ ایمان نہ ہو گے جب تک ایک دوسرے کو دوست نہ رکھو گے۔ میں تمہیں بتاؤں کہ یہ محبت کس طرح حاصل ہو گی۔ تم ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو عرش کے سایہ میں دیکھا اور اس کے اس مقام کی آرزو کرتے ہوئے کہا کہ حق تعالیٰ کے پاس اس کا بڑا درجہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔ الٰہی اس شخص کا نام کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے نام ظاہر نہیں فرمایا لیکن فرمایا کہ میں اس کے عمل سے تم کو خبر دیتا ہوں کہ اس نے کبھی حسد نہیں کیا' ماں باپ کی کبھی نافرمانی نہیں کی اور نہ غماری کی۔"

حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حاسد میری نعمت کا دشمن ہے وہ میرے حکم پر خفا ہوتا ہے اور بندوں میں میری تقسیم کو پسند نہیں کرتا ہے حضرت رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا ہے چھ قسم کے لوگ بغیر حساب و کتاب کے دوزخ میں جائیں گے۔ امیر اپنے ظلم کے باعث' عرب تعصب کی بدولت' مالدار تکبر کے باعث' سوداگر اپنی خیانت کی وجہ سے اور دہقان اپنی جہالت اور نادانی کے سبب سے اور علماء حسد کے باعث' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ایک روز حضور اکرم ﷺ کے پاس ہم بیٹھے تھے آپ نے فرمایا "اب ایک شخص اہل بہشت سے یہاں آئے گا۔ تب انصار کی جماعت کے ایک صاحب تشریف لائے۔ اپنے بائیں ہاتھ میں لوٹا لٹکائے تھے' وضو کا پانی ان کی داڑھی سے ٹپک رہا تھا۔" دوسرے اور تیسرے دن بھی حضور اکرم ﷺ نے اسی طرح فرمایا اور وہی صاحب تشریف لائے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ اس کا رنگ ڈھنگ معلوم کریں چنانچہ ان صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ میں اپنے باپ سے لڑا ہوں چاہتا ہوں کہ تین رات آپ کے پاس ٹھہروں شخص مذکور نے منظور کر لیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان تین راتوں میں میں ان کے عمل پر نظر رکھے رہا۔ میں نے دیکھا کہ وہ جب سو کر اٹھتے تو اللہ کا ذکر کرتے۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ باپ سے میری لڑائی نہیں ہوئی تھی البتہ حضور اکرم ﷺ نے

تمہارے سلسلہ میں ایسا فرمایا تھا میں نے چاہا کہ تمہارا عمل معلوم کروں- انہوں نے کہا کہ بس میرا عمل یہی ہے جو تم نے دیکھا' جب میں ان کے گھر سے نکلا تو انہوں نے مجھے پکارا اور کہا کہ ایک بات اور ہے وہ یہ کہ میں نے ہرگز کسی کی خوبی پر حسد نہیں کیا- میں نے ان کو جواب دیا کہ تم کو یہ درجہ اس سبب سے ملا ہوگا-

جناب عون بن عبداللہ نے ایک بادشاہ کو نصیحت کی جو بہت متکبر تھا- کہ تکبر سے دور رہو کہ تمام گناہوں میں پہلا گناہ یہی تکبر ہے- کیونکہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو سجدہ نہیں کیا اس کا سبب یہی تکبر تھا- اور حرص سے دور رہو کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے نے اپنے بھائی کو مار ڈالا- پس جب اصحاب کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا حال بیان کیا جائے یا خداوند تعالیٰ کی صفات کا مذکور ہو یا اس کی ذات کا ذکر ہو تو خاموش رہنا چاہیے اور اس موقع پر زبان کو قابو میں رکھنا ضروری ہے جناب بکر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک بادشاہ کا مقرب تھا وہ روزانہ بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو کر بطور نصیحت کہا کرتا تھا کہ احسان کرنے والے کے احسان کا بدلہ دو- برے شخص سے برائی سے پیش نہ آؤ- بدخو شخص کے لیے اس کی خوئے بد ہی کافی ہے- بادشاہ اس مقرب کی ان نصائح کے باعث اس کو بہت دوست رکھتا تھا- ایک شخص نے اس مقرب پر حسد کیا اور بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص آپ کے بارے میں کہتا ہے کہ بادشاہ گندہ ذہن ہے بادشاہ نے کہا کہ اس بات کی کیا دلیل ہے حاسد نے کہا کہ آپ اپنے قریب اس کو بلائیے اور دیکھئے کہ وہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لے گا تاکہ بو سے محفوظ رہے ادھر یہ حاسد مقرب شاہ کو اپنے گھر لے گیا اور خوب لہسن پڑا ہوا کھانا کھلایا- بادشاہ نے جب اس مقرب کو اپنے قریب بلایا تو اس نے اس خیال سے کہ بادشاہ کو لہسن کی بو نہ پہنچے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا' بادشاہ کو یقین آگیا کہ وہ شخص سچ کہہ رہا تھا- بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ اپنے قلم سے خلعت یا انعام کا حکم لکھتا تھا اس کے علاوہ کوئی حکم خود نہیں لکھتا تھا چنانچہ اس نے اپنے عامل کو لکھا کہ اس خط کے لانے والے کی فوراً گردن اڑا دو اور اس کی کھال میں بھس بھر کر ہمارے پاس روانہ کرو- مقرب جب یہ فرمان لے کر باہر نکلا تو حاسد نے پوچھا کہ یہ کیا ہے اس نے جواب دیا کہ خلعت کا حکم نامہ ہے حاسد نے کہا کہ مجھے دے دو' مقرب نے شاہی فرمان اس کو دے دیا- حاسد یہ فرمان لے کر عامل کے پاس گیا اور خلعت طلب کی' عامل نے کہا کہ فرمان میں لکھا ہے کہ تجھے قتل کر کے تیری کھال میں بھس بھروا دوں- حاسد نے کہا واہ واہ یہ خط تو دوسرے شخص کے لیے لکھا گیا تھا تم بادشاہ سے معلوم کر لو- عامل نے کہا کہ بادشاہ کے حکم میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی ہے یہ کہہ کر اس حاسد کو قتل کرا دیا- دوسرے دن حسب معمول مقرب بادشاہ کے حضور میں گیا اور حسب معمول نصائح بیان کیں' بادشاہ بہت متعجب ہوا اور پوچھا میرے فرمان کا تو نے کیا کیا- مقرب نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے فلاں شخص (میرا) نے لیا بادشاہ نے کہا کہ وہ تو یہ کہتا تھا کہ تم مجھے گندہ ذہن کہتے ہو- مقرب نے کہا کہ میں نے ہرگز ایسی بات نہیں کہی' بادشاہ نے کہا کہ پھر تو نے میرے قریب آکر اپنا ہاتھ منہ پر کیوں رکھا تھا؟ مقرب نے کہا کہ امیر نے مجھے کھانے میں لہسن کھلایا تھا' میں نے یہ باپ پسند نہیں کی کہ اس کی بو آپ کو پہنچے' بادشاہ نے کہا کہ تم ہر روز نصائح میں یہ بات بھی کہا کرو کہ انسان کی خرابی کے لیے اس کا برا ہونا کافی ہے جیسا کہ اس حاسد کا حال ہوا-

حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں نے دنیا کے باب میں کسی پر حسد نہیں کیا ہے کیونکہ اگر کوئی اہل بہشت سے ہے تو اس نعمت کے مقابلے میں جو اس کو جنت میں ملے گی۔ دنیا بالکل حقیر و ناچیز ہے اور اگر وہ اہل دوزخ سے ہے تو جس وقت وہ آگ میں جلے گا۔ دنیا کی نعمت سے اس کو کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ کسی شخص نے خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا مومن حسد کرے گا؟ آپ نے جواب دیا کہ کیا تم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو بھول گئے۔

ہاں جب حسد کے سبب سے انسان (حاسد) خود رنجیدہ ہو اور وہ کسی سے بد معاملگی نہ کرے تو اس کے حسد سے چنداں خلل نہیں ہے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی موت کو بہت زیادہ یاد کرے گا تو وہ نہ خوش ہوگا اور نہ کسی دوسرے پر حسد کرے گا۔

حسد کی حقیقت

حسد یہ ہے کہ کسی کی خوبی اور نعمت تجھے پسند نہ آئے اور تو اس کا اس شخص سے زوال چاہے۔ احادیث شریف کی رو سے ایسا ارادہ حرام ہے کیونکہ اس صورت میں تقدیر الٰہی سے ناراضامندی کا اظہار ہوتا ہے اور بدباطنی پائی جاتی ہے ایسی نعمت جو تجھے حاصل نہیں ہے اور دوسرے شخص سے تو اس کا زوال چاہے۔ یہ خبث باطن کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے اگر تم یہ چاہو کہ تم کو بھی وہ نعمت میسر آجائے اور دوسرے کی اس نعمت کا تم برا نہ چاہو (زوال نہ چاہو) تو اس کو رشک اور غبطہ کہتے ہیں یہ بات اگر دین کے کسی کام میں ہو تو اچھی بات ہے اور کبھی یہ واجب بھی ہو جاتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○ (اور چاہیے کہ للچائیں للچانے والے) اور ارشاد فرمایا ہے۔ سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ یعنی مغفرت الٰہی کی طلب میں ہمیشہ سبقت کرو۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے حسد دو شخصوں کے لیے ہوا کرتا ہے ایک وہ شخص جس کو حق تعالیٰ نے مال اور علم دیا ہے اور اس نے اپنا مال علم کے موافق صرف کیا۔ دوسرا وہ شخص جس کو حق تعالیٰ نے علم بغیر مال کے دیا اور وہ یہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مال دیتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ یہ دونوں لوگ ثواب میں یکساں ہیں اگر کوئی شخص اپنا مال فسق و فجور میں صرف کرے اور دوسرا شخص کہے کہ اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا تو یہ دونوں گناہوں میں برابر ہوں گے۔ بس اس "منافست" کو بھی حسد کہیں گے۔ البتہ اس میں دوسرے کی نعمت سے کراہت موجود نہیں ہے۔ کراہت کسی مقام میں درست نہیں ہے البتہ اس مال میں کسی ظالم اور فاسق کو ملا ہو اور وہ اس کو ظلم و فساد میں صرف کر رہا ہے تو اس مال کا زوال چاہنا درست و روا ہے کہ اس صورت میں حقیقتاً ظلم و فسق کا زوال چاہتا ہے نہ کہ زوال نعمت۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر اس شخص نے ظلم و فسق سے توبہ کر لی تو پھر یہ شخص اس کی دولت سے کراہت نہیں کرے گا یہاں ایک بہت ہی باریک و لطیف نکتہ ہے، کسی کو خداوند تعالیٰ نے نعمت عطا فرمائی ہے اور یہ شخص ایسی ہی نعمت اپنے واسطے چاہتا ہے لیکن اس کو نہیں ملتی تو ممکن ہے کہ وہ اس تفاوت پر خاموش رہے پس دوسرے کی نعمت کے زوال سے یہ فرق اس کے لیے باآسانی

مٹ جائے گا لیکن یہ خوف ضرور ہے کہ اس شخص کی طبیعت اس صفت سے خالی نہ رہے۔لیکن جب اس سے کراہت کرے گا تو ایسا ہو گا کہ اگر اس کا کام اس کے حوالے کر دیں تو نعمت اس سے نہ چھین لیں تو دل میں اگر یہ بات رہے گی (کہ اس شخص جیسا مال اگر مجھے مل جائے تو اس سے نعمت نہ چھینی جائے) تب بھی خداوند تعالیٰ کے نزدیک وہ ماخوذ ہو گا۔

حسد کا علاج

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ حسد دل کی عظیم بیماری ہے اور اس کا علاج علمی اور عملی معجون سے ہو گا۔ تدبیر علمی یا علاج علمی یہ ہے کہ انسان غور کرے کہ حسد دارین میں حاسد کے نقصان اور محسود کے نفع کا موجب ہے حاسد کا دنیا کا نقصان تو اس طرح پر ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ کوئی وقت بھی ایسا نہیں ہو گا جس میں خداوند تعالیٰ کا فضل و کرم کسی بندے کے شامل حال نہ ہو اور حاسد چاہتا ہے کہ اس کا دشمن مبتلائے رنج و غم رہے لیکن اس کے برعکس وہ خود گرفتار رنج و غم رہتا ہے۔اس طرح جو برائی اور مصیبت وہ دشمن کے لیے چاہتا ہے وہ خود اس کے حصے میں آئی اور حسد سب سے بڑی برائی ہے اور اس غم سے عظیم کوئی اور غم نہیں ہے پس اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہو گی کہ دشمن کے سبب سے انسان خود رنجیدہ رہے۔حسد سے دشمن کا نقصان کچھ نہیں ہوتا کہ تقدیر الٰہی میں اس کو ملنے والی نعمت کی ایک مدت متعین ہے اس میں پس و پیش اور بیش و کم کا دخل نہیں ہے کہ اس سرنوشتِ ازلی یہی تھی۔بعض اس کو طالع نیک سے تعبیر کرتے ہیں۔بہر حال کچھ کہہ لیں لیکن سب اس بات پر متفق ہیں کہ اس سرنوشت میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔

منقول ہے کہ ایک نبی اللہ کسی عورت سے بہت عاجز تھے وہ ان پر غالب ہو گئی تھی وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے باب میں عرض کرتے اور شکایت کرتے تو ایک روز وحی نازل ہوئی۔فَرَّمَنْ قُدَّامِهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ اَيَّامُهَا (اس کے سامنے سے بھاگ جاتا کہ اس کی مدت گزر جائے) کیونکہ وہ مدت جس کا اندازہ ازل میں ہو چکا ہے ہرگز تبدیل نہیں ہو گی۔ایک اور نبی کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے بہت کچھ دعا و زاری کی' تب وحی نازل ہوئی کہ جس دن زمین اور آسمان پیدا کئے گئے تھے تمہاری قسمت لکھ دی گئی تھی کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری قسمت پھر سے لکھی جائے۔

اگر کوئی شخص چاہے کہ اس کے حسد کرنے سے ایک کی نعمت کا زوال ہو تو اس کا بھی نقصان ہو گا۔ایسا ہو گا کہ دوسرے پر حسد کر کے اپنی نعمت بھی کھو دی۔اور کافروں کے حسد کرنے سے اس کے ایمان کی نعمت بھی فوت ہو گئی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ — اہل کتاب کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں۔(آل عمران)

پس حسد سے بالفعل حاسد کا نقصان ہے اور آخرت کا ضرر تو اس سے کہیں زیادہ ہو گا کیونکہ وہ تقدیر الٰہی سے ناراض ہوا ہے اور اس قسمت کا انکار کرتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے کمالِ حکمت سے مقرر کیا ہے اور کوئی اس راز سے آگاہ

نہیں ہے پس بارگاہ ایزدی میں اس سے زیادہ اور کیا تقصیر ہو گی- علاوہ ازیں حسد سے مسلمانوں کے ساتھ بھی نامہربانی کا اظہار ہوتا ہے کہ اس حاسد نے اس کی بدخواہی اور اس خواہش میں ابلیس کا شریک ہوا اور اس سے زیادہ کیا شامت ہو گی- دنیا میں حاسد کا نقصان یہ تھا اور محسود کا نفع یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ حاسد ہمیشہ دکھ میں ہے اور ظاہر ہے کہ حسد سے زیادہ دکھ اور غم کیا ہو گا- کیونکہ حاسد کے سوا کوئی اور ظالم ایسا نہیں ہے جو مظلوم سے مشابہت رکھے اور اگر محسود سنے گا کہ حاسد مر گیا اور اس کو معلوم ہو گا کہ حسد کے عذاب سے اس رہائی مل گئی تو غمگین ہو گا کیونکہ وہ تو یہ چاہتا کہ نعمت کے باعث ہمیشہ محسود رہے اور حاسد' حسد کے رنج میں گرفتار رہے محسود کی اپنی مظلومیت یہ ہے کہ حاسد کے حسد کے سبب سے وہ مظلوم ہو اور ممکن ہے کہ زبان یا معاملات سے بھی اس پر ظلم کیا جائے اس صورت میں اے حاسد تیری نیکیاں اس کے دفتر میں لکھ دی جائیں گی اور اس کے گناہ تیری گردن پر رکھ دیئے جائیں گے پس تو نے چاہا تھا کہ دنیا کی نعمت اس سے زائل ہو جائے لیکن اس کو زوال نہیں ہوا اور اس کی اخروی نعمت میں بھی اضافہ ہوا اور دنیا میں تیرا عذاب بالفعل ہوا اور اپنے عذاب آخرت کی بنیاد بھی تو نے رکھ دی-

تجھے تو بس اتنا خیال تھا کہ تو اپنا دوست ہے اور اس (محسود) کا دشمن ہے لیکن جب تو غور کرے گا تو اس کے برعکس ہے- یعنی تو اس کا دوست ہے اور اپنا دشمن ہے تو خود کو غمگین رکھتا ہے اور ابلیس کو جو تیرا عظیم دشمن ہے شاد کام کرتا ہے کیونکہ شیطان نے جب دیکھا کہ تیرے پاس نعمت علم' زور اور مال و جاہ نہیں ہے تو اس کو اندیشہ ہوا کہ ثواب آخرت تجھے کہیں حاصل نہ ہو جائے پس اس نے چاہا کہ یہ ثواب آخرت بھی تجھے نہ ملے اور جیسا ابلیس نے چاہا ویسا ہی ہوا کیونکہ جو شخص عالموں اور دینداروں کو دوست رکھتا ہے اور ان کی جاہ و حشمت سے خوش ہوتا ہے وہ کل قیامت میں ان کے ساتھ رہے گا- کہا گیا ہے کہ مرد وہ ہے جو عالم' متعلم یا ان کو دوست رکھنے والا ہو اور حاسد ان تینوں خوبیوں سے محروم ہے- حاسد کی مثال اس شخص کی ہے جو دشمن کو مارنے کے لیے پتھر پھینکے لیکن پتھر دشمن کو لگنے کی جائے پلٹ کر پھینکنے والے شخص کی سیدھی آنکھ پر لگے اور وہ پھوٹ جائے اب غصہ اور زیادہ ہوا دوسری بار اور زور سے پتھر پھینکا لیکن اس بار بھی دشمن کو نہ لگا- اور پلٹ کر اسی کو لگا اور دوسری آنکھ بھی پھوٹ گئی' تیسری بار پھر پھینکا اس مرتبہ سر ہی پھٹ گیا اور دشمن سلامت رہا- اس کے دوسرے دشمن اس کو دیکھتے ہیں اور اس کے حال پر ہنستے ہیں' حاسد کا بھی یہی حال ہے شیطان اس سے اسی طرح مذاق کرتا ہے- یہ سب آفتیں حسد کی ہیں اگر حسد اس بات پر کرے کہ ہاتھ اور زبان سے ستم کرے' غیبت کرے' جھوٹ بولے' حق بات کا انکار کرے تو اس کا مظلمہ (ظلم کا بدلہ) بہت عظیم ہو گا پس جو شخص یہ جان لے کہ حسد زہر قاتل ہے' تو اگر وہ عاقل ہے تو ضرور اس کو دفع کرے گا-

حسد کا عملی علاج یہ ہے کہ مجاہدے سے حسد کے اسباب کو باطن سے نکال کر پھینک دے کیونکہ حسد کا سبب تکبر' غرور' عداوت' مال و جاہ کی دوستی ہے جیسا کہ ہم خشم کے سلسلہ میں بیان کریں گے پس ان تمام اسباب کو مجاہدے کے ذریعہ دل سے نکال دے یہ گویا مسہل ہے کہ حسد باقی ہی نہ رہے پھر جب حسد ظاہر ہو تو اس کی تسکین اس طرح کرے کہ

جو بات بنائے حسد ہو اس کے خلاف کرے مثلاً جذبہ حسد اس بات پر آمادہ کرے کہ تم محسود کی مذمت کرو تو تم اس کی ثناء کرو اور جب تکبر پر آمادہ کرے تو تم تواضع اختیار کرو اور حسد کا جذبہ چاہیے کہ محسود کی نعمت کے زوال میں کوشش کرو تو تم محسود کی مدد کرو (تاکہ اس کی دولت زوال سے محفوظ رہے) اور بڑا علاج یہ ہے کہ غیبت میں اس کی تعریف کرے اور اس کے کام کی ترقی میں کوشاں ہو تاکہ وہ سن کر خوش ہو جب محمود خوش ہو گا تو اس کا پر تو تمہارے دل پر بھی پڑے گا اور اس عکس اور پر تو سے تمہارا دل بھی خوش ہو گا اور باہمی عداوت باقی نہ رہے گی چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَالَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ یعنی اے سننے والے! ان کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی' ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست (پارہ ۲۴)

اس موقع پر شیطان تم سے کہے گا کہ اگر تم دشمن کی ثناء کرو گے اور تواضع اختیار کرو گے تو یہ تمہاری عاجزی کی دلیل ہو گی پس تم کو اختیار ہے کہ تم حق کے فرمانبردار بن جاؤ یا ابلیس کا کہا مانو۔ یہ دوا اور علاج جو ہم نے پیش کیا ہے بہت مفید ہے لیکن یہ دوا کڑوی ہے اس پر وہی شخص صبر کرے گا جو قوتِ علم رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ دارین کی نجات اسی میں ہے اور حسد میں دونوں جہانوں کی خرابی ہے اور کوئی دوا ایسی نہیں ہے جس میں کڑواپن نہ ہو اور زحمت نہ اٹھانی پڑے پس تم اس بات کا خیال اور پروانہ کرنا اور بیماری میں دوا کی تکلیف تو ضرور اٹھانا پڑتی ہے تاکہ شفا حاصل ہو نہیں تو مرض مہلک بن جائے گا پھر یہ محنت بالضرور اور زیادہ ہو جائے گی۔

اے عزیز! اگر تم بہت ہی مجاہدہ کرو گے تو تم ضرور اس شخص میں جس نے تم کو ستایا ہے اور اس میں جو تمہارا دوست ہے' ضرور فرق پاؤ گے ان دونوں کی محنت اور نعمت تمہارے نزدیک برابر نہ ہو گی بلکہ تم دشمن کی نعمت سے بالطبع ضرور کراہت کرو گے اور طبیعت کا بدلنا تمہارے اختیار میں نہیں رکھا گیا ہے کہ یہ بات تمہاری قدرت سے باہر ہے اور نہ ان چیزوں کے لیے تم مکلّف ہو ایک یہ کہ قول و فعل سے اسبات کو ظاہر نہ کرو' دوسرے یہ کہ عقل کی مدد سے حسد سے بیزار رہو اور کوشش کرو کہ تم سے حسد رفع ہو جائے جب تم اتنا کام کرو گے تو حسد کے لبال سے چھوٹ جاؤ گے اگر قول و فعل سے اظہار نہیں کیا اور دل میں کراہت نہ رکھی تو بقول بعض اس کی وجہ سے خداوند تعالیٰ کے حضور میں ماخوذ ہو گے کیونکہ حسد حرام ہے اور یہ دل کا عمل ہے' جسم کا عمل نہیں ہے اور جو کوئی ایک مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کی خوشی سے غمگین ہوتا ہے تو ضرور ماخوذ ہو گا۔ مگر یہ کہ اس صفت (حسد) سے کراہت کرے تب اس کے لبال سے بچ سکتا ہے لیکن حسد سے بالکل وہ شخص چھوٹ سکتا ہے جس پر توحید غالب ہو اور وہ کسی کو دوست اور دشمن نہ سمجھے۔ بلکہ بندگی کی آنکھ سے سب کو دیکھے اور تمام کاموں کا فاعل (حقیقی) خدا کو سمجھے یہ صفت نادر ہے برق کی طرح ظاہر ہوتی ہے اور چلی جاتی ہے اکثر قائم نہیں رہتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆ .... ☆ .... ☆
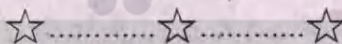
اصل پنجم

حب دنیا کا علاج

دنیا کی محبت تمام گناہوں کی اصل ہے

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ بے وفا دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور اس کی دوستی تمام مصیبتوں کی بنیاد ہے' اس سے زیادہ کون بدبخت ہوگا جو خدا کی دشمن' خدا کے دوستوں کی دشمن اور ان کے دشمنوں کی دشمن ہے' خدا کی دشمن تو اس طرح ہے کہ حب دنیا خدا کے بندوں کو اللہ کے راستے سے روکتی ہے اور دوستانِ خدا کی دشمن اس طرح ہے کہ وہ اپنے آپ کو بنا سنوار کے ان کے سامنے آتی ہے کہ وہ اس پر صبر کریں اور شربت تلخ نوش کریں اور اس کا دکھ برداشت کریں اور دشمنان خدا کی دشمن اس طرح ہے کہ مکر و حیلہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور جب وہ اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں تو پھر ان سے دور ہو جاتی ہے اور ان کے دشمنوں سے جا ملتی ہے یہ اس نابکار رنڈی کی طرح ہے کہ ایک فرد کو چھوڑ کر دوسرے فرد کے پاس جاتی ہے۔

انسان اس دنیا میں کبھی اس کے رنج میں کبھی اس کے فراق میں اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے اور آخرت میں اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضامندی کو دیکھتا ہے۔ دنیا کے دامِ فریب سے وہی شخص چھوٹتا ہے جو حقیقت میں اس کی آفتوں کو پہچانتا ہے اور اس سے گریز کرتا ہے جیسے جادو سے بچا جاتا ہے اور پرہیز کیا جاتا ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "دنیا سے پرہیز کرو کہ وہ ہاروت و ماروت سے بڑھ کر جادوگر ہے۔

اس کتاب کے تیسرے عنوان میں دنیا کی حقیقت اور اس کے مکر و آفت کا بیان کیا جا چکا ہے' ہم یہاں ان حدیثوں کو بیان کریں گے جو دنیا کی مذمت میں آئی ہیں۔ قرآن پاک کی آیات بھی اس باب میں بہت ہیں' قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں کے نزول اور رسولوں کی بعثت سے مقصود یہی ہے کہ بندوں کو دنیا سے الگ کر کے آخرت کی طرف بلائیں اور دنیا کی آفت اور حقیقت سے خلائق کو آگاہ کریں تاکہ لوگ اس سے حذر کریں۔

دنیا کی مذمت میں احادیث

ایک روز حضور سرور کونین ﷺ کا گزر ایک مردار بکری پر ہوا' آپ نے فرمایا' دیکھتے ہو! یہ مردار کیسا ذلیل و خوار ہے کوئی اس کو دیکھتا بھی نہیں! قسم ہے اس خدا کی جس کے دستِ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک اس مردار سے بھی زیادہ ذلیل ہے اگر خداوند تعالیٰ کے نزدیک اس کی حیثیت ایک پرِ پشہ کے برابر بھی ہوتی تو کسی

کافر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دیتا۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں وہ بھی ملعون ہے سوائے ان چیزوں کے جو خدا کے واسطے ہوں۔" اور اشاد فرمایا ہے "دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔"

ایک اور ارشاد ہے، جو شخص دنیا کو دوست رکھتا ہے اس کی آخرت ضائع ہوئی اور جو آخرت کو دوست رکھتا ہے، اس کی دنیا خراب ہوتی ہے پس تم ناپائیدار کو چھوڑ کر پائیدار کو اختیار کرو۔" حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا، آپ کے پاس ایسا پانی لایا گیا جس میں شہد پڑا تھا جب آپ اس کو اپنے منہ کے قریب لے گئے تاکہ پئیں لیکن آپ نے اس کو نہیں پیا اور آپ رونے لگے، حاضرین بھی رونے لگے کچھ دیر کے بعد آپ پھر روئے اور کسی شخص کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ آپ سے رونے کا سبب دریافت کرے، جب آپ نے آنکھوں سے آنسو صاف کئے تب حاضرین میں سے بعض اصحاب نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کے رونے کا کیا سبب تھا، آپ نے فرمایا کہ ایک بار میں حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ آپ اپنے دستِ مبارک سے کسی چیز کو دفع فرما رہے ہیں اور کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی! میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) یہ کیا چیز ہے جس کو آپ دستِ مبارک سے ہٹا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ دنیا ہے جو میرے پاس آنا چاہتی ہے، میں نے اس کو دفع کر دیا تھا وہ پھر آئی اور کہا کہ اگر آپ نے مجھ کو چھوڑ دیا ہے تو کیا ہو، آپ کے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ وہ مجھ کو نہیں چھوڑیں گے! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس وقت مجھے خوف آیا کہ میں کہیں اس کے ہاتھ نہ پڑ جاؤں۔

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے اور جب سے دنیا کو پیدا فرمایا ہے کبھی اس پر نظر نہیں کی ہے۔" حضور اکرم ﷺ کا ایک ارشاد ہے۔ دنیا خانہ بدوشوں کا گھر ہے اور مفلسوں کا مال ہے، دنیا وہ جمع کرے جس کو عقل نہ ہو اور اس کی طلب میں کسی سے دشمنی وہ رکھے جو بے علم ہو اور دنیا پر حسد وہ کرے جو فقہ سے بے خبر ہو اور دنیا طلبی وہ شخص کرے جس کو یقین کا علم حاصل نہ ہوا ہو۔

ایک اور ارشاد گرامی ہے جو کوئی صبح کو اٹھے اور اس کا مقصود زیادہ تر دنیا ہو تو وہ مردان الٰہی سے نہیں ہے کیونکہ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہ چار چیزیں ہمیشہ اس کے دل میں رہیں گی، ایسا غم جو کبھی دور نہ ہو سکے، ایسی مصروفیت جو کبھی ختم نہ ہو اور ایسی مفلسی جو کبھی تونگری کا منہ نہ دیکھے اور ایسی امید جن کو ہرگز ثبات نہ ہو۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ایک روز حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم چاہتے ہو کہ میں دنیا کا راز تم کو بتلا دوں! تب آپ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مرتبہ (گھوری) پر لے گئے جس پر لوگوں کے سروں بکریوں کے سروں کی ہڈیاں پڑی تھیں اور غلاظت کے ڈھیر تھے، آپ نے ارشاد فرمایا! ابوہریرہ یہ سر جو تم دیکھ رہے ہو میرے اور تمہارے سرون کے مانند تھے اور آج ان کی صرف ہڈیاں باقی ہیں اور یہ ہڈیاں عنقریب گل کر مٹی ہو جائیں گی اور یہ غلاظت و نجاست رنگ برنگ کے کھانے ہیں جو بڑی تگ ودو سے حاصل کئے گئے تھے ان کا یہ انجام ہوا کہ سب لوگ ان سے کراہت کر رہے ہیں اور کپڑوں کی دھجیاں ان شاندار کپڑوں کی ہیں جن کو ہوا اڑاتی تھی اور یہ ہڈیاں ان چارپایوں کی ہیں جن کی پشت پر سوار ہو کر لوگ دنیا کی سیر کرتے تھے، دنیا کی حقیقت

بس یہی ہے جو کوئی چاہتا ہے کہ دنیا پر روئے اس کو رونے دو کہ رونے ہی کا مقام ہے۔ پس جتنے لوگ اس وقت موجود تھے رونے لگے۔

رسول اکرم ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ "جب سے دنیا کو پیدا کیا گیا ہے آسمان اور زمین کے درمیان لٹکی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نظر نہیں فرمائی ہے' قیامت میں وہ عرض کرے گی 'الٰہی! مجھے اپنے کسی کمترین بندے کے حوالے فرما دے' حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے ناچیز خاموش ہو جا! جب میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ تو دنیا میں کسی کی ملک ہو تو کیا آج میں اس بات کو پسند کروں گا۔" حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے "چند لوگ قیامت میں ایسے آئیں گے جن کے اعمال یہ تھے کہ پہاڑوں کے مانند ہوں گے ان سب کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا" لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ لوگ نماز پڑھنے والے ہوں گے' حضور اعلیٰ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ نماز پڑھتے تھے' روزے رکھتے تھے اور رات کو بیدار رہتے تھے لیکن دنیا کے مال و متاع پر فریفتہ تھے۔

ایک روز رسول اکرم ﷺ کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام سے خطاب فرمایا کہ تم میں سے ایسا کون ہے جو اندھا ہے اور حق تعالیٰ اس کو بینا فرما دے۔" معلوم ہونا چاہیے کہ جو کوئی دنیا کی طرف رغبت کرے اور طول آمل سے کام لے حق تعالیٰ اس کے دل کو اسی کے بقدر اندھا کر دیتا ہے اور جو کوئی دنیا میں زاہد ہو اور طول آمل سے کام نہ لے (طول آمل سے محفوظ رہے) حق تعالیٰ اس کو علم عطا فرمائے گا بغیر اس کے کہ وہ کسی سے سیکھے اور بغیر راہبر کے اس کی راہنمائی فرمائے گا۔

ایک دن رسولِ خدا ﷺ جب مسجد نبوی میں تشریف لائے تو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے بحرین سے جو مال بھیجا تھا' انصار کو اس کی خبر ہو گئی' صبح کی نماز کے وقت ان حضرات کا ہجوم ہو گیا' جب حضور اکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سب لوگ آپ کے روبرو کھڑے رہے' حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور دریافت کیا کہ شاید تم نے سن لیا ہے کہ کچھ رقم آئی ہے! لوگوں نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے! آپ نے فرمایا تم کو بشارت ہو تم کو آئندہ ایسے معاملات پیش آئیں گے جن سے تم کو مسرت اور خوشی ہو اور میں تمہارے معاملہ میں فقر اور تنگدستی سے نہیں ڈرتا ہوں' مجھے اندیشہ اس بات کا ہے کہ تم کو بھی دنیا کا مال کثرت سے دیا جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو دیا گیا اور تم اس پر اس طرح فخر کرنے لگو جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا اور تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جیسے پہلے لوگ ہلاک ہوئے تھے۔' حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "دل کو کسی طرح بھی دنیا کی یاد سے نہ لگاؤ۔"

غور کرو کہ حضور ﷺ نے دنیا کے ذکر سے بھی منع فرمایا ہے اس کی جستجو اور محبت کا بھلا کیا ذکر

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا نام عنباء تھا یہ تمام اونٹوں سے زیادہ تیز رفتار تھی ایک دن ایک اعرابی ایک اونٹ لے کر آیا دونوں کو دوڑایا گیا' اس اعرابی کا اونٹ عنباء سے آگے نکل گیا' مسلمان بہت غمگین ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ دنیا کی کسی چیز کو سرفرازی نہیں دیتا جو اس کو پست

نہ کرے (جس کو سرفرازی دی ہے اس کو پستی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے) اور فرمایا کہ اس کے بعد دنیا تمہاری طرف متوجہ ہوگی اور تمہارے دین کو تلف کردے گی بالکل اس طرح جیسے آگ لکڑیوں کو جلا ڈالتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ "دنیا کو مصاحب نہ بناؤ تاکہ وہ تم کو غلام نہ بنالے خزانہ ایسا رکھو کہ تلف نہ ہو اور ایسے شخص کے پاس رکھو کہ ضائع نہ کردے کیونکہ دنیا کا خزانہ آفت سے خالی نہیں ہے اور جو خزانہ خدا کے واسطے رکھا جائے گا وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا اور فرمایا ہے کہ "دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں جتنا اس کو کوئی شخص خوش کرے گا وہ ناخوش ہوگی' آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ میں نے تمہارے سامنے دنیا کو خاک پر پھینک دیا ہے اس کو تم پھر مت اٹھالینا کیونکہ دنیا کی ایک خباثت یہی بہت اور کافی ہے کہ حق تعالیٰ کی اس میں معصیت ہوتی ہے' اس کی ایک خصلت یہ بھی ہے کہ انسان جب تک اس کو ترک نہ کرے اس وقت تک دولتِ آخرت کو حاصل نہیں کر سکتا پس دنیا سے درگزر اور اس کی وفاداری میں مشغول نہ ہو۔

سب سے بڑی تقصیر

معلوم ہونا چاہیے کہ تمام تقصیروں میں سب سے بڑی تقصیر دنیا کی محبت اور شہوت پرستی ہے اور اس کا ثمرہ غم ہے' آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس طرح آگ اور پانی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں اسی طرح دنیا اور آخرت ایک دل میں جمع نہیں ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپ ایک گھر رہنے کے لیے بنالیں تو کیا حرج ہے! آپ نے جواب دیا کہ دوسروں کے پرانے گھر ہمارے لیے کافی ہیں۔ ایک دن برق باراں کا طوفان آپ کے سر پر آگیا آپ بھاگنے لگے تاکہ کوئی پناہ کی جگہ مل جائے آپ کو ایک جھونپڑی نظر آئی آپ وہاں پہنچے لیکن اس میں ایک عورت موجود تھی لہٰذا آپ وہاں سے آگے بڑھ گئے ہاں ایک غار نظر آیا آپ نے اس غار میں پنالینا چاہی' دیکھا کہ وہاں ایک شیر موجود ہے آپ وہاں بھی پناہ نہ لے سکے اور بھاگے! تب آپ نے فرمایا الٰہی! جس کو تو نے پیدا کیا ہے اس کو تو نے ایک آرام کی جگہ بھی عطا کی ہے لیکن میرے لیے کوئی آرام گاہ نہیں ہے' آپ پر وحی نازل ہوئی کہ تمہارا ٹھکانہ میری رحمت کا گھر (بہشت) ہے میں سو حوریں ایسی تم کو عطا کروں گا جن کو میں نے اپنے دستِ لطف و کرم سے پیدا کیا ہے اور چار ہزار سال تک تمہاری شادی کا جشن برپا ہوگا جس کا ہر دن دنیا کی عمر کے برابر ہوگا اور منادی کو میں حکم دوں گا کہ منادی کرے کہ دنیا کے زاہدو! یہاں آؤ! تم سب عیسیٰ علیہ السلام کی شادی میں شرکت کرو اور وہ سب تمہاری شادی میں شرکت کریں گے۔"

ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں کے ساتھ ایک شہر میں پہنچے' حواریوں نے وہاں کے تمام لوگوں کو مردہ پایا آپ نے حواریوں سے فرمایا کہ اے دوستو' یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے غضب سے ہلاک ہوئے ہیں ورنہ یہ سب زمین کی تہ میں ہوتے آپ کے حواریوں نے کہا کہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان پر خدا کا غضب کیوں نازل ہوا! جب یہ سب لوگ رات کو شہر میں مقیم ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بلندی پر تشریف لے گئے اور پکار کر کہا! اے شہر

والو! ان مردوں میں سے ایک نے جواب دیا لبیک یا روح اللہ! آپ نے فرمایا! تمہارا کیا قصہ ہے؟ (یہ عذاب کیوں نازل ہوا) اس نے جواب دیا کہ رات کو ہم آرام سے سو رہے تھے لیکن صبح کے وقت ہم نے خود کو دوزخ میں پایا' آپ نے کہا کہ ایسا کیوں ہوا' اس نے کہا کہ اس نے کہا کہ سے ہوا کہ ہم دنیا کو دوست رکھتے تھے! اور اہل معصیت کے اطاعت گزار تھے' آپ نے فرمایا کہ تم دنیا کو کس طرح دوست رکھتے تھے اس شخص نے کہا کہ جس طرح بچہ ماں کو دوست رکھتا ہے! بالکل اسی طرح کہ جب وہ آتی ہے تو بے حد خوش ہوتا ہے اور جب چلی جاتی ہے تو غمگین ہوتا ہے! آپ نے فرمایا کہ یہ دوسرے لوگ جواب کیوں نہیں دیتے؟ اس شخص نے کہا کہ ان میں سے ہر ایک کے منہ پر آگ کی لگام چڑھی ہے آپ نے فرمایا کہ پھر تم کس طرح بول رہے ہو! اس نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں میں موجود تو تھا لیکن میں ان کی معصیت میں شریک نہیں تھا جب عذاب نازل ہوا تو میں بھی اس کی لپیٹ میں آگیا اور اب دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہوں اور نہیں جانتا کہ رہائی ملے گی یا دوزخ میں ڈالا جاؤں گا- تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے حواریو! جو کی روٹی نمک سے کھانا' موٹا کپڑا پہننا اور مزبلہ (گھوڑی) پر پڑ کر سو رہنا دین و دنیا کی عافیت کے ساتھ 'اس سے کہیں بہتر ہے! اے لوگو! تھوڑی دنیا پر قناعت کرو دین کی سلامتی کے ساتھ، جس طرح ان لوگوں نے دنیا کی سلامتی کے ساتھ تھوڑے دین پر قناعت کی' تم اس کے برعکس کرو! اور فرمایا کہ کمینے لوگ جو ثواب کی خاطر دنیا طلبی کرتے ہیں اگر یہ دنیا کو ترک کر دیں تو زیادہ ثواب پائیں گے-"

روایت ہے کہ ایک دن سلیمان علیہ السلام تخت رواں پر سوار جا رہے تھے پرندے اور جن و پری آپ کے جلو میں تھے اتفاقاً بنی اسرائیل کے ایک عابد کے پاس سے آپ کا گزر ہوا' عابد نے کہا کہ اے ابن داؤد (علیہما السلام) حق تعالیٰ نے آپ کو بڑی شان و شوکت دی ہے! آپ نے فرمایا کہ مومن کے نامہ اعمال میں ایک تسبیح کا ثواب سلیمان کی اس بادشاہی سے بہتر ہے کیونکہ وہ تسبیح باقی رہے گی اور یہ مملکت باقی نہ رہے گی- حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے گیہوں کا دانہ کھایا تو آپ کو جائے ضرور (بیت الخلاء) کی تلاش ہوئی ادھر ادھر جگہ ڈھونڈتے پھرتے تھے حق تعالیٰ نے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا کہ جاؤ اور دریافت کرو کہ کیا تلاش کرتے ہو آپ نے فرشتہ کو جواب دیا کہ قضائے حاجت کے لیے جگہ تلاش کر رہا ہوں فرشتہ نے کہا کہ دانہ گندم کے سوا اور کسی میں یہ خاصیت نہیں ہے (کہ اس کے کھانے کے بعد قضا حاجت کی ضرورت پیش آئے) اے آدم (علیہ السلام) اب تم کہاں قضائے حاجت کرو گے' جنت کی نہروں میں یا بہشت کے درختوں کے نیچے! دنیا میں جاؤ کہ ایسی نجاستوں کی جگہ وہی ہے (کیمیائے سعادت صفحہ نمبر ۵۲۵ سطر نمبر ۱۵ طبع ایران)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس طویل عمر میں آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا کہ دروازے والے گھر کی طرح کہ ایک دروازہ سے اس میں گیا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا (عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے التماس کی کہ ہم کو ایسی چیز سکھلائیے جس سے حق تعالیٰ ہم سے پیار کرے) آپ نے فرمایا کہ تم دنیا کو اپنا دشمن سمجھو! حق تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا' بس دنیا کی مذمت میں اتنی

احادیث اور اخبار کافی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال

دنیا کی مذمت میں صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے اقوال بہت ہیں، چند ان میں سے یہ ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جس نے یہ چھ کام کر لیے اس نے بہشت طلب کرنے اور دوزخ سے بچنے کا کوئی کام باقی نہیں چھوڑا ایک یہ کہ حق تعالیٰ کو جانا اور اس کا حکم بجالایا، دوسرے شیطان کو جانا اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوا تیسرے یہ حق بات سمجھے کہ اس پر مضبوطی سے قائم رہا، چوتھے یہ کہ ناحق کو سمجھا اور اس سے دست بردار ہوا پانچویں یہ کہ دنیا کو پہچانا اور اس کو ترک کیا، چھٹے یہ کہ آخرت کو پہچانا اور اس کی طلب میں قائم رہا۔"

کسی دانشمند نے کہا کہ دنیا کا جو کچھ مال تجھے دیں وہ کسی دوسرے کا ہوگا اور تیرے بعد بھی وہ کسی دوسرے کو ملے گا، دل اس سے مت لگا کہ دنیا سے تیرا حصہ صبح و شام کے کھانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس اتنے کے لیے خود کو تباہ مت کر، دنیا کو بالکل ترک کر دے، تاکہ آخرت میں تجھ کو مقام حاصل ہو کیونکہ دنیا اور دنیا کا سرمایہ حرص و ہوا ہے اور اس کا فائدہ غارِ جہنم ہے۔

شیخ ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ میں دنیا کو دوست رکھتا ہوں کیا تدبیر کروں کہ اس کی دوستی میرے دل سے نکل جائے، انہوں نے کہا کہ کسب حلال میں مشغول ہو جا پھر اس مال کو ہر جگہ صرف کر ایسی دنیا دوستی سے تجھے نقصان نہیں پہنچے گا، فی الواقع انہوں نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ انہوں نے سمجھا کہ جب ایسا کرے گا تو دنیا کی محبت اس کے دل میں نہیں رہے گی۔ شیخ یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ دنیا شیطان کی دوکان ہے اس کی دوکان سے کچھ مت چرا اور نہ کچھ لے اگر کچھ لے گا تو بے شک وہ تجھ کو پکڑ لے گی۔ شیخ فُضیل رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر دنیا سونے کی ہوتی مگر فانی اور آخرت مٹی کی ہوتی اور باقی تو عقل کا یہی تقاضا تھا کہ تم اس باقی مٹی کو اس فانی سونے سے زیادہ عزیز رکھو! لیکن ہوتا یہ ہے کہ انسان باقی رہنے والے سونے کو چھوڑ کر فنا ہونے والی، مٹی کو دوست رکھتا ہے، شیخ ابو حازم کا ارشاد ہے کہ دنیا سے حذر کرو! کیونکہ میں نے سنا ہے کہ جس نے دنیا کو بزرگ جانا قیامت میں اس کو کھڑا کیا جائے گا اور منادی کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس چیز کو حق تعالیٰ نے حقیر کیا تھا اس کو اس نے بزرگ سمجھا! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "جو دنیا میں آیا ہے وہ مہمان ہے اور جو چیز اس کے پاس ہے وہ عاریۃً ہے پس مہمان کا جانا اور عاریۃً دی ہوئی چیز کا واپس لے لینا ضروری ہے۔

جناب لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے بیٹے! دنیا کو بیچ کر آخرت خرید لو تاکہ دوہرا منافع حاصل ہو، آخرت کو بیچ کر دنیا مت خریدو اس میں دوہرا (دین کا) نقصان ہے۔" حضرت ابو امامہ باہلی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وہ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو ابلیس کے لشکری اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ایسے نبی کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔"

اب ہم کیا کریں'ابلیس نے دریافت کیا کہ آیا وہ لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! تب اس نے جواب دیا کہ کچھ اندیشہ مت کرو اگر وہ بت پرستی نہیں کرتے تو کیا ہے میں دنیا پرستی پر سے ان لوگوں کو اسبات پر لے آؤں گا کہ وہ جو کچھ بھی لیں ناحق لیں اور جو کچھ دیں وہ ناحق دیں اور جو کچھ رکھ چھوڑیں وہ ناحق رکھ چھوڑیں' تمام خرابیاں اور برائیاں انہی تین باتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

شیخ فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ساری دنیا مجھے بے ملال اور بے حساب دیں تب بھی میں اس سے ننگ روا رکھوں گا' اسی طرح جیسے تم مردار سے ننگ و عار رکھتے ہو۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے عامل تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے' تو ان کے مکان میں کچھ ساز و سامان نہ تھا ایک ڈھال' ایک تلوار اور ایک کجاوہ موجود تھا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اگر آپ نے گھر میں مال کو ٹھڑی بھی نہ بنوالی' انہوں نے جواب دیا کہ مجھے جہاں جانا ہے' وہاں کے لیے بس یہ کافی ہے (یعنی قبر کے لیے) حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ آپ وہ روز آیا سمجھئے کہ باز پسیں جس کی اجل آنی تھی وہ مر گیا (یعنی قیامت) انہوں نے جواب میں لکھا کہ تم وہ دن آیا سمجھ کہ کبھی دنیا ہرگز موجود نہیں ہے اور آخرت لدام ہے۔ کسی صحابی کا ارشاد ہے کہ جو شخص جانتا ہے کہ موت برحق ہے اس کا مسرور و شادماں ہونا بڑے تعجب کی بات ہے اور جو شخص جانتا ہے کہ تقدیر حق ہے اور روزی کی فکر میں اس کا دل مشغول رہے عجیب بات ہے۔

حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان توبہ اور طاعت کو ہر روز پیچھے ڈال دیتا ہے اور راست گوئی کو بیکار کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا فائدہ دوسرے کو حاصل ہوتا ہے۔ شیخ ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر تو شاد ہو اور نہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے تو غمگین ہو' غم کے بغیر دنیا میں خوشی نہیں ہے۔" حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ موت کے وقت آدمی کے دل میں یہ تین حسرتیں رہتی ہیں ایک یہ کہ جو جمع کیا تھا اس سے سیر نہ ہوا اور دل کی جو آرزو تھی وہ حاصل نہیں ہوئی اور آخرت کا کام جیسا کرنا چاہیے تھا ویسا نہیں کیا۔

جناب محمد بن المنکدر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام عمر دن کے روزے رکھے اور رات کو نماز پڑھے' حج اور جہاد کرے اور تمام محرمات سے بچے لیکن دنیا اس کے پاس بہت زیادہ ہو تو قیامت میں اس کی نسبت کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جو حق تعالیٰ کی حقیر کی ہوئی چیز کو دنیا میں بزرگ و عظیم سمجھتا تھا۔" پس اے عزیز! ایسے شخص کا بھی کیا حال ہو گا اور ہم میں کون ایسا ہے جو اس کا مصداق نہ ہو ہم بہت گنہگار ہیں اور فرائض کی بجا آوری میں تقصیر کرتے ہیں اور علماء نے فرمایا ہے کہ دنیا ویران گھر ہے اور اس سے زیادہ ویران اس شخص کا دل ہے جو دنیا طلبی کرتا ہے' جنت ایک آباد گھر ہے اور اس سے زیادہ آباد اس شخص کا دل ہے جو جنت کی طلب کرتا ہے اور اس کو ڈھونڈھتا ہے۔

شیخ ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے کسی سے پوچھا کہ خواب میں تم کو ایک درم ملے وہ اچھا ہے یا بیداری میں ملنا اچھا

ہے وہ بولے کہ اگر بیداری میں ملے تو زیادہ اچھا ہے اور مجھے پسند ہے شیخ یحییٰ بن معاذ رضی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عاقل وہ ہے جو یہ تین کام کرے- دنیا کو ترک کر دے قبل اس کے کہ دنیا اس کو چھوڑے اور وہ قبر کو آباد کرے' قبر میں جانے سے پہلے اور حق تعالیٰ کے دیدار سے پہلے اس کو خوشنود اور راضی کرے- ان کا ہی یہ قول بھی ہے کہ دنیا کی شامت اتنی ہے کہ اس کا شوق آدمی کو حق تعالیٰ سے روگرداں کر دیتا ہے اور اگر اس کو یہ مل جائے تو پھر وہ کیا کچھ نہ کرے-

شیخ بکر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی چاہتا ہے کہ دنیا میں خود کو دنیا سے بے نیاز بنا دے تو وہ اس شخص کے مانند ہو گا جو آگ بجھانا چاہتا ہے لیکن سوکھی لکڑیاں آگ میں ڈالتا جاتا ہے- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے دنیا چھ چیزوں سے عبارت ہے' کھانا' پینا' پہننا' سونگھنا سواری اور نکاح' اور سب ماکولات میں بہترین چیز شہد ہے اور وہ مکھی کا لعاب ہے اور سب سے اچھا کپڑا حریر ہے اور وہ کیڑوں سے پیدا ہوتا ہے' سونگھنے کی چیزوں میں سب سے بہتر مشک ہے تو وہ ہرن کا خون ہے اور پینے کی سب چیزوں میں پانی بہتر ہے لیکن دنیا کے تمام لوگ اس سے نفع اندوزی میں برابر ہیں' سواریوں میں سب سے بہتر گھوڑا ہے' لوگ اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر دوسروں کو قتل کرتے ہیں اور سب شہوتوں میں عظیم تر عورت سے محبت کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک پیشاب دان دوسرے پیشاب دان میں پہنچتا ہے اور بس اور جو عورت نیک ہے اس کو اپنے بدن سے سنوارتی ہے اور تو اس سے جو بدتر ہے (فرج) چاہتا ہے-

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا ہے کہ اے لوگو! تم ایک کام کے واسطے پیدا کئے گئے ہو' اگر اس پر ایمان نہ لائیں تو کافر ہو جائیں اور اگر ایمان لائیں تو پھر اس کو آسان سمجھتے ہو لیکن تم احمق اور نادان ہو کہ ہمیشہ رہنے کے واسطے تم کو پیدا کیا ہے لیکن ایک گھر سے نکال کر دوسرے گھر میں لے جائیں گے-

----

دنیا سے مذموم کی حقیقت معلوم کرنا

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کا کچھ حال "معرفت دنیا" کے عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے' یہاں پر تم اتنی بات معلوم کرو کہ' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے- اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنٌ وَّمَا فِیْھَا- (دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں موجود ہے وہ بھی ملعون ہے) یعنی دنیا میں اس کی تمام چیزیں لعنت کے قابل ہیں مگر وہ چیز جو اللہ کے لیے ہو- پس یہاں یہ پہچاننا ضروری ہو کہ وہ کیا چیز ہے جو خدا کے لیے ہے اور وہ مذموم نہ ہو' اور جو کچھ خدا کے سوا ہے وہ ملعون ہے اور اس کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے پس معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ دنیا میں ہے تین قسم پر ہو گا ایک قسم یہ کہ ظاہر و باطن دونوں دنیا سے علاقہ رکھیں (رکھتے ہوں) اور خدا کے لیے نہ ہو سکیں یہ تمام گناہوں کا سرمایہ ہے- دوسری قسم یہ ہے کہ وہ عمل بظاہر خدا کے واسطے ہو پھر ممکن ہے کہ نیت کے باعث وہ دنیاداری میں داخل ہو جائے اور تین چیزیں ہیں' فکر و ذکر و مخالفت شہوت' کیونکہ اگر ان تینوں چیزوں سے آدمی کا مطلب آخرت اور رحمت الٰہی کا حصول ہے تو اگرچہ دنیا میں کرے لیکن وہ

خدا کے واسطے ہوں گی' ہاں اگر فکر سے غرض طلب علم ہو تا کہ اس سے مرتبہ جاہ حاصل کرے اور ذکر الٰہی سے غرض یہ ہو کہ لوگ اس کو پارسا سمجھیں اور ترک دنیا سے مطلب یہ ہو کہ لوگ اس کو زاہد خیال کریں تو دنیا میں یہ عمل دنیا کے لیے ہوئے اور لعنت کے قابل ہیں' اگرچہ بظاہر ایسا نظر آتا ہو کہ خدا کے واسطے ہیں' تیسری قسم یہ ہے کہ ظاہر میں حظ نفسانی کے لیے یہ عمل نظر آتا ہو لیکن نیت کی بدولت وہ عمل خدا کے لیے مخصوص ہو جائے اور دنیا سے علاقہ نہ رہے جیسے کھانا کھانا کہ اس سے آدمی کی غرض یہ ہو کہ عبادت کے لیے طاقت اور قوت اس میں پیدا ہو اور نکاح سے مقصود یہ ہو کہ اولاد پیدا ہو تھوڑا مال کمانے (کسب) سے مقصود یہ ہو کہ طمانیت قلب حاصل ہو اور مخلوق سے بے نیاز رہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بڑائی اور فخر کی خاطر دنیا طلب کی حق تعالیٰ اسی پر ناخوش ہو گا اور اگر وہ خلق سے بے نیاز ہے کہ بقدر ضرورت طلب کرے تو قیامت کے دن اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن ہو گا پس دنیاداری عبارت اس سے ہے کہ آدمی خطوط نفسانی میں گھر جائے کیونکہ آخرت کے لیے اس کی حاجت نہیں ہے اور وہ چیز جس کی آخرت کے لیے حاجت ہے وہ آخرت سے علاقہ رکھتی ہے دنیا سے اس کا تعلق نہیں ہے جیسا کہ جانور کا دانہ اور چارا جو حج کے راستے میں اس کو دیا جاتا ہے یہ زاد حج میں داخل ہے اور یہ چیز دنیا کی ہے اس کو حق تعالیٰ نے "ہوا" فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے:

وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاوٰیُ — اور نفس کو خواہش سے روکا' تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔

ایک اور ارشاد ہے:

وَزُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْمَالُ وَالْبُنُوْنَ وَالْقَنَاطِیْرُ الْمُقَنْطَرَۃِ — جان کہ دنیا کی زندگی تو یہی کھیل کود ہے اور آرائش اور تمہارا آپس میں برائی جتانا اور مال اور اولاد ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

یعنی دنیاداری عبادت ہے پانچ چیزوں سے کھیل اور خوش فعلی اپنے تئیں سنورنا' اور مال و اولاد کی زیادتی کا خواہاں ہونا اور دوسروں پر تفاخر اور باہم جھگڑنا اس ایک ارشاد میں ان پانچ چیزوں کو اس طرح جمع فرمایا ہے۔

یعنی خلائق کے دل میں زن' فرزند' مال و زر' گھوڑے' اونٹ گائے بیل وغیرہ کی محبت اور الفت سنوار دی گئی ہے ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا دنیا کی زندگانی کی پونجی بس یہی ہے۔ پس معلوم ہونا چاہیے کہ ان تمام چیزوں سے ہر وہ چیز جو کار آخرت کے لیے ہے وہ زادِ آخرت میں داخل ہے اور جو ناز و نعم اور قدرِ حیات سے زیادہ ہے وہ آخرت کے لیے نہیں ہے (یعنی بقدرِ ضرورت ان چیزوں کا ہونا آخرت کے لیے ہے اور اس سے زیادہ چونکہ ضرورت سے زیادہ ہے اس لیے وہ آخرت کے متعلق نہیں ہو سکتی۔)

دنیا کے درجے

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کے تین درجے ہیں' ایک کھانے' کپڑے مکان وغیرہ سے بقدر ضرورت کا ہے' دوسرا درجہ مقدار حاجت کا' تیسرا درجہ مقدارِ زینت کا اور شان و شوکت کا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے- درجہ حاجت (اور بقدر ضرورت) پر ہی بس کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے- کیونکہ حاجت کے دو رخ اور دو پہلو ہیں ایک تو ضرورت سے وابستہ ہے اور دوسرا پہلو اور رخ ناز و نعمت سے متصل ہے اور ان دونوں کے درمیان جو درجہ (اعتدال) ہے اس کا پہنچانا بہت دشوار ہے ہو سکتا ہے کہ آدمی اس زیادتی اور فراوانی کو جس کی اس کو حاجت نہیں ہے اپنی حاجت ہی سمجھ بیٹھے اور مواخذہ میں گرفتار ہو- اسی واسطے بزرگانِ دین نے قدرِ ضرورت پر اکتفاء کی ہے اور اس باب میں لوگوں کے پیشوا اور امام حضرت اویس قرنیؒ ہیں- حضرت اویس قرنیؒ دنیا سے اس طرح دست بردار ہو گئے تھے کہ لوگ ان کو دیوانہ سمجھنے لگے تھے- کبھی سال دو سال تک ان کی صورتِ نظر نہیں آتی تھی' کبھی ایسا ہوتا کہ علی الصبح اذان کے وقت باہر چلے جاتے اور عشاء کی نماز کے بعد پلٹ کر آتے کھجور کی گٹھلیاں جو راستے میں پڑی ہوئی مل جاتیں ان کو کھا کر گذارہ کر لیتے اور اگر کبھی کبھار خرمے مل جاتے تو ان کی گٹھلیاں خیرات کر دیتے یا ان سے اتنے خرمے مول لے لیتے کہ روزہ کھولنے کے وقت کام آ جائیں' گھوڑے پر جو چیتھڑے پڑے ہوئے مل جاتے ان کو پہنتے' بچے دیوانہ سمجھ کر ان کو پتھروں سے مارتے تو ان سے فرماتے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے مجھے مارو تاکہ میری طہارت اور نماز میں خلل نہ پڑے' یہی وہ شرف تھا کہ باوجودیکہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا لیکن آپ کی بہت تعریف کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کے بارے میں وصیت کی تھی-

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنی خلافت کے زمانے میں) ایک روز منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے حاضرین پر نظر ڈالی دیکھا کہ اہالیانِ عراق بھی موجود ہیں پس آپ نے فرمایا کہ حاضرین میں جو لوگ عراقی ہیں وہ اٹھ کھڑے ہوں چنانچہ جتنے عراقی تھے وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے تب آپ نے فرمایا کہ صرف اہالیانِ کوفہ کھڑے رہیں باقی لوگ بیٹھ جائیں جو لوگ کوفہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے وہ بیٹھ گئے کوفی حضرات کھڑے رہے- آپ نے فرمایا جو قریہ قرن کے رہنے والے ہوں وہ کھڑے رہیں باقی لوگ بیٹھ جائیں سب لوگ بیٹھ گئے صرف ایک شخص کھڑا رہا (اس کا تعلق قرن سے تھا) آپ نے اس سے فرمایا کیا تم قرنی ہو اس نے کہا جی ہاں میں قرن کا رہنے والا ہوں آپ نے اس شخص سے کہا کہ تم اویس قرنی کو جانتے ہو اس نے کہا جی ہاں میں اسے جانتا ہوں مگر وہ اس مرتبہ کا شخص تو نہیں ہے کہ آپ اس کا حال دریافت کریں- قرن والوں میں تو وہ احمق' دیوانہ' محتاج اور بہت ہی ادنیٰ درجہ کا شخص ہے- یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو دیئے اور فرمایا کہ میں ان کا حال اس لیے دریافت کر رہا ہوں کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ اس ایک بندے کی شفارش اور شفاعت سے قبیلہ ربیعہ اور مضر کے لوگوں کی تعداد کے برابر خدا کے بندے بہشت میں جائیں گے! (ان دونوں قبیلوں

کے لوگ بے حساب اور کثیر تعداد تھے-)

حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ : جناب ہرام ابن حبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے یہ سن کر کوفہ کو روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر (حضرت) اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ کو تلاش کرنے لگا آخر کار تلاش کرتے کرتے میں نے ان کو دریائے فرات کے کنارے پالیا- دیکھا کہ وہ وضو کرتے اور کپڑے دھوتے تھے-(آپ نے جو اوصاف سنے تھے ان کی بنیاد پر ان کو پہچان لیا) میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے غور سے دیکھنے لگے' میں نے چاہا کہ میں ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لوں لیکن انہوں نے میرے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا اور فرمایا! خدا تمہیں سلامت رکھے! اے ہرم ابن حبان! میرے بھائی تمہارا حال کیسا ہے اور میرا پتہ تم کو کس نے دیا- میں نے ان سے کہا کہ پہلے آپ یہ بتائیں کہ میرا اور میرے باپ کا نام آپ کو کس نے بتایا' اس سے پہلے آپ نے مجھے کبھی نہیں دیکھا پھر آپ نے مجھے کس طرح پہچان لیا؟ انہوں نے فرمایا تمہاری خبر مجھے حق تعالیٰ نے پہنچائی اور میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا کہ مومن کی روح دوسرے مومن کی روح سے واقف اور خبردار ہوتی ہے اگرچہ ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہو اس کے باوجود وہ ایک دوسرے سے آگاہ اور باخبر ہوتے ہیں! اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ رسول اکرم ﷺ کی کوئی حدیث مجھے سنائیے تاکہ میں اسے یاد رکھوں- انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر میرا جسم اور میری جان قربان! مجھے آپ ﷺ سے شرف ملاقات حاصل نہیں ہوا ہے (میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے) لیکن میں نے دوسروں سے آپ ﷺ کی احادت سنی ہیں لیکن مجھے یہ منظور نہیں کہ میں احادیث کی روایت کروں اور محدث' مفتی اور واعظ بن جاؤں! بس میرا شغل میرے لیے کافی ہے! میں نے کہا قرآن پاک کی ایک آیت ہی پڑھ دیجئے تاکہ آپ کی زبان مبارک سے سن لوں اور آپ میرے حق میں دعائے خیر کیجئے اور مجھے ایک نصیحت کیجئے تاکہ اس پر عمل کروں کہ میں محض اللہ کے لیے آپ سے محبت رکھتا ہوں' اس وقت انہوں نے دریائے فرات کے کنارے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور تعوذ پڑھتے ہی رونے لگے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس کا ارشاد بالکل حق اور سچ ہے' یہ کہہ کر

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ اور وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۝ تک پڑھا' اس کے بعد ایک نعرہ بلند کیا میں سمجھا کہ بے ہوش ہو گئے (لیکن ایسا نہیں ہوا) اور مجھ سے کہا کہ اے ابن حبان سنو! تمہارے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور تم کو بھی مرنا ہے' بہشت میں جاؤ گے یا جہنم میں! حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم خلیل اللہ' موسیٰ کلیم اللہ' داؤد خلیفتہ اللہ اور محمد رسول اللہ صلوٰت اللہ علیہم نے انتقال فرمایا اور خلیفہ رسول اللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو میرے محبّ اور بھائی تھے ان کا بھی انتقال ہو گیا- یہ سن کر میں نے کہا کہ آپ پر خدا کی رحمت ہو! حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) تو حیات ہیں! انہوں نے کہا مجھے یہ حق

تعالیٰ کے الہام کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا' اور پھر فرمایا کہ میں اور تم بھی مردوں میں داخل ہیں' پھر انہوں نے حضرت رسول اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجا اور جلدی جلدی دعا مانگ کر کہنے لگے کہ اے ابن حبان وصیت یہ ہے کہ تم خدا کی کتاب اور اہل صلاح (و تقویٰ) کا طریقہ اختیار کرو اور ایک لمحہ بھی موت کی یاد سے غافل نہ رہو۔ جب تم اپنے قبیلہ کے لوگوں میں پہنچو تو ان کو نصیحت کرنا' خلائق کی خیر خواہی ترک نہ کرنا اور جماعت کی موافقت سے کبھی باز نہ رہنا اگر اس کے برعکس کرو گے تو بے دین ہو جاؤ گے اور دوزخ میں گرو گے اس طرح کہ اس کی تم کو خبر بھی نہ ہو گی' پھر دعائیں مانگیں اور کہا کہ اے حزم بن حبان اب آئندہ تم مجھے نہیں دیکھو گے اور نہ میں تم کو دیکھوں گا' میرے حق میں دعا کرنا میں بھی تمہارے حق میں دعا کروں گا اب تم اس طرف روانہ ہو اور میں دوسری طرف جاتا ہوں۔ میں نے چاہا کہ ایک گھڑی اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا' خود بھی روئے اور مجھے بھی رلایا' اس کے بعد وہ روانہ ہو گئے میں دور تک ان کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک گلی میں جا کر غائب ہو گئے۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ جن لوگوں نے دنیا کی برائیوں کو پہچان لیا ہے ان کا طریقہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کا طریقہ ایسا ہی تھا' عاقبت اندیش لوگ یہی ہیں' (جنہوں نے آخرت کے بارے میں سوچا) اگر تم اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم اتنا ہی کرو کہ جس قدر چیز کی ضرورت ہے اس پر اکتفا کرو اور دنیاوی نعمتوں اور اس کے عیش و آرام سے احتراز کرو تاکہ بلائے عظیم میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔

اس جگہ دنیا کا احوال صرف اتنا ہی ہم بیان کرتے ہیں دوسرے عنوانات کے تحت بہت کچھ بیان کیا جا چکا ہے۔

اصلِ ششم

مال کی محبت اور اس کا علاج

حرص و تجمل کی آفت

اور سخاوت کی خوبیاں

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کی بہت سی شاخیں ہیں ان میں سے مال و نعمت اور جاہ و حشمت بھی ہیں اس کے علاوہ بھی اس کی بہت سی شاخیں ہیں ان تمام میں مال کا فتنہ سب سے عظیم ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کا نام عصبہ رکھا ہے اور فرمایا ہے فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَکُّ رَقَبَةٍ ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ○ پس کوئی خطرہ اس سے دشوار تر نہیں ہے اور کوئی خطرہ آگ سے زیادہ دشوار اور سخت نہیں ہے اس لیے انسان کے لیے مال ایک ضروری چیز

ہے اور اس سے بچنا اس کے لیے دشوار ہے اور احتیاج وضرورت سے اس لیے مضر نہیں ہے کہ جس طرح عیش و آرام کے لیے مال ایک ذریعہ اور سبب ہے بالکل اسی طرح وہ زاد آخرت بھی ہے- انسان کو لباس و مکان درکار ہے اس کے بغیر گذارہ نہیں اور یہ چیزیں مال سے میسر آتی ہیں اگر یہ چیزیں انسان کو نہ ملیں تو اس کا صبر کرنا ناممکن ہے اور جب مال مل گیا تو گناہ اور معصیت سے محفوظ رہنا ناممکن ہے اور اگر مال نہ رہے تو افلاس اور غربت میں (مبتلا رہنے پر) کفر کا اندیشہ ہے اور اگر مال پاس ہے اور توانگر ہے تو تکبر اور غرور کا خطرہ ہے-

فقیری اور توانگری کی حالتیں : فقیر اور مفلس دو حال سے خالی نہیں ہوتا اس کی ایک حالت تو حرص ہے اور دوسری قناعت! قناعت ایک اچھی صفت ہے- اب رہی حرص تو حرص کی بھی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ دوسرے لوگوں سے مال کی طمع رکھے اور دوسری حالت یہ ہے کہ اپنے زور بازو سے کمائے (کسب کرے) اور یہ حالت بہت ہی خوب ہے جس طرح فقیر کی دو حالتیں ہیں اسی طرح توانگر کی بھی دو حالتیں ہیں ایک حال تو اس کا بخل اور مال کو خرچ سے روکنا (امساک) ہے اور یہ بہت ہی برا کام ہے اور دوسری حالت داد و دہش (خوب خرچ کرنا اور دوسروں کو دینا) اس داد و دہش کی بھی دو حالتیں ہیں' ایک تو اسراف (فضول خرچی ہے) اور دوسری حالت میانہ روی (خرچ میں اعتدال) اور ان دونوں میں ایک بری حالت ہے اور دوسری اچھی لیکن یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں اس لیے اس کی شناخت بھی ضروری ہے-

بہر حال فائدے اور مضرت سے خالی نہیں ہے اور ان دونوں کا پہچاننا اور ان کی معرفت فرض ہے تاکہ انسان مال کی آفت سے بچے اور فائدے کے موافق اس کی جستجو یعنی حصول کی کوشش کرے-

مال کی کراہت : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَآ اَوۡلَادُكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِاللّٰهِ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ٥

اے ایمان والو! تمہارے مال نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ نقصان میں ہیں-

اس ارشاد ربانی سے واضح ہے کہ جس شخص کو اس کا مال اور اس کی اولاد خدا کے ذکر (یاد) سے غافل بنادے وہ نقصان اور خسران والوں میں سے ہوگا- حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مال و جاہ کی محبت دل میں نفاق کو اس طرح نشوونما دیتی ہے جس طرح پانی سبزی کو-" حضور ﷺ نے مزید فرمایا ہے "دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں ایسی تباہی نہیں مچاتے جیسی مال و جاہ کی محبت مرد مومن کے دین میں تباہی مچاتی ہے-"

بعض اصحاب نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ "آپ کی امت میں برے لوگ کون سے ہوں گے-

حضور علیہ ﷺ نے فرمایا "مالدار لوگ" ایک اور حدیث شریف ہے کہ میرے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ انواع و اقسام کے لذیذ کھانے کھائیں گے اور طرح طرح کے کپڑے پہنیں گے' خوبصورت عورتیں اور قیمتی گھوڑے رکھیں گے ان کا پیٹ تھوڑے (کھانے) سے سیر نہ ہو گا اور وہ بہت زیادہ مال پر بھی قناعت نہیں کریں گے ان کا ہر ایک عمل دنیا کے واسطے ہو گا! میں محمد (علیہ ﷺ) تم کو حکم دیتا ہوں (تم اپنی اولاد تک یہ بات پہنچانا) کہ جو کوئی تمہاری اولاد میں ان کو دیکھے' اس کو چاہیے کہ ان کو سلام نہ کرے' بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرے اور اگر کوئی (اس کے خلاف) کرے گا وہ اسلام کو ویران اور برباد کرنے میں ان کا مددگار ہو گا۔

حضور علیہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "دنیا کو اہل دنیا کے پاس چھوڑ دو کہ جو کوئی اس کو اپنی حاجت سے زیادہ لے گا وہ اس کی ہلاکت کا باعث بنے گی اور وہ اس سے واقف نہیں ہو گا (اس کو خبر ہی نہ ہو گی) حضور علیہ ﷺ فرماتے ہیں کہ "انسان ہمیشہ یہی کہتا ہے میرا مال! میرا مال! اور مال سوائے اس کے تیرا مال کیا ہے کہ اس کو کھائے اور نابود کرے (کپڑے کو) پہنے اور پرانا کر دے یا اس کو خیرات کر دے اور خداوند تعالیٰ کے پاس ذخیرہ کر دے۔"

کسی شخص نے حضور علیہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور میں کیا کروں کہ میرے پاس کسی طرح کا توشۂ مرگ (زادِ آخرت) نہیں ہے؟ آپ علیہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس مال ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ علیہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس مال کو اپنے آگے بھیج دو یعنی صدقہ کر دو کہ انسان کا دل مال کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اگر اس نے مال کو چھوڑ دیا تو وہ دنیا میں رہے گا (اس کے لیے ذخیرہ آخرت نہیں بن سکے گا) اور اگر (صدقہ و خیرات سے) اپنے آگے بھیج دیا ہے تو وہ خدا کے پاس رہے گا۔"

انسان کے دوست تین قسم کے ہیں: حضور پرنور علیہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "آدمی کے دوست تین قسم کے ہیں' ایک تو وہ دوست ہے کہ اس کی موت تک اس کے ساتھ وفاداری کرتا ہے' ایک وہ جو لب گور تک اور ایک قیامت تک اس کے ساتھ وفاداری کرے گا' وہ جو موت تک ساتھ رہتا ہے وہ مال ہے اور جو لب گور تک ساتھ رہتا ہے رشتہ دار ہے اور وہ جو قیامت تک ساتھ رہتا ہے' اس کا عمل ہے۔" حضور علیہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کیا چھوڑا؟ اور فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ اپنے آگے کیا بھیجا؟ حضور علیہ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ زمین اور باغات مت لو کہ یہ دنیا کی محبت کا باعث ہو گا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آپ کے حواریوں نے پوچھا کہ آپ پانی پر چل سکتے ہیں لیکن ہم نہیں چل سکتے (ہم میں یہ طاقت و قدرت نہیں ہے) اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مال و زر تمہاری نظر میں کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری نظر میں خاک اور زر دونوں برابر ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے پانی پر چلنے کی قدرت و قوت عطا کی ہے۔

اس سلسلہ میں صحابہ کرام اور بزرگوں کے اقوال: نقل ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو تکلیف پہنچائی آپ نے کہا بار الٰہا اس شخص کو تندرستی‘ عمر دراز اور مال کثیر عطا فرما! اس طرح حضرت ابو الدرداء نے اس شخص کو بد دعا دی کیونکہ جب یہ چیزیں کسی کو ملتی ہیں تو اس کو تکبر‘ غفلت‘ آخرت سے غافل بنا دیتے ہیں اور وہ ہلاکت میں پڑ جاتا ہے! (اس کے لیے ہلاکت اور تباہی ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک درہم دست مبارک پر رکھ کر فرمانے لگے کہ اے درہم تو وہ چیز ہے کہ جب تک میرے پاس سے نہیں جائے گا مجھے کسی قسم کا نفع نہیں پہنچا سکتا۔“

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے ”خدا کی قسم جو مال وزر کو عزیز رکھے گا حق تعالیٰ اس کو خوار و ذلیل کرے گا۔“

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب دینار و درہم کے سکے بنائے گئے تو ابلیس نے ان کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا اور کہا کہ جو تجھے پیار کرے گا اور محبوب رکھے گا وہ میرا غلام ہے۔“

شیخ یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ درہم و دینار بچھو کی طرح ہیں جب تک بچھو کے کاٹے کا منتر نہ سیکھ لے ان کو ہاتھ نہ لگائے‘ ورنہ اس کا زہر ہلاک کر دے گا۔ لوگوں نے پوچھا وہ منتر کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مال حلال کی کمائی کا ہو اور اس کو بجا طور پر خرچ کیا جائے۔

مسلمہ بن عبدالملک رحمتہ اللہ علیہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ان کے دم باز پسیں پہنچے اور دریافت کیا کہ اے امیر المومنین آپ نے ایسا کام کیا ہے جو کسی نے نہ کیا ہو آپ کے تیرہ فرزند ہیں اور آپ نے ان کے لیے ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا ہے یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس کے علاوہ میں نے ان کی ملک دوسروں کو اور دوسروں کی ملک ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دی ہے۔ اب اگر میرا بیٹا لائق اور خداوند تعالیٰ کا فرمانبردار ہو گا اگر وہ لائق اور فرمانبردار ہے تو خداوند تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے اور جو ناخلف ہے اس کی نالائقی کا مجھے کچھ غم نہیں (وہ جانے اور اس کا کام)

جناب محمد بن کعب القرظی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بہت سامال آیا لوگوں نے ان سے کہا کہ اس کو اپنی اولاد کی خاطر رکھ دو انہوں نے کہا نہیں میں ایسا نہیں کروں گا بلکہ میں اس مال کو اپنے واسطے خدا کے پاس جمع کروں گا۔ میرے بچوں کے لیے خدا کا وسیلہ کافی ہے وہ ان کو نیک بخت بنائے۔

جناب یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تونگر کے لیے مرتے وقت دو مصیبتیں ہیں (دوسرے لوگ ان سے آزاد ہیں) ایک مصیبت تو یہ کہ سارا مال اس سے چھین لیا جائے گا اور دوسری مصیبت یہ کہ قیامت میں اس مال کی پرسش اس سے کی جائے گی۔

فصل :-اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ مال چند وجوہ کے باعث اگرچہ برا ہے لیکن ایک وجہ سے اچھا بھی ہے یعنی مال میں برائی بھی ہے اور بھلائی بھی' اسی واسطے حق تعالیٰ نے اس کو "خیر" کے نام سے موسوم فرمایا ہے-ارشاد کیا ہے اِنْ تَرَکَ خَیْرَاَلْوَصِیَّۃُ (الآیۃ) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحِ لِلرِّجَالِ الصَّالِحِ یعنی اچھا مال بہتر چیز ہے اچھے شخص کے حق ہیں- حضور ﷺ نے مزید فرمایا ہے کَادَالْفَقْرَان یَکُوْنَ لِفْرًا یعنی قریب ہے کہ افلاس اور فکر کفر کا سبب بن جائے-" اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص خود کو (نعمتوں کے حصول کے سلسلہ میں) عاجز پاتا ہے' نان شبینہ کو محتاج ہوتا ہے تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتا ہے' اپنے اہل و عیال کو فقر و تنگدستی کی وجہ سے غمگین دیکھتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ دنیا میں نعمتوں کی کوئی کمی نہیں تو اس وقت شیطان اس کو بھکاتا ہے اور کہتا ہے یہ کیسا عدل وانصاف ہے جو خدا نے کیا ہے اور یہ کیسی ناروا تقسیم ہے جو اس نے تیرے حق میں کی ہے' فاسق اور ظالم کو تو اس قدر مال دیا ہے کہ اس کو اپنی دولت کا اندازہ اور مال کا شمار ہی نہیں اور ایک لاچار اور بے بس بھوکوں مر رہا ہے-اس کو ایک درہم بھی میسر نہیں! اگر وہ تیری حاجت اور ضرورت سے آگاہ نہیں تو اس طرح اس کا علم ناقص ہے اور اگر وہ ضرورت سے واقف ہے اور مال دے نہیں سکتا تو اس کی قدرت میں خلل ہے اور اگر علم و قدرت کے باوجود نہیں دیتا تو اس کی بخشش ورحمت میں خلل ہے' اور اگر وہ اس واسطے تجھے مال نہیں دیتا کہ دنیا کے بجائے آخرت میں تجھے ثواب ملے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ فقر و فاقہ کی مصیبت کے بغیر بھی ثواب عطا فرما سکتا ہے پھر وہ مال کیوں نہیں دیتا کہ فقر و فاقہ دور ہو' اگر ثواب اس طرح نہیں دے سکتا تو اس کی قدرت کامل نہیں ہے' ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ وہ رحیم' جواد اور کریم بھی ہے تو اس کی ان صفات پر اس صورت میں کس طرح یقین کیا جائے کہ وہ جواد و کریم ہوتے ہوئے بھی بندوں کو تکلیف میں رکھتا ہے اور اس کا خزانہ نعمتوں سے معمور ہے اس کے سامنے پیش کرتا ہے اور شبہات میں مبتلا کر کے اس کو طیش اور غضب میں لاتا ہے تاکہ وہ غصہ میں زمانے کو برا کہے اور گالیاں دے اور کہنے لگے کہ آسمان سخت احمق ہے اور زمانہ میرے خلاف ہو گیا ہے کہ ساری نعمتیں غیر مستحق لوگوں کو دیتا ہے' اس کی اس ناراضی پر جب اس کو سمجھایا جائے کہ آسمان اور زمانہ تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں اب اگر وہ کہدے کہ اللہ تعالیٰ کے مسخر اور اس کے دست قدرت میں نہیں ہیں تو کافر ہو جائے گا اور اگر کہتا ہے کہ مسخر ہیں تو پھر جو کچھ اس نے برا کہا ہے اور گالیاں بکی ہیں تو وہ گالیاں حق تعالیٰ کی طرف عائد ہوں گی اور یہ بھی کفر ہے اسی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ لَاتَسُبُّوالدَّھْرَ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَالدَّھْرُ (زمانے کو گالی مت دو کہ اس سے خدا کی ذات مراد ہے) تشریح اس ارشاد کی یہ ہے کہ تم جس چیز کو اپنے کاموں کا کفیل سمجھتے ہو اور تم نے اس کا نام زمانہ رکھا ہے وہ ذات باری تعالیٰ کی ہے پس اسی طرح غریبی اور ناداری سے کفر کی بو آتی ہے-

مال کا بقدر ضرورت ہونا : ایسا شخص جو ایمان پر اتنا ثابت قدم ہو کہ مفلسی اور محتاجی میں بھی وہ خدا سے راضی

رہے (شکایت اس کے لب پر نہ آئے) اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس مفلسی میں اس کی بہتری اور بھلائی ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں تو بہتر یہی ہے کہ مال بقدر ضرورت انسان کے پاس موجود ہو' اس لحاظ سے مال کا پاس رہنا محمود اور پسندیدہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام بزرگوں کا مقصود و مطلوب آخرت کی سعادت ہے اور اس سعادت کا حصول تین طرح کی نعمتوں سے ممکن ہے ایک نعمت تو دل میں ہے جیسے علم اور اخلاق (حسنہ) اور دوسری نعمت جسمانی ہے یعنی جسم کی صحت اور سلامتی اور تیسری نعمت جسم کے باہر سے متعلق ہے یعنی دنیاداری لیکن صرف ضرورت کے لائق۔

بزرگانِ دین نے مال کو سب سے کم تر درجہ کی نعمت میں شمار کیا ہے اور مال میں سب سے کم مرتبہ سیم و زر (نقدی) ہے اور اس میں سوا اس کے اور کچھ منفعت نہیں ہے کہ مال کو غذا اور لباس کی فراہمی پر صرف کیا جائے' کیونکہ کھانا اور کپڑا جسم کی سلامتی کے لیے ہے اور جسم حواس کی نگہداشت کے لیے ہے اور حواس حصول عقل کا ذریعہ ہیں اور عقل دل کا چراغ اور نور ہے تاکہ اس نور کے واسطے سے بارگاہِ الٰہی کا مشاہدہ کرے اور اس کی معرفت حاصل کرے اور معرفت الٰہی سعادت کا تخم ہے (اس کے ذریعہ سعادتِ اخروی جو مقصود ہے حاصل ہو سکتی ہے) پس مقصود ان تمام باتوں کا حق تعالیٰ ہے' اول و آخر وہی ہے اور تمام موجودات کی ہستی اس کی ذات سے ہے (ہمہ ازوست) جو یہ بات سمجھ لے گا وہ دنیا کے مال سے صرف اتنا ہی لے گا جو دین کے راستے میں کام آئے اور باقی مال کو وہ اپنے لیے زہر قاتل سمجھے گا نَعِمَ الْمَالُ الصَّالِح لِلرِّجَالِ الصَّالِحِ اچھا مال وہی ہے جو مرد صالح کے ہاتھ میں ہو۔ چنانچہ سرور کونین ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے۔

"یاالٰہی! محمد (ﷺ) کے گھر والوں کی روزی بقدر کفایت عطا فرما کہ تجھے معلوم ہے کہ جو چیز قدر کفایت (ضرورت) سے زیادہ ہوتی ہے وہ خرابی کا باعث ہوتی ہے اور جو قدر کفایت سے کم ہو وہ کفر کی طرف لے جاتی ہے اور یہ بھی باعثِ خرابی ہے۔"

پس جس شخص نے اس بات کو معلوم کر لیا اور اس حقیقت کو پا گیا وہ ہرگز مال کو دوست نہیں رکھے گا کیونکہ جو شخص ایک چیز کو اپنے کسی مطلب یا مقصد کے لیے ڈھونڈتا ہے وہ اس مطلب یا مقصد کو دوست رکھتا ہے نہ کہ اس چیز کو' پس جو شخص نفسِ مال کو دوست رکھتا ہے وہ اندھا ہے اس نے اس کی حقیقت کو نہیں پہچانا ہے اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"بدبخت ہے بندۂ دینار اور نگونسار ہے بندۂ دراہم"

اور جو کوئی کسی چیز کے عشق میں سرشار ہوتا ہے وہ اس چیز کا بندہ ہوتا ہے اور جو کسی چیز کی طاعت میں ہوتا ہے وہ چیز اس کی خداوند مالک ہے اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَعْبُدَ الْاَصْنَامَ الٰہی مجھے اور میرے فرزندوں کو بت پرستی سے بچا' علمائے عظام نے فرمایا ہے کہ یہاں "اصنام" سے مراد زر و سیم ہے کیونکہ تمام لوگ اس کو اپنا معبود سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ ورنہ پیغمبر علیہ السلام اور ان کی اولاد کو بت پرستی سے کیا علاقہ اور کیا تعلق۔

☆......☆......☆

مال کے فائدے اور اس کی آفتیں

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ مال سانپ کی مانند ہے جس میں زہر ہوتا ہے (ایک زہریلا سانپ ہے) اور تریاق بھی ہے اور جب تک زہر کو تریاق سے جدا نہ کیا جائے اس کا تمام وکمال راز معلوم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہم پہلے مال کے فوائد اور اس کے بعد اس کی آفات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

مال کے فوائد : معلوم ہونا چاہیے کہ مال کا فائدہ دو قسم کا ہے۔

پہلی قسم : تو یہ ہے کہ انسان اس مال کو اپنی عبادت یا ضروریات عبادت میں صرف کرے جیسے حج اور جہاد میں مال کا صرف کرنا یہ خرچ کرنا گویا عین عبادت میں خرچ کرنا ہے' سامان اور ضروریات عبادت سے مقصد یہ ہے کہ مال کو کھانے (غذا) لباس اور ایسی ہی دوسری ضرورتوں میں صرف کیا کیونکہ اس سے عبادت میں تقویت اور اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے (جس کے بغیر عبادت' عبادت نہیں رہتی) پس وہ چیز جس کے واسطے سے عبادت ہو سکے وہ بھی عین عبادت ہے کیونکہ جس کے پاس مال بقدر حاجت نہیں ہے تمام دن اس کا جسم اور اس کا دل اس کی طلب اور حصول میں مشغول رہے گا اور عبادت سے جس کا خلاصہ ذکر و فکر ہے' محروم رہے گا (اور بقدر ضرورت مال ہونے کی صورت میں اس طلب کی ضرورت پیش آہی نہ آئے گی) پس جب عبادت کے لیے مال بقدر ضرورت صرف ہو تو یہ بھی عین عبادت ہے اور فوائد دینی میں داخل ہے اور یہ منجملہ دنیاداری نہیں ہے (اس کو دنیاداری نہیں کہا جائے گا) لیکن اس کی مدار نیت پر ہے کہ اگر دل کا ارادہ اس مال سے راہِ آخرت کی فراغت کا حصول اور دلجمعی ہے تو اس صورت میں یہ مال جو بقدر حاجت ہے توشۂ آخرت اور عین آخرت ہوگا۔

نقل ہے کہ شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کی ملکیت میں ایک قطعہ زمین تھا جس سے وہ حلال روزی حاصل کرتے تھے ایک دن اس زمین سے اناج آیا' خواجہ ابو علی فارمدیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس اناج سے ایک مٹھی اناج لے لیا اور کہا کہ میرے اس اناج کو اگر دنیا بھر کے متوکلین اپنے توکل کے بدلہ میں لینا چاہیں تو میں نہیں دوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات اور یہ رمز وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کا دل مراقبہ میں مشغول ہو کیونکہ اس کو علم ہے کہ معاش کی طرف سے خاطر جمع ہونا راہِ آخرت کے طے کرنے میں بڑی مددگار ہوتی ہے۔

دوسری قسم : یہ ہے کہ مال لوگوں کو عطا کرے (یا ان پر صرف کرے) یہ بذل مال چار طریقوں پر ہوتا ہے۔

پہلا طریقہ تو صدقہ ہے' صدقہ کا ثواب دین و دنیا دونوں میں بہت ہے کہ فقیروں کی دعا کی برکت اور ان کی خوشنودی کا اثر بہت ہوتا ہے جس کے پاس مال نہیں ہے وہ صدقہ و خیرات کر ہی نہیں سکتا۔ دوسرا طریق بطور

مروت مال کا خرچ کرنا ہے - مثلاً دوسروں کو اپنا مہمان بنائے (میزبان کے فرائض انجام دے)' اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ احسان کرے خواہ وہ مالدار ہوں' ان کو ہدیہ دے اور مال سے ان کی غمخواری کرے لوگوں کے حقوق ادا کرے اور دوسرے جائز رسوم بجالائے یہ عمل اگر توانگروں کے ساتھ بھی کیا جائے تو پسندیدہ ہے' اس سے سخاوت کی صفت پیدا ہوتی ہے اور معلوم رہے کہ سخاوت بہت ہی عظیم خلق ہے ہم انشاء اللہ آئندہ اوراق میں سخاوت کی تعریف بیان کریں گے -

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مال کو اپنی ابرو کے تحفظ کے لیے صرف کرے - مثلاً کسی شاعر کو انعام کے طور پر دینا یا کسی حریص اور لالچی پر خرچ کرنا کہ ان لوگوں پر اگر خرچ نہیں کرے گا تو شاعر تو ہجو کرے گا اور حریص غیبت کرے گا اور گالیاں دے گا - حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے' وہ چیز جس کے ذریعہ لوگوں سے اپنی آبرو کا تحفظ کیا جائے صدقہ ہے چونکہ مال بدگوئی اور غیبت کا راستہ مخلوق پر بند کرتا ہے اور تشویش و پریشانی کی آفتوں کو روکتا ہے اگر ان لوگوں پر مال خرچ نہ کیا جائے اور وہ ہجو اور غیبت کریں تو صاحبِ مال کے دل میں بھی بدلہ لینے کی خواہش پیدا ہو' اس طرح عداوت اور دشمنی کا سلسلہ جاری ہو جائے گا پس مال ہی اس کام کو کر سکتا ہے -

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ مال ایسے لوگوں کو دے جو اس کی خدمت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص اپنے تمام کام اپنے آپ ہی انجام دے گا' جیسے دھونا' جھاڑنا' پونچھنا' خریدنا' پکانا وغیرہ تو ان کاموں میں اس کا تمام وقت ضائع ہو جائے گا اور ہر شخص پر ذکر و فکر فرض عین ہے اور اس کا یہ کام کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا پس اس کے جو کام دوسرے انجام دے سکتے ہیں اس میں اپنے وقت کو ضائع کرنا افسوس کی بات ہے اس لیے کہ انسان کی عمر کم ہے موت اس سے قریب ہے' آخرت کا راستہ بہت طویل ہے' اس کے لیے' بہت سے توشہ کی ضرورت ہے' پس ہر ایک سانس کو غنیمت شمار کرے اور ایسے کام میں جس کو دوسرا شخص اس کے لیے انجام دے سکتا ہے خود مصروف و مشغول ہونا مناسب نہیں ہے اور یہ معاملہ بھی مال کے بغیر انجام نہیں پا سکتا' مال پاس ہو گا تو خدمت گاروں کو دے سکے گا اور وہ خدمت گار اس کو کاموں کی محنت (اور مشغولیت) سے بچائیں گے' اگرچہ سب کام اپنے ہاتھ سے کرنا بھی ثواب کا موجب ہے لیکن یہ معاملہ اس شخص کا ہے جو جسم سے بندگی میں مشغول ہوتا ہے دل سے نہیں' لیکن جو شخص ذکر و فکر میں مشغول رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے لوگ اس کے کام کریں تاکہ اس کو اطمینان قلب میسر ہو اور اس کام کے انجام دینے میں اس کو دلجمعی میسر آسکے جو جسم کی طاعت و بندگی سے بزرگ تر اور عظیم تر ہے -

تیسری قسم : یہ ہے کہ ایک معین اور مخصوص شخص کو مال نہ دیتا رہے بلکہ ایسی خیرات کرے جس کا فائدہ عمومی ہو' جیسے پل بنوانا' سرائے اور مسجد تعمیر کرانا' دار الشفاء (شفاخانہ) قائم کرنا یا فقیروں اور درویشوں کے لیے مال کو وقف کر دینا یہ تمام باتیں خیراتِ عمومی میں داخل ہیں اور دیر تک باقی رہنے والی ہیں اس سلسلہ میں دعائیں اور اس کی

برکتیں انسان کے مرنے کے بعد اس تک پہنچتی رہتی ہیں (اس کا نام صدقہ جاریہ ہے) اس صدقہ جاریہ اور خیرات عمومی کے لیے بھی مال درکار ہے مال کے دینی فائدے تو یہ تھے جو ہم نے بیان کئے' دنیاوی فائدے ظاہر ہی ہیں کہ اس کے ذریعے انسان مکرم و محترم رہے گا' مخلوق اس کی دست نگر رہے گی اور وہ مخلوق سے بے نیاز رہتے ہوئے بھی بہت سے دوست اور بھائی پیدا کرلے گا ہر ایک کا محبوب و مقبول ہوگا اور کوئی اس کی تحقیر نہیں کر سکے گا۔

مال کی آفتیں

مال کی دینی آفتیں : مال کی آفتوں میں بعض دنیاوی آفات ہیں اور بعض دینی آفات ہیں۔

دینی آفات تین قسم کی ہیں۔

پہلی آفت : یہ ہے کہ مال فسق و فجور اور معصیت میں معاون و مددگار ہوتا ہے اور انسانی فطرت ہے کہ وہ معصیت کو پسند کرتی ہے اور ناداری و مفلسی منجملہ اسباب پارسائی ہے 'ایسی صورت میں کہ آدمی کو (مال کے ذریعہ) قدرت حاصل ہو تو اگر وہ معصیت میں مبتلا ہوگا تو اس کی ہلاکت کا موجب ہوگا اور اگر اس خواہش اور معصیت پر صبر کرے گا تو بڑا جبر کرنا پڑے گا کیونکہ قدرت رکھتے ہوئے صبر کرنا بہت ہی دشوار ہے۔

دوسری آفت : یہ ہے کہ آدمی اگرچہ بڑا دیندار ہے اور معصیت سے خود کو محفوظ رکھتا ہے پھر بھی مباح چیزوں کے ذوق شوق سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے گا' اور کسی شخص میں قدرت ہے کہ تونگری میں جو کی روٹی پر گذر کرے اور موٹا کپڑا پہنے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کا باوجود سلطنت اور بادشاہت کے معمول تھا (کہ موٹا اور معمولی کپڑا پہنتے اور بہت ہی معمولی غذا استعمال کرتے تھے) اور جب آدمی عیش و عشرت میں پڑ جاتا ہے تو جسم اس سے لذت پاتا ہے پھر وہ اس کو چھوڑ نہیں سکتا' دنیا اس کے لیے بہشت کی مانند ہوگی موت سے بیزار رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ ہمیشہ عیش و عشرت کا یہ سامان حلال روزی سے فراہم نہ کر سکے گا اور مشتبہ ذریعوں اور طریقوں سے کمائے گا' سلاطین کی مدد کا محتاج ہوگا (بادشاہوں کے درباروں کا رخ کرے گا) ان کی خدمت میں پہنچ کر ان کی مزاج داری' تعلق وریا' دروغ نفاق اور ان کی خدمت گذاری میں مبتلا ہوگا' ان کا مقرب تو بن جائے گا لیکن یہ خطرہ ضرور رہے گا کہ وہ بادشاہ کا محبوب بن جائے یا کسی وقت بادشاہ اس سے بیزار ہو جائے اگر وہ بادشاہ کا مقرب بن گیا تو دوسرے لوگ اس پر حسد کریں گے اور اس کی ایذارسانی کے درپے ہوں گے' اس کو ستائیں گے اور وہ بھی ان سے بدلہ لینے کے لیے کمربستہ ہو جائے گا اور خود بھی جھگڑے فساد اور حسد میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہ باتیں تمام مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہیں۔ کیونکہ ان برائیوں کی بدولت اس سے دروغ' غیبت' بدخواہی اور دل اور زبان سے دوسرے معاصی پیدا ہوں گے اور حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ کے یہی معنی ہیں (کہ دنیا تمام خطاؤں کا سر ہے)

معاصی اور برائیوں کی یہ تمام شاخیں اسی سے پھوٹی ہیں اور دنیا نہ ایک آفت ہے نہ دس نہ سو بلکہ بے حساب آفتوں کا نام دنیا ہے، یہ ایک ایسا غار ہے جس کی تھاہ نہیں ہے جس طرح دوزخ کا گڑھا جو ایسے ہی لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے۔

تیسری آفت : یہ تیسری آفت ایسی آفت ہے کہ اس سے بس وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جس کو خدا بچائے اور وہ یہ ہے کہ انسان معصیت سے بچے۔ عیش و عشرت میں مشغول نہ ہو، مشتبہ مال سے بھی محفوظ رہے اور وہ حقیقت میں پارسا ہے، حلال مال حاصل کرتا ہے اور اس کو راہِ خدا میں خرچ بھی کرتا ہے پھر بھی اس مال کا رکھنا تعلق خاطر کا سبب ہوگا (دل کسی نہ کسی طرح اس مال کی طرف لگا رہے گا) اور یہ تعلق خاطر جو اس کو مال سے ہے وہ اس کو خدا کے ذکر اور اس کی عظمت کے خیال سے باز رکھے گا (ذکر و فکر سے غافل بنا دے گا) حالانکہ تمام عبادتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ ذکر الٰہی انسان پر غالب ہو اور اس ذکر کے سوا کسی چیز سے اس کو انسیت نہ ہو اور ماسویٰ اللہ سے بے نیاز اور مستغنی رہے، ان چیزوں کے لیے خاطر جمعی اور طمانیت قلب درکار ہے کہ کسی طرف مشغول نہ ہو۔ ایسا مالدار آدمی اگر زمین کا مالک ہے تو بسا اوقات وہ اس زمین کی آبادانی کے خیال میں، اس زمین میں جو دوسرے لوگ شریک ہیں ان کی خصومت اور عداوت کی فکر میں رہے گا، خراج دینے اور رعایا (کاشتکاروں) سے حساب کتاب (مال گذاری) لینے میں مصروف رہے گا اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تجارت کرتا ہے تو تجارت اور کاروبار میں دوسرے شریکوں، مال تجارت کے گھاٹے، سفر کی تدابیر اور نفع بخش کاروبار کی فکر میں لگا رہے گا، اگر یہ نہیں بلکہ جانور پالے ہوئے ہیں اور ان کی تجارت کرتا ہے تو اس تجارت کا بھی یہی حال ہوگا (ایسی ہی مصروفیات اور وسوسے پیدا ہوں گے) بظاہر وہ مال جو گنج کی شکل میں دفن ہے آدمی کو بخیل بنانے والا ہے اور اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے نکال کر خرچ کرتا رہتا ہے۔ لیکن یہ مال بھی اس کو مصروف رکھنے والا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی فکر میں رہتا ہے اور یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی اس کو چرا کر نہ لے جائے یا کوئی شخص اس کا کھوج نہ لگالے (کہ خزانہ کس جگہ دفن ہے) غرضیکہ دنیا والوں کی فکر کا میدان بہت وسیع ہے اس کا اور چھور نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیاداری کے ساتھ ساتھ طمانیت قلب اور خاطر جمعی کو حاصل کرے تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو پانی میں گھس کر یہ چاہتا ہے کہ بھیگنے سے محفوظ رہے (جو ناممکن ہے) پس مال کے فائدے اور اس کی آفتیں یہی ہیں جو ہم نے بیان کیں تاکہ عقلمند لوگ ان آفتوں کو سمجھ لیں اور جان لیں کہ مال بقدر ضرورت تریاق ہے اور اس سے زیادہ زہر کا خاصہ رکھتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے اہل بیت کے لیے اسی مال بقدر ضرورت کی خواہش فرمائی اور مختصر طور پر یہ فرمایا کہ "جو کوئی مال کو قدر حاجت سے زیادہ لیتا ہے اس نے اپنی خرابی اور بربادی کی چیز کو خود پسند کیا۔" اسی طرح یکبارگی مال کو اڑا دینا (صرف کر دینا، خرچ کر دینا) کہ کچھ باقی نہ رہے اور ضرورت کے وقت پریشانی لاحق نہ ہو، شریعت میں درست نہیں ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

وَلَاتَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۝ اور (ہاتھ) نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا۔

طمع و حرص کی آفت اور قناعت کا فائدہ

معلوم ہونا چاہیے کہ طمع برے اخلاق (اخلاق رذیلہ) میں داخل ہے اور اس میں بالفعل ذلت و خواری موجود ہے اور خجالت اس کا نتیجہ ہے جب آدمی میں طمع پیدا ہوتی ہے تو اس سے خود بخود بہت سے برے اخلاق' (اخلاق رذیلہ) پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ جب کوئی شخص کسی سے طمع کرتا ہے تو اس کے ساتھ دوروئی اور نفاق سے پیش آئے گا۔ عبادات میں بھی ریا پیدا ہو جائے گا جس سے طمع رکھتا ہے جب وہ طامع اور حریص کی تحقیر کرے گا تو وہ اس کو برداشت کرے گا اور برے کاموں میں سہل انگاری کا اظہار کرے گا۔ (برے کام اس کی نظر میں بہت معمولی نظر آئیں گے)

ارشاداتِ نبوی ﷺ: انسان فطرۃً اور بالطبع حریص ہے جو کچھ اس کے پاس ہے ہرگز اس پر قناعت نہیں کرتا اور حرص و طمع سے سوائے قناعت کے بچنا ناممکن ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر انسان کے پاس دو وادیوں سے بھرا ہوا مال ہو تو وہ تیسری وادی مال سے بھری ہوئی چاہے گا' خاک کے سوا آدمی کے دل کو سیر کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں جو توبہ کرے اور حق تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔" حضور ﷺ نے مزید فرمایا:

"انسان کی تمام چیزوں میں بڑھاپا آتا ہے لیکن اس کی دو چیزیں جوان رہتی ہیں' ایک تو طویل عمر کی آرزو دوسرے مال کی محبت۔

حضور ﷺ نے مزید فرمایا ہے:

"آسودہ ہے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی راہ دکھائی اور بقدر حاجت اس کو مال دیا اور اس نے اس مال پر قناعت کی۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

"روح القدس نے میرے دل میں اس بات کا القا کیا کہ جب تک بندے کا رزق پورا نہیں ہو تا وہ نہیں مرتا پس حق تعالیٰ سے ڈرو اور دنیا کا مال بہت نہ ڈھونڈو اور بہت حرص مت کرو۔"

ایک اور ارشاد ہے کہ:

"مال مشتبہ سے بچو تاکہ تم سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جاؤ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس پر قناعت کرو تاکہ سب سے زیادہ شاکر تم بنو اور دوسرے لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو تاکہ مومن بن جاؤ۔"

حضرت عوف ابن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے (ہم

سب لوگ سات یا آٹھ یا نو افراد تھے) آپ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرو، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ایک بار بیعت نہیں کر چکے ہیں؟ آپ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ اللہ کے رسول سے بیعت کرو آپ کا دوبارہ ارشاد گرامی سن کر ہم لوگوں نے اپنے ہاتھ آپ کی طرف بڑھائے اور دریافت کیا کہ حضور ہم کس بات پر بیعت کریں آپ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی بندگی کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو اور جو کچھ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہو اس کو دل و جان سے بجالاؤ اور پھر آہستہ سے فرمایا کہ "اور کسی سے کچھ نہ مانگو۔"

اس واقعہ کے بعد سے ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ اگر کسی کے ہاتھ سے تازیانہ زمین پر گر جاتا تھا تو وہ کسی دوسرے سے یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ تازیانہ اٹھا دو۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی تیرے بندوں میں سب سے زیادہ توانگر کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ وہ شخص جو اس چیز پر قناعت کر لے جو اس کو میں عطا کروں انہوں نے پھر عرض کیا کہ الٰہی سب سے زیادہ عادل بندہ کون سا ہے فرمایا وہ ہے جو ہر ایک کام میں انصاف کرنے سے نہ چوکے۔"

اقوالِ بزرگاں: جناب ابن وسیع سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے اور فرماتے جو اس پر قناعت کرے گا وہ مخلوق سے بے نیاز رہے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہر روز فرشتہ یہ منادی کرتا ہے کہ اے فرزندِ آدم کہ وہ تھوڑا مال جو تجھے کفایت کرے اس کثیر مال سے بہتر ہے جس سے بے اندازہ مسرت اور غفلت پیدا ہو۔

جناب سحیط ابن عجلان کہتے ہیں کہ تیرا اشکم ایک بالشت سے زیادہ طول، عرض میں نہیں ہے (ہمہ شکم تو وجب در وجب بیش نیست) اور یہ ذرا سی چیز تجھے دوزخ میں ڈال دے تو عجیب سی بات ہو گی۔"

حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے فرزندِ آدم! اگر میں تجھے ساری دنیا دے دوں تب بھی تو اس سے صرف اپنی روزی (مقسوم کے مطابق) کھائے گا اور جب میں تجھے تیری خوراک سے زیادہ نہ دوں اور اس کے حساب کا شغل دوسروں کے سپرد کر دوں (دنیا کے دوسرے لوگ دولت کثیر کا حساب کتاب کرنے میں مشغول رہیں) تو تجھ پر یہ میرا بہت بڑا احسان ہے۔"

کسی دانشمند کا قول ہے حریص اور طامع سب سے زیادہ غمگین رہے گا اور قانع ہمیشہ خوش رہے گا اور حاسد کے غم کی تو انتہا ہی نہیں ہے' اور تارک دنیا ہمیشہ سبکدوش اور سبکبار رہتا ہے اور وہ عالم جو بدکار ہے سب سے زیادہ پشیمان رہتا ہے۔"

حکایت: جناب شعبیؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے ایک چڑیا کو پکڑ لیا' اس چڑیا نے اس سے پوچھا کہ مجھے تو نے

کس لیے پکڑا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میں تجھے ذبح کر کے کھاؤں گا اس نے کہا کہ مجھ سے تو تیرا پیٹ نہیں بھرے گا' البتہ میں تجھے تین باتیں بتاتی ہوں وہ تجھ کو میرے کھانے سے زیادہ نفع دیں گی' سن ان میں سے ایک بات تو تیرے ہاتھ میں رہتے ہوئے بتاؤں گی اور دوسری بات اس وقت کہوں گی جب تو مجھے آزاد کر دے گا اور تیسری بات اس وقت کہوں گی جب درخت سے اڑ کر اس پہاڑ پر جا بیٹھوں گی۔ اس شخص نے کہا پہلی بات کونسی ہے؟ چڑیا نے کہا وہ یہ ہے کہ "جو چیز ہاتھ سے جائے اس کا غم نہ کرنا' یہ سن کر اس شخص نے اس چڑیا کو چھوڑ دیا وہ درخت پر جا کر بیٹھ گئی' اس وقت اس شخص نے کہا اب دوسری بات بتا اس نے کہا کہ محال بات کو باور نہ کرنا- یہ کہہ کر وہ درخت سے اڑ کر قریب کے پہاڑ پر جا بیٹھی اور وہاں بیٹھ کر کہنے لگی کہ تو بہت بد قسمت ہے اگر تو مجھے ذبح کرتا تو مالا مال ہو جاتا کیونکہ میرے پیٹ میں دو لعل ہیں' ہر ایک لعل کا وزن بیس مثقال ہے' یہ سن کر وہ شخص بہت افسوس کرنے لگا اور کہا خیر اب تیسری بات تو بتا دے- چڑیا نے کہا اب میں تیسری بات کیا بتاؤں کہ تو نے پہلی دو باتوں ہی کو یاد نہیں رکھا' میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ گذری بات کا غم نہ کرنا اور محال بات کو باور نہ کرنا۔ سن میں جب تیرے ہاتھ میں تھی تو تمام گوشت و پوست اور پر سمیت میرا وزن دس مثقال بھی نہ تھا' میرے پیٹ میں ایسے دو لعل کس طرح ہو سکتے ہیں جن میں سے ہر ایک کا وزن بیس مثقال ہو- یہ کہہ کر وہ چڑیا پہاڑ سے اڑ گئی- اس حکایت سے مقصود یہ ہے کہ جب طمع ظاہر ہوتی ہے تو آدمی ہر محال بات کو باور کر لیتا ہے-

ابن سماکؒ نے کہا ہے کہ "طمع ایک رسی ہے جو تیری گردن میں بندھی ہے اور ایک ڈوری ہے جو تیرے پاؤں میں بندھی ہے گردن کی رسی کو نکال تا کہ پاؤں کی ڈوری کھل سکے-"

حرص و طمع کا علاج

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ اس مرض کی دوا ایک معجون ہے جو صبر کی تلخی، علم کی شیرینی اور عمل کی دشواری سے مرکب ہے اور دل کی بیماریوں کا علاج ان ہی اجزاء سے ہوتا ہے' حرص اور طمع کا علاج ان پانچ چیزوں سے ہوگا' پہلی چیز عمل ہے' عمل سے علاج اس طرح ہوگا کہ آدمی اپنے خرچ کو کم کرے' موٹا سادہ لباس پہنے اور سوکھی روٹی پر قناعت کرے۔ سالن کا استعمال کبھی کبھی کرنا چاہیے یہ ضروریات انسان کی بغیر طمع اور حرص کے آسانی سے پوری ہو سکتی ہیں اگر اخراجات بہت ہوں گے تو قناعت اختیار نہیں کر سکے گا' حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ یعنی جس کا خرچ متوسط درجہ کا ہوگا وہ کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے۔ "تین چیزیں ہیں جن میں خلائق کی نجات ہے (۱) خلوت و جلوت میں خدا سے ڈرنا (۲) درویشی اور توانگری کی حالت میں اعتدال سے خرچ کرنا (۳) خوشی اور غم میں انصاف سے گریز نہ کرنا۔" کسی شخص نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ کھجور کی گٹھلیاں چن رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ روزی میں اعتدال کو مد نظر رکھنا انسان کی دانشمندی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "جو کوئی اعتدال کے ساتھ خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو (دوسروں سے) بے نیاز کر دے گا اور جو کوئی خرچ میں اسراف (فضول خرچی) کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو افلاس میں رکھے گا حضور پر نور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اندازے کے ساتھ خرچ کرنا نصف روزی ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ جب ایک دن کی روزی میسر آئے تو آئندہ کی روزی کی فکر نہ کرے کیونکہ اس طرح شیطان اس سے کہتا ہے کہ شاید تیری عمر دراز ہو اور کل کی روزی میسر نہ آئے پس آج ہی اس کی جستجو کر اور بے فکر ہو کر مت بیٹھ اور جہاں کہیں سے بھی مال ملے اسے حاصل کر لے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۔ شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا۔

وہ چاہتا ہے کہ تجھے کل کی تنگدستی سے آج کے دن تشویش و پریشانی میں رکھے اور فقیر بنادے اور وہ تجھ پر ہنستا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ تیرے لیے کل کا دن نہ آئے' اور اگر آئے بھی تو اس دن کی محنت اور مشقت اس سے زیادہ تو نہ ہوگی جس میں تو نے آج خود کو ڈالا ہے۔ اس خطرے سے اس طرح بچنا ممکن ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ رزق حرص کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ جو روزی نصیب میں ہے وہ بہر حال مل کر رہے گی۔ حضور اکرم ﷺ ایک دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو نہایت فکر مند پایا۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

فکر مت کرو جو مقدور میں ہے وہ ہوگا اور جو تمہاری روزی ہے وہ یقیناً تم کو ملے گی۔ پس آدمی کو چاہیے کہ یہ بات خیال میں رکھے کہ روزی ایسی جگہ سے پہنچتی ہے جو اس کے خیال میں بھی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ
جو کوئی پرہیزگار ہو اس کی روزی ایسی جگہ سے ملے گی جس کا اس کو خیال بھی نہ ہو۔

حضرت ابو سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ "پرہیزگار رہ کیونکہ پرہیزگار کبھی بھوک سے نہیں مرے گا۔ یعنی خداوند تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس قدر رحم ڈالے گا کہ بغیر مانگے اس کی روزی اس کے پاس پہنچے گی اور لوگ اس کے پاس پہنچائیں گے۔ حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رزق کی دو قسمیں ہیں، جو کچھ میری روزی میں ہو گا وہ مجھے جلد پہنچ جائے گی اور وہ جو دوسرے کی روزی میں ہے وہ تمام اہلِ زمین واہل آسمان کی کوشش سے بھی مجھے نہیں ملے گی پس اس کی فکر میں میری بے قراری کس کام آسکتی ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ آدمی کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر وہ طمع نہ کرے اور صبر کرے تو صرف غمگین ہو گا اور اگر طمع کرے اور صبر کرے تو غمگین ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ذلیل اور خوار بھی ہو گا، طمع کے باعث لوگ اس کو ملامت بھی کریں گے اور آخرت کے عذاب کے خطرے میں بھی پڑے گا اور اگر صبر کرے گا تو ثواب بھی حاصل ہو گا، نیک کاموں میں وہ شمار کیا جائے گا اور لوگ بھی تعریف کریں گے، اس طرح وہ رنج جس کے ساتھ ثوابِ آخرت تعریف اور عزت بھی ہے وہ اس رنج سے کہیں اولیٰ اور بہتر ہے جس کے ساتھ عذاب کا خطرہ، ذلت اور ملامت ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی عزت اس بات میں ہے کہ وہ خلائق سے بے نیاز ہو۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "جس کے ساتھ تیری کوئی حاجت ہے تو اس کا تو قیدی اور اسیر ہے اور جو شخص تیرا محتاج ہو تو اس کا امیر ہے اور وہ تیرا اسیر ہے۔)

چوتھی چیز یہ ہے کہ آدمی کو غور کرنا چاہیے کہ وہ حرص و طمع کس لیے کر رہا ہے اگر وہ شکم پروری کے لیے کر رہا ہے تو بیل اور گدھے اس سے زیادہ کماتے ہیں (وہ بیل اور گدھے سے بھی کم تر ہے) اور اگر شہوت، مباشرت اور جماع کی قوت کے لیے کر رہا ہے تو خنزیر اور ریچھ اس سے زیادہ شہوت رکھتے ہیں، اگر شان و شوکت اور عمدہ لباس کے لیے یہ حرص و طمع ہے تو اس معاملہ میں وہ یہود و نصاریٰ کو اپنے سے برتر پائے گا اور اگر طمع چھوڑ کے درماندگی پر قناعت اختیار کرے گا تو اولیاء اور انبیاء کی طرح ہو گا (اگر طمع بیر دو بزماندگی قناعت کند خود را ہیچ نظیر اور ان حضرات کی نظیر و مانند ہو نا دوسروں کے مانند ہونے سے کہیں بہتر ہے۔

پانچویں چیز یہ کہ آدمی مال کی آفت پر غور کرے کہ مال جب بہت ہو جائے گا تو دنیا میں اس کے باعث بہت سی آفتوں میں مبتلا ہو گا اور آخرت میں درویشوں اور فقیروں کے پانچسو برس بعد بہشت میں داخل ہو گا، آدمی کو چاہیے کہ ہمیشہ ایسے شخص پر نظر کرے جو مال و متاع میں اس سے کم درجے پر ہو تا کہ (اپنی اچھی حالت پر) شکر الٰہی بجا لائے[1] اور دوسرے مالداروں کو نہ دیکھے تاکہ اس کے پاس حق تعالیٰ کی جو نعمت موجود ہے اس کی نظروں میں حقیر معلوم نہ ہو۔

---

[1] بقول شاعر: غافل مقام رشک نہیں جائے شکر ہے سو سے برا تو ایک سے بہتر بنا دیا

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ایسے شخص کو دیکھو جو مال و ثروت میں تم سے کم ہے۔" اور ابلیس تو ہمیشہ تجھ سے یہی کہتا رہے گا کہ فلاں فلاں شخص تو اس قدر مالدار ہے تو ہی کیوں قناعت کر رہا ہے اور جب تم مال سے پرہیز کرو گے تو شیطان یہ کہہ کر تم کو بھکائے گا کہ تم ہی کیوں پرہیز کرتے ہو جو فلاں عالم اور فلاں امام تو پرہیز نہیں کرتا اور حرام مال کھا رہا ہے' شیطان ہمیشہ ایسے شخص کو جو دنیاداری میں تم سے زیادہ اور دین میں تم سے کم ہو گا تمہارے سامنے پیش کرتا رہتا ہے (تاکہ مصیبت میں مبتلا کرے اور دنیاداری میں پھنسا رکھے) سعادت اور نیکی کا طریقہ وہی ہے جو اس کے خلاف ہو۔ پس تم کو لازم ہے کہ دین کے بارے میں بزرگوں پر نظر رکھو تاکہ تم کو اپنی کوتاہی اور خامی نظر آئے اور دنیاوی مال و منال کے سلسلہ میں ناداروں اور فقیروں پر نظر کرو تاکہ ان کے مقابلہ میں تم خود کو مالدار اور توانگر پاؤ۔

سخاوت کی فضیلت اور اس کا ثواب

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ جس شخص کے پاس مال نہ ہو اس کو قناعت اختیار کرنا اور حرص سے بچنا چاہیے اور اگر توانگر اور مالدار ہو تو سخاوت اختیار کرے اور بخل سے بچے۔

ارشاداتِ نبوی ﷺ: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹک رہی ہیں، جو کوئی مرد سخی ہے وہ ان ڈالیوں میں سے ایک ڈالی کو پکڑے گا اور اس کے ذریعہ بہشت میں پہنچ جائے گا اور بخل دوزخ کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹک رہی ہیں جو مرد بخیل ہو گا وہ اس کی ایک شاخ پکڑے گا اور وہ اس کو دوزخ میں پہنچا دے گی۔

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے دو خلق ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے ایک سخاوت اور دوسری نیک خوئی' اور دو خلق ایسے ہیں جن کو وہ ناپسند فرماتا ہے ایک بخل دوسری بد خوئی حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "سخی کی تقصیر معاف کر دو کہ جب وہ تنگ دست ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتا ہے۔"

نقل ہے کہ ایک بار ایک غزوہ میں سرورِ کونین ﷺ نے سوائے ایک اسیر کے سب کو قتل کرا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اس شخص کو قتل کیوں نہیں کرایا گیا جبکہ دین ایک گناہ ایک اور خدا ایک ہے۔ حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرائیل امین (علیہ السلام) نازل ہوئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس شخص کو قتل نہ کرو کیونکہ یہ سخی ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سخی کا کھانا دوا کا حکم رکھتا ہے اور بخیل کا کھانا مرض ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "سخی اللہ کے نزدیک ہے اسی طرح وہ بہشت سے اور دوسرے لوگوں سے نزدیک ہے اور دوزخ سے دور ہے اور مرد بخیل خدا سے بہشت سے اور لوگوں سے دور ہے لیکن دوزخ سے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ سخی جاہل کو بخیل عابد سے زیادہ دوست رکھتا ہے اور تمام بیماریوں میں بخل بڑی بیماری ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کے ابدال نماز روزے کے باعث بہشت میں نہیں جائیں گے' بلکہ سخاوت' پاکیزگی قلب اور اس نصیحت و شفقت کے باعث بہشت میں جائیں گے جو ان کو خلقِ خدا سے تھی' ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ سامری کو مت مارو کیونکہ وہ سخی ہے-

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال : حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "جب دنیا تمہارے سامنے (پاس) آئے تو خرچ کرو کیونکہ وہ تم کو ہی پہنچے گی اور جب وہ تم سے منہ موڑے تب بھی خرچ کرو کہ آخر کار وہ رہنے والی نہیں ہے-"

کسی شخص نے حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی کیفیت اور حالت لکھ کر پیش کی آپ نے وہ خط لیا اور جواب دیا کہ میں نے تمہاری حاجت پوری کردی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس شخص کے مکتوب کو تو پڑھا نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے یہ ڈر پیدا ہوا کہ اس کو ذلت کے ساتھ اگر میں اپنے سامنے کھڑا رکھوں گا تو حق تعالیٰ اس باب میں مجھ سے پرسش فرمائے گا- جناب محمد بن المنکدر نے ام درہ سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں' یہ روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے دو تھیلیاں (بدرہ) چاندی اور ایک لاکھ اسی ہزار درہم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجے- آپ نے وہ تمام مال ایک سینی (طبق) میں رکھ کر تقسیم کردیا- شام کے وقت آپ نے مجھ سے کھانا مانگا تاکہ روزہ افطار کریں میں روٹی اور روغن زیتون آپ کے پاس لے گئی (کہ اس کے سوا اس وقت کھانے کے لیے کچھ اور موجود نہ تھا) گوشت بھی نہ تھا' میں نے عرض کیا کہ اتنی رقم آپ کے پاس آئی تھی اور آپ نے وہ تمام رقم خرچ کردی آپ نے ایک درم کا گوشت ہی ہمارے لیے منگالیا ہوتا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر تم یاد دلاتیں تو میں ضرور منگالیتی۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں آئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کے سلام کو نہ جائے- حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم مقروض ہیں۔ چنانچہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے واپس ہونے لگے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور اپنے مقروض ہونے کا حال ان سے بیان کیا- امیر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک اونٹ آرہا تھا (جس پر بیت المال کا روپیہ بار کیا ہوا تھا) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اس اونٹ پر کیا ہے ؟ عمال نے کہا روپیہ ہے۔ اسی ہزار دینار ہیں- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تمام روپیہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دے دو تاکہ وہ اپنا قرض ادا کردیں-

حکایت : شیخ ابوالحسن مدائنی کہتے ہیں حضرات حسین و حسن اور عبد اللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہم تینوں حج کے لیے جارہے تھے' توشہ اور زادراہ کا اونٹ بہت پیچھے رہ گیا تھا- بھوک اور پیاس سے بیتاب ہو کر یہ حضرات راستہ میں ایک بڑھیا

کے خیمہ میں گئے اور اس سے کہا کہ ہم کو بہت پیاس لگی ہے کچھ پینے کو دو اس نے ایک بکری کا دودھ نکال کر ان حضرات کو پیش کیا۔ دودھ پی کر انہوں نے کہا کہ کچھ کھانے کے لیے لاؤ۔ پیر زال نے کہا کہ کھانے کو تو کچھ موجود نہیں ہے تم اسی بکری کو ذبح کر کے کھالو ان حضرات نے ایسا ہی کیا' کھانے پینے سے فارغ ہو کر انہوں نے کہا کہ ہم قریشی ہیں جب سفر سے واپس آئیں گے تو تم ہمارے پاس آنا ہم تمہاری اس مہربانی کا عوض دیں گے یہ کہہ کر یہ حضرات آگے روانہ ہو گئے' جب اس پیر زن کا شوہر آیا تو ناراض ہوا کہ تو نے بکری ایسے لوگوں کی خاطر ذبح کرا دی جن سے نہ ہماری واقفیت تھی اور نہ دوستی۔ اس واقعہ کو کچھ مدت گزر گئی۔ اس پیر زال اور اس کے خاوند کو ناداری نے پریشان کیا۔ یہ تباہ حال خاندان مدینہ منورہ پہنچا۔ یہ لوگ اونٹ کی لید چن چن کر بیچنے لگے (تاکہ اپنا پیٹ بھر سکیں) ایک دن یہ عورت کہیں جا رہی تھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے مکان کی ڈیوڑھی پر کھڑے تھے آپ نے اس پیر زال کو پہچان لیا اور اس عورت کو روک کر فرمایا اے بڑھیا! تو مجھے پہچانتی ہے؟ اس نے کہا نہیں میں آپ کو نہیں جانتی۔ آپ نے فرمایا کہ میں وہی ہوں جو فلاں روز تیرا مہمان ہوا تھا' اس نے کہا اچھا آپ وہ ہیں؟ اس کے بعد آپ نے اس عورت کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار مرحمت کئے اور اپنے غلام کے ہمراہ اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ آپ نے عورت سے پوچھا کہ اے پیر زال میرے بھائی صاحب نے تجھے کیا دیا اس نے کہا ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار عطا فرمائے ہیں' حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قدر انعام اس کو دیا اور اپنے غلام کے ہمراہ اپنے بھائی عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اس بوڑھی عورت سے دریافت کیا کہ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تجھے کتنا مال دیا ہے اس عورت نے کہا کہ دونوں حضرات نے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عنایت فرمائے۔ جناب عبداللہ نے بھی اس کو دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں عطا فرمائیں اور کہا کہ اگر تو پہلے میرے پاس آئی ہوتی تو میں تجھ کو اتنا دیتا کہ یہ دونوں اتنا تجھ کو نہ دے سکتے الغرض وہ پیر زال چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کر اپنے شوہر کے پاس چلی گئی۔

نقل ہے کہ عرب میں ایک شخص سخاوت میں مشہور تھا' اس کا انتقال ہو گیا' ایک قافلہ کہیں سفر سے آ رہا تھا اور قافلہ کے سب لوگ بھوکے تھے' قافلہ والے اس مرد سخی کی قبر کے پاس اترے (اور پڑاؤ ڈال دیا) اور سب لوگ اسی طرح بھوکے سو گئے' ان قافلہ والوں میں ایک شخص کے پاس اونٹ موجود تھا۔ اس اونٹ والے نے اس متوفی کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس اونٹ والے سے کہہ رہا ہے کہ اپنا یہ اونٹ میرے اعلیٰ اونٹ کے بدلے میں بیچ ڈال' اس نے کہا اچھا اور خواب ہی میں اس کاروانی نے اپنا اونٹ اس متوفی کے ہاتھ بدلہ میں بیچ دیا جب وہ شخص خواب سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے اونٹ کو ذبح کر ڈالا دوسرے لوگ بھی جاگ گئے' دیکھا کہ اونٹ ذبح کیا ہوا پڑا ہے' سب لوگوں نے اس کو پکا کر کھایا۔ کھانا کھا کر جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو راستہ میں ایک شخص اس قافلہ سے ملا اور اس قافلہ کے ایک شخص نے اس شخص کا نام لے کر پکارا جس نے خواب میں اونٹ بیچا تھا' قافلہ والے نے اس شخص سے کہا کیا تم نے فلاں شخص سے اپنے اونٹ کے عوض ایک اچھا اونٹ خریدا ہے' اس شخص نے کہا ہاں خریدا تو ہے لیکن یہ خریداری خواب میں ہوئی ہے اور پھر اس نے اپنا خواب اس قافلہ والے کو

سنایا- قافلہ والے نے کہا کہ تم نے خواب میں جو اونٹ خریدا ہے وہ یہی اونٹ ہے اس کو تم لے لو- کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میرے اس اونٹ کو فلاں شخص کے حوالے کر دے-

روایت : شیخ ابو سعید خرکوشیؒ سے روایت ہے کہ مصر میں ایک شخص فقیروں پر خرچ کرنے کے لیے کچھ جمع کرتا رہتا تھا- ایک شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہوا یہ شخص بالکل نادار تھا' یہ نادار شخص اس فقیر دوست شخص کے پاس آیا کہ اس سے کچھ مل جائے وہ اس باپ کے ساتھ ہو گیا اور ہر ایک سے سوال کیا لیکن کچھ بھی نہیں مل سکا پھر وہ مجھے ایک قبر پر لے گیا اور کہا کہ حق تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے تم فقیروں کے لیے تکلیف اٹھاتے تھے اور جو کچھ ان کو ضرورت ہوتی تھی وہ تم پوری کرتے تھے' آج کے دن اس شخص کے بچے کے لیے میں نے بہت کوشش کی کہ کہیں سے کچھ مل جائے لیکن کچھ نہیں ملا یہ کہہ کر وہ شخص اٹھا اور اس نے ایک دینار نکالا اور اس کے دو حصے کیے نصف دینار مجھے دیا اور کہا کہ میں تجھے یہ نصف دینار قرض دیتا ہوں تاکہ تیرا کچھ کام ہو جائے- جس شخص نے یہ نصف دینار دیا تھا اس کو محتسب کہتے تھے- شخص نادار کا کہنا ہے کہ میں نے وہ نصف دینار لے لیا اور بچہ کا کچھ کام نکالا- محتسب نے اس مرحوم کو جس کی قبر پر وہ گیا تھا خواب میں دیکھا اور محتسب سے اس مرد سخی نے کہا کہ تم نے میری قبر پر آکر جو کچھ کہا میں نے وہ سنا لیکن ہم مردوں کو جواب دینے کی اجازت نہیں ہے' اب تم میرے گھر جاؤ اور میرے بچوں سے کہو کہ گھر میں چولہے کے پاس کھودیں وہاں پانچ سو دینار گڑے ہیں وہ نکال کر اس شخص کو دے دو جس شخص کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے' محتسب بیدار ہو کر اس سخی کے گھر پہنچا اور خواب کی بات بتائی چولہے کے پاس کھودا گیا تو پانچ سو دینار نکلے- محتسب نے کہا کہ میری خواب کا کچھ اعتبار نہیں ہے یہ روپیہ تمہاری ملک ہے تم ہی اس کو رکھو انہوں نے جواب دیا کہ وہ شخص جو مر چکا ہے وہ تو سخاوت کر رہا ہے تو کیا ہم زندہ بخل سے کام لیں (اور بخیلی کریں) تم اس روپے کو لے جاؤ اور اس شخص کو دے دو جس کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے' محتسب وہ نقدی لے کر اس کے پاس گیا (جس کو نصف دینار قرض دیا تھا) اس نے پانچ سو دیناروں میں سے صرف ایک دینار لے لیا اور اس کے دو حصے کیے اور نصف دینار قرض کے عوض مجھے دے کر کہنے لگا یہ تم لو اور یہ نصف دینار فقیروں میں تقسیم کر دو کہ مجھے اس سے زیادہ درکار نہیں جو کل تم نے مجھے دیا تھا! شیخ ابو سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ ان سب لوگوں میں سب سے بڑا سخی کون تھا- وہ کہتے ہیں جب میں مصر گیا تو میں نے اس مرحوم کا مکان تلاش کیا (جس کے چولہے کے نیچے سے پانچ سو دینار نکلے تھے) اور اس کی اولاد کو دیکھا ان کے چہروں سے نیکی اور بھلائی جھلک رہی تھی اس وقت مجھے یہ آیت یاد آئی وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (اور ان کا باپ ایک مرد صالح تھا)-

اے عزیز اگر سخاوت کی برکتیں موت کے بعد بھی ظاہر ہوں اور ان کو خواب کے طور پر بیان کیا جائے تو تعجب کی بات نہیں ہے- حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے آج تک ان کے مزار مبارک کے قرب میں یہ برکتیں جاری و ساری ہیں- ربیع بن سلمان کہتے ہیں کہ جب امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ مکہ معظمہ میں پہنچے تو دس ہزار دینار ان

کے ساتھ تھے - وہاں پہنچ کر مکہ کے باہر آپ نے پڑاؤ کیا اور وہ تمام دینار انہوں نے ایک چادر پر ڈال دیئے جو کوئی ان کے سلام کو آتا ایک مٹھی بھر کر دینار اس کو دیتے، ظہر کی نماز تک وہ تمام دینار تقسیم کر دیئے اور اپنے پاس کچھ بھی باقی نہ رکھا ایک بار کسی شخص نے ان کے سوار ہوتے ہی ان کی رکاب کو پکڑ لیا آپ نے ربیع کو حکم دیا کہ چار سو دینار اس شخص کو دے دو اور زیادہ نہ دینے پر معذرت کرو-

ایک دن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں آپ نے فرمایا اس لیے رو رہا ہوں کہ سات دن سے کوئی مہمان میرے گھر نہیں آیا ہے-

حکایت : ایک شخص کسی دوست کے پاس گیا اور کہا کہ مجھ پر سو درہم قرض ہے، اس دوست نے اس کا قرض ادا کر دیا وہ دوست رخصت ہو گیا تو یہ شخص رونے لگا اس کی بیوی نے کہا کہ روتے کیوں ہو یہ روپیہ دے کر رونا تھا تو روپیہ دینا ہی کیا ضرور تھا، اس نے جواب دیا کہ روپیہ دینے کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میں اپنے دوست کے حال سے اس قدر غافل رہا کہ اس کو مجھ سے سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی-

----

بخل کی مذمت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○

اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب رہا-

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے ہر گز اسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہو گا-

ارشاداتِ نبوی ﷺ : حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ بخل ہی سے ہلاک ہوئے اور بخل ہی نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ لوگوں کو قتل کریں اور حرام کو حلال سمجھیں -" حضور اکرم ﷺ نے مزید فرمایا "تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں ایک وہ بخل جس کا تو فرمانبردار ہے اور اس کی تو مخالفت نہ کرے - دوسری خواہش باطل جس کی تو پیروی کرے تیسری چیز خود پسندی -"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخص سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک اونٹ کی قیمت حضور ﷺ سے مانگی (تاکہ اس سے اونٹ خریدیں) حضور ﷺ نے اتنی رقم ان کو دلوادی جب وہ روپیہ لے کر وہاں سے نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اظہارِ شکر کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے ان کے شکریہ کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا فلاں شخص نے تو اس سے زیادہ رقم دی تھی لیکن اس نے شکر ادا نہیں کیا۔

حضور ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص میرے پاس آئے اور مجھے تنگ اور پریشان کرے مجھ سے کچھ لے تو وہ رقم آگ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور جب وہ آگ ہے تو آپ دیتے ہی کیوں ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ مجھے بہت تنگ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ میں بخل کروں اور ان کو نہ دوں۔"

حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ "کہ تم سمجھتے ہو کہ بخیل کی تقصیر معاف نہ ہو گی حالانکہ ظلم حق تعالیٰ کے نزدیک بخل سے بہتر ہے۔ حق تعالیٰ اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ کسی بخیل کو بہشت میں نہیں جانے دوں گا۔

روایت : روایت ہے کہ ایک روز حضور ﷺ طواف کر رہے تھے' آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کعبہ شریف کے حلقہ کو پکڑ کر کہہ رہا تھا' یا الٰہی! اس گھر کی برکت سے میرے گناہ بخش دے۔ حضور ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تیرا گناہ کیا ہے؟ اس نے کہا میرا گناہ اتنا عظیم ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیرا گناہ بڑا ہے یا زمین؟ اس نے کہا میرا گناہ بڑا ہے۔ حضور نے پھر ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا آسمان؟ اس نے کہا میرا گناہ بڑا ہے۔ آپ نے پھر دریافت کیا تیرا گناہ بڑا ہے یا عرش؟ اس نے کہا میرا گناہ! حضور ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا حق تعالیٰ؟ اس نے کہا حق تعالیٰ سب سے بڑا ہے' تب حضور ﷺ نے فرمایا بیان کر تیرا ایسا کون سا گناہ ہے' اس نے کہا میں بڑا مالدار ہوں لیکن جب کوئی درویش دور سے مجھے نظر آتا ہے کہ میری طرف آرہا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ آگ آرہی ہے جو مجھے جلادے گی (یعنی میں بخیل ہوں) تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ جا میرے قریب سے دور ہو کہیں تیری آگ مجھے نہ جلا دے۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے ہدایت کے لیے بھیجا ہے کہ اگر تو رکن و مقام (رکن یمانی اور مقام ابراہیم) کے درمیان ہزار برس بھی نماز پڑھے گا اور اس قدر روئے کہ تیرے آنسوؤں سے ندیاں بہہ جائیں اور ان سے درخت اُگ آئیں اور تو بخل ہی کی حالت میں مر جائے تو تیرا مقام دوزخ ہو گا' بخل کفر کی علامت ہے اور کفر کا ٹھکانا جہنم ہے۔ افسوس کیا تو نے نہیں سنا۔

وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ　　　اور جو بخل کرے وہ اپنی ہی جان پر بخل کرتا ہے۔

اور فرمایا:

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ　　　اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب رہا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہر روز ہر شخص پر دو فرشتے موکل رہا کرتے ہیں اور وہ منادی کرتے ہیں

کہ یاالٰہی جو ممسک (بخیل) ہو اس کا مال تلف فرمادے اور جو سخی ہو اس کے مال میں اضافہ فرمادے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں بخیل کو عادل نہیں کہوں گا اور اس کی گواہی نہ سنوں گا کیونکہ بخل نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ جو چیز اس کے حق سے زیادہ ہو اس کو حاصل کرلے (یہ عدل کے خلاف ہے)

نقل ہے کہ حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام نے ابلیس کو دیکھا اور اس سے پوچھا تیرا بڑا دشمن کون ہے اور زیادہ دوست کون ہے۔ ابلیس نے جواب دیا کہ زاہد بخیل میرا سب سے بڑا دوست ہے کیونکہ وہ محنت برداشت کرتا ہے اور بندگی بجالاتا ہے لیکن اس کا بخل اس کی عبادت کو برباد اور ناچیز بنادیتا ہے۔ اور فاسق سخی میرا سب سے بڑا دشمن ہے کیونکہ وہ اچھا کھاتا ہے اور اچھا پہنتا ہے اور اچھی طرح زندگی بسر کرتا ہے مجھے یہ ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کے باعث اس پر رحم فرمائے اور اس کو توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

سخاوت اور ایثار

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ ایثار کا اجر و ثواب سخاوت سے بہت زیادہ ہے کیونکہ سخاوت تو یہ ہے کہ آدمی کو جس چیز کی خود کو ضرورت نہ ہو وہ دوسرے کو دیدے اور ایثار یہ ہے کہ اپنی ضرورت کی چیز دوسرے کی حاجت پوری کرنے میں صرف کردے (خواہ اس چیز کا ضرورت مند ہے لیکن اپنی ضرورت پوری نہ کرے اور دوسرے کی ضرورت پوری کردے) جس طرح سخاوت کا کمال یہ ہے کہ اپنی حاجت کے باوجود دوسرے کو دیدے (یعنی ایثار سخاوت کا کمال ہے) اسی طرح بخل کا کمال یہ ہے کہ حاجت کے باوجود ایک چیز رکھتے ہوئے اس کو اپنے صرف میں نہ لائے یہاں تک کہ اگر بیمار بھی ہو جائے تو اپنا علاج نہ کرے (کہ پیسہ خرچ ہوگا) بخیل کے دل میں بہت سے ارمان اور آرزوئیں ہوتی ہیں وہ کسی سے بھیک مانگنا گوارا کرلیتا ہے لیکن اپنی پونجی اس چیز کے حاصل کرنے کے لیے خرچ کرنا نہیں چاہتا' مختصراً یہ کہ ایثار کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے' حق تعالیٰ نے ایثار کی تعریف اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

اور وہ اپنے نفس پر ایثار کرتے ہیں دراں حالیکہ وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "کسی کو ایک ایسی چیز حاصل ہو اور اس کو اس کی ضرورت ہو اور اس کا شوق رکھتا ہو تو اپنے شوق اور آرزو کو ترک کرکے دوسرے کو دیدے تو حق تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا۔ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے گھر میں ہم نے کبھی تین دن (مسلسل) سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حالانکہ ہم کھاسکتے تھے لیکن ہم ایثار کیا کرتے تھے۔" ایک بار حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا اس وقت آپ کے گھر بس کچھ موجود نہ تھا (کہ اس مہمان کو کھلایا جاتا) ایک انصاری اس شخص کو اپنے گھر لے گئے وہاں بھی کھانا تھوڑا سا موجود تھا انہوں نے چراغ بجھا کے کھانا مہمان کے آگے رکھ دیا اور خود ہاتھ ہلاتے اور منہ چلاتے رہے تاکہ مہمان خود اچھی

طرح کھالے اور خود کچھ نہیں کھایا (ہاتھ ہلاتے رہے اور منہ یوں چلاتے رہے کہ مہمان کو معلوم ہو کہ میزبان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہے) دوسرے روز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اخلاص اور یہ سخاوت جو اس مہمان کے لیے اس انصاری سے ظہور میں آئی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آتی ہے اور یہ آیت نازل ہوتی ہے: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ (الآیۃ)

رسول اکرم ﷺ کے مدارج: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ الٰہی! محمد مصطفیٰ ﷺ کے مدارج مجھ کو بتادے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم ان تمام مدارج کو نہیں دیکھ سکو گے البتہ ان کے مدارج میں سے ایک درجہ تم کو دکھلاتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے وہ درجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تو وہ اس کے نور اور اس کی عظمت کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو بارگارِ الٰہی میں عرض کیا کہ بارالٰہا! محمد ﷺ کو یہ درجہ کس عمل کے عوض میں دیا جائے گا حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا' ایثار کے بدلے میں۔ اے موسیٰ علیہ السلام جو بندہ ساری عمر میں ایک بار ایثار کرے تو مجھے اس کا مواخذہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے اور اس کی جگہ بہشت میں ہو گی' جہاں اس کا دل چاہے گا وہ رہے گا۔"

حکایت: حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہما ایک بار اثنائے سفر میں ایک نخلستان (کھجور کے باغ) میں پہنچے' ایک حبشی غلام اس باغ کا نگہبان تھا' تین روٹیاں اس کے کھانے کے لیے اس کو دی گئیں اتفاقاً ایک کتا وہاں آپہنچا غلام نے اس کے آگے ایک روٹی ڈال دی وہ اس نے کھالی پھر اس نے دوسری روٹی ڈال دی وہ بھی اس نے کھالی اور پھر انتظار کرنے لگا غلام نے تیسری روٹی بھی اس کو کھلادی۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ ہر روز تجھے کھانے کو کتنا ملتا ہے غلام نے کہا یہی تین روٹیاں جو آپ نے دیکھیں' انہوں نے کہا کہ پھر تو نے اپنی تمام خوراک اس کتے کو کھلادی؟ غلام نے کہا کہ یہاں تو کتا ہوتا نہیں ہے اب جو یہ آیا تو میں سمجھ گیا کہ کہیں دور سے آیا ہے بس میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ وہ یہاں سے بھوکا جائے' جناب عبداللہ نے کہا کہ اب آج تو کیا کھائے گا؟ اس نے کہا کچھ نہیں آج میں صبر کروں گا' یہ سن کر آپ نے فرمایا سبحان اللہ کہ لوگ تو سخاوت کے وصف سے مجھے ملامت کرتے ہیں (یعنی میری سخاوت کی تعریف کرتے ہیں) یہ غلام تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے۔ پھر آپ نے اس غلام کو خرید کر اسے آزاد کر دیا اور وہ نخلستان بھی اس کو خرید کر دے دیا۔

رسول اکرم ﷺ نے (بحکم خداوندی) کفار کی ایذا رسانی سے بچنے کے لیے جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ (اس رات) آپ کی جگہ سو گئے تاکہ اگر کفار رسول خدا ﷺ کا قصد کریں (آمادۂ قتل ہوں) تو ان کی جان عزیز حضرت ﷺ پر قربان ہو جائے۔ حق تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بناتا ہوں اور ایک کی عمر دوسرے سے دراز تر کر رہا ہوں تم میں کون ایسا ہے جو اپنی عمر دوسرے کو دیدے اس وقت ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی درازی عمر کی خواہش کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کو دشمنوں سے محفوظ رکھو۔ تب یہ دونوں مقرب فرشتے زمین پر آئے اور حضرت جبرائیل علیہ

السلام حفاظت کے لیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سرہانے کھڑے ہوئے اور میکائیل علیہ السلام کے پائیں پر کھڑے ہوئے اور کہتے تھے واہ واہ! اے ابو طالب کے فرزند! حق تعالیٰ ملائکہ میں آپ کا ذکر بطور فخر کرتا ہے' اس آیت کی شان نزول یہی ہے[1]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ　　اور لوگوں میں سے وہ جو اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہتے ہیں۔

حکایت : شیخ حسن انطاکی مشائخ کرام میں سے گذرے ہیں ایک بار ان کے مریدوں میں سے انتالیس افراد جمع ہوئے۔ اس قدر کھانا موجود نہیں تھا جو اس کے لیے کافی ہوتا' چند روٹیاں موجود تھیں ان کے ٹکڑے کر کے دستر خوان پر رکھ دیئے گئے اور چراغ بجھا دیا گیا' تمام لوگ دستر خوان پر کھانا کھانے بیٹھے کچھ دیر کے بعد کھانے سے فارغ ہوئے اور چراغ دوبارہ جلایا گیا تو روٹیوں کے وہ ٹکڑے اسی طرح دستر خوان پر موجود تھے ہر شخص نے ایثار کی نیت سے خود کچھ بھی نہیں کھایا تاکہ دوسرا ساتھی کھالے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ تبوک میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے (میرا برادرِ عم بھی اس جنگ میں شریک تھا) میں اپنے بھائی کو تلاش کرتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا وہ دم توڑ رہا تھا میں نے اس سے کہا کہ پانی پیو گے اس نے کہا کہ پیوں گا پھر ایک دوسرے سے زخمی مسلمان کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے اس کو پانی پلاؤ میں جب اس زخمی کے پاس پہنچا تو وہ ہشام ابن عاص رضی اللہ عنہ تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ پانی پی لو' ہشام نے میرے چچازاد بھائی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ پہلے اس کو پلاؤ جب میں واپس اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ جان جان آفرین کے سپرد کر چکا تھا میں وہاں سے پلٹ کر ہشام کے پاس آیا (کہ اس کو ہی پانی پلادوں) لیکن اتنی دیر میں وہ بھی مر چکا تھا (دونوں نے ایثار سے کام لیا)۔

بزرگانِ طریقت نے فرمایا ہے کہ دنیا سے بالکل آزاد اور بے تعلق سوائے شیخ بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کے کوئی اور رخصت نہیں ہوا' جب بشر حافی پر نزع کا عالم طاری تھا اس وقت ان کے پاس ایک سائل آیا اور ان سے سوال کیا۔ ان کے پاس اس وقت اس پیراہن کے سوا کچھ نہیں تھا انہوں نے وہی اپنے جسم سے اتروا کر اس سائل کو دے دیا اور خود کسی شخص سے عاریتاً لباس لے کر پہنا اور واصل بحق ہو گئے۔

سخاوت اور بخل

کون بخیل ہے اور کون سخی ہے؟ : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص خود کو سخی خیال کرتا ہو لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ دوسرے لوگ اس کو بخیل خیال کرتے ہوں اس لیے اس بخل کی حقیقت کو سمجھنا اور پہچاننا ضروری ہے

[1] کیمیائے سعادت مطبوعہ نولکشور پریس ۱۸۷۶ء صفحہ نمبر ۳۳۵ سطر ۹ اور ۱۰

تاکہ لوگ اس بڑے اور عظیم مرض کو سمجھ سکیں۔

جاننا چاہیے کہ دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے کہ جو کچھ اس سے طلب کیا جائے کہ دیدے پس اگر اس سبب سے اس کو بخیل خیال کیا جاتا ہے تو پھر تو دنیا کے تمام لوگ بخیل ہوئے۔اس سلسلہ میں علمائے کرام نے بہت کچھ کہا ہے' اکثر حضرات کا یہ خیال ہے اور اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص اس چیز کو جو شرعاً واجب ہوتی ہے نہ دے تو وہ بخیل ہے۔اور اگر دے لیکن بغیر تقاضے کے نہ دے تو وہ بھی بخیل ہے۔میرے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ ہمارا مذہب (نظریہ اور مسلک) یہ ہے کہ جو شخص نان پُز کو روٹی اور قصاب کو گوشت محض اس لیے پھیر دے کہ وہ وزن میں کم ہے وہ بخیل ہے اور جو کوئی زن و فرزند کا نفقہ جو قاضی نے مقرر کیا ہے صرف اتنی ہی مقدار میں دے اور اس میں تھوڑا سا اضافہ بھی روا نہ رکھے وہ بخیل ہے' اسی طرح ایک شخص کے سامنے ایک روٹی رکھی ہے اور دور سے ایک فقیر نمودار ہوا اور اس نے اس روٹی کو (محض فقیر کی وجہ سے) چھپا دیا وہ بھی بخیل ہے کیونکہ شرعاً اتنا دینا ہی (سائل کو) ثابت ہے جسے بخیل بھی دے سکے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْO (پارہ۲۶)

اگر تمہارے مال تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے' تم بخل کرو گے اور وہ بخل تمہارے دلوں کے میل میں ظاہر کر دے گا۔

پس حقیقت میں بخیل وہ ہے کہ جو شے دینے کے لائق ہو اس کو نہ دے (بروقتِ طلب) حق تعالیٰ نے مال کو ایک حکمت کی خاطر پیدا کیا ہے۔جب حکمتِ الٰہی کا منشاء ہے کہ دیا جائے تو نہ دینا بخل کی نشانی ہے اور دینے کے لائق وہ چیز ہے جس کو دینے کا شرع یا مروت حکم دے' شرعی واجبات تو معلوم (اور معین) ہیں لیکن مروت کے واجبات اور مروت کے تقاضے لوگوں کے احوال اور مقدار اور بخل کے لحاظ سے مختلف ہیں کہ بہت سی نیکیاں ایسی ہیں کہ وہ عادتاً توانگر کے ساتھ بری ہیں' لیکن وہی نیکیاں اگر نادار اور درویش کے ساتھ کی جائیں تو پسندیدہ ہیں' زن و فرزند کے ساتھ نامناسب ہیں اور دوسروں کے ساتھ پسندیدہ ہیں' دوستوں کے ساتھ ناروا ہیں اور بیگانوں اور غیروں کے ساتھ نامناسب ہیں' بعض نیکیاں مردوں کے ساتھ نادرست اور ناروا ہیں' لیکن وہی عورتوں کے ساتھ مناسب ہیں اور تشریح اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص مال جمع کرنا چاہے اور ایک ایسی ضرورت پیش آجائے کہ وہ مال جمع کرنے سے زیادہ اہم ہو تو اس صورت میں مال خرچ نہ کرنا بخل ہے اور جب مال جمع کرنا یا اس کا روکنا ضروری ہو تو اس وقت اس کا صرف کرنا اسراف (فضول خرچی) ہے اور یہ دونوں صورتیں بری ہیں (یعنی بخل اور اسراف) یا کوئی مہمان آگیا اور اس کے ساتھ مروت سے پیش آنا مال کو صرف نہ کرنے سے اولیٰ ہے اور یہ عذر کرنا کہ زکوٰۃ کا مال ادا کر دیا ہے' مہمان کی میزبانی نہ کرنا' مناسب اور بخل کی علامت قرار پائے گا۔اسی طرح جب پڑوسی بھوکا ہے اور اس شخص کے پاس کھانا وافر مقدار میں موجود ہے تو پڑوسی کو کھانا نہ کھلانا بخل ہے۔

ثواب آخرت کی طلب : جب کوئی شخص شرعی واجبات ادا کر چکے اور واجبات مروت کی ادائیگی سے بھی فارغ ہو جائے اور اب بھی اس کے پاس مال کافی موجود ہے تو اس وقت خیرات اور صدقات کر کے ثواب آخرت کا حاصل کرنا ضروری ہے 'اگرچہ آفات کے لحاظ سے مال کا پاس رکھنا بھی ضروری ہے - لیکن حصولِ ثواب اور طلبِ ثواب کے مقابلہ میں مال کو خرچ نہ کرنا بزرگانِ دین کے نزدیک بخل کی علامت ہے اگرچہ عوام کے نزدیک یہ بخل نہیں - کیونکہ عوام الناس کی نظر اکثر دنیاوی معاملات پر رہتی ہے اور یہ بات ہر ایک نقطہ نظر سے مختلف ہو گی -

پس اگر کسی شخص نے واجباتِ شرعیہ اور واجبات مروت کو پورا کرنا ہی کافی سمجھا تو وہ بخل سے تو بچ گیا لیکن سخاوت کا درجہ حاصل نہیں ہوا یہ درجہ اس وقت ملے گا کہ واجباتِ مروت زیادہ خرچ کرے 'اور اس میں وہ جتنا زیادہ خرچ کرے گا اسی قدر اس کا مرتبہ سخاوت میں بڑھے گا اور اجر پائے گا - خواہ مقدار کے اعتبار سے وہ مال تھوڑا ہو یا بہت اس کو سخی کہیں گے - بالفاظِ دیگر سخی اس کو کہیں گے جس کو دوسرے پر صرف کرنا اور دینا دشوار نہ ہو اور اگر وہ تکلف اور بناوٹ کے ساتھ خرچ کر رہا ہے تو وہ سخی نہیں ہے اگر وہ خرچ کر کے تعریف شکر اور عوض کی امید رکھے گا تب بھی اس کو سخی نہیں کہا جائے گا -

سخی اور کریم حقیقت میں وہ شخص ہے کہ بغیر کسی مطلب اور غرض کے دوسرے کو مال دے اور یہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ صفت خداوند تعالیٰ کی ہے - البتہ جب انسان ثوابِ آخرت اور نیک نامی پر اکتفا کرے (یعنی عوض اور بدلہ نہ چاہے) تو مجازاً اس کو سخی کہا جا سکتا ہے کیونکہ بالفعل وہ اپنے مال کے خرچ کرنے کا کچھ عوض نہیں چاہتا ہے - دنیاوی سخاوت اسی کو کہتے ہیں 'دینی سخاوت یہ ہے کہ خدا کی محبت میں اپنی جان نثار کرے اور ثوابِ آخرت کا اس کے عوض طالب اور امیدوار نہ ہو بلکہ صرف حق تعالیٰ کی محبت اس جانسپاری کا باعث ہو اور خود کو فدا کرنا اپنا فرض عین سمجھے اور اس کو ایک بڑی نعمت اور لذت سمجھے کیونکہ جب کسی بات کی امید رکھی جائے گی تو وہ معاوضہ ہو گا 'سخاوت نہیں ہو گی -

بخل کا علاج

معلوم ہونا چاہیے کہ بخل کا علاج بھی علم و عمل سے مرکب ہے - عملی علاج یہ ہے کہ پہلے بخل کا سبب پہچانا جائے - (سبب معلوم کیا جائے) کیونکہ جب تک مرض کا سبب معلوم نہ ہو اس کا علاج نہیں ہو سکتا - حقیقت میں بخل کا سبب نفسانی خواہش کی محبت ہے کہ اس کے بغیر انسان مال کے حصول میں تگ و دو نہیں کر سکتا اور اسی کے ساتھ مدتوں تک جینے اور زندہ رہنے کی آرزو اور امید بھی ہوتی ہے کیونکہ اگر بخیل یہ سمجھ لے کہ اس کی عمر ایک دن یا ایک سال سے زیادہ باقی نہیں ہے تو اس صورت میں مال کا خرچ کرنا اس پر آسان ہو جائے گا - البتہ اگر صاحبِ اولاد ہے تو پھر اولاد کی زندگی ہی کو وہ اپنی زندگی کے مانند سمجھے گا اور پھر اس کے بخل میں اور بھی شدت پیدا ہو جائے گی اسی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے

فرمایا ہے کہ 'فرزند بخل' بزدلی اور جہل کا سبب ہوتا ہے۔"

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مال کی محبت سے ایک بڑی خواہش پیدا ہو یا مال کی محبت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ خواہش نفس نہ رہے بلکہ مال اس کا محبوب بن جائے۔ ہم نے بہت سے ایسے بوڑھے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان کی جتنی عمر بڑھتی ہے اتنا ہی زیادہ وہ مال فراہم کرتے ہیں حالانکہ ان کو زمین سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے' زمینداری کی آمدنی ہے اس مال کے علاوہ جو انہوں نے جمع کیا ہے اتنا ہے کہ وہ ان کے اہل و عیال کو قیامت تک کے لیے کافی ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ بیمار پڑتے ہیں تو دوا دارو تک نہیں کرتے' نہ مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں' زر و مال کو زمین میں دفن کر کے رکھتے ہیں' حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آخر کار مر جائیں گے اور اس مال کو دشمن اپنے قبضے میں رکھ لیں گے لیکن ان کا بخل ان کو خرچ کرنے سے روکتا ہے' یہ ایک ایسا برا مرض ہے کہ اس کا علاج ہو ہی نہیں سکتا۔

بخل کا علاج: جب تم کو بخل کا یہ سبب معلوم ہو گیا تو اس خواہشِ نفس کی محبت کا علاج' قناعت اور ترکِ آرزو کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے تاکہ آدمی مال سے بے پرواہ ہو جائے۔ اب رہی زندگی دراز کی امید' تو اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی ہر وقت موت کو یاد کرے اور اپنے ہم جنسوں پر نظر کرے کہ وہ بھی اسی کی طرح غافل تھے اور اچانک ان کو موت نے آدبایا اور حسرت اپنے ساتھ لے گئے اور اس کے مال کو اس کے دشمنوں نے بڑے مزے اور خوشی کے ساتھ آپس میں تقسیم کر لیا۔

اولاد کے غربت میں گرفتار ہو جائے کے خطرے کا علاج یہ ہے کہ آدمی یہ یقین رکھے کہ جس خالق نے ان کو پیدا کیا ہے اس نے ان کا رزق بھی مقرر کر دیا ہے۔ اب اگر ان کے نصیب میں مفلسی ہے تو بخل کر کے ان کو تونگر نہیں بنایا جا سکتا بلکہ وہ اس دولت کو برباد کر ڈالیں گے (کہ وہ ان کے نصیب میں تو ہے نہیں) اور اگر مالدار ہونا ان کی قسمت میں ہے تو کہیں نہ کہیں سے مال ان کو مل جائے گا اور وہ تونگر بن جائیں گے' اور تم نے یہ بات مشاہدہ کی ہوگی کہ بہت سے ایسے مالدار لوگ موجود ہیں جو باپ سے میراث میں کچھ بھی نہیں پا سکے تھے اور بہت سے ایسے لوگوں کو تم نے دیکھا ہوگا کہ باپ سے ترکہ اور میراث میں بہت کچھ پایا لیکن سب کا سب مال برباد کر دیا (اور محتاج کے محتاج ہی رہے) یہاں ایک بات یہ بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ اولاد اگر خداوند تعالیٰ کی فرمانبردار ہے تو وہ کارساز خود ان کی کارسازی کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ درویشی اور محتاجگی ہی میں اس کی بھلائی پوشیدہ ہو اور اس میں اس کی دین و دنیا کی مصلحت ہو کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ خدا کی نافرمانی اور معصیت میں اس کو اڑا دیتا۔

ایک اور عملی علاج: آدمی کو چاہیے کہ بخل کے عملی علاج کے لیے ان حدیثوں کو پڑھے اور ان پر غور کرے جو بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف میں وارد ہوتی ہیں تاکہ اس کو معلوم ہو کہ بخیل خواہ کتنا بڑا عابد ہی کیوں نہ ہو وہ دوزخ میں جائے گا۔

مال کا فائدہ انسان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ مال اس کو آتش دوزخ اور غضبِ الٰہی سے بچاتا ہے۔ساتھ ہی ساتھ بخیلوں کے حالات پر نظر کرے کہ کس طرح لوگوں کے دل ان سے بیزار ہیں اور لوگ کس طرح ان سے عداوت رکھتے ہیں اور ہر وقت ان کی مذمت کرتے رہتے ہیں اور ان کے اس احوال پر نظر کر کے خیال کرے کہ "میں اگر بخل اختیار کروں گا تو ان لوگوں کی طرح میں بھی مخلوق کی نظر میں ذلیل و خوار بنوں گا۔" یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ بخل کا عملی علاج ہے جب ان تمام باتوں پر غور کرنے سے بیماری رفع ہو جائے اور مال خرچ کرنے کا شوق پیدا ہو تو پھر فوراً اس پر عمل شروع کر دینا چاہیے اور دل میں جیسے ہی یہ خیال آئے مال کو خرچ کرنے لگے۔

حکایت: شیخ ابو الحسن سنجہؒ غسل خانے میں تھے، انہوں نے وہیں سے اپنے مرید کو پکارا اور کہا کہ میرا پیراہن لو اور جاؤ فلاں فلاں درویش کو دے دو۔ مرید نے کہا کہ غسل خانے سے باہر آنے تک ٹھہر جائے (اس کے بعد فرماتے ہیں حکم کی تعمیل کرتا) انہوں نے کہا کہ میں اس بات سے ڈرا کہ باہر آنے تک کہیں دوسرا خیال دل میں پیدا نہ ہو جائے اور اس کارِ خیر سے مجھے روک دے۔ حقیقت یہ ہے کہ بخل اسی وقت دور ہو سکتا ہے جبکہ مال خرچ کیا جائے جس طرح ایک عاشق عشق کے پنجے سے اسی وقت چھوٹ سکتا ہے جبکہ وہ اس سے دوری اختیار کر لے بس مال کی محبت اور عشق کا بھی یہی علاج ہے کہ اس کو اپنے سے جدا کر دے اگر مال کی محبت سے آزاد ہونے کے لیے مال کو دریا ہی میں ڈالنا پڑے تو اس کا دریا میں تمام کا تمام ڈال دینا ہی اولیٰ اور افضل ہے بمقابلہ اس کے کہ بخل سے اس کو روک کر رکھے۔

اس سلسلہ میں ایک حکمتِ عملی بھی ہے (ایک ترکیب سے کام لیا جا سکتا ہے) وہ یہ کہ انسان اپنے آپ کو نیک نامی کا خواہاں اور فریفتہ بنائے اور کہے کہ مال خرچ کرتا کہ لوگ تجھے سخی کہیں اور تیری تعریف کریں اس تحریص اور ترغیب سے مال خرچ کرنے لگے گا اس طرح ریا کا شوق مال کے شوق پر غالب آجائے گا۔جب بخل کی بلا سے رہائی مل جائے اس وقت اس ریا کا بھی قرار واقعی علاج کرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح بچہ کا دودھ چھڑانا منظور ہوتا ہے تو اولاً اس کو کھانے کی کچھ چیز دے کر اس کی تسلی کرتے ہیں تاکہ وہ کھانے کے مشغلہ میں لگ کر دودھ کو بھول جائے، برے اخلاق کو دور کرنے میں یہ خاص ترکیب ہے کہ ایک صفت کو دوسری صفت پر غالب کر دے تاکہ وہ اس غلبہ کی بدولت اس پہلی بری صفت سے چھٹکارا حاصل کر لے لیکن یہ ایسا ہی ہے کہ جب خون کپڑے سے (پانی سے) صاف نہ ہو تو اس کو پیشاب سے ڈھو ڈالیں تاکہ پیشاب کی شوریت اور نمکینی اس کو کپڑے سے زائل کر دے بعد میں پیشاب کو پانی سے دھو کر کپڑے کو پاک کر لیں۔پس جو کوئی بخل کو ریا کے شوق اور ریا کے طریقے سے زائل کرے گا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک نجاست کو دوسری نجاست سے زائل کیا بشرطیکہ ریا پر قائم نہ رہے اس کا بھی بعد کو ازالہ کرے تب ہی اس سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے اگر بخل اور ریا دونوں بتقاضائے بشریت ہیں لیکن اس بشریت کے کوچے میں بہار اور باغ دونوں ہیں، بخل گلخن (بھاڑ) ہے اور سخاوت گلشن ہے۔ریا اور نیک نامی کے حاصل کرنے کے لیے سخاوت کرنا حرام نہیں ہے۔

ریا عبادت میں حرام ہے: کیونکہ ریا عبادت میں حرام ہے اور ایسا دینا اور مال کو جمع رکھنا جو محض اللہ کے لیے ہو یعنی مال کو محض اللہ کے لیے خرچ کرنا یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے اپنے پاس رکھنا دائرۂ بشریت سے خارج ہے اور یہ دونوں باتیں پسندیدہ اور محمود ہیں پس اگر کوئی بخیل کسی شخص پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ فلاں شخص ریا کے واسطے اپنا مال دوسروں پر خرچ کرتا ہے، اس کو زیبا نہیں ہے (اس کا یہ اعتراض لچر اور پوچ ہے) کیونکہ ریا کے طور پر دینا بہر حال کنجوسی سے مال کو جمع کرنا اور بخل سے خرچ نہ کرنے سے کہیں اولیٰ اور افضل ہے، جس طرح گلشن میں رہنا، گلخن (بھاڑ) میں رہنے سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔

پس بخل کا یہی علاج ہے جس کا ہم نے ذکر کیا یعنی جب طبیعت میں سخاوت کا ذوق پیدا ہو تو اس وقت خرچ کرنا خواہ وہ لچر ہی کیوں نہ ہو۔

بعض مشائخ کا طریقہ علاج: بعض مشائخ نے اپنے مریدوں کے بخل کا علاج اس طرح پر کیا ہے کہ وہ کسی مرید کو عبادت و ریاضت کے لیے ایک مخصوص گوشہ دے دیتے اور جب دیکھتے کہ وہ اس گوشہ سے مانوس ہو گیا اور دل لگ گیا ہے تو اس کو دوسرے گوشہ میں بھیج دیتے اور اس کا گوشہ کسی اور مرید کو دے دیتے۔ اگر وہ دیکھتے کہ ایک مرید نے نئی جوتیاں پہنی ہیں اور ان کو پہن کر غرور کرتا ہے تو حکم دیتے کہ یہ جوتیاں کسی دوسرے کے حوالے کر دو۔

ایک دفعہ حضرت رسولِ خدا ﷺ نے اپنی نعلین مبارک میں نئے تسمے ڈالے تھے، نماز میں آپ کی نظر ان نئے تسموں پر پڑ گئی تو نماز سے فراغت کے بعد آپ نے حکم دیا کہ پرانے تسمے لاؤ اور نئے تسمے نکال کر یہ پرانے تسمے ہی ان میں ڈال دو۔ حضور ﷺ کے اس پاکیزہ عمل سے یہ معلوم ہوا کہ دل سے مال کی محبت منقطع کرنے کا طریقہ اور تدبیر یہی ہے کہ اس مال کو جس سے دلی تعلق پیدا ہو گیا ہے اپنے پاس سے جدا کر دے کیونکہ جب تک ہاتھ خالی نہ ہو گا دل فارغ اور مطمئن نہیں ہو گا۔

نقل ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس امیر نے فیروزے کا ایک پیالہ جس میں جواہر جڑے تھے بطور ہدیہ کے بھیجا۔ اس کاسہ کی نظیر دنیا میں ممکن نہ تھی (اس جیسا دوسرا کاسہ دنیا میں نہ تھا) ایک دانشمند شاہی مجلس میں موجود تھا، بادشاہ نے وہ کاسہ اس کو دکھا کر پوچھا کہ یہ پیالہ کیسا ہے؟ دانشمند نے کہا یہ پیالہ آپ کے لیے یا تو غم کا سبب ہو گا یا مفلسی کا یعنی اس پیالہ کے آنے سے پہلے آپ ان دونوں باتوں سے بے فکر تھے اگر یہ ٹوٹ جائے تو بڑی مصیبت ہو گی، اور آپ سخت فکر مند ہوں گے کیونکہ اس کا ثانی اور مثل موجود نہیں ہے اور دوسرا ہاتھ آنا محال ہے اور اگر یہ چوری چلا جائے تو جب تک دوسرا نہ ملے آپ (اس پیالہ کے اعتبار سے) مفلس اور قلانچ ہوں گے، اتفاقاً وہ پیالہ ٹوٹ گیا اور بادشاہ اس کے ٹوٹ جانے سے بہت غمگین ہوا اس وقت اس نے کہا کہ فلاں دانشمند نے ٹھیک کہا تھا۔

مال کے زہر کا تریاق

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ مال سانپ کی طرح ہے جس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ اور جو شخص سانپ کے کاٹے کا منتر نہ جانتا ہو' اس کا سانپ پر ہاتھ ڈالنا (سانپ پکڑنا) اس کی ہلاکت کا سبب ہوگا' کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں بہت سے حضرات تونگر بھی تھے جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پس تونگری عیب نہیں ہے' اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہیے کہ کسی لڑکے نے ایک افسوں گر کو دیکھا کہ وہ سانپ کو پکڑ رہا ہے اس نے خیال کیا کہ نرم اور ملائم ہونے کے سبب سے افسوں گر نے اس کو پکڑ لیا ہے (یہ نہیں سمجھا کہ افسوں اور منتر کے زور سے پکڑا ہے) چنانچہ اس کی دیکھا دیکھی اس نے بھی ایک سانپ کو پکڑ لیا سانپ نے اس کو ڈس لیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔

مال کے منتر (افسوں) پانچ ہیں' ایک یہ کہ خیال کرے اور اس بات پر غور کرے کہ مال کو کس نے پیدا کیا ہے۔ اور اس بارے میں ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مال سے غرض خوراک' لباس اور مکان کا حاصل کرنا ہے جو جسم کی پرورش اور حفاظت کے لیے ضروری ہے بدن کی حفاظت حواس کی بقا کے لیے ہے اور جو اس عقل کی خاطر ہیں اور عقل دل کے لیے ہے تاکہ دل کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔ جب آدمی اس بات کو سمجھ لے گا تو پھر وہ مال سے بقدر ضرورت تک محبت و الفت رکھے گا اور نیک کاموں میں اس کو صرف کرے گا۔ دوسرا منتر یہ ہے کہ مال کی آمد پر کڑی نظر رکھے تاکہ اس کی آمد حرام اور شبہ سے نہ ہو (مال حرام اور مشتبہ ذرائع سے حاصل نہ ہو) اور نہ ایسا مال قبول کرے جو مروت کے برخلاف ہو۔ جیسے رشوت' گدائی اور حمامی کی اجرت وغیرہ۔ تیسرا منتر یہ ہے کہ مال کی مقدار پر نظر رکھے اور جتنا حاجت سے زیادہ ہو اس کو جمع نہ کرے' حاجت سے اس زیادہ مال کو جو توشہ زادِ آخرت کے بعد بچ رہے[1] وہ مساکین کا حق ہے جب کوئی محتاج سامنے آئے جب کوئی محتاج نظر آئے تو اس کو جو اپنی حاجت سے زیادہ ہے دے دے اگر ایثار کی قدرت نہیں رکھتا تو حاجت کی جگہ پر اس کو صرف کرے۔ چوتھا یہ کہ خرچ پر نظر رکھے اور فضول خرچی نہ کرے اور اچھے کاموں میں اس مال کو صرف کرے کیونکہ بے جا صرف کرنا ایسا ہے جیسے برے طریقے سے کمانا' پانچواں یہ کہ آمد و خرچ اور جمع کرنے میں اپنی نیت درست رکھے اور یہی سمجھے کہ جو کچھ کماتا ہے وہ عبادت میں دلجمعی کے واسطے کماتا ہے اور وہ جو چھوڑ دیا ہے زہد اور مال کو حقیر سمجھنے کی بنا پر چھوڑ دیا ہے اور اس لیے کہ دل دنیا کے خیال سے محفوظ رہے اور خدا کی یاد میں مشغول ہو سکے اور وہ جو کچھ جمع کر رکھا ہے وہ دین کی کسی اہم ضرورت اور خاطر جمعی کے واسطے رکھا ہے اور اس مال کو خرچ کرنے کی حاجت اور ضرورت کا ہر وقت منتظر رہے اگر ایسا کرے گا تو وہ مال اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور یہ حصر جو مال سے اس کو ملا ہے وہ اس کے حق میں زہر نہیں بلکہ تریاق ہی تریاق ہے چنانچہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص سارے جہان کا مال محض خدا کے لیے حاصل کرے تب بھی وہ زاہد ہے اگرچہ وہ تونگر ہوگا اور اس کے برعکس اگر کوئی شخص دنیا سے دست بردار ہو جائے لیکن

[1] مال کثیر سے راہ الٰہی اور امور خیر اور سخاوت وغیرہ کے بعد بھی بچ رہے وہ مساکین کا حق ہے' مصنف علیہ الرحمۃ کے الفاظ یہ ہیں "وہرچہ زیادت از حاجت است کہ نہ برائے زاد راہ دین باآں حاجت است حق اہل حاجت شناسد" (کیمیائے سعادت نسخہ نولکشوری ص ۳۳۸ سطر ۲۴'۲۵ مطبوعہ ۱۸۷۳ء)

اس میں للّٰہیت مفقود ہو (اس کا یہ زہد اللہ کے واسطے نہ ہو) تو وہ زاہد نہیں ہوگا۔

پس چاہیے کہ آدمی کا دلی مقصد خدا کی عبادت اور زادِ آخرت ہو اس وقت اس کی ہر حرکت اور ہر فعل خواہ وہ قضائے حاجت یا کھانا کھانا ہی کیوں نہ ہو وہ داخلِ عبادت ہے اور اس کو ہر ایک کام کا اجر ملے گا کیونکہ دین کے راستے کے لیے ان سب چیزوں کی ضرورت ہے، شرط صرف حسن نیت ہے، چونکہ اکثر لوگ یہ کام نہیں کر سکتے اور ان منتروں سے بھی واقف نہیں ہیں یا اگر جانتے ہیں تو ان پر عمل نہیں کر سکتے تو پھر اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ مال کثیر سے دور رہیں کہ اگر مال کی یہ کثرت غرور اور تکبر کا سبب نہ بھی بنے تب بھی آخرت میں اس کے درجہ میں کمی کا باعث ہوگا (آخرت میں اس کا درجہ کم ہو جائے گا) اس میں انسان کا بڑا نقصان ہے۔

روایت : حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو بہت مال انہوں نے چھوڑا۔ بعض اصحاب (رضی اللہ عنہم) نے اس موقع پر کہا کہ اس قدر کثیر مال چھوڑ جانے کے باعث ہم کو ان کے خاتمہ بالخیر ہونے کا ڈر ہے (اندیشہ ہے کہ ان سے باز پرس ہو) یہ سن کر کعب احبار رضی اللہ عنہ نے کہا۔ سبحان اللہ! تم لوگ ایسا کیوں خیال کرتے ہو جبکہ انہوں نے جتنا مال کمایا وہ وجہ حلال سے کمایا اور نیک کاموں میں صرف کیا۔ اور اب جو کچھ انہوں نے چھوڑا ہے وہ بھی حلال کی کمائی ہے، ان کے حسن خاتمہ میں کیا شک ہو سکتا ہے، جب یہ گفتگو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے کانوں میں پہنچی (کہ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں اور کعب احبار رضی اللہ عنہ اس طرح کہتے ہیں) تو وہ اونٹ کی ایک ہڈی ہاتھ میں لے کر کعب احبار رضی اللہ عنہ کو مارنے کے لیے ان کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے، کعب احبار رضی اللہ عنہ ان کے غصہ سے بچنے کے لیے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر میں جا کر ان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچے اور ان سے کہا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے؟ کہ جو مال عبد الرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) نے چھوڑا ہے اس سے کچھ نقصان نہیں۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ ایک روز کوہِ احد کی جانب تشریف لیے جا رہے تھے اور میں آپ کی خدمت میں موجود تھا تو آپ نے ارشاد کیا اے ابوذر رضی اللہ عنہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (میں حاضر ہوں) آپ نے فرمایا مالدار لوگ قیامت کے دن سب سے آخر میں جنت میں جائیں گے، سوائے اس شخص کے جو مال کو دائیں بائیں آگے اور پیچھے پھینکے ہر وقت اور ہر موقع پر نیک کاموں میں خرچ کرے اور تمام مال صرف کر دے، اے ابوذر رضی اللہ عنہ سن لو۔ اگر مجھے کوہِ احد کے برابر سونا ملے تو سب کو خداوند کریم کی راہ میں خرچ کروں گا اور یہ نہیں چاہوں گا کہ اپنے بعد دو قیراط سونا بھی باقی چھوڑ جاؤں۔" تو جب حضور اکرم ﷺ نے ایسا فرمایا ہے تو تم نے ایسا کہنے کی کس طرح جرأت کی۔ تم جھوٹے ہو، کعب احبار رضی اللہ عنہ نے ان کو اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔

نقل ہے کہ ایک بار یمن سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اونٹوں کا کارواں آیا تمام مدینہ میں ایک شور برپا ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت فرمایا یہ شور کیسا ہے آپ کو بتایا گیا کہ حضرت عبد الرحمٰن

رضی اللہ عنہ کا کارواں آیا ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے سچ فرمایا تھا حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر بہت متفکر ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھ سے حضور ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ مجھے بہشت دکھائی گئی' آپ نے اپنے اصحاب میں سے ان لوگوں کو جو درویش (غریب و نادار) تھے دیکھا کہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ ان کی طرف دوڑ رہے تھے' ان میں سے کسی توانگر (صحابہ) کو میں نے سوائے عبد الرحمن کے نہیں دیکھا مگر وہ بھی گرتے پڑتے (افتاں و خیزاں) بہشت کے دروازے تک پہنچ سکے۔" یہ سن کر حضرت عبد الرحمنؓ نے ان تمام اونٹوں کو مع سامان کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا اور آپ کے پاس جتنے بھی غلام تھے ان سب کو آزاد کر دیا تاکہ وہ بھی درویشوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو سکیں۔

رسولِ خدا ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میری امت کے توانگروں میں تم پہلے بہشت میں جاؤ گے لیکن جدو جہد کے بعد اس میں داخل ہو سکو گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی کا ارشاد ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں ہر روز ہزار دینار حلال روزی سے کماؤں اور خدا کی راہ میں صرف کر دوں' ہر چند کہ اس کے باعث میری نماز میں خلل بھی واقع نہ ہو' لوگوں نے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس مال کے باعث موقف سوال میں مجھ سے سوال کیا جائے گا کہ اے بندے! تو نے مال کہاں سے کمایا اور کس کام میں صرف کیا۔ مجھ میں اس سوال و جواب کی طاقت نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے مال حرام کمایا اور حرام کاموں میں اس کو صرف کیا۔ اس کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ پھر ایسے دوسرے شخص کو لائیں گے جس نے مال کسب حلال سے کمایا لیکن حرام میں خرچ کیا اس کو بھی دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ پھر تیسرے ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے مالِ حرام جمع کیا اور اس کو وجہ حلال میں صرف کیا اس کو بھی دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ پھر ایسا چوتھا شخص لایا جائے گا جس نے مال کسب حلال سے کمایا اور نیک کام میں صرف کیا اس وقت حکم ہو گا کہ اس شخص کو روکو کہ اس نے ممکن ہے کہ مال کی تلاش و طلب طہارت میں تقصیر کی ہو' یا رکوع و سجود میں کوتاہی کی ہو یا شرائط کے مطابق وقت پر نماز ادا نہ کی ہو تب وہ شخص کہے گا بارالہا! میں نے یہ مال حلال طریقے پر کمایا اور نیک کام میں اس کو صرف کیا ہے میں نے (اس کی وجہ سے) کسی فرض کی ادائیگی میں تقصیر نہیں کی ہے نہ میں نے اس مال پر فخر کیا ہے' تب اس سے کہا جائے گا کہ تیرے پاس سواری کا گھوڑا تھا اور رزق برق پوشاک پھر تو نے غرور اور نخوت سے کام لیا ہو گا؟ وہ جواب دے گا یا الٰہی میں نے اس مال پر کبھی فخر نہیں کیا اس سے کہا جائے گا کہ شاید تو نے کبھی یتیم یا مسکین یا اپنے پڑوسی یا اپنے کسی رشتہ دار کا حق ادا نہ کیا ہو گا وہ کہے گا کہ میں نے ان کے حق میں بھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ تب یہ تمام لوگ آکر اس کو گھیر لیں گے (اس کے چاروں طرف جمع ہو جائیں گے) اور بارگاہِ رب العزت میں عرض کریں گے! بارالہا! ہم میں سے تو نے اس شخص کو اس قدر مال و نعمت عطا فرمایا' اس سے ہمارے حق کا سوال کیا جائے (اس نے ہمارا حق ادا کیا یا نہیں۔ اس سے پوچھا جائے) تب اس سے ہر ایک نے

حق (کی ادائیگی) کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اگر اس سلسلہ میں بھی اس نے کوئی تقصیر نہیں کی ہے تب حکم ہوگا کہ اسی طرح کھڑا رہ۔ بتلا تو نے ہر اس لقمہ کا شکر ادا کیا جو تو نے کھایا اور ہر اس نعمت کو جو تجھ کو عطا کی گئی اس کا شکر تو نے کس طرح ادا کیا؟ (اس طرح اس سے سوال کیے جائیں گے) یہی وجہ ہے کہ (ان سوالات اور ان کے جوابات سے بچنے کے لیے) بزرگان دین میں سے کسی کو مالدار بننے کا شوق نہیں تھا کیونکہ اگر عذاب نہ بھی ہو تب بھی اس طرح کے سوالات کئے جائیں گے' خود سرور کونین ﷺ نے جو پیشوائے امت ہیں درویشی کو اختیار کیا تا کہ امت بھی درویشی کو بہتر سمجھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عسرت: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی قربت کا شرف حاصل تھا (ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا) ایک روز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا چلو! فاطمہ رضی اللہ عنہا) کی عیادت کر آئیں۔ جب ہم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر پہنچے تو حضور ﷺ نے دروازہ پر دستک دی اور فرمایا "میرے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے۔" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' بابا جان! میرے بدن پر کپڑا نہیں ہے صرف ایک پرانی کملی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کملی سے بدن کو ڈھانپ لو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے کملی سے بدن چھپالیا ہے مگر میرا سر ننگا ہے' تب آپ ﷺ نے ایک پرانی لنگی حضرت فاطمہ کو سر ڈھانپنے کے لیے دے دی' اس کے بعد گھر کے اندر تشریف لے جا کر فرمایا: اے عزیز بیٹی! تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں بہت بیمار اور درد مند ہوں اور میری بیماری کی شدت کی وجہ یہ ہے کہ بیماری کے باوجود بھوکی بھی ہوں مجھے کھانے کو کچھ نہیں ملتا' مجھ میں بھوک کی برداشت نہیں ہے' یہ سن کر حضور ﷺ بے اختیار اشکبار ہو گئے اور فرمایا اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بے صبری مت کرو خدا کی قسم تین دن سے مجھے بھی کھانے کو کچھ نہیں ملا ہے اور میرا مرتبہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں تم سے بڑا ہے اگر میں آسودگی اور فراغت چاہتا تو حق تعالیٰ مجھے عطا فرماتا لیکن میں نے اپنے لیے آخرت کو پسند کیا ہے' اس ارشاد کے بعد حضرت ﷺ نے اپنا دست اقدس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کندھے پر رکھ کر فرمایا اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) تم کو بشارت ہو کہ تم جنت کی بیبیوں کی سردار ہو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ آسیہ جو فرعون کی بیوی تھیں اور حضرت مریم علیہا السلام کا (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں) کیا رتبہ ہوگا' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں لیکن تم ان سب کی سردار ہو (اور ان سب میں بڑی ہو) یہ سب بیبیاں (جنت کے) آراستہ مکانات میں رہیں گی جہاں نہ شور و غوغا ہے نہ کسی قسم کی تکلیف ہے اور نہ کسی طرح کا کام کاج ہے اے بیٹی! میرے چچازاد بھائی یعنی اپنے شوہر کے مال پر (جو کچھ میسر ہے) قناعت کرو کیونکہ میں نے تم کو ایسے شخص کی زوجیت میں دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی سرداری عطا فرمائی ہے۔"

طمع کا انجام: نقل ہے کہ ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ میں چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ

آپ کی صحبت میں رہوں۔" آپ نے اجازت دیدی' وہ آپ کے ہمراہ کسی سفر پر روانہ ہوا۔ راہ میں ایک دریا کے کنارے جا پہنچے' زادِ راہ میں تین روٹیاں تھیں' دو روٹیاں ان دونوں نے کھائیں ایک روٹی بچ رہی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت سے وہاں سے کچھ دیر کے لیے چلے گئے جب پھر واپس آئے تو وہ روٹی آپ کو نظر نہ آئی آپ نے حواری سے دریافت کیا کہ روٹی کس نے لے لی' حواری نے کہا مجھے تو کچھ معلوم نہیں' آخر کار وہاں سے آگے روانہ ہوئے اثنائے راہ میں ایک ہرن دو بچوں کو ساتھ لیے ہوئے آرہا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آہو بزہ کو پکارا وہ پکارتے ہی آپ کے نزدیک آ گیا آپ نے اس کو پکڑ کر ذبح کیا' بھون کر دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اس کے بعد آپ نے فرمایا اے آہو بچہ خدا کے حکم سے زندہ ہو جا۔ وہ جی اٹھا اور اپنے راستہ پر چلا گیا اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس حواری سے کہا تجھے اس پروردگار کی قسم جس نے یہ معجزہ دکھلایا اب بتاؤ کہ وہ روٹی کیا ہوئی اس نے کہا مجھے نہیں معلوم' یہ دونوں وہاں سے آگے روانہ ہوئے ایک دوسرے دریا پر پہنچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رفیق کا ہاتھ پکڑا اور دونوں پانی پر چل کر دریا سے پار ہو گئے۔ تب پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تجھے اس خدا کی قسم جس نے یہ معجزہ دکھایا مجھے بتا دے کہ وہ روٹی کیا ہوئی اس نے پھر وہی کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ وہاں سے یہ دونوں پھر روانہ ہو گئے ایک ریگستان میں پہنچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سی ریت جمع کی اور فرمایا اے ریگ خدا کے حکم سے سونا ہو جا۔ تمام ریت سونا بن گئی آپ نے اس کے تین حصے کیے اور فرمایا ایک حصہ تمہارا ہے اور ایک میرا اور تیسرا حصہ اس شخص کا ہے جس نے وہ روٹی کھائی اس وقت اس شخص نے محض سونے کے لالچ میں اقرار کر لیا کہ وہ روٹی میرے پاس ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اب یہ تینوں حصے تم ہی لے لو۔

سونے کا یہ ڈھیر اس کے حوالے کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تنہا وہاں سے روانہ ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اتفاقاً دو شخص ادھر آ نکلے اور چاہا کہ اس کو مار کر یہ سونا اپنے قبضے میں کر لیں اس نے کہا مجھے مارتے کیوں ہو آؤ ہم تینوں اس کو بانٹ لیں پس انہوں نے ان تینوں میں سے ایک شخص کو شہر میں بھیجا کہ کھانا خرید کر لائے وہ شخص گیا اور اس نے کھانا خریدا اور اپنے دل میں ٹھانی کہ حیف یہ دونوں شخص اتنا سونا لے جائیں پس مناسب یہ ہے کہ کھانے میں زہر ملا کر دونوں کو ہلاک کر دوں اس وقت سارا سونا میرا ہو گا (اور اس نے کھانے میں زہر ملا دیا) ادھر ان دونوں نے اس تیسرے کی عدم موجودگی میں منصوبہ بنایا کہ تیسرے حصے کا سونا ناحق اس کو کیوں دیں۔ جب وہ کھانا لے کر آئے تو اس کو مار ڈالیں گے اور سونا اپنے قبضہ میں کر لیں گے۔ جب وہ تیسرا شخص کھانا لے کر واپس آیا تو ان دونوں نے اس کو مار ڈالا اور پھر کھانا کھایا کھانا کھاتے ہی یہ دونوں بھی مر گئے اور وہ تمام سونا اسی طرح وہاں پڑا رہا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب واپس اسی جگہ آئے تو دیکھا کہ سونا جوں کا توں پڑا ہے اور پاس ہی تین شخص مرے پڑے ہیں تب آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا' دیکھو دنیا کا انجام یہ ہے تم اس سے پرہیز کرو۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ آدمی خواہ کیسا ہی استاد اور باکمال ہو بہتر یہ ہے کہ مال پر نظر نہ کرے اور اس کو حاجت سے زیادہ نہ لے کیونکہ سانپ پکڑنے والا آخر کار سانپ کے ڈسنے ہی سے ہلاک ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اصل ہفتم

جاہ و حشم کی محبت اور اس کی آفتیں اور ان کا علاج

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ بہت سے لوگ جاہ و حشم، نیک نامی اور مخلوق کی زبان سے اپنی تعریف کی آرزو میں ہلاک ہو گئے اور اس کی وجہ سے بہت سے جھگڑوں میں پڑے ہیں، دشمنی اور گناہوں میں مبتلا ہوئے ہیں، جب انسان پر یہ خواہش غالب ہوتی ہے تو دینداری میں خلل پڑتا ہے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور برے اخلاق سے تباہ ہو جاتا ہے۔

ارشاداتِ نبوی ﷺ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "مال و جاہ کی محبت دل میں نفاق کو اس طرح اگاتی ہے جیسے پانی سبزہ کو اگاتا ہے۔"

حضور اکرم ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ "دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں ایسی تباہی نہیں مچاتے جیسی مال و جاہ کی محبت مرد مسلمان کے دل میں تباہی برپا کرتی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خلق کو دو چیزوں نے ہلاک کیا، ایک خواہشات نفسانی کی پیروی اور دوسری اپنی تعریف و توصیف کی خواہش، اس کی آفت سے وہ شخص ہی نجات پا سکے گا جو نام اور شہرت کا طالب نہ ہو اور گمنامی پر قناعت کرے۔" حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْکَ الدَّارُالْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَایُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا۝ (پارہ ۲۰ سورہ قصص)

ہم آخرت کی سعادت ان کو دیں گے جو دنیا کی بزرگی اور مرتبہ نہ ڈھونڈیں اور نہ فساد (برپا کریں)۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "بہشتی لوگ وہ ہیں جو خاکسار، بال پریشان اور میلے لباس والے ہیں کوئی ان کی قدر و منزلت نہیں کرتا، وہ اگر امراء کے گھر میں داخل ہونا چاہیں تو ان کو اجازت نہ دیں اور اگر نکاح کرنا چاہیں تو کوئی شخص اپنی بیٹی دینے پر تیار نہ ہو اور اگر بات کریں تو لوگ ان کی بات نہ سنیں اور ان کی آرزوئیں ان کے دلوں میں جوش مارتی ہیں، اگر ان کا نور قیامت میں مخلوق پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے حصے میں آئے گا (سب کو وہ نور پہنچے گا)۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے۔ "بہت سے خاکسار پرانے لباس والے ایسے ہیں کہ اگر وہ خدا سے بہشت کے طالب ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرما دے اور اگر دنیا کی کوئی چیز مانگیں تو ان کو نہ دی جائے۔"

ایک اور ارشاد گرامی ہے۔ " کہ میری امت میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ تم سے دینار یا درہم یا ایک حبہ

مانگیں تو تم نہ دو گے۔ لیکن اگر وہ حق تعالیٰ سے بہشت مانگیں تو وہ ان کو عطا کر دے گا' اگر دنیا مانگیں تو نہ دے گا۔ اس کا باعث یہ نہیں ہے کہ وہ شخص ذلیل بے قدر ہے۔"

حکایت : امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد میں تشریف لے گئے تو وہاں معاذ رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے دیکھا' آپ نے ان سے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے پوشیدہ (گمنام) پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے کہ اگر وہ گم ہو جائیں تو کوئی ان کو تلاش نہ کرے' ان لوگوں کے قلوب راہِ ہدایت کے چراغ ہیں اور تمام شبہات اور تاریکیوں سے پاک ہیں۔' میں اس ارشاد کو یاد کر کے رو رہا ہوں کہ میں ایسا نہیں ہوں۔"

حضرت ابراہیمؒ ادہم کا ارشاد ہے کہ جو شخص شہرت کا طالب اور نام و ننگ کا خواہاں ہے وہ خدا کے دین میں صادق نہیں ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ "صدق کا نشان یہ ہے کہ انسان یہ نہ چاہے کہ کوئی اس کو جانے اور پہچانے۔" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے ان کے کئی شاگرد چل رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے کئی درے مارے انہوں نے کہا اے امیر المومنین! آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس طرح ان لوگوں کے لیے ذلت ہے جو پیچھے پیچھے چل رہے ہیں اور جو ان کے آگے چل رہا ہے اس کے لیے یہ غرور اور نخوت کا سرمایہ ہے (اس سے تمہارے اندر غرور و نخوت پیدا ہو گا۔)

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ اس نادان شخص کے دل کو کبھی سکون میسر نہیں آئے گا جو یہ دیکھ رہا ہے کچھ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں (اور وہ مقتدیٰ اور پیشوا بنا ہوا آگے آگے چل رہا ہے) حضرت ایوب علیہ السلام کہیں سفر پر جا رہے تھے کچھ لوگ از روئے ادب ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے انہوں نے فرمایا حق تعالیٰ اس امر سے خوب واقف ہے کہ میں اس بات سے خوش نہیں ہوں اگر ایسا نہ ہوتا تو میں غضب الٰہی سے خوف زدہ نہ ہوتا۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگلے بزرگوں کو زرق برق لباس سے نفرت تھی خواہ وہ پوشاک نئی ہو یا پرانی' لباس ایسا ہونا چاہیے کہ کوئی شخص اس کا تذکرہ نہ کرے (یعنی معمولی لباس ہو) حضرت بشر حافیؒ کا ارشاد ہے کہ میری نظر میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو طالب شہرت ہوا ہو اور اس کا دین نہ برباد ہوا ہو اور اس کے حصے میں رسوائی نہ آئی ہو۔

جاہ کی حقیقت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ توانگر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے قبضہ اور ملکیت میں مال و زر ہو اور اس پر اس کا تصرف ہو۔ اسی طرح صاحب حشمت و جاہ وہ شخص ہے کہ لوگوں کے دل اس کے مسخر ہوں اور ان میں وہ اپنا تصرف کر سکے اور جب کسی کا دل مسخر ہوتا ہے تو اس کا جسم اور اس کا مال بھی اس کا تابع ہوتا ہے اور دل کے مسخر ہونے کی صورت

یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے بارے میں اس طرح اچھا خیال رکھے کہ اس کی بزرگی اور بڑائی دل میں سما جائے خواہ یہ بزرگی اس کے کسی کمال کے سبب سے ہو یا علم و عبادت کے باعث' یا اچھے اور اعلیٰ اخلاق کی بنا پر یا قوت کے سبب سے یا اور کسی ایسی چیز کے باعث جس کو لوگ اس شخص کا کمال اور بزرگی سمجھتے ہوں- پس جب ایسا خیال دل میں جاگزین ہو گیا تو دل اس کا مسخر ہو گیا اور برضا و رغبت اس کا فرمانبردار بن گیا' زبان سے اس کی تعریف کرتا ہے اور اس کی خدمت بجا لاتا ہے اور اپنا مال اس پر قربان کر رہا ہے اور جس طرح غلام اپنے آقا کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے اسی طرح وہ شخص بھی اس صاحب جاہ و حشم کا مطیع' مرید اور دوست رہتا ہے بلکہ غلام سے بڑھ کر غلام کی اطاعت تو جبر سے ہوا کرتی ہے اور اس کی اطاعت بخوشی خاطر ہوتی ہے-

توانگری کے معنی : پس توانگری اور مالداری کے معنی یہ ہیں کہ سیم و زر آدمی کی ملکیت میں ہو اور جاہ کے معنی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے دل اس کے اسیر ہوں اکثر مخلوق کو مال سے زیادہ جاہ و منزلت عزیز ہوتی ہے اور اس کے تین سبب ہیں' ایک سبب تو یہ ہے کہ مال اس واسطے عزیز ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام حاجتوں کو پورا کیا جا سکتا ہے' جاہ کا بھی یہی حال ہے بلکہ جو کوئی صاحبِ جاہ و منزلت ہوتا ہے اس کے لیے مال حاصل کرنا بھی آسان ہوتا ہے لیکن ایک ادنیٰ اور معمولی شخص چاہے کہ مال و زر سے جاہ کو حاصل کر لے تو یہ بہت دشوار ہوگا- دوسرا سبب یہ ہے کہ مال کے چوری ہو جانے یا ضائع ہو جانے یا خرچ ہو جانے کا خطرہ لگا رہتا ہے لیکن جاہ میں یہ خطرہ اور اندیشہ نہیں ہے' تیسرا سبب یہ ہے کہ مال بغیر محنت' زراعت اور تجارت کے زیادہ نہیں ہوتا لیکن جاہ و مرتبہ دوسرے کے دلوں میں جگہ کرتا ہے اور بڑھتا ہے' کیونکہ جب تم نے کسی کا دل شکار کر لیا تو وہ دنیا بھر میں پھرے گا اور تمہاری ہر جگہ تعریف کرے گا اور چاہے گا کہ دوسرے لوگ بھی بغیر دیکھے تمہارے شکار ہو جائیں اس طرح جس قدر شہرت زیادہ ہوتی ہے' اسی قدر جاہ میں اضافہ ہوتا ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے بھی بڑھتے ہیں- اگرچہ انسان کو جاہ و مال دونوں مطلوب ہوتے ہیں کیونکہ حاجتیں اور ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود آدمی دل سے چاہتا ہے کہ اس کا نام دور دراز شہروں تک پہنچے کہ اس کا ان دور دراز مقامات تک پہنچنا دشوار اور مشکل ہے انسان چاہتا ہے کہ کسی طرح سارا جہان اس کا مسخر ہو جائے اگرچہ وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ بذاتِ خود اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے اور اس میں ایک اہم راز پوشیدہ ہے وہ یہ کہ آدمی فرشتوں کے جوہر سے بنا ہے اور خداوند تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے- جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے-

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ؛ فرما دیجئے روح تو میرے رب کا ایک حکم ہے-

اس طرح اس کو باوجودیکہ حضرت ربوبیت سے ایک مناسبت ہے اور اس کی خواہش بھی یہی ہے کہ ربوبیت کو تلاش کرے لیکن اس کے اندر انانیت بھی موجود ہے اور ہر ایک کے دل میں وہ بات موجود ہے جو فرعون نے کہی تھی : اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں) اور اس میں سرایت کرتی رہتی ہے اس طرح ہر شخص ربوبیت کو

بالطبع دوست رکھتا ہے اور یہاں ربوبیت کے معنی یہ ہیں۔ کہ میں ہی سب کچھ ہوں اور میری طرح کوئی دوسرا نہ ہو کہ جب مجھ جیسا کوئی دوسرا پیدا ہوگا تو میری ربوبیت کو نقصان پہنچے گا' کیونکہ آفتاب کا کمال اسی وجہ سے قائم ہے کہ وہ ایک ہے (دوسرا اس جیسا نہیں ہے) اور سارے جہان کا نور اسی سے ہے۔ اگر اس جیسا کوئی دوسرا ہوتا تو یہ ناقص قرار پاتا لیکن یہ نہیں سوچتا کہ یہ کمال کہ سب کچھ آپ ہی رہے دوسرا اس کے مثل نہ ہو' یہ خاصہ صرف الوہیت کا ہے۔ حقیقت میں ماہیت وہی ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے کی ہستی مطلق نہیں ہے اور ہر ایک موجود اسی کی قدرت کا ایک پرتو اور نور ہے اس طرح انسان اس کا تابع ہوا شریک نہیں ہوا جس طرح نور آفتاب کا تابع ہے اس کا شریک نہیں ہے' ذات الٰہی کے سوا کوئی دوسرا موجود اس کے مقابلہ کا نہیں ہے جو اس کا شریک بن سکے اگر کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس دوئی کے باعث اس میں نقصان پیدا ہوتا (اور اللہ تعالیٰ نقصان سے منزہ اور پاک ہے)۔

انسان کی خواہش : پس آدمی بالطبع تو یہ چاہتا ہے کہ سب کچھ وہی ہو لیکن یہ بات ممکن نہیں' تو چاہتا ہے کہ کم از کم سارا جہان اس کا مسخر اور فرمانبردار بن جائے اور اس کے تصرف اور ارادے کے تحت آجائے لیکن ایسا ہونا بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ تمام موجودات دو قسم پر منقسم ہیں' ایک قسم تو ان موجودات کی ہے جو آدمی کے تصرف سے باہر ہیں' جیسے آسمان' ستارے' ملائکہ' شیاطین اور وہ تمام چیزیں جو زمین کے نیچے ہیں' دریاؤں کی گہرائی اور پہاڑوں کے اندر ہیں۔ بس وہ چاہتا ہے کہ علم کے زور سے ان سب پر غالب ہو جائے اور یہ سب موجودات اس کی قدرت کے تصرف میں نہیں آتے تو اس کے حکم ہی کے تصرف میں آجائیں' اسی بنا پر وہ چاہتا ہے کہ ملکوت آسمان و زمین اور بحر و بر کے سب عجائب اس کو معلوم ہو جائیں' مثلاً ایک شخص شطرنج کھیلنا نہیں جانتا لیکن چاہتا ہے کہ اس کا ڈھنگ اور اس کی چالیں معلوم کر لے یہ بھی اسی قسم کے ایک غلبہ کی آرزو ہے۔

موجودات کی دوسری قسم جن میں آدمی تصرف کر سکتا ہے روئے زمین اور اس پر موجود چیزیں ہیں۔ جیسے جمادات' نباتات' حیوانات' تو آدمی چاہتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس کی ملک ہوں یعنی اس کے تصرف میں آئیں تاکہ اس کو ان سب پر کمال قدرت اور غلبہ حاصل ہو۔ جو اشیاء زمین پر ہیں ان سب میں نفیس ترین انسان کا دل ہے۔ پس انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس نفیس ترین چیز کو اپنا مسخر کر لوں اور وہ میرے تصرف میں آجائے۔ جاہ کے یہی معنی ہیں۔ پس انسان بالطبع ربوبیت یعنی صاحب و مالک بننے کو پسند کرتا ہے اور وہ نسبت اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ربوبیت کے معنی یہ ہیں کہ سب کا کمال اس کو حاصل ہو اور کمال بغیر غلبہ کے حاصل نہیں ہوتا اور غلبہ علم و قدرت سے حاصل ہوتا ہے اور قدرت انسان کو بغیر مال و جاہ کے میسر نہیں آسکتی۔ پس جاہ کی آرزو اور محبت کا باعث اصلی یہی ہے۔

فصل : اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ جاہ بھی مال کی طرح ہے جس طرح تمام مال برا نہیں ہے بلکہ اس سے بقدر کفایت

لے لینا زادِ آخرت ہے اور اگر بہت مال میں انسان کا دل ڈوب جائے (دل مال کثیر میں لگ جائے) تو وہ آخرت کا راہزن ہے جاہ کا بھی یہی حال ہے کیونکہ خادم اور رفیق انسان کے لیے ضروری ہیں کہ ضرورت کے وقت اس کی مدد کریں اور اس کے لیے ایک حاکم یا بادشاہ کی بھی ضرورت ہے جو اس کو ظالموں کے شر سے محفوظ رکھے۔ پس لوگوں کے دل میں اس کی قدر و منزلت ہونا ضروری ہے لیکن یہ طلب جاہ صرف اسی قدر روا ہے جس سے یہ فوائد حاصل ہو سکیں۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

"اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ" بے شک میں حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔

اسی طرح جب تک شاگرد کے دل میں استاد کی قدر و منزلت نہیں ہوگی وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے گا اور جب تک شاگرد کا لحاظ' پاس اور اس کی اہمیت استاد کے دل میں نہ ہو وہ اس کو تعلیم نہ دے سکے گا' اس اعتبار سے جاہ کی طلب بقدر ضرورت مباح ہے جس طرح بقدر کفایت طلب مال مباح ہے' جاہ کو چار طرح سے حاصل کیا جا سکتا ہے' ان میں دو مباح ہیں اور دو حرام ہیں' جو دو طریقے حرام ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت ریائی سے جاہ کی طلب کرلے (ریا کے ساتھ محض طلب جاہ کے لیے عبادت کرے) عبادت تو خالص خداوند تعالیٰ کے لیے ہونا چاہیے' جب کسی نے عبادت کے وسیلہ سے جاہ کو طلب کیا تو یہ حرام ہے اور دوسرا حرام طریقہ یہ ہے کہ دھوکا دے اور اپنے میں ایسی صفت بتلائے جو فی الواقع اس میں نہ ہو مثلاً کہے کہ علوی سید ہوں یا فلاں بزرگ کی اولاد ہوں یا میں فلاں ہنر جانتا ہوں اور حقیقت میں نہ جانتا ہو یہ باتیں بالکل ایسی ہیں' جیسے کوئی شخص دغا سے مال حاصل کرے۔

وہ دو طریقے جو مباح ہیں ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایسی چیز کے ذریعہ سے جاہ طلب کرے جس میں دغا اور فریب نہ ہو اور نہ عبادت کو اس کا وسیلہ ٹھہرایا ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنا عیب پوشیدہ رکھ کر جاہ کو طلب کرے۔ جیسے ایک فاسق اپنی معصیت کو اس لیے چھپائے کہ بادشاہ کے یہاں اس کو کوئی مرتبہ اور درجہ مل جائے اور یہ غرض نہ ہو کہ لوگ اس کو پارسا خیال کریں۔ یہ طریقہ مباح ہے۔

حب جاہ کا علاج

اے عزیز! جب حب جاہ کی محبت دل پر غالب آجائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ دل بیمار ہے اور اس کا علاج کرنا ضروری ہے' کیونکہ حب جاہ ہی نفاق' ریا' دروغ' فریب' عداوت' حسد' جنگ و جدل اور طرح طرح کے گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ یہی حال مال کی محبت کا ہے لیکن جاہ کی محبت تو اس سے بھی بدتر ہے کیونکہ طبیعت پر اس کا زبردست غلبہ ہوتا ہے اور اگر کسی شخص نے صرف اس قدر جاہ و مال حاصل کیا جس میں دین کی سلامتی ہے اور اس سے زیادہ کا وہ خواہاں نہیں ہے تو اس کے دل کو بیمار نہیں کہیں گے کیونکہ حقیقت میں اس کو مال و جاہ کی محبت نہیں ہے بلکہ دین کے لیے خاطر جمعی درکار

ہے' اس کے برعکس جب کوئی شخص جاہ و مال کا اس قدر طالب ہے اور اس کو دوست رکھتا ہے اور یہ دیکھتا رہتا ہے کہ مخلوق اس کو کس قدر چاہتی ہے اور مخلوق کی نظر میں اس کا کیا مقام ہے اور اس کی لوگ کس طرح تعریف و توصیف کرتے ہیں اور اس کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں تو اس صورت میں وہ جس کام میں بھی مشغول ہوتا ہے اس کا دل لوگوں کی بات چیت اور اس کے بارے میں ان کے جو خیالات ہیں' اسی میں لگا رہتا ہے' ایسے بیمار کا علاج کرنا فرض ہے۔

حب جاہ کا علاج : حب جاہ کا علاج بھی علم و عمل سے مرکب ہے' علمی علاج تو یہ ہے کہ وہ غور کرے اور سوچے کہ دین و دنیا کے لیے جاہ کیسی آفت ہے' دنیا میں تو اس کی آفت یہ ہے کہ طالب جاہ ہمیشہ رنج و خواری اور خلائق کی خاطرداری میں لگا رہے گا اس وقت اگر وہ کامیاب نہ ہوا (اس کو جاہ و منزلت حاصل نہ ہوئی) تو ذلیل و خوار ہوگا اور اگر جاہ و مرتبت حاصل ہو گیا تو لوگ اس پر حسد کریں گے اور ہر وقت اس کے درپے (آزار) رہیں گے اس طرح صاحب جاہ ہر وقت دشمنوں کی دشمنی کی فکر اور دشمنوں کو دفع کرنے کی تدابیر میں مصروف رہے گا اور کسی وقت بھی اس کو دشمنوں کے مکرو فریب سے بے فکری نصیب نہیں ہوگی اور اگر کوئی اس کی فکر نہ کرے اور دشمن کی دشمنی سے بچنے کی کوشش نہ کرے تو اگر اس شخص سے مغلوب ہو گیا تو یقیناً اس کی ذلت ہوگی اور اگر دشمن پر غالب آگیا تو اس غلبہ کو ثبات نہیں ہے کہ جاہ کا تعلق تمام خلائق کے دل سے ہے' اور مخلوق کے دلوں کی حالت بدلتی رہتی ہے (ابھی وہ عزت کرتے ہیں اور احترام میں جھکتے ہیں ممکن ہے کہ بعض کی حالت بدل جائے اور اس کے احترام میں کمی آجائے) دلوں کے احوال موج دریا کی طرح لہر مارتے رہتے ہیں (کبھی کچھ حال ہے کبھی کچھ کیفیت ہے) اور اگر چند ناہنجاروں کے احترام پر جاہ و مرتبت کی بنیاد رکھی ہوئی ہے تو ایسی عزت بیکار ہے کہ ان کے خیالات کے بدلتے ہی اس عزت اور جاہ کو زوال آجائے گا' خصوصاً جبکہ اس عزت کی بنیاد ایسی سرداری پر ہو (صاحب جاہ سردار ہو یا بادشاہ کا مقرب جو ایک خیال سے قائم ہو' بادشاہ کے دل میں خیال پیدا ہو کہ اس سردار کو معزول کر دیا جائے اور وہ معزول کر دیا گیا اور جاہ مرتبہ اسی عہدے اور منصب پر قائم تھا تو اس کے ہر طرف ہوتے ہی وہ عزت بھی ختم ہو گئی' اس طرح وہ سردار دنیا ہی میں ذلیل ہوا اور آخرت کا دکھ اس کے سوا ہے (اس طرح صاحب جاہ دنیا اور آخرت دونوں میں دکھ اٹھائے گا) ان باتوں کو بے خبر لوگ نہیں سمجھ سکتے صرف دانا ہی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے وہ جانتا ہے کہ اگر روئے زمین کی بادشاہت (مشرق سے مغرب تک) اس کو مل جائے اور تمام عالم اس کے سامنے جھک جائے (اس کی عزت و احترام کرے) تب بھی کوئی خوشی کی بات نہیں ہے کیونکہ جب چند دنوں کے بعد وہ موت کی آغوش میں چلا جائے گا تو اس کی یہ بادشاہی باطل ہو جائے گی (یونہی دھری رہ جائے گی) اور تھوڑے دنوں کے بعد نہ یہ احترام کرنے والے رہیں گے اور میرا حال بھی ان گذرے ہوئے بادشاہوں کی طرح ہو جائے گا جن کو آج کوئی یاد بھی نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں اس چند روز کی لذت کے لیے ہمیشہ رہنے والی بادشاہی کو ہاتھ سے کیوں جانے دوں۔

کیونکہ جو کوئی جاہ کا آرزومند اور طالب رہتا ہے اس کا دل خداوند تعالیٰ کی محبت سے خالی رہتا ہے (خدا کی محبت اس

کے دل میں نہیں رہتی) اور دم مرگ جس کے دل میں خدا کی محبت کے سوا کسی دوسری چیز کا غلبہ ہو تو وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا- یہ جو کچھ بیان کیا حب جاہ کا علمی علاج تھا-

حب جاہ کا عملی علاج دو طرح پر ہے ایک تو یہ کہ جس جگہ اس شخص کی عزت اور احترام کیا جاتا ہے' اس جگہ کو چھوڑ دے' اس مقام پر نہ رہے اور کسی اجنبی ملک یا شہر میں چلا جائے تاکہ اس کو وہاں کوئی نہ پہچانے' سب سے زیادہ اچھی بات ہے کیونکہ اگر اپنے ہی شہر اور اپنی ہی بستی میں گوشہ نشینی اختیار کرے گا تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاں شخص ترکِ جاہ کر کے عزلت نشین ہو گیا ہے تو محض اس سبب سے لوگ اس کو آزار نہ پہنچائیں گے اور اگر لوگ اس پر اعتراض کریں اور کہیں یہ عزلت نشینی محض نفاق ہے (یہ کام تو نے نفاق کی وجہ سے کیا ہے) تو اس بات سے اس کے دل کو دکھ پہنچے گا اور اس گناہ کی طرف منسوب کرنے والوں سے معذرت طلب کرے گا (کہ میری عزلت نشینی نفاق اور ریاکاری نہیں ہے) اور اگر یہ تمام باتیں محض ایک ڈھونگ ہیں تاکہ لوگ اس سے بدعقیدہ نہ ہوں تو یہ اسبات کی دلیل ہو گی کہ ابھی اس کے دل میں جاہ کی محبت موجود ہے-

دوسرا عملی علاج یہ ہے کہ ملامتیہ بن جائے اور ایسا کام کرے جس سے مخلوق کی نظر میں حقیر و ذلیل ہو لیکن ایسے برے کاموں سے یہ مراد نہیں ہے کہ شراب وغیرہ پئے- جیسا کہ بعض نادان اس قسم کا کام کر کے ملامتی کہلاتے ہیں- بلکہ حکمتِ عملی سے کام لے جیسا کہ ایک زاہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شہر کا امیر اس کی ملاقات کو گیا تاکہ اس کی خدمت میں پہنچ کر سعادت حاصل کرے- جب زاہد نے دور سے دیکھا کہ امیر اس کے پاس آرہا ہے تو روٹی اور ترکاری جلدی جلدی کھانے لگا اور بڑے بڑے نوالے کھانا شروع کر دیئے امیر اس کی یہ حرص دیکھ کر اس سے بدعقیدہ ہو گیا اور واپس چلا گیا ایک اور زاہد کے بارے میں منقول ہے کہ شہر کے لوگ اس کے بہت معتقد تھے اور اس کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے- ایک دن وہ حمام سے دوسرے کے کپڑے پہن کر باہر نکل آیا اور دیر تک باہر راستہ پر اسی طرح کھڑا رہا- لوگوں نے اس کو پکڑ کر خوب پیٹا اور شور مچادیا کہ یہ چور ہے- اسی طرح ایک بزرگ شراب کے رنگ کا شربت پیالہ میں ڈال کر پینے لگے تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ وہ شراب پی رہا ہے- غرضیکہ ان بزرگوں نے ان ترکیبوں سے جاہ کی حرص کو دل سے نکالا ہے- (واللہ اعلم بالصواب)
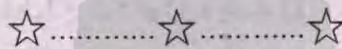
ستائش سے محبت اور شکایت سے ناگواری

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ مخلوق ان کی تعریف کرے اور وہ ہمیشہ اپنی نیک نامی کی فکر میں لگے رہتے ہیں اگرچہ ان کے عمل شریعت کے خلاف ہوتے ہیں (اس پر بھی وہ اس کے خواہاں ہوتے ہیں) اور مخلوق اگر ان کی شاکی ہو تو آزردہ ہوتے ہیں اور ان کی ملامت و مذمت سے ناخوش ہوتے ہیں- ہر چند کہ ان کی یہ نکوہش بجا اور درست ہوتی ہے- یہ بھی دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے اور جب تک مدح و ذم سے دل کی خوشی اور ناخوشی کا سبب ظاہر نہ ہو اس بیماری کا علاج معلوم نہیں کیا جاسکتا-

معلوم ہونا چاہیے کہ ستائش و مدح کی پسندیدگی کے چار سبب ہیں- پہلا سبب یہ ہے کہ آدمی اپنی بزرگی اور برتری کا ہمیشہ خواہاں رہتا ہے اور اپنا نقصان اس سلسلہ میں گوارا نہیں کرتا اور دوسرے لوگوں کا ستائش کرنا بظاہر کمال کی دلیل ہے- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود اس کو اپنے کمال میں شک ہوتا ہے اس وجہ سے پورے طور پر محظوظ نہیں ہوتا چنانچہ جب کسی سے اپنی تعریف سنتا ہے تو اس پر یقین کرلیتا ہے اور اس کو سکون میسر آتا ہے اور پورا پورا محظوظ ہوتا ہے کہ بندہ جب اپنی ذات میں کمال کی بو پاتا ہے تو ربوبیت کے آثار اپنی ذات میں مشاہدہ کرتا ہے اور ربوبیت انسان کو دل سے پسند ہے اور جب وہ اپنی مذمت سنتا ہے تو اپنے نقصان پر آزردہ ہوتا ہے پس اگر وہ اپنی تعریف یا مذمت ایسے شخص سے سنتا ہے جو عاقل ہو اور جھوٹ بولنے والا ہو، جیسے استاد یا مصنف یا عالم، تو مذمت سے یقیناً رنج پہنچتا ہے اور ستائش سے راحت حاصل ہوتی ہے اور جب کوئی نادان تعریف کرتا ہے تو اس وقت دل خوش نہیں ہوتا کیونکہ اس کی ستائش سے یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا-

دوسرا سبب یہ ہے کہ ستائش و ثنا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قائل یا ثنا گو کا دل اس کا اسیر ہے اور ثنا گو کے دل میں ممدوح کی قدر منزلت جاگزین ہے- پس اگر تعریف کوئی بڑا شخص (صاحب مرتبہ) کرتا ہے تو بڑی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے اور اگر ثناء گو کم مرتبت والا ہے تو اس قدر لذت حاصل نہیں ہوگی-

تیسرا اباب یہ ہے کہ کسی کی تعریف اس بات کی بشارت دیتی ہے کہ دوسروں کے دل بھی اس کے اسیر ہوجائیں گے، کیونکہ جب یہ ثنا و ستائش کرے گا تو دوسرے لوگ خود بخود اس کے معتقد ہوجائیں گے اس طرح ہر شخص اس کا معتقد بن جائے گا- پس ثنا اگر سب کے سامنے ہو اور معتبر شخص کی زبانی ہو تو بہت مسرت ہوتی ہے اور مذمت کا معاملہ اس کے بالکل برعکس سمجھنا چاہیے-

چوتھا سبب یہ ہے کہ تعریف و ستائش اس بات کی دلیل ہے کہ ثنا کرنے والا اس کی حشمت کے سامنے سپر انداز ہوگیا ہے اور حشمت بھی بالطبع انسان کو محبوب ہے اگرچہ وہ بہ جبر ہی کیوں نہ ہو- کیونکہ ثنا کے بارے میں اگرچہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ بھی تعریف کی جارہی ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن وہ تعریف کی احتیاج کو جو اس کے دل کے اندر ہے وہ عزیز اور دوست رکھتا ہے اور اس میں وہ اپنی قدرت کا کمال سمجھتا ہے، پس اگر ثنا خواں ثنا اور ستائش میں اتنا مبالغہ کرے کہ

وہ جھوٹ معلوم ہو اور یقین ہو کہ کوئی اس کو باور نہیں کرے گا یا وہ یہ جانتا ہو کہ ستائش کرنے والا یہ ستائش دل سے نہیں کر رہا ہے یا اس کی قدرت کے ڈر سے نہیں بلکہ ازراہ تمسخر ستائش کر رہا ہے تو اس صورت میں کچھ خوشی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ وہ چیزیں موجود نہیں ہیں جن سے خوشی ہوتی ہے۔

ستائش پسندی کا علاج : اب جبکہ ستائش کے یہ اسباب تم کو معلوم ہو گئے تو اس کا علاج آسانی سے تم کر سکتے ہو بشرطیکہ اس سلسلہ میں کوشش کرو۔ ذوق ستائش کے سبب اوّل کا تو علاج یہ ہے کہ ستائش کرنے والے کی ستائش سے خود کو بلند اور کامل سمجھے۔ اس موقع پر چاہیے کہ وہ اس بات میں غور کرے کہ اگر میری ذات میں علم و زہد کی وہ صفت جو ثنا گو بیان کر رہا ہے سچ اور درست ہے تو اس پر وہ خوشی کر سکتا ہے کہ کرم الٰہی نے مجھے یہ صفت عطا فرمائی ہے اور ذات باری کے لطف سے یہ صفت مجھے حاصل ہوئی ہے نہ کہ ثنا گوئی کی ثنا و ستائش سے اور کسی کے قول سے یہ صفت نہ زیادہ ہو سکتی ہے نہ کم اور اگر کوئی شخص تمہاری تعریف تمہارے تمول' امارت اور دوسرے دنیاوی اسباب کی وجہ سے کر رہا ہے تو یہ بات خوش ہونے کے لائق نہیں ہے اور اگر وہ خوشی کا باعث ہو سکتی ہے تو اس کو اس وصف کے باعث خوش ہونا چاہیے نہ کہ مداح اور ثنا گو کی تعریف سے بلکہ ایک عالم اپنے علم و زہد کو اگر حقیقت میں سمجھتا ہے تو وہ اس پر خوش نہ ہو گا کیونکہ اس کو اپنے خاتمہ کا خوف ہے اور معلوم نہیں کہ انجام کیا ہو گا اور جب تک انجام معلوم نہ ہو جائے ساری محنت بیکار ہے اور جب کسی کا انجام اور اس کا مقام دوزخ ہو تو اس کے لیے خوشی کا کیا موقع ہے اور اگر وہ اس صفت کے باعث خوش ہو رہا ہے جو اس کی ذات میں موجود نہیں ہے جیسے زہد و علم تو اگر وہ ان موہوم صفتوں پر خوش ہو تو نرا احمق ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کہدے کہ یہ شخص بہت ہی نیک اور لائق ہے اور اس کی تمام آنتیں مشک اور عطر سے بھری ہوئی ہیں (تو اس بات پر کس طرح خوش ہو سکتا ہے) جبکہ خود وہ جانتا ہے کہ اس کی آنتوں میں نجاست اور گندگی بھری ہوئی ہے لہٰذا اس جھوٹی بات سے خوش ہونا کیسا اور اگر یہ سن کر خوش ہو گا تو لوگ اسے دیوانہ سمجھیں گے۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ دوسرے سببوں کا حاصل صرف جاہ و حشمت کی محبت ہے۔

مذمت کرنے والے سے ناراض نہ ہو : اگر کوئی شخص تمہاری مذمت کرے تو اس سے خفا ہونا محض نادانی ہے۔ کیونکہ اگر تمہارے بارے میں وہ سچ کہتا ہے تو وہ فرشتہ صفت انسان ہے اور اگر عمداً وہ جھوٹ بول رہا ہے تو شیطان ہے اور اگر اس کو اپنے جھوٹ کی خبر نہیں تو پھر وہ احمق اور گدھا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی صورت مسخ کر دے اور اس کو گدھا یا شیطان یا فرشتہ بنا دے تو اس میں تمہارے برا ماننے کی کون سی بات ہے ہاں اگر مذمت کرنے والے کی بات سچ ہے تو اس نقصان کے سبب سے جو تمہاری ذات میں موجود ہے تمہارا رنجیدہ اور غمگین ہونا روا اور درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ نقص یا کوتاہی دینی ہو' اس صورت میں مذمت کرنے والے سے رنجیدہ ہونا عبث ہے۔ رنجیدہ اور غمگین تو اس

نقصان پر ہونا چاہیے اور اگر یہ نقصان دنیاوی ہے تو دینداروں کے نزدیک یہ عیب نہیں بلکہ ہنر ہے - یہ پہلا علاج تھا -

دوسرا علاج یہ ہے کہ اگر مذمت کرنے والے نے تمہارے باب میں جو کچھ کہا ہے وہ تین حال سے خالی نہ ہوگا - اگر سچ کہا ہے اور ازراہ شفقت و محبت کہا ہے تو تم کو اس کا ممنون ہونا چاہیے - کیونکہ اگر کوئی شخص تم کو اسبات سے آگاہ کردے کہ تمہارے کپڑوں میں سانپ ہے اس کو نکالو (اور واقعی ایسا ہی ہے) تو ضرور تم کو اس کا ممنون ہونا چاہیے اور دین کا عیب تو سانپ سے بھی بدتر ہے کیونکہ اس سے عاقبت کی ہلاکی اور تباہی ہے - دوسری مثال یہ ہے کہ اگر تم بادشاہ کی خدمت میں جارہے ہو اور کسی شخص نے کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں جانے سے پہلے اپنے کپڑوں کی یہ نجاست تو صاف کرلو اور تم نے اپنے لباس کو دیکھا تو واقعی اس پر نجاست لگی تھی' اگر تم اسی طرح اس نجاست کے ساتھ دربارِ شاہی میں چلے جاتے تو بادشاہ سزا دیتا اور عتاب کرتا - اس صورت میں تم کو اس شخص کا ممنون ہونا چاہیے کیونکہ تم ایک خطرے سے بچ گئے اور اگر اس نے ازراہِ شفقت یہ سب کچھ نہیں کہا بلکہ عیب جوئی کی نیت سے کہا ہے' اس صورت میں بھی تم کو فائدہ پہنچا اور عیب جو کی عیب جوئی اس کی بے دینی کی نشانی ہے - پس جب اس مذمت میں تمہارا فائدہ مضمر اور پوشیدہ ہے اور مذمت کرنے والے کے لیے مضرت اور نقصان ہے تو غصہ کرنا بے حاصل ہے - ہاں اگر اس نے یہ بات جھوٹ کہی تو اس وقت تامل کرنا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ تم اس عیب سے پاک ہو اور نکتہ چین یا مذمت کرنے والے کو تمہارے بہت سے عیوب کی خبر نہیں (ورنہ وہ ان کو بھی بیان کرتا) پس غصہ کی بجائے اس کا شکریہ بجالانا چاہیے کہ اس شخص نے اپنی نیکیاں تیرے دامن میں ڈال دی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تیرے عیبوں پر پردہ پڑا رہنے دیا -

بجائے مذمت کے اگر یہ شخص تمہاری جھوٹی تعریف کرتا تو ایسا ہوتا گویا تم کو مار ڈالا - اب سوچنا چاہیے کہ قتل سے شاد ہونا اور نیکیوں کے ہدیہ پر دلگیر ہونا کس طرح درست ہے اور یہ کام تو وہی کرے گا جو ہر ایک شخص کی ظاہری صورت سے کام رکھتا ہے اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہے (یا حقیقت پر نظر نہ کرے) عاقل و نادان میں فرق یہی ہے کہ عقلمند حقیقت پر نظر رکھتا ہے اور ظاہری صورت سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اور نادان حقیقت سے ہٹ کر صرف ظاہر پر نظر رکھتا ہے' حاصل کلام یہ کہ جب تک آمی مخلوق سے قطع تعلق نہ کرے دل کی یہ بیماری (جاہ پسندی) جا نہیں سکتی -

مدح وذم میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ اپنی تعریف یا مذمت سننے کے معاملہ میں چار قسم کے ہیں' قسم اوّل میں تو عام لو ہیں کہ مدح سے خوش ہو کر شکرِ الٰہی بجالاتے ہیں اور مذمت پر خفا ہو کر اس کا بدلہ لیتے ہیں یہ بدترین قسم ہے - دوسری قسم میں وہ پارسا حضرات ہیں جو مدح سے شاد اور مذمت سے ناخوش ہوتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے دونوں کو بظاہر برابر سمجھتے ہیں لیکن دل میں مدح سے خوش اور مذمت سے ناخوش ہوتے ہیں' تیسری قسم میں متقی حضرات داخل

ہیں کہ یہ حضرات اپنی مدح وذم کو ظاہر وباطن میں یکساں سمجھتے ہیں، نہ کسی کی مدح سے خوش ہوتے ہیں اور نہ کسی کی مذمت سے افسردہ اور رنجیدہ، کیونکہ ان حضرات کے دل میں ان باتوں کی پرواہ نہیں ہوتی اور یہ ایک بہت بڑا درجہ ہے۔ بعض عابد یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ وہ اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اس درجہ اور منزل پر جو حضرات پہنچ گئے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ اگر مذمت کرنے والا ان کی صحبت میں اکثر رہتا ہے (ان کی خدمت میں آتا جاتا ہے) تو وہ اس کو بھی ایسا ہی دوست اور عزیز رکھتے ہیں جیسے اپنی مدح کرنے والے کو! اگر وہ کسی کام میں ان سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو یہ حضرات اس کی مدد سے دریغ نہیں کرتے، البتہ اگر ذم کرنے والا ملاقات کو کم آتا جاتا ہے اور صحبت میں بہت کم شریک ہوتا ہے تو اس کی تمنا اور ملنے کی آرزو مداح سے کچھ کم نہیں ہوتی ہے۔ پھر اگر یہ ذم کرنے والا مر جاتا ہے تو یہ حضرات اس کے مرنے پر اتنا ہی غم کرتے ہیں جتنا اپنے مداح کے مرنے کا کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص اس ذم کرنے والے کو ستاتا ہے تو یہ اسی طرح غمگین ہوتے ہیں جس طرح اپنے مداح کے ستائے جانے پر غمگین ہوتے ہیں، ایک یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ ذم کرنے والے کی خطا کے مقابلہ میں مدح کرنے والے کی خطا کو کم نہ سمجھے (دونوں کی خطا کو یکساں اور ایک درجہ کا خیال کرے) ان شرطوں کا بجالانا ہے بہت دشوار۔ ممکن ہے کہ کوئی عابد نفس کے فریب میں مبتلا ہو کر ایسا کہے کہ میں تو مذمت کرنے والے سے اس لیے خفا رہتا ہوں کہ اس نے یہ مذمت کر کے خود کو مصیبت میں مبتلا کیا۔ یہ حقیقت میں ابلیس کا فریب ہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ کبیرہ گناہ بھی کرتے ہیں اور یہ ناخوش ہونے والا مذمت پر ان کے کبیرہ گناہوں پر ناخوش نہیں ہوتا (پس یہ شیطان کا ایک مکر ہے) اور اس کو جو غصہ آتا ہے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ جو بنائے نفس ہے (غصہ نفسانیت کا ہے) دینداری کا نہیں ہے جاہل عابد اس راز کو نہیں پاسکتا۔

چوتھی قسم میں صدیقین داخل ہیں، یہ حضرات اپنے سراہنے والے سے ناخوش اور مذمت کرنے والے سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ بدگو کی بدگوئی سے ان کو تین فائدے حاصل ہوتے ہیں "ایک یہ کہ اس کی زبان سے عیب سن کر اپنے عیب سے آگاہ ہوئے اور اس نے اپنی نیکیاں اس کو ہدیہ کر دیں اور ان کو اس بات کی طرف راغب کیا کہ وہ ان عیوب سے پاک ہو جائیں (جو اس نے بیان کئے ہیں) حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اس صائم الدہر و قائم اللیل پر افسوس ہے جو صوف پہنے مگر جبکہ اس کا دل دنیا سے متعلق نہ ہو اور مدح سے بیزار اور مذمت سے خوش ہو۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے[۱] (اور واقعتاً یہ حدیث شریف ہے) تب تو بات بہت مشکل ہے کیونکہ اس درجہ اور مرتبہ کو پہنچنا بہت دشوار ہے بلکہ دوسرا درجہ اور مرحلہ بھی دشوار ہے کہ ظاہراً مدح اور ذم میں فرق نہ کرے خواہ دل میں فرق کرے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ جب کوئی معاملہ اور مرحلہ پیش آتا ہے (کوئی حال واقع ہوتا ہے) تو وہ اپنے مرید اور خوشامد گو کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اسی آخری درجہ پر (مدح و ذم میں فرق نہ کرنا) تو وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو نفس

۱۔ متن کے الفاظ یہ ہیں "اگر ایں حدیث درست است کارے صعب است" (کیمیائے سعادت ص ۳۴۹ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۸۷۲ء)

سرکشی سے بگاڑ پیدا کر کے آپ اپنا دشمن بن گیا ہو کہ جب کسی شخص سے اپنا عیب سنے تو اس طرح خوش ہو جس طرح کسی عام آدمی کے سامنے جب اس کے دشمن کا عیب بیان کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے' ایسی ہی خوشی اس شخص کو اپنا عیب سن کر حاصل ہو' ایسا شخص نادر کا حکم رکھتا ہے بلکہ اگر کوئی شخص تمام عمر جدوجہد کرے' محض اس امر میں کہ اس کے نزدیک ثناگو اور عیب گو اس کی نظر میں برابر ہوں تب ہی وہ اس درجہ اور مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے اس درجہ میں خطرے کا موقع یہ آتا ہے کہ جب مدح و مذمت میں فرق پیش نظر ہو گا تو مدح کی خواہش دل پر غالب آئے گی اور وہ اس کی فکر کرے گا (کوئی صورت ایسی نکلے کہ لوگ مدح کریں) اور بہت ممکن ہے کہ اس کے حصول کے لیے وہ عبادت میں ریا کرنے لگے اور اگر معصیت کے ذریعہ اس مقصد تک پہنچ سکتا ہے تب بھی اس کو حاصل کرے گا۔

حضور اکرم ﷺ نے جو صائم الدہر اور قائم اللیل پر افسوس کا اظہار فرمایا ہے شاید اس کا باعث یہی امر ہو کہ جب اس کے دل سے (مدح وذم کے فرق کی) جڑ نہیں اکھڑی تو وہ پھر بہت جلد معصیت میں مبتلا ہو جائے گا۔ مذمت سے خفا ہونا اور سچی تعریف سے خوش ہونا اگرچہ فی الواقع حرام نہیں ہے بشرطیکہ اس سے کوئی فساد برپا نہ ہو۔ (حالانکہ فساد برپا نہ ہونا تو ممکن نہیں ہے یعنی فساد کا برپا ہونا بہت ممکن ہے) انسان سے بہت سے گناہ مدح سے محبت اور مذمت سے کراہت ہی کی بنا پر ہوتے ہیں اور تمام مخلوق کا یہی منظور اور مقصود ہوتا ہے ہر ایک (نیک کام کو لوگوں کے جتانے کے لیے کریں۔ لیکن جب یہ شوق غالب آجاتا ہے تو پھر آدمی سے ناشائستہ کام بھی صادر ہونے لگتے ہیں' ورنہ لوگوں کی دلداری جس میں ریا کا شائبہ نہ ہو مباح ہے۔

اصل ہشتم

ریا کا علاج

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند قدوس کی بندگی اور اطاعت میں ریا کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور شرک کے قریب ہے عبادت کرنے والوں کے دلوں پر اس سے زیادہ کوئی اور بیماری غلبہ پانے والی نہیں ہے (عابدوں کا دل بہت جلد اس بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے) کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ عبادت وہ کریں لوگ اس سے واقف ہو جائیں اور ان کو پارسا اور زاہد سمجھیں اور جب عبادت کا مقصود خلائق بن جائے تو وہ عبادت نہیں رہی بلکہ خلق پرستی ہو گئی' اسی طرح اگر خالق کی عبادت کے ساتھ مخلوق کی خوشنودی بھی مقصود بن جائے تو یہ شرک ہے۔ گویا خداوند کریم کی عبادت میں دوسرے کو شریک بنالیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَایُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا ہ

جو شخص خداوند تعالیٰ کے دیدار کا آرزومند ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ ہ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآئُوْنَ ہ (سورۃ ماعون)

تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں اور جو دکھاوا کرتے ہیں۔

کسی شخص نے سرورِ کونین ﷺ سے دریافت کیا کہ نجات کس چیز میں ہے آپ نے فرمایا کہ "تو خدا کی بندگی کرے اور ریا کے واسطے عمل نہ کرے۔" حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا طاعت کی۔ وہ جواب دے گا کہ میں نے خدا کی راہ میں اپنی جان فدا کی اور جہاد میں مارا گیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا' جہاد تو اس واسطے تو نے کیا تا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے' پس حکم ہوگا کہ اس کو دوزخ میں لے جاؤ۔ اس کے بعد دوسرے شخص کو لایا جائے گا' اس سے دریافت کیا جائے گا تو نے کیا اطاعت کی' وہ کہے گا جو کچھ مال میرے پاس تھا وہ میں نے تیری راہ میں خیرات کر دیا' حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے' تو نے اس واسطے یہ داد و دہش کی تھی تا کہ لوگ کہیں کہ یہ بہت سخی ہے حکم ہوگا اس کو دوزخ میں لے جاؤ۔ پھر ایک اور شخص لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا اے بندے! تو نے کیا طاعت کی۔ وہ جواب دے گا میں نے علم حاصل کیا علم قرآن سیکھا اور اس کے حاصل کرنے پر بہت محنت کی' حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو نے علم اس لیے حاصل کیا کہ لوگ تجھے عالم کہیں۔ اس کو بھی دوزخ میں لے جاؤ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت کے معاملہ میں کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا ان کے چھوٹے' شرک سے۔ لوگوں نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ریا ہے اور قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائے گا اے ریاکارو تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کو تم میری عبادت کیا کرتے تھے اور اپنے عمل کی جزا ان ہی سے مانگو۔"

جب الحزن: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب الحزان (غم کے گڑھے) سے خدا کی پناہ مانگو" لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ جب الحزن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جہنم کا ایک غار ہے' جو ریاکار عالموں کے لیے بنایا گیا ہے۔

حضور سرورِ کونین ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جس نے عبادت کی اور دوسرے کو میرے ساتھ شریک کر دیا تو میں شریک سے بے نیاز ہوں' اسی واسطے میں نے تمام بندوں کو ایک دوسرے کا شریک بنا دیا ہے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اس عمل کو جس میں ذرہ برابر بھی ریا شامل ہوگا حق تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔"

نقل ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روتے دیکھا تو ان سے دریافت فرمایا کہ

کیوں روتے ہو؟ حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ سنا ہے کہ تھوڑا ریا بھی شرک ہے۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ریاکار کو قیامت کے دن پکارا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا اے ریاکار! اے مکار! تیرا عمل ضائع ہوا اور تیرا اجر باطل ہو گیا جا اور اپنا اجر اور اپنی مزدوری انہی سے مانگ جس کے لیے تو نے عمل کیا تھا۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کو ایک بار میں نے اشکبار پایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ میری امت کے لوگ شرک میں مبتلا ہو جائیں گے وہ بت پرستی یا ستارہ پرستی تو نہیں کریں گے بلکہ عبادت ریا کے ساتھ کریں گے۔"

حضور اکرم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے (حدیث شریف میں آیا ہے) کہ "عرش کے سایہ میں 'اس روز (کہ اس کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا) صرف وہ شخص رہے گا جس نے دائیں ہاتھ سے صدقہ دیا اور اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی۔" ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو زمین کانپنے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور پہاڑوں کی میخیں اس میں ٹھونک دیں گئیں، ملائکہ نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ان پہاڑوں سے زیادہ قوی اور کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی، تب اس نے لوہا پیدا کیا اور اس نے پہاڑوں میں شگاف پیدا کر دیئے تب ملائکہ نے کہا کہ لوہا پہاڑوں سے قوی تر ہے تب اللہ تعالیٰ نے آگ کو پیدا فرمایا، آگ نے لوہے کو گلا دیا۔ پھر پانی کو پیدا، پانی نے آگ کو بجھا دیا، پھر باد کو پیدا کیا، باد نے پانی کو ساکن کر دیا، اس پر ملائکہ آپس میں جھگڑنے لگے کہ قوی ترین چیز کونسی ہے، ملائکہ نے کہا کہ خداوند تعالیٰ سے دریافت کرنا چاہیے کہ اس کی مخلوق میں قوی ترین کون ہے؟ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی تمام مخلوق سے زیادہ قوی ہے جو اپنے داہنے ہاتھ سے خیرات دے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو، میں نے اس سے زیادہ کسی مخلوق کو قوی نہیں بنایا ہے۔

سات فرشتے اور سات آسمان: حضرت معاذ رضی اللہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آسمانوں کے پیدا فرمانے سے پہلے سات فرشتے پیدا کیے اس کے بعد سات آسمانوں کو پیدا فرمایا اور ہر ایک فرشتے کو ایک ایک آسمان پر موکل فرمادیا اور اس کو اس دربانی سپرد فرمادی۔ جب زمین کے فرشتے جن کا نام حفظہ ہے اور جن کا کام یہ ہے کہ وہ صبح سے شام تک بندوں کے اعمال لکھتے رہیں، جب بندے کے اعمال کو اٹھا کر پہلے آسمان پر لے جاتے ہیں اور اس بندے کی عبادت کی تعریف کرتے ہیں کہ جس نے ایسی عبادت کی ہو جو آفتاب کے نور کی طرح تاباں اور درخشاں ہو تو وہ فرشتہ جو پہلے آسمان کا دربان ہے کہتا ہے کہ اس طاعت کو اس کے منہ پر مار دو کہ میں اہل غیبت کا دربان ہوں اور حق تعالیٰ کا مجھے حکم ہے کہ بدگوئی (غیبت) کرنے والے کے عمل کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں۔ پھر دوسرے شخص کے عمل کو جو غیبت سے پاک صاف رہا ہے فلک دوم تک لے جاتے ہیں وہاں کا دربان فرشتہ کہتا ہے کہ اس کو لے جاؤ اور اس کے منہ پر دے مارو۔ کیونکہ اس نے یہ عمل دنیا کے لیے کیا ہے اور اس نے مجلسوں اور محفلوں میں لوگوں کے سامنے اپنے اس عمل پر فخر کیا ہے مجھے حکم ہے کہ میں اس کے عمل کو آگے نہ بڑھنے دوں اس کے بعد اور دوسرے کے عمل اوپر لے

جائیں گے' اس میں صدقات نماز اور روزوں کا حساب ہوگا' حفظہ فرشتے اس کے نور سے حیران ہوں گے۔ دوسرے آسمان سے گذر کر جب تیسرے آسمان پر پہنچے گا تو وہاں کا موکل فرشتہ کہتا ہے کہ میں تکبر کا موکل ہوں اور مجھے حکم ہے کہ میں متکبروں کے عمل کو روکوں' یہ شخص لوگوں کے سامنے تکبر کیا کرتا تھا (پس تکبر کے باعث تیسرے آسمان سے اس کے عمل کو بھی واپس کر دیا جاتا ہے) پھر ایک اور ایسے شخص کا عمل لے جاتے ہیں جو تسبیح و تہلیل' نماز اور حج کے نور سے درخشاں ہوتا ہے۔ یہ چوتھے آسمان تک لے جایا جاتا ہے' وہاں کا موکل فرشتہ کہے گا کہ یہ عمل اس کے منہ پر مار دو میں غرور و نخوت کا موکل ہوں اس بندے کا یہ عمل غرور کے بغیر نہ تھا میں اس کے عمل کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں گا' پھر اور دوسرے کے عمل کو بلند کریں گے وہ عمل حسن و جمال میں اس دلہن کی طرح آراستہ ہوگا جو سج دھج کے ساتھ شوہر کے گھر جاتی ہے' اس عمل کو پانچویں آسمان تک لے جائیں گے وہاں کا موکل فرشتہ کہے گا کہ اس شخص کے عمل کو اس کے کہنے پر مارو اور اس کی گردن پر ڈال دو کہ میں حسد کا موکل ہوں جو کوئی علم و عمل میں اس شخص کے درجہ تک پہنچتا تھا یہ اس پر حسد کرتا اور اس کو بیان کرتا تھا اور مجھے حکم ہے کہ میں حاسدوں کے عمل کو آگے نہ جانے دوں اب ایک اور دوسرے شخص کے عمل کو اٹھایا جائے گا' اس میں بھی نماز' روزہ' حج و عمرہ وغیرہ درج ہوگا اس کو چھٹے آسمان تک لے جایا جائے گا وہاں کا موکل فرشتہ کہے گا کہ یہ عمل اس کے منہ پر مارو کیونکہ یہ شخص کسی غریب آفت رسیدہ پر رحم نہیں کرتا تھا بلکہ شاد ہوتا تھا' میں فرشتہ رحمت ہوں مجھے حکم ہے کہ میں بے رحم و سنگدل کے عمل کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں' پھر ایک شخص کے عمل کو اٹھایا جائے گا اور اس کو ساتویں آسمان تک لے جائیں گے' نماز' روزہ' نفقہ' جہاد کے سبب سے اس کی روشنی آفتاب کے نور کی مانند ہوگی اور اس کی بزرگی کا شور آسمانوں پر ہر طرف برپا ہوگا' تین ہزار فرشتے اس کے ساتھ چلیں گے اور ساتویں آسمان تک فرشتے' کسی کو طاقت نہیں ہوگی کہ اس کو روکے جب یہ ساتویں آسمان پر پہنچے گا تو وہاں کا فرشتہ اس عمل کو روک کر کہے گا کہ اس کو صاحب عملی کے منہ پر مارو اور اس کے دل پر قفل لگا دو کیونکہ اس نے یہ عمل خالصاً للہ نہیں کیا تھا بلکہ ان اعمال سے اس کا مقصد یہ تھا کہ علماء کے نزدیک نام و نشان اور جاہ و حشم پیدا کرے اور سارے جہاں میں اس کی شہرت ہو مجھے حکم ہے کہ اس کے عمل کو آگے نہ جانے دو کہ جو عمل خالصتاً للہ نہ ہو وہ ریا ہے اور خداوند تعالیٰ ریا کے عمل (عمل ریائی) کو قبول نہیں فرماتا' اس کے بعد ایک اور شخص کے عمل کو لے جائیں گے وہ ساتویں آسمان سے گذر جائے گا' اس میں تمام نیک اخلاق ہوں گے' ذکر و تسبیح اور ہر قسم کی عبادات ہوں گی تمام آسمانوں کے فرشتے اس عمل کے جلو میں چلیں گے یہاں تک کہ وہ بارگاہ الٰہی تک پہنچ جائے گا اور سب فرشتے گواہی دیں گے کہ یہ عمل پاک اور بااخلاص ہے۔ اس وقت خداوند تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے فرشتو! تم اس کے عمل کے نگہبان تھے اور میں اس کے دل کا نگہبان ہوں' اس نے یہ عمل میرے واسطے نہیں کیا اس کے دل میں نیت کچھ اور ہی تھی' اس پر میری لعنت ہو۔ تب وہ تمام ملائکہ کہیں گے الٰہی! اس پر تیری لعنت ہی ہو اور سب کی لعنت بھی اس پر ہو۔ اس وقت تمام آسمان اور تمام ملائکہ اس پر لعنت کریں گے۔

اس قسم کی بہت سی احادیث ریا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ (ان میں سے یہ چند ہم نے بیان کر دیں۔)

ریا کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنا سر نیچے کئے ہوئے ہے یعنی یہ ظاہر کر رہا تھا کہ میں پارسا ہوں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: اے گردن کج کرنے والے۔ گردن سیدھی کر! تواضع اور خاکساری کا تعلق دل سے ہے گردن سے نہیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر سر رکھے ہوئے رو رہا ہے' حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اے شخص یہ کام جو تو مسجد میں کر رہا ہے اگر اپنے گھر میں کرتا تو کوئی تجھ جیسا نہ ہوتا (تو بے مثال شخص ہوتا۔)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ریاکار کی تین علامتیں ہیں ایک یہ کہ خلوت میں تو کاہل رہتا ہے (عمل نہیں کرتا) اور لوگوں کے سامنے چست چالاک' دوسرے یہ کہ جب اس کی تعریف کی جاتی ہے تو بڑھ چڑھ کر عبادت کرتا ہے' تیسری یہ کہ ملامت اور سرزنش سے اپنے عمل کو کم کر دیتا ہے۔

کسی شخص نے حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص ثواب کی خاطر اور لوگوں کی تعریف کے لیے اپنا مال کسی کو دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کیا اس کا ارادہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی خفگی میں گرفتار ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو جب وہ یہ کام کرتا ہے تو صرف اللہ کے لیے کرنا چاہیے (خالصاً للہ ہونا چاہیے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو درے مارے [1] مارے پھر فرمایا اے شخص مجھ سے بدلہ لے اور مجھے مار۔ اس نے کہا میں نے آپ کی خاطر اور خدا کے واسطے آپ کو معاف کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بات تجھے فائدہ نہ دے گی یا تو صرف میرے واسطے بخش دے تا کہ میں اس کا حق پہچانوں یا بغیر شرکت خدا کے واسطے بخش دے! اس نے کہا کہ میں نے محض خدا کے لیے بخش دیا!

شیخ فضیلؒ نے کہا کہ پچھلے زمانے کے لوگ تو اپنے عمل میں ریا کرتے تھے' اور اب لوگ ان کاموں میں ریا کرتے ہیں جو وہ نہیں کرتے (ریا بے عمل)۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو میرا بندہ مجھ سے کس طرح استہزاء کر رہا ہے۔

وہ کام جن میں لوگ ریا کرتے ہیں: اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ ریا کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پارسا ظاہر کرے تا کہ وہ لوگ اس کی عزت کریں اور ان کے دلوں میں اس کی جگہ پیدا ہو اور اس کو

---

[1] درے مارنے کے بعد اس کا بے قصور ہونا آپ پر ظاہر ہو گیا ہوگا جب ہی آپ نے بدلہ لینے کے لیے فرمایا' متن کے الفاظ یہ ہیں:
"یکے را درہ زد۔ وگفت بیا قصاص کن از من۔ مرا باز زن۔" (کیمیائے سعادت ص ۳۵۱)

نیک مرد سمجھیں اور یہ اس طرح سے ہوتی ہے کہ دین میں جو کام پارسائی اور بزرگی کے ہیں ان کو مخلوق کے سامنے کرے اور یہ پانچ صورتوں میں واقع ہوتا ہے' یعنی اس کی پانچ قسمیں ہیں' پہلی قسم کا تعلق بدن کی ظاہری صورت سے ہے۔ مثلاً آدمی اپنا چہرہ زرد بنالے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ شب بیدار رہا ہے' یا خود کو دبلا اور کمزور بنالے تاکہ لوگ سمجھیں کہ بہت عبادت کی ہے' یا ہر دم غصہ اور جھنجلاہٹ میں رہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو ہر وقت دین کا غم لگا رہتا ہے اور اس غم کے باعث یہ حال ہو گیا ہے' اپنے بالوں میں کنگھی نہ کرے تاکہ لوگ خیال کریں کہ دینی مصروفیت سے اس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ شانہ بھی کر سکے اور خود سے اس قدر غافل ہے' بات کرتا ہے تو بہت آہستہ سے کرتا ہے بلند آواز سے نہیں بولتا تاکہ لوگ سمجھیں کہ مرد با تمکین اور سنجیدہ ہے' اپنے ہونٹوں کو خشک رکھتا ہے تاکہ خیال کریں روزہ دار ہے' جبکہ ان تمام کاموں کا سبب اور ان کی علت لوگوں کا گمان اور پندار ہے تو ان کے ظاہر کرنے میں دل کو لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے' اسی باعث سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جب کوئی شخص روزہ رکھے تو چاہیے کہ بالوں میں شانہ کرے اور لبوں کو چکنا کرے (تیل لگائے) اور سرمہ لگائے تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ روزہ دار ہے۔

دوسری قسم وہ ریا ہے جس کا تعلق لباس سے ہے جیسا کہ آدمی کمبل اور موٹا' معمولی' پھٹا ہوا میلا لباس پہنے تاکہ لوگ خیال کریں کہ یہ شخص بہت بڑا زاہد ہے کہ عمدہ لباس سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہے' یا میلے کپڑے اور پیوند دار جانماز (مصلّی) جیسا کہ صوفیوں کا معمول ہے اپنے پاس رکھتے ہیں تاکہ لوگ اس کو صوفی خیال کریں حالانکہ صوفیوں کے عمل سے قطعی بے بہرہ ہو۔ یا لنگ دوستار کے اوپر چادر اوڑھے اور چمڑے کے موزے (پاتابہ) پہنے تاکہ لوگ خیال کریں کہ اس شخص کو طہارت کا بڑا خیال ہے اور بہت احتیاط کرتا ہے' حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو' یا عبا اور ردا ہر وقت پاس رکھتا ہو تاکہ لوگ خیال کریں کہ یہ عالم[1] ہے حالانکہ وہ عالم نہیں ہے۔ لباس میں ریا کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو عوام الناس کی عقیدت کے درپے رہتا ہے اور ہمیشہ کے لیے پرانے اور میلے کپڑے پہنتا ہے' اگر ان لوگوں سے کہا جائے کہ تم لوگ توزی یا خز کا لباس پہنو کہ یہ حلال ہے تو اس پر عمل کرنے سے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں' ڈرتے ہیں اگر وہ ایسا عمل کریں گے تو لوگ کہیں گے کہ فلاں زاہد نے اپنے زہد کو ترک کر دیا ہے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو خواص و عوام اور سلاطین کے قریب کے خواہاں رہتے ہیں' ان کا خیال یہ ہے کہ اگر پرانا یا موٹا لباس پہنیں گے تو بادشاہ کی نظر میں حقیر ہوں گے اور اگر لباس فاخرہ زیبِ تن کریں گے تو عوام کی نظر میں بے قدر ہو جائیں گے۔ پس وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتے ہیں کہ باریک صوف اور نقش و نگار والی لنگیاں (ازار) استعمال کریں۔ جیسا زاہدوں کے کپڑوں کا رنگ ہوتا ہے' تاکہ عوام اس کو زاہدوں ہی کا لباس خیال کریں اور بظاہر وہ گراں قیمت معلوم ہوں تاکہ امراء اور سلاطین حقارت سے ان کے لباس کو نہ دیکھیں اگر تم ان سے کہو کہ تم لوگ موٹے ریشم کا ایسا لباس پہن لو جو تمہاری ان ازاروں (لنگیوں) سے قیمت میں کم ہے وہ تمہاری اس بات کو ہرگز قبول نہیں کریں گے' الغرض یہ لوگ ہر ایسے لباس کے پہننے سے بچیں گے

[1] جس طرح آج کل سنہری کمانی کا چشمہ لگایا جاتا ہے۔

جس کے استعمال کرنے سے لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ انہوں نے زہد کو ترک کر دیا ہے اور یہ احمق لوگ دل میں خیال کرتے ہیں کہ زاہدوں کا یہ حلال لباس بازار میں پہن کر نکلنا مناسب نہیں ہے اور گھر میں مخفی طور پر اس کو پہننا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اس طرح بندوں کی پرستش کرتا ہے اور اگر کبھی اس کو اس بات کا خیال آتا ہی ہو گا تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔

ریا کی تیسری قسم : تیسری قسم کا ریا وہ ہے جو گفتار اور بول چال سے ظاہر ہو' مثلاً ہر وقت اپنے لبوں کو جنبش دیتا رہتا ہے تاکہ لوگ خیال کریں کہ یہ شخص ایک لحظہ کے لیے بھی ذکر سے غافل نہیں ہے' ممکن ہے کہ وہ ذکر کرتا بھی ہو لیکن دل میں ذکر کرنے اور لبوں کو جنبش نہ دینے پر راضی اور تیار نہیں ہوتا کیونکہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ لب نہیں ہلائے گا اور صرف دل میں ذکر کرے گا تو لوگوں کو اس کے معروف ذکر ہونے پر آگاہی نہیں ہو گی اور جس طرح وہ لوگوں کے سامنے اجتناب کرتا ہے اس طرح خلوت اور تنہائی میں نہیں کرتا' یا اس نے صوفیوں کی باتیں سیکھ لی ہیں اور ان کو بیان کرتا رہتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ علم تصوف میں بڑا کامل ہے' یا ہر وقت سر کو ہلاتا اور جھکاتا رہتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ حالت وجد میں ہے یا ہر وقت آہیں بھرتا رہتا ہے' اداس اور غمگین رہتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ دینِ اسلام کا غم کھا رہا ہے' یا بہت سی احادیث اور حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنھم سیکھ لی ہیں اور ان کو بیان کرتا ہے تاکہ لوگ خیال کریں کہ بہت بڑا عالم ہے' اور اس نے بہت سے شیوخ زمانہ کو دیکھا ہو گا اور بہت سیر و سیاحت کی ہو گی۔

ریا کی چوتھی قسم : چوتھی قسم کا ریا وہ ہے جو اطاعت الٰہی میں کیا جائے۔ مثلاً کوئی شخص دور دراز سے اس کے پاس ملنے آیا تو اس کے سامنے نماز اچھے طریقہ سے ادا کرے' سر کو خوب جھکائے' رکوع و سجود میں وقفہ کو طویل کرے اور ادھر ادھر نظر بالکل نہ کرے۔ خیرات دے تو لوگوں کو دکھا کر دے' اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں مثلاً رفتار میں آہستگی اختیار کرے اور سر کو آگے جھکائے رکھے اور اگر تنہا ہو تو تیز رفتاری سے کام لے ادھر ادھر دیکھتا جائے اور جب کوئی شخص دور سے اس کی طرف آتا ہوا نظر آئے تو آہستہ چلنے لگے۔

ریا کی پانچویں صورت یہ ہے کہ لوگوں پر ظاہر کرے کہ میرے مرید اور شاگرد کثرت سے ہیں اور کئی امراء میری ملاقات کو اپنی سعادت جان کر آتے ہیں' علماء میری عزت و تکریم کرتے ہیں اور مجھے اچھی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھار اس طرح باتیں کرنے لگتا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تو مخاطب سے کہتا ہے کہ بتا تو تیرا پیر کون ہے اور تیرے مرید کتنے ہیں میں تو اتنے پیروں سے ملا ہوں اور فلاں مرشد کی خدمت میں اتنا رہا ہوں تو نے بھی کسی کو دیکھا ہے غرضیکہ اس قسم کی باتیں کرتا ہے اور اس کے لیے بہت سے دکھ اٹھاتا ہے۔ کھانے پینے میں ریاکاری بہت آسان ہے مثلاً راہب کی طرح اپنی خوراک بہت کم کر دے تاکہ لوگ اس کی یہ کم خوراکی دیکھیں اور اس کی تعریف کریں۔ ایسے کام پارسائی کے اظہار کی خاطر عبادت میں حرام ہیں کیونکہ زہد اور پارسائی محض اللہ کے لیے ہونا چاہیے البتہ ایسے کام میں جو

داخل عبادت نہیں ہیں اگر خلق میں مقبول ہونے یا کسی مرتبہ کو حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے تو روا ہے- جیسے گھر سے باہر نکلنے کے وقت اگر اچھے لباس سے آپ کو آراستہ کرے تو یہ مباح بلکہ سنت ہے کیونکہ اس سے آدمیت کی خوبی کا اظہار ہوتا ہے- پارسائی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص لغت دانی' نحو' حساب اور طب میں جس کا تعلق طاعت و عبادت سے نہ ہو اگر اپنی فضیلت ظاہر کرے تو ایسا ریا مباح ہے کیونکہ ریا طلب جاہ کو کہتے ہیں اور جب یہ حد سے تجاوز نہ کرے تو مباح ہے لیکن طاعت و عبادت میں ریا قطعی منع ہے اور درست نہیں ہے-

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضور سرورِ کونین ﷺ کچھ اصحاب سے ملاقات کے لیے کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لے جانا چاہتے تھے- آپ ﷺ نے پانی سے بھرے ہوئے گھڑے میں روئے مبارک دیکھ کر اپنا عمامہ مقدس اور موہائے مبارک درست فرمائے' ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا آپ خود کو سنوار رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! حق تعالیٰ اس بندے کو دوست رکھتا ہے جو بھائیوں کی ملاقات کو جاتے وقت اچھی پوشاک پہنے اور خود کو سنوارے- اگرچہ حضور ﷺ کا خود کو سنوارنا عین دینداری کی علامت تھی اس لیے کہ آپ کو بارگاہِ الٰہی سے یہ حکم ہوا تھا کہ لوگوں کی آنکھوں اور دلوں میں آپ خود کو سنواریں تاکہ وہ آپ کی طرف مائل ہوں اور آپ کی اقتداء کریں بایں ہمہ اگر کوئی شخص ایسا شان و تحمل کے واسطے بھی کرے تو روا ہے بلکہ سنت ہے اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر آدمی خود کو پریشان صورت اور آدمیت کے جامہ سے باہر رکھے گا تو لوگ اس کی غیبت کریں گے اور اس سے نفرت کا اظہار کریں گے' اس طرح وہ اس غیبت اور نفرت کا موجب اور سبب خود ہی ہوا- لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا' عبادت میں ریاکاری حرام ہے اور اس کے دو سبب ہیں- پہلا سبب تو یہ ہے کہ اس میں دغا اور فریب ہے کہ وہ لوگوں پر تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ عبادت اخلاص سے کرتا ہے لیکن جب کہ اس کے دل کی نظر اس معاملہ میں مخلوق کی طرف ہے تو وہ اخلاص نہیں رہا اور اگر لوگوں نے خود یہ معلوم کر لیا کہ اس کی عبادت ریائی ہے تو اس کے دشمن ہو جائیں گے اور اس کو قبول نہیں کریں گے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ نماز و روزہ حق تعالیٰ کی بندگی ہے پس اگر وہ اس کو بندوں کے لیے کرے گا تو گویا (نعوذباللہ) خداوند تعالیٰ سے ٹھٹھول کر رہا ہے' ایک ایسے کام میں جو فی الحقیقت خدا ہی کے لیے ہوتا ہے اس نے ایک عاجز اور کمزور بندے کو پیشِ نظر رکھا- اس کی مثال تو یہ ہے کہ ایک شخص بادشاہ کے حضور میں اس کے تخت کے سامنے بظاہر خدمت کے لیے کھڑا رہا لیکن اس کا حقیقی مقصد اور اصل منشاء یہ تھی کہ بادشاہ کی لونڈی اس کو دیکھے بادشاہ پر تو وہ ظاہر کرتا ہے کہ میں خدمت میں کھڑا ہوں' حالانکہ اس کا مقصد دوسرا ہی ہے- اس طرح وہ بادشاہ کا مذاق اڑا رہا ہے کہ اس کی دوسری غرض (بادشاہ کی لونڈی کا اس کی طرف دیکھنا) پہلی غرض (خدمت شاہ) سے اہم ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص نماز جتلانے اور دکھاوے کو پڑھتا ہے تو واقعہ میں اس کا رکوع و سجود مخلوق کے واسطے ہوگا (خالق کے لیے نہیں ہوگا) اور ظاہر ہے کہ اگر آدمی کو صرف تعظیم ہی کے لیے سجدہ کیا جائے تو یہ شرک ظاہری ہے اور اگر آدمی کی تعظیم کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی قبولیت کا بھی طالب ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا سجدہ خدا کے حضور میں ہو اور ساتھ ہی ساتھ قبولیت خلق بھی حاصل

ہو تو اس ریا کو شرک خفی کہتے ہیں۔

ریا کے درجات : اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ ریا کے درجے مختلف ہیں' کوئی درجہ چھوٹا' بڑا' کوئی سب سے بڑا ہوتا ہے درجات کا یہ اختلاف تین اصول یا وجوہ سے پایا جاتا ہے۔ اس کی پہلی اصل یہ ہے کہ ریا میں ثواب بالکل مقصود نہ ہو۔ جیسے ایک شخص نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا' اگر وہ اکیلا ہوتا تو یہ کام نہ کرتا یہ سب سے عظیم ریا ہے اس ریا پر عذاب بھی بہت بڑا اور سخت ہو گا' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ریاکار کو اپنے عمل پر ثواب بھی مقصود ہوتا ہے' ہاں اگر وہ تنہا ہوتا تو نہ نماز پڑھتا اور نہ روزہ رکھتا۔ ریا کا یہ درجہ بھی پہلے درجہ سے قریب تر ہے اور ثواب کا یہ ضعیف ارادہ اس کو غضب الٰہی سے نہ بچا سکے گا (اس پر غضبِ الٰہی نازل ہو گا) ایک صورت یہ ہے کہ عبادت سے ثواب کا قصد غالب ہو۔ مثلاً اگر تنہا ہوتا تب بھی وہ یہ عبادات بجالاتا لیکن دوسرے لوگوں کے سامنے بہت خوشی سے نماز پڑھتا ہے اور خدا کی بندگی و اطاعت کو دشوار نہیں سمجھتا اس صورت میں امید ہے کہ ایسے ریا سے اس کی عبادت ضائع نہ ہو اور ثواب حبط و اکارت نہ جائے لیکن جس قدر ریا کا غلبہ ہو گا اسی نسبت سے اس کو عذاب دیا جائے گا یا اسی قدر اس کا ثواب کم کر لیا جائے گا' اگر دونوں قصد (ریا اور قصد ثواب) برابر ہوں اور ایک کو دوسرے پر غلبہ نہ ہو تو یہ صورت شرکت کی ہے اور احادیث شریفہ سے ظاہر ہے کہ ایسے ریا سے بھی عذاب میں مبتلا ہو گا۔

اختلاف کی اصل دوم کا تعلق اس چیز سے ہے جس میں ریا کیا جاتا ہے اور وہ خداوند تعالیٰ کی طاعت' بندگی ہے اس کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ریا ہے جو اصل ایمان میں کیا جائے اور ایسا ایمان منافق کا ہے اور اس کا انجام کافر سے بھی بدتر ہے کیونکہ ایسا شخص باطن میں بھی کافر ہے اور ظاہر میں بھی دغا کرتا ہے' ایسے لوگ ابتدائے زمانہ اسلام میں کثرت سے تھے اور اب شاذ و نادر ہیں' البتہ اباحتی اور ملحد جو شریعت اور آخرت کے منکر ہیں اور علانیہ شرع کے خلاف عمل کرتے ہیں یہ لوگ بھی منافقوں میں داخل ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

دوسری قسم کا ریا وہ ہے جو اصل عبادت میں واقع ہو۔ مثلاً کوئی شخص لوگوں کے سامنے بغیر طہارت کے نماز پڑھتا ہے یا روزہ رکھتا ہے اگر تنہا ہوتا تو نہ رکھتا یہ بھی عظیم ریا ہے لیکن ایمان کے ریا سے اس کی معصیت کم ہے یعنی ایسا شخص خداوند تعالیٰ کے حضور میں مقبول ہونے کی بہ نسبت مخلوق میں مقبول ہونے کو زیادہ دوست رکھتا ہے تو اس کا ایمان ضعیف ہے اگرچہ وہ اس سے کافر نہیں ہوتا۔ البتہ اگر موت کے وقت بھی توبہ نہ کرے تو اندیشہ کفر کا ہے۔

تیسری قسم وہ ریا ہے جو اصل ایمان اور فرائض میں نہ کیا جائے لیکن سنتوں اور نفلوں میں کرے۔ مثلاً تہجد کی نماز پڑھتا ہے' صدقہ و خیرات کرتا ہے' جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے' عرفہ' عاشورا' دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھتا ہے تاکہ لوگ اس کے شاکی نہ ہوں یا اس کی ان اعمال کے باعث تعریف و توصیف کریں لیکن کبھی وہ ان کو ترک کر کے کہتا ہے کہ ان کا کرنا اور نہ کرنا برابر اور یکساں ہے کیونکہ یہ مجھ پر واجب نہیں ہیں اور نہ میں ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ اور ممکن ہے

کہ اس سے مجھ پر مواخذہ بھی نہ ہو' ایسا عقیدہ درست نہیں ہے' کیونکہ یہ تمام عبادتیں حق تعالیٰ کے لیے ہیں- خلائق کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے- جب کوئی شخص ایسی چیز کو جو خداوند تعالیٰ کا حق ہے مخلوق کے لیے کرے گا اور خلائق کو اپنا مقصود بنائے گا تو یہ محض استہزاء اور مسخرگی ہے اور مستوجب عذاب ہے- اگرچہ فرائض میں ریا کرنے کی بہ نسبت اس میں عذاب کم ہے اور سنتوں میں جو عبادت ہی کی صفتیں ہیں (از قسم عبادت ہیں) ریا کرنا اسی قبیل سے ہے- مثلاً جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کی عبادت کو کوئی دیکھ رہا ہے تو رکوع و سجود کو اعتدال سے بجالاتا ہے- ادھر ادھر نظر نہیں کرتا' قرأت طویل کرتا ہے' جماعت میں شریک ہوتا ہے' منفرد نماز ادا کرتا- جماعت میں پہلی صف میں بیٹھتا ہے- زکوٰۃ میں اپنا بہترین مال صرف کرتا ہے اور روزے میں زبان پر قابو رکھتا ہے (بے ہودہ گوئی سے بچتا ہے) ان تمام امور کو محض مخلوق کے دکھاوے کے لیے بجالاتا ہے- یہ تمام باتیں ریا ہی میں داخل ہیں-

اصل سوم: تیسری اصل کا تعلق ریا کے مقصد میں اختلاف سے ہے کیونکہ ریا بغیر کسی مقصد کے نہیں ہوتا اس کی کچھ نہ کچھ غرض و غایت ہوتی ہے اس کے بھی تین درجے ہیں- پہلا درجہ یہ ہے کہ ریا کا مقصد ایسے مرتبہ اور جاہ کا حصول ہو جو اس کو ایک فسق اور معصیت تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے اس کی مثال یہ ہے کہ اپنی امانت داری اور پرہیزگاری ثابت کرے اور شبہ کی چیزوں سے بھی احتراز کا اظہار کرے اور ان باتوں سے مقصد یہ ہو کہ اس کو بڑا دیانتدار سمجھ کر مال وقف کا انتظام' قضا کی خدمت (قاضی کا عہدہ) اجرائے وصیت اور یتیم کے مال کی نگہداشت اس کے سپرد کردی جائے تاکہ ان کاموں میں خیانت کا امکان نہ رہے' یا حکومت کی طرف سے یا نجی طور پر زکوٰۃ اور خیرات کا مال اس کے سپرد کردیا جائے کہ وہ اپنی نگرانی میں اس کے حق داروں کو پہنچادے' یا حج کے سفر میں بطور زاد راہ درویشوں اور ضرورت مندوں کو دے دے یا خانقاہ میں درویشوں اور فقیروں کی خدمت میں خرچ کرتا ہے یا اس مال سے سرائے اور مسجد کی تعمیر کرادے ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ ریاکار مجلس منعقد کرتا ہے اور خود کو پارسا ظاہر کرتا ہے اور کسی عورت کو تاکتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ عورت اس کی پارسائی سے مرعوب ہو کر اس کی طرف مائل ہو جائے تاکہ اس کے پاس آنا جانا شروع کردے- اگر وہ خود مجلس منعقد نہیں کرتا تو آپ ایسی محفل یا مجلس میں اس ارادے سے جاتا ہے کہ کسی عورت کو تاکے یا کسی خوبصورت لونڈے (امرد) کو دیکھے- یہ تمام ارادے معصیت ہیں- کیونکہ اس نے خداوند تعالیٰ کی عبادت کا حیلہ تراش کر معصیت کا پہلو تلاش کیا اور یہی حال اس شخص کا ہے جس پر مال میں خیانت کرنے یا عورت کی طرف مائل ہونے کی تہمت ہو اور وہ اس تہمت اور بہتان سے برأت کے لیے اپنا مال خیرات کرے اور اپنے زہد کا اظہار کرے تاکہ لوگ کہیں کہ صاحب جو شخص اپنا مال اس طرح خیرات کرتا ہو وہ دوسرے کے مال پر کیا نظر ڈالے گا-

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ اس کا مقصود کوئی فعل مباح ہو- مثلاً ایک واعظ جو خود کو پارسا ظاہر کرتا ہے اور اس سے اس کا

مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کو مال پیش کریں یا کوئی عورت اس سے نکاح کی رغبت کرے لیکن ایسا شخص بھی عتابِ الٰہی سے محفوظ نہیں رہے گا-اگرچہ پہلے درجہ کی بہ نسبت اس کی معصیت کم ہے لیکن عذاب ضرور ہوگا کہ اس نے بھی خداوند تعالیٰ کی طاعت کے بہانے سے دنیاوی متاع کی خواہش کی حالانکہ طاعت و بندگی بارگاہِ الٰہی سے تقرب حاصل کرنے کے لیے ہوا کرتی ہے لیکن اس شخص نے سعادتِ اخروی کو دنیا طلبی کا وسیلہ بنایا تو اس طرح اس نے عبادت و طاعت میں بڑی خیانت کی-

تیسرا درجہ: یہ ہے کہ اس کو کسی چیز کی خواہش نہ ہو (طاعت و بندگی سے کوئی غرض دنیاوی وابستہ نہ ہو) لیکن اس بات سے بچتا ہو کہ اس سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جس سے اس کی عزت و حرمت پر کوئی حرف نہ آئے (عزت و حرمت کا تحفظ پیش نظر ہو) جس طرح ہم زہاد اور صلحاء کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس کا ہر دم خیال رکھتے ہیں- مثلاً اثنائے راہ میں کوئی نظر آئے تو اس کا سر جھکا ہوا پائے اور خراماں خراماں چل رہا ہو تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ شخص غفلت شعار ہے بلکہ یہ سمجھیں کہ راستہ چلنے میں بھی یہ شخص دین کے کاموں سے فارغ نہیں ہے' یا اگر اس کو ہنسی آجائے تو اپنی ہنسی کو روک لے تاکہ لوگ اس کو ہنسوڑ اور ٹھٹھے باز نہ سمجھیں یا وہ محض اس خیال سے خوش طبعی سے الگ رہتا ہے کہ لوگ اس کو خوش طبع اور ظریف نہ کہنے لگیں یا ہر وقت سرد آہیں بھرتا ہے اور استغفار کرتا رہتا ہے اور اس طرح کہتا ہے۔

"اللہ اللہ! انسان کس طرح غفلت میں گرفتار ہے' ایک مہم ہمارے سامنے ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس کی غفلت پر تعجب ہے-"

اللہ تعالیٰ اس کے دل کے راز سے آگاہ ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے تو اس طرح تقریر کرتا ہے لیکن اگر وہ تنہا ہوتا تو اس طرح کبھی بھی استغفار نہ کرتا اور اس طرح دلسوزی کی باتیں نہ کرتا یا جب اس کے سامنے کسی کی غیبت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے-"آدمی کو چاہیے کہ اپنا ضروری کام کرے اور اپنے عیب کو دیکھے-" اور اس کا یہ قول محض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کو لوگ غیبت سے بیزار جانیں یا اس کے سامنے کچھ لوگ تراویح یا تہجد کی نماز پڑھ رہے ہیں یا بعض لوگ دو شنبہ یا جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں اب اگر یہ ایسا نہیں کرتا ہے تو لوگ اس کی اس بات کو سستی اور ضعفِ عبادت پر محمول کریں گے اس لیے وہ بھی اس نماز اور روزے میں شریک ہو جاتا ہے یا وہ عرفہ یا عاشورہ کے دن روزہ تو نہیں رکھتا لیکن پیاس کے باوجود پانی نہیں پیتا تاکہ لوگ اس کو بھی روزہ دار سمجھیں یا اس کے روزہ نہ رکھنے پر واقف نہ ہو سکیں' یا جب اس سے کہا جائے کہ کھانا کھائے تو جواب میں کہے کہ مجھے ایک عذر ہے یعنی روزہ دار ہوں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے' ایسی حرکت کر کے اس نے دو برائیوں کو جمع کیا ہے ایک تو نفاق کیونکہ وہ خود روزہ دار نہیں' دوسرے صاف گوئی سے بچ رہا ہے' صاف صاف یہ نہیں کہتا ہے کہ روزہ دار ہوں اور اپنی عبادت کو میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس نے یہ کہا کہ مجھے ایک عذر ہے یہ نہیں کہا کہ میں روزے سے ہوں اور مقصد یہ ہے کہ خود کو مخلص ظاہر کرے کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ پیاس سے

بیتاب ہو کر اس نے پانی پی لیا لیکن اپنی مشیخت اور بزرگی کے تحفظ کے لیے لوگوں سے کہا کہ کل میں بیمار تھا اس لیے آج روزہ نہیں رکھا یا فلاں شخص نے میرا روزہ کھلوا دیا اور لفظ فی الحال استعمال نہیں کیا محض اس اندیشہ سے کہ لوگ اس کو ریا سمجھیں گے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دیر کے بعد اثنائے گفتگو میں کہتا ہے کہ ماں کا دل بہت نرم ہوتا ہے وہ سمجھتی ہیں کہ اگر بیٹے نے نفلی روزہ رکھ لیا تو مر جائے گا یعنی میں نے محض والدہ کی خاطر سے روزہ نہیں رکھا یا اس طرح کہتا ہے کہ جب لوگ روزہ رکھتے ہیں تو رات کو جلد سو جاتے ہیں اور ان سے شب بیداری نہیں ہوتی (یعنی میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور شب بیداری بھی کرتا ہوں) غرضیکہ ریا کی اس نجاست کے سبب سے جو اس کے دل میں موجود ہے شیطان اس کی زبان سے ایسی باتیں کہلواتا ہے اور افسوس کہ ایسا قاری جاہل اس بات سے بے خبر ہے کہ اس طرح وہ آپ اپنی جڑ کو اکھیڑ رہا ہے اور اپنی عبادت کو تباہ و برباد کر رہا ہے اور یہ بات کچھ زیادہ مشکل نہیں کہ بعض ریاکار تو چیونٹی کی چال کی آواز سے زیادہ پوشیدہ اور مخفی رہتے ہیں بڑے بڑے ہوشیار اور ہوشمند علماء ریا کی اس چال کو نہیں پہچان سکتے تو پھر نادان اور احمق عابدوں کا کیا مقدور ہے کہ اس کو پہچان سکیں۔

وہ ریا جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے: اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ بعض ریا تو ظاہر ہیں۔ مثلاً ایک شخص تہجد کی نماز لوگوں کے سامنے پڑھتا ہے لیکن تنہائی میں نہیں پڑھتا' یہ ریا ظاہر ہے مخفی نہیں ہے البتہ اس سے مخفی وہ ریا ہے کہ ایک شخص نماز تہجد ادا کرنے کا عادی ہے' تنہائی میں پڑھتا ہے لیکن جب کوئی شخص اس کے سامنے موجود ہوتا ہے تو پھر وہ اس کو بڑے ذوق و شوق سے اور خضوع و خشوع کے ساتھ ادا کرتا ہے اور ادائیگی میں سستی بالکل سرزد نہیں ہوتی۔ یہ ریا بھی ظاہر ہے' چیونٹی کی رفتار کی طرح مخفی نہیں' کیونکہ اس کو ہر ایک پہچان سکتا ہے۔ وہ ریا تو اس سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے کہ آدمی میں نہ نماز کا شوق افزوں ہوا اور نہ اس میں کسی قسم کی کمی واقع ہوئی ہر شب نماز پڑھتا ہے اور فی الحال ریا کی کچھ علامت اس میں ظاہر نہیں ہوتی لیکن اس کے دل کے اندر ریا بالکل اس طرح موجود ہے جس طرح آگ لوہے میں چھپی رہتی ہے۔ اس کی تاثیر اس وقت ظاہر ہوتی ہے کہ جب لوگوں پر اس کی تہجد گذاری ظاہر ہو اور وہ لوگ کہیں کہ یہ شخص تہجد گذار ہے' اس وقت دل کو خوشی اور انبساط حاصل ہو پس یہی خوشی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے باطن میں ریا چھپا ہوا ہے اگر وہ اپنی طبیعت سے اس فرحت و انبساط کو رفع نہیں کرے گا تو اس بات کا ڈر ہے کہ یہ ریا کی آگ بھڑک اٹھے اور پھر در پردہ بھی وہ یہ چاہنے لگے کہ کوئی ایسی صورت کرے کہ لوگ اس کے اس نیک عمل سے واقف ہو جائیں اگر صراحتاً اظہار نہ بھی کرے تو اشارۃً اور کنایۃً اس کا اظہار کرے اور اگر کنایۃً بھی اظہار نہ کرے تو اپنی سج دھج سے اس کا اظہار کرے اور اس کو بہت ہی خستہ حال دکھائے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ شخص رات بھر بیدار رہا ہے' اور کبھی ریا اس سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جب کوئی اس کے پاس آیا اور اس نے سلام میں تقدیم نہیں کی تو اس نے اپنے دل میں تعجب کیا (کہ آنے والے نے سلام کرنے میں پہل کیوں نہیں کی) یا کوئی

شخص اس کی تعظیم نہ کرے یا اس کی خدمت خوشی خوشی بجا نہ لائے یا خرید و فروخت میں اس کی خاطر ملحوظ نہ رکھے یا بیٹھنے کے لیے اچھی جگہ پیش نہ کرے تو اپنے دل میں متعجب ہو' یہ تعجب اس کے دل میں اسی پوشیدہ عبادت کی وجہ سے پیدا ہوا (کہ اس کو خیال ہوا کہ مجھ جیسے عابد شب زندہ دار کی تعظیم و تکریم کرنا چاہیے تھا- بطیبِ خاطر میری خدمت کرنا چاہیے تھی اور خرید و فروخت میں میرے زہد و بزرگی کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا) اس سے معلوم ہوا کہ اس کا نفس اس مخفی عبادت کے باعث تعظیم و تکریم کا خواہاں ہے- پس جب تک اس شخص کے نزدیک اس مخفی عبادت کا ہونا نہ ہو یکساں اور برابر نہ ہو گا اس وقت تک اس کو سمجھنا چاہیے کہ ابھی تک اس کا باطن مخفی ریا سے خالی اور پاک نہیں ہوا ہے- کیونکہ دنیاوی معاملات میں اگر لاکھ دینار کی کسی چیز کے عوض اگر کسی کو ہزار دینار دے دے تو ہرگز اس پر احسان نہیں جتائے گا (کہ تیری ایک لاکھ دینار کی چیز میں نے ایک ہزار دینار میں خرید لی یہ میرا احسان ہے) اور نہ اس سے کسی تعظیم و تکریم کی وہ آرزو کرے گا اور تعظیم کرنا اور نہ کرنا اس کے نزدیک یکساں ہو گا تو جب اس نے سعادت ابدی کے حصول کے لیے حق تعالیٰ کی بندگی کی ہے تو پھر وہ کسی مخلوق سے کیوں اپنی عزت و تعظیم کا خواہاں ہے اور امیدوار ہے' اگر وہ امید رکھتا ہے تو یہی وہ مخفی ریا ہے جس کا ہم نے ابتداء میں ذکر کیا ہے-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد : حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "قیامت کے دن علماء سے پوچھا جائے گا کیا تم لوگوں نے اپنا مال ارزاں فروخت نہیں کیا؟ اور کیا لوگوں نے تمہاری تعظیم و تکریم نہیں کی اور تم کو سلام کرنے میں تقدیم نہیں کی-"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں تمہارے عمل کی جزا تھی جو تم نے حاصل کر لی اور اپنے اعمال کو خالص نہیں چھوڑا-"

ایک بزرگ جو مخلوق سے بھاگ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے' فرماتے ہیں "کہ ہم فتنے سے بھاگے تو ہیں لیکن اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ہمارے کام (عبادت) میں خلل نہ واقع ہو' وہ اس طرح کہ جب ہم کسی کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ شخص ہماری تعظیم کرے اور ہمارا حق بجا لائے یہی وجہ ہے کہ بے ریا عبادت گذار حضرات اپنی عبادت کو ایسا چھپاتے تھے جس طرح اپنی تقصیر اور اپنی معصیت کو چھپاتے ہیں کیونکہ یہ حضرات اس بات سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ قیامت میں وہی عبادت مقبول ہو گی جو ریا اور غرض کے دخل سے خالی ہو-

ایک مثال : اور ان حضرات کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ حج کا ارادہ کرے اور جانتا ہو کہ جنگل میں زرِ خالص کے سوا نہیں لیتے (زرِ خالص دیا جائے تب گذرنے دیتے ہیں) اور اگر زرِ خالص نہ دیا جائے تو جان کا خطرہ ہے اور زرِ خالص مغرب میں ملتا ہے اور سونا کھوٹا زرِ ناخالص ہوتا ہے اس کو پھینک دیا جاتا ہے- چنانچہ وہ ضرورت کے واسطے زرِ خالص بچا بچا کر رکھتا

ہے- ظاہر ہے کہ قیامت کے دن سے زیادہ عاجزی اور بیکسی کا دن اور کوئی نہیں ہے' تو آج جو شخص خالص عمل نہیں کمائے گا اس دن اس کے لیے بڑی خرابی ہوگی اور کوئی شخص اس کا مددگار نہیں ہوگا- جب ایک انسان اس بات میں تمیز کرے گا کہ اس کی عبادت کو جانور نے دیکھا ہے یا آدمی نے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ریا سے خالی نہیں ہے-

ارشاد نبوی ﷺ: رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "تھوڑا اور مخفی ریا بھی شرک ہے- یعنی خدا کی عبادت میں دوسرے کو شریک کرنا ہے- جب اس نے خداوند تعالیٰ کے جاننے کو (کہ وہ اس کی عبادت کو جان رہا اور دیکھ رہا ہے) کافی نہیں سمجھا جب ہی تو دوسرے کا علم اس کی عبادت میں اثر انداز ہوا-

فصل: معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کی عبادت سے واقف رہیں تو یہ ریا سے خالی نہیں ہاں عبادت کی وہ مسرت جو خداوند تعالیٰ کے لیے ہو نقصان پہنچانے والی نہیں ہے' اس مسرت اور انبساط کے چار درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ اس اعتبار سے خوش ہو کہ وہ اپنی عبادت کو چھپانے کا قصد رکھتا تھا لیکن حق تعالیٰ نے اس کے قصد و ارادے کے بغیر اس کو ظاہر کر دیا' یا اس کی معصیت و تقصیر بہت زیادہ تھی اور حق تعالیٰ نے اس کو ظاہر نہیں کیا تو اس بات سے خوشی ہوئی کہ فضلِ الٰہی شاملِ حال ہے- یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے عیب کو ڈھانپا اور نیکی کو ظاہر فرمایا تو اس خوشی کا اصل باعث لطف الٰہی ہوا- لوگوں کی تعریف سے اس کو سروکار نہیں- چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا[1] اور دوسرا درجہ خوشی کا یہ ہے کہ وہ خوش ہو کر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں میرا عیب ڈھانپا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخرت میں بھی پردہ پوشی فرمائے گا' اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "حق تعالیٰ ایسا کریم ہے کہ دنیا میں بندے کا گناہ ڈھانپتا ہے اور آخرت میں اس کو رسوا نہیں کرے گا تیسرا درجہ خوشی کا یہ ہے کہ وہ اس لیے خوش ہوتا ہے کہ جب لوگوں نے اس کو عبادت میں مصروف دیکھا ہے تو وہ اس کی اقتداء کرتے ہوئے عبادت کریں گے اور سعادت یاب ہوں گے اس صورت میں اس کے نام سے ثواب مخفی بھی لکھا جائے گا- کیونکہ اس نے عبادت کو چھپانے کا ارادہ بھی کیا اور علانیہ ثواب بھی مرحمت ہوگا کہ بغیر قصد کے ایک اور عبادت اس نے کی (دوسروں کو عبادت پر متوجہ کیا) چوتھا درجہ خوشی کا یہ ہے کہ وہ اس لیے خوش ہوا کہ جو اس کو دیکھتا ہے اس کی تعریف کرتا ہے اور اس کا معتقد ہوتا ہے اور آپ دوسرے کی تعریف اور عقیدت کے باعث حق تعالیٰ کا مطیع ہوتا ہے اور اس کی بندگی کرنے پر مسرور و شادماں ہوتا ہے اس کی یہ خوشی اس لیے نہیں ہوتی کہ دیکھنے والے کے دل میں اس کو قبولیت حاصل ہوئی' اس اخلاص کی پہچان یہ ہے کہ اگر وہ دوسرے کی اطاعت و بندگی سے مطلع ہو تو اس کو خوشی و خرمی ہو-

---

[1] اے محمد ﷺ آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر شادماں ہوں-

عمل کو باطل کرنے والا ریا

ریا کے وقوع کی حالتیں : معلوم ہونا چاہیے کہ ریا کا وقوع یا تو آغاز عبادت کے بعد یا درمیان عبادت میں' ان تین صورتوں میں پہلی صورت تو یہ ہے کہ آغازِ عبادت میں اس کا وقوع ہو' اس سے عبادت باطل ہو جاتی ہے کیونکہ نیت میں اخلاص شرط ہے (اور نیت عبادت کی ابتدا ہے) اور جب ریا پیدا ہو گیا تو اخلاص کہاں باقی رہا اور اگر ریا کا ظہور اصل عبادت میں نہ ہو- مثلاً دکھاوے کے طور پر اوّل وقت نماز کے واسطے دوڑا ہوا جا رہا ہے اور اگر اکیلا ہوتا تب بھی اصل نماز میں ہر گز قصور نہ کرتا' ایسی صورت میں اوّل وقت نماز کے لیے جانے کا ثواب باطل ہو گیا اور اصل نماز میں چونکہ اس کی نیت پاک ہے اس لیے سزاوار ثواب ہے- جیسے کوئی شخص غصب کی ہوئی جگہ یا غصب کے مکان میں نماز پڑھتا ہے تو وہاں فرض پڑھ سکتا ہے اگرچہ وہ عاصی ہے' پر نفل نماز میں عاصی نہیں تو اس صورت میں بھی نفل نماز میں وہ ریاکار نہیں ہے بلکہ مکان یا جگہ کے اعتبار سے عاصی ہے کہ مکان غصب میں اس نے نماز ادا کی' اگر کسی شخص نے نماز کو پورے اخلاص سے ادا کیا اور ادا کرنے کے بعد ریا کا خیال اس کے دل میں آیا اور اس کا اظہار کیا تو جو نماز وہ پڑھ چکا ہے وہ باطل نہیں ہو گی لیکن اس ریا کے باعث اس پر عذاب ہو گا-

ایک روایت : ایک شخص نے کہا کہ کل رات نماز میں میں نے سورۃ البقرہ پڑھی' حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس عبادت سے اس کا حصہ اتنا ہی تھا- (یعنی اس نے اظہار کیا) ایک شخص نے سرور کونین ﷺ سے عرض کیا کہ میں مسلسل روزے رکھتا ہوں' حضور ﷺ نے فرمایا تم نہ روزہ دار ہو نہ بے روزہ- محدثین کرامؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم نے کہا کہ روزہ ہے تو روزہ باطل ہو گیا بظاہر ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا ﷺ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اس وجہ سے ارشاد فرمایا کہ عبادت کے وقت میں وہ ریا سے خالی نہ تھا- اگر ریا سے خالی ہو تو ایک عبادت جبکہ ختم ہو گئی تو پھر اس کا باطل ہونا محال ہے- بعض حضرات نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے اس وجہ سے یہ ارشاد فرمایا کہ روزے بغیر افطار کے مسلسل اور پیاپے رکھنا منع ہے-

دوسری صورت یعنی وہ ریا جو عبادت کے درمیان وقوع میں آئے تو اگر اس سے اصل نیت مغلوب ہو گئی تو نماز باطل ہو جائے گی- جیسے کوئی قابل دید شے سامنے آئے یا کوئی گم شدہ چیز یاد آ گئی تو اگر دوسرے لوگ موجود نہ ہوتے تو نماز کو قطع کر دیتا (نیت توڑ دیتا) لیکن اس وقت (دوسرے لوگوں کی) شرم سے نماز کو تمام کیا تو ایسی نماز درست نہیں کیونکہ عبادت کی نیت فاسد ہو گئی اور یہ قیام اس نے محض لوگوں کے واسطے کیا ہے' اور اگر اصل نیت قائم ہے لیکن لوگوں کے دیکھنے سے خوش ہو کر اچھی طرح نماز پڑھتا ہے تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے کہ اس کی نماز باطل نہ ہو گی اگرچہ اس ریا کی بنا

پر گنہگار ہوگا البتہ اس کی عبادت کو کسی نے دیکھا اور یہ اس سے خوش ہوا تو شیخ[1] حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز کے باطل ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور مجھے اس بارے میں تامل تھا لیکن اب میرا ظن غالب یہی ہے کہ نماز باطل ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس موقع پر اس روایت کو سند لائے کہ کسی شخص نے سرور کونین ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنی عبادت لوگوں سے مخفی رکھتا ہوں لیکن جب لوگ اس سے واقف ہوتے ہیں تو میں خوش ہوتا ہوں' حضور ﷺ نے فرمایا تجھے دو ثواب حاصل ہوئے ایک ثواب مخفی کا اور دوسرا آشکارا ہونے کا۔'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے ور اس کے اسناد متصل نہیں[2] ہیں اور یہ بھی کہ شائد حضور ﷺ کا ارشاد گرامی سے مقصود یہ ہو کہ ''فراغت کے بعد عبادت کے ظاہر ہونے سے خوش ہوا ہو یا یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے اس کی بندگی کو ظاہر کیا جیسا کہ ہم پیشتر کہہ چکے ہیں' اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ اپنی عبادت پر لوگوں کی آگاہی سے خوش ہونا زیادتی ثواب کا سبب ہوتا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ معصیت کا سبب نہ بن سکے اور شیخ حارث محاسبی کا یہی مقصد ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کی آگاہی کے بعد اپنے عمل عبادت کو طولانی نہ کرے اور اس کی اصل نیت قائم رہے اور جب وہ اس نیت کے موافق عمل کرتا ہے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

ریا کی بیماری کا علاج

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ ریا بڑی خطرناک بیماری ہے اس کا علاج واجب ہے' اور اس کا علاج بڑی کوشش اور سعی سے ہو سکتا ہے کیونکہ جب مرض انسان کے دل میں جگہ کر لیتا ہے اور جگر پکڑ لیتا ہے تو اس کا علاج دشوار ہو جاتا ہے' اس بیماری میں جو صعوبت اور شدت پیدا ہوتی ہے اس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ آدمی بچپن سے لوگوں کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ریاکاری کرتے ہیں اور خود کو ایک دوسرے کے سامنے بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں (حقیقت کے خلاف) اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اکثر ان کا رویہ ایسا ہی ہوتا ہے' اس سے ریا کی خاصیت بچے کے دل میں نشوونما پاتی ہے اور ہر روز اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جب تک اس کی عقل کمال کو پہنچے اور وہ یہ سمجھنے کے قابل ہو کہ اس (ریا) میں میرا نقصان ہے ریا کی عادت اس پر غالب آجاتی ہے اور پھر اس کا نکالنا دشوار ہو جاتا ہے۔ مشکل ہی سے کوئی شخص ایسا ہوگا جس کو یہ مرض لاحق نہ ہو اس لیے تمام لوگوں پر اس کے علاج کی کوشش فرض عین ہے۔

ریا کا علاج دو طرح سے ہوتا ہے: ریا کا علاج دو طرح پر ہے ایک تنقیح اور دوسرا تعدیل۔ تنقیح سے مراد مسہل ہے یعنی اس مرض کے مادے کو باطن سے بالکل نکال پھینکے' مسہل کے ذریعہ یہ علاج علم و عمل دونوں سے مرکب

---

[1] ایک مشہور صوفی اور عالم جن کی کتاب المتفکر والاعتبار تصوف میں مشہور ہے آپ تیسری صدی ہجری کے مشہور صوفی اور عالم ہیں۔

[2] حدیث مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے اسناد متصل نہ ہوں یعنی درمیان سے کوئی سند ساقط ہو جائے۔

ہے- علمی علاج یہ ہے کہ انسان اس کے ضرر اور نقصان کو پہنچانے کیونکہ وہ ہر ایک کام اسی واسطے کرتا ہے کہ اس کو اس کے کرنے سے لذت حاصل ہو اور جب وہ یہ سمجھے گا کہ اس (ریا) کی مضرت اس قدر ہے کہ وہ اس کو برداشت نہیں کر سکے گا اس صورت میں اس لذت سے دست بردار ہونا اس پر آسان ہو گا- مثلاً وہ سمجھ لے گا کہ اس شہد میں زہر قاتل بھی شامل ہے تو اگرچہ اس کو شہد کھانے کا بہت شوق ہے لیکن وہ زہر کے شامل ہونے کی وجہ سے اس سے پرہیز کرے گا (اس شہد کو نہیں کھائے گا)۔

ریا کی جڑیں : ریا کی اصل اگرچہ جاہ و منصب کی محبت کے ساتھ لگی وابستہ (جاہ و منصب کی محبت ریا پر آمادہ کرتی ہے) لیکن اس کی جڑیں تین ہیں' ایک تو اپنی تعریف کی محبت (یہ چاہنا کہ لوگ اس کی تعریف کریں-) اس کی دوسری جڑ مذمت کا خوف ہے اور تیسری جڑ مخلوق سے کسی قسم کی طمع رکھنا۔ جب ایک اعرابی نے حضور سرورِ کائنات ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو دین کی حمیت سے جہاد کرتا ہے یا اس واسطے جہاد کرتا ہے کہ لوگ اس کی شجاعت کو دیکھیں یا اس لیے کہ اس کا نام مشہور ہو؟ حضور اکرم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص کلمہ توحید کو بلند کرنے کے لیے جہاد کرے گا وہ اس نے حق تعالیٰ کی راہ میں کیا- اس میں حضور اکرم ﷺ کا اشارہ اس طرف ہے کہ آدمی اپنی شہرت سے اپنی تعریف کا خواہاں نہ ہو اور نہ کسی کی مذمت سے ڈرے- جیسا کہ حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اونٹ کو باندھنے کی رسی حاصل کرنے کے لیے جہاد کرے گا تو اس نے جس چیز کی نیت کی ہے وہی اس کو ملے گی۔ پس سمجھ لینا چاہیے کہ یہ تین باتیں ریا کا باعث ہوتی ہیں- پس وہ اپنی تعریف اور مدح کے شوق کو قیامت کے دن اپنی رسوائی کے اندیشے سے ترک کردے کیونکہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں اس طرح منادی کی جائے گی' اے ریاکار! اے فاسق! اے گمراہ! تجھے شرم نہ آئی کہ تو نے خدا کی عبادت کو خلائق کی تعریف کے عوض بیچ ڈالا اور ان کے دلوں کو راضی کیا لیکن خالق کی رضامندی کا تجھے خیال نہ آیا۔ تو نے خلق کا مقرب بننے کے لیے خداوند تعالیٰ کی درگاہ سے دوری اختیار کی' تو نے قبولیت خلق کو قبولیتِ حق سے بہتر جانا' خلائق کی تعریف حاصل کرنے کے لیے تو اس پر راضی ہو گیا کہ حق تعالیٰ تیری مذمت فرمائے تو نے مخلوق کی رضامندی تلاش کی لیکن خالق کے غصہ سے نہیں ڈرا-"

جب ایک ہوشمند شخص آخرت کی اس رسوائی پر غور کرے گا تو سمجھ لے گا کہ لوگوں کی تعریف اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جب کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی بندگی اس کی نیکی کے پلہ کو بھاری کردے گی- لیکن یہی طاعت جب ریا سے بگڑ جائے تو پھر گناہوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا اگر یہ ریا نہ کرتا تو انبیاء اور اولیاء کا اس وقت رفیق ہوتا اور اب ریا کے سبب سے دوزخ کے فرشتوں کے ہاتھوں گرفتار ہے اور حرماں نصیب ہے' چونکہ اس نے یہ عبادت خلق کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کی تھی باوجودیکہ تمام مخلوق کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہونا بھی محال ہے کہ اگر ایک شخص کو راضی کرتا ہے تو دوسرا ناراض رہتا ہے اور اگر ایک شخص اس کی مدح کرتا ہے

تو دوسرا مذمت کرتا ہے اور اگر بفرض محال تمام مخلوق بھی اس کی تعریف کرے تو ان کے ہاتھ میں نہ اس کا رزق ہے نہ عمر ہے اور نہ دنیا کی سعادت مخلوق کے ہاتھ میں ہے اور نہ آخرت کی شقاوت پر ان کا قابو ہے۔ پس بڑی نادانی کی بات ہوگی کہ انسان اس طرح اپنے دل کو پریشان کرے اور خداوند تعالیٰ کے عتاب میں مبتلا ہو۔ اس وجہ سے انسان کو چاہیے کہ ان تمام باتوں پر دل میں غور کرے۔

طمع کا علاج : اس طمع کا علاج اس طرح کرنا چاہیے جس کی تشریح ہم مال کی دوستی کی بحث میں کر چکے ہیں پس دل میں یہ سمجھے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ طمع اس سے وفا نہ کرے اور اگر کرے بھی تو خواری اور ذلت اس کا نتیجہ ہو اور خداوند تعالیٰ کی رضامندی سے بھی محرومی ہو۔ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادے کے بغیر تو مسخر ہو نہیں سکتے جب وہ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے گا اس وقت اللہ تعالیٰ بھی دوسروں کے دلوں کو اس کا مسخر بنا دے گا اور وہ خداوند تعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں کرے گا تو پھر اس کی رسوائی کھل کر ہوگی اور مخلوق کے دل بھی اس سے بیزار ہوں گے اور مخلوق کی مذمت کا اندیشہ، تو اس خطرے اور اندیشے کا علاج یہ سوچ کر کرے کہ اگر باری تعالیٰ کے حضور میں نیک ہوں (اس نے مجھے نیکیوں میں قبول فرمالیا ہے) تو مخلوق کی مذمت سے میرا کچھ نقصان نہیں ہوگا، اور اگر میں حق تعالیٰ کے نزدیک برا ہوں تو مخلوق کی تعریف سے مجھے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ پس اگر میں اخلاص کا راستہ اختیار کروں اور مخلوق کی طرف سے دل کو پریشان نہ کروں تو حق تعالیٰ ضرور سب لوگوں کے دل میں میری محبت پیدا کر دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں میری محبت نہیں ڈالی تو چند ہی دن میں لوگ میرے ریا اور نفاق کو پہچان لیں گے اور جس مذمت سے میں ڈرتا تھا، وہ سامنے آجائے گی اور حق تعالیٰ کی رضامندی بھی ہاتھ سے جائے گی۔

اس طرح جب حضوری قلب حاصل ہوگی اور اخلاص میں ثابت قدم ہو جائے گا تو مخلوق کی خاطر داری سے اس کو چھٹکارا مل جائے گا اور نورِ الٰہی اس کے دل پر چمکے گا۔ دل پر لطائف الٰہی کا نزول ہوگا اور عنایتِ الٰہی متواتر شامل حال رہے گی، اس کے لیے اخلاص کا راستہ کھل جائے گا۔ جو کچھ اب تک بیان کیا گیا یہ علمی علاج تھا۔

عملی علاج : ریا کا عملی علاج یہ ہے کہ انسان اپنی خیرات اور اطاعت کو اس طرح چھپائے جیسے کوئی اپنی برائیوں اور گناہوں کو چھپاتا ہے تاکہ وہ اس بات کا عادی بن جائے کہ میرے لیے بس یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری بندگی اور طاعت کو دیکھ رہا ہے (مجھے اور کسی کے جاننے کی ضرورت نہیں) یہ بات ابتدائے حال میں اگرچہ دشوار ہوگی لیکن کوشش کرنے سے یہ آسانی میں بدل سکتی ہے۔ اس وقت وہ مناجات اور اخلاص کی لذت کو محسوس کرے گا اور اس وقت یہ حالت ہو جائے گی کہ اگر مخلوق اس کی طاعت سے باخبر بھی ہو جائے تو اس کو اس کی خبر نہ ہوگی (کہ کوئی میری طاعت و بندگی سے آگاہ ہے۔)

دوسرا طریقہ علاج : یعنی علاج بذریعہ تعدیل- یعنی جب ریا کا دل میں گذر ہو تو اس کو ابھرنے نہ دینا (دبا دینا) ہر چند کہ اس نے خود کو ریاضت سے ایسا بنا لیا ہو کہ لوگوں کے مال کی طمع اور ان کی طرف سے مدح و ثنا کا ذوق و شوق دل سے ہٹ چکا ہو اور یہ سب باتیں اس کی نظر میں حقیر و ناچیز بن گئی ہوں، لیکن شیطان کا تو کام ہی یہ ہے کہ عبادت میں ریا کا خیال دل میں پیدا کرے- پہلا وسوسہ تو یہ پیدا کرتا ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ آیا اس کی عبادت کی خبر کسی کو ہوئی یا خبر ہو جانے کی امید ہے یا نہیں- دوسرا وسوسہ شیطان یہ پیدا کرتا ہے کہ دل میں اس بات کی رغبت پیدا ہوتی ہے کہ وہ جانے کہ مخلوق کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہے؟ تیسرا وسوسہ یہ ہے کہ اس رغبت کو دل سے چاہے اور اس بات کی ٹوہ لگائے اس صورت میں چاہیے کہ سب سے اوّل دل سے پہلے وسوسہ کو دور کرے اور دل میں خیال کرے کہ مخلوق کی آگاہی سے مجھے کیا حاصل، بس حق تعالیٰ کا جاننا کافی ہے کہ میرا واسطہ مخلوق سے نہیں بلکہ خالق سے ہے ہاں اگر اس موقع پر مخلوق میں مقبولیت کی رغبت پیدا ہو تو اس سے قبل جو بات ہم سمجھا چکے ہیں اس پر عمل کرے- اور سمجھے کہ مخلوق میں مقبول، اور بارگاہِ الٰہی میں مردود بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے عتاب کی صورت میں کیا فائدہ دے گی جب یہ فکر کرے گا تو اس رغبت سے دل میں کراہت پیدا ہو گی اور اس کراہت کا فائدہ یہ ہو گا کہ جب ریا کا شوق قبولیت خلق کی طرف اس کو بلائے گا تو یہ کراہت بیچ میں حائل ہو جائے گی اور مانع آئے گی کہ جو بات قوی تر اور غالب ہوتی ہے نفس اس کا تابع بن جاتا ہے- پس ان تین وسوسوں کو دفع کرنے کے لیے ان تین باتوں پر عمل کرے ایک یہ کہ سمجھے کہ خدا کی لعنت اور اس کے عذاب میں گرفتار ہو گا- دوسری وہ کراہت جو اس معرفت سے پیدا ہو (جس کے باعث اس نے ریا کو قابلِ نفرت سمجھا ہے) تیسرے یہ کہ ریا کے وسوسوں کو خود سے دفع کرے-

ریا کا غلبہ : کبھی ریا کا غلبہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ دل میں جگہ باقی نہیں رہتی (ریا دل کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے) اس وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضامندی کا خیال اور ریا کی کراہت سامنے نہیں آنے پاتی- اگرچہ اس کیفیت کے پیدا ہونے سے پہلے اس نے دل میں یہ بات ٹھان لی تھی کہ ریا سے بچے گا- یہ ایسی صورت ہے کہ اس میں شیطان کا غلبہ ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے حلم و بردباری کو اپنایا اور غصہ کی برائی پر خوب غور کیا- لیکن جب وقت آیا تو غصہ غالب آ گیا اور پچھلی تمام باتیں بھول گیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ معرفت موجود ہوتی ہے لیکن دھوکے سے اس کو بھی ریا سمجھ بیٹھتا ہے- یاد رکھنا چاہیے کہ جب شہوت قوی ہوتی ہے تو کراہت پیدا نہیں ہوتی اور اگر کراہت پیدا بھی ہو لیکن شہوت کی شدت سے مقابلہ کر کے شہوت کو دفع نہ کر سکے اور قبولیت خلق کی طرف اس کی توجہ ہو جائے- اکثر علماء اس بات سے آگاہ ہیں کہ منہ دیکھی بات کرنا نقصان رساں ہے لیکن اس کے باوجود ایسا کرتے ہیں اور اس سے توبہ نہیں کرتے، پس ریا کا دفع کرنا قوت کراہت کے مطابق ہو گا اور کراہت کی قوت انسان کی معرفت کے مطابق ہو گی، اور قوت معرفت قوتِ ایمان

کے مماثل ہو گی اور ملائکہ سے اس میں تعاون حاصل ہوتا ہے' بالکل اسی طرح ریا دنیاوی شہوت و خواہش کے مطابق ہو گا اور اس کو شیطان کی مدد پہنچے گی۔ گویا بندے کا دل دو لشکروں کے درمیان پھنستا ہے (ایک لشکر ملائکہ کا ہے اور ایک لشکر شیطان کا ہے) اس کو ہر لشکر کے ساتھ ایک تناسب تعلق کا ہوتا ہے۔ جس سے تعلق کی نسبت قوی ہو گی اسی کا وہ اثر جلد قبول کرے گا اور اسی طرف اس کی رغبت زیادہ ہو گی اور یہ مناسبت وقوع سے پہلے حاصل ہو جاتی ہے کہ بندے نے نماز سے پہلے خود کو ایسا تیسا کیا ہو کہ فرشتوں کے اخلاق و اوصاف اس پر غالب ہو گئے ہوں یا شیطان کے اخلاق غلبہ پا چکے ہوں (ان دو صورتوں میں سے ایک صورت ہو گی) پس جب عبادت کے درمیان ریا کا خیال آتا ہے تو وہ نسبت تعلق رونما ہو جاتی ہے اور تقدیر ازل اس کو کھینچ کر اسی جگہ اور اسی طرف لے جاتی ہے جو اس کی ازل سرنوشت سے خواہ ملائکہ کی مناسبت کا غلبہ ہو یا شیاطین کی مناسبت اپنا غلبہ رکھتی ہو۔

فصل : اے عزیز! جب تم نے ریا کے سبب کو توڑ دیا اور تمہارا دل اس سے بیزار ہو گیا تو اگر کچھ وسوسہ دل میں باقی بھی رہ جائے تو تم ماخوذ نہیں ہو گے کیونکہ یہ انسانی سرشت اور اس کی فطرت ہے چنانچہ تم کو یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ تم اپنی اپنی سرشت اور فطرت کو ہی نیست و نابود کر دو بلکہ یہی حکم دیا ہے کہ اس کو مغلوب اور اپنا زیر دست بنا دو تاکہ وہ تم کو جہنم کے غار میں نہ دھکیل سکے' اور اس کی شناخت یہ ہے کہ جب تم کو یہ قدرت حاصل ہو جائے کہ تم طبیعت کا حکم نہ مانو تو سمجھ لو کہ وہ تمہاری مغلوب ہو گئی۔ پس جس کا تم کو حکم دیا گیا تھا اس کا حق بجالانے کے لیے اتنی بات کافی ہے' اس وقت شہوت و خواہش سے تم کو جو کراہت ہو گی وہ اس شہوت کا جو پیدا ہوئی تھی' کفارہ بن جائے گی اور دلیل اس پر یہ ہے کہ :

وسوسوں کے سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گذارش : صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارے دل میں ایسے وسوسے اور خیالات آتے ہیں کہ اگر اس کے عوض ہم کو آسمان پر اٹھا کر زمین پر پٹک دیں تو ہمارے حق میں وہ بھلا ہو اور ان وسوسوں اور خیالات کے باعث ہم بے چین و مضطرب رہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیا ایسی حالت تم پر گذرتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا یہ صریحاً ایمان ہے۔ جب وہ خیالات اور وسوسے جو عبادت میں گذرے تھے ان سے کراہت کرنا صریح ایمان ہوا اور کراہت ان کا کفارہ قرار دیا جائے تو پھر تو وہ چیز جو مخلوق کے وسوسوں سے تعلق رکھتی ہے کراہت سے یقیناً ہٹ جائے گی۔ البتہ کبھی ایسا ہو گا کہ جب آدمی نفس اور شیطان کی مخالفت پر قادر ہو تو ایسے موقع پر شیطان اس پر حسد کرے اور اس کو اس بہلاوے میں ڈال دے کہ اس وقت شیطان سے جھگڑنے ہی میں اس کے دین کی خوبی ہے۔ حالانکہ شیطان کا مقصد یہ ہے کہ اس جھگڑے سے اس کے دل کو پریشانی لاحق ہو اور دل کی اس پریشانی کے باعث وہ عبادت کی لذت سے محروم رہے۔ پس ایسا جھگڑنا خطا اور غلطی ہے اور اس کے چار درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ شیطان سے جھگڑنے میں تضیع اوقات

کرے-دوسرا درجہ یہ ہے کہ صرف شیطان کی تکذیب کر کے اس کو دفع کرے اور مناجات الٰہی میں مشغول رہے- تیسرا درجہ یہ ہے کہ تکذیب اور دفیعہ میں مشغول نہ ہو کیونکہ اس صورت میں بھی کچھ نہ کچھ وقت ضائع ہوتا ہے' چوتھا درجہ یہ ہے کہ اعمال کے اخلاص میں مزید سعی کرے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ اخلاص عمل شیطان کو اور زیادہ کھلے گا اور زچ ہو کر پھر آئندہ اس کی طرف توجہ نہیں کرے گا اور یہ درجہ کمال کا ہے کہ جب شیطان بندے کی صفت معلوم کرلے گا تو پھر اس سے مایوس اور ناامید ہو جائے گا- ان درجات کی مثال ان چار شخصوں کے احوال سے دی جا سکتی ہے کہ وہ چاروں علم کی طلب کے لیے گھر سے نکلے راستہ میں ان کو ایک حاسد ملا اور ایک شخص کو ان میں سے منع کیا اس نے اس کی بات تو نہیں مانی لیکن اس سے جھگڑنے لگا اور اپنا وقت ضائع کر دیا اور جب اس حاسد نے دوسرے شخص کو منع کیا تو اس نے پاس سے ہٹا دیا اور اس سے لڑنے کے لیے نہیں ٹھہرا اور تیسرا شخص ایسا تھا کہ اس نے نہ اس کو پرے ہٹایا اور نہ اس کی طرف التفات کی اور چل دیا کہ وقت ضائع نہ ہو' اور ان میں سے چوتھے نے نہ اس کی جانب توجہ کی بلکہ اپنی رفتار تیز کر دی (کہ حاسد کو اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملے) اس طرح حاسد نے اول کے دو افراد سے تو کچھ نہ کچھ اپنا مقصد حاصل کر لیا اور تیسرے سے کچھ بھی مقصد حاصل نہ ہوا اور چوتھے سے اس کی مراد کچھ بھی بر نہ آئی بلکہ اس کا شوق علم منع کرنے سے اور زیادہ ہو گیا اس صورت میں اگر وہ ان تین کے منع کرنے سے شرمندہ نہ ہوا تو اس آخری چوتھے شخص سے وہ ضرور شرمندہ ہوا ہوگا اور اس نے بھی کہا ہوگا کہ کاش میں اس کو منع نہ کرتا (کہ میرے منع کرنے سے تو اس کا شوق اور زیادہ ہو گیا) پس اولیٰ یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے شیطان کے وسوسوں سے جھگڑنے میں مصروف نہ ہو' بلکہ مناجات میں جلد مصروف ہو جائے-

طاعت وبندگی کے اظہار کی رخصت

معلوم ہونا چاہیے کہ طاعت کو چھپانے میں فائدہ یہ ہے کہ ریا سے نجات حاصل ہو لیکن اس کے ظاہر کرنے میں بھی بڑا فائدہ ہے کیونکہ لوگ اس کی طاعت کو دیکھ کر اس کی پیروی کریں گے اور ان کو خیر کی طرف رغبت ہوگی- یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے دونوں قسم کے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے اور ارشاد کیا ہے کہ :

اِنْ تُبْدُو الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۝

تم اگر صدقہ آشکارا اور کھلم کھلا دو گے تو بھلا کام ہے اور اگر پوشیدہ دو گے تو یہ بہت اچھی بات ہوگی-

ایک روایت : روایت ہے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ کو کچھ رقم کی ضرورت ہوئی' ایک انصاری تھیلی لے کر حاضر ہوئے جب دوسرے لوگوں نے ان کا یہ عمل دیکھا تو دوسرے بھی رقمیں لانے لگے- حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی ایک ایسی اچھی طرح ڈالے گا جس میں لوگ اس کی پیروی کریں اس کو ایک اجر تو اپنا اور دوسرا اجر لوگوں کی پیروی کا (کہ اس کو دیکھ کر دوسروں نے وہ عمل خیر کیا)- اس طرح جو شخص حج کو یا جہاد کو جانا چاہتا ہے' تو پہلے اس کی تیاری کرے اور باہر نکلے (تاکہ

لوگ اس کے ارادے سے آگاہ ہوں) اور دوسروں کو بھی اس کا شوق پیدا ہو' یا رات کی نماز (تہجد) با آواز بلند پڑھتا ہے تاکہ دوسرے لوگ بیدار ہوں (اور وہ بھی عبادت کریں) پس اگر کوئی شخص ریا سے بے فکر ہے (سمجھتا ہے کہ اس کے اندر ریا پیدا نہیں ہوگا) اور اس کے عبادت کے ظاہر کرنے سے دوسروں کو رغبت ہوتی ہے تو یہ بات افضل ہوگی اور اگر ایسا کرنے سے دل میں ریا کا شوق پیدا ہو تو دوسروں کی رغبت سے اس کو کچھ فائدہ نہ ہوگا- پس اسے چاہیے کہ اپنی طاعت کو پوشیدہ رکھے- یہی اس کے لیے زیادہ بہتر ہے- پس اگر کوئی شخص اپنی طاعت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو ایسی جگہ ظاہر کرے جہاں اس کی پیروی اور اقتداء ممکن ہو کیونکہ کوئی شخص ایسا ہوگا کہ گھر کے لوگ اس کی اقتدا کریں گے اور بازار کے لوگ (باہر والے) اس کی اقتدا نہ کریں- دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ انسان اپنے دل پر نظر کرے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ریا کا شوق باطن میں چھپا ہوتا ہے اور اس کو دوسروں کی اقتدا کے بہانے وہ ابھار کر لاتا ہے تاکہ وہ ہلاکت میں پڑ جائے' ایک ضعیف شخص سے اگر مثال دی جائے تو اس شخص کی مانند ہے کہ تیرنا نہیں جانتا اور وہ ڈوبنے لگے تو دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑ لے پس وہ دونوں ہی ڈوب جائیں گے اور قوی کی مثال اس کی ہے جو شناوری میں استاد کامل ہو آپ بھی ڈوبنے سے بچے اور دوسروں کو بھی بچالے یہ درجہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے ہر ایک اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا-

دوسری صورت یہ ہے کہ جو عبادت چھپانے کی ہو اس کو نہیں چھپاتا' اس امر میں اگر صدق نیت ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی اس سے کہے کہ تم اپنی عبادت کو مخفی رکھو تاکہ اس دوسرے عابد کو دوسروں کی اقتداء کا ثواب حاصل ہو جائے اور تم کو وہی ثواب حاصل ہوگا جو اظہار کی صورت میں حاصل ہوتا تو اس صورت حال میں اگر وہ شخص اپنے دل میں اظہار کا شوق رکھتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مخلوق میں اپنا درجہ تلاش کرنا چاہتا ہے (مخلوق کی نظر میں احترام کا خواہاں ہے) ثوابِ آخرت کا خواہاں نہیں ہے-

اظہار عبادت کا دوسرا طریقہ : عبادت کے ظاہر کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عبادت کے اظہار کے بعد کہے کہ میں نے خوب کیا' اس طرح کہنے سے نفس کو ایک طرح کی لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے- ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ باتیں زبان سے نکل جائیں- بس زبان کو قابو میں رکھنا اور اظہار نہ کرنا واجب ہے جب تک اس کے نزدیک مدح اور مذمت' رد اور قبول برابر نہ ہوں' جب یہ چیزیں اس کے لیے یکساں ہو جائیں اور اس کے نزدیک مدح اور مذمت' رد اور قبول برابر نہ ہوں' جب یہ چیزیں اس کے لیے یکساں ہو جائیں اور اس وقت وہ سمجھے کہ بولنے سے لوگوں کو خبر کی ترغیب ہوگی تب کہے- اور بزرگان سلف جو صاحبان قوت تھے انہوں نے اس قسم کی باتیں بہت کچھ کہی ہیں- چنانچہ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ "جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کسی نماز میں بھی دنیاوی خیالات میرے دل میں نہیں گذرے' صرف وہ سوال خیال میں آتا تھا جو آخرت میں پوچھا جائے گا اور اس کا جواب بھی' اور حضور اکرم ﷺ سے جو کچھ میں نے سنا اس کو یقین کے ساتھ میں جانا کہ سب سچ ہے-" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صبح کو جس حالت میں اٹھتا ہوں

میں نہیں چاہتا کہ وہ حالت تبدیل ہو۔" حضرت عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے حضرت سرورِ کونین ﷺ سے بیعت کی ہے اپنی شرمگاہ کو سیدھے ہاتھ سے مس نہیں کیا ہے اور نہ میں نے جھوٹ بولا ہے۔" حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دم مرگ کہتے تھے کہ اے دوستو مجھ پر نہ رونا کہ جب سے مسلمان ہوا ہوں میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔" اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ قضائے الٰہی سے کوئی حادثہ مجھ پر ایسا نہیں گذرا جس سے میں ناراض ہوا ہوں، جو میری قسمت کا لکھا ہے میں اسی پر خوش رہا۔"

یہ تمام باتیں اربابِ قوت کی ہیں، جو ارادے کے کمزور ہیں ان کو چاہیے کہ اس سے مغرور نہ ہوں۔ حق تعالیٰ نے ان امور میں ایسے اسرار رکھے ہیں جن کی کسی کو خبر نہیں، ہر ایک شر میں ایک خیر پنہاں ہے جس کی ہمیں آگاہی نہیں اور ریا میں بھی خلائق کے واسطے بہت کچھ خیر ہے ہر چند کہ اس کے باعث ریاکار کو خرابی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، کیونکہ بہت سے لوگ ہیں جو ریا سے کام کرتے ہیں لیکن دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس شخص میں اخلاص ہے اور یہ سمجھ کر اس کی اقتدا کرتے ہیں۔ (پس اقتدا کرنے والوں کو اجر و ثواب حاصل ہوا لیکن ریاکار کے لیے خرابی بسیار ہے۔

نقل ہے کہ زمانہ سابق میں بصرہ کے ہر گلی کوچے سے ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن پاک کی آوازیں بلند ہوتی تھیں اور اس طرح لوگوں کو ذکر الٰہی اور تلاوتِ قرآن پاک کی ترغیب ہوتی تھی۔ اتفاقاً اس زمانے میں کسی عالم نے دقائق ریا کے بارے میں ایک رسالہ لکھا (اس رسالہ کی جب اشاعت ہوئی تو) تو تمام لوگ ذکر و تلاوتِ جہری سے دست بردار ہو گئے اور ترغیب میں اور کئی لوگوں نے کہا کاش اس عالم نے یہ رسالہ نہ لکھا ہوتا۔ بس ریاکار خود کو ہلاکت میں ڈال کر دوسروں پر فدا ہوتا ہے اور ان کو اخلاص کی طرف بلاتا ہے۔

معصیت اور گناہ کو چھپانے کی رخصت

معلوم چاہیے کہ کبھی تو عبادت کا ظاہر کرنا بھی ریاکاری ہوتی ہے لیکن معصیت کو چھپانا ان سات عذروں یا اسباب کی بنا پر ہمہ وقت درست ہے۔

معصیت کو چھپانے کے سات عذر : پہلا عذر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فسق و معصیت کو پوشیدہ رکھو، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کسی سے ایک معصیت سرزد ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ خدا کا پردہ اس پر ڈالے۔ دوسرا عذر یہ ہے کہ جب معصیت دنیا میں مخفی رہے گی تو امید ہے کہ آخرت میں بھی پوشیدہ رہے گی" تیسرا یہ کہ معصیت کے نہ چھپانے میں لوگوں کی ملامت کا ڈر ہے (لوگوں کی ملامت کے ڈر سے اس کو چھپایا جا سکتا ہے) جس کے باعث پریشانی خاطر اور پراگندگی دل پیدا ہوتی ہے اور عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے۔

چوتھا عذر یہ ہے کہ عاصی ملامت اور مذمت سے اداس ہوتا ہے یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ ملامت سے اداس

ہونا اور اس سے گریز کرنا حرام نہیں ہے ہاں ثنا اور مذمت کو برابر سمجھنا کمال معرفت و خدا شناسی کی نشانی ہے اور ہر ایک اس مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ خلق کی مذمت کے خوف سے عبادت کرنا درست نہیں۔ کیونکہ طاعتِ الٰہی کے لیے اخلاص درکار ہے۔ اگر کوئی شخص تعریف نہ کرے تو اس پر صبر کرنا آسان ہے۔ لیکن مذمت کو برداشت کرنا مشکل ہے پانچواں عذر یہ ہے کہ اس بات کا خوف ہو کہ لوگ اس کو ماریں گے پیٹیں گے اور شریعت نے اجازت دی ہے کہ آدمی ایسے گناہ کو بھی چھپائے جس سے حد واجب ہوتی ہو۔ اس کو چاہیے کہ توبہ کرے البتہ دوسری شرط سے پرہیز کرنا روا ہے۔ چھٹا عذر یہ ہے کہ لوگوں کی شرم دامنگیر ہو اور شرط ایمان کی ایک شاخ ہے شرم کچھ اور چیز ہے اور ریا کچھ اور ہے (دونوں میں فرق ہے)۔ ساتواں عذر یہ ہے کہ اس بات کا خوف ہو کہ جب وہ علی الاعلان معصیت میں مبتلا ہو گا یا گناہ کرے گا تب فاسق اس کی پیروی کریں گے اور گناہ کرنے پر دلیر ہو جائیں گے اس نیت سے اگر اس نے معصیت کو پوشیدہ رکھا تو معذور ہے اور اگر اس کے چھپانے سے نیت یہ ہو کہ لوگ اس کو متقی اور پرہیزگار سمجھیں گے تو یہ ریا ہے اور حرام ہے مگر اس صورت میں کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو تو یہ درجہ صدیقوں کا ہے۔ یہ بات اس صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ خلوت میں بھی گناہ سے پاک رہے۔ لیکن اگر خلوت میں اس سے معصیت سرزد ہوئی اور اس نے کہا کہ جو بات اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اس کو مخلوق جانا کرے (کچھ پرواہ نہیں) تو ایسا کہنا حماقت ہے اور کسی طرح درست نہیں بلکہ حق تعالیٰ کا پردہ اپنے اوپر بھی ڈالے اور دوسروں کو بھی اس پردے سے ڈھانپنا واجب ہے۔

ریا کے خوف سے کس محل و مقام پر نیک کاموں سے رک جانے کی رخصت ہے[1]

جاننا چاہیے کہ طاعت تین قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جس کا تعلق خلائق سے نہیں ہے، جیسے نماز اور روزہ اور حج اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق خلق سے ہے۔ جیسے خلافت، قضا اور حکومت، تیسری قسم وہ ہے جس کا تعلق مخلوق سے بھی ہے اور عامل طاعت سے بھی، جیسے وعظ و نصیحت۔

قسم اوّل کا ترک ہرگز درست نہیں: قسم اوّل میں جو نماز، روزہ اور حج ہے، ریا کے خوف سے ان کا چھوڑنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے خواہ وہ فرض ہو یا سنت ہاں اگر ریا کا خیال عبادت کی ابتداء میں یا درمیان میں آجائے تو کوشش سے اس کو دفع کرے اور عبادت کی نیت تازہ کرے لوگوں کے دیکھنے کے باعث نہ عبادت کو گھٹائے نہ بڑھائے۔ البتہ جہاں عبادت کی نیت ہی باقی نہ رہی ہو اور از اوّل تا آخر ریا ہی ریا ہو اس وقت وہ عبادت، عبادت نہیں رہتی ہاں جب تک

[1] حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں "پیدا کردن رخصت در دست داشتن از خیرات از بیم ریا" (کیمیائے سعادت نولکشور اڈیشن ص ۳۶۳ مطبوعہ ۱۸۷۲ء)

اصل نیت باقی رہے عبادت سے دست بردار ہونا روا نہیں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض کا قول : حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی نظر کرنے کے اندیشے سے عبادت چھوڑ دینا ریا ہے اور جب انسان مخلوق کے واسطے عبادت کرے تو یہ شرک ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تو خدا کی بندگی نہ کرے اور جب اس کا یہ مطلب پورا نہیں ہوتا تو وہ ورغلاتا ہے کہ لوگ تجھے دیکھ رہے ہیں اور یہ طاعت نہیں بلکہ ریا ہے' تاکہ وہ اس طرح تم کو فریب میں مبتلا کر کے بندگی اور طاعت سے باز رکھے اور اگر تم بالفرض اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے زمین کے نیچے بھی بھاگ جاؤ تب بھی شیطان یہی کہے گا کہ 'لوگ جانتے ہیں کہ تو خلق سے بھاگا ہے اور زاہد بن گیا ہے اور یہ زہد نہیں ہے بلکہ ریا ہے۔'' تو اس وقت تم کو اس کا جواب یوں دینا چاہیے کہ 'مخلوق کا خیال کر کے ان کے باعث طاعت کا ترک کرنا بھی تو ریا ہے۔ مخلوق کا دیکھنا اور نہ دیکھنا میرے نزدیک یکساں ہے اور میں تو اپنی عادت پر عمل کر رہا ہوں اور یہی سمجھتا ہوں کہ لوگ میری طاعت و بندگی کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔'' کیونکہ خلق کے ڈر سے طاعت کا ترک کر دینا ایسا ہے جیسا کسی نے اپنے غلام کو گیہوں دیئے کہ ان کو صاف کر دے اور اس نے صاف نہیں کیے اور یہ عذر پیش کیا کہ مجھے ڈر تھا کہ میں ان کو اچھی طرح صاف نہیں کر سکوں گا۔'' تو اس وقت اس غلام سے یہی کہا جائے گا کہ اے نادان! تو اصل کام سے باز رہا اور اس صورت میں بھی یہ صاف و پاک نہ ہو سکے۔

پس معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اخلاص عمل کے واسطے حکم دیا ہے اور جب وہ عمل ہی سے دست بردار ہو گیا تو اخلاص کا وجود کہاں رہا کیونکہ اخلاص تو نیک عمل سے وابستہ ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم نخعی قدس سرہ کا واقعہ لوگ پیش کرتے ہیں کہ جب وہ تلاوت میں مصروف ہوتے اور اچانک کوئی شخص آجاتا تو وہ پہلے قرآن پاک کو بند کر دیتے تھے تب ہمکلام ہوتے تھے اور کہتے کہ یہ مناسب نہیں کہ کوئی دیکھے کہ میں ہر وقت تلاوت میں مصروف رہتا ہوں۔'' تو اس کا باعث بہت ممکن ہے یہ ہو کہ وہ یہ سمجھ کر قرآن پاک کو بند کر دیتے تھے کہ جب یہ شخص آجائے تو اس سے ہمکلام ہونا ضروری ہوگا اور تلاوت سے باز رہنا پڑے گا اس طرح انہوں نے تلاوت کو مخفی رکھنا زیادہ بہتر سمجھا ہوگا۔

خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ زمانہ سابق میں ایک شخص تھا کہ جب اس کو رونا آتا تو وہ اپنا منہ ڈھانپ لیتا تھا تاکہ لوگ اس کو نہ پہچانیں۔ یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ خلوت میں (خوفِ الٰہی سے) رونا لوگوں کے سامنے رونے سے بہتر ہے اور اس کی فضیلت ہے اور یہ کوئی عبادت نہیں تھی جس سے وہ باز رہا (یہاں بات عبادت کے سلسلہ میں ہو رہی تھی۔)

خواجہ حسن بصریؒ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ زمانہ سابق میں کوئی شخص ایسا تھا کہ وہ راستہ سے اذیت پہنچانے والی چیز کو ہٹانا چاہتا تھا لیکن مخفی بظاہر وجہ سے نہیں ہٹاتا تھا کہ لوگوں پر اس کا تقویٰ اور پارسائی ظاہر نہ ہو جائے یہ حکایت اس بیچارے کے حال سے بالکل مطابقت رکھتی ہے کہ اس بات کے خوف سے کہ مخلوق اس کی عبادت سے واقف ہو جائے گی اس کی دوسری عبادتوں میں خلل واقع ہو' اس لیے شہرت کے ڈر سے اس سے حذر کرنا درست نہیں ہے بلکہ طاعتِ کو

بجالانا اور ریا کو دفع کرنا ضروری ہے ہاں اگر کوئی شخص ضعیف و ناتواں ہے اور اس نے ترکِ عمل میں اپنی مصلحت دیکھی ہو تو اس کے حق میں روا ہے لیکن یہ بھی نقصان کے ساتھ ہے (اس کا اس ترک عمل میں نقصان ہے۔)

دوسری قسم: دوسری قسم جیسا کہ بیان ہو چکا وہ طاعت ہے جس کا تعلق مخلوق سے ہو' جیسے سرداری' قضات اور خلافت ان کاموں میں عدل و انصاف عمل میں لایا جائے تو یہ بھی ایک بڑی عبادت ہے اور اگر عذر نہیں ہے تو سر تا سر معصیت ہے اگر کسی کو ان کاموں میں اپنے عدل کا اطمینان نہ ہو تو ان عہدوں کو قبول کرنا حرام ہے کہ ان میں بڑی آفات ہیں' اگرچہ عین روزہ اور نماز میں لذت نفس نہیں ہے لیکن جب دوسرے دیکھتے ہیں تو ان سے بھی حظ نفس حاصل ہوتا ہے' اس کے برعکس حکومت اور سرداری میں تو بہت حظ موجود ہے اور ان کاموں میں نفس کی پرورش خوب ہوتی ہے۔ حکومت اور سرداری صرف ایسے شخص ہی کو زیبا ہے جس کو اپنے عدل پر اطمینان ہو اور اس نے خود کو اس باب میں آزمایا ہو اور حکومت سے پہلے بھی اس نے امانت داری کی ہو مگر اس میں اس بات کا خوف ہے کہ جب اس کو حکومت اور سرداری ملے تو بدل جائے یا منصب سے معزولی کے خوف سے بے انصافی پر آمادہ ہو جائے تو ایسی حالت میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ منصب قبول کرے کہ عدمِ عدل محض ایک گمان ہے جبکہ اس نے خود کو آزمالیا ہے تو اسی پر اعتماد رکھے (کہ عدل کرے گا) ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ منصب قبول نہ کرے کیونکہ جب نفس انصاف کرنے کا وعدہ کرتا ہے تو احتمال ہے کہ اس میں نفس کا فریب ہو اور سرداری کے منصب پر پہنچتے ہی بدل جائے اور جب اس کو منصب پر فائز ہونے سے پہلے ہی یہ تردد ہے تو غالب ہے کہ بدل جائے اس لیے اس سے بچنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ حکومت تو انہی حضرات کو زیبا ہے جو قوتِ (ارادی) کے مالک ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع[1] سے فرمایا کہ حکومت قبول نہ کرنا خواہ وہ دو شخصوں ہی پر کیوں نہ ہو۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھے تو حکومت قبول کرنے سے منع فرمایا تھا اور اب آپ نے خود قبول فرمالی۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اب بھی منع کرتا ہوں' اللہ کی لعنت ہو اس حاکم پر جو عادل نہ ہو۔

ضعیف شخص والے اعتراض کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے اپنے فرزند سے کہا کہ دریا کے کنارے نہ جانا اور وہ خود دریا میں تیرا کرتا ہے۔ اب اگر لڑکا پانی میں اترے گا تو یقیناً ڈوب جائے گا۔ پس جب سلطان ظالم ہو تو قاضی قضاء میں عدل کس طرح کر سکے گا' یقیناً وہ سلطان کا پاس خاطر کرے گا۔ لہٰذا ایسی صورت میں مصبِ قضاء قبول کرنا درست نہیں۔ اگر کسی شخص کو ناچار قبول ہی کرنا پڑا ہے تو پھر وہ اپنی معزولی کے خوف سے کسی کا پاسِ خاطر نہ کرے بلکہ عدل پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ اس کو معزول کر دیا جائے اس نے اگر یہ حکومت (منصب قضاۃ) خداوند تعالیٰ کے لیے کی تھی تو اس کو

---

[1] حضرت رافع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے جنہیں آپ نے آزاد فرمایا تھا۔

اس معزولی پر شادماں ہونا چاہیے۔

تیسری قسم: تیسری قسم وعظ کرنا، فتویٰ دینا، تعلیم و تدریس اور روایت حدیث ہے اس میں بھی بہت کچھ حظ موجود ہے اور اس میں نماز روزے سے زیادہ ریا کا دخل ہے۔ اگرچہ یہ کام بھی حکومت کرنے کے قریب ہیں (حکومت کرنے کے مثل ہیں) لیکن فرق اتنا ہے وعظ و نصیحت اور ذکر احادیث جس طرح سننے والے کے لیے نافع ہے اسی طرح کہنے والے کے لیے بھی مفید ہے کہ وہ دین کی طرف بلاتا ہے اور ریا سے آدمی کو باز رکھتا ہے، حکومت کا حال ان جیسا نہیں ہے، پس اگر ان امور میں ریا دخیل ہوتا ہو تو وعظ و تذکیر کو ترک کر دینا ضروری نہیں ہے۔

ہر چند صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) نے اس کام سے گریز فرمایا ہے، صحابہ کرام سے جب کوئی فتویٰ دریافت کرتا تو وہ ایک سے دوسرے کے حوالے کر دیتے (خود ذمہ داری قبول نہیں فرماتے تھے) حضرت بشر حافی قدس سرہ نے حدیث شریف کے کئی مجموعے زمین میں دفن کر دیئے اور فرمایا کہ میں نے اس لیے ان مجموعوں کو دفن کر دیا کہ میرے دل میں محدث بننے کا شوق پیدا ہو گیا تھا اگر یہ شوق پیدا نہ ہوتا تو میں روایت کرتا سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ دنیاداری کے ابواب میں سے حدثنا[1] بھی ایک باب ہے یعنی جو حدثنا کہتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے صدر نشین بناؤ اور مسند پر بٹھاؤ۔

وعظ کرنے کی اجازت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں دی: کسی شخص نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی کہ ہر صبح لوگوں کو وعظ سنائے آپ نے اس کو منع کر دیا اور فرمایا مجھے اس بات کا خوف ہے کہ تمہارا دماغ آسمان پر نہ پہنچ جائے (خود بینی اور خودی پیدا نہ ہو جائے۔) شیخ ابراہیم تیمی کا ارشاد ہے کہ "جب تم اپنے دل میں بات کرنے کی رغبت دیکھو تو خاموش رہو اور جب خاموشی کی رغبت پاؤ اس وقت بات کرو۔" پس ہمارا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ واعظ یا محدث اپنے دل پر نظر کرے اگر اطاعتِ الٰہی کا جذبہ موجزن ہو اور اس کے ساتھ کچھ خیال ریا کا بھی ہے (یعنی ریا سے بالکل خالی نہیں ہے) تو اس وقت کہے کہ میں اپنی اس نیت کو دل میں استقامت دیتا ہوں تاکہ وہ اور قوی ہو جائے اس کا حکم بھی سنت اور نفل نمازوں جیسا ہے کہ اگر ریا کا شائبہ ہو تو اس شائبہ کی بنیاد پر ان نمازوں کو ترک کرنا نہیں چاہیے۔ جب تک کہ اصلی نیت ہو (یہ ریا کا شائبہ اثر انداز نہیں ہو گا)۔ لیکن حکومت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جب ریا کا خیال پیدا ہو تو اس وقت اس سے گریز ہی بہتر ہے اس لیے کہ باطل کی نیت اس میں جلد غلبہ پا لیتی ہے۔ یہی وجہ تھی حضرت امام ابو حنیفہؒ نے، جب ان کو خدمت قضاء سپرد کرنا چاہتے تھے[2] تو آپ نے اس کے قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرما دیا تھا کہ "میں اس کام کی لیاقت نہیں رکھتا۔" ان سے جب پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ تو آپ

---

[1] یعنی مجھ سے حدیث بیان کی فلاں نے یا مجھ سے فلاں نے اس حدیث کی روایت کی حضرت امام غزالیؒ کے الفاظ یہ ہیں "و چنیں گفتہ اند سلف کہ "حدثنا" باب است از ابواب دنیا" (کیمیائے سعادت ص ۲۶۵)

[2] تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے! امیر المسلمین منصور عباسی آپ کو منصب قضا دینا چاہتا تھا آپ نے اس کو یہ جواب دیا تھا۔

نے فرمایا کہ اگر میں سچ کہتا ہوں (کہ میں اس خدمت کے لائق نہیں) تو مجھے اس سے معذور رکھنا چاہیے اور اگر جھوٹ کہا ہے تو جھوٹا خدمتِ قضاء کے لائق نہیں۔ لیکن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعلیم و تدریس سے دست بردار نہیں ہوئے' ہاں اگر کوئی شخص ان کاموں میں عبادت کی نیت بالکل نہ پائے اور اس کا موجب ریا اور طلب جاہ ہو تو اس کا ترک کرنا فرض ہے اگر کوئی اس پر اعتراض کرے تو ہم کہیں گے کہ اگر اس کے وعظ میں خلقِ خدا کا نفع نہ ہو' مثلاً وہ اپنے وعظ میں مسجع و مقفٰی عبارت میں تقریر کر رہا ہے یا وہ گوئی سے کام لے رہا ہے یا ایسے دقائق بیان کر رہا ہے جو عوام کے فہم سے بالاتر ہیں یا وہ رحمتِ الٰہی کا بیان کر کے لوگوں کو معصیت پر دلیر کر رہا ہے یا اس کی تقریر میں اختلاف یا مناظرہ کا رنگ ہے جس سے دلوں میں حسد اور فخر کا بیج نشوونما پائے تو ہم اس کو اس کام سے منع کریں گے' اس کو اس سے باز رکھنے ہی میں اس کی اور مخلوق کی بھلائی ہے ہاں اگر اس کا وعظ اور تقریر خلق کے لیے مفید ہے اور شرع کے موافق ہے اور لوگ اس کو مخلص سمجھتے ہیں اور اس کی تعلیم سے دینی علوم کا فائدہ پہنچتا ہے تو اس کو باز رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ اس کے باز رہنے میں لوگوں کا نقصان ہے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت گنوانے سے فقط اس ایک شخص کا نقصان ہے۔ لہٰذا سو آدمیوں کی نجات (بھلائی) ایک کی نجات کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے پس اس کو دوسروں پر فدا کیا جا سکتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ دین محمدی ﷺ کی مدد ایسے گروہ سے کرے گا جن کو دین سے زیادہ حصہ نہیں ملا ہے۔ پس یہ شخص بھی اسی گروہ میں داخل ہے۔'' پس ہم اس شخص سے یہی کہیں گے کہ تو اپنے کام سے دست بردار مت ہو اور کوشش کر کہ ریا پیدا نہ ہو اور نیت درست کر لے اور اپنے وعظ سے پہلے خود کو نصیحت کر اور خدا سے ڈر اس کے بعد دوسروں کو ڈرا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح معلوم کیا جائے کہ اس واعظ کی نیت پاک و صاف ہے اور اس کی علامت کیا ہو گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ پاکی نیت کی علامت یہ ہے کہ واعظ کا مقصد یہ ہو کہ خدا کے بندے' خدا کی طرف رجوع ہوں اور دنیا سے روگردانی اختیار کریں اور اس کی علامت اس کی وہ شفقت ہو گی جو اس کو بندگانِ خدا سے ہے اگر کوئی دوسرا واعظ ایسا وہاں موجود ہو جو اس سے زیادہ تقریر کرنے والا ہو اور لوگ بھی اس کی بات کو بہت مانتے ہوں تو چاہیے کہ اس کی بات پر خوش ہو کیونکہ اگر ایک کسی نے ایک ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کنویں میں گرا ہوا ہے اور اس کے اوپر ایک بھاری پتھر بھی پڑا ہے اور اس کے حال پر اس شخص کو شفقت پیدا ہوئی اور چاہا کہ اس کو کنویں سے نکال لے۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اور اس نے آکر پتھر ہٹا کر پہلے شخص کو زحمت سے بچا لیا تو اس کو خوش ہونا ہی چاہیے۔ اسی طرح ایک واعظ کو بھی دوسرے واعظ سے خوش ہونا چاہیے اور اگر یہ واعظ خوش نہ ہوا اور حسد کیا تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مخلوق کو اپنا مطیع اور گرویدہ بنائے' خدا کی اطاعت اور

محبت کا لوگوں میں پیدا کرنا اس کا مقصد نہیں ہے۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب کوئی حاکم یا امیر اس کے وعظ کے وقت مسجد میں آئے تو اپنی بات قطع نہیں کرنی چاہیے' نہ اپنے سخن کو بدلے اور اپنی روشِ تقریر پر قائم رہے۔ واعظ کو یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ اس کو ایک ایسی بات یاد ہے جسے سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر روئیں گے لیکن وہ بات بہت کام کی نہیں ہے۔ تو اس کو ترک کر دے بیان نہ کرے۔ پس چاہیے کہ ایسی باتوں کو دل میں ٹٹولے اور دیکھے کہ ان باتوں سے اسے کراہت نظر آتی ہے یا نہیں اگر کراہت نظر نہیں آتی تو وہ خود بڑا ریاکار ہے اور اگر کراہت پیدا ہوتی ہے تو سمجھ لے کہ دوسری نیت میں صدق و خلوص بھی موجود ہے تو اس صورت میں کوشش کرے کہ اخلاص کی نیت غالب آجائے۔

فصل : کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ لوگ اس کو مصروف عبادت دیکھ رہے ہیں۔ یہ خوشی درست ہے ریا نہیں ہے' کیونکہ اس طرح بندۂ مومن ہمیشہ عبادت کا شائق رہتا ہے اور کبھی اگر کوئی ایسا مانع پیدا ہو گیا جو اس شخص کو عبادت سے باز رکھے تو بہت ممکن ہے کہ اپنی عبادت دیکھنے والوں کے سبب سے یہ مانع دور ہو جائے اور وہ بخوشی خاطر عبادت کی طرف متوجہ ہو جائے اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں ہوتا ہے تو تہجد کی نماز اکثر اس پر دشوار ہو جاتی ہے کیونکہ عورتوں سے اختلاط یا نیند کا غلبہ یا دوسری باتوں میں مشغولیت سے یا بستر بچھا ہونے کے باعث نماز میں مشغول نہیں ہوتا لیکن اگر دوسروں کے گھر پر ہے تو وہاں یہ اسباب موجود نہیں ہوتے اس وقت عبادت کی خوشی ظاہر ہوتی ہے یا اجنبی مکان میں نیند نہیں آتی تو نماز میں مشغول ہو جاتا ہے یا کچھ لوگوں کو وہاں دیکھا کہ نماز میں مصروف ہیں تو اس کا شوق بھی بڑھا اور خیال کیا کہ میں بھی ان لوگوں میں شریک ہو جاؤں کہ میں بھی ان کی طرح ثواب کا محتاج ہوں' یا ایسی جگہ گیا ہوا ہے جہاں روزہ دار موجود ہیں یا کھانا تیار نہیں ہے تو خود بخود روزے کا شوق پیدا ہوتا ہے' یا ایک جماعت کو دیکھتا ہے کہ وہ تراویح کی نماز میں مصروف ہیں اور خود گھر میں کاہلی میں مبتلا پڑا ہوا ہے اور ان لوگوں کی وجہ سے خود بھی شرکت کا شوق پیدا ہوتا ہے یا جمعہ کے دن کثرت سے لوگوں کو خدا کی عبادت میں مشغول دیکھتا ہے تو آپ بھی نماز اور تسبیح و تہلیل معمول سے زیادہ کرتا ہے اور ان تمام باتوں کا وقوع میں آنا بغیر ریا کے ممکن ہے لیکن شیطان اس کو ورغلاتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرے اندر یہ شوق لوگوں کی دیکھا دیکھی پیدا ہوا ہے لہٰذا یہ ریا ہے بہت ممکن ہے کہ یہ شوق لوگوں کے سبب سے پیدا ہوا ہو یا دوسروں کی رغبت سے اور زوال کے موانع موجود نہ ہوں اور شیطان کہتا ہے کہ یہ کام کر کیونکہ اس کی رغبت تیرے دل میں موجود تھی صرف ایک مانع موجود تھا اور اب وہ مانع دور ہو گیا۔ پس ایسے شخص کو چاہیے کہ ان دونوں امور میں فرق کرے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بالفرض دوسرے لوگ اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں اور وہ ان کو دیکھ رہا ہے پس اگر یہ شوق عبادت اسی طرح قائم ہے تو خیر کی رغبت کا سبب بن گیا ہے اور اگر اس کے بعد یہ شوق ختم ہو گیا

ہے تو سمجھ لے کہ یہ ریا ہے اس وقت چاہیے کہ اس سے دست بردار ہو جائے اور اگر طبیعت میں خیر کی رغبت اور اپنی ثنا کی محبت دونوں موجود ہیں تب بھی غور کرے اور دونوں میں سے جو غالب ہو اس پر اعتماد کرے۔

ایک اور مثال : اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھ رہا ہے اور لوگ کسی آیت کو سن کر رونے لگے تو مخلوق کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگا۔ اگر تنہا ہوتا تو اس آیت کو سن کر نہ روتا تو یہ بھی ریا نہیں ہے کہ دوسرے لوگوں کا رونا قلب کی رقت کا باعث ہوتا ہے اور جب اس نے مخلوق کو روتے دیکھا تو یہ بھی اپنی حالت یاد کر کے رونے لگا تو بہت ممکن ہے کہ رونے کا سبب دل کی نرمی (رقت قلب) ہو اور نعرہ آواز نکالنے میں ریا ہو تاکہ دوسرے لوگ اس کی آواز سنیں یا کبھی ایسی صورت ہو کہ وجد میں آکر گر پڑے اور اٹھ کھڑے ہونے کی قدرت کے باوجود نہ اٹھے تاکہ لوگ کہیں یہ نہ کہیں کہ اس کا وجد بناوٹی تھا' اس صورت میں اس کو ریاکار کہا جائے گا۔ حالانکہ وجد کے وقت (گرتے وقت ریاکار) نہ تھا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رقص کی حالت میں ہوتا ہے اور باوجود طاقت ہونے کے کسی کا سہارا لیتا ہے اور آہستہ آہستہ چلتا ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ وجد کی کیفیت بڑی جلد ختم ہو گئی۔ اسی طرح کبھی استغفار پڑھتا ہے اور کبھی تعوذ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) تو اس کا سبب یا تو وہ گناہ ہوتا ہے جو اس سے سرزد ہو چکا ہے اور اب اسے یاد آ گیا ہے یا دوسرے لوگوں کو عبادت میں مصروف دیکھ کر اپنے گناہوں کے باعث پڑھتا ہے اس میں ریا نہیں ہے' ہاں کبھی یہ بھی ریا ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ چاہیے کہ ان تمام باتوں پر نظر رکھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ریا کے ستر دروازے ہیں پس چاہیے کہ جب ریا کا خیال دل میں پیدا ہو تو اس دم یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے باطن کی ناپاکی پر واقف ہے اور آخرت میں عذاب دے گا' اس سوچ اور خیال کے ذریعہ اس ریا کو دل سے دور کر دے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی : اور حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے نعوذ باللہ من خشوع النفاق یہاں خشوع نفاق کے یہ معنی ہیں کہ جسم خشوع و خضوع میں محو ہو اور دل نہ ہو۔

فصل : معلوم ہونا چاہیے کہ جو کام اطاعتِ الٰہی سے متعلق ہے جیسے نماز و روزہ' ان کاموں میں اخلاص واجب ہے اور ان میں ریا حرام ہے اور جو کام مباح ہیں تو اگر ان میں ثواب کا آرزومند ہے تب بھی اخلاص واجب ہے مثلاً جب کوئی شخص کسی مسلمان کی حاجت روائی کے واسطے محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے کوشش کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس میں اپنی نیت کو درست رکھے اور اس حاجت روائی پر اس سے شکر اور عوض کی امید نہ رکھے اسی طرح اگر کوئی استاد اور معلم ہو وہ اگر شاگرد سے یہ توقع رکھے کہ وہ اس کے پیچھے چلے یا خدمت کرے تو اس طرح گویا وہ ثواب کا طالب ہو گیا اور اس کو ثواب نہیں ملے گا۔ ہاں اگر استاد کی خواہش کے بغیر شاگرد اس کی خدمت کرے تو یہ دوسری بات ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ استاد اس کو قبول نہ کرے اور اگر قبول کرے (اور جبکہ اس کا یہ مقصد نہیں تھا) تو

ظاہر ہے کہ تعلیم کا ثواب ضائع نہیں ہو گا بشرطیکہ اگر شاگرد کسی موقع پر اس خدمت سے باز رہے تو استاد متعجب نہ ہو' جو علماء احتیاط بجالاتے ہیں وہ اس صورتِ حال سے بھی گریز کرتے ہیں۔ چنانچہ نقل ہے کہ ایک استاد کنوئیں میں گر گیا' لوگ اس کے نکالنے کے لیے رسی لے کر آگئے تو استاد نے ان لوگوں کو قسم دی کہ جس کسی نے مجھ سے قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کی ہے خبردار وہ اس رسی کو ہاتھ نہ لگائے' استاد نے اس خوف سے منع کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خدمت تعلیم کے ثواب کو باطل کر دے۔

حضرت سفیانؒ ثوری کی احتیاط : کوئی شخص حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس ہدیہ لے کر گیا' آپ نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ ممکن ہے تم نے مجھ سے کبھی درسِ حدیث لیا ہو' اس شخص نے کہا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے آپ سے کبھی درس حدیث نہیں لیا ہے' آپ نے فرمایا تم تو سچ کہتے ہو لیکن تمہارا بھائی مجھ سے پڑھتا ہے تو مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اس ہدیہ کی وجہ سے تمہارے بھائی پر زیادہ شفقت نہ کرنے لگوں۔

اسی طرح ایک شخص اشرفیوں کے دو توڑے حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس لے کر گیا اور ان سے کہا کہ آپ کو یاد ہو گا کہ میرے والد آپ کے دوست تھے' ان کی کمائی حلال کی کمائی تھی' مجھے اس مال میں سے یہ مال میراث میں ملا ہے آپ اس کو قبول کر لیجئے۔ حضرت سفیانؒ نے وہ مال لے لیا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنے بیٹے کو اس شخص کے پیچھے وہ توڑے دے کر روانہ کیا اور وہ اشرفیاں پھیر دیں۔ اس لیے کہ حضرت سفیانؒ کو یاد آ گیا تھا کہ اشرفیاں دینے والے شخص کے باپ سے ان کی دوستی محض اللہ کے لیے تھی۔ (کسی دنیاوی غرض سے نہیں تھی) اشرفیاں واپس کر کے جب حضرت سفیان کے بیٹے گھر واپس آئے تو بڑی بے صبری کے ساتھ باپ سے کہا کہ بابا آپ کا دل بہت ہی سخت ہے' آپ کو معلوم ہے کہ میں بال بچوں والا شخص ہوں اور افلاس اور غربت میں گرفتار ہوں' آپ نے مجھ پر رحم نہیں کیا (وہ اشرفیاں آپ اگر مجھے دے دیتے تو میرے بہت سے کام نکلتے) حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ اے فرزند! تم خود تو فراغت سے گذر بسر کرنا چاہتے ہو لیکن قیامت کے دن مواخذہ مجھ سے ہو گا اور مجھ میں اس مواخذہ کی طاقت نہیں ہے۔

استاد کی طرح شاگرد کو بھی چاہیے کہ علم حاصل کرنے سے اس کا مقصد رضائے الٰہی ہو اور استاد سے (سوائے علم کے) کسی بات کی امید نہ رکھے ممکن ہے کہ کبھی اپنے دل میں وہ اس طرح خیال کرے کہ اگر میں استاد کا مطیع اور فرمانبردار رہوں گا تو استاد میری تعلیم میں زیادہ دلچسپی لے گا اور دل سے توجہ کرے گا یہ بات غلط اور قطعی طور پر ریا ہے۔ شاگرد کو چاہیے کہ استاد کی خدمت کر کے اپنا درجہ خداوند تعالیٰ کے حضور سے طلب کرے نہ کہ استاد سے اس کا خواہاں ہو۔ اسی طرح ماں باپ کی رضامندی محض خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے چاہے اور ان کو خوش کرنے کے لیے اپنے آپ کو ان کے سامنے پارسا ثابت کرنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ اس میں فوری معصیت ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جس کام میں ثواب کی امید رکھتا ہو اس کو خالصاً للہ بجالائے۔ (واللہ اعلم)

☆.............☆.............☆
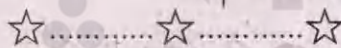
اصل نہم

تکبر اور غرور کا علاج

معلوم ہونا چاہیے کہ تکبر اور خود بینی ایک غلط روش اور بری رفتار ہے اور حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کا مقابلہ ہے کہ بزرگی اور عظمت تو صرف اسی کی ذات کو سزاوار ہے- یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں جبار اور متکبر کی بہت مذمت آئی ہے- چنانچہ ارشاد ربانی ہے-

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ

اللہ تعالیٰ ہر غرور اور جابر کے تمام دل پر مہر لگا دیتا ہے-(قرآن حکیم)

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ٥

جتنے سرکش اور ضدی لوگ ہیں وہ سب کے سب بے مراد ہوئے-

اور فرمایا گیا:

اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ٥

میں اس سے جو میرا اور تم سب کا رب ہے ہر مغرور و متکبر کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا-

ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے- "جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو گا وہ بہشت میں نہیں جائے گا-" یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تکبر اختیار کرے گا اس کا نام متکبرین میں لکھا جائے گا اور وہی عذاب اس کو دیا جائے گا جو ان (متکبرین) کو پہنچتا ہے- ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیو پری اور جن و انس کو حکم دیا کہ سب باہر نکلیں دو لاکھ انسان اور دو لاکھ جنات جمع ہوئے اور ان کے تخت کو آسمان کے پاس اڑا کر لے گئے، آپ نے ملائکہ کی تسبیح کی آواز سنی، وہاں سے زمین پر اترے اور اتنے نشیب میں پہنچے کہ قعر دریا تک پہنچ گئے اس وقت ندا آئی کہ اگر ایک ذرۂ تکبر سلیمان (علیہ السلام) کے دل میں ہوتا تو ان کو ہوا میں لے جانے سے پہلے میں زمین میں غرق کر دیتا- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ تکبر کرنے والوں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا لوگ ان کو اپنے پاؤں کے نیچے روندیں گے- کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ذلیل و خوار ہوں گے-"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "دوزخ میں ایک غار ہے اس غار کو ہب ہب کہتے ہیں حق تعالیٰ

مغروروں اور متکبروں کو اس میں ڈالے گا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "تکبر ایسا گناہ ہے کہ کوئی عبادت اس متکبر کو نفع نہیں دے گی۔"

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ ایسے شخص پر جو تکبر سے اپنے لباس کو زمین پر کھینچتا چلے، نظر نہیں فرماتا۔" حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ ایک شخص فاخرہ لباس پہن کر تکبر سے چلتا اور اپنے آپ کو دیکھتا تھا (خود بین تھا) حق تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک اسی طرح دھنستا رہے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص تکبر کرتا ہے اور ناز سے چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہوگا۔"

جناب محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار اپنے لڑکے کو دیکھا کہ تکبر سے چل رہا ہے آپ نے پکار کر اس سے کہا کہ اے لڑکے کیا تو اپنی حقیقت نہیں جانتا، سن تیری ماں کو میں نے دو سو درہم میں خریدا تھا، اور مسلمانوں میں تیرے باپ جیسے بہت سے لوگ ہیں۔" شیخ مطرف ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے مہلب کو دیکھا کہ تکبر سے چل رہا تھا، میں نے اس سے کہا کہ اے خدا کے بندے! ایسی چال سے حق تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے۔ مہلب[1] نے مجھ سے کہا کہ کیا تم مجھ کو نہیں جانتے؟ میں نے کہا جانتا ہوں، پہلے تو ایک ناپاک نطفہ تھا اور آخر میں ایک مردار ہوگا، اور دو حالتوں کے بین بین تو نجاستوں کو اٹھائے لیے پھرنے والا ہے۔

تواضع کی فضیلت

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو کوئی تواضع کرتا ہے حق تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور فرمایا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سر کی لگام دو فرشتوں کے ہاتھوں میں نہ ہو۔ جب وہ شخص تواضع کرتا ہے تو ملائکہ اس لگام کو اوپر چڑھاتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں الٰہی اس کو سربلند رکھ" اور اگر وہ تکبر کرتا ہے تو لگام کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں الٰہی اس کو سرنگوں رکھ۔" حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص جو بغیر لاچار ہونے کے تواضع کرے اور ایسا مال جو اس نے بغیر کسی معصیت کے جمع کیا ہے دوسروں پر خرچ کرے۔ غریبوں پر رحم کرے اور ان کے پاس اٹھے بیٹھے اور عالموں کی ہم نشینی اختیار کرے وہ نیک بخت ہے۔

ابو سلمہ مدینی رضی اللہ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک دن ہمارے یہاں مہمان بنے آپ اس دن روزے سے تھے آپ کے افطار کے لیے میں نے ایک پیالہ دودھ جس میں شہد ملا ہوا تھا پیش کیا آپ نے اس کو چکھا اس میں مٹھاس محسوس فرمائی آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس میں شہد ملا ہوا ہے آپ نے وہ پیالہ یونہی رکھ دیا اور نوش نہیں فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے لیکن جو شخص خدا کے لیے تواضع کرے گا حق تعالیٰ اس کو سربلند فرمائے گا اور اگر تکبر کرے گا تو اس کو حقیر کر دے گا اور جو شخص اسراف

[1] مہلب ابن ابی داؤد غالی معتزلی تھا۔ امیر المسلمین معتصم باللہ کے دور میں اس کا انتقال ہوا۔

کے بغیر خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو تونگری عطا فرمائے گا اور جو کوئی اسراف کرے گا حق تعالیٰ اس کو محتاج کر دے گا اور جو کوئی حق تعالیٰ کو زیادہ یاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھے گا۔

نقل ہے کہ ایک بار ایک عاجز و درماندہ درویش نے حضور اکرم ﷺ کے کاشانہ نبوت پر سوال کیا۔ اس وقت آپ کھانا تناول فرما رہے تھے آپ نے اس کو بلایا اور اس کو زانوئے اطہر پر بٹھا کر فرمایا کھانا کھاؤ۔ سب لوگوں نے جو شریک طعام تھے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا' قریشیوں میں سے ایک نے اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور کراہت کا اظہار کیا' آخر کار (اس تکبر کو سزا میں) وہ بھی اس فقر و فاقہ کی مصیبت میں گرفتار ہو کر مرا۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے مجھے دو چیزوں کا اختیار دیا گیا چاہوں تو رسول اور بندہ رہوں اور چاہوں تو صاحبِ نبوت بادشاہ بنوں۔ میں نے توقف اختیار کیا اور اپنے دوست جبریل (علیہ السلام) کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کیجئے۔ چنانچہ میں نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ رسول اور بندہ رہوں۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ میں ایسے شخص کی نماز قبول کروں گا جو میری عظمت کے لیے تواضع اختیار کرے گا اور میرے بندوں کے ساتھ تکبر نہ کرے اور اپنے دل میں خوف کو جگہ دے اور تمام دن میری یاد میں بسر کرے اور خود کو میرے لیے گناہوں سے محفوظ رکھے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کرم تقویٰ میں' بزرگی تواضع میں اور تونگری یقین میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ تواضع کرنے والے دنیا میں منبر نشین رہیں گے اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو دنیا میں لوگوں کے درمیان صلح کرا دیں اور ان کا مقام فردوس ہو گا اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جن کے دل دنیا سے پاک ہوں ان کو خدا کا دیدار میسر ہو گا۔

خدا کا مقبول بندہ : حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کو خداوند تعالیٰ نے اسلام کا راستہ دکھایا' اس کی اچھی صورت بنائی اور اس کی حالت باعث ننگ نہیں بنائی اور اس کو تواضع کی توفیق بھی دی گئی وہ خدا کے مقبول بندوں میں سے ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص چیچک کے مرض میں مبتلا تھا وہ جب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں پہنچا تو وہ جس شخص کے پاس بیٹھتا وہی شخص اس کے پاس سے (کراہت کی وجہ سے) اٹھ جاتا تھا لیکن حضور ﷺ نے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا وہ شخص مجھے سب سے زیادہ دوست اور محبوب ہو گا جو شخص اس کے گھر اپنا کھانا لے جائے تاکہ اس کے گھر والوں کو روزی نصیب ہو سکے تاکہ اس طرح تکبر جاتا ہے۔ اسی طرح مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے اندر عبادت کی حلاوت نہیں پاتا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول ﷺ عبادت کی حلاوت کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تواضع!

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم کسی صاحب تواضع کو دیکھو تو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور اگر متکبر کو دیکھو تو اس سے تم بھی تکبر کرو تاکہ وہ ذلیل و خوار ہو۔

اس سلسلہ میں صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کے ارشادات: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تم اس عبادت سے جو سب سے بہتر ہے غافل ہو' وہ عبادت تواضع ہے۔ شیخ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ تواضع کے معنی یہ ہیں کہ تم حق بات کو قبول کرو خواہ اس کا کہنے والا کوئی ہو لڑکا ہو یا کوئی بہت ہی ناوان شخص ہو۔

ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ تواضع کے معنی یہ ہیں کہ دنیاوی حیثیت میں تم سے کم ہو اس سے تم تواضع سے پیش آؤ تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ دنیاوی حیثیت کی برتری کی وجہ سے وہ خود کو برتر و بزرگ نہیں سمجھتا اور اگر کوئی شخص دنیاوی حیثیت میں تم سے بڑھ کر ہے اس کے مقابل میں خود کو برتر ثابت کرے (تواضع اختیار نہ کرے) تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ تم اس کی دولت سے مرعوب نہیں ہو (تمہاری نظر میں اس کی دولت کی کچھ قدر و منزلت نہیں ہے)۔

اللہ جل شانہ' نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام) جب میں تم کو ایک نعمت دوں تو اگر تم تواضع کے ساتھ اس کا استقبال کرو گے تو میں مزید نعمت سے تم کو سرفراز کروں گا۔

شیخ ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ نے ہارون الرشید سے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کا حالتِ بزرگی میں تواضع کرنا آپ کی اس بزرگی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں' انہوں نے پھر کہا اے امیر المومنین! خداوند تعالیٰ نے جس کو جاہ جمال و مال عطا فرمایا اور اس نے اس مال سے دوسروں کی غم خواری کی اور جاہ و حشمت کی حالت میں تواضع اختیار کی اور اپنے جمال میں پارسائی اور عفت کو برقرار رکھا اس کا نام اللہ تعالیٰ کے دفتر میں مخلص بندوں میں لکھا جائے گا یہ سن کر ہارون الرشید نے دوات اور قلم طلب کیا اور اس نصیحت کو لکھ لیا۔

نقل ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی بادشاہت کے ایام میں صبح کے وقت توانگروں کی احوال پرسی فرماتے اس کے بعد فقیروں اور بے نواؤں کے ساتھ بیٹھتے اور فرماتے کہ ایک مسکین دوسرے مسکینوں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔

بہت سے بزرگانِ دین اور علماء ملت نے تواضع کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ جب تم باہر جاؤ تو جس کسی کو دیکھو اس کو اپنے سے بہتر سمجھو۔ شیخ مالک دینارؒ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی میرے دروازے پر آواز دے اور کہے کہ اے گھر والو! تم میں جو سب سے بد ہو وہ باہر نکل کر آئے تو کوئی شخص اس بات میں مجھ سے آگے نہیں بڑھے گا (میں سب سے پہلے نکل جاؤں گا) البتہ جبر سے دوسری بات ہے (کہ کوئی مجھ پر جبر کرے اور خود پہلے باہر نکل جائے) شیخ ابن المبارک نے جب یہ بات سنی تو کہا کہ مالک دینار کی بزرگی کا یہی راز تھا (کہ وہ حد درجہ متواضع تھے)۔

کسی شخص نے شیخ شبلی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری دی تو شبلی رحمتہ اللہ نے اس سے کہا ما اَنتَ تو کیا چیز ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہ نقطہ ہوں جو حرفِ یا کے نیچے لگا ہو (یعنی مجھ سے کمتر اور نیچے کوئی چیز نہیں ہے) حضرت شبلیؒ نے فرمایا ابا واللہ شاھدک حق تعالیٰ تجھے تیرے آگے سے اٹھائے (بلند مرتبہ دے) کہ تو نے خود کو نیچے اور اخیر میں رکھا ہے۔

نقل ہے کہ کسی بزرگ نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تو فرمایا کہ توانگروں کا ثواب آخرت کے لیے درویشوں کے سامنے تواضع سے پیش آنا پسندیدہ ہے اور درویشوں کا توانگروں کے سامنے تکبر کرنا فضلِ الٰہی پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

یحییٰ بن خالد کا قول ہے کہ کریم جب پارسا ہوتا ہے تو تواضع اختیار کرتا ہے اور کمینہ نادان جب پارسائی اختیار کرتا ہے تو اس میں تکبر پیدا ہوتا ہے۔ شیخ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں "جب تک ایک آدمی کسی شخص کو بھی خود سے بدتر سمجھتا ہے وہ متکبر ہے۔" سید الطائفہ جنید بغدادیؒ ایک بار جمعہ کو مجلس میں فرمانے لگے کہ اگر حدیث شریف میں یہ وارد نہ ہوا ہوتا کہ "قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔" تو میں کبھی تم کو وعظ سنانا روانہ رکھتا' آپ نے یہ بھی فرمایا۔ اہل توحید کے نزدیک تواضع تکبر ہے۔ تواضع یہ ہے کہ انسان خود کو اتنا نیچا کر دے کہ اس سے آگے گنجائش نہ ہو اور جب اس کو مزید نیچا کرنے کی حاجت پیش آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے خود کو پہلے اونچے درجہ میں رکھا تھا شیخ عطای سلمیؒ کی یہ عادت تھی کہ جب آندھی آتی تھی یا رعد کی آواز آتی تھی تو اٹھ کر حاملہ عورتوں کی طرح اپنا ہاتھ پیٹ پر مارتے اور فرماتے کہ سب میری نحوست ہے جو مخلوق کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔

لوگ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے تو انہوں نے فرمایا کہ لوگو! میری ابتدا اور آغاز ایک نطفہ ہے اور میرا انجام ایک مردار ہے۔ جب قیامت میں اعمال کو تولیں گے تو اس دن اگر میری نیکی کا پلہ بھاری ہے تو میں بزرگی والا ہوں نہیں تو ذلیل و خوار ہوں۔

تکبر کی حقیقت اور اس کی آفت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ تکبر ایک بہت بری روش ہے۔ اگرچہ اخلاق دل کی صفات ہیں لیکن ان کا اثر ظہور میں آتا ہے۔ تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان خود کو دوسروں سے بہتر اور فائق سمجھے اور اس خیال سے اس کے دل میں غرور پیدا ہو۔ اسی غرور کا نام تکبر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے تھے اعوذبک من نفخة الکبر الٰہی میں تکبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ جب یہ غرور آدمی میں پیدا ہوتا ہے تو دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے اور ان کو چشم حقارت سے دیکھتا ہے بلکہ ان کو اپنی خدمت کے لائق بھی نہیں سمجھتا اور کہتا ہے کہ تو کیا چیز ہے جو میری خدمت کے لائق ہو سکے۔ جس طرح کہ

خلفاء (امراء المسلمین) اور سلاطین ہر ایک شخص کو اجازت نہیں دیتے کہ ان کی آستاں بوسی کرے اور نہ ان کو اس کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ خود کو بندہ سلطان یا بندہ امیر لکھیں' ہاں یہ بادشاہوں کو اجازت دیتے ہیں (کہ وہ آستاں بوسی کریں) ان کا یہ تکبر تو حق تعالیٰ کی بزرگی اور شان سے بھی بڑھ گیا کیونکہ حق تعالیٰ باایں ہمہ شان و عظمت ہر ایک کی بندگی اور ہر ایک کا سجدہ قبول فرماتے ہیں (اجازت ہے کہ اس کی بندگی کرے اور سجدہ ریز ہو) اور اگر بالفرض متکبر کو یہ درجہ اور یہ منزلت حاصل نہیں ہے تو اور کچھ نہیں تو اٹھنے بیٹھنے' چلنے پھرنے ہی میں اپنی برتری کا پہلو نکال لے اور دوسروں سے تعظیم کی امید رکھے اور کسی کی نصیحت کو قبول نہ کرے اور اگر خود دوسروں کو نصیحت کرے تو سختی سے کہے اور اگر اس کو کچھ بتائیں تو غضب ناک ہو اور لوگوں کو اس طرح دیکھے جس طرح جانوروں کو دیکھتے ہیں۔

سرور کونین علیہ وسلم صلی اللہ کا ارشاد گرامی : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ متکبر کس کو کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متکبر وہ ہے جو خدا کے واسطے گردن نہ جھکائے۔ اور دوسرے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ یہ دونوں خصلتیں انسان کی' بندے میں اور حق تعالیٰ میں بڑے حجاب کا سبب ہوتی ہیں اور اس سے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور انسان نیک اخلاق سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ جس آدمی پر خود پسندی اور نخوت غالب ہو اور وہ مسلمانوں کو اپنے برابر اور اپنے لائق نہ سمجھے تو یہ کام مومنوں کو سزاوار نہیں' اور کسی کے ساتھ تواضع سے پیش نہ آئے یہ بھی متقیوں کا شیوہ نہیں ہے' بغض اور عداوت' حسد سے دستبردار نہ ہو غصے کو نہ روک سکے' زبان کو غیبت سے محفوظ نہ رکھے' دل کو رنج و ملال سے پاک نہ کرے۔ جب کوئی شخص اس کی تعظیم و تکریم نہ کرے تو اس سے رنجیدہ اور ملول ہو' ایسے شخص کا ادنیٰ ہنر یہ ہے کہ وہ تمام دن اپنی بڑائی' خود پسندی اور اپنے کام کو بلندی دینے میں مصروف رہے۔ فریب' دروغ اور نفاق کو اختیار کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان خود کو فراموش نہ کرے اور دنیاوی آرام سے بے تعلق نہ ہو وہ مسلمانی سے بے خبر ہے۔ کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی بہشت کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ہر ایک انسان سے کمتر سمجھے' اگر آدمی کو یہ قدرت ہو کہ وہ دو تکبر کرنے والوں کے' جو ایک دوسرے سے (تکبر کے ساتھ) ملتے ہیں دیکھ سکے' تو وہ دیکھے کہ کسی فضلہ اور براز میں بھی وہ عفونت' بدبو اور گندا پن نہیں ہو گا کیونکہ ان دونوں کا باطن کتوں جیسا ہے اگرچہ یہ اپنے ظاہر کو اس طرح سنوارتے ہیں جیسے عورتیں سنوارتی ہیں۔

وہ الفت و محبت جو مسلمان بھائیوں کو ایک دوسرے کی ملاقات سے ہوا کرتی ہے' ان تکبر کرنے والوں میں کبھی نہیں پائی جائے گی۔ کسی کو دیکھ کر راحت تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب تم خود کو اس پر نثار کر دو اور اس کی عزت و تکریم میں محو ہو جائے یا اس کے برعکس ہو یعنی دوسرا تم پر خود کو فدا کر دے اور تو باقی رہے یا دونوں ہی فنا فی اللہ ہوں اور اپنے وجود کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہوں' کمال حقیقت اسی میں ہے اور ایسے اتحاد میں کمال راحت ہے۔ الغرض جب تک دوئی موجود ہے راحت حاصل نہیں ہو گی کیونکہ راحت یگانگی میں پنہاں ہے۔

تکبر کے مختلف درجے

خدااور رسول علیہ وسلم کے ساتھ تکبر : اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ بعض تکبر بہت ہی قبیح اوز برے ہیں یہ فرق اس کے لحاظ سے ہے جس سے تکبر کیا جاتا ہے۔ تکبر یا تو خدا کی جناب میں ہو گا یا رسول اکرم علیہ وسلم کے ساتھ یا خدا کے بندوں کے ساتھ' اس اعتبار سے اس کے تین درجے ہیں۔ اول درجہ میں وہ تکبر ہے جو حق تعالیٰ کی جناب میں ہو' جیسے نمرود' فرعون اور ابلیس کا تکبر یا ایسے لوگوں کا تکبر جو دعویٰ خدائی کرتے ہیں اور اس کی بندگی بجالانے سے عار کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًالِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ٥

مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب فرشتے۔

دوسرے درجہ میں وہ تکبر ہے جو رسول اکرم علیہ وسلم سے کریں جس طرح کفار قریش نے کیا اور کہا کہ ہم اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت نہیں کریں گے۔ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا یا کسی مغرور سردار کو کیوں نہیں بھیجا' بھیجا تو ایک نادار یتیم کو بھیجا۔

وَقَالُوْ لَوْلَانُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ٥

اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

اور ان سے دو گروہ تھے' ان میں سے ایک جماعت کے لیے یہ تکبر سد راہ بن گیا اور انہوں نے کچھ فکر نہیں کی اور نبوت کو نہیں پہچانا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیَاتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ

میں تکبر کرنے والوں کو حق کی نشانیوں کے دیکھنے سے باز رکھوں گا۔

اور دوسری جماعت کے لوگ حضور اکرم علیہ وسلم کو جانتے تھے پر انکار کرتے تھے اور تکبر کے باعث ان کا دل قبول نبوت پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا

اور ان کے دلوں میں تو یقین تھا مگر ظلم اور تکبر سے ان کا انکار کیا۔

تیسرا درجہ وہ تکبر ہے جو آدمی خدا کے عام بندوں کے ساتھ کرے اور ان کو چشم حقارت سے دیکھے' حق بات کو نہ مانے اور خود کو ان سے بہتر اور بزرگ سمجھے یہ درجہ اگرچہ پہلے دو درجوں سے کم تر ہے لیکن دو سبب سے یہی سب سے برا درجہ ہے۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بزرگی حق تعالیٰ کی صفت ہے پس ضعیف اور عاجز بندے کو جس کا کوئی کام بھی اس کے

اختیار میں نہیں خود کو بزرگ خیال کرنا اور اپنے آپ کو کچھ سمجھنا کب مناسب اور روا ہے اور جب ایک شخص خود کو بزرگ سمجھ رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی خاص صفت کا اپنے اندر ہونے کا مدعی ہے۔ایسے شخص کی مثال تو اس غلام کی ہے جو شاہی تاج اپنے سر پر رکھ کر تخت پر بیٹھ جائے' غور کا مقام ہے کہ ایسا شخص بارگاہِ الٰہی میں کس قدر معتوب ہوگا' یہی سبب ہے کہ حدیث قدسی میں فرمایا ہے :

اَلْعَظْمَۃُ اَزَارِیْ وَالْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْھَا قَصَمْتُہٗ

یعنی شان اور بزرگی میرا ملبوس (روا اور ازار) ہے جو ان دونوں صفتوں میں مجھ سے جھگڑے گا اس کو میں ہلاک کردوں گا۔

پس بندوں سے تکبر کرنا سوائے خداوند بزرگ و برتر کے کسی اور کو شایان نہیں لہٰذا جس نے خدا کے بندوں سے تکبر کیا گویا اس نے خدا سے مقابلہ کیا' بالکل اسی طرح جیسے ایک شخص کوئی بات کہتا ہے تو دوسرا تکبر کے باعث اس سے انکار کرتا ہے۔یہ روش تو منافقوں اور کافروں کی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ○

اور کافر بولے یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بے ہودہ غل کرو شاید (اس طرح) تم ہی غالب رہو۔

اور فرمایا :

وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ

جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈر تو تکبر اور شیخی اس کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ معصیت پر اصرار کرے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کا یہ بڑا گناہ ہے کہ جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو وہ جواب میں کہے عَلَیْکَ بِنَفْسِکَ تم اپنی خبر لو۔

ایک دن سرورِ کائنات ﷺ نے ایک شخص سے جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھانا کھا۔ اس نے کہا میں نہیں کھا سکتا' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں تو نہیں کھا سکتا' تب اس کا دایاں ہاتھ ایسا ہو گیا کہ پھر جنبش نہ کر سکا۔ حضور ﷺ نے یہ کلمہ اس لیے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے یہ بات ازراہِ تکبر کہی ہے۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ ابلیس کے تکبر کا جو قصہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اس سے کوئی افسانہ یا حکایت سنانا مقصود نہیں ہے بلکہ اس لیے بیان کیا گیا کہ معلوم ہو کہ تکبر نے کیا آفت ڈھائی جو شیطان نے کہا :
اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ[1] اس تکبر نے ابلیس کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ اس نے خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے ہمیشہ کے لیے ملعون ہو گیا۔

---

[1] میں آدم علیہ السلام سے بہتر و برتر ہوں کہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے۔

تکبر کے اسباب اور اس کا علاج

پہلا سبب: اے عزیز معلوم کر کہ جو کوئی کسی سے تکبر کرتا ہے تو اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ خود کو دوسرے سے بہتر اور کمال کی صفت سے موصوف سمجھتا ہے اور اس کے سات اسباب ہیں۔ تکبر کا پہلا سبب علم ہے کہ جب کوئی عالم خود کو زیورِ علم سے آراستہ پاتا ہے تو دوسروں کو اپنے سامنے جانوروں کی طرح خیال کرتا ہے' پس تکبر اس پر غالب ہو جاتا ہے اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے خدمت' تعظیم اور مروت کا امیدوار بن جاتا ہے۔ اگر کوئی ذی فہم اس کی عزت و تکریم بجا نہ لائے تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ کسی سے ملاقات کر لے یا کسی کی دعوت قبول کر لے تو اس پر احسان کرتا ہے (اپنا احسان سمجھتا ہے) صرف یہی نہیں بلکہ اپنے علم کے سبب سے ساری مخلوق پر احسان رکھتا ہے اور آخرت کے معاملہ میں بھی خود کو حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بس میری تو نجات ہو گئی' خدا کے دوسرے بندے خطرے میں ہیں اور یہ سب میری دعا اور نصیحت کے محتاج ہیں' یہ میرے ہی وسیلے سے دوزخ سے نجات پائیں گے' اسی بنا پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا آفَةُ الْعِلْمِ الْخُيَلَاءُ تکبر علم کی آفت ہے۔

حقیقت میں ایسے شخص کو عالم کی بجائے جاہل کہنا زیادہ درست اور سزاوار ہے اس لیے کہ سچا عالم وہ ہے کہ آخرت کی دشواریوں کو سمجھے اور صراطِ مستقیم کی باریکیوں کو پہچانے اور جو کوئی ان کو پہچان لے گا وہ ہمیشہ خود کو اس سے دور رکھے گا اور خود کو قصوروار جانے گا۔ عاقبت کے خطرے اور اس بات کے ڈر سے آخرت میں عالمِ بے عمل پر زیادہ عذاب ہو گا' وہ تکبر سے بچے۔ چنانچہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک علم کی افزونی کے ساتھ ساتھ ایک مصیبت بھی بڑھتی ہے اسی طرح علم کے حصول سے بھی تکبر بڑھتا ہے اور تکبر کی اس افزائش کے دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ وہ علم حقیقی جو علم دین ہے' حاصل نہیں کرے کیونکہ یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ انسان خود کو پہچان سکتا ہے اور دین کے راستے کی صعوبتیں' آخرت کے خطرات اور بارگاہِ خداوندی سے محرومی کے اسباب کا پتہ چلتا ہے' اس علم کے حصول سے درد و غم (آخرت) میں اضافہ ہوتا ہے' تکبر میں نہیں ہوتا' لیکن جب انسان علمِ طب' علمِ حساب' علمِ نجوم و لغت اور علم مناظرہ سیکھتا ہے تو اس سے تکبر میں اضافہ ہو گا' ان سب میں قریب ترین علم' علمِ فتاویٰ ہے جس کے ذریعہ دنیوی کاموں کو سدھارا جا سکتا ہے' تو یہ علم بھی' علم دنیاوی ہو گا۔ اگرچہ دینی امور میں بھی اس کی حاجت ہوتی ہے لیکن اس سے خوف دور نہیں ہوتا' انسان اگر اسی علم پر بس کرے اور دوسرے علوم کو ترک کر دے تو دل کی تاریکی میں اور اضافہ ہو گا اور تکبر غلبہ پائے گا' اور جو بات ظاہر ہے اس کے کہنے کی کیا حاجت۔ تم ان علمائے ظاہری کا حال دیکھ لو (ان کے کبر و نخوت کا کیا عالم ہے) اسی طرح علم واعظین (علم تقریر و عبارات) ہے مسجع اور مقفی باتیں اور اسی قسم کا دوسرا کلام اور ایسی پر شور اور پر زور باتیں جن کو سن کر لوگ شور و شین کریں اور ایسے نکات جن سے مذہبی تعصب کا اظہار ہو اور عوام یہ محسوس کریں کہ ان تمام باتوں کا تعلق دین سے ہے لیکن یہ سب دل میں حسد' تکبر اور

عداوت کی تخم ریزی کرتے ہیں تو ان علوم (باتوں) سے درد اور تواضع میں تو اضافہ ہوتا نہیں بلکہ تکبر اور نخوت پروان چڑھتے ہیں- دوسرا سبب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص علمِ تفسیر، علم حدیث، سلفِ صالحین کے حالات جو اس کتاب "کیمیائے سعادت" اور "احیاء العلوم" میں ہم نے بیان کئے ہیں ان کو پڑھتا ہے اور پھر بھی اس میں تکبر پیدا ہوتا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا باطن برا ہے (وہ بدباطن ہے) اور اس کے اخلاق بھی برے ہیں اور تحصیل علوم سے اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ اپنی بڑائی کا اظہار زبان سے کر سکے- تحصیل علم سے اس کا مقصود عمل نہیں ہے- پس ایسے شخص کے باطن میں جب علم پہنچے گا تو وہ بھی اس کے باطن کی صفت اختیار کرے گا جیسے ایک دوا جب تنقیح (صفائی معدہ) کے لیے معدے میں پہنچتی ہے تو وہ معدے میں پہنچتے ہی معدے کی خلط کی صورت اختیار کر لیتی ہے-

ایک مثال: جس طرح آسمان سے جب پانی برستا ہے تو اس کی خاصیت ایک ہی ہوتی ہے- لیکن جس قسم کی نباتات میں وہ پانی پہنچتا ہے اس کی صفت میں اضافہ کر دیتا ہے اور خود وہی صفت اختیار کر لیتا ہے اگر کسی تلخ درخت میں پہنچے گا تو خود بھی تلخ بن جائے گا، اور شیریں درخت میں پہنچے گا تو خود بھی شیریں بن جائے گا- حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ قرآن پاک پڑھتے ہیں لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا اور وہ کہتے ہیں کہ ہم جیسا کوئی قاری دوسرا نہیں ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ پھر حضور ﷺ اصحاب کرام کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ اے میری امت کے لوگو! یہ لوگ تم ہی میں سے ہوں گے اور یہ سب دوزخی ہوں گے-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم تکبر کرنے والے عالموں میں داخل نہ ہونا اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارا علم تمہاری جہالت سے مقابلہ نہ کر سکے گا- حق تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو تواضع کا حکم فرمایا اور ارشاد کیا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ایمان لانے والوں سے اے رسول آپ تواضع سے پیش آیئے-

اسی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان سے تکبر سرزد نہ ہو جائے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار امامت کی، دوسری مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ اب کسی اور کو امام بنالو کیونکہ میرے دل میں یہ خیال ہو گیا ہے کہ میں تم سے بہتر ہوں، پس جب صحابہ کرام کو تکبر کا اس قدر خطرہ رہتا تھا تو دوسرے لوگوں کا کیا حال ہو گا۔ (وہ اس سے کس طرح محفوظ رہیں گے) ایسا عالم اس زمانے میں نایاب ہے بلکہ ایسا عالم بھی کمیاب ہو گا جو یہ سمجھتا ہو کہ تکبر ایک برا خلق ہے اور بری صفت ہے اس سے بچنا چاہیے کیونکہ بہت سے عالم اس بات سے غافل ہیں اور تکبر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تو فلاں کو بالکل ہیچ سمجھتا ہوں اور میری نظر میں تو اس کی کچھ بھی وقعت نہیں ہے اور میں تو اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اور اسی قسم کی شیخی بھارتے ہیں- پس اگر کوئی شخص اس بات کا

جاننے والا ہے تو اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے' ایسے عالم کا دیکھنا بھی عبادت میں داخل ہے' اس سے برکت حاصل کرنا چاہیے' اگر حدیث شریف میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نہ ہوتا کہ "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں جو کوئی شخص تمہارے عمل کا دسواں حصہ بھی کرے گا تو اس کی نجات ہو گی۔" تو بڑی مایوسی ہوتی' لہٰذا اس زمانے میں اگر تھوڑا بھی ہو تو بہت ہے کیونکہ اب دین کے مددگار باقی نہیں ہیں' دین کی باتیں رخصت ہو چکی ہیں اور جو کوئی اس راہ پر چلنے کا ارادہ کرے تو خود کو اکثر بے یار و مددگار پائے گا اور دو چند محنت اس کو اٹھانا پڑے گی۔ پس وہ تھوڑے ہی پر اکتفا کر لیتا ہے۔

دوسرا سبب : دوسرا سبب وہ تکبر ہے جو زہد و عبادت میں پایا جاتا ہے' کیونکہ عابدوں اور زاہدوں میں بھی تکبر پایا جاتا ہے اور وہ از روئے تکبر چاہتے ہیں کہ خدا کے بندے ان کی خدمت کریں ان سے شرف ملاقات حاصل کریں اور وہ جو کچھ خدا کی بندگی کرتے ہیں اس کا احسان دوسرے لوگوں پر رکھیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ دوسرے تمام بندگانِ خدا تو معرض ہلاکت میں ہیں' نجات صرف ان کو ہی ہو گی' اگر احیاناً کوئی شخص ان سے لڑے جھگڑے یا ان کو ستائے اور وہ بحکم الٰہی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو کہتے ہیں کہ ہماری کرامت دیکھی اس نے ہمارے حضور میں جو بے ادبی کی تھی اس کا نتیجہ اس کو مل گیا (یہ مصیبت اسی کا نتیجہ ہے)۔

اس سلسلہ میں ارشاداتِ نبوی ﷺ : حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص کہے گا کہ دوسرے ہلاک ہوئے تو وہ خود ہی ہلاک ہو گا۔" یعنی جو کوئی دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھے گا وہ تباہ ہو گا۔ خرابی اس کے لیے ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے گا تو بہت گناہ گار ہو گا' اس شخص میں اور ایسے شخص میں جو اپنے مسلمان بھائیوں کو عزیز جانے اور ان کو خود سے بہتر سمجھے اور خدا کے واسطے ان سے محبت کرے' بہت فرق ہے اور اس بات کا اندیشہ ہے اس (پہلے) شخص کا درجہ اس کو عطا فرما دے اور اس کو عبادت کی برکت سے محروم کر دے۔

روایت : ایک روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا عابد و زاہد تھا اور ایک فاسق و بدکار۔ وہ عابد بیٹھا ہوا تھا اور ایک ٹکڑا ابر کا اس کے سر پر سایہ افگن تھا' اس فاسق کو خیال آیا کہ جاؤ اور جا کر اس عابد کے پاس جا بیٹھو' شاید حق تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے۔ جب یہ فاسق اس عابد کے پاس جا کر بیٹھا تو عابد نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ نالائق میرے پاس آ کر کیوں بیٹھا ہے اس جیسا نکما بھی کوئی اور ہو گا یہ خیال کر کے اس نے فاسق سے کہا کہ اٹھو اور یہاں سے جاؤ (تمہارا میرے پاس کیا کام) وہ بیچارا اٹھ کر چلا گیا اور ابر کا وہ ٹکڑا بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گیا' تب اس عہد کے رسول پر وحی نازل ہوئی کہ ان دونوں سے کہہ دو کہ اب دونوں از سر نو عمل کریں کہ جو گناہ فاسق نے کیے تھے وہ میں نے اس کے ایمان نیک کے باعث بخش دیئے اور عابد نے جو عبادت کی تھی اس کے تکبر کے سبب سے برباد کر دی گئی۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے ایک عابد کی گردن پر پاؤں رکھ دیا' عابد نے اس سے کہا کہ اپنا پاؤں اٹھالے ورنہ خدا کی قسم تو رحمتِ الٰہی سے محروم ہو جائے گا- اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے رسول پر وحی نازل فرمائی کہ اس عابد سے کہہ دو کہ تو نے قسم کھا کر مجھ پر حکم چلایا ہے کہ میں اس کو نہ بخشوں گا' جائے اس کے میں تجھے نہیں بخشوں گا- اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عابد کو ستاتا ہے تو عابد یہ سمجھتا ہے کہ میرے ستانے سے یہ خدا کے غضب میں مبتلا ہو گا اور عنقریب اس کو کیے کی سزا مل جائے گی اور جب ستانے والے کو کچھ نقصان پہنچ جاتا ہے تو پوچھنے والے سے کہتا ہے کہ دیکھو ہماری کرامت سے ایسا ہوا (یہ نقصان اس کو پہنچا)- اس احمق کو اتنی بات نہیں معلوم کہ بہت سے کفار نے سرورِ کونین ﷺ کو ستایا اور حق تعالیٰ نے ان سے انتقام نہیں لیا بلکہ ان میں سے بعض کو مشرف باسلام کیا تو وہ عابد نادان کیا خود کو حضرت سرورِ کونین ﷺ سے زیادہ مقدس سمجھتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کی خاطر انتقام لے- جو جاہل و نادان عابد ہیں وہی ایسا خیال کرتے ہیں' ہوش مندی ذی فہم وہی ہیں کہ جو کچھ رنج وبلا ان کو پہنچتی ہے وہ اس کو اپنی شامتِ اعمال سمجھتے ہیں اور شومی نفاق کو اس کا سبب قرار دیتے ہیں- حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بایں صداقت و اخلاص (جو آپ کی ذاتِ گرامی میں موجود تھا) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ آیا مجھ میں نفاق کی کچھ علامت تم پاتے ہو؟ پس جو سچا مومن ہے وہ خدا سے ڈرتا رہتا ہے اور نادان عابد اپنی عبادت کو ظاہر کرتا ہے اور اپنے دل کو پندار اور تکبر کی نجاست سے آلودہ رکھتا ہے اور اس بلا سے نہیں ڈرتا' حقیقت یہی ہے کہ جس نے یہ سمجھ لیا کہ میں فلاں شخص سے بہتر ہوں تو یقیناً اس جہل کے باعث اس کے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے اس لیے کہ جہل سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں ہے-

نقل ہے کہ ایک دن صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اتفاق سے ایک شخص کی بہت تعریف کر رہے تھے اتفاقاً وہ شخص سامنے آ گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) وہ شخص جس کی ابھی ہم تعریف کر رہے تھے یہی ہے' حضور انور ﷺ نے اس شخص سے فرمایا تجھ کو خدا کی قسم' سچ بتانا کہ تیرے دل میں اس بات کا خیال آتا ہے کہ ان لوگوں میں تجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا جی ہاں یہ خیال آتا ہے- حضور اکرم ﷺ نے اس شخص کے خبثِ باطن کو نورِ نبوت سے معلوم فرما لیا تھا اور اس کا نام نفاق رکھا- نفاق عالموں اور عابدوں کے حق میں بہت بری بلا ہے- اس خصوص میں ان کے تین طبقے ہیں (ایسے عالم اور زاہد تین طرح کے ہیں) پہلے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو اپنے دل کو اس نفاق سے خالی نہیں کر سکتے لیکن کوشش کر کے تواضع کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور ایسے شخص کا کردار ادا کرتے ہیں جو دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہو تا کہ اس کے قول و فعل سے کسی قسم کا تکبر ظاہر نہ ہو یہ وہ لوگ ہیں جو تکبر کے درخت کی اپنے دل سے بیخ کنی تو نہیں کر سکے لیکن اس کی شاخوں کی کانٹ چھانٹ کرتے رہتے ہیں دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو تکبر کے اظہار سے اپنی زبان کو بچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں لیکن ان کے معاملات اور ان کے افعال سے ایسی چیزیں کھل کر سامنے آتی ہیں جس سے ان کے باطن کا تکبر ظاہر ہوتا ہے- مثلاً جب کسی محفل میں جاتے ہیں تو صدر مقام کو تلاش کرتے ہیں- سب سے آگے آگے چلتے ہیں' لوگوں سے کنارہ گیر رہتے ہیں گویا مخلوق سے

ربط وضبط اس کے لیے باعث ننگ وعار ہے' عابد لوگوں سے تیوری چڑھاتا ہے گویا ان سے ناراض ہے - افسوس کہ یہ دونوں احمق یہ نہیں جانتے کہ علم وعمل کا کمال نہ تکبر میں ہے نہ ترشروئی میں بلکہ اس کا تعلق دل سے ہے اور ظاہر میں اس کا نور تواضع' شفقت اور کشادہ روئی ہے' حضور علیہ سب سے بڑے عالم اور زاہد و متقی تھے اور کوئی شخص آپ سے زیادہ متواضع اور کشادہ رو نہیں تھا' ہر شخص کو آپ تبسم اور خندہ روئی کے ساتھ دیکھا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا تھا:

"وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ" آپ مومنوں کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے-

اور فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ اللہ تعالیٰ کی آپ پر یہ رحمت ایسی ہوئی کہ آپ تمام خلائق کے ساتھ کشادہ رو' نرم دل اور مہربان ہیں-

تیسرے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو فخر اور خود ستائی کا زبان سے اظہار کرتے ہیں اور خود کو صاحب کشف سمجھتے ہیں اور ان میں جو عابد ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ فلاں شخص کی کیا حقیقت ہے اس کی عبادت تو کچھ بھی نہیں ہے میں صائم الدہر اور قائم اللیل ہوں- ہر روز ایک ختم قرآن پاک کا کرتا ہوں جو کوئی مجھ سے شیخی کرے گا ہلاک ہو جائے گا- دیکھو فلاں شخص نے مجھے ستایا تھا اس نے اپنے کیے کی سزا پائی' اس کے بال بچے' گھر بار سب برباد ہو گئے' کبھی یہ مقابلہ پر بھی اتر آتا ہے' اگر بعض لوگ تہجد کی نماز پڑھیں تو وہ ان پر رشک کرتا ہو اور زیادہ پڑھتا ہے تاکہ دوسرے اس قدر نہ پڑھ سکیں اور عاجز آجائیں اور اگر دوسرے لوگ روزے رکھیں تو یہ مقابلہ میں روزے رکھ کر چند روز فاقے کرتا ہے' اور اگر عالم ہے تو اس طرح کہتا ہے کہ "میں تو اتنے علوم کا جاننے والا ہوں اور فلاں شخص کو تو کچھ بھی معلوم نہیں' نا معلوم اس کا استاد کون ہے اور اگر مناظرے کی نوبت آجائے تو اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح مد مقابل کو مغلوب کر دے- خواہ اس کی تقریر بجا اور باطل ہی کیوں نہ ہو' ہر وقت (شب و روز) اسی خیال میں رہتا ہے- ایک عبارت یا ایک سجع اور چند باتیں حفظ کر کے محفلوں میں بیان کرے تاکہ اس جملہ سے وہ پیشوائے اعظم کہلایا جانے لگے- کبھی وہ لغات غریبہ اور الفاظ حدیث کو رٹ لیتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنا کمال اور دوسروں کی بے مائگی کا اظہار کر سکے- شاید ہی کوئی ایسا عالم یا عابد ہو گا جس میں یہ باتیں تھوڑی یا بہت موجود نہ ہوں' لیکن جب وہ اس حدیث شریف کو سنے گا کہ "جس کے دل میں حبہ برابر بھی تکبر ہے اس پر بہشت حرام ہے-" تو اس کے دل میں خوف اور درد پیدا ہو گا اور تکبر سے حذر کرے گا' اس کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا علم ضرور ہو گا- "اے میرے بندے اگر تو اپنے پاس بے قدر ہے تو میرے نزدیک تو قدر و منزلت پائے گا اور اگر تو خود کو صاحبِ قدر سمجھتا ہے تو پھر ہمارے پاس تیری قدر و منزلت نہیں ہے اور جو کوئی دین کے حقائق سے اتنی واقفیت بھی حاصل نہ کرے وہ عالم کب ہے بڑا جاہل ہے-

تیسرا سبب : نسب اور خاندان کا تکبر ہے جو لوگ علوی (سید) یا خواجہ زادے ہوتے ہیں' وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ دوسرے تمام لوگ ان کے غلام اور محکوم ہیں خواہ وہ پارسا عالم ہی کیوں نہ ہوں' ان کے باطن میں (یہ ترفع اور بڑائی کا گمان) رہتا ہے خواہ وہ زبان سے اس کا اظہار نہ کریں لیکن جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو پھر وہ ضبط و تحمل سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں اور وہ تکبر ان کے قول و فعل میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ تمہاری یہ بساط کہ مجھ سے گفتگو کرو کیا تم اپنے آپ کو بھول گئے ہو جو ایسی بڑائی کی باتیں بناتے ہو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میرا کسی شخص سے جھگڑا ہو گیا میں نے اس کو "ابن السوداء" اے حبشن کے بیٹے کہہ کر خطاب کیا' حضور سرور کونین ﷺ نے یہ سن کر مجھ سے فرمایا اے شخص مت بھول (بے بہرہ مت ہو کیونکہ کسی گوری کے بیٹے کو کالی کے بیٹے پر فضیلت نہیں ہے۔" یہ ارشاد سن کر میں ڈرا اور فوراً اس شخص کے پاس جا کر میں نے کہا کہ اے شخص اٹھ اور اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ (تاکہ میرے قول کا بدلہ ہو جائے) اس جگہ یہ بات سوچنا چاہیے کہ جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ میرے اس قول میں تکبر ہے تو انہوں نے اس کے بعد کس قدر عاجزی اور خاکساری کا اظہار کیا تاکہ ان کا وہ تکبر ختم ہو جائے۔

نقل ہے کہ دو شخص حضور ﷺ کی موجودگی میں تفاخر کا اظہار کر رہے تھے (ایک دوسرے پر فخر کر رہے تھے) ایک نے کہا کہ میرا باپ فلاں اور دادا فلاں ہے۔ حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تفاخر کر رہے تھے' ایک نے کہا کہ میرا باپ فلاں ہے اور دادا فلاں ہے اور نو پشتوں تک اپنے بزرگوں کے نام لے ڈالے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اس سے کہو کہ وہ نو افراد (تیرے اسلاف) تو دوزخی ہیں کیا تو بھی دوزخ میں جائے گا' پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ دوزخ میں جل کر کوئلہ ہو چکے ہیں' ان کے نام و نشان سے بڑائی کا اظہار مت کرو' ورنہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک گوبر کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو گے کہ گوبریلا نجاست کو سونگھتا اور چکھتا ہے۔

چوتھا سبب : تکبر کا چوتھا سبب حسن و جمال کا ہے اور یہ تکبر عورتوں میں اکثر ہوتا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت کو پست قد کہا تو حضور ﷺ نے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ "تم نے بدگوئی کی ہے۔" ان کا اس طرح فرمانا اپنے قد کے ناز کے باعث تھا۔ اگر ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا پست قد ہوتیں تو ایسا نہ فرماتیں۔

پانچواں سبب : پانچواں سبب توانگری اور تمول کا ہے' کوئی مالدار کہتا ہے کہ میرے پاس تو اتنی دولت اور اس قدر

مال ہے اور تو مفلس قلاش ہے' اگر میں چاہوں تو تجھ جیسے کتنے ہی غلام خرید لوں اور اسی قبیل کی دوسری باتیں کرتا ہے' اور اسی طرح کا ان دو بھائیوں کا قصہ ہے جو سورۃ الکہف میں بیان کیا گیا ہے - کہ ان میں سے ایک نے ازراہِ تکبر کہا"
انا اکثر منک مالا و اعز نفرا" (میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور تجھ سے زیادہ معزز فرد ہوں -)

چھٹا سبب : چھٹا سبب زور و قوت کا تکبر ہے' جو متکبر ضعیفوں پر کرتے ہیں۔

ساتواں سبب وہ تکبر ہے جو کنیزوں' غلاموں اور مریدوں کے سبب سے ہو' الغرض ہر ایک چیز جس کو انسان اپنے لیے ایک نعمت سمجھتا ہے وہ اس کے لیے فخر کا ذریعہ ہے اگرچہ حقیقت میں نعمت نہ ہو جب بھی' مخنثوں ہی کو دیکھ لو کہ مخنث بھی اپنے مخنث ہونے پر دوسرے مخنثوں پر فخر کرتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے - بہر حال تکبر کے یہی اسباب ہیں جن کو ہم نے بیان کیا ہے' تکبر کے ظہور کا سبب عداوت و حسد ہوتا ہے' کیونکہ جب ایک شخص دوسرے شخص سے عداوت رکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کے سامنے تکبر اور فخر کا ہی اظہار کرے - کبھی ریا بھی اس کا سبب ہوتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اس لیے تکبر کا اظہار کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعظیم و توقیر کریں - یہاں تک کہ انسان ایسے دوسرے انسان سے جو اس سے افضل ہے اس سلسلہ میں جھگڑتا تک ہے' ایسا شخص باطن میں خواہ صاحبِ تواضع ہی کیوں نہ ہو ظاہر میں تکبر کا اظہار کرتا ہے تاکہ لوگ یہ اندازہ نہ کر سکیں کہ دوسرا شخص اس سے افضل و برتر ہے -

اے عزیز! تم نے تکبر کے اسباب تو جان لیے اس کے علاج کا طریقہ بھی پہچانو کہ ہر مرض کا علاج یہ ہے کہ اس کے اصل سبب کو دور کریں -

تکبر کا علاج

معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا مرض جس سے جو برابر بھی سعادت کا راستہ بند ہو جائے اور بہشت سے انسان کو محروم کر دے' اس کا علاج فرضِ عین ہے اور دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو تکبر کے مرض میں مبتلا نہ ہو (جسے یہ بیماری نہ ہو)۔ اس کا علاج دو طرح پر ہے ایک مجمل اور دوسرا مفصل طور پر۔

جو علاج مجمل طور پر ہے وہ علم و عمل سے مرکب ہے - علاج علمی تو یہ ہے کہ ایسا شخص حق تعالیٰ کو پہچانے تاکہ اس کو معلوم ہو کہ بزرگی اور عظمت صرف اسی کو سزاوار ہے اور اس کے بعد خود کو پہچانے تاکہ اس پر ظاہر ہو جائے کہ اس سے زیادہ خوار و ذلیل اور کمینہ کوئی دوسرا نہیں ہے گویا یہ مسہل ہے جو بیماری کی جڑ کو باطن سے نکال باہر کرے گا اور اگر کوئی شخص اس تمام حقیقت سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو قرآن پاک کی صرف اس آیت کا جان لینا ہی کافی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

قُتِلَ الْاِنسَانُ مَا اَکْفَرَہٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ مِنْ نُطفَةٍ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ o ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ o

آدمی مارا جائیو! کیا ناشکرا ہے' اسے کاہے سے بنایا' پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا پھر اسے راستہ آسان کیا' پھر اسے موت دی' پھر قبر میں رکھوایا: (پ ۳۰ : سورۃ عبس)

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنی قدرت بتائی ہے اور اس کی تخلیق کے اوّل و آخر اور اس کے اوسط کو ظاہر فرمایا ہے' بتایا ہے کہ اس کا آغاز یہ ہے فرمایا مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ' پس اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی چیز نیست سے کم تر نہیں ہے اور انسان پہلے نابود بے نام و نشاں اور عدم کے پردے میں ازل سے اپنی آفرینش کے وقت تک تھا- چنانچہ ارشاد فرمایا:

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا (سورۃ دہر پ ۲۹)

بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہیں تھا

پس حق تعالیٰ نے خاک کو پیدا کیا کہ اس سے زیادہ ذلیل شے کوئی نہیں اور نطفے اور علقے کو جو ذرا سا پانی اور لہو ہے پیدا کیا کوئی چیز اس جیسی نجس نہیں ہو سکتی- انسان کو اس نیست سے ہست کیا اور اس کی اصل کو ذلیل خاک اور گندے پانی اور نجس ناپاک لہو سے بنایا جس کے بعد وہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہوا' اس میں نہ سماعت تھی نہ بصارت نہ نطق تھا اور نہ قوت و قدرت پھر ہاتھ پاؤں آنکھ اور دوسرے اعضاء پیدا کیے چنانچہ ظاہر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی شی نہ خاک میں تھی نہ نطفے میں اور نہ خون میں' اور اس میں کتنے عجائب و غرائب اس نے پیدا کیے تاکہ انسان اپنے خالق کی بزرگی اور اس کی عظمت کو پہچانے' نہ اس لیے کہ تکبر کرے' کیونکہ انسان نے ان چیزوں کو اگر اپنی کوشش ہی سے حاصل کیا ہوتا تو تکبر کی کچھ گنجائش بھی تھی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰیَاتِهٖ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ o

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر جبھی تم دنیا میں پھیلے ہوئے انسان ہو-

یہ جو ارشاد فرمایا یہ اس کا آغاز کار تھا' اب سوچنا چاہیے یہاں تکبر کا مقام ہے یا اس بات کا محل ہے کہ انسان اپنے سے خود شرمائے- اب انسان کا وسطِ کار یعنی وسطِ تخلیق یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس کو اس جہان میں لایا اور ایک مدت تک اس کو یہاں رکھا' اس کو یہ اعضا اور اتنی قوتیں عطا فرمائیں اب اگر اللہ تعالیٰ اس کو صاحب اختیار بنا دیتا اور اس کو بے نیاز کر دیتا تو انسان غلطی میں مبتلا ہو جاتا- اگر ایسی صورت ہوتی تو اپنے آپ کو کچھ سمجھنا بھی ہوتا (جبکہ ایسی صورت نہیں ہے' بلکہ بھوک' پیاس اور بیماری' گرمی' سردی درد و رنج اور لاکھوں طرح کی آفتیں اس کے واسطے مقرر فرمادیں' تاکہ کسی وقت خود سے بے فکر نہ رہے' ہر وقت فکر رہتی ہے کہ کہیں مر نہ جائے اندھا یا بہرہ نہ ہو جائے' دیوانہ یا لاچار نہ ہو جائے' بھوک یا پیاس کی شدت سے ہلاک نہ ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے انسان کی منفعت کڑوی دواؤں میں رکھی- اگر وہ نفع اٹھانا چاہتا ہے تو سردست بدمزگی کا رنج اٹھانا ضروری ہے اور اچھی چیزوں میں اس کے لیے مضرت رکھی تاکہ اگر وہ کسی چیز سے فی الفور حظ

اٹھائے تو اس کی تکلیف بھی برداشت کرے اور کوئی کام بھی اس کے اختیار میں نہیں دیا تاکہ وہ جس چیز کو جاننا چاہتا ہے اس کو نہ جان سکے اور جس چیز کو فراموش کرنے کا خواہاں ہے اس کو فراموش نہ کر سکے' جس بات کو سوچنا نہ چاہے وہ بات اس کے دل میں بار بار آئے اور جس بات کو سوچنا چاہے دل اس سے گریز کرے۔ باوجود ان تمام عجائب اور جمال و کمال کے جو اس کے دل میں ودیعت فرمائے ہیں' انسان کو ایسا عاجز بنایا ہے کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ درماندہ' بدبخت اور ناقص تر نہ ہو گا اور اس کے کام کا انجام یہ ہے کہ آخر کار مر جائے گا نہ سماعت رہے گی اور نہ بصارت' نہ تخت نہ حسن و جمال' نہ یہ جسم رہے گا نہ یہ اعضاء' بلکہ مرنے کے بعد ایسا بدبودار مردار ہو جائے گا کہ سب اس کو دیکھ کر اپنی ناک بند کریں گے اور کیڑے مکوڑوں کی خوراک بنے گا اور پھر رفتہ رفتہ خاک ہو جائے گا جو بالکل ذلیل و خوار چیز ہے اور اگر وہ خاک ہی رہتا تو غنیمت تھا کہ جانوروں کے ساتھ برابر ہو جاتا۔ افسوس کہ یہ دولت بھی میسر نہ ہو گی بلکہ قیامت میں اس کو قبر سے اٹھایا جائے گا' ہیبت کے مقام پر رکھا جائے گا' اس وقت وہ آسمانوں کو دیکھے گا کہ پھٹے ہوئے ہیں' ستارے گر پڑے ہیں' چاند و سورج بے نور ہوں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح پراگندہ ہوں گے' زمین بدلی ہوئی ہو گی' دوزخ کے فرشتے کمندیں پھینکتے ہوں گے' دوزخ گرج رہا ہو گا' فرشتے ہر ایک کے ہاتھ میں اعمال نامہ دیں گے' تمام عمر میں جو برے کام کیے ہوں گے ان کو دیکھتا ہو گا' ہر ایک اپنی اپنی تقصیر کو پڑھ کر پریشان ہو گا' اس سے کہا جائے گا کہ آ اور جواب دے کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ ایسا کیوں کہا' کیوں یہ کیا اور کیوں بیٹھا اور کیوں اٹھا' کیوں دیکھا اور کیوں سوچا۔ اگر معاذ اللہ جواب نہ دے سکے گا تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس وقت وہ کہے گا کہ کاش کہ میں خوک (سور) یا سگ ہوتا تو خاک ہو جاتا کیونکہ وہ اس عذاب سے محفوظ اور آزاد ہیں پس جو شخص خوک و سگ سے بدتر ہو اس کو تکبر اور فخر کرنا کس طرح زیبا ہے' بلکہ آسمان و زمین اس کی بدبختی کا ماتم کریں اور اس کا فضیحت نامہ پڑھیں تب بھی حق ادا نہ ہو۔

ایک مثال: اے عزیز کبھی تو نے دیکھا کہ ایک بادشاہ کسی مجرم کو پکڑ کر قید خانے میں ڈالے یا سولی پر چڑھائے یا قید میں اس کو اور زیادہ عذاب پانے کا ڈر ہو تو کیا قید خانے میں وہ فخر و تکبر کرے گا اسی طرح تمام بندے بھی اس بادشاہ کائنات کے قیدی ہیں اور انہوں نے بہت سے گناہ کیے ہیں اور اپنے انجام و عاقبت سے بے خبر ہیں تو ایسی جگہ فخر و تکبر کی کیا گنجائش اور کون سا موقع ہے؟

پس جس شخص نے اپنے آپ کو اس نظر سے دیکھا اور پرکھا تو گویا اس نے مسہل لیا' تکبر کی جڑ اس کے باطن سے اس طرح اکھڑ جائے گی کہ پھر وہ کسی کو اپنے سے زیادہ حقیر نہیں پائے گا بلکہ وہ چاہے گا کہ میں مٹی ہوتا یا پتھر تاکہ اس سختی سے رہائی پاتا۔ (یہ جو کچھ بیان کیا علمی علاج تھا)

علاج عملی: تکبر کا عملی علاج یہ ہے کہ اپنے تمام احوال و افعال میں تواضع کا طریقہ اختیار کرے۔ چنانچہ

حضور سرور کونین علیہ السلام زمین پر تشریف فرما ہو کر کھانا تناول فرماتے تھے اور تکیہ استعمال نہیں فرماتے تھے اور فرمایا کرتے کہ میں بندہ ہوں میں اسی طرح کھاؤں گا جس طرح بندے کھاتے ہیں' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ نیا لباس پہن لیجئے' انہوں نے جواب دیا کہ میں تو بندہ ہوں' اگر ایک دن کو آزادی مل جائے تو پہن لوں گا- یہاں آزادی سے ان کی مراد نجات اخروی تھی- نماز کے منجملہ اسرار میں سے ایک راز تواضع بھی ہے جس کا مشاہدہ رکوع و سجود میں ہوتا ہے اور اس میں منہ کو جو سب سے عزیز و شریف عضو ہے خاک پر رکھا جاتا ہے اور خاک سے زیادہ ذلیل چیز اور کوئی نہیں ہے- اہل عرب غرور و تکبر کے سبب سے اپنی پیٹھ نہیں جھکاتے تھے- بس ان کا یہ غرور توڑنے کے لیے رکوع اور سجدہ مقرر کیا گیا- پس آدمی کو چاہیے کہ جس بات کو تکبر سمجھتا ہو اس کے خلاف اور برعکس کرے تکبر چہرے سے 'زبان' آنکھ' نشست و برخاست' لباس اور تمام حرکات و سکنات سے ظاہر ہوتا ہے چاہیے کہ ان تمام باتوں میں کوشش کر کے تکبر کو رفع کرے تاکہ تواضع اس کی سرشت بن جائے-

تکبر کی علامتیں : تکبر کی بہت سی علامتیں ہیں' منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جب تک کوئی ہمراہی نہ ہو کہیں جانا نہ چاہے' اس بات سے بھی بچنا ضروری ہے- خواجہ حسن بصریؒ کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی کو چلنے نہیں دیتے تھے اور فرماتے کہ دل کو اس بات سے پریشانی لاحق ہوتی ہے- حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "اے عزیز! جتنے زیادہ لوگ تیرے ساتھ چلیں گے اتنا ہی تو خدا کی درگاہ سے دور ہو گا- حضور علیہ السلام فرماتے تھے-

تکبر کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ تمہارے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں حضور اکرم علیہ السلام کو یہ بات بہت ناپسند تھی کہ کوئی شخص آپ کے واسطے سروقد کھڑا ہو' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوزخی کو دیکھنا چاہتا ہے اس سے کہو کہ وہ ایسے شخص کو دیکھ لے جو آپ بیٹھا ہو اور دوسروں کو اپنے سامنے کھڑا کر رکھا ہو-

تکبر کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تکبر کے باعث کسی سے ملنے کے لیے نہیں جاتا- منقول ہے کہ جب حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ مکہ معظمہ میں آئے تو شیخ ابراہیمؒ نے ان کو بلا بھیجا تاکہ حدیث شریف روایت کریں- جب حضرت سفیان ثوریؒ شیخ ابراہیمؒ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ آپ کی تواضع کی آزمائش مقصود تھی-

تکبر کی علامات سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ متکبر شخص نہیں چاہتا کہ کوئی درویش اس کے قریب بیٹھے رسول اکرم علیہ السلام کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب اپنا دست مبارک کسی درویش کے ہاتھ میں دیتے تو جب تک وہ خود ہی دستِ مبارک کو نہ چھوڑتا آپ خود نہ چھڑاتے اور اسی طرح اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھتے اور اس طرح جو شخص عاجز بیمار ہوتا اور لوگ اس سے بچتے لیکن آپ اس کو ساتھ بٹھا کر کھانا نوش فرماتے-

تکبر کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے نہ کرے- مگر حضور علیہ السلام گھر کے تمام کام بہ نفسِ نفیس انجام دیا کرتے تھے- منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے یہاں ایک شب کوئی مہمان مقیم تھا- رات میں

چراغ گل ہونے لگا (اس میں تیل ختم ہو گیا تھا) مہمان نے کہا کہ میں چراغ کے لیے تیل لے کر آتا ہوں' انہوں نے فرمایا تم ایسا مت کرو- مہمان سے خدمت لینا مروت سے بعید ہے- مہمان نے کہا اگر آپ فرمائیں تو غلام کو جگادوں- آپ نے فرمایا اسے بھی بیدار مت کرو کہ ابھی سویا ہے پھر آپ خود اٹھے اور تیل کا برتن اٹھا کر لائے اور خود ہی چراغ میں تیل ڈالا مہمان نے کہا اے امیر المومنین! آپ نے اس قدر زحمت اٹھائی' انہوں نے فرمایا ہاں اس آنے جانے سے میری عزت اور بزرگی میں کوئی خلل نہیں پڑا (میں جب بھی امیر المومنین تھا اور اب بھی ہوں)-

تکبر کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ بندہ گھر کا سودا سلف (سامانِ ضروریات) خود اٹھا کر نہیں لے جاتا حالانکہ حضور ﷺ کچھ سامان لے کر جا رہے تھے کسی شخص نے چاہا کہ وہ اس کو اٹھا لے لیکن حضور ﷺ نے پسند نہیں فرمایا کہ صاحب مال ہی اپنے مال کو لے کر چلے یہ زیادہ بہتر ہے- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی علاقے کے حاکم تھے تو لکڑیاں پیٹھ پر لاد کر لے جاتے تھے اور فرماتے تھے اے لوگو! راستہ دو (ہٹ جاؤ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ کے سیدھے ہاتھ میں درہ ہوتا تھا اور بائیں ہاتھ میں (گھر کے لیے) گوشت اس طرح بازار سے گذرتے تھے-

تکبر کی علامتوں میں سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ جب تک لباسِ فاخرہ نہ پہنے باہر نہ نکلے- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ دیکھتے تھے کہ بازار سے درہ ہاتھ میں لیے ہوئے گذر رہے ہیں اور آپ کے تہبند (ازار) میں چودہ پیوند لگے ہیں' ان میں سے بعض پیوند (کپڑے کے بجائے) چمڑے کے ہوتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جسم پر بہت ہی مختصر لباس ہوتا تھا' لوگوں نے شکایت کی (اس پر اظہار افسوس کیا) تو آپ نے جواب دیا کہ ایسے لباس سے دل میں تواضع پیدا ہوتی ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کی پیروی کرتے ہیں (ایسا ہی لباس استعمال کرتے ہیں) اور درویش ایسے لباس کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں (کہ ہمارا جیسا موٹا اور معمولی لباس ایسی معزز شخصیت بھی استعمال کرتی ہے)

لباس چرکیں : شیخ طاؤس رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جب میں دھلے ہوئے کپڑے پہنتا ہوں تو کئی روز تک دل کھویا کھویا سا رہتا ہے- پھر جب کپڑے میلے ہو جاتے ہیں تو دل حاضر ہو جاتا ہے- دل گم ہونے اور کھویا کھویا ہونے سے مراد یہ ہے کہ دل میں تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے- حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لیے خلیفہ ہونے سے قبل ہزار دینار کی پوشاک خریدی جاتی تھی (آپ بہت ہی خوش پوشاک تھے) وہ اس ہزار دینار کی اس پوشاک کو بھی دیکھ کر یہ فرماتے تھے کہ میں اس سے بھی زیادہ نرم لباس چاہتا ہوں اور جب خلافت کے منصب پر فائز ہوئے تو ان کے واسطے پانچ درہم کے کپڑے خریدے جاتے اور آپ ان کو دیکھ کر فرماتے یہ کپڑے خوب ہیں لیکن اگر اس سے بھی موٹے ہوتے تو زیادہ اچھا تھا' لوگوں نے آپ سے اس (تغیر پسندی) کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے ایک نفس دیا ہے لذت طلب جب ایک چیز کی حلاوت پاتا ہے تو پھر اس سے بہتر کی طلب کرتا ہے- اب میں نے خلافت کا مزہ چکھا ہے اس سے برتر کوئی مزہ نہیں ہے تو اب میرا دل صرف آخرت کی شاہی طلب کرتا ہے-

اے عزیز! ایسا خیال مت کر کہ اچھا لباس پہننا ہمیشہ تکبر کی علامت ہوتا ہے (بعض استثنائی صورتیں بھی ہیں) کیونکہ بعض افراد ایک چیز کی خوبی کو دوست رکھتے ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ خلوت میں بھی وہ لباس فاخرہ پہننے کو پسند کرتے ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو پرانا لباس پہن کر بھی تکبر کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے اے لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ زاہدوں کا لباس پہنتے ہو اور اپنے دلوں کو بھیڑیوں کی مانند بنائے ہوئے ہو بادشاہوں جیسا لباس پہنو اور دلوں کو خداوند تعالیٰ کے خوف سے نرم کرو۔

منقول ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملکِ شام پہنچے تو پرانا لباس آپ کے زیبِ بدن تھا' رفقاء نے عرض کیا کہ یہاں غیروں (یعنی دشمنوں) سے سابقہ ہے اگر آپ یہاں فاخرہ لباس زیب تن فرماتے تو اچھی بات تھی آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اسلام کی عزت بخشی ہے اب مجھے کسی دوسری چیز کی عزت درکار نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ جو شخص چاہتا ہے کہ تواضع سیکھے اس کو چاہیے کہ سرور کونین ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرے اس کی پیروی اختیار کرے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ بہ نفسِ نفیس جانوروں کو چارا ڈالتے تھے' اونٹ کو باندھتے' گھر میں صفائی کرتے' بکری کا دودھ نکالتے' نعلین خود سیتے اور کپڑوں کو پیوند لگاتے' خادم کے ساتھ کھانا کھاتے' چکی پیسنے میں جب خادم تھک جاتا تو اس کی مدد فرماتے (اس کے ساتھ چکی پیستے) بازار سے سودا سلف لنگی (تہبند) میں باندھ کر لاتے۔ فقیر ہوتا یا تونگر' چھوٹا ہوتا یا بڑا اسلام کرنے میں آپ سبقت فرماتے' مصافحہ فرماتے' دین کے معاملات میں غلام و آزاد اور چھوٹے بڑے میں فرق نہ فرماتے' آپ کا رات اور دن کا لباس ایک ہی تھا۔ اگر کوئی پریشان حال' خاکسار آپ کی دعوت کرتا تو آپ دعوت قبول فرما لیتے اور جو کچھ کھانا آپ کے سامنے پیش کیا جاتا خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہوتا آپ اس پر حقارت کی نظر نہ ڈالتے' رات کا کھانا (چاکر) صبح کے لیے نہیں رکھتے تھے۔ آپ ہمیشہ نیک خو' کریم الطبع' شگفتہ رو اور متبسم رہا کرتے تھے۔ غم کی حالت میں کبھی چین بہ جبیں نہ ہوتے' تواضع کو ذلت نہ فرماتے' روئے مبارک سے فرحت بہت نمایاں رہتی تھی' آپ نے سخاوت میں کبھی درشت (سختی) کا اظہار نہیں فرمایا' اور اس طرح آپ نے اسراف کبھی نہیں فرمایا! سب کو شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے' قلب مبارک بہت ہی نرم تھا (آپ بہت رقیق القلب تھے) آپ ہمیشہ سر اقدس کو جھکائے رکھتے تھے کسی سے بھی آپ نے طمع نہیں رکھی۔

پس جس کو سعادت مندی درکار ہے وہ آپ کی اقتداء کرے' انہی اوصاف کے باعث حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ثنا اس طرح فرمائی ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ بے شک آپ ﷺ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

لیکن تکبر کا مفصل علاج اس طرح ہوگا کہ اولاً غور کرے کہ تکبر کا باعث کیا ہے اگر دیکھے کہ وہ نسب کے باعث تکبر کر رہا ہے (اس کے تکبر کا سبب نسب ہے) تو وہ اپنے اصلی نسب کو دیکھے جو حق تعالیٰ نے بتایا ہے:

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانَ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ۝ اور پیدائش انسان کی ابتداء مٹی سے فرمائی، پھر اس کی نسل اسی ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے۔

یعنی اے بندے! تیری اصل خاک سے ہے اور تیری فرع نطفہ سے ہے، پس نطفہ تیرا باپ ہے اور خاک کو تیرے جد ہونے کا مرتبہ حاصل ہے اور ان دونوں سے ذلیل ترین چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر اس موقع پر تم کہو کہ اس خاک اور نطفہ کے درمیان باپ موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تم میں اور تمہارے باپ کے درمیان میں نطفہ، علقہ، اور مضغہ اور اس قسم کی بہت سی رسوائیاں موجود ہیں لیکن وہ تم کو نظر نہیں آتیں (یا تم ان کی طرف غور نہیں کرتے) اور عجیب بات یہ ہے کہ اگر (مثال کے طور پر) تمہارا باپ خاکروبی یا حجامی کا کام کرے تو تمہارے لیے موجب ننگ ہو گا[۱] اور تم کہو گے نصیب نے اپنے ہاتھ خاک و خون سے آلودہ کیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تم خاک و خون سے بنے ہو! پھر فخر کس بات پر کرتے ہو، اور جب یہ بات تم کو معلوم ہو گئی اور اس پر بھی تم فخر کرو تو تمہاری مثال اس شخص کی مانند ہو گی جو خود کو علوی سید سمجھتا ہو لیکن دو عادل شخص اس بات پر گواہی دیں کہ یہ شخص (جو علوی سید ہونے کا مدعی ہے) غلام ہے یا فلاں حجام[۲] کا بیٹا ہے، جب یہ بات کھل جائے گی تو پھر تم کس طرح تکبر کر سکو گے! دوسری بات یہ کہ وہ شخص جو نسب پر ناز کرتا ہے وہ دوسرے کے طفیل میں یہ فخر کر رہا ہے۔ حالانکہ بزرگی اپنی ذات میں ہونا چاہیے، کیونکہ جو کیڑا آدمی کے پیشاب سے پیدا ہو اس کیڑے کے برابر ہے جو گھوڑے کے پیشاب سے پیدا ہوا ہے، اس پر فضیلت نہیں رکھتا۔

تکبر کا دوسرا سبب حسن و جمال ہے تو جو شخص اپنے حسن و جمال پر فخر کرتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے باطن پر نظر کرے تاکہ اس کی برائیاں اس پر ظاہر ہوں اور وہ غور کرے کہ اس کے پیٹ، مثانے، رگوں، ناک اور کان وغیرہ اعضاء میں کیا کچھ قباحتیں موجود ہیں، وہ خود ہر روز دن میں دوبار اپنے ہاتھ سے ایسی چیز کو دھوتا ہے جس کے دیکھنے اور سونگھنے سے خود بیزار ہے اور ہمیشہ اس گندگی کو اٹھائے ہوئے پھرتا رہتا ہے، اس کے بعد سوچے کہ اس کی پیدائش خونِ حیض اور نطفے سے ہے اور وہ پیشاب کے دو راستوں سے گذر کر دنیا میں آیا ہے۔

شیخ طاؤسؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ بڑے تبختر سے محو خرام ہے، آپ نے فرمایا یہ ناز و ادا کی چال اس کی نہیں ہو سکتی جو یہ جانتا ہو کہ اس کے پیٹ میں کتنی نجاست بھری ہے۔ اگر انسان ایک دن کو ہی اس غلاظت سے خود کو پاک نہ کرے (براز سے فارغ نہ ہو) تو تمام پاخانے یقیناً اس سے زیادہ پاکیزہ اور صاف رہیں گے کیونکہ پاخانے میں کوئی اور چیز اس چیز سے زیادہ پلید نہیں ہے جو انسان کے بدن سے (بصورتِ فضلہ و براز نکلتی ہے) اور پھر یہ حسن و جمال اس کی قدرت کا نتیجہ ہی نہیں ہے جو فخر کی گنجائش ہو اور نہ دوسروں کی بد صورتی ان بد صورتوں کی اختیاری چیز ہے جس کے باعث ان پر خردہ گیری کر سکیں۔

اگر انسان اپنی قوت اور طاقت کے باعث تکبر کرتا ہے تو غور کرے کہ اگر اس کی کسی رگ میں درد ہوتا ہے تو وہ

۱؎ و عجب آنکہ پدرت خاک بیختے یا حجامی کردے تو از وے ننگ داشتے (متن نسخہ نولکشوری ص ۳۸۰ ۲؎ حجام سینگی لگانے والا۔

مضطرب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی مکھی اس کو ستائے تب بھی عاجز ہو جاتا ہے' اگر ناک میں مچھر یا کان میں چیونٹی گھس جائے تو بے چین ہو جاتا ہے' پاؤں میں اگر کانٹا چبھ جائے تو ہل نہیں سکتا' علاوہ ازیں اگر اس کو اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے تو دیکھے کہ بیل' ہاتھی' اونٹ یہ تمام جانور قوت میں اس سے زیادہ ہیں- پس ایسی چیز پر جس میں بیل اور گدھا اس پر فائق ہو کس لیے تکبر کرتا ہے (یہ فخر کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے) اور اگر تکبر اپنے مال اور لونڈی غلام' نوکر چاکر یا حکومت یا سرداری کے سبب سے ہے تو یہ تمام چیزیں اس کے اختیار سے باہر ہیں' مال کو اگر چور چرا کر لے جائے یا بادشاہ اس کو اس کے منصب سے معزول کر دے تو مجبور ہو کر رہ جائے گا اور اگر فرض کر لیا جائے کہ مال باقی رہ بھی گیا تب بھی اس صورت میں بہت سے یہودی اور نصاریٰ مال میں اس سے کہیں زیادہ ہیں اور اس سے زیادہ متمول ہیں اور اگر حکومت بھی باقی رہی تو کونسا موجب فخر ہے کہ بہت سے نادان جیسے ترک بچے اور کمینے' اجلاف اس سے زیادہ مرتبے والے موجود ہیں (حکومت میں ان کے مناصب اونچے اور برتر ہیں) الغرض جو چیز ذاتی نہیں وہ اپنی ملک نہیں ہو سکتی اور جو چیز اپنی ملک نہیں اس پر تکبر اور فخر کرنا بالکل بیجا ہے' یہ سب چیزیں عاریتاً ہیں اور کوئی چیز تمہاری ذاتی نہیں ہے- ان تمام چیزوں میں وہ چیز جو لائق تفاخر و تکبر ہو سکتی ہے ظاہر اً وہ علم و عبادت ہے-

علم کا مقامِ بلند : حق تعالیٰ کے نزدیک علم کا درجہ بہت بلند ہے اور یہ خداوند تعالیٰ کی صفات میں داخل ہے تو اس صورت میں عالم کا اپنی طرف التفات نہ کرنا بہت دشوار اور مشکل ہوگا- ہاں ان دو طریقوں سے یہ امر مشکل آسان ہو سکتا ہے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ عالم غور کرے کہ علم کے باعث ہی اس کا مواخذہ ہوگا اور سخت مواخذہ ہوگا- کہ جاہل کی بہت سی تقصیرات (اس کی نادانی اور جہالت کے باعث) معاف کر دی جائیں گی اور عالم سے درگذر نہیں کی جائے گی- اور عالم سے درگذر نہیں کی جائے گی کیونکہ عالم کی تقصیر بہت بڑی تقصیر ہوتی ہے' اس سلسلہ میں وہ ان احادیث شریفہ پر غور کرے جو عالم کی خرابی اور مواخذے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں' قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو جو اپنے علم پر عمل نہ کرے گدھے سے تشبیہ دی ہے کہ وہ گدھے کے بوجھ برابر کتابیں اٹھائے پھرتا ہے كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا اور پھر اس کو کتے سے تشبیہ دی ہے ارشاد فرمایا ہے كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ پس کتے اور گدھے سے کمتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر نجات اخروی میسر نہ ہو تو تمام پتھر (بے جان) اس سے بہتر ہیں' حیوانات کا تو ذکر ہی کیا ہے (جمادات اس سے افضل ہوں گی) یہی وجہ تھی کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے فرمایا کاش میں پرندہ ہوتا اور کوئی فرماتا کاش میں گوسفند ہوتا کہ مجھے ذبح کر کے لوگ کھا لیتے (کسی کا پیٹ مجھ سے بھرتا) کوئی کہتا کاش میں پرکاہ ہوتا تو اچھا تھا' پس جس کو انجام و عاقبت کا اندیشہ ہوگا وہ کبھی تکبر نہیں کرے گا اگر کسی کو خود سے زیادہ جاہل پائے گا تو یوں کہے گا وہ انجان ہے نادانی سے اس نے گناہ کیا مجھ سے وہ بہتر ہے اور اگر خود سے زیادہ کسی کو عالم دیکھے گا تو کہے گا کہ بعض باتیں جو میں نہیں جانتا وہ جانتا ہے اور مجھ سے بہتر ہے اور اگر کسی پیر مرد

(بزرگ) کو دیکھے گا تو اس طرح کہے گا کہ اس نے خداوند تعالیٰ کی بندگی بہت کی ہوگی اور وہ مجھ سے بہتر ہے- اگر کسی بچے یا کم عمر کو معصیت میں مبتلا دیکھے گا تو اس طرح کہے گا میں بڑا گناہگار ہوں اور یہ ابھی کم سن اور خرد سال ہے جوان ہو کر مجھ سے بہتر ہو گا بلکہ اگر کسی کافر کو دیکھے گا تب بھی تکبر نہیں کرے گا اور کہے گا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کو قبول اسلام کی توفیق عنایت فرمادے اور اس کی عاقبت نیک ہو اور میرا انجام بد ہو- چنانچہ بہت سے لوگوں نے اسلام سے قبل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر تکبر سے ان کی طرف حقارت سے دیکھا تھا[1] لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور میں وہ تکبر ناپسندیدہ تھا' اور آخر کار ان کو وہ مرتبہ ملا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا تمام مسلمانوں سے بہتر ہو گئے-

آخرت کی نجات اصل بزرگی ہے :

پس جب انسان کی بزرگی نجاتِ آخرت میں ہے اور اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں تو لازم ہے کہ انسان اس کا خیال رکھے اور تکبر سے خود کو محفوظ رکھے- دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس بات کو سمجھ لے کہ بزرگی اور بڑائی صرف ذاتِ خداوندی کو سزاوار ہے اور جو کوئی اس معاملہ میں اس سے جھگڑے گا (اپنی بڑائی کا اظہار کرے گا' خداوند تعالیٰ اس سے ناخوش ہو گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک بندے کو آگاہ فرمادیا ہے کہ اے بندے تیری قدر میرے یہاں اسی وقت ہو گی جبکہ تو خود کو بے مقدار اور حقیر سمجھے گا-

بالفرض اگر کسی نے یہ سمجھ لیا کہ اس کا انجام بخیر ہے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مندرجہ بالا کو پیش نظر رکھتے ہوئے تکبر سے گریز کرے گا- تمام انبیاء (علیہم السلام) متواضع تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تکبر سے خوش نہیں ہوتا-

عابد کو چاہیے کہ عالم بے عمل سے بھی تکبر نہ کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ ممکن ہے کہ اس کا شفیع بن جاوے اور اس کے گناہوں کو محو کر دے- حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت کسی صحابی پر-" اگر عابد کسی ایسے جاہل کو دیکھے جس کا حال ظاہر نہیں ہے تو اس وقت خیال کرے کہ ممکن ہے کہ یہ شخص مجھ سے زیادہ عابد ہو' اور اس نے خود کو مشہور نہیں کیا ہے' اور اگر فاسق کو دیکھے تو اس وقت یہ خیال کرے کہ بہت سے ایسے گناہ ہیں جن کا تعلق دل سے ہے- جیسے وساوس و خطرات جو ظاہری فسق سے بھی بدتر ہیں اور شائد میرے باطن میں انہی عیبوں میں سے کوئی عیب ہو جس کی مجھے خبر نہیں ہے اور میری ظاہری عبادت اس گناہ کے باعث ملیامیٹ ہو سکتی ہے اور اس کے مقابل اس فاسق کے دل میں اور اس کے باطن میں کوئی ایک ایسا خلق حسن موجود ہو جو اس کے تمام گناہوں کا کفارہ بن جائے- اور بہت ممکن ہے کہ توبہ کے باعث اس کا خاتمہ بخیر ہو اور مجھ سے ایسی تقصیر سرزد ہو جائے جس کے باعث دمِ مرگ ایمان بھی سلامت نہ رہے- پس جب یہ بات ممکن الوقوع ہے کہ اس عابد کا نام اللہ تعالیٰ کے حضور میں بدبختوں میں لکھا جائے تو پھر تکبر کرنا سراسر نادانی ہے- یہی وجہ ہے کہ علمائے عظام اور مشائخ کبار نے ہمیشہ فروتنی' عاجزی اور

---

[1] متن کیمیائے سعادت میں اس طرح ہے "چہ بسیار کس (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ را دیدند پیش از اسلام و بروے تکبر کردند-" ص ۳۸۲

خاکساری کو اپنایا ہے (عاجزی اور فروتنی کا اظہار کیا ہے۔)

خود پسندی اور اس کی آفت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ خود پسندی برے اخلاق میں داخل ہے (اخلاق ذمیمہ میں اس کا شمار ہوتا ہے) حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں' ایک بخل' دوم حرص' سوم خود پسندی حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تب بھی مجھے تم سے ایک چیز کا خوف ہے جو معصیت سے بدتر ہے یعنی عجب و خود پسندی۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ آدمی کب گناہگار ہوتا ہے ؟ آپ نے فرمایا جب وہ اپنے کو نیکوکار سمجھے اور ایسا سمجھنا خود پسندی کی علامت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ دو چیزیں انسان کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں ایک خود پسندی اور دوسری ناامیدی' اسی باعث بزرگوں نے کہا ہے کہ ناامید انسان ایک چیز کی طلب میں سستی کرتا ہے اور خود پسند خود کو طلب سے بے نیاز اور مستغنی سمجھتا ہے۔

شیخ مطرب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں ساری رات سوتا رہوں اور صبح کو ہراساں و پریشان اٹھوں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ساری رات نماز پڑھوں اور صبح کو اس عبادت پر غرور کروں۔" شیخ بشیر ابن منصور نے ایک طویل نماز پڑھی' انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص ان کی اس طویل نماز سے بہت تعجب میں ہے (تعجب کے ساتھ ان کو نماز پڑھتے دیکھتا رہا) جب یہ نماز سے فارغ ہوئے (اس شخص سے (انہوں نے کہا کہ اے جوان مرد! میری اس لمبی نماز پر تعجب نہ کر کہ ابلیس نے برسوں عبادت کی اور تجھے معلوم ہے کہ اس کا کیا انجام ہوا؟

خود پسندی آفتوں کی بنیاد ہے : معلوم ہونا چاہیے کہ خود پسندی سے بہت سی آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان ہی میں سے ایک تکبر ہے یعنی خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنا اور یہ کہ گناہوں کو یاد نہ کرے اور اگر یاد کرے تو اس کے علاج اور تدارک کی جانب توجہ نہ کرے اور سمجھ لے کہ مغفرت ہو چکی ہے۔ عبادتوں میں ادائے شکر نہ کرے اور اپنی جگہ سمجھ لے کہ وہ اس سے بے نیاز ہے اور عبادتوں میں اس سے جو قصور سرزد ہوئے ہیں' ان کی طرف توجہ نہ کرے اور ان آفتوں کو جاننا بھی نہ چاہے بلکہ یہ سمجھ لے کہ وہ آفت سے محفوظ ہے' اس طرح اس کے دل میں خود آفت نہ رہے۔ اور غضبِ الٰہی سے بے فکر ہو جائے اور جو عبادت اس نے کی ہے اس کو حق تعالیٰ پر اپنا ایک واجب حق سمجھے۔ حالانکہ عبادت حق نہیں ہے بلکہ وہ بھی خدا کی ایک نعمت ہے۔ انسان آپ اپنی تعریف کرے اور خود کو پاک و صاف سمجھے نہ اپنے علم و فضل پر نازاں ہو اور پھر کسی سے کچھ معلوم نہ کرے۔ اگر کوئی بات اس سے ایسی کہی جائے جو اس کی رائے کے خلاف ہو تو اس کو کبھی نہ مانے اور اس طرح نقص اس کا دور نہ ہو اور نہ وہ کسی کی نصیحت کو سنے (اس طرح کی بہت سی برائیاں خود پسندی سے انسان میں پیدا ہوتی ہیں)۔

خود پسندی اور فخر و ناز کی حقیقت : معلوم ہونا چاہیے کہ جس کو حق تعالیٰ علم کی دولت سے سرفراز فرمائے عبادت و خیرات کی توفیق عطا کرے اور اس پر بھی اس کو یہ خوف رہے کہ کہیں اس سے یہ نعمتیں چھین نہ لی جائیں تو یہ خود پسندی نہیں ہے اور اگر ہراساں نہیں ہے اور نعمت ہائے خداوندی سمجھ کر شاداں و فرحاں ہے تو یہ بھی خود پسندی نہیں ہے ہاں اگر وہ اس کو اپنی صفت سمجھ کر شاداں ہے اور حق تعالیٰ کی نعمت نہیں سمجھتا اور نہ اس کے دل میں زوال کا ڈر ہے تو یہ خود پسندی ہے اگر اس کے باوجود حق تعالیٰ کے حضور میں (اپنی عبادت کا) حق واجب سمجھے اور اپنی عبادت کو ایک اچھی خدمت خیال کرے تو یہ اول (اترانا و ناز کرنا) ہے' جب کوئی شخص کسی کو کچھ دے اور دل میں خیال کرے کہ میں نے ایک بڑا کام کیا ہے تو ایسے شخص کو خود پسند کہتے ہیں' اور اگر اس بذل و بخشش کے بعد وہ اس سے خدمت لے اور بدلہ کی امید رکھے تو اس کو اولدل و ناز کہتے ہیں (واگر باآں ہم ازوی خدمت و مکافات بجوید اولال ایں بود) اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسے شخص کی نماز جو اس پر ناز کرتا ہے اس کے سر سے تجاوز نہیں کرے گی-" اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم ہنسو گے اور اپنی تقصیر کا اقرار کرو گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم گریہ وزاری کرو اور اس کو بڑا کام سمجھو-

عجب و خود پسندی کا علاج : معلوم ہونا چاہیے کہ عجب و خود پسندی کی بیماری کا سبب جہل محض ہے اور اس کا علاج معرفت محض ہے- پس جو شخص شب و روز علم و عبادت میں مشغول رہے تو ہم اس سے دریافت کریں گے کہ آیا یہ خود پسندی اس وجہ سے ہے کہ یہ عمل تجھ سے سرزد ہوا یا تیری خود پسندی اور عجب' اس کا موجب یہ ہے کہ تو اس کا موجد ہے اور تیری قوت سے یہ بات (عبادت) ظہور میں آئی' تو پہلی صورت میں کہ اس سے ظہور ہوا یا وہ اس کا مظہر ہے' خود پسندی اور عجب مناسب و سزاوار نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرے کے بس میں ہے (دوسرے نے چاہا تو اس نے عبادت کی) اور اس کام میں اس کا کچھ اختیار نہیں ہے اور اگر تم کہو گے کہ میں اس کا فاعل (موجد) ہوں' میری قدرت اور قوت سے یہ ہوتا ہے تو اس وقت ہم جواب دیں گے کہ یہ قوت و قدرت اور اعضاء ارادہ جو اس عمل کا سبب بنے ہیں' تم کہاں سے لائے ہو؟ اور اگر تم کہو گے' یہ عمل میری خواہش سے ہوتا ہے تو ہم کہیں گے اس خواہش و رغبت کو کس نے پیدا کیا اور کس نے تمہارے اندر اس کو رکھا اور تم پر اس کو مسلط کیا- جس نے تم کو مجبور کر کے اس کام میں لگایا- کیونکہ رغبت ایک موکل کی طرح ہے جو اس پر مسلط اور نازل کر دیا گیا ہے' اس کے خلاف وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا- پس رغبت کوئی اختیاری امر نہیں ہے بلکہ اس کو زور اور زبردستی سے ایک کام میں لگا دیا گیا ہے-

پس ہر ایک چیز خدا کی نعمت ہے اور تمہاری خود پسندی اور عجب کا باعث جہالت ہے- کیونکہ کوئی شے تمہارے اختیار میں نہیں ہے بلکہ تم کو خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم پر تعجب کرنا چاہیے کہ اس نے بہت سے بندوں کو عبادت سے غافل کر کے ناپسندیدہ کاموں میں مصروف کر دیا ہے اور اس نے محض اپنی عنایت اور لطف و کرم سے نیک کام کی رغبت

عطا فرمائی اور موکل کو تمہارے اوپر مسلط کر دیا جو تم کو کشاں کشاں بارگاہ الٰہی کی طرف لے جاتا ہے مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنے غلاموں پر نظر کرے اور ان میں ایک غلام کو بغیر کسی سبب کے یا کسی ایسی خدمت کے عوض جو اس نے بہت پہلے انجام دی تھی تو اس غلام کو تو شاہی عنایت پر متعجب ہونا چاہیے کہ بغیر استحقاق کے خلعت عطا فرما دی' اس موقع پر اگر تم کہو کہ بادشاہ تو بڑا حکیم و دانشمند ہے جب تک اس نے استحقاق کی صفت میرے اندر نہیں دیکھی خلعت خاص عطا نہیں فرمائی تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اس استحقاق کی صفت کو تم کہاں سے لائے یہ بھی اسی بادشاہ حکیم و دانشمند کا عطیہ ہے پس غرور کا محل کسی طرح بھی ہے' اس کی مثال ایسی ہے کہ تم کو ایک گھوڑا عنایت فرمائے تو تم اس پر تعجب نہ کرو' پھر وہ ایک غلام بھی عنایت فرما دے تو تعجب سے یہ کہو کہ غلام اس نے مجھ کو اس واسطے دیا ہے کہ میرے پاس گھوڑا تھا اور دوسروں کے پاس نہ تھا' جب گھوڑا بھی اسی کی عنایت سے ملا ہے تو تعجب کا مقام نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ گھوڑا اور غلام ایک ساتھ ہی تجھ کو عنایت فرمایا ہے۔ اسی طرح اگر تم کہو کہ خدا نے مجھے عبادت کی توفیق اس لیے دی ہے کہ میں بھی اس سے محبت رکھتا تھا' تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اپنی یہ محبت اور دوستی تمہارے دل میں کس نے ڈالی' اس کے جواب میں اگر تم یہ کہو کہ میں نے اس وجہ سے اس سے محبت کی کہ اس کو پہچانا اور اس کے حسن و جمال کو معلوم کیا تو ہم پھر یہ سوال کریں گے کہ یہ معرفت اور عشق تم کو کس نے دیا۔ پس جب سب چیزیں اس کی عطا کردہ ہیں تو چاہیے کہ اس کے فضل و کرم کا شکر ادا کرو کہ وہ تمہارا خالق ہے اس نے ایسی عجیب صفتیں قدرت اور ارادہ تمہارے اندر پیدا کیں اور تمہارا اس میں کوئی واسطہ اور تعلق نہیں اور ان تمام کاموں میں سے کوئی کام بھی تمہارے زور اور قوت سے نہیں ہوا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تم قدرت الٰہی کے مظہر ہو۔

سوال! جب عمل میں بندے کا اختیار نہیں ہے اور سب کچھ حق تعالیٰ کرتا ہے تو ثواب کی امید کس طرح رکھی جائے اور شک نہیں کہ ہم کو اپنے اس عمل سے جو اختیاری ہو ثواب حاصل ہوتا ہے' تمہارا یہ کہنا درست ہے' جواب اس کا یہ ہے کہ تو خداوند تعالیٰ کا مظہر بنا فی الواقع کچھ بھی نہیں وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور نہیں پھینکا جو کچھ آپ نے پھینکا مگر اللہ تعالیٰ نے پھینکا) یعنی جو کچھ کیا وہ تو نے نہیں کیا حق تعالیٰ نے کیا۔ تمہارے اندر حق تعالیٰ کے قدرت و ارادے کے بعد حرکت پیدا ہوئی اور تم یہ سمجھے کہ یہ تمہارا فعل ہے۔ یہ ایک نازک راز ہے تم اس کو نہ سمجھ سکو گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ فصل میں اس کا بیان آئے گا' یہاں جو کچھ کہا گیا ہے تمہاری عقل و دانش کے موافق بات کہی گئی ہے۔ تم فرض کرو کہ عمل تمہاری قدرت سے ہے۔ لیکن تمہارا عمل اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تمہارے عمل کی کنجی یہی تین چیزیں ہیں اور بے شک و شبہ یہ اللہ تعالیٰ کی بخشش ہیں۔ اگر ایک خزانے کا دروازہ بند ہو اور اس میں بہت سی نعمتیں موجود ہوں اور تم وہاں نہ پہنچ سکو' کیونکہ خزانے کی کنجی تمہارے پاس نہیں ہے۔ خزانچی نے اس خزانے کی کلید تم کو دی اور تم نے ہاتھ بڑھا کر وہ نعمتیں لے لیں۔ تو تم اس بخشش کو خزانچی کی طرف منسوب کرو گے یا اپنے ہاتھ کی طرف؟ تم واقف ہو کہ یہ نعمتیں حاصل کرنے کی تمہارے اندر طاقت نہیں تھی' خزانچی نے تم کو قدرت بھی دی اور کنجی

بھی تو دولت حاصل شدہ اسی کی طرف سے ہوئی- پس تمہاری قوت اور قدرت جو تمام اعمال کی کلید ہے تو یہ سب حق تعالیٰ کی عنایت ہے- بس تم کو تعجب تو اس بات سے ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے خزانہ عبادت کی کنجی تم کو مرحمت کی اور تمام فاسقوں کو اس سے محروم رکھا اور معصیت کی کلید دوسروں کے حوالے کر دی اور عبادت کے خزانے کا دروازہ ان کے اوپر بند کر دیا حالانکہ ان کی کچھ تقصیر نہیں تھی اس نے یہ کام اپنے عدل سے کیا اور ابھی تک تم سے کسی خدمت کا صدور نہیں ہوا تھا کہ جس کے عوض تم پر یہ فضل کیا جاتا- پس جس نے توحید کی حقیقت کو پہچان لیا ہے وہ ہرگز تعجب نہیں کرے گا اور عجیب بات یہ بھی کہ ایک مفلس دانشمند اس بات پر تعجب کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جاہل کو مال و متاع دیا ہے اور مجھ جیسے خردمند کو اس سے محروم رکھا ہے- وہ ہوشمند اور دانا اتنی بات نہیں سمجھتا کہ عقل جو سب نعمتوں سے بہتر اور افضل ہے یہ بھی تو عطیہ الٰہی ہے اگر وہ دونوں نعمتیں خردمند کو دے دیتا اور جاہل کو دونوں سے محروم کر دیتا تو عدل سے بعید ہوتا- اگر اس عاقل سے جو مفلسی کا شکوہ کرتا ہے کہیں کہ اپنی عقل دے کر جاہل کا مال متاع لے لے تو وہ کبھی اس پر راضی نہیں ہوگا' اسی طرح کبھی ایک مفلس خوبصورت عورت ایک بدصورت عورت کو زیورات اور شان و شوکت میں دیکھ کر کہتی ہے کہ یاالٰہی! اس میں کیا حکمت ہے کہ زیور بدصورت کو دے دیا جو اس کو زیب نہیں دیتا لیکن وہ اتنی بات نہیں جانتی کہ یہ جمال جو اس کو بخشا ہے' بہتر ہے- اگر دونوں چیزیں اس کو دے دیتا تو یہ عدل و انصاف سے بعید ہوتا- اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ نے ایک مصاحب کو گھوڑا دیا اور ایک کو غلام دیا- گھوڑے کو پانے والا تعجب سے کہتا ہے کہ گھوڑا تو میرے پاس موجود تھا' پھر دوسرے ندیم کو غلام کیوں دیا (مجھے بھی غلام ہی دینا چاہیے تھا)-

منقول ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے کہا کہ بارالٰہا! میری اولاد میں سے ہر ایک فرد تمام رات نماز پڑھتا ہے اور دن میں ہر ایک روزہ رکھتا ہے- تب وحی نازل ہوئی کہ اس کی توفیق میں نے ان کو دی ہے تب وہ ایسا کرتے ہیں- اب میں ایک لحظہ کے لیے تجھ کو تیری رائے پر چھوڑ دیتا ہوں- چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کی رائے پر چھوڑ دیا گیا اور ان سے ایسی تقصیر ہو گئی کہ انہوں نے تمام عمر حسرت و پشیمانی میں بسر کی-

حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا الٰہی! تو نے بہت سی آفتیں مجھ پر نازل کیں- ہمیشہ میں تیری رضا پر راضی رہا اور کبھی بے قراری کا اظہار نہیں کیا اور تیری مراد کے مقابل اپنی خواہش ذرہ برابر میں نے اختیار نہیں کی- تب ابر کا ایک ٹکڑا آیا اور اس کے اندر سے ندا آئی کہ اس ایک آواز میں ہزار آوازیں ہیں کہ اے ایوب (علیہ السلام) تم یہ صبر کہاں سے لائے تھے؟ ایوب علیہ السلام سمجھ گئے اور سر پر خاک ڈالنے لگے کہ بارالٰہا! میرا صبر تیرے ہی فضل سے تھا- میں نے جو کچھ کہا اس سے توبہ کرتا ہوں' خداوند کریم کا ارشاد ہے وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَازَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا لَاوَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (اگر ہمارا فضل تم پر نہ ہوتا تو کوئی شخص خود کو پاک بھی نہ کر سکتا کبھی بھی بے شک اللہ ہی اس کو پاک کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے) اس بنا پر سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا کہ "کوئی شخص اپنے عمل کے زور سے نجات آخرت حاصل نہیں کر سکتا- دریافت کیا گیا کہ کیا آپ ﷺ کی ذات گرامی بھی اس میں شامل ہے آپ نے فرمایا ہاں' مگر حق

تعالیت کا فضل درکار ہے۔" اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہم مٹی ہوتے یا خود پیدا ہی نہ ہوتے۔ پس جو شخص اس بات کو سمجھ لے گا وہ غرور اور خود پسندی نہیں کرے گا۔

فصل : اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ بعض لوگ ایسے نادان ہیں کہ ایک ایسی چیز پر جو اپنی ملک نہیں خود پسندی اور غرور کرتے ہیں جیسے طاقت و قوت، حسن و جمال اور نسب، ایسا غرور جہالت کی علامت ہے کیونکہ اگر ایک عالم یا عابد یہ کہے کہ علم میں نے حاصل کیا اور عبادت میں نے کی تو ایسا خیال کرنے کی ایک گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن ایسا خیال خود حماقت محض ہے اور ایسا کون ہے جو ظالموں اور بادشاہوں کے نسب پر ناز کرتا ہو جبکہ وہ اس بات پر غور کرے کہ دوزخ میں ان لوگوں کا کیا حال ہوگا اور قیامت میں ان کے دشمن ان کی اہانت اور تذلیل کریں گے تو بجائے ناز کرنے کے وہ ان سے ننگ رکھتا، بلکہ کوئی نسب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نسب سے شریف تر نہیں ہے اور اس پر فخر کرنا بھی بے جا ہے کہ اس نسب سے تعلق رکھنے والے بعض لوگ تو اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ معصیت اور خداوند تعالیٰ کی نافرمانی سے ان کا کچھ نقصان نہیں ہوتا جو چاہیں سو کریں۔ یہ لوگ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ جب باپ دادا کے عمل اور ان کے احکام کے خلاف کریں گے تو ان کا یہ سلسلہ نسب کٹ جاتا ہے باقی نہیں رہتا اور یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان کو بزرگی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ نسب سے۔ پھر ان کے اجداد میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے (وہم از نسب ایشانے کسانے اند کہ سکانِ دوزخ اند۔ کیمیائے سعادت نولکشوری ایڈیشن ۱۸۷۹ء ص ۲۸۵)

رسول اکرم ﷺ نے نسب پر فخر کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ "سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام خاک سے پیدا کیے گئے ہیں۔"

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو قریش کے سردار اور شرفاء کہنے لگے "کہ اس حبشی غلام کا یہ درجہ ہوا کہ اس کو اذان کہنے کا حکم دیا گیا (موذن مقرر کیا گیا) تب یہ آیت نازل ہوئی :

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۝ — تم میں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ ہے۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی :

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۝ — اور اپنے نزدیک کے قرابت والوں کو (عذاب سے) ڈرائیے۔

تو رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ "اے محمد (ﷺ) کی بیٹی تم اپنی تدبیر آپ کرو کہ میں کل تمہارے کام نہ آؤں گا۔" اور حضرت صفیہ (بنت عبدالمطلب) سے فرمایا کہ "اے محمد (ﷺ) کی پھوپھی آپ اپنے کام میں سرگرم رہیں کہ میں تمہاری دستگیری نہیں کر سکتا۔ (یا عمہ بکارِ خود مشغول شو کہ من ترا دست نگیرم) اگر حضور ﷺ کی قرابت آپ ﷺ کے قریبی عزیزوں کے کام آنے والی ہوتی تو آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو

عبادت کی مشقت سے رہائی دیتے تاکہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آرام سے زندگی بسر کرتیں اور دونوں جہاں میں ان کا بیڑا پار ہوتا- اگرچہ قرابت والے کو آپ علیہ السلام کی شفاعت کی بڑی امید ہے لیکن ہو سکتا کہ اس نے کوئی ایسا بڑا گناہ کیا ہو جو شفاعت کا اہل اس کو نہ بنا سکے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلاَ یَشْفَعُوْنَ اِلاَّ لِمَنِ ارْتَضٰی (الایہ)
اور نہیں شفاعت فرمائیں گے مگر اس کی جس سے خداوند تعالیٰ خوش ہو-

اور شفاعت کی امید میں خلاف شریعت من مانے کام کرنا ایسا ہے گویا بیمار ہے اور پرہیز نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کھاتا ہے اس امید پر کہ اس کا باپ طبیب کامل ہے- ایسے شخص کو بتانا چاہیے کہ کوئی مرض ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ وہ علاج قبول نہ کرے اور طبیب کی حذاقت رکھی رہ جائے بلکہ مزاج کو ایسا رکھنا چاہیے کہ طبیب اس کی مدد کر سکے اور جو شخص بادشاہ کا مقرب ہو وہ تمام حالتوں میں کسی کی سفارش نہیں کرے گا- بلکہ جب بادشاہ کسی سے خفا ہو تو شفاعت کسی کی کام نہیں آئے گی اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو خدا کی ناخوشی کا سبب نہ ہو کیونکہ حق تعالیٰ کی نارضامندی معصیت کے اندر ہے جس گناہ کو بندہ کم بھی سمجھے وہ اس کی ناخوشی کا سبب ہو گا- چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًاوَّ هُوَعِنْدَاللهِ عَظِیْمٌo
تم اس گناہ کو چھوٹا سمجھے ہو لیکن خدا کے نزدیک وہ بڑا ہے-

اسی طرح تمام مسلمانوں کو شفاعت کی امید ہے لیکن اس امید سے عقلمند لوگ نڈر اور بے خوف نہیں ہوں گے اور جب دل میں خوف ہو تو غرور اور عجب کی گنجائش باقی نہیں رہتی- واللہ سبحانہ وتعالیٰ

اصلِ دہم

غفلت، گمراہی اور غرور کا علاج

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ جو کوئی سعادتِ آخرت سے محروم رہا اس کا سبب یہ تھا کہ وہ راہِ الٰہی پر نہیں چلا- اور نہ چلنے کا سبب یہ تھا کہ یا تو اس نے اس راستے کو جانا ہی نہیں یا جان نہ سکا (اس کو قدرت نہ تھی کہ اس راہ کو جان سکے) اور اس نادانی کا موجب یہ تھا کہ وہ خواہشات کے ہاتھوں میں اسیر رہا اور شہوت و خواہش پر غالب نہ آسکا اور نہ جاننے کی وجہ یہ تھی کہ وہ غفلت میں مبتلا رہا اور راہ کو گم کر دیا یا راستہ پر قدم رکھنے کے بعد کسی پندار اور گھمنڈ میں مبتلا ہو کر راستہ سے بھٹک گیا اور وہ شقاوت اور بدبختی جو عدم قدرت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کا ذکر کیا جا چکا ہے اور ایسی شقاوت اور بدبختی جو نادانی و جہل کی بدولت پیدا ہوتی ہے اس کی بابت ہم بیان کرتے ہیں-

ایسے لوگوں کی مثال جو قدرت نہ ہونے کے باعث اس راستہ سے رہ گئے ہیں اس شخص کی طرح ہے جس کو راستہ طے کرنا ضروری ہے لیکن راستہ میں بہت سے نشیب و فراز ہیں اور راہ رو ضعیف ہے اور وہ بلندی کو عبور نہیں کر سکتا، راہ کے

یہ نشیب و فراز' جاہ و مال اور نفسانی خواہش ہے۔ جن عقبات کا ہم نے ذکر کیا ہے تو کوئی شخص تو ایسا ہو گا کہ ایک گھاٹی کو عبور کر سکتا ہے لیکن دوسری گھاٹی کو عبور کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے اور کوئی ایسا ہو گا کہ وہ دو گھاٹیوں کو عبور کرے اور تیسری کو عبور نہ کر سکے اور ظاہر ہے کہ جب تک تمام گھاٹیوں سے پار نہ ہو جائے منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔

شقاوت کے اقسام : وہ شقاوت جس کا باعث اور موجب نادانی ہو' تین قسم کی ہے۔اوّل غفلت اور بے خبری ہے اور اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ قافلہ چلا جائے اور وہ سوتا ہوا رہ جائے' اب اگر اس کو کوئی بیدار نہیں کرے گا تو وہ مارا جائے گا۔دوسری قسم ضلالت و گمراہی ہے اور اس میں مبتلا شخص کی مثال اس آدمی کی ہے کہ اس کا ارادہ مشرق کی طرف جانے کا ہو اور جائے مغرب کی طرف' اب یہ جتنا زیادہ سفر کرتا جائے گا اتنا ہی منزل مقصود سے دور ہوتا جائے گا اس کو ضلال بعید کہتے ہیں۔یعنی عظیم گمراہی۔اگر کوئی سیدھا راستہ چھوڑ کر دائیں یا بائیں طرف مڑ جائے تو یہ بھی ضلالت ہے لیکن "ضلالتِ بعید" نہیں ہے۔شقاوت کی تیسری قسم غرور و پندار ہے' اس میں مبتلا شخص کی مثال اس حاجی کی ہے کہ حج کے واسطے جانا چاہتا ہے اور اس کو جنگل (اثنائے راہ) میں خرچ کے لیے خالص سکوں کی ضرورت پڑے گی وہ اس ضرورت کے لیے اپنا سامان (جو کچھ اس کے پاس ہے) فروخت کر کے اس کے عوض روپے لے لیتا ہے لیکن وہ روپے کھوٹے یا عیب دار ہیں اور اس کو اس کی خبر نہیں ہے اور اس کو اطمینان ہے کہ اس کے پاس زادِ راہ موجود ہے اور اس کو خرچ کر کے وہ منزلِ مقصود کو پہنچ جائے گا لیکن جب وہ دیہات اور قریوں میں پہنچتا ہے اور (خرچ کے وقت) اپنے روپے لوگوں کو دیئے تو کسی نے ان کو قبول نہیں کیا آخر کار یہ بیچارا حسرت و تاسف کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے رہ جاتا ہے۔ایسے لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًاؕ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاؕ

کہہ دیجئے کہ قیامت کے دن بڑے نقصان والے وہ لوگ ہیں کہ دنیا میں ان کی محنت ضائع ہو گئی اور وہ سمجھے کہ انہوں نے اچھے کام کئے ہیں (جب دیکھا گیا تو سب کام بیجا کئے ہیں)

اس شخص کی خطا یہ ہے کہ اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے پرکھنے کا فن سیکھتا اس کے بعد سکے لیتا تاکہ کھوٹا کھرا اس کو معلوم ہو جاتا۔اگر خود اس کو یہ تمیز نہیں تھی تو لازم تھا کہ کسی صراف کو دکھاتا اور اگر یہ بھی ممکن نہ تھا تو کسوٹی کو حاصل کرتا (اور اس سے کس کو کھوٹا کھرا معلوم کرتا) اور صراف پیر و مرشد کی مانند ہے' استاد کو چاہئے کہ پیروں کے درجہ تک پہنچے یا کسی پیر و بزرگ کے پاس رہ کر اپنا عمل اس کو بتائے (تاکہ وہ اس کی اچھائی یا برائی بتا دے) مگر یہ دونوں باتیں ممکن نہ ہوں تو محک یا کسوٹی حاصل کرے' یہ محک یا کسوٹی اس کی خواہش نفسانی ہے۔پس جس کام کی طرف اس کی طبیعت مائل ہو اس کو باطل سمجھے۔ہر چند کہ اس میں بھی اکثر غلطی ہو جاتی ہے' لیکن اکثر صواب اور درست ہوتی ہے۔پس یاد رکھنا

چاہیے کہ شقاوت کے معاملہ میں نادانی کا بڑا دخل ہے- نادانی کی تین قسمیں ہیں ان تینوں کی تفصیل اور ان کا علاج جاننا فرض ہے- یعنی دین کے کام میں پہلی بات یہ ہے کہ راہ پہنچانے (راستہ سے واقف ہو) اس کے بعد اس پر چلنے کے طریقے معلوم کرے- جب ان دونوں باتوں سے آگاہی حاصل ہو جائے تو سمجھ لے کہ اس کا مقصد پورا ہو گیا- اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی مناجات کیا کرتے تھے :

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ — الٰہی جو ٹھیک بات ہو وہ ہمیں بتلا دے اور اس کی پیروی ہم کو نصیب فرما-

اس سے قبل ہم عدم طاقت کا علاج بتا چکے ہیں- اب غفلت و نادانی کی تدبیر اور اس کا علاج لکھا جاتا ہے-

غفلت و نادانی کا علاج

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر بندگانِ خدا بارگاہِ الٰہی سے دور پڑے ہیں اس دوری کا سبب غفلت ہے- سو میں ننانوے افراد کا یہی حال ہے- غفلت کے معنی یہ ہیں کہ لوگ آخرت کے کام کی دشواری سے بے خبر ہیں (ان کو نہیں معلوم کہ آخرت میں ان کو کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا) اگر ان کو ان دشواریوں سے آگاہی ہوتی تو وہ اس معاملہ میں ہرگز ایسی تقصیر اور کوتاہی نہ کرتے اس لیے کہ انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ کسی بلا کو دیکھتا ہے تو اس سے حذر کرتا ہے- خواہ اس کے لیے مشقت ہی کیوں نہ درکار ہو-

خطر آخرت سے آگاہی کا ذریعہ : خطر آخرت کو فیضان نبوت یا ان احکام نبی علیہ السلام سے جو دوسروں تک پہنچے یا علماء کے بیان سے جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں معلوم کر سکتے ہیں (خطراتِ آخرت سے آگاہی کا ذریعہ ہیں) کیونکہ جب کوئی شخص خطرناک راستہ میں سو جاتا ہے تو اس کا علاج اور تدارک یہی ہے کہ اس کا وہ غم خوار اور ہمدرد دوست جو بیدار ہو اس کے پاس جائے اور اس کو جگا دے- یہاں ایسے بیدار، مشفق اور غم خوار سے مراد رسول اکرم علیہ السلام اور آپ کے نائبین یعنی دین کے علماء ہیں- حق تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے- جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے :

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنَ ○ — تاکہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں-

اور فرمایا ہے :

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اٰتٰھُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّھُمْ يَھْتَدُوْنَ ○ — کہ تم ایسی قوم کو ڈر سناؤ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کریں-

اور تمام بندوں سے آپ فرما دیں :

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلاَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوالصّٰلِحٰتِ (الایہ)
بے شک انسان گھاٹے اور نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

یعنی سب کو دوزخ کے واسطے پیدا کیا ہے مگر وہ جو ایمان والے اور پرہیز گار ہیں اس سے چھوٹیں گے (ہمہ را بر کنارِ دوزخ آفریدہ اند) فَاَمَّا مَنْ طَغٰیo وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَاo فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰیo وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰیo فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰیo یعنی جو شخص دنیا کی طرف متوجہ ہوا اور خواہش نفس کی پیروی میں لگا وہ دوزخ میں گرے گا۔(وہی اس کا ٹھکانہ ہے) اور جو کوئی اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔)

گویا جو شخص دنیا کی طرف متوجہ ہوا اور نفسانی خواہش کی پیروی میں لگا رہا وہ دوزخ میں گرے گا۔ کیونکہ حرص و ہوا کی مثال اس حصیر یا چٹائی کی ہے جو دوزخ کے دھانے پر بچھی ہے۔ پس جو کوئی بھی اس چٹائی پر بیٹھے گا یقیناً اور لازماً غار میں گرے گا اور جو کوئی اپنی نفسانی خواہش کو مارے گا وہ بہشت میں جائے گا۔ شہوتِ نفسانی اس پشتہ کی طرح ہے جو بہشت کی راہ میں ہو گا جو اس پر سے گذر جائے گا وہ ضرور بہشت میں داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ہے:

حُفَّتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ وحُفَّتِ النَّارِ بِالشَّھَوَاتِ
بہشت کو مصائب و مشکلات سے وابستہ کر دیا ہے اور جہنم کو خواہشات سے۔

پس اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو صحرانشین اور بادیہ میں مقیم ہیں یا کوہستانوں میں آباد ہیں، جیسے بدو، جہاں علماء وغیرہ نہیں رہتے وہ خوابِ غفلت میں رہیں گے کہ ان مقامات پر ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والا کوئی نہیں ہے اور وہ خود آخرت کے خطرے سے بے خوف ہیں اسی وجہ سے وہ راہِ الٰہی پر گامزن نہیں ہوتے۔ ایسا ہی کچھ حال دیہات کا ہے کہ وہاں بھی عالم شاذ ہی رہتا ہے۔ چنانچہ قریہ (گاؤں) بھی گور کا حکم رکھتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

اھل الکور اھل القبور
کور دیہہ کے رہنے والے قبر کے رہنے والے ہیں۔

اسی طرح جو لوگ ایسے شہر میں آباد ہیں جہاں کوئی عالم یا واعظ موجود نہیں ہے یا اگر موجود ہے تو وہ دنیا کے کاروبار میں مصروف ہے اور اس کو دین کا کچھ غم نہیں تو اس کے باعث یہاں کے لوگ بھی غفلت میں مبتلا رہیں گے کیونکہ یہ عالم بھی غافل ہے اور سو رہا ہے اور جو خود سو رہا ہے وہ دوسروں کو کس طرح بیدار کرے گا۔

اگر شہر کا عالم منبر پر چڑھ کر وعظ و تذکیر کرتا ہے اور بیکار ادھر ادھر کی باتیں بناتا ہے اور رحمتِ الٰہی کے وعدے لوگوں کو سنا کر ان کو فریب دیتا ہے کہ اس کے معتقدین سمجھنے لگے ہیں کہ ہم طاعت کریں یا نافرمانی خداوند تعالیٰ کی رحمت سے بے نصیب نہیں رہیں گے تو ایسے لوگوں کا حال تو غافلوں سے بھی گیا گذرا ہے اور ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جو راستہ میں سو گیا تھا کسی نے اس کو سوتے سے جگا کر اتنی شراب پلا دی کہ وہ مست و بے خود ہو کر گر پڑا، پہلے تو یہ ایک معمولی

آواز سے بیدار ہو سکتا تھا لیکن اب تو ایسا مدہوش ہوا ہے کہ اگر کوئی پچاس ٹھوکریں بھی اس کے سر پر مارے تو بیدار نہ ہو- جاننا چاہیے کہ جو نادان ان پڑھ ایسی صحبتوں میں بیٹھے گا بگڑ جائے گا- عاقبت و آخرت کا خوف اس کے دل سے نکل جائے گا- اگر تم ایسے شخص کو نصیحت کرو گے (اور عمل کی طرف رغبت دلاؤ گے) تو وہ کہے گا جناب خاموش رہیئے- حق تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس کو میرے گناہ کی کیا پرواہ بہشت ہم گنہگاروں کو ضرور ملے گی، غرض ایسے ہی خام خیالات اس کے دماغ میں پیدا ہوتے رہیں گے- پس یاد رکھو کہ جو واعظ لوگوں سے اس قسم کی باتیں کہے وہ واعظ نہیں دجال ہے- لوگوں کے دین کا بوجھ اس کی گردن پر رہے گا، اس کی مثال اسی احمق طبیب کی سی ہے جو حرارت سے ہلاک ہونے والے بیمار کو شہد دے اور کہے اس میں شفا ہے اگرچہ شہد میں شفا ہونا صحیح اور درست ہے لیکن ایسے بیمار کے لیے جس کا مرض سردی سے ہو-

آیات رحمت اور احادیث مغفرت کن لوگوں کے لیے شفا کا حکم رکھتی ہیں؟:

خداوند تعالیٰ کی رحمت پر مبنی آیات اور مغفرت سے متعلق احادیثِ شریفہ صرف دو قسم کے بیماروں کے واسطے شفا کا حکم رکھتی ہیں- ایک تو ایسا بیمار جو کثرتِ معصیت کے باعث ناامید ہو کر توبہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ مجھ بندہ رو سیاہ کی توبہ بارگاہِ الٰہی میں ہرگز قبول نہیں ہو گی تو ایسے شخص کے حق میں آیاتِ رحمت اور احادیث مغفرت شفا ہوں گی- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

اے محمد ﷺ آپ ہمارے بندوں سے فرما دیجئے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں-

ان لوگوں کے سامنے جب یہ آیت پڑھے تو اس کے ساتھ یہ آیت بھی پڑھے:

وَاَنِیْبُوْآ اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَo

اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے حضور گردن رکھو (جھکاؤ) قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ ہو سکے-

دوسرا بیمار کون ہے: دوسرا بیمار وہ شخص ہے جو خدا کے خوف سے رات دن عبادت میں مشغول ہے اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ زبردست اور شاقہ ریاضت اس کو ہلاک کر ڈالے گی- نہ راتوں کو سوتا ہے نہ کھانا کھاتا ہے تو ایسے شخص کے لیے رحمت کی آیتیں اس کے زخموں کا مرہم ہیں، لیکن جب ان آیات و احادیث کو تو غافلوں سے کہے گا تو ان کی بیماری بڑھ جائے گی- اس طبیب کی طرح جس نے حرارت کا علاج شہد سے کر کے بیمار کا خون اپنی گردن پر لیا- اسی طرح یہ عالم بھی جو لوگوں کو بگاڑتا ہے حقیقت میں دجال کا رفیق اور ابلیس کا دوست ہے- جس شہر میں ایسا عالم سوء موجود ہے تو ابلیس کو وہاں جانے کی حاجت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ عالم خود بطور اس کے نائب کے وہاں موجود ہے-

اگر کسی واعظ کی بات شرع کے موافق ہے اور وہ اللہ (کی نافرمانی) سے ڈراتا اور نصائح کرتا ہے لیکن وہ خود ان باتوں پر عمل نہیں کرتا اور اس کا قول اس کے عمل کے خلاف ہے تب بھی لوگوں کی غفلت اس کے وعظ و تذکیر سے دور نہیں ہو گی- کیونکہ اس عالم کی مثال اس شخص کی ہے کہ جس کے سامنے ایک طباق شیرینی کا رکھا ہے اور وہ بڑے شوق سے خود مٹھائی کھا رہا ہے- لیکن لوگوں سے کہتا ہے خبردار اس مٹھائی کو نہ کھانا اس میں زہر کی آمیزش ہے اس کی یہ بات سن کر لوگوں میں مٹھائی کھانے کی خواہش اور زیادہ ہو گی اور وہ کہیں گے کہ یہ بات اس لیے کہی گئی ہے کہ سب کی سب مٹھائی وہ خود ہی کھا جائے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو-

عالم کا قول اور عمل دونوں شرع کے موافق ہیں اور اس کا رویہ بزرگان سلف جیسا ہے تو غافل لوگ اس کا وعظ سن کر ضرور خوابِ غفلت سے بیدار ہوں گے لیکن شرط یہ ہے کہ مخلوق میں وہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو یا اگر ایسی قدر و منزلت نہیں ہے بلکہ کچھ تھوڑے لوگ اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں اور کچھ لوگ اس سے گریز کرتے ہیں اور غفلت میں گرفتار ہیں تو ایسے عالم کو لازم ہے کہ حتی المقدور ایسے لوگوں کی غفلت دور کرنے میں کوشش کرے- ان کے گھر جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو بلائے- اس وقت اس کو معلوم ہو گا کہ ہزار افراد میں نو سو ننانوے افراد پر پردۂ غفلت پڑا ہے اور وہ کارِ آخرت سے بے خبر ہیں اور یہ غفلت بھی بیماری ہے کہ اس کا علاج بیمار کے ہاتھ میں نہیں ہے- جب غافل کو یہ خبر ہی نہیں کہ وہ غفلت میں پڑا ہے تو پھر وہ اپنے علاج کے درپے کس طرح ہو گا' اس کا علاج تو بس علماء کے ہاتھ میں ہے- جس طرح بچے ماں باپ اور استادوں کی باتوں سے ہشیار ہوتے ہیں (برائیوں سے بچتے اور نیکیوں کو اختیار کرتے ہیں) اسی طرح غافل لوگ ان واعظین کی نصیحت اور ان کے اقوال سے بیدار ہوں گے اور جب ایسا عالم اور واعظ مفقود ہے تو یقیناً غفلت کی بیماری غالب رہے گی اور لوگ اس سے بے خبر ہیں' عالم آخرت کی بات صرف اوپری دل سے سناتا ہے اور خود اس کے باطن میں آخرت کا بالکل ڈر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی بات کس طرح اثر کرے گی-

ضلالت و گمراہی اور اس کا علاج

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ آخرت سے غافل رہنے والے لوگوں کی تعداد تھوڑی نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں جو غلط اعتقاد رکھنے کے باعث راہِ حق سے دور ہو گئے ہیں اور یہ گمراہی ان کی محرومی کا سبب بن گئی ہے- ہم اس سلسلہ میں پانچ مثالوں کے ذریعہ اس کی وضاحت کریں گے تاکہ حقیقت ظاہر ہو جائے-

مثال اوّل: پہلی مثال یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے- جس طرح گھاس جب سوکھ جاتی ہے تو نیست و نابود ہو جاتی ہے' یا ایک چراغ تھا جو گل ہو گیا- اس بنا پر خدا کا خوف نہ کرتے ہوئے وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں

انبیاء علیہم السلام کی نصیحتیں محض خلق اللہ کی درستی کے لیے ہیں' یا ان کا یہ مطلب تھا کہ ان کو لوگوں میں مرتبت حاصل ہو اور بہت سے لوگ ان کے طالب اور پیرو بن جائیں' کبھی کبھی تو یہ منکرین صاف طور پر کہہ دیتے ہیں کہ دوزخ کا ڈر اور اس کا خوف تو بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک طفل نو آموز سے کہا جائے کہ اگر تم مکتب نہیں گئے تو اس کو چوہے کے بل میں ڈال دیا جائے گا' کاش! یہ بدبخت اپنی دی ہوئی اسی مثال پر غور کریں تو سمجھ لیں گے کہ طفلِ مکتب' مکتب نہ جانے کے باعث جس بدبختی میں پڑے گا وہ تو چوہے کے بل سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ صاحبان دل اچھی طرح جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے محرومی دوزخی سے بھی بدتر ہے اور وہ یوں جو کچھ کہتا ہے وہ نفس کی خواہش کی پیروی کے سبب سے ہے اور اس کا انکار طبیعت کے مطابق ہے۔ بہت سے بندوں کے دلوں پر یہ انکار آخری زمانے میں غالب آجائے گا خواہ وہ زبان سے اس کا انکار نہ کریں یا اپنی ذات ہی میں اس کو پوشیدہ رکھیں۔ لیکن ان کا عمل اس بات پر گواہی دے گا۔ کیونکہ ان کی عقل ہی ایسی ہے کہ دنیاوی راحت جو ان کو کل میسر آنے والی ہے اس کے لیے آج محنت کرتے اور مشقت اٹھاتے ہیں۔

اس کی بیماری کا علاج : ضلالت و گمراہی کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ آخرت کی حقیقت کا ان کو علم ہو اور یہ علم تین طرح پر ہے' ایک کہ بہشت اور دوزخ اور طاعت گذار اور عصیان شعار بندوں کا احوال اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ یہ صرف اولیاء کرام اور پیغمبران عظام کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ حضرات اگرچہ اس عالم میں ہیں لیکن فنا اور بے خودی کی جو حالت ان پر طاری ہوتی ہے وہ اس حال میں اس جہان کے احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں' (انسانی حواس اور نفسانی خواہشات میں مشغولیت کے باعث انسان اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتا) آغاز کتاب (کیمیائے سعادت) میں اس کا بیان کیا جا چکا ہے۔ ایسا شخص اس زمانے میں بہت ہی کمیاب ہے اور جو شخص سرے سے آخرت کا منکر ہے وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا اور نہ اس کی خواہش کرے گا اور اگر اس کی طلب بھی کرے گا تب بھی اس منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔

دوسرا طریقہ : اس بیماری کے علاج کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دلیل کے ذریعہ اس بات کو پہنچانے کہ انسان اور اس کی روح کی کیا حقیقت ہے تاکہ اس کو معلوم ہو کہ وہ ایک جوہر ہے جو قائم بالذات ہے اور اس قالب کی اس کو احتیاج نہیں ہے بلکہ یہ قالب تو اس کے لیے ایک مرکب یا سواری ہے جو اس کے قیام کا باعث نہیں بن سکتی (قالب روح کے لیے قیام بقاء کا سبب نہیں ہے) روح اس قالب کے فنا ہونے سے فنا نہیں ہوتی۔ مگر یہ طریقہ بھی دشوار ہے' یہ طریقہ اور یہ طور صرف ایسے علماء کو حاصل ہو سکتا ہے جو علم الیقین میں ثابت قدم ہوں' عنوان کتاب میں اس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔

تیسرا طریقہ : تیسرا طریقہ ایسا ہے کہ تمام لوگ اس سے بہرہ ور ہوں' یہ طریقہ ایسا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اولیائے کرام اور علمائے دین کی صحبت سے اس معرفت کا نور دوسروں میں سرایت کرتا ہے (دوسروں تک پہنچتا ہے) اسی نور معرفت کو

ایمان کہتے ہیں-اب جس کو پیر کامل اور عالم متقی کی صحبت میسر نہ آسکی اور اس صحبت سے اس نورِ معرفت کو حاصل نہ کر سکا تو وہ شقاوت و بدبختی میں گرفتار رہے گا اور انسان جس قدر عالم کامل کا پیرو ہو گا اسی قدر انسان کا ایمان زیادہ کامل ہو گا-

سرور کونین علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان تمام خلائق میں سب سے بہتر تھا' اس کے بعد تابعین حضرات رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے' کیونکہ ان حضرات نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھا ہے- حضور سرورِ کونین علیہ السلام نے فرمایا ہے:

خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ میرے زمانے کے لوگ بہترین لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے-

ان حضرات کی مثال ایسی ہے کہ ایک لڑکے نے اپنے باپ کو دیکھا کہ سانپ کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اگر سانپ گھر میں گھس آئے تو وہ گھر چھوڑ دیتا ہے جب لڑکے نے کئی بار اس کا مشاہدہ کیا اور بار بار یہ تماشہ دیکھا تو اس کو بالیقین یہ معلوم ہو گیا کہ سانپ ایک موذی جانور ہے اس سے بچنا چاہیے-اس طرح جب کبھی یہ لڑکا سانپ کو دیکھے گا ہیبت اور ڈر کے مارے بھاگ جائے گا-حالانکہ وہ اس کی ایذارسانی سے بذاتِ خود آگاہ نہیں ہے- ممکن ہے کہ اس نے کسی سے یہ بھی سن لیا ہو کہ یہ ایک زہریلا جانور ہے اگرچہ خود وہ اس کی کیفیت سے آگاہ نہیں (کہ سانپ نے اس کو ڈسا نہیں ہے) لیکن اس سے بہت ڈرتا ہے-

انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ: انبیاء علیہم السلام کے مشاہدہ کی مثال ایسی ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص کو سانپ نے ڈسا اور وہ ہلاک ہو گیا' پھر ایک دوسرے شخص کو سانپ نے کاٹا اور وہ بھی ہلاک ہو گیا تو ان کو اس کی مضرت کا علم اس مشاہدہ سے ہوا اور یہ یقین کامل کا درجہ ہے' اسی طرح علمائے راسخ کے علم کی دلیل کے لیے ہم یہ مثال پیش کر سکتے ہیں کہ اگرچہ آنکھ سے نہیں دیکھا' لیکن انہوں نے قیاس سے انسان کا مزاج اور سانپ کی طبیعت کا احوال معلوم کیا کہ ان دونوں میں ضد ہے اگرچہ اس سے بھی ایک قسم کا یقین حاصل ہوتا ہے لیکن وہ اس مشاہدے کی طرح قوی نہیں ہے- علمائے راسخ کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں کا ایمان' بزرگانِ دین کی صحبت کی تاثیر کا نتیجہ ہے اور یہ قریبی علاج ہے-

دوسری مثال: دوسری مثال یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ آخرت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن اس باب میں متحیر ضرور ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو آخرت کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی-بس اس وقت شیطان ان پر قابو پالیتا ہے اور ان کو ایک دلیل بتاتا ہے اس وقت وہ کہنے لگتے ہیں کہ دنیا یقین ہے اور آخرت غیر یقینی (مشکوک) پس ایک یقین چیز کو مشکوک چیز کے لیے ضائع کر دینا درست نہیں ہے-لیکن یہ خیال باطل ہے-کیونکہ اہل یقین کی نظر میں آخرت یقینی ہے-یہ لوگ جو حیرت میں گرفتار ہیں' ہم اس حیرت کا علاج بتاتے ہیں-دیکھو! دوا کا بدمزہ ہونا یقینی ہے اور اس سے شفا کا حصول مشکوک

ہے۔اسی طرح دریا کے سفر میں خطرات یقینی ہیں اور تجارت میں فائدہ بھی مشکوک ہے' یا تم پیاسے ہو اور کوئی شخص تم سے کہے کہ اس پانی کو مت پیو اس میں سانپ نے منہ ڈالا ہے تو پانی (پینے) کی لذت یقینی ہے اور زہر کا ہونا اس میں مشکوک ہے لیکن مشکوک ہونے کی بنا پر تم پانی کو استعمال نہیں کرتے اور کہتے ہو کہ پانی کی لذت کا اگر یقین قسم بھی ہو جائے تو چنداں نقصان نہیں ہے' لیکن اگر اس میں زہر ہونے کی بات سچ ہے' تو جان نہیں بچے گی اس طرح دل پانی پینے پر راضی نہ ہوگا (پس اس طرح تم نے ایک مشکوک کی خاطر ایک یقینی چیز کو ترک کر دیا۔) تو اسی طرح دنیا کی لذت تمہارے لیے سو برسوں سے زیادہ نہیں اور جب یہ گذر جائے تو پھر ایک خواب کی طرح ہے اور اس کے برعکس آخرت دائمی اور جاوداں ہے اور مصیبت کو کھیل نہیں سمجھنا چاہیے (آخرت جاوید است وبارنج بازی نتواں کرد) اور اگر یہ بات بھی تم جھوٹ سمجھتے ہو تو یوں سمجھ لو کہ تم یہ چند روز دنیا میں نہیں تھے' جس طرح تم ازل میں نہیں تھے اور ابد میں بھی نہیں رہو گے۔

پس آخرت کا معاملہ اگر سچا ہے تو (اس پر یقین کرنے سے) دائمی عذاب سے تجھ کو نجات مل جائے گی۔اس بنا پر حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک ملحد سے فرمایا تھا "کہ اگر حقیقت مرے اعتقاد کے مطابق ہے تو پھر ہم سب آخرت کے عذاب سے چھوٹے اور آزاد ہوئے اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت ہے تو اس صورت میں صرف ہم عذاب آخرت سے بچے اور تو دوزخ میں جائے گا۔

تیسری مثال: تیسری مثال یہ ہے کہ بعض لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت نسیہ ہے اور نقد نسیہ سے ہمیشہ بہتر رہا ہے' وہ اتنا نہیں جانتے کہ نقد ادھار سے اسی وقت بہتر ہو سکتا ہے کہ دونوں ہم مقدار ہوں۔لیکن ادھار اگر ہزار ہو اور نقد اس کے مقابل ایک ہو تو پھر ادھار ہی بہتر ہوا۔چنانچہ مخلوق کے اکثر کام اسی بنیاد پر ہیں۔اگر کوئی اتنی بات بھی نہیں پہچانتا تو وہ گمراہی میں مبتلا رہے گا۔

چوتھی مثال: اس سلسلہ میں چوتھی مثال ان لوگوں کی ہے کہ جو آخرت کے قائل ہیں۔لیکن جب وہ اس دنیا میں آرام و آسائش سے کھاتے پیتے ہیں اور اپنے لیے دنیا کی نعمتوں کو وافر دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جیسے آرام اور چین سے ہم اس دنیا میں ہیں آخرت میں بھی اسی طرح فراغت اور آسائش سے رہیں گے۔اس لیے کہ دنیا میں حق تعالیٰ نے یہ نعمتیں ہم کو اس لیے مرحمت فرمائی ہیں کہ وہ ہم کو دوست رکھتا ہے اور وہ کل قیامت میں بھی اسی طرح ہمارے ساتھ لطف فرمائے گا۔ جیسا کہ سورۃ الکھف میں دو بھائیوں کے قصہ میں مذکور ہے کہ ان میں سے ایک بھائی نے دوسرے سے کہا:

وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًاo — جب میں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جاؤں گا تو اس سے زیادہ نیکی اور خیر مجھے حاصل ہو گی۔

یہ سن کر دوسرے بھائی نے کہا:

اِنَّ لِیْ عِنْدَہٗ لَلْحُسْنٰی — میرے لیے پروردگار کی طرف سے نیکیاں ہوں گی۔

اس خیال کا علاج یہ ہے کہ وہ یوں سمجھے کہ کسی کا ایک فرزند عزیز ہے اور ایک خوار و ذلیل غلام ہے' بیٹے کو وہ تمام دن مکتب کی قید اور استاد کی زجر و توبیخ میں گرفتار رکھتا ہے اور غلام کو آزاد و مختار رکھتا ہے کہ وہ اپنا تمام دن لہو و لعب میں گذارے (جس طرح چاہے اپنا دن گذارے) کیونکہ غلام کی بدبختی اور بے راہ روی کی اس کو پرواہ نہیں ہے۔ پس اگر غلام یہ خیال کرتا ہے کہ میرے آقا نے مجھے دوستی اور محبت کی بنا پر یہ آزادی دے رکھی ہے اور اپنے بیٹے سے زیادہ وہ مجھے پیار کرتا ہے تو یہ محض حماقت ہے' سنتِ الٰہی یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو دنیا کی نعمتوں سے محروم رکھتا ہے اور دشمنوں کو عطا کر دیتا ہے' تو اس شخص کا عیش و آرام اس شخص کے عیش و آرام کے مانند ہو گا کہ اس نے سستی اور کاہلی کے باعث بیج نہیں بویا۔ ظاہر ہے کہ وہ پھل بھی حاصل نہ کر سکے گا (کھیتی نہیں کاٹ سکے گا)۔

پانچویں مثال: اس سلسلہ میں پانچویں مثال اس شخص کی ہے جو یہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کریم و رحیم ہے وہ ہر ایک کو بہشت عطا کرے گا' ایسا خیال کرنے والا بے وقوف ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اس سے زیادہ رحمت اور کیا ہو گی کہ اس کو ایسے اسباب فراہم کر دیئے ہیں کہ وہ دانہ زمین میں بوئے اور ایک دانے کے عوض ستر دانے حاصل کرے۔ یعنی تھوڑے دن عبادت میں مشغول رہ کر ابد الآباد کی عظیم بادشاہی حاصل کرے۔

اگر تمہارے ذہن میں رحمت و کرم کے یہ معنی ہیں کہ بغیر بوئے تم کھیتی کاٹ لو' تو اس صورت میں دنیا کے اندر زراعت و تجارت اور روزی کی طلب تم کیوں کرتے ہو بس آرام سے بیٹھے رہو کہ حق تعالیٰ رحیم و کریم ہے اور اس کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ بغیر بیج بوئے اور محنت کے بغیر وہ سبزی (کھیتی) اگا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ تم ایسے کرم کے قائل نہیں ہو (بلکہ تجارت کرتے ہو' زراعت کرتے ہو تاکہ روزی حاصل کر سکو) باوجودیکہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا — زمین میں کوئی جنبش کرنے والا ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ اس کو نہ پہنچاتا ہو۔

تو پھر آخرت کے بارے میں تم ایسا کیوں خیال کرتے ہو' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلاَّ مَا سَعٰی٥ — انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کوشش اور تدبیر کی ہے۔

پس تیرا ایسا اعتقاد (جس کی تفصیل اوپر گذری) حد درجہ گمراہی ہے۔ چنانچہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے الاحمق مَنِ اتبع نَفْسَهٗ هَوَا هَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ (یعنی احمق وہ شخص ہے جو خواہشاتِ نفس کی پیروی کرے اور خداوند بزرگ و برتر سے (لطف و کرم کی) امید رکھے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جو بغیر نکاح کے یا مباشرت کئے بغیر یا مباشرت کے بعد عزل کرے (فرج سے باہر انزال کرے) اور پھر فرزند کی امید رکھے تو ایسے شخص کو احمق ہی کہا جائے گا' اگرچہ اللہ تعالیٰ بغیر نطفہ کے فرزند پیدا کرنے پر قادر ہے' اس کے برعکس جو شخص مباشرت کرتا ہے

اور نطفہ فرج میں پہنچادیتا ہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ حمل کی آفات سے محفوظ رکھ کر اس کو فرزند عطا فرمائے گا تو ایسا شخص یقیناً دانا ہے- اسی طرح اگر کوئی شخص ایمان نہ لائے اور عمل صالح نہ کرے اور پھر نجات کی امید رکھے تو وہ بڑا نادان ہے ہاں جو شخص ایمان لایا اور اعمال صالح بھی کئے اور پھر خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم کا امیدوار ہو کہ موت کے وقت اس کو آفات سے سلامت رکھے اور وہ باایمان قبر میں جائے تو ایسا شخص عاقل ہے- جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ہم کو دنیا میں فراغت و آسائش سے رکھا ہے لہٰذا آخرت میں بھی آسائش و فراغت عطا فرمائے گا کہ خداوند تعالیٰ رحیم و کریم ہے تو ایسے لوگ حق پر مغرور ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور یقین ہے اور آخرت نسیہ اور شک ہے (مشکوک ہے) تو یہ لوگ دنیا پر پھولے ہوئے ہیں (دنیا پر مغرور ہیں) حق تعالیٰ نے دونوں باتوں سے بچنے کا حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے :

یا ایھا الناس ان وعدالله حق فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم بالله الغرور

اے لوگو! جو کچھ اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے وہ حق ہے (کہ جو نیکی کرے گا اس کو آخرت میں نیک بدلہ ملے گا اور جو بد کرے گا اس کو برا بدلہ ملے گا) یاد رکھو دنیا پر مغرور مت ہونا اور خدا کو بھول نہ جانا-

پندار اور اس کا علاج

معلوم ہونا چاہیے کہ ارباب گمان اور صاحبانِ پندار دھوکے میں پڑے ہیں اور ان لوگوں کا وصف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے عمل کے بارے میں نیک گمان رکھتے ہیں (ان کو گمان ہے کہ ان کا عمل بارگاہ ایزدی میں مقبول ہے) اور اس کے نقصان سے غافل ہیں' ان کو کھوٹے اور کھرے کی تمیز نہیں ہے' کیونکہ ان لوگوں نے پرکھ (صیرفی) کا ہنر نہیں سیکھا- ان لوگوں نے صرف ظاہری صورت اور رنگ پر دھوکا کھایا ہے' حالانکہ جو لوگ علم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور غفلت و گمراہی سے باہر نکل آئے ہیں' ان میں بھی سو میں ننانوے نے فریب کھایا ہے- چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ :

"قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ تم اپنی اولاد میں سے جو دوزخی ہیں ان کو الگ کرو- آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ کس قدر لوگوں میں سے کتنے لوگوں کو نکالوں اس وقت حکم ہو گا کہ ہزار میں سے نو سو ننانوے کو الگ کرو یہ تمام اگرچہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے لیکن کچھ عرصہ اس کی آگ میں ضرور رہیں گے-"

ان لوگوں میں کچھ اہل غفلت ہیں' کچھ ارباب ضلالت ہیں اور چندے فریب خوردہ لوگ اور بعض ہوا و ہوس میں گرفتار لوگ ہیں اور وہ خود اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ تقصیر وار ہیں-

اربابِ پندار کے فرقے : اہل پندار بے شمار ہیں اور ان کے طبقوں کا شمار کرنا دشوار ہے لیکن یہ سب طبقے ان چار

طبقوں سے خارج نہیں ہوں گے- پہلا طبقہ علماء کا ہے' دوسرا عابدوں کا' تیسرا صوفیوں کا اور چوتھا تونگروں کا-

پہلا طبقہ: اہل پندار میں علماء کا ہے' ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے تمام عمر علم میں صرف کر دی ہے تاکہ بہت سے علوم و فنون حاصل کریں لیکن یہ لوگ عمل میں کوتاہی کرتے ہیں' اپنے ہاتھ' آنکھ' زبان اور شرمگاہ کو معصیت سے نہیں بچاتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ علم میں ایسے درجہ پر پہنچ گئے ہیں جہاں پہنچنے والوں کو عذاب نہیں دیا جاتا اور ان کے عمل کی پرسش نہیں ہو گی- بلکہ دوسرے ہزاروں لوگ ان کی شفاعت سے دوزخ سے نجات پائیں گے- ایسے عالموں کی مثال اس بیمار کی ہے کہ اس کو جو بیماری لاحق ہے اس کا حال اس نے کتاب میں پڑھا اور تمام رات بار بار اس کا مطالعہ کرتا رہا اور نسخہ پر نسخہ لکھتا رہا دوا اور پرہیز دونوں سے خوب واقف ہے لیکن دوا کسی طرح نہیں کھاتا اور دوا کے کڑوے ہونے پر صبر نہیں کرتا (دوا کڑوی ہے اس لیے نہیں پیتا) اس صورت میں دوا کی تعریف بار بار پڑھنے سے اس کو نفع کب ہو سکتا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ اس نے فلاح پائی جو پاک ہوا-

اور مزید ارشاد فرمایا:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ اور جس نے نفس کو خواہشات سے باز رکھا وہ بہشت میں داخل ہو گا-

ارشاد تو یہ فرمایا گیا ہے کہ فلاں اس شخص کے لیے ہے اس سے یہ مقصد تو نہیں کہ جس نے پاکی کا علم سیکھ لیا اس کے لیے فلاح ہے یا بہشت میں وہ شخص داخل ہو گا جو اپنی خواہشات کے خلاف کرے نہ ایسا شخص جس نے یہ معلوم کر لیا کہ خواہشات کے خلاف ضرور کرنا چاہیے-

اگر کسی سادہ لوح کے دل میں ان احادیث شریفہ کے باعث جو علم کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں یہ خیال خام پیدا ہو تو ایسا شخص ان احادیث کو کیوں پڑھتا جو علمائے سوء (برے عالموں) کے بارے میں آئی ہیں- قرآن حکیم میں ایسے شخص کی مثال ایسے گدھے سے دی گئی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں رکھی ہوئی ہیں' اور کتے کے مشابہ بھی فرمایا گیا ہے- حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ :

احادیث نبوی ﷺ: "عالم بد (سوء) کو دوزخ میں اس طرح پھینکیں گے کہ اس کی پیٹھ اور گردن ٹوٹ جائے گی اور آتشِ دوزخ اس کو اس طرح پھرائے گی جس طرح گدھا چکی کو پھراتا ہے- سب دوزخی اس کے پاس آکر دریافت کریں گے کہ تو کون ہے ؟ اور تجھ پر یہ کیسا عذاب ہے ؟ وہ کہے گا کہ میں نے کام کرنے کا حکم دیا اور خود اس پر عمل نہیں کیا- حضور سرور کونین ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے :

"قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہو گا جس نے علم کے مطابق عمل نہیں کیا-"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ :

"جاہل پر ایک بار افسوس ہے اور عالم پر سات بار افسوس ہے۔"

یعنی وہ اپنے علم کے سبب سے بڑے عذاب میں (بمقابلہ جاہل کے) گرفتار ہوگا۔ بعض علماء ایسے ہیں کہ انہوں نے علم و عمل میں کچھ کوتاہی نہیں کی لیکن وہ تمام ظاہری اعمال تو بجالائے لیکن اپنے دل کو پاک کرنے سے غافل رہے اور برے اخلاق جیسے تکبر، حسد، ریا، طلب جاہ اور لوگوں کی بدخواہی، ان کی مصیبت پر شاد اور ان کی راحت پر ناخوش ہونا ترک نہیں کیا اور ان احادیث سے غافل رہے (غفلت برتی) جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور "وہ شخص بہشت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا۔" اور "حسد ایمان کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔"

حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔"

ایسے علماء کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جس نے ایسی زمین میں بیج بویا ہو جس میں گھاس اور کانٹے اگے ہوئے ہوں، اس کو لازم ہے کہ پہلے گھاس اور کانٹوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے تاکہ اس کی کھیتی قوت پکڑے لیکن وہ گھاس کو اوپر سے کاٹ ڈالتا ہے اور اس کی جڑیں زمین میں یونہی چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح وہ جس قدر گھاس کو کاٹے گا وہ اتنی ہی اور بڑھے گی۔ یہی حال برے اعمال کی جڑ، برے اخلاق کا ہے۔ چاہیے کہ پہلے ان کو اکھاڑیں۔ وہ شخص جس کا دل ناپاک ہے اور اپنا ظاہر آراستہ و پیراستہ رکھتا ہے، اس کی مثال اس پائخانے کی ہوگی جس پر باہر سے چونا کیا گیا ہے اور اندر نجاست بھری ہے یا ایسی آراستہ قبر کی طرح کہ بظاہر اس کو سنوارا گیا ہو اور اندر مردہ لاش پڑی ہو، یا وہ اس اندھیرے گھر کی طرح ہے جس کے پیچھے چراغ جلتا ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علماء سوء کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"کہ علماء سوء چھلنی کی مانند ہیں کہ اس سے آٹا باہر گرتا ہے اور بھوسی اس کے اندر رہ جاتی ہے۔ یہی حال علماء سوء کا ہے کہ یہ لوگ بھی حکمت کی باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ برے اخلاق اور بری عادتیں ہیں وہ ان کے دل میں رہ جاتی ہیں۔"

ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جنہوں نے یہ جان لیا ہے کہ یہ برے اخلاق ہیں اور ان سے بچنا چاہیے اور دل کو ان برے اخلاق سے پاک و صاف رکھنا چاہیے۔ لیکن ان کا گمان یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دل کو ان برے اخلاق سے پاک رکھا ہے اور ان کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ ایسے برے اخلاق ان سے سرزد ہوں، کیونکہ وہ سب لوگوں سے زیادہ ان اخلاقی رذائل کی برائی سے واقف ہیں لیکن جب ان کے اندر تکبر پیدا ہوتا ہے تو شیطان ان سے کہتا ہے کہ یہ تکبر نہیں ہے، جو عالم دیندار ہے یہ بزرگی اس کو سزاوار ہے کہ عزت کی طلب دین ہے اگر تم عزت سے نہ رہو گے تو اسلام کی عزت نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب لوگ لباسِ فاخرہ پہنتے ہیں، گھوڑا اور شان و شوکت کا دوسرا ساز و سامان کرتے ہیں تو یہ خیال کرتے

ہیں (شیطان ان کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے) کہ یہ بات رعونت نہیں ہے بلکہ اہل دین کے دشمنوں کی شکست ہے (ان کی برتری کا سامان ہے) کیونکہ جب اہل بدعت علماء کو شان و شوکت میں دیکھتے ہیں تو وہ مغلوب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ رسول اکرم ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے پارینہ اور دریدہ لباس کو بھول جاتے ہیں' اور سمجھتے ہیں کہ جو کچھ اب ہم کر رہے ہیں ہمارے تجمل اور شان و شوکت سے اسلام عزیز ہوگا (اسلام کی عزت ہوگی) اور ان بزرگوں کے طریقے سے اسلام کی خواری تھی۔" اور اگر ان لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوتا ہے تو خیال کرتے ہیں اس میں دین کی استواری اور پختگی ہے اور اگر ریا پیدا ہوتا ہے تو خیال کرتے ہیں کہ اس میں مخلوق کی بھلائی پوشیدہ ہے دوسرے لوگ یہ حال دیکھ کر طاعت' بندگی کا راز سمجھیں گے اور ہماری پیروی کریں گے۔ جب یہ لوگ بادشاہوں کی خدمت میں پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ ظالم کے ساتھ تواضع سے پیش آنا نہیں ہے کہ وہ تو حرام ہے بلکہ ان کے پاس ہمارا جانا مسلمانوں کی سفارش اور کاربر آری کے لیے ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے مصلحت پوشیدہ ہے (مخلوق کی بھلائی ہے)

جب یہی لوگ ان بادشاہوں کا حرام مال قبول کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے کہ ہم اصل میں اس مال کے مالک نہیں ہیں ہم اس کو لوگوں کی ضروریات میں صرف کریں گے اور دین کے مصالح ہم سے وابستہ ہیں اور حال یہ ہے کہ اگر ایسا عالم انصاف سے کام لے اور غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ دین کی خوبی اس میں نہیں ہے۔ بلکہ دین کی خوبی اس میں ہے کہ لوگ دنیا طلبی سے بیزار رہیں اور جو لوگ اس عالم کی بدولت دنیا کی طرف متوجہ ہوئے ہیں ان کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہوگی جنھوں نے دنیا سے بے رغبتی کی۔ پس حقیقت میں اسلام کی عزت اس عالم کے نہ ہونے سے وابستہ ہوئی' نہ کہ ہونے سے' اور اسلام کی مصلحت اور بھلائی اسی میں ہے کہ یہ اور اس جیسے لوگ موجود نہ ہوں۔

کام کا علم: اس قسم کے گمان اور خیالات بالکل باطل اور لغو ہیں' ہم ان کا بیان اور ان کا علاج تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب ان کا پھر بیان کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔ بعض لوگوں نے نفس علم کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ یہ لوگ اس علم کو جو اصل میں کام کا علم ہے حاصل نہیں کرتے جیسے علم تفسیر' علم حدیث' علم تصوف' علم اخلاق ریاضت کے طریقے اور وہ دوسرے علوم جو ہم نے اس کتاب میں بیان کئے ہیں یعنی علم راہِ آخرت' دین کی راہ میں توفیق' دل کی نگہداشت اور مراقبہ کا طریقہ' یہ علوم ہر ایک شخص کے لیے فرض عین ہیں' یہ لوگ ان کارآمد علوم کو کارآمد علوم ہی تصور نہیں کرتے۔ بلکہ جنگ و جدل (باہمی عداوت) مذہبی تعصب' دنیاداروں کی لڑائی جھگڑوں کے فیصلے کے علوم کو حاصل کرتے ہیں اور ان علوم میں جو ان کو دنیا سے آخرت کی طرف بلانے والے' حرص سے قناعت کی طرف لے جانے والے ریا سے اخلاص کی طرف مائل کرنے والے' غفلت و بے فکری سے ڈرانے والے اور تقویٰ پیدا کرنے والے نہیں ہیں تمام عمر (بڑے ذوق و شوق سے) مشغول رہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ علم تو یہی ہے جو ہم نے حاصل کیا ہے۔ اور جو شخص علم دین اور علم اخلاق کی طرف راغب اور متوجہ ہوتا ہے اس کو یہ لوگ بے خبر اور جاہل کہتے ہیں' غرضیکہ ایسے تصورات غلط

انداز کی تفصیل بہت طویل ہے۔ہم نے اس کو احیاء العلوم میں کتاب الغرور کے تحت بیان کیا ہے' اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

واعظِ نادان: کچھ تھوڑے لوگ ایسے ہیں جنھوں نے علم وعظ سیکھا ہے ان کی تقریر بڑی مقفی اور مسجع ہوتی ہے انہوں نے جہاں کہیں سے بھی موقع ملا لطائف اور نکات انتخاب کرتے ہیں ان کو حفظ کرتے ہیں اور اس سے ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ لوگ ان کی تقریریں سن کر خوب داد دیں اور واہ واہ کریں' افسوس کہ وہ اتنی بات نہیں جانتے کہ وعظ کی غرض وغایت یہ ہے کہ دین کا درد (سننے والے کے) دل میں پیدا ہو اور جو شخص آخرت کی سختی معلوم کر کے غم سے رو دے تو اس وقت قرآن پاک پڑھنا (احکام الٰہی لوگوں کو سنانا) اور وعظ کہنا اس مصیبت کا ماتم ہے لیکن ایسا ماتم کرنے والا جس کے دل میں آخرت کا غم نہ ہو جو بات بھی کہے گا وہ عاریتاً ہو گی دل پر اثر نہیں کرے گی' اس فرقہ واعظان میں بھی بکثرت لوگ مغرور و متکبر ہیں اس کی شرح و تفصیل بہت دراز و طویل ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہیں کہ فقہ کے ظاہر مسائل کے حصول میں اپنی عمر صرف کر دیتے ہیں' ان کو یہ خبر نہیں کہ فقہ اس قانون سے عبارت ہے جس کے ذریعہ بادشاہ رعیت کا بندوبست کرتا ہے۔لیکن وہ علم جو آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔کچھ اور ہی ہے اور یہ فقیہہ یہ سمجھتا ہے کہ جو بات فقہ ظاہر میں درست ہے وہ آخرت میں فائدہ مند ہے۔مثلاً کوئی شخص زکوٰۃ کا مال سال کے آخر میں اپنی بیوی کو دے دے اور پھر اسی مال کو اس سے مول لے تو اس صورت میں ظاہری فتویٰ یہی ہے کہ زکوٰۃ اس مال سے ساقط ہو جائے گی۔یعنی بادشاہ کے خراج طلب کرنے والے کو اس سے زکوٰۃ مانگنے اور طلب کرنے کا حق نہیں ہوتا۔کیونکہ اس کی نظر تو ملک ظاہری پر ہے اور یہاں سال تمام ہونے سے پہلے ہی ملک باقی رہی اور فقیہ اسی ظاہری صورت پر فتویٰ دے گا لیکن ایسا کرنے والا اتنا نہیں جانتا کہ وہ اس شخص کی مانند ہے جو بالکل زکوٰۃ نہیں دیتا ہے۔بس وہ خداوند تعالیٰ کی نارضامندی میں مبتلا ہوگا۔وجہ یہ ہے کہ بخل مہلک ہے اور زکوٰۃ سے بخل کی نجاست جاتی رہتی ہے۔مال زکوٰۃ کے بعد طاہر ہوتا ہے اور بخل اس آدمی کو ہلاک کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے۔اور اس شخص کا اخیر سال میں (بیوی کو مال دینا) بخل کی اطاعت کرنا ہے۔جب بخل ایسے نیک کام میں انسان پر غالب ہو تو ضرور ہلاکت میں ڈالے گا' اس کو نجات کیونکر حاصل ہو گی۔

اسی طرح وہ شوہر جو بدخوئی سے اپنی بیوی کو ستاتا ہے محض اس لیے کہ وہ خلع مانگے اور مہر دیدے تو ظاہری فتویٰ میں یہ بات درست ہے کیونکہ دنیاوی قاضی تو ظاہری حالت پر حکم دے گا اور اس کا کام ظاہر سے ہے۔دلوں کے حال وہ نہیں جانتا لیکن آخرت میں وہ شخص اس معاملہ میں پکڑا جائے گا۔کیونکہ اس صورت میں جبر پایا جاتا ہے' اسی طرح کوئی شخص کسی شخص سے کھلم کھلا کچھ چیز مانگتا ہے اور وہ شخص شرم سے اس کو وہ چیز دے دیتا ہے تو ظاہری فتویٰ میں یہ چیز اس کے لیے مباح ہو گی اور حقیقت میں یہ مصادرہ ہے (کسی کا مال جبر و ستم سے لے لینا) اس لیے کہ ایک شخص کے دل پر شرم

کا تازیانہ مار کر رنجیدہ کر کے اس سے کچھ مال لے لیا جائے یا بظاہر مار پیٹ کر کے زبردستی اس سے مال چھین لیا جائے' دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہے' اسی طرح کے بہت سی مثالیں موجود ہیں اور وہ شخص جو فقہ ظاہری کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا وہ اسی گمان میں مبتلا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ دین کے پہلو سے ان حقائق پر نظر نہیں کرتا۔

طبقہ دوم: یہ دوسرا طبقہ زاہدوں اور عابدوں کا ہے' اس طبقہ میں بھی اہل پندار بہت ہیں' ان میں ایک گروہ ہے جو اپنے فضائل کے باعث بہت سے فرائض کی بجاآوری سے محروم رہتا ہے۔ مثلاً ایک شخص طہارت کے وسوسہ میں اس طرح مبتلا رہا کہ نماز اس کے وقت پر ادا نہیں کی۔ یا ماں باپ اور احباب سے درشت کلامی کرتا ہے یا پانی کے نجس ہونے کا گمان بعید' اس کے لیے گمان قریب میں بدل گیا ہے وہ جب کھانا کھانے کے لیے بیٹھتا ہے' تو سمجھتا ہے کہ تمام چیزیں اس میں حلال موجود ہیں ہو سکتا ہے کہ اس گمان کے تحت وہ کبھی حرام محض کو بھی استعمال کر لے بغیر جوتے کے پاؤں کبھی زمین پر نہیں رکھتا۔ لیکن مال حرام خوب کھاتا ہے۔

اس شخص نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے حرام کے خوف سے ستر (۷۰) حلال چیزوں کو ترک کر دیا ہے۔ اس احتیاط کے باوجود آپ نے ایک موقع پر ایک نصرانیہ کے برتن سے وضو فرمایا۔ ان نادان لوگوں نے احتیاط لقمہ (طعام) پر احتیاط طہارت کو مقدم کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے کو پہنتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ اس شخص نے بڑی تقصیر کی ہے۔ حالانکہ حضور سرور کونین ﷺ نے وہ کپڑا پہنا ہے جو کفار نے ہدیۃً آپ کو بھیجا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافروں کے وہ کپڑے استعمال کرتے تھے جو مالِ غنیمت میں ان کو ملتے تھے اور کہیں ایسی کوئی روایت موجود نہیں کہ ان حضرات نے ان کپڑوں کو دھو کر پہنا ہے۔ بلکہ یہ حضرات مالِ غنیمت میں حاصل شدہ کافروں کے ہتھیار باندھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ ان ہتھیاروں کو جو پانی دیا گیا ہے (جس پانی میں بجھایا گیا ہے) یا جو لک (لاگ) اس میں ڈالی گئی ہے ناپاک ہو' یا جو چمڑا اس پر چڑھایا گیا ہے وہ مدبوغ (دباغت کیا ہوا) نہ ہو لہٰذا ناپاک ہے۔

پس جو شخص پیٹ' زبان اور دوسرے اعضاء کے باب میں تو احتیاط نہ کرے اور صرف طہارت کے سلسلہ میں اس قدر مبالغہ کرُے تو شیطان ہی اس پر ہنسے گا۔ بلکہ اگر کوئی شخص یہ شرائط بجالا کر پانی کے استعمال میں اسراف کرے یا نماز کا اوّل وقت (وسوسوں میں) گذار کر نماز ادا کرے تو ایسا شخص بھی مغرور ہے' ہم نے باب الطہارت میں ان تمام شرطوں کو بیان کر دیا ہے لہٰذا یہاں ان کا اعادہ نہیں کریں گے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ نماز کی نیت کے وسوسہ کے باعث بلند آواز سے نیت کرتے ہیں اور ہاتھ جھٹکتے ہیں اور احتمال ہے کہ ان وسوسوں میں کبھی پہلی رکعت ہی فوت ہو جائے' افسوس کہ ان کو یہ نہیں معلوم کہ نماز کی نیت بھی قرض ادا کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کی طرح ہے اور کوئی شخص بھی محض وسوسہ کی بنا پر قرض یا زکوٰۃ دوبارہ ادا نہیں کرتا۔

معنیٔ قرآن پر غور نہ کرنا: بعض لوگ ایسے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے حروف کی ادائیگی کے سلسلہ میں ان کو وسوسہ رہتا ہے چاہتے ہیں کہ اچھے اور صحیح مخرج سے ادا کریں اور نماز میں ان کا خیال بس اسی طرف رہتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کے معانی کا خیال رکھنا ضروری تھا کہ الحمد کے وقت سراپا شکر بن جائے۔ ایاک نعبد کے وقت توحید الٰہی اور عجز و بندگی میں مستغرق ہو جائے اور جب اھدنا کہے تو تضرع و زاری میں مصروف ہو جائے لیکن اس کے برعکس یہ عابد چاہتا ہے کہ ایاک اچھے مخرج سے ادا ہو' اس شخص کی مثال اس شخص کی مانند ہو گی کہ بادشاہ سے کچھ طلب کرتا ہے اس کو پکارتا ہے ایھا الامیر کہتا ہے اور بار بار اس کی تکرار کرتا ہے تاکہ یہ لفظ بخوبی ادا ہو جائے اور امیر کا میم پورے طور پر ادا ہو' اس میں کچھ شک نہیں کہ بادشاہ ایسے شخص سے ناخوش ہو گا۔

قرآن پاک کا ترتیل سے نہ پڑھنا: کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ہر روز ایک قرآن پاک ختم کرتے ہیں اور قرآن پاک کو جلد سے جلد پڑھ کر ختم کرنا چاہتے ہیں[1] صرف زبان سے پڑھ رہے ہیں اور دل اس سے بالکل غافل ہے۔ ان کی تمام تر کوشش یہی ہوتی ہے کہ جلد سے جلد ایک ختم ہو جائے پھر کہتے ہیں کہ ہم نے اتنے بار ختم کیا اور آج اتنی منزلیں ختم کر لیں' افسوس کہ یہ نہیں جانتے کہ قرآن پاک کی ہر آیت مقدس نامہ ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے' اس میں اوامر و نواہی' وعد و وعید' امثال و نصائح اور خویف و انذار[2] موجود ہیں تو پڑھتے وقت چاہیے کہ جہاں وعید[3] ہو تو خوف میں غرق ہو جائے اور جہاں وعد (خوشخبری) ہو وہاں مسرور ہو۔ امثال و قصص سے عبرت حاصل کرے اور اس کے نصائح گوشِ دل سے سنے اور ڈرانے والی آیات سے سراپا ہراس بن جائے۔ یہ تمام باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں' اس شخص کو جو صرف زبان ہلانے سے تعلق رکھتا ہے اس سے کیا فائدہ ہو گا اس کی مثال تو اس شخص کی ہے جسے بادشاہ نے ایک مکتوب لکھا جس میں کئی احکام مذکور ہیں یہ شخص الگ تھلگ بیٹھا ہوا اس مکتوب کو بار بار پڑھ رہا ہے اور حفظ کر رہا ہے اور اس کے معنی و مفہوم سے بے خبر ہے۔ کچھ حضرات حج پر جاتے ہیں' مکہ میں قیام کرتے ہیں اور وہاں (رمضان کے) روزے رکھتے ہیں لیکن اپنے دل اور زبان کو خطرات سے اور بے ہودہ باتوں سے بچا کے روزے کا حق ادا نہیں کرتے نہ پوری تعظیم و تکریم کے ساتھ مکہ مکرمہ کا حق ادا کرتے ہیں نہ زاد حلال تلاش کر کے راستہ (سفر) کا حق ہی ادا کرتے ہیں اور ہر وقت دل مخلوق کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اس کو مجاورین مکہ میں شمار کریں۔ وہ خود بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم کو اتنی بار وقوف عرفات کا شرف حاصل ہوا اور اتنے برس ہم نے حرم پاک میں مجاوری کی' پھر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ انسان کا اپنے گھر میں اس طرح رہنا کہ دل میں کعبہ کا شوق ہو اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان کعبہ میں ہو اور دل گھر میں لگا ہو اور اس بات کا بھی آرزو مند ہو کہ اس کو مجاور کعبہ سمجھیں اور اس پر مستزاد یہ کہ خواہستگار ہو کہ لوگ اس کو کچھ دیں (اس کی خدمت میں نذر پیش

۱۔ حضرت حجۃ الاسلام کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن بھذ قہ ھی خوانند' قرآن پاک کو بھاگم بھاگ یا بہت ہی تیزی سے پڑھتے ہیں جیسا کہ آج کل شبینہ وغیرہ میں رواج ہے۔

۲۔ انذار۔ ڈرانے والی باتیں۔ اس کا واحد نذر ہے۔ ۳۔ عذاب کا وعدہ۔

کریں) اور جب کچھ مل جائے تو بخل اور کنجوسی کے باعث کسی دوسرے کی شرکت اس کو گوارا نہ ہو یا کوئی دوسرا شخص اس میں سے کچھ طلب کرے۔

زہد ظاہری: کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زہد اختیار کرتے ہیں موٹے کپڑے پہنتے ہیں اور کم کھاتے ہیں اور مال کے اعتبار سے وہ زاہد نظر آتے ہیں لیکن طلب جاہ کو ترک نہیں کرتے جب لوگ ان سے ملاقات کو آتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی آنکھوں میں جچنے کے لیے خود کو بنا سنوار کر رکھتے ہیں انہیں سمجھنا چاہیے کہ طلب جاہ' طلبِ مال سے بدتر ہے اور اس کا ترک کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ انسان محض جاہ و شوکت کی طلب میں ہر قسم کی محنت اور تکلیف برداشت کر لیتا ہے لیکن حقیقت میں زاہد وہی ہے جو طلبِ جاہ سے واسطہ نہ رکھے' کبھی یہی لوگ دوسروں کے عطیہ اور نذرانہ کو قبول نہیں کرتے محض اس ڈر سے کہ کہیں لوگ ان کو زاہد نہ سمجھیں' اگر ان میں سے کسی سے یہ کہا جائے کہ بظاہر اس نذرانے کو قبول کر لیجئے اور وہ در پردہ کسی مستحق کو دے دیجئے تو اس کے لیے یہ بات تو قتل کرنے سے بھی زیادہ دشوار ہوتی ہے خواہ وہ مال حلال ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ اس کو یہ یقین ہے کہ اگر وہ یہ مال قبول کر لے گا تو لوگ اس کے زہد کے منکر ہو جائیں گے۔ بایں ہمہ یہ شخص مالداروں کی بڑی آؤبھگت کرتا ہے اور غریبوں' درویشوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ یہ تمام باتیں غرور و نادانی کی علامتیں ہیں۔

دل کو برے اخلاق سے پاک کرنا: کچھ لوگ ایسے ہیں جو عبادت میں قصور و کوتاہی نہیں کرتے' دن میں کئی ہزار رکعت نماز اور کئی ہزار تسبیح پڑھتے ہیں' دن کو روزہ دار اور رات کو بیدار ہوتے ہیں (قائم اللیل اور صائم الدھر ہوتے ہیں) لیکن دل کو برے اخلاق سے پاک و صاف نہیں کرتے ان کا باطن حسد' ریا اور تکبر سے پر ہوتا ہے' ایسے لوگ اکثر بدخو اور ترش رو (چڑچڑے) ہوتے ہیں جب بات کرتے ہیں تو غصہ کے ساتھ (بگڑ کر) ہر ایک سے لڑنا ان کا کام ہوتا ہے کاش انہیں معلوم ہوتا کہ بدخوئی انسان کی ساری عبادتوں کو نیست اور اکارت کر دیتی ہے۔ خلق تمام نیک عبادتوں کا سردار ہے اور یہ بدبخت شخص اپنی عبادت سے اللہ کے بندوں پر احسان رکھتا ہے اور سب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے تاکہ اس کو گزند نہ پہنچائے اور اس سے کوئی تعلق نہ رکھے اور وہ نادان اتنا نہیں سمجھتا کہ تمام زاہدوں اور عابدوں کے سردار حضرت سرور کونین ﷺ تھے اور آپ سب سے زیادہ ملنسار اور خوش خو تھے اور آپ ایسے شخص سے جو سب سے زیادہ بے باک اور بد اخلاق ہوتا اور لوگ اس کی بری خصلتوں کے باعث اس سے پہلو بچاتے' ملتے' اس کو اپنے پاس بٹھاتے اور اس سے مصافحہ کرتے اب غور کرو کہ ایسا بڑا کون احمق ہو گا جو اپنے پیر اور مرشد پر فوقیت ڈھونڈے گا اور ان سے بھی اونچی دکان سجائے گا' یہ سادہ لوح (عقل سے کورے) حضرت سرور کونین ﷺ کا دین اختیار کر کے آپ ہی کی سیرت کے خلاف عمل کرتے ہیں تو اس سے بڑی حماقت اور کون سی ہو گی؟

طبقہ سوم: تیسرا گروہ صوفیہ کا ہے' جتنا غرور و تکبر اس گروہ میں ہے کسی گروہ میں نہیں ہو گا (یہ لوگ جس قدر

مغرور ہیں کوئی اتنا مغرور نہیں ہوگا) "طبقہ سوم صوفیا اندر واندر میان ہیچ قوم چنداں مغرور نباشد کہ اندر میان ایشاں[1]"

کیونکہ راستہ جس قدر نازک اور مقصود اعلیٰ ہوتا ہے اسی قدر غرور زیادہ ہوتا ہے (چونکہ تصوف کا راستہ بہت باریک و نازک اور مقصد بہت اعلیٰ ہے اسی قدر ان میں غرور زیادہ ہے) حالانکہ تصوف کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان میں تین صفتیں پیدا ہوں' اوّل یہ کہ اس کا نفس اس کا مغلوب اور مطیع ہو جائے نہ اس میں حرص باقی رہے نہ غصہ (ان کا نیست و نابود ہونا مقصود نہیں بلکہ مغلوب ہونا مقصود ہے) یہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ وہ خود ان کو حرکت میں نہ لاسکے صرف شریعت کے حکم پر ان کا اظہار ہوسکے- مثلاً جب ایک قلعہ فتح کرلیا جاتا ہے تو وہاں کے باشندوں کو قتل نہیں کیا جاتا بلکہ وہ مطیع ہو جاتے ہیں- اس طرح اس کے سینے کا قلعہ سلطان شریعت کے ہاتھ میں مسخر ہو جائے (پھر اس کے سینے میں جو کچھ ہے وہ سلطانِ شریعت کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے)-

دوسری صفت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت اس کی نظر میں نہ رہے- یعنی وہ حس و خیال کے عالم سے گذر جائے کیونکہ دنیا کی جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں اس احساس میں جانور بھی شریک ہیں (وہ بھی ان کو محسوس کرتے ہیں) آنکھ' پیٹ اور نفسانی خواہش (توالد و تناسل) اس میں بھی موجود ہے اسی طرح بہشت بھی عالم حس و خیال سے باہر نہیں ہے- پس جو چیز جہت پذیر ہو اور خیال سے علاقہ رکھتی ہو وہ اس کی نظر میں اس طرح غیر معمولی اور حقیر ہونا چاہیے- جیسے حلوا اور مرغِ بریاں کھانے والے کے سامنے گھاس حقیر ہے کیونکہ اس کو جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خیال میں آنے والی چیز سبک اور حقیر ہے تو نادان لوگ ہی اس سے بہرہ ور ہوں گے اس لیے فرمایا گیا ہے اکثر اھل الجنة البلہ یعنی اکثر اہل جنت سادہ لوح[2] ہیں-

تیسری صفت یہ ہے کہ جلال و جمال الٰہی اس کو اس طرح محیط ہو جائیں کہ جہت و مکان اور حس و خیال سے اس کو سروکار نہ رہے بلکہ خیال اور حس اور علم کی جو ان دونوں (خیال اور حس) سے وجود میں آتا ہے بالکل خبر نہ رہے جس طرح آنکھ آواز سے اور کان رنگ سے بے خبر ہیں اس طرح بے خبر ہو جائے- جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تب اس کا قدم تصوف کے کوچہ میں پہنچتا ہے' ایسے شخص کا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس سے بھی ورا ہوتا ہے کہ جسے معرض بیان میں نہیں لایا جاسکتا- یہاں تک کہ بعض لوگ اس کو یگانگت اور اتحاد سے تعبیر کرنے لگتے ہیں' کچھ لوگ اس کا نام حصول رکھتے ہیں- جس کا قدم علم میں راسخ نہیں ہوتا تو ایسی حالت اس کو جب پیش آتی ہے تو وہ اس کو بخوبی (صحیح طور) بیان نہیں کرپاتا- اس وقت وہ جو کچھ کہتا ہے وہ کفر صریح نظر آتا ہے حالانکہ نفس الامر میں وہ حق ہے (کفر نہیں ہے) لیکن اس میں اسے بیان کرنے کا حوصلہ (اور سلیقہ) نہیں تھا تصوف کے راستہ کا ایک نمونہ یہ تھا (اینست نمودار ی از کار تصوف) تو تم اس

۱- اصل عبارت اس لیے دے دی ہے کہ شاید کسی کی طبع نازک پر یہ جملہ گراں گذرے اور کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ حضرت حجۃ الاسلامؒ نے ایسا تحریر نہیں فرمایا ہوگا- (کیمیائے سعادت مطبوعہ ایران ص ۶۳۸)

۲- اس مقام پر مترجم مناسب خیال کرتا ہے کہ امام حجۃ الاسلام قدس سرہ کے اصل الفاظ پیش کردیئے جائیں تاکہ ترجمہ شبہ سے بالاتر ہے امام غزالی فرماتے ہیں "کہ ہرچہ جہت پذیر بود خیال رابا وے کار باشد نزدیک وی ہمچناں شدہ بود کہ گیاہ نزدیک کسے کہ لوزینہ و مرغ بریاں یافتہ بود چہ بدانستہ بود کہ ہرچہ اندر حس و خیال آید خسیس است و نصیب ابلہاں باشد و اکثر اھل الجنۃ البلہ (کیمیائے سعادت چاپ تہران ص ۶۳۸ و ص ۶۳۹) مترجم

پر غور کرو تا کہ دوسروں کے پندار اور گمان کا تم کو اندازہ ہو سکے۔

صوفیانِ خام کار: صوفیانِ خام کار میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے صوفیہ حضرات کی گدڑی، سجادہ اور ظاہری گفتگو کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور ان کی ظاہری صورت، ان کا صوفیانہ لباس اختیار کر لیا اور ان کی طرح سجادہ پر سر جھکائے بیٹھے ہیں اور وسوسہ خیال کی بنیاد پر سر کو جنبش دے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اصل تصوف یہی ہے ان لوگوں کی مثال اس بوڑھی عورت کی سی ہے جو کلاہ سر پر رکھے ہے قبا پہنے اور ہتھیار لگائے ہے اور سپاہیوں کی بعض حرکات اس نے دیکھ کر سیکھ لی ہیں اس کو معلوم ہے کہ میدان جنگ میں سپاہی کیا کرتے ہیں، جوش پیدا کرنے والے شعر بھی پڑھتے ہیں الغرض ان کی تمام حرکات سے واقف ہے۔ جب اس ہیبت میں بادشاہ کے سامنے پہنچتی ہے تاکہ سپاہیوں کے دفتر میں اس کا نام بھی لکھا جائے، بادشاہ ظاہری صورت اور لباس سے ہٹ کر ہر ایک کے دعویٰ کی دلیل چاہتا ہے تو یا تو اس کے کپڑے اتروا تا ہے یا کسی سپاہی سے اس کو لڑواتا ہے تو اس وقت وہ دیکھتا ہے کہ یہ تو ایک عجوزہ ہے تو اس وقت وہ حکم دیتا ہے کہ اس فیلسوف بڑھیا کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈال کر مار ڈالے تاکہ آئندہ پھر کسی کو ایسی جرأت نہ ہو کہ بادشاہ کے سامنے اس قسم کی گستاخی کی جائے۔

ایک اور گروہ: اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان سے یہ نقل بھی نہیں ہوتی کہ وہ صوفیوں کا ظاہری لباس پہن لیں اور پرانے پیوند دار کپڑے ان کے جسم پر ہوں بلکہ وہ باریک لنگیاں باندھتے ہیں اور خوش نما گدڑیاں، سرمئی رنگ کی پہنتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جب کپڑے کو رنگ کر پہن لیا تو بس صوفی بن گئے، انہیں یہ نہیں معلوم کہ صوفیہ حضرات کپڑے کو سرمئی رنگ میں اس لیے رنگتے تھے کہ اسے بار بار دھونے کی ضرورت پیش نہ آئے اور کپڑوں کو سیاہ رنگ میں اس لیے رنگتے تھے کہ دین کے غم اور اس کے ماتم میں رہتے تھے اور یہ بدبخت لوگ تو اس قدر کاموں میں مصروف ہی نہیں کہ کپڑے دھونے کی ان کو فرصت ہی نہ ہو اور نہ ایسی افتاد ان پر پڑی ہے جو ماتمی لباس پہنا ہے، نہ ایسے غریب و لاچار ہیں کہ پھٹے کپڑوں کو پیوند لگا کر گدڑی بنالیں۔ بلکہ یہ تو نئے تھان اپنی گدڑیوں کے لیے پھاڑتے ہیں اور ان سے گدڑیاں بناتے ہیں، تو اس طرح یہ لوگ ظاہری لباس میں بھی ان کی پیروی اور تقلید نہ کر سکیں کیونکہ پہلے مرقع پوش (گدڑی پہننے والے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے کہ روایت میں ہے کہ آپ کے کپڑوں پر چودہ پیوند لگے تھے اور ان میں کی پیوند چمڑے کے تھے۔

ایک گروہ اپنی تقصیرات کا قائل نہیں: کچھ لوگ ایسے ہیں کہ نہ تو وہ پھٹا پرانا کپڑا پہننے پر راضی ہیں نہ وہ فرائض ادا کرتے ہیں اور نہ معصیت کو ترک کرتے ہیں، علاوہ ازیں اپنی تقصیرات کا بھی اقرار نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ شیطان اور اپنے نفس کے قیدی ہیں، ان کا مقولہ یہ ہے کہ کام دل سے ہے صورت سے نہیں۔ ہمارا دل ہمیشہ نماز میں لگا رہتا ہے اور

ہم مشغول حق رہتے ہیں- ہم کو ظاہری عمل کی حاجت نہیں ہے' یہ محنت (عبادت) و ریاضت تو ایسے لوگوں کے لیے مقرر کی گئی ہے جو اپنے نفس کے مطیع و فرمانبردار ہوں اور ہمارا نفس تو مردہ ہے- اور ہمارا دین تو دو قلہ[1] پانی ہے جو ان چیزوں سے ناپاک نہیں ہوتا اور بگڑتا نہیں ہے یہ لوگ جو عابدوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں ان مزدوروں کو مزدوری نہیں ملے گی اور جب عالموں پر نظر پڑتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو قیل و قال میں بند ہیں' ان کو حقیقت کا علم کہاں ہے- ایسے لوگ اور ایسا گروہ واجب القتل ہیں اور کافر ہیں- ان کا خون باجماع امت مباح ہے (ان کا مار ڈالنا اجماع امت سے مباح ہے)

کچھ ایسے لوگ ہیں جو مومنوں کے خدمتگار ہیں (ان کی خدمت میں لگے رہتے ہیں) اور اس خدمت کا حق یہ ہوتا ہے (خدمت اس وقت حقیقی خدمت سمجھی جاتی ہے) کہ آدمی ان پر اپنا جان و مال فدا کر دے اور ان مخدوموں کی خدمت میں خود کو بھی بھول جائے (ان کے عشق میں اس کو اپنا بھی ہوش نہ رہے) پھر جب کوئی ان ہی میں سے ان صوفیوں کے وسیلہ سے مال پیدا کرے اور مخلوق کو اپنا تابع بنائے' تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا نام بطور خدمت گار دور و نزدیک مشہور ہو جائے (کہ یہ فلاں صوفی صاحب کا خدمتگار ہے) اور اس طرح لوگ اس کی بھی تعظیم کریں' جہاں کہیں سے بھی مال ہاتھ آئے حلال و حرام کا خیال کیے بغیر اپنے مخدوم کی خدمت میں پیش کرے تاکہ اس کا بازار گرم رہے سرد نہ پڑنے پائے اور اس کی نادانی کا بھانڈا نہ پھوٹے' تو یہ گروہ بھی ریاکار ہے-

نفس کو زیر کرنا بہت بڑی کرامت ہے: کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے ریاضت کی ہے' نفس کی خواہشوں کو پامال کیا ہے اور خود کو خداوند تعالٰی کے حوالے کر کے ایک گوشتہ میں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں' کچھ عرصہ میں ان کو کشف ہونے لگا- ہر ایک بات کی ان کو خبر ہونے لگی' اگر کبھی کسی امر میں کوتاہی ہو جاتی ہے تو غیب سے اس کوتاہی پر متنبہ ہو جاتے ہیں' یہ پیغمبروں اور فرشتوں کو اچھی اچھی صورتوں میں دیکھتے ہیں اور کبھی خود کو آسمان پر دیکھتے ہیں- ممکن ہے کہ کیفیت و حالت درست ہو اور سچے خواب کی طرح ہو' لیکن خواب تو سوتے ہوئے لوگ دیکھتے ہیں اور یہاں بیدار شخص یہ خواب دیکھ رہا ہے اور اس پر مغرور ہو گیا ہے اور کہتا ہے کہ جو چیزیں ہفت آسمان اور زمین میں ہیں کئی بار مجھے دکھائی گئی ہیں- اس مرحلہ پر وہ سمجھنے لگتا ہے کہ ولائت کا مرتبہ کامل یہی ہے حالانکہ ابھی تو اس کو صنائع الٰہی سے یکسر مو بھی آگاہی حاصل نہیں ہوئی ہے اور یہ بزعم خود یہ خیال کرتا ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھ لیا ہے اس کے سوا اور کچھ موجود نہیں (کارخانۂ قدرت بس یہی کچھ ہے) جب یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے تو سمجھتا ہے کہ درجہ کمال کو پہنچ گیا اور اس طرح مسرور و شادماں ہو کر طلب کمال (عروج) سے باز رہتا ہے اور صورتِ حال یہ ہو سکتی ہے کہ وہ نفس جو مغلوب ہو گیا تھا قدرے زور آور ہو گیا ہو اور یہاں اس کا قصور یہ ہے کہ جب ایسی چیزیں اس پر آشکارا ہوئیں تو وہ اپنے نفس کے مکر سے بالکل بے خوف ہو گیا ہو اور یہاں اس کا قصور یہ ہے کہ جب ایسی چیزیں اس پر آشکارا ہوئیں تو وہ اپنے نفس کے مکر سے

۱- فقہی اصطلاح ہے دو قلہ آب طاہر بھی ہے اور مطہر بھی جیسے مساجد کے حوض جو شرعی حکم کے بموجب طول و عرض میں بنائے جاتے ہیں اور ان کی مساحت دہ در دہ رکھی جاتی ہے-

بالکل بے خوف ہو گیا اور خیال کر لیا کہ کمال کو پہنچ گیا- یہ ایک عظیم فریب اور غرور ہے اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے-ہاں اعتماد اس وقت کیا جا سکتا ہے کہ جب اس کی طبیعت بالکل بدل جائے اور سراپا شرع کا مطیع بن جائے اور اس قدر کہ کسی طرح کسی جہت سے بھی اس میں قصور نہ کرے-

شیخ ابو القاسم گرگانی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ :

"پانی پر چلنا ہوا میں اڑنا اور غیب کی خبریں دینا کرامت نہیں ہیں' بلکہ کرامات یہ ہیں کہ وہ شخص سراپا امر بن جائے یعنی وہ شریعت کا مطیع و فرماں پذیر ہو جائے اس طرح کہ اس سے حرام کا صدور نہ ہو-"

یہ حالت اعتماد کے قابل ہے (اس صورت میں اپنی حالت پر اعتماد کرنا روا اور درست ہے) لیکن ان امور کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے یعنی ممکن ہے کہ یہ تمام باتیں (بظاہر کمالات) شیطان کی طرف سے ہوں کہ شیطان کو ہی غیب کی خبر ہے-اسی طرح وہ لوگ جو کاہن کہلاتے ہیں وہ بہت سی آئندہ کی باتوں کی خبر دے دیتے ہیں اور ان سے عجیب عجیب باتیں ظہور میں آتی ہیں' پس قابلِ اعتماد حالت یہ ہے کہ احکام شریعت کی اطاعت میں خود کو محو کر دو اس صورت میں اگر تم شیر پر سوار نہیں ہو سکتے تو پروا نہیں کہ تم نے غضب کے کتے کو جو تمہارے سینے میں چھپا بیٹھا ہے اس کو اپنے قابو میں کر لیا اور عاجز کر دیا تو گویا تم نے شیر پر سواری کر لی' اگر تم غیب کی خبریں نہیں دے سکتے تو کوئی باک نہیں' اس لیے جب تم اپنے عیوب اور غرور نفس سے آگاہ ہو گئے اور اس کے مکر و فریب کا تم کو علم ہو گیا تو چونکہ نفس کا عیب غیب ہے-اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تم غیب سے آگاہ ہو گئے- اگر تم پانی پر نہیں چل سکتے تو کچھ مضائقہ نہیں' ہوا میں نہیں اڑ سکتے تو کیا مضائقہ کہ جب تم دنیا پرستی کی وادیوں سے نکل آئے اور دنیا کے مشغلہ کو ترک کر دیا اور اس کے دھندوں سے کوئی تعلق نہ رکھا تو گویا تم نے ایک وادی کو طے کر لیا-اگر تم یکبارگی پہاڑ پر نہیں چڑھ سکتے تو کوئی باک نہیں اس لیے کہ اگر تم نے شبہ کے ایک درم کو ٹھکرا دیا تو گویا تم نے ایک گھاٹی (عقبہ) ٹیکری کو پار کر لیا کہ حق تعالیٰ نے اس کو قرآن پاک میں ٹیلے اور عقبہ سے تعبیر فرمایا ہے ارشاد ہے فَلاَ اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ[1] یہ تھے اس پندار و غرور کے چند انواع جو مذکور ہوئے ان کا پورا بیان طوالت کلام کا موجب ہے-

طبقہ چہارم: طبقہ چہارم توانگروں اور دولت مند حضرات کا ہے' ان میں بھی پندار والے بہت سے موجود ہیں' اکثر دولت مند مسجدیں' سرائیں اور پل بناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں' ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ان تعمیرات میں حرام مال خرچ کیا ہو لازم تو یہ تھا کہ وہ یہ پیسہ اصل مال والے کے حوالے کرتے لیکن وہ اس کے جائے تعمیر میں صرف کرتے ہیں اس صورت میں معصیت اور زیادہ ہو جاتی ہے- حالانکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کارنامہ انجام[2] دیا ہے-بعض لوگ اگرچہ اس راہ میں حلال مال خرچ کرتے ہیں لیکن اس سے ان کی غرض ریا ہے یعنی اگر ایک دینار بھی اس راہ میں خرچ کرتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ ان کا نام عمارت پر کندہ کیا جائے (خشت پختہ پر تحریر کیا جائے) اگر کوئی اس پر راضی نہیں

۱- پوری آیت یہ ہے فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ (پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کود اور تو نے کیا جانا کہ وہ گھاٹی کیا ہے)

۲- آج کل تو ایسی صورت حال روزانہ ہی دیکھنے میں آئی ہے-ریس جوئے اور دھوکے اور فریب سے کمایا ہوا روپیہ محض نام و نمود کے لیے مسجدوں کی تعمیر میں صرف کیا جاتا ہے-

ہوتے اس ریا کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے اقربا اور پڑوس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو روٹی کے محتاج ہیں' اگر یہ شخص یہ رقم ان کو دے دیتا تو افضل تھا- لیکن وہ اس بات کو قبول نہیں کرتا کیونکہ کسی نادار شخص کی پیشانی پر یہ کس طرح لکھا جاسکتا کہ یہ پختہ عمارت فلاں شخص نے اللہ اس کی عمر دراز کرے تعمیر کرائی ہے- نادار کی مدد میں شہرت کا پہلو نمایاں نہیں ہوتا جبکہ مسجد' سرائے یا پل کی پیشانی پر کتبہ ذریعہ شہرت بنتا ہے-

نقش و نگار اور تزئین مسجد پر صرف کرنا: کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ حلال مال کو اخلاص کے ساتھ (بغیر ریا کے) مسجد کے نقش و نگار پر صرف کر کے یہ خیال کرتے ہیں کہ کار خیر انجام دیا ہے- لیکن اس کام میں دو برائیاں ہیں' ایک تو یہ کہ نقش و نگار اور تزئین کے باعث نماز میں لوگوں کا دل ادھر مشغول ہوگا اور پھر وہ خشوع کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکیں گے- دوسری قباحت یہ ہے کہ پھر ان کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوگی کہ مسجد ہی کی طرح وہ اپنے گھر کو بھی سنواریں اس طرح دنیا ان کی نظر میں آراستہ ہوگی اور سمجھیں گے کہ انہوں نے کار خیر انجام دیا ہے- رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب مسجد کو نقش و نگار سے اور قرآن پاک کو سونے چاندی سے سنوارو گے تو تم پر حیف ہے-"

مسجد کی رونق اور آبادی تو ایسے دلوں سے ہوتی ہے جن میں خضوع و خشوع ہو اور وہ دنیا سے متنفر ہوں پس ایسا کام جو حضور دل میں خلل انداز ہو' پس جو بھی ایسا کام کرے کہ خشوع ختم ہو جائے اور دنیا کی نظروں میں آراستہ ہو تو اصل میں مسجد کی ویرانی کا سبب ہوگا اور یہ نادان اس طرح مسجد کو ویران کر کے سمجھتا ہے کہ اس نے کارِ خیر کیا ہے' بعض مالدار یہ کرتے ہیں اور گداگروں کو اپنے دروازے پر جمع کرتے ہیں تاکہ ان کی سخاوت کا شہرہ ہو اور یہ لوگ کبھی خیرات ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو زبان آور اور نام آور ہوتے ہیں یا کبھی مال ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو حج کو جارہے ہیں یا خانقاہ میں مقیم ہیں تاکہ سب کے علم میں آجاوے اور وہ لوگ شکر گذار ہوں-

اگر تم ان سے کہو کہ یہ مال یتیموں پر خرچ کرو تو زیادہ بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ حج پر جانے والوں پر خرچ کرو تو وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ ان کو تو لوگوں کی ثناخوانی اور شکر گذاری کا شوق ہے- (مال خرچ کرنے کی ایسی راہ تلاش کرتا ہے کہ لوگ اس کے شکر گذار ہوں اور اس کی تعریف کریں) اس طرح مال خرچ کرنے کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کارِ خیر انجام دیا-

حضرت بشر حافیؒ کا ارشاد: کسی نے حضرت بشر حافی قدس سرہ سے مشورہ کیا کہ میرے پاس حلال کی کمائی کے دو ہزار درہم ہیں- میں چاہتا ہوں کہ حج کو جاؤں' آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے دریافت کیا کہ تم تماشہ (دکھاوے) کی خاطر جارہے ہو یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے' اس نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیت کی رضا کے لیے جارہا ہوں-

انہوں نے فرمایا جاؤ کسی (قرضدار) کو قرض دے دو اور اس کو بخش دو (دوام وہ کسے راو بدو بکذار) یعنی پھر طلب نہ کرنا' یا کسی یتیم یا کسی تنگ دست عیالدار کو دے دو- کیونکہ کسی مسلمان کا دل خوش کرنا سو (نفلی) حج کرنے سے بہتر اور افضل ہے' اس شخص نے کہا کہ میرا دل توجح کرنے کا بہت شائق ہے! شیخ بشر حافیؒ نے جواب دیا کہ تو نے اس مال کو حلال کی روزی سے نہیں کمایا ہے پس جب تک تو نامناسب کام میں اس کو خرچ نہیں کرے گا تب تک دل کو تسلی نہیں ہو گی-

کچھ لوگ ایسے بخیل ہیں کہ زکوٰۃ کی مقدار سے زیادہ مال خرچ نہیں کرتے اور یہ زکوٰۃ بھی ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو ان کے خدمت گار ہوں جیسے معلم یا شاگرد وغیرہ تاکہ ان لوگوں کے خدمت میں لگے رہنے سے ان کی شان و شوکت بر قرار رہے جس طرح وہ مدرس جو اپنے طالب علموں کو زکوٰۃ کا مال دیتا ہے' اگر وہ اس کے پاس نہ پڑھیں تو زکوٰۃ ان کو نہ دے- اس طرح زکوٰۃ دینا ایک قسم کا اجر ہے (جاگیر داری ہے) کہ وہ خود جانتا ہے کہ وہ زکوٰۃ شاگردی کے عوض دے رہا ہے (جب تک شاگرد ہے اس کو زکوٰۃ دے رہا ہے) باوجود اس کے وہ سمجھتا ہے کہ اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے- یہی شخص کبھی ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دیتا ہے جو ہمیشہ امراء کی خدمت میں لگے رہتے ہیں' اور ان لوگوں کی سفارش سے دوسروں کو دیتا ہے تاکہ ان لوگوں پر احسان رہے (کہ ان کی سفارش سے فلاں فلاں کو زکوٰۃ دی) اس تھوڑی سی زکوٰۃ سے چاہتا ہے کہ ان امراء سے اس تدبیر سے اپنے کچھ کام نکال لے اور کبھی محض شکر و ثناء کی امید ہوتی ہے اور اس کے باوجود سمجھتا ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی-

کچھ توانگر ایسے بخیل ہوتے ہیں کہ زکوٰۃ بھی نہیں دیتے اور مال جمع رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ پارسائی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں- رات دن نماز میں مصروف رہتے ہیں' روزے رکھتے ہیں ان کی مثال ایسے شخص کی ہے کہ اس کے سر میں درد ہو اور درد سر دور کرنے کے لیے اپنی ایڑی پر ضماد لگائے (لیپ لگائے) اس بد نصیب کو یہ خبر نہیں کہ اس کی بیماری بخل سے ہے (یہ بخل کی بیماری میں مبتلا ہے) زیادہ کھانے سے نہیں ہے اور اس کا علاج صرف خرچ کرنا ہے- بھوکا رہنا نہیں ہے- الغرض توانگروں کے غرور اسی طرح کے ہیں- اور کوئی گروہ اس سے نہ بچ سکا ہو گا مگر وہ شخص جو علم حاصل کرے جیسا کہ اس کتاب (کیمیائے سعادت) میں بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ عبادت میں ریا' فریبِ نفس اور شیطان کے مکر سے آگاہ ہو جائے' اس آگاہی کے بعد حق تعالیٰ کی دوستی ان لوگوں کے دلوں پر غالب آئے گی اور دنیا ان کے سامنے سے ہٹ جائے گی (دنیا نگاہوں میں بے قدر ہو جائے گی) وہ دنیا سے صرف بقدر ضرورت ہی کام رکھیں گے- ہر دم موت ان کے پیش نظر رہے گی اور زادِ آخرت کی تیاری میں مشغول رہیں گے اور یہ سب کچھ اس شخص کے لیے آسان ہو گا' جس کو خداوند جل جلالہ اس کی توفیق دے (جس پر ان امور کو آسان بنا دے) وفقنا الله لما تحب و ترضیٰ

کیمیائے سعادت کا رکن مہلکات ختم ہوا

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الْاَخْیَارِہ

☆ .... ☆ .... ☆
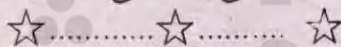
رکن چہارم

منجیات

کیمیائے سعادت کا چوتھا رکن

یہ دس اصل پر مشتمل ہے

اصلِ اوّل

توبہ

اے عزیز! معلوم ہو کہ گناہوں سے باز آنا اور خداوند تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا مریدوں کا پہلا قدم ہے اور سالکانِ راہِ طریقت کی ہدایت اسی میں ہے۔ ہر ایک انسان کے لیے یہ بات ضروری ہے۔ اس لیے کہ آغاز پیدائش سے آخر عمر تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں ہی سے ہو سکتا ہے۔ انسان سے (علاوہ پیغمبروں کے[1]) ناممکن ہے اور تمام عمر معصیت میں گرفتار رہنا اور خداوند تعالیٰ کی اطاعت نہ کرنا شیطان کا کام ہے۔

توبہ سے معصیت کا راستہ ترک کرنا اور اطاعت الٰہی اختیار کرنے کا کام آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا ہے جو کوئی توبہ کر کے گذشتہ تقصیرات کا علاج کر لیتا ہے گویا اس نے آدم علیہ السلام سے اپنی نسبت درست کر لی ہے مگر تمام عمر طاعت میں بسر کرنا آدمی سے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ابتدائے آفرینش ہی سے اس کو ناقص اور بے عقل بنایا گیا ہے اور سب سے پہلے شہوتِ نفسانی کو اس پر مسلط کر دیا گیا ہے اور یہ شہوتِ نفسانی شیطانی ہتھیار ہے اور عقل کو جو شہوت کی دشمن ہے اور فرشتوں کے جوہر کا نور ہے' اس کے بعد پیدا کیا گیا ہے' کیونکہ شہوت غالب ہو گئی تھی اور اس نے دل کے قلعہ کو زبردستی قبضہ میں کر لیا تھا' پس عقل بضرورت پیدا کی گئی اور توبہ و مجاہدہ کی ضرورت پیش آئی تاکہ فتح حاصل کی جائے اور اس قلعہ کو شیطان کے ہاتھوں سے چھین لیا جائے۔

توبہ انسانی ضرورت ہے: اس سے ثابت ہوا کہ توبہ انسانی ضرورت ہے اور یہ سالکوں کا پہلا قدم ہے۔ جب شریعت کے نور اور عقل کے نور سے بیداری حاصل ہو گی اور وہ ہدایت (راہ) اور ضلالت (بیراہی) میں تمیز کر سکے گا۔ بس یہ تو ایک فریضہ ہے جس کے معنی ضلالت و گمراہی سے لوٹنا (واپس ہونا اور ہدایت کے راستہ پر قدم اٹھانا ہیں۔

توبہ کی فضیلت اور اس کا ثواب

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو توبہ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

وَتُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥ — اے ایمان والو! تم سب اللہ سے توبہ کرو تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ۔

---

[1] متن کی عبارت اس طرح ہے "چہ پاک بودن از گناہ از اول آفرینش تا با آخر مر کار فرشتگاں است" میں نے عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے عقیدہ کے اعتبار سے متن میں "علاوہ پیغمبروں کے" اضافہ کیا ہے۔ مترجم

گویا جو کوئی فلاح کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ توبہ کرے- رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مغرب کی جانب سے آفتاب نکلنے (قیامت) سے پہلے توبہ کی اس کی توبہ قبول ہو گی- حضور سرورِ کونین ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "گناہ سے پشیمان ہونا توبہ ہے-" حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ "مخلوق کے راستے میں جو لاف کی جگہ ہے مت کھڑے ہو جو کوئی وہاں کھڑا ہوتا ہے تو جو کوئی گذرتا ہے اس پر ہنستا ہے اور اگر کوئی عورت وہاں پہنچ جاتی ہے تو اس سے بری باتیں کرتا ہے اور وہ شخص وہاں سے اس وقت تک نہیں ہٹتا جب تک دوزخ اس پر واجب نہیں ہو جاتی مگر یہ کہ وہ توبہ کرے-"

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں-"

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "جو کوئی گناہ سے توبہ کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے گناہ کاتبِ اعمال فرشتوں کو بھلا دیتا ہے- ہاتھ پاؤں اور اس محل کو جہاں سے معصیت اور گناہ سرزد ہوا ہے' فراموش کر دیتے ہیں اور جب وہ بندہ حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے تو اس کی معصیت پر کوئی گواہ نہیں ہوتا- حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "حق تعالیٰ بندے کی توبہ سکراتِ موت (موت کے غرغرہ) سے پہلے تک قبول فرما لیتا ہے-"

ایک اور حدیث میں آیا ہے "اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے لیے دستِ کرم فراخ فرمایا ہے جو دن میں گناہ کرے اور رات تک توبہ کرے یا اور اس کے لیے جو رات میں گناہ کرے اور دن تک توبہ کر لے- وہ اس وقت تک توبہ قبول فرمائے گا جب تک آفتاب مغرب سے نکلے-"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "اے لوگو! توبہ کرو میں ہر روز سو بار توبہ کرتا ہوں-" آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو گنہگار ہو لیکن اچھے گنہگار وہ ہیں جو توبہ کیا کرتے ہیں-"

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو کوئی گناہ سے توبہ کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو-"

مزید فرمایا سرورِ کونین ﷺ نے کہ "گناہ سے توبہ یہ ہے کہ پھر کبھی اس کا قصد نہ کرے-"

حضور سرورِ کونین ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ

وہ جنہوں نے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہو گئے' اے محبوب ﷺ تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں-

یہ لوگ (دین کو پراگندہ کرنے والے) اہلِ بدعت ہیں' ہر گنہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے مگر اہلِ بدعت کی توبہ قبول نہیں ہوتی- میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بیزار ہیں-"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان پر لے گئے تو انہوں نے زمین پر ایک مرد کو دیکھا جو ایک عورت سے زنا کر رہا تھا آپ نے اسی وقت اس شخص کے لیے بد دعا کی اور وہ دونوں اسی وقت ہلاک ہو گئے' ایک دوسرے شخص کو مبتلائے معصیت دیکھا آپ نے اس کے حق میں بھی بد دعا فرمائی اس وقت وحی آئی' اے ابراہیم ان بندوں سے درگذر کرو کہ یہ تین کاموں میں سے ایک کام کریں گے یا تو توبہ کریں گے اور میں اس کو قبول کروں گا- یا وہ مغفرت

پائیں گے' میں ان کو بخش دوں گا' یا ان کے ایسا فرزند پیدا ہو گا جو میری بندگی کرے گا' کیا تم نہیں جانتے کہ میرے ناموں میں سے ایک نام صبور ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"کہ جس بندے نے اپنے گناہوں سے ندامت کا اظہار کیا' ایسا نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طلبِ مغفرت سے پہلے نہ بخش دیا ہو۔" (گناہ پر پشیمان ہونے والے کو اللہ تعالیٰ اس کی طلبِ مغفرت سے پہلے ہی بخش دیتا ہے۔) حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا :

"کہ جانب مغرب میں ایک دروازہ ہے جس کی وسعت ستر سالہ یا چالیس سالہ راہ ہے' اس دروازہ کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کے واسطے کھول دیا ہے۔ یہ دروازہ جب سے زمین و آسمان پیدا کئے گئے ہیں کھلا ہے اور جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ کرے یہ کھلا رہے گا (یہ دروازہ بند نہیں ہو گا۔)

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے :

"دوشنبہ اور جمعرات کے دن بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں جو شخص توبہ کرتا ہے اس کے اعمال قبول کر لیے جاتے ہیں اور جو مغفرت چاہتا ہے اس کو بخش دیا جاتا ہے اور جو اولاد کا خواہاں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اولاد عطا فرماتا ہے اور جن دلوں میں کینہ بھرا ہے ان کو اسی طرح چھوڑ دیتا ہے۔"

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے :

"توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔"

"حق تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس اعرابی سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو لق و دق صحرا میں سو گیا ہو اور اس کا اونٹ جس پر مال و متاع لدا ہو۔ جب سو کر اٹھے تو اس اونٹ کو نہ پائے' اس کی تلاش میں لگ جائے۔ پھر اس کو یہ خوف پیدا ہو کہ وہ بھوک اور پیاس سے مر جائے گا اور وہ اپنی جان سے بیزار ہو کر کہے کہ اس سے بہتر ہے کہ مجھے موت آجائے اور وہ تلاش سے باز رہ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئے اور ہاتھ پر سر رکھ کر لیٹ کر سو جائے تاکہ اس حال میں موت آجائے' اس کو نیند آجائے اور پھر جب وہ سو کر اٹھے تو دیکھے کہ اس کے سرہانے وہ اونٹ تمام سامان کے ساتھ موجود ہے اس وقت وہ شکر الٰہی بجالائے اور کہے بار الٰہا! تو میرا آقا ہے میں تیرا بندہ ہوں' خوشی کی شدت میں اس کی زبان لڑکھڑائے اور غلطی سے کہے کہ الٰہی تو میرا بندہ ہے' میں تیرا خدا ہوں' خوشی کے مارے صحیح الفاظ زبان سے ادا نہ ہو سکیں' تو اس بندے کی خوشی سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو اس بندے کی توبہ سے خوشی ہوتی ہے۔"

توبہ کی حقیقت

اے عزیز! توبہ کی حقیقت' وہ نور معرفت اور وہ نور ایمان ہے جو آدمی کے دل میں پیدا ہو اور اس کے ذریعہ سے وہ یہ جان لے کہ گناہ زہر قاتل ہے۔ جب وہ یہ دیکھے گا کہ اس نے یہ زہر بہت سا کھالیا ہے اور ہلاک ہونے کے قریب ہے تو ضرور ندامت اور خوف اس کے دل میں پیدا ہو گا۔ مثل اس شخص کے جو زہر کھا کے پشیمان ہوا اور موت سے ڈر گیا۔ اب اس پشیمانی اور ڈر کے باعث وہ حلق میں انگلی ڈال کر قے کرنے لگتا ہے اور پھر دوا کی تلاش کرتا ہے۔ تاکہ باقی اثر بھی زائل ہو جائے۔ اسی طرح جب یہ شخص دیکھتا ہے کہ اس نے جو کچھ معصیت کی اور فسق کو اختیار کیا وہ زہر آمیز شہد کی طرح ہے جو بالفعل میٹھا تھا لیکن آخر کار میں اذیت دے گا تو اس طرح وہ اعمال گذشتہ پر نادم ہوا اور دہشت کی آگ اس کے دل میں سلگنے لگی کہ اب وہ تباہ ہو گیا اور اس خوف اور دہشت کی آگ سے گناہ اور معصیت کی رغبت بالکل نہ پائے اور حسرت دل میں پیدا ہو اور یہ ارادہ کرے کہ اب ایام گذشتہ کا تدارک کروں گا اور آئندہ کبھی گناہ کا نام نہیں لوں گا اور ظلم و جفا سے باز رہ کر مہر و وفا کا راستہ اختیار کروں گا۔ الغرض جس طرح پہلے وہ ناز' تجبّر' خوشی اور غفلت میں غرق تھا' اب وہ سراپا نالہ و زاری بن جائے اور حسرت و بے قراری اس سے ظاہر ہونے لگے۔ اسی طرح پہلے وہ غفلت شعاروں کی صحبت میں بیٹھا تھا۔ اب ان کے بجائے عالموں اور عارفوں کی ہم نشینی اختیار کرے۔

پس جاننا چاہیے کہ توبہ اسی پشیمانی کو کہتے ہیں' نور ایمان و نور معرفت اس کی اصل (جڑ) ہے اور اس کی شاخیں یہ ہیں کہ حالِ اوّل کو ترک کر دے' اپنے ہر ایک عضو کو معصیت اور مخالفتِ شرع سے بچائے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں لگا دے۔

توبہ ہر شخص پر بہمہ اوقات واجب ہے

اس سلسلہ میں کہ توبہ ہر شخص پر بہمہ اوقات واجب ہے' تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی فرد بلوغ کی عمر پر پہنچنے پر حالتِ کفر میں ہو تو اس پر توبہ واجب ہے' اس کو لازم ہے کہ کفر سے توبہ کرے۔ اگر ماں باپ کی تقلید میں مسلمان ہے زبان سے مکرر (شہادت) ادا کرتا ہے اور اپنے دل سے غافل ہے تو واجب ہے کہ اس غفلت سے توبہ کرے اور ایسی تدبیر کرے کہ اس کا دل حقیقتِ ایمان سے خبر دار ہو' ہماری اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ دلیل جو علم کلام میں مذکور ہے اس کو سیکھے۔ کیونکہ اس کا سیکھنا ہر ایک پر واجب نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ سلطانِ ایمان انسان کے دل پر اس طرح غلبہ حاصل کرے کہ یہ اس کا سراپا محکوم بن جائے' اس سلطانِ ایمان کے غلبہ اور حکمرانی کی علامت یہ ہے کہ جن اعمال کا تعلق جسم سے ہے وہ تمام کے تمام سلطانِ ایمان کے حکم کے مطابق ہوں۔ شیطان کی اطاعت اس میں نہ پائی جائے۔ اور جو آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔

حدیث نبوی ﷺ : حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

"کوئی ایسا نہیں ہے کہ وہ زنا کرے اور زنا کے وقت وہ مومن رہے اور کوئی چوری کرے اور چوری کے وقت مومن رہے۔"[1]

اس ارشاد سے حضور اکرم ﷺ کا یہ مقصود نہیں کہ وہ حالتِ زنا یا حالت دزدی میں کافر ہے۔ لیکن ایمان کی چونکہ بہت سی فروع ہیں اور ان میں سے ایک فرع یہ ہے کہ زنا کو زہر قاتل سمجھے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی زہر کو جان بوجھ کر نہیں کھاتا۔ پھر اگر زنا کا مرتکب ہو تو سمجھ لے کہ شہوت کے سلطان نے اس کے شاہِ ایمان کو شکست دے دی ہے اور اس کی غفلت سے ایمان غائب ہو گیا اس کا نور شہوت کی ظلمت میں چھپ گیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اوّل تو کفر سے توبہ واجب ہے۔ اگر کافر نہیں ہے بلکہ ایمان تقلیدی اور عادتی رکھتا ہے تو توبہ کرے اور اگر ایسا بھی نہیں ہے تو اغلب یہ ہے کہ کوئی شخص بھی گناہ سے پاک اور خالی نہیں ہو گا تو اس صورت میں بھی توبہ واجب ہے' اگر اس کا تمام ظاہر معصیت سے خالی اور پاک ہے تو پھر اپنے باطن پر نظر ڈالے کہ وہ حسد' کبر' غرور' ریا اور اسی قسم کے دوسرے گناہوں اور مہلکات سے خالی نہیں ہو گا۔ جو دل کی ناپاکیاں ہیں اور گناہوں کی جڑیں ہیں ان سب سے توبہ واجب ہے تاکہ ہر ایک کو حدِ اعتدال پر لے آئے اور ان تمام شہوتوں کو عقل و شرع کا مطیع بنادے۔ اور یہ بات بڑی ریاضت چاہتی ہے اور اگر انسان ان برائیوں سے بھی پاک ہے تب بھی وہ وسوسوں' برے خیالات اور نفس کے خطروں سے پاک نہیں ہو گا اور ان تمام چیزوں سے توبہ کرنا واجب ہے۔

اگر ایسا ہے کہ ان تمام مذکورہ باتوں سے بھی خالی ہے۔ تب بھی وہ بعض احوال میں ذکرِ حق سے غفلت کرتا ہو گا۔ اور خداوند تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ خواہ وہ ایک لحظہ ہی کے لیے کیوں نہ ہو' یہ بھی تمام نقصانات کی اصل ہے (کہ انسان لحظہ بھر کے لیے بھی خدا کو فراموش کر دے) اس سے بھی توبہ کرنا واجب ہے۔

اگر بالفرض ہمیشہ ذکر و فکر میں مصروف رہتا ہے اور ذکرِ الٰہی سے کبھی غافل نہیں ہوتا تو اس صورتِ حال کے بھی مختلف درجے ہیں اور جب وہ ایک درجہ ہے تو بہ نسبت درجہ فوق کے وہ حالتِ نقصان میں ہے۔ تو درجہ نقصان پر قناعت کرنا جبکہ درجہ فوق کو پاسکتا ہے' خسارت کا سبب ہے اور اس پر توبہ واجب ہے اور یہ جو حضرت سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ہر روز ستر بار توبہ کرتا ہوں۔" اس سے مراد یہی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی سیر ہمیشہ ترقی میں تھی ایک درجہ سے دوسرے درجہ فوق کی جانب اور آپ ﷺ کے ہر دوسرے قدم میں ایسا کمال نظر آتا تھا کہ پہلا قدم اس دوسرے قدم کی بہ نسبت کم درجہ نظر آتا تھا۔ تو آپ کا استغفار کرنا اس پہلے قدم کے سلسلہ میں تھا جو دوسرے قدم فوق سے کم پایہ تھا۔ اس کو بلا تشبیہ ایک مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے کہ :۔

کسی نے اگر کوئی ایک کام کیا جس کے عوض اس کو ایک درہم ملا اور وہ ایک درہم پاکر خوش ہوا اور اگر اس کو یہ خیال پیدا ہو کہ وہ تو ایک درم کے بجائے ایک دینار کما سکتا تھا اور اس نے ایک درہم پر قناعت کی تو یقیناً غمگین ہو گا اور

---

[1] کیمیائے سعادت کا متن یہ ہے : "کس زنا بکند و مومن بود از وقت زنا و دزدی بکند و مومن بود اندر وقت دزدی"

جب وہ ایک دینار کمانے لگے گا تو شاد ہوگا اور سمجھے گا کہ بس ایک دینار سے زیادہ کمانا ممکن نہ تھا لیکن جب اسکو یہ گمان ہوا کہ وہ گوہر پیدا کر سکتا تھا جس کی قیمت ہزار دینار ہوتی تو اس وقت وہ اپنی تقصیر سے پشیمان ہوگا کہ کیوں نہ گوہر کمایا اور دینار پر قناعت کی' پس وہ پشیمانی کے ساتھ توبہ بھی کرے گا' اسی مقام پر بزرگوں نے کہا ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتِ الْمُقَرَّبِیْنَ: مراد یہ ہے کہ پارساؤں کا کمال مقربین کے حق میں نقصان کی علامت ہے اور اس سے وہ استغفار کرتے ہیں- یہاں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس غفلت اور درجات کمال میں تقصیر سے توبہ کرنا تو فضائل میں داخل ہے فرض نہیں ہے- تو پھر یہ کیوں کہا گیا کہ اس سے توبہ واجب ہے- اس کا جواب یہ ہے کہ واجب کی دو قسمیں ہیں ایک تو واجب فتویٰ ظاہری کے اعتبار سے ہے جو عوام کے درجہ کے موافق ہے کہ اگر اس میں مشغول ہوں تو دنیا میں ویرانی اور خلل پیدا نہ ہو اور وہ دنیا کی زندگانی میں مشغول رہیں' یہ واجب وہ ہے جو ان کو عذابِ دوزخ سے بچاتا ہے اور دوسرا واجب وہ ہے کہ اگر عوام اس کو بجا نہ لائیں تو دوزخ کا عذاب تو ان پر نہیں ہوگا لیکن درجہ کمال پر پہنچنے کی آگ دل میں مشتعل رہے گی- اس وقت جب وہ آخرت میں کچھ لوگوں کو خود سے بالاتر دیکھیں گے تو یہ حسرت اور پشیمانی بھی ایک عذاب ہی کی طرح ہے' تو اس سے چھوٹنے کے لیے توبہ واجب ہے- چنانچہ دنیا ہی میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی کو اپنے ہمسروں سے زیادہ شان و شوکت حاصل ہوتی ہے تو اس کے دوسرے ہمسر غمگین ہوتے ہیں اور حسرت کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکنے لگتی ہے- حالانکہ مار پیٹ ہاتھ کاٹنے اور تاوان لینے کے غم سے محفوظ رہا چنانچہ اسی حسرت کے باعث روز قیامت کو یوم تغابن کہتے ہیں یعنی نقصان اور حسرت کا دن' کیونکہ اس روز کوئی شخص نقصان سے خالی نہیں ہوگا' جس نے عبادت نہیں کی ہوگی اس کو حسرت ہوگی کہ ہائے میں نے عبادت کیوں نہیں کی اور جس نے عبادت کی ہے اس کو حسرت ہوگی کہ اس سے زیادہ عبادت کیوں نہیں کی' اس وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی یہ عادت تھی کہ حتی المقدور عبادتِ الٰہی میں قصور نہیں کرتے تھے تاکہ کل قیامت میں ان کو حسرت و پشیمانی کا سامنا نہ ہو- چنانچہ سرورِ کونین ﷺ قصداً بھوکے رہا کرتے تھے' اور آپ کو معلوم تھا کہ کھانا کھانا منع نہیں ہے- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جب سرورِ کونین ﷺ کے شکمِ اطہر پر ہاتھ رکھا تو مجھے رحم آیا اور میں بے اختیار رونے لگی اور میں نے کہا کہ میری جان آپ پر قربان جائے' اگر آپ پیٹ بھر کر کھانا تناول فرمائیں تو اس میں کیا نقصان ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میرے گرامی برادران یعنی پیغمبران اولوالعزم جو مجھ سے پہلے گذرے ہیں انہوں نے آخرت کی نعمتیں اور بزرگیاں حاصل کی ہیں' میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں دنیا میں فراغت سے رہوں تو ان کے مرتبہ سے میرا مرتبہ کم نہ ہو جائے' پس اپنے بھائیوں سے چھوٹ جانے کی بہ نسبت چند روز کی یہ محنت اور سختی مجھے پسند ہے-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ: نقل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پتھر سر کے نیچے رکھ کر سو گئے ابلیس آپ کے پاس آیا اور بولا کہ آپ نے تو دنیا ترک کر دی تھی اب آپ اس سے باز کیوں آگئے- حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ آپ پتھر سر کے نیچے رکھ کر آرام جو کر رہے ہو' یہ سنتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو پھینک دیا اور فرمایا کہ لے مجھے اتنی دنیاداری سے بھی سروکار نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ: "ایک بار سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین مبارک میں نئے تسمے ڈالے تھے آپ کو وہ تسمے بہت خوشنما معلوم ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ نئے تسمے نکال کر پھر وہی پرانے تسمے ڈال دو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز دودھ پیا' دودھ پینے کے بعد ان کو خیال ہوا کہ وہ مشتبہ تھا' آپ نے حلق میں انگلیاں ڈال کر وہ دودھ الٹ دیا۔ حالانکہ اس قدر تکلیف سے وہ دودھ الٹا گیا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کاوش میں آپ کی جان نکل جائے گی' کیا ان کو معلوم نہیں تھا کہ عوام کا یہ فتویٰ نہیں ہے۔ (ظاہری فتویٰ کے لحاظ سے اس دودھ کا الٹنا واجب نہیں تھا) لیکن اے عزیز فتویٰ عام کچھ اور ہے اور صدیقوں کے کام کے خطرات اور ان کی سختیاں کچھ اور ہیں اور خداوند تعالیٰ کی معرفت سب سے زیادہ انہی لوگوں کو حاصل ہے اور اس کی راہ کا اندیشہ بھی سب سے زیادہ انہی کو حاصل ہے۔ تم یہ خیال نہ کر بیٹھنا کہ ان حضرات نے بے وجہ ہی یہ تکالیف برداشت کی ہیں۔ پس اے عزیز ان بزرگوں اور صدیقوں کی پیروی کر اور فتویٰ عام کے جھگڑے میں مت پڑ کہ وہ معاملہ ہی کچھ اور ہے۔

اوپر جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے تم پر یہ بات واضح ہو چکی ہو گی کہ بندہ تمام حالتوں میں توبہ کا محتاج ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سلیمان دارانی (قدس سرہ) نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اس بات پر پچھتاوے گا کہ اس نے اپنی عمر برباد اور ضائع کی تو یہی ایک غم مرتے دم تک کے لیے کافی ہے۔ پس جو گذشتہ زمانے کی طرح آئندہ زمانے میں بھی اپنے زمانے میں بھی اپنے وقت کو ضائع کرے (ایسے اسباب موجود ہوں جس سے اس کا آئندہ وقت برباد ہونا یقینی اور لازمی ہو) تو ایسا شخص غم گین کیوں نہ ہو مثلاً اگر کسی شخص کا قیمتی گوہر کھو گیا تو اس کا رونا بجا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ سزا اور آفت پہنچنے کا ڈر بھی لگا ہو تو وہ تو اور زیادہ روئے گا۔ پس عارفوں کی نظر میں زندگانی کا ہر ایک لمحہ ایک گوہر بے بہا ہے۔ جس کے ذریعہ سعادت ابدی حاصل ہو سکتی ہے۔ پس جب کسی شخص نے ایسے بے بہا گوہر کو معصیت کے کاموں میں مبتلا ہو کر' جو اس گوہر کی تباہی اور بربادی کا سبب ہوتا ہے' ضائع کر دیا۔ پس اس شخص کا کیا حال ہو گا' جب وہ اس معصیت پر واجب ہو اور ایسے وقت واقف ہو جب حسرت سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا اللہ تعالیٰ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّارَزَقۡنٰكُمۡ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ۝

اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑ مدت کے لیے مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوکاروں میں ہوتا۔

کہا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ موت کے وقت جب ملک الموت کو دیکھے گا اور جان لے گا

کہ اب جانے کا وقت آگیا ہے تو اس کے دل میں حسرت کی ہوک پیدا ہوتی ہے ایسی کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ اے ملک الموت! تم مجھے ایک دن کی مہلت دے دو تاکہ میں توبہ کرلوں' اور عذر خواہی کرلوں' اس وقت اس سے کہا جائے گا کہ بہت سے دن تیرے پاس موجود تھے اب جب عمر ختم کو پہنچی اور اب اس سے کچھ باقی نہیں رہا' اب اجل آئی۔ تب وہ کہے گا صرف ایک گھڑی کی مہلت دیدے۔ فرشتہ جواب دے گا گھڑیاں بیت گئیں اور کچھ وقت باقی نہیں ہے۔ غرض جب وہ مایوس ہو جاتا ہے اس کا ایمان ڈانواں ڈول ہونے لگتا ہے پس اگر روز اوّل میں اس کی سر نوشت میں شقاوت ہے تو اس وقت وہ انکار اور شک کر کے بدبخت ہو جائے گا اور اگر صاحب سعادت ہے تو اس کا ایمان سلامت رہے گا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ

اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر ہیں۔

بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ کے ہر بندے کے ساتھ دو راز ہیں' ایک راز تو وہ جس وقت شکم پیدا کیا تو فرماتا ہے:

"اے بندے! تجھے میں نے پاک و آراستہ کیا اور تیری عمر تجھے بطور امانت دی ہے خبردار رہنا کہ موت کے وقت تو اس کو کس صورت واپس دے گا۔"

اور دوسرا راز موت کے وقت ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

"اے میرے بندے! اس امانت کا تو نے کیا کیا؟ اگر تو نے اس کو سنوارا ہے تو اس کا تجھے ثواب حاصل ہوگا' اور اگر تو نے اس کو ضائع کر دیا ہے تو دوزخ کو تیرا انتظار ہے تیار ہو جا۔"

توبہ کی قبولیّت

معلوم کرنا چاہیے کہ جب توبہ کی شرط ادا ہوگی تو توبہ ضرور درجہ قبول کو پہنچے گی۔ جب تم نے توبہ کی ہے تو پھر اس کے مقبول ہونے میں شک نہ کرو بلکہ اندیشہ اور فکر اس بات کی ہونا چاہیے کہ توبہ کی شرط ادا ابھی ہوئی یا نہیں۔

معصیت محرومی کا سبب ہے: وہ شخص کہ جس نے انسان کے دل کی حقیقت کو پہچان لیا کہ وہ کیا ہے' اور جسم سے اس کا کس طرح کا تعلق ہے اور بارگاہِ الٰہی سے اس کو کیسی نسبت ہے اور کون سی بات اس کی محرومی کا سبب ہے تو وہ اس بات میں شک نہیں کرے گا کہ معصیت محرومی کا سبب ہے اور توبہ اس محرومی کا علاج ہے' قبولیت توبہ اسی کو کہتے ہیں۔

انسان کا دل ایک پاک گوہر ہے اور ملائکہ کی جنس سے ہے وہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں حضرت الٰہیت کا جمال نظر آتا ہے بشرطیکہ وہ اس دنیا سے بغیر کسی میل اور زنگ کے گذرا ہو۔ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل کے آئینہ پر

ہر گناہ کے صادر ہونے سے ظلمت طاری ہوتی ہے۔ اس کے برعکس طاعت وبندگی سے اس میں نور پیدا ہوتا ہے اور وہ معصیت کی ظلمت اور سیاہی کو دفع کرتا ہے' اس طرح طاعت کے انوار اور معصیت کی ظلمتیں دل کے آئینے پر پے بہ پے طاری ہوتی رہتی ہیں' جب سیاہی بڑھ جاتی ہے اور انسان توبہ کرلیتا ہے تو طاعت کا نور اس ظلمت کو دور کر دیتا ہے اور دل پہلی جیسی صفائی اور پاکیزگی کو حاصل کرلیتا ہے۔ اگر اس نے گناہوں پر اس قدر اصرار کیا ہے (گناہوں پر اس قدر مزاولت کی ہے) کہ اس کے دل کے جوہر پر زنگ لگ گیا اور اندر تک اس میں سرایت کر گیا تو پھر اس کا تدارک اس آئینہ کے مانند ممکن نہیں جس کے اندر زنگ اثر کر گیا ہو' ایسا دل توبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں زبان سے البتہ کہہ سکتا ہے کہ "میں نے توبہ کی۔" لیکن اس کی خبر دل کو نہیں ہوتی۔ اور نہ اس پر کچھ اثر ہوتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیے جس طرح میلا کپڑا صابن سے صاف ہو جاتا ہے اسی طرح دل کی ظلمت بھی طاعت وبندگی کے انوار سے پاک ہو جاتی ہے۔

ارشادات نبوی ﷺ: حضور سرورِ کائنات ﷺ کے اس سلسلہ میں کئی ارشادات[1] ہیں: فرمایا ہے:

"اے شخص ہر ایک بدی کے بعد نیکی کیا کر' نیکی اس کو محو کر دے گی۔"

"اگر تم اتنے گناہ کرو کہ (ان کے ڈھیر) آسمان تک جا پہنچیں اور اس کے بعد توبہ کرو تو توبہ مقبول ہو گی۔"

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

"کہ کوئی بندہ ایسا بھی ہو گا کہ وہ اپنے گناہ کے سبب سے بہشت میں جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! یہ کس طرح' حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ گناہ کر کے پشیمان ہوتا ہے تو وہ ندامت بہشت میں داخل ہونے تک اس کے ساتھ رہتی ہے۔"

علمائے کرامؒ نے کہا ہے کہ ایسے تائب کے حق میں (جس کا اوپر مذکورہ ہوا) ابلیس کہتا ہے کہ کاش میں اس کو گناہ میں مبتلا نہ کرتا۔

سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"نیکیاں گناہوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جس طرح پانی کپڑوں کے میل کو دور کر دیتا ہے۔"

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"کہ جب ابلیس ملعون ہوا تو بارگاہِ الٰہی میں اس نے کہا کہ الٰہی! تیری عزت کی قسم جب تک انسان کے جسم میں جان ہے میں اس کے دل سے نہیں نکلوں گا۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم! جب تک وہ جیتا رہے گا' میں توبہ کا دروازہ اس پر بند نہیں کروں گا۔"

نقل ہے کہ ایک حبشی حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا حضور! میں نے بہت سے گناہ کیے ہیں کیا میری توبہ قبول ہو گی' حضور ﷺ نے فرمایا ضرور قبول ہو گی۔ یہ سن کر وہ واپس چلا گیا اور پھر آ کر دریافت کیا

---

[1] متن میں کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ نے تمام احادیث کے ترجمے دے دیئے ہیں متون نہیں ہیں اس لیے ہم نے بھی متون تحریر نہیں کیے ہیں۔

کہ جب میں گناہ میں مبتلا تھا تو کیا حق تعالیٰ مجھے دیکھتا تھا' حضور علیہ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ تجھے دیکھتا تھا- یہ بات سنتے ہی اس حبشی نے ایک نعرہ مارا اور زمین پر گر کر جان دے دی-

شیخ فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو حکم کیا کہ گنہگاروں کو بشارت دے دو کہ اگر وہ توبہ کریں گے تو میں قبول کروں گا اور میرے دوستوں کو یہ وعید سناؤ (اس بات سے ڈراؤ) کہ اگر میں ان کے ساتھ عدل سے پیش آؤں تو سب کو سزا دوں (سب مستحق سزا ہوں گے)

شیخ طلق بن حبیب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بندوں پر اس قدر ہیں کہ ان کا ادا کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا چاہیے کہ ہر ایک بندہ جب صبح اٹھے تو توبہ کرے اور رات کو توبہ کر کے سوئے-

جناب حبیب ابن ابی ثابت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کے سامنے (قیامت میں) اس کے گناہوں کو لایا جائے گا تو وہ ایک گناہ کو دیکھ کر کہے گا' افسوس کہ ہمیشہ میں تجھ سے ڈرتا تھا (بچتا تھا) تو محض اس گناہ سے ڈرنے ہی کے باعث اس کی مغفرت کر دی جائے گی-

رحمت حیلہ جو: نقل ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص بہت ہی گنہگار تھا اس نے توبہ کرنا چاہی لیکن وہ اس شک میں پڑ گیا کہ اس کی توبہ قبول ہو گی یا نہیں' لوگوں نے اس کو اس وقت کے عابد ترین شخص کا پتہ بتلایا' اس کے پاس جا کر اس شخص نے کہا کہ میں بڑا گنہگار ہوں' میں نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا میری توبہ قبول کر لی جائے گی- عابد نے جواب دیا کہ نہیں- اس نے غصہ میں اس کو بھی مار ڈالا اور اس طرح سو قتل پورے کر لیے- اس کے بعد اس کو اس وقت کے عالم ترین شخص کا پتہ دیا گیا' وہ شخص ان عالم کے پاس پہنچا اور ان سے دریافت کیا کہ میں نے سو قتل کیے ہیں کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی' میں توبہ کرنا چاہتا ہوں- انہوں نے کہا ہاں' لیکن تم اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ کہ یہ جگہ تمہارے لیے جائے فساد ہے' تم فلاں جگہ چلے جاؤ کہ وہ مقامِ صلاح ہے- چنانچہ وہ اپنی جگہ سے ہٹائے ہوئے مقام پر روانہ ہو گیا- لیکن اثنائے راہ میں اس کا وقت مقررہ آ پہنچا- عذاب اور رحمت کے فرشتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا' ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ ہماری سرزمین میں مرا ہے- بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ زمین کو ناپو کہ وہ زمین فساد سے قریب ہے یا زمین صلاح سے- فرشتوں نے جب زمین ناپی تو وہ اہل صلاح کی زمین سے ایک بالشت قریب تھا (اس کا فاصلہ زمین صلاح سے قریب تھا) بس رحمتوں کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی-

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ لازمی نہیں کہ عصیان کا پلہ گناہوں سے خالی ہو بلکہ حسنات اور نیکی کا پلہ اس کے مقابلہ میں بھاری ہونا چاہیے خواہ وہ مقدار تھوڑی ہی کیوں نہ ہو- یہی آدمی کی نجات کا ذریعہ ہے-

گناہانِ صغیرہ و کبیرہ

اے عزیز! معلوم ہو کہ توبہ گناہ سے کی جاتی ہے اور گناہ جس قدر صغیرہ ہوں اسی قدر آسانی ہے 'بشرطیکہ ان صغیرہ گناہوں پر آدمی اصرار نہ کرے (باربار اعادہ نہ کرے) حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرض نماز میں سب گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں 'مگر کبیرہ گناہوں کا نہیں اور نماز جمعہ بھی کبیرہ گناہوں کے سوائے تمام گناہوں کا کفارہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَائِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ ۝ اگر تم کبیرہ گناہوں سے باز رہو گے تو میں تمہارے صغیرہ گناہ معاف کردوں گا۔

پس اس بات کا جاننا کہ کبائر کون سے گناہ ہیں فرض ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعداد کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے ان کی تعداد سات بتائی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے زیادہ ہیں۔ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ سات سے کم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سنا کہ کبائر سات ہیں تو آپ نے فرمایا سات نہیں ستر ے [illegible] یب ہیں۔

شیخ ابوطالب مکی قدس اللہ سرہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تالیف "قوت القلوب" میں احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے سترہ کبیرہ جمع کیے ہیں۔ ان میں سے چار کا تعلق دل سے ہے۔ ایک کفر۔ دوسرا معصیت پر اصرار کا عزم کرنا اگرچہ وہ گناہ صغیرہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک برا کام کرے اور اس کے دل میں توبہ کا ہرگز خیال نہ آئے 'تیسرا خدا کی رحمت سے ناامید ہونا 'جس کو قنوط کہتے ہیں۔ چوتھا خداوند تعالیٰ کے غضب سے بے فکر ہونا 'مثلاً یہ خیال کرنا کہ میں ہر طرح محفوظ ہوں۔ یہ تھے چار کبائر جن کا تعلق دل سے ہے۔ زبان کے چار کبائر یہ ہیں 'اوّل جھوٹی گواہی جس سے کسی کو نقصان پہنچے۔ دوم کسی پر زنا کی ایسی تہمت لگانا جس سے حد واجب ہو۔ سوم ایسی جھوٹی قسم جس سے کسی کے مال کا نقصان ہو یا اس کا حق مارا جائے۔ چہارم کسی پر جادو کرنا (کہ اس کا تعلق بھی زبانی کلمات سے ہے) تین کبائر شکم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی چیز پینا جس سے نشہ پیدا ہو۔ دوسرے یتیم کا مال کھانا۔ تیسرے سود لینا اور دینا۔ دو کبائر ایسے ہیں جن کا تعلق شرمگاہ (فرج) سے ہے۔ یعنی زنا یا لواطت (لونڈے بازی) وہ کبیرہ گناہ ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں 'ایک کسی کو قتل کرنا دوسرے چوری کرنا (ایسی چوری جس پر حد لازم آتی ہو) ایک گناہ کبیرہ کا تعلق پاؤں سے ہے یعنی صف کا فران کے مقابلہ سے بھاگ جانا۔ اس طرح کہ ایک دوسرے کے مقابل سے یا دس کا بیس کے مقابلہ سے بھاگ جانا (گناہ کبیرہ ہے) ہاں مقابلہ میں جب یہ تناسب زیادہ ہو تو بھاگ جانا روا ہے۔ ایک کبیرہ گناہ پورے جسم سے تعلق رکھتا ہے اور وہ ہے ماں باپ کی نافرمانی۔

ان کبائر کو اس طور پر معلوم کیا گیا ہے کہ بعض کے سبب حد واجب ہوتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ قرآن پاک میں ان کے بارے میں سخت تہدید موجود ہے 'ہم نے اس کو تفصیل کے ساتھ احیاء العلوم" میں بیان کیا ہے 'کیمیائے سعادت میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اور ان کو جاننے کا مقصد اور غرض وغایت یہ ہے کہ انسان کبیرہ گناہ پر جرأت نہ کرے معلوم ہو کہ صغیرہ گناہ پر اصرار ہی کبیرہ بن جاتا ہے۔ اگرچہ علماء کا کہنا ہے کہ فرائض صغیرہ گناہوں کے کفارہ ہیں لیکن

سب کا اس بات پر اتفاق ہے اگر کوئی شخص ایک دمڑی برابر بھی کسی کا حق اپنی گردن پر رکھتا ہے تو اس کا کفارہ نہ ہو گا جب تک ادا نہیں کرے گا اور اس حق سے عہدہ بر آنہ ہو گا۔ الغرض جو معصیت حق تعالیٰ کی بندے نے کی ہے اس میں بخشش اور مغفرت کی امید ہے لیکن حقوق العباد میں ایسا نہیں ہے۔

گناہوں کے تین دفتر: حدیث شریف میں وارد ہے کہ گناہوں کے تین دفتر ہیں' ایک وہ دفتر جس کی بخشش نہیں ہے (اس دفتر میں جن لوگوں کے نام ہیں ان میں کسی کی مغفرت اور بخشش نہیں ہو گی) دوسرا دفتر وہ ہے جس کو بخش دیا جائے گا۔ یہ ایسے گناہ ہیں جو خداوند تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوں۔ تیسرا دفتر وہ ہے جس میں رہائی کی امید نہیں وہ حقوق العباد اور مظالم کا دفتر ہے جو چیز کسی مسلمان کے رنج اور تکلیف کا باعث بن رہی ہے یا بن چکی ہے وہ اسی دفتر میں داخل ہے خواہ وہ جان کے بارے میں ہو (یعنی جسمانی) خواہ اس کا تعلق مال سے ہو' بزرگی سے متعلق ہو یا مروت سے' خواہ وہ دین کے باب میں ہو' مثلاً کسی شخص نے مخلوق کو ان باتوں کی طرف بلایا جو دین کو تباہ کرنے والی ہیں تاکہ ان لوگوں کا دین تباہ ہو جائے یا کسی نے محفل منعقد کر کے ایسی باتیں کیں جن کو سن کر لوگ فسق و فجور پر دلیر ہو جائیں' یہ تمام باتیں اس تیسرے دفتر میں شامل ہیں۔

صغیرہ گناہ کس طرح کبیرہ بن جاتے ہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ گناہ صغیرہ میں عفو الٰہی اور مغفرت کی امید ہے لیکن بعض اسباب کی بنا پر یہ عظیم تر (کبیرہ) بن جاتے ہیں اور کام دشوار بن جاتا ہے (لیکن بہ بعضے از اسباب عظیم تر و خطر آں نیز صعب بود) ایسے اسباب چھ ہیں' اوّل یہ کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرے۔ یعنی اس کو مسلسل کرتا رہے مثلاً ہمیشہ کسی شخص کی غیبت کرنا' یا ہمیشہ ریشمی لباس پہننا یا مزاولت و مداومت کے ساتھ راگ سنانا' کیونکہ جب ایک معصیت پر انسان مزاولت کرے گا' لگاتار اس کو کرتا رہے گا تو اس کی تاثیر سے دل سیاہ ہو جائے گا۔ اسی بنا پر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے:

"تمام کاموں میں بہتر کام وہ ہے جو ایک ہی ڈھنگ پر کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا اور معمولی ہو۔"

اس کی مثال پانی کے اس قطرے کی ہے جو مسلسل ایک پتھر پر گرتا رہے' یقیناً وہ پتھر میں سوراخ کر دے گا اور اگر تمام پانی یکبارگی اس پتھر پر ڈالا جاتا تو اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوتا' پس جو کوئی صغیرہ گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو چاہیے کہ استغفار کرے اور اس پر پشیمان ہو اور یہ ارادہ کر لے کہ آئندہ اس کو نہیں کرے گا' بزرگوں نے کہا ہے کہ کبیرہ گناہ استغفار سے صغیرہ اور صغیرہ اصرار سے کبیرہ بن جاتا ہے۔

دوسرا سبب: یہ ہے کہ گناہ کو چھوٹا اور معمولی سمجھے اور حقارت کی نظر سے اس کو دیکھے (معمولی سمجھتے ہوئے) چھوٹا

گناہ اس طرح سے بڑا گناہ بن جاتا ہے۔ اور جب گناہ کو عظیم سمجھا جاتا ہے تو اس طرح وہ چھوٹا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ گناہ کو بڑا سمجھنا ایمان اور خوف کی نشانی ہے اور یہ بات دل کو گناہ کی ظلمت سے محفوظ رکھتی ہے اور اس کے بعد اس کا اثر نہیں ہوتا (دل ظلمتِ گناہ سے پاک و صاف ہو جاتا ہے)۔

گناہ کو حقیر اور چھوٹا سمجھنا غفلت اور عصیاں شعاری کی علامت ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ دل گناہ سے مانوس ہو گیا ہے اور تمام احوال میں کام تو دل ہی سے پڑتا ہے۔ جو بات دل میں زیادہ اثر کرتی ہے وہ بات بڑی ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے:

"مومن اپنے گناہوں کو ایسے کئی پہاڑوں کی طرح سمجھتا ہے جو اس پر چھائے ہوئے ہیں (اس کے سر پر تنے ہیں۔) ڈرتا ہے کہ کہیں یہ پہاڑ اس کے سر پر نہ گر جائیں، اور منافق اپنے گناہ کو ایک مکھی کی مانند سمجھتا ہے جو ناک پر بیٹھ کر اڑ جاتی ہے۔"

بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ وہ گناہ جو بخشا نہیں جاتا یہ ہے کہ انسان اس کو چھوٹا سمجھے، آسان اور سہل جانے اور کہے کاش میرے سب گناہ ایسے ہی معمول ہوتے۔

ایک پیغمبر (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی کہ گناہ کے چھوٹے پن کو مت دیکھو بلکہ خداوند تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی پر نظر کرو کہ اس نے یہ گناہ خداوند تعالیٰ کے خلاف (حکم) کیا ہے۔ بندے کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی جس قدر زیادہ ہو گی، چھوٹے سے چھوٹا گناہ اس کو بڑا معلوم ہو گا۔

کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ اے لوگو! تم بڑے گناہوں کو بال کی طرح سبک اور ہلکا سمجھتے ہو اور ہم اپنی ہر ایک خطا کو کئی پہاڑوں کی طرح عظیم و گراں بار سمجھتے تھے۔

ان تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناخوشی اور ناراضامندی معصیت اور گناہ میں پوشیدہ ہے اور ممکن ہے کہ جس تقصیر اور گناہ کو تم معمولی سمجھ رہے ہو وہی قہر الٰہی کا سبب ہو، چنانچہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ۝ — اور وہ اس کو معمولی اور حقیر سمجھتے ہیں اور اللہ کے نزدیک وہ عظیم ہے۔

تیسرے یہ کہ گناہ پر خوش ہو اس کو غنیمت اور اپنی کامیابی سمجھے اور بڑے فخر سے کہے کہ میں نے اس شخص کو خوب فریب دیا، اس کی خوب مذمت کی، فلاں شخص کا مال میں نے چھین لیا اور فلاں شخص کو گالیاں دے کر شرمندہ کیا، میں نے فلاں شخص سے ایسی بحث کی کہ اس کو کچھ بن نہ پڑی غرضکہ اس قسم کی مہملات بکتا ہے۔ پس جو کوئی اپنی برائیوں پر خوش ہو اور ان پر فخر کرے اس کا دل سیاہ ہو گیا ہے اور اس کی بربادی کا یہی سبب تھا۔ چوتھا سبب یہ کہ اگر حق تعالیٰ اس کے گناہ کی پردہ پوشی فرمائے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور نادان یہ نہیں سمجھتا کہ حق تعالیٰ دیر میں گرفت

کرنے والا ہے لیکن ہے بڑا سخت گیر اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ہ

پانچواں یہ کہ کھلم کھلا گناہ کرے اور حق تعالیٰ نے اس پر جو پردہ ڈال رکھا تھا اس کو اٹھا دے اس طرح اکثر دوسرے لوگ بھی اس کے سبب سے معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان سب کی معصیت کا بوجھ اسی کی گردن پر ہوتا ہے اگر صراحۃً اور دیدہ و دانستہ کسی کو گناہ کے لیے ورغلائے اور گناہ کے اسباب مہیا کرے تو یہ دوچند ہوگا۔ بزرگانِ سلف نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان ایک گناہ کو دوسروں کی نگاہ میں آسان اور سہل بتلائے تو ایسا شخص بڑا خائن اور دغاباز ہے۔

چھٹا یہ کہ عالم اور پیشوا ہونے کے باوجود گناہ کرے اور اس کی اس روش کو دیکھ کر دوسرے لوگ گناہ پر دلیر ہوں اور اس کام کے کرنے پر سرزنش کی جائے تو یوں کہیں کہ اگر یہ کام غلط ہوتا تو یہ عالم نہ کرتا۔ مثلاً ایک عالم ریشمی لباس پہن کر بادشاہوں کے پاس آئے جائے۔ ان کے عطیات قبول کرے' مناظرے میں اپنے حمق سے دوسرے علماء پر لعن و طعن کرے اور اپنے مال اور اپنے جاہ پر اترائے تو اس کے شاگرد بھی ان تمام معاملوں میں اس کی پیروی کریں گے اور استاد کے مانند ہو جائیں گے۔ پھر ان کے شاگرد ان کی پیروی کریں گے اور پھر ایک غلط کار سے پورا محلّہ کا محلّہ بگڑ جائے گا۔ کیونکہ ہر ایک بستی کے لوگ کسی نہ کسی ایک عالم کے معتقد ہوتے ہیں۔ پس ان کا گناہ (مظلمہ) اس پیشوا کے سر ہوگا اور اس کے نام لکھا جائے گا' اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ وہ شخص نیک بخت ہے جس کے مرنے کے بعد اس کا گناہ ہی ختم ہو جائے (گناہوں کا سلسلہ ختم ہو جائے) اور جو شخص لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہو' ہزاروں سال تک اس کے گناہوں کا سلسلہ (ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا رہے گا)۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص اسی طرح کا عالم تھا' اس نے گناہوں سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے پیغمبر پر وحی نازل فرمائی اور حکم دیا کہ فلاں عالم سے کہہ دو کہ اے شخص تیری خطائیں اگر میرے لیے ہوتیں' ان کا تعلق مجھ سے ہوتا تو میں تجھ کو ضرور بخش دیتا اب تو تو نے خود اپنے لیے توبہ کی ہے' تو نے بہت سے لوگوں کو بگاڑ دیا اور ان کے سدھارنے کی اب امید نہیں ہے تو اس کی کیا تدبیر کرے گا (بگڑے ہوئے لوگوں کو کس طرح سدھارے گا)۔

پس عالموں کے بارے میں یہ ایک مشکل مرحلہ ہے کہ ان کی ایک تقصیر میں ہزاروں تقصیریں ہوتی ہیں اور ایک عبادت میں ہزاروں عبادتیں ہیں۔ کیونکہ جو لوگ عبادت کرتے ہیں اس کا ثواب بھی ان کو حاصل ہوتا ہے اس لیے (خصوصاً) عالم پر واجب ہے کہ معصیت میں مبتلا نہ ہو اور اگر (خدانخواستہ) کرتا بھی ہے تو چھپا کر کرے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر کوئی مباح کام ایسا ہے جس کے کرنے سے مخلوق دلیر ہوگی (وہ اس کی تقلید میں شدومد کے ساتھ اس امر مباح کو کریں گے) تو اس سے بھی حذر کرے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اب سے پہلے ہم ہنستے اور کھیلتے تھے۔ اب جب قوم کے بزرگ قرار پائے تو ہم کو مسکرانا بھی زیبا نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص کسی عالم کی تقصیر (علی الاعلان) ظاہر کرے گا تو بڑا گناہگار ہوگا اس کے سبب سے ہزاروں لوگ بے راہ ہو جائیں گے۔ پس لوگوں کے گناہ کا چھپانا واجب اور عالم کے گناہ کا چھپانا واجب تر ہے۔

اچھی توبہ کے شرائط اور اس کی علامات

اے عزیز معلوم ہو کہ توبہ حقیقت میں پشیمانی کو کہتے ہیں اور اس کا نتیجہ وہ ارادہ ہے جو ظاہر ہو۔ پس پشیمانی کی علامت یہ ہے کہ انسان ہمیشہ حسرت ورنج اور گریہ وزاری میں مبتلا رہے اس لیے کہ جب انسان اپنے آپ کو دیکھے گا کہ وہ عنقریب ہلاک ہونے والا ہے، تو یقیناً وہ غمگین ہوگا۔ مثلاً کسی شخص کا بیٹا بیمار ہو اور ڈاکٹر کہے کہ یہ بیماری خطرناک اور مہلک ہے تو یقیناً غم کی آگ باپ کے دل سے سلگے گی اور ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی جان کو بیٹے کی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اور خدا اور اس کا رسول اس نصرانی طبیب (ڈاکٹر) سے زیادہ سچے ہیں، آخرت کی بربادی اور خرابی کا ڈر موت کے اندیشے سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور بیماری سے کسی شخص کا مرجانا اس قدر یقینی نہیں ہے جس قدر کہ معصیت اور گناہوں سے حق تعالیٰ کا ناخوش ہونا یقینی ہے۔ اب اگر کسی کے دل میں معصیت کے سبب سے خوف اور غم نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شخص معصیت کی خرابی اور گناہوں کی آفت پر ایمان نہیں لایا، جس قدر معصیت کا خوف دل میں زیادہ ہوگا اسی قدر گناہوں کے کفارے میں وہ موثر ہوگا کیونکہ زنگ اور سیاہی جو گناہوں کے سبب سے دل پر لگ گئی ہے، ندامت اور حسرت کی زیادہ سے زیادہ آگ اس کو دفع کرے گی اور اس سے انسان کے دل میں سوزو گداز پیدا ہوگا۔

حدیث شریف میں آیا ہے "توبہ کرنے والوں کے ساتھ بیٹھو کیونکہ ان کا دل گداز ہوتا ہے اور انسان کا دل جس قدر پاک ہوگا اسی قدر معصیت سے بیزار رہے گا اور گناہ کی لذت اس کو تلخ اور ناگوار معلوم ہوگی۔"

منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کی توبہ قبول کرنے کے لیے اس وقت کے پیغمبر نے بارگاہِ رب العزت میں سفارش کی۔ حق تعالیٰ نے ان پیغمبر پر وحی نازل فرمائی اور ارشاد کیا کہ 'مجھے اپنی عزت کی قسم' اگر تمام آسمانوں کے فرشتے اس کے باب میں سفارش کریں گے تو جب تک اس کے دل میں گناہ کی لذت باقی رہے گی میں اس کی توبہ قبول نہیں کروں گا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ معصیت ہر چند کہ معصیت طلب طبیب سے ہو، لیکن تائب کے حق میں اس کی مثال اس شہد جیسی ہے جس میں زہر کی آمیزش ہو۔ جس نے ایک بار اس کو چکھ لیا اور اس سے اس کو تکلیف پہنچی تو وہ دوسری مرتبہ اس سے اس قدر ڈرے گا کہ اس شہد کو دیکھتے ہی ڈرنے کانپنے لگے گا اور اس کی مٹھاس پر اس سے پہنچنے والی تکلیف اور نقصان کا خوف غالب رہے گا۔ پس انسان کو یہ بدمزگی ہر قسم کے گناہوں میں محسوس کرنا چاہیے معصیت کی مٹھاس میں زہر کی آمیزش اس سبب سے ہے کہ اس میں خدا کی ناراضامندی ہے۔ ہر گناہ کی یہی حالت ہے۔ گناہوں کی پشیمانی کا ارادہ تینوں زمانوں ماضی، حال اور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے۔ زمانہ حال کا ارادہ تو یہ ہے کہ تمام گناہوں کو ترک کردے۔ فرائض واحکام اور ارشادات رسول اللہ ﷺ کو بجالائے اور زمانہ مستقبل کے لیے عزم کرے کہ تمام عمر ترک گناہ پر قائم رہے گا اور ظاہر وباطن میں خداوند تعالیٰ سے عہد کرے کہ ہرگز آئندہ گناہ کا قصد نہیں کرے گا اور فرائض کی بجاآوری میں تقصیر نہیں کرے گا۔ مثلاً ایک شخص کے لیے میوہ مضر ہے اور اس نے ارادہ کرلیا ہے کہ ہرگز اس کا نام نہیں لے گا اور وہ اس ارادے

میں کبھی شک یا سستی کا اظہار نہیں کرتا خواہ کتنا ہی اس کے کھانے کا شوق غالب ہو۔

توبہ کو نباہنا اور اس پر قائم رہنا مشکل ہے بجز اس کے کہ خاموشی اور عزلت اختیار کرلے اور حلال روزی کھائے خواہ پاس موجود ہو یا اس کے کھانے پر قادر ہو' آدمی جب تک شبہ کی چیزوں کو ترک نہیں کرے گا اس کی توبہ کامل نہیں ہوگی اور جب تک خواہشوں کو ترک نہیں کرے گا' شبہات کا چھوڑنا دشوار ہوگا۔ بزرگوں نے کہا کہ انسان پر جب کسی چیز کی خواہش غالب ہو تو تکلف سے (قصداً) اس کو سات بار چھوڑ دے اس طرح اس کا ترک کر دینا آسان ہوگا۔ گذشتہ زمانے کا ارادہ یہ ہے کہ گذرے ہوئے دنوں کا تدارک کرے اور اس بات میں غور کرے کہ حقوق الٰہی اور حقوق العباد کیا ہیں' جن کے بجالانے میں اس سے تقصیر ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ کے حقوق دو ہیں ایک فرائض کا بجالانا اور دوسرا گناہوں کا ترک کر دینا۔ پس فرائض کے بارے میں غور اس طرح کرنا ہے کہ جب سے بالغ (مکلف) ہوا ہے' ایک ایک دن کا حساب کرے اور یاد کرے کہ اگر کوئی نماز فوت ہوئی ہے یا غسل وطہارت ترک ہوا ہے یا سہواً ایسا ہوا یا اس کی نیت میں خلل تھا یا اس کے اعتقاد میں شک تھا' ان سب چیزوں کی قضا کرے اور جس تاریخ سے صاحبِ مال ہوا اگر نوجوان تھا تو حساب کرے اور جس چیز کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے یا ادا تو کی لیکن مستحق کو نہیں دی' یا سونے چاندی کے برتن اس کے پاس تھے لیکن ان ظروف کی زکوٰۃ نہیں دی (کہ ظروف سونے چاندی کے نصاب میں محسوب ہوں گے) پس ان سب کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرے۔ یا رمضان کا روزہ کوئی چھوڑا تھا یا کسی روزے کی نیت کرنا بھول گیا تھا یا اس کے شرائط ادا نہیں کیے تھے تو اس روزے کی قضا رکھے اور ان تمام باتوں میں جس بات پر اس کو یقین ہو اس کی قضا کرے (کہ باقی کو پورا کرے) اور اگر کسی بات میں شک ہو اس کو ظن غالب سے یقینی ٹھہرائے اور جس بات کا یقین ہو اس کو محسوب کر کے باقی قضا کرے اور یہ کافی ہے کیونکہ جو بات ظن غالب سے ثابت ہو اس کو محسوب کرنا روا اور مناسب ہے۔ اسی طرح ان گناہوں کا حساب لگائے جو بالغ ہونے کے بعد آنکھ' کان' ہاتھ' زبان اور پیٹ سے سرزد ہوئے' ان کا خیال کرے پھر اگر کبیرہ گناہ جیسے زنا' لواطت' چوری' شراب خوری وغیرہ جن پر شرعی حد واجب ہو گئی ہو' ان سے توبہ کرے۔ یہ روا نہیں ہے کہ وہ حاکم کے پاس جا کر ان گناہوں کا اقرار کرے تاکہ وہ اس پر حد جاری کرے بلکہ اپنے ان گناہوں کو پوشیدہ رکھے اور کثرتِ توبہ وعبادت سے اس کا علاج کرے۔ اور اگر اس سے گناہ صغیرہ سرزد ہوئے ہیں تب بھی ایسا ہی عمل کرے' مثلاً کسی نامحرم کو دیکھنا' بغیر طہارت کے قرآن پاک کو ہاتھ لگانا' جنابت کی حالت میں مسجد میں بیٹھنا یا مزامیر سننا' ایسی خطاؤں کو محو کرنے کے لیے ان کا ایسے اعمال سے کفارہ ادا کرے جو ان افعالِ ذمیمہ کی ضد ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ یعنی نیکیاں گناہوں کو دفع کر دیتی ہیں۔ اگر اس نے راگ سنا تھا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث سنے' حالتِ جنابت میں مسجد میں بیٹھنے کا کفارہ یہ ہے کہ اعتکاف میں بیٹھے اور نوافل ادا کرے۔ بغیر طہارت کے قرآن کریم چھونے کا کفارہ یہ ہے کہ مصحف کی تعظیم زیادہ سے زیادہ کرے اور کثرت سے اس کی تلاوت کرے' مے نوشی کا کفارہ اس طرح ہوگا کہ ایک ایسا شربت جو مرغوب ہو اور حلال ہو خود نہ پیئے بلکہ دوسرے کو پلا دے تاکہ مے نوشی سے جو سیاہی اور ظلمت پیدا ہوئی تھی اس کفارے

کے نور سے دور ہو جائے۔

دنیاوی حسرت کا کفارہ : دنیا میں جو خوشی اور مسرت حاصل کی تھی تو دنیا کا رنج والم اٹھائے کیونکہ دنیاوی راحت سے انسان کا دل دنیا سے خوب لگتا ہے اور دنیا کی محنت اور تکلیف اس کے دل کو دنیا سے بیزار اور برداشتہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف ہے کہ :

"بندہ مومن کو جو دکھ اور درد پہنچتا ہے خواہ وہ تکلیف پاؤں میں کانٹا چبھنے ہی کی کیوں نہ ہو گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

کہ "کوئی گناہ ایسا ہوتا ہے کہ دنیاوی رنج کے سوا اس کا کچھ کفارہ نہیں ہے۔"

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ "گذر اور اہل وعیال کی تکلیف کے سوا اس کا اور کچھ کفارہ نہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس بندے کے گناہ بہت ہوں اور اس کے پاس ایسی عبادت نہ ہو جو ان گناہوں کا کفارہ بن سکے تو خداوند تعالیٰ اس کو ایسا غم دیتا ہے جو ان گناہوں کا کفارہ ہو۔"

شاید اس موقع پر تم یہ کہو کہ غم تو انسان کے اختیار کی چیز نہیں ہے اور ممکن ہے کہ اس کو خود کسی دنیاوی کام کی وجہ سے غم پہنچے اور وہ غمگین ہو تو یہ تو ایک خطا ہے' خطا کس طرح ایک خطا کا کفارہ بن سکتی ہے' اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ جس چیز سے تمہارے دل کو دنیا سے بیزاری حاصل ہو وہ تمہارے حق میں بہتر اور بھلی ہے اور اگر تمہارے اختیار سے وہ ظہور میں نہیں آئی ہے کیونکہ اگر وہ اختیار سے ہوتی تو اس غم کے عوض میں کامیابی سے تم کو خوشی حاصل ہوتی تو اس طرح تم دنیا کو اپنی بہشت سمجھ لیتے۔

منقول ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تم نے ان ضعیف و کہن سال (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو کس حال میں پایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس ماں کی طرح غمگین جس کے بچے مارے گئے ہوں' میں نے ان کو چھوڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ ان کو اس غم کا کیا اجر ملے گا۔ انہوں نے کہا کہ سو شہیدوں کا۔ لیکن خلائق پر مظلمہ کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ لوگوں کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے اس کا حساب کرے بلکہ ان کے ساتھ ہنسی مذاق کی جو باتیں کی ہیں ان کو بھی یاد کرے تاکہ ہر ایک کے قرض سے چھٹکارا حاصل ہو اور جس کسی کو ستایا ہے یا کسی کی بدگوئی کی ہے تو اس کا تدارک کرے جو چیز واپس کرنے کی ہو اس کو واپس کر دے۔ اور جس سے معافی چاہنا ضروری ہو اس سے معافی چاہے۔ اگر کسی کا خون کیا ہے تو اپنے آپ کو اس کے وارث کے حوالے کر دے تاکہ وہ چاہے تو دنیا میں بدلہ لے چاہے بخش دے۔ اگر کسی کا قرض اس کے اوپر ہے تو قرض حق داروں کو تلاش کر کے وہ قرض ادا کرے اور اگر نہ ملیں تو ان کے ورثاء کو وہ قرض ادا کرے۔ ہر چند کہ یہ بات عاملوں اور تاجروں کے لیے سخت دشوار اور مشکل ہے کہ دن

میں ان کو ہزاروں لوگوں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے-پس بدگوئی سے معافی ہر ایک سے چاہنا سخت دشوار اور ناممکن ہوگا پس جب ایسی صورت ہے تو اس تقصیر سے نجات کی خاص صورت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر دم طاعت کرے اور زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کرے تاکہ جب قیامت میں حقوق الٰہی اس کی عبادت سے ادا کیے جائیں تو خود اس کی نجات کے لیے کچھ عبادت تو باقی رہ جائے-

فصل

توبہ پر مداومت

جس شخص سے ایک گناہ سرزد ہو تو اس کو چاہیے کہ جلد ہی اس کا تدارک کرے اور کفارہ دے' بزرگانِ دین نے کہا ہے کہ احادیث شریفہ کی رو سے آٹھ چیزیں ایسی ہیں کہ گناہ کے بعد گناہ کرنے والے سے اگر یہ سرزد ہوں تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتی ہیں-ان میں سے چار چیزوں کا تعلق دل سے ہے-ایک توبہ یا توبہ کا ارادہ-دوسرے اس بات کا عزم بالجزم کہ آئندہ ایسا گناہ نہیں کرے گا-سوم اس بات سے ڈرنا کہ اس گناہ کے سرزد ہونے سے عذاب میں مبتلا ہوگا-چہارم عفو کی امید-باقی چار چیزوں کا تعلق جسم یعنی (اعضا) سے ہے-ایک یہ کہ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد ستر مرتبہ استغفار کرے اور سو بار سبحان اللہ العظیم وبحمدہ پڑھے اور اپنے مقدور و استطاعت کے بموجب خیرات ادا کرے اور ایک دن کا روزہ رکھے' بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اچھی طرح طہارت کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے اور حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ "جب تو نے پوشیدہ ایک گناہ کیا تو مخفی طور پر عبادت کرنا اس کا کفارہ ہوگا اور اگر گناہ علانیہ اور آشکارا طور پر کیا ہے تو آشکارا طور پر بندگی کرے-

اے عزیز! جب انسان زبان سے استغفار کرے اور دل میں توبہ کی نیت نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا' زبان سے استغفار میں دل کی شرکت اس طرح ہوگی کہ مغفرت چاہنے میں تضرع و زاری (خشوع و خضوع) موجود ہو اور وہ ہیبت و ندامت سے خالی نہ ہو' ایسی صورت میں اگر توبہ کا عزم مصمم بھی نہیں کیا ہے-جب بھی بخشش کی امید ہے-حاصل کلام یہ ہے کہ اگر دل غافل بھی ہو جب بھی زبان سے استغفار کرنا فائدے سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس طرح زبان بے ہودہ گوئی سے محفوظ رہی اور خاموش رہنے سے بہتر ہے کیونکہ زبان کو جب استغفار کی عادت پڑ جائے گی تو دشنام طرازی اور بے ہودہ گوئی کے جائے استغفار سے زیادہ رغبت ہوگی-

منقول ہے کہ ایک مرید نے ابو عثمان مغربی قدس سرہ سے دریافت کیا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی رغبت کے بغیر بھی میری زبان سے خدا کا ذکر جاری رہتا ہے--انہوں نے فرمایا کہ تم خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارے ایک عضو کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کام میں مصروف رکھا ہے-اب اس معاملہ میں بھی شیطان فریب کاری کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ جب تیرا دل ذکرِ

الٰہی میں مشغول نہیں ہے تو زبان کو ذکر سے خاموش رکھ کر ایسا ذکر بے ادبی ہے- شیطان کے اس فریب کا جواب دینے میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ ہیں جو شیطان کے اس فریب پر کہتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے اب میں تجھے زچ کرنے کے لیے دل کو بھی حاضر کرتا ہوں- یہ شخص شیطان کے زخموں پر نمک پاشی کرتا ہے- دوسرا وہ ظالم شخص ہے جو شیطان سے کہتا ہے کہ تو نے ٹھیک کہا جب دل حاضر نہیں ہے تو زبان ہلانے سے کیا فائدہ اور پھر وہ ذکر سے خاموش ہو گیا' یہ نادان سمجھتا ہے کہ اس نے عقل کا کام کیا حالانکہ اس نے شیطان کو اپنا دوست سمجھ کر اس کا کہنا مانا (وہ شیطان کا دوست ہے) تیسرا شخص کہتا ہے کہ اگر دل کو میں حاضر نہ کر سکا تب بھی زبان کو ذکر میں مصروف رکھنا خاموش رہنے سے بہتر ہے- اگرچہ دل لگا کر ذکر کرنا اس طرح کے ذکر سے کہیں بہتر ہوتا- جس طرح بادشاہی' قزاقی سے اور قزاقی' جاروب کشی سے بدرجہا بہتر ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جس سے بادشاہی کا کام سرانجام نہ ہو سکے وہ قزاقی ترک کر کے جاروب کشی اختیار کرے-

توبہ کی تدبیر

اے عزیز! معلوم ہو کہ جو لوگ توبہ نہیں کرتے ان کا علاج اس بات کو معلوم کرنے پر موقوف ہے کہ یہ لوگ کس وجہ سے گناہوں میں مصروف ہیں (گناہوں سے ان کی دلچسپی کا کیا سبب ہے) اور ان کو توبہ کرنے کا خیال کیوں نہیں آتا- اس کے پانچ سبب ہیں اور ہر ایک کا علاج جدا جدا ہے-

توبہ نہ کرنے کا پہلا سبب : پہلا سبب یہ ہے کہ وہ شخص عذابِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ہو گا- اس کا علاج ہم غرور کے موضع کے تحت مہلکات میں بیان کر چکے ہیں-

دوسرا سبب یہ ہے کہ اس پر خواہشات کا اسقدر غلبہ ہو گا کہ وہ ان خواہشات کو ترک نہ کر سکے اور دنیاوی لذتیں اس کو اس قدر بے خود کر دیں کہ وہ آخرت سے بالکل غافل ہو جائے' یہ بد خواہشات مخلوق کو اکثر خداوند بزرگ و برتر سے دور کر دیتی ہیں- چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "حق تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا فرما کر حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اسے دیکھو انہوں نے دوزخ کو دیکھ کر کہا کہ اے رب! تیری عزت کی قسم کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہو گا جو اس کا احوال سن کر ادھر جائے- پس حق تعالیٰ نے خواہشات کو جہنم کے آس پاس پیدا فرما کر حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اب دوزخ کو دیکھو' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دوبارہ دوزخ کو دیکھا اور کہا کہ اب ایسا کوئی نہیں ہو گا جو دوزخ میں نہ رہے- پھر حق تعالیٰ نے بہشت کو پیدا فرمایا اور جبرائیل علیہ السلام سے اسے دیکھنے کا حکم دیا- جبرائیل علیہ السلام بہشت دیکھ کر کہنے لگے کہ اب جو کوئی اس کے اوصاف سنے گا وہ بے اختیار ادھر دوڑے گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشکل کاموں کو بہشت کے آس پاس پیدا کر کے فرمایا کہ اب بہشت کو پھر دیکھو' انہوں نے بہشت کو دیکھ کر کہا کہ الٰہی مجھے تیری عزت و جلال کی قسم مجھے اس بات کا خوف ہے کہ بہشت کے راستے کی سختیوں کے سبب سے کوئی شخص اس میں نہیں جائے گا-

تیسرا سبب توبہ نہ کرنے کا یہ ہے کہ آخرت ادھار (نسیان) ہے اور دنیا نقد ہے- انسان کی طبیعت نقد کی طرف زیادہ مائل رہتی ہے اور جو چیز آنکھوں سے دور ہو اس کے دل سے بھی دور رہے گی-

اور چوتھا سبب یہ ہے کہ جو کوئی مومن ہوتا ہے وہ تمام دن توبہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن پھر کل پر اٹھا رکھتا ہے اور اس کے سامنے جو آرزو اور خواہش آتی ہے تو کہتا ہے کہ اب تو اسے کر لوں- دوسری بار نہیں کروں گا اور توبہ کر لوں گا-

پانچواں سبب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات ضروری نہیں ہے کہ گناہ انسان کو دوزخ میں ڈال دے گا بلکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے- انسان اپنے حق میں ہمیشہ نیک گمان رکھتا ہے جب ایک شہوت اور خواہش کا اس پر غلبہ ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ حق تعالیٰ معاف کر دے گا اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتا ہے-

ان اسباب کا علاج: پہلے سبب کا یعنی آخرت پر ایمان نہ لانے کا علاج ہم بیان کر چکے ہیں- لیکن جو شخص دنیا کو نقد اور آخرت کو ادھار خیال کرتا ہے اور وہ نقد کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور آخرت کو جو آنکھ سے اوجھل ہے دل سے بھی دور رکھتا ہے- اس کا علاج یہ بات سمجھنے سے ہوگا کہ جو بات یقین میں آنے والی ہو سمجھ لے کہ وہ آگئی اور یہ تو بس اتنا سا کام ہے کہ آنکھ بند کی اور مر گئے- پس آخرت ادھار نہیں بلکہ نقد ہو گئی اور ہو سکتا ہے کہ یہ گھڑی اس ادھار سمجھنے والے کے لیے آج ہی آ جائے تو وہ ادھار نقد ہو جائے گا اور دنیا سے گذرنے کے بعد وہ محض ایک خواب و خیال ہو جائے گی لیکن جو شخص لذت کو ترک نہیں کر سکتا اس کو یہ بات سمجھنا ضروری نہیں کہ جب ایک گھڑی کے لیے وہ خواہش یا شہوت پر صبر نہیں کر سکتا (اس سے لذت اٹھانا چاہتا ہے) تو آتشِ جہنم پر وہ کس طرح صبر کرے گا اور بہشت کی نعمتوں سے محرومی کو کس طرح برداشت کر سکے گا- اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہیے کہ اگر وہ بیمار پڑ جائے اور اس بیماری میں ٹھنڈے پانی کی اس کو بہت خواہش ہو لیکن یہودی طبیب اس کو بتائے کو ٹھنڈا پانی نہ پینا یہ تم کو بہت نقصان دے گا تو یقیناً اس صورت میں محض شفا کی امید پر وہ ٹھنڈے پانی کے استعمال سے باز رہے گا- پس مناسب اور موزوں یہی ہے کہ خدا اور رسول کے ارشادات سن کر آخرت کی بادشاہی پر زیادہ بھروسہ رکھے (سمجھ لے کہ آخرت کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) تاکہ یہ اعتماد اور بھروسا ترک شہوت کا سبب بن جائے جو شخص توبہ میں ٹال مٹول کرتا ہے تو اس سے کہنا چاہیے کہ کل تک توبہ کرنے میں کیوں دیر کرتا ہے جبکہ کل تیرے اختیار میں نہیں ہے- ہو سکتا ہے کہ تیرے لیے کل نہ آئے اور تو آج ہی مر جائے- چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے "دوزخی تاخیر کے سبب سے واویلا کریں گے-" پھر اس شخص سے دریافت کرنا چاہیے کہ تو توبہ کرنے میں کیوں دیر کر رہا ہے- اگر اس کی تاخیر کا سبب یہ ہے کہ آج اس کو شہوت و معصیت کا ترک دشوار ہے اور کل آسان ہوگا تو یہ نادانی ہے- آج کی طرح کل بھی اس کا ترک کرنا دشوار ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی دن پیدا نہیں فرمایا جس میں شہوت و معصیت کا ترک کرنا آسان کر دیا ہو (ہر دن یکساں ہے) ایسے شخص سے کہا جائے کہ تیری مثال تو اس شخص کی ہے کہ جس سے یہ کہا جائے کہ فلاں درخت کو جڑ سے اکھاڑ دے

اور وہ کہے کہ یہ درخت مضبوط ہے - آئندہ سال اس کو اکھیڑ دوں گا اس کو بتانا چاہیے کہ نادان آئندہ سال تو یہ درخت اور بھی مضبوط ہو جائے گا اور تو آج کے مقابلہ میں زیادہ کمزور ہو گا' اس طرح خواہشات اور آرزوؤں کا درخت روز بروز مضبوط ہوتا جائے گا اور تو ہر روز ان کی مخالفت سے عاجز سے عاجز تر ہوتا جائے گا - پس جس قدر جلد ممکن ہو سکے توبہ کرے اسی قدر وہ تجھ پر آسان ہو گی -

اب رہا وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مومن ہوں اور حق تعالیٰ مومنوں کی تقصیر معاف فرما دیتا ہے' ایسے شخص سے ہم کہیں گے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو معاف نہ فرمائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب تو خدا کی بندگی نہیں کرے گا تو ایمان کا درخت کمزور ہوتا جائے گا اور موت کے وقت سکراتِ موت کے تھپیڑوں اور ضربوں سے وہ اکھڑ جائے گا اس لیے کہ ایمان کے درخت کی شادابی اور مضبوطی کے لیے طاعتِ الٰہی کا پانی دیا جاتا ہے اور جب اس کو یہ پانی نہیں ملا اور اس نے قوت نہیں پڑی تو اکھڑ جانے کا خطرہ موجود ہے بلکہ جو ایمان بغیر طاعت کے ہے اور پھر معصیت بھی اس میں ہو - انسان طاعت نہیں کرتا بلکہ معصیت میں مبتلا ہے اس مریض کی طرح ہے جس کا مرض شدید ہو اور ہر لمحہ اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ اس مرض میں مر جائے گا' اس صورت میں اگر ایمان سلامت رہے تو اس بات کا امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو (سلامتی وایمان کے) باعث بخش دے یا اس کو سزا دے - پس عفو کی امید میں بیٹھے رہنا حماقت کی دلیل ہے - ایسے شخص کی مثال اس شخص کے مانند ہے کہ اپنے مال کو تباہ و برباد کر کے زن و فرزند کو بھوکا چھوڑ کر یہ خیال کرے کہ شاید ویرانے میں اسے خزانہ مل جائے گا - یہ شخص اس شخص کی طرح ہے جو ایک شہر میں رہتا ہے اور شہر کو لوٹا جا رہا ہے اس نے اپنے مال کو نہیں چھپایا بلکہ گھر میں یونہی رہنے دیا محض اس امید پر کہ جب لوٹنے والا میرے گھر میں آئے گا یا تو وہ داخل ہوتے ہی مر جائے گا یا میرے مال سے غافل رہے گا یا اندھا ہو گا اس کی نظر میرے گھر کے مال پر نہیں پڑے گی یہ سب باتیں ممکن ہیں' بخششِ الٰہی کا بھی یہی حال ہے لیکن صرف عفو پر امید رکھنا اور احتیاط کو چھوڑ دینا محض نادانی ہے -

فصل : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص بعض گناہوں سے توبہ کرے اور بعض سے نہ کرے تو یہ درست ہے یا درست نہیں ہے اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے - بعض کہتے ہیں کہ یہ بجا ہے کہ کوئی شخص زنا سے توبہ کرے اور مے نوشی سے تائب نہ ہو اس لیے کہ اس نے اگر زنا کی معصیت جان کر توبہ کی ہے تو شراب پینا بھی معصیت ہے - پس یہ کس طرح درست ہے کہ ایک خم کی شراب سے توبہ کی لیکن دوسرے خم کی شراب سے توبہ نہیں کی حالانکہ معصیت میں دونوں برابر ہیں اور مذہب حق یہ ہے کہ اس نے ایسا نہیں سمجھا ہو گا بلکہ یہ سمجھا ہو گا کہ زنا مے نوشی سے بدتر معصیت ہے - پس اس نے ایک بڑی تقصیر سے توبہ کر لی یا اس نے یہ سمجھا کہ شراب زنا سے بھی بدتر ہے کیونکہ اس کے نشہ کی بدولت آدمی زنا اور زنا جیسی دوسری معصیتوں میں گرفتار ہو گا -

یا کوئی شخص بد گوئی سے یہ خیال کر کے توبہ کرے کہ غیبت کا تعلق خلائق سے ہے پس اس نے شراب سے تو توبہ نہیں کی لیکن غیبت سے توبہ کر لی- اسی طرح ایک شخص بہت زیادہ شراب پینے سے توبہ کرتا ہے لیکن شراب سے توبہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ جس قدر زیادہ شراب پیوں گا اس قدر بڑے عذاب میں گرفتار ہوؤں گا اور میں خواہش نفس کے غلبہ کے باعث شراب کو نہیں چھوڑ سکتا- ہاں زیادہ پینے کی عادت کو چھوڑ سکتا ہوں اور کہے کہ یہ لازم نہیں کہ جب شیطان ایک کام میں مجھ پر غالب آجائے تو دوسرے کام میں بھی مجھے اپنا مغلوب بنالے اور میں اس کا کہنا مانوں' یہ سب باتیں ممکن ہیں اور قرآن و حدیث میں توبہ کرنے والے کے باب میں آیا ہے اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ (الحدیث) قرآن میں فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) لیکن محبت اور دوستی کا یہ درجہ اس شخص کو ملے گا جو سارے گناہوں سے توبہ کرے اور وہ علماء جو کہتے ہیں کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا درست نہیں ہے اس کا سبب بھی یہی درجہ معصیت ہے- جو کوئی کسی صغیرہ گناہ سے توبہ کرے گا تو وہ صغیرہ گناہ بخش دیا جائے گا- ایک ہی بار میں سارے گناہوں سے توبہ کرنا دشوار ہے- اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ایک گناہ سے توبہ آدمی کرتا ہے اور وہ جس قدر توبہ کرتا ہے اس کا ثواب اسے حاصل ہوتا ہے-

اصل دوم

صبر و شکر

صبر اور توبہ کا تعلق: معلوم ہونا چاہیے کہ توبہ بغیر صبر کے ممکن نہیں ہے- یعنی کسی فرض کا بجالانا اور کسی معصیت کا ترک کر دینا بغیر صبر کے ممکن نہیں ہے چنانچہ جب اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ ایمان کیا چیز ہے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا صبر کا نام ہے ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ صبر ایمان کا نصف حصہ ہے- صبر کی فضیلت کا سب سے بڑا مقام یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ستر مقامات سے زیادہ صبر کا ذکر فرمایا اور تقرب کا جو سب سے بڑا درجہ ہے اس کو صبر پر موقوف رکھا ہے یہاں تک کہ راہِ دین کی امامت اور سروری کو بھی صبر ہی پر مبنی قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ

اسی طرح اجر بے حساب اور ثواب بے شمار کو صابرین کا حصہ قرار دے کر فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ — بے شک صبر کرنے والوں سے اللہ نے بے حساب اجر کا وعدہ کر لیا ہے-

اور صابرین سے وعدہ فرمایا کہ اللہ ان کے ساتھ رہے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ — اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

درود، رحمت اور ہدایت یہ تین چیزیں اکھٹی سوائے صابرین کے اور کسی کو یکجا مرحمت نہیں فرمائیں۔ ارشاد فرمایا:

اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَّاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ہ — یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ و درود ہے اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

صبر کی فضیلت : صبر کی فضیلت یہ ہے کہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کو نہایت دوست اور عزیز رکھتا ہے، اس نے صبر کی صفت ہر ایک کو عطا نہیں فرمائی۔ صرف اپنے دوستوں کو یہ صفت عطا فرمائی ہے اور اس سے بہرہ مند کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اقل ما اوتیتم والیقین وعزیمۃ الصبر — یقین اور صبر سے تم کو تھوڑا سا حصہ ملا ہے۔

جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصیتیں (یقین اور صبر) عطا فرما دی ہیں اگر وہ بہت زیادہ نماز اور روزہ بھی نہیں رکھتا تب بھی اس کے لیے ڈر نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے میرے اصحاب! جس بات پر تم صبر کرو گے اور اس سے نہیں پھرو گے تو میرے نزدیک یہ بات پسندیدہ تر ہے اس سے کہ تم میں سے ہر ایک فرد اتنی عبادت کرے جو تمام بندے مل کر کرتے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ میرے بعد دنیا کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو جائے یہاں تک کہ تم ایک دوسرے کا انکار کرنے لگو اور آسمان والے تمہارے منکر ہو جائیں اور جو ثواب کی امید کر کے صبر رکھے گا اس کو پورا اجر ملے گا، اے لوگو! صبر اختیار کرو کہ دنیا کی زندگانی باقی رہنے والی نہیں ہے اور خدا کے پاس ثواب قائم رہتا ہے۔"

اس کے بعد حضور ﷺ نے اس آیت کو ما عندکم ینفد وما عنداللہ باق ولنجزین الذین صبروا آخر آیت تک تلاوت فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبر بہشت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اگر آدمی کو صبر ہوتا تو سخی جواں مرد ہوتا۔ اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ صابرین کو دوست رکھتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ تو میرے اخلاق کی پیروی کر اور میرے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ میں صبور یعنی صبر والا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے اے لوگو! جب تک تم نامرادی پر صبر نہ کرو گے اپنی مراد کو نہیں پہنچو گے۔"

حضور اکرم ﷺ نے انصار کی ایک جماعت کو دیکھ کر دریافت فرمایا کیا تم ایمان لائے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ اس کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم خدا کی نعمت پر شکر کرتے ہیں اور محنت و بلا میں صبر کرتے ہیں اور تقدیر پر راضی رہتے ہیں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! تم سچے مومن ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ صبر و ایمان کا تعلق ایسا ہے جیسا سر کا جسم کے ساتھ جس کا سر نہ ہو اس کا جسم بھی باقی نہ رہے گا، اس طرح جس میں صبر کی صفت نہیں ہے اس میں ایمان نہیں ہے۔

صبر کی حقیقت: اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ صبر انسان کا خاصہ ہے (صرف نوعِ انسانی کے ساتھ مخصوص ہے) جانوروں میں صبر کی صفت نہیں ہوتی کیونکہ وہ ناقص ہیں اور انسان کامل ہے۔ پس جانور شہوت سے مغلوب ہیں اور ان میں شہوت کے سوا اور کوئی تقاضہ کرنے والا نہیں ہے جس کے باعث وہ شہوت سے باز رہیں یا اس پر صبر کریں' فرشتے حق تعالیٰ کی عبادت اور اس کی محبت میں مستغرق رہتے ہیں اور اس بات سے ان کو کوئی روکنے والا نہیں ہے کہ اس مانع کو دفع کرنے میں ان کو صبر کرنا پڑے۔ اس طرح فرشتے بھی صبر کی صفت سے متصف نہیں رہے۔ انسان کی آفرینش کی ابتداء میں اس کی سرشت میں جانوروں کی صفت موجود تھی یعنی اس پر کھانے پینے' پہننے آرائش اور کھیل کود کا شوق غالب رہتا ہے۔ اس کے بعد جب انسان بالغ ہو جاتا ہے تو انوار ملائکہ میں سے ایک ایسا نور جس سے ہر کام کا انجام نظر آتا ہے اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے بلکہ دو فرشتوں کو اس پر موکل مقرر کر دیا جاتا ہے جانور اس وصف سے محروم ہیں۔ ان دو فرشتوں میں سے ایک کا کام یہ ہے کہ اس کو ہدایت کرے۔ انوار ملائکہ سے جو نور اس کو ملتا ہے اور اس کے اندر سرایت کرتا ہے اس کی بدولت وہ ہر کام کی خوبی اور مصلحت کو دیکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی نور کی بدولت وہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اور معلوم کر لیتا ہے کہ شہوت نفس کی پیروی آخر کار انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اگرچہ بالفعل اس میں لذت ہوتی ہے لیکن اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ خوشی اور یہ لذت جلد گذر جائے گی لیکن اس کا عذاب اور اس کی تکلیف دیر تک باقی رہے گی اور یہ ہدایت یا نور کے حق میں نہیں ہے لیکن انسان کا محض یہ سمجھ لینا ہی کافی نہیں کیونکہ شہوت اور خواہش کو مضر سمجھتے ہوئے بھی جب اس کے دفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو محض مضر سمجھنے سے کیا فائدہ جس طرح ایک بیمار جانتا ہے کہ بیماری اس کے لیے مضرت رساں ہے لیکن وہ مرض کے دفع کرنے پر قادر نہیں ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس دوسرے فرشتہ کو اس بات پر مقرر کر دیا کہ اس کو مہلت دے اور اس کو دفع کرنے میں اس کو قوت پہنچائے اور وہ اس مضر کام سے باز رہے۔ جس طرح آدمی میں شہوت رانی کی ضرورت قوت موجود رہتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری قوت بھی اس کو دی گئی ہے جو شہوت نفس کی مخالفت کرتی ہے تاکہ آئندہ اس کو مضرت سے بچائے۔ مخالفت کی یہ قوت ملائکہ کے لشکر سے ہے اور شہوت رانی کی قوت شیطان کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے۔ شہوت کی مخالفت کو قوت پہنچانے والی دینی قوت ہے اور شہوت رانی کی قوت شیطان کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے۔ شہوت کی مخالفت کو قوت پہنچانے والی دینی قوت ہے اور شہوتوں کو تقویت پہنچانے والی ہوا و ہوس کی قوت ہے۔ ان دونوں لشکروں میں ہمیشہ جنگ رہتی ہے۔ ملائکہ کا لشکر کہتا ہے کہ معصیت نہ کر اور شیطان کا لشکر کہتا ہے کہ معصیت کر اور انسان بیچارہ ان دونوں محرکات کے درمیان حیران رہ جاتا ہے۔ اگر دینی قوت کی تحریک اس کو ارادے پر ثابت قدم رکھے اور شیطانی لشکر سے مقابلہ کرنے میں نہ چوکے تو اس کو صبر کہتے ہیں اور اگر یہ محرک اس ہوا و ہوس کو مغلوب کر دے تو اس کا نام ظفر ہے اور جب تک انسان اس جنگ میں مصروف رہتا ہے اس کو جہادِ نفس کہتے ہیں۔ پس صبر کے معنی یہ ہوئے کہ انسان ہوا و ہوس کے محرک کے مقابلہ میں دین کے محرک

اور باعث کو قائم رکھے اور جہاں ان دو لشکروں میں مقابلہ ہو وہاں صبر کا ہونا ضروری ہے - ملائکہ کو تو صبر کی حاجت نہیں' جانور اور بچے میں صبر کی قوت نہیں - یہ دو فرشتے جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کو کراماً کاتبین کہتے ہیں -

اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو فکر اور استدلال کی نعمت دی ہے وہ سمجھ لے گا کہ جو چیز پیدا ہوئی ہے اس کا سبب ضرور ہوتا ہے اور جب اور چیزیں آپس میں متضاد اور مخالف ہوں گی تو ان کے سبب بھی باہم مخالف و متضاد ہوں گے انسان جانتا ہے کہ ابتدائے حال میں بچے کو معرفت اور وقوف نہیں ہوتا - یہی حال جانوروں کا ہے وہ نہیں جانتے کہ کاموں کا مآل اور انجام کیا ہے نہ ان میں صبر کی طاقت ہے - البتہ بچہ جب بلوغ کے قریب پہنچتا ہے تو اس میں یہ دونوں باتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اس وقت وہ دو سبب بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور انہیں دو سبب کا نام یہ دونوں ملائکہ ہیں - چونکہ ہدایت اصل اور مقدم ہے اس کے بعد اس پر عمل کرنے کی قدرت اور خواہش پیدا ہو گی - پس وہ فرشتہ جو ہدایت کا باعث ہے دوسرے سے شریف تر اور بہتر ہو گا - اسی وجہ سے صدر کی داہنی طرف اس کا مقام رکھا گیا ہے اور دوسرے کو صدر کے بائیں طرف' صدر خود تیری ذات ہے کیونکہ وہ دو فرشتے تجھ پر موکل ہیں - سیدھے ہاتھ کا جو فرشتہ تجھے سیدھی راہ بتانے پر مقرر ہے اگر تو حصولِ معرفت کے لیے اس کی بات سنے گا اور ہدایت حاصل کرے گا تو گویا تو نے ہی اس پر احسان کیا ہے کیونکہ تو نے اس کو معطل اور بے کار نہیں چھوڑا اور وہ تیرے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھے گا اور اگر تو نے اس سے انحراف کیا اور اس کو معطل رکھا - یہاں تک کہ تو بچوں اور جانوروں کی طرح انجام کار کی ہدایت سے محروم ہوا تو یہ ایک تقصیر ہے جو تو نے اس فرشتے اور خود اپنی ذات کے معاملہ میں کی ہے اور یہ تقصیر تیرے نام لکھی جائے گی' اس کے برعکس اس قوت کو جو اس فرشتہ سے تجھے حاصل ہوتی ہے اگر تو خواہشات نفس کے رفع کرنے میں صرف کرے گا اور اس باب میں کوشش کرے گا تو اس کو حسنہ یا نیک عمل کہتے ہیں - اگر تقصیر کرے گا اور کوشش نہیں کرے گا تو یہ دونوں باتیں تیرے نام تیرے اعمال نامہ میں لکھی جائیں گی - یہ تیرے دل میں پیدا ہوں گی مگر تیرے دل سے پوشیدہ رہیں گی - یہ دو فرشتے اور ان کے دفتر بظاہر نظر نہیں آتے اور ان آنکھوں سے ان کو دیکھ نہیں سکیں گے تو یہ دفتر تیرے ساتھ آئیں گے اور تو ان کو دیکھ سکے گا اور یہ دیکھنا قیامت صغریٰ پر موقوف ہے لیکن اس تفصیل سے تجھے آگاہی قیامت کبریٰ یعنی محشر کے دن معلوم ہو جائے گی - قیامت صغریٰ سے مراد موت ہے - چنانچہ سید الکونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

من مات فقد قامت قیامته — جو مر گیا اس کے لیے قیامت قائم ہو گئی -

جو کچھ قیامت کبریٰ میں ہو گا اس کا نمونہ قیامت صغریٰ میں بھی موجود ہے - ہم نے اس بحث کو احیاء العلوم میں تفصیل سے پیش کیا ہے - اس مختصر کتاب میں اس تفصیل کی گنجائش نہیں ہے - ہاں یہاں اس بات کا جان لینا ضروری ہے کہ صبر ایسی جگہ کیا جاتا ہے جہاں جنگ ہو اور لڑائی ایسی حالت میں ہو کہ دو لشکر ایک دوسرے کے مخالف برسرپیکار ہوں' ان دو لشکروں میں ایک لشکر فرشتوں کا ہے اور دوسرا شیاطین کا ہے - یہ دونوں لشکر انسان کے دل میں صف آراء ہیں - پس دینداری کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اس لڑائی میں تندہی سے مصروف ہو جائے لیکن بچپن ہی سے شیطان کا لشکر دل کے

میدان کو گھیر لیتا ہے اور جب آدمی بالغ ہوتا ہے تب ملائکہ کا لشکر ظاہر ہوگا- پس آدمی جب تک خواہشات نفسانی کے لشکر کو مغلوب نہیں کرے گا دارین کی سعادت اس کو کبھی حاصل نہیں ہوگی اور جب تک جنگ نہیں کرے گا اور جنگ و جدل کی صعوبت برداشت نہیں کرے گا مخالف لشکر کو مغلوب کس طرح کس کر سکے گا جو کوئی اس جنگ میں مصروف اور شریک نہیں ہوگا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے شیطان کی سرداری اور سروری قبول کرلی ہے اور جس نے نفسانی خواہشات کو شکست دی ہے تو وہ خود بخود شریعت کا مطیع بن گیا ہے اور یہ فتح اس کے نام ہے- چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

ولکن الله اعاننی علی شیطانی فاسلم — خداوتعالیٰ نے مجھے میرے شیطان پر نصرت دی اور وہ فرمانبردار بن گیا-

انسان جب اپنے نفس سے لڑتا ہے تو کبھی فتح مند ہوتا ہے اور کبھی اس کو شکست ہوتی ہے کبھی شہوات نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی دینداری کا اور بغیر صبر کے اس مہم کا سر ہونا ممکن نہیں ہے-

صبر ایمان کا نصف ہے

فصل : صبر ایمان کا نصف حصہ ہے اور روزے کو صبر کا نصف حصہ اس لیے کہا گیا ہے ؟

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے- ایمان کسی ایک چیز کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی شاخیں اور قسمیں بہت سی ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں' ان میں سب سے بڑی شاخ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے چھوٹی شاخ راستہ سے کسی اذیت رساں چیز کو ہٹا دینا ہے اگر اس کی قسمیں بہت سی ہیں لیکن اصل تین ہیں- ایک اصل معرفت میں سے دوسری احوال سے متعلق ہے اور تیسری ایمانی اور ایمان کے مقامات سے متعلق ہے- کوئی محل اور مقام ان تین اقسام میں سے کسی ایک سے خالی نہ ہوگا- مثلاً توبہ کی حقیقت پشیمانی ہے اور یہ دل کی ایک حالت ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ گناہ کو اپنے حق میں زہر قاتل سمجھے اور اس کی شاخ یہ ہے کہ آدمی گناہ سے دست بردار ہو کر اطاعتِ الٰہی میں مشغول ہو جائے' یہ ایک حالت ہے' اس طرح معرفت حالت اور عمل تینوں ایمان میں داخل ہیں اور ایمان عبارت ہے انہی تین چیزوں سے-

کبھی کبھی ایمان فقط معرفت کو ہی کہتے ہیں کیونکہ اصل وہی ہے اس لیے کہ معرفت ہی سے حالت ظاہر ہوتی ہے، اور حالت سے عمل کا صدور ہوتا ہے- پس معرفت بمنزلہ درخت کے ہے اور دل کے احوال کی تبدیلی شاخوں کا حکم رکھتی ہے اور ان سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں گویا وہ اس درخت کے پھل ہیں اس طرح تمام ایمان دو چیزوں پر مشتمل ہوا ایک معرفت اور دوسرا عمل' اور عمل بغیر صبر کے ناممکن ہے- پس صبر ایمان کا نصف ہے-

دو چیزوں سے صبر کرنا ضروری ہے : دو چیزوں سے صبر کرنا ضروری ہے- ایک نفسانی خواہشات اور

دوسرے ہر قسم کے غصے سے - روزہ ترکِ شہوات ہے - پس روزہ صبر کا نصف ہوا - ایک اعتبار سے جب عمل پر نظر کی جائے تو ایمان عمل کو کہیں گے پس مومن کو چاہیے کہ محنت پر صبر کرے اور نعمت الٰہی کا شکر بجالائے' اس صورت میں بھی صبر ایمان کا نصف ہوا اور شکر اس کا دوسرا نصف ہے - چنانچہ دوسری حدیث میں اس کو ارشاد کیا گیا -

جب صبر کی مشقت اور اس کی دشواری کو دیکھا جائے تو یہی اصل قرار پاتی ہے کہ کوئی عمل صبر سے زیادہ مشکل نہیں ہے اس طرح صبر ہی تمام ایمان قرار پاتا ہے - چنانچہ لوگوں نے جب سرور کائنات ﷺ سے دریافت کیا کہ ایمان کیا چیز ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ صبر' ایمان کے ابواب میں یہ سب سے مشکل باب ہے - اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ عرفہ حج ہے' یعنی اس کے بارے میں یہ خطرہ موجود ہے کہ اگر عرفہ فوت ہو جائے (وقوف عرفات) تو حج نہ ہو گا - دوسرے ارکان کے بر خلاف کہ ان کے ترک ہو جانے سے حج فوت نہیں ہوتا -

صبر کی احتیاج

فصل : صبر کی حاجت تمام اوقات میں ہوتی ہے -

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کسی حال میں ایسی چیز سے خالی نہیں ہو گا جو اس کی خواہش کے مطابق ہو یا مخالف اور دونوں حالتوں میں صبر کی اس کو ضرورت ہے - وہ چیزیں جو اس کی خواہش کے مطابق ہیں جیسے مال و نعمت' مرتبہ صحت اور زن و فرزند اس کے علاوہ اور وہ چیزیں جو اس کی مرضی کے مطابق ہوں' ان میں بھی صبر کی ضرورت ہے کہ اگر اس حال میں صبر نہیں کرے گا اور تواضع اختیار نہیں کرے گا' ناز و نعم میں حد سے بڑھ جائے گا اور دل کو اپنی چیزوں میں لگائے رکھے گا اور ان پر قائم رہے گا تو غرور اور سرکشی اس میں پیدا ہو گی - بزرگوں نے کہا ہے کہ مفلسی میں ہر کوئی صبر کرے گا لیکن تونگری اور عیش و راحت میں صبر باقی نہیں رہتا بجز اس کے کہ صاحب مال خدا دوست ہو - صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں جب زر و مال کی بہتات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ جب ہم مفلس و نادار تھے تو ہم بخوبی صبر کر لیا کرتے تھے - اب تونگری میں صبر کرنا دشوار ہے - اس بنا پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ — تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے فتنہ و آزمائش ہے -

الغرض صاحبِ قدرت ہوتے ہوئے صبر کرنا دشوار ہے اور جب آدمی کو ثروت حاصل نہیں ہو گی تو یقیناً وہ گناہ سے محفوظ رہے گا -

مال و نعمت میں صبر کرنے سے مراد یہ ہے کہ دل کو مال و دولت سے نہ لگائے اور اس پر بہت زیادہ مسرور نہ ہو بلکہ سمجھے کہ یہ مال عاریتۃً میرے پاس ہے - جلد اس مال کو (مجھ سے) چھین لیا جائے گا بلکہ اس کو خود بھی نعمت نہ سمجھے کیونکہ

ممکن ہے کہ یہی نعمت کل قیامت میں اس کے درجہ کو کم کردے پس لازم ہے کہ شکرِ نعمت بجالائے تاکہ مال و نعمت اور صحت اس کو جو حاصل ہے اس سے خداوند تعالیٰ کا حق ادا ہو- ان چیزوں میں سے ہر ایک چیز پر صبر کی ضرورت ہے-

وہ احوال جو خواہش کے مطابق نہیں ہوتے تین طرح کے ہیں' ایک یہ کہ اس کے اختیار سے اس کا صدور ہو جیسے طاعت اور ترک معصیت- دوسرے اس کے اختیار سے نہ ہو' جیسے بلا اور مصیبت و حوادث' تیسرے یہ کہ اصل تو اس کے اختیار سے نہ ہو لیکن تدارک اور بدلہ لینے میں اس کا اختیار ہو اس کی مثال یہ ہے کہ لوگ اس کو ازار پہنچائیں (یہ اس کے اختیار سے باہر ہے) وہ قسم جو اس کے اختیار میں ہے جیسے طاعت و عبادت' اس میں بھی صبر کی حاجت ہے- کہ بسا اوقات سستی اور کاہلی کے باعث عبادت دشوار ہوتی ہے جیسے نماز بعض عبادتیں بخل کے باعث مشکل بن جاتی ہیں جیسے زکوٰۃ اور بعض میں سستی اور بخل دونوں کا دخل ہوتا ہے جیسے حج' یہ چیزیں بغیر صبر کے صحیح طور پر نہ ہو سکیں گی- پس ہر طاعت کے اوّل و آخر اور درمیان میں صبر کی ضرورت ہے- اوّل مرحلہ پر تو صبر اس طرح ہوگا کہ نیت کو ریا سے پاک کرے یہ صبر بہت دشوار ہے اور دوسرا صبر جو وسط میں پایا جاتا ہے یہ ہے کہ تمام شرائط و آداب پر صبر کرے تاکہ کوئی اجنبی چیز داخل نہ ہو سکے- مثلاً اگر نماز پڑھ رہا ہے تو کسی طرف کو نہ دیکھئے اور کسی چیز کا خیال نہ لائے اور عبادت کے آخر میں صبر یہ ہے کہ اس کو ظاہر نہ کرے اور اس پر نازاں نہ ہو-

معصیت اور گناہ کا ترک کرنا بغیر صبر کے ممکن نہیں ہے اور جس قدر خواہش غالب اور گناہ آسان ہوگا اس تدارک پر صبر کرنا دشوار ہوگا جس لیے کہا گیا ہے کہ زبان کی معصیت پر صبر کرنا دشوار ہے کیونکہ زبان ہلانا بہت آسان ہے اور جب ایک بری بات بار بار کہی جاتی ہے تو وہ ایک عادت اور سرشت بن جاتی ہے اور بری عادتیں شیطان کا لشکر ہیں- اسی وجہ سے غیبت' دروغ' خود ستائی اور طعن و تشنیع وغیرہ میں زبان آسانی سے چلتی ہے اور لوگ ان باتوں کو پسند کرتے ہیں پس اس سے باز رہنا بڑی محنت کا کام ہے اس سے بچنا اکثر لوگوں کی صحبت میں ممکن نہیں ہوتا- پس گوشہ نشینی اختیار کرے تو اس آفت سے محفوظ رہے گا- اب رہی دوسری قسم کہ بغیر اس کے اختیار کے ہو جیسا کہ لوگ اس کو زبان اور ہاتھ سے ستائیں تو بدلہ لینے میں اس کو اختیار ہے پس انتقام نہ لینے میں اس کو بہت صبر سے کام لینا ہوگا یا بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کرے- اس میں بھی صبر کی ضرورت ہے- کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب تک لوگوں کے ستانے پر ہم کو صبر کرنے کی مقدرت حاصل نہیں ہو جاتی تھی اس وقت تک ہم اپنے ایمان کو کامل نہیں سمجھتے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

دَعْ اَذٰلَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ — قوم کے ستانے پر درگزر کیجئے اور خدا پر بھروسا رکھئے-

اور فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًاo — ان کے کہنے پر صبر کیجئے اور بھلائی کے ساتھ ان سے جدا ہو جائیے-

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے :

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ o فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ

ہم جانتے ہیں کہ آپ دشمنوں کی باتوں سے دلگیر ہوتے ہیں پس آپ عبادت الٰہی میں مشغول رہا کریں۔

ایک دن رسول اکرم ﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم فرمائی تو ایک شخص نے کہا کہ یہ تقسیم خدا کے لیے نہیں ہے یعنی انصاف سے نہیں ہوئی ہے۔ جب آپ کو یہ خبر پہنچی تو آپ کا روئے مبارک ناگواری سے سرخ ہو گیا۔ اور رنجیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے لوگوں نے ان کو اس سے زیادہ ستایا اور انہوں نے صبر کیا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاِنْ عَاقِبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ o

اگر تم کو کچھ اذیت پہنچی اور تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تم کو ایذا پہنچائی گئی ہے اور اگر تم اس پر صبر کر لو تو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

میں نے انجیل میں لکھا دیکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے تو انہوں نے کہا کہ ہاتھ کے عوض ہاتھ' آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت' بدلہ ہے۔ میں اس حکم کو موقوف تو نہیں کروں گا پر تم کو وصیت کرتا ہوں کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ کرو۔ بلکہ اگر کوئی شخص تمہارے سیدھے رخسار پر (طمانچہ) مارے تو بائیں رخسار کو اس کے سامنے کر دو اور اگر کوئی تمہاری دستار چھین لے تو اپنا پیرہن بھی اس کے حوالے کر دو۔ اور اگر کوئی تم کو ایک کوس اپنے ساتھ بیگار میں لے جائے تو تم دو کوس اس کے ساتھ جاؤ'۔

ہمارے حضور سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "اگر تم کو کوئی شخص ایک چیز سے محروم کر دے تو تم اس کو بخش دو اور اگر تم سے بدی کرے تو تم اس سے نیکی کرو۔ پس ایسا صبر کرنا صدیقین کا درجہ ہے۔

تیسری قسم جس کا اوّل و آخر سے تعلق نہیں ہے وہ مصیبت ہے مثلاً بچہ مر گیا' مال ضائع ہو گیا یا کوئی عضو بیکار ہو گیا (آنکھ یا کان وغیرہ) یا اس قسم کی کوئی اور آسمانی بلا کوئی عمل صبر سے بغیر نہیں ہے اور نہ زیادہ اجر والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں صبر تین طرح پر آیا ہے۔ پہلا وہ صبر ہے جو طاعت میں ہے' اس کے ثواب کے تین سو درجے ہیں۔ دوسرا صبر وہ ہے جو حرام چیزوں پر کیا جائے اس کے ثواب کے چھ سو درجے ہیں اور تیسرا صبر وہ ہے جو مصیبت کے اوّل میں کرے' اس کے ثواب کے نو سو درجے ہیں۔

اے عزیز! معلوم کر کہ بلا پر صبر کرنا صدیقوں کا درجہ ہے اس بنا پر حضور ﷺ اس طرح مناجات فرماتے تھے۔

"خداوندا! ہم کو اتنا یقین عطا فرما کہ دنیا کی مصیبتوں کا برداشت کرنا ہمارے لیے آسان ہو جائے۔"

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس بندے پر میں نے ایک بیماری نازل کی اور اس نے اس پر صبر کیا اور لوگوں سے اس کی شکایت نہیں کی تو اگر میں اس کو صحت دوں تو اس سے بہتر گوشت و پوست اس کو دوں گا

اور اگر دنیا سے اسے اٹھاؤں گا تو اپنی رحمت کاملہ کے سایہ میں لے جاؤں گا۔

داؤد علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے دریافت کیا کہ الٰہی اس شخص کی جزاء کیا ہے جس نے مصیبت اور غم میں تیرے واسطے صبر کیا۔ فرمایا کہ اس کو میں ایمان کی خلعت پہناؤں گا اور اس کو کبھی اس سے نہیں چھینوں گا۔ اور فرمایا ہے کہ جس کے جسم یا مال یا فرزند پر میں نے آفت بھیجی اور اس نے اس پر اچھی طرح صبر کیا یا اچھے صبر سے اس کا مقابلہ کیا' مجھے شرم آتی ہے کہ اس سے حساب لوں اور اس کو میزان اور نامہ اعمال کے پاس بھیجوں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبر کر کے خرچ اور کشادگی کا انتظار کرنا ایک عبادت ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ جب کسی شخص کو ایک مصیبت پہنچی اور اس نے انا للہ و انا الیہ راجعون اللھم اجرنی فی مصیبتی و عقبنی خیرا منھا کہا تو حق تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمالے گا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے جبرائیل کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں جس کی بصارت چھین لوں اس کا اجر کیا ہے' اس کا اجر یہ ہے کہ میں اس کو اپنے دیدار کی دولت دوں گا۔ منقول ہے کہ کسی بزرگ نے اپنے پاس ایک کاغذ پر واصبر لحکم ربک فانک باعیننا لکھ کر رکھ لیا۔ جب اس پر کوئی مصیبت آتی تو وہ اسی کاغذ کو اپنی جیب سے نکال کر پڑھ لیا کرتا تھا۔ شیخ فتح موصلی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار ان کی بیوی گر پڑیں اور ان کا ناخن ٹوٹ گیا وہ ہنسنے لگیں تو شیخ نے دریافت کیا کہ ناخن ٹوٹنے سے درد نہیں ہو رہا ہے۔ بیوی نے جواب دیا کہ ثوابِ آخرت کی خوشی میں مجھے درد کا احساس نہیں ہوا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ از جملہ تعظیم الٰہی یہ بات بھی ہے کہ بیماری میں شکایت زبان پر نہ لائے۔ اور تکلیف کو چھپائے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ سالم مولائے ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا کہ ایک معرکہ میں زخمی ہو کر گر پڑے میں نے ان کو کہا کہ تم کو پانی کی خواہش ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم میرا پاؤں پکڑ کر مجھے دشمن کے پاس ڈال دو اور میری ڈھال میں پانی رکھ دو۔ میں روزے سے ہوں اگر شام تک جیتا رہا تو پانی پی لوں گا۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ رونے اور غمگین ہونے سے صبر کی فضیلت میں کچھ فرق نہیں آتا بلکہ واویلا کرنے کپڑے پھاڑنے اور بہت شکایت کرنے سے اس کے اجر میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ جب رسول اکرم ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ کی چشمہائے مبارک میں آنسو بھر گئے اور روئے انور پر آنسو بہنے لگے۔ اس وقت صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں رونے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ رونا رحمت کے سبب سے ہے (دل میں رحم اور شفقت کا جو جذبہ ہے اس کی وجہ سے یہ آنسو نکل آئے ہیں) حق تعالیٰ ایسے شخص پر رحمت فرمائے گا' جو رحیم ہو۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ صبرِ جمیل یہ ہے کہ مصیبت والے اور غیر مصیبت والے میں تمیز نہ ہو سکے' پس مصیبت میں کپڑے پھاڑنا' سر اور منہ پر ہاتھ مارنا' سینہ کوٹنا' چیخنا چلانا یہ سب باتیں حرام ہیں' بلکہ اپنا حال بدل لینا' چادر سے منہ ڈھانپ کر پڑا رہنا' اپنی دستار چھوٹی کر لینا درست نہیں ہے بلکہ تجھے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندے کو بغیر

تیری مرضی کے پیدا کیا اور پھر بغیر تیری مرضی کے اس کو اٹھا لیا۔

رمیصہ ام سلیم زوجہ حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہ) کہتی ہیں کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے' ان کی عدم موجودگی میں میرا بیٹا مر گیا میں نے اس پر چادر ڈال دی۔ جب ابو طلحہ واپس آئے تو دریافت کیا کہ ہمارے بیٹے کا کیا حال ہے میں نے کہا کہ آج رات وہ بہت آرام سے ہے۔ اس کے بعد میں کھانا لائی۔ انہوں نے کھانا کھایا۔ اس دن میں نے ہر دن سے زیادہ اپنا بناؤ سنگھار کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے صحبت کی۔ پھر میں نے باتوں باتوں میں ان سے کہا کہ میں نے فلاں پڑوسی کو ایک چیز عاریت کے طور پر دی تھی۔ جب میں نے مانگی تو وہ بہت شور و فریاد کرنے لگا۔ شوہر نے کہا کہ یہ تو عجیب بات ہے۔ لوگ بڑے احمق اور نادان ہیں' تب میں نے اس سے کہا کہ ہمارا لڑکا تو مر چکا ہے اور وہ فرزند تمہارے پاس خداوند کریم کا ایک تحفہ اور ایک عاریتی مال تھا سو حق تعالیٰ نے وہ مستعار چیز اپنی واپس لے لی ہے یہ سن کر طلحہؓ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا' صبح کو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رات کا یہ ماجرا رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بیان کیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ کل رات تم پر مبارک رات تھی۔ سبحان اللہ کیا عظیم رات تھی۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رمیصہ کو بہشت میں دیکھا ہے۔

الغرض ان تمام باتوں سے جو اوپر بیان کی گئی ہیں تم نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا۔ انسان کسی حالت میں بھی صبر سے بے نیاز نہیں یہاں تک کہ اگر تمام خواہشوں سے چھوٹ کر وہ گوشہ تنہائی میں بھی بیٹھ جائے تب بھی اس خلوت میں ہزاروں لاکھوں وسوسے اور بیجا خیالات اس کے دل میں پیدا ہوں گے جس سے ذکر الٰہی میں خلل پڑے گا' خواہ وہ خیالات اور وسوسے بری چیزوں کے نہ ہوں جب بھی۔ پس اگر تو نے ان اوقات عزیز کو برباد کر دیا جو زندگی کا عظیم سرمایہ ہیں تو اس سے بڑا نقصان اور کیا ہو گا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اوراد و وظائف میں مشغول رہے اگر نماز میں بھی اس کا یہ حال ہو چاہیے کہ کوشش کرے کہ وہ کبھی بھی ایسے کاموں سے جو مشغول خاطر کا سبب ہو چھوٹ نہیں سکے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جوان سے جو بے فکر ہو کر سوتا ہے رضامند نہیں رہتا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے جو جوان شخص ظاہر میں فراغت سے بیٹھے گا' باطنی وسوسوں سے اس کو امن حاصل نہیں ہو گا' شیطان اس کا رفیق ہو گا اور وسوسے اس کے دل میں گھر کریں گے۔ جب حق تعالیٰ کے ذکر سے وسوسہ کا دفع کرنا ممکن نہ ہو تو کسی پیشے' خدمت' یا کام کاج جو اس کی دل بستگی کا سبب ہو' میں مشغول ہو جائے اور ایسے شخص کا خلوت میں بیٹھنا درست نہیں ہے کہ اس کو حضور قلب حاصل نہیں ہو سکے گا۔ پس وہ اپنے آپ کو کسی کام میں لگا دے۔

صبر کس طرح حاصل ہو سکتا ہے

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ صبر کے بہت سے معاملے ہیں' ہر ایک معاملہ میں صبر کرنا ایک ہی قوت سے ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح علاج بھی یکساں نہیں ہے۔ اگرچہ سب کا علاج وہ معجون ہے جو علم و عمل سے مرکب ہو' دفع مہلکات

کے سلسلہ میں جو کچھ ہم نے پہلے لکھا ہے وہ سب اسی صبر کا علاج ہے- یہاں بطور مثال اس کا طریقہ تحریر کرتے ہیں تاکہ وہ ایک نمونے کے مانند ہو اور دوسرے امور کو اس پر قیاس کیا جا سکے۔ ہم نے اس سے قبل بتایا ہے کہ صبر سے مراد یہ ہے' دین کا متقاضی امر' خواہش و شہوت کے متقاضی امر کے مقابلہ میں ثابت و قائم رہے- یہ دونوں باہم جنگ میں مصروف رہتے ہیں (ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتا ہے) پس جب کوئی یہ چاہے کہ ان دونوں میں سے ایک غالب آئے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ جس کا غلبہ چاہتا ہے اس کو تقویت پہنچائے اور اس کی اعانت کرے اور دوسرے کو کمزور کر دے اور اس دوسرے کی کسی طرح تائید نہ کرے- مثلاً کسی شخص پر خواہش جماع کا اتنا غلبہ ہے کہ وہ اپنے شرمگاہ کو اس سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تو آنکھ کو دیکھنے سے اور دل کو اس خیال سے باز رکھے- اگر نہیں رکھ سکتا اور صبر کرنا بھی دشوار ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے اس قوت کو ضعیف کرے جو شہوت کی متقاضی ہے اور یہ کام تین طرح پر ہو سکتا ہے ایک یہ کہ سب کو معلوم ہے کہ اچھی غذائیں اور مزے دار کھانے استعمال کرنے سے شہوت پیدا ہوتی ہے پس چاہیے کہ اس کو ترک کرے اور روزہ رکھے اور شام کو جب افطار کرے تو کم غذا کھائے- گوشت اور قوتِ باہ کو متحرک کرنے والی غذا سے پرہیز کرے' دوسری تدبیر یہ ہے کہ ان اسباب کے پیدا ہونے کے راستے کو بند کر دے- اگر شہوت کی تحریک خوبرویوں کے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے تو عزلت اختیار کر لینی چاہیے' عورتوں اور مردوں کے آنے جانے کی جگہ چھوڑ دے تیسرے یہ کہ فعل مباح سے اس قوت کو تسکین دے تاکہ زنا اور حرام شہوت سے محفوظ رہے- یہ فائدہ نکاح کرنے سے حاصل ہو گا ورنہ ایسا شخص جس پر شہوت جماع کا غلبہ ہے بغیر نکاح کے شہوت پرستی سے چھٹکارا نہیں پا سکے گا- نفس کی مثال ایک سرکش گھوڑے کی ہے پس اس کو اس بات کا عادی بنا دو کہ وہ تابع بن جائے- یعنی اس کا چارا اور دانہ موقوف کر دو- دوسرے یہ کہ علف اس کے سامنے سے دور رکھو تاکہ دانہ گھاس دیکھ کر خواہش نہ بڑھے- تیسرے یہ کہ اس کو صرف اتنا چارہ دو کہ تسکین دے- یہ تینوں باتیں شہوت کا علاج ہیں' شہوت کے متقاضی کس طرح ضعیف ہو سکتا ہے لیکن دین کے متقاضی کی تقویت اور چیزوں سے ہو گی- ایک یہ کہ اس کو شہوت کے ساتھ جنگ کرنے کی عادت ڈالے- احادیث شریفہ میں آتا ہے کہ جو کوئی خود کو شہوتِ حرام سے بچائے گا بڑا ثواب پائے گا جب اس طرح ایمان قوی ہوا تو اس وقت غور کرے کہ شہوت رانی کی لذت بس ایک گھڑی کی ہے لیکن اس سے باز رہنے میں ابدی سعادت ہے- پس جس قدر آدمی کا ایمان قوی ہو گا اسی قدر دین کا متقاضی بھی قوی ہو گا- دوسرے یہ کہ اس کو شہوت کے متقاضی سے رفتہ رفتہ جنگ کرنے کا عادی بنائے تاکہ وہ دلیر بن جائے اس لیے کہ جب کوئی شخص زور آور ہو تو اس کو چاہیے کہ پہلے اپنی قوت آزمائے اور پہلے کم قوت والا کام اختیار کرے اور رفتہ رفتہ اس میں اضافہ کرے یعنی جو شخص کسی طاقتور پہلوان سے لڑنا چاہے گا وہ اولاً کم طاقت والے لوگوں سے کشتی لڑے گا اور اپنی قوت آزمائے گا کہ جب زیادہ طاقت والے لوگوں سے زور کرے گا تو زیادہ زور پیدا ہو گا- جس طرح جو لوگ سخت کام کرتے ہیں ان میں قوت زیادہ ہوتی ہے- پس تمام کاموں میں صبر کرنے کی تدبیر اسی طرح سے کی جائے گی-

شکر کی حقیقت اور اس کی فضیلت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ شکر کا مقام بہت بلند اور اس کا درجہ بہت اعلیٰ ہے- ہر ایک شخص اس بلند درجہ تک نہیں پہنچ سکتا- اس بنا پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ○ اور میرے شکر گذار بندے بہت کم ہیں-

انسان کے بارے میں طعن کرتے ہوئے ابلیس نے کہا:

وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○ اکثر انسان شکر گذار نہیں ہیں-

معلوم ہونا چاہیے کہ ان صفتوں کی جن کو منجیات کہا جاتا ہے دو قسمیں ہیں- پہلی قسم راہِ دین کے مقدمات میں داخل ہے- اور وہ فی نفسہٖ مقدر نہیں ہوتیں' جیسے توبہ' صبر' خوف' زہد و منتر اور محاسبہ- یہ چیزیں تو اس اہم مقصود کے لیے جو ان کے سوا ہے صرف ایک وسیلہ ہیں- دوسری قسم ایسے مقاصد ہیں جو دوسرے کام کا وسیلہ نہیں بلکہ فی نفسہٖ ان سے کام ہے اور وہ مقصود ہیں جیسے محبت' شوق' رضا' توحید' توکل اور شکر کا بھی ان میں دخل ہے- جو بات فی نفسہٖ مقصود ہوتی ہے وہ آخرت سے متعلق ہے اور شکر کا بھی یہی حال ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے- وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ- پس لازم یہ تھا کہ شکر کا بیان کتاب کے آخر میں کیا جائے لیکن اس واسطے کہ شکر کو صبر سے خاص تعلق ہے- اس وجہ سے اس کا بیان ہم یہاں کر رہے ہیں-

شکر کی فضیلت کی اہم علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ذکر کے ساتھ شامل کر کے ارشاد فرمایا ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور نافرمانی مت کرو-

سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس شخص کا مرتبہ جو کھانا کھائے اور شکر کرے اس شخص کی مانند ہے جو روزہ دار ہو اور صابر رہے- قیامت کے دن ندا کی جائے یسقیم الحمادون اس وقت کوئی شخص نہیں اٹھے گا- بجز ان لوگوں کے جنہوں نے مال میں خدا کا شکر ادا کیا ہو- جب مال جمع کرنے کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ (آلایہ) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں-

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ (ﷺ) پھر ہم کیا مال جمع کریں تو حضرت والا نے جواب میں ارشاد فرمایا "زبان ذاکر' دل شاکر اور مومنہ بیوی" یعنی متاعِ دنیوی سے بس ان تین چیزوں پر قناعت کر نیک بیوی' ذکر الٰہی اور شکر گذاری کی فراغت میں ممد و مددگار ہوتی ہے- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "شکر ایمان کا نصف حصہ ہے-" شیخ عطار رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک روز ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کا کچھ حال مجھ سے بیان فرمائیے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے تمام احوال عجیب و غریب تھے- پھر آپ نے فرمایا- ایک رات کا ماجرا ہے کہ حضور ﷺ میرے ساتھ سوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا برہنہ جسم اطہر میرے جسم سے مس ہوا اس وقت آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! تم مجھے اجازت دو تاکہ میں خدا کی بندگی میں مشغول ہو جاؤں میں نے عرض کیا کہ ہر چند کہ مجھے آپ کے قریب رہنا بہت عزیز ہے لیکن آپ جاتے ہیں تو تشریف لے جائیں' اور عبادت میں مصروف ہو جائیں- حضور ﷺ بستر سے اٹھے اور مشک میں سے پانی لے کر طہارت فرمائی اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے- آپ نماز پڑھتے جاتے اور روتے جاتے تھے یہاں تک کہ (حضرت) بلال رضی اللہ عنہ آئے تاکہ آپ ﷺ کو صبح کی نماز کی اطلاع دیں تب میں نے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے تو آپ کو بخش دیا ہے پھر آپ کس لیے رو رہے تھے حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں جبکہ اس آیت کا نزول مجھ پر ہوا ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کی باہم تبدیلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ کے بل لیٹے-

جن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے' وہ اس کی شکر گزاری میں خوشی سے رویا کرتے ہیں- ان کا رونا ڈر سے نہیں ہوتا- چنانچہ روایت ہے کہ ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے ایک پیغمبر کا گذر ہوا اس سے بہت سا پانی جاری تھا- یہ دیکھ کر ان پیغمبر کو تعجب ہوا- اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس پتھر کو گویا کر دیا اور اس نے کہا کہ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ:

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

انسان اور پتھر دوزخ کا ایندھن ہوں گے-

تب سے میں اسی طرح رو رہا ہوں- پیغمبر خدا نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ الٰہی! اس پتھر کو خوف سے بے فکر کر دے ان کی یہ دعا قبول کر لی گئی- پھر دوبارہ انہی پیغمبر کا اس پتھر کے پاس سے گذرنا ہوا تو اس سے پانی اسی طرح جاری تھا' اس وقت انہوں نے پتھر سے دریافت کیا کہ اب کیوں رو رہا ہے' اس نے جواب دیا کہ پہلے میرا رونا خوف کے سبب سے تھا اور اب میرا رونا شکر گزاری کا ہے' یہ مثال اس آدمی کے لیے ہے جو دل کی سختی میں پتھر کی طرح ہو اس کو چاہیے کہ وہ کبھی خوف اور غم سے روئے اور کبھی خوشی سے رویا کرے تاکہ اس کا دل نرم پڑ جائے-

شکر کی حقیقت: اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ دین کے تمام مدارج اصل میں تین ہیں' علم' حال اور عمل' لیکن ان

تینوں کی اصل علم ہے اور اس سے حال اور حال سے عمل پیدا ہوتا ہے- پس شکر کا علم یہ ہے کہ بندہ جانے اور پہچانے کہ جو نعمت اس کو ملی ہے اس منعم حقیقی کی طرف سے ملی ہے- حال نام ہے دل کی اس خوشی کا جو نعمت پا کر حاصل ہو اور عمل یہ

ہے کہ اس نعمت کو اس کام میں صرف کرے جس میں اس کے آقا اور مولا کی مرضی ہو' ویسے بھی یہ عمل زبان اور جسم سے تعلق رکھتا ہے- پس جب تک یہ تمام احوال ظاہر نہیں ہوں گے شکر کی حقیقت معلوم نہیں ہو گی اور علم یہ ہے کہ تم اس بات کو پہچانو کہ جو نعمت تم کو ملی ہے وہ خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ ہے کسی غیر کا اس میں دخل نہیں ہے جب تک تمہاری نظر وسیلہ اور اسباب پر پڑتی رہے گی اور تم اس کو دیکھتے رہو گے تو یہ معرفت اور ایسا شکر ناقص ہے کیونکہ اگر کوئی بادشاہ تم کو خلعت عطا فرمائے اور تم یہ سمجھو کہ مجھے یہ خلعت وزیر کی مہربانی سے ملی ہے تو اس طرح بادشاہ کا شکر تم نے پورا ادا نہیں کیا بلکہ تم نے اس کا کچھ حصہ وزیر کو بھی دے اور اس طرح تم پورے طور پر بادشاہ سے شادماں نہیں ہوئے اور اگر تم یہ سمجھو کہ خلعت بادشاہ کے حکم سے ملی ہے اور حکم قلم اور کاغذ کے وسیلے سے ہوا ہے تو اس طرح سمجھنے سے اس شکر کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ تم جانتے ہو کہ قلم اور کاغذ دوسرے کے مسخر ہیں اور وہ بذات خود کچھ نہیں کر سکتے بلکہ یہاں تک کہ اگر تم یہ بھی سمجھ لو (کہ حکم جاری ہونے کے بعد) خلعت خزانچی نے دی ہے تو اس میں بھی قباحت نہیں کیونکہ خلعت عطا کرنے میں خزینہ دار کا کچھ اختیار نہیں تھا' وہ غیر کا محکوم ہے اس کو جب حکم دیا جائے گا وہ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا' اگر مالک کا اس کو حکم نہ ہو تو وہ کبھی خلعت نہیں دے گا اس کا حال بھی بالکل قلم کی طرح ہے- اسی طرح اگر تم تمام روئے زمین کی نعمت (غلہ' پھل اور دوسری غذاؤں) کا سبب بارش کو اور بارش کا سبب ابر کو سمجھو' یا کشتی کا ساحل پر رک جانا بادِ مراد کا نتیجہ سمجھے گا تو اس طرح بھی پورا شکر (منعم کا) ادا نہیں ہو گا- ہاں جب تم غور کرو گے کہ ابر اور باران' ہوا اور سورج' چاند اور ستارے وغیرہ سب کے سب خداوند تعالیٰ کے دست قدرت میں اس طرح مسخر ہیں جس طرح قلم کاتب کے ہاتھ میں ہے کہ قلم کا کچھ حکم نہیں ہے کاتب جس طرح چاہے اس سے لکھوائے تو اس طرح سوچنا شکر کے نقصان کا موجب نہیں ہو سکتا اگر ایک نعمت کسی شخص کے واسطے سے تم کو ملی ہے اور تم یہ سمجھ بیٹھو کہ خداوند تو یہ حماقت کی علامت ہے اور تم شکر کے مقام سے بہت دور چلے گئے' تم کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اس دینے والے شخص نے تجھ کو جو کچھ دیا وہ اس وجہ سے دیا کہ حق تعالیٰ نے اس پر ایک موکل کو نازل کیا تاکہ اس کو دینے پر مجبور کرے اگر وہ شخص اس کے خلاف کرنا چاہتا تو خلاف کرنا ممکن نہ ہوتا اگر ممکن ہوتا تو وہ ایک چھدام بھی تم کو نہ دیتا- یہ ہم نے جس موکل کا ذکر کیا اس سے مراد وہ خواہش ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دینے والے کے دل میں پیدا کی (کہ وہ تم کو کچھ دے) اور اس کو یہ بات سمجھائی کہ دونوں جہان کی خوبی اس میں ہے کہ یہ نعمت تو دوسرے شخص نے دی- بس اس دینے والے تم کو جو کچھ دیا وہ یہ سمجھ کر دیا کہ دارین کی بھلائی اس میں ہے-

اس طرح اس نے جو کچھ تم کو دیا وہ حقیقت میں اپنی ذات کو دیا کیونکہ اس دینے کو اس نے اپنی ذات کا وسیلہ بنایا- حق تعالیٰ نے تم کو مال و نعمت عطا فرمائی کیونکہ اس پر ایک ایسا موکل بھیج دیا- پس جب تم کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی کہ تمام بنی آدم مالک حقیقی کے خزانچی کی طرح ہیں اور خزانچی درمیان میں اسباب اور واسطوں کے اعتبار سے قلم کی مانند ہیں' ان میں سے کسی کا بھی کسی چیز پر اختیار نہیں ہے بلکہ بجبر ان کو اس بات پر آمادہ کیا ہے یعنی حکماً (کہ وہ کسی کو کچھ دیں) تو اس صورت میں تم خدا ہی کا شکر ادا کرو گے بلکہ اس حقیقت کا جان لینا بھی شکر گذاری ہے-

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ یاالٰہی! آدم (علیہ السلام) کو تو نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور ان کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں تو انہوں نے تیرا شکر کس طرح ادا کیا- حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم نے یہ سمجھا کہ وہ تمام نعمتیں صرف میری طرف سے ہیں اور اس طرح سمجھنا عین شکر ہے-

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ ایمان کی معرفت کے بہت سے ابواب ہیں ان میں سے اوّل تقدیس ہے یعنی تم اس بات کو سمجھو کہ خداوند عالم تمام مخلوقات کی صفت سے اور ہر اس بات سے جو اس سلسلہ میں وہم وخیال میں آئے پاک ہے- سبحان اللہ کے یہی معنی ہیں- دوسری توحید یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ دونوں جہان میں جو کچھ ہے وہ اسی کا مال ہے اسی کی نعمت ہے الحمدللہ کے یہی معنی ہیں- یہ معرفت پہلی بیان کردہ دونوں معرفتوں سے زیادہ ہے کیونکہ وہ دونوں اسی کے تحت میں ہیں-

اس بنا پر سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سبحان اللہ میں اس کی حسنات ہیں اور لا الہ الا اللہ میں بیس اور الحمدللہ میں تیس نیکیاں ہیں- یہ حسنات وہ کلمات نہیں ہیں جو زبان سے کہے جائیں بلکہ ان سے مراد وہ معرفتیں ہیں جو ان کلمات میں موجود ہیں اور ان سے نکلتی ہیں-

شکر کے علم کے معنی یہی ہیں- لیکن شکر کا حال وہ فرحت اور آسودگی ہے جو دل میں پیدا ہو- اس معرفت اور آگاہی سے جب کوئی شخص کسی غیر سے نعمت حاصل کرے تو اس کے تصور سے خوش ہو اس خوشی اور مسرت کے اسباب تین ہیں ایک یہ کہ اس وجہ سے خوش ہو کہ اس کو اس نعمت کی حاجت اور ضرورت تھی اور وہ اس کو مل گئی تو اس کی شادمانی کو شکر نہیں کہا جائے گا- اس کو اس مثال سے سمجھو کہ کسی بادشاہ نے سفر کا ارادہ کیا اس نے اپنے ایک غلام کو ایک گھوڑا دیا- اب اگر نوکر گھوڑا پا کر اس لیے خوش ہے کہ اس کو اس کی حاجت تھی تو اس طرح بادشاہ کا شکر کس طرح ادا ہوا کیونکہ یہ فرحت و شادمانی تو اس کو اس وقت بھی حاصل ہوتی اگر اس گھوڑے کو جنگل میں پاتا' دوسرا سبب یا وجہ یہ ہے کہ وہ بادشاہ کی اس عنایت کو جو اس کے باب میں ہوئی ہے پہچان کر خوش ہو کہ بادشاہ اس کے حال پر کس قدر مہربان ہے اور دوسری نعمتوں کی امید بھی دل میں پیدا ہوئی' اگر وہ گھوڑا کسی صحرا یا جنگل میں پاتا تو اسے ایسی خوشی حاصل نہیں ہوتی- کیونکہ یہ مسرت اس کے دل میں منعم کے انعام سے پیدا ہوئی ہے لیکن منعم سے نہیں- یہ بات اگرچہ شکر میں داخل ہے لیکن نقصان سے خالی نہیں ہے- تیسری وجہ یہ ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کے حضور میں جا رہا ہے تاکہ اس کا دیدار کرے اور سلطان کی ملاقات کے سوا اس کا کچھ اور مطلب نہیں ہے تو چونکہ یہ خوشی بادشاہ کے باعث پیدا ہوئی اس لیے یہاں شکر پورا ہوا- اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نعمت عطا کی اور وہ اس نعمت سے خوش ہوا نعمت دینے والے سے نہیں تو اس کو شکر نہیں کہا جائے گا اور اگر منعم کے سبب سے خوش ہوا کہ اس کو یہ نعمت اس کے دین کی خاطر جمعی کا باعث بنی تاکہ علم و عبادت میں مشغول ہو کر بارگاہِ الٰہی کا تقرب حاصل کرے تو یہ اس شکر کا کمال ہے اور اس کمالِ شکر کی علامت یہ ہے کہ دنیاوی علائق سے اس کو جو چیز حاصل ہو وہ اس سے ملول ہو اور اس کو نعمت نہ سمجھے بلکہ اس کے زوال کو اللہ تعالیٰ کا فضل

سمجھے اور اس کا شکر ادا کرے- ایسی چیز سے جو دین کے راستے کو طے کرنے میں اس کی مددگار نہ ہو اس سے خوش نہ ہو- شیخ شبلی قدس سرہ نے کہا ہے کہ کمال شکر یہ ہے کہ تو نعمت نہ دیکھے بلکہ نعمت عطا کرنے والے کو دیکھے -وہ شخص ایسا شکر کبھی ادا نہیں کر سکتا جس کو محسوسات کے سوا کسی اور چیز سے حظ حاصل نہیں ہوتا- مثلاً عیش و آرام اور اعلیٰ درجے کی ماکولات سے وہ خوش ہوتا ہے- اگرچہ یہ شکر دوسرے درجہ کا ہے کہ پہلا درجہ تو شکر میں داخل ہی نہیں ہے-

شکر کا عمل دل سے بھی ہوتا ہے اور زبان اور جسم سے بھی۔ دل سے شکر گذاری یہ ہے کہ ہر ایک کی بھلائی چاہے اور کسی کی نعمت اور دولت سے حسد نہ کرے اور زبان کا شکر یہ ہے کہ تمام حالتوں میں "الحمد للہ" کہہ کر شکر بجالائے اور اپنی خوشی کا اظہار نعمت بخشنے والے سے کرے- رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تیرا کیا حال ہے اس نے عرض کیا الحمد للہ میں خیریت سے ہوں- تب سرور کونین ﷺ نے فرمایا میں اس کلمہ کو (جواب میں) چاہتا تھا- اور ہمارے اسلافِ کرام جو احوال پرسی اور خیریت طلبی کیا کرتے تھے اس سے ان کا مقصود یہی تھا کہ جواب میں اللہ کا شکر ادا کیا جائے تاکہ دریافت کرنے والا اور جواب دینے والا دونوں ثواب میں شریک ہوں اور جو کوئی شکایت کرے گا وہ گنہگار ہوگا' اگر سختی اور مصیبت میں کوئی شخص ایسے بندۂ ضعیف سے خداوند تعالیٰ کا شکوہ کرے جس کو ذرا سا بھی اختیار نہ ہو تو اس سے بڑی خطا اور کیا ہو سکتی ہے بلکہ چاہیے کہ محنت و مصیبت میں دل سے اس کا شکر ادا کرے- ممکن ہے کہ یہ بات اس کی سعادت کا سبب بن جائے اور اگر شکر نہیں کر سکتا تو صبر اور شکیبائی اختیار کرے- اس سلسلہ میں جسم کا عمل یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو جو خداوند تعالیٰ کی ایک نعمت ہیں ایسے کام میں مصروف رکھے جس کی خاطر ان کو بنایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان سب کو آخرت کی خاطر بنایا گیا ہے- اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت یہی ہے کہ تم آخرت کے کاموں میں مصروف رہو- جب تم اس کی نعمت کو اس کی مرضی میں صرف کرو گے تو گویا تم شکر بجالائے اگرچہ تمہاری شکر گذاری سے اس بے نیاز کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس کو ایسی چیزوں کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے- اس کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ کسی غلام کے حال پر مہربان ہوا اور وہ غلام بادشاہ سے بہت دور تھا چنانچہ بادشاہ نے اس کے لیے زادِ راہ اور گھوڑا بھیجا تاکہ بادشاہ کے حضور میں آئے اور تقربِ شاہی حاصل کرے اور بڑا مرتبہ پائے حالانکہ بادشاہ کے لیے اس غلام کی دوری اور حضوری یکساں تھی لیکن اس نے غلام کو بزرگی بخشنا چاہی تاکہ اس کا بھلا ہو- کیونکہ بادشاہ جب صاحبِ کرم ہوتا ہے تو وہ اپنی تمام رعایا کی بھلائی اور بہتری چاہتا ہے- اس میں اس کا اپنا کوئی مقصود اور مطلب نہیں ہوتا- اب وہ غلام گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کے دربار کا عزم کرے اور زادِ راہ کو راستہ میں خرچ کر دے تو گویا اس نے گھوڑے اور زادِ راہ کے عطیہ کی ناشکر گذاری کی اور اگر وہ اس نعمت کو یونہی پڑا رہنے دے نہ نزدیک جائے نہ دور تو یہ صورت کفرانِ نعمت کی ہے۔ اسی طرح جب بندہ خداوند تعالیٰ کی نعمت کو اس کی اطاعت میں صرف کرے گا تو اس کو اس طرح بارگاہِ الٰہی کا تقرب حاصل ہوگا اور ایسا بندہ شکر گذار ہے اور اگر اس کو معصیت اور گناہ میں صرف کرے تاکہ اس سے دور رہے تو وہ ناشکر گذار ہے اور اگر وہ اس نعمت کو ایسے عیش و آرام میں صرف کرے جو خلاف شرع نہیں ہیں معطل و بے کار چھوڑ دے

تب بھی کفرانِ نعمت ہے لیکن پہلے سے کم تر درجہ کا- جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ ہر ایک نعمت کا شکر اس وقت ادا ہوتا ہے کہ بندہ اس نعمت کو رضائے الٰہی میں صرف کرے۔ اور یہ بات اس وقت ہو سکتی ہے جو مرضیاتِ الٰہی اور مکروہات میں تمیز کر سکتا ہے- لیکن یہ شناخت بہت مشکل ہے- جب انسان ہر ایک چیز کی آفرینش کی حکمت کو نہ سمجھ لے اس وقت تک اس کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی- ہم یہاں اس بات کو مختصر مثالوں کے ذریعہ سے بیان کریں گے اگر کوئی اس کو تفصیل سے جاننا چاہتا ہے تو کتاب "احیاء العلوم" میں مطالعہ کرے کہ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے-

کفرانِ نعمت

کفرانِ نعمت کی تعریف : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ ہر نعمت کا ناشکراپن یا ناسپاسی یہ ہے کہ جس کام اور غرض سے اس کو پیدا کیا گیا ہے اس سے اس کو باز رکھا جائے اور اس کے مخصوص کام میں اس کو صرف نہ کریں- معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کی نعمت کو اس کی مرضی میں صرف کرنا شکر کی نشانی ہے اور مرضی کے خلاف صرف کرنا سپاسی ہے- مرضیات الٰہی کو مکروہات سے تمیز کرنا شریعت کی تفسیر و تشریح کے بغیر ممکن نہیں ہے- بس شرط یہ ہے کہ نعمت کو طاعتِ الٰہی میں حکم الٰہی کے بموجب صرف کرے- البتہ جو صاحبانِ بصیرت ہیں ان کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی حکمت اور آفرینش کے مقصد کو وہ استدلال اور غور و فکر سے بطورِ الہام معلوم کر لیتے ہیں- کیونکہ یہ بات سمجھ لینا تو ممکن اور آسان ہے کہ ابر کے پیدا کرنے میں مقصدِ الٰہی یہ ہے کہ بارش ہو اور بارش کا فائدہ یہ ہے کہ سبزے کو اگائے جس سے جانداروں کی غذا میسر آئے اور آفتاب کے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ رات دن پیدا ہوں تاکہ لوگ دن میں روزی تلاش کریں اور رات کو آرام سے رہیں- یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے- لیکن آفتاب کی خلقت میں اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا' آسمان پر بے شمار ستارے ہیں لیکن ہر ایک نہیں جانتا کہ ان کی پیدائش میں کیا حکمتیں ہیں- چنانچہ ہر ایک شخص نے اپنے اعضاء کے بارے میں جان لیا ہے کہ پاؤں چلنے کے لیے' ہاتھ پکڑنے کے لیے اور آنکھ دیکھنے کے لیے ہے اور ان کی آفرینش کا یہی مقصد ہے لیکن ہر ایک شخص یہ نہیں جانتا کہ جگر کس لیے بنایا گیا ہے اور آنکھ کے دس طبق کس لیے ہیں- پس بعض حکمتیں نازک ہیں اور بعض نازک تر جن کو علماء کے سوا اور کوئی نہیں جانتا- اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے پر مختصراً اس قدر جان لینا ضروری ہے کیونکہ انسان کو دنیا کی خاطر نہیں بلکہ آخرت کی خاطر پیدا کیا گیا ہے اور جو چیزیں دنیا میں انسان کو میسر ہیں وہ اس واسطے ہیں کہ وہ اس کے لیے آخرت کا توشہ ہوں' یہ سمجھنا نادانی ہے کہ تمام چیزیں میرے لیے بنائی گئی ہیں کیونکہ اگر وہ کسی چیز میں خاص اپنا فائدہ نہیں دیکھے گا' تو بلا تامل کہدے گا کہ اس میں کیا حکمت تھی- مثلاً وہ کہدے گا کہ یہ مکھی' چیونٹی اور سانپ وغیرہ کس لیے پیدا کیے گئے ذرا غور کرو کہ چیونٹی میں تعجب اور دنگ ہے کہ آدمی کس لیے پیدا کیا گیا ہے جو بغیر اس کی وجہ کے اس کو پیروں تلے روند کے مار ڈالتا ہے- پس پہلا تعجب

چیونٹی کے تعجب کی طرح ہے-بلکہ حق تعالیٰ کا فیض تو اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر ایک چیز جو ممکن الوجود ہے وہ اچھی صورت میں جلوہ گر ہو- یہی حال تمام اجناس' حیوانات' نباتات اور معدنیات کا ہے پھر اس نے ہر ایک مخلوق کو جو چیز اس کے لیے ضروری تھی وہ اس کو عطا کی اور اس کے ساتھ ہی حسن و جمال بھی عطا کیا کہ مبدا فیاض کی بارگاہ میں نہ انکار ہے نہ بخل ہے-جب تم دیکھو کہ ایک چیز میں کمال یا حسن و آرائش ظہور میں نہیں آیا تو سمجھ لو کہ اس چیز میں یہ استعداد ہی نہیں تھی' بلکہ نقصان اور بد روئی ہی اس کی اہلیت و صلاحیت کا عمل تھی-اس لیے کہ ممکن ہے کہ انگارا پانی کی لطافت اور ٹھنڈ کو قبول کر سکے-کیونکہ گرمی اور سردی میں چندے انگارے کے لیے حرارت ہی درکار تھی' حرارت کا نہ ہونا اس کے نقصان کا باعث ہے- غور کرو کہ رطوبت جس سے مکھی کی پیدائش ہوئی ہے اس سے مکھی اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ مکھی اس رطوبت کا کامل تر ہے اور اس رطوبت میں کمال کی جو صلاحیت موجود تھی اس کی عطا میں بخل نہیں کیا گیا مکھی اس رطوبت سے اس لیے کامل تر ہے کہ اس میں زندگی' قدرت' حس و حرکت' شکل اور عجیب و غریب اعضاء موجود ہیں جو اس رطوبت میں موجود نہیں ہیں' انسان کو اس رطوبت سے اس لیے نہیں بنایا گیا' کیونکہ اس رطوبت کی صفات' ان صفات کے برعکس ہیں جو انسان کی خلقت کے لیے ضروری ہیں- لیکن مگس کو جو صفات درکار تھے وہ اس کو دے دیئے گئے- پر' پوٹا' ہاتھ' پاؤں' سر اور آنکھیں' منہ اور پیٹھ اور غذا کی نالی- اسی جگہ جہاں غذا ہضم ہونے کے لیے ٹھہرے اور فضلہ نکلنے کی جگہ یہ تمام اعضاء اس کو دیئے اور جو چیزیں اس کے جسم کے لیے درکار تھیں' مثلاً باریکی' نازکی اور ہلکا پن' یہ سب کچھ اس کو عطا فرمایا-اس کو دیکھنے کی بھی ضرورت تھی لیکن اس کا سر چھوٹا تھا' اس چھوٹے سر میں پلک والی آنکھوں کی گنجائش نہیں تھی اس لیے اس کو بغیر پلک کے دو نگینے عطا فرما دیئے جو دو آئینوں کی طرح ہیں' تاکہ ان آئینوں میں چیزوں کی صورت نظر آئے اور جبکہ پلکوں کا فائدہ یہ ہے کہ آنکھوں سے گرد و غبار کو صاف کرے اور وہ آئینہ صاف رہے (صیقل کا کام کرنے) تو مکھی کو پلک کے عوض دو ہاتھ زیادہ دیئے ہیں کہ وہ ان دونوں ہاتھوں سے ان دو نگینوں کو صاف کرے پھر صاف کرنے سے پہلے وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملتی ہے تاکہ جو کچھ گرد و غبار ان ہاتھوں پر ہو وہ دور ہو جائے اس تمام گفتگو سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو کہ حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت عام ہے وہ صرف انسان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے' کیونکہ ہر کیڑے اور مچھر کو جو کچھ درکار تھا سب اس کو دیا ہے- پس ان کو صرف انسان ہی کے لیے پیدا نہیں کیا ہے بلکہ ہر مخلوق کو خاص طور پر خود اس کے لیے پیدا کیا ہے- جس طرح تم کو تمہارے واسطے پیدا کیا ہے' کیونکہ پیدائش سے قبل تمہارے پاس کوئی ایسا وسیلہ نہیں تھا جس کے باعث تم کو صرف پیدائش کا استحقاق ہو' اور دوسروں کو نہ ہو' ایسا نہیں ہے بخشش الٰہی کا یہ دریا سب مخلوقات کو محیط ہے' ان میں سے ایک مخلوق تم بھی ہو' مکھی چیونٹی باقی اور تمام پرندے وغیرہ بھی مخلوق ہیں اگرچہ ان تمام مخلوقات میں ناقص کو کامل کے لیے قربان کیا ہے اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس واسطے اکثر چیزیں اس پر قربان ہیں' انسان ان کی قربانی سے فائدہ اٹھاتا ہے-

بہت سی اشیاء سے انسان کو فائدہ نہیں ہے: اسی طرح زمین کے نیچے اور سمندروں کی ہرائی میں ایسی بہت سی اشیاء ہیں جن سے انسان کو فائدہ نہیں پہنچتا اس پر بھی ان کی ظاہری اور باطنی خلقت میں خالق کا وہی لطف عمل میں آیا ہے' ان اشیاء کی ظاہری صورت میں قدرت نے ایسے نقش و نگار کئے ہیں جو کسی بشر سے ممکن نہیں ہیں' ایسی اشیاء کے اسرار معلوم کرنے کے لیے ایسے علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے (جو ان کے لیے بنائے گئے ہیں) جہاں اکثر جاننے والے عاجز ہیں' اس کی شرح کہاں تک کی جائے- حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ جب تم عام مخلوقات کو اپنے برابر کا نہیں سمجھو گے اس وقت تک تم خود کو درگاہِ الٰہی کے خواص سے شمار نہیں کر سکو گے- جو چیز تمہارے نفع کے لیے نہیں بنائی گئی ہے اس کے باب میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ نہ معلوم اس چیز کو کیوں پیدا کیا گیا ہے- مجھے تو اس میں کچھ حکمت نظر نہیں آتی- اگر تم نے ایسا کہا اور یہ سمجھا کہ ضعیف چیونٹی تمہاری خاطر نہیں بنی ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم گویا یہ سمجھتے ہو کہ سورج' چاند' ستارے' سات آسمان اور ملائکہ بھی تمہارے لیے نہیں بنائے گئے ہیں' حالانکہ ان میں سے بعض مخلوقات سے تم کو فائدہ حاصل ہے- مثلاً مکھی اگرچہ تمہارے لیے نہیں بنی ہے مگر تم کو اس سے بعض فائدے پہنچتے ہیں' اس کو ایسے کام میں لگا دیا گیا ہے کہ جو چیز گلی سڑی' بدبودار ہو وہ اس کو کھا جائے تو بدبو کم سے کم پھیلے گی' قصاب کو مکھی کے لیے ہرگز پیدا نہیں کیا گیا ہے- اگرچہ مکھی کو اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے- جس طرح تم یہ سمجھتے ہو کہ ہر روز آفتاب تمہارے ہی لیے طلوع ہوتا ہے- اسی طرح مکھی بھی یہ سمجھی ہے کہ ہر روز قصاب اسی کی خاطر اپنی دکان لگاتا ہے تاکہ وہاں سے خون اور نجاست وہ خوب اطمینان سے کھائے حالانکہ ایسا نہیں ہے- دکان لگانے سے قصاب کی غرض کچھ اور ہی ہے' وہ مکھی کے مقصد سے کار نہیں رکھتا- اگرچہ اس کے کام گوشت کاٹنے اور بیچنے میں جو فضلہ اور چھیچھڑے بچتے ہیں وہ مکھی کی روزی اور زندگی کا سبب ہیں' اسی طرح آفتاب بھی اپنی سیر اور گردش سے حق تعالیٰ کا حکم بجا لاتا ہے- آفتاب کو تمہاری کاربر آری مقصود نہیں ہے اگرچہ اس کے نور سے تمہاری آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور اس کی گرمی سے زمین کا مزاج اعتدال پر رہتا ہے تاکہ سبزہ وغیرہ جو تمہاری غذا ہے زمین سے اگ سکے- یہاں ان چیزوں کی پیدائش کی حکمت بیان کرنا کچھ مناسب نہیں جو تمہارے کام کی نہیں ہیں' اور نہ ان تمام چیزوں کی حکمت بیان کرنا ممکن ہے جو تمہارے کام کی ہیں پس چند مثالیں ہم بیان کیے دیتے ہیں-

چند مثالیں: ایک مثال تو یہ ہے کہ تم کو آنکھیں دو مقصد سے دی گئی ہیں ایک مقصد تو یہ ہے کہ تم دنیا میں اپنے مطالب و مقاصد کو دیکھ سکو اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان آنکھوں سے صنعت الٰہی کے عجائبات کو دیکھو تاکہ اس سے خداوند تعالیٰ کی بزرگی تم کو معلوم ہو سکے لیکن جب تم اسی آنکھ سے کسی نامحرم کو دیکھو گے (گویا تم نے آنکھ کی نعمت کی ناشکری کی) غور کرو کہ آنکھ کی یہ نعمت یعنی بصارت' آفتاب کی روشنی کے بغیر کامل نہیں ہو سکتی' اس کے نور کے بغیر تم کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے اور آفتاب کے

واسطے زمین اور آسمان ضروری ہیں کیونکہ رات اور دن انہی سے پیدا ہوتے ہیں' تو جب تم نے نامحرم کو دیکھا تو صرف آنکھ اور آفتاب ہی کی نعمت کی ناشکری نہیں کی بلکہ تم آسمان اور زمین کے بھی ناشکر گذار ہوئے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی معصیت کرتا ہے تو آسمان اور زمین اس پر لعنت کرتے ہیں (اس کے یہی معنی ہیں)

تم کو دو ہاتھ بھی دیئے گئے تاکہ ان کے ذریعہ تم اپنے کام بناؤ (کام کرو) کھانا کھاؤ طہارت کرو' اگر تم اس سے معصیت کرو گے تو اس نعمت کے ناشکر گذار ہوئے۔ یہاں تک کہ سیدھے ہاتھ سے نجاست کو پاک کیا اور بائیں ہاتھ سے قرآن کو گرفت میں لیا تو یہ بھی ناسپاسی ہے کیونکہ تم نے عدل کے خلاف کام کیا اور عدل خدا کو پسند ہے اور عدل کے معنی یہ ہیں کہ شریعت سے شریف کام لیا جائے اور حقیر کام کریں' اور تمہاری ان دو باتوں میں ایک قوی ہے جو غالب اور شریف ہے۔

تمہارے تمام کام دو قسم پر منقسم ہیں' بعض ان میں حقیر ہیں اور بعض شریف۔ پس سزاوار اور مناسب یہ ہے کہ جو کام شریف ہے اس کو تم سیدھے ہاتھ سے کرو' اور جو کام حقیر ہے اس کو بائیں ہاتھ سے کرو کہ عدل قائم رہے (عدل کے خلاف نہ ہو) ورنہ تم جانوروں کی طرح عدل اور حکمت سے بے نصیب رہو گے۔

اگر تم قبلہ کی جانب تھوکو گے تو تم قبلہ اور باقی دوسری سمتوں کے ناشکر گذار ہو گے۔ کیونکہ یہ تمام طرفیں (سمتیں) یکساں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بھلائی کے لیے ایک سمت کو شرف عطا فرمادیا ہے تاکہ عبادت کے وقت تم اس کی طرف منہ کرو اور اس سے تم کو تسلی اور راحت میسر ہو اور اس گھر کو جو اس سمت میں بنایا ہے اپنی طرف منسوب کیا (کعبۃ اللہ)۔

تمہارے بعض کام بہت ہی معمولی ہیں' جیسے تھوکنا' قضائے حاجت' اور بعض کام تمہارے عظیم اور شریف ہیں جیسے طہارت اور نماز' اگر تم ان تمام کاموں کو یکساں سمجھو گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے جانوروں کی طرح زندگی گذاردی اور عقل کی نعمت کا حق ادا نہیں کیا' جس سے عدالت اور حکمت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور تم نے قبلہ کی نعمت کو باطل کر دیا' اگر مثلاً تم نے کسی درخت کی ایک شاخ یا ایک کلی بھی بغیر ضرورت کے توڑلی تو اس طرح درخت کی نعمت تمہارے ہاتھوں سے ضائع اور برباد ہو گئی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شاخ میں رگ و ریشے رکھے ہیں تاکہ وہ پانی سے اپنی غذا حاصل کریں یعنی اس میں قوتِ تغذیہ رکھی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی قوتیں اس میں رکھی ہیں تاکہ جب وہ اپنے درجہ کمال کو پہنچ جائے تو کام آئے لیکن جب تم نے درمیان ہی میں اس پر ڈاکہ ڈال دیا تو یہ بھی سپاسی ہے۔ البتہ اس صورت میں درست ہوتا اور اس کا کمال تمہارے کمال پر فدا ہوتا کہ تم کو اس کی حاجت ہوتی' کیونکہ عدل یہی ہے کہ ناقص کو کامل پر قربان کر دیا جائے لیکن اگر تم نے دوسرے کے مال توڑا خواہ تم کو اس کی حاجت تھی تو یہ بھی ناسپاسی ہے' کیونکہ مالک کی حاجت تمہاری حاجت سے اولیٰ تر ہے' خدا کے بندے حقیقت میں اشیاء کے مالک نہیں ہیں' لیکن دنیا کی مثال ایک مائدے اور دستر خوان کی طرح ہے جو بچھا ہوا ہے اور دنیا کی تمام نعمتیں طرح طرح کے لذیذ کھانوں کے مانند ہیں جو اس دستر خوان پر چنے ہیں اور خدا کے تمام بندے اس خوان پر مہمان ہیں' کیونکہ ان میں سے کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ لیکن اس

خوان سے ہر ایک لقمہ اس کے لیے موزوں اور مناسب نہیں ہے جو نوالہ اس نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے یا اس نے اپنے منہ میں رکھا ہے وہ دوسرے مہمان کے لیے سزاوار نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے اس کو چھین لے - بندے فقط اتنی ہی بات کے مالک ہیں کہ وہ اس خوان سے کھائیں اور جس طرح مہمانوں کو یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ میزبانی کا کھانا ایسی جگہ رکھیں جہاں کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکے - اسی طرح کسی کو یہ سزاوار نہیں ہے کہ دنیا کا مال اپنی ضرورت اور حاجت سے زیادہ اپنے پاس رکھ چھوڑے اور غریبوں، مسکینوں کو نہ دے لیکن اس کا اندازہ کسی صورت سے نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک کی حاجت سے آگاہی نہیں ہے لیکن اگر اس بات کو نہ روکا گیا اور اس کا سدباب نہیں کیا گیا تو پھر ہر شخص دوسرے کا مال چھین لے گا اور کہے گا کہ اس کو اس کی حاجت نہیں ہے -

اور واضح رہے کہ مال کا جمع کرنا حکمت کے خلاف ہے اور اس مال کے جمع کرنے کی شرعاً ممانعت ہے - خاص طور پر کھانے کی چیزوں (اجناس کا جمع کرنا) کہ جب گراں ہو جائے گا فروخت کریں گے سخت منع ہے ایسا کرنے والا خدا کی لعنت میں گرفتار ہو گا' بلکہ جو شخص اناج کی تجارت کرے اور اناج کو اناج کے عوض سود سے بیچے وہ ماموں ہے کیونکہ یہ خلائق کی روزی ہے اور جب اس سے تجارت کی جائے گی تو یہ ایک جگہ جمع ہو جائے گا تو جلد وہ محتاجوں تک نہیں پہنچ سکے گا - اور یہ بات چاندی سونے کے معاملہ میں حرام ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے سونے چاندی کو دو حکمتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے - ایک تو یہ کہ ہر ایک جنس کی قیمت ان کے سبب سے معلوم ہو گی کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ ایک گھوڑا کتنے غلام کے عوض اور ایک غلام کتنے کپڑے کے بدلے میں بکے گا - اور یہ تمام چیزیں ایک دوسرے کو چاہنا ضروری ہیں (ایک کو غلام کی ضرورت ہے اور دوسرے کو کپڑے کی) پس ایک ایسی چیز کی ضرورت پیش آئی کہ وہ ہر چیز کا مول ٹھہر سکے (اس سے غلام بھی خریدا جا سکے اور کپڑا لباس وغیرہ بھی) یعنی اس چیز کو تمام اجناس کا مول ٹھہرا کر اس سے قیمت لگا سکیں - پس اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ایک چیز کا مول ٹھہرانے میں حاکم کا کام انجام دے - اب اگر کوئی خزانے (سونے چاندی) کو زمین میں دفن کر دے تو ایسا کرنا گویا مسلمانوں کے حاکم کو قید کر دینا ہے - اسی طرح چاندی یا سونے سے کٹورا یا آفتابہ بنانا ایسا ہے جیسے حاکم اسلام سے قلی یا جولاہے کا کام لیا گیا - آفتابہ بنانے کا مقصود اصل تو یہ ہے کہ پانی بھرنے کے کام آئے اور ایسا برتن مٹی اور تانبے سے بھی بن سکتا ہے -

دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ چاندی اور سونا دونوں بہت ہی عزیز چیزیں ہیں ان کی بدولت ساری دنیا حاصل ہو سکتی ہے - ہر شخص ان کا طالب ہے' جس کے پاس زر ہے اس کے پاس سب کچھ ہے - شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کو اناج کی حاجت ہو اور کپڑے کی حاجت نہ ہو' جس شخص کے پاس اناج ہے اور اس کو کپڑے کی احتیاج نہیں تو پھر وہ غلہ کو کپڑے کے عوض میں کیوں بیچے گا (اب غلہ کے حاجت مند کا کام رک جائے گا (پس اللہ تعالیٰ نے سیم وزر کو پیدا فرما کر ان کو عزیز الوجود بنا دیا تاکہ لوگوں کے تمام کام ان سے چلیں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام کام سیم وزر ہی سے چلتے ہیں تو اب کوئی شخص سونے کے عوض سونا اور چاندی کے عوض چاندی نفع سے بیچے تو اس کے معنی یہ ہوئے تو وہ دو نقد ایک دوسرے

کی قید میں رک کر رہ جائیں گے' ان کے ذریعہ تبادلہ اشیاء کا معاملہ ٹھپ ہو کر رہ جائے گا- دوسری چیزوں کی خریداری کا وسیلہ نہیں بن سکیں گے- پس کبھی ایسا خیال نہ کرنا کہ شرع میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جو حکمت و عدل سے خارج ہے- ایسا نہیں ہے' بلکہ ہر چیز میں کئی کئی حکمتیں ایسی باریک اور رقیق کہ ان کو علماء متبحرین اور پیغمبروں (علیہم السلام) کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا- اور جو عالم محض تقلید کے طور پر چیزوں کی فقط ظاہری صورت کو سمجھ سکا اور ان کی حکمتوں کو نہ سمجھ سکا وہ ناقص ہے عالم کامل نہیں ہے اور قریب قریب عوام الناس کی طرح ہے- اور جب کسی عالم کامل نے ان حکمتوں کو بخوبی سمجھ لیا تو جس بات کو فقہاء مکروہ سمجھتے ہیں یہ اس بات کو حرام سمجھے گا-

چنانچہ منقول ہے کہ ایک بزرگ نے سہواً پہلے بائیں پاؤں میں جوتا پہن لیا' اس خطا اور غلطی کے بدلے کئی پلے گیہوں انہوں نے کفارہ میں دیا- اگر کوئی عام شخص کسی درخت کی شاخ توڑ لے یا قبلہ کی طرف تھوکے یا بائیں ہاتھ سے قرآن پاک اٹھائے تو ہم اس پر اس قدر اعتراض نہیں کریں گے جتنا ایک عالم متبحر اور مرد کامل پر کریں گے- کیونکہ عامی تو ناقص ہے' اس کا حال جانوروں جیسا ہے- ان باریکیوں کا اس کو ادراک نہیں ہے اور یہ نکات اس پر آشکارا نہیں تھے مثلاً اگر کوئی جاہل جمعہ کی نماز کی اذان کے وقت کسی آزاد شخص کو بیچے تو اس پر اس وجہ سے اعتراض اور عتاب نہیں کیا جائے گا کہ جمعہ کی نماز کے وقت خرید و فروخت ممنوع ہے بلکہ ایک آزاد شخص کو بیچنے کی عظیم تقصیر اس خرید و فروخت کی کراہت کو اپنے اندر چھپا لے گی۔

اسی طرح اگر کوئی جاہل مسجد کی محراب میں قبلہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کرے تو پشت بہ قبلہ ہونے کا گناہ اس گناہ کے مقابلہ میں جو قضائے حاجت سے سرزد ہوا کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ اس کی بڑی تقصیر میں وہ چھوٹا سا گناہ چھپ جائے گا- اسی وجہ سے عوام الناس کے ساتھ سہل گیری کا حکم ہے اور ظاہری فتویٰ ان ہی کے لیے ہے لیکن سالک اور عارف راز الٰہی کو چاہیے کہ ظاہری فتویٰ پر نظر نہ کرتے ہوئے' ان تمام باریکیوں اور نکات کو پیشِ نظر رکھے تاکہ اپنے عدل و حکمت کے باعث وہ ملائکہ کے قریب پہنچ جائے ورنہ عوام کی طرح اگر سہل گیری اختیار کی تو وہ جانوروں کے زمرے میں داخل ہو جائے گا-

نعمت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے چار قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا فرمائی ہیں وہ انسان کے حق میں چار قسم کی ہیں-

پہلی قسم میں وہ چیزیں ہیں جو دنیا اور آخرت میں کام آئیں جیسے علم اور نیک اخلاق دنیا کے اعتبار سے بڑی

نعمت اور دولت ہے۔

دوسری قسم میں وہ چیزیں داخل ہیں جو دونوں جہان میں اس کے لیے مضرت رساں ہیں جیسے نادانی و بدخوئی مصیبت اور بلا۔

تیسری قسم وہ کہ جن سے دنیا میں آرام حاصل ہو لیکن آخرت میں رنج والم جیسے دنیاوی نعمتوں کی کثرت اور انسان کا ان نعمتوں سے بہرہ یاب ہونا' احمقوں اور نادانوں کے نزدیک یہ نعمت ہے۔ لیکن دانشوروں اور اصحاب معرفت کی نظر میں یہ بڑی بلا ہے۔ اس کی مثال اس بھوکے شخص کی ہے جس کو زہر ملا ہوا شہد کہیں سے مل جائے تو وہ اگر احمق اور نادان ہے اور اس بات سے بے خبر ہے تو وہ اس شہد کو بڑی نعمت سمجھے گا اور اگر دانشمند اور ہوشیار ہے تو اس کو ایک بلائے عظیم سمجھے گا۔

چوتھی قسم وہ ہے کہ دنیا میں رنج و تعب کا باعث ہو لیکن آخرت میں آرام و راحت والی ہو وہ عبادت اور نفس و شہوت کی مخالفت ہے اور عارفوں کے نزدیک یہ ایک بڑی نعمت ہے جیسے کڑوی دوا جس کو وہ بیمار جو دانشور ہے' راحت سمجھتا ہے اور احمق اس کو مصیبت خیال کرتا ہے۔

فصل : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں بھلی بری چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ پس وہ چیز جس کا فائدہ اس کے نقصان سے

زیادہ ہو وہ نعمت ہے لیکن لوگوں کے احوال کے اعتبار سے یہ بات مختلف ہے کیونکہ اکثر مخلوق کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب مال ان کے پاس بقدر کفایت ہو گا تو اس کا فائدہ اس کے ضرر سے زیادہ ہو گا۔ اور جب مال حاجت سے افزوں ہو گا تو اس کا نقصان اس کے فائدہ سے کہیں زیادہ ہے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ تھوڑا سا مال بھی اس کے لیے موجب مضرت ہے' جس کا باعث یہ ہے کہ اس پر حرص کا غلبہ ہے۔ اگر وہ بالکل نادار ہوتا تو اس طمع اور حرص سے محفوظ رہتا' البتہ ایسے لوگ صاحبِ کمال اور سخی بھی ہیں کہ بہت سا مال بھی ان کو نقصان نہیں پہنچاتا' کیونکہ وہ اس مال کثیر سے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرتا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ ایک چیز کسی کے حق میں نعمت ہے اور کسی کے حق میں بلا ہے۔

فصل : معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ جس چیز کو اچھا سمجھتے ہیں وہ ان تین حال سے خارج نہ ہو گی ایک یہ کہ وہ فی الحال پسند ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا فائدہ اس وقت نہ ہو بلکہ آئندہ سے متعلق ہو' تیسرے یہ کہ وہ بذات خود خوب اور اچھی ہو' اسی طرح جس چیز کو برا سمجھا جاتا ہے اس کی بھی یہی صورت ہے۔ یعنی یا تو فی الحال ناپسند ہو گی یا آئندہ ہو گی نقصان رساں ہو گی یا اپنی ذات میں خراب ہو گی۔ پس بہت عمدہ اور اچھی چیز وہ ہے جس میں یہ تینوں حالتیں جمع ہوں' یعنی پسندیدہ' آئندہ سود مند اور بذاتِ خود خوب' ایسی چیز علم و حکمت کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور کسی دوسری چیز میں یہ خوبیاں جمع نہیں ہیں اور اس

کے مقابل میں بہت بری چیز جہل ونادانی ہے کہ وہ ناپسندیدہ مضرت رساں اور بذات خود بری ہے- معلوم ہونا چاہیے کہ علم سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لیکن اس کے لیے جس کا دل بیمار نہ ہو' اور جہل ایک مرض ہے جو فی الحال اذیت رساں اور ناپسندیدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز سے بے خبر ہے اور اس کو جاننا چاہتا ہے تو وہ اس وقت اپنی نادانی اور جہل کے غم سے بے قرار ہو جائے گا- جہل اگرچہ بدنما ہے مگر یہ بدنمائی اس میں نظر نہیں آتی ہے کیونکہ وہ دل کے اندر ہے اور وہ دل کی صورت کو بگاڑ دیتی ہے- اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ باطن کی بدصورتی ظاہر کی بدصورتی سے بدتر اور زشت تر ہے- اب یہ غور کرو کہ ایک چیز نافع تو ہے پر ناپسند ہے جیسے سڑی ہوئی انگلی کا کاٹ دینا تاکہ سارا ہاتھ اس کے فساد سے کاٹنا نہ پڑے۔

کوئی چیز ایسی بھی ہوتی ہے کہ بعض اعتبار سے نافع ہوتی ہے اور بعض اعتبار سے مضر مثلاً بسا اوقات کشتی کے ڈوبنے کا جب خطرہ بڑھ جاتا ہے تو مال و اسباب کو دریا میں پھینک دیتے ہیں تاکہ لوگوں کی جانیں بچ جائیں (کشتی ڈوبنے سے بچ جائے)۔

فصل : لوگ کہتے ہیں کہ جو چیز اچھی معلوم ہو وہ نعمت ہے- لیکن لذت اور راحت کے بھی تین درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ سب سے کم تر ہو- حقیقی معنی میں یہ وہ لذت ہے جس کا تعلق پیٹ اور فرج سے ہے کیونکہ اکثر مخلوق نے بس انہی دو چیزوں کو راحت و لذت سمجھ رکھا ہے- بس رات دن مخلوق اسی میں غرق رہتے ہیں اور اسی مقصد کی جستجو میں لگے رہتے ہیں لیکن اس لذت کے مذموم ہونے پر دلیل یہ ہے کہ تمام حیوانات اس میں شریک ہیں اور وہ تو اس معاملہ میں انسان سے بھی سبقت لے گئے ہیں- کیونکہ حیوانات میں کھانا اور جماع کرنا انسان سے زیادہ ہے انسان کے ساتھ اس کام میں حیوانات تو کیا حشرات الارض تک شریک ہیں- جب کوئی انسان محض اسی لذت سے تعلق رکھے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے انسانیت کے شرف کے بجائے حشرات الارض کے مرتبہ پر قناعت کرلی ہے- دوسرا درجہ سرداری اور ریاست کی لذت کا ہے یعنی دوسروں پر فوقیت کا تلاش کرنا اور اس کا تعلق غصہ اور غضب سے ہوگا اگرچہ یہ درجہ پیٹ اور فرج کی لذت سے بہتر ہے لیکن اس کے سبک (ہلکے اور کم مرتبہ) ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے- کیونکہ کچھ حیوانات بھی اس خواہش میں اس کے شریک ہیں- جیسے شیر اور چیتا کہ ان کو دوسرے جانوروں پر غالب ہونے کا شوق ہے-

تیسرا درجہ علم و حکمت اور معرفتِ الٰہی کی لذت کا ہے اور اس کے عجائبات کو پہنچاننے کی خواہش کا ہے یہ قسم مذکورہ دونوں قسموں سے بالاتر ہے کیونکہ یہ کمال کسی جانور کو حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ ملائکہ کی صفت ہے' جس کو علم و معرفت میں لذت حاصل ہو وہ کامل شخص ہے اور جس کو اس میں لذت حاصل نہ ہو وہ ناقص ہے بلکہ بیمار اور ہلاک ہونے والا ہے- اکثر مسلمان ان ہی دو قسم کے تحت پائے جاتے ہیں کہ وہ علم و معرفت کی بھی لذت پاتے ہیں اور دوسری چیزوں کی لذت بھی۔ جیسے ریاست اور شہوت کی لذت' لیکن جس پر معرفت کی لذت غالب ہو اور دوسری لذت اس کی مغلوب ہو جائے تو وہ درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور جس پر شہوت کی لذت کا غلبہ ہو اور معرفت کی لذت اس کو بہ تکلف ہوتی ہو تو جب تک پہلی لذت کے غلبہ کے لیے کوشش نہیں کرے گا وہ نقصان کے درجہ سے قریب رہے گا' حسنات کے پلڑے کو

زیادہ کرنے کے بھی یہی معنی ہیں۔

نعمت کے اقسام

اور ان کے مراتب

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ سعادتِ آخرت نعمت حقیقی ہے کیونکہ وہی بالذات مطلوب ہے یہ اپنے سوائے اور دوسری نعمتوں کا وسیلہ نہیں ہے اور اس نعمت کے تحت چار چیزیں ہیں۔ اوّل بقا جس میں فنا کا دخل نہ ہو' دوسرے ایسی خوشی جو رنج والم سے پاک ہو۔ تیسرے ایسا علم و کشف جو جہل و نادانی کی ظلمت سے خالی ہو' چوتھے بے نیازی (استغناء) کہ غربت اور احتیاج کا اس میں دخل نہ ہو' ان چار چیزوں کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو جمال الٰہی کے مشاہدے کی لذت دواماً اس طرح حاصل ہو کہ پھر کبھی زائل نہ ہو۔ پس نعمت حقیقی یہی ہے۔ جس چیز کو دنیا میں نعمت سمجھتے ہیں وہ اسی کے لیے ہے کہ وہ سب اسی کی راہ کا وسیلہ ہیں' ورنہ وہ بذات خود مطلوب نہیں ہے (یعنی دنیاوی نعمت) کامل نعمت وہی ہے جس کے وسیلے سے آخرت کی سعادت تلاش کریں اور کسی چیز کو نہیں' اسی بنا پر حضرت سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ہے العیش عیش الاخرۃ (راحت اور چین تو صرف آخرت کی راحت ہے) حضور ﷺ نے ایک بار تو یہ جملہ بہت ہی سختی اور غم کے وقت فرمایا تھا تاکہ دنیاوی غم سے دل کو تسلی دیں اور ایک بار حجۃ الوداع کے وقت جبکہ دین درجہ کمال کو پہنچ گیا تھا اور ساری مخلوق آپ کی طرف متوجہ تھی' فرمایا تھا۔ اس وقت آپ ناقہ پر سوار تھے اور لوگ حج کے مسائل آپ سے دریافت کر رہے تھے۔ جب آپ نے اس اسلامی شان و شوکت کو ملاحظہ فرمایا۔ تب آپ نے ایسا فرمایا تاکہ اب قلبِ اطہر لذاتِ دنیوی کی طرف مائل نہ ہو۔

روایت ہے کہ کسی شخص نے حضور ﷺ کے روبرو کہا اللھم انی اسئلک تمام النعمۃ (الٰہی میں تجھ سے تمام نعمت کا سوالی ہوں) یہ سن کر حضور ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے معلوم ہے کہ پوری نعمت کیا ہوگی اس نے عرض کیا میں نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا تمام نعمت یہ ہے کہ تجھے بہشت میسر ہو۔ پس وہ دنیاوی نعمتیں جو سعادت آخرت کا وسیلہ نہیں ہیں فی الحقیقت ان کو نعمت نہیں کہنا چاہیے۔ وہ جو آخرت کا وسیلہ ہیں سولہ ہیں چار کا تعلق دل سے ہے۔ یعنی علم مکاشفہ علم معاملہ' پارسائی اور عدل ہے۔

علم مکاشفہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو' اس کی صفات کو' ملائکہ اور رسولوں کو پہچانے' علم معاملہ وہ ہے جو ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے' وہ راہ دین کی مشکلات ہیں' چنانچہ رکن مہلکات میں ان کو بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں زاد آخرت ہے جس کے بارے میں رکن معاملات اور رکن عبادت میں تحریر کیا گیا۔ اس کے علاوہ راہِ سلوک کی ان تمام منزلوں کو معلوم کرنا ہے جو رکن منجیات میں لکھی گئی ہیں' ان سب کو بخوبی معلوم کرے۔ پارسائی یعنی عفت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی قوتِ شہوت اور قوت غضب کو توڑے اور حسنِ اخلاق کو کامل طور پر حاصل کرے اور عدل سے مقصود یہ ہے کہ شہوت اور

غضب کو بالکل ترک کردے کیونکہ اس میں خسارہ اور گھاٹا ہے اور ان کو اپنے اوپر اس قدر مسلط نہ کرے کہ وہ حد سے گذر جائیں- خداوند کریم جل و علا کا ارشاد ہے : اَلاَّ تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوْا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلاَ تُخْسِرُوْا الْمِیْزَانَ[1] ٥ یہ چار چیزیں ان چار چیزوں سے تمام ہوں گی جن کا تعلق تن سے ہے- یعنی تندرستی، قوت، خوبروئی اور عمر دراز، سعادتِ آخرت کے حصول کے لیے تندرستی اور قوت درکار ہے، کیونکہ علم و عمل اور خلقِ نیک، علاوہ ازیں وہ خصائل جو انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں، بغیر صحت کے حاصل نہیں ہو سکتے، یوں تو حسن و جمال کی چنداں حاجت نہیں ہے لیکن خوبرو انسان کا مطلب ہر کہیں نکل جاتا ہے، اس لحاظ سے جمال بھی مال و جاہ کی طرح ہے اور جو چیز دنیا کے مطالب و مقاصد کے کام آئے اس کو آخرت سے بھی علاقہ ہے- کیونکہ دنیا کے کاموں کا انتظام آخرت کی خاطر جمعی کا سبب ہو گا اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے (الدنیا مزرعة الاخرة) اس کے علاوہ ایک بات اور ہے کہ ظاہری حسن و خوبی باطن کا دیباچہ ہے کہ یہ حسن عنایت الٰہی کا نور ہے جو بچے کی ولادت کے وقت ہی اس کی پیشانی میں چمکتا ہے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب آدمی آپ کو سنوارتا ہے تو اپنے باطن کو بھی نیک اخلاق سے آراستہ کرے گا- اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے، کہ دنیا میں کوئی بدصورت شخص ایسا نہ ہو گا جس کی بھونڈی صورت اس کے برے باطن سے اچھی نہ ہو- اس سے کمال بدخوئی مراد ہے-

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اچھی صورت والوں سے اپنا مقصد طلب کرو- حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کہیں سفیر بھیجنا مطلوب ہو تو خوبصورت اور نیک نام شخص کو بھیجو! اور فقہاء نے فرمایا ہے کہ جب علم قرأت اور عفت میں سب برابر ہوں تو ایسے شخص کو امام بناؤ جو ان سب میں خوبصورت ہو، یہ خیال رہے کہ اس حسن سے وہ آرائش مقصود نہیں ہے جو شہوت کی محرک ہو، کیونکہ ایسی آرائش رنڈیوں کی صفت ہے، بلکہ انسان کا قد بلند ہو، اور ڈیل ڈول درست ہو، جس سے لوگ نفرت نہ کریں اور دیکھنے والوں کو اچھا معلوم ہو-

وہ نعمتیں جن کا تعلق بدن سے نہیں ہے لیکن انسان کو ان کی حاجت ہے وہ مال و جاہ، زن و فرزند، اقرباء ملک اور نسب کی شرافت ہے-

مال کی حاجت آخرت کے لیے اس وجہ سے ہے کہ جو شخص مفلس اور نادار ہے وہ سارے دن روزی کی تلاش میں رہے گا- علم و عمل کی طرف کس طرح اور کب مشغول ہو سکے گا پس مال بقدر کفایت دینی ایک نعمت ہے اور جاہ کی حاجت اس لیے ہے کہ جس کو جاہ و منزلت حاصل نہیں ہے وہ ہمیشہ ذلیل اور سبک سر رہے گا، دشمن اس کے درپے رہیں گے- لیکن مال و جاہ کی زیادتی میں آفت بہت ہے، اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی صبح کو تندرست اٹھے اور دن کے لیے غذا (روزی) سے بے فکر ہو دنیا کی ساری دولت گویا اس کو حاصل ہے اور یہ بات بغیر جاہ و مال کے میسر نہیں ہو سکتی- چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے- نِعْمَ الْعَوْنِ عَلَى التَّقْوىٰ اللّٰهِ مَالٌ (پرہیز گاری کے باب میں مال بڑا

---

[1] اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ-

مدد گار رہے) زن و فرزند بھی دینی نعمت ہیں- کیونکہ جو شخص بیوی والا ہے وہ بہت سی باتوں سے بے فکر رہے گا- اور شہوت نفسانی کے شر سے محفوظ رہے گا- اسی واسطے حضور علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "دین کے معاملہ میں نیک بیوی بڑی مدد گار ہوتی ہے-" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم علیہ سے دریافت کیا کہ میں دنیا میں مال و متاع سے ہم کیا جمع کریں؟ آپ علیہ نے فرمایا خدا کا ذکر کرنے والی زبان، شکر ادا کرنے والا دل، اور مومنہ بیوی کو جمع کرو۔ صالح فرزند باپ کے مرنے کے بعد، باپ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے اور زندگانی میں اس کا مددگار رہتا ہے- نیک فرزند انسان کے لیے ہاتھ پاؤں اور پروبال کا حکم رکھتے ہیں کہ سارے کام انہی سے سرانجام ہوتے ہیں- پس یہ بھی نعمت ہے بشرطیکہ ان کی آفت سے بچنا ممکن ہو کہ ان کی فکر میں پڑ کر خدا کی طرف دھیان نہ کرے (اس صورت میں یہ آفت ہیں) اب رہی شرافتِ نسب تو یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ دین کی سرداری قریش سے مخصوص رکھی گئی ہے- حضور پر نور علیہ کا ارشاد ہے- تَخَیَّرُوْا النطفکم اِلاَکفاء وایّاکم و خضراء الدمن (اپنا بیج مناسب جگہ پر ڈالو اور اس سبزی سے جو گھوڑے کے اوپر اگتی ہے بچو! لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور (علیہ) کے اس ارشاد سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا خوبصورت عورت جو کم ذات کی ہے (وہ گھوڑے کے مانند ہے) نسب سے مراد دنیا کی سرداری نہیں ہے بلکہ اس سے مراد دینی نسب ہے جو اہلِ صلاح اور دینداروں میں ہوتا ہے' یہ بھی ایک نعمت ہے- اخلاق اکثر ماں باپ ہی سے اولاد میں سرایت کرتے ہیں- جب باپ پرہیزگار ہوگا' جیسا کہ حق تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا (اور ان کا باپ ایک مرد صالح تھا)۔

اب رہیں چار نعمتیں' وہ چار نعمتیں وہ ہیں جو ان بارہ نعمتوں کو زیادہ کرتی ہیں' ہدایت' رشد' تائید اور تسدید۔ ان چاروں کے مجموعہ کو توفیق کہتے ہیں' اور کوئی نعمت توفیق کے بغیر نعمت نہیں ہو سکتی- توفیق کے معنی یہ ہیں کہ حکم الٰہی اور بندے کے ارادے میں مطابقت پیدا ہو جائے- یہ بات خیر و شر دونوں کے لیے ہے- لیکن عادتاً توفیق کا استعمال زیادہ تر کارِ خیر کے لیے کیا جاتا ہے- توفیق کی تکمیل ان چار چیزوں سے ہوتی ہے اوّل ہدایت۔ ہدایت کا مرتبہ پہلا یوں ہے کہ کوئی شخص اس سے بے نیاز نہیں ہے کیونکہ جب کوئی شخص سعادت آخرت کا طالب ہے اور اس کی راہ کو نہیں پہنچتا بلکہ بے راہی کو راہ سمجھتا ہے تو محض طالب ہونے سے کیا فائدہ۔ اس کے اسباب کا پیدا کرنا بغیر ہدایت کے کام نہیں آتا' اس وجہ سے حق تعالیٰ نے دونوں چیزوں کا بطور احسان ذکر فرمایا ہے۔ ربنا الذی اعطی کل شیی خلقه ثم هدی (وہ پروردگار جس نے اندازہ کیا اور راہ دکھائی)۔

ہدایت کے تین درجے : معلوم ہونا چاہیے کہ ہدایت کے تین درجے ہیں- پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان خیر و شر میں امتیاز کرے اور یہ وصف تمام دانشوروں کو عطا فرمائی ہے' بعض کو خود ان کی عقل سے اور بعض کو پیغمبروں کی زبانی اور وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ ہ (اور اس کو دونوں راستے دکھا دیئے) سے یہی مراد ہے کہ یعنی خیر و شر کی راہ ہم نے انسان کو عقل کے وسیلے سے بتا دی- وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَھَدَیْنٰھُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْھُدٰی (اور ثمود کو ہم نے راہ دکھائی پس

انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کر لیا۔

اس ارشاد سے وہ راہنمائی مراد ہے جو لسانِ انبیاء سے عمل میں آئی۔ لیکن وہ راہ یابی سے محروم رہے 'اُن کے محروم رہنے کا سبب حسد و تکبر ہو گایا دنیاوی مشاغل جس کے سبب سے انہوں نے انبیاء اور علماء کی بات نہیں سنی 'اس عمل سے کوئی بھی ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔

دوسرا درجہ ہدایت خاص ہے' جو دین کے معاملہ میں مجاہدے سے تھوڑی پیدا ہوتی ہے اور اس سے حکمت کی راہ کھلتی ہے' مجاہدہ کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جب بندے مجاہدہ اور ریاضت کریں گے تو ہم ان کو اپنی راہ ضرور بتلائیں گے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم خود بخود ہدایت کریں گے۔ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا ازَادَهُمْ هُدًى (وہ جو ہدایت یاب ہوئے اللہ نے ان کی ہدایت زیادہ کر دی) سے یہی مراد ہے۔ تیسرا درجہ ہدایت خاص الخاص کا ہے' یہ نور نبوت اور ولایت کی حالت میں پیدا ہوتا ہے' یہ ہدایت ذات باری تعالیٰ کی طرف ہے اس کی راہ کی طرف نہیں ہے۔ کیونکہ عقل کا یہ مقدور نہیں ہے کہ خود بخود اس کی طرف جائے۔ فرمایا کہ :قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَالْهُدٰى (کہہ دیجئے کہ بے شک ہدایت ہی ہدایت ہے) اس سے ہدایت مطلق مراد ہے اور اس ہدایت کا نام حیات رکھا گیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاس (آیا وہ جو مردہ تھا اس کو ہم نے زندہ کیا یعنی کافر تھا' بس اس کو ہم نے ہدایت دی اور اس کے لیے نور پیدا کیا کہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے۔

رشد کے معنی یہ ہیں کہ بندے میں ہدایت سے جو خوبی کا راستہ پیدا ہو اس کی طرف چلنے کی اس میں خواہش پیدا ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ (اور اس سے پہلے بھی ہم نے ابراھیم کو ان کا رشد عطا کر دیا تھا) مثلاً جب لڑکا بالغ ہوا اور جانتا ہے کہ مال کی کس طرح حفاظت کی جائے اور اس جاننے کے باوجود اس نے حفاظت نہیں کی تو اس کو رشید نہیں کہیں گے اگرچہ وہ ہدایت یاب ہوا۔ تسدید کے معنی یہ ہیں کہ بندے کے حرکات اور اس کے اعضاء کو بھلائی کی طرف آسانی کے ساتھ حرکت دی جائے تاکہ وہ جلد اپنے مقصد کو پہنچ جائے پس اس طرح ہدایت کا نتیجہ معرفت میں ہے اور رشد کا ثمرہ خواہش میں ہے۔ تسدید کا نتیجہ اور اس کا ثمرہ قدرت اور اعضاء کی حرکات میں نظر آئے گا۔ تائید سے مراد آسمانی یا غیبی مدد ہے' یہ باطن میں بصیرت کی تیزی سے اور ظاہر میں قوتِ حرکت سے ظاہر ہوتی ہے' جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا (حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں) وَاَيَّدْنٰكَ بِرُوْحِ الْقُدُوْس (تمہاری مدد کی ہم نے روح القدس یعنی جبرائیل علیہ اسلام سے) اور علت تائید سے نزدیک ہے۔ یعنی نبی کے باطن میں معصیت اور شرک کی راہ سے روکنے والا اور منع پیدا ہوتا۔ لیکن وہ اس مانع کو بخوبی نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آیا۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد کیا گیا وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا) پس یہ دنیاوی نعمتیں ہیں جو زادِ راہ آخرت ہیں۔ ان کو کئی

اسباب کی اور ان اسباب کو اور دوسرے بہت سے اسباب کی حاجت ہے' اس مقام پر جب عارف پہنچے گا تو وہ اس رب الارباب تک پہنچ جائے گا جو حیرت زدوں کی راہ نمائی کرنے والا اور مسبب الاسباب ہے- اس مسبب اسباب کی تفصیل و تشریح بہت طویل اور دراز ہے- لہٰذا اس مقام پر ہم اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں-

شکرِ الٰہی میں خلائق کی تقصیر

تقصیر شکر کے اسباب: اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری میں دو سبب سے تقصیر واقع ہوتی ہے ایک یہ کہ نعمتوں کی کثرت اور بہتات کی بندے کو خبر نہیں' جس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حد و حساب ہیں' ہم نے کتاب احیاء العلوم میں ان تھوڑی سی نعمتوں کا بیان ہے جن کا تعلق کھانے پینے سے ہے تاکہ اس پر دوسری نعمتوں کا قیاس کیا جاسکے اور معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا پہچاننا ممکن نہیں ہے- اس کتاب (کیمیائے سعادت) میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے- تقصیر کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انسان ایسی نعمت کو جو عام ہو نعمت ہی نہیں سمجھتا اور خداوند تعالیٰ کا اس پر شکر بجا نہیں لاتا- مثال کے طور پر یہ ہوائے لطیف ہے جس کو انسان سانس کے ذریعہ اپنے اندر کھینچتا ہے' جو اس روح جوان کو مدد پہنچاتی ہے جس کا مخزن و معدن دل ہے اور دل کی حرارت کو یہ ہوائے لطیف اعتدال بخشتی ہے' اگر یہ ذرا سی دیر کے لیے رک جائے تو انسان ہلاک ہو جائے' ایسی نعمت کو انسان اپنی غفلت کے باعث نعمت ہی نہیں سمجھتا' وہ ایسی بے شمار سانسیں لیتا ہے جن کی اس کو خبر ہی نہیں ہوتی اس کی خبر جب ہو گی کہ ایک ذرا سی دیر کے لیے ایسے کنویں میں جائے جس کی ہوا غلیظ ہے اور دم گھٹنے لگے (تب ہوائے لطیف کی اس کو قدر ہو گی) یا گرم حمام میں تھوڑی دیر کے لیے اس کو بند کر دیا جائے اور کچھ دیر کے بعد صاف و پاک ہوا میں اس کو نکالیں تب وہ اس نعمت کی قدر پہچانے گا- اس طرح جب تک انسان کی آنکھوں میں درد نہ ہو یا بینائی نہ جاتی رہے صحت چشم کا کس طرح شکر ادا کرے گا- اس کی مثال اس غلام جیسی ہے کہ جب تک اس کو مارا پیٹا نہ جائے مار نہ کھانے کی اس کو قدر کس طرح ہو سکتی ہے اور جب اسے مارا نہیں جائے گا تو وہ سرکشی کرے گا- پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ بندہ ہر آن ہر پل اللہ تعالیٰ نعمتوں کو دل میں یاد کرے اور یہ بات انسانِ کامل ہی سے ہو سکتی ہے- اس کی تفصیل ہم نے کتاب احیاء العلوم میں پیش کی ہے- لیکن جو ناقص اور کم فہم ہے اس کے لیے تدبیر یہ ہے کہ اس کو ہر روز بیمارستان (اسپتال)' قید خانے اور گورستان میں لے جائے تاکہ وہاں بیماروں' قیدیوں اور مردوں کو دیکھ کر اپنی عافیت اور سلامتی کی قدر پہچانے ممکن ہے کہ اس صورت میں وہ شکر ادا کرے' گورستان میں پہنچ کر یہ خیال کرے کہ یہ مردے ایک دن کی زندگی کی تمنا کرتے تھے تاکہ اپنے بُرے اعمال کا بدلہ کر سکیں لیکن ان کو وہ ایک دن کی زندگی بھی نہیں مل سکی لیکن اس زندے کو دیکھ کر کہ بہت سے دن اس کی حیات کے باقی ہیں لیکن یہ ان کی قدر نہیں کرتا-

ایسا شخص جو عام نعمت کا شکر ادا نہیں کر تا جیسے ہوا اور سورج، آنکھیں اس کو دیکھتی ہیں اور محسوس کرتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ مال و دولت ہی بس صحت ہے، اس کو سمجھنا چاہیے کہ اس طرح خیال کرنا محض نادانی ہے کہ نعمت اگر عام ہی ہو پھر بھی وہ نعمت ہے اگر وہ غور کرے تو خاص نعمت سے بھی اس کو نوازا گیا ہے- مثلاً ہر شخص یہ تصور کرتا ہے کہ اس کی عقل کی مانند دوسروں کی عقل نہیں ہے اور اس کے اخلاق دوسروں کے اخلاق سے بہتر ہیں اسی وجہ سے وہ دوسروں کو احمق اور بد خو اپنے مقابلہ میں سمجھتا ہے- پس چاہیے کہ وہ اس نعمت خاص کا شکر ادا کرے اور لوگوں کی عیب بینی نہ کرے، بلکہ ہر ایک آدمی میں ایسے ہزاروں عیب ہیں جن کو اس کا دل جانتا ہے اور کوئی دوسرا انہیں جانتا کیونکہ حق تعالیٰ نے جو ستار العیوب ہے ان پر پردہ ڈال دیا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ انسان کے خیال میں جو باتیں گذرتی ہیں اگر وہ لوگوں کو معلوم ہو جائیں تو بڑی پریشانی کا سبب ہو- بس یہ بات ہر ایک کے حق میں نعمت خاص ہے- لازم ہے کہ اس کا شکر بجالائے- اور کبھی بھی اس کا خیال دل میں نہ لائے- کہ فلاں چیز سے محروم ہوں اس صورت میں وہ ادائے شکر سے محروم رہے- بلکہ اس کو چاہیے کہ وہ اس نعمت پر غور کرے جو بغیر کسی استحقاق کے اس کو دی گئی ہے-

مفلسی کے غم کا علاج : منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی بزرگ کے پاس جا کر اپنی غریبی اور مفلسی کی شکایت کی تو انہوں نے اس شخص سے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہاری ایک آنکھ بند ہو جائے اور تم کو دس ہزار درہم مل جائیں اس نے کہا نہیں، پھر انہوں نے پوچھا کان، ہاتھ، پاؤں کے عوض اتنی رقم تم کو دے دی جائے (ان کو بیچتے ہو) اس نے کہا نہیں، تو انہوں نے کہا اچھا اتنی رقم کے عوض اپنی عقل بیچتے ہو اس نے کہا یہ بھی میری مرضی نہیں ہے تب انہوں نے کہا کہ پس اسی صورت میں پچاس ہزار درہم کا مال تو تمہارے پاس موجود ہے اور اس پر بھی تم مفلسی کی شکایت کر رہے ہو- صرف یہی نہیں بلکہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ تم اگر ان سے کہو کہ اپنی حالت کو دوسرے کے حال سے بدل لیں تو وہ اس پر راضی نہیں ہوں گے- پس وہ نعمت جو اس کو ملی ہے دوسرے کو نہیں دی گئی ہے لہٰذا یہ محل شکر ادا کرنے کا ہوا- (انسان کو شکر ادا کرنا چاہیے)-

سختی اور بلا میں شکر ادا کرنا لازم ہے : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ سختی اور مصیبت میں شکر ادا کرنا لازم ہے- کیونکہ کفر کی مصیبت کے سوا اور کوئی ایسی مصیبت نہیں ہے جس میں کوئی ایک خوبی موجود نہ ہو لیکن تم اس سے واقف اور آگاہ نہیں ہو- حق تعالیٰ تمہاری بھلائی کو خوب جانتا ہے- بلکہ ہر بلا پر پانچ طرح کا شکر واجب ہے ایک یہ کہ اس کی مصیبت کا تعلق جسم سے تھا دین سے نہیں تھا- کسی شخص نے شیخ عبداللہ بن سہل تستریؒ سے پوچھا کہ چور میرے گھر میں گھس کر تمام مال چرا کر لے گیا انہوں نے فرمایا کہ اگر شیطان تیرے دل کے اندر گھس کر ایمان چرا کر لے جاتا تو کیا کرتا- دوسری قسم شکر کی یہ ہے کہ کوئی بیماری اور بلا ایسی نہیں ہے کہ دوسری اس بلا سے بدتر نہ ہو پس اس پر شکر کرو کہ تم

اس بدتر بلا اور مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے' جو شخص ہزار مار کے لائق ہو اور سو سے زیادہ اس کو نہ ماریں تو یہ اس کے لیے شکر کا مقام ہے۔ منقول ہے کہ کسی بزرگ کے سر پر ایک شخص نے طشت بھر کر خاک ڈال دی' انہوں نے شکر ادا کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ شکر کا کون سا موقع ہے تو انہوں نے کہا کہ میں تو اس لائق تھا کہ مجھ پر طشت بھر کر انگارے ڈالے جاتے اور اس کے بجائے راکھ ڈالی گئی تو یہ مقام شکر گذاری کا ہے تیسرے یہ کہ کوئی دنیاوی عذاب ایسا نہیں ہے جس کو آخرت پر موقوف رکھا جائے۔ آخرت کا عذاب تو اس سے سخت اور بدتر ہوگا۔ پس اس بات کا شکر بجالائے کہ یہ عذاب دنیا میں ہوا اور دنیا کا عذاب آخرت کی رہائی کا سبب ہے حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کو دنیا میں عذاب دیا جاتا ہے اس کو آخرت میں عذاب نہیں دیں گے کیونکہ سختی اور بلا گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ پس جب انسان گناہوں سے پاک ہو گیا تو پھر اس پر عذاب کیوں ہوگا۔ طبیب تم کو کڑوی دوا دیتا ہے۔ تمہاری فصد کھولتا ہے۔ اگرچہ ان دونوں سے اذیت ہوتی ہے لیکن شکر کا مقام ہے کہ تم نے اس تھوڑی تکلیف سے بڑی بیماری سے نجات پالی۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ جو بلا تم پر آنے والی تھی وہ لوح محفوظ میں لکھی تھی' وہ آئی اور آکر ٹل گئی تب بھی مقام شکر ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر گدھے پر سے گر گئے انہوں نے الحمد للہ کہا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم نے شکر کس بات کا ادا کیا۔ انہوں نے اس طرح گدھے سے گرنا ازل میں مقدر ہو چکا تھا اور گدھے پر سے گرنے سے یہ آفت ٹل گئی پس اس آفت کے گذر جانے پر اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ دنیا کی مصیبت دو وجہ سے آخرت کے ثواب کا باعث ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اس مصیبت کا اجر بڑا ہے۔ دوسرا باعث یہ کہ سب گناہوں سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم نے دنیائے فانی سے ایسا دل لگایا کہ اس کو اپنی بہشت سمجھ لیا اور خداوند تعالیٰ کے حضور میں جانے کو قید خانہ تصور کیا کرتا تھا۔ اور جس کو دنیا میں مصیبت میں گرفتار کرتے ہیں اس کا دل دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور دنیا اس کے حق میں قید خانہ اور موت نجات بن جاتی ہے اور کوئی بلا ایسی نہیں ہے جس میں حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نہ ہو۔ اگرچہ' جو باپ کے ہاتھ سے سزا پاتا ہے' صاحب عقل ہوتا ہے تو وہ اس مار پر شکر بجالاتا ہے کیونکہ اس میں تنبیہ ہوتی ہے اور تنبیہ میں بڑا فائدہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کی غم خواری ان کو محنت و بلا میں گرفتار کر کے فرماتا ہے۔ جس طرح تم دنیا میں کسی کی خبر گیری اور غم خواری کھانے پینے سے کرتے ہو۔

ایک شخص سرور کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ چور میرا تمام مال چرا کر لے گئے آپ نے فرمایا جس کا مال ضائع نہ ہو اور بیمار نہ ہو اس میں بھلائی نہیں ہے یعنی اس کو آخرت کا ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ "حق تعالیٰ جس بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس پر بلا نازل فرماتا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بہشت کے بہت سے درجے ہیں اور بندہ اپنی کوشش سے ان تک نہ پہنچ سکے تو حق تعالیٰ اس کو بلا میں مبتلا کر کے اس مقام تک پہنچا دے گا۔

ایک دن سرورِ کائنات ﷺ اپنا روئے اطہر آسمان کی طرف کیے ہوئے تھے۔ پھر تبسم فرماتے ہوئے ارشاد کیا کہ میں مومن کے حق میں تقدیر الٰہی سے تعجب میں ہوں کہ حق تعالیٰ اگر اس کے حق میں نعمت کا حکم فرمائے تب بھی وہ راضی ہوتا ہے کہ اس میں اس کی اچھائی ہے اور اگر بلا کا حکم فرماتا ہے تب بھی وہ بندۂ مومن راضی ہوتا ہے کہ اس میں بھی

اس کی خوبی ہے۔ یعنی بلا میں صبر کرتا ہے اور نعمت میں شکر' دونوں صورتوں میں اس کے لیے بھلائی ہے۔ یہ بھی حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عافیت میں رہنے والے لوگ' مصیبت میں گرفتار رہنے والے لوگوں کے قیامت میں جب بڑے بڑے درجے دیکھیں گے تو خواہش کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کا گوشت نہرنی سے کتر ڈالا گیا ہوتا (تاکہ یہ بلند درجے حاصل ہوتے)۔

کسی پیغمبر (علیہ السلام) نے بارگاہِ الٰہی میں التماس کی کہ الٰہی! تو کافر کو نعمت کثرت سے عطا فرماتا ہے اور مومن پر بلا نازل فرماتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ خداوند بزرگ و برتر نے ارشاد فرمایا کہ بندے! بلا اور نعمت میرے اختیار میں ہے میں چاہتا ہوں کہ مومن گنہگار موت کے وقت گناہوں سے پاک ہو کر مجھ سے ملے اور میں دنیا کی بلاؤں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہوں اور کافر کی نیکیوں کا بدلہ' دنیا کی نعمت سے کرتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس آئے تو اس کا کچھ حق باقی نہ رہے۔ پھر میں اس کو خوب عذاب دوں گا۔

جب اس آیت کا نزول ہوا وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْءً یُّجْزَبِہٖ (جو بدی کرے گا اس کی جزاء پائے گا) تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم اس محنت سے کس طرح نجات پائیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم بیمار اور غمگین نہیں ہوتے ہو؟ مومن کے گناہ کا یہی بدلہ ہے۔

منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک فرزند کا انتقال ہو گیا' حضرت سلیمان علیہ السلام بہت غمگین اور ملول ہوئے۔ تب دو فرشتے جھگڑا کرنے والوں کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے زمین میں بیج بویا تھا اس نے زمین کو روند کر بیج کو ضائع کر دیا۔ دوسرے شخص نے کہا کہ اس نے عام راستے پر بیج بویا تھا اس طرح کہ اس کے دائیں بائیں راستہ نہ تھا۔ میں نے مجبوراً اس کو پامال کر ڈالا۔ تب سلیمان علیہ السلام نے پہلے شخص کو ملزم قرار دیتے ہوئے کہا کہ تو نے راستہ میں بیج کیوں بویا تھا کیا تجھے معلوم نہیں کہ راستہ پر لوگ چلا ہی کرتے ہیں تب فرشتہ نے ان کو جواب دیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی موت پر ماتمی لباس کیوں پہنا ہے کیا آپ یہ بات نہیں جانتے کہ آدمی کو موت کی شاہراہ سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔ تب سلیمان علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں توبہ واستغفار کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے بیمار بیٹے کو جب موت کے قریب پایا تو اس سے فرمایا کہ اے فرزند اگر تم مجھ سے پہلے مر جاؤ تاکہ تم میری ترازو (پلۂ اعمال) میں رہو' میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ میں تمہاری ترازو میں رہوں' اس نیک بخت فرزند نے جواب دیا اے والد محترم! جو آپ کی مرضی ہے وہی میں چاہتا ہوں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کسی شخص نے خبر پہنچائی کہ آپ کی بیٹی کا انتقال ہو گیا' آپ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ایک کھلا ہوا حصہ ڈھک گیا اور خرچ کم ہو گیا اور ثواب فی الفور مل گیا۔ پھر وہ اٹھے اور دو رکعت نماز ادا کر کے فرمایا حق تعالیٰ کا حکم ہے وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (مصیبت کے وقت صبر اور نماز سے مدد چاہو) پس میں یہ دونوں کام بجالایا۔

شیخ حاتم اصم نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن چار شخصوں سے چار جماعتوں کو الزام دے گا۔ حضرت

سلیمان علیہ السلام سے توانگروں کو' حضرت یوسف علیہ السلام سے غلاموں کو' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درویشوں کو' اور حضرت ایوب علیہ السلام سے ان لوگوں کو جو مصیبت اور دکھ میں صابر نہیں رہے۔

شکر کا بیان یہاں اس قدر ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اصلِ سوم

خوف و امید

معلوم ہونا چاہیے کہ خوف و امید سالک کے لیے دو بازوؤں کی طرح ہیں جن کی قوت سے وہ بلند مقامات کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ جمالِ الٰہی کے حجابات بہت بلند ہیں' جب تک امیدِ صادق پیدا نہ ہو اور جمالِ الٰہی کی لذت مدد نہ کرے ان بلندیوں کو طے کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے برعکس نفسانی خواہشات جو دوزخ کی راہ پر واقع ہیں' ایسی غالب اور انسان کو فریب دینے والی' اور اپنی طرف کھینچنے والی ہیں کہ انسان کا اس کے دام سے چھوٹنا بہت مشکل ہے' جب تک انسان کے دل پر (خدا کا) خوف غالب نہ ہو' اس ہوا و ہوس سے چھوٹنا ناممکن ہے۔ اسی بنا پر خوف و امید کی بڑی فضیلت رکھی گئی ہے۔ کیونکہ امید باگ کی طرح ہے جو بندے کو کھینچتی ہے اور خوف درے اور کوڑے کی مانند ہے جو اس کو چلاتا ہے۔ ہم پہلے امید کا بیان کرتے ہیں اس کے بعد خوف کا ذکر کریں گے۔

امیدورجا کی فضیلت: اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت' اس کے کرم کی امید پر اس عبادت سے بڑھ کر ہے جو عذاب کے خوف سے کی جائے کیونکہ امید کا نتیجہ محبت ہے اور ظاہر ہے کہ محبت کے درجے سے بالاتر کوئی درجہ نہیں ہے اور خوف کا نتیجہ ڈر اور نفرت ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلاَّ وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ یعنی تم میں سے ہر ایک کو لازم ہے کہ خدا کے ساتھ نیک گمان کرتا ہوا مرے (جب مرے تو خدا کے ساتھ اس کا گمان نیک ہو) خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں بندے کے گمان کے قریب ہوں اور اس کو کہو وہ جو گمان رکھنا چاہتا ہے میرے ساتھ رکھے۔"

سرور کائنات ﷺ نے ایک شخص کو نزع کے عالم میں دیکھ کر فرمایا کہ تو خود کو کس حال میں پاتا ہے اس نے کہا کہ میں گناہوں سے ڈرتا ہوں اور خداوند تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہوں' تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں (نزع میں) جس کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں حق تعالیٰ اس کو ڈر سے بچاتا ہے اور اس کی امید بر لاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ "آیا تم جانتے ہو کہ یوسف (علیہ السلام) کو میں نے تم سے کس لیے جدا کیا؟ میں نے اس واسطے جدا کیا کہ تم نے کہا تھا کہ "وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الذِّئْبُ (میں اس بات سے ڈرتا

ہوں کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے گا) تم بھیڑیئے سے تو ڈرے لیکن میرے کرم کی امید نہ رکھی' اور میری حفاظت کو اہمیت نہ دیتے ہوئے' بھائیوں کی غفلت اور بے پروائی کی طرف تمہارا خیال گیا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے گناہوں کی کثرت سے نہایت خوفزدہ تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ مایوس مت ہو کہ خداوند تعالیٰ کی رحمت "گناہوں سے کہیں زیادہ ہے۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ قیامت میں ایک بندے سے پوچھے گا کہ دوسرے بندے کو گناہ کا کام کرتے ہوئے دیکھ کر تو نے احتساب کیوں نہیں کیا۔ اگر حق تعالیٰ اس کی زبان کو گویا فرمادے تو وہ کہے گا کہ میں لوگوں سے ڈرا اور تیری رحمت کا امیدوار رہا۔ تب اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔" اسی طرح ایک دن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم اسے جان لو تو بہت گریہ وزاری کرو اور ہنسنا کم کردو اور جنگل کی طرف نکل جاؤ سینہ کوبی اور گریہ وزاری کرنے لگو۔ تب حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اے محمد ﷺ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ میرے بندوں کو میری رحمت سے ناامید کیوں کرتے ہیں اس کے بعد حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور فضل الٰہی سے امید رکھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔"

حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد تم مجھے دوست رکھو اور لوگوں کے دلوں میں مجھے دوست بنادو۔ انہوں نے کہا بارِ الٰہا! تجھے ان کا دوست کس طرح بناؤں' فرمایا میرا افضل وانعام ان کو سنادے کہ مجھ سے نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھیں گے۔

کسی شخص نے یحییٰ بن اثم کو خواب میں دیکھ کر دریافت کیا کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے موقف سوال میں کھڑا کر کے کہا گیا کہ اے بوڑھے تو نے فلاں فلاں ایسے کام کیے ہیں' ان سوالوں سے میرے دل پر ہیبت طاری ہوگئی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ الٰہ العالمین! تیرے بارے میں مجھے ایسی خبر نہیں دی گئی تھی۔ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر کیسی خبر تجھے دی گئی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ سے شیخ عبدالرزاق نے ان سے معمر نے' معمر نے زہری سے اور زہری نے انس رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے اور رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تجھ سے خبر دی تھی کہ تو نے فرمایا ہے کہ میں اپنے بندوں کے ساتھ ایسا معاملہ کروں گا جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا تھا اور امید رکھتا تھا کہ تو مجھ پر رحمت فرمائے گا! تب ارشاد ہوا کہ جبرائیل' رسول ﷺ انس زہر' معمر اور عبدالرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ سب سچے ہیں۔ تجھ پر رحم کیا جاتا ہے۔ پھر مجھ کو خلعت پہنایا گیا' غلمان میرے جلو جلو چلتے ہیں' میں نے ایسی خوشی کبھی نہیں پائی۔"

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص لوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس کیا کرتا تھا اور ان کو محنت میں مبتلا کرتا تھا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ جس طرح تو میرے بندوں کو مجھ سے ناامید کیا کرتا تھا میں آج تجھ کو اپنی رحمت سے ناامید کروں گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص دوزخ میں ہزار برس رہنے کے بعد کہے گا یَاحَنَّانُ وَ یَامَنَّانُ' حق تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو حکم دے گا جاؤ میرے اس بندے کو بلاؤ جب اسے لایا جائے گا

تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے دوزخ کو کیسی جگہ پایا؟ وہ کہے گا بہت بد تر پایا تب حق تعالیٰ فرمائے گا اس کو پھر دوزخ میں لے جاؤ جب اس کو دوزخ کی طرف لے جانے لگیں گے تو وہ پلٹ کر دیکھے گا حق تعالیٰ فرمائے گا کیا دیکھتا ہے؟ وہ جواب دے گا کہ مجھ کو یہ امید تھی کہ دوزخ سے نکلنے کے بعد پھر مجھے اس میں نہیں ڈالا جائے گا' تب حق تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کو بہشت میں لے جاؤ' غرض محض اس امید کی وجہ سے اس کو نجات حاصل ہو گی۔

رِجا کی حقیقت

رجا کسے کہتے ہیں: معلوم ہونا چاہیے کہ آئندہ زمانے میں بھلائی اور بہتری کی امید رکھنے کو رجا کہتے ہیں' بعض صورتوں میں تمنا' غرور اور حماقت بھی اس کے معنی ہوتے ہیں' جو لوگ نادان ہیں وہ ان تین لفظوں میں فرق نہیں کرتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ امید ہے حالانکہ ایسا ہر گز نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص اچھا بیج حاصل کر کے نرم زمین میں بودے اور اس جگہ سے تمام کوڑا کرکٹ اور گھاس پھوس صاف کر کے وقت پر پانی دے پھر اس بات کا امیدوار ہو کہ حق تعالیٰ اگر اس کو آفات سماوی سے محفوظ رکھے گا تو میں خوب غلہ حاصل کروں گا ایسی ہی آس کو امید کہتے ہیں۔ اور اگر سڑا ہوا (گھنا ہوا) بیج سخت زمین میں بو دیا یا خس و خاشاک سے اس جگہ کو صاف نہیں کیا اور پانی نہیں دیا اور پھر حصول کی امید رکھی تو اس کو غرور یا حماقت کہیں گے رجا نہیں کہیں گے۔ اور اگر اچھا بیج بویا زمین کو بھی خس و خاشاک سے پاک و صاف کیا لیکن پانی نہیں دیا بلکہ اس بات کا امیدوار رہا کہ مینہ برسے گا اور یہ ایسی جگہ ہے کہ اکثر بارش نہیں ہوتی تو ایسی آس کو آرزو یا تمنا کہتے ہیں۔ اس طرح جس شخص نے اچھے ایمان کا بیج دل میں بویا اور اس کو برے اخلاق کے خس و خاشاک سے پاک کیا اور ایمان کے اس بیج کو ہمیشہ اطاعت الٰہی سے پانی دے کر فضلِ خداوندی سے امید رکھتا ہے کہ وہ اس پودے کو آفات سے محفوظ رکھے گا اور موت کے وقت بھی یہی صورت رہے گی اور ایمان سلامت لے جائے گا' تو اس کو امید کہتے ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ مستقبل میں جو کام کرنے کا ہو اس میں تقصیر نہ کرے اور دل کی خبر گیری سے غافل نہ رہے کیونکہ کھیت سے غافل رہنا نا امیدی کی نشانی ہے اور امیدوار ایسا نہیں کرے گا۔

اگر ایمان کا تخم سڑا ہوا ہے یقین کامل نہیں ہے یا یقین کامل تو ہے پر دل کو برے اخلاق سے پاک نہیں کیا اور طاعت کا پانی ایمان کے درخت کو نہیں دیا تو اس صورت میں رحمت الٰہی کی آس رکھنا حماقت ہے اس کو امید نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اَلْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ یعنی احمق وہ شخص ہے جو ہر کام میں اپنے نفس کی خواہشات کا تابع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جن کو رسولوں کے بعد برے بھلے کی خبر پہنچی لیکن وہ دنیا کے جھمیلوں میں ڈوبے رہے اور کہتے تھے کہ حق تعالیٰ ہم کو بخش دے گا۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جو اسباب بندے کے اختیار سے تعلق رکھتے ہوں ان کو بجالائے اور حاصل کی امید

رکھے' اس کا نام رجا ہے اور جب زمین ویران ہو تو امیدوار ہونا غرور یا حماقت کی دلیل ہے۔ پھر اگر زمین نہ ویران ہو نہ آباد ہو تو اس صورت میں حاصل کی امید رکھنے کی آرزو کہتے ہیں۔ اور حضور پرنور ﷺ نے فرمایا ہے لیس الدین بالتمنی دین کا کام تمنا اور آرزو سے یا خیالِ خام سے درست نہیں ہوگا۔

پس جس شخص نے توبہ کی اس کو چاہیے کہ قبول ہونے کی امید رکھے اور اگر توبہ نہیں کی لیکن گناہوں کے سبب سے غمگین اور ملول رہا اور امیدوار ہے کہ حق تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دے گا تو یہ رجا ہے کیونکہ اس کی یہ غم خوارگی توبہ کی توفیق کا سبب ہوتا ہے اگر گناہ سے غمگین نہ ہو اور عفو کی امید رکھی تو یہ حماقت ہے اور بغیر توبہ کے بھی اگر مغفرت چاہے گا تو بھی حماقت ہے اگر احمق لوگ اس توقع کو امید کہا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَ اللّٰهِ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo[1]

شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ نے کہا ہے کہ کوئی حماقت اس سے بڑھ کر نہیں ہوگی کہ انسان دوزخ کا بیج بوئے اور بہشت کی امید رکھے اور نیکیوں کا مقام تلاش کرے اور عاصیوں کا عمل کرے اور خدا کی بندگی نہ کر کے ثواب کا طالب ہو۔

ایک شخص نے جس کا نام زید الخیل تھا' سرورِ کونین ﷺ سے دریافت کیا کہ میں اس لیے خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ سے دریافت کروں کہ اس شخص کی علامت کیا ہے جس کے حق میں خداوند تعالیٰ نے بھلائی چاہی ہو اور اس کی علامت کیا ہے جس کی بھلائی خدا کو منظور نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہی اس بات کا نشان ہے کہ خداوند تعالیٰ کو تیری بھلائی منظور ہے' اور اگر تو برے کام کا خیال کرتا تو وہ تجھے اس میں مشغول فرما دیتا' پھر اس کو کچھ پرواہ نہ ہوتی کہ وہ تجھے دوزخ کی کس وادی میں ہلاک کرے۔

☆............☆............☆

[1] ۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اپنا گھر بار چھوڑ کر اللہ کے لیے ہجرت کی اور کفار سے جہاد کیا' ان کو سزاوار ہے کہ وہ ہماری رحمت کی امید رکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

رجا کے حصول کا علاج

یعنی طریقہ

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ دو بیماروں کے سوا، اس دوا کی حاجت اور کسی کو نہیں ہے، ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو کثرت گناہ کے باعث ناامید ہو کر توبہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میری توبہ قبول نہیں ہو گی۔ دوسرا وہ شخص ہے جو کثرت عبادت سے خود کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے اور اپنی طاقت سے زیادہ محنت کرتا ہے، ان دونوں مریضوں کیلئے دوا کی حاجت ہے لیکن جو غافل ہیں ان کیلئے یہ دوا فائدہ بخش نہیں ہے بلکہ زہر قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

ناامید شخص کو دو اسباب سے حاصل ہو گی اول یہ کہ مخلوق الٰہی کو جو دنیا میں از قسم نباتات وحیوانات ہیں اور ان کے علاوہ یہ طرح طرح کی نعمتیں موجود ہیں ان کو عبرت کی نظر سے دیکھے تاکہ حق تعالیٰ کی رحمت وعنایت اور لطف جو اس سے مافوق نہیں ہے اس کے خیال میں آئے۔ مثلاً وہ اپنے بدن پر ہی نظر کرے تو معلوم ہو گا کہ جو اعضا ضروری تھے وہ اس نے بڑی خوبی سے پیدا کئے ہیں، جیسے سر اور دل۔ ایسے اعضا جن کی حاجت تھی لیکن ناگزیر نہیں تھے جیسے ہاتھ پاؤں یا محض ان سے آرائش مقصود تھی حاجت بھی نہیں تھی جیسے لبوں کی سرخی، ابرو کی کجی، آنکھ کی سیاہی، پلکوں کا سیدھا ہونا اور یہ رحمت محض انسان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ حیوانات کو بھی یہ خوبیاں عطا کی ہیں۔ یہاں تک کہ زنبور (شہد کی مکھی) کی شکل بہت ہی اچھی اور لطیف بنائی ہے اور الہام کے ذریعہ اس کو بتایا کہ گھر کو خوب اچھے انداز کا بنائے اور اس میں شہد جمع کرے۔ جس طرح رعیت اپنے بادشاہ کی اطاعت کرتی ہے اور حکم بجالاتی ہے، اسی طرح شاہ زنبوراں کو بھی سیانت اور نظم ونسق (طریقہ حکمرانی) کا سکھایا۔ جب انسان اپنے ظاہر وباطن اور دوسری مخلوقات میں ایسے عجائب پر غور وتامل کرے گا تو اس وقت وہ سمجھ لے گا کہ خدا کی رحمت میں مایوسی اور خوف کے غلبہ کی گنجائش نہیں ہے بلکہ بندے کو چاہیے کہ خوف اور رجا برابر ہوں۔ ہاں اگر رجا غالب ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ غرض خداوند تعالیٰ کی رحمت اور اس کا لطف جو اس نے اپنے بندوں پر فرمایا ہے بے نہایت ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ قرآن پاک کی کوئی آیت "آیت مداینات" سے زیادہ تسلی بخشنے والی ہیں ہے جس میں تاکید ہے کہ جب ہم کسی کو مال قرض دیں تو ہمارے مال کی نگہداشت کرے اس کو ضائع نہ ہونے دے، پس ایسی عنایتوں کا مالک ہم عاصیوں کی بخشش کس طرح فرمائے گا (جبکہ اس کو ہمارے مال کی حفاظت تک کا خیال ہے) جس کے نتیجے میں سب کے سب دوزخ میں چلے جائیں۔

پس رجا کے حصول کا یہ بہترین علاج ہے۔ لیکن ہر شخص اس درجہ اور منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں جو رجا کے بارے میں ہیں، غور وفکر کرے اور ایسی آیات بہت ہیں۔

لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط — میری رحمت سے ناامید نہ ہو۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ط — ملائکہ بندوں کی مغفرت کے واسطے دعا مانگتے ہیں۔

ذالِک يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ط — دوزخ کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ کافروں کو اس میں ڈالا جائے اور مسلمانوں کو اس سے صرف ڈرایا جاتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ اپنی امت کی مغفرت چاہنے سے کبھی بے فکر نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَلَسَوْفَ يُعْطِيْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ عنقریب اے محمد ﷺ حق تعالیٰ شفاعت کی ایسی خاص نعمت عطا فرمائے گا جس سے آپ راضی ہو جائیں گے تب حضور ﷺ نے فرمایا۔ بیشک جب تک میری امت کا ایک ایک فرد دوزخ سے رہائی نہیں پائے گا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوؤں گا۔

مغفرت کی حدیثیں: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میری اُمت امت مرحومہ ہے، ان کا عذاب دنیا میں فتنہ اور زلزلہ ہے جب قیامت کا دن آئے گا ہر ایک مسلمان کے ہاتھ میں ایک کافر کو دے کر کہا جائے گا یہ دوزخ سے تیرا فدیہ ہے۔

ارشاد فرمایا: بخار یا تپ جو آدمی کو آتی ہے یہ دوزخ کی آگ کا اثر ہے اور دوزخ سے مومن کا حصہ یہی ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں مناجات کی کہ یا الٰہی میری امت کا حساب میرے مرتبہ کے موافق فرما، تاکہ کسی نبی کی امت ان کے برابر نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے محمد (ﷺ) یہ تیری امت اور میرے بندے ہیں میں ان پر سب سے زیادہ مہربان ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کا ثواب کوئی دوسرا پائے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "میری حیات میں تمہاری بھلائی ہے اور میری ممات میں بھی، کیونکہ اگر میں زندہ رہوں تو شریعت کے احکام تم کو سکھلاؤں گا اور اگر وفات پا جاؤں تو تمہارے اعمال میرے سامنے لائے جائیں گے۔ جو عمل تمہارا نیک ہو گا اس پر خداوند تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر بجالاؤں گا اور جو عمل بد ہو گا اس پر مغفرت چاہوں گا!"

ایک دن حضور اکرم ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں اس طرح خطاب فرمایا: یَا کَرِيْمُ الْعَفْوِ، یا کَرِيْمُ الْعَفْوِ، جبریل علیہ السلام نے کہا یا محمد (ﷺ) اس کے معنے تو یہ ہوئے کہ تقصیر بخش دے اور اس کو نیکی سے بدل دے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جب بندہ گناہ کر کے استغفار کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے اے فرشتو! تم دیکھو کہ جب میرے بندے نے گناہ کیا تو اس نے سمجھا کہ اس کا ایک مالک ہے جو تقصیر کا مواخذہ کرے گا اور بخش دے گا۔ تم گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا"۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرا بندہ آسمان بھر کے گناہ کرے اور پھر استغفار کرے اور

مغفرت کی امید رکھے گا تو میں اس کو بخش دوں گا اور اگر بندہ زمین بھر کے گناہ کرے تو بھی میں اس کے واسطے زمین برابر رحمت رکھتا ہوں۔

اور ارشاد فرمایا کہ "جب تک گناہ کئے بندے کو چھ ساعتیں نہیں گذر جاتیں، فرشتہ اس کا گناہ نہیں لکھتا ہے اگر توبہ واستغفار اس عرصہ میں کرے تو اس کا گناہ ہرگز نہیں لکھتا اور جب توبہ نہ کرے اور بندگی جالائے تو سیدھے ہاتھ کا فرشتہ دوسرے فرشتہ سے کہتا ہے کہ اس گناہ کو اس کے دفتر سے ہٹادو اور میں ایک نیکی اس کے اعمال نامہ میں نہیں لکھوں گا اور نیکی کے عوض دس گنا بدلہ دیا جاتا ہے تو نو کا اس کو جب بھی فائدہ رہا"۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ "جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کا حساب لکھا جاتا ہے، ایک اعرابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر توبہ کرے تو کیسا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ گناہ محو کر دیا جاتا ہے عرض کیا کہ یہ صورت کب تک رہے گی، حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا جب تک وہ استغفار کرتا رہے اس نے عرض کیا اگر وہ پھر گناہ کرے فرمایا اس کو پھر لکھیں گے، عرض کیا کہ اگر پھر توبہ کرے تب ارشاد فرمایا کہ گناہ محو کر دیا جائے گا۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ صورت کب تک باقی رہے گی، آپ ﷺ نے فرمایا جب تک وہ استغفار کرتا رہے گا۔"

حق تعالیٰ بخشائش سے اس وقت تک ملول نہیں ہوتا جب تک بندہ استغفار سے ملول نہ ہو اور بندہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتہ اس کیلئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور جب وہ نیک کام کر لیتا ہے تو اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور پھر سات سو تک ان نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور جب بندہ کسی معصیت کا قصد کرتا ہے تو فرشتہ اس کو نہیں لکھتا جب اس سے وہ گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ کی بخشش اس کے علاوہ ہے (چاہے تو اس کو معاف فرما دے)۔

ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور میں رمضان کے روزے رکھتا ہوں پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ نماز نہیں پڑھتا، زکوٰۃ اور حج مجھ پر فرض نہیں کیونکہ میں مالدار نہیں ہوں۔ مجھے بتائیے کہ کل قیامت میں میں کہاں ہوں گا۔ حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ تم میرے ساتھ رہو گے۔ بشرطیکہ دل کو دشمنی اور حسد سے، زبان کو جھوٹ اور غیبت سے اور اپنی نظروں کو حرام، کوتاہ بینی اور دوسروں کی اہانت سے باز رکھو گے تو تم میرے ساتھ بہشت میں داخل ہو گے اور میں تم کو عزیز رکھوں گا۔

روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ بندوں کے اعمال کا حساب قیامت کے دن کون کرے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ حساب فرمائے گا۔ اس نے دریافت کیا کہ وہ خود آپ حساب فرمائے گا۔ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہاں وہ آپ حساب فرمائے گا یہ سن کر وہ اعرابی ہنسنے لگا حضور ﷺ نے اعرابی سے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا میں یوں ہنس رہا ہوں کہ کریم جب غالب ہوتا ہے تو وہ بندے کی تقصیر معاف فرما دیتا ہے اور حساب آسانی سے لیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس اعرابی نے سچ کہا کیونکہ حق تعالیٰ سے زیادہ کوئی کریم نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اعرابی بہت بڑا فقیہہ اور دانش مند ہے (کہ اس نے ایسی عمدہ بات کہی) پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ

نے کعبہ کو بزرگی عطا کی ہے اور عظیم مرتبہ دیا ہے اگر کوئی بندہ اس کو ویران کرے اس کے پتھروں کو الگ کردے اور اس کو جلادے تب بھی اس کی تقصیر اتنی بڑی نہیں ہوگی جتنی ایک دل کی اہانت اور حقارت سے ہوتی ہے۔

اولیاء اللہ کی تعریف : اس اعرابی نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا سارے مومنین اولیاء ہیں، کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط (اللہ والی ہے مسلمانوں کا، ان کو اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے)

فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بندوں کو میں نے اس واسطے پیدا کیا ہے تاکہ وہ مجھ سے نفع پائیں نہ اس لئے کہ میں ان سے نفع اندوز ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمام عالم کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا : "سبقت رحمتی علی غضبی" میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہیں۔

اور فرمایا کہ جو کوئی کلمہ لاالٰہ الا اللہ پڑھے گا وہ بہشت میں جائے گا اور جو کوئی اپنے آخری وقت پر اس کلمہ کو پڑھے وہ آتش دوزخ سے محفوظ رہے گا اور جو کوئی بغیر شرک کے مرجائے وہ بھی دوزخ سے محفوظ رہے گا۔"

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم سے گناہ سرزد نہ ہوں گے تو حق تعالیٰ دوسری خلائق کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی تقصیر بخش دے کیونکہ وہ غفور اور رحیم ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "حق تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنے بچے پر شفقت کرتی ہے۔"

اور فرمایا "حق تعالیٰ قیامت کے دن اس قدر رحمت فرمائے گا جو کسی کے خیال میں بھی نہیں تھی، یہاں تک کہ ابلیس بھی اس کی رحمت کی امید میں اپنی گردن اٹھائے گا۔"

اور ارشاد فرمایا، حق تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں ۹۹ (ننانوے) رحمتیں اس نے قیامت کیلئے رکھی ہیں اور دنیا میں فقط ایک رحمت ظاہر فرمائی ہے۔ ساری مخلوق کے دل اسی ایک رحمت کے باعث رحیم ہیں۔ ماں کی رحمت اور اور محبت اپنے بچے پر اور جانوروں کی ممتا اپنے بچے پر اسی رحمت کے باعث ہے۔ قیامت کے دن ان ننانوے رحمتوں کے ساتھ اس ایک رحمت کو جمع کر کے مخلوق پر تقسیم کیا جائے گا۔ ہر ایک رحمت آسمان اور زمین کے طبقات کے برابر ہوگی اور اس روز سوائے ازلی بدبخت کے اور کوئی تباہ نہیں ہوگا۔"

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "میں نے اپنی امت کے گنہگاروں کے لئے اپنی شفاعت باقی رکھی ہے۔ تم سمجھتے ہو گے کہ یہ شفاعت نیکوں اور پرہیزگاروں کے واسطے ہوگی' ایسا نہیں ہے بلکہ عاصیوں اور بدکاری کے واسطے ہوگی۔"

سعید ابن ہلالؒ کہتے ہیں کہ دو شخصوں کو دوزخ سے باہر لایا جائے گا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا جو عذاب تم نے دیکھا

تمہارے عمل کے سبب سے تھا۔ میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ان کو دوزخ میں لے جاؤ۔ ایک شخص زنجیریں پڑی ہونے کے باوجود جلد چلا جائے گا اور کہے گا کہ میں اپنی معصیت کے بوجھ سے اتنا ڈر گیا ہوں کہ اب حکم بجا لانے میں تقصیر نہیں کر سکتا۔ دوسرا شخص کہے گا یاالٰہی! میں نیک گمان رکھتا تھا اور مجھے امید تھی کہ جب تو مجھے دوزخ سے نکالے گا تو پھر وہاں نہیں بھیجے گا۔ تب حق تعالیٰ (اس جواب پر) دونوں کو بہشت بھیج دے گا۔"

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن منادی کرنے والا منادی کرے گا کہ اے امت محمد ﷺ میں اپنا حق تمہیں دیتا ہوں، تمہارے حقوق جو ایک دوسرے کے ذمہ باقی ہیں ان کو ادا کر کے تم بہشت میں جاؤ۔"

اور ارشاد فرمایا ہے "میری امت کے ایک شخص کو قیامت کے دن لوگوں کے سامنے حاضر کیا جائے گا اور ننانوے اعمال نامے کہ ان میں سے ہر ایک اتنا طویل ہو گا جہاں تک نظر پہنچ سکتی ہے اس کے سارے گناہ اس بندے کو بتائے جائیں گے۔ پھر پوچھیں گے کہ ان میں سے کسی تقصیر کا تو انکار کر سکتا ہے؟ کیا فرشتوں نے اس کے لکھنے میں تجھ پر ظلم کیا ہے؟ وہ شخص جواب دے گا یارب نہیں۔ پھر دریافت کیا جائے گا کہ تیرے پاس کچھ عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں یارب! تب وہ سمجھے گا کہ اب دوزخ میں جانا پڑا۔ تب حق تعالیٰ فرمائے گا۔ اے بندے! تیری ایک نیکی میرے پاس ہے۔ میں تجھ پر ظلم نہیں کروں گا، پس ایک رقعہ لایا جائے گا جس پر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس رقعہ کو دیکھ کر وہ بندہ کہے گا۔ اے میرے رب! یہ رقعہ ان بڑے بڑے دفتروں کے ساتھ کیونکر ہم پلہ ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرمائے گا میں تجھ پر ظلم نہیں کروں گا۔ تب ان تمام دفتروں کو ایک پلہ میں اور اس رقعہ کو دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا۔ رقعہ کا پلہ دوسرے پلوں کو ہلکا کر کے سب سے بھاری ہو جائے گا۔ کیونکہ کوئی عمل توحید الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

حضور پر نور ﷺ فرماتے ہیں "حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ جس کے دل میں ایک مثقال کے برابر نیکی ہو اس کو دوزخ سے نکال لو۔ پس بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اب کوئی ایسا باقی نہیں رہا کہ ذرہ برابر نیکی رکھتا ہو۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس کے دل میں ایک ذرہ برابر نیکی ہو اس کو نکالو بہت سے لوگوں کو نکال لیا جائے گا اور کہا جائے گا اب ایسا کوئی شخص باقی نہیں رہا، کہا جائے گا کہ فرشتوں، انبیاء اور مومنوں کی شفاعت قبول ہوئی۔ اب صرف ارحم الرحمین کی رحمت کی دستگیری باقی ہے۔ تب ایک مٹھی بھر جماعت کو رحمت گھیرے گی اور ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی کہ کبھی ایک ذرہ برابر نیکی انہوں نے نہیں کی ہو گی۔ سب جل کر آملے کی طرح سیاہ ہو گئے ہوں گے۔ ان کو جنت کی ایک نہر میں ڈالا جائے گا جس کا نام نہر الحیات ہے۔ وہاں سے یہ لوگ پاک و صاف ہو کر نکلیں گے اور ان کے گلوں میں چمکتے موتیوں جیسے مالے (ہار) پڑے ہوں گے، اہل بہشت ان کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ بھی نیکی نہیں کی ہے اور حق تعالیٰ نے ان کو دوزخ سے نجات دیدی۔ حق تعالیٰ فرمائے گا تم بہشت میں جاؤ وہاں جو کچھ تم دیکھ رہے ہو سب تمہاری ملک ہے۔ وہ عرض کریں گے الٰہی تو نے ہم کو ایسی نعمت عطا فرمائی جو اور کسی کو عطا نہیں فرمائی۔ اللہ تعال ارشاد فرمائے گا کہ میرے پاس تمہارے لئے ایک اور بڑی نعمت موجود ہے۔ وہ عرض کریں گے کہ

الٰہی !اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو گی (جو تو نے ہم کو عطا فرمادی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ میری رضا ہے کہ میں تم سے راضی ہوں اور کبھی ناخوش نہیں ہوں گا۔"

یہ حدیث مذکورہ بالا صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں مذکور ہے۔

عمر ابن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ تین دن تک سوائے فرض نماز کے کاشانہ نبوت سے باہر تشریف نہیں لائے۔ چوتھے روز آپ باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کی امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور میں ان دنوں میں اس تعداد میں اضافہ کیلئے طلبگار رہا۔ میں نے حق تعالیٰ کو بڑا کریم پایا۔ اس نے ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کی خاطر ستر ہزار کو بخش دیا ہے۔ تب میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی !میری امت میں اتنی تعداد میں لوگ ہوں گے۔ ارشاد ہوا کہ اعرابیوں کے ملانے سے اتنی تعداد پوری ہو جائے گی۔"

روایت ہے کہ حضرت سرور کونین ﷺ کے عہد مسعود میں ایک بچے کو کسی جنگ میں اسیر کر کے قید میں رکھا۔ اس دن سخت گرمی تھی، ایک خیمہ سے ایک عورت کی نظر اس بچے پر پڑی وہ دوڑتی ہوئی آئی خیمے کے دوسرے لوگ بھی اس کے پیچھے دوڑے، اس عورت نے بچے کو دوڑ کر اٹھالیا اور چھاتی سے لگا کر اپنا سایہ اس کے اوپر ڈالا تاکہ وہ دھوپ سے محفوظ رہے۔ لوگ عورت کی یہ محبت دیکھ کر حیران رہ گئے اور رونے لگے۔ جب سرور کونین ﷺ تشریف لائے یہ ماجرا آپ سے بیان کیا گیا، آپ اس عورت کی شفقت اور ان لوگوں کی گریہ وزاری سے شاد ہو کر فرمانے لگے کیا تم کو اس عورت کی شفقت پر تعجب ہے ؟لوگوں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ !(ﷺ) اس وقت حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس عورت کو اپنے بچے سے جس قدر محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم سے محبت فرماتا ہے۔ تمام مسلمان یہ خوش خبری سن کر شاد و خرم وہاں سے واپس ہوئے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات طواف میں میں اکیلا تھا، بارش ہونے لگی میں نے بارگاہ الٰہی میں مناجات کی کہ الٰہی !مجھے گناہوں سے اس طرح محفوظ رکھ کہ کوئی معصیت مجھ سے سرزد نہ ہو۔ کعبہ سے میں نے ایک آواز سنی کہ کسی نے کہا کہ تو عصمت کا طلب گار ہے اور میرے سب بندے بھی یہی مجھ سے چاہتے ہیں، اگر میں سب کو گناہوں سے محفوظ کر دوں تو میں اپنی رحمت اور عنایت کس پر ظاہر کروں گا۔"

معلوم ہونا چاہئے کہ اس نوع کی احادیث بکثرت ہیں، جس کے دل میں خوف ہو اس کیلئے یہ حدیثیں شفا کا حکم رکھتی ہیں اور جو شخص غفلت میں ڈوبا ہوا ہے وہ یوں سمجھے کہ باوجود ان احادیث کے یقین ہے کہ تھوڑے مومن دوزخ میں جائیں گے اور آخری شخص وہ ہو گا جو سات ہزار سال کے بعد دوزخ سے نکلے گا اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص کے سوا کوئی دوزخی نہ ہو گا تو ہر شخص اپنی جگہ یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ شخص خود وہ ہو گا۔ پس اس صورت میں احتیاط کرنا ضروری ہے۔ جو دانشمند ہے وہ کوشش سے غفلت نہیں برتے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دوزخی خود میری ذات ہو۔ کیونکہ

محض ایک رات دوزخ میں جلنے کے خوف سے وہ تمام دنیاوی لذتوں کو ترک کر دے تو لائق اور سزاوار ہے۔ ستر ہزار برس تو بڑی بات ہے۔ ایک شب کے بدلے میں تمام لذتوں کا ترک کرنا موزوں اور مناسب ہے۔

مقصد اور مدعا اس تمام گفتگو کا یہ ہے کہ خوف ورجا مساوی ہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ہے کہ اگر قیامت کے دن ندا کریں کہ آج بہشت میں صرف ایک ہی شخص جائے گا تو سمجھئے کہ وہ ایک میں ہوں اور اگر منادی ہو کہ دوزخ میں صرف ایک شخص ہی ڈالا جائے گا تو میں ہراساں ہوں گا کہ کہیں وہ ایک شخص میں نہ ہوؤں۔

خوف کی فضیلت، اس کی حقیقت اور اس کی اقسام

خوف کی فضیلت : اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ خوف کا بڑا مقام ہے اور خوف کی فضیلت، اس کے نتائج اور اس کے اسباب کی بناء پر ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ خوف علم اور معرفت سے حاصل ہوتا ہے (ہم اس کی صراحت آئندہ کریں گے) چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط (وہ لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جو عالم اور صاحب دانش ہوں) حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى (خداترسی حکمت کا سر ہے) خوف کے نتائج عفت اور زہد و تقویٰ ہیں۔ یہ تمام باتیں سعادت ابدی کے تخم ہیں۔ کیونکہ آدمی جب تک شہوت نفسانی کو ترک نہیں کرے گا اس سے خدا طلبی نہیں ہو سکتی شہوت کو دور کرنے کیلئے خوف سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ڈرنے والوں کیلئے ہدایت رحمت اور علم و رضوان کو تین آیتوں میں جمع کر کے فرمایا ہے:

(۱) هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ — ہدایت اور رحمت ان کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

(۲) اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط — بیشک اللہ سے ڈرتے ہیں اس کے وہ بندے جو علم رکھنے والے ہیں۔

(۳) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ط — اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور یہ اس کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرا۔

تقویٰ کو جو خوف کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے منسوب فرمایا ہے وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (لیکن تمہارا تقویٰ اس کی طرف پہنچتا ہے)

حضور انور ﷺ فرماتے ہیں "جس روز قیامت کے میدان میں مخلوق کو جمع کیا جائے گا تو ایسی آوازیں جسے دور اور نزدیک کے سب لوگ سنیں گے۔ منادی خداوند تعالیٰ کی طرف سے کہے گا اے لوگو! اس دن سے جبکہ میں نے تمہیں پیدا

کیا آج کے دن تک تمہاری سب کچھ باتیں میں نے سنیں، آج تم میری بات سنو' کہ میں تمہارا اعمال تمہارے سامنے رکھوں گا، اے لوگو! ایک نسب تم نے مقرر کیا اور ایک نسب میں نے مقرر کیا، تم نے اپنے نسب کو بڑھایا اور میرے نسب کو گھٹایا، میں نے کہا تھا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (یعنی تم میں سب سے بزرگی والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔) لیکن تم کہتے ہو کہ بڑا شریف وہ ہے جو فلاں شیخ یا فلاں بزرگ کا فرزند ہو۔ آج کے دن میں اپنے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے بنائے ہوئے نفس کو نیچا کروں گا، تب آواز دی جائے گی اَیْنَ الْمُتَّقُوْنَ (پرہیز گار لوگ کہاں ہیں) پس ایک علم بلند کیا جائے گا اور اس کو آگے لے چلیں گے۔ متقین (پرہیز گار لوگ) اس کے پیچھے چلیں گے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے اسی بناء پر "خائفین" کا ثواب دونا رکھا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ ۝ اور جو اپنے رب کے سامنے ڈر کر کھڑا ہوا اس کیلئے دو جنتیں ہیں

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "حق تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں دو خوف اور دو امن ایک بندے میں جمع نہیں کروں گا۔ یعنی اگر کوئی شخص دنیا میں مجھ سے ڈرے گا آخرت میں اس کو میں بے فکر رکھوں گا اور اگر دنیا میں وہ بے فکر رہے گا تو قیامت کے دن اس کو خوف میں رکھوں گا۔"

سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جو کوئی خدا سے ڈرے تمام مخلوق اس سے ڈرے گی اور جو کوئی خدا سے نہیں ڈرے گا تو حق تعالیٰ تمام مخلوق کا ڈر اس کے دل میں ڈال دے گا۔"

اور فرمایا کہ "تم میں سب سے عقل مند وہ شخص ہے جس میں خدا ترسی سب سے زیادہ ہو۔"

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب بندۂ مومن خوف خدا سے روئے اور مکھی کے سر کے برابر چھوٹا سا آنسو بھی اس کی آنکھ سے نکلے تو دوزخ کی آگ اس کے منہ کو نہیں جلائے گی۔"

اور ارشاد فرمایا ہے "کہ جب خدا کے خوف سے کسی بندے کے بال اس کے جسم پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ خوف الٰہی کا خیال کرے تو اس کے گناہ اس کے جسم سے اس طرح گر پڑتے ہیں جیسے درخت کے پتے۔"

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خدا کے خوف سے روئے گا وہ دوزخ میں نہیں جائے جس طرح پستان سے نکلا ہوا دودھ پھر پستان میں واپس نہیں جاتا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا کوئی شخص آپ کی امت کا بغیر حساب کے بہشت میں جائے گا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ہاں! وہ شخص بغیر حساب کے جنت میں جائے گا جو اپنے گناہ یاد کر کے روئے۔"

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی قطرہ آنسو کے اس قطرے سے زیادہ عزیز نہیں ہے جو خوف الٰہی سے نکلا ہو، اور لہو کا وہ قطرہ جو خدا کی راہ میں بہایا جائے۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سات شخص حق تعالیٰ کے سائے میں رہیں گے ان میں سے ایک وہ ہے جو خلوت

میں خدا کو یاد کرے اور اس کی آنکھ سے آنسو نکلے۔"

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ایک دن ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اس وقت حضور اکرم ﷺ نے ایسا وعظ فرمایا کہ دلوں پر خوف خدا غالب ہوا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جب میں گھر واپس آیا اور میری بیوی نے مجھ سے باتیں کیں تو میں دنیا کی بات چیت میں لگ گیا۔ پھر مجھے حضور اکرم ﷺ کا وعظ اور اپنا رونا یاد آیا۔ میں گھر سے باہر نکلا اور میں کہنے لگا کہ افسوس! حنظلہ منافق ہو گیا، اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے سامنے آئے اور میری بات سن کر کہا اے حنظلہ ایسا نہ کہو! حنظلہ منافق نہیں ہوا۔ پھر میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضور! حنظلہ منافق ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا كَلَّا لَمْ يُنَافِقْ حنظلة حنظلہ کبھی منافق نہیں ہوگا! اس وقت میں نے اپنے گھر میں جا کر جو ماجرا گذرا تھا حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اے حنظلہ (رضی اللہ عنہ) اگر تم اس حالت پر ہمیشہ رہو جس طرح میرے سامنے رہتے ہو (خوف الٰہی سے ترساں اور گریہ کناں) تو فرشتے تم سے گھر میں اور راستے میں مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ وہ حالت تو بس ایک ایک ساعت رہے گی۔

اس سلسلہ میں بزرگوں کے اقوال: شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "کوئی روز ایسا نہیں ہوا جس میں مجھ پر خوف خدا غالب ہوا اور اس دن حکمت و عبرت کا دروازہ مجھ پر نہ کھلا ہو۔"

شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مومن کا گناہ، خوف عذاب اور امید رحمت کے درمیان اس روباہ کی مانند ہوگا جو دو شیروں کے درمیان میں ہو، پھر انہوں نے کہا کہ انسان ضعیف البنیان اگر دوزخ سے اتنا ڈرتا جتنا وہ افلاس سے ڈرتا ہے تو یقیناً وہ جنتی ہوتا۔"

لوگوں نے شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ سے دریافت کیا کہ کل قیامت میں کون شخص بے فکر رہے گا، انہوں نے فرمایا وہ جو آج دنیا میں ہراساں رہے۔" کسی شخص نے شیخ حسن بصری سے دریافت کیا کہ آپ ان لوگوں کی محفل کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اس میں عذاب آخرت سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ ہمارے دل ٹکڑے ہو جاتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ آج ایسے لوگوں کی صحبت سے جو تمہیں خوف الٰہی دلاتے ہیں کل تم امن پاؤ گے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ آج تمہارے ایسے مصاحب ہو جو تم کو بے فکر کر دیں اور تم کل خوف میں مبتلا ہو۔"

شیخ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس کا دل خوف الٰہی سے خالی ہو وہ ویران ہو جائیگا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" آیا ان کاموں سے جو کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں، کیا زنا اور چوری مراد ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا، ایسا نہیں ہے بلکہ نماز و روزہ اور صدقہ ادا کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں شاید مقبول نہ ہوں۔"

محمد بن المنکدر رحمتہ اللہ علیہ جب روتے تو آنسوؤں کو اپنے چہرے پر ملتے اور کہتے کہ میں نے سنا ہے کہ جہاں آنسوؤں کا پانی پہنچتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں نہیں جلے گا۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! رویا کرو اگر نہ رو سکو تو بہ تکلف رونے والے کی صورت بناؤ۔"

کعب احبار نے کہا ہے قسم ہے حق تعالیٰ جل شانہٗ کی کہ ایسا رونا جس سے منہ تر ہو جائے اس سے بہتر ہے کہ میں فقیروں کو ہزار دینار دوں۔"

خوف کی حقیقت

خوف دل کی ایک حالت کا نام ہے : اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ دل کی حالتوں میں سے ایک حالت خوف بھی ہے، یہ ایک ایسی آگ ہے جو دل میں سلگتی ہے اور اس کا باعث اور اس کا نتیجہ کئی طرح پر ظہور میں آتا ہے۔ اس کا باعث علم و معرفت ہے کہ انسان جب آخرت کی مشکل کی طرف خیال کرے گا تو سمجھ لے گا کہ اس کی تباہی کے تمام سامان تیار ہیں۔ یہ آگ اس کی جان میں پیدا ہو گی (یہ آگ ظاہری آگ نہیں ہے) یہ صفت انسان کو دو چیزوں کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ اول معرفت یہ کہ انسان اپنی ذات میں عیبوں اور اپنے گناہوں اور عبادت میں کوتاہی کی آفت کو دیکھے اور اپنی اخلاقی برائیاں اس کو نظر آئیں اور دیکھے کہ ان تقصیرات کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عنایتیں اس پر ہو رہی ہیں، ایسے شخص کی مثال اس شخص کی ہو گی کہ ایک بادشاہ نے اس کو خلعت بخشا اور بہت سی نعمتیں اس کو بخشیں اور یہ انعام و خلعت پانے والا اس کے حرم سرا اور خزانے میں دغا اور خیانت کر رہا ہے۔ پھر یکایک اسے معلوم ہوا کہ ان خیانتوں کے وقت انعام اور خلعت بخشنے والا بادشاہ اس کو دیکھ رہا تھا اور یہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بادشاہ بہت غیرت والا، انتقام لینے والا اور بے پرواہ ہے اور اس کے پاس کوئی سفارش لے جانے والا نہیں ہے اور کوئی وسیلہ اور کسی سے قرابت نہیں رکھتا (کہ اس سے سفارش کرائی جائے) اس صورت میں جب وہ اپنی تباہی پر واقف ہو گا تو یقیناً خوف کی آگ اس دل میں سلگے گی۔

معرفت کی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے عیوب اور معصیت اس خوف کا باعث نہ ہوا ہو بلکہ وہ جس سے ڈرتا ہے اس کی بیباکی اور قدرت اس کی معرفت کا سبب بنی ہو۔ مثلاً جب کوئی آدمی شیر کے پنجے میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ اپنی غلطی اور کوتاہی سے نہیں ڈرتا بلکہ اس بات سے ڈر رہا ہے کہ شیر درندہ جانور ہے اور اس کو پنجے میں گرفتار ہونے والے کی کمزوری کی کچھ پرواہ نہیں ہے وہ اس بات سے ڈر رہا ہے تو ایسا خوف بہت فضیلت رکھتا ہے پس جس نے اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کو پہچانا، اس کی بزرگی، قوت اور بے پرواہی کو جانا اور سمجھ گیا کہ اگر وہ سارے عالم کو ہلاک کر دے اور ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رکھے تو اسکی بادشاہت سے ایک ذرہ بھی کم نہیں ہو گا اور بے جا نرمی اور بے جا شفقت سے اس کی ذات پاک ہے۔ تو یقیناً وہ

ڈرے گا، ایسا خوف انبیاء (علیہم السلام) کو بھی ہوتا ہے، اگرچہ وہ معصوم اور گناہوں سے محفوظ ہیں۔

جس شخص کا یہ عرفان جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ خوف زدہ اور ہراساں ہوگا۔ اسی واسطے ارشاد فرمایا گیا اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ۔ پس جو بہت زیادہ جاہل ہوگا وہی خداوند تعالیٰ کے عذاب سے بے فکر رہے گا۔

حضرت داوٗد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی۔ فرمایا "اے داوٗد مجھ سے ایسا ڈرو جیسے تم شیر سے ڈرا کرتے ہو۔" خوف کا اثر دل میں بھی ہوتا ہے اور جسم اور دوسرے اعضاء میں بھی، دل میں خوف کا اثر ہونے کا نشان یہ ہے کہ دل دنیاوی لذتوں سے بیزار رہے اور ان کی طرف ہرگز مائل نہ ہو۔ کیونکہ جب کوئی شخص شیر کے پنجے میں پڑ جاتا ہے تو اس وقت کھانے پینے یا جماع کرنے کی خواہش دل میں نہیں رہتی ہے۔ بلکہ خوف کے وقت دل میں فروتنی، خاکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ عاقبت کا اندیشہ وہاں کا محاسبہ اور مواخذہ دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے۔ پھر نہ تکبر باقی رہتا ہے نہ حسد اور نہ حرص و ہوا اور نہ غفلت' خوف کا اثر جو جسم پر ہوتا ہے اس کی علامت دبلا پن اور جسم کی زردی ہے۔ اعضا پر اس کا اثر اس طرح ہوگا کہ انسان اپنے اعضاء کو معصیت سے بچائے اور طاعت الٰہی میں ادب کے ساتھ مصروف رکھے۔

خوف کے مختلف درجات: خوف کے مختلف درجے ہوتے ہیں اگر خود کو شہوت سے باز رکھے تو اس کو عفت کہتے ہیں۔ حرام سے بچائے تو اس کا نام ورع ہے۔ اگر شبہات سے یعنی ایسے حلال سے جس میں حرام کا اندیشہ ہو باز رکھے تو اس کو تقویٰ کہتے ہیں اور اگر زادراہ کے سوا دوسری زائد چیزوں سے بچائے تو اس کا نام صدق ہے اور ایسی صفت رکھنے والے کو صدیق کہتے ہیں۔ عفت اور ورع کا درجہ تقویٰ سے کم ہے اور عفت، ورع اور تقویٰ یہ سب صدق سے کم تر ہیں۔

خوف کی یہی حقیقت تھی جو ذکر کی گئی۔ البتہ آنسوؤں کا نکلنا ان کو صاف کرنا اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا اور پھر غفلت و معصیت میں گرفتار ہو جانا یہ خوف نہیں ہے بلکہ یہ عورتوں کا رونا ہے (جو ذرا ذرا سی باتوں پر آنسو بہاتی ہیں) کیونکہ جب کوئی شخص ایک چیز سے خوف کرے گا اور اس سے بھاگے گا جیسے کسی نے اپنی آستین میں سانپ دیکھا تو وہ فقط لاحول پڑھ کر نہیں رہ جائے گا بلکہ فوراً آستین جھٹک کر سانپ کو باہر پھینک دے گا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ڈرنے والا بندہ کس کو کہتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ خوف کرنے والا وہ ہے جو خود کو اس بیمار کی طرح بنائے جو موت کے ڈر سے کھانے کی چیزوں سے پرہیز کرتا ہے۔

خوف کے درجات

معلوم ہونا چاہئے کہ خوف کے تین درجے ہیں۔ ضعیف، معتدل، قوی، ان تینوں میں اعتدال کا درجہ سب سے بہتر ہے خوف کا ضعیف درجہ یہ ہے کہ اس سے فائدہ حاصل نہ ہو جیسے عورتوں کی رقت۔ قوی درجہ یہ ہے کہ اس میں غشی، بیماری' ناامیدی اور موت کا اندیشہ ہو یہ دونوں درجے برے ہیں۔ کیونکہ خوف میں فی نفسہ کمال موجود ہے اسی وجہ سے حق

تعالیٰ کی صفات میں خوف کی صفت شامل نہیں ہے۔ فی نفسہ کمال نہ ہونے کے علاوہ، خوف عجز اور جہل (عدم واقفیت) کی بنا پر ہوتا ہے کیونکہ ایک چیز کا جب تک انجام معلوم نہ ہو اور آفت سے بچنا مقصود نہ ہو اس وقت خوف پیدا ہی نہیں ہوگا۔

خوف عاقلوں اور دانشمندوں کے حق میں کمال کا باعث ہوتا ہے کیونکہ خوف اس تازیانے کی طرح ہے جو پڑھنے والے بچوں کے لگایا جاتا ہے یا گھوڑے کے مارا جاتا ہے (تاکہ تیز چلے) جب تازیانے کی ضرب ایسی کمزور ہو کہ اس سے چوٹ نہ لگے یا جانور کو راستے پر نہ لگا سکے یا وہ اتنا قوی ہو کہ بچے کو زخمی کردے یا جانوروں کے ہاتھ پاؤں توڑ دے یہ دونوں خوف کے کام نہیں ہیں بلکہ چاہئے کہ ان میں اعتدال ہو تاکہ وہ معصیت سے باز رکھے اور طاعت الٰہی کی رغبت دلائے۔ پس جو شخص بڑا عالم ہوگا اس کا خوف بہت معتدل ہوگا کہ جب وہ درجہ افراط پر پہنچے تو رجا کے اسباب کا خیال کرے اور جب اس میں ضعف پیدا ہو تو کام کی سختی اور محنت کا خیال کرے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے اور وہ عالم کہلاتا ہے تو اس کا علم بیکار ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ اس کو علم سے حصہ ہی نہیں ملا ہے۔ گویا وہ ایک بازاری فال گو ہے جس کو حکمت کی کوئی خبر نہیں ہے۔ کیونکہ تمام علوم اور معرفتوں میں مقدم یہ ہے کہ بندہ خود کو اور خدا کو پہچانے۔ خود کو عیب اور تقصیر سے پر سمجھے اور حق تعالیٰ کو اس کی عظمت اور بے نیازی کی صفت کے ساتھ پہچانے جب یہ دونوں معرفتیں حاصل ہوں گی تو اس کا ثمرہ خوف ہوگا۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے أَوَّلُ الْعِلْمِ مَعْرِفَةُ الْجَبَّارِ وَ اٰخِرِ الْعِلْمِ تَفْوِيْضُ الْاَمْرِ اِلَيْهِ۔ "اول یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی جباری اور قہاری کو جانے اور آخر یہ ہے کہ اپنا کام اس کے سپرد کردے۔" اور سمجھے کہ وہ خود ناچیز محض ہے اور اس سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ جب کوئی اتنی بات سمجھ لے گا تو ضرور اس کے دل میں خوف پیدا ہوگا۔

خوف کے انواع

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ جب خطرہ محسوس ہوتا ہے تو خوف پیدا ہوتا ہے اور ہر ایک کیلئے یہ خطرہ جداگانہ ہوتا ہے، کوئی ایسا ہوگا کہ آتش دوزخ کا دھڑکا اس کے دل میں آئے گا اور کوئی ایسا ہوگا کہ دوزخ میں لے جانے والی چیز سے ڈرے گا اور کسی کو یہ ڈر ہوگا کہ توبہ سے پہلے مر نہ جاؤں یا توبہ کے بعد پھر معصیت اور گناہوں میں نہ پڑ جاؤں، یا یہ خوف ہو کہ خلائق کی دادرسی میں گرفتار ہونا پڑے گا یا خوف ہو کہ اپنے عیبوں کے ظاہر ہونے سے رسوا ہو جاؤں گا۔ یا تونگری کے سبب سے دل میں غرور پیدا ہو، یا یہ خوف پیدا ہو کہ دل میں جو برے خیالات آرہے ہیں، ان کو خداوند تعالیٰ جانتا اور دیکھتا ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ جس بات سے دل میں خوف پیدا ہو اس سے باز رہے۔ مثلاً جب اپنی اس عادت سے ڈرتا ہے کہ توبہ کے بعد پھر اس کی طبیعت اس کو گناہوں کی طرف راغب کردے گی تو اس عادت کو ترک کردے اور جب دل کے برے خیالات پر حق تعالیٰ کے واقف ہونے سے ڈرتا ہے تو دل کو ایسے خیالات سے پاک رکھے۔ پس دوسری باتوں کو اسی پر قیاس کر لینا چاہئے۔

اکثر لوگ جو خدا ترس ہوتے ہیں ان کے دلوں پر عاقبت اور خاتمے کا ڈر غالب رہتا ہے اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایمان سلامت نہ لیجا سکیں اس صورت میں خوف کامل یہ ہے کہ اس بات سے ڈرے کہ نہ معلوم ازل میں اس کی شقاوت کا حکم ہوا ہو گا یا سعادت کا کیونکہ انسان کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کے حکم سابق کی ایک فرع ہے اور اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ ایک روز حضرت ﷺ نے بر سر ممبر فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ایک کتاب (ایک دفتر ہے) جس میں جنتیوں کے نام لکھے ہیں یہ فرما کر آپ نے سیدھا ہاتھ بند فرمالیا۔ پھر فرمایا ایک دوسری کتاب ہے جس میں اہل دوزخ کے نام و نشان اور ان کے نسب تحریر ہیں، پھر آپ نے بائیں ہاتھ کو بند فرمالیا اور ارشاد کیا کہ اس میں نہ کچھ بڑھ سکتا ہے اور نہ کچھ گھٹ سکتا ہے اور سعادت مند ممکن ہے کہ شقاوت کا ایسا عمل کرے کہ سب لوگ کہیں کہ وہ اشقیاء میں داخل ہے۔ حق تعالیٰ ممکن ہے کہ موت سے پہلے خواہ وہ ایک ساعت ہی کیوں نہ ہو، اس کو شقاوت کی راہ سے پھیر کر سعادت کے راستہ پر لے آتا ہے۔ پس سعید وہ ہے جس کی سعادت کا حکم ازل میں ہوا ہو اور شقی وہ ہے جسکی شقاوت کا حکم ازل میں ہو چکا ہے۔ پس اس سلسلہ میں اعتبار خاتمہ کا ہے (کہ خاتمہ شقاوت پر ہوتا ہے یا سعادت پر) اس بناء پر عارفان الٰہی ڈرتے ہیں اور یہ خوف سب سے بڑا خوف ہے۔ جس طرح بندے کا اللہ تعالیٰ کی صفت جلال سے ڈرنا، اپنے گناہوں کے خوف کرنے سے بڑھ کر ہے اس لئے کہ خوف الٰہی کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا اور گناہ کے خوف میں یہ گنجائش ہے کہ شاید اس میں غرور پیدا ہو اور کہے کہ میں تو اب گناہوں سے دستبردار ہو گیا۔ اب خوف کیوں کروں (اب کاہے کا خوف)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مقام اعلیٰ علیین میں تشریف فرما ہوں گے اور ابو جہل اسفل السافلین میں، اور یہ دونوں پیدائش سے قبل نیکی اور تقصیر سے بالکل پاک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب رسول اکرم ﷺ کو اپنی معرفت اور طاعت کا راستہ دکھلایا۔ حالانکہ آپ کی طرف سے اس امر کا کوئی جواب نہ تھا اور اس راہ پر بہ جبر آپ کو لگایا اور اس وقت آپ کو یہ قدرت نہ تھی کہ جو علم آپ کو دیا گیا اور جو کچھ آپ ﷺ پر کشف ہوا آپ اس کو ترک کر دیں (پوشیدہ رکھیں) اور نہ یارا تھا کہ جو چیز زہر قاتل ہے اس سے حذر کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ابو جہل کی بصیرت کی راہ بند کر دی اور وہ حقیقت کو نہ دیکھ سکا اور جب نہ دیکھ سکا تو شہوتوں سے دستبردار نہ ہو سکا۔ حالانکہ اس وقت تک وہ ان شہوتوں کی آفتوں سے واقف نہیں ہوا تھا (پس ہر دو مضطر بودند لکن چنانکہ خواست بے سببے بشقاوت یکے حکم کرد و اورا مے تاخت تا بدوزخ ویکے را بسعادت حکم کرد و می برد تا با اعلیٰ علیین بہ سلسلہ قہر (کیمیائے سعادت نولکشوری اڈیشن صـ ۴۴۶) پس دونوں حالت اضطرار میں ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنے ارادے کے موافق بغیر سبب کے ایک کی شقاوت کا حکم فرمایا اور اس کو دوزخ کی راہ پر لگا دیا اور دوسری ہستی کے لئے سعادت کا حکم فرما کر خود ہی کشاں کشاں اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا۔

پس جو شخص اپنے ارادے کے موافق حکم کرتا ہے اس کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی لہٰذا اس سے ڈرنا چاہئے۔ اسی واسطے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا اے داؤد مجھ سے ایسا ڈر جیسے شیر غران سے ڈرے گا، اگر شیر تم کو ہلاک کر دے تو اس کو

تمہاری ہلاکت کی کچھ پرواہ نہ ہو گی، وہ تم کو تمہاری تقصیر کی بناء پر ہلاک نہیں کرتا، بلکہ اس کا شیر ہونا ہی اس کا حکم کرتا ہے کہ تم کو ہلاک کر دے، اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو اس کا سبب یہ نہیں کہ تم سے قرابت ہے یا تم پر شفقت اس کا باعث ہے بلکہ اس نے تم کو محض ناچیز خیال کر کے چھوڑ دیا۔ پس جس نے خداوند تعالیٰ کی ایسی صفتیں معلوم کر لیں یقیناً اس کے دل میں خوف جاگزین ہو گا۔

سوءِ خاتمہ

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ اکثر بزرگوں کو خاتمہ کا ڈر رہا کرتا ہے کیونکہ انسان کا دل بدلتا رہتا ہے اور موت کا وقت بہت سخت اور کٹھن ہے، معلوم نہیں کہ سکرات کے وقت دل کی کیا حالت ہو گی۔ چنانچہ ایک عارف فرماتے ہیں کہ اگر میں پچاس سال تک کسی کو موحد سمجھتا رہوں اور وہ میرے سامنے سے ہٹ کر دیوار کے پیچھے چلا گیا تو پھر میں اس کے موحد ہونے پر گواہی نہیں دوں گا کیونکہ دل ہر آن بدلتا رہتا ہے اور میں نہیں جان سکتا کہ وہ کس چیز سے بدلا۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ تم کسی شخص کے اسلام پر مرنے کی گواہی گھر کے دروازے پر دینا پسند کرو گے یا اس کی کوٹھری کے دروازے پر؟ تو میں کہوں گا کہ کوٹھری کے دروازے پر کیونکہ میں نہیں جانتا کہ گھر کے دروازے تک اس کا اسلام باقی رہا یا نہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرماتے تھے کہ کوئی شخص اس بات سے مطمئن نہیں ہے کہ موت کے وقت اس کا اسلام باقی رہے گا یا نہیں۔" شیخ سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صدیقین ہر لحظہ سوءِ خاتمہ یعنی ایمان جانے سے ڈرتے رہتے ہیں۔" شیخ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ موت کے وقت بہت بیقرار اور مضطرب تھے اور گریہ وزاری کر رہے تھے لوگوں نے کہا اے شیخ ایسا مت کرو کہ حق تعالیٰ کی بخشش تمہارے گناہوں سے زیادہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے یقین کے ساتھ یہ نہیں معلوم کہ میں باایمان مروں گا۔ اگر یہ معلوم ہو جائے تو پھر کچھ پرواہ نہیں خواہ میرے گناہ پہاڑ کے برابر ہوں۔"

منقول ہے کہ ایک بزرگ نے مرتے وقت وصیت کی اور اپنا مال ایک شخص کے سپرد کر کے کہا کہ میرے باایمان مرنے کی فلاں نشانی ہے اگر مرنے کے بعد تم وہ علامت پاؤ تو اس رقم سے شکر اور بادام خرید کر شہر کے بچوں میں تقسیم کرنا اور کہنا کہ یہ فلاں شخص کا عرس ہے جو دنیا سے باایمان رخصت ہوا ہے اور اگر وہ علامت تم کو نظر نہ آئے تو لوگوں سے کہہ دینا کہ میری نماز جنازہ نہ پڑھیں اور دھوکے میں مبتلا نہ ہوں تاکہ مرنے کے بعد میں ریاکاروں میں شمار نہ کیا جاؤں۔ شیخ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ مرید کو یہ خوف ہے کہ معصیت میں مبتلا نہ ہو اور مرشد کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔ شیخ ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب میں مسجد کا قصد کرتا ہوں تو اپنی کمر میں زنار پڑی ہوئی پاتا ہوں

کیونکہ مجھے اس وقت یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں مجھے راستے ہی سے پھیر کے کلیسا میں نہ لے جائیں۔ ہر روز نماز پنجگانہ کے وقت میری یہی حالت ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ تم معصیت اور گناہ سے ڈرتے ہو اور ہم پیغمبروں کو کفر کا اندیشہ ہے۔

منقول ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر کھانے کپڑے کی محتاجی کے باعث کئی سال تک پریشان رہے جب انہوں نے اس کا شکوہ اللہ تعالیٰ سے کیا اور اپنی محتاجگی کی فریاد کی تو ان پر وحی نازل ہوئی اور فرمایا کہ اے پیغمبر میں نے تیرے دل کو کفر سے محفوظ رکھا ہے کیا تو اس کا شکر گذرا نہیں ہے جو دنیا کو طلب کرتا ہے یہ سن کر انہوں نے کہا الٰہی! میں توبہ کرتا ہوں اور تیرا شکر کرتا ہوں اور پوچھنے کی جو جرأت کی تھی اس کی ندامت میں سر پر خاک ڈالی۔

سوءِ خاتمہ کی علامتیں : سوءِ خاتمہ کی علامت میں سے ایک علامت نفاق ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ہمیشہ نفاق سے ڈرا کرتے تھے، خواجہ حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ اگر مجھے یقیناً معلوم ہو جائے کہ مجھ میں نفاق کی صفت نہیں ہے تو دنیا کی تمام دولت حاصل ہو جانے سے بھی زیادہ یہ بات مجھے عزیز ہو گی۔ ان کا ہی یہ قول ہے کہ جب آدمی کا ظاہر اور باطن، دل اور زبان مختلف ہوں تو یہ نفاق کی بڑی علامت ہے۔

فصل : اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ سوءِ خاتمہ جس کا خوف سب بزرگوں کے دل میں رہا کرتا ہے سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت بندے سے ایمان چھین لیا جائے اور اس کے بہت سے اسباب ہیں کسی کو ان کی خبر نہیں ہے پر اکثر دو سبب سے ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص بدعت باطل کا اعتقاد کر کے اپنی تمام عمر اسی میں گزار دے اور یہ کبھی خیال نہ کرے کہ یہ عقیدہ باطل و بے جا ہو گا۔ ممکن ہے کہ موت کے وقت اس کی یہ خطا اس پر ظاہر کر دی جائے اور اس لئے دوسرے معتقدات میں شک پڑ جائے اور ان کی استواری باقی نہ رہے یہ خطرہ متبدع اور بدعتی کو لگا رہتا ہے اور ایسے شخص کو بھی یہ خطرہ لاحق رہتا ہے جو عقائد میں بحث و دلیل سے کام رکھتا ہے خواہ وہ زاہد ہی کیوں نہ ہو، مگر وہ سادہ لوح افراد جن کا اسلام ظاہر قرآن و حدیث کے مطابق و موافق ہو اس آفت سے محفوظ ہیں۔ اسی بناء پر حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے۔ عَلَيْكُمْ بِدِيْنِ الْعَجَايِزِ وَاَكْثَرُ اَهْلُ الْجنة بُلْه" (زنان پیر کا دین تم پر واجب ہے اور زیادہ تر اصحاب جنت سادہ لوح افراد ہوں گے) یعنی اے لوگو! دین کے معاملہ میں پیرزالوں کی سادگی اختیار کرو اور سمجھو کہ جنت میں اکثر بھولے، سادہ لوح لوگ ہوں گے۔ چنانچہ اس بناء پر بزرگان سلف علم الکلام اور عقائد کے مسائل میں بحث و جدل سے منع فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ ہر ایک کا حوصلہ نہیں ہے اس کے نتیجے میں انسان ایک برے عقیدے میں گرفتار ہو جائے گا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ایمان اس کا اصل میں ضعیف تھا اور دنیا کی محبت اس پر غالب تھی، اللہ تعالیٰ کی محبت ضعیف تھی، تو موت کے وقت آرزو اور خواہشات کو اس سے چھین لیا جائے گا اور دنیا سے اس کو کشاں کشاں ایسی جگہ لے جائیں گے

جہاں وہ جانے پر راضی نہ ہو- پس وہ ناخوش ہوتا ہے۔ جو تھوڑی سی محبت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تھی وہ بھی باقی نہیں رہتی۔ مثلاً ایک شخص اپنے بچے سے کچھ پیار رکھتا ہے جب یہی بچہ اس سے باپ کی پیاری چیز مانگتا ہے تو پھر باپ اس فرزند سے بیزار ہو جاتا ہے اور اب وہ تھوڑی سی محبت بھی باقی نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے مجاہدین کے لیے درجہ شہادت عظیم ہے کیونکہ وہ جہاد میں شریک ہو کر دل سے دنیا کی محبت نکال کر اللہ تعالیٰ کی محبت میں شہادت طلب کرتے ہیں جب ایسی حالت میں موت آجائے تو سب سے بڑی دولت ہے۔ کیونکہ یہ حالت بہت جلد گذر جاتی ہے اور دل اس صفت پر ہر وقت قائم و مائل نہیں رہتا۔ پس جس کے دل میں خدا کی محبت سب سے زیادہ ہو یقیناً یہ محبت اس کو دنیا سے باز رکھے گی۔ پس ایسا شخص ہی ایمان کے خطرے سے البتہ محفوظ رہے گا۔ اور جب اس کی موت کا وقت آئے گا تو سمجھے گا کہ اب دوست کے دیدار کا وقت آگیا ہے۔ اس صورت میں خدا کی محبت غالب اور دنیا کی محبت باطل ہو گی' حسنِ خاتمہ کی علامت یہی ہے۔ پس جو کوئی ایمان کے خطرہ سے امان کا خواہاں ہے اس کو چاہیے کہ بدعت اور برے عقیدے سے بچے اور جو باتیں قرآن و حدیث میں آئی ہیں ان پر ایمان لائے۔ جس بات کو سمجھ سکا ہے اس کو قبول کرے اور جو بات سمجھ میں نہیں آتی اس کو خداوند تعالیٰ کے حوالہ کر دے۔ لیکن ایمان اس پر بھی لائے اور کوشش کرے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل پر غالب اور دنیا کی محبت ضعیف ہو جائے' احکام شرعی پر عمل کرنے اور اس کے مقررہ حدود کی حفاظت کرنے سے دنیا کی محبت کمزور پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ اس وقت دنیا بری لگتی ہے اور دل اس سے بیزار ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ آدمی ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے اور محبانِ الٰہی اور بزرگان دین کی صحبت اختیار کرے۔ دنیا پرستوں کی صحبت سے بچے' اگر دنیا کی محبت غالب ہے تو ایمان خطرے میں ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر فرزند و پدر و مال و منال اور علائق دنیاوی کو تم حق تعالیٰ سے زیادہ دوست رکھتے ہو تو حکمِ الٰہی آنے تک منتظر رہو! فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہِ بِاَمْرِہٖ کے یہی معنی ہیں۔

خوف الٰہی کس طرح حاصل کیا جائے : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ دین کے مقامات میں سے پہلا مقامِ معرفت اور علم الیقین ہے۔ معرفت سے خوف پیدا ہوتا اور خوف سے زہد' صبر اور توبہ' توبہ سے صدق پیدا ہوتا' علاوہ ازیں اخلاص' ذکر الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہنا' اور صانع حقیقی کے عجیب و غریب صفت پر غور کرنا بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے اور ان تمام باتوں سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے جو تمام مقامات کی انتہا ہے۔ خدا کے حکم پر راضی رہنا' تسلیم اور توکل اسی محبت کے نتائج ہیں۔ پس یقین و معرفت کے بعد اصلِ اصول خوف ہے وہ دوسری صفتیں جو اوپر بیان کی گئی بغیر خوف کے حاصل نہیں ہو سکتی ہیں' خوف تین طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ علم و معرفت ہے۔ یعنی بندہ خود کو اور خدا کو پہنچانے گا تو یقیناً اس سے ڈرے گا۔ کیونکہ جب کوئی شیر کے پنجے میں گرفتار ہو اور شیر کے بارے میں اس کو علم ہے تو پھر ڈرنے کے لیے کسی اور ذریعہ کی ضرورت نہیں بلکہ پنجے میں پھنس جانا ہی عین خوف ہے۔ پس جس نے حق تعالیٰ کے قہر و جلال' اس کی قدرت اور بے نیازی کو معلوم کر لیا اور اپنی عاجزی اور بے کسی سے آگاہ ہے وہ حقیقت میں شیر کے پنجے میں پھنسا ہوا

ہے بلکہ جو خداوند تعالیٰ کا مختار اور قادر مطلق ہونا جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب اسی کے حکم سے ہے' اس نے بعض کو بغیر کسی وسیلے کے سعادت مند بنایا اور بعض کو بغیر خطا کے شقی بنایا ہے۔ وہ جیسا چاہتا ہے حکم کرتا ہے' اس کا حکم بدلتا نہیں' جیسا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے کہ حضرتِ موسیٰ (علیہ السلام) حضرت آدم علیہ السلام سے جھگڑنے لگے تو حضرت آدم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ حق تعالیٰ نے تم کو بہشت میں رکھا' تمہارے ساتھ احسان کیا۔ پھر تم نے معصیت کر کے خود کو اور ہم کو بلا میں کیوں ڈالا' آدم علیہ السلام نے کہا کہ معصیت ازل میں میرے نام لکھی گئی تھی یا نہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہاں لکھی گئی تھی' تب حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا میں کر سکتا تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس کے خلاف کرنا ممکن نہیں۔ پس اس طرح آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو قائل کر کے لاجواب کر دیا۔

معرفت کے ابواب جن سے آدمی کے دل میں خوف پیدا ہو بہت سے ہیں' جو جس قدر عارف ہوگا اتنا ہی زیادہ خداترس ہوگا' اخبار (احادیث) میں وارد ہے کہ حضرت رسول خدا ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام دونوں بہت روتے تھے (رسول و جبرائیل علیہما السلام می گریستند) وحی نازل ہوئی کہ تم کیوں روتے جبکہ میں نے تم کو عذاب سے محفوظ و مامون کر دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا بار خدایا! ہم تیرے غضب سے بے فکر نہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہی ہے۔ ان بزرگوں نے اپنے کمالِ معرفت کی بنا پر ایسا کہا تھا کہ ہم کو بے خوف اور بے فکر نہیں ہونا چاہیے کہ کہیں یہ بھی آزمائش نہ ہو اور ممکن ہے کہ اس کے اندر بھی کوئی راز ہو۔ جس کی آگہی سے ہم عاجز ہوں (آزمائشے باشد و در تحت آں سرے باشد کہ تا از دریافت آں عاجز باشیم)

منقول ہے کہ بدر کی جنگ کے روز مسلمانوں کا لشکر کمزور پڑ رہا تھا۔ رسول ﷺ کو خطرہ پیدا ہوا۔ اور آپ ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ "الٰہی اگر یہ تمام مسلمان ہلاک ہوگئے تو پھر روئے زمین پر تیری بندگی کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً اس کا وعدہ سچا ہے تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام یہ تھا کہ خدا کے وعدے اور اس کے کرم پر ان کا اعتقاد تھا اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کا مقام یہ تھا کہ خدا کے غضب کا خطرہ تھا کیونکہ یقیناً آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ خدا کے اسرار اور تقدیر کی بات کسی کو معلوم نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب معرفتِ الٰہی کا حوصلہ اپنے اندر نہ پائے تو بزرگانِ دین اور خوف کا خدا رکھنے والے حضرات کی صحبت میں بیٹھا کرے تاکہ ان حضرات کی صحبت کی تاثیر سے خدا کا خوف دل میں سرایت کرے اس صورت میں اہل غفلت سے دور رہنا چاہیے۔ اس تدبیر سے خوف الٰہی حاصل ہوگا۔ اگرچہ یہ خوف' خوف تقلیدی ہوگا۔ جیسے ایک بچہ جب اپنے باپ کو سانپ سے ڈرتے اور بھاگتے دیکھتا ہے تو وہ بھی اس سے خوف زدہ ہو کر بھاگتا ہے۔ ہر چند کہ وہ سانپ کے

موذی پن سے واقف نہیں ہے' ایسا خوف عارف کے خوف سے کم تر ہے۔ اس کے بعد اگر اس لڑکے نے کسی افسوں گر کو سانپ پر ہاتھ ڈالتے اور پکڑتے ہوئے دیکھا تو پھر وہ تقلیدی خوف بھی اس کے دل سے نکل جائے گا اور وہ بھی افسوں گر کی طرح سانپ پر ہاتھ ڈالے گا اور جس کو سانپ کی خاصیت معلوم ہے (کہ سانپ ڈس لیتا ہے) تو وہ اس تقلید سے باز رہے پس مقلد کو چاہیے کہ بے فکروں اور غافلوں کی صحبت سے گریز کرے۔ خصوصاً' ایسا غافل جو ظاہر میں صاحبِ علم ہو۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر بزرگانِ دین کی صحبت میسر نہ ہو کیونکہ اس زمانے میں نایاب ہے تو ایسے لوگوں کے احوال اور تذکرے سنے اور ان کی تصنیفات کا مطالعہ کرے' ہم بعض انبیاء اور اولیاء کی ایسی حکایتیں پیش کریں گے جن کا تعلق خوف سے ہے تاکہ جو معمولی عقل بھی رکھتا ہو اس کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات کس قدر عارف پرہیز گار اور متقی تھے اور اس کے باوجود خدا کا خوف ان پر اس قدر غالب رہتا تھا (دوسروں کو تو اور بھی زیادہ ڈرنا چاہیے)۔

حکایات انبیاء و ملائک : روایت ہے کہ جب ابلیس بارگاہِ الٰہی سے نکالا گیا' حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام بڑا روتے رہے۔ حق تعالیٰ نے ان سے رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ الٰہی ہم تیرے غضب سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا یہی مناسب ہے۔ بے فکر مت رہو۔

شیخ محمد بن المنکدرؒ فرماتے ہیں کہ جب خداوند تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا فرمایا تو تمام فرشتے رونے لگے۔ لیکن جب انسان کو پیدا فرمایا تو وہ خاموش ہو گئے اور سمجھے کہ دوزخ ہمارے واسطے نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہوں اور خدا کے خوف سے ان کے بدن میں لرزہ نہ ہو۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ میں نے آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ جس روز سے دوزخ کو پیدا کیا گیا ہے اس دن سے میں نہیں ہنسا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نماز شروع کرتے تو ان کے دل کے جوش کی آواز ایک کوس کے فاصلے سے سنی جاتی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام سجدے میں سر رکھ کر چالیس دن تک روتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں کی نمی سے گھاس اگ آئی۔ تب ندا آئی کہ اے داؤد (علیہ السلام) کیوں روتے ہو؟ اگر تم بھوکے پیاسے یا ننگے ہو تو بتاؤ تاکہ روٹی' پانی اور کپڑا بھیجوں' یہ سن کر وہ اس طرح چیخ کر روئے اور ایسی آہ کی کہ ان کی آہ کی گرمی سے لکڑیاں جل گئیں' تب حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی' داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی میرا گناہ میری ہتھیلی پر تحریر فرما دے' تاکہ میں اس کو فراموش نہ کر سکوں۔ چنانچہ ان کی یہ استدعا قبول کی گئی۔ پس وہ جب بھی کھانے اور پینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھاتے ان کو اپنا گناہ نظر آجاتا اور بے اختیار رونے لگتے۔ کبھی تو ایسا ہوتا کہ پانی کا پیالہ اگر پانی سے لبالب نہ ہوتا تو ان کے آنسوؤں سے بھر جاتا تھا۔

روایت ہے کہ داؤد علیہ السلام اس قدر روئے کہ ان کی طاقت جواب دے گئی' تب انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی! کیا میرے رونے پر تجھ کو رحم نہیں آتا! وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد علیہ السلام تم اپنے رونے کی بات تو کرتے لیکن اپنے گناہ کو بھول گئے۔ انہوں نے کہا کہ الٰہی! میں کس طرح بھول سکتا ہوں جبکہ گناہ سے پہلے میں زبور پڑھتا خواہ میں ندی میں کھڑے ہو کر پڑھتا یا باہر کھلی فضا میں تو اس وقت' ہوا کے پرندے اور جنگل کے تمام جانور وہاں جمع ہو جاتے تھے اب ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ الٰہی ان کو مجھ سے یہ وحشت کیوں ہونے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد (علیہ السلام) ان کی وہ انسیت تمہاری اطاعت کے سبب سے اور ان کی یہ وحشت تمہاری معصیت کے باعث ہے۔ اے داؤد سنو! آدم میرا بندہ تھا' اس کو میں نے اپنے دستِ کرم سے پیدا کیا' اپنی روح سے اس کے قالب میں کچھ پھونکا اور ملائکہ کو حکم دیا کہ اس کو سجدہ کریں میں نے اس کو خلعتِ کرامت پہنایا اور بزرگی کا تاج اس کے سر پر رکھا' جب اس نے تنہائی کی شکایت کی حوا کو پیدا کیا اور دونوں کو بہشت میں جگہ دی۔ جب آدم سے خطا سرزد ہوئی' کپڑے ان کے بدن سے اتار لیے اور اپنی بارگاہ سے باہر کر دیا۔ اے داؤد سنو! تم ہماری اطاعت کرتے تھے' ہم تمہارا کہا مانتے تھے' جو کچھ تم طلب کرتے تھے وہ ہم تم کو دیتے تھے۔ جب تم نے گناہ کیا تم کو مہلت دی' ان تمام باتوں کے باوجود اگر تم توبہ کرو تو ہم اسے قبول کریں گے۔

یحییٰ ابن کثیر سے منقول ہے کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ داؤد علیہ السلام جب اپنے گناہ پر نوحہ کرنا چاہتے تو سات دن تک بھوکے رہتے۔ اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کرتے اور جنگل میں آ کر (حضرت) سلیمان علیہ السلام کو فرماتے کہ ندا کر دو کہ اے لوگو! تم سے جو کوئی داؤد کا نوحہ سننا چاہتا ہو وہ آئے۔ پس لوگ شہروں سے' پرندے گھونسلوں سے' اور جنگل سے درندے اور چرندے پہاڑوں سے نکل کر اس جگہ جمع ہو جاتے' داؤد علیہ السلام حق تعالیٰ کی ثنا شروع کرتے' لوگ فرمایا کرنے لگتے۔ پھر آپ بہشت اور دوزخ کی صفت بیان کرتے۔ اس کے بعد اپنے گناہ پر ایسا دل سوز نوحہ شروع کرتے کہ ہزاروں لوگ خوف اور وحشت سے مر جاتے۔ تب سلیمان علیہ السلام التماس کرتے کہ والدِ محترم! اب بس کیجئے۔ بہت سے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد مردے کو اس کے وارث اٹھا کر لے جاتے' ایک بار آپ کی ایسی ہی مجلس میں چالیس ہزار لوگ جمع تھے۔ جب آپ نے نوحہ دلسوز کیا تو اس میں سے تیس ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔ داؤد علیہ السلام کی دو کنیزیں خوف کے وقت دائیں بائیں سے آپ کو پکڑ لیتی تھیں تاکہ آپ کے اعضاء لرزنے سے ٹوٹ نہ جائیں۔

نقل ہے کہ جب یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام کم سن تھے تو وہ بیت المقدس میں عبادت کیا کرتے تھے جبکہ دوسرے ان کے ہم عمر لڑکے کھیل میں مصروف ہوتے تھے۔ لڑکے ان کو کھیل کے لیے بلاتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ مجھے کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ جب ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی' مخلوق سے قطع تعلق کر کے جنگل میں رہنے لگے' ایک دن زکریا علیہ السلام اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے وہاں آئے تو دیکھا کہ پانی میں کھڑے ہیں اور پیاس سے بے تاب ہیں اور خداوند تعالیٰ سے التجا کر رہے ہیں کہ قسم ہے تیری عزت کی جب تک مجھے یہ معلوم نہیں ہو گا کہ تیرے حضور میں میرا کیا

درجہ ہے میں پانی نہیں پیوں گا۔ آپ خوفِ الٰہی میں اس قدر روتے تھے کہ آپ کے چہرے پر گوشت باقی نہیں رہا تھا اور دانت باہر سے نظر آنے لگے تھے اس لیے آپ نے نمدے کے دو ٹکڑے اپنے منہ پہ باندھ لیے تھے تاکہ لوگ نہ دیکھ سکیں' انبیاء علیہم السلام کے ایسے بہت سے واقعات اور حکایات ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگان سلف رحمہم اللہ تعالیٰ کی حکایات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باوجود اپنی بزرگی کے جب کسی پرندے کو دیکھتے تو فرماتے اے کاش! میں تجھ سا ہوتا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے کہ کاش میں درخت ہوتا! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتیں "کاش میرا نام و نشان نہ ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن شریف کی ایک آیت سن کر گر پڑتے اور بے ہوش ہو جاتے۔ کئی دن تک لوگ آپ کے پاس عبادت کے لیے آتے تھے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ آپ کے چہرے پر آنسوؤں کے بہاؤ سے دو کالی لکیریں پڑ گئی تھیں اور آپ فرماتے تھے کہ کاش عمر ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہوا ہوتا۔ ایک دن آپ کا گذر ایسی جگہ سے ہوا کہ کوئی شخص یہ آیت وہاں پڑھ رہا تھا۔ ان عذاب ربک لواقع اس وقت آپ اونٹ پر سوار تھے۔ خوفِ الٰہی سے آپ اونٹ سے نیچے گر گئے۔ بے طاقتی کے سبب سے آپ خود نہیں اٹھ سکے لوگ آپ کو اٹھا کر آپ کے مکان پر پہنچا آئے اور آپ ایک مہینے تک بیمار رہے کسی کو اس بیماری کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ علی ابن حسین رضی اللہ عنہ جب طہارت کرتے تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے کس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

مسور ابنِ مخرمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ : حضرت مسور ابن مخرمہ رضی اللہ عنہ قرآن شریف سن کر بے تاب ہو جاتے' ایک دن ایک اجنبی شخص نے جو آپ کی اس کیفیت سے واقف نہیں تھا آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًاo وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًاo (جس دن اکٹھا کیا جائے گا پرہیز گاروں کو رحمٰن کے پاس اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانک دیا جائے گا) اس آیت کو سن کر انہوں نے کہا کہ میں مجرموں میں داخل ہوں' متقیوں میں نہیں ہوں' اس آیت کو پھر پڑھو' اس نے دوبارہ پڑھا۔ آپ نے ایک نعرہ مارا اور جان' جان آفرین کے سپرد کر دی۔

حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اے عزیز! اچھی جگہ پر مغرور مت ہو' کوئی جگہ بہشت سے بہتر نہیں ہے لیکن دیکھو کہ وہاں آدم علیہ السلام پر کیا گذری' کثرتِ عبادت پر مغرور مت ہو' تمہیں معلوم ہے کہ ابلیس کئی ہزار سال

تک عبادت کرتا رہا اور کیا انجام' کثرتِ علم پر بھی مغرور مت ہو کہ بلعم باعور کمال علم کے باعث اس درجہ پر پہنچا۔ کہ اس کو اسم اعظم معلوم ہو گیا لیکن آخر کار اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْتَتْرُكْهُ يَلْهَثْ
اس کی مثال کتے کی طرح اس پر بوجھ لاد دو تب ہانپے اور اس کو چھوڑ دو جب بھی ہانپے۔

نیک لوگوں کی ملاقات پر مغرور مت ہو کہ حضرت رسول خدا ﷺ کے اقرباء نے بار بار آپ کو دیکھا' اور آپ سے ملے پھر بھی اسلام نصیب نہ ہو سکا۔

شیخ عطا سلمی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے تھے وہ چالیس سال تک نہیں ہنسے اور نہ آسمان کی طرف دیکھا اور ایک بار آسمان کی طرف دیکھا تو دہشت کے مارے گر پڑے اس رات انہوں نے اپنے منہ پر کئی مرتبہ ہاتھ پھیرا یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں ان کا چہرہ مسخ تو نہیں ہو گیا ہے۔ جب قحط پڑتا یا کوئی اور بلا شہر والوں پر آتی تو کہتے یہ سب کچھ میری بدبختی سے ہوا ہے۔ اگر میں مر جاتا تو لوگ ان آفتوں سے نجات پا جاتے۔ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں ہر روز میں اپنی ناک پر نظر کر کے کہتا ہوں کہ شاید میرا منہ سیاہ ہو گیا ہے۔ حضرت امام حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دعا مانگی کہ الٰہی مجھ پر خوف کا ایک دروازہ کھول دے۔ میری دعا قبول کر لی گئی لیکن میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری عقل جاتی رہے۔ پھر میں نے دعا مانگی کہ الٰہی بقدر طاقت مجھے اپنا خوف عطا فرما دے تب کہیں جا کر میرے دل کو چین آیا۔

ایک عابد زار و قطار رو رہا تھا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ رونے کا کیا باعث ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن منادی کی جائے گی کہ آج مخلوق کو ان کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا؟

کسی شخص نے خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کا حال کیا ہو گا جو دریا میں ہو اور اس کی کشتی ٹوٹ گئی ہو اور اس کا ہر تختہ الگ الگ ہو گیا ہے! اس شخص نے کہا کہ پھر تو وہ بڑی مشکل میں ہو گا۔ انہوں نے فرمایا میرا حال بھی ایسا ہی ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک بندے کو ہزار سال بعد دوزخ سے نکالا جائے گا۔ کاش! وہ شخص میں ہوتا انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ ان کو خاتمہ کے ڈر سے عذاب دائمی دھڑکا لگا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ایک کنیز کا خواب: نقل ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ایک کنیز نے آپؒ سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے انہوں نے فرمایا بیان کر کیا دیکھا۔ کنیز نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ دوزخ کو دہکایا گیا ہے اور اس پر پلصراط رکھ دیا گیا ہے اور اموی خلفاء کو لایا گیا۔ سب سے پہلے عبدالملک بن مروان کو لایا گیا اور حکم دیا گیا کہ اس پل سے گزرو۔ کچھ دیر کے بعد ہی وہ اس پل سے دوزخ میں گر پڑا' انہوں نے دریافت کیا کہ اور کیا دیکھا؟ وہ بولی پھر اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کو لایا گیا اور وہ بھی اسی طرح دوزخ میں جا گرا' پھر سلیمان بن عبدالملک کو حاضر کیا گیا اور وہ

بھی اسی طرح دوزخ میں گر گیا اور ان سب کے بعد اے امیر المومنین آپ کو لایا گیا بس اتنا سنتے ہی حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے کنیز نے پکار کر کہا اے امیر المومنین! خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ آپ سلامتی کے ساتھ اس پل پر سے گزر گئے ہیں۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز اسی طرح بے ہوشی کے عالم میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔

خواجہ حسن بصریؒ برسوں تک نہیں ہنسے وہ ہمیشہ اس قیدی کی طرح بیکل اور بے چین رہتے تھے جس کو گردن مارنے کے لیے لایا گیا ہو۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ اس عبادت و ریاضت کے باوجود آپ اس قدر ہراساں کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ڈرتا ہوں اور اس بات کا خوف ہے کہ شاید حق تعالیٰ میرے کسی فعل سے مجھ پر غضب کرے۔ اور فرمائے کہ تیرا جو جی چاہے وہ کر میں تجھ پر رحم نہیں کروں گا۔ بس اس بات سے ڈرتا ہوں اور بے فائدہ جان دیتا ہوں۔

اے عزیز! اس طرح کی بہت سی حکایتیں ہیں۔ اب غور کرو کہ یہ لوگ کس قدر ڈرتے تھے اور تم کو بے فکر ہو اس کا سبب یا تو یہ ہو گا کہ ان حضرات کا عرفان زیادہ تھا اور تم بے خبر ہو' سچ تو یہ ہے کہ حماقت اور غفلت کے سبب سے باوجود ہزاروں گناہوں کے بے فکر ہو اور وہ حضرات باوجود طاعت کے اپنی معرفت اور آگاہی کے باعث ہراساں اور خوف زدہ تھے۔

فصل : شاید اس مقام پر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ خوف و رجا کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں پھر ان دونوں میں کونسی چیز افضل ہے۔ خوف یا رجا؟ اور کس چیز کا غلبہ انسان پر ہونا چاہیے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دو دوائیں' ہیں دوا کے باب میں فضیلت نہیں دیکھی جاتی بلکہ اس کی منفعت دیکھی جاتی ہے۔ پس خوف و رجا صفات و نقص میں داخل ہیں اور انسان کا کمال یہ ہے کہ خدا کی محبت اور اس کے ذکر میں مستغرق رہے۔ اپنے خاتمہ اور سابقہ کا خیال نہ کرے۔ وقت کو نہ دیکھے بلکہ وقت کا خیال ہی ترک کر دے۔ خداوند تعالیٰ وقت کا دیکھنے والا ہے۔ کیونکہ جب خوف و رجا کی طرف متوجہ ہو گا تو عبادت سے حجاب حاصل ہو گا لیکن استغراق کی ایسی حالت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ پس وہ شخص جو موت کے قریب ہے اس کے لیے سزاوار یہ ہے کہ رجا اس کے دل پر غالب رہے کہ اس سے محبت میں اضافہ ہو گا' اور جو کوئی اس جہان سے رخصت ہونے والا ہے اس کو چاہیے کہ خداوند تعالیٰ سے زیادہ محبت رکھے تاکہ اس کے دیدار کی سعادت حاصل ہو۔ محبوب کے دیدار میں جو لذت ہوتی ہے لیکن جب دوسرے اوقات میں (عام زندگی میں) آدمی غافل ہو تو اس پر خوف غالب رہنا چاہیے کیونکہ امید (رجا) کا غلبہ اس کے حق میں زہر قاتل کا حکم رکھتا ہے اور اگر وہ اہل تقویٰ سے ہے اور اس کے اخلاق اچھے ہیں تو خوف و رجا دونوں برابر ہونا چاہیے' جب عبادت میں مصروف ہو تو رجا کا غلبہ ہونا چاہیے کہ امور مباح میں دل کی صفائی محبت سے ہوتی ہے اور رجا سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن معصیت کے وقت خوف کا غلبہ ہونا چاہیے۔ مباح کاموں میں بھی خوف رکھنا چاہیے جبکہ وہ شخص ان کا عادی ہو' ورنہ معصیت میں مبتلا ہو گا۔ پس یہ ایک دوا ہے جس کا فائدہ مختلف احوال اور مختلف شخصوں کے اعتبار سے جدا جدا ہو گا۔ اس سوال کا جواب کوئی ایک نہیں ہو سکتا۔

اصل چہارم

فقر و زہد

معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے قبل عنوان مسلمانی کے تحت ہم نے تحریر کیا ہے کہ دینداری چار چیزوں پر موقوف ہے ایک معرفتِ نفس، دوسری معرفتِ حق، تیسری معرفتِ دنیا، چوتھی معرفت آخرت، ان چار چیزوں میں دو چیزیں ترک کرنے کے لائق ہیں اور دو طلب کرنے کے قابل ہیں، یعنی حق تعالیٰ کی طلب کے لیے اپنے نفس کو چھوڑ دے اور آخرت کے حصول کے لیے دنیائے فانی سے ہاتھ اٹھالے، اس کے واسطے خوف، توبہ اور صبر کی ضرورت ہے دنیا کی محبت مہلکات میں داخل ہے۔ ہم اس کا علاج تحریر کر چکے ہیں، دنیا سے بیزار اور دست بردار ہونا منجیات میں داخل ہے اسی کا نام فقر و زہد ہے۔ ہم یہاں اسی کی تشریح کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے فقر و زہد کی حقیقت اور فضیلت معلوم کرنا ضروری ہے۔

فقر و زہد کی حقیقت : معلوم ہونا چاہیے کہ فقیر وہ ہے جو اپنی ضرورت کی چیز کا محتاج ہو، انسان کو سب سے اوّل تو اپنی ہستی کی حاجت ہے، اس کے بعد اپنی بقا اور ثبات کے لیے اس کو غذا مال اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے اور ان تمام چیزوں میں سے اس کے پاس کچھ بھی موجود نہیں تو وہ محتاج ہے محتاج کی ضد غنی ہے، جو اپنے سوا دوسروں سے بے نیاز ہو اور ایسی صرف خدا کی ذات ہے جل جلالہٗ دوسری تمام مخلوقات، جن و انس، فرشتے اور شیاطین، سب کی ہستی اس کا قیام ان کی ذات سے نہیں ہیں پس حقیقت میں تمام مخلوق فقیر اور محتاج ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

اَللّٰهُ غَنِیٌّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ — اللہ غنی ہے، اور تم سب فقیر ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقیر کے معنی اس طرح بیان فرمائے ہیں : اَصْبَحْتُ مُرْتَهِنًا بِعِلْمِیْ وَالْاَمْرُ بِیَدِ غَیْرِیْ فَلَا فَقِیْرًا اَفْقَرُ مِنِّیْ "یعنی میں اپنے عمل کے ہاتھوں میں رہن ہوں اور میرا کام دوسرے کے اختیار میں ہے۔ پھر ایسا کون درویش ہوگا جو مجھ سے زیادہ عاجز اور لاچار ہو۔" اسی بات کو حق تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے : وَرَبُّكَ الْغَنِیُّ ذُوالرَّحْمَةِ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ (تیرا پروردگار غنی ہے رحمت والا اگر چاہے تو سب کو ہلاک کر دے اور پھر دوسری قوم کو پیدا کرے) اس سے معلوم ہوا کہ سب لوگ فقیر اور محتاج ہیں، لیکن اہل تصوف کی اصطلاح میں فقیر کا اطلاق اس پر ہوگا جو اپنے آپ کو محتاج اور بے چارگی کی صفت سے دیکھے اور یہ جانے کہ خود سراپا محتاج ہے اور دنیا اور آخرت میں کسی چیز کی ہستی اور اس کی بقا اس کے اختیار میں نہیں ہے اور بعض احمق لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ "تجھے فقیر اس وقت سمجھا جائے گا کہ طاعت و بندگی الٰہی نہ کرے کیونکہ جب تو اطاعت کرے گا تو ثواب کی امید رکھے گا اس وقت تیرے پاس ایک چیز موجود ہوئی۔ لہٰذا اب تجھے فقیر نہیں کہیں گے۔ ایسا کہنا الحاد اور زندقہ کا بیج یا اس

کی اصل ہے۔ یہ بیج شیطان نے ان کے دلوں میں بو دیا ہے۔ شیطان ان احمقوں کو جو عقلمندی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ فریب دے کر اچھے کو برا اور برے کو اچھا دکھاتا ہے۔ اور سمجھاتا ہے تاکہ احمق اس کے قریب میں آکر سمجھے کہ فراست اور دانائی یہی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کہا کہ جس کو خدا مل گیا اس کو سب کچھ مل گیا۔ اب اس کو دنیا سے بیزار رہنا چاہیے تاکہ اس کو فقیر کہہ سکیں۔ حالانکہ فقیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کرے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ طاعت و بندگی میرا مال نہیں ہے اور اس میں میرا اختیار نہیں ہے۔ میں تو بس اپنا کام کر رہا ہوں۔

حاصل کلام یہی ہے کہ اس مقام پر فقیر کے دو معنی ہیں جو صوفیہ کی اصطلاح میں ہیں یعنی تمام چیزوں کے بارے میں آدمی کے محتاج ہونے کا بیان ہمارا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ہم یہاں مال کی فقیری اور محتاجی کا بیان کریں گے کہ آدمی کو لاکھوں حاجتوں کے ساتھ مال کی حاجت بھی رہتی ہے اور مال پاس نہ ہونے کا سبب یا تو یہ ہوگا کہ آدمی عمداً اس سے دست بردار ہو گیا۔ یا یہ کہ اس کو حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص مال کو عمداً ترک کر دے تو اس کو زاہد کہتے ہیں اور اگر خود اس کو مال میسر نہیں ہوا ہے تو ایسے شخص کو فقیر کہیں گے۔

فقیر کی تین حالتیں ہیں' ایک حالت تو یہ ہے کہ اس کے پاس مال موجود ہی نہ ہو لیکن حتی المقدور اس کی تلاش میں ہے تو ایسے شخص کو حریص فقیر کہا جاتا ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ یہ مال طلب نہ کریں اور اگر اس کو مال دیا جائے تو اس کو قبول نہ کرے اور مال سے بیزار رہے ایسے شخص کو زاہد فقیر کہتے ہیں اور تیسری حالت یہ ہے کہ نہ ڈھونڈے اور نہ طلب کرے اگر دیا جائے تو قبول نہ کرے اور قناعت اختیار کرے تو ایسے شخص کو قانع فقیر کہتے ہیں۔ یہاں ہم درویشی کی فضیلت اور اس کے بعد زہد کی خوبیاں بیان کریں گے کہ مال نہ رہنے میں بھی ایک بزرگی ہے' اگرچہ انسان حریص ہو۔

درویشی کی فضیلت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لِلْفُقَرَآءَ الْمُهَاجِرِیْنَ اس ارشاد میں درویشی کو ہجرت پر مقدم فرمایا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "حق تعالیٰ تنگ دست پارسا کو دوست رکھتا ہے۔" اور فرمایا ہے کہ "اے بلال کوشش کرو تاکہ جب تم اس جہان سے جاؤ تو درویشی کی حالت میں نہ کہ تونگری کی۔" مزید ارشاد فرمایا کہ "میری امت کے درویش' بہشت میں تونگروں سے پانچ سو برس پہلے جائیں گے۔" ایک روایت میں پانچ سو برس کے بجائے "چالیس برس" مذکور ہے۔ شاید چالیس برس جہاں فرمایا اس سے مراد حریص درویش اور پانچ سو برس جہاں فرمایا اس سے درویش قانع مراد ہو۔ حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "میری امت کے بہترین لوگ "فقیر" لوگ ہیں اور وہ لوگ جو چستی و چالاکی سے بہشت کی سیر کریں گے وہ امت کے ضعیف اور کمزور لوگ ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میرے دو پیشے ہیں جس نے ان دونوں کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا۔ ایک پیشہ درویشی ہے اور دوسرا جہاد۔" روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ اللہ نے آپ کو

سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو ہم روئے زمین کے پہاڑوں کو سونا بنادیں تاکہ جہاں کہیں آپ کی مرضی ہو آپ کے ساتھ آیا کریں۔ حضرت علیہ ﷺ نے فرمایا کہ اے جبرائیل علیہ السلام دنیا مسافروں کا گھر ہے اور مال بے مال والوں کا ہے اور دنیا میں مال جمع کرنا بے عقلوں کا کام ہے تب جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یُثَبِّتُکَ اللّٰہُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (اللہ آپ کو ثبات دے اس قول ثابت کے ساتھ) اور عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ایک سوئے ہوئے شخص پر ہوا آپ نے اس سے کہا کہ اٹھ اور خدا کو یاد کر اس شخص نے کہا کہ اب مجھے کس بات کی تکلیف دی جائے گی کہ میں دنیا تو دنیا والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں' تب عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اے دوست اب فراغت کے ساتھ آرام کرو۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک شخص پر گذر ہوا جو ایک اینٹ پر سر رکھے سو رہا تھا' آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی! تیرا یہ بندہ پامال ہو رہا ہے اور اس کے پاس کچھ بھی مال نہیں ہے۔ تب وحی نازل ہوئی' رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تم نہیں جانتے کہ میں جس کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہوتا ہوں' اس کو دنیا سے بالکل الگ رکھتا ہوں۔

ابو رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ علیہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا۔ اس وقت آپ علیہ ﷺ کے پاس کچھ (خرچ) موجود نہ تھا آپ علیہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ خیبر کے فلاں یہودی کے پاس جاؤ اور میرے لیے تھوڑا سا آٹا قرض لے آؤ۔ یہودی نے قسم کھائی کہ میں نہیں دوں گا جب تک کوئی چیز اس کے بدلہ گرو نہ رکھی جائے گی' میں نے اس کا جواب رسولِ خدا علیہ ﷺ کو پہنچایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں آسمان و زمین میں امین ہوں اگر وہ دیتا تو میں اس کا قرض ضرور ادا کرتا۔ اب میری یہ بکتر لے جاؤ اور گرو رکھ دو۔ میں نے آپ علیہ ﷺ کی بکتر گرو رکھ کر آٹا لے لیا۔ تب یہ آیت حضور اکرم علیہ ﷺ کی خوشنودی کے لیے نازل ہوئی وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاهُ (آلایۃ) (یعنی آپ علیہ ﷺ کو دنیا اور دنیاداروں کی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہ دیکھئے کہ یہ تمام (دنیاوی) چیزیں ان کے حق میں تو بھلاوا ہیں اور جو چیز آپ علیہ ﷺ کے لیے حق کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور دیرپا ہے۔")

کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ موسیٰ جب تم پر درویشی آئے تو تم اس کو کہو! مرحبا اے شعارِ صالحین! حضور اکرم علیہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہشت مجھے دکھایا گیا کہ اس کے رہنے والے درویش تھے اور دوزخ بھی دکھایا گیا اس کے رہنے والے اکثر تونگر تھے۔ اور فرمایا کہ میں نے بہشت میں دیکھا کہ وہاں عورتیں کم ہیں جب میں نے دریافت کیا کہ عورتیں کہاں ہیں تو مجھے بتایا گیا' ان کو زیور اور رنگین لباس نے قید میں ڈالا ہے۔ (شَغَلَهُنَّ الْاَحْمَرَانِ الذَّهَبُ وَالزَّعْفَرَانُ)

روایت ہے کہ کسی پیغمبر (علیہ السلام) کا گذر دریا کے کنارے پر ہوا انہوں نے ایک مچھیرے کو دیکھا کہ اس نے خدا کا نام لے کر جال دریا میں پھینکا لیکن اس کے جال میں ایک مچھلی بھی نہیں پھنسی' ایک دوسرے مچھیرے نے شیطان کا نام لے کر دریا میں جال ڈالا تو بہت سی مچھلیاں اس کے جال میں پھنس گئیں۔ ان پیغمبر علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ تیری ہی طرف سے ہے لیکن مجھے یہ بتادے کہ اس میں کیا حکمت ہے خداوند تعالیٰ

نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان دونوں مچھیروں کی جگہ جنت اور دوزخ میں ان کو دکھادو۔ جب پیغمبر نے دونوں کی جگہ دیکھ لی تو کہا الٰہی اب میری تسلی ہو گئی۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ پیغمبروں میں سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے سلیمان بن داؤد علیہ السلام ہیں اور میرے اصحاب میں عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) سب سے آخر میں بہشت میں داخل ہوں گے کیونکہ یہ دونوں حضرات تونگر تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تونگر بہت دشواری سے جنت میں جائے گا اور حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جب خداوند تعالیٰ کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کو طرح طرح کی آفتوں میں گرفتار کرتا ہے اور جب کسی کو بہت زیادہ دوست رکھتا ہے تو افتنا کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! (ﷺ) افتنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا افتنا یہ ہے کہ نہ اس شخص کا مال باقی رہے نہ اہل و عیال۔

موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ بارالہا! مخلوق میں تیرے دوست کون ہیں تاکہ میں بھی ان کو دوست رکھوں، حق تعالیٰ نے فرمایا جس جگہ درویشی کامل طور پر ہے وہی میرا دوست ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن درویش اور مفلس کو لایا جائے گا اور جس طرح لوگ آپس میں ایک دوسرے سے معذرت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس درویش سے عذر خواہی فرمائے گا اور کہے گا کہ میں نے دنیا کو جو تجھ سے دور رکھا اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تجھے ذلیل و خوار کروں بلکہ اس لیے ایسا کیا کہ بہت سی خلعتیں اور بزرگیاں میری طرف سے تجھ کو عطا ہوں، ان لوگوں کی صفوں میں جا اور جس نے تجھ کو میرے لیے ایک دن کھانا کھلایا ہو یا کپڑا پہننے کو دیا ہو اس کی دستگیری کر کیونکہ میں نے اس کو دنیا میں تیرے کام میں مشغول کیا تھا، اس دن لوگ پسینے میں غرق ہوں گے وہ ایسے شخص کا ہاتھ جا کر پکڑ لے گا جس نے اس کے ساتھ دنیا میں احسان کیا تھا اور اس کو باہر نکال لائے گا۔"

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم درویشوں سے دوستی رکھو اور ان پر احسان کرو کیونکہ ان کے راستہ میں دولت رکھی ہے۔ اصحاب نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ کونسی دولت ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت میں درویشوں سے کہیں گے کہ جس کسی نے تم کو روٹی کا ایک ٹکڑا دیا ہے یا پانی کا ایک گھونٹ پلایا ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب مخلوق مال جمع کرنے اور دنیا بنانے کی طرف بالکل مائل ہو جائے گی، خداوند تعالیٰ ان پر چار بلائیں مسلط فرمادے گا۔ ایک قحط، دوسرے بادشاہ کا ظلم، تیسرے قاضیوں کی خیانت، چوتھے کافروں اور دشمنوں کی قوت اور شوکت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسے شخص پر لعنت ہو گی جو درویشی اور مفلسی کے سبب کسی کی تحقیر کرے گا اور تونگری کے باعث دوسرے کو عزیز رکھے گا۔ بزرگوں کا ارشاد ہے۔ کہ کسی مجلس میں حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس کے سوا مالدار خوار و ذلیل نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ ان کو اپنی مجلس میں آگے نہیں بیٹھنے دیتے تھے بلکہ ان کو آخری صف میں جگہ دیتے تھے اور درویش کو اپنے نزدیک بٹھاتے تھے۔ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے فرزند! جس شخص کا لباس پرانا ہو اس کو حقیر نہ

سمجھنا کیونکہ تیرا اور اس کا خدا ایک ہی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اگر تو دوزخ سے بھی ایسا ہی ڈرتا ہوتا جیسا درویشی سے، تو دونوں سے بے فکر ہو جاتا اور تو بہشت کی طلب ایسی ہی کرتا جیسے دنیا کی کرتا ہے تو دونوں تجھے میسر ہو جاتے اور باطن میں خدا کا ایسا خوف کرتا جیسا ظاہر میں لوگوں سے ڈرتا۔ تو دونوں جہان میں تو نیک بخت ہوتا۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے دولت قبول نہیں کی: ایک شخص حضرت ابراہیم ادھم کی خدمت میں ہزار درہم لے کر حاضر ہوا اور اس نے بہت خوشامد اور التجا کی کہ آپ قبول کر لیں لیکن آپ نے وہ درہم نہیں لیے اور اس شخص سے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ اس رقم کے لیے میں اپنا نام درویشوں کے دفتر سے خارج کرا دوں، میں ہرگز ایسا کام نہیں کروں گا۔"

حضرت رسولِ خدا ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم چاہتی ہو کہ کل قیامت میں تم کو میری ملاقات حاصل ہو تو درویشوں کی طرح زندگی بسر کرو اور مالداروں کے ساتھ بیٹھنے سے پرہیز کرو اور جب تک لباس میں پیوند نہ لگ جائیں اس کو مت نکالو (پہنتی رہو)۔

قانع درویش کی فضیلت: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جس شخص کو اسلام کی طرف راستہ دکھایا گیا اور بقدر کفایت روزی دی گئی اور اس نے اس پر قناعت کی وہ نیک نصیب ہوگا" آپ کا ارشاد ہے کہ اے درویشو! دل سے درویشی پر راضی ہو تاکہ فقر کا ثواب حاصل ہو، ورنہ یہ ثواب حاصل نہیں ہوگا اس حکم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حریص درویش کو ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ اگرچہ دوسری احادیث میں درویشی پر ثواب ملنے کی صراحت موجود ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کی ایک کلید ہے اور بہشت کی کلید صابر درویشوں کی دوستی ہے کیونکہ وہ قیامت میں خداوند تعالیٰ کے ہم نشین ہوں گے۔" اور ارشاد فرمایا ہے "خداوند تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں بہت زیادہ دولت مند وہ بندہ ہے جو اس پر قناعت کرے جس قدر اس کو ملا ہے اور اس روزی پر حق سے راضی رہے جو اس کو عطا کی گئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت میں درویش اور تونگر دونوں آرزو کریں گے کہ کاش! ہم دنیا میں اپنی خوراک سے زیادہ اور کچھ نہ پاتے۔"

حق تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے اسماعیل! تم مجھے شکستہ خاطروں کے نزدیک پاؤ گے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ الٰہی! وہ کون لوگ ہیں؟ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ درویشانِ صادق ہیں! حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے، قیامت کے دن حق تعالیٰ فرشتوں سے دریافت فرمائے گا۔ "میرے خاص اور مقبول بندے کہاں ہیں؟ ملائک عرض کریں گے بار الٰہا! وہ کون لوگ ہیں؟ حق تعالیٰ فرمائے گا وہ مومن درویش جو میری بخشش پر راضی تھے۔ ان سب کو جنت میں لے جاؤ وہ بہشت میں پہنچ جائیں گے جب کہ دوسرے لوگ ابھی حساب دیتے ہوں گے۔"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جو آدمی دنیا کے زیادہ ہونے پر خوش ہو اور عمر کے کم ہونے (گھٹنے) پر غم گین نہ ہو اس کی عقل میں فتور ہے! سبحان اللہ! اس دنیا میں کیا خوبی ہے جس کے زیادہ ہونے سے عمر میں نقصان ہوتا ہے۔ ایک شخص عامر بن عبد قیسؓ کے پاس گیا اس وقت وہ جو کی روٹی اور سبزی کھا رہے تھے اس شخص نے دریافت کیا کہ کیا تم نے دنیا سے بس اتنے ہی پر قناعت کر لی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس سے کم مرتبہ اور کم پر قناعت کیے ہوئے ہیں' اس شخص نے پوچھا وہ کون ہے؟ جواب دیا کہ وہ جس نے دنیا دے کر آخرت خریدی ہے وہ اس سے بھی کم پر قناعت کرتا ہے۔ "ایک روز حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھے' اتنے میں ان کی بیوی آئیں اور کہا کہ تم یہاں بے فکر بیٹھے ہو۔ خدا کی قسم آج گھر میں کچھ خرچ کو نہیں ہے۔ انہوں نے کہا اے بیوی! ہمارے سامنے ایک مشکل اور دشوار گذار پہاڑ ہے اس پر وہ گذر سکے گا' جو سبکبار ہو گا۔ یہ سن کر ان کی بیوی خوش ہو کر واپس چلی گئیں۔

فصل: اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ درویش صابر بہتر ہے یا تونگر شاکر۔ حق یہ ہے کہ درویش صابر' تونگر صابر سے بہتر ہے۔ کیونکہ جو روایتیں اب تک ہم نے بیان کی ہیں سب اسی بات پر دلیل ہیں۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ اس حقیقت کو معلوم کرو تو سمجھو کہ جو چیز آدمی کو ذکر خدا اور محبتِ الٰہی سے روکے وہ اس کے حق میں بری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کسی کو درویشی ذکرِ الٰہی سے روکتی ہے اور کسی تو انگری باز رکھتی ہے اور تشریح اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس قدر روزی کا ملنا جو کافی ہو نہ ملنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اتنی روزی دنیاداری میں داخل نہیں ہے بلکہ زادِ آخرت ہے۔ اس لیے حضرت ﷺ نے فرمایا' الٰہی! آل محمد کو روزی بقدر ضرورت عطا فرمانا۔ پس جو ضرورت سے زیادہ ہو اس کا نہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب حرص و قناعت میں انسان کا حال یکساں ہو' کیونکہ درویش حریص اور توانگر حریص دونوں دنیا کے مال کے شائق اور اس کے حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن درویش کی صفات بشری شکست کھا جاتی ہیں۔ جب وہ محنت اور رنج اٹھاتا ہے تو دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور جس قدر مومن کے دل میں دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اسی قدر خدا کی محبت زیادہ ہو جاتی ہے اور جب دنیا اس کے لیے قید خانے کی طرح ہو گی تو اگرچہ وہ اس قید سے بیزار رہا تو مرتے وقت بھی اس کا دل دنیا کی طرف ملتفت نہیں ہو گا۔ اور مالدار جو دنیا سے نفع حاصل کرتا ہے اور اس سے مانوس ہو جاتا ہے اس کو دنیا سے جدا ہونا بہت شاق ہوتا ہے۔ موت کے وقت بھی اس کا دل دنیا میں لگا رہتا ہے۔ پس ان دونوں کے دلوں میں بڑا فرق ہے بلکہ درویش اور توانگر کی عبادت اور مناجات میں بھی ایسا ہی فرق ہے۔ کیونکہ وہ لذات جو درویش کو ذکر الٰہی میں حاصل ہوتی ہے توانگر کو ہرگز نہیں حاصل ہوتی ہے۔ توانگر کا یہ ذکر محض زبان اور اوپری دل سے ہو گا اور جب تک دل محبت کا زخم اور محبت کا چوٹ کھایا ہوا نہ ہو ذکر کی لذت اس کے باطن میں نہیں پائی جائے گی۔ اگر دونوں کو قناعت میں برابر مان بھی لیا جائے تب بھی درویش کو فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اگر درویش حریص ہے اور توانگر

شاکر اور قانع ہے اور اسی صورت میں مال اس نسے لے لیا جاتا ہے تو اس کو اتنا غم نہیں ہو گا اور وہ شکر گذاری پر ثابت و قائم رہے گا۔ کیونکہ توانگر شاکر کا دل قناعت سے صفا حاصل کرتا ہے اور دنیا کی راحت سے انس حاصل نہیں کرتا لیکن حریص درویش کا دل حرص کے سبب سے ناپاک رہتا ہے لیکن محنت و غم کے باعث اس کو بھی صفا حاصل ہوتی ہے تو اس صورت میں دونوں کا درجہ یکساں ہے' ان دونوں کی دوری اور نزدیکی خداوند تعالیٰ سے اسی قدر ہو گی جس قدر کہ ان کا دل دنیا سے فارغ یا وابستہ ہے۔

اگر تونگر کا دل ایسا صابر ہے کہ مال ہونا یا نہ ہونا اس کے نزدیک یکساں ہے اور اس کا دل دنیا سے فارغ ہے اور جو کچھ اس کے پاس موجود ہے وہ خلق کی حاجت روائی کے لیے رکھا ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دن ایک لاکھ درہم صدقہ میں دیئے لیکن روزہ افطار کرنے کے لیے وہ ایک درم کا گوشت نہ خرید سکیں اور توانگر کا یہ درجہ اس درویش کے درجہ سے افضل اور برتر ہے جس کے دل میں یہ صفت نہ ہو لیکن جب دونوں کا حال تم یکساں فرض کرو تو اس صورت میں درویش کو فضیلت ہے کیونکہ مالداروں کا تو افضل کام یہی ہے کہ وہ صدقہ دیں اور خیرات کریں۔ باوجود اس کے حدیث شریف میں آیا ہے کہ چند درویشوں نے رسولِ خدا ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ مالداروں نے دنیا اور آخرت کا ثواب بہت کما لیا ہے۔ کیونکہ وہ صدقہ دیتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور حج اور جہاد کرتے ہیں اور درویش اور فقیر یہ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے درویشوں کے اس قاصد کی تکریم کی اور فرمایا مَرْحَبًا بِکَ وَبِمَنْ جِئْتَ مِنْ عِنْدِھِمْ تو ایسے لوگوں کے پاس سے آیا ہے جن کو میں دوست رکھتا ہوں ان سے کہہ دے کہ جو شخص درویشی پر خدا کے واسطے صبر کرے گا اس کو تین ایسے درجے حاصل ہوں گے جو مالداروں کو میسر نہیں ہوں گے کہ ان کے لیے بہشت میں ایسے بلند محلات ہیں' جو بہشت والوں کی نظر میں ستاروں کی مانند بلند نظر آئیں گے جیسے زمین والوں کو ستارے بلند نظر آتے ہیں۔ یہ یا تو درویش پیغمبر کا مقام ہے یا درویش مومن کا یا شہید درویش کا مقام ہے۔ دوسرے یہ کہ درویش توانگروں سے پانسو برس پہلے جنت میں جائیں گے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ جب کوئی درویش سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ایک بار کہے گا اور توانگر بھی اس کو کہے اور اس کے ساتھ ہی ہزار درہم صدقہ میں دے جب بھی وہ اس کے درجہ کو نہیں پہنچے گا۔ جب درویشوں نے یہ بات سنی تو کہا رضینا رضینا ہم راضی ہوئے' ہم راضی ہوئے۔ درویش کا سبحان اللہ کہنا حضور علیہ السلام نے اس لیے فرمایا کہ ذکر ایک بیج کے مانند ہے جب بندے کا دل دنیا سے فارغ' غمگین اور شکستہ رہے گا تو اس میں یہ ذکر بڑی تاثیر کرتا ہے اس کے برخلاف توانگر جو دنیا سے خوش ہے تو یہ ذکر اس کے دل سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے پانی سخت پتھر سے گذر جاتا ہے۔

پس جب ہر ایک کا درجہ اتنا ہی ہے جتنا وہ خدا سے نزدیکی حاصل کرلے اور ذکر و محبت میں مشغول رہے اور اس کی یہ مشغولی اتنی زیادہ ہو جتنی اس کو دوسری چیزوں سے نفرت ہو اور توانگر کے دل میں ایسی انسیت موجود نہیں ہے پس وہ درویش کے ساتھ کب برابر ہو سکتا ہے۔ اگر توانگر مال رکھتا ہو اور وہ پھر بھی خود کو مال سے فارغ رکھے (حالانکہ اس میں

دھوکا ہو سکتا ہے) اس گمان کی صحت کی علامت یہی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا کہ اپنا تمام مال خرچ کر ڈالا اور اس کو ہیچ سمجھتی تھیں۔ اگر ایسا ممکن ہو کہ آدمی مال رکھتے ہوئے خود کو بے مال والا سمجھے تو رسول خدا ﷺ دنیا سے اتنا حذر کیوں فرماتے اور دوسروں کو حذر کرنے کا حکم کیوں فرماتے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ پر دنیا نے ایک روز خود کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے دور ہو' مجھ سے دور ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دنیاداروں کے مال کو مت دیکھو اس کے پرتو سے تمہارے ایمان کی حلاوت جاتی رہے گی' اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ جب تمہارے دل میں مال کی حلاوت پیدا ہوتی ہے تو وہ ذکرِ الٰہی کی حلاوت کو روکتی ہے کیونکہ دو حلاوتیں ایک دل میں نہیں رہ سکتیں اور دنیا دو چیزوں سے خالی نہیں ہے۔ ایک ذات حق اور دوسری غیر حق۔ اب جس قدر تم اپنا دل ماسوی اللہ سے لگاؤ گے اسی قدر تمہارا دل حق تعالیٰ سے ٹوٹے گا اور دور ہو گا۔ اور جتنا غیر اللہ سے دل ٹوٹے گا اسی قدر حق سے قریب ہو گا۔"

شیخ ابو سلیمان دارانی ؒ فرماتے ہیں کہ نامرادی سے ایک آہ درویشی کی حالت درویشی کی حالت میں کرنا تونگر کی ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے۔ "کسی شخص نے شیخ بشر حافی ؒ سے کہا میرے واسطے دعا کیجئے کہ میں صاحب عیال اور مجبور ہوں انہوں نے جواب دیا کہ جب تمہاری بیوی تم سے کہے کہ روٹی اور آٹا گھر میں موجود نہیں ہے اور اس کے کہنے پر تم یہ چیزیں خرید کر (بوجہ مفلسی کے) نہ لا سکو اس وقت تم میرے حق میں دعا کرنا کہ ایسے وقت میں تمہاری دعا میری دعا سے بہتر ہو گی۔

درویشی کے آداب

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ درویشی کے بہت سے آداب ہیں' ایک ادب یہ ہے کہ انسان باطن میں راضی برضائے الٰہی رہے اور ظاہر میں شکایت نہ کرے۔ درویش کا باطن تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ایک تو یہ کہ وہ درویشی میں شاکر اور خوش رہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ درویشی حق تعالیٰ کی خاص عنایت ہے جو وہ اپنے دوستوں پر کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ درویشی میں خوش رہنے کا اس میں اگر حوصلہ نہیں ہے تو حق تعالیٰ کے اس فعل سے کراہت نہ کرے۔ اگرچہ وہ درویشی سے بیزار ہو۔ جیسے کوئی شخص حجامت کی زحمت سے کراہت کرے لیکن حجام سے ناراض نہ ہو۔ تیسری حالت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اس فعل سے کراہت کرے' اور یہ حرام ہے۔ یہ کراہت درویشی کے اجر کو باطل کر دیتی ہے بلکہ ہر وقت اس کو مکروہ سمجھنا بندگی کے خلاف ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ ظاہر میں ہر درویش کو لازم ہے کہ شکایت نہ کرے اور اپنی محنت اور تکلیف پر برداشت کا پردہ پڑا رہنے دے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ درویشی کبھی عذاب کا سبب ہو جاتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ انسان اس درویشی پر بدخوئی کا اظہار کرے اور قضائے الٰہی سے خفا ہو اور کبھی سعادت کا سبب بنتی ہے اس کی علامت نیک خوئی اور شکر گزاری اور شکایت نہ کرنا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ درویشی اور افلاس کو پوشیدہ رکھنا ایک معمور خزانہ کا حکم رکھتا ہے۔

درویشی کے دوسرے آداب یہ ہیں کہ تونگروں کے ساتھ اختلاط نہ کرے اور ان کے سامنے عاجزی اور انکساری

نہ کرے اور حق گوئی میں ان کا لحاظ وپاس نہ کرے۔ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی درویش تونگر کے پاس آئے تو سمجھ لو کہ وہ درویش ریاکار ہے اور اگر وہ کسی بادشاہ کے حضور میں جائے تو جان لو کہ وہ چور ہے۔ درویش کو چاہیے کہ بعض اوقات اپنی حاجت کو موقوف کردے اور دوسرے کی حاجت پوری کردے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کبھی ایک درم ایک لاکھ درہم پر سبقت لے جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ایسا کب ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو درہم ہوں اور وہ ایک درہم کسی کو خیرات دے دے تو یہ ان لاکھ درہم دینے سے افضل ہے جو ایک توانگر کسی کو دیتا ہے۔

عطا قبول کرنے کے آداب: جس چیز میں شبہ ہو اس کو قبول نہ کرے نہ اپنی حاجت سے زیادہ لے ایسا صرف اس صورت میں کرے جبکہ درویشوں کی خدمت کرتا ہو۔ پس اگر بر ملا لے کر در پردہ فقراء کو دے گا تو یہ درجہ صدیقوں کا ہے۔ اگر ایسا کام نہیں کر سکتا تو پھر اپنی ضرورت سے زیادہ قبول نہ کرے تاکہ خود صاحب مال مستحق لوگوں کو دے دے۔ مال دینے والے کی نیت کا معلوم کرنا ضروری ہے اس لیے کہ دینا یا تو ہدیہ کے طور پر ہوگا یا وہ صدقہ ہوگا یا پھر بطور ریا کے دیا گیا ہوگا۔ تو جو مال ہدیہ ہے اس کا قبول کرنا سنت ہے بشرطیکہ دینے والا احسان نہ جتائے اور اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ ایک چیز کے دینے میں احسان ہے اور دوسری چیز کے دینے میں یہ منت واحسان نہیں ہے تو اس چیز کو قبول کرے جس میں منت واحسان نہ ہو۔

روایت ہے کہ کسی شخص نے سرور کونین ﷺ کی خدمت میں گھی، پنیر اور ایک گوسفند بطور ہدیہ پیش کی۔ حضور اکرم ﷺ نے گوسفند کو قبول نہیں فرمایا اور باقی دو چیزیں قبول فرمالیں۔" کسی شخص نے شیخ فتح موصلیؒ کے پاس پچاس درہم بھیجے۔ انہوں نے کہا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی کو بغیر سوال کے کچھ دیا جائے اور وہ اس کو رد کردے تو گویا اس نے خداوند تعالیٰ پر رد کیا اس لیے انہوں نے اس میں سے ایک درہم لے لیا اور باقی واپس کر دیئے حضرت حسن بصریؒ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ایک روز کسی شخص نے حسن بصریؒ کی خدمت میں درہموں کی تھیلی اور بہت عمدہ لباس ان کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے قبول نہیں کیا اور کہا جو شخص حدیث کی مجلس منعقد کر کے لوگوں سے کچھ نذرانہ لے گا وہ قیامت میں باری تعالیٰ کو اس طرح دیکھے گا کہ اس کا اجر اس کے پاس موجود نہیں ہوگا (اللہ تعالیٰ اس کو اجر نہیں دے گا)۔ اور حسن بصریؒ نے اسی وجہ سے قبول نہیں کیا کہ ان کی نیت مجلسِ حدیث منعقد کرنے سے فقط ثواب آخرت تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ نذرانہ اسی مجلس کے سبب سے تھا لہٰذا انہوں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ ان کا وہ خلوص جاتا رہے۔

ایک شخص نے اپنے کسی دوست کو کچھ تحفہ دیا اس شخص نے کہا کہ مجھے تحفہ مت دو اور بتاؤ کہ جب میں اس تحفے کو قبول کرلوں گا تو کیا میری قدر تمہارے دل میں زیادہ ہوگی، جو میں اس کو قبول کرلوں۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ

کسی شخص سے کچھ قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر مجھے یہ یقین ہو تا کہ دینے والا مجھ پر احسان نہیں جتائے گا یا شیخی نہیں بگھارے گا تو میں ضرور قبول کر لیا کروں۔ ایک شخص ایسا تھا کہ اپنے خاص دوستوں سے لے لیتا اور غیروں سے کچھ نہیں لیتا تھا غرضیکہ سب لوگوں کے احسان سے بچتے تھے۔ شیخ بشر حافی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی سے کبھی کچھ نہیں مانگا صرف ایک بار شیخ سری سقطیؒ سے سوال کیا تھا' کیونکہ میں ان کے زہد سے واقف تھا۔ وہ ہمیشہ اس بات سے خوش ہوا کرتے تھے کہ ان کے ہاتھ سے کچھ خرچ ہو۔ لیکن جب کوئی شخص ریا کی نیت سے دے تو اس کا نہ لینا زیادہ بہتر ہے چنانچہ ایک بزرگ نے کسی کی دی ہوئی چیز واپس کر دی' لوگوں نے اس بات کا برا مانا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے تو ان پر احسان کیا ہے کہ اگر میں ان کا عطیہ قبول کر لیتا تو وہ مجھ پر احسان جتاتے۔ ان کا مال بھی جاتا اور ثواب بھی۔

اگر کوئی شخص صدقہ کی نیت سے دے تو اگر اس کا اہل نہیں ہے تو نہ لے اور اگر محتاج اور ضرورت مند ہے تو رد کرنا مناسب نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کسی کو بغیر مانگے کوئی چیز دی جائے اور وہ اس کو نہ لے تو اس آفت میں مبتلا ہو گا کہ وہ مانگے گا اور لوگ اس کو نہیں دیں گے۔ حضرت سری سقطیؒ امام احمد رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے اور وہ اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک بار سری سقطیؒ نے ان سے کہا کہ اے امام احمد رد کرنے کی آفت سے بچو انہوں نے فرمایا کہ یہ بات پھر کہو سری سقطی نے اپنی بات دہرائی! امام احمدؒ نے تامل کرنے کے بعد کہا کہ میرے پاس ایک مہینہ کا خرچ موجود ہے۔ یہ تم اپنے پاس رہنے دو جب وہ خرچ ختم ہو جائے گا تو میں لے لوں گا۔

بغیر ضرورت کے سوال کرنا حرام ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ سوال کرنا بھی فواحش (برے کاموں) میں سے ہے اور فواحش سوائے ضرورت کے حلال نہیں ہوتے۔ سوال اس لیے فواحش میں داخل ہے کہ اس میں تین قباحتیں موجود ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی مفلسی کا اظہار کرنا خداوند تعالیٰ کی شکایت ہے۔ جس طرح کسی کا غلام اگر دوسرے شخص سے کچھ طلب کرے تو گویا اس نے اپنے مالک کو عیب لگایا اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے نہ مانگے اور شکایت کے طور پر نہ مانگے' دوسری قباعت یہ ہے کہ مانگنے والا خود کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور مومن کو سزاوار نہیں کہ اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کے حضور کے سوا دوسرے کے سامنے ذلیل نہ کرے اس کا علاج یہ ہے کہ حتی المقدور آشنا' قرابت دار یا ایسے شخص سے مانگے جو اس کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور اس کو ذلیل نہ ہونا پڑے اور جب تک یہ بات ممکن نہیں ہے بغیر شدید ضرورت کے کسی سے سوال نہ کرے۔

تیسری قباحت یہ ہے کہ سوال کرنے سے دوسرے کو رنج پہنچتا ہے۔ شاید وہ جو کچھ دے شرم کے باعث دے یا ریا سے دے کیونکہ نہ دینے کی صورت میں اس کو طعن اور بدگوئی کا ڈر ہے۔ پس ایسا شخص جو کچھ دے گا آزردگی سے دے گا خوشی سے نہیں دے گا' اگر مانگنے والے کو یہ خوف ہے کہ اگر مانگنے پر اس کو نہیں دیا گیا تو شرمساری اور ملامت کے رنج میں مبتلا ہو گا۔ تو اس سے نجات کی صورت یوں ہو گی کہ صراحتاً نہ مانگے بلکہ کنایتہً جس سے اس کا انجام ہونا ممکن ہو' اگر صراحتا

مانگنا پڑے تو ایک شخص کا تعین نہ کرے بلکہ جماعت سے مانگے۔ مگر جہاں ایک ہی شخص توانگر ہے اور سب اس سے ملنے کی امید رکھتے ہیں اور نہیں دیتا تو ملامت کرتے ہیں۔ پس اس صورت میں علی العموم مانگنے سے بھی تعین ہی ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر کسی ایسے دوسرے شخص کی خاطر مانگتا ہے جس کو زکوٰۃ دینا درست ہے تو ایسے آدمی سے مانگنا جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے مانگ سکتا ہے خواہ اس میں اس کو آزردگی اور رنج برداشت کرنا پڑے تب بھی درست ہے' اگر مانگنے والا خود مستحق زکوٰۃ ہے لیکن دوسروں کے طعن اور تشنیع کے ڈر سے دوسروں کو دے رہا ہے تو اس کا مال لینا حرام ہو گا کیونکہ یہ ایک طرح کا تاوان ہے۔ لیکن ظاہری فتویٰ میں زبان پر نظر رکھی جاتی ہے لیکن اس جہان میں دل کے فتویٰ پر اعتماد کیا جاتا ہے (زبان کا فتویٰ تو اس دنیا میں کام آتا ہے کہ یہ دنیا کے بادشاہوں کا قانون ہے) جب دل یہ گواہی دے کہ فلاں شخص ناگواری سے دے رہا ہے تو اس کا لینا حرام ہو گا۔ اس تمام گفتگو سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سوال کرنا حرام ہے مگر بہ کمال ضرورت یا شدید احتیاج در پیش ہو' لیکن شان و شوکت یا اچھے کھانے یا عمدہ لباس پہننے کے لیے بھیک مانگنا درست نہیں ہے۔ گداگری اور بھیک مانگنا ایسے شخص کو سزاوار ہے کہ عاجز اور لاچار ہو۔ اور کمانے کی اس میں قوت نہ ہو۔ یا وہ کسب کی قوت تو رکھتا ہے لیکن علم دین کے حصول کا شوق ہے اگر کسب کرتا ہے تو علم سے محروم رہ جائے گا۔ عبادت کی مشغولیت کو بہانہ بنا کر بھیک مانگنا درست نہیں ہے بلکہ کسب واجب ہے۔ جب کسی کو کھانے پینے کی ضرورت ہو اور اس کے پاس ایک کتاب ہے جس کی اس کو ضرورت نہیں ہے' یا جانماز' ازار یا مرقع اس کے پاس زیادہ موجود ہے تو اس صورت میں سوال کرنا حرام ہو گا۔ اس کو چاہیے کہ پہلے اس کو فروخت کرے اور اس سے اپنی حاجت پوری کرے۔ اپنے اور اپنے بچوں کی شان و شوکت اور دکھاوے کے واسطے بھیک مانگنا حرام ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کچھ پاس رکھتے ہوئے سوال کرے گا وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا کہ اس کے منہ پر صرف ہڈیاں ہوں گی اور گوشت گر پڑا ہو گا' حضور اکرم ﷺ نے مزید فرمایا ہے کہ جو شخص بھیک مانگے اور اس کے پاس کچھ موجود ہو تو وہ جو کچھ لیتا ہے وہ دوزخ کی آگ ہے خواہ کم لے یا زیادہ لے لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کس قدر مال پاس ہونے سے سوال کرنا حرام ہو گا کہ ایک حدیث میں شام اور صبح کی روزی فرمایا گیا ہے اور ایک حدیث میں پچاس درہم کا مالک ہونا بتایا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس درہم سے مراد پیسے ہیں' ایسے شخص کے لیے جو تنہا ہو۔ کیونکہ پچاس درہم تو اس کے ایک سال کے لیے کافی ہوں گے اور جب کوئی اس قدر مال نہیں رکھتا ہے اور خیرات و صدقات کا وقت (سال میں) ایک ہی وقت ہے۔ اگر اس وقت نہیں مانگے گا تو سارا سال محتاج رہے گا۔ تو بقدر ضرورت سوال کرنا روا ہے اور شام و صبح کی روزی رکھنے والے شخص کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص جو ہر روز بھیک مانگتا ہو پس ہر روز اس کے حق میں دوسرے شخص کے سال کا حکم رکھتا ہے یہ بات مدت کے بارے میں بیان فرمائی گئی۔

حاجت کی قسمیں : مطلق حاجت کی تین قسمیں ہیں۔ کھانا، کپڑا اور گھر۔ حضرت سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بنی آدم کو تین چیزوں کی حاجت ہوا کرتی ہے کھانا جو اس کو قوت پہنچائے، کپڑا جو اس کے بدن کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھے اور گھر جس میں وہ بود و باش کر سکے۔ گھر کا ساز و سامان بھی اسی شق میں داخل ہے۔ پھر اگر کوئی شخص کمبل یا ٹاٹ رکھتے ہوئے شطرنج اور قالین کے لیے سوال کرے گا تو درست نہیں اور مٹی کا برتن رکھتے ہوئے آفتابہ کا طالب ہوگا تو یہ مانگنا درست نہیں ہے، آدمی کی حاجتیں مختلف ہوا کرتی ہیں ان سب کا بیان کرنا دشوار ہے پس چاہیے کہ جب تک کوئی حاجت اور ضرورت شدید نہ ہو بھیک مانگنے کی ذلت سے گریز کرے۔

فصل : اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ درویشوں کے کئی درجے کئی قسم پر ہیں (یعنی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم کے کئی کئی درجے ہیں) حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا ہے کہ درویش کے تین درجے ہیں۔ پہلے درجہ والے مانگتے نہیں اور اگر ان کو دیا جاتا ہے تو قبول نہیں کرتے یہ لوگ اعلیٰ علیین میں روحانیوں کے ساتھ رہیں گے۔ دوسرے درجہ والے وہ ہیں جو مانگتے نہیں لیکن ان کو اگر دیا جائے تو قبول کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ مقربین کے ساتھ فردوس میں رہیں گے۔ تیسرے درجے والے وہ لوگ ہیں جو مانگتے ہیں لیکن بغیر ضرورت کے نہیں مانگتے۔ یہ لوگ اصحاب الیمین ہیں۔

شیخ ابراہیم ادہم نے شیخ شفیق بلخیؒ سے دریافت کیا کہ تم فقراء کو اپنے شہر میں کس حال پر چھوڑ آئے ہو انہوں نے جواب دیا کہ بہترین حال پر وہ جب کچھ پاتے ہیں تو شکر کرتے ہیں اور جب کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے کہا کہ میں نے بلخ کے کتوں کا بھی یہی حال دیکھا ہے۔ شفیق بلخیؒ نے کہا کہ تمہارے شہر کے درویشوں کی کیا صفت ہے اور ان کا کیا حال ہے انہوں نے جواب دیا کہ جب ان کو کچھ نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں اور جب کچھ پاتے ہیں تو دوسروں پر بخشش کر دیتے ہیں۔ شفیق بلخیؒ نے حضرت ابراہیم ادھمؒ کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ حقیقت یہی ہے (ایسا ہی ہونا چاہیے)۔

ایک شخص نے شیخ ابوالحسن نوری قدس سرہ کو دیکھا کہ ہاتھ پھیلائے کچھ مانگ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس شخص کو بہت تعجب ہوا، اس نے یہ بات حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے کہی۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تعجب مت کر اس نے لوگوں سے مانگنے کو ہاتھ نہیں پھیلائے تھے بلکہ خداوند تعالیٰ سے ثواب آخرت مانگنے کو ہاتھ اٹھایا ہوگا تاکہ ان کو پسند آئے اور اس کا بھی کچھ نقصان نہ ہو۔ شیخ جنید فرماتے ہیں کہ میں ایک ترازو لایا سو درہم اس میں تولے۔ پھر تھوڑے سے اور درہم اس میں لا کر ڈال دیئے اور اس شخص سے میں نے کہا کہ یہ تمام مال شیخ نوری کے پاس لے جاؤ مجھے اس بات سے بہت تعجب ہوا کہ وزن تو کسی چیز کی مقدار معلوم کرنے کے لیے ہوتا ہے شیخ جنیدؒ نے مقدار معلوم کر کے تھوڑے سے درہم اس میں اور ملا دیئے (مقدار معلوم کرنے کی مصلحت باقی نہ رہی) بہر حال میں اس مال کو شیخ نوریؒ کے پاس لے گیا اور کہا یہ رقم شیخ جنیدؒ نے بھیجی ہے قبول کیجئے۔ انہوں نے ترازو منگوائی سو درہم تول کر اٹھائے اور مجھے دے کر کہا کہ ان کو واپس دے دو۔ باقی

درم لے لیے اور فرمایا کہ جنیدؒ بہت دانشمند ہیں دونوں طرف کی رعایت رکھنا چاہتے ہیں' وہ شخص کہتا ہے کہ میرا تعجب پہلے سے بھی زیادہ ہوا۔ پھر میں پھیرا ہوا مال شیخ جنیدؒ کے پاس لے کر حاضر ہوا اور ان کو دے کر میں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ تھا' شیخ جنید نے فرمایا سبحان اللہ! جو اس کا حق تھا وہ اس نے لے لیا اور جو ہمارا حصہ تھا وہ پھیر دیا۔ یہ سو درہم میں نے ثواب آخرت کے لیے بھیجے تھے اور جو زیادہ تھا وہ خدا کے واسطے تھا جو میں نے ان کو دیا تھا وہ انہوں نے قبول کر لیا۔ اور میں نے اپنے مقصد کے خاطر جو سو درہم بھیجے تھے وہ انہوں نے واپس کر دیئے۔ اس زمانے کے درویش ایسے صاحبِ کمال ہوتے تھے اور ان کے دل ایسے صاف اور روشن تھے کہ بغیر زبانی گفتگو کے ایک دوسرے کی نیت سے واقف ہو جاتے تھے۔ اگر کسی درویش میں یہ صفت نہیں تو اس کو اس صفت کی تمنا کرنا چاہیے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس بات پر ایمان لائے۔

حقیقتِ زہد اور اس کی فضیلت

اے عزیز! معلوم ہوا کہ ایک شخص کے پاس گرمی کے وقت برف موجود ہے اس کو اس بات کی حرص ہے کہ جب پیاس لگے برف سے پانی ٹھنڈا کر کے پیئے۔ اتنے میں ایک دوسرا شخص اس برف کو قیمت دے کر لینا چاہتا ہے۔ پیسوں کی وجہ سے اس کی اس حرص میں کمی آگئی جواب تک برف کے ساتھ تھی۔ اس کے بجائے پیسوں کی محبت دل میں پیدا ہوئی اور وہ شخص دل میں کہنے لگا کہ آج میں گرم پانی ہی پی لوں گا اور صبر کروں گا کیونکہ یہ پیسے مجھے مدتوں تک کام آئیں گے اور برف کا کیا ہے وہ تو پگھل جاتا۔ پس مناسب یہ ہے کہ یخ کے عوض پیسے لے لوں۔ غور کرو کہ یہ بے رغبتی جو پیسوں کے مقابلہ میں اس کی طبیعت میں برف سے پیدا ہوئی اس کو زہد کہتے ہیں' عارف کا حال بھی دنیا کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا فانی اور ناپائیدار ہے جب اجل کا وقت آجائے تو اس دم اس کو چھوڑنا ہے اور جب آخرت پر نظر کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہ باقی اور پائیدار ہے اور فنا کا ہرگز اس میں دخل نہیں ہے اور دنیا کو ترک کیے بغیر اس کا حل ہونا دشوار ہے اس طرح دنیا اس کی آنکھوں میں حقیر نظر آتی ہے۔ اور وہ آخرت کے واسطے جو دنیا سے بہتر ہے' دنیا کو چھوڑ دیتا ہے اس حالت کو زہد کہتے ہیں بشرطیکہ یہ زہد ان چیزوں میں ہو جو مباح ہیں کہ ممنوعاتِ شریعت سے پرہیز کرنا تو ہر شخص پر فرض ہے (پس یہ شرطِ اوّل ہے)۔

دوسری صورت یہ کہ دنیا کمانے پر قدرت رکھتے ہوئے دنیا سے دست بردار ہو جائے لیکن جو شخص یہ قدرت نہیں رکھتا اس سے زہد نا ممکن ہے۔ زہد اس وقت ثابت ہو گا کہ اس کو کچھ دیا جائے اور وہ قبول نہ کرے۔ یہ بھی جاننا چاہیے کہ جب تک تجربہ نہ کیا جائے زہد معلوم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب قدرت پیدا ہوتی ہے تو نفس کی حالت بدل جائے گی اور فریب آشکارا ہو جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مال و جاہ دونوں کو ترک کر دے کیونکہ زاہد کامل وہی ہے جو دنیاوی لذتوں سے دست بردار ہو اور ان لذتوں کو آخرت کی لذتوں کے ساتھ بدل دے۔ یہ ایک ایسا سودا ہے جس میں بہت زیادہ نفع ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ پھر

ارشاد کیا فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ یعنی حق تعالیٰ نے مومنوں کے جان و مال کو بہشت کے عوض مول لے لیا ہے۔ پھر ارشاد کیا کہ یہ ایک سودا مبارک ہے تم اس سے شادر ہو (تم کو اس میں بڑا فائدہ حاصل ہو گا)۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص خود کو غنی بتلانے کے لیے کسی ایسی وجہ سے جس سے طلب آخرت مقصود نہ ہو' دنیا کے مال سے دستبردار ہو تا ہے تو اس کو زاہد نہیں کہا جائے گا۔ صاحبانِ معرفت کی نظر میں آخرت کے واسطے دنیا ترک کر دینا زہد کامل نہیں ہے۔ بلکہ زاہد کامل وہ ہے کہ آخرت سے بھی غرض نہ رکھے۔ اسی طرح جس طرح دنیا سے اس کو غرض نہیں ہے۔ کیونکہ بہشت میں بھی آنکھ' فرج اور پیٹ کے مطلوبات موجود ہیں بلکہ وہ جنت کی ان لذتوں کا بھی گرویدہ نہ ہو اور اپنے بلند منصب پر نظر کر کے ایسی چیزوں کی طرف جن میں حیوانات بھی شامل ہوں' ہر گز التفات نہ کرے بلکہ دنیا اور آخرت سے اس کی مراد حق تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہ ہو اور جو چیز معرفت الٰہی اور حق کے مشاہدے کے سوا ہو اس سے کچھ تعلق نہ رکھے اور ماسوائے اللہ اس کی آنکھوں میں حقیر ہو جائے۔ یہی عارفوں کا زہد ہے یہ بھی درست ہے کہ ایسا زاہد مال سے حذر نہ کرے۔ بلکہ مال قبول کر کے اس کو صحیح طریقے پر صرف کر دے مستحقوں کو پہنچا دے جس طرح حضرت امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال تھا کہ تمام روئے زمین کا مال آپ کے ہاتھوں میں ہو تا لیکن آپ اس سے فارغ رہتے' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک دن ایک لاکھ درہم اللہ کی راہ میں صرف کر دیئے اور اپنے کلیے ایک درہم کا گوشت نہیں خریدا' اب صورت یہ ہے کہ کوئی عارف تو ایسا ہو گا کہ ایک لاکھ درہم رکھتا ہو پھر بھی اس کو عارف کہا جائے اور کوئی شخص ایسا ہو گا کہ اس کے پاس ایک درہم بھی نہ ہو لیکن اس پر بھی اس کو زاہد نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ انسان کا کمال تو اس میں ہے کہ اس کا دل دنیا سے بالکل متنفر رہے۔ نہ اس کی طلب سے کام ہو نہ اس کی ترک سے' نہ اس سے جنگ کرے نہ صلح نہ اس سے دوستی رکھے نہ دشمنی۔ کیونکہ جب ایک شخص ایک چیز سے دشمنی رکھے گا تو اسی طرح اس کی طرف مشغول ہو گا جس طرح دوستی رکھنے والا اس کی طرف مشغول ہو تا ہے' آدمی کا کمال یہ ہے کہ وہ ماسوائے اللہ سے کام نہ رکھے اور دنیا کا مال اس کے سامنے دریا کے پانی کی طرح ہو' وہ اپنے ہاتھ کو حق تعالیٰ کا خزینہ سمجھے کہ زیادہ ہو یا کم' اس میں آئے اس سے جائے' اس کو کچھ پرواہ نہ ہو کمال اسی میں ہے۔ اس مقام پر نادانوں سے لغزش ہو جاتی ہے اس طرح کہ جو شخص حقیقت میں دست بردار نہیں ہو سکتا وہ خود کو اس طرح فریب دے کہ مجھے مال دنیا سے کوئی غرض نہیں ہے لیکن جب کوئی مال کا مستحق اس کا مال لے جس طرح دریا سے پانی لیتے ہیں' اور کسی کا مال لے اور وہ ان چیزوں میں فرق تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ نفس کے فریب میں مبتلا ہے اور مال کی محبت ابھی تک اس کے دل میں باقی ہے۔ پس اصل یہ ہے کہ آدمی قدرت کے باوجود مال سے دست بردار ہو اور اس سے بھاگے تاکہ اس کے جادو میں نہ پھنس جائے۔

کسی نے عبداللہ ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کو اے زاہد کہہ کر پکارا تو انہوں نے کہا کہ زاہد تو عمر ابن عبدالعزیز ہیں کیونکہ دنیا کا مال ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ قدرت رکھنے کے باوجود زہد کو اختیار کئے ہوئے ہیں میں تو مفلس اور لاچار ہوں مجھے زاہد کہنا لائق اور سزاوار نہیں ہے۔

ابن ابی لیلیٰؒ نے ابن شبرمہؒ سے کہا کہ تم دیکھتے ہو کہ (امام) ابو حنیفہؒ جو نساج کا فرزند ہے ہمارے فتویٰ کو رد کرتا ہے۔ ابن شبرمہؒ نے کہا کہ میں ان کے نسب سے واقف نہیں ہوں لیکن یہ خوب جانتا ہوں کہ دنیا ان کی شائق ہے اور وہ اس سے بھاگ رہے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ دنیا ہم سے بیزار ہے اور ہم اس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی مجھے معلوم نہ تھا کہ ہماری جماعت میں ایسا بھی کوئی شخص موجود ہے جو دنیا سے محبت رکھتا ہے۔ مِنكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةُ (یعنی تم میں سے بعض لوگ دنیا کے طالب ہیں اور بعض آخرت کے طلبگار ہیں) اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم جانتے کہ حق تعالیٰ کی محبت کس چیز سے حاصل ہوتی ہے تو ہمیشہ اس بات کو کرتے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۝ یعنی جب ہم ان کو فرمان دیں (حکم دیں) کہ جہد میں اپنی جان دو یا اپنی بستی سے نکلو تو یہ لوگ حکم بجا نہیں لائے سوائے تھوڑے سے لوگوں کے۔

اے عزیز! یخ (برف) کو پیسوں کے عوض خریدنا کچھ نفع کا کام نہیں ہے کہ ہر ایک دانشمند اس کو اختیار کرے اور دنیا کی نسبت آخرت کے اس نسبت سے بھی بہت کم ہے جو برف سونے (روپے پیسے) سے رکھتا ہے۔ لیکن تین اسباب ایسے ہیں جن کے باعث مخلوق اس بات سے بے خبر ہے۔ ان سے ایک ایمان کی کمزوری ہے۔ دوسرا غلبہ شہوت ہے اور تیسرا سبب غفلت اور سہل انگاری ہے اور پھر یہ وعدہ کرنا کہ اب آئندہ اس کام کو کروں گا۔ غلبۂ شہوت میں اکثر اس میں خلل ڈالتا ہے اور آدمی کا بس نہیں کہ اس سے مقابلہ کر سکے اس لیے کہ غلبہ شہوت میں انسان اس وقت حاصل ہونے والی لذت کا خیال کرتا ہے اور کل کی خوبی کو بھول جاتا ہے۔

زُہد کی فضیلت

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کی دوستی کی مذمت میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ تمام تر زہد ہی کی فضیلت کی دلیل ہے۔ دنیا کی دوستی مہلکات سے اور اس کی دشمنی منجیات سے ہے۔ حسب موقع ہم ان احادیث کو بیان کریں گے۔ جو دنیا کی دشمنی کے بارے میں آئی ہیں۔

زہد کی بڑی تعریف یہ ہے کہ اس کو خداوند تعالیٰ نے اہل علم سے منسوب کیا ہے۔ جب قارون فوج و حشم کے ساتھ باہر نکلا تو ہر ایک شخص یہی کہتا تھا کہ کاش یہ دولت مجھے حاصل ہوتی مگر ارباب علم و دانش کہنے لگے وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا یعنی ان لوگوں نے جن کو علم دیا گیا تھا کہا تم پر افسوس ہے 'اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لایا اور جس نے عمل نیک کیا۔ اسی واسطے کہا گیا کہ جب کوئی آدمی چالیس روز تک زہد اختیار کرے اس کے دل پر حکمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تجھ کو دوست رکھے تو دنیا میں زاہد رہ۔" جب حضرت حارثہ

رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ بہ تحقیق میں مومن ہوں' تو حضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کی کیا دلیل ہے تو انہوں نے کہا کہ میرا نفس دنیا سے ایسا بیزار ہے کہ میرے لیے پتھر اور سونا دونوں برابر ہیں اور میرا یقین ایسا کامل ہے گویا جنت اور دوزخ کو دیکھ رہا ہوں' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم کو جو کچھ ملنا تھا وہ مل چکا۔ اس پر قائم رہو۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ یہ ایک بندہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ نے روشن کر دیا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا دل اسلام کے لیے کھول دیتا ہے) تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یہ شرحِ صدر کس طرح ہوتا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک نور دل میں پیدا ہوتا ہے جس سے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور! اس کی علامت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ دنیا سے دل سرد ہو جائے اور آخرت سے رغبت پیدا ہو اور موت کے آنے سے پہلے یہ شخص اس کی تیاری کر لیتا ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا' خدا سے شرم کرو جیسی کہ شرم کرنی چاہیے لوگوں نے عرض کیا کہ ہم بے شک شرم رکھتے ہیں' تب آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ پھر تم اتنا مال کیوں جمع کرتے ہو جس کو کھا نہ سکو گے اور ایسا گھر کیوں بناتے ہو جس میں ہمیشہ رہنے کا اتفاق نہ ہوگا۔

ایک دن حضور اکرم ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ جو لا الہ الا اللہ کو سلامتی سے بغیر کسی دوسری چیز ملائے ادا کرے گا اس کو بہشت نصیب ہو گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ وہ چیز کیا ہے؟ جس سے کلمہ توحید کو نہ ملایا جائے آپ ﷺ نے فرمایا وہ دنیا کی دوستی اور اس کی تلاش ہے۔ کیونکہ ایک قوم ایسی ہو گی جس کی بات چیت پیغمبروں کی طرح ہو گی لیکن ان کا کام جباروں کی طرح ہو گا۔ جو شخص لا الہ الا اللہ کو بغیر آمیزش کے لائے گا اس کی جگہ بہشت میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں زاہد ہو گا حق تعالیٰ حکمت کا دروازہ اس کے دل پر کھول دے گا اور اس کی زبان کو حکمت کی باتوں سے گویا فرمائے گا' دنیا میں رہنے کی تدبیر اس کو بتائے گا اور اس کو دنیا سے صحیح و سالم جنت میں لے جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ کا گذر ایک بار اونٹوں کے ایک گلہ پر ہوا اس میں تمام اونٹنیاں فربہ اور حاملہ تھیں۔ اور اہل عرب کے نزدیک ایسا مال بہت اچھا سمجھا جاتا ہے جس کی مالیت اچھی ہو۔ دودھ' گوشت اور بال زیادہ ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے اس طرف سے روئے مبارک (ناگواری سے) پھیر لیا۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یہ اچھا مال ہے آپ اس کو کیوں نہیں دیکھتے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے مال کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (آپ اس چیز کی طرف مت دیکھئے جس کو ہم نے کافروں کو برتنے کے لیے دے رکھی ہے۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اگر آپ حکم کریں تو آپ کے واسطے ہم ایک عبادت خانہ بنا دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا جاؤ پانی پر گھر بنا دو لوگوں نے پوچھا پانی پر گھر کس طرح تعمیر کیا جائے گا۔ تب آپ نے فرمایا کہ دنیا کی دوستی اور عبادت دونوں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے بندے! اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تجھ کو دوست رکھے تو دنیا سے ہاتھ اٹھالے اور اگر تو چاہتا ہے کہ لوگ تجھے دوست رکھیں تو ان کے مال کو ہاتھ نہ لگا۔" حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے والد محترم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب غنیمت کا مال دوسرے شہروں سے آئے تو آپ اچھا لباس پہنیں (بنوائیں) اور عمدہ کھانا آپ بھی کھائیں اور آپ کے رفقاء بھی کھائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اے حفصہ رضی اللہ عنہا مرد کا حال اس کی بیوی سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں جانتا تم کو رسول اللہ ﷺ کا حال سب سے زیادہ معلوم ہے۔ خدا کی قسم! تم کو معلوم ہے کہ نبوت کی مدت میں رسولِ خدا ﷺ پر کئی سال ایسے گذرے ہیں جس میں آپ اور آپ کے گھر والے دن کو کھاتے اور رات کو بھوکے رہتے اور اگر رات کو کھالیتے تو تمام دن فاقہ سے گذر جاتا تھا اور خدا کی قسم اے حفصہ رضی اللہ عنہا تم کو معلوم ہے کہ فتح خیبر کے دن تک کئی برس ایسے گذر چکے تھے جن میں سرورِ کونین ﷺ کو سیر ہو کر خرما بھی کھانے کو نہیں ملا اور واللہ تم جانتی ہو گی کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ کے روبرو کھانا خوان پر رکھ کر لایا گیا تو ناراضگی سے آپ کا روئے مبارک متغیر ہو گیا تھا اور آپ نے حکم دیا تھا کہ کھانا زمین پر رکھو۔ واللہ! تم کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ حضور اکرم ﷺ رات کو کمبل پر استراحت فرمایا کرتے تھے۔ یہ کمبل دوہرا کیا ہوتا تھا۔ ایک شب اس کی چار تہ کر کے بچھادیا آپ ﷺ نے اس پر استراحت فرمائی اور وہ نرم معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ رات اس کی نرمی میری نماز میں خلل انداز ہوئی اس کو پہلے کی طرح دوہرا کر کے بچھایا کرو اور خدا کی قسم تم کو معلوم ہو گا کہ حضور اکرم ﷺ اپنا ازار دھوتے تھے 'بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے تو جب تک ازار خشک نہ ہو جاتا آپ باہر نہ نکل سکتے تھے' باندھنے کے لیے دوسرا ازار نہ ہوتا تھا۔ واللہ تم یہ بھی جانتی ہو گی کہ قبیلہ بنی ظفر کی ایک عورت آپ کے واسطے تہبند (ازار) اور چادر بن رہی تھی۔ دونوں بن کر تیار نہیں ہوئے تو اس عورت نے چادر آپ کے پاس بھیج دی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کو اوڑھ کر سامنے گرہ لگالی اور باہر تشریف لے آئے اس چادر کے سوا آپ ﷺ کے پاس دوسرا کپڑا موجود نہیں تھا۔ یہ سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہاں میں یہ سب احوال جانتی ہوں تب حضرت حفصہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں زار و قطار رونے لگے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے دو رفیق یعنی حضرت رسولِ خدا ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے پہلے دنیا سے تشریف لے گئے اگر میں ان کے طریقہ پر چلوں گا تو ان تک پہنچوں گا۔ ورنہ مجھے دوسرے راستہ سے لے جایا جائے گا۔ پس مجھے لازم ہے کہ میں بھی ان دونوں بزرگوں کی طرح معاش کی سختی پر صبر کروں تاکہ ان کے ساتھ مجھے دائمی راحت میسر ہو۔

رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے تابعین کے طبقہ اوّل کے لوگوں سے کہا کہ اے صاحبو! تمہاری عبادت 'اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی عبادت سے بے شک زیادہ ہے پر وہ تم سے بہتر تھے۔ کیونکہ دنیا میں ان کا زہد تمہارے زہد سے زیادہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ "زہد دنیا میں دل کی راحت اور تن کے سکون کا باعث ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے "کہ زاہد کی دو رکعت نماز تمام مجتہدوں کی ساری عبادت سے بہتر ہو گی۔" شیخ سہل تستریؒ نے کہا ہے کہ اللہ کی عبادت خلوصِ دل کے ساتھ اس وقت ہو گی کہ آدمی چار چیزوں کا خوف نہ کرے۔ یہی گرسنگی، برہنگی، درویشی اور ذلت و خواری کا۔

زُہد کے درجات

معلوم ہونا چاہیے کہ زہد کے تین درجے ہیں۔ اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی بظاہر دنیا سے دستبردار ہو جائے لیکن اس کا دل اس سے لگا ہو مگر وہ مجاہدہ اور صبر کرتا ہے ایسے شخص کو زاہد کے بجائے متزہد کہتے ہیں۔ زاہد کا پہلا قدم یہی ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی کا دل دنیا کی طرف متوجہ تو نہیں لیکن وہ اپنے زہد پر ناز کرتا ہے اور اس پر اتراتا ہے۔ ایسے کو زاہد تو کہیں گے لیکن اس کا یہ زہد نقصان سے خالی نہیں ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان میں زہد بھی کامل ہو اور اس کو اپنے زہد پر ناز بھی نہ ہو اور اس کو بڑا کام نہ سمجھے، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہو گی کہ وزارت کے منصب کے شوق میں کسی بادشاہ کی بارگاہ کا قصد کیا لیکن بارگاہ کے دروازے پر ایک کتا بیٹھا ہے جو اندر جانے سے مانع ہے۔ پس اس شخص نے روٹی کا ایک ٹکڑا اس کتے کے آگے ڈال دیا تاکہ کتا اس میں مشغول ہو جائے اور حملہ نہ کرے اور وہ اندر پہنچ گیا اور آخر کار اس کو وزارت مل گئی۔ یہ روٹی کا ٹکڑا اس کی نظر میں ہرگز قدر و منزلت کے لائق نہ ہو گا۔ اسی طرح یہ ساری دنیا ایک لقمہ کا حکم رکھتی ہے اور شیطان کتے کی طرح ہے جو دروازے پر بھونک رہا ہے جب دنیا کو شیطان کے آگے ڈال دیا تو پھر وہ تمہارے پاس سے ہٹ جائے گا تمام دنیا آخرت کے مقابلہ میں اس روٹی کے ٹکڑے سے کم تر ہے جو وزارت کے مقابلہ میں ہو کیونکہ آخرت کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے اور دنیا کی ایک نہایت ہے۔ ظاہر ہے کہ نہایت والی چیز کو بے نہایت چیز سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

لوگوں نے ابویزیدؒ سے کہا کہ فلاں شخص زہد کے بارے میں گفتگو کرتا ہے انہوں نے کہا کہ جس چیز سے زہد کے بارے میں کہتا ہے اس شخص نے کہا کہ دنیا ایسی کون سی چیز ہے جو زہد کرنے کے لائق ہو اوّل تو ایک ایسی چیز پیدا کرنا چاہیے جو زہد کے قابل ہو (پھر زہد میں کلام کیا جائے)۔ جس طرح زہد کے تین درجے ہیں اسی طرح مقصد غایت کے اعتبار سے بھی زہد کے تین درجے ہیں۔ ایک شخص نے اس واسطے زہد اختیار کیا ہے تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات پائے اور جب اس کی موت آئے تو اس پر راضی رہے (خوشی خوشی جان دے دے) یہ زہد ان لوگوں کا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ ایک دن مالک بن دینارؒ نے کہا رات میں نے بارگاہِ الٰہی میں بڑی دلیری کی اور اس سے میں نے بہشت مانگی۔

دوسری غایت یہ ہے کہ انسان ثوابِ آخرت کے لیے زہد کرتا ہے اور یہ زہد کامل ہے کیونکہ یہ رجا اور محبت سے پیدا ہوا ہے اس لیے یہ اہل رجا کا زہد ہے۔ تیسرا درجہ کمال کا ہے یعنی دل میں نہ دوزخ کا ڈر ہو اور نہ بہشت کی امید بلکہ صرف خداوند تعالیٰ کی محبت میں دنیا اور آخرت کی محبت کو دل سے دور کر دیا اس حد تک کہ جو چیز خدا کے سوا ہو اس کی طرف توجہ کرنے سے شرم آئے۔ چنانچہ رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے لوگوں نے جنت کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ

یعنی صاحبِ خانہ گھر سے بہتر ہے۔ جس کے دل میں خداوند تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے تو پھر بہشت کی لذت اس کی نظر میں ایسا ہے جیسا لڑکوں کا چڑیا سے کھیلنا زیادہ دلچسپ مشغلہ ہے بادشاہی سے' لڑکا چڑیا سے کھیلنا بادشاہت کرنے سے اس لیے زیادہ پسند کرتا ہے کہ اس کو بادشاہی کی لذت سے ابھی خبر نہیں ہے کیونکہ ابھی اس کی عقل ناقص ہے۔ پس وہ شخص جس کا جمالِ الٰہی کے مشاہدے کے سوا اور کچھ مقصد ہوتا ہے وہ ایک طفل نابالغ ہے ابھی مردی کے درجہ کو نہیں پہنچا ہے۔

زہد کس چیز کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے اس باب میں بھی اس کے درجے مختلف ہیں' اس لیے کہ ایک شخص ایسا ہے جس نے کچھ دنیا کو ترک کیا ہے اور کل کو ترک نہیں کیا ہے لیکن کامل درجہ یہ ہے کہ نفس کو جس چیز میں لذت ملے اور وہ چیز مجملہ ضروریات نہ ہو اور آخرت کے راستہ کے لیے بھی اس کی ضرورت نہیں ہے اس کو ترک کر دے۔ کیونکہ دنیا نام ہے نفسانی لذتوں کا جیسے جاہ و مال' کھانا پینا' لباس' کلام' سونا' لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا اور درس دینا' روایت و حدیث کی مجلس برپا کرنا' جو بات نفس کو لطف پہنچاتی ہے وہ دنیاوی لذت ہے مگر یہ کہ تدریس اور روایت سے خدا کی طرف دعوت دیتا ہو (وہ اس سے مستثنیٰ ہے)۔

شیخ ابو سلیمان دارانی نے فرمایا ہے کہ زہد کے باب میں دوسرے لوگوں کا کلام میں نے بہت سنا ہے لیکن میرے نزدیک زہد یہ ہے کہ تم اس چیز کو جو تم کو اللہ کی یاد سے باز رکھے ترک کر دو۔ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص نکاح' سفر اور حدیث لکھنے میں مشغول ہو وہ دنیا کا طالب ہوا۔ ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ میں قلب سلیم سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا قلبِ سلیم وہ ہے جس میں یادِ الٰہی کے سوا کچھ اور نہ سمائے۔ حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام ٹاٹ پہنتے تھے۔ نرم کپڑا اس لیے نہیں پہنتے تھے کہ بدن کو آرام میسر نہ آئے۔ ان کی ماں نے کہا کہ اے بیٹے ریشمی لباس پہنو کیونکہ پلاس سے تمہارا بدن زخمی ہو گیا ہے ان کے کہنے سے یحییٰ علیہ السلام نے نرم و ریشمی لباس پہن لیا ان پر وحی نازل ہوئی کہ اے یحییٰ کیا تم نے مجھے چھوڑ کر دنیا کو اختیار کر لیا ہے یہ سن کر حضرت یحییٰ رونے لگے اور ریشمی لباس اتار کر پلاس پہن لیا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ زاہد کا درجہ کمال ہے اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اس درجہ تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ پس ہر شخص زہد میں اتنا ہی ہے جتنا اس نے دنیا کو چھوڑا ہے۔ جس طرح بعض گناہوں سے توبہ درست ہے اسی طرح بعض حظوظِ نفس سے بھی زہد درست ہو گا اور وہ بھی وہ ثواب اور فائدے سے خالی نہیں ہے۔ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ نے جو درجہ تائب اور زاہد کے واسطے رکھا ہے اور مخصوص کیا وہ اس کے لیے جو تمام دنیا (حظوظِ نفس) سے دست بردار ہو جائے یا سب سے توبہ کرے۔

وہ چیزیں جن سے زاہد کا قناعت کرنا ضروری ہے

اے عزیز! معلوم کر کہ مخلوق دنیا میں مبتلا ہے اور اس کی بلاؤں کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے لیکن چھ چیزیں ان میں

مہم (از قسم مہمات ہیں) خوشاک' پوشاک' مسکن (گھر) اثاثۃ البیت' زن و فرزند اور مال وجاہ۔ پہلی مہم خوراک ہے اس کی جنس' مقدار اور دوسرے لوازم مختلف ہوتے ہیں' جنس خوراک میں ادنیٰ درجہ ہے کہ صرف بدن کو غذا حاصل ہو۔ خواہ وہ سبوس (بھوسی) ہو۔ اور جنس خوراک میں متوسط درجہ یہ ہے کہ جو اور باجرے کی روٹی ہو اور اعلیٰ درجہ گیہوں کی روٹی ہو۔ اور اس کا آٹا چھانا نہ گیا ہو۔ اگر آٹا چھان لیا گیا تو زہد باقی نہیں رہے گا بلکہ وہ تن پروری ہو گی' مقدار میں ادنیٰ درجہ دس سیر ہیں اور متوسط درجہ نصف من (ایک رطل) اور انتہائی درجہ ایک مد (دو من چار رطل) کہ ایک من دو رطل وزن کے برابر ہے) شریعت میں درویش کے لیے یہی اندازہ ٹھہرایا گیا ہے اگر اس سے زیادہ کرے تو یہ شکم پروری میں داخل ہے زہد باقی نہیں رہے گا' آئندہ کے لیے کھانا یا غذا کے رکھ چھوڑنے میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک وقت کی خوراک سے زیادہ نہ رکھے کہ اصل زہد امید کو کوتاہ کرنا۔ اور اصل حرص درازی امید ہے۔ متوسط صورت یہ ہے کہ ایک مہینے یا چالیس دن کے لیے جنس کا ذخیرہ کرے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک سال کی جنس گھر میں آئندہ کام آنے کے لیے رکھے اگر کوئی ایک سال کی قوت سے زیادہ کی جنس رکھے گا تو زہد سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے کیونکہ جو شخص ایک سال سے زیادہ جینے کی امید رکھتا ہے زہد کا دعویٰ کرنا اس کو سزاوار نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے اہل و عیال کے لیے تو ایک سال کی خوراک جمع رکھتے تھے کیونکہ وہ بھوک پر صبر نہیں کر سکتے تھے (و رسول اللہ ﷺ برائے عیال یکسالہ نہادے کہ ایشاں طاقت صبر نداشتندے۔ کیمیائے سعادت نولکشوری ایڈیشن ۱۸۷۴ء ص ۴۶۶) لیکن حضور اکرم ﷺ اپنی ذات خاص کے لیے دوسری وقت کی خوراک بھی جمع نہیں فرماتے تھے۔ اب رہا سالن کا معاملہ تو سالن میں ادنیٰ درجہ سر کہ' ساگ' ترکاری ہے اور متوسط درجہ روغن ہے جس سے سالن تیار کیا جائے اور اعلیٰ درجہ گوشت کا ہے۔ اگر گوشت کو مسلسل استعمال کیا جائے تو زہد باقی نہیں رہے گا۔ ہاں اگر ہفتہ میں ایک بار کھائے گا تو زہد باقی رہے گا لیکن گوشت کھانے کا وقت اس طرح مقرر کرے کہ ایک دن میں ایک بار سے زیادہ نہ کھائے۔ اگر دو دن میں ایک بار کھائے گا تو یہ بہتر زہد ہے اور اگر ہر دن دوبار کھائے تو یہ زہد کے منافی ہے۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ زہد کی حقیقت کو پہچانے اس کو چاہیے کہ حضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال معلوم کرے' حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا کہ حضور انور ﷺ کے گھر میں چالیس رات تک چراغ نہ جلتا۔ کھجور اور پانی کے سوا کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص فردوس کا طالب ہے اس کے لیے جو کی روٹی کھانا اور ڈلاؤ (فربلہ) پر کتوں کے ساتھ سورہنا کافی ہے۔ آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ جو کی روٹی اور ساگ بھاجی کھاؤ اور گیہوں کو ہاتھ نہ لگاؤ کیونکہ اس کا شکر تم ادا نہ کر سکو گے۔

دوسری مہم لباس ہے۔ زاہد کو چاہیے کہ ایک کپڑے سے زاید اس کے پاس نہ ہو یہاں تک کہ اگر اس کو دھونا پڑے تو ننگا رہنے کی نوبت آجائے اگر دو کپڑے پاس ہوں گے تو وہ زاہد نہیں ہے اور اس مہم کا کم تر درجہ یہ ہے کہ ایک کرتا

ٹوپی اور جوتا ہو' اور اس کا اکثر یہ ہے کہ ایک پگڑی (عمامہ) اور ایک ازار اس کے علاوہ ہو' کپڑے کی جنس میں ادنیٰ پلاس ہے اور متوسط درجہ موٹے پشمینہ (اون) کا ہے اور اعلیٰ روئی سے بنا ہوا کپڑا (سوتی کپڑا) ہے جب وہ نرم اور باریک ہو گا تو پہننے والا زاہد نہیں رہے گا۔

جب رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روز ایک کمبل اور ایک موٹا تہبند لائیں اور فرمایا کہ یہی حضور اکرم ﷺ کا لباس ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مشہور ہونے کی نیت سے کسی قسم کا لباس پہنے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے اعراض فرمائے گا اگرچہ وہ خدا کا دوست ہو۔ جب تک وہ اس لباس کو نہیں اتارے گا اللہ تعالیٰ کی نارضامندی باقی رہے گی۔ رسول اکرم ﷺ کے لباس اطہر کی قیمت دس درہم سے زیادہ نہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ کا لباس کبھی کبھی اس قدر میلا ہو جاتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے روغن ساز کا کپڑا ہے۔ ایک دفعہ ایک بوٹے والا کپڑا حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر آیا آپ نے اس کو پہنا اور پھر اتار دیا اور فرمایا کہ یہ ابو جہیم کو دے کر اس کے عوض فلاں کمبل لے آؤ کیونکہ اس کپڑے کے بوٹے میری نگاہوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ ایک بار حضور اکرم ﷺ نے نعلین مبارک میں نئے تسمے ڈالے پھر فرمایا ان کو نکال لو اور پرانے تسمے لے آؤ کہ میں ان سے بیزار ہوں اس لیے کہ نماز میں میری نظر ان پر پڑی۔ ایک بار حضور اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے انگشت اطہر سے انگوٹھی اتار دی کیونکہ آپ کی نظر اس پر پڑی تھی۔ آپ نے فرمایا مناسب نہیں ہے کہ ایک نظر انگشتری پر پڑے اور ایک تم پر۔ ایک بار آپ کے لیے نئی نعلین لائی گئی آپ نے خداوند تعالیٰ کے حضور میں سجدہ کیا اور پہن کر باہر تشریف لائے اور سب سے پہلے جو فقیر آپ کو نظر آیا نعلین اس کو دے دیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ مجھ کو پسند آگئیں تھیں مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی کا باعث ہو۔ اس وجہ سے میں نے اس کے حضور میں سجدہ کیا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اگر تم فردائے قیامت میں مجھ سے پہلے ملنا چاہتی ہو تو دنیا سے صرف زادراہ پر قناعت کرو اور اس وقت تک کوئی پیراہن نہ نکالو جب تک اس کو پیوند نہ لگ جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کرتے پر چودہ پیوند لگے ہوئے تھے جو دور سے نظر آتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین درہم کا کرتا خریدا تھا اس کی آستین انگلیوں سے نکل رہی تھیں آپ نے اس بڑھی ہوئی آستین کو کاٹ کر چھوٹا کر دیا اور خداوند کریم کا شکر بجالائے کہ یہ اس کی خلعت ہے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ جو کپڑے پہنے تھے میں نے اس کی قیمت کا اندازہ جوتیوں کی قیمت سے لگایا تب بھی جوتیوں کی قیمت سوا درہم زیادہ نکلی۔ حدیث شریف میں آیا ہے "جو شخص شاندار لباس پہننے پر قادر ہو لیکن اللہ کے واسطے ازراہِ تواضع اس کا پہننا ترک کر دیتا ہے تو خداوند تعالیٰ پر اس کا حق ہے وہ اس کو عبقری ریشم کا لباس بہشت میں یاقوت کے تختوں پر عطا فرمائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہدیٰ سے عہد لیا ہے کہ ان کا لباس ادنیٰ لوگوں کے لباس کی طرح ہو گا تاکہ مالدار اس کی پیروی کریں اور ان کے شاندار قیمتی لباس سے درویش آزردہ دل نہ ہوں۔

فضالہ بن عبید گورنر مصر کو لوگوں نے دیکھا کہ ننگے پاؤں چل رہے ہیں اور بہت معمولی کپڑے پہنے ہوئے ہیں لوگوں نے ان سے کہا کہ ایسامت کرو کیونکہ تم شہر کے امیر ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور علیہ نے ہم کو ناز و تنعم سے منع فرمایا ہے اور حکم کیا ہے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں چلا کرو۔ محمد واسع رحمتہ اللہ علیہ صوف کا لباس پہن کر قتیبہ بن مسلم کے پاس گئے انہوں نے دریافت کیا کہ تم نے صوف کیوں پہنا ہے وہ خاموش رہے، قتیبہ بن مسلم نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے خاموش کیوں ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ زہد کی بنا پر پہنا ہے تو اس میں اپنی تعریف ہے اور اگر یہ کہوں کہ درویشی اور ناداری کی وجہ سے پہنا ہے تو اس سے خدا کی شکایت ہوتی ہے (اور مجھے یہ دونوں باتیں پسند نہیں ہیں) حضرت سلمان فارسیؓ سے پوچھا گیا کہ آپ اچھے کپڑے کیوں نہیں پہنتے تو انہوں نے کہا کہ بندے (غلام) کو اچھے کپڑوں سے کیا کام۔ اگر کل آزاد ہو جاؤں گا تو اچھے کپڑوں کی کمی نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس پلاس کا لباس تھا رات کو نماز کے وقت اس کو پہنتے اور دن کو اتار کر رکھ دیتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرقد سنجیؒ سے کہا کہ تمہارے پاس جو یہ کمبل ہے اس سے تم یہ سمجھتے ہو کہ تم کو دوسرے لوگوں پر بزرگی حاصل ہے؟ میں نے سنا ہے کہ اکثر کمبل والے دوزخی ہوں گے۔

تیسری مہم گھر بار ہے اس کا کم درجہ یہ ہے کہ رہنے کے لیے کوئی جگہ معین و مقرر نہ کرے بلکہ مسجد یا مسافر خانے کے ایک گوشہ پر قناعت کر لے اور اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک کوٹھری ملکیت میں ہو یا کرایہ پر حاصل کر لے اور وہ بقدر ضرورت ہو نہ اس میں نقش و نگار ہوں اور نہ وہ بہت اونچی ہو، حاجت اور ضرورت سے زیادہ کشادہ بھی نہ ہو۔ اگر چھ گز سے طویل گچ کی چھت بنائے گا زہد کے مرتبہ سے گر جائے گا۔ گھر سے مقصود یہ ہے کہ گرمی اور سردی سے خود کو بچائے۔ پس اس کے سوا اور کچھ تلاش نہ کرے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ رسول اکرم علیہ کے بعد دنیا میں جو طول امل پھلا پھیلا یہ تھا کہ لوگوں نے گچ کے مکانات بنانا شروع کیے (یعنی پختہ) اور ان کے لباس میں بہت سے چاک ہونے لگے۔ رسول اکرم علیہ کے زمانے میں ایک چاک سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بلند بالاخانہ بنایا تھا، رسول خدا علیہ کے حکم سے اس کو گرا دیا گیا۔ ایک روز سرور کونین علیہ کا گذر ایک بلند گنبد کی طرف ہوا۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ کس کا مکان ہے لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے۔ جب صاحبِ خانہ کو خبر ہوئی تو وہ حضور علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن حضور علیہ السلام نے اس کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ اس نے جب اس عقاب کا سبب معلوم کیا تو اس نے اس گنبد کو گرا دیا تب حضور علیہ سے راضی و خوشنود ہوئے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ حضور اکرم علیہ اپنی تمام حیات مبارکہ میں ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی (تعمیر سے گریز فرمایا) اور ایک لکڑی پر دوسری لکڑی نہیں باندھی۔ حضور علیہ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ جس کی خرابی چاہتا ہے اس کا مال پانی اور مٹی میں ضائع کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ رسول اکرم علیہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا یہ کیا کر رہے ہو، اس وقت ہم بانس کے ایک ٹوٹے ہوئے مکان کو درست کر

رہے تھے۔ ہمارے جواب پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کام نزدیک تر ہے اس سے کہ مہلت میسر ہو۔ یعنی موت سر پر کھڑی ہے اور تم یہ بندوبست کر رہے ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص حاجت سے زیادہ گھر (کشادہ) بنائے گا۔ قیامت کے دن اس کو حکم دیا جائے گا کہ اس کو اٹھالے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر خرچ میں ایک ثواب ہے۔ مگر جو مال عمارت بنانے میں صرف ہو اس کا اجر نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بانس کا گھر بنایا تو لوگوں نے کہا کہ آپ اگر اینٹوں کا گھر بناتے تو کیا حرج ہوتا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا جس کے لیے مرنا ضروری ہے اس کے لیے یہ بانس کا گھر بھی بہت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کے سفر میں ایک پختہ عمارت اینٹوں سے بنی ہوئی دیکھی، اسے دیکھ کر آپ فرمانے لگے مجھے ہرگز یہ خبر نہیں تھی کہ اس امت میں لوگ ایسی عمارتیں بھی بنائیں گے جیسی ہامان نے فرعون کے لیے تیار کی تھی اس لیے کہ فرعون ہی نے سب سے پہلے پختہ اینٹ بنوائی تھی اور ہامان سے کہا تھا اَوْقِدْ لِیْ یٰھَامَانُ عَلَی الطِّیْنِ (اے ہامان میرے لیے گارے پر آگ روشن کر یعنی اینٹ بنا) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص گز شرعی سے بلند مکان بناتا ہے تو ایک فرشتہ آسمان سے پکار کر کہتا ہے کہ اسے گنہگاروں کے سردار کہاں آتا ہے۔ یعنی جب تجھ کو قبر میں زیر زمین جاتا ہے تو آسمان کی طرف کیوں آرہا ہے؟

حضرت حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے مکانات میں ہاتھ چھتوں میں لگتا تھا (مکانوں کی چھتیں اتنی نیچی ہوتی تھیں) شیخ فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات سے تعجب نہیں ہے کہ کوئی شخص مکان بنائے اور اس کو چھوڑ جائے بلکہ مجھے اس بات کا تعجب ہے کہ کوئی شخص یہ دیکھے، اور اس سے عبرت حاصل نہ کرے۔

چوتھی مہم اسباب خانہ کی ہے یعنی اثاثہ البیت اور اس میں اعلیٰ درجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے (یعنی اس مہم میں جو اعلیٰ درجہ ہے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فائز تھے) کہ وہ سوائے ایک کنگھی اور کوزے کے اور کچھ سامان نہیں رکھتے تھے۔ جب انہوں نے ایک روز ایک شخص کو دیکھا کہ انگلیوں سے داڑھی میں خلال کر رہا ہے تو کنگھی پھینک دی۔ جب ایک شخص کو چلو سے پانی پیتے دیکھا تو کوزہ بھی پھینک دیا۔ اس مہم کا وسط یہ ہے کہ ہر چیز جو کام کی ہو ایک ایک رکھے وہ لکڑی کی ہو یا مٹی کی۔ اگر تانبے کے برتن استعمال کے لیے رکھے گا تو یہ زہد نہیں ہوگا۔ ہمارے بزرگوں نے تو ایک چیز سے کئی کئی کام لینے کی کوشش کی ہے رسولِ اکرم ﷺ کا تکیہ چمڑے کا تھا اور آپ کا پاک بچھونا دوہرا کمبل ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز رسولِ مقبول ﷺ کے پہلوئے اطہر پر چٹائی کے نشانات دیکھے تو رونے لگے۔ رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا اے عمر! (رضی اللہ عنہ) کیوں روتے ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ قیصر و کسریٰ اور دشمنانِ خدا تو ناز و نعم میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ جو خدا کے محبوب ہیں ایسی محنت اور تکلیف میں ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر مجھے رونا آگیا۔ حضرت سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! (رضی اللہ عنہ) کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ ان لوگوں کو دنیا میں یہ نعمتیں ملیں اور ہم کو آخرت میں حاصل ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں خوش

ہوں۔ آپ نے فرمایا بے شک ایسا ہی ہے۔

ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ گھر میں کوئی چیز موجود نہیں ہے اس نے تعجب سے کہا کہ اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا ہمارے لیے ایک دوسرا مکان ہے جو کچھ ہم کو ملتا ہے ہم وہاں بھیج دیتے ہیں یعنی دارِ آخرت۔ اس شخص نے کہا کہ جب تک تم اس گھر میں ہو اسباب کے سوا چارہ نہیں، انہوں نے جواب دیا کہ خداوند تعالیٰ مجھے اس جگہ نہیں چھوڑے گا۔

حمص کے گورنر عمر بن سعد رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ متاعِ دنیوی میں سے تمہارے پاس کیا کیا چیز ہے انہوں نے کہا ایک لکڑی ہے (عصا) تاکہ اس پر تکیہ لگاؤں اور اس سے سانپ کو ماروں اور اناج رکھنے کے لیے میرے پاس ایک تھیلا ہے اور ایک برتن ہے جس میں کھانا کھاتا ہوں اسی میں پانی بھر کر غسل کرتا ہوں اور اس میں اپنے کپڑے دھوتا ہوں۔ ایک لوٹا ہے جس سے طہارت کرتا ہوں اور پانی پیتا ہوں اور بس۔ یہی سامان اصل ہے باقی دوسرے سامان واسباب اس کو فرع ہیں۔

ایک بار حضور سرور کونین ﷺ سفر سے واپسی پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے آپ نے دیکھا کہ دروازے پر ایک پردہ پڑا ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں دو کڑے پڑے ہیں جو انہوں نے دو درم میں خریدے تھے آپ ﷺ یہ دیکھ کر فوراً پلٹ آئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئے کہ آپ ﷺ ناراض ہو گئے ہیں آپ ﷺ نے فوراً کڑوں کو ڈیڑھ درہم میں فروخت کر دیا اور دروازے سے پردہ اتار دیا۔ اور دونوں کو خیرات کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ اس بات سے بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تم نے اچھا کام کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مکان پر ایک پردہ ڈال رکھا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا جب میری آنکھ اس پردے پر پڑتی ہے تو مجھے دنیا یاد آجاتی ہے اس کو اتار دو اور فلاں شخص کو دے دو! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوتہ کیے ہوئے کمبل پر سوتے تھے۔ ایک رات میں نے نیا بستر بچھا دیا۔ حضور ﷺ تمام رات مضطرب رہے۔ صبح کو فرمایا کہ اس نئے بستر نے میری نیند میں خلل ڈالا اور میں مضطرب رہا کمبل ہی پر مجھے آرام ملتا ہے۔ ایک بار حضور ﷺ کے پاس بہت سامانِ غنیمت آیا آپ نے تمام مال تقسیم کر دیا صرف چھ درہم باقی بچ گئے ساری رات آپ مضطرب رہے اخیر شب میں جب وہ چھ درہم ایک مستحق کو دے دیئے تب آرام سے سو گئے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا اور یہ چھ درہم میرے پاس رہ جاتے تو میرا کیا حال ہوتا۔

خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ہے۔ کسی کے پاس سوائے ان کپڑوں کے جو وہ پہنتے تھے دوسرا جوڑا کپڑوں کا نہیں تھا۔ وہ لوگ زمین پر سو جاتے تھے اور اس کپڑے سے بدن کو ڈھانک لیتے تھے۔

پانچویں مہم نکاح ہے۔ شیخ سہل تستری ؒ، سفیان ابن عیینہ اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں زہد

نہیں ہے۔ یعنی نکاح منافی زہد نہیں ہے اس کو ترک نہ کرنا چاہیے کیونکہ حضور ﷺ نے جو سب سے عظیم زاہد تھے نو بیویاں کی تھیں۔ عورتیں حضور کو محبوب تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چار بیویاں اور دس کنیزیں تھیں علماء کی اس سے مراد یہ ہے معاشرتی زندگی میں مبتلا ہونے کے خوف سے نکاح سے دست بردار ہونا مناسب نہیں ہے کیونکہ نکاح سے نسل باقی رہتی ہے اور چند دوسرے فوائد بھی ہیں، نکاح نہ کرنا ایسا ہے کہ کوئی شخص محض اس لیے کھانا پینا چھوڑ دے کہ مزہ حاصل نہ ہو۔ انسان اناج کا محتاج ہے فاقے کرتے کرتے ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح ترک نکاح سے نسل منقطع ہو جائے گی۔ ہاں اگر بیوی رکھنے سے کوئی شخص یادِ الٰہی سے غافل ہوتا ہے تو ایسے شخص کا نکاح نہ کرنا اولیٰ ہے اگر شہوت کا غلبہ ہو تو زاہد ایسی عورت سے شادی کرے جو صاحب حسن و جمال نہ ہو تاکہ شہوت میں کمی آئے ایسی عورت سے شادی نہ کرے جو شہوت کو ابھارے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی شادی لوگ ایک خوبصورت عورت سے کرا رہے تھے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص کی بہن، اس خاتون سے زیادہ عقل مند ہے لیکن یک چشم ہے۔ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ نے اس یک چشم دانشمند خاتون سے نکاح کرنا بمقابلہ خوبصورت عورت کے پسند فرمایا وہ حسن و جمال کے خواہاں نہ ہوئے۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے کہا ہے کہ ابتدائے حال میں تین باتیں نہ کرے۔ کسب، نکاح، کتابت حدیث (مرید مبتدی دل خود را از سہ چیز نگاہ دارد، کسب و نکاح و نوشتن حدیث۔ کیمیائے سعادت نولکشوری ایڈیشن ۱۸۷۹ء) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ صوفی کچھ لکھے پڑھے کیونکہ نوشت و خواند سے آدمی کا خیال پریشان ہوتا ہے اور اطمینانِ قلب میسر نہیں ہوتا۔

چھٹی مہم مال و جاہ ہے اور جہاں ہم نے چار مہلکات بیان کئے ہیں وہاں بتایا ہے کہ مال و جاہ دونوں زہر ہیں۔ البتہ تھوڑا سا مال و جاہ انسان کے لیے تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ دنیا کے اسباب سے ہیں بلکہ دین کے واسطے بھی ان کی ضرورت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی دوست سے کچھ قرض مانگا تو وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابراہیم میں تیرا دوست ہوں تو نے مجھ سے قرض کیوں نہیں مانگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی میں جانتا ہوں کہ تجھے دنیا پسند نہیں ہے اس لیے میں تجھ سے دنیا طلب کرنے سے ڈرا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "مال بقدر حاجت" دنیا میں داخل نہیں ہے، حاصل کلام یہ کہ جب کسی نے خواہشات نفسانی اور زوائد کو آخرت کے خیال میں ترک کر دیا اور مال و جاہ سے بقدر حاجت اور ضرورت قناعت کی تو اس کا دل دنیا سے الگ ہے اور وہ دنیا کو دوست نہیں رکھتا یعنی جب وہ دارِ آخرت میں جائے گا تو اس کو شرمندگی نہیں ہوگی۔ اور اس کا منہ دنیا کی طرف نہیں رہے گا۔ کیونکہ دنیا تو وہی دیکھے گا جو اس کو آرام کی جگہ سمجھتا ہو لیکن جب دنیا اس کے لیے بیت الخلاء کی طرح ہو کہ جب رفع حاجت کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت وہاں جاتا ہے (اس کی طرف توجہ کرتا ہے) مرنے کے وقت جب اس حاجت سے نجات پائی تو پھر دنیا کی طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت باقی رہی لیکن جو شخص دنیا سے دل لگاتا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ اس شخص نے ایسی جگہ پر جہاں اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑا جائے گا زنجیر سے اپنی گردن باندھ لی ہے یا اس جگہ سے اپنے سر کے

بالوں کو مضبوطی سے باندھ لیا ہے اب یہاں سے جب اس کو اٹھایا جائے گا تو وہ سر کے بالوں کے بل لٹکا رہے گا جب تک سر کے بال جڑ سے نہ اکھڑ جائیں اور جب اس طرح بال اکھڑیں گے تو زخم آئے گا۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کی ایک ایسی جماعت دیکھی جو مصیبت اور بلا میں اس سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں جتنا تم نعمت پاکر خوش ہوتے۔ اور وہ تم لوگوں کو دیکھیں تو کہیں کہ تم شیطان ہو اور اگر تم ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ مجنون اور دیوانے ہیں۔ وہ لوگ بلا کی طرف اس وجہ سے راغب ہوئے کہ دنیا سے ان کا دل اٹھ جائے اور مرتے وقت کسی چیز سے دلبستگی نہ رہے۔ (واللہ اعلم)

اصل پنجم

نیت و صدق و اخلاص

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ ارباب بصیرت پر یہ بات ظاہر ہے کہ عابدوں کے سوا تمام لوگ خرابی میں ہیں اور وہ بھی خرابی میں ہیں عالموں کے سوا اور علماء بھی خرابی میں ہیں مخلصین کے سوا اور مخلصین بھی بڑے خطرے میں ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ اخلاص کے بغیر تمام محنت بیکار اور اکارت جائے گی۔ نیت میں بھی اخلاص اور صدق کی ضرورت ہے۔ پس جب کوئی شخص نیت کو نہیں سمجھے گا تو اس میں اخلاص اور صدق کا کس طرح خیال رکھے گا اس لیے ایک باب میں ہم نیت کے معنی اور اس کی حقیقت بیان کریں گے اور دوسرے باب میں صدق کی حقیقت کو بیان کیا جائے گا۔

باب اوّل

نیت کی حقیقت اور اس کے معانی

اے عزیز! پہلے نیت کی فضیلت کو جانو کہ سارے اعمال کا مدار اور ان کی روح نیت ہے۔ اعتبار نیت ہی کا ہے اور خداوند تعالیٰ ہر عمل میں نیت ہی کو دیکھتا ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور کاموں کو نہیں دیکھتا بلکہ دل اور نیت کو دیکھتا ہے۔ دل پر اس لیے نظر کرتا ہے کہ دل نیت کا مقام ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کاموں کا ثواب نیت سے ہے اور ہر شخص کو عبادت کا ثواب اتنا ہی ملے گا جیسی اس کی نیت ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے شہر کو جہاد اور حج کے لیے محض اللہ کے لیے چھوڑے گا تو اس کی یہ ہجرت اللہ کے لیے ہو گی لیکن اگر کوئی ہجرت اس لیے کرتا ہے کہ مال حاصل کرے یا کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت خدا کے واسطے نہیں ہو گی بلکہ اس طرف ہو گی جس کی اس کو طلب اور تلاش ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں بعض بہترین شہداء ہیں اور بعض ایسے

شہداء ہوں گے جو دو صفوں کے درمیان مارے جائیں گے اور ان کی نیت خدا خوب جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ بندہ بہت سے نیک کام کرتا ہے فرشتے اس کو آسمان پر لے جاتے ہیں تو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ان اعمال کو اس کے نامہ اعمال سے مٹا دو کیونکہ اس نے یہ کام میرے لیے نہیں کیے اور فلاں فلاں اعمال اس کے نامہ اعمال میں تحریر کر دو فرشتے عرض کریں گے اس بندے نے تو یہ کام نہیں کیے ہیں تب حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس نے دل میں ان کاموں کی نیت کی تھی۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے 'لوگ چار قسم کے ہیں ایک وہ ہے کہ مال رکھتا ہو اور علم کے اقتضا کے مطابق اس کو خرچ کرے۔ دوسرا شخص آرزو اور تمنا کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر یہ مال میرے پاس ہوتا تو میں اس کو راہِ خدا میں صرف کرتا ان دونوں کا ثواب برابر ہے اور تیسرا مال کو بے جا صرف کرتا ہے۔ چوتھا شخص کہتا ہے کہ میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ ان دونوں کا گناہ یکساں ہے۔ یعنی فقط نیت اس عمل کا حکم رکھتی ہے جو نیت کے مطابق ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ غزوۂ تبوک کے ارادے سے جب مدینہ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ مدینے میں بہت سے لوگ ہیں جو ہر رنج کے ثواب میں جو ہم بھوک اور سفر سے اٹھاتے ہیں' شریک ہیں۔ ہم نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہیں؟ حالانکہ وہ ہم سے دور ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ عذر کے سبب سے ہمارے ساتھ شریک نہیں ہو سکے پر ان کی نیت ہماری نیت کی طرح ہے۔

بنی اسرائیل کا ایک شخص ریت کے ایک تودے کے قریب سے گذرا۔ اس وقت قحط پڑ رہا تھا وہ کہنے لگا کہ اس تودے کے برابر گیہوں میرے پاس ہوتے تو میں فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتا' اس زمانے کے رسول پر وحی نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ اے نبی! اس شخص سے کہہ دو کہ تیرا صدقہ خدا نے قبول کر لیا ہے اور جس قدر وہ گیہوں ہوتے اتنا ثواب تجھے عطا کیا گیا ہے اور اگر تو نے صدقہ دیا ہوتا تو اتنا ہی ثواب تجھے ملتا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے جس کی نیت میں دنیا ہوتا ہے درویشی اس کی آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور وہ جب دنیا سے جائے گا تو اسی درویشی کا عاشق ہوگا اور جس کی نیت اور مقصد آخرت ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو تونگر رکھے گا۔ اور وہ دنیا سے بے رغبت ہو کر جائے گا۔ حضرت رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب مسلمان کفار سے میدانِ جنگ میں معرکہ آراء ہوتے ہیں تو فرشتے ان کے نام اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ فلاں نے تعصب اور عداوت کی بنا پر جنگ کی اور فلاں محبت کے ساتھ لڑا اور فلاں راہِ خدا میں مارا گیا۔ جو شخص توحید کو بلند کرنے کے لیے لڑے گا وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "جو کوئی نکاح کرے اور مہر نہ دینے کی نیت رکھے وہ زانی ہے اور جو شخص اس نیت سے قرض لے کر واپس نہیں کرے گا تو وہ چور ہے۔" علماء نے فرمایا ہے کہ پہلے عمل کی نیت سیکھو اس کے بعد عمل کرو' ایک شخص لوگوں سے کہتا تھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل سکھاؤ کہ رات دن اس میں مصروف رہوں اور کبھی نیکی سے

محروم نہ رہوں' لوگوں نے اس سے کہا کہ ہمیشہ نیکی کی نیت رکھا کرتا کہ نیکی کا ثواب ملتا رہے- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ لوگوں کو قیامت میں ان کی نیتوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا- حضرت حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ انسان کو دائمی بہشت چند روز کے عمل سے حاصل نہیں ہوگی بلکہ اچھی نیت سے حاصل ہوگی جس کی کوئی انتہا نہیں ہے-

نیت کی حقیقت : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک تین حالتیں در پیش نہ ہوں انسان سے حرکت سرزد نہیں ہوگی' علم' ارادہ' قدرت- مثلاً جب تک وہ کھانا نہیں دیکھے گا نہیں کھائے گا- اگر دیکھا لیکن اس کی خواہش نہیں ہے تب بھی نہیں کھائے گا' لیکن خواہش ہے اور ہاتھ ایسا مفلوج ہے کہ حرکت نہ کر سکے تو نہیں کھا سکے گا- پس یہ تین حالتیں سب حرکات کے لیے در پیش ہیں لیکن حرکت قدرت کی تابع ہے اور قدرت ارادے کی تابع ہے' کیونکہ ارادہ ہی قدرت کو کام میں لگاتا ہے اور خواہش علم کی تابع نہیں ہے کیونکہ آدمی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے پر ان کو نہیں چاہتا کہ بغیر علم کے چاہنا دشوار ہے کہ جس چیز کو جانتا ہی نہیں اس کو کس طرح چاہے گا- ان تینوں چیزوں میں سے خواہش کا نام نیت ہے' قدرت و علم کو نیت نہیں کہتے- خواہش آدمی کو کسی کام پر آمادہ کرتی ہے اور کام میں لگا دیتی ہے اس کو غرض مقصد اور نیت بھی کہتے ہیں- کبھی غرض ایک ہوتی ہے اور کبھی ایک کام سے دو اور دو سے زیادہ اغراض بھی ہوتی ہیں- اگر غرض ایک ہو تو اس کو نیت خالص کہتے ہیں اور اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی بیٹھا ہے اور ایک شیر نے اس کا قصد کیا وہ اٹھ کے بھاگا اس وقت اس کی غرض اور ارادہ ایک ہی ہوتا ہے یعنی بھاگ جانا- اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک متمول و مالدار شخص آیا تو کوئی شخص اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور اس میں سوائے اکرام کے اور کوئی غرض نہیں ہے اور یہ غرض خالص ہے- لیکن بہت سے ایسے کام ہیں کہ ان میں دو دو غرض بھی ہوتی ہیں- اس کی تین قسمیں ہیں- ایک یہ کہ ہر غرض جدا جدا ہو تب ہی کافی ہو- جیسے ایک غریب قرابت دار نے ایک درہم مانگا تو اس کو دے دیا کیونکہ وہ اپنا عزیز ہے اور درویش بھی ہے- دوسرے یہ کہ دینے والا اپنے دل ہی میں جانتا ہے کہ اگر وہ درویش نہ ہوتا تب بھی وہ اس کو دیتا اور اگر قرابت دار نہ ہوتا تب بھی دیتا تو اس وقت یہ دو غرض ہیں اور نیت مشترک ہے- دوسری قسم یہ ہے کہ سمجھتا ہے کہ اگر عزیز و قرابت دار ہوتا یا فقط درویش ہوتا تو نہ دیتا' لیکن جب یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں تو درہم دینے کا باعث ہوئیں- پہلے سبب کی مثال تو یہ ہے کہ دو قوی شخص باہم مل کر پتھر کو اٹھاتے ہیں- اگر ہر ایک اکیلا اٹھاتا تو بھی ہو سکتا تھا اور دوسری مثال یہ ہے کہ دو کمزور آدمی ایک پتھر کو مل کر اٹھاتے ہیں لیکن اکیلا اس کو کوئی بھی نہیں اٹھا سکتا- تیسری قسم یہ ہے کہ ایک غرض ضعیف ہے جو کام پر نہ لگائے اور دوسری غرض قوی ہے جو تنہا کام پر لگا دے لیکن اس سے کام زیادہ آسان ہو جاتا ہے- جیسے کوئی رات کو اکیلا نماز پڑھتا ہے لیکن جب بہت سے لوگ موجود ہوں تو نماز پڑھنا نسبتاً آسان ہو جائے لیکن اگر ثواب کی امید نہ ہوتی تو محض لوگوں کے دکھانے کے لیے نماز نہ پڑھتا اور اس کی مثال یہ ہے کہ کچھ لوگ مل کر پتھر اٹھا سکتے تھے لیکن اس کے اٹھانے میں ایک کمزور شخص نے بھی مدد کی تاکہ اور آسانی ہو جائے' ان تمام اقسام میں سے ہر ایک کا جداگانہ حکم ہے جس کا بیان

اخلاص کے باب میں کیا جائے گا- ان تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ نیت کے معنی تم سمجھ سکو کہ وہ ایک غرضِ محرک لیکن کبھی یہ خالص ہوتی ہے اور کبھی غیر خالص-

فصل: اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ "یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے-" اس ارشاد سے حضور اکرم ﷺ کا یہ منشا نہیں ہے کہ نیت بے عمل کردار بے نیت بہتر ہے- کیونکہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ عمل بغیر نیت کے عبادت نہیں بن سکتا اور نیت بغیر عمل کے طاعت بن سکتی ہے- اس سے ظاہر ہوا کہ طاعت کا تعلق جسم یا تن سے ہے اور نیت دل سے ہے بس یہ دو چیزیں ہیں اور ان دونوں میں جو چیز دل سے تعلق رکھتی ہے وہ بہتر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جسم کے عمل سے مقصود یہی ہے کہ وہ دل کی صفت بن جائے اور نیت یا عمل دل سے یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ جسم کی صفت ہو جائے اور لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ نیت عمل کے واسطے درکار ہے یہ غلط ہے ایسا نہیں ہے بلکہ عمل نیت کے لیے ضروری ہے کیونکہ تمام کاموں سے مقصود دل کی سیر ہے کہ دل اس جہان کا مسافر ہے اور سعادت اور شقاوت اسی کے لیے ہے اگرچہ تن بھی درمیان میں ہوتا ہے لیکن وہ تابع ہوتا ہے- جیسے اونٹ کہ اس کے بغیر حج ممکن نہیں ہے[1] لیکن حاجی وہ خود نہیں ہے اور دل کی سیر ایک ہی بات میں ہے- یعنی دنیا سے آخرت کی طرف متوجہ ہونا بلکہ دنیا اور آخرت سے بھی الگ ہو کر صرف خداوند تعالیٰ کی طرف التفات کرے اور دل کی توجہ اس کے ارادے اور خواہش کو کہتے ہیں- جب دل پر دنیا کی خواہش کا غلبہ ہوگا تو وہ دنیا کا طالب ہوگا کیونکہ دنیا سے تعلق رکھنا اس کی خواہش ہے- اور جب خدا کی طلب اور شوقِ دیدار غالب ہو تو اس کی صفت بدل جائے گی اور دل بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوگا- پس تمام کاموں سے مقصود دل کی سیر ہے- سجدے سے مقصود یہ نہیں کہ پیشانی زمین پر رکھ دی جائے بلکہ مقصود یہ کہ فروتنی اور عاجزی دل کی صفت بن جائے اور دل تکبر سے پاک ہو اور اللہ اکبر کہنے سے غرض یہ نہیں ہے کہ زبان حرکت کرے بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ دل اپنی بزرگی کے خیال سے نکلے اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی اس میں سما جائے- اور حج میں کنکریاں مارنے سے غرض یہ نہیں ہے کہ وہ جگہ سنگریزوں سے بھر جائے یا ہاتھ ہلے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دل طاعت و بندگی پر قائم ہو اور ہوا و ہوس کی پیروی اور عقل کی اطاعت سے باز آجائے' خدا کا فرمان بجالائے اور اپنے اختیار کر کے حکمِ الٰہی کا تابع اور مطیع بن جائے- چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ حَقًّا تَعَبُّدًا وَرِقًّا (میں تیری خدمت میں حج کے لیے حاضر ہوں از روئے بندگی اور غلامی) اور قربانی سے یہ مطلب نہیں کہ ایک بھیڑ یا بکری کا خون بہا دیا جائے بلکہ غرض اس سے یہ ہے کہ بخل کی نجاست تمہارے دل سے دور ہو جائے اور جانوروں کے حال پر شفقت کرنا تمہاری طبیعت کا خاصہ نہیں ہے بلکہ تم خدا کے حکم سے ان پر شفقت کرتے ہو- پس جب تم کو حکم دیا گیا کہ جانور کو ذبح کرو تو ایسا مت کہو کہ یہ بیچارا کیا کیا ہے میں اس کو کیوں ہلاک کروں- پس تم اپنا تمام اختیار چھوڑ دو اور واقعی میں نیست ہو جاؤ کہ

---

[1] قرون سابقہ میں حج کے لیے اونٹ کا ہونا ضروری تھا- اونٹ کے بغیر راستہ طے کرنا بہت ہی دشوار تھا-

تم خود نابود ہو کیونکہ بندہ نیست ہے- ہست صرف خداوند عالم ہے' تمام عبادتوں کو اس پر قیاس کرنا چاہیے- اللہ تعالیٰ نے دل کی تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ جب اس میں ایک ارادہ پیدا ہوتا ہے تو جسم کی حرکت بھی اسی کے مطابق ہو اور وہ صفت دل میں اور زیادہ ثابت و مستحکم ہو جائے- مثلاً یتیم کو دیکھنے سے دل میں رحم آیا جب اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس شفقت میں استواری پیدا ہوئی اور دل کی بصیرت و آگہی میں زور زیادہ اضافہ ہوا جب دل میں تو تواضع کا خیال آیا تو سر زمین پر سر کو جھکایا تو تواضع دل میں اور استوار و مستحکم ہوئی- تمام عبادتوں میں طلب خیر کو نیت کہتے ہیں جس کا مقصود یہ ہے کہ دنیا سے کام نہ رکھے بلکہ آخرت کی طرف متوجہ ہو جب اس نیت پر عمل کیا تو وہ خواہش ثابت اور استوار ہو گئی- پس عمل اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ نیت استوار ہو- ہر چند کہ عمل کا منشاء خود نیت ہے- یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ نیت عمل سے بہتر ہے کیونکہ نیت کا محل دل ہے اور عمل دوسرے ذرائع اور واسطوں سے دل میں سرایت کرتا ہے اور سرایت کے بعد عامل کے کام آتا ہے اگر سرایت نہ کرے اور غافل رہ جائے تو عمل بیکار ہو جاتا ہے اسی واسطے جو نیت بے عمل ہو وہ تو اکارت نہیں جاتی- اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کے پیٹ میں درد ہے- جب اس نے دوا کھائی اور معدے میں پہنچی اگر سینے پر دوا لگائی اور امید کی کہ اس کا اثر معدے کو پہنچے گا تو نافع تو یہ بھی ہو گی لیکن وہ دوا جو عین معدے کو پہنچائی گئی ہے اس سے زیادہ مفید اور نافع ہو گی بمقابلہ اس دوا کے جس کا ضماد سینے پر کیا گیا کہ مقصود اس ضماد سے سینہ نہیں بلکہ معدہ ہے لیکن اگر وہ دوا معدے تک سرایت نہ کرے تو بیکار گئی اور پہلے معدے کو پہنچی مگر سینے کو نہیں پہنچی تو اکارت نہیں گئی-

دل کے کونسے وسواس اور خیالات معاف ہوتے ہیں اور کون سے نہیں ؟

: معلوم ہونا چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے دل کے برے خیالات کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا ہے- حدیث شریف بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے کہ جو کوئی ایک معصیت کا ارادہ کر کے اس کو رد کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ گناہ اس کے ذمہ نہ لکھ اور اگر نیکی کا قصد کیا لیکن وہ نیکی نہیں کی تو ایک حسنہ لکھ اور اگر نیکی کی تو دس حسنات اس کے نامۂ اعمال میں لکھ اور بعض حدیثوں میں ہے کہ سات سو حسنات تک بڑھا دی جاتی ہیں- اس واسطے بعض علماء نے یہ گمان کیا ہے کہ جو کچھ دل میں گذرے اس پر بندے سے مواخذہ نہیں ہو گا- لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ ہم یہ بات بتا چکے ہیں کہ دل اصل میں جسم اس کا تابع ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ تُبْدُوْا مَافِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْتُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ (یعنی جو کچھ تمہارے دلوں میں گذرے خواہ اس کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ خدا کے یہاں اس کا حساب ہو گا) اور فرمایا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُوَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً (بے شک کان' آنکھ اور دل ہر ایک سے سوال کیا جائے گا) مزید ارشاد فرمایا لَا یُوَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِفِیْ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّوَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ (لغو قسم میں زبان ماخوذ نہیں ہو گی بلکہ ارادے کے سبب سے دل ماخوذ ہو گا (ترجمہ امام غزالیؒ) تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کبر' نفاق' عجب اور ریا پر مواخذہ ہو گا اور یہ سب کے سب دل کے اعمال ہیں- پس اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ جو کچھ دل میں

گذرتا ہے اس کی چار قسمیں ہیں' دو بلا اختیار ہیں ان پر بندہ ماخوذ نہیں ہو گا اور دو با اختیار ہیں ان پر بندے کا مواخذہ ہو گا اور مثال یہ ہے کہ تم کسی راستے سے گذر رہے تھے ایک عورت تمہارے پیچھے پیچھے آئی تمہارے دل میں اس کا خیال آیا اگر تم پھر کر دیکھو گے تو وہ نظر آئے گی' اس خطرے کو حدیث نفس کہتے ہیں اور یہ جو رغبت اس کے دیکھنے کی طبیعت میں پیدا ہوئی اس کا نام میلِ طبع ہے- تیسری یہ کہ دل نے حکم کیا کہ پلٹ کر دیکھنا چاہیے (اور دل ایسا حکم اس مقام میں کرے گا جہاں کچھ خوف اور قباحت نہ ہو) ہر ایک جگہ شہوت کی استدعا کے موافق دل حکم نہیں کرتا کہ یہ کام کر بلکہ کبھی یہ کہتا ہے کہ یہ کام کرنا زیبا نہیں ہے اور اسی منع کرنے کا نام حکم دل ہے- چوتھی قسم یہ ہے کہ پلٹ کے دیکھنے کا قصد کیا اگر اس حکم دل کو خدا کے خوف سے یا خلق کے خوف سے رد نہیں کرے گا تو پھر ارادہ جلد پختہ ہو جائے گا پس بندہ دل کی دو حالتوں سے جن کا نام حدیثِ نفس اور میلِ طبع ہے ماخوذ نہیں ہوتا کیونکہ یہ بات اس کے اختیار سے باہر تھی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا-)

اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا نفس چاہتا ہے کہ میں خود کو خصی کر لوں (تاکہ قوتِ شہوانی ختم ہو جائے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں روزہ رکھنا خصی ہونے کا ہی حکم رکھتا ہے- انہوں نے کہا کہ میرا نفس کہتا ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو' آپ نے فرمایا کہ جلدی نہ کرو کہ نکاح میری سنت ہے اور جب انہوں نے کہا کہ میرا نفس چاہتا ہے کہ پہاڑ پر راہبوں کی طرح جا کر رہوں' تو آپ نے فرمایا جہاد اور حج میری امت کی رہبانیت ہے اور جب انہوں نے عرض کیا کہ میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ گوشت مت کھا' تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ گوشت کو ترک نہ کر کیونکہ مجھے گوشت بہت مرغوب ہے- اگر میں خداوند تعالیٰ سے ہر روز گوشت مانگتا تو وہ ہر روز مجھے گوشت دیتا-" پس یہ تمام خطرات جو حضرت عثمان بن مظعون کے اندر پیدا ہوئے' ان کا نام حدیثِ نفس ہے- کیونکہ انہوں نے ان کاموں کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کا نفس ان کاموں میں ان سے مشورت طلب کر رہا تھا- دل کے وہ دو اعمال جو اختیاری ہیں یعنی حکم دل اور میلانِ طبیعت ان دونوں کے قصد سے بندہ ماخوذ ہو گا- اگرچہ شرم' خوف یا کسی اور وجہ اور مانع کے باعث وہ اس فعل کو نہ کرے اور خوفِ خدا نے اس کو اس فعلِ سے باز نہ رکھا-

بندے کے ماخوذ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی کو اس پر غصہ آگیا ہے اور اس کا بدلا لے رہا ہے اس لیے کہ جناب کبریا اور خداوند بزرگ و برتر غصہ اور بدلہ لینے سے پاک ہے- بلکہ اس کے معنی ہیں کہ اس مقصد اور ارادے سے جو اس نے کیا ہے اس کے دل میں ایسی صفت پیدا ہو گئی کہ بارگاہِ الٰہی سے وہ دور ہو گیا اور یہ اس کی بدبختی ہے ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ انسان کی سعادت یہ ہے کہ اپنا اور دنیا کا خیال چھوڑ کر خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو- بندے کی ایسی توجہ' ایسا ارادہ اور ایسی خواہش جو دنیا سے متعلق ہو' اگر وہ کرے گا تو دنیا سے اس کا تعلق محکم تر ہو گا اور وہ بارگاہ الٰہی سے دور ہو جائے گا- اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مواخذے میں گرفتار ہے اور ملعون ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا کا گرفتار ہوا اور خدا سے دور ہو گیا اور اس دوری کا سبب وہ خود ہے' اس کے ساتھ ہے اور اس کے اندر موجود ہے- اس کی طاعت

سے نہ ذاتِ خداوندی کو خوشی ہے اور نہ اس کی نافرمانی سے غصہ ہے - جو اس سے انتقام لے - یہ جو کہا جاتا ہے مخلوق کی فہم و عقل کے مطابق کہا جاتا ہے - جس شخص نے ان اسرار کو سمجھ لیا اس کو اس بارے میں کچھ شک نہیں رہا کہ ان اقوال سے دل ماخوذ ہوتا ہے اور اس قول پر مضبوط دلیل رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دو شخص تلواریں نیام سے نکال کر لڑیں اور ایک ان دو میں سے مارا گیا تو مقتول اور قاتل دونوں دوزخ میں جائیں گے' اصحاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور مقتول دوزخ میں کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ارادہ تو اس کا بھی اپنے دشمن کو مار ڈالنے کا تھا - یہ دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس مال ہے اور وہ اس کو شرع کے مطابق خرچ نہیں کرتا' اس کو دیکھ کر ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح اڑاتا - پس یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں - حالانکہ یہ فقط دل کا ارادہ ہے - ایک اور مثال ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بستر پر اپنی بیوی کو بیٹھا دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ کوئی غیر عورت ہے اور پھر اس نے اس سے جماع کیا تو ہر چند کہ وہ اس کی بیوی ہی تھی' پھر بھی یہ شخص گنہگار ہوا' اگر کسی شخص نے یہ خیال کر کے کہ میں طہارت سے ہوں' بغیر طہارت کے نماز پڑھ لی تو اس کو اس صورت میں بھی ثواب حاصل ہوگا اور اگر جانتا ہے کہ طہارت باقی نہیں ہے اور اس نے نماز پڑھی تو بے شک وہ گنہگار ہوگا خواہ اس کو بعد میں یاد آجائے کہ طہارت باقی ہے (جب ہی) یہ سب دل کی حالتیں ہیں - ہاں اگر کوئی شخص معصیت کا ارادہ کرے لیکن خوفِ الٰہی کے باعث اس گناہ سے باز رہے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے -

حدیث شریف میں وارد ہے کہ چونکہ آدمی کا قصد اس کی طبیعت کے موافق ہوا کرتا ہے اور طبیعت کے خلاف رہ کر کسی کام سے باز رہنا مجاہدہ ہے اس مجاہدہ سے دل روشن ہوتا ہے اور اگر قصد کیا جائے تو اس دل سیاہ ہوتا ہے - حسنہ لکھنے یا نیکی لکھے جانے کے معنی جو حدیث شریف سے ثابت ہیں یہی ہیں' البتہ اگر کوئی شخص عجز اور لاچاری سے اس برے خیال سے باز رہا تو کچھ کفارہ نہ ہوگا اور اس کے دل کی سیاہی اسی طرح باقی رہے گی' البتہ وہ اسی دل کی سیاہی کے سبب سے ضرور ماخوذ ہوگا اس مقتول کی طرح جو کمزوری اور عاجزی کے باعث اپنے دشمن کو نہ مار سکا اور خود مارا گیا -

نیت کے سبب سے اعمال بدلتے رہتے ہیں

اے عزیز! معلوم ہو کہ تمام اعمال تین قسم کے ہیں۔ یعنی طاعات' معاصی اور مباحات' حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے کوئی شخص یہ گمان کرے کہ معصیت بھی اچھی نیت سے طاعت بن سکتی ہے یہ بات غلط ہے' نیت خیر کو معصیت میں دخل نہیں ہے لیکن بری نیت برے کام کو بدترین بنا دیتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا دل خوش کرنے کے ارادے سے کسی کی غیبت کرے اور مال حرام سے مسجد' مسافر خانہ اور مدرسہ بنائے اور کہے کہ میری نیت خیر ہے۔ حالانکہ اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ بدی سے نیکی کا قصد کرنا خود بدی ہے۔ اگر وہ اس بدی کو بدی سمجھتا ہے تب بھی وہ فاسق ہوگا اور اگر نیکی سمجھے تب بھی وہ گنہگار ہوگا کیونکہ علم کا سیکھنا فرض تھا اور اکثر لوگ جہالت کے سبب سے ہلاک

ہوتے ہیں۔ شیخ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ جہل سے عظیم کوئی معصیت نہیں ہے اور جہل مرکب، جہل بسیط بدتر ہے اس لیے کہ جب کوئی اپنے جہل سے واقف نہ ہو تو اس کے سیکھنے کی امید نہیں اور جہل مرکب اس کو مانع ہو گا کہ وہ علم حاصل کرے۔

اسی طرح ایسے شاگرد کو پڑھانا بھی حرام ہے جس کا مقصود علم حاصل کرنے سے یہ ہو کہ وہ قضا کا عہدہ حاصل کرے۔ مالِ وقف، یتیموں کا مال اور بادشاہوں سے دولت حاصل کرے اور دنیا کمائے۔ تفاخر اور بحث وجدال میں مشغول ہو اگر اس اعتراض کے جواب میں مدرس کہے کہ پڑھانے سے میرا مقصد علم کا پھیلانا ہے۔ اگر شاگرد اس کو غلط استعمال کرتا ہے یا اس سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے تو اس سے میرا اجر ضائع نہیں ہو گا۔ اس کا ایسا کہنا محض نادانی ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ رہزنی کرتا ہو اور کوئی شخص اس کے ہاتھ میں تلوار دے دے یا جو شخص شراب بناتا ہے اس کو انگور دیں اور کہیں کہ اس سے ہمارا مقصود سخاوت ہے اور اللہ تعالیٰ سخاوت کو پسند کرتا ہے مگر ایسا کہنا جہالت کی علامت ہے بلکہ جب یہ معلوم تھا کہ یہ رہزن ہے تو اس کے ہاتھ سے چھین لینا چاہیے تھی نہ کہ اور تلوار دے دی (یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے) ہمارے بزرگان سلف، فاجر عالم سے اور ایسے شاگرد سے جو معصیت کا مرتکب ہو پرہیز کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام احمد حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک قدیم شاگرد کو محض اس لیے اپنے پاس سے الگ کر دیا کہ اس نے (بطور خدمت و خیر خواہی) مکان کی دیوار کو کھگل کیا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے پتلی دیوار کو موٹا کر کے مسلمانوں کا راستہ بقدر ایک ناخن کے گھٹا دیا ہے۔ اب میں تم کو نہیں پڑھاؤں گا۔ پس محض خیر کی نیت سے ہر بات خیر نہیں ہو سکتی بلکہ خیر وہی ہے جس کا حکم آیا ہے۔

اعمال کی دوسری قسم طاعات ہے اور ان میں نیت دو وجہ سے اثر کرتی ہے۔ ایک یہ کہ اصل عمل نیت سے درست ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جتنی نیت زیادہ ہو اتنا ہی ثواب دو چنداں حاصل ہو۔ اگر کوئی علم نیت سیکھے گا تو ایک طاعت میں دس درست اور نیک نیتیں کر سکے گا تاکہ اس کی ایک طاعت دس طاعتوں کی مانند ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص نے مسجد میں اعتکاف کیا اور اس کی ایک نیت تو یہ ہے کہ مسجد خانہ خدا ہے جو شخص اس میں داخل ہو گا وہ گویا خدا سے ملنے کو گیا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں گیا وہ گویا خداوند تعالیٰ سے ملاقات کے لیے گیا ہے اور جس کی ملاقات کو جاتے ہیں اس کو سزاوار ہے کہ وہ اپنے زائر یا ملاقات کو آنے والے کی تکریم کرے دوسری نیت یہ کہ وہاں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص نماز کا انتظار کرے گا وہ گویا حالت نماز میں ہے۔ تیسری نیت یہ ہے کہ اس نے اعتکاف کے وقت یہ نیت کی کہ آنکھ، کان، زبان، اور ہاتھ پاؤں کو بے جا حرکات سے باز رکھوں گا تو یہ گویا ایک طرح کا روزہ ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد میں بیٹھنا میری امت کی رہبانیت ہے۔ چوتھی نیت یہ کہ اشغالِ دنیوی سے خود کو دور رکھے اور سر تاپا اللہ جل شانہ کی یاد میں سرگرم ہو جائے، ذکر و فکر اور مناجات میں مشغول رہے۔ پانچویں نیت یہ کہ لوگوں کے شور و شر سے بچنے کی نیت کرے۔ چھٹی نیت یہ کہ اگر مسجد میں کوئی برا کام مجھے نظر

آئے گا تو اس سے روکوں گا اور نیک کام کی طرف متوجہ کروں گا اور اگر کوئی شخص نماز درستی سے نہیں پڑے گا تو اس کو صحیح نماز پڑھنے کی تعلیم دوں گا' ساتویں نیت یہ کہ اگر مسجد میں کوئی دیندار شخص ملے گا تو اس سے دینی اخوت کا پیمان کروں گا اس لیے کہ مسجد دینداروں کے رہنے کی جگہ ہے' آٹھویں نیت یہ کہ اگر میں اس کے گھر میں کسی معصیت یا بدی کا خیال کروں تو مجھے خداوند تعالیٰ سے شرمندگی اٹھانا پڑے۔

دوسری طاعات کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے یعنی ہر ایک طاعت میں کئی کئی نیتیں کر سکتے ہیں تا کہ ثواب کئی گناہ زیادہ ہو جائے۔

تیسری قسم ان اعمال کی ہے جو مباح ہیں۔ کون ایسا عاقل ہو گا کہ وہ مباحات میں جانوروں کی طرح حسن نیت سے بے خبر رہ جائے کہ اس میں اس کا بڑا نقصان ہے۔ کیونکہ تمام حرکات کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور تمام مباحات کا حساب ہو گا اگر آدمی کی نیت بری تھی تو ضرر رساں ہو گی اور اگر نیت نیک تھی تو اس کو نفع پہنچائے گی اور اگر نیت نہ اچھی ہو نہ بری تو اس طرح اس نے ایک مباح فعل میں گویا اپنا وقت ضائع کیا اور اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور اس آیت کے خلاف کیا۔

وَلَاتَنسَ نَصِیبَکَ مِنَ الدُّنیَا — اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "بندے کے ہر ایک عمل سے سوال کیا جائے گا یہاں تک کہ سرمہ جو آنکھوں میں لگایا ہے یا ایک ڈھیلا جو ہاتھ پر ملا ہو یا ہاتھ جو کسی دینی بھائی کے کپڑے پر ڈالا ہو۔"

مباحات کی نیت کا علم طویل ہے اس کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً خوشبو لگانا مباح ہے اور ممکن ہے کہ اس کو کوئی جمعہ کے دن لگائے اور اس کا ارادہ اظہارِ فخر ہو تو علم حاصل کرنے کی صورت میں وہ ایسا نہیں کرے گا۔ یار یا مقصود ہو' یا یہ مقصد ہو کہ غیر عورت کا دل اس کی طرف مائل ہو (یہ سب برے خیال ہیں) اور خوشبو لگانے میں اچھی نیت اس طرح ہوتی ہے' وہ خوشبو لگانے سے خانہ خدا کی تعظیم و تکریم کا ارادہ کرے اور یہ مقصد ہو کہ اس کے پاس بیٹھنے والے نمازی اس خوشبو سے راحت حاصل کریں۔ یا بدبو کو اپنے پاس سے دفع کرے تا کہ لوگ اس بدبو کی وجہ سے اس سے بیزار نہ ہوں اور شکایت یا غیبت کی معصیت میں گرفتار نہ ہوں یا یہ نیت ہو کہ اس سے دماغ کو تقویت حاصل ہو گی اور ذکر و فکر پر قادر ہو گا۔ ایسی پاک نیتیں وہ کرے گا جو ہمیشہ نیک کاموں کے خیال میں رہا کرتا ہے اور اچھی نیتوں میں سے ہر ایک درگاہِ الٰہی میں تقرب کا سبب ہو گی اور بزرگانِ سلف کا یہی حال تھا۔ یہاں تک کہ وہ کھانا کھانے' بیت الخلاء میں جانے اور بیوی سے ہمبستری (جماع) کرنے میں ایسی ہی نیت کیا کرتے ہیں جو کارِ خیر کا سبب ہو۔

جب آدمی کارِ خیر کا قصد کرتا ہے تو اس کو ثواب حاصل ہوتا ہے مثلاً عورت سے جماع میں اولاد کی نیت کرے تا کہ حضور ﷺ کی امت میں اضافہ ہو یا عورت کو راحت پہنچانا مقصود ہو اور اس کو اپنے آپ کو گناہ سے بچانے کی نیت

کرے حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک دن الٹا کپڑا پہنا تھا ان سے کہا گیا کہ ہاتھ لمبا کیجئے تاکہ اس کو سیدھا کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ سن کر ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ میں نے اس الٹے کپڑے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پہنا ہے اس کے حکم سے سیدھا کروں گا حضرت زکریا علیہ السلام کہیں مزدوری کے لیے گئے تھے کچھ لوگ ان کے پاس گئے اس وقت وہ کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے ان کو کھانے کے لیے نہیں بلایا۔ جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو کہا کہ اگر میں یہ تمام کھانا نہ کھاتا تو مجھ سے پوری مزدوری نہیں ہو سکتی تھی اور سنتِ سخاوت ادا کرنے کے باعث میں ادائے فرض مزدوری سے محروم رہ جاتا۔ اسی طرح حضرت سفیان ثوریؒ کھانا کھا رہے تھے کوئی دوست ان کے پاس آگیا انہوں نے اس کو کھانے میں شریک نہیں کیا جب کھانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اگر یہ کھانا قرض کا نہ ہوتا تو میں تم کو ضرور شریک کرتا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص تم کو کھانا کھانے کے لیے کہے خواہ دل میں وہ تم سے راضی نہ ہو تو اگر تم نے نہیں کھایا تو بلانے والے سے ایک تقصیر ہوئی۔ یعنی نفاق۔ اور اگر تم نے وہ کھانا کھا لیا تو بلانے والے سے دو گناہ ہوئے۔ ایک تو معصیتِ نفاق اور دوسری خیانت یہ کہ بلانے والا نے بلائے جانے والے کو ایسی چیز کھلائی کہ اگر کھانے والا اس سے واقف ہوتا تو نہ کھاتا۔

نیت اختیار سے باہر ہے: اے عزیز! معلوم کر کہ جب ایک سلیم الطبع شخص کو یہ معلوم ہو گا کہ ہر مباح میں نیت ممکن ہے تو شاید وہ دل میں یا زبان سے کہے کہ میں خدا کے واسطے نکاح کرتا ہوں' کھانا کھاتا ہوں' درس دیتا ہوں اور مجلس حدیث منعقد کر رہا ہوں اور وہ سمجھے گا کہ یہ بھی نیت ہے حالانکہ یہ حدیث نفس یا زبان کی بات ہے کیونکہ نیت تو ایک رغبت ہے جو دل میں پیدا ہو اور انسان کو کسی کام میں مشغول کرے جس طرح ایک شخص کوشش کرتا ہے کہ دوسرا شخص اس کی بات مان کر وہ کام کرے اور یہ نیت اس وقت پیدا ہوئی کہ غرض ظاہر ہو اور دوسرے پر غالب آجائے اور جب یہ تقاضا کرنے والا موجود نہ ہو تو زبان سے نیت کرنا ایسا ہو گا کہ کوئی شکم سیر شخص یہ کہے کہ میں نے بھوکا رہنے کی نیت کی ہے۔ یا کسی شخص سے بے تعلق رہ کر یہ کہے کہ میں شخص کو دوست رکھتا ہوں اور یہ محال ہے یا ایک شخص غلبہ شہوت کے سبب سے جماع کرتا ہے اور کہتا ہو کہ ہونے کی خاطر مباشرت کرتا ہوں۔ یہ بالکل لایعنی بات ہے یا نکاح کر کے کہتا ہے کہ میں نے نکاح ادائے سنت کے لیے کیا ہے یہ بات بھی مہمل ہے بلکہ اوّل تو شرعی پر ایمان مضبوط ہونے کی ضرورت ہے اس کے بعد ان احادیث میں غور کرے جو ثواب نکاح یا اولاد کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں تاکہ اس ثواب کے حصول کی آرزو اس کے دل میں حرکت پیدا کرے اور اس کو نکاح کی طرف مشغول کرے تب اس کو نیت کہا جائے گا۔ جس شخص کو طاعت الٰہی کی حرص نے نماز کے لیے کھڑا کیا ہے وہی نیت ہے اور زبان سے کہنا عبث ہے' جیسے بھوکے آدمی کا کہنا کہ میں نے کھانا کھانے کی نیت اس لیے کی ہے کہ میری بھوک رفع ہو جائے کیونکہ بھوکا رہنا تو خود ضرورتاً اس کو اس بات پر متوجہ کرتا ہوں اور جس مقام پر نفس کی لذت پیدا ہو جائے اس مقام پر آخرت کی نیت دشوار ہوتی ہے سوائے اس صورت کے کہ آخرت کے کام کو حظ نفس پر غلبہ حاصل ہو۔ پس اس گفتگو سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو کہ نیت تمہارے

اختیار سے باہر ہے۔ کیونکہ نیت ایک خواہش ہے جو تم کو ایک کام میں مصروف کرتی ہے۔ اور کام البتہ تمہاری قدرت سے ہوتا ہے اگر تم چاہو کرو یا نہ چاہے تو نہ کرو۔ البتہ تمہاری خواہش تمہارے اختیار میں نہیں ہے کہ ایک چیز چاہو یا نہ چاہو' بلکہ خواہش کبھی پیدا ہوتی ہے اور کبھی نہیں پیدا ہوتی اور اس خواہش کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ تم اس بات کے معتقد ہو جاؤ کہ دنیا یا آخرت میں ایک کام سے تمہاری غرض متعلق ہے اس لیے تم اس کے خواہاں ہو۔ جو شخص ان اسرار کو معلوم کرے گا وہ ایسی بہت سی طاعتوں سے بے تعلق ہو گا جن میں نیت کا اظہار نہیں ہوا ہو گا۔ حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے جنازہ پر نماز پڑھ کر کہنے لگے کہ میری نیت درست نہیں تھی۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے حماد بن ابی سفیان کے جنازہ پر نماز کیوں نہیں پڑھی حالانکہ وہ کوفہ کے علمائے کبار میں سے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر نیت درست ہوتی تو نماز پڑھتا۔ کسی شخص نے شیخ طاؤس رحمتہ اللہ علیہ سے اپنے لیے دعا کی استدعا کی تو انہوں نے جواب دیا کہ نیت پیدا ہونے تک ٹھہرو۔ جب کبھی ان سے کہا جائے کہ کوئی حدیث بیان فرمایئے تو وہ کبھی بیان نہیں کرتے تھے اور کبھی بغیر فرمائش اور استدعا کے بیان کرنے لگتے اور کہتے کہ میں نیت کے انتظار میں تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ میں ایک مہینہ سے کوشش کر رہا ہوں کہ فلاں بیمار کی عیادت کے سلسلہ میں میری نیت درست ہو (تو اس کی عیادت کروں) لیکن اب تک نیت درست نہیں ہوئی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جس شخص پر دنیا کی حرص غالب ہے ہر کام میں اس کی نیت درست نہیں ہو گی بلکہ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوشش سے نیت کو پیدا کرے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ جب تک آتش دوزخ کا خیال نہ کرے اور اس سے نہ ڈرے نیت پیدا نہ ہو۔ جب تک کوئی شخص ان حقائق کو نہ پہچانے گا شاید کہ فضائل کو چھوڑ کر مباحات میں مشغول ہو جائے کہ مباحات کی ادائیگی کی نیت اس کے اندر پیدا ہو گئی ہے مثلاً کسی شخص نے قصاص لینے میں نیت پائی لیکن عفو میں میں نیت نہیں پائی۔ اس طرح ممکن ہے کہ تہجد کی نماز ادا کرنے کے لیے جلد بیدار ہو جائے گا اس کے لیے نیند افضل ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص عبادت سے ملول ہوا اور سمجھا کہ تھوڑا سا وقت اپنا دل بہلائے یا کسی اور شخص سے بات چیت میں وقت گذارے تو اس شخص کے حق میں اس عبادت (نفلی) سے جو ملال آفریں ہے یہ ظرافت اور دل بہلاوا بہتر ہے کیونکہ اس میں نیت بہتر ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ کبھی کبھی میں خود کو لہو و لعب کے ذریعہ آرام دیتا ہوں تاکہ عبادت الٰہی میں نشاط پیدا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تو دل کو ایک کام میں ہمیشہ جبر سے لگائے رہے گا تو اس کی بینائی ختم ہو جائے گی اور اس کی مثال ایسی ہے کہ طبیب ایسے بیمار کو جو محرور المزاج ہو (جس کے مزاج میں حدت ہو) گوشت کھانے کی اجازت دے دے لیکن اس سے طبیب کی نیت یہ ہو کہ بیمار کی اصل قوت عود کر آئے اور دوا کھانے کی طاقت اس میں پیدا ہو اور کبھی کوئی شخص ایسا کرتا ہے کہ میدان جنگ سے بھاگ جاتا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن پر اس کی پشت سے حملہ کرے یا یک بیک اس پر حملہ کرے اور اساتذہ نے اس قسم کے بہت سے حیلے کئے ہیں۔ راہ دین بھی جنگ و جدل اور بحث و مناظرہ سے خالی نہیں ہے اس میں کبھی نفس کے ساتھ اور کبھی شیطان کے ساتھ مناظرہ ہوتا ہے اور کبھی نرمی اور حیلوں کی

بھی حاجت پڑتی ہے۔ اس طریقہ کو بزرگان دین نے پسند کیا ہے اگرچہ علمائے ناقص کو اس کی خبر نہیں ہے۔

فصل: اے عزیز! جب تم کو معلوم ہو گیا کہ جو چیز ایک عمل پر ابھارنے والی ہو۔ اس کے نیت کہتے ہیں۔ اب غور کرو کوئی تو ایسا ہو گا کہ دوزخ کا خوف اس کو اطاعت پر ابھارے گا اور کوئی ایسا ہو گا کہ بہشت کی نعمتوں کی آرزو اس کا باعث ہو گی اور جو کوئی طاعت بہشت کے واسطے کرتا ہے تاکہ شکم و فرج کی مراد حاصل ہو اور وہ جو دوزخ کے کہ وہ ایسے مقام پر جا پہنچے جہاں شکم و فرج کی مراد حاصل ہو۔ اور وہ جو دوزخ کے ڈر سے ایک کام کرے وہ اس سے بھی بدتر اور ادنیٰ غلام ہے جو بغیر تنبیہ اور مار پیٹ کے کام نہیں کرتا۔ یہ دونوں عامل ایسے ہیں۔ جو خداوند تعالیٰ سے سروکار نہیں رکھتے (بلکہ دوزخ کے خوف سے برے کام نہیں کرتے) اور بندہ خاص وہ ہے اور بندۂ پسندیدہ وہ ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے خدا کے لیے کرتا ہے نہ کہ دوزخ سے بچنے اور بہشت کے حصول کے لیے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص جو اپنے معشوق کو دیکھتا ہے وہ بس معشوق ہی کے لیے دیکھتا ہے غرض تو نہیں ہوتی کہ اس کے بدلے محبوب اس کو سیم و زر دے گا اور جو کوئی سیم و زر کی خاطر دیکھتا ہے تو اس کا محبوب سیم و زر ہے پس جو کوئی ایسا ہے کہ جمال و جلال الٰہی اس کا محبوب نہیں ہے تو اس سے خالص نیت نہ ہو سکے گی اور جو کوئی طالب مولیٰ ہے۔ وہ ہمیشہ جمالِ الٰہی کی فکر میں رہے گا۔ اور اس کی گفتگو مناجات ہو گی اور اگر وہ جسم سے طاعت کرے گا تو اس واسطے کرے گا کہ وہ اپنے محبوب کی اطاعت کرنا پسند کرتا ہے اور اس کو یہ محبوب ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے جسم کو مصروف رکھے تاکہ یہ جسم جمالِ الٰہی کی دید سے اس کو باز نہ رکھے۔ ایسا شخص معصیت کو اس وجہ سے ترک کرے گا کہ خواہشات کی پیروی مشاہدہ جمال الٰہی کی لذت سے مانع ہوتی ہے۔ حقیقت میں عارف کامل ایسا ہی شخص ہے منقول ہے کہ احمد بن خضرویہ نے خداوند تعالیٰ کا عالم خواب میں دیدار کیا کہ وہ فرماتا ہے کہ سب لوگ مجھ سے کچھ چیز طلب کرتے ہیں لیکن ابویزید خود مجھے مانگتا ہے۔ شبلی رحمتہ اللہ علیہ کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور پوچھا حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھ پر عتاب فرمایا گیا۔ کیونکہ ایک بار میں نے زبان سے یہ کہہ دیا تھا کہ بہشت سے محروم رہنا بندہ کے بڑے نقصان اور محرومی کا سبب ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ایسا مت کہہ 'بلکہ میرے دیدار سے محروم رہنا بڑے نقصان کا موجب ہے۔

اس دوستی و لذت کی حقیقت 'محبت کی اصل کے سلسلہ میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

☆............☆............☆
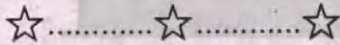
اصلِ پنجم

فضیلتِ اخلاص اور اس کی حقیقت و درجات

اخلاص کی فضیلت : ہم پہلے اخلاص کی فضیلت کے سلسلہ میں بتانا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلاَّ لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۵ (حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اسی کے لیے خاص رکھیں اور فرمایا اَلاَ لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے) حاصل ان دونوں آیات کریمہ کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فرمایا ہے کہ وہ اس کی بندگی اخلاص کے ساتھ کریں اور خالص دین خداوند کریم ہی کے لیے ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اخلاص میرے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جس کو میں نے اپنے بندہ کے دل میں رکھ دیا ہے جو میرا دوست ہے۔ پس اے معاذ! اخلاص کے ساتھ عمل کرتا کہ تھوڑا عمل بھی تیرے لیے کافی ہو۔

وہ باتیں جو ریا کی مذمت میں ہم نے بیان کی ہیں ان سب میں اخلاص کا بیان ہے کیونکہ لوگوں کو اپنے اعمال جتلانا بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جو اخلاص کو قطع کرتے ہیں اس کے علاوہ دوسرے اسباب اور بھی ہیں۔ حضرت معروف کرخی خود کو کوڑے سے مارتے اور فرماتے اے نفس اخلاص کیا کرتا کہ تجھے خلاصی ہو۔ شیخ ابو سلیمان درانی نے کہا کہ وہ شخص نیک بخت ہے جو تمام عمر میں ایک بار اخلاص کے قدموں سے چلا اور اس کام میں اس نے رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ چاہا۔ شیخ ابو ایوب سجستانی نے کہا ہے کہ نیت میں اخلاص، اصل نیت سے دشوار ہے۔

ایک شخص کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تجھ سے کیسا سلوک کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ اس کے لیے کیا تھا اس کو میں نے نیکیوں کے پلڑے میں دیکھا یہاں تک کہ انار کا ایک دانہ جو زمین سے اٹھایا تھا اور ایک بلی جو میرے گھر میں مری تھی۔ میری ریشم کی ٹوپی کا ہر تار میں نے حسنات کے پلڑے میں دیکھا میرا ایک گدھا تھا جسے میں نے سو دینار میں خریدا تھا اور وہ مر گیا لیکن وہ میرے حسنات کے پلڑے میں نہیں ہے میں نے کہا سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اس میں کیا راز ہے کہ بلی حسنات کے پلڑے میں ہو اور گدھا نہ ہو جب میں نے یہ خیال کیا تب ملائکہ نے مجھ سے کہا کہ تو نے گدھے کو جہاں بھیجا تھا وہ وہاں پہنچ گیا کیونکہ جب تو نے یہ سنا تھا کہ وہ مر گیا تو نے لعنۃ اللہ کہا اگر تو فی سبیل اللہ کہتا تو گدھا بھی حسنات کے پلڑے میں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ ایک بار میں نے خدا کے راستہ میں صدقہ دیا لوگ میرا صدقہ دینا دیکھ رہے تھے۔ ان کا وہ دیکھنا مجھ کو پسند نہ آیا اس طرح اس صدقہ نے نہ مجھے نفع پہنچایا نہ نقصان یہ سن کر سفیان ثوری نے کہا کہ اس نے بڑی دولت پائی جو اس صدقہ نے اس کو ضرر نہیں پہنچایا۔ ایک شخص نے کہا کہ میں کشتی میں سوار جہاد کے لیے جا رہا تھا ہمارا ایک ساتھی "توبڑا" بیچ رہا تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اس سے یہ توبڑا لے لوں گا اور اس کو فلاں شہر میں

بیچوں گا تاکہ کچھ فائدہ حاصل کرلوں۔ اس شب میں نے خواب میں دیکھا کہ دو شخص آسمان سے اتر رہے ہیں۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ نمازیوں کے نام میں فلاں شخص کا نام تحریر کرو کہ وہ محض تماشہ دیکھنے آیا تھا اور فلاں شخص تجارت کی غرض سے! پھر میری طرف دیکھ کر کہا کہ اس کا نام بھی تجارت کی غرض سے آنے والوں میں لکھو۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو میرے پاس کچھ بھی مال تجارت نہیں ہے میں تجارت کے لیے کس طرح آسکتا ہوں۔ میں محض اللہ کے لیے آیا ہوں۔ تب فرشتہ نے کہا کہ اے شیخ کیا تم نے وہ توبڑا اپنے فائدہ کے لیے نہیں خریدا تھا۔ یہ سن کر میں رو دیا اور میں نے کہا میں سوداگر نہیں ہوں دوسرے نے کہا کہ تم لکھ لو فلاں شخص جہاد کے لیے آیا تھا اور راستہ میں نفع کمانے کے لیے توبڑا خرید لیا۔ حق تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق اس کے بارے میں فیصلہ فرمائے۔ اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک گھڑی کے اخلاص میں بندہ کی نجات ہے۔ لیکن اخلاص ہر کسی سے نہیں ہو سکتا اس سلسلہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ علم تخم ہے عمل کشاورزی ہے اور اخلاص (اس کے سرسبز و شاداب ہونے کے لیے) پانی ہے۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد سے لوگوں نے کہا کہ فلاں جگہ ایک درخت ہے لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں اور اس کو خدا سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر عابد کو غصہ آیا اور ایک تبر کاندھے پر رکھ کر اس درخت کو کاٹنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں اسے ایک بوڑھے شخص کی صورت میں ابلیس ملا اور پوچھا کہاں جاتے ہو اس نے کہا فلاں درخت کاٹنے کے لیے جاتا ہوں ابلیس نے کہا جاؤ خدا کی عبادت کرو۔ عبادت میں مشغول رہنا تمہارے اس کام سے بہتر ہے۔ عابد نے کہا میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔ کہ اب میری عبادت یہی ہے۔ ابلیس نے کہا میں تم کو نہیں جانے دوں گا۔ اور وہ عابد سے لڑنے لگا۔ عابد نے ابلیس کو زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا تب ابلیس نے کہا میری ایک بات سن لو عابد نے کہا کہ کہہ کیا کہتا ہے ابلیس نے کہا کہ خدا کے ہزاروں پیغمبر ہیں اگر اس درخت کا کاٹنا اللہ کو منظور ہوتا تو اپنے کسی پیغمبر کو حکم فرماتا اور اس نے حکم تو تم کو بھی نہیں دیا ہے پس یہ کام کیوں کرتے ہو عابد نے کہا کہ میں ضرور یہ کام کروں گا۔ ابلیس نے کہا کہ میں تم کو نہیں جانے دوں گا دونوں پھر لڑنے لگے۔ عابد نے ابلیس کو پٹخ دیا۔ ابلیس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں ایک بات کہتا ہوں اگر پسند نہ آئے تو پھر جو جی چاہے کرنا یہ سن کر عابد نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ ابلیس نے کہا کہ اے عابد تمہاری معاش قلیل ہے جو کچھ لوگ تم کو دے دیتے ہیں اسی پر تمہاری گذر رہے اگر تمہارے پاس کافی مال ہو تو خود اپنے کام میں بھی لاؤ اور دوسرے درویشوں پر بھی خرچ کرو، تم جھاڑ کو مت کاٹو۔ اگر تم نے درخت کاٹ بھی دیا تو بت پرست دوسرا درخت لگا دیں گے اور ان کا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ اگر تم نے درخت نہیں کاٹا اور تم اس خیال سے باز رہے تو میں ہر صبح تمہارے بستر کے نیچے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔ اور ایک اپنے خرچ میں لاؤں گا اور یہ اس درخت کے اکھیڑنے سے زیادہ اچھا ہے کہ نہ تو مجھے درخت اکھیڑنے کا حکم ملا ہے اور نہ میں پیغمبر ہوں کہ یہ کام مجھ پر واجب ہو۔ غرض اسی خیال میں محو وہ اپنے گھر واپس آگیا اس کے تین دن تک دو دو دینار ملتے رہے۔ عابد نے کہا کہ اچھا ہی ہوا جو اس نے درخت کو نہیں کاٹا۔ چوتھے دن عابد کو یہ دینار نہیں ملے۔ سخت غصہ آیا اور تبر اٹھا کر درخت کاٹنے روانہ ہو گیا۔ ابلیس نے پھر راستہ میں آلیا اور پوچھا کہ کہاں چلے ؟ عابد

نے کہا کہ فلاں درخت کاٹنے جارہا ہوں۔ ابلیس نے کہا تم جھوٹ بول رہے ہو خدا کی قسم اب تم درخت نہ کاٹ سکو گے۔ یہ سنتے ہی دونوں لڑنے لگے اور دو تین جھٹکوں ہی میں ابلیس نے عابد کو پٹخ دیا اور یہ اس کے ہاتھ میں بالکل چڑیا کی طرح حقیر و بے بس ہو رہا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ ابھی واپس چلے جاؤ ورنہ سر کاٹ کے پھینک دوں گا۔ عابد نے نہایت عاجزی کے ساتھ کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن مجھے اتنا بتادے کہ پہلے دو مرتبہ میں تجھ پر غالب آیا اور اب تو مجھ پر غالب آگیا اس کا سبب کیا ہے؟ ابلیس نے جواب دیا کہ اوّل تو خدا کے واسطے غصہ میں آیا تھا۔ تب خدا نے مجھ کو مغلوب کر دیا تھا اور جو کوئی کچھ کام خدا کے واسطے اخلاص سے کرتا ہے اس پر میرا زور نہیں چلتا اور اس بار تیرا غصہ محض دیناروں کے سبب سے تھا اس لیے جو شخص حرص و ہوا کا تابع ہو وہ ہم پر غالب نہیں آسکتا۔

اخلاص کی حقیقت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ نیت کسی عمل کے محرک اور متقاضی کو کہتے ہیں یہ باعث اور محرک اگر ایک ہے تو اس نیت کو خالص کہتے ہیں اور جب دو یا دو سے زیادہ چیزیں اس عمل کا محرک یا باعث ہوں تو چونکہ اس میں شرکت ہوئی اس لیے وہ خالص نہ رہی۔ اس شرکت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خدا کے واسطے روزہ رکھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا مطلب روزہ رکھنے سے یہ بھی تھا کہ کھانا ترک کرنے سے تندرستی حاصل کرے ساتھ ہی خرچ اس طرح کم ہو جائے یا کھانا پکانے کی محنت سے نجات حاصل ہو یا اطمینان کے ساتھ ایک کام کو انجام دے سکے یا یہ کہ صوم کے سبب سے بیدار رہے اور بیدار رہ کر کچھ کام کر سکے۔

یا ایک شخص نے غلام آزاد کیا تاکہ اس کے نفقہ سے بچے یا اس کی بدخوئی سے محفوظ رہے یا حج کے لیے گیا تاکہ سفر اور راستہ کی ہوا سے قوت اور تندرستی حاصل ہو اور دوسرے ملکوں کی سیر کرے اور وہاں کا لطف اٹھائے تاکہ بیوی بچوں کے جھگڑوں سے کچھ دنوں کے لیے سکون میسر ہو یا کسی دشمن کی ایذا رسانی سے محفوظ رہے یا رات میں اس لیے نماز پڑھتا ہے کہ نیند نہ آئے اور اپنا سامان تیار کرے یا جاگ کر علم حاصل کر رہا ہے۔ تاکہ روزی حاصل ہو یا اس کے ذریعہ مال و متاع' باغات اور زمین حاصل کرے یا لوگوں کی نظر میں معزز ہو یا اس کے جاگ کر سبق پڑھاتا ہے اور مجلس حدیث منعقد کرتا ہے۔ تاکہ خاموشی کی تکلیف سے محفوظ رہے اور آزردہ خاطر نہ ہو یا کلام پاک کی کتابت کرتا ہے تاکہ خط سنبھل جائے اور پختگی آجائے یا ایک شخص حج کو پیادہ جا رہا ہے تاکہ سواری کا کرایہ بچ جائے یا وضو کرتا ہے تاکہ تازگی اور فرحت حاصل ہو یا غسل کرتا ہے تاکہ بدن میں سبکی یعنی ہلکا پن پیدا ہو یا مسجد میں اعتکاف اور رہنا اختیار کرے تاکہ گھر کا کرایہ نہ دینا پڑے یا کسی مسائل کو خیرات دیتا ہے تاکہ اس کے عجز و الحاد سے آزاد ہو یا کسی بیمار کی عیادت کے واسطے جاتا ہے تاکہ لوگ آئندہ اس کی بیمار پرستی کے لیے آئیں یا اس پر ملامت و عتاب نہ کریں یا کوئی اور نیک کام کرتا ہے تاکہ وہ نیکی میں مشہور ہو یہ سب کچھ ریا ہے اور "ریا" کا جو کچھ حکم ہے وہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے ایسے تمام خیالات اخلاص کے باطل کرنے والے ہیں

خواہ وہ تھوڑا یا زیادہ ہو بلکہ عمل خالص وہ ہے کہ جس میں اپنا کچھ فائدہ نہ ہو۔ بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ چنانچہ لوگوں نے سرور کونین علیہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اخلاص کس کو کہتے ہیں آپ نے فرمایا ان تقول ربی الله ثم استقم کما امرت (تو کہے کہ میرا صاحب و مالک اللہ ہے پھر جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے اس پر ثابت قدم رہے) اخلاص ہے۔ انسان جب تک صفات بشری سے نہیں نکلے گا اس سے اخلاص کا سرزد ہونا بہت دشوار ہے۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے کہ اخلاص سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں ہے اگر تمام عمر میں ایک کام بھی اخلاص سے کرے تو نجات کی امید ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک خالص کام کو انسانی مطالب و مقاصد سے پاک اور عاری رکھنا ایسا مشکل ہے جیسے دودھ فضلہ اور خون کے درمیان سے اللہ تعالیٰ نے نکالا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ٥ — گوبر اور لہو میں سے صاف ستھرا خوشگوار دودھ پینے والوں کے لیے (پیدا فرمایا)۔

پس اس کا علاج یہ ہے کہ دنیا سے دل کو نہ لگایا جائے تاکہ محبت الٰہی غالب آجائے اور یہ شخص اس عاشق کی طرح ہو جائے جو ہر کام صرف اپنے معشوق کے لیے کرتا ہے۔ یہاں تک ممکن ہے کہ یہ شخص اگر کھانا کھائے یا ایسا ہی کوئی اور معمولی کام کرے اس میں بھی اخلاص کی نیت کرے اور جس شخص پر دنیا کی محبت غالب ہے ممکن ہے کہ وہ نماز اور روزہ میں بھی اخلاص نہ کر سکے۔ کیونکہ انسان کے اعمال اس کے دل کی صفت کو قبول کرتے ہیں اور دل کی رغبت جس طرف ہو اسی طرف کو مائل ہوتے ہیں۔ جس آدمی پر جاہ کی محبت غالب ہوتی ہے اس کے سارے کام ریا کے لیے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح دم منہ دھونا اور کپڑے پہننا بھی مخلوق کے لیے ہوتا ہے۔ تعلیم اور روایت حدیث کی مجلس جیسے عظیم اور نیک کاموں میں جن کا تعلق خلائق سے ہے اخلاص نیت دشوار ہے کیونکہ اس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ خلق خدا میں مقبول ہوں یا اس کے ساتھ دوسری نیت بھی شریک ہوتی ہے اس صورت میں قبولیت کا قصد، تقرب الٰہی کے قصد کے برابر ہو گا یا اس سے زیادہ یا کم ہو گا لیکن نیت کو قبول خلائق کے ارادہ سے پاک رکھنا اکثر علماء کے لیے بھی دشوار ہوتا ہے۔ مگر بعض احمق اور نادان اپنے آپ کو مخلق سمجھتے ہیں اور فریب کھاتے ہیں۔ اور اپنا عیب نہیں پہچانتے ہیں بلکہ بعض دانا اور ذی ہوش لوگ بھی اس معاملہ میں عاجز اور حیران ہیں۔

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میں نے تیس سال کی نماز قضا کی جسے میں نے ہمیشہ پہلی صف میں کھڑے ہو کر ادا کیا ہے اس کا باعث یہ ہوا کہ ایک دن میں مسجد میں دیر سے آیا آخری صف میں جگہ ملی سمجھا دل میں یہ شرمندگی پیدا ہوئی کہ لوگ مجھے دیکھ کر کہیں گے کہ میں آج دیر سے آیا ہوں اس وقت میں سمجھا کہ مجھے اس بات سے خوشی ہوئی تھی کہ لوگ مجھے پہلی صف میں دیکھیں۔ (چنانچہ یہ تمام نمازیں اکارت گئیں اور میں نے نمازیں قضا کیں)۔

پس اے عزیز! اخلاص وہ شے ہے جس کا جاننا دشوار اور بجالانا دشوار تر ہے اور وہ عمل جس میں دوسرے مقاصد شریک ہوں اور اخلاص نہ ہو اللہ تعالیٰ کے حضور میں قبول نہ ہو گا۔

فصل: بزرگوں نے کہا ہے کہ عالم کی دو رکعت نماز جاہل کی سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ عبادت کا کھوٹا پن سکہ کے کھوٹے پن کی طرح ہے۔ کہ بعض اوقات انسان اس کے پرکھنے میں غلطی کرتا ہے۔ لیکن جو صراف کامل ہے۔ وہ ضرور اس کو پرکھ سکتا ہے لیکن تمام جہلا یہی سمجھتے ہیں کہ سونا وہی ہے جو پیلا اور چمکیلا ہو اور عبادت کی کھوٹ جو اخلاص کو دور کر دیتی ہے چار قسم کی ہے۔ ان میں بعض اقسام بہت ہی مخفی رہتی ہیں۔ ہم ان اقسام کو ریا کی طرح فرض کیے لیتے ہیں تاکہ حقیقت حاصل معلوم ہو جائے۔

پہلی قسم یہ ہے کہ ایک شخص نماز تنہا پڑھ رہا تھا اس وقت کچھ اور لوگ بھی آ گئے تو شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب اچھی طرح عبادت کر کہ لوگ ملامت نہ کریں۔

دوسری قسم یہ کہ اس نمازی نے شیطان کے اس فریب کو سمجھ لیا اور اس سے بچ گیا لیکن شیطان نے ایک اور فریب میں ڈال دیا اور کہا کہ نماز بخوبی ادا کر تاکہ لوگ تجھ کو بہت بڑا عبادت گذار سمجھ کر تیری اقتداء کریں۔ اور تجھ کو ان کی اقتداء کا ثواب حاصل ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اس فریب میں آ جائے اور اس بات کو نہ سمجھے کہ اقتداء کا ثواب تو اس وقت ملے گا کہ اس کے خضوع اور خشوع کا نور دوسروں کے دل میں سرایت کر جائے لیکن جب امام صاحب ہی میں خشوع نہیں ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ صاحب خشوع ہے تو ایسا سمجھنے والوں کو ثواب ملے گا۔ یہ خود نفاق کے مواخذہ میں گرفتار ہو گا۔

تیسری قسم یہ سمجھنا ہے کہ خلوت میں جلوت کے مقابلہ میں نماز پڑھنا نفاق ہے لیکن وہ خلوت میں کوشش کرتا ہے کہ نماز اچھی طرح پڑھی جائے تاکہ اس عادت کے استوار ہونے کے بعد وہ جلوت و ظاہر میں بھی اسی طرح پڑھ سکے یہ ایک باریک نکتہ ہے اور ریا بھی ہے لیکن یہ ریا اسی کے ساتھ ہے جو خلوت میں اخلاص کی کوشش کرتا ہے تاکہ جماعت اور جلوت میں بھی ویسی ہی عبادت کر سکے اور وہ اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ جماعت میں وہ ریا سے محفوظ رہا۔ لیکن اس نے خلوت میں خود ریا کیا۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ جانتا ہے کہ خشوع اور خضوع خواہ وہ جلوت ہو یا خلوت محض لوگوں کے دکھاوے کے لیے اچھا نہیں ہے لیکن شیطان اس کو اکساتا ہے اور اس کو سمجھاتا ہے کہ تو خداوند تعالیٰ کی عظمت کا خیال کر کیا تجھے خبر نہیں کہ تو کس کے روبرو کھڑا ہے۔ تب وہ شخص اس طرف خیال کر کے خشوع اختیار کرتا ہے اور خود کو لوگوں کی نظر میں خشوع سے آراستہ کرتا ہے۔ اگر خلوت میں اس قسم کا خطرہ اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا تو اس کا باعث ریا ہے۔ لیکن جب اس کو عظمت الٰہی یاد آتی ہے اور سمجھتا ہے کہ لوگوں کا دکھانا بیکار اور اکارت ہے اس کی نظر میں مخلوق کا پاس نظر اور جانوروں کی نظر یکساں ہو جانا چاہیے ان دونوں میں فرق نہ کرے۔ اگر فرق کرے گا تو ریا سے خالی نہ ہو گا۔

یہ مثال جو ریا کے باب میں پیش کی گئی ہے ان دونوں غرضوں میں بھی جو اس سے قبل بیان ہو چکی ہیں پیش کی جا سکتی ہے۔ ان میں بھی شیطان کا فریب موجود ہے۔ جو شخص ان باریکیوں کو نہ سمجھے گا عبادت کا اجر اس کو نہیں ملے گا۔ ایسا

شخص صرف اپنی جان کو گھلا رہا ہے اور جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ سب کا سب ضائع ہوگا۔ اور بدالھم من اللہ مالہ یکونو یحتسبون (ظاہر ہوا ان کے لیے خدا کی طرف سے وہ کچھ جو ان کے شمار و حساب میں نہیں تھا۔) ایسے ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

فصل : اے عزیز! معلوم کر کہ جب ایک عبادت میں دوسرے مقاصد شریک ہو جاتے ہیں یا اگر ریا یا کسی دوسرے مقصد اور غرض نیت پر غالب ہوئی ہے تو عقوبت کا باعث ہوگا۔ اگر مساوی ہے تو اس میں نہ عذاب ہے نہ ثواب۔ اگر ریا کی نیت ضعیف ہے تو عمل ثواب سے خالی نہیں ہوگا۔ احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نیت میں شرکت ہو اور خلوص نہ رہے تو خداوند تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ جا اور ثواب اس شخص سے طلب کر جس کے دکھانے اور بتلانے کو تو نے یہ عمل کیا تھا۔ ہمارے نزدیک ظاہراً اس سے مراد یہ ہے کہ قصدِ ریا اور قصد عبادت اگر دونوں برابر ہوں تو اس صورت میں ثواب نہیں ملے گا اور کہا جائے گا کہ جس کے جتلانے اور بتلانے کی خاطر تو نے اے بندے! یہ عبادت کی تھی اسی سے اجر طلب کر اور جہاں عقوبت اور سزا پر حدیث صاف صاف دلالت کرتی ہے۔ وہاں مراد یہ ہے کہ عابد کا تمام تر قصد ریا یا قصد پر ریا کا غلبہ ہو لیکن عمل کا محرک اصلی قصد تقرب ہو اور دوسرا قصد ضعیف ہو تو ثواب کی امید ہے۔ اگرچہ نیت خالص کا ثواب نہ ملے اس امر کی دو دلیلیں ہیں ایک دلیل تو یہ ہے کہ ہم کو برہان سے معلوم ہوا ہے کہ عقوبت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کا دل بارگاہ الٰہی سے دور ہو جائے اسی لیے وہ محرومی کی آگ میں جلے گا اور جب تقریب کی نیت کرے گا تو سعادت سے بہرہ ور ہوگا اور جب دنیا کا قصد کرے گا تو شقاوت حصہ میں آئے گی اور جب اس نے ان دونوں قصدوں کی مدد کی تو گویا دونوں کو مان لیا۔ ایک قصد اس کی دوری کا سبب اور دوسرا اس کی قربت کا موجب ہوتا ہے جب دونوں برابر ہوں تو ایک قصد اس کو بالشت کے برابر دور کر دے گا اور دوسرا قصد ایک بالشت نزدیک کر دے تو اس صورت میں جہاں وہ پہلے تھا اسی جگہ پر پھر کر آ گیا اور اگر نصف بالشت نزدیک کر دے تو ایک کو دوری حاصل ہوگی اور اگر نصف بالشت ایک کو دور کر دیا جائے تو ایک نزدیک ہو جائے گا۔ مثلاً ایک بیمار ایک ایسی چیز کو جو دوسرے درجہ میں حار تھی کھا گیا یا اس کے بعد ایک ایسی چیز کھائی جو دوسرے درجہ میں بارد ہو تو اس طرح حار اور بارد دونوں مل کر برابر ہو جائیں گے۔ لیکن اگر بارد کو کم کھایا تو حرارت میں کچھ اضافہ ہو گا اور اگر بارد کو بڑھا دیا ہے تو حرارت کچھ کم ہو جائے گی دل کو روشن یا تاریک کرنے کے بعد معصیت و طاعت کا اثر بھی دوا کے پاس مذکورہ اثر کی طرح ہے جو بدن میں ہوتا ہے اور اس سے مشابہ ہے۔ ایک ذرہ بھی اس سے ضائع نہ ہوگا اور یہ کمی اور زیادتی ترازوئے عدل سے معلوم ہو جائے گی۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرہ شراً یرۃ (جو کوئی ایک ذرہ کے برابر بھلائی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو کوئی ایک ذرہ کے برابر برائی کرے گا اس کو دیکھے گا۔) لیکن اس باب میں احتیاط کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ممکن ہے کہ قصد غرض قوی ہو اور آدمی اس کو ضعیف سمجھے اور عمل کی سلامتی اس میں ہے کہ اس میں غرض نفسانی کا ہرگز دخل نہ ہونے پائے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اجماع سے ثابت ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص حج کے راستہ میں تجارت کا قصد بھی رکھتا ہے تو اس کا حج ضائع نہیں ہوگا اگرچہ ثواب اتنا نہیں ملے گا جتنا فقط حج کے طالب کا ہوتا ہے کیونکہ اس کا اصل ارادہ حج ہے اور تجارت قصد اس کا تابع ہے اس لیے یہ قصد حج کے ثواب کو کامل طور پر بالکل نہیں کرے گا اگرچہ ایک نقصان کا موجب ہے۔

اسی طرح جو شخص توانگر اور مالدار ہے اس پر جہاد کرنے سے لوٹ کا مال بہت ملے گا۔ دوسری طرف یہ ہے کہ مفلس اور درویش نے توانگر کا قصد کیا تو اس صورت میں ثواب جہاد پورا حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ انسان کو بالطبع مال و ثروت سے لگاؤ ہے اور اگر محض تمول اور مال غنیمت کے حصول کے لیے جہاد کو نکلا ہے تو ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسی شرط اور خواہش کے ساتھ کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ خصوصاً مجلس حدیث و وعظ اور درس نیز تصنیف و تالیف جس کا تعلق مخلوق سے ہے کیونکہ انسان کو جب تک یکبارگی نفسانیت اور خودی سے نہ نکالیں وہ مال و ثروت کے لگاؤ سے خالی نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی یہ گوارا نہیں کرے گا کہ اس کی تصنیف کو کسی دوسرے نام سے منسوب کر دیا جائے یا اس کی تقریر یا مقولہ کسی دوسرے کے نام سے پیش کیا جائے۔

صدق کی حقیقت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ صدق اخلاص سے بہت قریب ہے۔ صدق کا بڑا درجہ ہے جو شخص اس کے مرتبہ کمال کو پہنچ جائے اسے صدیق کہتے ہیں حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۝ — ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

مزید ارشاد فرمایا:

لِیَسْئَلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ — سچ بولنے والے لوگ اپنے سچ کے بارے میں پوچھے جائیں گے۔

حضور سرور کونین ﷺ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آدمی کا کمال کس چیز سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ راستی قول اور صدق عمل۔ اس اہمیت کے باعث صدق کے معنی پہچاننا ضروری ہے۔ صدق راستی کو کہتے ہیں اور اس کا تعلق چھ چیزوں سے ہے۔ یعنی یہ راستی چھ چیزوں میں ہوتی ہے اور جو کوئی ان چھ چیزوں میں کامل ہو وہ صدیق ہے۔ صدق اول زبان کا ہے کہ انسان کبھی جھوٹ نہ بولے نہ گذرے ہوئے زمانہ کی خبر میں نہ زمانۂ حال میں اور نہ اس وعدہ میں جو آئندہ کے واسطے کیا ہے کیونکہ اس کے بعد آدمی کا دل زبان کی جگہ لے لیتا ہے۔ کج اور جھوٹ بات کہنے سے کج ہوگا اور راست

کہنے سے راست ہو گا۔ صدق زبان کا کمال یہ ہے کہ کنایۃً بھی بات چیت نہ کرے کہ اس نے سچ کہا اور دوسرا شخص اسے کچھ سمجھا اور اگر قائل ایسی جگہ ہے۔ جہاں سچ کہنا مصلحت کے مناسب نہیں ہے مثلاً جنگ یا بیوی یا دشمن سے بات کرنا پڑے یا مسلمانوں کے مابین صلح کرانا مقصود ہو تو دروغ کہنے کی رخصت ہے لیکن اس صورت میں بھی کمال یہ ہے کہ ان مواقع پر حتی الامکان کنایۃً بات کہے (بات کنایہ میں کہے) صاف جھوٹ نہ بولے پس اس کا اس طرح کہنا جبکہ اس کی نیت حق تعالیٰ کے واسطے ہو اور جو کچھ کہا ہے مصلحت کی خاطر کہا ہے وہ درجہ صدق سے نہیں گرے گا۔

دوسرا کمال یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے جو مناجات انسان کرتا ہے اس میں صادق رہے۔ مثلاً اس نے مناجات میں کہا۔ وجھت وجھی الذی فطر السموت (میں نے اپنے منہ کو اس کی طرف پھیرا جس نے آسمان کو پیدا کیا) اور اس کا دل (خداوند تعالیٰ کے بجائے) دنیا کی طرف متوجہ ہے تو وہ اپنے قول میں کاذب ہوا اور خدا کی طرف متوجہ ہوا اور جب اس نے کہا کہ ایاک نعبد (مین تیری ہی عبادت کرتا ہوں) اقرار کے باوجود دنیا پرستی اور شہوت پرستی کرتا ہے اور وہ خواہشات کو مغلوب نہ کر سکا بلکہ وہ خود خواہشات کا مغلوب ہو گیا تو اس صورت میں وہ جھوٹا ہو گیا۔ اسی بنا پر حضور ﷺ نے فرمایا ہے (تعس عبدالدرھم و عبدالدینار (یعنی بندۂ درہم و دینار ذلیل و خوار ہے) اس کو زر و سیم کا بندہ قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ وہ جب تک ساری دنیا سے آزاد نہ ہو خدا کا بندہ نہ ہو گا اور دنیا سے آزاد ہونے کا کمال یہ ہے کہ اپنے سے ہی آزاد ہو جائے جس طرح خلائق سے آزاد ہو گیا ہے تاکہ حق تعالیٰ کے سوائے کوئی دوسری شے اس کو محبوب و مطلوب نہ ہو اور رضائے الٰہی پر راضی رہے۔ بندگی کا کمال صدق یہی ہے جس کو یہ درجہ حاصل نہ ہو اس کو بندگی میں صدیق نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ وہ صادق بھی نہیں ہو سکتا۔

صدق دوم نیت کا صدق ہے کہ ہر ایک تقریب کے کام میں حق تعالیٰ کے سوائے اور کچھ اس کا مقصد نہ ہو اور نہ کسی کو شریک بنائے اور یہ اخلاص ہے۔ اخلاص کو بھی صدق کہتے ہیں۔ کیونکہ جب آدمی کے دل میں درگاہ الٰہی کے تقرب کے سوائے اور کچھ مقصود ہو تو اس عبادت میں جو وہ کر رہا ہے وہ کاذب ہو گا۔

تیسرا صدق عزم میں ہے۔ مثلاً کسی نے ارادہ کیا اگر مجھے ملک حاصل ہو جائے تو میں عدل کروں گا اور اگر مال حاصل ہو گا تو سب کا سب خیرات کر دوں گا۔ اگر کوئی ایسا دوسرا شخص مل جائے گا جو سروری، مجلس حدیث اور مدرسہ کی مسند تدریس کے لیے مجھ سے بہتر نہ ہو گا تو اپنا منصب اور کام میں اس کے حوالہ کر دوں گا ایسا ارادہ کبھی تو استوار رہتا ہے اور کبھی اس میں معمولی سا شک پیدا ہو جاتا ہے۔ پس جو عزم قوی بلا تردد اور شک کے ہو اس کو صدق عزم کہتے ہیں چنانچہ عموماً بھوک کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ اشتہا کاذب ہے یعنی حقیقت میں نہیں ہے یا اشتہا صادق ہے یعنی قوی ہے۔ پس صدیق وہ شخص ہے جو ہمیشہ اپنے دل میں نیکی کے عزم کو محکم اور مضبوط پائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ اگر مجھے قتل کریں اور میری گردن مار دیں تو میں اس جماعت کا امیر نہ بنوں گا۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں اس واسطے تھا کہ مارے جانے کے صبر پر انہوں نے اپنے عزم کو قوی پایا تھا اور اگر کوئی ایسا آدمی ہو گا کہ اگر اختیار

دیا جائے کہ خود کو ہلاک کرے یا معاذ اللہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہلاک کرے تو یقیناً وہ اپنی جان کو رکھے گا۔ اس شخص اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اپنے مارے جانے کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حاکم ہونے سے بہتر سمجھتے تھے میں بڑا فرق ہے۔

چوتھا صدق تکملہ عزم کا ہے یعنی ارادے کو پورا کرنے کا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کا عزم قوی ہو کہ جنگ میں اپنی جان قربان کر دے گا۔ یا اگر کوئی اور سردار نظر آئے گا تو اپنی سرداری اس کے حوالہ کرے گا۔ لیکن جب جنگ کا موقع آئے تو جاں سپاری پر تیار نہ ہو اس لیے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے رجال صدقوا ما عاھدو الله علیه یعنی ان لوگوں نے اپنے عزم کو پورا کیا اور جان کو فدا کیا اور فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ٥ اور ایسے لوگوں کے بارے میں کہا گیا کہ مال خرچ کرنے کا عزم کر کے اس کو پورا کیا اور ان کو ان کے اس وعدہ میں کاذب کہا گیا۔ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ٥

پانچواں صدق یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کرے جب تک اس کا باطن اس صفت سے موصوف نہ ہو۔ مثلاً متانت کے ساتھ چلتا ہے مگر اس کے باطن میں وقار نہیں ہے تو ایسا شخص صادق نہ ہو گا۔ کیونکہ ایسا صدق اس وقت پیدا ہو گا کہ انسان اپنے ظاہر کو باطن کے برابر اور مطابق رکھے اور جس شخص میں ایسا صدق ہو گا۔ اس کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہو گا یا کم سے کم ظاہر کے برابر ہو گا اسی بنا پر حضور ﷺ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے تھے الٰہی میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر فرما دے اور میرا ظاہر اچھا کر دے۔

چھٹا صدق یہ ہے کہ مقامات دین کی حقیقت کا اپنے دل سے خواہاں ہو اور ان کے ظواہر پر قناعت نہ کرے جیسے زہد و محبت، توکل، خوف، رجا، رضا اور شوق وغیرہ کو طلب کرے اگرچہ ہر ایک مومن کو ان مقامات سے کچھ بہرہ ضرور ملا ہے لیکن ضعف کے ساتھ اور جو شخص ان مقامات پر مضبوطی سے قائم ہو گا اس کو صادق کہا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ٥

بے شک مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کے بعد انہوں نے شبہ نہیں کیا۔ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور یہی لوگ راست گو ہیں۔

تو خداوند تعالیٰ نے اسی کو صادق کہا ہے جس کا ایمان کامل ہو اور مثال اس کی یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک چیز سے ڈرتا ہے تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور کانپنے لگتا ہے اور کھانے پینے سے باز رہتا ہے اور اسمیں بے قراری ہوتی ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ گناہ سے ڈرتا ہے اور پھر وہ گناہ کو ترک نہ کرے تو وہ کاذب ہے۔ اسی طرح تمام مقامات میں بڑا فرق ہے پس گناہ سے ڈرتا ہوں اور پھر وہ گناہ کو ترک نہ کرے تو وہ کاذب ہے۔ اسی طرح تمام

مقامات میں بڑا فرق ہے پس جو کوئی ان چھ وجوہ کے ساتھ ان سب مقامات میں صادق رہے گا تب یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کا صدق کمال کو پہنچ گیا اور اس کو صدیق کہیں گے اور جو کوئی ایک وصف میں صادق ہے اور دوسرے وصف میں صادق نہیں ہے تو اس کو صدیق نہیں کہیں گے اس کا درجہ بس اس کے صدق کے موافق ہوگا۔

اصل ششم

محاسبہ و مراقبہ

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ونضع الموازین القسط لیوم القیمة فلا تظلم نفس شیئا الایته (قیامت کے دن ہم عدل کی ترازو قائم کریں گے اور کسی نفس پر ظلم نہیں کریں گے) اور فرمایا کہ جس نے ایک دانہ کے برابر نیکی یا بدی کی ہے اس کو میزان میں تولیں گے اور خلائق کا حساب کرنے کو ہم بس ہیں۔ اس وعدہ کے بعد لوگوں سے فرمایا گیا ولتنظر نفس ماقدمت لغد تاکہ وہ اپنے حساب میں نظر کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ شخص عاقل ہے جو چار ساعتیں رکھتا ہے ایک ساعت میں مصروف رہے اور ایک ساعت میں اس چیز سے آرام و سکون ایک ساعت میں تدبیر معاش میں مصروف رہے۔ اور ساعت میں اس چیز سے آرام و سکون حاصل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دنیا میں مباح فرمادی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا یعنی اے لوگو! اپنا حساب کرو قبل اس کے کہ تمہارا حساب کیا جائے (قیامت میں) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یایها الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا (اصبروا سے صبر کرنا مراد ہے یعنی شہوت و نفس کے ساتھ جہاد کرو گے تو سدھر و گے۔ رابطوا سے مراد قیام ہے یعنی اس مجاہدہ میں قائم رہو۔

یہ دنیا تجارت گاہ ہے: پس علماء اور بزرگان دین نے یہ سمجھا کہ وہ اس جہان میں تجارت کے لیے آئے ہیں اور ان کا معاملہ نفس سے ہے اور اس معاملہ یعنی کاروبار کا نفع و نقصان بہشت اور دوزخ بلکہ ابدی سعادت اور شقاوت ہے پس انہوں نے اپنے نفس کو نفع و نقصان بہشت جس طرح مضارب کے ساتھ پہلے شرط کرتے ہیں اس کے بعد حالات کا جائزہ لیتے ہیں پھر حساب کتاب دیکھتے ہیں اگر شریک نے تجارت میں چوری کی ہے تو اس کو سزا دیتے ہیں اور غصہ کرتے ہیں پس بزرگان دین بھی نفس کے ساتھ ان چھ باتوں کے ساتھ پیش آتے ہیں مشارطت، مراقبت، محاسبت، معاقبت، مجاہدت اور معاتبت۔ پہلا مشارطت ہے۔ یعنی باہم عہد و پیمان و شرط کرنا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ مضارب جس کو مال دیتے ہیں وہ فائدہ کے حصول میں مددگار ہوتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ خیانت کی رغبت سے دشمن ہو جائے پس مضارب سے اولاً شرط کر لینی چاہیے اور اس کے بعد اس کے احوال سے باخبر رہنا چاہیے اس کے بعد حساب لینے میں بھرپور کوشش کرنا چاہیے۔

اسی طرح سرکش نفس کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ روا رکھنا چاہیے اس لیے کہ نفس کے معاملہ کا فائدہ ابد تک باقی رہنے والا ہے اور یہ دنیا چند روزہ ہے اور جو چیز پائیدار نہیں ہے۔ دانشمند کے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ جو بدی قائم رہے اس چیز سے جو نہ رہے بہتر ہے۔ اور جبکہ یہ مسلمہ ہے کہ عمر کی سانسوں سے ہر ایک سانس گوہر بیش بہا ہے۔ جس سے ایک خزانہ جمع کیا جاسکتا ہے تو پھر اس کی جدو جہد اور محاسبہ کرنا تو اور بھی اولیٰ ہے۔ پس دانا اور ہوشیار وہ ہے کہ ہر روز نماز صبح کے بعد ایک گھڑی کے لیے اپنا دل اس محاسبہ کے کام میں لگائے اور غور کرے اور سمجھے کہ عمر کے سوا اور کچھ میرا سرمایہ نہیں ہے اور جو دم گذر گیا اس کا بدل ناممکن ہے کہ انسان کے انفاس خداوند تعالیٰ کے علم میں گنے ہوئے ہیں اور محدود ہیں۔ اور وہ مقرر ہیں ہرگز اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ اور جب عمر گذر گئی تب یہ تجارت ناممکن ہے کیونکہ اب وقت تنگ ہو چکا ہے۔ آخرت کا زمانہ لا محدود ہے۔ وہاں کچھ کام کرنے اور محنت کی ضرورت نہیں۔ پس آج کا دن ایک نیا دن ہے جس میں خداوند تعالیٰ نے تم کو زندگی بخشی ہے۔ اگر اجل آجاتی تو تم یقیناً یہ آرزو کرتے کاش مجھے ایک دن اور مہلت مل جاتی تو میں اپنے کام سدھار لیتا۔ اب جبکہ خداوند تعالیٰ نے تم کو یہ نعمت دی ہے تو اس سرمایہ کو غنیمت سمجھو۔ اور ہرگز ضائع مت کرو۔ کیونکہ کل فرصت نہیں ملے گی اور حسرت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اب تم یہی سمجھ لو کہ تم مر گئے تھے۔ اور تم نے چاہا تھا کہ ایک دن کی مہلت مل جائے تو وہ فرصت تم کو مل گئی ہے۔ اب اگر تم نے اس دن کو بھی ضائع کر دیا تو تمہارا کتنا عظیم نقصان ہوگا کہ تم نے وقت ضائع کر دیا اور سعادت سے محروم رہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کل قیامت کے دن رات اور دن کے بدلہ جن کی چوبیس گھڑیاں ہیں بندہ کے سامنے چوبیس خزانے رکھے جائیں گے۔ جب ایک خزانہ کا دروازہ کھولا جائے گا تو وہ اس کو ان نیکیوں سے بھرا اور معمور پائے گا جو اس نے اس گھڑی میں کی تھیں اس وقت اس کے دل میں ایسی خوشی پیدا ہوگی کہ اگر اس خوشی کو دوزخیوں پر تقسیم کر دیا جائے تو وہ آتش دوزخ سے بے خبر ہو جائیں اس کی اس خوشی اور شادمانی کا سبب یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ انوار خداوند تعالیٰ کے حضور میں قبولیت کا وسیلہ ہیں۔ جب ایک اور خزانہ کا دروازہ کھولیں گے جو سیاہ اور تاریک ہوگا اس خزانہ سے ایسی بدبو آئے گی کہ سب لوگ (ناگواری سے) ناک بند کر لیں گے۔ وہ ساعت معصیت کی ہے اس کے دیکھنے سے ایسی ہیبت اور پریشانی دل پر غالب ہوگی کہ اس کو تمام اہل بہشت پر تقسیم کر دیا جائے تو بہشت کی نعمت بھی ہر ایک کو ناگوار گذرے گی۔ ایک اور خزانہ کھولا جائے گا اس میں نہ ظلمت ہوگی اور نہ نور ہوگا۔ یہ وہ ساعت ہے جس کو ضائع کیا گیا ہے۔ اس وقت اس ضائع کرنے والے شخص کے دل میں ایسی حسرت اور پشیمانی پیدا ہوگی گویا کسی نے ایک خزانہ یا ایک وسیع سلطنت حاصل کی اور پھر اس کو ضائع کر دیا۔ اس بندہ کی تمام عمر کی گھڑیوں کو بتایا جائے گا۔ پس لازم ہے کہ اپنے نفس سے کہے کہ اے نفس تیرے سامنے چوبیس خزانے رکھے ہیں ان کو خبردار ضائع نہ کر ورنہ اس حسرت و غم سے تو بہت زیادہ بے چین و بے قرار ہوگا۔

ثواب اور نیکیوں سے محرومی: اے عزیز! بزرگوں نے کہا ہے فرض کر لو کہ حق تعالیٰ تم کو بخش دے لیکن

نیکیوں کا ثواب اور درجہ تجھے کس طرح ملے گا اس میں تیرا زبردست نقصان ہے۔ پس چاہیے کہ اپنے تمام اعضاء اس کے حوالے کر دے اور کہے کہ خبردار زبان اور آنکھ کی حفاظت کر اور اسی طرح دوسرے اعضاء (ہفت اندام) کی حفاظت کر۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے اور وہ بھی اعضا (ہفت اندام) ہیں یعنی ہاتھ' پاؤں' زبان' آنکھ کہ انسان ہر ایک عضو کی معصیت کے سبب دوزخ میں جائے گا۔ پس اعضاء کی تقصیرات کو یاد کر کے ان سے ان کو باز رکھے اور اس روز جو عبادت اور اوراد ادا کر سکتے ہو یا یاد کر کے دل کو ان کی ترغیب دو اور پختہ ارادہ کرے اور نفس کو ڈرائے کہ اگر تو میرے خلاف کرے گا تو میں تجھ کو سزا دوں گا۔ اس لیے کہ نفس اگرچہ سرکش ہے لیکن وہ نصیحت کو قبول کر لیتا ہے اور ریاضت کا اثر اس میں ہوتا ہے یہ تمام امور جو محاسبہ سے متعلق ہیں عمل سے قبل ہوا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واعلموا ان اللہ یعلم مافی انفسکم فاحذروہ (جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے اس سے آگاہ ہے پس اس سے ڈرو) حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دانشمند وہ ہے جو اپنا حساب کرے اور ایسا عمل کرے جو موت کے بعد (اس کے) کام آئے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ "اے شخص جو کام تو کرنا چاہتا ہے اس پر غور کر اگر وہ بجا اور درست ہے تو اس پر عمل کر اور اگر بیجا ہے تو اس سے دور رہ۔" پس ہر روز صبح کے وقت نفس کے ساتھ ایسی شرط کرنا چاہیے اس شخص کے لیے بھی جو صاحبِ استقامت ہے اور ثابت قدم ہے اس کو بھی ہر روز کسی نہ کسی کام کی حاجت ہوتی ہے جس کے لیے نفس کے ساتھ شرط کرنا ضروری ہے۔

دوسرا مقام مراقبہ : دوسرا مقام مراقبہ ہے یعنی نگہبانی' جس طرح اپنا مال شریک کے حوالہ کر کے شرط رکھی جاتی ہے اور پیمان لیا جاتا ہے لیکن اس عہد و پیمان کے بعد بھی بے خبر ہو کر نہیں بیٹھ رہتے اسی طرح ہر وقت نفس کی خبر گیری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تم اگر اس سے غافل ہو گئے تو وہ کاہلی یا خواہشات کو پورا کرنے کے سبب سے پھر سرکش ہو جائے گا۔ پس اصل مراقبہ ہے۔ بندہ یقین کے ساتھ اس بات کو جانے کہ حق تعالیٰ اس کے اعمال اور خیالات سے واقف اور مخلوق صرف اس کے ظاہر کو دیکھتی ہے (باطن سے بے خبر ہے) حق تعالیٰ اس کے ظاہر و باطن دونوں کو دیکھتا ہے جس نے یہ بات سمجھ لی اور یہ آگہی اس کے دل پر غالب آ گئی تو اس کا ظاہر و باطن زیور ادب سے آراستہ ہو جائے گا۔ انسان اگر اس بات پر یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر و باطن سے واقف نہیں ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر ایمان لایا اور پھر اس کی مخالفت کی تو وہ بڑا دلیر اور بے شرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ الم یعلم بان اللہ یری کیا بندہ اس بات کو نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ایک حبشی نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے بہت گناہ کئے ہیں میری توبہ قبول ہو گی یا نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا قبول ہو گی۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ جب میں گناہ کرتا تھا کیا حق تعالیٰ دیکھتا تھا؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں دیکھتا تھا۔ یہ سن کر اس نے آہ بھری اور ایک نعرہ مارا اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

کہ حق تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو دیکھ نہیں رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے پس جب تک تم یہ نہیں جان لو گے کہ حق تعالیٰ تمام احوال میں دانا بینا ہے۔ معصیت سے عذر نہیں کر سکو گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان اللہ کان علیکم رقیبا (بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے) بلکہ تمہارا کمال یہ ہے کہ تم ہمیشہ مشاہدہ میں رہ کر حق تعالیٰ کو دیکھتے رہو۔

منقول ہے کہ ایک پیر اپنے ایک مرید کو دوسرے مریدوں کے مقابلہ میں زیادہ چاہتا تھا' دوسرے مریدوں کو پیر کے اس التفات سے غیرت آئی۔ پیر نے امتحان کی خاطر ہر ایک مرید کو ایک ایک پرندہ دے کر کہا کہ اپنے اپنے پرندہ کو ایسی جگہ ذبح کرو۔ جہاں کوئی نہ دیکھے ہر ایک مرید نے خالی مقام پر جاکر اپنا پرندہ ذبح کیا۔ وہ لائق مرید اپنے پرندہ کو بغیر ذبح کئے واپس لے آیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایسی کوئی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو خداوند تعالیٰ ہر جگہ دیکھنے والا ہے۔ تب پیر نے دوسرے مریدوں سے کہا۔ اے دوستو! اب تم غور کرو کہ یہ شخص کس درجہ کا ہے کہ ہمیشہ مشاہدہ میں رہ کر کسی دوسرے کی طرف ملتفت نہیں ہوتا۔

جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خلوت میں فعل بد کے لیے بلایا تو پہلے اس نے اس بت کا منہ ڈھانپ دیا جس کی وہ پرستش کرتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ایک پتھر سے شرماتی ہے اور میں خالق زمین و آسمان سے جو دانا اور بینا ہے شرم نہ کروں (یہ کس طرح ممکن ہے)۔

کسی طالب نے خواجہ جنیدؒ سے دریافت کیا کہ میں اپنی آنکھ کو بد نگاہی سے نہیں بچا سکتا میں کس طرح اس کی نگہداشت کروں۔ انہوں نے فرمایا تم اس بات کا یقین کر لو کہ بہ نسبت اس کے کہ تم کسی کو بری نظر سے دیکھ رہے ہو حق تعالیٰ تم کو اس سے زیادہ دیکھ رہا ہے۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہوا ہے کہ بہشت عدن ایسے لوگوں کو ملے گی کہ جب ان کو معصیت کا خیال آئے تو وہ میری عظمت کو یاد کر کے شرمائیں اور اس معصیت سے باز رہیں۔

حضرت عبداللہ بن دینار سے منقول ہے کہ ایک بار میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ معظمہ کے سفر میں تھا۔ ایک جگہ ہم نے پڑاؤ کیا۔ ایک غلام چرواہا بکریوں کو لے کر پہاڑ سے نیچے آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ ایک بکری میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چرواہے نے کہا کہ میں غلام ہوں اور یہ میرا مال نہیں ہے (بطور امتحان) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اپنے مالک سے کہہ دینا کہ ایک بکری کو بھیڑیے نے پھاڑ ڈالا۔ اس کو اس بات کی کیا خبر ہو گی؟ اس چرواہے نے جواب دیا کہ اگر میرا آقا اس بات کو نہیں دیکھ رہا ہے تو خداوند تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے اور وہ جانتا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے اختیار رونے لگے اور اس غلام کو اس کے مالک سے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا اے عزیز! اس عمدہ بات نے جس طرح تجھ کو آزادی دی اسی طرح آخرت میں بھی تیری نجات کا ذریعہ ہو گی۔

فصل : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ مراقبہ کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ صدیقین کے مراقبہ کا ہے صدیقین کا یہ

مراقبہ یادالٰہی سے معمور ہے اور وہ اس کے جلال کی ہیبت سے شکستہ رہتا ہے اور اس میں غیر خدا کی طرف متوجہ ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

یہ مراقبہ مختصر ہے۔ کیونکہ جب دل مستقیم ہو گیا تو دوسرے اعضاء اس کے تابع بن گئے۔ جو صاحبِ مراقبہ مباحات سے بھی گریز کرتا ہے تو وہ گناہوں میں کس طرح مشغول ہو گا اور اس کو کسی تدبیر اور حیلہ کی ضرورت نہیں پڑتی کہ اعضاء کو وہ گناہوں سے بچائے۔ اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے من اصبح وهمو مه هم واحد كفاه الله هموم الدنيا والاخرة (جو شخص صبح کو صاحب ہمت بن کر اٹھتا ہے خداوند کریم دین و دنیا کے معاملات میں کفایت کرتا ہے۔)

کوئی شخص اس مراقبہ میں اس طرح مستغرق ہو گا۔ اگر تم اس سے بات کرو گے تو وہ نہیں سنے گا اور اگر کوئی اس کے سامنے سے گذرے تو وہ اس گذرنے والے کو نہیں دیکھے گا۔ اگرچہ اس کی آنکھیں کھلی ہوں گی۔ شیخ عبدالواحدؒ بن زید سے لوگوں نے دریافت کیا کیا آپ نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے جو خلق سے غافل ہو کر بس اپنی ذات میں مشغول ہو؟ انہوں نے فرمایا ہاں ایک شخص کو میں نے ایسا دیکھا ہے۔ اور وہ ابھی آتا ہو گا۔ اتنے میں عتبۃ الغلام آئے۔ شیخ عبدالواحد نے اس سے پوچھا تم نے راستہ میں کسی کو دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا کسی کو نہیں دیکھا حالانکہ وہ بھرے بازار سے گذر کر آئے تھے۔

حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہ السلام ایک عورت کے پاس سے گذرے تو آپ نے اس پر ہاتھ مارا اور اس پر گر پڑے لوگوں نے دریافت کیا یہ آپ نے کیا کیا آپ نے فرمایا میں سمجھتا تھا کہ وہ ایک دیوار ہے۔ ایک اور بزرگ سے منقول ہے کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ تیر اندازی میں مشغول ہے۔ لیکن ایک شخص سب سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ گفتگو کرنی چاہی تو اس نے کہا یادالٰہی بات کرنے سے بہتر ہے تب میں نے کہا تم اکیلے بیٹھے ہو (اس لیے میں نے بات کرنی چاہی تھی) اس شخص نے جواب دیا کہ میں اکیلا تو نہیں ہوں خداوند کریم اور دو فرشتے (کراماً کاتبین) میرے ساتھ ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ ان لوگوں میں کون بلند مرتبہ ہے۔ اس نے کہا خداوند تعالیٰ نے جس کی مغفرت فرمادی ہو۔ میں نے دریافت کیا کہ راہ کس طرف ہے۔ اس نے منہ آسمان کی طرف کر کے کہا اور وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہوا روانہ ہو گیا الٰہی! اکثر لوگ تجھ سے غافل ہیں۔

شیخ شبلیؒ ایک بار شیخ نوری کے پاس گئے دیکھا کہ وہ مراقبہ میں ہیں اور وہ اس سکون کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ان کے جسم کے بال کو بھی جنبش نہیں ہو رہی تھی۔ شبلیؒ نے پوچھا کہ اے شیخ یہ مراقبہ تم نے کس سے سیکھا ہے۔ شیخ نوری نے جواب دیا کہ بلی سے کہ وہ چوہے کی بل پر اس کے انتظار میں اس سے زیادہ پر سکون ہوتی ہے۔ شیخ عبداللہ بن خفیف نے کہا ہے کہ مجھے یہ خبر ملی کہ شہر ''صور'' میں ایک پیر مرد اور ایک نوجوان ہمیشہ مراقبہ میں رہتے ہیں میں جب وہاں پہنچا تو میں نے دو شخصوں کو قبلہ رو بیٹھے ہوئے پایا۔ میں نے ان کو تین بار سلام کیا۔ لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا۔ تب میں نے کہا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم میرے سلام کا جواب دو یہ سن کر نوجوان نے سر اٹھایا اور کہا کہ ابن خفیف دنیا بہت مختصر ہے اور اس

مختصر سے تھوڑا سا باقی رہ گیا ہے۔ اس تھوڑے سے بڑا حصہ پیدا کرو۔ اے فرزند خفیف! تو بہت غافل ہے جو ہم کو سلام کرنے میں مشغول ہوا۔ یہ کہہ کر اس نوجوان نے اپنا سر نیچے کر لیا حالانکہ بھوکا پیاسا تھا۔ لیکن اپنی بھوک اور پیاس بھول یا۔ انہوں نے اپنی ذات میں مجھے مشغول کر لیا تھا۔ چنانچہ میں ان کے پاس کھڑا تھا' ظہر و عصر کی نمازیں ان کے ساتھ پڑھیں۔ پھر میں نے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ نوجوان نے کہا کہ اے ابن خفیف! ہم خود مصیبت زدہ ہیں ہمارے پاس نصیحت کرنے والی زبان نہیں ہے میں تین شبانہ روز وہیں کھڑا رہا نہ ہم سب نے کچھ کھایا پیا اور نہ رات کو سوئے میں میں اپنے دل میں کہا ہے کہ میں ان کو قسم دوں گا کہ یہ مجھ کو کچھ نصیحت کریں اسی وقت کو جوان نے سر اٹھا کر کہا۔

نوجوان درویش کی نصائح : اے ابن خفیف! ایسے شخص کی صحبت تلاش کرو جس کے دیدار سے تم کو خدا یاد آئے ہیبت الٰہی کا تمہارے دل پر غلبہ ہو اور وہ زبان قال سے نہیں بلکہ زبان حال سے تم کو نصیحت کرے۔

یہ درجہ جو بیان کیا گیا صدیقین کے مراقبہ کا ہے۔

زہاد اور اصحاب الیمین کا مراقبہ : دوسرا درجہ زاہدوں اور صدیقوں کے مراقبہ کا ہے۔ ان لوگوں کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے آگاہ ہے اور یہ حضرت اللہ تعالیٰ سے شرم رکھتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی عظمت و جلال مستغرق نہیں ہیں بلکہ ان کو اپنی اور ماسوا اللہ کی خبر ہے۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص برہنہ حالت میں تھا اچانک ایک بچہ وہاں آ گیا۔ اس بچہ سے شرما کے اس نے اپنا جسم کپڑے سے ڈھانک لیا اور ان لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کے سامنے یکایک بادشاہ وقت آ گیا اور یہ اس کی ہیبت سے مدہوش اور بے خود ہو گیا۔ پس جو کوئی اس درجہ اور منزل پر ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے احوال' خیالات اور افعال کا مراقبہ کرے اور وہ جو کچھ کام کرنا چاہتا ہے اس میں دو چیزوں کا خیال رکھے۔ پہلی بات تو کام شروع کرنے سے پہلے واقع ہو گی۔ پس کام سے پہلے جو خطرہ اس کے دل میں پیدا ہو اس کو دیکھے اور دل کا مراقبہ کرے کہ اس میں خیال پیدا ہوتا ہے اگر وہ خیال خدا کے بارے میں ہے تو اس کام کا اہتمام کرے اگر اس میں شائبہ نفس ہے تو اس سے باز رہے اور حق تعالیٰ سے شرما کے خود کو ملامت کرے کہ ایسا خیال دل میں کیوں آیا جس کا انجام برا اور رسوائی ہے۔ لہٰذا ان سب خطرات کی ابتداء میں ایسا مراقبہ فرض ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ سے ہر اس حرکت و سکون کے بارے میں جو وہ اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ تین سوالات کئے جائیں گے۔ ایک یہ کہ کس لیے یہ کام کیا دوسرا یہ کہ کس طرح کیا تیسرے یہ کہ کس کی خاطر کیا۔ مراد یہ ہے کہ کس سے تھا کہ خدا کے واسطے کرے جو کچھ کرے نہ کہ نفس اور شیطان کی خوشی کے لیے۔ پس اگر کرنے والا اس مواخذہ سے بچ گیا اور کام اس نے خدا کے لیے کیا ہے تو پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اس طرح کیا۔ کیونکہ ہر ایک کام کی شرط اور اس کے کرنے کے آئین اور طور ہوتے ہیں اور پھر وہ جو کچھ کیا آیا علم کی شرط کے موافق و مطابق کیا یا جہل و نادانی سے اس کو آسانی سمجھ لیا۔ اگر اس سوال سے بھی آسانی کے

ساتھ تم گذر گئے اور تم نے وہ کام اس کی شرط اور آئین کے ساتھ کیا تھا تو پھر پوچھا جائے گا کہ وہ کام کس کے واسطے کیا تھا یعنی لازم یہ تھا کہ وہ عمل اخلاص کے ساتھ صرف خدا کے واسطے کرتے اگر تم نے عمل خدا ہی کے لیے کیا ہے تو آج اس کی جزا ملے گی اور اگر ریا کے واسطے کیا ہے تو اس کا ثواب مخلوق سے مانگو یا دنیا کے لیے کیا ہے تو تمام ثواب غارت ہوا اور اگر کسی مخلوق کے واسطے کیا ہے تو خالق کے غصہ اور عذاب میں گرفتار ہو گے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا الا لله الدین الخاص اور یہ بھی ارشاد کیا تھا الذین تدعون من دون الله عبادا مثالکم (وہ لوگ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں تم جیسے بندے ہیں) جو کوئی اس بات کو جان گیا اگر وہ عاقل ہے تو دل کے مراقبہ سے غافل نہیں رہے گا۔

حقیقت یہ ہے ک عارف پہلے خطرہ پر نظر رکھے اگر اس کو دفع نہیں کرے گا تو اس کام کی رغبت پیدا ہو گی پھر وہ خطرہ ہمت بن جائے گا اس کے بعد قصد بن کر اعضا پر صادر ہو گا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اتق الله عندھمک اذا هممت "یعنی جب ایک بڑے کام کی ہمت یعنی ارادہ پیدا ہو تو حق تعالیٰ سے ڈر۔"

معلوم ہونا چاہیے کہ اس بات کی شناخت کہ کون سا خطرہ خدا کے واسطے ہے اور کون سا ہوائے نفس کے لیے ہے بہت دشوار اور مشکل ہے۔ جو شخص اس کی شناخت کی قدرت نہیں رکھتا اس کو ہمیشہ کسی عالم پرہیز گار کی صحبت اختیار کرے تاکہ اس کی صحبت کا نور تمہارے دل میں سرایت کرے۔ ہاں دنیادار علماء کی صحبت سے خدا کی پناہ مانگے کیونکہ یہ شیطان کے نائب ہیں۔ حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد ایسے عالم سے جس کو دنیا کی محبت نے مست کر دیا ہو سوال نہ کر کہ وہ تجھے میری محبت سے محروم کر دے گا کیونکہ ایسے لوگ میرے بندوں کے حق میں راہزن ہیں حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ ایسے بندہ کو پیار کرتا ہے جو شبہ کی چیز میں خوب غور کرے اور شہوت کے غلبہ کے وقت اس کی عقل کامل رہے کہ ان دونوں باتوں میں انسان کا کمال ہے کہ وہ حقیقت حال کو نگاہ بصیرت سے پہچان کر عقل کامل کے وسیلہ سے شہوت کو رفع کرے۔ یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں جس کو دافع شہوت عقل نہیں تو شہادت میں کام آنے والی نظر بصیرت بھی اس میں موجود نہ ہو گی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"جب کوئی شخص معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو عقل اس سے جدا ہو جاتی ہے پھر اس کے پاس نہیں آتی"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمام کام تین قسم کے ہیں ایک وہ جو واجبی اور ظاہر ہو اس کو بجالاؤ دوسرا وہ جو صاف باطل ہو اس کو ترک کر دو۔ تیسرا وہ جو شبہ والا ہو اس کو کسی عالم سے پوچھو۔

دوسری نظر : دوسری نظر وہ مراقبہ ہے جو عمل کے وقت درکار ہوتا ہے۔ یہ تین حال سے خالی نہیں ہو گا۔ طاعت یا معصیت یا مباح۔ طاعت کے بارے میں مراقبہ اس طرح ہے کہ اخلاص اور حضور قلب سے اس کو بجالائے اور تمام آداب ملحوظ رکھے اور ایسی صورت کو جس میں زیادہ فضیلت ہو ترک نہ کرے۔

معصیت کے سلسلہ میں مراقبہ یہ ہے کہ خداوند کریم سے شرم کرے، توبہ کرے اور اس کا کفارہ دے۔ فعل

مباح کا مراقبہ یہ ہے کہ باادب رہے اور نعمتوں میں منعم حقیقی کا خیال رکھے اور یقین رکھے کہ ہر وقت وہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں موجود ہے۔ مثلاً اگر بیٹھا ہے تو ادب سے بیٹھے اور اگر سوتا ہے تو پہلوئے راست پر سوئے اور اپنا منہ قبلہ کی طرف رکھے یا مثلاً کھانا کھا رہا ہے تو دل کو فکر سے خالی نہ رکھے کہ فکر تمام اعمال سے افضل ہے۔ غور کرے کہ ہر غلہ کی صورت، رنگ، بو اور اس کے مزے اور شکل میں کتنے عجائب صفت الٰہی کے موجود ہیں۔ کھانا کھانے کے لیے جو اعضاء کام کرتے ہیں اس میں بھی عجائب موجود ہیں جیسے انگلی، منہ، دانت، حلق معدہ، جگر اور مثانہ ہیں کہ غذا کو قبول کرتے ہیں یا اس کے ہضم ہونے تک اس کی نگہداشت کرتے ہیں اور ایسے اعضاء بھی ہیں جو فضلہ دفع کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب خداوند تعالیٰ کے صفت کے عجائب ہیں۔ ان باتوں پر غور و فکر کرنا بڑی عبادت ہے اور یہ درجہ علماء کا ہے۔

اکثر عارفان الٰہی جب ان عجائب کو دیکھتے ہیں تو صانع حقیقی کی عظمت کا خیال کر کے اس کے جلال و جمال اور کمال میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ یہ درجہ موحدین اور صدیقین کا ہے۔ بعض حضرات خواہش کے خلاف کھانے کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ بقدر ضرورت اور سدرمق اس میں سے اختیار کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہم کو اس کی بھی حاجت نہ ہوتی۔ وہ اپنے اس ضروری اور سدرمق کھانے میں بھی فکر سے کام لیں گے۔ یہ درجہ زاہدوں کا ہے۔ بعض شکم پرست کھانے کو نظر شوق سے دیکھتے ہیں اور وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کو لذیذ تر بنانے کے لیے کس طرح پکایا جائے تاکہ خوب کھایا جائے اس صورت میں اکثر وہ پکے ہوئے کھانوں اور میووں پر بھی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ یہ تمام چیزیں خداوند تعالیٰ کی صفت سے ہیں اس طرح وہ صفت پر عیب رکھ کر صانع کی عیب گیری کرتے ہیں۔ یہ درجہ غفلت والوں کا ہے۔ تمام مباحات اسی درجہ میں ہیں۔

تیسرا مقام: محاسبہ کا تیسرا مقام وہ ہے جو عمل کے بعد کیا جاتا ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ رات کو سونے کے وقت اپنے نفس کے ساتھ تمام دن کا حساب کرے تاکہ وہ معلوم کر سکے کہ سرمایہ پر کتنا نفع اور کس قدر نقصان ہوا اور سرمایہ جانتے ہو کیا ہے؟ وہ فرائض ہیں، نوافل اس کا نفع ہیں۔ جس طرح شریک تجارت سے حساب لینے میں بھرپور کوشش کی جاتی ہے اسی طرح نفس کے ساتھ حساب کتاب میں بہت زیادہ احتیاط اور توجہ ضروری ہے کہ نفس بہت طرار، مکار اور حیلہ انگیز ہے۔ کیونکہ نفس اپنے اعراض کو بھی طاعت کے لباس میں پیش کرتا ہے تاکہ وہ تم کو نفع نظر آئے حالانکہ وہ سراسر نقصان ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ تمام مباحات میں نفس سے حساب طلب کرو اگر اس میں تم کو نفس کا قصور نظر آئے تو اس عمل کو اپنے نفس کے ذمہ باقی سمجھو اور اس سے تاوان طلب کرو۔

حساب نفس کا واقعہ: ابن الصمہ ایک بزرگ گذرے ہیں انہوں نے اپنے نفس کا حساب کیا تو ساٹھ برس ہوئے تھے (ان کی عمر ساٹھ سال تھی) دنوں کا حساب کیا تو اکیس ہزار چھ سو دن ہوئے کہنے لگے اگر روز ایک گناہ سرزد ہوا تو اس

طرح اکیس ہزار چھ سو گناہ ہوئے اور اتنے گناہوں سے تیری رہائی کس طرح ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس مدت میں ایسا دن بھی شامل ہے جس میں ایک ہزار گناہ سرزد ہوئے ہیں پس خوف سے ایک نعرہ مارا اور گر پڑے جب ان کو دیکھا گیا تو وہ انتقال کر چکے تھے۔ مگر افسوس کہ انسان اپنا حساب لینے میں سخت بے پرواہ ہے۔ اگر ہر گناہ کے عوض کسی کے گھر میں ایک پتھر ڈالا جائے تو تھوڑی مدت میں گھر پتھروں سے پٹ جائے گا۔ یا اگر کراماً کاتبین اس سے ان گناہوں کے تحریر کرنے کی اجرت طلب کریں تو اس کا تمام مال اس میں خرچ ہو جائے گا۔ بندہ اگر چندبار سبحان اللہ غفلت سے کہے اور ہاتھ میں تسبیح لے کر شمار کرے اور کہے کہ "میں نے سوبار کہا تو تمام دن کا پڑھنا بے کار اور اکارت گیا کیونکہ تسبیح کے دانوں کا ہلانا ان کو اس لیے تھا کہ معلوم ہو جائے کہ ہزار بار سے زیادہ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا گمان کرنا کہ حسنات کا پلہ بھاری ہو جائے۔ محض نادانی ہے۔ چنانچہ (امیر المومنین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! اپنے اعمال کا وزن اس سے قبل کر لو کہ قیامت میں ان کو تولا جائے۔ اسی طرح جب رات آتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ درہ اپنے پاؤں پر مارتے اور فرماتے کہ آج کے دن تو نے کیا کام کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال کے وقت فرمایا کہ عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ مجھے کوئی چیز نہیں ہے کہ انہوں نے جب اپنا محاسبہ کیا تو جو کمی واقع تھی اس کا تدارک کیا اسی لیے وہ مجھے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں۔

جناب ابن سلام لکڑیوں کا گٹھا اپنی گردن پر رکھ کر لئے جا رہے تھے لوگوں نے کہا کہ یہ کام تو غلاموں کے کرنے کا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے نفس کو آزما رہا ہوں کہ اس کام کے کرنے میں وہ کیا ہے۔ (راضی ہے یا ناخوش) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک باغ کی دیوار کے نیچے دیکھا وہ اپنے نفس سے مخاطب تھے اور فرما رہے تھے واہ' واہ! لوگ تجھے امیر المومنین کہتے ہیں اور واللہ تو خدا سے نہیں ڈرتا اور تو اس کے عذاب میں گرفتار ہو گا۔

حسنؒ نے فرمایا النفس الوامہ (نفس لوامہ) وہ ہے کہ خود کو ملامت کرے کہ فلاں کام کیا اور فلاں کھانا کھایا۔ یہ کیوں کیا اور فلاں کھانا کیوں کھایا۔ پس گذرے کاموں پر غور اور ان کا حساب کرنا مہمات میں سے ہے۔

مقام چہارم: چوتھا مقام نفس پر عتاب کرنے اور اس کو سزا دینے کا ہے۔ اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ جب تم نفس کے حساب سے غافل ہو جاؤ گے اور بے فکر ہو کر اس کو چھوڑ دو گے تو وہ دلیر ہو جائے گا۔ پھر اس کا روکنا دشوار ہو جائے گا۔ پس سزاوار یہ ہے کہ ہر ایسے کام پر اس کو سزا دے۔ اگر وہ کچھ شبہ کی چیز کھا گیا ہے تو اس کو بھوکا رکھا جائے۔ اگر کسی نامحرم کو دیکھا ہے تو آنکھ بند رکھنے کی سزا دے۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کی حرکات کا قیاس کر لینا چاہیے۔ بزرگان سلف ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک عابد نے نفس کے فریب میں آ کر کسی عورت پر دست درازی کی اس کے بعد اس نے اپنا ہاتھ

آگ میں ڈال دیا کہ جل جائے اور کیئے کہ سزا پائے۔

بنی اسرائیل کا ایک عابد خانقاہ نشین تھا ایک عورت نے خود کو مجامعت کے لیے پیش کیا اس کے پاس جانے کے لیے اس نے خانقاہ سے پاؤں باہر رکھا۔ فوراً ہی خداوند تعالیٰ سے ڈر کر توبہ کر لی اور باہر سے خانقاہ میں واپس آنے کے لیے پاؤں بڑھانا ہی چاہتا تھا کہ ایسا نہیں ہو گا جو پاؤں معصیت کے لیے باہر نکلا تھا خانقاہ میں کس طرح جا سکتا ہے یہ کہہ کر اس نے اس پاؤں کو باہر رکھا۔ یہاں تک کہ گرمی، سردی اور دھوپ سے تباہ ہو کر ضائع ہو گیا۔

حضرت جنیدؒ بغدادی سے مروی ہے کہ ابن الکر بیؒ نے کہا کہ ایک رات مجھے احتلام ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ میں اسی وقت غسل کر لوں۔ رات بہت سرد تھی میرے نفس نے سستی کی اور کہا کہ اس سرما میں رات کو نہا کر خود کو ہلاک نہ کر۔ صبح تک ٹھہر صبح کو حمام میں غسل کر لینا۔ تب میں نے نفس کو اس سستی پر سزا دینے کے لیے قسم کھائی کہ میں اسی وقت مع کپڑوں کے نہاؤں گا۔ اور نہانے کے بعد کپڑوں کو خشک ہونے کے لیے نہیں نچوڑوں گا۔ ان کو اپنے جسم ہی پر خشک کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور فرمایا کہ ایسے سرکش نفس کی جو خدا کے کام میں تقصیر کرے یہی سزا ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے ایک عورت پر نظر (بد) ڈالی لیکن فوراً پشیمان ہوا اور قسم کھائی کہ اس جرم کی سزا یہ ہے کہ کبھی ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا اور اس نے ایسا ہی کیا۔

حضرت حسانؒ بن سنان ایک خوبصورت عمارت کے پاس سے گذرے تو پوچھا کہ کس نے یہ عمارت بنوائی ہے پھر کہا کہ جس چیز سے تجھ کو کام نہیں ہے اس کے بارے میں کیوں پوچھتا ہے؟ واللہ اس کی سزا یہ ہے کہ سال بھر تک روزے رکھے۔ حضرت ابو طلحہ ایک نخلستان میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نخلستان کی خوبصورتی میں منہمک ہو کر وہ یہ بھول گئے کہ کتنی رکعات نماز پڑھی ہے۔ تب انہوں نے بطور کفارہ وہ نخلستان خیرات کر دیا۔

مالک ابن ضیغمؒ فرماتے ہیں کہ ریاح القیسیؒ آئے اور میرے والد سے ملنا چاہا میں نے کہا کہ وہ سو رہے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ وقت تو سونے کا نہیں ہے یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے میں بھی ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا وہ خود سے مخاطب تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ابو الفضول تو نے یہ کیوں کہا کہ یہ وقت سونے کا نہیں ہے۔ تجھے اس بات سے کیا کام۔ اب تیری سزا یہ ہے کہ ایک سال تک تجھے سونے نہ دوں۔ یہ کہتے جاتے تھے اور روتے تھے کہ کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا۔

حضرت تمیم داری ایک رات سوتے رہے اور تہجد کی نماز پڑھ سکے تب انہوں نے یہ عہد کیا کہ سال بھر تک وہ نہیں سوئیں گے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ننگے بدن گرم ریت پر لوٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے رات کے مردار اور دن کے کاہل میں کب تک تیرا ظلم برداشت کروں۔ اتنے میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت آسمان کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں اور حق تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ تمہارے معاملہ میں فخر فرما رہا ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس شخص سے دعائے خیر چاہو۔ تب تمام صحابہ کرام (جو اس وقت حضور کے ہمراہ تھے) ایک ایک کر کے اس کے پاس گئے اور طالب دعا ہوئے۔ انہوں نے ہر ایک کے لیے دعائے خیر کی۔ تب حضور

اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ سب کے لیے دعائے خیر کرو۔ یہ سن کر انہوں نے کہایار الٰہا! ان کو صراط مستقیم پر رکھ اور تقویٰ نصیب فرما۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا الٰہی! اس کی زبان پر دعائے خیر لا۔ تب انہوں نے کہا کہ الٰہی! ان سب کو بہشت میں جگہ عطا فرما۔

مجمعؒ نامی ایک بزرگ تھے ایک بار ان کی نظر ایک چھت کی طرف اٹھ گئی اور ایک عورت کو وہاں دیکھ لیا۔ تب انہوں نے عہد کیا کہ پھر کبھی آسمان کی طرف نہیں دیکھوں گا۔ احنف بن قیس رات کو چراغ ہاتھ میں اٹھا لیتے اور نر انگشت اس کی لو پر رکھ کر فرماتے تو نے فلاں روز یہ کام کیوں کیا؟ اور فلاں چیز کیوں کھائی۔ مختصر یہ کہ ارباب حزم ایسا ہی کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نفس سرکش ہے اگر تم اس کو سزا نہ دو گے تو وہ تم پر غالب آجائے گا اور ہلاک کر دے گا پس وہ ہمیشہ نفس کو تنبیہ کرتے رہتے تھے۔

مقام پنجم

مجاہدہ

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ کچھ لوگوں نے نفس کو قصوروار پا کر اس کی تنبیہ اور سیاست کے لیے اس پر بہت سی عبادت لازم کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کبھی نماز باجماعت فوت ہو جاتی تو ساری رات بیدار رہتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جماعت فوت ہو گئی تو آپ نے اس کے کفارہ میں ایک زمین جس کی قیمت دو ہزار درہم تھی خیرات کر دی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شب مغرب کی نماز میں دو ستاروں کے طلوع ہونے تک تاخیر کر دی اس کوتاہی کے عوض دو غلام آزاد کر دیئے۔ اس قبیل کی بہت سی حکایتیں ہیں۔ جب نفس ایسی عبادتوں سے راضی نہ ہو پھر اس کا علاج یہ ہے کہ کسی صاحب ریاضت (مجتہد) کی صحبت اختیار کرے تا کہ اس کے دیکھنے سے عبادت کا شوق پیدا ہو۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب مجھ سے ریاضت میں سستی ہوتی ہے تو میں محمد بن واسع کو دیکھتا ہوں۔ مجھ میں ایک ہفتہ تک کے لیے عبادت کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی مجتہد نہ ملے تو ایسے لوگوں کے حالات سنے۔ چنانچہ ہم ایسے چند حضرات مجتہدین (ارباب ریاضت) کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت داؤد طائی: حضرت داؤد طائی روٹی نہیں کھاتے تھے بلکہ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پانی میں ڈال کر پی جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اس پینے اور روٹی کھانے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے اتنی دیر میں قرآن پاک کی پچاس آیتیں پڑھ سکتے ہیں۔ پس میں اپنا وقت اس روٹی کھانے میں کیوں ضائع کروں؟ ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ کی چھت کا شہتیر ٹوٹ گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو یہاں بیس سال سے رہ رہا ہوں میں نے آج تک اس کو نہیں دیکھا۔ بے کار

اور بے فائدہ دیکھنے کو بزرگوں نے منع کیا ہے۔

شیخ احمد بن زرین فجر کی نماز پڑھ کر ظہر کی نماز تک بیٹھے رہتے تھے اور کسی طرف نہیں دیکھتے تھے لوگوں نے ان سے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں اس لیے دی ہیں کہ اس کی قدرت اس کی صنعت و عجائبات کو دیکھا کریں اور جو شخص ان چیزوں کو عبرت کی نظر سے نہیں دیکھے گا ایک خطا اس کی لکھی جائے گی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں زندگی میں تین باتوں کو پسند کرتا ہوں ایک یہ کہ طویل راتوں میں سجدہ کروں دوسرے یہ کہ طویل اور بڑے دنوں میں پیاسا رہوں۔ تیسرے یہ کہ ایسے لوگوں کی صحبت میں رہوں جن کی باتیں سنجیدہ اور حکمت والی ہوں۔ علقمہ بن قیس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ اپنے نفس کو اس قدر سختی میں کیوں رکھتے ہیں۔ کہا کہ اس دوستی کے باعث جو مجھے اپنے نفس سے ہے۔ میں اس طرح اس کو عذاب دوزخ سے بچاتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کام جو آپ کرتے ہیں آپ پر واجب نہیں کیے گئے ہیں۔ کہا کہ جو کچھ ہو سکتا ہے کرتا ہوں تاکہ کل ان کے ترک کرنے سے دل میں حسرت نہ پیدا ہو۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ سری سقطیؒ نے اسی (۸۰) سال تک بات نہیں کی تھی' سوائے موت کے وقت کے میں نے کبھی ان کا پہلو زمین پر نہیں دیکھا۔

اور میرے پاس کہنے کے لیے اس سے زیادہ اور کوئی عجیب تربات نہیں ہے۔ شیخ ابو محمد حریری ایک سال تک مکہ میں رہے۔ پر کبھی کسی سے بات نہیں کی۔ نہ وہ سوئے اور زمین سے پیٹھ نہ لگائی نہ پاؤں پھیلائے۔ شیخ ابو بکر کتانی نے ان سے دریافت کیا کہ تم سے ایسی سخت ریاضت کیسے ہو سکی انہوں نے جواب دیا کہ میرے علم کی بدولت میرے صدق باطن نے میرے ظاہر کو قوت بخشی۔

منقول ہے کہ کسی شخص نے شیخ فتح موصلی کو دیکھا کہ وہ بے اختیار رو رہے ہیں اور ان کے آنسو خون آلودہ ہیں اس نے پوچھا یہ کیا ہے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک مدت تک گناہوں کے غم کے باعث میری آنکھوں سے پانی بہتا رہا ہے۔ اب اس ندامت سے کوئی آنسو بغیر اخلاص کے آنکھوں سے نہ نکلا ہو میں خون کے آنسو رو رہا ہوں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے بزرگی عطا فرمائی اور فرمایا کہ مجھے اپنے جلال و عزت کی قسم کہ فرشتے تیرا اعمال نامہ جب لائے تو چالیس برس سے اس میں کوئی خطا درج نہیں تھی۔

حضرت داؤد طائیؒ سے لوگوں نے کہا کہ آپ داڑھی میں کنگھا کر لیں تو کچھ مضائقہ نہ ہو گا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اتنی دیر کے لیے غافلوں میں لکھا جاؤں گا۔

حضرت اویسؒ قرنی کا معمول : حضرت اویس قرنیؒ تاحیات اپنی راتوں کو تقسیم کر کے فرماتے کہ آج کی رات "شب رکوع" ہے اور ایک رکوع میں تمام رات تمام کر دیتے اور دوسری شب فرماتے کہ آج "شب سجدہ" ہے اور ایک

سجدہ میں تمام رات بسر فرمادیتے۔

عتبۃ الغلام صاحبِ مجاہدہ تھے۔نہ اچھی قسم کا کھانا کھاتے نہ کوئی لذیذ چیز پیتے ان کی والدہ نے فرمایا کہ اے فرزند اپنے ساتھ کچھ نرمی اختیار کرو۔انہوں نے کہا کہ میں اسی جستجو میں ہوں۔چند روزہ دنیا میں تھوڑی سی محنت اٹھا کے آخرت میں آرام سے رہوں گا۔شیخ ربیع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے گیا۔اس وقت وہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ ابھی میں بات کروں گا تا کہ ان کی تسبیع و تہلیل میں خلل نہ واقع ہو پس میں انتظار میں بیٹھا رہا وہ نماز ظہر و عصر تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھے دوسرے دن کی نماز فجر بھی اس جگہ ادا کی (کہیں اٹھ کر نہیں گئے) نماز فجر ادا کرنے کے بعد ان کو نیند آگئی۔خواب سے بیدار ہو کر وہ کہنے لگے بار الٰہی! بہت سونے والی آنکھ اور بہت کھانے والے پیٹ سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں تب میں نے خیال کیا کہ یہ نصیحت میرے لیے ہے پس میں وہاں سے خاموشی کے ساتھ چلا آیا۔

شیخ ابوبکر عیاش چالیس سال تک زمین پر نہیں لیٹے اور ان کی آنکھ میں کالا پانی اتر آیا۔انہوں نے بیس سال تک اپنی بیوی سے یہ حال مخفی رکھا۔وہ ہر شب پانچ سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور اپنے ایام شباب میں ہر روز تیس ہزار مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔شیخ کرز ابن دبرہ جو بزرگان ابدال میں سے تھے ہر روز تین ختم کیا کرتے۔لوگوں نے ان سے کہا آپ بڑی ریاضت کرتے ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ دنیا کی عمر کتنی ہے کہا کہ سات ہزار برس۔پھر پوچھا قیامت کا دن کتنا دراز ہے؟لوگوں نے کہا پچاس ہزار سال تب انہوں نے جواب دیا کہ پچاس روز کی راحت کے واسطے سات دن تک محنت نہ اٹھائے اگر میں سات ہزار برس جیوں اور روز قیامت کی راحت کے واسطے کوشش کروں تب بھی کم ہے۔مدت ابد کا تو ذکر ہی کیا ہے جس کی انتہا ہی نہیں خصوصاً اس تھوڑی سی عمر میں۔

حضرت سفیان ثوری نے کہا کہ ایک رات میں حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس گیا وہ عبادت گاہ میں چلی گئیں اور صبح تک نماز میں مشغول رہیں میں ان کے گھر کے ایک گوشہ میں صبح کی نماز پڑھتا رہا پھر میں نے بی بی رابعہ بصریؒ سے کہا کہ خدا کا شکر کس طرح ادا کریں کہ اس نے ہم کو تمام رات نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔بی بیؒ رابعہ نے کہا کہ اس کا شکر یہ ہے کہ کل ہم روزہ رکھیں۔اے عزیز!اہل ریاضت کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔اس قسم کے بہت سے واقعات اور ایسی بہت سی حکایات ہیں جن کا یہاں بیان کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔ہماری کتاب احیاء العلوم میں اس سے زیادہ تفصیل ہے۔اگر کوئی شخص ایسی ریاضت نہیں کر سکتا تو اس کو چاہیے کہ یہ احوال سنا کرے تا کہ اپنی تقصیر کا قائل اور عبادت کی طرف مائل ہو اور نفس کا مقابلہ کرنے میں مشغول ہو سکے۔

مقام ششم

نفس پر عتاب کرنا اور اس پر توبیخ

اے عزیز! معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے نفس کو ایسا پیدا کیا ہے کہ وہ خیر سے بیزار رہے اور شر کی طرف مائل ہو۔ کاہلی اور شہوت پرستی اس کی خاصیت ہے اور تمہارے لیے خداوند تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ نفس کو اس صفت سے باز رکھو اور راہ راست پر لاؤ۔ اس کا سدھارنا کبھی تو سختی سے ہوگا اور کبھی نرمی سے۔ کبھی فعل کے ذریعہ اور کبھی قول کے کیونکہ اس کی طبیعت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ اپنا نفع کسی کام میں دیکھتا ہے تو اس کا طالب ہوتا ہے خواہ اس میں محنت و مشقت کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ وہ اس محنت پر صبر کر لیتا ہے۔ لیکن جہالت اور نادانی اس کی محرومی کا سبب ہوتی ہے جب تم اس کو خواب غفلت سے بیدار کرو گے اور آئینہ (مشاہدہ حال کے لیے) جب اس کے سامنے رکھو گے۔ تب وہ اس کو قبول کرے گا اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وذکر فان الذکری تنفع المومنین (اور ذکر کر کہ ذکر کرنا مومنوں کے لیے نفع بخش ہے) تمہارا نفس بھی دوسروں کے نفوس کی مانند ہے۔ کہ وہ بھی پند و نصیحت کے اثر کو قبول کرے گا۔ پس اوّل تم اس کو نصیحت کرو اور عتاب کرو۔ عتاب کا یہ سلسلہ کسی وقت ختم نہ کرو نفس سے کہو کہ اے نفس! تجھے دعویٰ دانشمندی ہے اور جب کوئی تجھ کو احمق کہتا ہے تو تجھ کو غصہ آجاتا ہے۔ لیکن تجھ سے زیادہ احمق کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ایسے وقت میں کہ شہر کے دروازے پر لشکر جمع ہے اور آدمی اس کے بلانے کے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ اس کو لے جا کر ہلاک کر دیں۔ اور یہ شخص اس وقت لہو و لعب میں مشغول ہے تو اس سے بڑا احمق اور کون ہوگا کہ مردوں کا لشکر شہر کے دروازہ پر تیرا انتظار کر رہا ہے۔ اور عہد لیا ہے کہ جب تک تجھ کو نہیں لے جائیں گے وہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ دوزخ اور بہشت تیرے لیے پیدا کئے ہیں اور ممکن ہے آج ہی کے دن تجھ کو لے جائیں گے ممکن ہے کہ نہ لے جائیں لیکن جو کام یقیناً ہونے والا ہے تو یہ سمجھ کہ وہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ موت نے کسی سے یہ وعدہ نہیں کیا ہے کہ رات کو آؤں گی یا دن کو، جلد آؤں گی یا دیر سے، جاڑے کے موسم میں آؤں گی یا گرمی کے دنوں میں۔ موت سب کو ایسے عالم میں آکر اچانک لے جائے گی جب بے فکر بیٹھے ہوں۔ پس اگر انسان موت کی تیاری نہ کرے تو اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہو گی۔

اے نفس! بھلا سوچ تو کہ تو تمام دن معصیت میں مشغول ہے اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نہیں دیکھتا تو کافر ہے اور اگر تو سمجھتا ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے تب تو بہت بے شرم اور ڈھیٹ ہے کہ تو اس کی آگاہی اور وقوف سے نہیں ڈرتا۔ سوچ کہ اگر تیرا غلام تیری نافرمانی کرے تو اس پر تو اس قدر غضبناک ہوگا پس تو خدا کے غصہ سے کیوں بے فکر ہے اگر تیرا غلام یہ خیال ہے کہ میں اس کے عذاب کو برداشت کر لوں گا تو ذرا انگلی چراغ پر رکھ۔ ایک گھڑی کے لیے سخت دھوپ میں یا گرم حمام میں بیٹھ تاکہ تیری بے طاقتی اور لاچاری معلوم ہو جائے اور اگر تیرا تصور یہ ہے کہ وہ تجھے ہر ایک گناہ کے

مواخذہ میں نہیں پکڑے گا تو اس طرح تو قرآن شریف اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا انکار کرتا ہے اور تو نے ان سب کی تکذیب کی کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :

ومن یعمل سوء یجزبه　　　　جو شخص گناہ کرے گا عذاب دیکھے گا۔

اے نفس! تیرا ناس جائے کہ تو کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھے عذاب نہیں دے گا کہ وہ رحیم و کریم ہے۔ تو سوچ کہ پھر کیوں حق تعالیٰ ہزاروں لاکھوں بندوں کو بھوک اور بیماری کی مصیبت میں رکھتا ہے اور کوئی شخص بغیر تخم پاشی کے کھیتی کیوں نہیں کاٹ لیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تجھ پر دنیا کی حرص غالب ہوتی ہے تو ہزاروں حیلے اور مکر کرتا ہے تاکہ سیم و زر حاصل کر سکے اس وقت تو نہیں کہتا کہ خداوند تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ وہ میری محنت کے بغیر میرے کام کا بندوبست فرما دے گا۔ اے نفس! خدا تجھے سمجھے یہاں تو کہے گا کہ سچ ہے کہ عمل کا بدلہ ملے گا لیکن مجھ میں محنت کرنے کی طاقت نہیں ہے کیا تو یہ نہیں سمجھتا کہ تھوڑی محنت کرنا اس شخص پر بھی فرض ہے جو کڑی مشقت نہیں اٹھا سکتا تاکہ کل دوزخ کے عذاب سے نجات مل جائے کیونکہ کوئی شخص محنت اٹھائے بغیر رنج سے آزاد نہیں ہوگا۔ پس جب آج کے دن تو اس قدر محنت برداشت نہیں کر سکتا تو کل دوزخ کے عذاب، ذلت اور مردود و ملعون ہونے کی تاب کیونکر لائے گا۔

تیرا ناس جائے، تو سیم و زر حاصل کرنے کے لیے شدید محنت اور ذلت برداشت کر رہا ہے اور صحت کی طلب کے لیے یہودی طبیب کے کہنے سے لذیذ چیزیں کھانا چھوڑ دیتا ہے کیوں تو نہیں جانتا کہ دوزخ کی آگ بیماری و محتاجی کی محنت سے کہیں زیادہ سخت اور آخرت کی مدت دنیا کی آمدت سے کہیں زیادہ ہے۔

اے نفس خدا تجھے غارت کرے تو کہتا ہے کہ گناہ سے توبہ کر کے نیک عمل شروع کروں گا اور ہو سکتا ہے کہ توبہ کرنے سے پہلے ہی تیری موت یکایک آ جائے۔ اس وقت حسرت کے سوا اور کچھ تیرے ہاتھ نہیں آئے گا۔ اگر تیرا یہ خیال ہے کہ آج کے مقابلہ میں کل توبہ کرنا زیادہ آسان ہوگا تو یہ بھی تیری نادانی ہے کیونکہ توبہ میں تو جتنی تاخیر کرے گا اتنا ہی توبہ کرنا تجھ پر دشوار ہوگا۔ جب موت نزدیک آئے گی تو یوں ہوگا۔ کہ جانور کو گھاٹی کے آخر میں پہنچتے وقت دانہ دیں تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا (کہ ذبح سے کچھ دیر پہلے چارہ دانہ اس کے لیے بیکار ہے (تیری مثال اس شخص کی سی ہے جو علم سیکھنے کی خاطر باہر نکل کر سستی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے شہر کو واپس پہنچ کر دوسرے دن علم سیکھنے میں کوشش کروں گا اور یہ نہیں سمجھتا کہ علم حاصل کرنے کے لیے بڑی مدت درکار ہے۔ اسی طرح نفس بدکار کو ایک مدت تک ریاضت اور مشقت میں رکھنا پڑے گا۔ تب وہ پاک ہوگا۔ اور درجہ محبت اور انس و معرفت تک پہنچے گا۔ اور راستہ کی تمام صعوبتوں سے پار ہو سکے گا۔ جب عمر گذر چکی اور ضائع ہوئی تو اب مہلت نہیں ملے گی تو مجاہدہ کیونکر ہو سکے گا۔ کیونکہ جوانی، بڑھاپے اور صحت بیماری سے قبل گذر چکی اور فراغت کو دور کام کاج سے پہلے اور زندگی کو موت سے قبل تو نے غنیمت نہیں سمجھا۔

اے نفس! وسحک، تو موسم گرما میں موسم سرما کی تمام تیاریاں کرنے میں خدا کے کرم پر بھروسہ کر کے دیر کرتا رہا آخر زمہریر کی سردی زمستاں سے کم نہیں اور دوزخ کی گرمی تابستاں سے تھوڑی نہیں۔ تو زمستان اور تابستاں کے کاموں

میں سستی نہ کر کے آخرت کے کاموں میں تقصیر کرتا ہے۔ شاید اس کا یہ سبب ہے کہ آخرت اور روز قیامت پر تو ایمان نہیں لایا اور یہ کفر تیرے باطن میں چھپا ہوا ہے۔ جس کو تو نے خود اپنے سے پوشیدہ رکھا ہے اور یہ تیری ہلاکت ابدی کا سبب ہے۔

اے نفس! خدا تجھے سمجھے' جان کہ جو شخص سمجھتا ہے کہ نور معرفت کی پناہ لیے بغیر موت کے بعد آتش شہوت اس کو نہیں جلائے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جبہ نہ پہنے اور سمجھے کہ خدا کے فضل و کرم سے اس کے جسم کو ٹھنڈ نہیں لگے گی اور نادان یہ نہیں جانتا کہ اس کا فضل یہ تھا کہ جب اس نے زمستان پیدا کیا تو تیری رہنمائی جبہ کی طرف فرمائی (کہ موسم سرما میں جبہ پہنو گے تو سردی رفع ہو گی) فضل یہ نہیں ہے کہ بغیر جبہ کے سردی رفع ہو جائے۔

تیرا ناس جائے اے نفس! کہ معصیت جو تجھ کو عذاب میں ڈالے گی اس کا سبب یہ ہے کہ خداوند بزرگ و برتر کا تیری نافرمانی پر عتاب ہوا۔ حالانکہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ میرے گناہوں سے خداوند کریم کا کیا نقصان۔ نادان ایسا نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ آتش دوزخ تیرے باطن میں تیری شہوتوں سے پیدا کرتا ہے جس طرح زہر اور بری چیزوں کے کھانے سے تیرے جسم میں بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ تو نہیں ہوتا کہ طبیب تجھ سے ناراض ہو کر تیری بیماری کا سبب بن گیا۔

اے نفس! تیرا بھلا ہو' بے شک تو دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں مبتلا ہے اور دل سے ان کا فریفتہ ہے اگر تو بہشت اور دوزخ پر ایمان نہیں لایا تو اب موت پر ایمان لا کیونکہ یہ تمام عیش و آرام تجھ سے چھین لئے جائیں گے اور ان کی اور ان کی جدائی سے تو غمگین ہو گا اس پر بھی اگر تیری خواہش کہ ان کی دوستی دل میں مضبوط کرے تو کرنے پر یاد رہے کہ جتنی ان کی دوستی ان کی دل میں مضبوط ہو گی اتنا ہی ان کی جدائی کا رنج زیادہ ہو گا۔

تیرا ناس جائے' تو کیوں دنیا کا گرفتار ہوا ہے۔ اگر تجھے مشرق سے مغرب تک تمام جہان دے دیا جائے اور وہاں کے رہنے والے تجھے سجدہ ہی کریں' تو پتہ دنوں میں تو اور وہ سب خاک کے برابر ہو جائیں گے اور جو بھی تجھ کو تھوڑا سا حصہ ملتا ہے اور وہ بھی رنج و محنت سے خالی نہیں ہے تو بہشت ابدی کے عوض اس کو کیوں خرید رہا ہے۔

تیرا برا ہو' اگر کوئی شخص قیمتی جوہر دے کر ٹوٹی ہوئی ٹھیکری لے گا تو اس پر ضرور تو ہنسے گا۔ پس یہ دنیا تو ایک ٹھیکری ہے اس کو یکبارگی ٹوٹ جانے والی سمجھ اور وہ گوہر جو گم ہوا ہے اور پھر نہیں ملے گا اور اس کا عذاب اور اس کی حسرت باقی رہے گی۔

چاہیے کہ اس قسم کا عتاب نفس پر کرتا رہے تاکہ تادیب نفس کا حق ادا ہو اور لازم ہے کہ پہلے خود کو نصیحت کرے اس کے بعد دوسرے کو نصیحت کی جائے۔

اصل ہفتم

تفکر

اے عزیز! معلوم ہو کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک گھڑی کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور قرآن پاک میں متعدد جگہ تفکر، تدبر، نظر اور عبرت کا حکم ہوا ان سب کے معنی تفکر ہیں جب تک ہر ایک شخص کو تفکر کی حقیقت معلوم نہ ہوگی اور یہ کہ کس چیز میں کرنا چاہیے اور تفکر کس واسطے ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے ان تمام باتوں کو نہیں سمجھے گا تفکر کی خوبی اس کو معلوم نہیں ہوگی اس کی شرح ضروری ہے، ہم پہلے تفکر کی فضیلت بیان کرتے ہیں اس کے بعد اس کی حقیقت اور پھر اس کے فائدے بیان کریں گے اور اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ تفکر کس چیز میں ہوا کرتا ہے۔

تفکر کی فضیلت : اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کام جو سال بھر کی طاعت و عبادت سے بہتر ہو ظاہر ہے کہ بہت ہی فضیلت والا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو حق تعالیٰ کے باب میں فکر کرتے ہیں۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! حق تعالیٰ کی صفت میں غور و فکر کرو ذات باری میں تفکر مت کرو کیونکہ یہ تمہاری طاقت سے باہر ہے اور اس کی قدر کو تم نہ پہچان سکو گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نماز میں گریہ کناں تھے۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! حق تعالیٰ نے آپ کو بخش دیا ہے۔ پھر آپ کیوں روتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ فرمانے لگے کہ اے عائشہ؟ میں کیوں نہ رووں کہ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۝

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں دانشوروں کے لیے نشانیاں ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ افسوس ہے اس شخص پر جو اس آیت کو پڑھ کر اس کے مطالب میں تفکر نہ کرے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ اے روح اللہ! کیا روئے زمین پر کوئی بشر آپ جیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں! وہ شخص جس کی تمام گفتگو اللہ کا ذکر اور خاموشی تفکر اور اس کی نظر عبرت آموز ہو وہ مجھ جیسا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنی آنکھوں کو عبادت سے بہرہ مند کرو۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کس طرح سے؟ آپ نے فرمایا قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے، تفکر اور عجائب قدرت الٰہی سے شیخ ابو سلیمانؒ دارانی نے کہاں ہے کہ دنیا کی چیزوں میں تفکر آخرت کا حجاب ہوگا اور آخرت کے بارے میں تفکر کا ثمر یہ ہے کہ حکمت حاصل ہوگی اور دل زندہ ہوگا۔

حضرت داؤد طائی کا تفکر : حضرت داؤدؒ طائی ایک رات اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر ملکوت آسمان میں فکر کر رہے تھے اور روتے جاتے تھے۔ پس بے اختیار ہو کر ایک پڑوسی کے گھر میں گر پڑے۔ ہمسایہ گھبرا کے اٹھا اور چور سمجھ کر تلوار کھینچ لی۔ جب اس نے حضرت داؤد طائی کو دیکھا تو پوچھا تم کو کس نے گرا دیا' انہوں نے جواب دیا کہ میں بے ہوش تھا مجھے کچھ معلوم نہیں۔

حقیقت تفکر

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ تفکر کے معنی طلب علم و آگہی کے ہیں اور جو علم کو فوراً معلوم نہ ہو اس کو طلب کرنا ضروری ہے یہ ممکن نہیں ہے مگر دوسری دو معرفتوں سے 'اگر ان دونوں کو جمع کر دیا جائے تو ایک تیسری معرفت پیدا ہو گئی ان دونوں کے ملنے سے۔ جس طرح نر اور مادہ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے (ایک تیسری حقیقت) دو اوّلین معرفتیں اس تیسری معرفت کے حق میں ماں باپ کا حکم رکھتی ہیں۔ پھر اس تیسرے علم کو بھی ان دو سے ملا دے تاکہ اس سے ایک چوتھا علم پیدا ہو جائے جب اسی طرح کرتا جائے گا بے انتہا علوم پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص اس طور پر علم حاصل نہیں کر سکتا تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ وہ ان علوم سے جو بمنزلہ اصل کے ہیں وہ خبردار نہیں ہے اور اس کی مثال اس شخص کی ہوگی جس کے پاس سرمایہ تو ہے لیکن وہ سوداگری نہیں کر سکتا۔ بہرحال یہ ایک طویل بحث ہے۔ مختصراً اس کی ایک مثال ہم پیش کریں گے مثلاً اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہتا ہو کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے تو جب تک وہ ان دو باتوں کو نہ جانے گا اس بات کا علم اس کو نہیں ہو سکتا۔ ایک تو یہ جانے کہ باقی' فانی سے بہتر ہے۔ دوسرے یہ معلوم کرے کہ آخرت باقی ہے اور دنیا فانی ہے۔ پس جب ان دو اصل کو معلوم کر لیا تو یقیناً یہ دوسرا علم آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ اس سے پیدا ہوگا اس پیدائش سے ہمارا مقصود وہ نہیں ہے جو "معتزلہ" کا ہے (اس کا بیان طوالت کا موجب ہے)۔

پس تمام تفکرات کی حقیقت یہ ہے کہ دو علم حاصل کرنے سے بکری کا بچہ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح دو علوم کے ملانے سے ہر وہ علم جو تم چاہو گے پیدا نہیں ہوگا بلکہ علوم کی ہر ایک نوع کے دو اصل خاص ہوتی ہیں جب تک تم ان دو اصل کو اپنے دل میں حاضر نہ کرو گے وہ تیسرا علم جو بمنزلہ فرع کے ہے پیدا نہیں ہوگا۔

تفکر کیوں ضروری قرار پایا

انسان کو ایک نور کی حاجت ہے : معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی پیدائش ظلمت اور جہل میں ہوئی ہے اور اس کو ایسے نور کی ضرورت ہے جو اس کو تاریکی سے نکالے اور معلوم کرائے کہ وہ کیا کام کرے اور کس راہ پر چلے۔ دنیا کی راہ پر یا آخرت کی راہ پر۔ وہ اپنی ذات کی طرف مشغول ہو یا خدا کی طرف۔ یہ بات نور معرفت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی اور

نور معرفت بغیر تفکر کے حاصل نہیں ہو گا چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

خلق الخلق فی ظلمة ثم رش علیهم من نوره — حق تعالیٰ نے بندوں کو پیدا فرما کر ان پر اپنے نور کا پر توڈالا

جس طرح وہ شخص جو اندھیرے میں ہو چل نہیں سکتا تب وہ لوہا پتھر پر مار کر اس سے آگ نکالتا ہے اور اس سے چراغ کو روشن کرتا ہے۔ اس چراغ سے اس کی حالت تبدیل ہوتی ہیں بینا ہو کر سیدھے راستہ کو پہنچانتا ہے پھر چلتا ہے۔ ایسا ہی ان دو علوم کے بارے میں کہا جا سکتا ہے جو اصل ہیں اور جب ان کو باہم ملا دیا جائے تو ان سے تیسری معرفت پیدا ہوتی ہے جس کی مثال لوہے اور پتھر کی ہے۔ اور تفکر کی مثال اس لوہے کو پتھر پر مارنے (رگڑنے) کی ہے اور معرفت کی مثال اس نور کی ہے جو اس عمل سے نکلے گا۔ تاکہ اس سے دل کی حالت تبدیل ہو اور جب اس کا حال بدلتا ہے تو اس کا عمل بھی بدلتا ہے۔ مثلاً جب اس نے یہ معلوم کر لیا کہ آخرت بہتر ہے۔ تو دنیا سے منہ پھیر کے آخرت کی طرف توجہ کرے گا۔ پس تفکر سے تین چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ معرفت، حالت، عمل۔ لیکن عمل حالت کا تابع ہے۔ حالت معرفت کی تابع ہے اور معرفت تفکر کی۔ پس معلوم ہوا کہ تفکر ہی تمام حسنات کی اصل اور کلید ہے اور اس توضیح سے اس کی فضیلت ظاہر ہو جائے گی۔

میدانِ فکر کی وسعت

اے عزیز! معلوم کرو کہ فکر کا میدان اور اس کی جولانگاہ بہت وسیع ہے کیونکہ علوم بے شمار ہیں اور سب میں فکر کی گنجائش موجود ہے لیکن جو بات راہِ دین سے تعلق نہیں رکھتی اس کی توضیح اور تشریح ہمارا مقصود نہیں ہے۔ ہاں جو بات دین سے متعلق ہے اگرچہ اس کی تفصیل بھی دراز ہے لیکن مجملاً اس کے اجناس کا بیان ہو سکتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ راہِ دین سے مراد وہ معاملہ ہے جو بندہ اور خداوند تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے اور یہ بندہ کی وہ راہ ہے جس سے وہ خدا تک پہنچے گا۔ بندہ یا تو اپنے بارے میں فکر کرے گا یا حق تعالیٰ کے باب میں۔ اگر اس کی فکر خدا کے باب میں ہے تو اس کا یہ تفکر اس کی ذات کے بارے میں یا صفات یا افعال یا اس کے عجائب مصنوعات کے باب میں ہو گا۔ اگر وہ اپنے باب میں تفکر کرتا ہے تو وہ تفکر یا ایسی صفتوں میں ہو گا جو خداوند قدوس کو ناپسند ہیں اور اس کو حق تعالیٰ سے دور کر دیں۔ ان صفات کو معاصی اور مہلکات کہتے ہیں یا یہ فکر ایسی چیزوں میں ہو گی جو خداوند تعالیٰ کی پسندیدہ ہوں اور بندہ کو خدا کے نزدیک کرنے والی ہوں ان کو طاعات اور منجیات کہتے ہیں۔ پس تفکر کے اس راہ میں بھی چار میدان ہیں اور بندہ کی مثال اس عاشق کی سی ہے جس کو معشوق کے سوا اور کچھ خیال ہی نہیں اگر اس کا خیال غیر معشوق کی طرف بھی ہے تو اس کا عشق ناقص ہے اور کامل عشق وہ ہے کہ کسی اور چیز کی گنجائش اس کے دل میں نہ ہو اور اس کا خیال ہر دم معشوق کے حسنِ صورت اور سیرت کی طرف رہے۔

اگر عاشق اپنے باب میں سوچتا ہے تو وہ ایسے معاملات اور مقدمات کے بارے میں سوچے گا جن کے وسیلہ سے وہ معشوق

کے حضور میں قبولیت حاصل کر سکے یا ایسی بات میں فکر کرے گا جس سے معشوق کو کراہت ہو اور اس سے حذر کرے اور جو خیال عشق سے پیدا ہوتا ہے وہ بیان کردہ ان چار احوال سے خالی نہیں ہوتا۔ عشق دین اور دوستی حق تعالیٰ بھی اسی طرح ہے۔

میدان اوّل: میدانِ اوّل یہ ہے کہ بندہ اپنے بارے میں تفکر کرے تاکہ معلوم کر سکے کہ صفاتِ بد اور افعال ذمیمہ اس میں کون کون سے ہیں تاکہ ان سے خود کو پاک کرے۔ یہ ظاہر کے گناہ اور باطن کی برائیاں ہیں اور یہ بے شمار ہیں۔ کیونکہ ظاہر کے گناہ ہفت اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں جیسے زبان، آنکھ، پاؤں ہاتھ وغیرہ بعض کا تعلق تمام بدن سے ہے۔ دل کی برائیاں بھی اسی طور پر ہیں۔

اطوارِ تفکر: ہر ایک تفکر کے تین طور ہوتے ہیں ایک یہ کہ فلاں کام اور فلاں صفت مکروہ ہے یا نہیں۔ یہ بات سب جگہ ظہور میں نہیں آتی اور صرف تفکر سے اس کو شناخت کیا جاسکتا ہے۔ دوسرا طور یہ کہ یہ بات سب جگہ ظہور میں نہیں آتی اور صرف تفکر سے اس کو شناخت کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی بغیر تفکر کے دشوار ہے۔ تیسرا طور یہ کہ میں جو اس صفت بد سے موصوف ہوں تو اس سے چھوٹنے کی کیا تدبیر ہے۔ پس ہر روز صبح کے وقت چاہیے کہ ایک ساعت کے لیے سب سے پہلے زبان کے ظاہری گناہوں کے بارے میں اندیشہ کرے کہ آج کے دن کون سی بات میں زبان مبتلا ہوگی۔ ممکن ہے کہ غیبت یا جھوٹ میں گرفتار ہو تو اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہے اسی طرح اگر یہ خطرہ ہو کہ لقمہ حرام اس کو چکھنا ہوگا تو اس سے چھوٹنے کی تدبیر کرے۔ علیٰ ھذا القیاس اپنے تمام اعضاء کا حال دریافت کرے اور اسی طرح تمام طاعات میں بھی فکر کرے اور جب طاعات سے فراغت حاصل ہو تو فضائل اعمال میں اندیشہ کرے اور سب کو بجا لائے۔ مثلاً کہے کہ زبان کو ذکر الٰہی اور مسلمانوں کو راحت پہنچانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور میں فلاں ذکر کر سکتا ہوں اور فلاں عمدہ بات کہہ سکتا ہوں تاکہ دوسرے شخص کا دل خوش ہو کہے کہ آنکھ کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ دین کا دام بن جائے تاکہ سعادت کو شکار کر سکوں۔ فلاں عالم کو نظرِ توقیر سے دیکھوں اور فاسق کو حقارت کے ساتھ دیکھوں تاکہ آنکھوں کا حق ادا ہو سکے اور مال مسلمانوں کی راحت کے لیے ہے تو میں فلاں کو مال صدقہ کے طور پر دوں گا اور اگر مجھے ضرورت پڑی تو دوسرے کو دے دوں گا اور خود صبر کروں گا۔ یعنی ایثار سے کام لوں گا۔ اسی طرح کی مثالوں پر ہر روز غور کرے ممکن ہے کہ کسی وقت کی فکر میں ایسا خطرہ آجائے جو تمام عمر اسی کو گناہوں سے باز رکھے۔ پس اس وجہ سے ایک ساعت کا تفکر سال بھر کی عبادت سے افضل قرار پایا ہے کیونکہ اس کا فائدہ تمام عمر باقی رہتا ہے۔ جب ظاہری طاعات و معاصی کے تفکر سے خالی ہو تو مہلکات کی طرف توجہ کرے کہ اس میں برے اخلاق کون کون سے اس کے باطن میں موجود ہیں اور منجیات یعنی اخلاق پسندیدہ میں سے وہ کیا نہیں رکھتا تاکہ اس کے حصول کی کوشش کرے اس کی تفصیل بھی طویل ہے لیکن اصل مہلکات دس ہیں: اگر آدمی ان سے بچے تو وہ کفایت کریں گے۔ دس مہلکات یہ ہیں: بخل، تکبر، عُجب، ریا، حسد، غصہ، حرص طعام، حرص سخن،

درستی مال' حب جاہ : اصل میں منجیات بھی دس ہیں۔ توبہ 'صبر' رضا بقضا' شکر نعمت' خوف' رجا' زہد یعنی ترک دنیا' اخلاص یہ طاعات مخلوق کے ساتھ' خلق خوب' محبت الٰہی۔ ان صفات میں سے ہر صفت میں تفکر کی بڑی گنجائش ہے اور یہ راہ اس شخص کو ملے گی جو ان صفات کے علوم کو جو ہم نے اس کتاب میں ذکر کیے ہیں پہچانے' اور انسان کو چاہیے کہ ایسا جریدہ (دفتر) تیار کرے جس پر یہ صفات تحریر ہوں۔ جب ایک صفت میں تفکر سے فارغ ہو جائے تو اس پر خط کھینچ دے پھر دوسری صفت کی طرف مشغول ہو اور ممکن ہے کہ کسی کو ان تفکرات میں کوئی تفکر اہم معلوم ہو کہ اس کو اس سے کام پڑا ہے مثلاً کوئی عالم پرہیزگار ہے جو ان برے اخلاق سے دستگاری پا چکا ہے لیکن وہ اپنے علم پر عجب و غرور کرتا ہے اور اپنا علم دوسروں کو جتلا کے اپنی بزرگی ناموری تلاش کرتا ہے اپنی عبادت اور صورت کو سنوار کے لوگوں کو بتاتا ہے[1] اور مخلوق میں مقبول ہونے پر خوش ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس کی عیب جوئی کرے تو دل میں اس سے بغض و کینہ رکھتا ہے اور جب موقع ملتا ہے تو اس سے انتقام لیتا ہے۔ یہ تمام باتیں چھپی ہوئی خباثتیں ہیں۔ یہ آدمی کے دین میں خلل ڈالنے والی ہیں۔ پس چاہیے کہ ہر روز اس معاملہ میں فکر کرے کہ اس برائی سے کس طرح بچ سکتا ہے اور اس کے نزدیک مخلوق کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو جائے پس اس کی نظر صرف خدا کی طرف ہو۔ اس باب میں فکر کی بہت گنجائش ہے۔ ہماری اس توضیح سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہو گی کہ اپنے مہلکات و منجیات کے بارے میں انسان کا تفکر کوئی حد و نہایت نہیں رکھتا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی۔

میدانِ دوم

حق تعالیٰ کے لیے تفکر : باری تعالیٰ کے باب میں تفکر یا تو اس ذات و صفات کے بارے میں ہو گا۔ یا اس کے افعال و مصنوعات کے سلسلہ میں ہو گا۔ اس تفکر کا بڑا مقام ہے۔ جو ذات و صفات باری سے علاقہ رکھتا ہے۔ لیکن عوام کو اس کی طاقت نہیں کور عقل کی وہاں رسائی ہو نہیں سکتی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ذاتِ باری میں تفکر مت کرو کیونکہ یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے اس دشواری کا سبب یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات پوشیدہ ہے بلکہ اس کی عظمت اسقدر روشن اور تاباں ہے کہ انسان کی بصیرت اس کی تاب نہیں لا سکتی اور وہ بے خود و متحیر ہو جائے گا۔ مثلاً چمگادڑ دن کو اڑ نہیں سکتی کیونکہ اس کی آنکھ ضعیف ہے آفتاب کے نور کی تاب نہیں لا سکتی ہے۔ رات کو جب نور کم ہوتا ہے تو دیکھ سکتی ہے۔ عوام الناس کی بھی یہی مثال ہے لیکن صدیقین اور بزرگانِ جلالی حق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ دیکھنے کی ضرورت میں بھی نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص آفتاب کو دیکھ سکتا ہے لیکن ایسا شخص اگر مدام دیکھے گا تو اندیشہ ہے کہ اس کی

۱؎ جس طرح آج کل خود اپنے قلم سے اپنے نام سے پہلے "علامہ" لکھتے ہیں۔ بالوں میں خوب تیل ڈال کر سنہرے فریم کا چشمہ آنکھوں پر لگاتے ہیں حالانکہ بینائی میں قطعی کوئی کمزوری نہیں ہوتی۔

بصارت ختم ہو جائے گی اسی طرح جمال الٰہی کے مشاہدہ میں دیوانگی اور بے ہوشی کا اندیشہ ہے پس صفات الٰہی کے اسرار جو بزرگوں کے علم میں ہیں۔ مخلوق سے ان کو بیان کرنے کی اجازت اور رخصت نہیں ہے۔ مگر ایسے الفاظ جو بندوں کی اپنی صفات سے قریب ہوں مثلاً تم کہو کہ حق تعالیٰ عالم' مرید' متکلم ہے ان الفاظ سے انسان کچھ چیز سمجھ سکتا ہے جو اس کی صفتوں کی مانند ہو۔ اس کو تشبیہہ کہتے ہیں لیکن اگر صرف اتنا کہا جائے کہ خدا کا کلام انسان کے کلام کی طرح نہیں ہے جو حرف وصوت رکھتا ہے اور اس کا سلسلہ کبھی رہتا ہے کبھی ٹوٹ جاتا ہے۔ جب تم اتنا کہو گے تو شاید اس کی سمجھ میں نہ آئے اور انکار کرے اور کہے کہ خدا کا کلام بے حرف وصوت کیسا ہو گا۔ یا تو تم اس سے کہو کہ خدا کی ذات تیری ذات کی طرح نہیں ہے۔ نہ وہ جوہر ہے نہ عرض۔ نہ کسی جگہ ہے نہ جہت میں۔ نہ عالم سے متصل ہے نہ منفصل' نہ عالم سے باہر ہے نہ عالم کے اندر۔ اس کا بھی وہ انکار کرے گا اور کہے گا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اس انکار کی وجہ یہ ہو گی کہ وہ خداوند تعالیٰ کی اپنی مانند سمجھتا ہے جو ایک تخت پر جلوہ افروز ہے اور خدم و غلام اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے باب میں اسی طرح خیال کر کے کہتا ہے کہ ضروری ہے کہ خداوند تعالیٰ کے بھی ہاتھ 'پاؤں' آنکھ منہ اور زبان ہو۔ جب بندہ اپنے وجود میں یہ اعضاء دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اگر یہ خدا کی ذات میں نہ ہوں تو نقصان کا موجب ہو گا ایسی عقل اگر مکھی کو بھی ہوتی تو کہتی کہ میرے خالق کے بھی ضرور پر وبال ہوں گے۔ کیونکہ اس نے میری قدرت و توانائی کے باعث ہی مجھے یہ چیز دی ہے پس وہ آپ بھی یہ رکھتا ہو گا۔ یہی حال انسان کا ہے اپنے اوپر اس کی ہستی کا قیاس کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے خدا کی ذات و صفات میں تفکر کرنا شرع میں درست نہیں۔ اسی طرح بزرگانِ سلف نے علم الکلام پڑھنے سے منع کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ باری تعالیٰ نہ عالم کے باہر ہے اور نہ عالم میں ہے نہ متصل ہے نہ منفصل بلکہ وہ صوف اس بات پر قناعت کرتے ہیں (کافی سمجھتے ہیں) کہ لیس کمثلہ شیئی یعنی نہ وہ کسی سے مشابہت رکھتا اور نہ کوئی اس کے مشابہہ اور مانند ہو گی۔ اس بات کو بغیر تفصیل کے مجمل کہہ دینا کافی ہے کہ ان کے مذہب میں تفصیل بدعت ہے۔

کیونکہ اکثر و بیشتر مخلوق کا فہم یہاں قاصر ہے (اکثر لوگ کم فہم ہیں) اس لیے ایک نبی پر وحی نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ بندوں سے میری صفات کا حال (کنہہ) بیان مت کرو کیونکہ یہ اس کا انکار کریں گے۔ پس ایسی بات ہی کہنا جو ان کی عقل میں آسکے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ اس بارے میں ہر گز گفتگو اور تفکر نہ کریں۔ ہاں ایسا شخص جو کامل ہو وہ اس باب میں تفکر کرے لیکن آخر کار اس کو بھی دہشت اور حیرت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پس سزاوار یہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کی عظمت عجائب صنعت سے معلوم کریں۔ ہر ایک جو عالم وجود میں آئی ہے اس کی قدرت اور عظمت کے انوار سے ایک نور ہے کیونکہ اگر کوئی آفتاب دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو وہ اس کے نور کو جو زمین پر پڑ رہا ہے ضرور دیکھ سکتا ہے۔

میدانِ سوم

عجائب مخلوقات میں تفکر : اس میدان میں اس تفکر کا بیان ہے جو عجائب مخلوقات میں کریں اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ عالم میں موجود ہے خداوند تعالیٰ کی عجیب و غریب صفت ہے آسمان و زمین کا ہر ایک ذریعہ زبان حال سے خداوند تعالیٰ کی پاکی' اس کی قدرت کاملہ اور علم بے حد کو بیان کر رہا ہے اور یہ عجائب مخلوقات بے شمار ہیں ان کی تفصیل نہیں ہو سکتی۔ اگر سات سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درختوں کی شاخوں کے قلم بن جائیں اور سارے بندے کاتب بن کر زمانہ دراز تک لکھیں تب بھی کلمات الٰہی جن سے مراد عجائب قدرت ہیں تمام نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قل لو کان البحر مدادا لکلمت ربی : فرما دیجئے کہ میرے رب کے کلمات تحریر کرنے کے لیے اگر تمام سمندر روشنائی بن جائیں۔ لنفد البحر قبلؔ ان تنفد کلمات ربی ولوجئنا بمثله مدداہ تو سمندر خشک ہو جائیں قبل اس کے کہ وہ مرے رب کے کلمات کو تحریر کر پائیں اگر اس کے مثل وہ اور روشنائی کیوں نہ لے آئیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جن کی ہم کو خبر نہیں پھر اس میں تفکر کیونکر کیا جا سکتا ہے جس طرح کہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِھِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ٥

پاکی ہے اسے جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں ہے۔

دوسری قسم مخلوقات کی وہ ہے جن کی ہم کو خبر حاصل ہے۔ ایسی مخلوق دو قسم کی ہے ایک وہ ان کو ہم آنکھ سے دیکھ نہیں سکتے۔ جیسے عرش و کرسی' فرشتے' جن' پری' ان میں تفکر کے اطوار بہ سبب طوالت اس مختصر میں لکھنا دشوار ہے۔ فقط ان چیزوں کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو دیکھی جاتی ہیں۔ یعنی آسمان' زمین' آفتاب' ماہتاب' ستارے اور جو کچھ زمین کے اوپر ہے۔ جیسے پہاڑ' جنگل' سات سمندر اور بستیاں اور وہ چیزیں جو پہاڑیوں کے اندر موجود ہیں۔ یعنی جواہر اور دوسری کانیں۔ نباتات کی قسم سے جو چیزیں زمین کے اوپر ہوتی ہیں قسم قسم کے صحرائی اور دریائی جانور اور انسان کیونکہ وہ سب سے عجیب تر ہے۔ اسی طرح جو کچھ آسمان اور زمین کے درمیان (جوبات) ہے جیسے ابر' بارش برف' ژالہ' رعد' بجلی' قوسِ قزح اور وہ دوسرے آثار جو ہوا کے درمیان پیدا ہوتے ہیں ہر ایک میں تفکر کی گنجائش ہے اور یہ سب کے سب صنعت الٰہی کے عجائب ہیں۔ ان میں سے بعض کا ہم کچھ بیان کریں گے' خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی صنعت (آیات) کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں تا کہ تم ان میں غور و فکر کرو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے :

وَكَاَيِّنْ مِنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ٥

وہ آسمانوں اور زمین کے عجیب نشانوں کو دیکھتے ہیں لیکن ان پر توجہ نہیں کرتے۔

اور ارشاد فرمایا ہے :

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ٥

بے شک آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں اور دن رات کے اختلاف میں ارباب بصیرت کے لیے نشانی ہے۔

اور ایسی نشانیاں بہت سی ہیں پس بندہ ان نشانیوں میں فکر کرے۔ سب سے پہلی نشانی جو تم سے قریب ترین ہے خود تمہاری ہی ذات ہے اور دنیا میں کوئی چیز تم سے (وجود انسانی) عجیب تر نہیں۔ لیکن تم خود اپنے وجود سے غافل ہو حالانکہ بارگاہِ الٰہی سے ندا آتی ہے کہ اے بندہ! تو اپنی ذات میں غور کر تاکہ ہماری قدرت اور عظمت تجھ پر ظاہر ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ وفی انفسکم افلا تبصرون (ہماری نشانیاں تمہارے نفسوں میں موجود ہیں مگر تم غور نہیں کرتے) پہلے تم اپنی ابتدائے خلقت کا خیال کرو کہ کہاں سے تم آئے ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تم کو ایک بوند پانی سے پیدا فرمایا ہے۔ اس پانی کو پہلے باپ کی پشت میں اس کے بعد رحم مادر میں جگہ دی غرض اس قطرۂ آب کو تمہاری پیدائش کا تخم بنایا اور ماں باپ پر شہوت کو موکل بنایا۔ ماں کے رحم کو اس کی زمین اور باپ کے نطفہ کو تخم بنایا اور ہر ایک میں یہ شوق پیدا کیا کہ وہ بیج زمین میں بویا جائے۔ اس تخم کو خونِ حیض سے پیدا کیا۔ نطفہ کو پہلے خونِ بستہ کی شکل دی (علقہ) اس کے بعد اس کو مضغہ (لوتھڑا) بنایا پھر اس میں جان ڈالی اور ایک صفت والے خون سے تمہارے اندر قسم قسم کی چیزیں پیدا کیں۔ جیسے گوشت، پوست، رگیں، پٹھے، ہڈیاں، پھر ان سب چیزوں سے تمہارے اعضاء بنائے، سر کو گول بنایا، دو لمبے لمبے ہاتھ اور پاؤں بنائے جن میں سے ہر ایک کی پانچ پانچ انگلیاں ہیں۔ پھر بیرونی اعضاء میں آنکھ ناک کان منہ، اور زبان بنائی اور دوسرے اعضاء بنائے۔ باطن میں معدہ، جگر، گردے، تلی، پتار، رحم، مثانہ اور آنتیں پیدا کیں۔ ہر ایک کو الگ الگ شکل عطا فرمائی اور جدا جدا صفتیں، ہر ایک کی مقدار الگ الگ رکھی۔ ہر ایک کے کتنے ہی حصے کئے، ہر انگلی کی پوریں بنائیں، ہر ایک عضو کو پوست، رگ و پٹھے اور استخواں سے ترکیب دی۔ اپنی آنکھ ہی کو دیکھ لو مقدار میں ایک اخروٹ سے زیادہ نہیں اس کے سات طبقے (پردے) بنائے ہر ایک طبقہ کی صفت الگ الگ رکھی، اگر ان میں سے ایک پردہ بھی بگڑ جائے۔ آنکھ کی بصارت ختم ہو جائے۔ اگر صرف آنکھ کے عجائب کی شرح بیان کی جائے تو ایک دفتر تحریر کرنا پڑے۔ اب ذرا اپنی ہڈیوں پر غور کرو کیا مستحکم اور سخت جسم رقیق منی سے پیدا فرمایا اس کا ہر ایک ٹکڑا الگ الگ ساخت اور مقدار رکھتا ہے کوئی گول ہے اور کوئی لابنا اور کوئی چوڑا، کوئی کھوکھلا (جوف دار) اور کوئی بھرا ہوا اور یہ ساری ہڈیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں جن کی تعداد اور بناوٹ میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں استخوان کو تمہارے بدن کا ستون بنایا اور تمام اعضاء کی بنیاد اس ستون پر رکھی اگر وہ ستون ایک ہی ٹکڑا ہوتا تو پشت کا خم کرنا ناممکن ہوتا اور اگر جدا جدا ہوتا تو پیٹھ سیدھی کرنا اور کھڑا رہنا دشوار ہوتا۔ ہڈیوں کے مہرے (فقرات) بنائے تاکہ پشت خم ہو سکے اس کے بعد ان کو ایک دوسرے سے جوڑ کر رگوں اور پٹھوں کو ان پر لپیٹ

کر خوب مضبوط کر دیا تا کہ وہ ایک ٹکڑے کی مانند کھڑی رہے۔ ہر ایک مہرے کے سروں کو نر و مادہ کی طرح بنایا کہ ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو جائیں مضبوطی کے ساتھ مہروں کے چاروں طرف پہلو بنائے تا کہ کمزور پٹھے جو اس پر لپیٹے گئے ہیں مضبوط رہیں اور ایک دوسرے پر سہارا لے سکیں۔ سر کو دیکھو کہ پچپن ہڈیوں سے بنایا گیا ہے اور باریک ریشوں سے ان ٹکڑوں کو جوڑا ہے کہ اگر ایک گوشہ کو صدمہ پہنچے تو دوسرا سلامت رہے اور سب کے سب یکبارگی نہ ٹوٹ جائیں دانتوں کو دیکھو بعض کے سر چوڑے ہیں تا کہ وہ لقمہ کو چبائیں۔ بعض کے سر باریک اور تیز رکھے تا کہ نوالہ کو ریزہ ریزہ کر کے (پچھلے دانتوں کی) چکی میں ڈال دیں۔ گردن پر غور کرو اس کو سات مہروں سے بنایا ہے۔ ان مہروں پر رگیں اور پٹھے لپیٹ دیئے ہیں اور اس طرح اس کو خوب مضبوط کر دیا ہے اور سر کو اس کے اوپر رکھ دیا ہے۔ پیٹھ کو چوبیس مہروں (فقرات) سے بنا کر گردن کو اس پر رکھ دیا ہے اور سینہ کی ہڈیاں ان مہروں کی عرض میں بنائی ہیں اسی طرح اور دوسری ہڈیاں بنائی ہیں جن کی شرح بہت طولانی ہے۔ الغرض خداوند تعالیٰ نے ترے بدن میں کل دو سو سینتالیس ہڈیاں بنائی ہیں ان میں سے ہر ایک کا فائدہ الگ الگ ہے حالانکہ ان سب کی خلقت پانی کی اسی ایک بوند سے ہوئی ہے۔ اگر ان ہڈیوں میں سے ایک ہڈی بھی کم ہو جائے تو تمہارا کام رک جائے اور ایک بھی زیادہ ہو جائے تو تمہارے آرام میں خلل پڑ جائے۔ جب تمہارے جسم کو تمام اعضاء اور استخوان کے ملانے کی ضرورت ہوئی تو تمہارے بدن میں پانچ سو ستائیس (۵۲۷) پٹھے (عضلات) پیدا کئے۔ ہر ایک عضلہ مچھلی کی طرح درمیان میں موٹا اور باریک سر کا بنایا۔ بعض عضلات چھوٹے اور بعض بڑے بنائے۔ ہر عضلہ کی ترکیب گوشت ریشہ (عصب) اور پردہ سے کی جو غلاف کی مانند اس پر پڑا رہتا ہے۔ ان پانچ سو ستائیس عضلات میں چوبیس عضلات صرف اس لیے ہیں کہ تم آنکھ اور پلک کو ہر طرف حرکت دے سکو۔ دوسرے اعضا کی حرکات کا اسی پر قیاس کر لو کہ سب کی شرح بہت طولانی ہے۔ علاوہ ازیں تمہارے جسم میں تین حوض بنائے ہیں۔ ان حوضوں سے سارے بدن میں نہریں جاری کیں ان میں سے ایک حوض دماغ کا ہے۔ جس سے اعصاب کی نہریں تمام بدن کو پہنچتی ہیں تا کہ قدرت اور حس و حرکت کا فیض جاری ہو۔ ان نہروں میں سے ایک نہر کو پیٹھ کے گرلوں کے اندر رکھا تا کہ اعصاب، مغز سے دور نہ رہیں ورنہ وہ سوکھ جاتے دوسرا حوض جگر کا ہے اس سے رگوں کو ہفت اندام تک پھیلایا تا کہ اس راستہ سے ان کو غذا پہنچے۔ تیسرا حوض دل کا ہے اس سے تمام بدن میں خون کی رگیں (شرائن) پھیلائیں تا کہ روح کا فیض ہر جگہ جاری و ساری ہو اور روح سے ہفت اندام تک پہنچے پس غور کرو کہ تمہارے ایک ایک عضو کو خداوند تعالیٰ نے کس حکمت و صنعت سے بنایا ہے اور کس کس کام کے لیے بنایا ہے۔ آنکھ پر غور کرو اس کو سات طبقات (پردوں) سے پیدا کیا اور ایسی انداز اور طرز پر بنایا جس سے بہتر ہونا ناممکن تھا۔ پلک کے چمڑے (پپوٹے) کو بنایا تا کہ گرد و غبار سے آنکھ کو محفوظ رکھے۔ سیاہ اور سیدھی پلکیں حسن و جمال اور قوت بصارت کے لیے پیدا فرمائیں تا کہ غبار کے وقت آنکھ کو ان سے ڈھک دو اور آنکھ محفوظ رہے لیکن ان کے درمیان سے تم دیکھ بھی سکو۔ جب گرد و غبار اور خاشاک اوپر سے گرے تو یہ پلکیں رکاوٹ بن جائیں اور اس کو آنکھ کے اندر نہ آنے دیں گویا آنکھ کی نگہبان بن جائیں اور ان تمام باتوں سے عجیب تر بات یہ کہ آنکھ کا گھر

باوجود یہ کہ اتنا چھوٹا ہے آسمان اور زمین کی صورت جو اتنی وسیع ہے اس میں نظر آتی ہے۔ جب تم آنکھ کھولتے ہو تو ایک پل میں آسمان اتنی دوری کے باوجود نظر آتا ہے اگر نظر کے عجائب اور دوربین کی کیفیت اور نظارگی کی تفصیل بیان کریں تو کئی دفتر درکار ہوں گے۔ کان کو دیکھو اس میں قدرت نے ایک کڑوا میل پیدا کیا تاکہ کوئی کیڑا اس میں نہ جانے پائے۔ پھر کان کا گھونگا بنادیا تاکہ آوازوں کو جمع کر کے کان کے سوراخ میں پہنچادے اس راستہ کو بہت ہی پر پیچ بنایا ہے اور اس میں بھی حکمت ہے کہ جب تم سوجاؤ اور چیونٹی کان میں جانا چاہے تو اس کو دور دراز راستہ طے کرنا پڑے اور پھرنے لگے اور تم جاگ جاؤ (اور اس کو نکال دو) اسی طرح اگر منہ اور ناک اور دوسرے اعضاء کی تشریح بیان کی جائے تو بیان بہت طویل ہو جائے گا۔ مقصود اس گفتگو سے یہ ہے کہ تم کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے اور ہر ایک عضو کی حقیقت پر غور کرو کہ اس میں کیا کیا فائدے ہیں۔ اس کے بعد تو خداوند تعالیٰ کی حکمت اور عظمت، لطف ورحمت اور علم وقدرت سے آگاہ ہو سکے کہ تیرے سر سے لے کر پیر تک ہزار ہا عجائب موجود ہیں۔ باطن کے عجائب، دماغ کے خزانے اور حس وادراک کی قوتیں جو اس میں رکھی گئی ہیں سب سے عجیب تر ہیں بلکہ جو فوائد شکم اور سینہ کے اندر ہیں ان کا احوال بھی نادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معدہ کو ایک ایسی دیگ کی طرح بنایا ہے جو جوش مار رہی ہے تاکہ کھانا اس میں پکے اور جگر اس پکے ہوئے کھانے کا خون[1] بنائے اور رگیں اس خون کو ہفت اندام تک پہنچادیں۔ پتہ اس خون کے جھاگ (کف) کو جسے صفرا کہتے ہیں لیتا ہے اور تلی (طحال) اس خون کی تلچھٹ کو جو سودا ہے اپنے اندر لے لیتی ہے اور گردے خون سے پانی جدا کر کے اس پانی کو مثانہ کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ اسی طرح رحم (بچہ دانی) اعضائے مخصوصہ اور امعاء (آنتوں) کے عجائب بھی اسی طرح ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حواس ظاہری اور باطنی جیسے بصارت، سماعت اور، علم وعقل اور ہوش انسان کو عطا کئے ہیں ان کا حال بھی عجیب وغریب ہے۔

اے عزیز! تمہارا حال بھی عجیب ہے کہ اگر کوئی مصور دیوار پر ایک تصویر کھینچ دیتا ہے تو تم اس کی استادی سے متعجب ہو کر اس کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ لیکن تم آفریدگار کی اس صنعت کو دیکھتے ہو کہ اس نے پانی کے ایک قطرہ سے انسان کے ظاہر وباطن کے ایسے عجیب وغریب نقش ونگار بنائے۔ مو قلم ہے نہ نقاش ہے پھر ایسے صانع حقیقی کی صنعت دیکھ کر تعجب کیوں نہیں کرتے اور اس کے علم وقدرت کا کمال تم کو بے خود کیوں نہیں کرتا اور اس کی شفقت ورحمت کو حسرت کی نظر سے کیوں نہیں دیکھتے۔ غور کرو کہ جب تم رحم مادر میں غذا کے محتاج تھے تو اگر وہاں تمہارا منہ کھلتا تو خونِ حیض بے اندازہ تمہارے معدہ میں پہنچتا اور ہلاک ہو جاتے۔ لہٰذا ناف کے راستہ سے تمہاری غذا پہنچانے کا بندوبست کیا پھر جب تم رحم مادر سے باہر آئے تو ناف کو بند کر کے تمہارا منہ کھول دیا تاکہ ماں اندازہ کے مطابق تم کو غذا پہنچائے۔ تمہارا بدن اس وقت نازک اور ضعیف تھا اور سخت چیزوں کے کھانے کی تم میں قوت نہیں تھی تو ماں کے دودھ سے تمہاری غذا مقرر کی اور ماں کے سینہ سے پستان پیدا کر کے ان کا سر تمہارے منہ کے اندازہ کے مطابق بنایا۔ تاکہ دودھ کی نہر سے دودھ حاصل کرنے میں تم کو زور نہ کرنا پڑے اور ایک قدرتی دھوبی کو عورت کے سینہ میں بٹھادیا تاکہ سرخ رنگ کے خون کو

---

[1] کیموس اور کیلوس مترجم

سفید کر کے اس کا دودھ بنائے اور پاک و لطیف کر کے تم تک پہنچا دے۔ تمہاری ماں کے دل میں تمہاری اسقدر ممتا پیدا کی کہ اگر ایک آن کے لیے بھی تم بھوکے سو جاتے تو وہ بے قرار ہو جاتی اور جب شیر خوارگی کے زمانہ میں دانتوں کی حاجت نہیں تھی دانت نہیں دیئے تاکہ ماں کی چھاتی تمہارے دانتوں سے مجروح نہ ہو اور جب کھانا کھانے کی قوت تمہارے اندر پیدا ہوئی تو اس وقت تمہارے دانت اس نے نکالے تاکہ سخت غذا کو تم چبا سکو۔ وہ شخص بڑا ہی احمق اور اندھا ہو گا کہ آفرید گار عالم کی ایسی قدرت دیکھ کر بے خود نہ ہو اور اس کے کمال لطف و مرحمت سے حیران ہو کر جمال و جلال الٰہی کا عاشق و شیفتہ نہ بنے اور جو کوئی ان عجائب پر غور نہ کرے اور اپنے تن اور احوال کی اس کو خبر نہ ہو تو وہ نرا حیوان اور نادان ہو گا۔ کہ اس نے اپنی عقل کو جو ایک قیمتی گوہر ہے ضائع اور اکارت کر دیا اس کو فقط اتنی ہی خبر ہے کہ جب بھوک لگتی ہے تو وہ کھانا کھا لیتا ہے۔ اور جب غصہ آتا ہے تو کسی پر حملہ کر دیتا ہے بوستان معرفت الٰہی کی سیر سے وہ جانوروں کی طرح محروم رہ گیا۔ انسان کی تنبیہ کے لیے یہاں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہو گا۔ یہ باتیں جو ہم نے بیان کی ہیں تمہارے خلقت کے لاکھوں عجائبات میں سے ایک بات ہے۔ عجائب جانوروں میں بھی مچھر سے لے کر ہاتھی تک بے شمار ہیں اور اس کی تفصیل بہت طولانی ہے۔

دوسری نشانی : اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دوسری نشانی زمین ہے اور وہ تمام چیزیں جو اس کے اندر ہیں اور اس کے اوپر موجود ہیں اس میں شامل ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے جسم کے عجائب معلوم کر کے آگے قدم رکھو تو زمین پر غور کرو کہ کس طرح اس کو تمہارا بچھونا بنایا ہے اور اس کو اس قدر وسعت دی ہے کہ تم اس کے کنارہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی میخیں زمین پر گاڑ دی ہیں تاکہ جنبش نہ کر سکے۔ اور تمہارے قدموں کے نیچے ٹھہری رہے۔ اس نے سخت پتھروں کے نیچے سے پانی نکالا کہ وہ تمام روئے زمین پر جاری ہو۔ پانی بتدریج نکلتا ہے اگر سخت پتھر اس پانی کو نہ روکتا اور پانی یکبارگی جوش مار کر نکل آتا تو دنیا کو غرق کر دیتا یا قبل اس کے کہ کھیتیاں اس سے بتدریج سیراب ہوں پہنچ جاتا اسی طرح موسم بہار کا خیال کرو کہ ساری روئے زمین ایک منجمد خاک ہے۔ جب بارش اس پر ہوتی ہے تو وہ مردہ مٹی کس طرح زندہ ہو جاتی ہے۔ اگر گل بوٹوں سے وہ زمین ہفت رنگی اطلس بن جاتی ہے۔ ذرا ان سبزیوں پر خیال کرو جو اس خاک سے اگتی ہیں ان میں رنگ برنگے پھول اور کلیاں بھی شامل ہیں کہ ہر ایک کا رنگ الگ الگ ہے اور خوبی میں ایک دوسرے سے بہتر ہیں' ذرا ان میوہ اور درختوں کا خیال کرو ان کے حسنِ صورت ذائقہ 'بو اور نفع رسانی پر غور کرو صرف یہی نہیں بلکہ ہزاروں سبزیاں جن کے نام و نشان تک تم کو معلوم نہیں اس نے اگائے اور عجیب و غریب فوائد ان میں رکھے پھر مزہ کے اعتبار سے دیکھو تو کوئی تلخ' کوئی شیریں' کوئی ترش' ایک کی خاصیت یہ کہ بیمار کر دے اور ایک کی منفعت یہ کہ شفا بخشے ایک جان بچائے دوسرا جان لیوا زہر' ایک صفراء کو تحریک دے اور دوسرا اس کو دور کرے' ایک خلط سودا کو دور کرے ایک خلط سودا میں ابھار کرے' کوئی گرم' کوئی سرد' کوئی خشک' کوئی تر ایک خواب آور ہے اور ایک نیند کا قاطع' ایک ایسا کہ مفرح قلب اور ایک کدورت اور طبع کی بدمزگی کا موجب ایک سبزی آدمی کی غذا دوسری جانوروں کی۔ اور ایک ایسی چیز جو پرندوں

کی کھا جا۔ اب غور کرو کہ مخلوق کتنے ہزاروں ہیں اور ان میں سے ہر ایک جنس میں کتنے ہزار عجائب ہیں۔ اگر تم غور کرو گے تو تم کو ایک قدرت کاملہ نظر آئے گی جس میں انسان کی عقل دنگ ہے۔ ان چیزوں کا بھی کوئی شمار نہیں۔

تیسری نشانی : تیسری نشانی وہ نفیس اور بیش بہا امانتیں ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے پہاڑوں کے نیچے پوشیدہ رکھا ہے۔ ان کو "معاون" کہتے ہیں۔ بعض ان میں زیب و زینت کے لیے ہیں۔ جیسے سونا' چاندی' لعل' فیروزہ' یاقوت' سنگ یشم' بلور' الماس وغیرہ۔ بعض ان میں سے چیزوں کے بنانے میں کام آتے ہیں جیسے لوہا' تانبا' سیسہ' قلعی وغیرہ بعض معدنیات دوسرے کاموں میں آتے ہیں نمک' گندھک نفط (مٹی کا تیل) کولتار' ان میں سب سے ادنیٰ نمک ہے جس سے کھانا ہضم ہوتا ہے اور اگر بستی میں دستیاب نہ ہو تو وہاں کے تمام کھانے بے مزہ ہو جائیں گے' اور لوگ بیمار پڑ جائیں گے بلکہ ان کی ہلاکت کا خوف ہے۔

پس خداوند تعالیٰ کے لطف و کرم پر نظر کرو کہ تمہارا کھانا اگرچہ غذائیت کے اعتبار سے ٹھیک ہے لیکن اس کی لذت کے واسطے ایک چیز درکار تھی خداوند تعالیٰ نے وہ بھی تم سے دریغ نہ رکھی۔ برسات کے پاک پانی سے اس کو بنایا جو زمین میں جمع ہو کر نمک بن جاتا ہے۔ یہ عجائب بھی بے نہایت ہیں ان کا شمار مشکل ہے۔

چوتھی نشانی : زمین پر چوتھی نشانی رہنے والے حیوانات ہیں بعض ان میں چرندے ہیں اور بعض دو پاؤں سے چلنے والے ہیں اور بعض چار پاؤں سے' بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ بعض بہت سے پاؤں سے چلنے والے ہیں۔ اب پرندوں اور حشرات الارض کے اقسام پر نظر کرو کہ ہر ایک کی شکل و صورت جدا جدا ہے اور ایک دوسرے سے بہتر ہے' ہر ایک جانور کو ان میں سے جو چیز ضروری تھی وہ عطا فرمائی اور ہر ایک کو سکھلایا کہ اپنی غذا کس طرح کرے اور اپنے بچے بڑے ہونے تک ان کی پرورش کس طرح کرے پرندے اپنا گھونسلا کس طرز پر بنائیں۔ ذرا چیونٹی کو دیکھو کہ اپنی غذا وقت پر کس طرح سے جمع کرتی ہے۔ جب گیہوں کا دانہ اس کو ملتا ہے تو سمجھتی ہے کہ اگر ثابت رکھوں گی تو ضائع ہو جائے گا۔ پس اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ اس کو کیڑا ضائع نہ کرے۔ دھنیا (کشنیز پختہ) اگر ثابت نہ رہے تو خراب ہو جاتا ہے اس واسطے اس کو ثابت رکھتی ہے۔ مکڑی کو دیکھو کہ وہ اپنا گھر کس طرح بناتی ہے اور اس کی تعمیر میں بہت سے اندازے اور حکمتیں رکھتی ہے چنانچہ اپنے لعاب سے دھاگہ بناتی ہے اور کسی دیوار کے دو کونے تلاش کر لیتی ہے۔ تاکہ ایک جانب سے تار ڈال کر دوسری جانب لے جائے جب تانا ختم ہو جاتا ہے تو بانا (آڑے تار) شروع کرتی ہے اور ان کے اوپر بنتی ہے تاروں کے درمیانی حصہ کو سیدھا رکھتی ہے تاکہ کوئی تار دور اور کوئی نزدیک نہ ہو سکے اور خوشنما نظر آئے۔ اس کے بعد ایک تار پر خود کو لٹکا لیتی ہے اور کسی مکھی کی تلاش میں رہتی ہے۔ تاکہ اس کو اپنی غذا بنائے پس اس پر حملہ کر کے اس کو شکار کر لیتی ہے اور وہی تار اس کے ہاتھ اور پاؤں پر لپیٹ دیتی ہے تاکہ بھاگ نہ جائے اس کو یہاں رکھ کر دوسری مکھی کی تلاش شروع کر دیتی ہے۔

زنبور عسل یعنی شہد کی مکھی کو دیکھو کہ اپنا گھر شہد کے چھتہ میں ہمیشہ مسدس (شش پہلو) بناتی ہے۔ اگر مربع بنائے تو چھتہ کی شکل تو مدور ہے۔ اس کے گھر کے کونے خالی رہتے اور ضائع جاتے اور اگر گول بناتی تو جب تمام گول دائروں کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھیں تو دونوں طرف کے خرج (کشادگی) جاتے اور علم ہندسہ مسلم ہے۔ کہ مسدس سے زیادہ کوئی شکل مدور سے قریب نہیں ہوتی۔

خداوند ایسے چھوٹے چھوٹے جانوروں پر ایسی عنایت رکھتا ہے کہ اس کو اس الہام سے مشرف فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔ وا وحی ربک الی النحل (اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی پر وحی بھیجی) اسی طرح محمد (بشر) کو الہام سے نوازا کہ اس کی غذا خون ہے اور اس کے حصول کے لیے ایک تیز' باریک اور کھوکھلی سونڈ اس کو عطا فرمائی تاکہ اس کو تمہارے بدن میں پیوست کر کے اس سے لہو کھینچے اس کو ایک ایسا ادراک بخشا کہ جب تم اس کے پکڑنے کے لیے ہاتھ ہلاتے ہو تو فوراً آگاہ ہو کر بھاگ جاتا ہے۔ اس کو دو ہلکے پر عنایت فرمائے تاکہ تیز اور جلد اڑ سکے اور جلد واپس آجائے اگر مچھر کے پاس عقل اور زبان ہوتی تو وہ حق تعالیٰ کا اتنا شکر بجالاتا کہ سب انسان اس سے تعجب کرتے۔ لیکن وہ زبان حال سے خدا کا شکر بجالاتا ہے اور تسبیح ادا کرتا ہے۔ لیکن انسان کو اس کی خبر نہیں ہوتی چنانچہ فرمایا ہے ولکن لاتفقهون تسبيحهم (لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اس قسم کے عجائب بے شمار ہیں۔ اس کی لاکھوں حکمتوں میں سے ایک حکمت کو پہچاننے اور اس کے بیان کرنے کی کس کو طاقت ہے۔ اب تم غور کرو کہ آیا یہ حیوانات ان عجیب شکلوں' نادر رنگوں' نیک صورتوں' اور درست و راست اعضاء خود اس نے پیدا کئے ہیں یا تم نے ان کو بنایا ہے۔

سبحان اللہ! خدا کی شان ہے کہ ان آنکھوں کو اس روشنی کے ساتھ ہی نابینا کر سکتا ہے۔ تاکہ نہ دیکھیں اور دلوں کو تفکر سے غافل رکھ سکتا ہے۔ لوگ چشم سر سے تو دیکھتے ہیں لیکن دل کی آنکھوں سے دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے ان کے کان ان باتوں کے سننے سے بہرے ہو گئے ہیں یہاں تک کہ جانوروں کی طرح سوائے آواز کے کچھ اور نہیں سنتے اور پرندوں کی بولیوں کو جن میں حرف و صوت کو دخل نہیں' نہیں پہنچانتے۔ ان کی آنکھیں اشیائے دیدنی سے اندھی ہیں یہاں تک کہ اس خط کے سوا جو حروف اور رقوم سیاہی سے سفید کاغذ پر لکھے جائیں اور کچھ نہیں دیکھتے اور ان خطوط سے جن میں نہ حرف ہیں اور نہ رقم اور ان کے خداوند عالم نے ذرات جہاں کے ظاہر و باطن پر قلم قدرت سے تحریر کر دیا ہے مستفید نہیں ہوتے۔ تم چیونٹی کے انڈہ پر جو ایک ذرہ کے سر کے برابر ہے ذرا غور کرو اور سنو کہ وہ زبان فصیح سے کہہ رہا ہے کہ اے سادہ لوح انسان اگر کوئی شخص دیوار پر ایک تصویر بناتا ہے تو اس کی نقاشی اور استادی سے تجھے تعجب ہوتا ہے۔ آ! اور مجھ میں نظر کر تاکہ خداوند عالم کی مصوری تجھے معلوم ہو کہ میں ایک ذرہ سے زیادہ نہیں ہوں جس کو نقاش ازل ابتدائے خلقت میں ایک چیونٹی بنا دے گا پھر مرے بدن کے اجزاء پر غور کرنا کہ ان کی تقسیم کس طرح ہے جن کو مرے ہاتھ' پاؤں' دل' سر اور دوسرے اعضاء کی شکل عطا کرے گا۔ میرے سر اور دماغ میں کتنے خانے اور خزانے اس نے رکھے ہیں اور میرے سر کے باہر کتنے مناظر رکھ کر ان پر آنکھ کا نگینہ بنایا ہیں پھر ناک اور منہ بنایا جو کھانا اترنے کی جگہ ہے مجھے ہاتھ

پاؤں بھی دیئے اور میرے باطن میں ایسی جگہ جہاں غذا ہضم ہو تیار کی اور غذا کا فضلہ نکلنے کی جگہ بھی بنادی اور اس کے تمام اعضاء بنائے پھر میری شکل کیسی بنائی میرے بدن کے تین طبقے بنا کر ان کو ایک دوسرے سے پیوند کر دیا اور دربان کی طرح میری کمر پر خدمت کا پٹکا باندھ دیا اور مجھے کالی قبا پہنا کر اس عالم میں جس کو تو سمجھتا ہے کہ میرے لیے ہی بنا ہے مجھ کو ظاہر کر دیا تاکہ اس کی نعمت میں تیرے ساتھ میں بھی شریک رہوں بلکہ خدا نے تجھ کو میرا مسخر بنایا کیونکہ تم تخم پاشی کر کے رات دن کھیت کو سینچتا ہے۔ جب گیہوں' جو اور دوسرے اناج اور مغزیات کو پیدا کر کے جہاں کہیں تو ان کو چھپاتا ہے لیکن حق تعالیٰ مجھ کو اس کا پتہ دے دیتا ہے یہاں تک کہ میں اپنے بل سے زمین کے نیچے سے اس کی بو سونگھ کر وہاں پہنچ جاتی ہوں۔ ممکن ہے کہ تجھ کو ایک سال کا کھانا اس تمام کدو کاوش کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکے لیکن میں ایک سال کا آزوقہ جمع کر کے احتیاط سے رکھتی ہوں اگر میں اپنی غذا سکھانے کے لیے جنگل میں لے جاؤں اور مینھ برسنے کا اندیشہ ہو تو مینھ برسنے سے پہلے میں اپنا غلہ دوسری جگہ منتقل کر دیتی ہوں جہاں مینہ برسنے کا امکان نہیں ہوتا۔ لیکن جب تو اپنا خرمن جنگل میں رکھتا ہے تو تجھے مینہ اور سیل کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ کھلیان سب کا سب ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر خدا کا شکر مجھ سے کس طرح ادا ہو جو ایک ذرہ سے میری شکل ایسی تیز و تند اور ستھری بنائی اور تجھے اشرف اور بزرگوں کو میرا مسخر بنایا کہ تو میرے واسطے بیج بو کے اناج پیدا کرے اور اس کو کاٹے اور اس سلسلہ میں رنج برداشت کرے اور میں فراغت سے بیٹھ کر کھاؤں۔

غرض ہر ایک حیوان خواہ چھوٹا ہو یا بڑا زبان حال سے خدا کی بزرگی بیان کر رہا ہے۔ اور اس کی ثناء میں مصروف ہے حیوانات ہی نہیں بلکہ تمام نبات اور سارے ذرات عالم سے خواہ وہ ایک پتھر ہی کیوں نہ ہو یہی ندا کر رہا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر لوگ اس ندا پر دھیان نہیں دیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ الْمَعْزُوْلُوْنَ ٥ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلاَّ یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لاَّتَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ

پس بے شک وہ سننے سے معزول کر دیئے گئے ہیں (سنتے ہی نہیں) اور کوئی شئی ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کی تسبیح میں مصروف نہ ہو لیکن وہ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہیں۔

پانچویں نشانی : ان عجائب صنعت کا بھی ایک وسیع عالم ہے جس کا بیان کرنا اور ان کی وضاحت کرنا ناممکن ہے۔

پانچویں نشانی روئے زمین کے سمندر ہیں ہر ایک سمندر اس بحر محیط کا ایک ٹکڑا ہے جو تمام روئے زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام روئے زمین ان سمندروں کے مقابلہ میں چند جزیروں سے زیادہ نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ زمین سمندر کے مقابل میں چند اصطبلوں کے مانند ہے۔

سمندر کے عجائب : جب تم جنگل و صحرا کے عجائب پر غور کر چکے تو اب سمندر کے عجائب و غرائب پر غور کرو۔

سمندر زمین سے کئی گنا بڑا ہے پس جس قدر وہ بڑا ہے اس کے عجائب بھی اسی قدر زیادہ ہیں۔ مردہ جانور جو زمین پر رہتا ہے۔ سمندر میں بھی اس کا نظیر موجود ہے اور اس میں ایسے جانور ہیں جو زمین پر نہیں پائے جاتے۔ یہ سب سمندر میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے بھی ہر ایک کی شکل اور طبیعت الگ الگ ہے اور ایک قسم ایسی بھی ہے جس کو آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور ایک قسم اتنی بڑی کہ کشتی اس کے اوپر چڑھ جائے اور لوگ خیال کریں کہ زمین ہے اور جب آگ جلائی جائے تب وہ حرارت اور تپش محسوس کر کے جنبش کرتی ہے۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین نہیں بلکہ سمندری جانور ہے۔ دریا کے عجائب کی تفصیل میں لوگوں نے صدہا کتابیں لکھی ہیں جن کی شرح ممکن نہیں۔

غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی گہرائی میں ایک جانور پیدا کیا ہے جس کی پوست یا کھال سیپ ہے۔ قدرتِ الٰہی نے اس کو الہام کیا کہ باران نیساں کے وقت دریا کی سطح پر آجائے اور اپنا منہ کھولے تا کہ باران نیساں کے قطرے جو شیریں ہیں اس کے اندر پہنچ جائیں۔ یہ سمندر کے پانی کی طرح کھاری نہیں ہوتے۔ چند قطرے اپنے اندر لے کر یہ جانور سمندر کی گہرائی میں آجاتے ہیں۔ صدف ان قطروں کی پرورش اپنے شکم میں کرتی ہے بلکہ اسی طرح جیسے نطفہ رحم مادر میں پرورش پاتا ہے وہ جوہر صدفی جس میں مروارید بن جانے کی صلاحیت موجود ہے ایک مدت دراز تک اس قطرہ میں اس وقت سرایت کرتی ہے جبکہ ہر قطرہ موتی بن جاتا ہے۔ کوئی چھوٹا کوئی بڑا جس کو تم اپنے زیور میں کام میں لاتے ہو۔ اسی طرح سمندر کے اندر ایک سرخ رنگ کا درخت لگایا جو ایک جھاڑ کی شکل کا ہے اس کا جوہر سنگ ہے۔ اس کو مرجان یا مونگا کہتے ہیں۔ سمندر کے جھاگ ساحل پر پھینکتا ہے۔ یہی عنبر[1] ہوتا ہے۔ ان جواہر کے عجائب حیوانی زندگی سے ہٹ کر بھی بے شمار ہیں۔

سمندر میں کشتی کا چلانا' ذرا اس پر غور کرو کہ کشتی کی شکل ایسی بنائی کہ پانی میں غرق نہ ہو اور کشتی بان کو ہدایت کرنا کہ وہ ہوائے مخالف و موافق میں تمیز کر سکے اور ستاروں کا پیدا کرنا کہ جہاں پانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا وہ ستارے اس کی رہنمائی کریں سب سے زیادہ عجیب ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پانی کی صورت اس کی لطافت' روشنی اور اتصالِ اجزاء کے ساتھ بنائی اور تمام حیوانات اور نباتات کی زندگی کو اس سے وابستہ کیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اگر تم کو ایک گھونٹ پانی کی ضرورت ہو اور وہ نہ ملے تو تم اپنی ساری دولت دے کر بضرورت اس کو حاصل کرو گے اور پینے کے بعد بھی پانی تمہارے مثانہ سے بول بن کر نہ نکلے تو اس بلا و مصیبت سے نجات پانے کے لیے اپنا سارا مال خرچ کر دو گے۔ مختصر یہ کہ پانی اور سمندروں کے عجائب بھی بے شمار ہیں۔

چھٹی نشانی: قدرت الٰہی کی چھٹی نشانی ہوا ہے۔ اور وہ چیزیں بھی جو اس ہوا یا خلاء میں پائی جاتی ہیں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہوا بھی ایک موجزن سمندر ہے' ہوا کا چلنا اس سمندر کا موجیں مارنا ہے۔ ہوا کا جسم اس قدر لطیف ہے کہ آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی اور نہ وہ بینائی کے لیے حجاب ہے۔ زندگی کا سرمایہ بھی کیونکہ کھانے پینے کی حاجت تو دن بھر میں دو ایک

[1] "ہر سمندر کا جھاگ عنبر نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مخصوص خاصیت رکھنے والا جھاگ عنبر بن جاتا ہے۔"

مرتبہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر ذرا سی دیر کے لیے بھی ہوا نہ ملے تو فوراً ہلاکت ہے لیکن تم اس بات سے بے خبر ہو۔

ہوا کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ کشتیوں کو قائم رکھتی ہے اور غرق ہونے سے بچاتی ہے۔ اس کی پوری پوری تشریح دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس ہوا میں کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں۔ جیسے ابر' بارش' رعد' برق' برف' ژالہ' ذراش کثیف ابر پر پہاڑوں سے بخار کے طور پر یا نفس ہوا سے پیدا ہوتا ہے۔ (باشد کہ از زمین بر خیزد و آب بر گیرد و باشد کہ سبیل بخار از کوہ ہا پدید آمد و باشد کہ از نفس ہوا پدید آمد۔ کیمیائے سعادت رکن چہارم) اور ان مقامات پر جو پہاڑ دریا اور چشموں سے دور ہیں اس کثیف ابر سے پانی برستا ہے۔ قطرہ قطرہ بن کر ایک کے بعد ایک اور پھر یہ کہ ہر قطرہ بخط مستقیم اس جگہ گرتا ہے۔ جو تقدیر الٰہی سے اس کے اترنے (گرنے) کے لیے مقرر کر دی گئی ہے۔ تاکہ فلاں پیاسا کیڑا سیراب ہو اور فلاں سبزہ جو سوکھنے والا ہے۔ سر سبز ہو جائے اور جس بیج کو پانی کی ضرورت ہے اس کو پانی پہنچ جائے۔ فلاں میوہ پھل اور فلاں ڈالی جو سوکھنے والی ہے کو تازگی پہنچ جائے چونکہ اس مقصد کے لیے ضرورت تھی کہ پانی جڑ سے اس کے تنوں کے درمیان سرایت کرے اور ان عروق کے ذریعہ جو بالوں سے زیادہ باریک ہیں ان تک پہنچ جاتا ہے اور ہر میوہ ترو تازہ ہو جاتا ہے تم خدا کے اس لطف و کرم سے بے خبر رہ کر اس میوہ کو کھاتے ہو۔ بارش کے ہر قطرہ پر تحریر ہے کہ فلاں جگہ اترنا ہے اور فلاں کی روزی ہونا ہے۔ اگر تمام مخلوقات جمع ہو کر قطروں کا شمار کریں تب بھی ان کا شمار نہ ہو سکے۔ اگر بارش ایک مرتبہ ہو کر پھر نہ ہوتی تو نباتات کو بتدریج پانی پہنچتا اس موسم سرما اور سردی کو اس پر مسلط کر دیا اور برف بنا دیا۔ ایسا سفید برف (پالا) جیسے دھنکی ہوئی روئی اس سے تھوڑا تھوڑا پانی بہتا ہے (اور نباتات کو بتدریج پہنچتا ہے) پہاڑوں کو اس برف کا خزانہ بنا دیا وہاں جمع ہوتا رہتا ہے چونکہ وہاں کی ہوا سرد ہوتی ہے۔ اس لیے جمع شدہ برف جلد نہیں پگھلتی بلکہ جب پہاڑ پر گرمی پیدا ہوتی ہے۔ تو رفتہ رفتہ گھل کر ضرورت کے مطابق بہتا ہے اور اس سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں تاکہ پورے موسم گرما میں بتدریج زراعت کو پانی ملتا رہے۔ اگر اس کے بر خلاف بارش ہمیشہ ہوتی رہتی تو اس سے بڑا نقصان ہوتا اور اگر ایکبار برس کے موقوف ہو جاتا تو تمام سال نباتات خشک رہتے۔ پس برف میں بھی خدا کی رحمتیں موجود ہیں اور کوئی چیز اس کی رحمت و عنایت سے خالی نہیں بلکہ تمام اجزائے زمین و آسمان کو اس نے حکمت و عدل سے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا وماخلقنا السموت والارض وما بينهما لعبيں ما خلقنا هما الا بالحق ولكن اكثر هم لايعلمون ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے عبث پیدا نہیں کیا ہے۔ بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ لیکن ان میں اکثر ایسے ہیں جو جانتے نہیں ہیں۔

ساتویں نشانی: ساتویں نشانی آسمان اور ستاروں کی بادشاہت ہے اور اس کے عجائب یہ ہیں کہ زمین (اور اس کے اوپر جو کچھ ہے) آسمان کے مقابلہ میں بہت چھوٹی ہے قرآن پاک میں آسمان اور ستاروں کے عجائب میں نظر اور فکر کرنے کے بارے میں کئی جگہ ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِی السَّمَآءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ○

ہم نے آسمان کو محفوظ چھت کی طرح بنایا ہے اور وہ ہماری نشانیوں سے روگرداں ہیں۔

اور فرمایا:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ○

آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسان کی آفرینش سے بزرگ تر ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں ہیں۔

تم کو آسمان کی بادشاہت کے عجائب پر غور و فکر کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ تم آسمانوں کے نیلے پن، ستاروں کی سفیدی کو آنکھ کھول کر دیکھو کہ اتنا تو تمام جانور بھی دیکھ سکتے ہیں جب تم اپنے نفس ہی کو اور ان عجائب کو جو تمہارے جسم میں ہیں اور آسمان زمین کے عجائب میں ہیں اور آسمان کو کس طرح ادراک کر سکو گے۔ تم کو لازم ہے کہ بتدریج آگے بڑھو اوّل اپنے آپ کو پہچانو اس کے بعد زمین، نباتات حیوانات اور جمادات پر غور کرو۔ اس کے بعد ہوا ابر اور ان کے عجائب کو پہچانو من بعد آسمان و کواکب پھر کرسی اور اس کے بعد عرش رب العلمین میں تفکر کرو۔ پھر عالم اجسام سے نکل کر عالم ارواح کی سیر کرو اس سیر سے فراغت کے بعد ملائکہ کو پہنچانو پھر شیاطین اور جنات میں غور کرو۔ اس کے بعد تفکر کے لیے فرشتوں کے درجات، ان کے مختلف مقامات معلوم کرو۔ پس آسمان اور زمین ستاروں میں ان کی گردش، ان کے مشارق و مغارب یعنی طلووع و غروب کی جگہوں میں تفکر کرو اور دیکھو کہ یہ کیا ہیں اور کس واسطے پیدا کئے گئے ہیں۔ ستاروں کی بہتات اور کثرت دیکھو کہ کسی انسان کو ان کی تعداد سے آگاہی نہیں ہے۔ ہر ایک کا رنگ الگ الگ ہے کوئی سرخ ہے تو کوئی سفید اور کوئی سیماب جیسا کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا۔ ان کے جمگھٹوں سے جدا جدا شکلیں بنتی ہیں[۱]۔ کوئی بکری کی شکل ہے اور کوئی بیل جیسی کوئی بچھو کی ہیئت پر ہے اور بہت سی شکلیں اسی پر قیاس کرنا چاہیے بلکہ ہر ایک صورت جو روئے زمین پر نظر آتی ہے آسمان پر ستاروں کی اشکال ہیں اس کی مثال موجود ہے۔ پھر ستاروں کی گردش کا اختلاف دیکھو کہ کوئی ایک ہفتہ میں کوئی ایک مہینہ میں سارے آسمان کو طے کرتا ہے۔ کوئی برس بھر میں کوئی بارہ برس میں اور کوئی تیس سال میں یہ گردش پوری کرتا ہے بعض ایسے ہیں کہ تیس ہزار سال میں آسمان کو طے کرتے ہیں (تا آنکہ بہ سی ہزار سال فلک گذارد) بشرطیکہ آسمان رہے اور قیامت نہ آئے۔

الغرض ملکوت آسمان کے عجائب علوم بے نہایت ہیں جبکہ تم نے زمین کے کچھ عجائب معلوم کر لیے ہیں تو اب سمجھو کہ عجائب کا یہ تفاوت ہر ایک کی شکل کے تفاوت کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ زمین اتنی وسیع ہے کہ کوئی اس کی نہایت کو نہیں پہنچ سکتا اور آفتاب تو زمین سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی مسافت کس قدر ہوگی جو ہم کو اس قدر چھوٹا نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اس کی حرکت میں کتنی تیزی ہوگی۔ جبکہ نصف گھنٹہ میں آفتاب کا تمام دائرہ زمین سے نکلتا ہے تو اس کی سرعت رفتار کا کیا عالم ہوگا۔ اسی باعث ایک دن سرور کونین ﷺ نے حضرت

---

[۱] دب اکبر نسر طائر۔ کہکشاں۔ بنات النعش وغیرہ

جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کیا آفتاب کا زوال ہو گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں پہلے لا کہا پھر نعم" کہا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ کیا بات ہوئی؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا جتنی دیر میں میں نے لا اور پھر نعم کہا آفتاب نے پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ طے کر لیا تھا ایک اور ستارہ آسمان پر جس کی جسامت زمین سے سو گنا ہے اور بلندی کے سبب سے بہت ہی چھوٹا نظر آتا ہے۔ جب ایک ستارہ کا یہ حال ہے تو تمام آسمان کا قیاس کرو کہ کس قدر بڑا ہو گا۔ اور ایسے بڑے آسمان کی شکل تیری چھوٹی سی آنکھ میں نظر آتی ہے تاکہ تم اس سے حق تعالیٰ کی عظمت و قدرت کو پہچان سکو۔ پس ہر ایک ستارہ میں ایک حکمت ہے۔ اور اس کے ثبات' سیر' رجوع' استقامت اور طلوع و غروب میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ آفتاب کی حکمت تو سبب سے زیادہ آشکار ہے کہ اس کے فلک کو فلک البروج کے ساتھ کے ایک رابطہ بخشا گیا ہے تاکہ ایک فصل میں وہ تم سے نزدیک ہو اور ایک فصل میں دور ہو تاکہ ہوا کا حال مختلف ہو کبھی طویل اور کبھی کوتاہ اور کبھی معتدل ہو۔ اسی سے شب و روز میں اختلاف ہوتا ہے کبھی طویل اور کبھی کوتاہ۔ اگر یہ تمام امور لکھے جائیں تو بڑی طوالت کا موجب ہو گا۔

حق تعالیٰ نے جو کچھ علوم اس تھوڑی سی عمر میں ہم کو عطا کئے ہیں اگر ہم اس کا بیان کریں تو ایک مدت مدید درکار ہو گی اور ہمارا علم انبیاء اور اولیاء کے علم کی بہ نسبت بہت ہی مختصر ہے۔ علماء اور اولیاء کا علم تفصیل خلقت کے باب میں انبیاء کے علم سے کمتر ہے اور انبیاء کا علم مقرب فرشتوں کے آگے تھوڑا سا ہے اور ان سب کی آگاہی اور واقفیت علم الٰہی کے مقابلہ میں اتنی کم ہے کہ اس علم کو علم کہنا بھی سزاوار نہیں ہے۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے اس ذات پاک کی جو اس کے باوصف کہ بندوں کو علم سے بہرہ ور فرمایا اور نادانی کا داغ ان پر لگایا اور فرمایا وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (اور تم کو بہت تھوڑا سا علم عطا کیا گیا ہے) یہ ایک نمونہ تھا جو تفکر کے اطوار کے باب میں بیان کیا گیا تاکہ تم اس کے ذریعہ اپنی غفلت کا اندازہ کر سکو۔ لیکن جب تم کسی امیر کے گھر جاتے ہو جو نقش و نگار اور گچ سے آرائش کیا گیا ہو تو اس کی تعریف کرتے ہو اور اس کی خوبی سے دنگ رہ جاتے ہو اور خدا کے گھر میں تو تم ہمیشہ بستے ہو اور اس پر تعجب نہیں کرتے۔ یہ عالم اجسام خدا ہی کا تو گھر ہے جس کا فرش زمین ہے اور آسمان اس کی چھت ہے۔ جبکہ یہ چھت بغیر کسی ستون کے قائم ہے تو سب سے عجیب بات ہوئی۔ اس کا خزانہ پہاڑ ہیں اور سمندر اس کا گنجینہ ہیں اور اس گھر کا سامان یا متاع خانہ یہ حیوانات اور نباتات ہیں۔ چاند اس گھر کا چراغ ہے اور آفتاب اس گھر کی مشعل ہے۔ ستارے اس کی قندیلیں ہیں فرشتے اس کے مشعلچی ہیں لیکن تم ایسے عجیب گھر کے عجائب سے بے خبر ہو۔ سبب اس کا یہ ہے کہ یہ گھر بہت ہی بڑا ہے اور تمہاری آنکھ چھوٹی ہے اس کو دیکھ نہیں سکتی تمہاری مثال اس چیونٹی کی ہے۔ جس کا بادشاہ کے محل میں ایک سوراخ ہے (بل) وہ اپنے گھر' غذا اور اپنے ساتھیوں کے سوا کچھ خبر نہیں رکھتی قصر شاہی کی رونق' غلاموں کی کثرت' اور تخت شاہی کی زیب و زینت سے بالکل واقف نہیں پس اگر تم چیونٹی کے درجہ پر قناعت کرنا چاہتے ہو تو کر لو۔ حالانکہ تم کو معرفت الٰہی کے گلستان کی سیر اور تماشا دیکھنے کا راستہ بتا دیا ہے پس باہر نکل کر آنکھ کھولو تاکہ عجائب صنعت تم کو نظر آئیں اور تم متحیر و مدہوش ہو جاؤ۔

☆..........☆..........☆
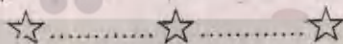
اصل ہشتم

توحید و توکل

توکل کا مرتبہ اور اس کی شناخت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ توکل کی صفت مقربین کے مقامات میں داخل ہے اور اس کا بڑا درجہ ہے لیکن توکل کی شناخت اور اس پر عمل کرنا دشوار ہے اور اس کی دشواری کا باعث یہ ہے کہ جو شخص یہ سمجھے کہ دنیا کے کاموں میں حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کا دخل ہے تو اس کو پختہ اور کامل موحد نہیں کہا جا سکتا اور اگر وہ تمام اسباب کو ختم کر دے تو اس طرح اس نے شرع کے خلاف کیا اور اگر ظاہری اسباب کا مسبب اس کو نظر نہ آئے تو گویا اس نے عقل کے خلاف کیا اور اگر اس نے مسبب پر نظر ڈالی تو احتمال یہ ہے کہ اسباب ظاہری میں سے کسی سبب پر وہ توکل کرے اس صورت میں بھی اس کو موحد کامل نہیں کہیں گے۔ پس توکل کا بیان اس طور پر کہ عقل و شرع و توحید کے مطابق ہو اور ان میں سے کسی کے خلاف نہ ہو دشوار ہے۔ ہر کوئی اس کو نہیں پہچان سکتا۔ پس ہم پہلے توکل کی فضیلت اس کے بعد اس کی حقیقت پھر اس کے احوال اور عمل کو بیان کریں گے۔

توکل کی فضیلت

خداوند بزرگ و برتر نے تمام بندوں کو توکل کا حکم دے کر اس کو ایمان کی شرط ٹھہرایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔ وعلی اللہ فتوکلو ان کنتم مومنین (اور اللہ پر توکل کرو اگر تمام ایمان والے ہو) اور ارشاد فرمایا: ان اللہ یحب المتوکلین (بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) اور فرمایا: و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (یعنی جو شخص خداوند تعالیٰ پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو بس ہے) اور فرمایا: الیس اللہ بکافٍ عبدہ (کیا خداوند تعالیٰ بندوں کیلئے کافی نہیں ہے) اس قسم کی آیتیں بہت ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ایک بار امتوں کو مجھ پر ظاہر کیا گیا اپنی امت کو کوہ و بیابان میں ٹھہرا ہوا پایا ان کی کثرت کو دیکھ کے مجھے تعجب ہوا اور مجھے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ اس کثرت سے آپ خوش ہوئے۔ میں نے کہا ہاں اے خداوند عالم! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ ہزار آدمی بغیر حساب کتاب کے بہشت میں جائیں گے۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون لوگ ہیں حضور ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو سحر، داغ اور فال پر عمل نہیں کرتے بلکہ خداوند تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ تب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ دعا

فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس جماعت میں داخل فرمائے آپ نے دعا فرمائی۔ خدایا تو عکاشہ کو ان لوگوں میں داخل فرما دے۔ اس کے بعد ایک اور صحابی نے اٹھ کر اسی دعا کیلئے التماس کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا سبقک بھا عکاشۃ (عکاشہ نے تم پر سبقت حاصل کر لی)۔

حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم خدا پر ایسا توکل کرو گے جیسا توکل کا حق ہے تو وہ تمہارا رزق تم کو پہنچا دے گا۔ اسی طرح جیسے پرندوں کو پہنچاتا جو صبح کو بھوکے اڑ کر جاتے ہیں اور سیر ہو آتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص خدا کی پناہ میں جائے گا حق تعالیٰ اس کے سب کاموں کو سر براہی فرمائے گا اور اس کی روزی ایسی جگہ سے پہنچا دے گا جو وہ نہیں جانتا ہے اور جو شخص دنیاوی اسباب پر بھروسہ کرے گا۔ حق تعالیٰ اس کو دنیا کے ساتھ چھوڑ دے گا۔

جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو کافروں نے منجنیق میں بٹھا کر آگ میں ڈالا تو آپ نے فرمایا۔ حسبی اللہ و نعم الوکیل (آپ اس وقت فضا میں تھے) حضرت جبریل علیہ السلام نے اس وقت آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو مجھ سے کچھ حاجت ہے؟ انہوں نے فرمایا مجھے تم سے کچھ کام نہیں ہے۔ اسی لئے انہوں نے حسبی اللہ و نعم الوکیل کہا تھا۔ اس قول کو پورا کریں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی وفاداری کو سراہا اور فرمایا و ابراھیم الذی و فیؑ (اور ابراہیم جس نے اپنے عہد کو پورا کیا۔)

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے داؤد (علیہم السلام) جب کوئی بندہ سب کو چھوڑ کر میری پناہ لے گا۔ اگرچہ زمین و آسمان کی خلقت مکر و فریب سے اس پر حملہ کرے میں اس کی مشکل کو آسان کر دوں گا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بار مجھے بچھو نے ڈنک مارا۔ میری والدہ نے مجھے قسم دی کہ تم اپنا ہاتھ سیدھا کرو تا کہ میں منتر پڑھ دوں میں نے دوسرا ہاتھ جو نیش زدہ نہیں تھا آگے بڑھا دیا کیونکہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا تھا کہ جو کوئی اور داغ پر بھروسا کرے وہ متوکل نہیں ہے۔

شیخ ابراہیم ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ایک راہب سے میں نے دریافت کیا کہ تو روزی کہاں سے کھاتا ہے۔ اس نے جواب دیا روزی دینے والے سے پوچھو کہ کہاں سے بھیجتا ہے کہ کیونکہ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے۔ لوگوں نے ایک عابد سے پوچھا کہ تم تو ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے ہو روزی کس طرح حاصل کرتے ہو انہوں نے دانتوں کی طرف اشارہ کر کے کہا جس نے چکی پیدا کی ہے وہی اناج بھیجتا ہے۔ ہرم بن حیان نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا میں کس ملک میں قیام کروں کہا شام میں۔ انہوں نے کہا روزی وہاں کس طرح ملے گی؟ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اف لھذاہ القلوب قد خالطھا الشک ولا ینفعھا الموعظۃ (تف ہے ایسے دل والوں پر جو شک میں رہا کرتے ہیں اور نصیحت انہیں نفع نہیں دیتی ہے)۔

توحید کی حقیقت جس پر توکل موقوف ہے

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ توکل دل کی وہ حالت ہے جس کا ثمرہ ایمان ہے اور ایمان کے بہت سے ابواب ہیں لیکن از انجملہ توکل کی بنیاد دو چیزوں کے ماننے پر ہے ایک یہ کہ توحید پر ایمان لائے دوسرے یہ کہ کمال لطف و رحمت پر اس کا ایمان ہو۔ توحید کی شرح بہت دراز ہے اور علم توحید تمام علوم ہیں عظیم تر ہے ہم یہاں صرف ان باتوں ہی کو بیان کریں گے جن پر توکل کی بنیاد ہے۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ توحید کے چار درجے ہیں اور توحید کا ایک مغز ہے اور اس مغز کا بھی ایک مغز ہے۔ اسی طرح توحید کا ایک پوست ہے اس پوست کا بھی ایک پوست ہے۔ پس اس طرح توحید کے دو مغز اور دو پوست ہوئے اس کی مثال خام اخروٹ کی ہے کہ ایک مغز اور دو پوست ہوتے ہیں اور اس کا روغن مغز کے مغز کا حکم رکھتا ہے۔

توحید کی پہلی صورت : توحید کا پہلا درجہ یا صورت یہ ہے کہ بندہ زبان سے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اور دل میں اس بات کا عقیدہ نہ رکھے تو یہ توحید منافق کی توحید ہے (کہ زبان سے کہتا ہے اور دل میں یقین نہیں رکھتا) دوسرا درجہ توحید کا یا اس کی صورت یہ ہے کہ دل میں توحید کا اعتقاد تقلیداً رکھے جیسے عوام عقیدہ رکھتے ہیں یا ایک دلیل کے اعتبار سے متکلمین کی توحید ہے۔ تیسرا درجہ یا صورت یہ ہے کہ مشاہدہ سے اس بات کو جانے کہ سب کاموں کا فاعل حقیقی خداوند تعالیٰ ہے اور دوسرے کو کسی کام کی طاقت نہیں ہے۔

جب بندہ کے دل میں نور الٰہی پیدا ہوتا ہے تو اس کی روشنی میں مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور یہ بات عوام اور متکلمین کے عقیدہ جیسی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ایک قید ہے جو دل پر تقلید یا دلیل کے حیلہ سے لگائی جائے اور ہم نے جس مشاہدہ کا ذکر کیا یہ دل کی کشائش ہے جو قید سے آزاد ہے جیسے ایک شخص نے اعتقاد کیا کہ فلاں شخص نے بتایا ہے یہ عوام کے تقلید کی مثال ہے کیونکہ وہ اپنے ماں باپ سے یہ سنتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔

ایک دوسرا شخص ایک شخص کے گھر میں موجود ہونے پر اس بات سے استدلال کرتا ہے کہ گھوڑا اور نوکر چاکر سب دروازہ پر موجود ہیں۔ متکلمین کے اعتقاد کی مثال یہی ہے اور تیسرا شخص وہ ہے جو صاحب خانہ کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ عارفوں کے توحید کی مثال یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں میں بڑا فرق ہے۔ تیسرے درجہ کی توحید اگرچہ عظیم ہے یہ موحد اس توحید میں خلق کو دیکھتا ہے اور خالق کو بھی۔ اور سمجھتا ہے کہ خلق خالق سے ہے پس وہ کثرت اور بہتات میں گرفتار ہو گیا اور جب تک یہ دو چیزیں اس کی نظر میں ہیں وہ تفرقہ میں گرفتار ہے اس کو جمع حاصل نہیں ہے اور اس کو توحید کا کمال حاصل نہیں ہوا ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ سوائے ایک کے دوسرے کو نہ دیکھے بس ایک ہی کو دیکھے اور ایک ہی کو سمجھے۔ اس مشاہدہ میں تفرقہ کا دخل نہیں ہے۔ حضرات صوفیہ اس کو فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ چنانچہ حسین حلاج بن منصور نے جو صحرا و بیابان میں پھرتے تھے شیخ خواص کو دیکھا ان سے پوچھا کہ تم کس شغل میں ہو؟ انہوں نے کہا کہ دنیا توکل کے

راستہ میں درست کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم نے اپنی تمام عمر تو باطن کے آباد کرنے میں گزار دی پس تم نیستی سے نکل کر توحید میں کب پہنچو گے ؟ اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ توحید کے چار مقام ہیں۔ اول توحید منافق ہے وہ پوست کے پوست کی طرح ہو گی اور جس طرح تم اگر اخروٹ کا چھلکا کھاؤ گے تو نقصان کرے گا اگرچہ بظاہر وہ سبز ہے پر اس کا باطن اچھا نہیں ہے۔ اگر تم اس کو جلاؤ گے تو اس سے دھواں اٹھے گا اور آگ بجھ جائے گی اور اگر اس کو گھر میں ڈال دو گے تو کچھ کام نہ آئے گا اور جگہ کو گھیرے گا اور جگہ تنگ ہو گی اور کسی کام نہ آئے گی اگر اس پوست کو اخروٹ پر چند روز کیلئے چھوڑ دیں تو وہ اندر کے پوست کو تازہ رکھے گا اور اس کی حفاظت کرے گا۔ منافق کی توحید بھی اسی طرح کی ہے فقط اس کا فائدہ صرف اتنا ہوا کہ اس نے پوست کو تلوار سے بچا لیا یعنی اس کا پوست اس کا بدن ہے۔ اس توحید کے سبب اس نے خود کو تلوار سے بچا لیا لیکن جب تن فنا ہوا اور جان (روح) باقی رہے تو وہ توحید کچھ کام نہ آئے گی جس طرح اخروٹ کا اندرونی پوست جلانے کے لائق ہے لیکن اس کو مغز کیلئے چھوڑ دینا چاہئے تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے اور بگڑنے نہ دے اگرچہ وہ مغز کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ عوام اور متکلمین کی توحید کا یہی فائدہ ہے کہ وہ ان کو آتش دوزخ سے بچائے گی اگرچہ اس میں ایک نوع کی منفعت ہے لیکن مغز اور روغن جیسی لطافت اس میں کہاں ہے۔ اخروٹ کا مغز اگرچہ مرغوب ہے اور پسند کیا جاتا ہے لیکن جب روغن کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوا کہ وہ ثقل یعنی کھلی سے خالی نہیں ہے اور وہ فی نفسہٖ کمال صفا کو نہیں پہنچتا ہے۔

توحید کا تیسرا اور چوتھا درجہ : توحید کا تیسرا درجہ بھی کثرت اور تفرقہ سے خالی نہیں ہے چوتھا درجہ کمال صفوت کو پہنچتا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کے سوا کسی بشر کا لحاظ و اعتبار نہیں ہوتا اور بندہ اس میں سوائے ایک ذات کے کسی او رکو نہیں دیکھتا۔ وہ حق تعالیٰ کے دیدار میں خود کو فراموش کر کے خود اپنے دیدار سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ جس طرح دوسری اشیاء دیدار حق میں نیست ہیں۔

تم کہو گے کہ توحید کے درجات مشکل ہیں لہٰذا اس کی تشریح ضروری ہے تاکہ سب کو معلوم ہو سکے کہ سب کو ایک ہی کیونکر دیکھوں جبکہ میں بہت سے اسباب کو دیکھ رہا ہوں پس ان تمام اسباب کو ایک سبب کیوں کر سمجھوں جبکہ میں آسمان، زمین اور خلق کو دیکھتا ہوں یہ سب ایک نہیں ہیں۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ منافق کی توحید زبانی ہے اور عوام الناس کی اعتقادی، متکلمین کی توحید استدلال ہے۔ ان تینوں کو تو سمجھ سکتا ہے لیکن چوتھی توحید کے سمجھنے میں تجھے مشکل ہے اگرچہ توکل کے واسطے چوتھی توحید کی حاجت نہیں توکل کیلئے تیسری توحید کافی ہے۔ اس توحید چہارم کی شرح اس شخص سے جو مقام چہارم تک نہیں پہنچا ہے بیان کرنا مشکل ہے لیکن فی الجملہ اتنا معلوم کرنا جائز ہے کہ چیزیں خواہ بہت سی ہوں لیکن ان سب چیزوں کے باہمی ارتباط سے سب مل کر ایک ہو جاتی ہیں۔ جب عارف کی نظر میں یہ صورت جلوہ گر ہو تو سب کو ایک ہی دیکھے گا۔ جیسا کہ آدمی میں بہت سی چیزیں ہیں (بہت سے اعضا سے مل کر بنا ہے) مثلاً گوشت، پوست، سر، پاؤں، معدہ اور جگر لیکن حقیقت میں

آدمی ایک ہی چیز ہے ممکن ہے کہ ایک شخص انسان کے اعضاء کی تفصیل یاد نہ رکھے اور وہ انسان کو ایک چیز سمجھے اب اگر اس سے دریافت کیا جائے کہ تو نے کیا دیکھا تو وہ یہی کہے گا کہ ایک چیز کو دیکھا ہے یعنی انسان کو دیکھا ہے پھر اگر اس سے دریافت کیا جائے کہ تیرے خیال میں کیا چیز ہے تو وہ کہے گا کہ مجھے ایک ہی چیز کا خیال ہے یعنی اپنے محبوب کا۔ پس اس کا سراپا محبوب ہی ہوگا۔ اسی طرح معرفت و سلوک میں ایک مقام ہے جب آدمی وہاں تک پہنچ جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ موجودات بیک دگر مربوط ہیں اور سب مل کر ایک حیوان کی مانند ہیں اور اجزائے عالم یعنی آسمان زمین اور ستاروں کی نسبت بایکدگر ایسی ہے جیسے ایک حیوان کے کل اعضاء کی نسبت اس حیوان کے ساتھ اور سارے عالم کی مدبرین عالم کے ساتھ ایک اعتبار سے حیوانی بدن کی مملکت جیسی ہے۔ اس عقل و روح کے ساتھ جو اس کی مدبر ہے اور جب تک ان الله خلق اٰدم علی صورته (حق تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا) کا راز نہ جان سکے یہ نازک بات اس کے فہم میں نہیں آئے گی۔ کتاب کے عنوان (مقدمہ) میں ہم نے اس بات کی طرف کچھ اشارات کئے ہیں۔ پس اس مقام میں خاموشی زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ بات دیوانوں کو چھیڑتی ہے اور ہر ایک کو اس کے سمجھنے کا حوصلہ نہیں۔ لیکن تیسری توحید کو جسے توحید فعلی کہتے ہیں اپنی کتاب احیاء العلوم میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے اگر فہم رکھتے ہو تو وہاں اس کا مطالعہ کرو۔

ہم نے شکر کی اصل میں جو نکتہ بیان کیا ہے اس جگہ اس کا جاننا کافی ہوگا یعنی سورج چاند، ستارے، بادل، بارش اور ہوا وغیرہ جن کو تم اسباب فاعل سمجھتے ہو۔ یہ سب کے سب مسخر ہیں اس طرح جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں مسخر ہے۔ ان میں سے کوئی خود بخود حرکت نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو بر وقت (ضرورت) بقدر ضرورت حرکت دینے والا حرکت دیتا ہے پس ہر ایک کام کو ان کے حوالہ کرنا غلطی ہے جس طرح خلعت شاہی عنایت ہونے پر شاہی دستخط کو قلم و کاغذ کے حوالہ کرنا غلطی ہے ہاں وہ مقام جہاں تمہاری حرکت رکے گی حیوانات کا اختیار ہے کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ آدمی فی الجملہ اختیار رکھتا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ انسان فی نفسہ مجبور محض ہے جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے کہ اس کا کام قدرت کے اختیار میں ہے اور قدرت ارادہ کی مسخرہ ہے جیسا ارادہ ہو ویسا ہی انسان کرے گا۔ لیکن جب حق تعالیٰ ارادہ کو پیدا کرے تب یہ ہو سکتا ہے انسان اس وقت خواہ مخواہ جانے گا۔ پس جب قدرت ارادہ کی مسخر ہوئی اور ارادہ اس کے اختیار میں نہیں تو مجبور محض ہوا۔ جب تم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ انسان کے افعال تین قسم کے ہیں تو تم اچھی طرح یہ بات سمجھ لو گے۔ افعال انسانی کے اقسام میں ایک یہ ہے کہ اگر مثلاً پاؤں پانی پر رکھا اور پاؤں اندر چلا گیا تو کہتے ہیں کہ اس نے پانی کو چیر کر اس کے اجزا کو ایک دوسرے سے جدا کیا اس کو فعل طبعی کہتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ سانس لے اس کو فعل ارادی کہتے ہیں تیسرا یہ کہ اس نے کلام کیا یا چلا اس کو فعل اختیاری کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جب انسان پانی پر چلا تو ضرور ہے کہ اس کے وزن سے پانی پھٹ جائے اور یہ بات اس کے اختیار سے نہیں تھی۔ خواہ مخواہ ایسا ہوگا (پانی کی طبیعت کا خاصہ ہے) تم ایک پتھر پانی پر پھینکو وہ یقیناً پانی میں ڈوب جائے گا یہ پانی کے اندر اترنا پتھر کا فعل نہیں ہے کیونکہ پتھر کے بھاری پن کے باعث ایسا ہونا ضروری تھا۔

انسان کا فعل ارادی : انسان کا فعل ارادی جیسے سانس لینا وغیرہ اس کا بھی یہی حال ہے کیونکہ دم کا روکنا اس سے ممکن نہیں اس کی پیدائش بھی اس انداز پر ہوئی ہے کہ دم اور سانس لینے کا ارادہ اس سے خود بخود ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص قصد کرے کہ دور سے کسی کی آنکھ میں سوئی مارے تو وہ شخص فوراً آنکھ بند کر لیتا ہے۔ وہ آنکھ بند نہ کرنے کے ارادہ پر اس وقت قادر نہیں ہے کیونکہ اس کی خلقت ہی اس طور پر ہوئی ہے کہ وہ یہ ارادہ بالضرور اس میں پیدا ہوگا [1] جیسے اس کی خلقت اس بات کی متقاضی ہے کہ اگر وہ پانی پر کھڑا رہا تو ڈوب جائے گا پس ان دو افعال میں انسان کی مجبوری ثابت ہو گئی لیکن اس کا چلنا جو فعل اختیاری ہے مثلاً چلنا، بولنا وغیرہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اگر انسان چاہے تو کرے نہ چاہے نہ کرے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ انسان ہر ایک کام کا ارادہ اسی وقت کرے گا کہ اس کی عقل حکم دے کہ اس کام میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کام کے کرنے میں تامل کی حاجت ہو اس صورت میں یہ ارادہ ضرور پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنے اعضاء کو ہلاتا ہے۔ مثلاً جب سوئی دور سے لگتی ہوئی معلوم ہوئی تو اس نے آنکھ فوراً بند کر لی لیکن جب اس بات کا علم ہو کہ سوئی سے آنکھ کو نقصان پہنچے گا اور آنکھ بند تامل کی ضرورت نہیں کیونکہ بغیر غور و فکر کے سمجھتا ہے کہ آنکھ بند کر لینا بہتر ہے پس جب اس نے اپنے لئے خیر اور بہتری کو مان لیا تو بالضرور ارادہ سے قدرت حرکت میں آئے گی۔ اس موقع پر جب تامل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

جان لینا چاہئے کہ ارادہ عقل کے حکم کے تابع ہے جو یہ بتاتی ہے کہ یہ کام کرنے کے لائق اور بہتر ہے چنانچہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو مارنا چاہتا ہے تو مار نہیں سکتا۔ ہر چند کہ ہاتھ اور چاقو موجود ہے کیونکہ ہاتھ کی قدرت ارادہ کی قید میں ہے اور ارادہ عقل کا تابع ہے جو یہ بتاتی ہے کہ یہ کام اچھا ہے اور موزوں ہے اور اس معاملہ میں عقل بھی مجبور ہے۔ کیونکہ وہ آئینہ کی مانند روشن ہے جو کام مفید ہوتا ہے اس کی صورت اس میں جلوہ گر ہوتی ہے چونکہ خود کو قتل کرنا برا ہے پس اس کی صورت آئینہ عقل میں پیدا صرف اس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور اس کے اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور مرنے کو اس بلا سے اپنے حق میں بہتر سمجھتا ہو پس اس کو فعل اختیار اس وجہ سے کہا گیا کہ اس فعل کو اچھا ہونا سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔ ورنہ یہ بات سانس لینے اور پلک مارنے کی طرح ظہور میں آتی۔ پس یہ اسباب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ان اسباب کی زنجیروں کے حلقے بے شمار ہیں۔ ہم نے ان کا بیان تفصیل سے کتاب "احیاء العلوم" میں کیا ہے۔ انسان کو جو قدرت دی گئی ہے وہ اسی زنجیر کا حلقہ ہے۔ اس سبب سے وہ خیال کرنے لگا ہے کہ اس کا بھی کچھ اختیار ہے۔ یہ خیال کرنا اور یوں سمجھنا محض غلطی ہے آدمی سے اس کا تعلق صرف اس قدر ہے کہ وہ اس قدرت کا مظہر یا محل ظہور ہے۔ پس انسان قدرت کا محل اختیار ہے جو اس میں پیدا کرنے والا پیدا کرتا ہے۔ گویا اس درخت کی طرح جو ہوا سے ہلتا ہے نہ اس

---

[1] ایسے فعل کو فعل اضطراری بھی کہا جاتا ہے

کے پاس ارادہ ہے نہ قدرت ہے اور آج تک درخت کو کسی نے قدرت وارادہ کا محل نہیں سمجھا ہے اور اس کے ہلنے کو محض فعل اضطراری کہتے ہیں۔ جب خداوند تعالیٰ کی قدرت ہر ایک کام میں کسی چیز کی قید میں نہیں ہے یعنی مطلق ہے اسی کو ''اختراع'' کہتے ہیں اور جب انسان کا حال نہ درخت کا سا ہے اور نہ خداوند تعالیٰ کے مانند، کیونکہ انسان کا ارادہ اور اس کی قدرت ایسے اس باب سے تعلق رکھتی ہے جو اس اختیار میں نہیں ہے تو آدمی کا فعل حق تعالیٰ کے فعل کے مانند نہ ہوگا کہ اس کو بھی ہم خلق واختراع سے موسوم کر سکیں اور جب انسان محل ظہور قدرت وارادت ہے جو بغیر اس کی خواہش اور طلب کے اس کے جسم میں پیدا کی گئی ہے تو اس کا حال درخت جیسا بھی نہ ہوگا کہ اس کے فعل کو ہم فعل اضطراری کہہ سکیں بلکہ یہ ایک دوسری قسم ہے۔ لہٰذا دوسرا نام تجویز کیا گیا یعنی اس کو ''کسب'' سے موسوم کیا گیا۔

اس تمام وضاحت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگرچہ انسان کا فعل بظاہر اس کے اختیار سے ہوتا ہے لیکن وہ نفس اختیار میں مجبور ہے خواہ چاہے یا نہ چاہے اس کا صدور اس سے ہو کر رہے گا۔ تو اس صورت میں فی الحقیقت اس کا کچھ بھی اختیار نہ رہا۔

ثواب و عذاب کیوں ہے؟ ممکن ہے کہ اس موقع پر تم کہو کہ اگر یہ بات ہے (کہ فی الحقیقت بندہ کا کچھ اختیار نہیں ہے) تو پھر ثواب و عذاب کس لئے ہے؟ اور شریعت کا قیام کیوں ہوا؟ انسان کو تو کچھ اختیار ہی نہیں ہے۔ اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ اس مقام کو ''توحید در شرع و شرع در توحید'' کہتے ہیں اس کے درمیان کمزور ایمان والے بہت سے غرق ہوئے ہیں۔ اس کے تہلکہ سے ایسا ہی شخص محفوظ رہے گا۔ جو پانی پر چل سکے اگر چل نہیں سکتا تو کم از کم وہ تیر ہی سکے اور بہت سے لوگ اس سبب سے سلامت رہے ہیں کہ وہ اس دریا میں نہیں اترے تاکہ غرق نہ ہو جائیں۔ عوام الناس اس بات سے بے خبر ہیں۔ ان کے حال پر مہربانی بھی ہو سکتی ہے کہ ان کو اس دریا کے کنارہ تک نہ آنے دیں ورنہ اچانک ڈوب جائیں گے۔ بہت سے لوگ جنہوں نے دریائے توحید کی سیر کی اور ڈوبے۔ ان کے ڈوبنے کا سبب یہ تھا کہ وہ تیرنا نہیں جانتے تھے اور نہ اس کو سیکھنے کی ان میں صلاحیت تھی یا خود اپنے فہم پر غلط اعتبار کر کے اس پر غور کیا اور اس کے سیکھنے کی طلب نہیں کی۔ اور اس دریا میں غرق ہو گئے ان لوگوں کا قول یہ ہے کہ ہمارا اختیار کچھ نہیں ہے سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں جو شخص ازل سے شقی ہے کوشش اس کو کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ اور جس کے مقدر میں سعادت لکھی ہے اس کو جدوجہد کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا نادانی ہے اور ضلالت کی نشانی ہے اور ہلاکت کا باعث ہے۔ اگرچہ اس بات کا اس کتاب (کیمیائے سعادت) میں لکھنا کچھ مناسب نہ تھا۔ لیکن چونکہ بات یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ اس لئے کچھ بیان کرنا ضروری سا ہو گیا۔

ثواب و عذاب کیوں ہے؟ اس کا جواب: اے عزیز! تم نے جو یہ کہا کہ جب یہ صورت حال ہے تو ثواب

وعذاب کیوں ہے ؟اس کا جواب سنو! عذاب اس واسطے نہیں ہے کہ تمہارے برا کام کرنے سے کوئی تم پر ناراض ہو کر اس کے بدلہ میں تم کو سزا دینا چاہتا ہے یا تمہارے نیک اعمال سے خوش ہو کر اس کے بدلہ میں تم کو خلعت فرماتا ہے، کیونکہ یہ باتیں شان الوہیت کے لائق نہیں جبکہ خون یا صفرا یا اور کوئی خلط غالب ہو کر بدحالی پیدا کرتی ہے تو اس کو بیماری کا نام دیا جاتا ہے اور جب دوا اور علاج سے پہلی جیسی حالت بدن میں پیدا ہو تو اس کو صحت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جب شہوت اور خشم تم پر غلبہ کرتے ہیں اور تم ان کے ہو جاؤ تو اس سے ایک ایسی آگ پیدا ہوتی ہے جو جان کو جلا ڈالتی ہے۔ اور اس سے تمہاری ہلاکت واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا الغضب قطعتہ من النار (غصہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے) اور جس طرح عقل کا نور جب قوی ہوتا ہے تو شہوت اور غضب کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اسی طرح نور ایمان دوزخ کی آگ کو بجھا دیتا ہے اور دوزخ سے آواز آتی ہے۔ جریا مومن فان نورک اطفاء ناری یعنی اے مومن سرک جا تیرے ایمان کے نور نے میری آگ کو سرد کر دیا۔ دیکھو دوزخ ایمان سے فریاد کر رہی ہے۔ بات چیت درمیان میں نہیں ہے۔ بلکہ دوزخ کو اس نور کے دیکھنے کی طاقت نہیں۔ اس سے بھاگ جانا چاہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مچھر ہوا سے بھاگتا ہے۔ اسی طرح شہوت کی آگ بھی عقل کے نور کے سامنے آنے سے گریز کرتی ہے پس تمہارے عذاب کیلئے کسی دوسری جگہ سے کوئی چیز نہیں لائی جاتی۔ تمہاری چیز تم ہی کو دے دی جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ انما ھی اعمال کم تردّ الیکم (بے شک یہ دوزخ) تمہارے اعمال ہی ہیں جو تمہاری طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ پس آتش دوزخ کی اصل تمہاری شہوت اور غضب ہی ہے اور یہ تمہارے ساتھ ساتھ تمہارے باطن میں موجود ہیں اگر تم کو علم الیقین حاصل ہوتا تو بیشک تم اس کو دیکھ لیتے۔ چنانچہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ہاں ہاں! اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے۔ بے شک ضرور جہنم دیکھو گے۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح زہر کھانا انسان کو بیمار کرتا ہے اور پھر وہ بیماری قبر میں اس کو لے جاتی ہے۔ اس میں نہ کسی کا غصہ ہے اور کوئی تم سے انتقام لے رہا ہے۔ اسی طرح معصیت اور شہوت آدمی کے دل کو بیمار کرتی ہے۔ اور وہ بیماری آگ بن جاتی ہے اور یہ آگ دوزخ کی آگ کی ایک قسم ہے۔ وہ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہے۔ جس طرح مقناطیس، لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسی طرح دوزخ دوزخی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اس میں نہ کسی کا غصہ ہے نہ غضب یہ جو کیا تھا کہ شریعت اور رسولوں کے بھیجنے کی اس صورت میں کیا ضرورت تھی (جبکہ ہمارا کوئی فعل ہمارے اختیار سے نہیں ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا قہر وجبر ہے تاکہ بندوں کو جبراً وقہراً بہشت میں لے جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے العجب من قوم الی الجنة بالسلاسل۔ اسی طرح کمند قہر کا خیال رکھ دوزخ میں نہ لے جائیں! ارشاد فرمایا انتم تتھا فتون علی النار وانا اٰخذ محجرکم تم پروانوں کی طرح خود کو آگ پر گراتے ہو اور میں تم کو تمہاری کمر پکڑ کر کھینچنے والا ہوں۔ گرنے نہیں دیتا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ پیغمبروں کی نصیحت، خداوند کریم کی جباری کی زنجیر کا ایک حلقہ ہوا جس سے فہم پیدا ہوا تاکہ

ہدایت و گمراہی میں تمیز ہو سکے اور پیغمبروں کے ڈرانے سے دل میں خوف پیدا ہو اور یہ معرفت اور خوف عقل کے آئینہ سے گرد و غبار کو دفع کر دے تاکہ یہ حکم اس آئینہ میں نمایاں ہو جائے کہ آخرت کی راہ اختیار کرنا دنیا طلب کرنے سے بہتر ہے۔ اور اس سے راہ آخرت (طے کرنے کا) ارادہ پیدا ہو اور ارادہ کے باعث اعضاء خواہ مخواہ حرکت میں آجائیں کہ وہ ارادہ کے تابع ہیں۔ اور اس زنجیر سے تم کو دوزخ سے بچا کر بہشت میں لے جائیں۔ انبیاء علیہم السلام کی مثال اس شبان (چرواہے) سی ہے جس کے پاس بکریوں کا ریوڑ ہے اس چرواہے کہ سیدھے ہاتھ کی طرف ایک سر سبز چراگاہ ہے اور بائیں طرف ایک عظیم غار ہے جہاں بہت سے بھیڑیئے موجود ہیں پس یہ نگہبان غار کے کنارہ پر کھڑا ہوا اپنے عصا کو ہلا رہا ہے تاکہ ریوڑ عصا کے خوف سے اس غار کی طرف نہ آئیں بلکہ سر سبز چراگاہ میں جائیں۔ پیغمبروں کے بھیجنے کے یہی معنی ہیں۔

تم یہ جو کہتے ہو کہ اگر شقاوت کا حکم ہے تو پھر کوشش سے کیا فائدہ؟ یہ بات ایک اعتبار سے درست ہے۔ اور ایک اعتبار سے غلط ہے۔ یہ اعتبار درست تو ہلاکت کا سبب ہے کیونکہ کسی کی شقاوت کا حکم ہونے کی علامت یہ ہے کہ ایسی بات اس کے دل میں ڈالے کہ وہ کوشش سے باز رہے۔ تخم نہ بوئے لہٰذا درو ی نہ کرے (نہ بیج ڈالے نہ کھیتی کاٹے) اور اس بات کی علامت کہ حق تعالیٰ نے کسی کی موت کا حکم اس طرح کیا ہو کہ وہ بھوک سے مر جائے یہ ہے کہ اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جب ازل میں یہ حکم ہو چکا ہے کہ میں فاقہ سے مر جاؤں روٹی کھانے سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ پس وہ روٹی کو ہاتھ بھی نہ لگائے اور بالکل ہی نہ کھائے تو یقیناً وہ مر جائے گا۔ یا کوئی کہے کہ مقدر میں اگر مفلسی لکھ دی ہے تو بیج بونے سے کیا فائدہ ہو گا۔ پس یہ خیال کر کے نہ وہ بوئے گا اور نہ کاٹے گا۔

حق تعالیٰ نے جس کی سعادت کا حکم کیا ہے اس کو بتایا ہے کہ جس شخص کو توانگری اور زندگی کا حکم دیا گیا ہے اس کو توانگری اور زندگی کے اسباب فراہم کرنا بھی بتایا ہے کہ زراعت کرے اور غذا فراہم کرے پس یہ حکم بے فائدہ نہیں ہے اس میں اسباب کا تعلق ہے پس جس کو کسی کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کو اس کام کے اسباب بھی مہیا کر دیئے ہیں ایسا نہیں ہے کہ اس کو بغیر سبب اور واسطہ کے اس کام تک پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اعملو افکل میسر لما خلق لہٗ (عمل کرو! کہ ہر شخص پر جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے وہ کام آسان ہے)۔

اے عزیز! تم ان احوال و اعمال سے جبراً قہراً تم سے کروائے جاتے ہیں اپنے انجام و عاقبت کی بشارت حاصل کرو۔ جب حصول علم کیلئے سعی و کوشش کا تم پر غلبہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ اس بات کی بشارت ہے کہ تمہارے لئے سعادت امامت اور خلافت کا حکم کیا گیا ہے۔ بشرطیکہ تم اس راہ میں پوری کوشش کرو اور اگر تم پر مستی اور کاہلی کا غلبہ ہے تو اس وقت یہ بات تمہارے دل میں پیدا ہو گی کہ ازل کے دن میری جہالت (جاہل رہنے) کا حکم کیا گیا ہے۔ اب علم کی تکرار اور اس کا یاد کرنا کیا فائدہ دے گا۔ اس سے تم اپنی جہالت کا اندازہ کر لو اور جان لو کہ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ تم ہرگز درجہ امامت کو نہ پہنچ سکو گے۔

الغرض آخرت کے کاموں کو دنیا کے کاموں پر قیاس کرنا چاہئے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ ما خلقکم و لا بعثکم

الا کنفس و احدۃ و سواء'' محیا ھم و مما تھم (تمہاری آفرینش اور تمہاری اٹھان مثل ایک تن کے ہے۔ اور ان کا جینا اور مرنا برابر ہے) جب تم نے ان حقائق کو پہچان لیا تو سمجھ لو کہ تمہارے تینوں اشکال رفع ہو گئے اور توحید ثابت ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ جس کو حق تعالیٰ معرفت اور بصیرت عطا فرمائے وہ جان جائے گا کہ شریعت، عقل اور توحید میں کچھ تناقص نہیں ہے۔ یہاں ہم اور کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتے کہ اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

وہ دوسرا ایمان جس پر توکل کی بنا ہے پیدا کرنا

اس سے قبل ہم بیان کر چکے ہیں کہ توکل دو ایمانوں کا نتیجہ ہے ایک توحید جس کی شرح ہم کر چکے ہیں کہ توکل ایمان یہ کہ تم اس بات کا یقین کرو کہ خداوند تعالیٰ عالم کا خالق ہے۔ اور سب کو اسی نے پیدا کیا ہے وہ سب پر رحیم، حکیم اور مہربان ہے اور اس کی مہربانی ایک چیونٹی اور مچھر سے لے کر آدمی تک ماں کی اس محبت و شفقت سے زیادہ ہے جو اس کو اپنے بچہ سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے عالم اور سارے موجودات کو کمال و جمال اور لطف و حکمت سے اس طور پر پیدا کیا ہے کہ اس سے بہتر ہونا ممکن نہیں۔ اور سمجھو کہ کسی چیز سے وہ اپنی لطف و مہربانی کی نظر نہیں اٹھاتا (اس کی مہربانی ہر چیز کے شامل حال ہے)۔ اور ہر چیز کو جیسی ضرورت تھی ویسا ہی بنایا ہے۔ اگر روئے زمین کے تمام دانشور جمع ہو جائیں اور ان کو کمال عقل و زیر کی عطا ہو اور وہ کوشش کریں کہ یک سر مو اور پر پشہ ایسا مل جائے کہ ویسا ہونا سزاوار نہ ہو یا چھوٹا بڑا ہو گیا جو ہے۔ اس سے بہتر ہو سکتا تھا تو نہیں پا سکتے اور یہی کہیں گے۔ کہ سب مناسب اور موزوں ہے اور جو تم بدصورتی دیکھتے ہو تو اس کا کمال اس بدصورتی میں ہے کہ وہ بدصورت ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی تخلیق ناقص ہوتی اور ایک حکمت باقی رہ جاتی (فوت ہو جاتی) کیونکہ اگر وہ بدصورتی نہ ہوتی تو حسن کی قدر کو کون پہچانتا اور اس سے انبساط حاصل نہ کر سکتا۔ اگر ناقص کا وجود نہ ہوتا تو کامل بھی نظر آتا اور کامل کو اپنے کمال سے مسرت اور نشاط حاصل نہ ہوتی کیونکہ کامل اور ناقص تو نسبت ہی سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً جب باپ نہ ہو تو بیٹا نہ ہو گا۔ اگر بیٹا نہ ہو تو باپ بھی نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ چیزیں ایک دوسرے کے مقابلے ہیں اور مقابلہ دو چیزوں میں ہوا کرتا ہے۔ جب یہ دوئی درمیان سے اٹھ جائے تو دو چیزیں ایک بن جائیں اس طرح مقابلہ اور وہ چیز جس پر مقابلہ موقوف ہے باطل ٹھہرے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے کاموں کی حکمت پوشیدہ رکھتا ہے: معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا اپنے کاموں کی حکمت بندوں پر پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔ لیکن اس بات پر ایمان لازم ہے کہ تمام کاموں میں اس نے جو حکم جاری فرمایا ہے۔ وہ بہتر ہے اور ایسا ہی ہونا مناسب تھا۔ پس دنیا میں جو کچھ بیماری، عاجزی، ہلاکت، نقصان اور درد و الم موجود ہے ہر ایک میں خداوند کریم نے حکمت رکھی ہے اور یہی مناسب تھا۔ جس کسی کو درویش بنایا ہے اس واسطے بنایا ہے کہ درویشی ہی میں اس کی خوبی تھی اگر وہ تونگر ہوتا تو خراب ہوتا اور جس کو تونگر بنایا ہے اسی میں اس کی بہتری تھی۔ اگر اس کو فقیر بناتا تو وہ خراب

ہوتا۔ اور یہ توحید بھی ایک سمندر ہے۔ بہتر ے لوگ اس میں غرق ہوئے ہیں۔ اس میں قضاو قدر کا راز پنہاں ہے۔ اس کو فاش کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر ہم سمندر میں غواصی کریں تو بات بہت طویل ہو جائے گی بس یہ سمجھ کہ سارے ایمان کا سر یہی ہے۔ اور توکل کو اس کی احتیاج ہے۔

توکل کی حقیقت

توکل دل کا ایک حال ہے: اے عزیز معلوم ہونا چاہئے کہ توکل دل کی حالتوں میں سے ایک حالت ہے اور یہ خداوند کریم کی واحدانیت اور اس کے لطف و کرم پر ایمان لانے کا نتیجہ ہے۔ اس حال (توکل) کے معنی یہ ہیں کہ دل وکیل یعنی کارساز پر اعتماد کرے اور اس سے مطمئن رہے۔ (تذبذب پیدانہ ہو) اور اپنی روزی کے باب میں فکر مند نہ ہو اور اسباب ظاہری میں خلل پڑنے سے مایوس اور دل گیر نہ ہو بلکہ حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھے کہ وہی اس کو روزی پہنچائے گا۔ ایک مثال سے اس کو سمجھو کہ کسی پر مکرو فریب سے دعویٰ باطل کریں تو دوسرا شخص اس مکر کی مدافعت کیلئے ایک وکیل مقرر کرتا ہے اگر اس شخص کو مقرر کردہ وکیل کی ان تین صفتوں پر کامل یقین ہے۔ تو اس کا دل وکیل کی طرف سے مطمئن اور بے فکر رہے گا۔ وہ اچھی طرح جانتا کہ وکیل دغا اور فریب کے داؤں گھات سے خوب واقف ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ جانتا ہے اس کے ظاہر کرنے پر دو طریقوں سے قادر ہے ایک دلیری دوسرے فصاحت زبان۔ اس لئے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ماہر ہوتے ہیں لیکن دلیر نہ ہونے اور کم سخنی کے باعث اس کو ظاہر نہیں کرے۔ تیسری صفت یہ کہ وکیل اپنے موکل پر نہایت شفیق اور مہربان ہو تاکہ اس کے حق کے بجالا سکے۔ جب ان تینوں صفات کا یقین کرے گا۔ تب اس کا دل اس کی طرف سے مطمئن ہوگا اور وکیل پر بھرپور اعتماد کرے گا۔ اور خود کسی حیلہ و تدبیر کے درپے نہ ہوگا۔ اسی طرح جو شخص نعم المولیٰ و نعم الوکیل (اچھا مولیٰ اور اچھی وکالت والا) اچھی طرح سمجھتا ہے اور وہ اس پر ایمان رکھے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور اس کا فاعل کوئی اور دوسرا نہیں ہے سوائے اس کے اور اس پر یقین رکھے کہ خداوند تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم میں کسی طرح کا قصور اور کوتاہی نہیں ہے اور اس کی رحمت و عنایت ایسی بے نہایت و بے غایت ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن ہے تب اس کا دل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرکے حیلہ و تدبیر ترک کردے گا اور سمجھے گا۔ کہ روزی مقرر ہے وقت پر مجھے ملے گا۔ اور میرے تمام کام اس کے فضل و کرم سے درست ہو جائیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی شخص ان تینوں صفات پر ایمان لایا ہو لیکن بالطبع دل کا کچا ہو اور ہراساں رہتا ہو کیونکہ یہ لازم نہیں ہے کہ طبیعت ہر یقین کی تابع ہو کبھی کبھی وہ وہم کی بھی تابع ہو جاتی ہے حالانکہ وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ وہ خطا اور غلطی ہے مثلاً شیرینی کھاتے وقت اگر کوئی شخص اسی شیرینی کو نجاست سے تشبیہ دے تو اس وقت وہ کراہت کے سبب سے اس کو نہیں کھا سکے گا۔ اگرچہ وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ شبیہ دروغ محض ہے۔ اسی

طرح مردے کے ساتھ تنہا گھر میں سونا نہیں چاہتا حالانکہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ مردہ پتھر جیسا ہے اور ہرگز نہ اٹھے گا۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ توکل کیلئے یقین کی بھی ضرورت ہے اور دلیری کی بھی۔ جب تک یہ چیزیں نہ ہوں گی وہ اضطراب اور واہمہ دل سے نہیں نکلے گا اور جب تک پورا بھروسہ اور اعتماد نہ ہو متوکل نہیں ہو گا۔ کیونکہ ہر کام میں خداوند تعالیٰ پر دل سے اعتماد کلی کا نام توکل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان اور یقین کامل تھا بااین ہمہ انہوں نے فرمایا۔ رب ارنی کیف تحی الموتی O قال اولم تومن O قال بلی ولکن لیطمئن قلبی O اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ رب نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں لائے ہو؟ حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں ایمان تو رکھتا ہوں لیکن اطمینان قلب کیلئے (دیکھنا) چاہتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ یقین تو حاصل ہے لیکن چاہتا ہوں کہ دل کو قرار آجائے کیونکہ ابتدائے حال میں دل کا چین، خیال اور وہم کا تابع ہوتا ہے جب پورا ایمان ہو تو دل یقین کا تابع ہو گا۔ اور پھر مشاہدہ ظاہری کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

توکل کے درجے

توکل کے تین درجے اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ توکل کے تین درجے ہیں، ایک درجہ یہ ہے کہ متوکل کا حال اس شخص جیسا ہے کہ جھگڑے میں ایسے وکیل کو مقرر کرتا ہے، جو چالاک، فصیح البیان، دلیر و بے باک اور شفیق ہو اور اس سے اس کا دل مطمئن ہو۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس متوکل کا حال اس بچہ کی طرح ہو جو ہر مصیبت اور آفت میں ماں کے سوا کسی دوسرے کو نہیں جانتا۔ بھوک کی حالت میں اس کو پکارتا ہے۔ خوف کے وقت اسی کی پناہ لیتا ہے اور یہ اُس کی سرشت ہے اس میں تکلف کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ یہ ایسا متوکل ہے۔ جس کو اپنے توکل کی خبر نہیں ہے۔ اس محویت سے مختلف ہے جو وکیل کے سلسلہ میں پہلے درجہ کے متوکل کی تھی کہ اس کو اپنے توکل کی خبر تھی اور اپنے اختیار سے تکلف کے ساتھ خود کو توکل کے حوالہ کیا تھا۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ متوکل کا حال اس مردہ کا سا ہے جو غسال کے سامنے ہو متوکل خود کو مردہ سمجھے اور قدرت الٰہی سے حرکت کرنے والا خود کو جانے نہ اپنے اختیار سے جس طرح مردہ غسال کے ہلانے سے حرکت کرتا ہے اور اگر کچھ حاجت یا مشکل درپیش ہو تو دعا بھی نہ کرے اس لڑکے کی طرح جو کسی کام کیلئے اپنی ماں کو بلاتا ہے بلکہ یہ متوکل اس ہوشمند لڑکے کی طرح ہو گا جو سمجھتا ہے کہ اگرچہ میں کام کیلئے اپنی ماں کو نہ بلاؤں تب بھی وہ میرے حال اور ضرورت سے خوب واقف ہے وہ میری تدبیر کرے گی۔ پس تیسرے درجہ کے توکل میں انسان کا کچھ اختیار نہیں۔ دوسرے درجہ میں بھی

اختیار نہیں ہے مگر دعااور زاری ضرور موجود ہے اور پہلے درجہ میں اسباب کی تدبیر کا اختیار تھاجو وکیل کی عادت واطوار سے معلوم ہوئے تھے مثلاً جب اس نے سمجھ لیا کہ وکیل کی عادت یہ ہے کہ جب تک موکل حاضر نہ ہو اور کاغذات پیش نہ کئے جائیں وکیل مقدمہ نہیں لڑتا لہٰذا وہ ان اسباب کو فراہم کرے گا۔ اس کے بعد وہ کلیتہً وکیل کے فعل کا منتظر رہے گا اور ہر عمل اور ہر حرکت کو وکیل کا عمل سمجھے گا۔ یہاں تک کہ قاضی کی عدالت سے فیصلہ حاصل کرنا بھی اسی کا کام ہو گا۔ کیونکہ یہ بات بھی موکل کو وکیل کے اشارہ ہی سے معلوم ہوئی تھی۔ پس جو شخص توکل میں اس مقام تک پہنچ گیا ہے وہ اپنی تجارت اور زراعت اور اسباب ظاہری کا بھی متوکل ہے۔ کیونکہ وہ اپنی تجارت اور تجارت پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم پر اعتماد رکھتا ہے کہ وہ تجارت اور زراعت سے مجھے مقصود کو پہنچادے گا۔ جس طرح عدالت میں ضروری کام اس سے صادر کروائے اور ان کاموں کو بجالانے کی ہدایت دی۔ پس جو کچھ ان دونوں سے حاصل ہوتا ہے وہ اس کو خداہی کی طرف سے سمجھتا ہے ہم اس کی آئندہ تشریح کریں گے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے معنی بھی یہی ہیں کیونکہ حول حرکت کو کہتے ہیں اور قوت وقدرت سے جبکہ وہ جانتا ہے کہ حرکت اور قدرت اس کے بس میں نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے بس وہ جو کچھ دیکھے گا۔ اسی دیکھے کا اس طرح جب کاموں کو اسباب کے سپرد کرنے سے اس کی نظر اٹھ گئی ہے اور ہر کام کو وہ خداہی کی طرف سے دیکھتا ہے تو اس کو متوکل کہیں گے۔

توکل کا مقام: توکل کا مقام بہت بلند ہے جیسا کہ ابویزیدؒ بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔ منقول ہے کہ ابو موسیٰؒ دیلمی نے ابویزیدؒ بسطامی سے دریافت کیا کہ توکل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم اس بارے میں کیا جانتے ہو۔ ابو موسیٰ دیلمی نے کہا کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر تیرے داہنے اور بائیں طرف سانپ اور اژدھا ہو اور اس وقت تمہارا دل بالکل نہ گھبرائے تو یہ توکل ہے۔ یہ سن کر ابویزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ یہ تو بہت معمولی سی بات ہے میرے نزدیک توکل یہ ہے کہ اگر کوئی اہل دوزخ کو عذاب میں اور اہلسنت کو راحت میں دیکھے اور دل سے ان دونوں میں فرق سمجھے تو وہ متوکل نہ ہو گا۔ ابو موسیٰ دیلمیؒ کہتے ہیں کہ توکل کا مقام بہت بلند ہے صرف آفتوں سے حذر کرنا ہی اس کی شرط نہیں کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ غار (ثور) میں تھے انہوں نے اپنی ایڑی سانپ کے سوراخ پر رکھ دی۔ حالانکہ وہ متوکل تھے اور اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو سانپ کا ڈر نہیں تھا بلکہ سانپ کے خالق سے تھا جو اس کو قوت اور حرکت دیتا ہے اور ایسا متوکل لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے معنی سب چیزوں میں دیکھتا ہے لیکن حضرت ابویزید بسطامیؒ کے قول میں اس ایمان کی طرف اشارہ ہے جو اصل توکل ہے۔ ایسا ایمان اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے یعنی بندہ اللہ تعالیٰ کے عدل وحکمت اور رحمت پر ایمان لاکے سمجھے کہ اس کا کوئی فعل حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہے جب آدمی اس راز کو پالے گا تو محنت اور راحت دونوں اس کی نظر میں برابر ہو جائیں گی۔

توکل کے اعمال

معلوم ہونا چاہئے کہ دین کے تمام مقامات کا مدار تین چیزوں پر ہے۔ علم، حال، عمل اس کے بعد توکل کا علم ہے جس کا حال ہم بیان کر چکے۔ اب عمل کا بیان باقی رہا ہے۔ اس موقع پر شاید کوئی یہ خیال کرے کہ توکل کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے تمام کام خداوند کریم کو تفویض فرمادے اور کسی بات میں اپنا اختیار نہ رکھے اس صورت میں اس کو نہ کسب کی ضرورت ہے اور نہ کل کے واسطے کچھ جمع کر کے رکھنے کی۔ نہ سانپ بچھو اور شیر سے بچنے کی ضرورت ہے نہ بیماری دوا دارو کی۔ لیکن یہ تمام باتیں بیجا اور شرع کے خلاف ہیں اور توکل کی بنیاد کلیتۂ شرع پر ہے پھر توکل مخالف شرع (خلاف شرع) کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ مال کے کمانے میں آدمی کا اختیار ہے۔ جو کمایا ہے اس کے صرف کرنے میں اختیار ہوگا یا ایک حضرت مولا حق نہیں ہے۔ اس سے محفوظ رہنا چاہے گا۔ یا جو بلا لاحق ہوئی ہو اس کو دور کرنا چاہے گا۔ ان چاروں باتوں میں توکل کرنے کا حکم الگ الگ ہے پس ان چار مقامات کی شرح کرنا ضروری ہے۔

پہلا مقام: پہلا مقام حصول منفعت کا ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ کہ عادۃ اللہ اس بات پر جاری ہے کہ بغیر کسب کے اور ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کام نہیں چل سکتا پس ترک کسب دیوانہ پن ہے توکل نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص نوالہ اٹھا کر منہ میں نہیں ڈالتا تاکہ حق تعالیٰ بس یونہی اس کو سپرد کر دے یا کھانے میں حرکت پیدا ہو اور نوالہ خود بخود اس کے منہ میں چلا جائے یا کوئی شخص نکاح نہیں کرتا اور نکاح بھی کر لیا تو مباشرت نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ غیب سے بچہ پیدا ہو جائے اور ان باتوں کو وہ توکل سمجھتا ہے (تو یہ دیوانہ پن نہیں ہے تو اور کیا ہے) اسباب دنیاوی جو سب ضروری اور قطعی ہے اس کے ترک کرنے سے توکل نہیں ہوگا بلکہ وہ علم وحالت سے ہے۔ علم کو یہاں یوں سمجھنا چاہئے کہ ہاتھ طعام، قدرت، حرکت، منہ اور دانت سب خدا کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں اور حال یہ ہے کہ دل سے خدا کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھے نہ کہ ہاتھ اور کھانے پر۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہاتھ ابھی ابھی شل ہو جائے اور کھانا بھی کوئی دوسرا چھین لے۔ پس لازم ہے کہ اس کی نظر خدا کے فضل پر ہو جس نے غذا پیدا کی اور اس کو محفوظ رکھا اور اپنے زور بازو پر نظر نہ رکھے۔

دوسرا مقام: دوسرا مقام یا درجہ وہ اسباب ہیں جو قطعی نہ ہوں لیکن اکثر ان کے بغیر انسان کی کاربرآری نہ ہوتی ہو البتہ یہ ممکن ہے کہ شاذونادر ان اسباب کے بغیر مقصد برآری ہو جائے جیسے سفر کی واسطے توشہ لے جانا، اس کو ترک کرنا بھی شرط توکل نہیں ہے کیونکہ یہ بات حضور انور ﷺ کی سنت اور بزرگان سلف کی روش ہے۔ ہاں متوکل کو چاہئے کہ توشہ پر اعتماد نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی اس توشہ کو اڑا لے جائے بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے جو خالق اور حافظ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بغیر توشہ کے جنگل وبیابان میں جائے تو درست ہے۔ یہ بات اس کے کمال توکل پر دلیل ہوگی اس کی مثال کھانا

خود بخود نہ کھانے کی طرح نہیں ہو گی کیونکہ وہ صورت توکل میں داخل نہیں تھی البتہ سفر میں توشہ ساتھ نہ لے جانا ایسے شخص کو سزاوار ہے جس میں یہ دو صفتیں ہوں ایک یہ کہ اس کے بدن میں اتنی طاقت ہو کہ ایک ہفتہ تک بھوک پر صبر کر سکے دوسری صفت یہ کہ گھاس اور پتے کھا کر کچھ گذارہ کر سکے جب اس کا حال ایسا ہو تو اغلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا رزق جنگ بیابان میں بغیر توشہ کے جاتے لیکن اپنے ساتھ ہمیشہ سوئی (ناخن تراش) رسی اور ڈول رکھتے تھے کیونکہ یہ چیزیں اسباب قطعی میں داخل ہیں۔ بغیر ڈول اور رسی کے پانی کنویں سے حاصل کرنا دشوار ہے اور جنگل میں یہ چیزیں نہیں پائی جاتی ہیں اور جب کپڑے پھٹ جائیں تو سوئی کا کام کوئی اور چیز سے سرانجام نہیں ہو سکتا۔ پس ایسے اسباب میں توکل یہ نہیں کہ ان کو ترک کر دیں بلکہ توکل یہ ہے کہ دل سے خدا کے فضل پر بھروسہ رکھیں اور ان اسباب پر نہ رکھیں پس اگر کوئی شخص ایسے غار میں جہاں انسان کا گذر نہ ہو اور گھاس پات بھی کھانے کو نہ ملے بیٹھ جائے اور کہے کہ میں نے توکل اختیار کر لیا ہے۔ یہ حرام ہے ایسا شخص خود کو ہلاک کرے گا۔ وہ عادت الٰہی سے بے خبر ہے اور اس کی مثال ایسے موکل کی ہے جو اپنے مقدمہ میں دعویٰ نامہ وکیل کے پاس نہ لے جائے حالانکہ وہ جانتا تھا کہ بغیر دعویٰ نامہ کے وکیل بات بھی نہیں کرتا ہے۔

منقول ہے کہ زمانہ گذشتہ میں ایک زاہد نے شہر کے باہر ایک غار کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا تھا اور توکل کر کے بیٹھ گیا تھا تاکہ روزی غیب سے پہنچے ایک ہفتہ اسی طرح گذر گیا۔ ہلاکت کی نوبت آ پہنچی اور اس کو کھانے کے کچھ بھی نہیں ملا۔ اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اس زاہد سے کہہ دو کہ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک شہر میں واپس جا کر شہر والوں کے ساتھ نہیں اٹھے بیٹھے گا۔ میں تجھے رزق نہیں دوں گا۔ اس پیغام کے بعد جب وہ زاہد شہر میں داخل ہوا تو لوگ اس کے واسطے ہر طرف سے کھانا لانے لگے تب زاہد دل میں رنجیدہ ہوا اس وقت اس کو الہام ہوا کہ اے بندے! تو چاہتا تھا کہ توکل سے میری حکمت کو باطل کر دے اور تو اتنا نہیں سمجھا کہ کسی آدمی کی روزی اپنے دست قدرت سے پہنچانے کی بہ نسبت دوسرے بندوں کے ہاتھ سے پہنچانا مجھے زیادہ پسند ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص شہر میں اپنے گھر کے اندر خلوت نشین ہو جائے اور دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے اور متوکل بن جائے تو ایسا توکل حرام ہے۔ کیونکہ اس باب یقینی کا ترک کرنا درست ہے ہاں اگر دروازہ بند نہ کر کے توکل اختیار کرے تو یہ روا ہے۔ بشرطیکہ اس کی آنکھیں اس انتظار میں دروازہ پر نہ لگی رہیں کہ کوئی کھانا لاتا ہو گا اور اس کا دل مخلوق سے متعلق نہ رہے بلکہ اس کو اس صورت میں چاہئے کہ دل کو خدا کے ساتھ لگائے رکھے اور عبادت میں مشغول رہے اور اس بات پر یقین رکھے کہ جب اس نے ترک اسباب نہیں کیا ہے تو وہ روزی سے محروم نہیں رہے گا۔ اس جگہ یہ قول صادق آئے گا کہ جب کوئی بندہ اپنی روزی سے بھاگتا ہے تو روزی اس کو ڈھونڈتی ہے۔ اگر وہ حق تعالیٰ سے سوال کرے گا کہ اے پروردگار کیا مجھے روزی نہیں دیگا تو حق تعالیٰ فرمائے گا کہ اے نادان! میں نے تجھے جب پیدا کیا ہے تو کیا رزق نہیں دوں گا۔ اے نادان! ایسا خیال مت کر۔

پس توکل اس طرح ہو کہ آدمی اسباب سے روگردانی نہ کرے مگر روزی کے اسباب ہی پر موقوف نہ سمجھے بلکہ اس کو مسبب الاسباب سے سمجھے کیونکہ سارے عالم کو روزی دینے والا رازق موجود ہے لیکن بعض اس کو سوال کی ذلت گوارا کر کے اور بعض کوشش و محنت سے روزی پاتے ہیں اور بعض اس سلسلہ میں انتظار کی محنت برداشت کرتے ہیں۔ جیسے تجار و اور بعض عزت کے ساتھ زندہ رہتے ہیں جیسے حضرات مدینہ جو خداوند تعالیٰ پر دل قوی رکھتے ہیں اور جو رزق ان کو پہنچتا ہے خدا ہی کی طرف سے سمجھ کر خلق کا واسطہ درمیان سے اٹھا دیتے ہیں۔

تیسرا درجہ : تیسرا درجہ ان اسباب کا ہے جو قطعی نہ ہوں اور اکثر ان کی حاجت بھی نہیں ہوتی بلکہ ان حیلہ اور جستجو جانتے ہیں۔ ان اسباب کو کسب کے ساتھ ہی نسبت ہے جیسے داغ، منتر اور فال کی نسبت بیماری کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے متوکلین کا وصف اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وہ منتر داغ اور فال پر عمل نہیں کرتے ہیں اور آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ لوگ کسب نہیں کریں گے اور شہر سے نکل کر جنگلوں میں بھٹکتے پھریں گے۔ پس اس مقام میں توکل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ وہ جس کو شیخ ابراہیمؒ خواص نے اختیار کیا تھا کہ وہ جنگل اور بیابان میں بغیر توشہ کے پھرا کرتے تھے اور یہ درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔ یہ درجہ اس وقت حاصل ہوگا کہ بھوکا رہے گا یا ساگ پات کھائے۔ اور اگر وہ بھی نہ ملے تو موت کا خوف اس کے دل میں نہ آئے اور وہ سمجھے کہ اس میں اس کی بہتری اور بھلائی ہوگی۔ کیونکہ جو شخص توشہ ساتھ لے گا ممکن ہے کہ چور اس کو چرا لیں اور وہ بھوکا مر جائے جو احتمال نادر ہو وہ بھی ممکن الوقوع ہوگا اور اس سے حذر واجب نہیں ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ کہ کسب نہیں کرتا اور جنگل میں بھی نہیں پھرتا بلکہ کسی شہر کی مسجد میں سکونت اختیار کرلی۔ پھر لوگوں سے توقع نہیں رکھتا بلکہ فضل الٰہی کا امیدوار ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ کہ کسب کیلئے باہر نکلتا ہے اور سنت اور آداب شرع کے مطابق جس کا بیان کسب کے باب میں ہم کر چکے ہیں اور کسب کرتا ہے اور حیلہ و جستجو اور تدبیروں اور چالاکی کے ساتھ روزی پیدا کرنے سے حذر کرے اگر کاسب ایسے اسباب میں مشغول ہو گیا تو اس شخص کے مانند ہوگا جو منتر اور داغ پر عمل کرتا ہے۔ توکل اختیار نہیں کرتا، کسب سے باز آنا توکل کی شرط نہیں ہے۔ اس قول پر دلیل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو متوکل تھے اور توکل کا کوئی پہلو انہوں نے نہیں چھوڑا تو جب آپ نے خلافت کا بار اٹھایا تب بھی کپڑوں کی گٹھڑی اٹھا کر تجارت کیلئے بازار جاتے تھے لوگوں نے دریافت کیا کہ منصب خلافت کے ساتھ تجارت کرنا کس طرح مناسب ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر کسب نہ کروں گا تو اہل و عیال کی پرورش کیسے ہوگی وہ بھوکوں مر جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ فقر و فاقہ سے رہ کر رعایا کی دیکھ بھال مجھ سے کس طرح ہو سکے گی پس بیت المال سے آپ کیلئے یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا اور آپ خاطر جمعی کے ساتھ خلافت کے کام میں مشغول رہنے لگے۔ پس آپ کا توکل یہ تھا کہ مال و زر کی حرص آپ کو نہ تھی اور جو کچھ حاصل ہوتا اس کو اپنی پونجی نہیں

سمجھا کرتے تھے بلکہ اس کو خداوند تعالیٰ کی بخشش خیال فرماتے تھے اور آپ اپنے مال کو مسلمانوں کے مال سے زیادہ عزیز نہیں سمجھتے تھے۔

حاصل کلام یہ کہ توکل زہد کے بغیر نہیں ہو سکتا پس زہد توکل کی شرط ہے۔ اگرچہ زہد کیلئے ایک مرشد کامل کی ضرورت ہے ابو جعفر مدار رحمتہ اللہ علیہ نے جو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد جو ایک متوکل بزرگ تھے فرمایا ہے میں نے بیس سال تک اپنے توکل کو پوشیدہ رکھا تھا۔ ہر روز بازار میں ایک دینار کماتا اور اس میں سے ایک پیسہ چاکر حمام بھی نہیں جا سکتا تھا۔ سب رقم خیرات کر دیا کرتا تھا۔ شیخ جنیدؒ جب ان کے سامنے جاتے تو توکل کے موضوع پر گفتگو نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ مرشد کے سامنے ایسے مقام کے بارے میں گفتگو کروں جو ان کو ہی سزاوار ہے لیکن وہ صوفی حضرات جو خود خانقاہ میں گوشہ نشین ہو جاتے ہیں اور ان کے نوکر چاکر کسب کے لئے باہر جاتے ہیں۔ ان کا توکل ناقص ہے۔ جس طرح کسب کرنے والے کا توکل ضعیف ہوتا ہے۔

کسب کی شرطیں : کسب کی شرائط بہت سی ہیں تاکہ ان پر عمل کر کے توکل درست ہو جائے لیکن اگر کوئی شخص غیب سے فتوح ہونے کی امید پر بیٹھے گا تو یہ توکل کے قریب ہے۔ لیکن اگر یہ جگہ مشہور ہو گئی تو اس کی مثال بازار کی مانند ہو گی اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ قلب کو اس سے راحت حاصل ہو۔ ہاں اگر اس کی طرف التفات خاطر نہ ہو تو یہ توکل، کاسب کے توکل کے مانند ہو گا۔ اس بارے میں اصل بات یہ ہے کہ متوکل کی نظر مخلوق پر نہیں ہونا چاہئے اور مسبب الاسباب کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرے۔ حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ وہ میری صحبت سے راضی تھے لیکن میں نے خود ان کو چھوڑ دیا تاکہ میرے دل کو ان سے الفت اور انس نہ پیدا ہو اور میرے توکل میں نقصان نہ واقع ہو۔

امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ نے کسی مزدور سے کام لیا۔ کام لینے کے بعد کسی شاگرد کو فرمایا جاؤ اس کو مقررہ اجرت سے زیادہ اجرت دے دو۔ شاگرد نے زیادہ اجرت دی تو مزدور نے قبول نہیں کی اور چلا گیا جب وہ باہر چلا گیا تو امام صاحب نے اپنے شاگرد سے کہا کہ اب اس کے پیچھے جاؤ اور وہ زیادہ اجرت ادا کر دو وہ ضرور لے لے گا۔ شاگرد نے دریافت کیا اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت اس نے اپنے دل میں پیسہ کی طمع دیکھی تھی اس واسطے اس وقت زیادہ اجرت قبول نہیں کی اب وہ طمع جاتی رہی اس لئے وہ لے لے گا۔ حاصل کلام یہ کہ کاسب کا توکل یہ ہے کہ سرمایہ پر دل سے اعتماد نہ کرے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر مال چوری ہو جائے تو رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ اسی طرح رزق سے ناامید نہ ہو۔ جب وہ فضل خدا پر بھروسہ رکھتا ہے۔ تو سمجھے کہ روزی ایسی جگہ سے جو اس کے خیال میں بھی نہیں ہو گی اللہ تعالیٰ بھیج دیگا اور اگر نہ بھیجے تو سمجھے کہ میرے لئے اس میں کچھ بھلائی تھی۔

مذکورہ حالت کو پیدا کرنیکی تدبیر : اے عزیز معلوم ہو کہ اگر کوئی شخص مال رکھتا ہو اور چور اس کو چرالیں یا اس مال کو نقصان پہنچے تو ایسی حالت میں دل میں تشویش و پریشانی سے بچانا مشکل ہے اگرچہ یہ بات نادر ہے۔ پر محال نہیں اور اس کے حصول کی تدبیر یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی قدرت پر دل سے ایمان لائے یہ خیال کرے کہ وہ بہت سے لوگوں کو روزی بغیر سرمایہ کے پہنچاتا ہے بعض سرمائے ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں پس ایسی پونجی اور سرمایہ کا نیست ہو جانا میرے حق میں اچھا ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رات کو بندہ ایک ایسے کام کے بارے میں سوچتا ہے جس میں اس کا نقصان ہو لیکن خداوند تعالیٰ عرش سے اس پر نظر عنایت کرتے ہوئے۔ اس کے دل سے اس کام کا خیال دور کر دیتا ہے۔ صبح کو وہ غمگین ہو کر اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کیوں کیا اور کس واسطے ہوا۔ اس نے تصور یہ کیا تھا کہ اس کے پڑوسی یا برادر غم زار نے یا فلاں شخص نے اس کام میں رخنہ ڈالا حالانکہ وہ خدا کی رحمت تھی جو اس پر نازل ہوئی۔ اسی واسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے خوف نہیں کہ صبح کو درویش اٹھوں یا توانگر کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میری بھلائی کس میں ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ درویشی کا خوف اور بدگمانی شیطان کے وسوسہ سے ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے الشیطان یعدکم الفقر (اور شیطان تم کو مفلسی اور فقر سے ڈراتا ہے) خداوند تعالیٰ کی نظر عنایت پر اعتماد رکھنا کمال معرفت ہے۔ خصوصاً جب یہ سمجھے کہ روزی پوشیدہ اسباب سے ہے جس کی کسی کو خبر نہیں ہے (صرف بعض کو خبر ہوتی ہے) الحاصل اسباب خفی پر بھی اعتماد نہ رکھنے بلکہ مسبب الاسباب کی ضمانت پر بھروسا کرے۔

منقول ہے کہ ایک عابد نے کہا کہ پڑوسی کا یہودی مجھے ہر روز دو روٹیاں پہنچانے کا کفیل ہوا ہے۔ تب ایک امام مسجد نے کہا کہ جب ایسی صورت ہے تو کسب کرنا روا ہے۔ یہ سن کر عابد نے کہا کہ اے نوجوان مرد اولیٰ یہ ہے کہ تو امامت نہ کرے کیونکہ تیرے نزدیک یہودی کی ضمانت خدا کی ضمانت سے قوی تر ہے۔

ایک امام مسجد نے کسی شخص سے دریافت کیا کہ تو روٹی کہاں سے کھاتا ہے۔ اس نے کہا ٹھہر جاؤ کہ میں اس نماز کو جو تیرے پیچھے پڑھی ہے قضا کر لوں کیونکہ تو خداوند تعالیٰ کی ضمانت پر ایمان نہیں لایا ہے۔ جن لوگوں نے اس حالت کو دیکھا ہے۔ انہوں نے ایسی جگہوں سے فتوحات حاصل کی ہیں جہاں سے ان کو امید نہیں تھی۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

شیخ طریقت حذیفہ مرعشیٰ رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے کیا عجیب بات مشاہدہ کی جو آپ نے ان کی اس قدر خدمت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ مکہ کے سفر میں ہم دونوں بہت بھوکے تھے جب ہم کوفہ میں پہنچے تو بھوک کا اثر مجھ پر ظاہر ہوا شیخ ابراہیم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم بھوک کے سبب سے بے تاب ہو میں نے کہا ہاں یہی بات ہے۔ ابراہیم نے کہا دوات اور کاغذ لے آؤ میں نے دونوں چیزیں حاضر کر دیں۔ انہوں نے یہ

عبارت لکھی :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔اے آنکہ ہمہ مقصود در احوال توئی' واشارت ہمہ بتوست ، من ثنا گوئے وشا کرم بر اکرام تو،ولیکن گرسنہ و تشنہ وبر ہنہ ام من ایں سہ کہ نصیب من است ضامن آنم ،آں سہ کہ نصیب قوت تو ضامن من باشی۔

''میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے شروع کرتا ہوں۔اے وہ جو سب احوال میں تو ہی مقصود ہے اور سب تیری طرف اشارہ کرتے ہیں۔ میں تیرا ثنا گو اور تیرے اکرام پر شکر کرنے والا ہوں۔ لیکن میں بھوکا پیاسا اور ننگا ہوں میں ان تین چیزوں کا (ثنا، ذکر، شکر) جو میرا حق ہیں ضامن ہوں اور جن تین چیزوں (کھانا، پانی اور لباس) کا تجھ سے تعلق ہے تو ضامن رہ۔''

یہ رقعہ مجھے دے کر کہا کہ باہر جاؤ اور دل کو کسی اور طرف مشغول نہ کرنا جس کو تم سب سے پہلے دیکھو یہ رقعہ اس کو دے دینا۔ میں باہر نکلا سب سے پہلے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اونٹ پر سوار جا رہا تھا۔ وہ نامہ میں نے اس شتر سوار کو دیدیا۔ اس نے پڑھا اور پڑھ کر رونے لگا اور مجھ سے پوچھا کہ اس رقعہ کا کاتب کہاں ہے۔ میں نے کہا مسجد میں ہیں۔ اس نے چھ سو دینار کی ایک تھیلی مجھے دیدی۔ میں نے دوسرے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا لوگوں نے بتایا کہ ایک نصرانی ہے۔ میں نے شیخ ابراہیمؒ ادھم کے پاس واپس جا کر یہ تمام ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس تھیلی کو اب ہاتھ نہ لگانا کوئی دم میں اس کا مالک آیا چاہتا ہے۔ فوراً ہی وہ نصرانی آیا اور ابراہیم ادھمؒ کے قدموں کو بوسہ دیا اور ایمان سے مشرف ہوا۔

شیخ ابو یعقوب بصریؒ نے کہا ہے کہ میں مکہ میں دس دن بھوکا رہا۔ آخر کار ایک دن بے تاب ہو کر باہر نکلا دیکھا کہ شلجم زمین پر پڑا ہے۔ جب میں نے اس شلجم کو اٹھانا چاہا تو میرے دل سے آواز آئی' دس روز سے تو بھوکا تھا آخر کار سڑا ہوا شلجم تجھے نصیب ہوا۔ میں نے اس کو اٹھانے سے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور مسجد میں چلا آیا اتنے میں ایک شخص نے طباق بھر کے چھلکے، شکر اور مغز بادام میرے سامنے لاکر رکھ دیئے اور اس نے کہا کہ میں دریائی سفر میں تھا۔ دریا میں طوفان آ گیا میں نے نذر مانی کہ اگر ڈوبنے سے بچ جاؤں تو یہ تمام چیزیں اس درویش کی خدمت میں پیش کروں گا جو سب سے پہلے مجھے ملے گا۔ میں نے ہر ایک میں سے ایک ایک میٹھی چیز لے کر اس شخص سے کہا کہ یہ باقی میں تم کو بخشتا ہوں اس کے بعد میں نے اپنے دل سے کہا کہ دریا میں ہوا کو حکم ہوا کہ تیری روزی کا بندوبست کرے اور تو دوسری جگہ ڈھونڈھ رہا ہے۔ ایسی عجیب و غریب حکایتوں کا مطالعہ انسان کے ایمان کو پختہ کرے گا۔ (لہٰذا اس کا مطالعہ کریں۔)

صاحب عیال کا توکل

اے عزیز معلوم ہونا چاہئے کہ عیال دار آدمی کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ صحرا نوردی اور بیابان گردی کرے اور کسب سے دست بردار ہو جائے بلکہ صاحب عیال کا توکل وہی ہے جس کا ذکر ہم نے تیسرے درجہ کے توکل میں کیا ہے اور

وہ توکل کا سب کا ہے۔ جس طرح امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ' کرتے تھے کیونکہ جس شخص میں یہ دو صفتیں ہوں توکل اسی کو سزاوار ہے ایک یہ کہ بھوک پر صبر کرے اور جتنا ملتا ہے خواہ وہ سبزی (گھاس پات) ہی کیوں نہ ہو قناعت کرے۔ دوسرے یہ کہ اس بات پر ایمان ہو بھوک اور موت اس کی روزی ہے اور اسی میں اس کی بہتری ہے۔ لیکن اہل و عیال کو اس پر لگانا دشوار ہے۔ بلکہ حقیقت میں اس کا نفس بھی اس کے عیال میں داخل ہے جو بھوک پر صبر نہیں کرتا اور بیقرار ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو سزاوار نہیں کہ کسب سے دست بردار ہو کے توکل اختیار کرے۔ اگر اہل و عیال صبر کی طاقت رکھتے ہیں اور وہ توکل پر راضی ہوں تو کسب کا ترک کرنا روا ہے۔ بس فرق یہی ہے کہ جس شخص نے اپنی بھوک پر جبراً صبر کر لیا تو روا ہے لیکن زن و فرزند کو بھوک کی تکلیف دینا اور اس پر مجبور کرنا درست نہیں ہے۔ جب کسی کا ایمان کامل ہے اور وہ زہد و تقویٰ میں مشغول ہے اور وہ کسب نہ کرے تو اس کی روزی کے اسباب ظاہر ہیں (کہ مفقود ہیں) جس طرح بچہ جو ماں کے شکم میں کسب کرنے سے عاجز ہے تو خدا اس کی روزی اس کی ناف کے ذریعہ سے پہنچاتا ہے۔ جب پیدا ہوتا ہے تو ماں کی چھاتی سے اس کو روزق دیتا ہے۔ جب وہ کھانا کھانے کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کے دانت پیدا کرتا ہے۔ اگر کمسنی میں اس کے ماں باپ مر جائیں اور وہ یتیم ہو جائے تو دوسرے دلوں میں اس کی مہر و محبت بھر دیتا ہے۔ جس طرح ماں کے دل کو ممتا سے بھر دیا تھا اور وہ اس کی پرداخت کرتی تھی پہلے تو ایک شفیق ماں تھی۔ جب ماں مر گئی تو ہزار لوگوں کو اس کے حق میں شفیق اور مہربان بنا دیا جب وہ بڑا ہوا تو اس کو کسب کرنے کی قوت بخشی اور اس کی ضروریات سے اس کو آگاہ کر دیا تاکہ وہ اس شفقت کے ذریعہ جو اس کے باب میں اس کو دی گئی ہے خود اپنی غمخواری کرے جس طرح ماں شفقت پیدا فرماتا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ نیک آدمی خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اس کو پاکیزہ مال دینا چاہئے۔ اس سے پہلے تو وہ خود تنہا اپنے حال پر شفیق تھا اب سب لوگ اس کو یتیم بچہ کی طرح پیار کرتے ہیں لیکن اگر وہ کسب کی قدرت رکھتے ہوئے سستی اور کاہلی اختیار کرے گا۔ تو مخلوق کے دل میں اس کیلئے محبت اور شفقت پیدا نہیں ہو گی۔ ایسے شخص کا توکل اور ترک کسب روا نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہے۔ چاہئے کہ اپنی غمخواری آپ کرے۔ اگر وہ اپنے سے غافل ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہو گا۔ تو خداوند تعالیٰ بہت سے لوگوں کے دلوں کو اس پر مہربان فرما دے گا۔ یہی سبب ہے کہ ایسا زاہد و متقی کوئی نظر نہیں آیا جو بھوک سے ہلاک ہوا ہو۔

جب کوئی شخص اس بات پر خوب غور و فکر کرے گا کہ خداوند کریم نے ملک و ملکوت کے کاروبار کو کس حکمت اور تدبر سے محکم کیا ہے بیشک اس کو اس آیت کے معنی معلوم ہو جائیں گے وما من دآبة فی الارض الاعلی الله رزقها۔ اور وہ جان لے گا کہ بادشاہت کا ایسا اچھا انتظام اس نے کیا ہے کہ کوئی بھی تباہ حال اور برباد نہ ہو سوائے شاذونادر کے اور وہ بھی ہیں اس وجہ سے کہ اس کی بہتری اور بھلائی اسی میں تھی۔ اس کی ہلاکت اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اس نے ترک کسب کیا تھا کیونکہ اس شخص کا ضائع اور ہلاک ہونا شاذ ہی ہے جس نے بہت سا سامان جمع کیا ہو۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ جنہوں نے اس حال کا مشاہدہ کیا تھا کہتے ہیں کہ اگر سب اہالیان بصرہ میرے

عیال ہوں اور گیہوں کے ایک دانہ کی قیمت قحط سالی کے سبب سے ایک دینار ہو تو اس وقت بھی مجھے کچھ فکر نہیں ہو گی۔
وہبؒ ابن الورد کا کہنا ہے کہ اگر آسمان لوہے کا اور زمین سیسہ کی ہو جائے اور میں اس حال میں اپنی روزی کے معاملہ میں فکر مند رہوں تو مجھے خوف ہے کہ میں مشرک بن جاؤں گا۔ خداوند تعالیٰ نے روزی حوالہ جو آسمان کے حوالہ کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کسی کو آسمان پر قدرت نہیں ہے۔
نقل ہے کہ کچھ لوگ حضرت خواجہ جنیدؒ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنی روزی ڈھونڈ رہے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم کو معلوم ہو کہ تمہاری روزی فلاں جگہ ہے تو ضرور تلاش کرو۔ انہوں نے کہا کہ ہم خدا سے طلب کریں گے انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ خداوند تعالیٰ تم کو بھول گیا ہے تو ضرور اس کو یاد دلاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو توکل کر کے دیکھیں گے کہ ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے انہوں نے کہا کہ آزمائش کیلئے توکل کرنا شک سے خالی نہیں ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر ہم کیا تدبیر کریں۔

انہوں نے جواب دیا کہ بے تدبیری ہی اس کی تدبیر ہے۔

پس حقیقت میں خدا کی ضمانت رزق کے بارے میں کافی ہے۔ جس کو روزی کی حاجت ہو اس کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

دوسرا مقام : دوسرا مقام یہ ہے کہ متوکل توکل کی حالت میں ذخیرہ کر کے رکھے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ جو کوئی ایک سال کا خرچ اپنے لئے جمع کر کے رکھے گا۔ اس کا توکل نا قابل اعتبار ہے کیونکہ اس نے مسبب الاسباب کو چھوڑ کر اسباب ظاہر پر تکیہ کیا ہے اور یہ بات ہر سال ہوا کرے گی لیکن جو شخص ضرورت کے وقت پیٹ بھر کھانے پر یا اتنے کپڑے پر جس سے تن ڈھک جائے قناعت کرے گا اس کا توکل کامل ہے۔ شیخ ابراہیمؒ خواص نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص چالیس روز کی روزی ذخیرہ کرے گا تو اس کا توکل باطل نہ ہو گا۔ ہاں اگر چالیس روز سے زیادہ ذخیرہ کرے گا تو توکل باقی نہیں رہے گا۔ شیخ طریقت سہل تستریؒ نے کہا ہے کہ ذخیرہ کرنا خواہ وہ جس قدر بھی ہو۔ توکل کو باطل کرتا ہے۔ شیخ ابو طالب مکی کہتے ہیں اگر ذخیرہ پر اس کا اعتماد نہ ہو اس صورت میں چالیس دن سے زیادہ روزی کا ذخیرہ کرنا توکل کو باطل نہیں کرتا ہے۔ حسینؒ مغازلی جو شیخ طریقت بشرؒ حافی کے مرید تھے کہتے ہیں کہ ایک دن ایک درمیانی عمر کا آدمی بشرؒ حافی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مجھے مٹھی بھر کے چاندی دے کر کہا کہ اس سے نفیس اور ستھرا کھانا خرید کر لے آؤ۔ آج تک میں نے ان کی زبان سے ایسی بات نہیں سنی تھی۔ میں کھانا خرید کر لایا۔ بشرؒ حافی نے اس مہمان کے ساتھ کھانا کھایا۔ آج تک میں نے ان کو کسی کے ساتھ کھانا کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ جب یہ دونوں حضرات کھانے سے فارغ ہو گئے تو بہت سا کھانا باقی بچ گیا۔ تب وہ مہمان بچا ہوا کھانا اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔ مجھے اس بات سے بھی سخت تعجب ہوا کہ بغیر اجازت اس نے ایسا کیوں کیا۔ بشرؒ حافی نے مجھے متعجب دیکھ کر کہا کیا تم کو اس سے تعجب ہوا۔ میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ صاحب شیخ فتح

موصلیؒ تھے۔ آج وہ موصل سے میری ملاقات کیلئے یہاں آئے تھے اور مجھے آزمانے کیلئے انہوں نے کھانا اٹھایا تھا کیونکہ جب توکل درست ہو تو ذخیرہ کرنے سے کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔

پس توکل کی اصل حقیقت یہ ہے کہ امید کو منقطع کرے اور ذخیرہ کرنے کی قباحت اس وقت ہے کہ اپنے واسطے ذخیرہ کرے اور ذخیرہ کر کے اپنے ہاتھ میں مال کو اس طرح سمجھے کہ گویا وہ خدا کے خزانہ میں ہے اور اس مال پر اعتماد نہ کرے تب توکل باطل نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بات تنہا شخص سے علاقہ رکھتی ہے۔ اگر عیال دار شخص سال بھر کی غذا کا ذخیرہ کرے تو اس کا توکل باطل نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایک سال سے زیادہ کے لیے جمع کرے گا تو توکل باطل ہو جائے گا۔

حضور انور ﷺ اپنے اہل خانہ کی دل کی کمزوری کے سبب ایک سال کی غذا ذخیرہ فرما لیتے تھے لیکن اپنے واسطے صبح سے شام تک کی غذا بھی ذخیرہ نہیں فرماتے تھے۔ اگر کبھی آپ رکھتے بھی تو آپ کے توکل میں نقصان نہ آتا۔ کیونکہ اس کا آپ کے پاس یا غیر کے پاس رہنا یکساں تھا۔ آپ نے خلق کو ان کے ضعف قلب کے باعث یہ تعلیم دی تھی۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کا اصحاب صفہ میں سے انتقال ہو گیا۔ ان کے کپڑے سے دو دینار برآمد ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ دو داغ تھے۔ اس لفظ داغ میں دو معانی کا احتمال پایا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ ان صحابی نے تلبیس سے خود کو مجرد بنایا تھا (یکے آنکہ خویشتن را مجردی فرانمودہ باشد بہ تلبیس) پس یہ دو داغ سزا کے طور پر آگ کے تھے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ دو داغ دغا اور فریب کی وجہ سے نہیں تھے لیکن اس جہاں میں ذخیرہ کرنے کے باعث ان کے درجہ میں نقصان پیدا ہوا۔ جس طرح داغ کا نشان حسن کو گھٹا دیتا ہے۔ اسی طرح ان کا ذخیرہ کرنے کے باعث ان کے درجہ اور مرتبہ کو نقصان پہنچا۔

ایک درویش صحابی کا جب انتقال ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ قیامت میں اٹھایا جائے گا تو اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح حسین ہوگا اور اگر اس میں ایک خصلت نہ ہوتی تو آفتاب کے مانند تاباں ہوتا اور وہ خصلت یہ تھی کہ سردی کا لباس دوسری سردی کے موسم تک اور گرمی کا لباس دوسری گرمی کے موسم تک وہ محفوظ رکھتا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دوسری صفات کی بہ نسبت یقین اور صبر کی صفت بہت کم دی ہے یعنی لباس کو بچا کر رکھنا یقین کے نقصان کا سبب ہوگا۔ لیکن اگر پھاگل، دستر خوان، گھڑا اور طہارت کا برتن جو ہمیشہ کام آنے والی چیزیں ہیں اگر محفوظ رکھی جائیں تو بغیر اختلاف درست ہے۔ کیونکہ عادۃ اللہ اس بات پر جاری ہوئی کہ ہر سال کھانا اور کپڑا کسی نہ کسی صورت سے بندوں کو پہنچے۔ لیکن ہر وقت اور ہر جگہ یہ اسباب اور برتن میسر نہیں ہوتے اور عادۃ اللہ کے خلاف کرنا جائز اور درست نہیں ہے لیکن گرما کے کپڑے سرما کے کام کے نہیں۔ ان کو رکھ چھوڑنا ضعف یقین کا سبب ہو گیا۔

فصل :-

اے عزیز معلوم ہونا چاہئے کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ بغیر ذخیرہ کئے اس کے دل کو چین نہ آئے اور وہ مخلوقات کا دست نگر رہے گا۔ تو اس کے حق میں ذخیرہ کرنا اولیٰ ہے بلکہ اگر ایسا ہے کہ بغیر اس زمین کے جس سے بقدر کتابت حاصل کر سکتا ہو، اس کا دل ذکر و فکر میں مشغول نہیں رہ سکتا تو مناسب یہ ہے کہ وہ بقدر کتابت زمین رکھے کیونکہ ان تمام باتوں سے مقصود دل کی اصلاح ہے تاکہ یاد الٰہی میں مشغول ہو اور شاید ہی کوئی دل والا ایسا ہوگا کہ مال کی موجودگی اس کو عبادت سے باز رکھے اور درویشی میں سکون حاصل ہو اور یہ بڑا مقام اور عظیم درجہ ہے اور کسی کا دل ایسا ہوگا۔ کہ بقدر کفایت مال کے بغیر تسلی حاصل نہ کرے ایسے شخص کے حق میں زمین کا اس کے پاس ہونا اولیٰ تر ہے۔ اور اگر ایسا دل ہے کہ بغیر شوکت اور تجمل کے آرام و سکون نہیں پاتا ایسا شخص دیانت سے بہرہ ور نہیں ہے اور ایسے شخص کا کچھ اعتبار نہیں۔

تیسرا مقام : تیسرا مقام ان اسباب کا ہے جن سے ضرور رفع ہو سکے۔ اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ توکل میں ہر ایک سبب سے جو قطعی ہو یا غالب ہو۔ حذر کرنا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی متوکل اپنے گھر کے دروازے بند کر کے ان کو مقفل کر دے اس لئے کہ چور اس کا مال نہ لے جائیں تو اس کا توکل باطل نہ ہوگا اور اسی طرح اگر دشمن سے بچنے کیلئے اپنے پاس تلوار رکھے گا۔ یا جبہ پہن لے کہ راستہ میں اس کو ٹھنڈ نہ لگے تب بھی اس کا توکل باطل نہیں ہوگا۔ ہاں اگر پیٹ بھر کے کھایا تاکہ باطن کی حرارت غالب آ کر ٹھنڈ کا اثر کم کر دے تو ایسے اسباب داغ اور منتر کی طرح توکل کو باطل کر دیں گے۔ لیکن جو کچھ اسباب ظاہری سے ہو اس سے باز رہنا توکل کی شرط نہیں ہے۔

ایک اعرابی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا اونٹ کا کیا ہوا اس نے کہا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور توکل اختیار کر لیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: عقّل و توکل (اس کو باندھ اور توکل کر) اگر کسی شخص سے رنج پہنچے تو اس کو برداشت کرنا توکل میں داخل ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ودع اذاهیم و توکل علی الله[1] اور فرمایا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا وَ عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ[2] O لیکن اگر سانپ، بچھو اور درندوں سے مضرت پہنچے تو صبر نہ کرے بلکہ ان کو دفع کرنا چاہئے پس جو شخص اسے حذر کرنے کی خاطر ہتھیار رکھے گا۔ اس کا توکل یوں ہوگا کہ اپنی قوت اور ہتھیاروں پر بھروسا نہ کرے اور جب گھر کا دروازہ بند کیا تو قفل پر اعتماد نہ کرے کیونکہ بسا اوقات چور قفل کو توڑ لیتے ہیں اور مال لے جاتے ہیں۔ متوکل کی علامت یہ ہے کہ جب گھر میں آ کر اس نے دیکھا کہ چور مال لے گیا ہے۔ تو اپنی تقدیر پر راضی رہے اور بالکل غمگین نہ ہو بلکہ باہر جاتے وقت زبان حال سے کہے کہ الٰہی! میں نے قفل اس لئے نہیں لگایا تھا کہ تقدیر کو روکوں بلکہ مقصد یہ تھا کہ عادۃ اللہ پر چلوں اگر تو کسی کو اس مال پر

---

[1] اور ان کی ایذا پر در گذر فرماؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

[2] اور تم جو ہم کو ستارہے ہو ہم اس پر صبر کریں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مسلط کرے گا۔ تو میں تیرے حکم پر راضی ہوں کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ تو نے یہ مال غیر کی روزی کیلئے پیدا کر کے مجھے عاریتاً دیا تھا۔ یا خاص میرے واسطے پیدا کیا تھا پس اگر دروازہ بند کر کے (قفل لگا کے) گیا اور واپس آکر اپنا مال نہ پایا غمگین ہوا۔ اور دروازہ بند کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ وہ سمجھے گا۔ کہ دنیا توکل کا نام نہیں اور وہ نفس کا محض ایک فریب تھا جو اس نے دیا تھا لیکن اگر خاموش رہ کے گلہ نہ کرے گا تو اس کو صبر کا درجہ حاصل ہوگا اور اگر اس نے شکایت کی اور چور کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو صبر کے اس درجہ سے بھی گرے گا۔ اس کو یقیناً یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس طرح نہ وہ صابرین میں داخل ہے اور نہ متوکلین میں۔ اب اس کو چاہئے کہ آئندہ توکل کا دعویٰ نہ کرے اور یہ ایک بڑا فائدہ ہے۔ جو اس کو چور سے حاصل ہوا۔

سوال : اگر کوئی شخص کہے کہ اگر آدمی اس مال کا محتاج نہ ہوتا تو دروازہ بند نہ کرتا جب اس نے حاجت وضرورت کی خاطر یہ تدبیر کی اور آخر کار چور اس کا مال لے گیا۔ تو اس کا غمگین نہ ہونا کس طرح ممکن ہے (یقیناً وہ غمگین اور دلگیر ہوگا)۔

جواب : اس کا یہ ہے کہ اس کا غمگین نہ ہونا ممکن تھا۔ کیونکہ جب وہ چیز اس کو خداوند تعالیٰ نے مرحمت فرمائیں اور وہ اس کے پاس تھی اسی میں اس کی بھلائی تھی اور اب اس کی خوبی اس بات میں تھی کہ وہ مال اس کے پاس نہ رہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کا مال اس سے لے لیا پس دونوں حال میں اپنی بھلائی کا خیال کر کے خوش رہے اور اس بات پر ایمان لائے کہ حق تعالیٰ وہی کرتا ہے۔ جو اس کے حق میں بھلا ہو۔ بندہ نہیں جانتا کہ اس کی بھلائی کس چیز میں ہے۔ خداوند عالم ہی بہتر جانتا ہے۔ جیسے وہ بیمار جس کا باپ طبیب مشفق ہو اور وہ اس کو گوشت اور غذا دیتا ہے تو مریض خوش ہو کر کہتا ہے۔ کہ میرا باپ مجھ میں تندرستی کے آثار نہ دیکھتا تو مجھے یہ چیزیں کھانے کو نہ دیتا اور گوشت کھانے سے اس کو منع کرے تب بھی وہ خوش ہو کر کہتا ہے کہ چونکہ میرا باپ اس میں میرا نقصان دیکھ رہا ہو اس لئے اس نے منع کر دیا۔ پس جب تک خدا پر بندہ کا ایمان ایسا نہ ہو توکل کا دعویٰ بے جا اور بالکل اصل ہوگا۔

متوکل کے آداب

معلوم ہو کہ جب متوکل کا مال چوری ہو جائے تو چھ قسم کے آداب بجا لائے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ دروازہ کو بند کرنے میں زیادہ مبالغہ نہ کرے (کہ ہر وقت دروازہ کو بند رکھے) بہت سی گرہیں نہ لگائے اور پڑوسیوں سے نگرانی کا سوال نہ کرے۔ نقل ہے کہ مالکؒ دینار اپنے گھر کے دروازہ کو دھاگہ سے باندھ کر کہتے کہ اگر کتے کے اندر داخل ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں یہ دھاگا بھی نہ باندھتا۔ دوسرا ادب یہ کہ جو چیز قیمتی اور چور کے مطلب کی ہو اس گھر میں نہ رکھے۔ کیونکہ اس سے چور کو چوری کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔ نقل ہے کہ مغیرہ بن مالک دینار کو زکوۃ کی رقم بھیجی گئی انہوں نے وہ رقم لوٹا دی اور کہا کہ شیطان میرے دل میں وسوسہ پیدا کر رہا ہے۔ کہ چور اس کو چرا کر لے جائے گا۔ پس انہوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ

وسوسہ میں مبتلا ہوں اور چور بھی معصیت میں مبتلا ہو۔ جب شیخ ابو سلیمان دارانی نے یہ بات سنی تو کہا کہ یہ بات صوفی کی خامی کی دلیل ہے۔ اس کو دنیا سے کیا مطلب؟ اگر چور اس مال کو لے جائے تو اس کو کیا پروا یہ بات صوفی کے کمال کی نشانی ہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ جب گھر کے باہر جائے تو دل میں نیت کرے کہ اگر اس مال کو چور لے جائے تو میں اس کو بخش دوں گا۔ شاید وہ مفلس ضرورت مند ہو اور اس مال سے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور اگر وہ توانگر ہے تو اس طرح ایک مسلمان بھائی پر شفقت کا اظہار ہوا اور سمجھے کہ اس نیت سے جو تقدیر کی بات ہے وہی ہو گی۔ اس طرح اس کی خیرات کا ثواب ملے گا۔ یعنی ایک درہم کے عوض سات درہم خواہ وہ چور لے جائے یا نہ لے جائے اس نے ایسی نیت کرلی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرے اور عزل نہ کرے اور نطفہ رحم میں پہنچا دے تو فرزند پیدا ہو یا نہ ہو اس کو ایک ایسے غلام کا ثواب ملے گا جو رہِ الٰہی میں جنگ کر کے مارا جائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے عمل سے عہدہ برآ ہوا۔ اگر فرزند پیدا ہوا ہو تا تو اس کی پیدائش اور اس کا وجود باپ سے علاقہ رکھتا ہے اور اس کا ثواب و عذاب اس کے فعل پر ہوتا ہے۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ مال چوری ہو جانے پر غمگین نہ ہو اور سمجھے کہ مال لے جانے میں اس کی بہتری اور بھلائی تھی اگر اس نے یہ نیت کی ہے اور کہا تھا کہ میں نے اس مال کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے تو پھر اس کی طلب نہ کرے۔ اگر کوئی لے جانے والا اس کو پھیرے بھی تو قبول نہ کرے اگر اس نے لے لیا تو اس کی ملک ہے کیونکہ محض نیت کر لینے سے اس کی ملک سے نہیں نکلے گا۔ (جب تک دوسرے کے قبضہ نہ جائے) مقام توکل میں یہ بات سزاوار نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک اونٹ چوری ہو گیا۔ انہوں نے تلاش کیا۔ آخر کار تلاش سے تھک کر کہا "فی سبیل اللہ"۔ یہ کہہ کر مسجد میں آکر نماز میں مشغول ہو گئے۔ ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ اونٹ فلاں جگہ ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں اس کو تلاش کرنے کی خاطر اٹھا۔ جوتے پہنے لیکن پھر میں نے استغفار کی اور کہا میں نے تو "فی سبیل اللہ" کہہ دیا تھا۔ اب میں اس کا نام بھی نہیں لوں گا۔

کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ میں نے خواب میں ایک مسلمان بھائی کو بہشت میں دیکھا مگر وہ علیین تھا۔ میں نے پوچھا تم یہاں دل گیر کیوں ہو۔ اس نے جواب دیا کہ یہ غم قیامت تک میرے ساتھ رہے گا۔ کیونکہ مجھے علین میں بلند مقامات دکھائے گئے کہ ایسے مقامات تمام جنت میں نہیں تھے۔ میں نے خوش ہو کر وہاں جانے کا قصد کیا تو ندا آئی کہ اس شخص کو یہاں سے دور رکھو کیونکہ یہ مقام اس شخص کیلئے ہے جو سبیل پر قائم رہا۔ میں نے کہا کہ فی سبیل اللہ پر قائم رہنا کس کو کہتے ہیں۔ فرشتہ نے جواب دیا کہ تو نے کہا تھا کہ فی سبیل اللہ فلاح چیز ہے۔ اگر تو اس بات کی حفاظت کرتا تو یہ سب مقامات تجھے دے دیئے جاتے لیکن تو نے اس کی حفاظت نہیں کی۔ ایک اور شخص مکہ کا رہنے والا نیند سے جب بیدار ہوا تو پیسوں کی ہمیانی گم پائی۔ اس نے وہاں کے ایک بڑے عابد پر چوری کی تہمت لگائی۔ عابد نے ہمیانی والے کو گھر کے اندر لے جا کر پوچھا کہ ہمیانی میں کتنی رقم تھی۔ جتنی رقم اس نے بتائی عابد نے اس کے حوالہ کر دی۔ جب ہمیانی والا وہاں سے باہر نکلا تو اس کو

معلوم ہوا کہ اس کا ایک دوست ازراہ مزاح اس کی ہمیانی لے گیا تھا۔ یہ سن کر وہ شخص واپس ہوا اور عابد کی دی ہوئی رقم ہر چند اس نے واپس کرنا چاہی لیکن عابد نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ میں نے اس مال کو دیتے وقت "فی سبیل اللہ" کی نیت کی تھی۔ آخر کار عابد نے کہا کہ یہ مال فقیروں کو دے دو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص فقیر کو روٹی دینے کیلئے لے جائے اور فقیر دروازہ سے چلا جائے تو روٹی کو گھر میں واپس لے جانا اور خود کھانا بزرگان سلف کے نزدیک مکروہ ہے بلکہ وہ دوسرے فقیر کو تلاش کر کے دیدیتے تھے۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ چور اور ظالم کو بد عا نہ دے اگر ایسا کیا گیا تو توکل باقی نہ رہا۔ اور زہد بھی باطل ہو جائے گا کیونکہ جو شخص ایک حادثہ پر تاسف کرے وہ زاہد نہیں ہے۔

منقول ہے کہ ربیع ابن خیثمؒ کا گھوڑا جو چند ہزار درہم کا تھا چور لے گیا وہ کہتے ہیں کہ جب چور اس کو چرا کر لئے جا رہا تھا تو میں دیکھ رہا تھا کسی نے پوچھا کہ پھر آپ نے چور کو چھوڑ کیوں دیا؟ انہوں نے کہا کہ اس وقت میں جس شغل میں تھا وہ اس سے بہتر تھا۔ (یعنی نماز میں تھا) یہ سن کر لوگ چور کو بد عا دینے لگے تو انہوں نے کہا کہ ایسا نہ کہو میں نے اپنا گھوڑا چور کو بخش دیا اور اسے خیرات کر دیا۔

نقل ہے کہ کسی شخص نے ایک مظلوم شخص سے کہا کہ تو اپنے ستمگر کو بد عا دے۔ اس نے جواب دیا کہ ظالم نے مجھ پر ظلم کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے مجھ پر نہیں۔ اتنی ہی بلا اس پر کافی ہے میں کیوں اور زیادہ کروں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنے ظالم کو اس قدر بد دعا کر اور برا کہہ کہ اس کا بدلہ پورا ہو جائے کہ ظالم کا حق اس پر فاضل ہو تا ہے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ چور کیلئے غمگین ہو اور اس پر ترحم کرے کیونکہ اس سے ایک معصیت سرزد ہوئی کیونکہ اگر کسی شخص کا دل ایسے شخص پر جس نے معصیت کو حلال سمجھا ہو۔ ترس نہ کھائے تو وہ خلائق کی غم خواری اور دلسوزی سے گویا دست بردار ہو گیا۔ شیخ فضیلؒ نے اپنے فرزند علیؒ کو دیکھا کہ وہ رو رہے تھے چور ان کا مال چرا کر لے گیا تھا۔ شیخ فضیلؒ نے پوچھا کیا تم مال کے زیاں پر رو رہے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ اس چور بیچارے پر رو رہا ہوں جس نے ایسا برا کام کیا اور قیامت میں اس کا عذر پذیرا نہ ہو گا۔

چوتھا مقام : چوتھا مقام بیماری کے علاج اور مضرت کو دفع کرنے کا طریقہ ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ علاج تین طریقوں سے ہو تا ہے ایک علاج قطعی ہے۔ جیسے بھوک کا علاج کھانے سے اور پیاس کا علاج پانی پینے سے ہے۔ یا کہیں آگ لگی ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس پر تم پانی ڈالو۔ ایسی تدابیر سے دست بردار ہونا توکل کیلئے ضروری نہیں ہے۔ بلکہ حرام ہے۔ دوسرا علاج نہ قطعی ہے۔ نہ ظنی۔ لیکن اس میں تاثیر کا احتمال ہے جیسا کہ منتر، داغ اور فال سے دستبردار ہونا توکل کی شرط ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ منتر وغیرہ پر کاربند ہونا، اس باب میں بھرپور کوشش کرنا اور ان پر بھروسہ

کرنے کی علامت ہے۔ اور داغ ان میں قوی تر ہے اس کے بعد افسوں ہے اور فال جس کو طیرہ کہتے ہیں ان سب سے ضعیف تر ہے۔

تیسرا علاج ان دونوں (افراط و تفریط) میں متوسط ہے یعنی قطعی نہیں پر اس کے اثر کا ظن و گمان جیسے فصد لینا، سینگی لگوانا، جلاب لینا، گرمی کا علاج سردی سے اور سردی کا علاج گرمی سے کرنا۔ ایسی تدابیر سے باز آنا حرام تو نہیں لیکن توکل کی شرط بھی نہیں۔ بعض حالات میں اس کا کرنا نہ کرنے سے اولیٰ ہے اور بعض اوقات میں نہ کرنا اولیٰ ہوگا اور اس بات کی دلیل کہ اس کو ترک کرنا توکل کیلئے ضروری نہیں یہ ہے کہ حضور پر نور محمد مصطفیٰ ﷺ کا قول و فعل ہے۔ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ بندگان الٰہی! دوا کرو۔ اور فرمایا ہے کہ موت کے سوا کوئی ایسی بیماری نہیں جس کی دوا نہ ہو۔ لیکن احتمال یہ ہے کہ لوگ اس کو معلوم کریں نہ کریں۔ صحابہ اکرام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آیا دوا اور افسوں تقدیر کو بدل سکتے ہیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تدبیر بھی تقدیر الٰہی سے ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں فرشتوں کی جس جماعت سے بھی گزرا انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنی امت کو سینگی لگانے کا حکم کیجئے۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ مہینہ کی سترہویں، انیسویں اور اکیسویں کو سینگی لگواؤ۔ ایسا نہ ہو کہ خون کا غلبہ تمہاری ہلاکت کا سبب ہو۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے خون فرمان الٰہی سے ہلاکت کا سبب ہے اور خون بدن سے کم کرنے میں اور پیراہن سے اور گھر سے آگ دفع کرنے میں کوئی فرق نہیں (تینوں باتیں یکساں ہیں) کیونکہ یہ سب ہلاکت کے اسباب ہیں اور ان کو ترک کرنا توکل کی شرط نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آنے والے منگل کو جو کسی کو بھی مہینہ کی سترہویں تاریخ کو آئے سینگی لگوانا۔ ایک سال کی بیماری کو دور کرتا ہے یہ روایت حدیث منقطع میں آئی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو فصد کھلوانے کا حکم دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آشوب چشم لاحق ہوا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا خرمامت کھاؤ اور چقندر جو کے آش میں پکا کر کھاؤ۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کھجور کھاتے ہو۔ حالانکہ درد چشم میں مبتلا ہو انہوں نے (مزاحاً) عرض کیا کہ میں منہ کے دوسری جانب سے کھاتا ہوں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اس طرح کے دندان مقدس کی سفیدی نظر آنے لگی۔ حضور اکرم ﷺ کا معمول شریف تھا کہ آپ ہر شب سرمہ لگاتے تھے اور ہر مہینہ سینگی لگواتے اور ہر سال دوا کھاتے۔ جب آپ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کے سر میں درد پیدا ہو جاتا تھا تو آپ سر اقدس پر مہندی باندھتے تھے اور جب کسی عضو پر زخم لگتا تب بھی مہندی باندھتے اور لگاتے تھے اور اکثر زخم پر مٹی ڈال دیتے تھے۔

طب النبی (ﷺ) ایک کتاب ہے۔ جس کو علماء نے مرتب کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ایک بیماری لاحق ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ فلاں چیز اس کی دوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں دوا نہیں کھاؤں گا۔ حق تعالیٰ شفا بخشے گا۔ اس

بیماری نے طول کھینچا۔ تب بنی اسرائیل نے پھر کہا کہ وہ دوا مشہور اور مجرب ہے۔ اس کے کھاتے ہی آپ کو صحت ہو گی۔ آپ نے پھر کہا میں نہیں کھاؤں گا۔ خواہ بیماری باقی رہے۔ حق تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک تم دوا نہ کھاؤ گے میں صحت نہ بخشوں گا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے دوا کھائی اور آپ کی طبیعت ٹھیک ہوئی لیکن موسیٰ علیہ السلام غمگین ہوئے تب وحی نازل ہوئی کہ تم کیا توکل سے میری حکمت کو باطل کرنا چاہتے ہو۔ دوا کی تاثیر اور اس کا فائدہ میرے ہی حکم سے ہے۔

روایت ہے کہ زمانہ پیشین میں ایک نبی تھے انہوں نے خداوند تعالیٰ سے اپنے ضعف کی شکایت کی وحی نازل ہوئی کہ گوشت کھاؤ اور دودھ پیو۔ ایک امت نے اپنے نبی سے اپنے بچوں کی بد صورتی کا شکوہ کیا۔ ان رسول پر وحی نازل ہوئی کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ ان کی بیویاں زمانہ حمل میں گوشت کھایا کریں بچے خوبصورت پیدا ہوں گے۔ وہ عورتیں حمل میں بھی اور ایام نفاس (زچگی) میں تر خرمے کھانے لگیں۔ پس ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ دوا شفا کا سبب ہے۔ جس طرح کھانا اور پانی بھوک اور پیاس کو دور کرتے ہیں اور ان کی تاثیر مسبب الاسباب کی تدبیر سے ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ سے دریافت کیا کہ بیماری اور شفا کس سے ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مرض اور صحت دونوں میرے حکم سے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی پھر طبیب کی کیا حاجت ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا اطبا اس واسطے ہیں کہ علاج کے ذریعہ روزی کمائیں اور میرے بندوں کا (صحت سے) دل خوش کریں۔ پس توکل اس باب میں بھی علم اور احوال سے درست ہو گا۔ یعنی خداوند تعالیٰ پر جو موثر حقیقی ہے۔ بھروسہ کرے نہ دوا پر۔ کیونکہ بہت سے لوگوں نے دوا کھائی اور بیماری سے مر گئے۔

فصل: اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ بعض لوگوں کی عادت یہ ہے کہ مرض کے دفع کرنے کیلئے داغتے ہیں۔ لیکن اس عمل سے توکل باطل ہوتا ہے۔ بلکہ حضور اکرم ﷺ نے داغنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن منتر سے منع نہیں فرمایا کیونکہ آگ سے جلانے کا زخم خطرناک ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ جلد سے اندر سرایت کر جائے اس کا حل فصد اور سینگی کی طرح نہیں ہے۔ اور یوں داغ کا فائدہ بھی کچھ ظاہر نہیں ہے جس طرح سینگی لگوانے کا فائدہ سو داغ کے عوض اور کوئی عمل نہیں ہے جو اس کا قائم مقام بن سکے۔

منقول ہے کہ عمران بن الحصین کو ایک بیماری لاحق ہوئی لوگوں نے کہا کہ ہم داغ دیں گے لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ جب بہت مجبور ہو گئے تو چاروناچار قبول کر لیا۔ پھر کہا کہ اب سے پہلے میں ایک نور دیکھتا تھا اور ایک آواز سنتا تھا۔ ملائکہ مجھ پر سلام بھیجتے تھے جب سے میں نے داغ لگوایا ہے یہ تمام باتیں جاتی رہیں۔ پھر جب انہوں نے اس تقصیر سے توبہ کی تب انہوں نے مطرب بن عبداللہ سے کہا کہ بہت دنوں کے بعد مجھ کو خدا نے پھر وہی بزرگی دی ہے۔

بعض احوال میں دوانہ کھانا اولیٰ ہے اور حضور اکرم ﷺ کے عمل سے مخالف نہیں ہے

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ بہت سے بزرگان دین نے اپنی بیماری میں دوا نہیں کھائی ہے۔ ممکن ہے کہ اس موقع پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر علاج میں خوبی نہ ہوتی تو حضور اکرم ﷺ بھی دوانہ کھاتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ اعتراض اس وقت رفع ہوگا کہ جب تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ دوانہ کھانے کے بعض سبب ہوتے ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ وہ شخص کشف سے یہ سمجھا ہو کہ اس کی موت کا وقت آگیا ہے۔

چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے تو احباب نے آپ سے کہا کہ طبیب کو بلوا لیجئے تو مناسب ہوگا۔ آپ نے جواب دیا کہ طبیب نے مجھے دیکھا ہے اور اس نے کہا ہے۔ اِنِّی اَفْعَلُ مَا اُرِیْدُ (جو میرا ارادہ ہے وہ میں کروں گا)۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ بیمار خوف آخرت کے خیال میں رہے اور علاج کا ارادہ نہ کرے۔ چنانچہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ بیماری میں روتے کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اپنے گناہوں کے غم سے روتا ہوں۔ لوگوں نے پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی رحمت چاہتا ہوں لوگوں نے پھر کہا کہ آپ فرمائیں تو ہم طبیب کو لے آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں درد تھا۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اس کا علاج کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے لئے اس سے بڑا اور کوئی شغل نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جا رہے تھے تاکہ اس کی گردن مار دی جائے۔ کسی شخص نے اس مجرم سے پوچھا کیا تم روٹی نہیں کھاؤ گے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس حال میں مجھے بھوک کی پرواہ نہیں ہے۔ ایسا کہنا اس شخص کے حق میں روٹی کھانا ہے طعن نہیں ہے۔ اور نہ اس کی مخالفت ہے۔ ایسا استغراق رکھنے والا، سہل رضی اللہ عنہ کی طرح ہے کہ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ قوت کہاں ہے تو انہوں نے فرمایا کہ حی و قیوم کا ذکر۔ پھر دریافت کیا کہ ہم ایسی چیز کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جو دین و دنیا میں کام آئے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ علم ہے۔ پھر پوچھا کہ غذا کیا ہے؟ تو فرمایا کہ ذکر الٰہی غذا ہے! پھر پوچھا کہ جسم کیلئے غذا کون سی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اے عزیز! جسم سے دست بردار ہو اور اس کو خالق کو حوالہ کر دے۔

تیسرا سبب یہ کہ وہ بیماری دیر میں جانیوالی ہو اور بیمار کے خیال میں اس کی دوا افسوں ہو جس کی منفعت نادر ہے اور جو شخص علم طب سے ناواقف ہے وہ اکثر دواؤں کو اسی طرح سمجھے گا۔ شیخ ربیع ابن خیثم نے کہا ہے کہ میں نے اپنی بیماری کے علاج کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر میں نے یہ خیال کیا کہ عاد و ثمود کی قوم ختم ہو گئی باوجود یہ کہ ان قوموں میں بہت سے حاذق اطبا

موجود تھے۔ اور طب نے ان کو نفع نہیں پہنچایا۔

بظاہر اس قول سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شیخ ربیع طب کو اسباب ظاہر سے نہیں سمجھتے تھے۔

چوتھا سبب یہ کہ بیماری نہیں چاہتا کہ اس کی بیماری دور ہو تاکہ بیماری کا ثواب اس کو حاصل رہے اور وہ صبر کرنے میں اپنا امتحان کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بیماری میں آزماتا ہے جس طرح کوئی شخص سونے کو آگ میں تپائے (تاکہ کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے) کوئی بندہ اس امتحان میں کامل نکلتا ہے اور کوئی ناقص۔ شیخ سہل تستریؒ دوسروں کو دوا کھانے کا حکم دیتے اور خود دوا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے کہ بیماری میں راضی برضا رہ کر بیٹھ کر نماز پڑھنا تندرستی کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

پانچواں سبب یہ کہ بہت سے گناہ اس شخص کی گردن پر ہوں اور بیمار چاہتا ہے کہ وہ بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بخار بندہ سے اس وقت تک جدا نہیں ہوتا جب تک اس کو گناہ سے پاک نہ کر دے یہاں تک کہ کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص عسرت، علالت اور مال کی آفت پر گناہوں کا کفارہ ہونے کی نیت سے خوش نہ ہو وہ عالم نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بیمار کو دیکھ کر خداوند بزرگ و برتر کے حضور میں عرض کیا یاالٰہی! اس پر رحمت فرما۔

باری تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہوا کہ اور دوسری رحمت کون سی ہوگی کہ میں اس بیماری سے اس پر رحم ہی کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی اس بیماری اور اس مرض کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنانا چاہتا ہوں اور پھر اس کے درجہ کو بلند کروں گا۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ صحت کو انسان اپنی غفلت، سستی اور سرکشی کا سبب جانتا ہو۔ اس لئے چاہتا ہے کہ اس کی بیماری باقی رہے (اور صحت یاب نہ ہو) کہ دل پھر غفلت کا شکار نہ ہو۔

خداوند تعالیٰ جس کی بہتری چاہتا ہے اس کو ہمیشہ بلا اور بیماری کے ذریعہ تنبیہ کرتا ہے اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے کہ دین ان تین باتوں سے کبھی خالی نہیں ہوگا "مفلسی، بیماری اور ذلت و خواری"۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیماری میری قید اور درویشی میرا قید خفنہ ہے۔ جس کو میں دوست رکھتا ہوں اس کو قید اور قید خانہ میں داخل کرتا ہوں۔ پس جب صحت کے عالم میں لوگ معصیت میں گرفتار ہوتے ہیں تو بیماری ان کے حق میں عافیت کا باعث ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کے بہت سے افراد کو آراستہ اور زیب و زینت سے مزین دیکھ کر فرمایا کہ یہ سب کیا ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ آج ہماری عید ہے۔ آپ نے فرمایا ہماری عید اس دن ہوتی ہے جس دن ہم کوئی گناہ نہ کریں۔

ایک بزرگ نے کسی شخص سے اس کی خیریت دریافت کی۔ اس نے جواب میں کہا کہ جی ہاں! خیریت ہے؟ ان بزرگ نے فرمایا عافیت اور خیریت اس دن ہوگی جس روز تم کوئی گناہ نہیں کریں گے اور اگر تم سے گناہ سرزد ہوگا تو اس

سے سخت تر کوئی بیماری نہیں ہو گی۔ بزرگ نے فرمایا کہ فرعون علیہ اللعنۃ کی عمر چار سو برس کی تھی اس مدت میں نہ اس کو کبھی دردسر لاحق ہوا اور نہ کبھی بخار آیا۔ چنانچہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اگر وہ ایک ساعت کیلئے بھی دردسر میں مبتلا ہو جاتا تو اس سے یہ قصور اور بے ادبی سرزد نہ ہوتی۔

بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب بندہ ایک دن کیلئے بیمار ہوتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو ملک الموت کہتے ہیں کہ میں نے کئی مرتبہ قاصدوں کو بھیجا لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ بندہ مومن کو چالیس دن میں ان چار آفتوں سے خالی نہیں ہونا چاہئے (کوئی نہ کوئی آفت سے دوچار رہنا چاہئے) اور وہ یہ ہیں رنج، بیماری، ڈر اور نقصان"۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک خاتون سے نکاح کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ کرام نے اس خاتون کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوئی ہے (ایسی اچھی صحت ہے) حضور پر نور ﷺ نے فرمایا تب تو وہ میرے لئے مناسب نہیں ہے۔ ایک دن حضور ﷺ دردسر کی فضیلت بیان فرمارہے تھے تو ایک اعرابی نے کہا کہ میں تو آج تک کسی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا ہوں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کہ مجھ سے دور رہو پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص دوزخی شخص کو دیکھنا چاہے تو اس کو دیکھ لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ شہادت کا درجہ کس کو حاصل ہے آپ نے فرمایا جو شخص ایک دن میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے گا اس کو یہ درجہ ملے گا اور شک نہیں کہ بیمار موت کو ہر آن یاد کرتا ہے۔ پس بعض حضرات ان وجوہ کی بناء پر بیماری میں علاج کے طلب گار نہیں ہوئے اور حضرت رسالتمآب ﷺ کو ان اسباب کی احتیاج نہیں تھی آپ اس لئے علاج کیا کرتے تھے۔

الحاصل اسباب ظاہری سے حذر کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام کے سفر پر تشریف لے جانا چاہتے تھے کہ آپ کو خبر پہنچی کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے ایک جماعت نے کہا کہ ہم کو نہیں جانا چاہئے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ قضاوقدر سے حذر کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم خداوند تعالیٰ کی تقدیر سے اس کی تقدیر ہی کی طرف بھاگیں گے۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی شخص کے پاس دو چراگاہیں ہوں ایک خشک اور ایک سرسبز اور وہ شخص ان دو وادیوں میں سے جس وادی میں بھی اپنے ریوڑ کو لے جائے وہ تقدیر الٰہی سے ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ اس معاملہ کو ان سے حل کرایا جائے (ان کی رائے دریافت کی جائے) انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جب تم سنو کہ فلاں جگہ وبا ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب تم ایسی جگہ ہو جہاں وبا پھیل جائے تو وہاں سے مت بھاگو۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الحمد للہ میری رائے حدیث شریف کے موافق نکلی۔ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس بات پر اتفاق کیا۔ باہر نکلنے سے جو منع کیا گیا ہے اس کی مصلحت یہ ہے کہ اگر تندرست لوگ (ایسے مقام سے) چلے جائیں تو بیمار ہلاک ہو جائیں (ان کی تیمارداری کون کرے گا) اور بیماروں کو ساتھ لے کر نکلنا بھی ممکن نہیں ہے جبکہ وبا باطن میں

سرایت کر چکی تو باہر نکلنا بے فائدہ ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ وہاں سے بھاگنا ایسا ہے جیسے کوئی کافر کی جنگ سے بھاگ گیا۔ اس تمثیل کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح کافروں کی جنگ سے بھاگ جانے سے دوسری سپاہ کا دل ٹوٹتا ہے اسی طرح وبا میں تندرستوں کے چلے جانے سے بیماروں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ (وہ دل شکستہ ہو جائیں گے) اور پھر کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو ان کو کھانا دے پس وہ بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے اور بھاگنے والے کا بچنا مشکوک ہے۔

فصل: اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ بیماری کا چھپانا شرط توکل ہے۔ بلکہ گلہ، شکوہ اور اظہار مکروہ ہے مگر یہ کہ کوئی عذر ہو مثلاً طبیب سے حال کہتا ہے یا چاہتا ہے کہ اپنی مجبوری یا عجز کا اظہار کرے مگر اس میں رعونت اور چالاکی کو اپنے نفس سے خارج کر دے۔

منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علیل تھے لوگوں نے آپ سے حال دریافت کیا کہ آپ اچھے اور خیریت ہیں آپ نے فرمایا نہیں۔ آپ کے اس جواب پر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور متعجب ہوئے۔ تب حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ میں خداوند تعالیٰ کو اپنی شجاعت اور جوانمردی جتلاؤں' ایسا فرمانا آپ ہی کو زیبا تھا کہ باوجود قوت و مردانگی کے اپنے عجز کا اظہار فرماتے تھے اسی واسطے آپ نے دعا مانگی کہ الٰہی مجھے صبر عطا فرما۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے خدا سے عافیت طلب کرو۔ بلا مت مانگو، پس اگر کوئی شخص بغیر ضرورت شکایت کے طور پر اپنی بیماری کو ظاہر کرے گا۔ تو یہ حرام ہے۔ اگر اظہار بغیر شکایت کے ہو تو روا ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ بالکل اظہار نہ کرے کہ شاید اس میں کوئی زیادہ بات زبان سے نکل جائے اور سننے والا یہ گمان کرے کہ یہ شکوہ (خداوندی) کر رہا ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بیمار اگر گریہ و زاری کرے تو اس کو معصیت میں لکھا جاتا ہے کیونکہ اس میں اپنے مرض کو ظاہر کرنا ہے۔ ابلیس لعین نے حضرت ایوب علیہ السلام سے نالہ و فریاد کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔

حضرت فضیلؒ بن عیاض، شیخ بشرؒ حافی اور وہب ابن الوردؒ جو بزرگان دین میں سے تھے جب بیمار ہوتے تو گھر کا دروازہ بند کر دیتے تھے تاکہ کسی کو (ان کی بیماری کی) خبر نہ ہو اور وہ فرماتے کہ ہم اس طرح بیمار رہنا چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری عیادت نہ کرے۔

اصل نہم

محبت الٰہی اور شوق ورضا

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی محبت تمام مقامات سے عالی اور بلند وبالا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تمام مقامات کے حاصل کرنے سے مقصود یہی محبت ہے۔ چاروں مہلکات سے غرض یہی ہے کہ سالک کے دل کو ایسی چیزوں سے بچایا جائے جو محبت الٰہی سے محروم رکھتے ہیں اور جملہ منجیات جو اس سے قبل مذکور ہو چکے ہیں۔ اسی محبت کے مقدمات میں مثلاً توبہ، صبر و شکر، زہد اور خوف وغیرہ۔ وہ دوسرے مقامات جو ان کے بعد ہیں وہ انہی کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں جیسے شوق اور رضا وغیرہ بندہ کا کمال اس بات میں ہے کہ خداوند تعالیٰ کی محبت اس کے دل پر ایسی غالب ہو کہ اس میں مستغرق ہو جائے اور اگر اتنا کمال حاصل نہ کر سکے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ دوسری چیزوں کی محبت پر محبت الٰہی کا غلبہ حاصل رہے۔

محبت کی حقیقت : محبت کی حقیقت کا جاننا چنداں دشوار نہیں ہے کہ متکلمین کے اس قول کو قبول کر لیا جائے کہ جو ذات ہماری جنس سے نہیں ہے اس سے محبت کیونکر ہو سکتی ہے۔ محبت الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اس کا حکم بجالائے۔ پس جس گروہ کا یہ تصور ہو وہ دین کی اصل سے بالکل بے خبر ہے۔ اس لئے محبت الٰہی کا مطلب یہاں بیان کرنا ضروری ہے لہٰذا ہم پہلے محبت الٰہی کو ثابت کرنے والے شرعی دلائل کو پیش کرتے ہیں اس کے بعد اس کی حقیقت اور اس کے احکام بیان کریں گے۔

محبت الٰہی کی فضیلت

معلوم ہونا چاہئے کہ تمام علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ خداوند تعالیٰ سے محبت کرنا فرض ہے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ یحبھم و یحبونہ اور سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک بندہ خدا اور رسول کو ہر چیز سے زیادہ دوست اور عزیز نہیں رکھے گا اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ حضور سرور کونین ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ بندہ اللہ اور اس کے رسول کو ماسویٰ اللہ سے زیادہ دوست رکھے۔ حضرت رسالتمآب ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک بندہ خدا اور رسول کو اپنے مال، اہل و عیال اور تمامی خلائق سے زیادہ دوست نہ رکھے اس وقت تک وہ مومن نہ ہوگا۔ حق تعالیٰ نے ازروئے تنبیہ فرمایا ہے: قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآئُوکُمْ وَاَبْنَآئُوکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَ مَسٰکِنُ

تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِي سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط

ایک شخص نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر درویشی کیلئے تیار رہ، اس نے پھر کہا کہ میں خدا کو دوست رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ آفت وبلا کیلئے تیار رہ، ایک اور حدیث میں ایک آیا ہے کہ جب ملک الموت نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی روح قبض کرنا چاہی تو آپ نے ملک الموت سے کہا کہ کبھی تم نے یہ دیکھا ہے کہ دوست دوست کی جان لے لے۔ تب آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم کبھی تم نے دیکھا ہے کہ کوئی دوست اپنے دوست کے دیدار سے بیزار ہو۔ تب آپ نے ملک الموت سے کہا کہ میں اجازت دیتا ہوں تم میری روح قبض کرلو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم ارزقنی حبک و حب من احبک وحب مایقوبنی الی حبک واجعل حبک احب الی من الماء البارد

الٰہی مجھے اپنی محبت اور اپنے دوستوں کی دوستی اور محبت اور اس چیز کی محبت جو تیری محبت کا سبب ہو روزی فرما۔ اور ایسا ہو کہ تیری محبت مجھے ٹھنڈے پانی سے زیادہ عزیز ہو۔

منقول ہے کہ ایک اعرابی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا یارسول اللہ قیامت کب آئے گی آپ نے فرمایا کہ تو نے اس دن کیلئے کیا تیار کی ہے۔ اس نے کہا یارسول اللہ نماز اور روزہ میرے پاس کم ہے (بہت نہیں ہے) البتہ خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول کو میں دوست رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کل قیامت کے دن ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس کو وہ دوست رکھتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے حق تعالیٰ کی محبت کا شربت چکھا ہے، وہ دنیا سے بیزار اور خلق سے متنفر ہوگا اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے کہا ہے جو شخص خدا کو پہچانے اس کو دوست رکھے اور جس پر دنیا کی حقیقت آشکارا ہو جائے تو وہ دنیا سے بیزار رہے گا اور بندہ مومن جب تک دنیا سے غافل نہ ہوگا اور جب فکر کرے گا غمگین ہوگا۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو بہت لاغر اور کمزور تھے آپ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم پر کیا آفت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم عذاب آخرت کے خوف سے گھل گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو عذاب آخرت سے نجات دے۔ انہوں نے ایک اور جماعت کو دیکھا تو بہت زیادہ لاغر اور کمزور تھے آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو تمہاری مراد پر پہنچادے گا۔ یہاں سے جب آگے بڑھے تو ایک اور جماعت کو دیکھا کہ جو پہلے لوگوں سے بھی زیادہ کمزور اور نحیف تھے اور ان کے چہرے آئینہ کی طرح دمکتے تھے آپ نے ان سے بھی وہی سوال کیا انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے عشق نے ہم کو اس طرح گھلادیا ہے۔ یہ سن کر آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم مقربین بارگاہ الٰہی ہو مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہاری صحبت میں رہا کروں۔

شیخ طریقت سری سقطیؒ نے فرمایا ہے کہ کل (قیامت میں) ہر ایک امت کو اس کے نبی کے ساتھ پکارا جائے گا۔ جیسے اے امت موسیٰ، اے امت عیسیٰ، اے امت محمد (علیہم السلام) مگر جو لوگ خداوند تعالیٰ کے دوست ہیں ان کو یوں پکارا جائے گا۔ اے دوستان خدا تم خدا کے پاس آؤ یہ سن کر ان کا دل خوشی اور مسرت سے معمور ہو جائے گا۔ صحف سماوی میں سے کسی صحیفہ میں مذکور ہے کہ :-

اے بندہ : میں تجھے دوست رکھتا ہوں تیرے اس حق
کی بناء پر جو تیرا مجھ پر ہے یعنی تو مجھے دوست رکھتا تھا

محبت الٰہی کی حقیقت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی دوستی اور محبت کا سمجھنا ایسا مشکل ہے کہ بعض لوگوں نے اس بات کا صاف انکار کر دیا اور کہا کہ خدا کے ساتھ دوستی رکھنا محال ہے پس اس نکتہ کی شرح کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ وہ ہر ایک کے فہم میں نہیں آسکتی باوجود اس کے مثالوں کے ذریعہ ہم اس کو ایسا واضح کر دیں گے کہ جو کوئی اس پر غور کرے تو یقیناً اس کو یقین آجائے گا۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ دوستی کیا چیز ہے؟ معلوم ہونا چاہئے کہ دوستی عبارت ہے طبیعت کی اس رغبت سے جو ایک خوش آئندہ شے کی طرف ہو۔ اگر یہ رغبت بہت قوی ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔ دشمنی نام ہے طبیعت کی نفرت کا جو ناپسند چیز سے ہو۔ جب کسی چیز میں خوبی یا برائی نہ ہو۔ وہاں دوستی یا دشمنی نہیں پائی جاتی۔

اب ہم خوبی اور عمدگی کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ مطلقاً اشیاء طبیعت انسانی کے باب میں تین قسم کی ہیں ایک قسم وہ ہے کہ کوئی چیز موافق طبع ہو اور طبیعت خود اس کی خواہش کرے پس اس موافق طبع شے کو خوش آئند (پسندیدہ) کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ شے ناموافق طبع اور خواہش دل کے بر خلاف ہو اس کو ناپسند کہتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو نہ موافق طبع ہو اور نہ مخالف طبع پس نہ وہ پسندیدہ ہے اور نہ ناپسندیدہ اب یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ جب تک کسی چیز سے آگاہی نہ ہو کوئی چیز بھلی یا بری نظر نہیں آئے گی۔

چیزوں کی معرفت ہم کو حواس اور عقل کے توسط سے حاصل ہوتی ہے۔ حواس پانچ ہیں۔ ہر ایک کی لذت مقرر ہے کہ اس لذت کے سبب سے انسان اس شے کو پسند کرتا ہے یعنی طبیعت اس طرف راغب ہوتی ہے۔ مثلاً قوت باصرہ کی لذت اچھی صورتوں کے دیکھنے، سبزے یا بہتے پانی کے دیکھنے میں ہے پس آنکھ ایسی چیز کو دیکھنا پسند کرتی ہے۔ سماعت کی لذت اچھی آوازوں کے سننے میں ہے۔ قوت شامہ کی لذت خوشبوؤں سے ہے اور حس ذائقہ کی لذت، لذیذ کھانوں میں ہے۔ حس لامسہ کی لذت نرم و نازک چیزوں کے چھونے میں ہے۔ یہ تمام چیزیں محبوب ہیں۔ یعنی طبیعت ان کی طرف مائل رہتی ہے۔

یہ تمام حواس جانوروں کو بھی حاصل ہیں اور وہ بھی لذت حاصل کرتے ہیں معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کے دل

میں ایک چھٹی حس ہے جس کو عقل کہتے ہیں (اکنوں بداں کہ حسابۂ ششم ہست در دل آدمی کہ آنرا عقل گویند و نور گویند و بصیرت گویند۔ کیمیائے سعادت مطبوعہ ایران صہ ۸۳۱) اسے بصیرت اور نور بھی کہتے ہیں۔ اس کیلئے جو لفظ چاہو استعمال کرو انسان اور حیوان میں فرق اسی کا ہے (حیوان اس سے محروم رہے) اس عقل کے بھی مدرکات ہوتے ہیں جو اس کو پسند آئیں بالکل اسی طرح جیسے حواس خمسہ کو دوسری لذیتیں محبوب ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں، عورتیں خوشبو اور میری آنکھ کی روشنی نماز۔ یہاں آپ نے نماز کا درجہ بڑھا دیا ہے۔ پس جو شخص جانور کی طرح ہو اور دل سے بے خبر رہے اور حواس خمسہ کی لذتوں کے سوا کچھ اور نہ جانے ہرگز اس بات پر یقین نہیں کرے گا۔ کہ نماز میں ایک حلاوت ہے اور وہ جانوروں کی صف سے نکل آیا ہوا پنے باطن کی آنکھ سے جمال الٰہی اور اس کی صنعت کے عجائب اور صفات باری کے جلال و کمال کا مشاہدہ اس کو بہت زیادہ پسند ہوگا۔ بمقابلہ اس کے کہ اس کی ظاہری آنکھ خوبصورت چہروں سبزہ اور آب رواں کا مشاہدہ کرے۔ جب الوہیت کا جمال اس کو نظر آنے لگے گا تو دنیا کی خوبصورت اور اچھی چیزیں اس کی نظر میں بے قدر ہو جائیں گے۔

دوستی کے اسباب

وہ اسباب جن سے معلوم ہو کہ خدا کے سوا کوئی اور محبت کے لائق نہیں ہے

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ دوستی اور محبت کے یہ پانچ اسباب ہوتے ہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی اور اپنی خوبی کو دوست رکھتا ہے اپنی بربادی اور ہلاکت پر راضی نہیں ہے خواہ اس کا نہ ہونا رنج والم کے بغیر ہو۔ جب طبیعت ایک چیز کے ساتھ موافق ہے تو وہ ضرور اس کو دوست رکھے گا اور ظاہر ہے اس کی حیات اور زندگی دوام اور کمال صفات سے زیادہ کوئی اور چیز موافق طبع نہ ہوگی (جو ذات خداوندی کے سوا کسی اور میں موجود نہیں) اور اپنی موت اور اپنے صفات کمال کی نیستی اور عدم سے زیادہ دوسری کوئی شے اس کی طبع کے مخالف نہ ہوگی۔ اسی بناء پر آدمی اپنے بچہ کو بھی عزیز اور دوست رکھتا ہے کہ وہ اس کی زندگی کو اپنی زندگی سمجھتا ہے اور چونکہ وہ اپنے بقائے دائمی پر قدرت نہیں رکھتا اس لئے اپنے بچہ کو جو ایک جہت سے اس کی ہستی سے مشابہت رکھتا ہے اس طرح حقیقت میں وہ اپنے آپ ہی کو دوست رکھتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے مال کو بھی دوست رکھتا ہے کہ مال اس کی زندگی کی آسائش و تزئین میں کام آتا ہے وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی دوست رکھتا ہے کہ وہ اس کیلئے بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور ان کے باعث وہ مطمئن رہتا ہے (کہ وقت پر کام آئیں گے)۔

دوسرا سبب: دوسرا سبب بھلائی ہے کہ جو شخص کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو وہ شخص بھی (جس کے ساتھ نیکی کی گئی ہے) اس کو دل سے چاہتا ہے۔ اسی بناء پر کہا گیا ہے الانسان عبدالاحسان یعنی انسان احسان کا بندہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ بارگاہ الٰہی میں مناجات فرماتے تھے کہ یاالٰہی کسی فاجر اور گناہ گار کو یہ قدرت نہ دے کہ وہ مجھ پر احسان کرے کہ اس وقت میرا دل بھی اس کو دوست رکھے گا۔

یعنی یہ بات مقتضائے طبع ہے بہ تکلف نہیں ہے (کہ بندہ اپنے محسن کو دوست رکھتا ہے) اور اس کی حقیقت بھی بالکل وہی ہے کہ خود کو اس نے دوست رکھا۔ کیونکہ احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایسا کام کرے جو اس کی زندگی کا سبب اور خوبی کا موجب ہو۔ اسی طرح انسان صحت و تندرستی کو دوست رکھتا ہے۔ جس کا کوئی سبب نہیں ہے۔ لیکن تندرستی کے باعث وہ طبیب کو دوست رکھتا ہے گویا اس طرح وہ بغیر کسی سبب کے خود کو دوست رکھتا ہے اور جس شخص نے اس کے ساتھ احسان کیا ہے اس کو بھی دوست رکھتا ہے۔ محض اس کے احسان کے سبب سے۔

تیسرا سبب: تیسرا سبب یہ ہے کہ وہ نیک شخص کو دوست رکھتا ہے اگرچہ اس نے اس کے ساتھ احسان نہیں کیا ہے۔ مثلاً وہ سنتا ہے کہ ملک مغرب میں ایک سلطان بڑا عادل و عاقل ہے اور رعیت اس کی ذات سے آرام میں ہے تو بغیر سبب کے دل اس کی طرف مائل ہوگا۔ اگرچہ اس کو اس بات کا یقین ہے کہ خود وہ اس ملک میں کبھی نہ جائے گا اور اس کے احسان سے بہرہ مند نہیں ہوگا۔

چوتھا سبب: چوتھا سبب یہ کہ کسی خوبصورت و خوبرو کو دوست رکھے۔ اس لئے نہیں کہ اس سے کچھ حاصل کرے بلکہ صرف اس کے حسن و جمال کے باعث کہ جمال خود بہ نفسہ محبوب اور پیارا ہوتا ہے اور جائز ہے کہ کوئی شخص کسی کی اچھی صورت کو دوست رکھے بشر طیکہ اس میں شہوت اور غرض کا شائبہ نہ ہو بالکل اسی طرح جیسے سبزہ و آب رواں کو پسند کرتا ہے نہ اس لئے کہ اس کو کھائے یا پیئے لیکن آنکھوں کو اس کے دیدار سے ایک لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حسن و جمال بھی پیارا ہوتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کا جمال نظر آسکتا تو عقل میں آتا کہ اس کو دوست رکھا جائے۔ جمال کے معنی ہم آئندہ اسی بحث میں بیان کریں گے۔

پانچواں سبب: دوستی کا پانچواں سبب وہ مناسبت ہے جو طبائع میں بہم پائی جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ایک کی طبیعت دوسرے کے ساتھ موافق ہوتی ہے اور وہ اس کو دوست رکھتا ہے حالانکہ کچھ خوبی اس میں موجود نہیں ہوتی۔ یہ مناسبت کبھی ظاہر و آشکارا ہوتی ہے جیسے ایک کم سن لڑکے کو لڑکے سے اور ایک بازاری شخص کو دوسری بازاری شخص سے اور ایک عالم کو دوسرے عالم سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک اپنے ہم جنس سے محبت کرتا ہے کبھی یہی مناسبت مخفی اور

پوشیدہ ہوتی ہے۔ اصل خلقت اور ان فطری اسباب میں جو تولد کے وقت غالب ہوتے ہیں اس مقام میں ایک ایسی مناسبت ہے جس کو کوئی انسان نہیں جانتا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس امر کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد کیا ہے۔الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ائتلف وماتناکر منھا اختلف

پس جب اصل خلقت میں دوستی اور آشنائی واقع ہوئی ہو تو یقیناوہ ایک دوسرے سے الفت و محبت رکھیں گے اس آشنائی سے مراد یہی مناسبت ہے جس کا مذکور ہوا۔اس کی اور تفصیل نہیں ہو سکتی۔

حقیقت حسن وخوبی

حسن وجمال کے بارے میں مختلف خیالات : معلوم ہونا چاہئے کہ جو کوئی ظاہری بصارت اور جانوروں کی سیرت رکھتا ہے اور بصیرت سے بے بہرہ ہے وہ کہے گا کہ چہرہ کی سرخی اور سفیدی، اعضاء کے تناسب کے سوا اور کسی چیز میں حسن کا ہونا مہمل بات ہے حسن و جمال شکل اور رنگ پر موقوف ہے۔ جس چیز میں یہ دو باتیں نہ ہوں اس کو حسن سے کوئی تعلق نہیں، ایسا کہنا خطا اور غلطی ہے۔ کیونکہ ذی فہم حضرات روزمرہ کی گفتگو میں کہتے ہیں کہ یہ خط اچھا ہے۔ یہ آواز اچھی ہے، یہ گھوڑا اچھا ہے، گھر اچھا ہے باغ اچھا ہے وغیرہ۔ پس خوبی اور عمدگی کے معنی ہر ایک شئی میں اس سے ہیں اس کا وہ کمال ہے جو اس چیز کے لائق ہو اور اس شئی کے اعتبار سے اس میں کسی بات کی کمی نہ ہو۔ ہر ایک شئی کا کمال جدا جدا ہوتا ہے مثلاً خط کا کمال یہ ہے کہ حروف میں باہمی تناسب اس کی کرسی اور جوڑ درست ہوں۔ دائروں کی گردش ٹھیک ہو۔ اچھے خط اور اچھے گھر کے دیکھنے سے انسان کو ایک خط حاصل ہوتا ہے۔ پس حسن صرف چہرہ سے مخصوص نہیں ہے اور یہ تمام چیزیں ظاہری آنکھ سے نظر آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس بات کا اقرار کرکے کہے کہ یہ درست ہے لیکن جو چیز چشم ظاہر سے دیکھی نہیں جاسکتی اس کا حسن عقل میں کیونکر آسکتا ہے۔ ایسا کہنا بھی نادانی کی علامت ہے کیونکہ ہم ہر وقت کہتے اور بولتے ہیں کہ فلاں شخص اچھا ہے وہ اچھے اخلاق کا مالک ہے اور اچھی مروت والا ہے، ہم کہتے ہیں جو علم زہد کے ساتھ ہو وہ بہت اچھا ہے اور شجاعت سخاوت کے ساتھ بہت خوب ہے۔ بے طمعی اور قناعت سب سے خوب چیز ہے ایسی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں اور ان تمام صفات (خوب) کو ہم چشم ظاہر سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ بصیرت عقل سے معلوم کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب "ریاضۃ النفس" میں لکھا ہے کہ صورتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک صورت ظاہری اور ایک صورت باطنی۔ نیک اخلاق باطن کی صورت ہے اور دل کو پسند ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک شخص حضرت ادریس شافعی رضی اللہ عنہٗ کو دوست رکھتا ہے اور ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کو دوست رکھتا ہے یہ بات محال نہیں ہے اور محال ہو بھی کس طرح کہ کوئی شخص ایسا ہے کہ اس محبت میں اپنی جان اور مال خرچ کرتا ہے یہ دوستی شکل و صورت کے اعتبار سے تو نہیں ہے کیونکہ اس شخص نے ان بزرگوں کو نہیں دیکھا ہے اور ان کی ظاہری صورت خاک میں

چھپ چکی ہے بلکہ اس شخص میں ان کی یہ دوستی ان کے باطنی کمالات کے باعث ہے جس سے مراد ان حضرات کا علم، زہد و تقویٰ اور دینی انتظام ہے۔ پیغمبروں (علیہم السلام) کو بھی اسی سبب سے لوگ دوست رکھتے ہیں۔

جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ سے محبت کرتا ہے وہ ان کو اسی صورت کے ساتھ جو ان کی تھی چاہتا ہے۔ صدق اور علم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کی ذات کی صفت ہے اور یہ صفت وہ ہے جس کو جزو لاتجزی (ایسا جزو جس کا کوئی جزو مزید نہ ہو سکے) کہتے ہیں۔ نہ اس کو شکل کہا جاتا ہے نہ رنگ۔ جزو تجزیٰ فلاسفہ اور حکما کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کی جو کچھ بھی کیفیت ہو بہر حال وہ شکل اور رنگ نہیں ہے اور مخلوق کو وہی صفت محبوب ہے نہ کہ آپ کا ظاہری جسم (گوشت و پوست) پس جو عقل سے بہرہ ور ہے وہ باطن کے جمال کا انکار نہیں کر سکتا اور وہ جمال ظاہری سے زیادہ اس کو دوست رکھے گا۔ کیونکہ ایک شخص اس صورت کو جو دیوار پر نقش کی گئی ہے۔ دوست رکھتا ہے اور ایک شخص حضور ﷺ کو دوست رکھتا ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے بلکہ جب چاہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی لڑکے کو محبوب اور دوست رکھے تو اس لڑکے کے ابرو، مژگان اور چشم کی تعریف اس کے روبرو نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کی سخاوت، علم اور لیاقت کی تعریف کرتے ہیں (صفات کا بیان کرتے ہیں) اور جب یہ منظور ہوتا ہے کہ اس لڑکے کو ناپسند کیا جائے تو اس کی بدباطنی اور بداطواری کی صفات بیان کرتے ہیں اس کی صورت کی برائی بیان نہیں کرتے۔

اسی واسطے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں (پسندیدہ اوصاف کے باعث) اور ابو جہل سے عداوت۔ اس تقریر سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ حسن و جمال دو قسم کے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، باطنی صورت کا جمال، ظاہری صورت کے جمال سے ایسے شخص کے نزدیک زیادہ محبوب ہو گا جو کچھ بھی عقل رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی محبت کے لائق نہیں

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ فی الحقیقت دوستی اور محبت کے لائق حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں ہے جو کوئی حق تعالیٰ کے سوا دوسرے کو دوست رکھے گا۔ اس نے حق تعالیٰ کو نہیں پہچانا ہاں اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو اس بنا پر دوست رکھا کہ اس کو خداوند تعالیٰ کے ساتھ ایک علاقہ ہے جیسے رسول اکرم ﷺ کی محبت، خداوند تعالیٰ کی محبت ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی کو دل سے چاہے گا تو وہ اس کے محبوب اور رسول کو دوست رکھے گا۔ اس صورت میں علماء اور اہل تقویٰ کی محبت بھی خدا کی محبت ہو گی۔ جب انسان دوستی کے ان اسباب پر غور کرے تو اس کو یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی۔

دوستی کے اسباب : دوستی اور محبت کا پہلا سبب یہ ہے کہ انسان خود کو اور اپنے کمال کو دوست رکھتا ہے تو اس دوستی کو لازم ہے کہ وہ خدا کو دوست رکھے کیونکہ انسان کا وجود اور اس کا کمال صنعت حق تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت کاملہ سے ہے اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو کوئی مخلوق پردۂ عدم سے عالم وجود میں نہ آتی اور اگر وہ اپنے فضل سے محافظت نہ کرتا تو انسان باقی نہ رہتا اور اگر حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انسان کو ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا عطا فرما کر کامل نہ بناتا تو کوئی مخلوق اس سے زیادہ ناقص نہ ہوتی۔

یہ بات کس قدر عجیب ہوگی کہ کوئی شخص دھوپ سے بے چین ہو کر کسی درخت کے سایہ میں جائے لیکن اس درخت کو جس سے وہ سایہ قائم ہے پسند نہ کرے وہ یقیناً اس بات کو جانتا ہوگا کہ جس طرح سایہ کا وجود درخت سے ہے اسی طرح انسان کی ذات و صفات کا وجود حق تعالیٰ کے فیض سے ہے۔ پس اس صورت میں وہ خداوند تعالیٰ کو کس طرح دوست نہیں رکھے گا کیونکہ خداوند تعالیٰ کی محبت اس کے پہچاننے پر موقوف ہوگی۔ دوسرا سبب یہ کہ انسان ایسے شخص کو دوست رکھتا ہے جو اس کے ساتھ بھلائی کرے۔ اس بنا پر وہ خدا کے سوا کسی اور محسن کو دوست رکھے گا وہ بالکل نادان ہے کیونکہ اس کے ساتھ خدا کے سوا اور کوئی احسان کرنے والا نہیں ہے نہ احسان کیا ہے اور خداوند تعالیٰ کے احسانات بندوں پر بے حد و بے شمار ہیں۔ ہم شکر و تفکر کے سلسلہ میں اس بات کو بیان کر چکے ہیں۔ پس جان لو اگر تم کسی احسان کو کسی مخلوق کی طرف منسوب کرو تو تمہاری نادانی ہے کیونکہ کوئی شخص تم کو خود کوئی چیز نہیں دے سکتا جب تک حق تعالیٰ اس پر ایک زبردست موکل بھیج کر اس کے دل میں یہ بات نہ ڈالے کہ دین و دنیا میں اے شخص تیرا بھلا اس میں ہے کہ وہ کچھ دے تاکہ لینے والا اپنی مراد کو پہنچے پس دینے والے نے جو کچھ دیا ہے وہ خود اپنے لئے دیا ہے جس کو تو سبب ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ آخرت میں ثواب پائے گا۔ دنیا میں نیک نامی اور تعریف حاصل کرے گا۔ چیز دینے والا حقیقت میں خداوند تعالیٰ ہے کہ حق تعالیٰ نے بغیر غرض کے اس پر ایک موکل متعین کیا اور اس کو اس اعتقاد پر لایا۔ یہاں تک کہ وہ چیز اس نے تم کو دے دی۔ شکر کے تحت ہم اس بات کو تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ انسان کسی محسن کو دوست رکھتا ہے اگرچہ وہ اس کے ساتھ احسان نہیں کرتا۔ مثلاً کسی شخص نے سنا کہ مغرب میں ایک بادشاہ عادل اور رعیت پر بہت مہربان ہے وہ اپنا خزانہ درویشوں پر صرف کرتا ہے۔ اپنے ملک میں ظلم و ستم کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتا تو لازماً ہر شخص اس کو دوست رکھے گا اگرچہ وہ جانتا ہے کہ کبھی اس عادل بادشاہ سے اس کی ملاقات نہ ہوگی اور نہ اس سے کچھ نفع حاصل ہونے کی امید ہے اس اعتبار سے بھی خدا کے سوا کسی کو دوست رکھنا نادانی ہوگی کیونکہ احسان بھی اس کے سوا کسی غیر سے نہیں ہو سکتا اور جو کوئی دنیا میں کسی پر احسان کرتا ہے خداوند تعالیٰ کے حکم اور اس کی توفیق سے کرتا ہے اور مخلوق کے ہاتھ سے جو نعمتیں ملتی ہیں وہ بہت کم ہیں احسان تو وہ ہے کہ تمام مخلوق کو پیدا کیا اور جس کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اس کو عطا کی بلکہ ایسی چیزیں بھی دیں جن کی حاجت نہ تھی

لیکن ان سے زیب و زینت اور آرائش کرانا مقصود تھی۔ جب تم آسمان و زمین کی بادشاہت نباتات و حیوانات کے احوال میں غور کرو گے تو اس کے عجائب، احسان اور انعام بے انتہا تم کو نظر آئیں گے۔

چوتھا سبب یہ کہ کسی کو اس کے حسن باطن کے سبب سے دوست رکھتا ہے۔ جس طرح امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دوست رکھتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دوست رکھتے ہیں بعض ان سب حضرات کو دوست رکھتے ہیں اور پیغمبروں کو بھی دوست رکھتا ہے اور اس کا سبب ان بزرگوں کے باطن کی خوبی اور ان حضرات کے اوصاف پسندیدہ ہیں اس جگہ جب تم غور سے دیکھو گے تو تم کو معلوم ہو گا کہ اس جمال باطنی کا حاصل ان تین چیزوں سے ہے ایک علم کی خوبی ہے کیونکہ علم اور عمل دونوں ہی محبوب ہیں اس لئے کہ وہ بذات خود محمود اور شریف تر ہیں اور جس قدر یہ علم زیادہ ہو گا اور معلوم بزرگ تر ہو گا جمال بھی زیادہ ہو گا اور ظاہر ہے کہ تمام علوم سے شریف تر خدا کی معرفت ہے اور اس کی بارگاہ کی معرفت ہے اور اس کی بارگاہ کی معرفت جو ملائکہ، کتب و رسل اور انبیا علیہم السلام کی شریعتیں اور ملک و ملکوت کی تدبیر پر شامل ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام ان علوم میں کمال رکھنے کے سبب سے محبوب ہوئے ہیں۔

دوسری خوبی: دوسری خوبی قدرت کی ہے یعنی وہ قدرت و قوت جو اصلاح نفس اور بندگان الٰہی کے سدھار نے ان کی سیاست اور دنیا کی بادشاہی کے انتظام اور حقیقت دین کے بندوبست پر مشتمل ہے تیسری خوبی عیب و نقصان سے پاک رہنے اور باطن کو برے اخلاق سے بچانے کی ہے اور یہ صفتیں بھی محبوب ہیں۔ نہ ان کے افعال کیونکہ جو فعل ان صفات سے بالکل خالی ہو گا وہ محمود نہیں۔ مثلاً جب اتفاق سے بغیر ارادہ کے ایک اچھا کام سرزد ہو تو اس کو فعل محمود نہیں کہا جائے گا۔ پس جو شخص ان صفات میں کمال تر ہو گا اس کی محبت دوسرے سے اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ اسی بناء پر لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کو حضرت شافعی اور حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ دوست رکھتے ہیں اور پیغمبروں کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ سے زیادہ چاہتے ہیں اور محبوب رکھتے ہیں اب تم ان تینوں صفات میں غور کر کے دیکھو تاکہ معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ میں یہ تینوں صفات موجود ہیں اور وہ دوستی کا سب سے زیادہ مستحق ہے کیونکہ ہر ایک سادہ لوح جانتا ہے کہ فرشتوں اور انسانوں کا علم اولین و آخرین خداوند تعالیٰ کے علم کے آگے ہیچ ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے خطاب کیا ہے۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ٥ (تم کو علم سے بہت تھوڑا سا بہرہ دیا گیا ہے) بلکہ اگر مخلوق یہ چاہے کہ چیونٹی اور مچھر میں عجائب علم الٰہی اور اس کی حکمت کے راز معلوم کر لیں تو ممکن نہیں اور جو کچھ بھی اس سلسلہ میں (جزوی طور پر) ان کو معلوم ہو گا۔ وہ بھی اسی کی عنایت سے ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے: خلق الانسان علمه البیان (انسان کو پیدا اور اس کو بیان سکھایا)۔

دوسری بات یہ ہے کہ مخلوق کے علم کی نہایت ہے لیکن ہر چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کی نہایت نہیں ہے اور

خلق کا جو کچھ علم ہے وہ اس کا عطیہ ہے۔ پس سب علم اسی کا ہوا اور اس کا یہ علم خلق کا دیا ہوا نہیں ہے۔ علم کے بعد جب تم قدرت کے بارے میں غور و فکر کرو گے تو معلوم ہو گا۔ تو قدرت بھی محبوب چیز ہے اسی واسطے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کو دوست رکھتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں بھی قدرت کے اقسام میں سے ہیں لیکن تمام مخلوق کی قدرت، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ہیچ ہے بلکہ سب اس کے سامنے عاجز ہیں پس وہ اتنی ہی قدرت رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہے جب مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو اس بات سے عاجز کر دیا ہے کہ وہ اس کو مکھی سے واپس لے سکیں پس خداوند تعالیٰ کی قدرت بے نہایت ہے کیونکہ آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے جن و انس، حیوانات و نباتات سب اسی کی قدرت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس طرح کی لاکھوں چیزیں بلکہ بے نہایت اشیاء کے پیدا کرنے پر وہ قادر ہے پھر یہ کس طرح درست ہو گا کہ قدرت کے سبب کی بناء پر کسی دوسرے کو دوست رکھیں، انسان اپنے کمال کے ساتھ عیوب سے منزہ اور پاک ہونے کی صفت سے بے بہرہ ہے (اس کا کمال بے عیب نہیں ہے) اس کا پہلا نقصان تو یہ ہے کہ وہ بندہ ہے اور اس کی ہستی اس سے نہیں ہے بلکہ وہ مخلوق ہے اس سے بڑھ کر نقصان اور کیا ہو سکتا ہے علاوہ ازیں نسان اپنے باطن کے احوال سے بے خبر ہے دوسرے کے باطن کو کیا جان سکے گا۔ اگر اس کے دماغ کی ایک رگ ٹیڑھی ہو جائے تو وہ دیوانہ اور مجنوں ہو جاتا ہے اور نہیں جان سکتا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ اور ممکن ہے کہ اس کی دوا اس کے سامنے رکھی ہو اور وہ یہ بھی نہ جان سکے۔ اس صورت میں جب آدمی کی عاجزی اور نادانی کا اندازہ کریں تو معلوم ہو گا کہ وہ جو کچھ علم و قدرت رکھتا ہے وہ اس کے عجز و نادانی میں پوشیدہ ہو جائے پس عیوب سے پاک وہی خالق ہے جس کے علم کی نہایت نہیں اور جو جہل سے پاک ہے اور اس کی قدرت کامل ہے کہ یہ ساتویں آسمان اور زمین اس کے دست قدرت میں ہیں اگر وہ سب کو ہلاک کر دے تب بھی اس کی بزرگی اور بادشاہی میں کچھ نقصان نہ ہو گا اور وہ ایک آن میں ایسے ایک لاکھ عالم پیدا کر سکتا ہے اور اس سے ایک ذرہ برابر بھی اس کی بزرگی میں اضافہ نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس کی بزرگی میں بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ سب عیبوں سے پاک ہے وہ ایسا ہے کہ نیستی اس کی ذات و صفات کی طرف نہیں جا سکتی کسی قسم کا نقصان اس کے باب میں ممکن نہیں ہے پس جو کوئی اس کو دوست نہ رکھے یہ اس کی نادانی ہے اور یہ محبت اس محبت سے کامل تر ہو گی جس کا سبب محرک احسان ہو کیونکہ نعمت کی کمی اور بیشی کے سبب سے اس محبت میں افزونی یا کمی پائی جائے گی اور جہاں حق تعالیٰ کی محبت کا سبب اس کی بزرگی اور اس کا تقدس ہو تو تمام احوال میں بندہ اپنے مولیٰ سے بہت زیادہ عشق رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب کے ڈر اور نعمت کے لالچ سے میری بندگی نہ کرے بلکہ وہ صرف میری خداوندی کا حق بجا لائے۔ زبور مقدس میں مرقوم ہے کہ "اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو بہشت کی آرزو اور دوزخ کے ڈر سے میری عبادت کرے۔ اگر میں جنت اور جہنم پیدا نہ کرتا تو اطاعت و بندگی کا کیا مستحق نہ تھا۔

پانچواں سبب: دوستی کی مناسبت ہے۔ انسان کو بھی خداوند تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے۔ فرمایا ہے قل

الروح من امر ربی اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ان اللہ ادم علیٰ صورتہ سے اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا میرا بندہ مجھ سے تقرب ڈھونڈتا ہے تاکہ اس کو میں اپنا دوست بناؤں جب میں اس کو اپنا دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور اس کی زبان بن جاتا ہوں اور ارشاد فرمایا: مرحد مرضت فلم تعدفی یا موسیٰ (اے موسیٰ میں بیمار ہوا تم نے میری عیادت نہیں کی) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ تو سب کا مالک ہے تو کیوں بیمار ہوگا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میرا افلاں بندہ بیمار تھا۔ اگر تم اس کی بیمار پرسی کرتے تو گویا وہ میری عیادت ہوتی۔

حق تعالیٰ کے ساتھ صورت کی مناسبت کی حدیث اس سلسلہ میں لکھی جاچکی ہے۔ اس قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں جن کا بیان مناسب نہیں کہ وہ عوام کے فہم میں نہیں آسکتی ہیں بلکہ بہت سے دانشوروں سے بھی اسی مقام پر لغزشیں ہوئی ہیں اور وہ تشبیہ کے قائل ہوگئے۔ وہ یوں سمجھے کہ اس صورت سے مراد ظاہری صورت ہے اور بعض حلول واتحاد کے قائل ہوگئے۔ لیکن اصل حقیقت کا سمجھنا دشوار ہے کہ جب تم دوستی کے اسباب کو سمجھ گئے تو اب یہ سمجھو کہ خداوند تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو دوست رکھنا نادانی کی علامت ہے اور یہاں پر اس متکلم (علم الکلام کا جاننے والا اور عقیدہ رکھنے والا) کی سادہ لوحی کا پتہ چلتا ہے جو کہتا ہے کہ اپنے ہم جنس کے سوا کسی دوسرے کو کس طرح دوست رکھا جاسکتا ہے جبکہ خداوند تعالیٰ ہماری جنس سے نہیں ہے پس اس کی دوستی ممکن نہیں ہے اس لئے دوستی کے معنی صرف فرمانبرداری کے ہیں۔

یہ بیچارا متکلم نادان دوستی کے معنی شہوت سمجھتا ہے جس کے باعث عورت کو دوست رکھتے ہیں۔ بے شک یہ شہوت ہم جنسی کی متقاضی ہے لیکن وہ دوستی جس کی شرح ہم نے کی ہے جمال و کمال کے معنی کی مقتضی ہے اس سے صورت میں جنس کا ہونا لازم نہیں آتا۔ مثلاً وہ شخص جو پیغمبر (علیہ السلام) کو دوست رکھتا ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ محبت کرنے والے کی مانند چہرہ، سر اور ہاتھ پاؤں رکھتے ہیں بلکہ اس لئے دوست رکھتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو اس شخص کے ساتھ معنوی مناسبت ہے کیونکہ وہ بھی اس محبت کی طرح زندہ، عالم، مرید، متکلم اور سمیع وبصیر ہیں لیکن پیغمبر ان صفات میں اس سے کامل تر نہیں ہوگا، اصل مناسبت اس شخص میں بھی پائی جاتی ہے لیکن کمال صفات میں دونوں میں بڑا فرق ہے اور وہ فرق جو کمال کی برتری سے ہوتا ہے، دوستی کو بڑھاتا ہے لیکن اصل دوستی کو جو مناسبت پر موقوف تھی کم نہیں کرتا اور تمام دانشور اسی کے قائل ہیں اور اس کو سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس مناسبت کی حقیقت ہر ایک کو معلوم نہیں ہے لیکن ان اللہ خلق ادم علی صورتہ اس بات کی دلیل ہے۔

☆.........☆.........☆

دیدار الٰہی میں جو لذت ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ تمام مسلمانوں کا مذہب یہ ہے کہ دیدار الٰہی کی حلاوت اور لذت تمام حلاوتوں اور لذتوں پر فائق ہے۔ سب لوگ زبان سے اس کے قائل ہیں اگر کوئی شخص دل میں یہ خیال کرے کہ اس چیز کا دیدار جو نہ جہت رکھتی ہو نہ رنگ و صورت کس طرح لذت بخش ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت اس کو معلوم نہیں ہے لیکن اس خوف سے کہ شریعت میں اس کا بیان آیا ہے وہ زبان سے اقرار کرتا ہے لیکن ایسے شخص کے دل میں اس کا ذوق و شوق پیدا نہیں ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کو جانتا ہی نہیں اس کا وہ کس طرح مشتاق ہوگا۔ اس راز پر تفصیلی طور پر کچھ لکھنا اس کتاب میں مشکل ہے۔ ہم صرف یہاں ایک اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ امر چار اصل پر موقوف ہے ایک یہ کہ معلوم کرے کہ خداوند تعالیٰ کا دیدار اس کی معرفت سے زیادہ خوشگوار ہے۔ دوسری اصل یہ کہ خدا کی معرفت غیر حق کی معرفت سے خوش تر ہے۔ تیسری اصل یہ کہ دل کو علم اور معرفت میں ایک راحت خاص حاصل ہوتی ہے۔ بغیر اس کے کہ آنکھ یا جسم کو اس میں داخل ہو۔ چوتھی اصل یہ کہ مسرت جو دل کی خاصیت ہے ہر ایک خوشی سے جو تمام حواس کا حصہ ہے خوش تر اور بہتر ہے۔ پس جس نے ان باتوں کو سمجھ لیا اس کو یقیناً یہ معلوم ہوگا کہ دیدار الٰہی سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں ہے۔

اصل اول

دل کی راحت معرفت میں ہے اور جسم کو اس لذت میں دخل نہیں ہے

معلوم ہونا چاہئے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان میں بہت سی قوتیں پیدا کی ہیں اور ہر قوت کو کسی نہ کسی کام کیلئے بنایا ہے ایسا کام جو اس کی طبیعت کیلئے متقاضی ہو کہ اسی کی لذت اس کی طبیعت کے اقتضا ہی میں ہے۔ مثلاً قوت غضب کو غلبہ اور انتقام کیلئے پیدا کیا ہے۔ اس کی لذت اسی میں ہے (عفو و درگزر میں نہیں ہے) مباشرت کی لذت، غیظ و غضب کی قوت کے بالکل مختلف ہے اور قوتوں کے مابین بھی فرق ہے اسی طرح قوت سامعہ، قوت باصرہ اور دوسری قوتوں کا قیاس کرنا چاہئے۔ ہر قوت ایک جداگانہ لذت رکھتی ہے اور ہر لذت مختلف ہے۔ مثلاً جماع کی لذت، غصہ کی لذت سے جداگانہ

ہے۔ یہ تمام لذیں قوتوں کے لحاظ سے مابین فرق رکھتی ہیں۔ بعض قوی تر ہیں اور بعض ضعیف ہیں مثلاً لذت بصر جو اچھی صورتوں کے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے ناک کی اس لذت سے جو خوشبوؤں سے حال ہوتی ہے قوی تر اور غالب تر ہے اسی طرح انسان کے دل میں بھی ایک قوت پیدا کی گئی ہے جس کا نام عقل اور نور ہے اس کو ان چیزوں کی معرفت کیلئے پیدا کیا گیا ہے جو حس اور خیال میں نہیں آتیں یہی معرفت عقل کی طبیعت کی متقاضی ہے اور اس کی لذت اسی میں ہے تاکہ انسان عقل سے معلوم کرے یہ عالم پیدا ہوا ہے اس کو ہمیشہ ایک مدبر حکیم اور قادر کی ضرورت ہے اور وہ ایسے صانع کی صنعتوں اور مصنوعات میں اس کی حکمت پہچانے۔ یہ باتیں حس اور خیال میں نہیں آتیں۔ اسی قوت سے نازک اور باریک علوم وفنون کو انسان پہچانے اور ان کو اخذ واستنباط کرے جس طرح لغت وضع کرنا۔ دقیق علوم کا ایجاد کرنا۔ اس کو ان تمام علوم سے حلاوت حاصل ہوتی ہے اور یہاں تک کہ اگر کسی معمولی چیز کی مہارت سے اس کی تعریف کریں تو وہ خوش ہوتا ہے اگر اس کو ناواقف کہیں تو ناخوش ہوتا ہے کیونکہ علم کو وہ کمال سمجھتا ہے یہاں تک کہ اگر شطرنج کی محفل میں بیٹھے اور اس کے ساتھ بہت سی شرطیں لگائی جائیں تو وہ اس علم خسیس کی خوشی اور لذت سے باغ باغ ہوتا ہے اور اس پر تفاخر کرتا ہے۔ علم خدا کی صفت ہے۔ انسان کو اس سے خوشی اور اس سے تفاخر کیوں نہ ہوگا۔ اس کمال سے اور بہتر کیا چیز ہوگی اور کون سا کمال اس کمال سے جو خدا کی صفات سے حاصل ہوا ہو اس کے نزدیک افضل اور برتر ہوگا اس سے ظاہر ہوا کہ دل کو بہر طور معرفت سے لذت ملتی ہے بغیر اس بات کے کہ آنکھ اور جسم کو اس میں کسی قسم کا دخل ہو۔

دوسری اصل

علم ومعرفت کی لذت عام لذتوں سے زیادہ ہے

اے عزیز معلوم ہونا چاہئے کہ جب کوئی شخص شطرنج کھیلتا ہے اور اس شغل میں سارا دن کھانا نہیں کھاتا اور اگر اس سے کھانا کھانے کو کہا جائے تو بات نہیں مانتا اس سے معلوم ہوا کہ مات دینے اور غالب آنے میں جو لذت میں زیادہ ہے اس بنا پر اس نے شطرنج کو کھانا کھانے سے بہتر خیال کیا۔ پس کسی لذت کی خوبی اس طرح سے معلوم کی جاسکتی ہے کہ جب کسی میں دو قوتیں جمع ہوں تو ان دونوں میں سے وہ کسی ایک کو ترجیح دے پس جو شخص دانا اور ذی فہم ہوگا اس کو باطن کی قوتوں کی لذت زیادہ پسند آئے گی کیونکہ اگر کسی عاقل کو ہم یہ اختیار دیں کہ وہ حلوہ اور مرغ بریاں کھائے یا ایسا کام کرے جس سے دشمن مغلوب ہو اور ریاست وسرداری حاصل ہو تو وہ ریاست وسرداری کو اختیار کرے گا اور اگر اس میں عقل کامل نہیں ہے جیسے لڑکا دیوانہ تو دوسری صورت ہے۔ اگر وہ شخص جس میں کھانے کا بھی شوق ہو اور ریاست وجاہ کا بھی آرزو مند ہو تو وہ یقیناً ریاست وجاہ کی لذت کو پسند کرے گا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ علم ومعرفت کی لذت دوسری لذتوں سے بہتر ہے۔ اسی طرح ایک عالم جو علم حساب وہندسہ یا طب یا شریعت کا علم پڑھتا ہے تو اس کو اس علم میں ایک لذت حاصل

ہوتی ہے اور جب وہ اس علم میں کمال کو پہنچ جائے گا تو اس کی یہ لذت تمام لذتوں پر فائق ہو گی بلکہ وہ ریاست حکومت پر بھی اس کو ترجیح دے گا اور اگر علم میں ناقص ہے اور اس علم کی لذتوں کو اچھی طرح حاصل نہیں کیا ہے تو یہ اور بات ہے۔

پس اس توضیح سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ تو علم و معروفت کی لذت دوسری سب لذتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ بشرطیکہ وہ علم و معرفت میں ناقص نہ ہو اور اس میں دونوں قوتیں یعنی قوت معرفت اور قوت شہوت دونوں پیدا کی گئی ہوں۔ اگر کوئی کمسن بچہ گلی ڈنڈے (گولے باری) یا گیند اچھالنے کی لذت کو مباشرت یا ریاست کی لذت پر مقدم کرے گا تو یہ اس کی نادانی اور کوتاہی عقل و دانش ہے کیونکہ وہ مباشرت اور ریاست کا مزہ ہی نہیں جانتا۔ اس دلیل سے کہ جب دونوں شہوتیں جمع ہوں تو ایک کو مقدم کرے۔

تیسری اصل : یہ کہ حق تعالیٰ کی معرفت تمام معرفتوں سے بہتر ہے جب یہ معلوم ہوا کہ علم و معرفت بہتر ین ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ایک علم دوسرے علم سے بہتر ہے۔ یہ مسلمہ ہے کہ جس قدر معلوم اعلیٰ اور شریف ہو گا۔ اس کا علم بھی اعلیٰ اور خوب تر ہو گا۔ ظاہر ہے کہ شطرنج وضع کرنے کا علم شطرنج کھیلنے سے بہتر ہے اور ملک رانی کا علم زراعت و خیاطی کے علم سے بہتر ہے اسی طرح حقائق شریعت اور اس کے اسرار کا علم علم نجوم اور لغت سے اور وزیر کیلئے وزارت کے اسرار کا جاننا، بازاروں کے اسرار سے اور بادشاہوں کے اسرار سے آگاہی وزیر کے اسرار کے جاننے سے بہتر ہے اور برتر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ معلوم جس قدر شریف تر ہو گا۔ اس کا علم بھی شریف تر اور لذیذ تر ہو گا۔ اب غور کرنا چاہئے کہ خداوند عالم سے جو ہر طرح کے کمال اور جمال کا خالق ہے دنیا میں کوئی چیز شریف تر اور بزرگ تر نہیں ہے۔ نہ کسی بادشاہ کی تدبیر اپنی بادشاہت میں آسمان و زمین کی بادشاہت اور دنیا و آخرت کے کاموں میں تدبیر اپنی بادشاہت نہیں ہے اور کوئی دربار اس کے دربار سے کامل تر اور خوب تر نہیں ہے اگر کسی کو حضرت الٰہی کے نظارہ کرنے کی آنکھ میسر ہے اور وہ اس کی مملکت کے اسرار و اس دنیا کی مملکت کے اسرار سے بہتر اور پسندیدہ سمجھتا ہے وہ کس طرح اس کے حضور کا نظارہ چھوڑ کر دوسری چیز کا نظارہ کرے گا۔

پس ان باتوں سے معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی بادشاہت اور اسرار خداوندی کی معرفت تمام معرفتوں سے بہتر ہے کیونکہ یہ معلوم شریف تر معلوم ہے بلکہ شریف تر کہنا ہی غلطی ہے کیونکہ دوسری چیز کو اس کے مقابلہ میں لا کر دیکھا جائے تو اس مقابل کی چیز کو شریف ہی نہیں کہا جا سکتا۔ پس شریف تر کہنے کی گنجائش کہاں پیدا ہو سکتی ہے۔ پس دنیا میں عارف ایسی بہشت میں رہتا ہے جس کی صفت یہ ہے عرضہا کعرض السماء و الارض (اس کی وسعت زمین اور آسمان کی وسعتوں سے زیادہ ہے کیونکہ زمین اور آسمان کی وسعت کی حد مقرر ہے اور میدان معرفت کا کوئی اور چھور نہیں ہے۔ وہ باغ جو عارف کی تماشہ گاہ ہے نہیں نہیں ہے نہ اس باغ کے میووں کی خوشہ چینی سے کوئی منع کر سکتا ہے اور نہ اس کے میوے سڑنے گلنے لگتے ہیں بلکہ ہمیشہ میسر آتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ قطوفہا دانیہ (جس کے

خوشے جھکے ہوئے) کیونکہ جو چیز عارف کے دل میں ہو اس سے زیادہ نزدیک اور کیا چیز ہو سکتی ہے اس بہشت میں کینہ و حسد کا دخل نہیں ہے اور نہ مزاحمت و ممانعت ہے کیونکہ جتنا زیادہ عارف ہوگا۔ اتنی ہی انسیت اس کو حاصل ہوگی اور یہ بہشت معرفت الٰہی کی بہشت ہے کہ رہنے والوں کی کثرت سے تنگ نہیں ہوتی بلکہ وسعت اور بڑھتی ہے۔

نظر کی لذت معرفت کی لذت سے زیادہ ہے

دو قسم کا علم: معلوم ہونا چاہئے کہ علم دو قسم کا ہے ایک وہ ہے جو صرف خیال میں آئے جیسے رنگ اور شکل اور دوسرا وہ ہے جو عقل میں آئے اور خیال میں نہ آئے جیسے حق تعالیٰ اور اس کی صفات بلکہ تمہاری بعض صفات بھی خیال میں نہیں آتیں جیسے قدرت، ارادہ اور حیات کیونکہ اس میں چگونگی (کیفیت) نہیں ہے، غصہ، عشق، شہوت، درد، راحت بھی چگونگی (کیفیت) نہیں رکھتی ہیں لیکن عقل ان سب کو معلوم کرتی ہے، جو چیز خیال میں آتی ہے۔ انسان کو ان کا ادراک دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ خیال کے روبرو ہے گویا اس کو دیکھ رہا ہے اور یہ ناقص ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ نظر آئے اور یہ اول سے کامل تر ہے یہی وجہ ہے کہ دیدار محبوب کی لذت دید اس کے خیال کی لذت سے زیادہ ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ دیدار میں صورت سامنے ہے اور خیال میں کچھ اور بلکہ صورت تو ایک ہی ہے پر وہ دیدار میں واضح تر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر تم اپنے محبوب کو دن چڑھے دیکھو تو اس دیدار کی لذت طلوع آفتاب کے وقت دیکھنے سے زیادہ ہوگی اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ صورت متغیر ہو گئی ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ روشن تر ہوگی۔ اس طرح جو چیز خیال میں نہیں آتی اور عقل اس کا ادراک کرتی ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک معرفت ہے۔ اس کے سوا ایک اور درجہ ہے جس کو رویت اور مشاہدہ کہتے ہیں اور کمال انکشاف میں معروفت کے ساتھ اس کی نسبت خیال کے ساتھ دیدار کی نسبت ہے اور جس طرح پلک کا بند کرنا آنکھ کا تو پردہ ہے لیکن خیال کا پردہ نہیں ہے۔ جب تک یہ حجاب دور نہ ہوگا۔ (حجاب مژگاں) نہیں اٹھے گا۔ دیدار حاصل نہیں ہوگا۔ اسی طرح انسان کا تعلق اس جسم کے ساتھ ہے جس کی تعمیر آب و گل سے ہوئی ہے۔ پس اس کی مشغولیت دنیاوی شہوات میں مشاہدہ کیلئے حجاب ہیں۔ معرفت کیلئے نہیں۔ جب تک یہ علاقہ باقی ہے مشاہدہ ممکن نہیں ہے۔ اسی بناء پر خداوند تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ لن ترانی جب یہ مشاہدہ کامل تر اور روشن تر ہو ضروری ہے کہ اس کی لذت بیشتر ہوگی۔ جس طرح خیال کی بہ نسبت دیدار میں زیادہ لذت ملتی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ یہی معرفت کل قیامت کے دن ایک اور صفت حاصل کرے گی۔ جس کو پہلی معرفت سے کچھ نسبت نہ ہوگی۔ جس طرح نطفہ حقیقت میں آدمی ہوتا ہے اسی طرح مشاہدہ اور دیدار ہے۔ دیدار کمال ادراک سے پیدا ہوتا ہے اور مشاہدہ اس ادراک کا کمال ہے۔ اسی واسطے مشاہدہ کیلئے جہت ضروری نہیں ہے پس دیدار کا تخم معرفت ہے اور جس کو یہ معرفت حاصل نہیں وہ ابد الآباد تک اس سے محروم رہے گا۔ کیونکہ جس شخص کے پاس بیج ہی نہیں وہ زراعت کیا

کر سکتا ہے اسی طرح جو بڑا اور عظیم عارف ہو گا اس کا دیکھنا بھی کامل تر ہو گا۔ یہ خیال مت کرو کہ دیدار اور لذت دیدار میں سب لوگ یکساں ہیں بلکہ ہر ایک کیلئے دیدار اس کی معرفت کے مطابق ہو گا۔ حدیث شریف میں جو یہ آیا ہے ان اللہ یتجلّٰی للناس عامة ولابی بکر خاصة کے یہی معنی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ، خداوند تعالیٰ کو اکیلے دیکھیں گے اور دوسرے لوگ باہم مل کر دیکھیں گے بلکہ معنی یہ ہیں کہ جو دیدار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کو نصیب ہو گا۔ دوسروں کو نصیب نہ ہو گا وہ دیدار ان ہی سے مخصوص ہے کہ اس خصوصیت کا سبب کمال معرفت ہے جس سے دوسرے لوگ محروم ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہٗ) کی فضیلت تمام اصحاب پر نماز و روزہ کے باعث نہیں ہے بلکہ ایک راز کے سبب ہے جو ان کے دل میں قرار پائے ہوئے ہے"۔

اس ارشاد میں اس معرفت کی طرف اشارہ ہے جو دیدار الٰہی کا سبب ہو گی اور علی الخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کو میسر آئے گی۔

پس باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ کی ذات ایک ہے اس کا دیدار خلائق کی نسبت سے مختلف ہے جیسا کہ مختلف آئینوں میں ایک صورت سے کتنی مختلف صورتیں چھوٹی، بڑی، تاریک اور روشن، ٹیڑھی اور سیدھی نظر آتی ہیں۔ بعض کا ٹیڑھا پن تو اس قدر ہوتا ہے کہ بھلی صورت بھی بری معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک اچھی تلوار کو عرض میں آئینہ کے سامنے رکھ دیا جائے تو باوجود اچھی ہونے کے وہ آئینہ میں بری نظر آئے گی۔ پس جو کوئی اپنے دل کا آئینہ اس صورت میں لے جائے گا کہ وہ سیاہ ہو یا اس میں کجی ہو تو جو بات دوسروں کیلئے باعث راحت ہو گی وہ بعینہٖ اس کیلئے موجب رنج و ملال ہو گی لہٰذا یہ خیال مت کرو کہ وہ لذت جو دیدار الٰہی سے پیغمبروں کو حاصل ہو گی دوسروں کو حاصل ہو گی یا جو لذت علماء پائیں گے وہ عوام بھی حاصل کریں گے اور جو لذت پرہیزگار اور محبت کرنے والے عالموں کو میسر ہو گی وہی دوسرے عالموں کو ہو گی۔

ایک ایسا عارف ہے جو خداوند تعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہے ایک دوسرا عارف ہے جو محبت میں مستغرق نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی ذات کا مشاہدہ کریں گے کیونکہ دیدار کا تخم معرفت ہے اور معرفت میں یہ دونوں برابر ہیں۔ ان دونوں عارفوں کی مثال اس شخص کی سی ہو گی جن کی نظر محبوب کے دیکھنے میں یکساں ہے۔ لیکن ان میں سے ایک زیادہ صاحب عشق ہو گا تو اس صورت میں یقیناً عاشق کی لذت زیادہ ہو گی اور اگر ایک ان میں سے زیادہ صاحب عشق ہو گا تو اس کی لذت بھی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہو گی پس جب تک معرفت الٰہی کے ساتھ محبت شریک نہ ہو پوری سعادت کا حصول اس سے نہیں ہو گا۔ جب انسان کے دل میں سے دنیا کی محبت رفع ہو جاتی ہے تو خدا کی محبت بڑھ جاتی ہے اور یہ امر زہد و تقویٰ پر منحصر ہے پس اس عارف کو پوری لذت حاصل ہوتی ہے جو زاہد اور محبّ ہو۔

فصل: ۔ شاید اس مقام پر تم کہو کہ اگر دیدار کی لذت معرفت، معرفت کی لذت کی جنس سے نہیں ہے، تو وہ کوئی

لذت نہیں۔ یہ اشکال یوں سامنے آئی کہ تم کو لذت معرفت کی خبر نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں شاید چند باتوں کو کسی کتاب سے پڑھ کر یاد کر لیا ہے یا کسی سے سن کر سیکھ لیا ہے اور اس کا نام معرفت رکھ لیا ہے تو واقعی اس سے کبھی لذت نہیں پاؤ گے۔ اگر کوئی شخص ساگ بھاجی کا نام حلوائے بادام رکھ لے اور اس کو کھائے تو اس سے مٹھائی کا ذائقہ کب حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن جس کو بہشت دی جائے تو وہ اس معرفت کو اس بہشت سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔

اگرچہ معرفت کی لذت ایک بڑی لذت ہے لیکن آخرت کے دیدار کی لذت کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہے اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھنا چاہئے ایک عاشق کو فرض کرو کہ صبح کے وقت جو ابھی خوب نمودار نہیں ہوئی ہے (اور وہ ایسے حال میں ہے کہ اس کا عشق ضعیف اور شوق ناقص ہے اور اس کے کپڑے میں بھڑیں اور بچھو ہیں جو اس کو کاٹ رہے ہیں اور اس کے سوائے وہ دوسرے کاموں میں مشغول ہے اور اس کو ہر چیز کا ڈر ہے) وہ اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو اس صورت میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کی لذت ضعیف ہو گی اگر آفتاب یکایک نکل آئے اور بہت روشن ہو اور اس کا عشق اور شوق بھی غالب ہو کچھ دنیوی مشاغل اور خوف اس کے دل میں نہ ہو۔ زنبور اور کژدم کی اذیت سے بھی وہ چھوٹ گیا ہو تو اس حال میں دیدار یار میں وہ بڑی لذت پائے گا جس کے آگے پہلے لذت کو کوئی نسبت نہیں ہے۔

عارف کا حال: عارف کا حال بھی دنیا میں اسی طرح پر ہے۔ اندھیر اضعیف معرفت کی مثال ہے اور اس جہاں میں وہ پردہ کے پیچھے سے دیکھتا ہے اور انسان کو نقصان ضعیف عشق کی وجہ سے ہوا ہے کہ جب تک وہ دنیا میں رہتا ہے ناقص ہے اور اس کا عشق درجہ کمال کو نہیں پہنچتا اور زنبور و کژدم، شہوت و غم و غصہ اور دوسرے رنج و ملال کی مثال ہیں کیونکہ ان سب سے لذت معرفت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ مشاغل اور خوف، معاش اور کسب روزی کی مثالیں ہیں۔ یہ سب باتیں موت سے ختم ہو جاتی ہیں۔ شوق اور عشق دیدار کامل ہو جاتا ہے اور ہر ایک بات جواب تک مخفی تھی آشکار ہو جاتی ہے۔ غم، فکر اور دنیاوی شغل باقی نہیں رہتا اس وجہ سے وہ لذت کامل ہوتی ہے۔ اگرچہ بقدر مقدار معرفت ہو گی۔ مثلاً وہ لذت جو ایک بھوکا شخص کھانے کی بو سے پاتا ہے اس لذت سے جو کھانا کھانے سے حاصل ہوتی ہے کوئی نسبت نہیں رکھتی ہے۔

شاید تم کہو کہ معرفت کا تعلق دل سے ہے اور دیدار آنکھ سے متعلق ہے تو پھر دیدار کی لذت کسی طرح زیادہ ہو گی۔ اے عزیز معلوم ہونا چاہئے کہ دیدار کو دیدار اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بصر سے نکل کر دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ آنکھ میں ہے اگر دیدار کو پیشانی میں ہی پیدا کیا جاتا تب بھی اس کا نام دیدار ہی ہوتا پس دیدار کو آنکھ کی قید سے مقید کرنا بیکار سی بات ہے بلکہ جب دیدار کا لفظ شریعت میں وارد ہوا ہے اور وہ چشم ظاہر سے ہوتا ہے تو یہ اعتقاد کرنا چاہئے کہ دیدار آخرت میں چشم کو دخل ہے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آخرت کی آنکھ دنیا کی آنکھ کے مانند نہ ہو گی کیونکہ دنیاوی آنکھ بغیر جہت (طرف) کے دیکھ نہیں سکتی اور آخرت کی آنکھ بغیر جہت کے دیکھے گی ایک عامی کو اس سے زیادہ بحث و تکرار اس میں نہیں کرنا چاہئے اس فہم قاصر سے۔ نجاری ایک بوزنہ نہیں کر سکتا بلکہ جس شخص نے برسوں تک علم الکلام

پڑھا ہے وہ بھی اس مقدمہ میں عامی کی طرح ہے کیونکہ علم کلام کا عالم عاصی کے اعتقاد کا نگہبان ہوتا ہے یعنی عامی نے جو کچھ اعتقاد کیا متکلم اس کو اپنے کلام سے دیکھتا ہے اور بدعتی کے فساد سے اس کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کے رد کا طریقہ علم جدل میں مبتلا ہے لیکن معرفت فی الحقیقت کچھ اور چیز ہے اور اہل معرفت اور لوگ ہیں چونکہ یہ نکتہ اس کتاب کے لائق نہیں ہے لہٰذا سکوت بہتر ہے۔

ہاں تم یہ اعتراض کرو گے کہ ایسی لذت جس سے جنت کی لذت کو بھول جائیں میری عقل میں نہیں آتی اگرچہ اس سلسلہ میں علماء نے بہت کچھ کہا ہے اور اس کی تدبیر بتلائی ہے کہ اگر بالغرض محال وہ لذت حاصل نہ ہو تب بھی ہم اس پر ایمان لاسکیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس کی تدبیر ان چار چیزوں سے ہے ایک یہ کہ وہ باتیں جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں ان میں بہت زیادہ غور و خوض کیا جائے تاکہ مطلب خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کیونکہ جو بات ایک بار سنی جاتی ہے دل میں اثر نہیں کرتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ معلوم کرے کہ انسان کی سرشت اس طرح نہیں ہوئی ہے کہ لذت و شہوت کی صفت اس میں یکبارگی پائی جائے کیونکہ بچہ کھانے کی لذت کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ جب سات برس کا ہوتا ہے تو کھیل کا شوق اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ کھانا چھوڑ کے کھیل میں سرگرم رہتا ہے اور جب دس برس کا ہوتا ہے تو آرائش اور اچھی پوشاک کا شوق اس کے اندر اتنا پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تمنا میں کھیل اور بازی سے بھی دستبردار ہو جاتا ہے اور جب پندرہ سال کا ہوتا ہے تو عورت کی خواہش اور لذت اس کی دل میں پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے شوق میں وہ سب کچھ نثار کر دیتا ہے اور جب اس کی عمر بیس سال کی ہوتی ہے تو ریاست اور حکمرانی کا شوق، تفاخر اور مال و جاہ کی تمنا اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی تمام لذتوں میں اس لذت کا آخری درجہ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :۔

انما الحیواۃ الدنیا لعب و لهو و زینة و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال و الاولاد ○

پھر اس سے آگے بڑھ کر دنیا کی محبت نے اس کے باطن کو بالکل تباہ و برباد نہیں کیا ہے اور دل کو اپنا گرفتار نہیں بنایا ہے تو خالق عالم کی معرفت اور ملک و ملکوت کے اسرار سے آگہی کا شوق اس کے دل میں آپ پیدا ہوتا ہے (اور جیسا کہ ان لذتوں میں سے ہر ایک لذت دوسری لذت کے مقابل میں ہیچ ہے اس طرح) تو مال و جاہ کی لذت بھی اس معرفت کے سامنے ہیچ و بے قدر نظر آئے گی اور بہشت کی لذت بھی ایسی ہی ہے کہ اس میں پیٹ، فرج اور آنکھ کا خط ہے کہ وہ چمن (بہشت) کی سیر کرتا ہے۔ مزیدار کھانے کھاتا ہے۔ سبزہ اور آب رواں سے اور زرنگاہ حوریں ہیں اور یہ وہ لذت ہے کہ اس جہان میں سرداری اور حکومت کی لذت اس کے مقابلے میں ہیچ ہے اور حقیر نظر آتی ہے۔ پھر معرفت کی لذت کے آگے یہ کیونکر ناچیز اور حقیر نہ ہوگی۔ دیکھو راہب صمعہ کو اپنے اوپر ایک قید خانہ بنالیتا ہے ہر روز اس کی خوراک صرف ایک نوالہ ہوتی ہے تاکہ وہ مخلوق میں قبولیت کا درجہ حاصل کرے اس طرح اس نے جاہ و قبولیت کی لذت کو بہشت سے عزیز تر جانا کیونکہ وہ بہشت کی لذت کو شکم و فرج اور آنکھ کی لذت سمجھتا ہے۔ بس اس طرح جاہ کی لذت بھی جس کے سامنے اور دوسرے تمام مزے دار لذتیں ہیچ ہیں معرفت کی لذت کے آگے ہیچ ہوگی اور تم اس بات کے قائل ہو گے کیونکہ تم لذت

جاہ تک پہنچ چکے ہیں لیکن ایک بچہ جو ابھی لذت جاہ کے مزہ سے واقف نہیں ہے ان باتوں کا قائل نہ ہو گا۔ اگر تم چاہو کہ تم کو ریاست اور جاہ کی لذت کے بارے میں کچھ بتائے تو دشوار ہو بالکل اسی طرح عارف ہے۔ تم نابینا کو عرفان کے بارے میں سمجھانے سے قاصر ہو لیکن اگر تم کچھ عقل و دانش سے کام لو اور غور کرو تو یہ بات تم پر ظاہر ہو جائے گی (عرفاں شناس بن سکتے ہو)۔

تیسری تدبیر یا تیسرا علاج یہ ہے کہ تم عارفوں کا حال مشاہدہ کیا کرو اور ان باتیں سنا کرو کیونکہ مخنث اور نامرد اگرچہ شہوت جماع اور اس کی لذت سے بے خبر ہے لیکن جب وہ مردوں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنا سرمایہ اس کی طلب میں خرچ کرتے ہیں تو یقیناً ان کو معلوم ہو گا کہ انہیں ایک ایسی شہوت اور لذت حاصل ہے جو ہم کو حاصل نہیں ہے۔ حضرت رابعہ بصریہؒ جو ایک پارسا خاتون تھیں لوگ ان کے سامنے بہشت کا ذکر کرنے لگے تو انہوں نے کہا کہ الجاد ثم الدار یعنی صاحب زمانہ کو دیکھو پھر گھر کو دیکھو، شیخ ابو سلیمانؒ دارانی نے فرمایا ہے کہ بہت تھوڑے بندے ایسے ہیں جن کو دوزخ کا ڈار ہو سکتا ہے۔ حضرت معروفؒ کرخی سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ وہ چیز جس نے آپ کو خلق اور دنیا سے بیزار کر کے عبادت و خلوت میں مشغول کیا ہے کیا وہ موت کا ڈر ہے؟ یا دوزخ کا خوف یا بہشت کی امید۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تجھ کو اس بادشاہ کی دوستی حاصل ہو جائے جس کے دست قدرت میں یہ تمام چیزیں ہیں تو پھر ان چیزوں کا کیا حساب؟ تو ان سب کو بھول جائے گا اور اگر تجھے اس کی معرفت اور دوستی حاصل ہو جائے تو تجھے ان تمام چیزوں سے شرم و عار ہو گی۔

حضرت بشر حافیؒ کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ ابو نصرؒ تمار اور عبدالوہاب وراق کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی ابھی ان کو میں نے بہشت میں دیکھا ہے کہ وہ کھانا کھا رہے تھے۔ اس شخص نے پھر پوچھا کہ اور آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے کھانے پینے کی رغبت نہیں ہے لہٰذا اس نے مجھے اپنے دولت دیدار سے نوزا ہے۔ شیخ علی بن موفق نے کہا ہے کہ میں نے خواب میں بہشت کی سیر کی۔ وہاں بہت سے لوگ کھانا کھا رہے تھے اور فرشتے وہ لذیذ کھانے ان کے سامنے رکھ رہے تھے لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ بارگاہ الٰہی میں اس کی آنکھیں سر سے گری ہوئی ہیں اور وہ مدہوش شخص کی طرح دیکھ رہا ہے۔ میں نے ایک فرشتہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ شیخ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو دوزخ کے ڈر اور بہشت کی امید پر عبادت نہیں کرتے تھے۔ اس لئے اب ان کو دولت دیدار سے سر فراز کیا گیا ہے۔

شیخ ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص آج اپنے کام میں مشغول ہے کل بھی اسی کام میں مشغول رہے گا اور جو آج خدا کی یاد میں سر گرم ہے کل اس کا یہی حال ہو گا۔ (اسی حال میں ہو گا) اور شیخ یحییٰ بن معاذ رازی نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک رات بایزید بسطامی کو دیکھا کہ وہ عشاء سے صبح تک پاؤں کی انگلیوں پر ایڑیاں اٹھائے ہوئے بیٹھے رہے ان کی آنکھیں تنی ہوئی اور حیران و مبہوت شخص کا سا حال بنا ہوا تھا آخر کار ایک سجدہ کر کے بہت دیر تک کھڑے رہے پھر سر اٹھا کر کہا کہ بار الٰہا۔ ایک جماعت نے تجھ کو طلب کیا تو نے ان کو کرامتیں عطا کیں یہاں تک کہ وہ پانی پر چلے اور ہوا میں اڑے میں ان

باتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں ایک قوم کو تو نے زمین کے خزانے عطا فرمادیئے اور دوسروں کو یہ قوت دی کہ ایک رات میں انہوں نے طویل مسافت طے کرلی اور وہ اس سے راضی ہوئے لیکن میں ان چیزوں سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے بعد بایزید بسطامیؒ نے پلٹ کر دیکھا اور مجھے دیکھا تو فرمایا اے یحییٰ ؟ کیا تم یہاں موجود ہو ؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم یہاں کتنی دیر سے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں بہت دیر سے ہوں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ مجھے بھی اس

احوال سے کچھ آگاہ کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ تم کو جو باتیں سنانے کے لائق ہیں وہ تم سے کہتا ہوں۔ سنو! مجھے عالم ملکوت اعلیٰ اور ملکوت سفلی تمام نحوات اور سب بہشتوں کی سیر کرائی گئی۔ پھر خداوند تعالیٰ نے فرمایا ان چیزوں میں سے تم جو چاہتے ہو وہ مانگو۔ میں تم کو دوں گا۔ میں نے کہا الٰہی مجھے کچھ درکار نہیں تب حق تعالیٰ نے فرمایا تو میرا سچا خاص بندہ ہے۔

شیخ ابو تراب نخشی کا ایک خاص مرید اپنے شغل میں مصروف و مستغرق رہتا تھا ایک دن شیخ ابو تراب نے اس سے کہا کہ تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم شیخ بایزیدؒ کو دیکھو۔ مرید نے کہا کہ میں بایزیدؒ سے بے نیاز ہوں۔ ابو تراب نے اپنے مرید سے کئی بار یہی کہا تب مرید نے کہا کہ میں بایزیدؒ کو دیکھ کر کیا کروں ؟ میں تو خدائے بایزید کو دیکھ رہا ہوں۔ ابو تراب نخشیؒ نے فرمایا کہ ایک بار بایزید کو تیرا دیکھنا خدا کو ستر بار دیکھنے سے افضل ہے۔ یہ سن کر وہ مرید بہت حیران ہوا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے۔ مرشد نے کہا کہ اے نادان تو خدا کو صرف اپنے حوصلہ کے مطابق اپنے نزدیک دیکھتا ہے اور بایزید کو خداوند تعالیٰ کے نزدیک اس کے مرتبہ کے مطابق دیکھے گا۔ مرید اس نازک بات کو سمجھ گیا اور کہا کہ چلئے۔ ابو تراب نخشی فرماتے ہیں کہ ہم دونوں بایزید کے پاس گئے اس وقت وہ صحرا نشین تھے۔ جب بایزید میرے مرید کے سامنے الٹی پوستین پہنے ہوئے باہر نکلے تو مرید نے ان کو دیکھ کر ایک نعرہ مارا اور گر کر مر گیا۔ میں نے بایزید سے کہا کہ اے شیخ کیا آپ کو ایک نظر دیکھنے سے کوئی شخص واجب المقتل ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا ایسا نہیں ہوا تمہارا وہ مرید صادق تھا اور اس میں ایک راز تھا جو اس کی قوت و طاقت سے آشکارا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب اس نے مجھ کو دیکھا تو وہ راز اس پر ظاہر ہو گیا اور اپنے ضعف کے باعث وہ اس کو برداشت نہ کر سکا اور بے تاب ہو کر مر گیا۔ پھر بایزید نے مجھ سے فرمایا کے اے ابو تراب !اگر تم کو خلت ابراہیمی، مناجات موسوی اور روحانیت عیسوی ملیں تب بھی اس سے روگرداں نہ ہو کیونکہ ان کے سوا بھی دوسرے معاملات ہیں۔

خودی کی شکست : بایزید بسطامی نے جواب دیا کہ تم اپنی خودی کے سبب سے محجوب ہو۔ مرید نے کہا کہ پھر اس کا کوئی علاج بھی ہے۔ شیخ نے کہا کہ ہے لیکن تم اس کو کر نہیں سکو گے۔ اس دوست نے کہا کہ آپ فرمائیں میں علاج کروں گا۔ انہوں نے کہا نہیں، تم نہیں کر سکو گے اس دوست نے کہا کہ آپ فرمائیں میں علاج کرونگا۔ شیخ نے کہا کہ تم ابھی حجام کے پاس جا کر داڑھی منڈاؤ اور تن پر سوائے ایک لنگ کے اور کچھ باقی نہ رکھو (تمام کپڑے اتار دو) ایک توبڑے میں اخروٹ بھر کر گردن میں لٹکا لو اس کے بعد بازار میں نکلو اور آواز لگاؤ جو کوئی میرے ایک دھپ (گردن پر مکا) لگائے گا اس کے میں

ایک اخروٹ دوں گا۔اس کے بعد قاضی شہر اور اہل شریعت کے پاس جاؤ۔

یہ سن کر اس مرید نے کہا کہ اے سبحان اللہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔بایزید نے کہا کہ اس طرح سبحان اللہ کہنے سے تو تم مشرک ہو گئے کیونکہ تم نے یہ اپنی عزت و تعظیم کی رو سے کہا ہے۔اس مرید نے کہا کہ آپ کوئی اور علاج بتائیے یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔بایزید نے کہا کہ یہ تو پہلا نسخہ (علاج) تھا۔میں نے کہا تھا کہ تجھ سے اس کا علاج نہیں ہو سکے گا۔ بایزید نے اس مرید کیلئے جو یہ علاج تجویز کیا شاید اس کا سبب یہ ہو کہ اس شخص میں جست و جاہ اور تکبر کی صفت موجود تھی تو اس بیماری کا علاج یہی ہے "حدیث شریف میں آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ جب میں بندہ کے دل پر نظر کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ دنیا کا طالب ہے اور نہ آخرت پر اس کی نظر ہے بلکہ صرف میری دوستی وہاں موجود ہے تو میں اس کا حافظ و نگہبان بن جاتا ہوں۔"

حضرت ابراہیم ادہمؒ نے مناجات کی بار الہا تو جانتا ہے کہ تو نے جو محبت مجھے بخشی ہے اور وہ انسیت جو تو نے مجھے عطا کی ہے۔اس کے مقابل بہشت میری نظر میں پشہ کے برابر بھی نہیں ہے۔بی بی رابعہ بصریؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کو رسول ﷺ کی دوستی کتنی حاصل ہے۔انہوں نے کہا کہ تم نے یہ بڑا مشکل سوال کیا ہے۔پھر اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے خدا کی دوستی مخلوق کی دوستی سے باز رکھتی ہے۔

لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کون سا عمل تمام اعمال سے افضل ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "خدا کی دوستی اور اس کے حکم پر راضی رہنا۔" الغرض اس قسم کے اخبار و حکایات بے شمار ہیں۔تم عارفوں کے احوال سے اس کا اندازہ لگا سکتے ہو کہ خدا کی دوستی اور معرفت کی لذت ان کی نظر میں جنت سے بہتر ہے۔تم اس پر غور کرو۔

معرفت الٰہی کی پوشیدگی کا سبب

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ کسی چیز کے معلوم ہونے کے دو سبب ہوتے ہیں ایک یہ کہ وہ چیز اس طرح پوشیدہ ہو کہ ظاہر نہ ہو سکے۔دوسرے یہ کہ اس قدر ظاہر ہو کہ آنکھ اس کو دیکھ نہ سکے۔یہی وجہ ہے کہ چمگادڑ رات کے وقت دیکھتی ہے دن کو نہیں دیکھ سکتی۔اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ رات کے وقت اشیاء ظاہر ہوتی ہیں (اور دن میں نہیں) بلکہ اشیاء دن میں بہت ظاہر ہوتی ہیں اور اس کی آنکھ کمزور ہے۔پس اس کمال ظہور کی بناء پر وہ چیزیں اس کو نظر نہیں آتیں۔اسی طرح خداوند تعالیٰ کی معرفت کمال درجہ روشن ہے اور دلوں کو اس کے معرفت کی قوت نہیں اس لئے وہ ان کیلئے دشوار بن گئی۔خداوند تعالیٰ کا ظہور اس مثال پر قیاس کرو کہ اگر تم لکھا ہوا خط یا سیا ہوا کپڑا دیکھو تو اس وقت تمہاری نظر میں کوئی چیز کاتب اور درزی کی قوت علم، حیات اور اس کے ارادہ سے زیادہ روشن تر تم کو نظر نہیں آئے گی (تم فوراً ان

صفات کو جان لو گے) کیونکہ اس کا یہ فعل ان صفات کا مظہر ہے۔ اور ایسا روشن کہ علم یقینی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر خداوند تعالیٰ دنیا میں صرف ایک پرندہ پیدا فرماتا یا کوئی نبات اگاتا اور اس سے زیادہ پیدا نہ فرماتا جب بھی جو شخص اس کو دیکھتا اس کو صانع کے کمال قدرت، کمال علم اور عظمت و جلال کی معرفت ضرور حاصل ہو جاتی کیونکہ مصنوع اپنے صانع کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور زمین و آسمان، حیوانات نباتات اور پتھر و مٹی کے ڈلے جو کچھ بھی موجود ہے۔ ہر ایک مخلوق بلکہ جو کچھ بھی ہمارے وہم و خیال میں ہے سب یک زبان ہو کر صانع کی بزرگی پر گواہی دے رہے ہیں۔ دلائل اپنی کثرت اور انتہائی روشنی کے (ظہور) کے سبب سے نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ برجستہ کوئی صفت کسی دوسرے کا فعل ہوتا تو اس وقت بظاہر ہوتے۔ چونکہ سب ایک صانع کے مصنوع ہیں لہٰذا پوشیدہ ہوئے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی نور، نور آفتاب سے زیادہ روشن نہیں ہے کیونکہ تمام اشیاء اسی کی روشنی سے ظاہر ہوتی ہیں لیکن آفتاب اگر شب کے وقت غروب نہ ہوتا یا سائے کے سبب سے محجوب نہ ہوتا تو کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ زمین پر ایک ایسا نور ہے اور سوائے سفید رنگ کے دوسرا رنگ نظر نہ آتا اور یہی کہا جاتا کہ اس کے سوائے کوئی اور نور نہیں ہے پس نور کو دوسرے رنگوں سے الگ کر کے یہ سمجھے اور معلوم کیا کہ مختلف رنگ نور سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ رات کو سب رنگ چھپ جاتے ہیں اور سایہ میں وہ آفتاب سے زیادہ پوشیدہ ہوتے ہیں پس اس کی ضد ہی سے یعنی ظلمات سے نور کو پہچانا۔ اسی طرح اگر خداوند تعالیٰ سے غیبت اور عدم ممکن ہوتا تو آسمان و زمین درہم برہم ہو کر فنا ہوتے۔ تب لوگ اس کو ضروری معلوم کر لیتے۔ لیکن یہ تمام موجودات ایک صانع کی شہادت ہیں۔ اور یہ شہادت ہمیشہ روشن تر رہے گی پس اسی شہادت کی روشنی سے خدا کی معرفت پوشیدہ ہو گئی۔

دوسرا سبب یہ کہ بچپن ہی سے یہی چیزیں نظر میں سما گئی ہیں اور اس وقت اس کمسن بچہ کی عقل ناقص تھی۔ اس لئے وہ اس گواہی کو معلوم نہ کر سکا۔ جب اس کو ان چیزوں کے مشاہدہ کی عادت ہو گئی اور وہ صاحب شعور (بڑا) ہو گیا تو وہ ان مشاہدات کی شہادت سے آگاہ نہیں ہوا۔ البتہ جب اس نے نادر اور انوکھا جانور دیکھا یا کوئی عجیب و غریب نباتات دیکھی تو بے اختیار اس کی زبان سے کلمہ "سبحان اللہ" جاری ہو گیا اس لئے کہ وہ دل میں اس شہادت سے آگاہ ہوا پس جس کی بصارت کمزور نہیں ہے وہ ہر چیز اس لئے دیکھتا ہے کہ وہ صنعت الٰہی کا نمونہ اسے اس چیز کو دیکھنا مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو شخص زمین و آسمان کو دیکھتا ہے وہ اسی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے کہ وہ خدا کی صنعت نمونہ ہیں جس طرح کوئی شخص خط کو اس لئے نہیں دیکھتا کہ وہ سیاہی اور کاغذ ہے۔ ایسا تو وہی شخص دیکھے گا جو خط کی حقیقت سے واقف نہ ہو۔ بلکہ خط کا ناظر خط کو اس جہت (اعتبار) سے دیکھتا ہے کہ خط آراستہ و پیراستہ ہے۔ پھر وہ کاتب پر نظر ڈالتا ہے (اس خط میں خط لکھنے والا اس کو نظر آتا ہے) جس طرح تصنیف میں مصنف نظر آتا ہے۔ قاری خط کو نہیں دیکھتا جبکہ یہ بات ثابت ہو گئی اور تم اس حقیقت کو جان گئے تو پھر جس شئے کو تم دیکھو گے اس میں خدا کو دیکھو گے کیونکہ دنیا میں کوئی چیز اس کی صنعت سے خارج نہیں ہے بلکہ یہ سارا عالم خداوند تعالیٰ کی صنعت اور اس کی تصنیف ہے۔ اگر آدمی کسی ایسی چیز کو دیکھنا چاہے جو خدا کی مخلوق نہ ہو اور اس کی ذات

بھی نہ ہو تو ایسی چیز وہ نہیں دیکھ سکتا (کہ ایسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے) یہ تمام چیزیں زبان حال سے جو ایک زبان فصیح ہے۔ خداوند تعالیٰ یعنی اپنے صانع کے کمال قدرت اور جلال وعظمت پر گواہی دے رہی ہیں اور اس سے زیادہ دنیا میں اور کوئی بات (چیز) روشن تر نہیں ہے لیکن اپنے ضعف بصارت کے باعث لوگ اس کی معرفت سے عاجز و قاصر ہیں۔

تدبیر محبت الٰہی

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ محبت کا مقام تمام مقامات میں بزرگ تر مقام ہے اور اس کی تدبیر معلوم کرنا ضروری ہے۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ ایک محبوب پر عاشق ہو اس کو چاہئے کہ پہلے ہر چیز سے جو غیر معشوق ہے اپنا منہ پھیرے اور ہمیشہ بس اسی کو دیکھا کرے اور عاشق اگر اس کا منہ دیکھنا چاہتا ہے اور معشوق کے اعضاء پردے میں چھپے ہیں اور یہ پردے بھی بہت خوبصورت ہیں (جن میں محبوب چھپا ہے) تو پہلے ان کو دیکھنے کی کوشش کرے کیونکہ ایک جمال کے مشاہدہ سے رغبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب عاشق اس پر مداومت کرے گا تو اس کے اندر ضرور کچھ نہ کچھ رغبت یا زیادہ رغبت پیدا ہوگی پس خداوند تعالیٰ کی محبت کا یہی حال ہے۔

شرائط محبت الٰہی : محبت الٰہی کی پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی دنیا سے روگردانی کرے اس کی دوستی کے نور سے دل کو منور کرے اس لئے کہ غیر حق کی دوستی انسان کو حق کی دوستی سے باز رکھتی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جس طرح زمین کو خس و خاشاک سے پاک وصاف کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی معرفت کی طلب کرے کیونکہ جو اس کو جانتا ہی نہیں وہ اس کو کیا دوست رکھے گا۔ یا یوں کہو کہ جو اس کو دوست نہیں رکھتا وہ اس کو جانتا ہی نہیں۔ ورنہ جمال و کمال تو بالطبع محبوب ہیں۔ یہاں تک کہ جو شخص (حضرت) ابوبکر صدیق اور (حضرت) عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو جانتا ہے۔ ناممکن ہے کہ وہ ان کو دوست نہ رکھے۔ کیونکہ اوصاف حمیدہ بالطبع انسان کو محبوب ہوتے ہیں۔

معرفت حاصل کرنا زمین میں بیج بونے کی طرح ہے اس کے بعد اس کو ذکر و فکر میں مداومت کرنی چاہئے کہ ایسا کرنا بیج بو کر زمین کو پانی دینے کی مانند ہے۔ جب کسی دوست کو بہت زیادہ یاد کیا جاتا ہے۔ تو یقیناً اس کے ساتھ انس پیدا ہو جاتا ہے۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی مومن اصل محبت سے غافل نہیں ہے۔ لیکن اس میں تفاوت ہے اور اس تفاوت کے تین سبب ہیں ایک یہ ہے کہ دنیا کی دوستی اور مشغولی میں ان کے درمیان تفاوت ہو اور ایک چیز کی دوستی دوسری چیز کی دوستی میں نقصان پیدا کرتی ہے۔ دوسرا سبب یہ کہ معرفت میں فرق رکھتے ہوں کیونکہ ایک عام شخص حضرت شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو اس لئے دوست رکھتا ہے کہ بس وہ اتنا جانتا ہے کہ وہ بڑے عالم تھے لیکن ایک فقیہ جوان کے بعض علوم کی تفصیلات سے آگاہ ہے ان کو اس عام آدمی کے مقابلہ میں بہت دوست رکھے گا کہ عامی کی بہ نسبت اس کی معرفت ان کے

بارے میں زیادہ ہے اور محدث مزنیؒ جو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور ان کو امام شافعی کے تمام علوم، احوال و اخلاق سے آگاہی تھی۔ وہ دوسرے فقہا کی بہ نسبت ان کو زیادہ دوست رکھتے تھے۔ پس جو شخص خدا کی معرفت زیادہ حاصل کرے گا اس کو بہت دوست رکھے گا۔ تیسرا سبب یہ کہ ذکر و عبادات میں جو انسیت کے حصول کا سبب ہے لوگ متفاوت ہیں پس محبت کا تفاوت ان اسباب کی بناء پر ہو گا لیکن جو شخص خداوند تعالیٰ کو بالکل دوست نہیں رکھتا اس کا سبب بس یہی ہے کہ وہ خدا کو بالکل نہیں جانتا کیونکہ جس طرح حسین صورت، بالطبع محبوب ہے۔ اسی طرح باطن کا حسن مرغوب ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ محبت معرفت کا نتیجہ ہے اور معرفت کامل حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ تو صوفیہ کا ہے اور وہ مجاہدہ ہے۔ یعنی باطن کو ذکر کی مداومت سے پاک کرنا یہاں تک کہ خود کو اور غیر حق کو فراموش کر دے تب اس کے باطن میں وہ احوال (معاملات) ظاہر ہوں گے۔ جن سے عظمت الٰہی مشاہدہ کی مانند روشن ہو جائے اس کی مثال شکاری کے جال بچھانے کی مانند ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں شکار آجائے اور ممکن ہے نہ آئے اور مشاہد کہ اس دام میں ایک موش آئے یا ایک باز پھنس جائے اس میں ہر ایک کے نصیب کے اعتبار سے تفاوت ہے دوسرا طریقہ علم معرفت کا سیکھنا ہے (دوسرے علوم یا علم الکلام کا سیکھنا نہیں) علم معرفت کی ابتدا یہ ہے کہ مصنوعات الٰہیہ کے عجائبات میں غور و فکر کرے جیسا کہ ہم اصل ہفتم میں بیان کر آئے ہیں۔ پھر اس منزل سے ترقی کر کے جمال و جلال الٰہی میں غور و فکر کرے تاکہ اسمائے صفات کے حقائق سے آشنا ہو۔ ایک عظیم علم ہے ایک ہوشمند مرید، مرشد کامل کی مدد سے اس علم کو حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن کم فہم اس کو حاصل نہیں کر سکتا اور علم صیاد کے جال بچھانے کی مانند نہیں کہ اس میں کوئی شکار پھنس جائے اور ممکن ہے نہ پھنسے بلکہ یہ علم تجارت، زراعت اور کسب کی طرح ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے نر و مادہ گوسفند کو افزائش نسل کیلئے جوڑے پر لگایا لیکن اچانک بجلی گرنے سے وہ دونوں ہلاک ہو گئے۔

پس جو شخص معرفت کے طریقہ سے ہٹ کر محبت الٰہی کی طلب کرتا ہے۔ وہ ایک محال کی طلب کر رہا ہے اور ہم نے معرفت کے جو دو طریقے بیان کئے ہیں اگر ان سے ہٹ کر معرفت طلب کرے گا۔ وہ کامیاب نہ ہو گا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ محبت الٰہی کے بغیر آخرت کی سعادت اس کو حاصل ہو جائے گی وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ آخرت کے معنی یہی ہیں کہ تم خدا سے واصل ہو جاؤ اور جب ایک شخص اس مقصد کو پہنچ گیا جس کو اس سے قبل بہت دوست رکھتا تھا اور علائق دنیاوی کے سبب اب تک اس سے محروم رہتا اور ایک مدت اس نے اسی شوق میں بسر کی تھی تو جب وہ موانع دور ہو گئے اور مقصد حاصل ہو گیا تو اس کو حصول لذت حاصل نہیں ہو گی اگر دوست رکھتا تھا لیکن کم تو تھوڑی لذت پائے گا اور اگر (خدا کی پناہ) اپنے باطن میں اس کے سوا اس کی ضد کے ساتھ اس کو الفت اور انسیت تھی تو پھر اس کی جو حالت آخرت میں ہو گی وہ اس کی ہلاکت اور رنج و الم کا سبب ہو گی اور وہ چیز جو دوسروں کے حق سعادت ہو گی اس کے حق میں شقاوت ہو گی۔ تم اس بات کو اس مثال سے سمجھو کہ ایک خاکروب عطر فروشوں کے بازار میں گیا اور خوشبو سے بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے اس پر مشک و گلاب چھڑکا لیکن اس سے اس کا حال اور بدتر ہو گیا اتنے میں ایک شخص جو پہلے خاکروبی کر چکا تھا۔ یہاں آنکلا اور اس

بے ہوش خاکروب کی حالت کو دیکھ کر تھوڑی سے نجاست لایا اور اس کی ناک تک اس کو پہنچایا تب وہ ہوش میں آ گیا اور کہنے لگا ہاں یہ خوشبو ہے۔ پس جو شخص دنیا کی معرفت سے دل لگائے ہے اور وہ دنیا ہی کو اپنا معشوق و محبوب بنائے ہوئے ہے۔ اس خاکروب کی طرح ہے کہ اس نے عطاروں کے بازار میں نجاست نہ پائی اور وہاں کی ہر چیز اس کی طبیعت کے منافی تھی اور وہ نجاست اس کو وہاں نہیں ملی جس کا وہ خوگر تھا۔ تو اس کی حالت بگڑ گئی اسی طرح عالم آخرت میں دنیاوی لذتیں نہیں ملیں گی۔ جن کا وہ خوگر تھا اور جو چیز وہاں ملے گی اس کی طبیعت کے منافی ہو گی اور اس کیلئے رنج اور شقاوت کا موجب ہو گی۔

عالم آخرت کا حصول : پس آخرت، عالم ارواح اور جمال الٰہی کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے اور وہی شخص سعید و نیک بخت ہے۔ جو اپنی طبیعت کو اسی دنیا میں اس عالم سے آشنا کرے تاکہ وہ اس کی طبیعت کے مطابق ہو۔ تمام ریاضتیں اور عبادتیں اور معرفت کے طریقے اسی مناسب طبع کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں اور محبت میں تو خود یہ مناسبت موجود ہے جیسا کہ قد افلح من زکھا سے ظاہر ہے اور اس کے یہی معنی ہیں۔ دنیا کے تمام تعالقات و خواہشات اور کوتاہیاں اسی مناسبت کی قید ہیں جیسا کہ فرمایا گیا وقد خاب من دسّٰھا یہ اس کی تشریح ہے جو اہل بصیرت ہیں وہ اس بات کے مشاہد ہیں۔ حد تقلید سے گذر کر اس کو پیغمبر علیہ السلام کی راستی کی دلیل سمجھتے ہیں بلکہ انہوں نے صدق رسالت کو بغیر معجزوں کے اس سے اپنے علم الیقین کے بدولت علوم کیا ہے۔ چنانچہ جو شخص علم طب جانتا ہے۔ جب کسی طبیب کی بات سنتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ یقیناً یہ طبیب ہے اور جب ایک بازاری حکیم کی بات سنتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ یہ بالکل اناڑی اور جاہل ہے۔ پس انسان اسی طریقہ سے نبی صادق اور مدعی نبوت میں جو جھوٹا ہوتا ہے تمیز کر لیتا ہے۔ پھر جو بات اپنی بصیرت سے سمجھ سکتا ہے اس کو اس سچے نبی سے حاصل کرتا ہے اس علم کا نام علم الیقین ہے اور اس علم کی طرح نہیں جو عصا سے اژدھا بن جانے سے پیدا ہو (صدور معجزہ سے) کیونکہ معجزہ دیکھ کر جو علم حاصل کیا ہے ممکن ہے کہ وہ سامری کے گئوسالہ کی آواز سے باطل ہو جائے (اس کو بھی معجزہ سمجھ لے حالانکہ وہ سحر تھا) پس معجزہ اور سحر میں تمیز کرنا علم الیقین کی مانند آسان بات نہیں ہے۔

علامات محبت الٰہی

خداوند تعالیٰ کی محبت ایک گوہر نادر ہے۔ محبت الٰہی کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے پس انسان کو اپنے آپ کے محبوبوں میں شمار کرنا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ محبت الٰہی کی جو علامتیں اور دلیلیں ہیں ان کو خود اپنی ذات میں تلاش کرے۔ یہ علامتیں سات ہیں اول یہ کہ محبت موت سے بیزار نہ رہے کیونکہ کوئی دوست ایسا نہ ہو گا جو اپنے دوست کی ملاقات سے کراہت کرے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص خدا کے دیدار کو دوست رکھتا ہے خدا بھی اس کے دیدار کو دوست

رکھتا ہے۔ بویطیؒ نے ایک زاہد سے دریافت کیا کہ کیا تم موت کو دوست رکھتے ہو؟ اس نے جواب میں توقف کیا تو بویطی نے کہا کہ "اگر صادق ہوتے تو موت کو ضرور دوست رکھتے۔ البتہ یہ بات جائز ہے کہ موت کے جلد آنے کو دوست نہ رکھے لیکن موت کو دوست رکھتا ہو کیونکہ ابھی اس نے زادِ آخرت تیار نہ کیا ہوگا۔ بلکہ اس کی تیاری میں مصروف ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ تم ہمیشہ زادِ آخرت کی فکر میں لگے رہو۔

دوم یہ کہ اپنے محبوب کو خدا کے محبوب پر نثار کر دے اور جس چیز کو محبوب حقیقی کی قربت کا سبب جانتا ہو اس کو ترک نہ کرے اور جو چیز اس سے دوری کا باعث ہو اس سے گریز کرے۔ یہ کام ایسا شخص ہی کر سکتا ہے جو خدا کو دل سے دوست رکھتا ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو جو تمام و کمال خدا کو دوست رکھتا ہو تو وہ سالم رضی اللہ عنہ کو جو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں دیکھ لے۔

اگر کوئی شخص گناہ پر دلیر ہے تو دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ وہ حق کو دوست نہیں رکھتا ہے بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی دوست پورے دل سے نہیں ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب نعمان پر چند بار شراب پینے کے باعث حد شرعی جاری کی گئی تو ایک شخص نے اس پر لعنت کی۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو دل سے دوست رکھتا ہے۔ شیخ فضیلؒ نے ایک شخص سے کہا کہ اگر تجھ سے پوچھیں کہ کیا تو خدا کو دوست رکھتا ہے تو خاموش رہنا کیونکہ اگر تو کہے گا کہ دوست نہیں رکھتا تو کافر ہو جائے گا اور اگر کہے گا کہ دوست رکھتا ہوں تو تیرا عمل اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے عمل سے مشابہ نہیں ہے۔

سوئم یہ کہ اس کا دل ذکر الٰہی میں ہمیشہ مشغول ہو اور بے تکلف وہ اس بات کا شائق رہے کیونکہ بے تکلف جو کوئی شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو اس کو بہت یاد کرتا ہے پس اگر دوستی کامل ہے تو کبھی اپنے دوست کو نہیں بھولے گا۔ اسی طرح دل کو اگر بہ تکلف ذکر میں مشغول رکھے گا تو اس بات کا خوف اور خدشہ ہے کہ کہیں اس شخص کا محبوب وہی تو نہیں جس کا ذکر اس کے دل پر غالب ہے۔ (بے تکلف اس کو یاد کر رہا ہے) اور خدا کی دوستی دل پر غالب نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس کی دوستی کا شوق دل پر غالب ہے کیونکہ اس کو دوست رکھنا چاہتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ دوستی اور چیز ہے اور دوستی کا شوق اور ہے۔

چہارم یہ کہ قرآن شریف کو جو اس کا کلام ہے اور اس کے رسول ﷺ کو اور ہر اس چیز کو جو اس سے نسبت رکھتی ہے دوست رکھے۔ جب یہ دوستی مستحکم ہو جائے گی تو وہ تمام مخلوق کو دوست رکھے گا۔ کیونکہ سب خدا ہی کے بندے ہیں بلکہ تمام موجودات کو دوست رکھے گا۔ کیونکہ تمام اسی کی مخلوقات ہیں جس طرح آدمی اپنے دوست کی تصنیف اور اس کے خط کو بھی اس کی دوستی کی وجہ سے دوست رکھتا ہے۔

پنجم یہ کہ خلوت و مناجات پر حریص رہے اور رات کے آنے کا منتظر رہے تاکہ علائق دنیا کی زحمت دور ہو اور

خلوت میں دوست کے ساتھ مناجات میں مشغول ہو سکے اگر وہ گفتگو کو اور رات دن آرام اور سونے کو دوست رکھے گا تو پھر اس کی دوستی ناقص ہے۔

حضرت داؤ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد! خلق سے مانوس نہ ہو کیونکہ دو شخص میری بارگاہ سے محروم رہتے ہیں ایک وہ کہ ثواب کے طلب کرنے میں جلدی کرے اور دیر سے حاصل ہو تو کامل کا اظہار کرے۔ دوسرا وہ شخص جو مجھے فراموش کر کے میری درگاہ سے محروم رہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ میں اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں اور دنیا میں اس کو حیران رکھتا ہوں۔

پس جب خداوند تعالیٰ کی دوستی کامل ہو تو دوسری چیز کے ساتھ انسیت باقی نہ رہے گی۔ بنی اسرائیل کا ایک عابد راتوں کو ایک جھاڑی کے نیچے جس پر ایک خوشنوا پرندہ چہچہاتا رہتا تھا نماز پڑھا کرتا تھا اس زمانہ کے رسول پر وحی نازل ہوئی کہ اس عابد کو کہدو کہ تو ایک مخلوق (پرندہ) کے ساتھ انس رکھتا ہے۔ تیرے تقرب کا ایک درجہ گھٹ گیا جو کسی عمل سے بھی اب تجھ کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو خداوند تعالیٰ سے انس پیدا کر کے اور مناجات میں مشغول رہ کر اس درجہ اور مرتبہ پر پہنچے تھے کہ ان کا گھر جلتا رہا اور وہ مناجات میں مشغول رہ کر اس سے بے خبر رہے۔ اسی طرح ایک شخص کا پیر کسی بیماری کے سبب سے نماز میں کاٹا گیا اور اس شخص کو خبر نہ ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ جو شخص تمام رات سوئے اور پھر میری دوستی کا دم بھرے وہ جھوٹا ہے۔ کیا دوست دیدار دوست کا متمنی نہیں ہوگا اور جو شخص مجھ کو خوش کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا الٰہی! تو کہاں ہے تاکہ میں تجھ کو تلاش کروں۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا جب تو نے مجھے ڈھونڈنے کا قصد کیا تو گویا مجھے پالیا۔

ششم یہ کہ عبادت کرنا اس پر گراں نہ ہو بلکہ بہت آسان ہو کسی عابد نے کہا ہے کہ میں بیس برس تک محنت اور تکلف کے ساتھ رات کو نماز ادا کرتا رہا پھر بیس برس آرام کے ساتھ جب دوستی مستحکم ہو جاتی ہے تو کوئی لذت عبادت کی لذت سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ پھر دوستی استوار کس طرح ہو سکتی ہے۔

ہفتم یہ کہ خداوند تعالیٰ کے تمام فرمانبردار بندوں کو دوست رکھے اور سب پر مہربان رہے البتہ عاصیوں اور کافروں سے عداوت رکھے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کسی پیغمبر (علیہ السلام) نے خداوند تعالیٰ سے پوچھا کہ بارالہا! تیرے دوست کون ہیں؟ جواب ملا کہ وہ لوگ ہیں جو میرے اسی طرح شیفتہ ہیں جیسے بچہ اپنی ماں کا والا و شیفتہ ہوتا ہے اور جس طرح پرندہ اپنے گھونسلہ میں پناہ لیتا ہے۔ وہ بھی میرے ذکر سے پناہ لیں اور جس طرح غصہ میں بھرا ہوا شیر کسی سے نہیں ڈرتا تو وہ لوگ بھی جب کسی بندہ سے معصیت کا صدور دیکھتے ہیں تو شیر کی مانند غصہ میں آجاتے ہیں (اور پھر کسی سے نہیں ڈرتے) الغرض اس قسم کی بہت سی علامتیں پس جس کی دوست کامل ہے اس میں یہ سب باتیں پائی جائیں گی اور جس میں ان علامتوں میں سے بعض علامتیں ہوں اس کی دوستی ناقص ہے۔

شوق خدا طلبی

معلوم ہونا چاہئے کہ جو کوئی محبت الٰہی کا منکر ہے وہ شوق دیدار کا بھی منکر ہوگا اور حضور اکرم ﷺ یوں دعا فرماتے تھے۔ اسئلک الشوق الیٰ لقائک و لذۃ و لذۃ النظر الی وجھک الکریم اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایاطال شوق الابرار الی لقائی و انا لقائھم لا شد شوقاً (حدیث قدس) یعنی نیک بندے میرے دیدار کے بہت شائق ہیں اور میں ان سے زیادہ ان کے دیدار کا مشتاق ہوں۔ پس اس مقام پر تم کو شوق کے معنی معلوم ہونا چاہئے لیکن جس کو جانتے ہی اس کا مشتاق ہونا ممکن نہیں۔ اگر اس کو جانتے بھی ہوں اور وہ روبرو موجود بھی ہو پھر بھی شوق نہ پایا جائے۔ شوق ایسی چیز کے ساتھ پیدا ہوتا ہے جو ایک اعتبار سے موجود ہو اور ایک اعتبار سے غائب ہو جس طرح معشوق کے خیال میں موجود ہو اور نظر سے غائب، تو ایسی ہستی کا شوق دل میں رہتا ہے۔

شوق کے معنی یہ ہیں کہ اپنے محبوب کو تلاش کرے تاکہ وہ آنکھوں کے سامنے آئے اور ادراک تمام ہو اس تشریح سے تم سمجھ گئے ہوگے کہ دنیا میں خدا کے شوق سے اس کو پہچاننا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ معرفت میں ظاہر اور مشاہدہ سے غائب ہے اور مشاہدہ کمال معرفت ہے جس طرح کمال خیال ہے اور یہ شوق موت تک موقوف نہ ہوگا۔ البتہ ایک قسم کا شوق باقی رہتا ہے۔ جو آخرت میں بھی موقوف نہ ہوگا کیونکہ ادراک کا نقص اس جہاں میں دو سبب سے ہے ایک یہ کہ معرفت اس دیدار کی طرح ہے جو ایک باریک پردہ کے پیچھے سے ہو یا اس دیدار کی مانند ہے جو صبح صادق کی روشنی میں آفتاب نکلنے سے پہلے ہو (کہ صورت واضح نظر نہیں آتی ہے) ہاں یہ دیدار آخرت میں خوب روشن اور واضح ہوگا اور یہ شوق موقوف اور منقطع ہو جائے گا۔

دوسرا سبب یہ کہ کسی کا ایک محبوب ہے جس کی صورت تو وہ دیکھ چکا ہے لیکن اس کے بال اور دوسرے اعضاء نہیں دیکھے ہیں لیکن قیاس کرتا ہے کہ تمام اعضاء معشوق کے خوب صورت اور سڈول ہوں گے اس عاشق کے دل میں ان اعضاء کے دیکھنے کا شوق بھی پیدا ہوگا اس طرح (بلا تشبیہ و تمثیل) خداوند تعالیٰ کے جمال کی بھی نہایت نہیں۔ اگرچہ کسی شخص نے انتہائی معرفت حاصل کر لی ہے پھر جو کچھ باقی ہے حقیقت میں اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ تجلیات الٰہی کی کوئی حد نہیں ہے۔

اور جب تک تم ان سب کو معلوم نہ کر لو حضرت الوہیت کے جمال کامل کا تم ادراک نہیں کر سکتے اور ان سب کا معلوم کرنا نہ اس جہان میں آدمی سے ممکن ہے اور نہ اس جہان میں۔ کیونکہ انسان کا علم متناہی ہے۔ پس جس قدر آخرت میں دیدار الٰہی زیادہ ہوگا۔ اسی قدر لذت زیادہ ہوگی اور وہ بے نہایت ہے۔

انس کیا ہے: جب دل کی نظر کسی حاضر چیز پر ہو اور اس کی حالت یہ ہو کہ دیدار معشوق سے پوری شادمانی اور فرحت

حاصل کرتا رہے اس کا نام انس (انسیت) ہے اور جب دل کی نظر اس طرف رہے جو کچھ دیدار سے باقی رہ گیا ہے تو وہ اس کی جستجو کرے گا۔ اس کا نام شوق ہے۔ اس انس اور اس شوق کی انتہا نہیں نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ اور بندے ہمیشہ آخرت میں یہ استدعا کرتے ہیں[1] کہ جو کچھ جمال الٰہی آشکارا ہوتا ہے وہ سب نور کے پردوں میں ہوتا ہے اور بندوں کو اس کے اتمام کی طلب رہتی ہے لیکن وہ اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ کوئی بشر حق تعالیٰ کو تمام و کمال معلوم نہیں کر سکتا۔ تو جب بندہ اس کو تمام و کمال پہچان ہی نہیں سکا تو اس کا یہ تمام و کمال دیدار کسی طرح کر سکے گا۔ لیکن مشتاقان دیدار الٰہی کی راہ کشادہ ہے اور ان کا یہ کشف اور دیدار زیادہ ہوتا رہے گا۔ اور بہشت میں جو لذت بے نہایت حاصل ہوگی اس کی یہی حقیقت ہے۔ اگر اس کی یہ حقیقت نہ ہوتی تو شاید لذت کی آگاہی حاصل ہونے سے لذت کم ہو جاتی کیونکہ جو چیز ہمیشہ ملتی رہے اور دل اس کا عادی ہو جائے تو پھر اس سے حلاوت اور لذت حاصل نہیں ہوتی البتہ تازگی میں لذت ہے۔ پس اہل جنت کی لذت روز بروز تازہ سے تازہ تر ہوتی ہے۔ جہاں تک کہ حلاوت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس کو اس لذت کے آگے کم سمجھے گا۔ تم اس اصل سے انس کے معنی سمجھ گئے ہو گے کیونکہ انسیت دل کے اس تعلق کو کہتے ہیں جو حاضر و موجود چیز کے ساتھ پیدا ہو بشر طیکہ جو باقی اور آئندہ ہے اس کی طرف التفات نہ کرے اگر باقی کی طرف ملتفت ہوگا تو اس کو انس نہیں بلکہ شوق کہیں گے۔ پس دوستان الٰہی دنیا اور آخرت میں انس و شوق کے درمیان پھر رہے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے احوال میں مذکور ہے کہ حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اے داؤد تم اہل زمین کو خبردار کردو کہ میں اس شخص کو دوست رکھوں گا جو مجھے دوست رکھے گا اور جو شخص خلوت میں بیٹھے تو میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں اور جو میری یاد سے انس کرے گا۔ میں اس کا مونس ہوں اور جو میرا رفیق ہے میں اس کا رفیق ہوں اور جو مجھے پسند کرے میں اسکو پسند کرتا ہوں اور جو میرا فرمانبردار ہو (فرمانبردار آنتم کہ مراد فرمانبردار بود۔ کیمیائے سعادت نولکشوری نسخہ صفحہ ۵۴۱) میں اس کی بات مانتا ہوں اور جو بندہ مجھ کو دوست رکھتا ہے اور میں نے مشاہدہ کیا کہ اس کی یہ دوستی دل سے ہے تو بے شک میں اس کو دوسروں پر مقدم کروں گا۔ اور جو شخص مجھ کو تلاش کرے گا ضرور پائے گا اور جو دوسرے کو ڈھونڈے گا۔ البتہ مجھے نہ پائے گا۔ اے زمین والو! تم جس کے کاموں میں شیفتہ ہو اس پر تامل کرو۔ میری صحبت اور مجالست اور موانست کی طرف ملتفت ہو جاؤ اور میرے ساتھ انس رکھو تاکہ میں تم سے انس رکھوں۔ میں نے اپنے دوستوں کی سرشت کو اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام اپنے ہمراز موسیٰ علیہ السلام اور اپنے رسول مقبول محمد مصطفی ﷺ کی طینت سے پیدا کیا ہے اور میں اپنے مشتاقوں کے دل کو اپنے نور سے بنا کے اپنے جلال سے اس کی پرورش کی ہے۔

ایک نبی پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں بعض ایسے ہیں جو مجھ کو دوست رکھتے ہیں اور میں ان کو دوست رکھتا ہوں وہ میرے مشتاق ہیں اور میں ان کا مشتاق ہوں وہ میری یاد میں مصروف ہیں اور میں ان کو یاد کرتا ہوں۔ ان کی نظر مجھ پر ہے اور میری نظر ان پر ہے اگر تم بھی میرے ان بندوں کی روش اختیار کرو گے تو میں تم کو بھی دوست

[1] اے پروردگار ہمارے لئے اس نور کو کامل کر دے (تمام نور سے مشرف فرما)

رکھوں گا اور اگر ان کی روش تم نے اختیار نہ کی تو میں تم سے راضی نہ ہوں گا۔

اس قسم کے بہت سے اخبار محبت الٰہی اور شوق و انس کے بارے میں آئے ہیں یہاں ہم صرف اتنا بیان کرنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

رضا کی فضیلت

معلوم ہونا چاہئے کہ قضائے الٰہی پر قائم رہنا ایک بڑا مقام ہے بلکہ کوئی مقام اس سے برتر نہیں ہے۔ کیونکہ محبت الٰہی کا جو بلند مقام ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے کام سے راضی رہے۔ ہر ایک محبت کا ایسا ہی اثر ہوتا ہے بلکہ جب محبت کامل ہو گی تو اس کا ثمرہ یہی ہو گا۔ اسی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ الرضاء بالقضاء باب الله الاعظم یعنی خداوند تعالیٰ کی بارگاہ کا باب عظیم اس کی قضا (حکم) پر راضی رہنا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے جب ایک جماعت سے دریافت کیا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم بلا پر صبر کرتے ہیں اور نعمت پر شکر بجا لاتے ہیں اور قضائے الٰہی پر راضی ہیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ حکماء اور علماء ہیں اگر یہ لوگ اپنے کمال علم کے باعث انبیاء ہو جائیں تو عجب نہیں۔ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا ہے جب قیامت آئے گی تو میری امت کے ایک گروہ کو پر و بال دیئے جائیں گے اور وہ بہشت کی طرف پرواز کرینگے۔ فرشتے اس گروہ سے پوچھیں گے کہ تم حساب و میزان اور صراط سے فارغ ہو چکے؟ وہ لوگ کہیں گے کہ ہم کو ان چیزوں سے کام نہیں۔ فرشتے دریافت کریں گے تم کون لوگ ہو وہ جواب دیں گے ہم محمد مصطفیٰ ﷺ کے امتی ہیں ملائکہ دریافت کریں گے تمہارا عمل کیا ہے جو تم کو اتنی بزرگی ملی ہے؟ وہ کہیں گے ہماری دو خصلتیں تھیں ایک یہ کہ ہم خلوت میں خداوند تعالیٰ سے شرما کے گناہ نہیں کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ تھوڑے رزق پر جو خدا ہم کو دیتا تھا ہم راضی رہتے تھے تب ملائکہ کہیں گے سبحان اللہ! تم اسی درجہ اور مرتبہ کے مستحق ہو۔

ایک گروہ نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ خداوند تعالیٰ سے پوچھئے کہ وہ کیا چیز ہے جس سے تیری رضا حاصل ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی (ان سے کہدو کہ) میرے حکم پر تم راضی رہو میں تم سے راضی رہوں گا۔ حضور داؤد علیہ السلام پر خداوند تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرے دوستوں کو دنیا کے غم سے کیا کام کہ وہ مناجات کی لذت کو ان کے دل سے دور کر دیگا۔

اے داؤد (علیہ السلام) میں اپنے دوستوں سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ روحانی رہیں اور کسی چیز کا غم نہ کریں اور دنیا میں کسی چیز سے دل نہ لگائیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں وہ خدا ہوں کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں جو شخص میری بلا پر صبر نہ کرلے اور میری نعمت پر شکر نہ کرے اور میرے حکم پر راضی نہ رہے تو پھر وہ دوسرے خدا کو پیدا

کرے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے میں اس سے راضی ہوں جو مجھ سے راضی ہے اور جو شخص مجھ سے راضی نہ ہوگا میں اس سے بیزار ہوں اور قیامت تک یہی حال رہے گا۔

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے خیر و شر کو پیدا کیا۔ نیک بخت شخص وہ ہوگا جس کو نیکی کے واسطے پیدا کیا ہے اور نیکی کو اس کے ہاتھ پر آسان کر دیا ہے اور بد بخت وہ ہے جس کو میں نے بدی کے واسطے پیدا کیا ہے اور بدی کو اس کے ہاتھ پر آسان کر دیا ہے اور خرابی ہے۔ اس کے لئے جو حکم الٰہی پر چون و چرا کرے۔

منقول ہے کہ ایک نبی بیس سال تک بھوک، برہنگی اور مصیبت میں گرفتار رہے اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی تھی۔ پس وحی آئی کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے تمہاری سرنوشت (قسمت) ایسی تھی کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے لئے زمین و آسمان کی خلقت اور مملکت کی تدبیر کو بدل دوں! اور حکم کر چکا ہوں اس کو پھیر دوں، تاکہ تمہاری کام تمہارے ارادہ کے مطابق سرانجام ہوں اور میری مرضی کے موافق نہ ہوں اور کام اس طرح ہوں جس میں تمہاری خوشی ہو۔ میری خوشی نہ ہو۔ میری عزت و جلال کی قسم! اگر پھر ایسا خیال تمہارے دل میں آئے گا۔ تو انبیاء کے دفتر سے تمہارا نام مٹا دوں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ بیس برس تک میں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت کی جو کام میں نے کیا آپ نے اس کے بارے میں کبھی ارشاد نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔ البتہ جب حضرت ﷺ کے اہل بیت میں سے کوئی مجھ پر میرے کام پر خفا ہوتا تو آپ فرماتے اس کو معاف کر دو۔ اگر تقدیر میں ہوتا تو یہ کام ٹھیک سرانجام ہوتا۔

خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد (علیہ السلام) تم ایک کام چاہتے ہو اور میں دوسرا اور کام وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں۔ اگر تم میرے ارادہ پر راضی رہو گے تو جو تم چاہتے ہو وہ تم کو عطا کر دوں گا اور اگر تم میرے ارادہ پر راضی نہ رہو گے تو تمہاری خواہش میں تم کو غمگین کروں گا اور پھر وہی کام ہوگا۔ جو میرا ارادہ ہوگا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں کہ میری خوشی اسی میں ہے کہ جو تقدیر ہو۔ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جو خدا کا حکم ہے وہی چاہتا ہوں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ انگارے دہکانا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں اس راحت کی خواہش کروں جو میرے قسمت میں نہیں یا جو مصیبت اور تکلیف قسمت میں ہے۔ اس کے بارے میں کہوں کاش یہ نہ ہوتی۔ نقل ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا۔ بہت دن تک عبادت میں محنت کی۔ ایک شب خواب میں کسی نے اس کو بتلایا کہ فلاں عورت بہشت میں تیری رفیق ہوگی۔ اس عابد نے اس کی تلاش کی تاکہ اس کی عبادت کا حال معلوم کرے۔ اس عابد نے اس عورت کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ نہ رات کو نفل پڑھتی ہے اور نہ دن کو وہ روزہ رکھتی ہے مگر فرائض بجا لاتی تھی۔ عابد نے اس سے پوچھا کہ بہترین خصلت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ بس یہی جو کچھ تم نے دیکھا۔ عابد نے بہت اصرار کیا تو وہ یاد کر کے بولی کہ ہاں مجھ میں ایک صفت ہے کہ اگر خدا کبھی مجھے بیماری دیتا ہے تو میں صحت نہیں چاہتی اور اگر وہ دھوپ میں رکھے تو میں سایہ کی خواہش

نہیں کرتی۔ خداوند تعالیٰ کے حکم پر دل سے راضی رہتی ہوں۔ عابد نے یہ سن کر کہا یہ معمولی صفت نہیں ہے بلکہ بہت بڑی صفت ہے۔

رضا کی حقیقت : بعض علماء کا اس سلسلہ میں کہنا ہے کہ بلا میں اور خلاف طبع بات میں راضی رہنا کسی سے ممکن نہیں بلکہ اس پر صبر کرنا بھی ناممکن ہے لیکن ایسا کہنا مبنی بر خطا ہے۔ بلکہ جب محبت الٰہی کامل ہو گی تو ایسی بات پر جو خلاف طبع ہو راضی رہنا دو وجوہ سے ممکن ہے ایک یہ کہ آدمی عشق میں اس قدر مستغرق ہو کہ درد اور دکھ کی اس کو خبر بھی نہ ہو۔ چنانچہ لڑائی کے وقت انسان کو اس قدر غصہ آتا ہے کہ جب تک وہ اپنی آنکھ سے اپنے زخم سے خون بہتا ہوا نہ دیکھ لے زخم کی تکلیف کو اس کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ دل جب کسی طرف مشغول ہوتا ہے۔ تو بھوک اور پیاس کی خبر نہیں ہوتی جبکہ مخلوق کے عشق اور دنیا کی حرص میں یہ بات بھی ممکن ہے تو خدا کے عشق اور آخرت کی محبت میں اس بات کا پایا جانا کس طرح دشوار ہو سکتا ہے۔ دانشور جانتا ہے کہ باطن کی صفت خوبی، ظاہر کی خوبی سے کہیں بہتر ہے کیونکہ ظاہری جمال کی مثال حقیقت میں ایسی ہے کہ براز کو چمڑے سے ڈھانک دیا ہو، بصیرت کی آنکھ جو جمال باطن کا مشاہدہ کرتی ہے۔ ظاہری آنکھ سے بہت زیادہ روشن ہے کیونکہ چشم ظاہر سے بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں کبھی وہ بڑی چیز کو چھوٹا اور دور کو نزدیک دیکھتی ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ درد محسوس کرے لیکن جب صاحب درد یہ سمجھتا ہے کہ دوست کی رضا اسی میں ہے تو اس سے وہ آپ ہی راضی ہو گا۔ مثلاً اگر دوست اس کو حکم دے کہ بدن سے خون نکال یا کڑوی دوا پی لے تو وہ اس اذیت پر راضی ہو گا تاکہ اس تدبیر سے دوست کی رضا حاصل ہو پس جو کوئی سمجھے گا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی اس میں ہے کہ آدمی اس کے حکم پر راضی رہے تو وہ مفلسی، بیماری اور محنت و بلا میں بھی راضی رہے گا۔ جس طرح حریص دنیادار سفر کی صعوبت اور دریا کا خطرہ اور بہت سی تکلیفوں پر راضی رہتا ہے۔ پس بہت سے محبان الٰہی اس درجہ پر پہنچے ہیں۔ منقول ہے کہ شیخ فتح موصلیؒ کی بیوی کا ناخن ٹوٹ کر گر پڑا وہ ہنسنے لگیں۔ ان سے پوچھا گیا تمہیں تکلیف نہیں ہو رہی ہے انہوں نے جواب دیا کہ ثواب کی خوشی اس قدر ہے کہ مجھے درد کی خبر بھی نہیں ہے۔

شیخ سہلؒ تستری کو کوئی بیماری تھی وہ اس کا علاج نہیں کرتے تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ دوا کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے عزیز! کیا تم کو معلوم نہیں کہ دوست کے پہنچائے ہوئے زخم سے درد نہیں ہوتا ہے۔ اور خواجہ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ سری سقطی سے دریافت کیا کہ جو کوئی محبّ ہے کیا وہ بلا سے غمگین ہو گا۔ انہوں نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر تلوار سے اس کو قتل کریں تب؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تلوار کے ستر زخم بھی اس کے آئیں۔ (جب بھی دردمند نہ ہو گا) ایک محبّ خدا نے فرمایا کہ جس چیز میں خداوند تعالیٰ کی خوشی ہو میں اس سے راضی ہوں اگر وہ چاہتا ہے کہ میں دوزخ میں جاؤں تو اس میں بھی میری خوشی ہے۔

بشرؒ حافی فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو بہت مارا پیٹا گیا (ہزار ضرب ماری گئی) لیکن اس نے بالکل شور نہیں کیا۔ میں

نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے شور کیوں نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ میرا معشوق میرے سامنے تھے اور اس مار کو دیکھ رہا تھا (اس لئے شور کرتے مجھے شرم آئی) میں نے پوچھا اگر تو معشوق حقیقی کو دیکھتا تو کیا کرتا یہ سنتے ہی اس نے ایک نعرہ مارا اور جاں بحق تسلیم کر دی، یہی بشرؒ حافی فرماتے ہیں کہ میں اپنے سلوک کے ابتدائی زمانہ میں شہر عباداں (ابادان) جارہا تھا۔ راستہ میں میں نے ایک مجذوب اور دیوار نہ شخص کو دیکھا کہ زمین پر پڑا تھا اور چیونٹے اس کا گوشت کھا رہے تھے۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں لے کر اس کی تیمارداری کی۔ جب وہ بزرگ ہوش میں آئے تو فرمایا کہ کون فضول شخص ہے جس نے میرے اور میرے خداوند کے معاملہ میں مداخلت کی۔

قرآن پاک میں مذکور ہے کہ جب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے حسن سے مبہوت اور بے خود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور جب مصر میں قحط عظیم پڑا تو جو لوگ بھوکے ہوتے تھے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ان کے دیدار کی حلاوت سے بھوک بھول جاتے تھے۔ جب ایک مخلوق کے حسن کی تاثیر کا یہ عالم ہو تو اگر کسی کو خالق حقیقی کا جمال نظر آئے اور مصیبت وبلا سے وہ بے خبر رہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص جنگل میں رہتا تھا اور راضی برضا ہو کر ہر بات پر کہتا تھا کہ خیر اسی میں ہے۔ ایک کتا اس کے سامان کا پاسبان تھا اور گدھا بار برداری کیلئے اس کے پاس موجود تھا۔ اس کا ایک مرغ بھی تھا جو صبح بانگ دے کر اس کو بیدار کیا کرتا تھا۔ ناگہاں ایک بھیڑیئے نے اس کے گدھے کا پیٹ پھاڑ ڈالا (اور وہ مر گیا) تو اس شخص نے کہا کہ خیر اسی میں ہے۔ اس کے گھر کے لوگ اس نقصان پر بڑے غمگین تھے ان لوگوں نے اس سے کہا کہ تم ہر حادثہ پر یہی کہتے ہو کہ خیر اسی میں ہے۔ اب بتاؤ کہ جو جانور ہمارے کام کے تھے سب مر گئے یہ کیسی بھلائی ہوگی اس نے کہا کہ شاید کوئی بھلائی ہو۔ جب دوسرا دن ہوا تو ڈاکو اس شخص کے پڑوسیوں کو قتل کر کے ان کا مال لوٹ کر لے گئے۔ خروس، سگ، خر کی آواز نہ ہونے سے یہ لوگ بچ گئے (ڈاکوؤں کو معلوم نہیں ہوا کہ اس صحرا میں کوئی اور بھی آباد ہے۔) تب اس شخص نے گھر کے لوگوں سے کہا کہ تم نے دیکھا کہ ہم اس طرح بچ گئے حق تعالیٰ کے کام کی خوبی بس اسی کو معلوم ہے۔

نقل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا جو اندھا، کوڑھی تھا اور اس کے بدن کے دونوں حصے مفلوج تھے اور ہاتھ پاؤں بھی بیکار تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ شکر ہے خدا کا جس نے مجھے ایسی بلا سے جس میں بہت سے لوگ مبتلا تھے نجات بخشی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ ایسی کون سی بلا تھی جس سے تو بچا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس شخص سے زیادہ صحت مند ہوں جس کے دل میں معرفت نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ پھر اپنا ہاتھ اس کے اوپر پھیرا وہ فوراً تندرست ہو کہ اٹھ بیٹھا اور اس کی بینائی بھی واپس آگئی۔

شیخ شبلی رحمتہ اللہ علیہ کو دیوانہ سمجھ کر پاگل خانہ میں بند کر دیا گیا۔ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے دوست ہیں۔ یہ سن کر آپ ان کو پتھر مارنے لگے وہ بھاگنے لگے تب شبلیؒ نے فرمایا کہ تم لوگ جھوٹے تھے اگر تم میرے دوست ہوتے تو میری مار سے نہ بھاگتے اور اس پر صبر کرتے۔

رضا کی شرائط : بعض علماء نے کہا ہے کہ رضا کی شرط یہ ہے کہ آدمی سوال نہ کرے اور جو چیز اس کے پاس موجود نہیں ہے اس کو خدا سے طلب نہ کرے اور جو چیز اس کے پاس موجود ہے اس پر قناعت کرے اور چاہئے کہ فسق وفجور کو دیکھ کر برا نہ مانے کیونکہ وہ بھی قضائے الٰہی سے ہے اور اس شہر سے جس میں گناہوں کی کثرت ہو وبا ہو تو وہاں سے نہ بھاگے کیونکہ یہ قضا سے بھاگنا ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ دعا مانگا کرتے تھے اور دعا مانگنے کی ترغیب بھی فرمائی ہے اور ارشاد کیا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دعا کے سبب سے دل میں رقت، شکستگی، تقرب اور تواضع اور باری تعالیٰ کے ساتھ التجا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ سب نیک اور خوب اوصاف ہیں جس طرح پانی پینا تاکہ پیاس دور ہو کھانا کھانا تاکہ بھوک رفع ہو اور لباس پہننا تاکہ سردی کو دفع کرے۔ رضائے الٰہی کے بر خلاف نہیں ہے بلکہ جس امر کو خداوند تعالیٰ نے سبب ٹھہرا کر اس کا حکم دیا ہو اس حکم کے خلاف کرنا خداوند تعالیٰ کی رضا مندی کے خلاف ہے۔ البتہ گناہ سے راضی رہنا درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معصیت سے منع فرمایا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص معصیت سے راضی ہوگا تو گویا وہ اس گناہ میں شریک ہے اور حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کو ملک مشرق میں قتل کیا جائے اور کوئی دوسرا بندہ مغرب میں ہے اور اس قتل ناحق سے خوش ہو تو گویا وہ اس گناہ میں شریک ہے۔

اگرچہ معصیت خدا کے حکم سے ہوتی ہے لیکن اس کے دو پہلو ہیں ایک کا تعلق بندہ سے ہے کہ گناہ کا کرنا اس کے اختیار میں ہے کہ بندے کی قوت بھی حق کا عطیہ ہے۔ (کہ او ہم قوت حق است کیمیائے سعادت نولکشوری نسخہ صفحہ ۵۵۳) اور دوسرا رخ خداوند تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کچھ ہوا وہ اس کی قضاء اور تقدیر کی بناء پر ہے۔ (ویکے باحق کہ قضا تقدیر اوست تعلق وارد) اس کے حکم اور تقدیر کو اس میں دخل ہے۔ پس اس وجہ سے کہ خدا کی تقدیر ہے کہ بندے کفر و معصیت سے خالی نہ رہیں گے اس پر راضی رہنا ضروری ہے (پس بداں وجہ کہ قضا کردہ است کہ عالم از کفر و معصیت خالی نباشد بدیں رضا باید کہ دارد) لیکن اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ گناہ سے ناراض ہوتا ہے تاکہ اس پر راضی رہنا ضروری نہیں اور ہم نے یہ جو کچھ کہا کہ اس میں تناقض نہیں ہے کیونکہ اگر کسی شخص کا کوئی دشمن مر جائے اور وہ اس کے دشمن کا دشمن ہو تو وہ غمگین ہوگا۔ اور خوش بھی ہوگا اس میں خوشی کا سبب کچھ اور ہے۔ اور غم کا موجب کچھ اور ہے۔ تناقض اس صورت میں ہو تاکہ خوشی اور غم ایک سبب سے ہوں۔ پس ایسی جگہ سے جہاں معصیت ہو بھاگ جانا ضروری ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها (یارب ہم کو اس قریہ سے نکال دے جس کے لوگ ظالم ہیں) بزرگان سلف نے ایسی بستی میں مقیم ہونے سے گریز کیا ہے کیونکہ معصیت سرایت کرے گی اور نہ کرے گی تو بلا اور عقوبت میں گرفتار ہونا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ اتقو افتنة لا تصيبن الذين ظلمو امنكم خاصة (اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو تنہا تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا۔)

اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو جہاں اس کی نظر نامحرم پر پڑتی ہے۔ اور وہ وہاں سے بھاگ جائے تو اس میں رضائے

الٰہی کی مخالفت نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی شہر میں قحط ہو تو وہاں سے نکل جانا روا اور درست ہے۔ مگر طاعون اور وبا کی جگہ سے نکل جانا (بھاگ جانا) درست نہیں کیونکہ اگر تمام تندرست لوگ چلے جائیں گے تو بیمار تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ البتہ دوسری آفتوں کیلئے ایسا حکم نہیں ہے۔ بلکہ حکم کے موافق اس کی تدبیر ضروری ہے پس جب حکم بجا لایا لیکن تدبیر سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو پھر تقدیر پر راضی رہے اور سمجھ لے کہ بہتری اور خوبی اسی میں ہے۔

اصل دھم

یاد مرگ

معلوم ہونا چاہئے کہ جو کوئی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ آخر ایک دن مرنا ہے اور قبر میں سونا ہے۔ منکر نکیر کے سوالات اور قیامت برحق ہے اور پھر جنت میں جانا ہو گا یا دوزخ میں۔ ایسا شخص موت کو کبھی نہیں بھولے گا اور اگر دانشمند اور عاقل ہے تو ہمیشہ زاد آخرت کی تدبیر میں مصروف رہے گا اور دوسری کسی چیز سے واسطہ نہیں رکھے گا۔ چنانچہ سرور کونین ﷺ کا ارشاد ہے۔

الکیس من دان نفسہ' وعمل لما بعد الموت — ہوشیار ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو روکا اور ایسا عمل کیا جو مرنے کے بعد کام آئے۔

اور جو شخص موت کو بہت یاد کرتا ہے وہ یقیناً اس کے توشہ کی تیاری میں مصروف رہے گا اور اس کی قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جائے گی۔ اور جو کوئی موت کو بھول جائے گا۔ ہمیشہ دنیا کے معاملات میں پھنس کر زاد آخرت سے غافل رہے گا۔ اس کی قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں ہو گی اسی واسطے موت کا ذکر کرنا بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اکثرو امن ذکر ھادم اللذات (لذتوں کو مٹا دینے والی اور ان کو ڈھا دینے والی یعنی موت کو اکثر یاد کیا کرو) مزید فرمایا ہے کہ "اگر چرندے جانور موت کا وہ احوال جانتے ہوتے جو تم جانتے ہو تو ہرگز چکنا گوشت کسی بشر کے کھانے میں نہیں آتا۔ یعنی سب جانور فکر سے لاغر ہو جاتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا۔ یارسول اللہ ﷺ کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کو (بغیر شہادت کے) شہیدوں کا درجہ ملے۔ آپ نے فرمایا ہاں جو شخص دن بھر میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے۔

منقول ہے کہ حضرت ﷺ کا گذر ایک قبیلہ پر ہوا جو بلند آواز سے ہنس رہے تھے تو آپ نے فرمایا اے لوگو! تم اپنی مجلس میں اس چیز کا ذکر کرو جو ساری لذتوں کو خفیف کر دیتی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے۔ حضور ﷺ نے

فرمایاوہ موت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، نے کہا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے مجھے سے فرمایا موت کو اکثر یاد کیا کر کہ وہ
تجھے دنیا میں زاہد بنادے گی اور تیرے گناہ کا کفارہ ہو گی۔
حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کفي بالموت واعظاً یعنی عالم کو نصیحت کرنے کیلئے موت کا ذکر کرنا کافی
ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کسی شخص کی تعریف حضور علیہ التحیۃ والثناء کے سامنے کرنے لگے حضور اکرم ﷺ نے
دریافت فرمایا کہ موت کا ذکر اس کے دل پر کیا اثر کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا موت کی بات تو ہم نے
اس کے منہ سے کبھی سنی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پھر تو تم اس کو جیسا نیک سمجھتے ہو وہ ویسا نہیں ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں دس اشخاص کے ساتھ حضور پر نور کی خدمت میں حاضر ہوا۔
جماعت انصار میں سے ایک شخص نے حضرت رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا دانشمند کون ہے آپ نے
فرمایا جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دین و دنیا کی بزرگی حاصل کئے ہیں۔ جناب ابراہیم تیمیؒ نے کہا کہ دو
چیزیوں نے مجھ سے دنیا کی راحت چھین لی ہے۔ ایک موت کی یاد نے دوسرے خداوند تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونے کے
اندیشہ نے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، کی عادت تھی کہ ہر شب علماء کو جمع کرتے وہ حضرات قیامت اور موت کا
احوال بیان کرتے تو تمام لوگ اس قدر روتے جس طرح اہل ماتم روتے ہیں اور حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اپنی ہر مجلس میں
صرف موت، دوزخ اور آخرت ہی کی بات کیا کرتے تھے۔
منقول ہے کہ ایک عورت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کہا کہ میرا دل بہت سخت ہے (نرم
کرنے کی) کیا تدبیر کروں؟ حضرت ام المومنین نے فرمایا تو موت کو کثرت سے یاد کیا کر تیرا دل نرم ہو جائے گا۔ چنانچہ
اس بات پر عمل کرنے سے اس کی سخت دلی جاتی رہی وہ پھر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر
ہوئی اور آپ کا شکریہ ادا کیا۔
حضرت ربیع ابن خیثم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود لی تھی اور ہر روز کئی مرتبہ اس میں جا کر لیٹتے
تھے تاکہ موت کا خیال دل میں تازہ رہے۔ ان کا قول تھا کہ اگر ایک دن میں ایک ساعت کیلئے بھی موت کو بھول جاؤں تو
میرا قلب سیاہ پڑ جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، نے ایک شخص سے فرمایا موت کو اکثر یاد کیا کرو اس کے
دو فائدے ہیں۔ اگر تم محنت و تکلیف میں مبتلا ہو تو اس یاد مرگ سے تم کو تسلی ہو گی اور اگر فراغت و آسودگی حاصل ہے تو
موت کا ذکر تمہارے عیش کو تلخ کر دے گا۔
شیخ ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے میں نے ام ہارونؒ سے پوچھا کہ کیا تم موت سے راضی ہو۔ انہوں
نے جواب دیا نہیں میں موت نہیں چاہتی، انہوں نے پوچھا اس کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں کسی بندہ کی قصور
وار ہوتی ہوں تو اس شخص کو دیکھنا پسند نہیں کرتی اس کے سامنے ٹھہرنے سے شرم کرتی ہوں اور جبکہ میں گناہوں میں

غرق ہوں تو خداوند تعالیٰ کے سامنے کس طرح جاسکونگی۔

موت کو یاد کرنے کے طریقے: اے عزیز موت کی یاد تین طرح سے ہوا کرتی ہے۔ ایک تو اسے غافل دنیا دار کا یاد کرنا ہے کہ موت کے ذکر سے وہ راضی نہیں ہے۔ اس کو اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا کے عیش وآرام اس سے چھوٹ جائیں گے۔ پس وہ موت کی شکایت کر کے کہتا ہے کہ یہ بری بلا سامنے کھڑی ہے۔ افسوس کہ مجھے دنیا اور اس کے عیش و آرام کو چھوڑنا پڑے گا۔ اس طرح موت کا ذکر کرنا۔ اس کو حق تعالیٰ کی درگاہ سے دور کرتا ہے۔ لیکن اگر دنیا کا عیش اس پر کچھ تلخ و ناگوار ہے اور دل دنیا سے بیزار ہے تو موت کا یاد کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس نے گناہوں سے توبہ کرلی ہے وہ موت کو ناپسند نہیں کرتا اور اس کا ذکر ناگوار نہیں گزرتا۔ لیکن اس کے جلد آنے سے کراہت کرتا ہے اس کو اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ مجھے توشہ آخرت کے بغیر جانا پڑے گا۔ اس سبب سے اگر کوئی شخص موت کو ناگوار محسوس کرے اور اس سے کراہت کرے تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے۔ تیسرا طریقہ عارف کے یاد کرنے کا ہے۔ اس لئے وہ موت کو یاد کرتا ہے کہ دیدار الٰہی کا وعدہ موت کے بعد ہے۔ وصل دوست کے وعدہ کا وقت کوئی بھی نہیں بھولتا۔ بلکہ ہمیشہ اس کے انتظار میں رہتا ہے۔ صرف انتظار ہی نہیں بلکہ اس کی آرزو کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دم مرگ فرمایا۔ حبیب جاء علی فاقة یعنی دوست درویشی کے وقت آیا ہے۔ پھر انہوں نے مناجات میں اس طرح کہا خدایا۔ اگر تو اس سے واقف ہے کہ میری نظر میں درویشی، توانگری سے، بیماری، تندرستی سے اور موت، زندگی سے بہتر ہے اور پسندیدہ تر ہے تو مجھ پر موت کی سختی کو آسان فرمادے۔ تاکہ میں تیرے دیدار سے لذت اندوز ہوسکوں۔

ان امور کے سوا ایک اور بڑا درجہ ہے جس میں نہ موت سے بیزاری ہے اور نہ اس کی طلب ہے اور نہ تعجیل کی خواہش ہے نہ تاخیر کی آرزو۔ بلکہ حق تعالیٰ کے حکم پر راضی ہوتا ہے۔ اپنے تصرف و اختیار کو چھوڑ کر تسلیم و رضا کے بلند ترین مقام پر پہنچتا ہے اور یہ بات اس وقت حاصل ہوگی کہ موت اس کو یاد آئے جبکہ حال یہ ہے کہ موت کا خیال اکثر اس کے دل میں نہیں آتا کیونکہ وہ دنیا میں مشاہدہ الٰہی میں مستغرق رہتا ہے اور ذکر الٰہی اس کے دل پر غالب ہوتا ہے۔ اس کی نظر میں مرنا اور جینا دونوں ایک ہیں کیونکہ تمام احوال میں خدا کی یاد اور اس کی محبت میں مستغرق رہتا ہے۔

موت کا ذکر دل پر کس طرح موثر ہوتا ہے: معلوم ہونا چاہئے کہ موت ایک امر عظیم اور امر گراں بار ہے اور خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ اکثر لوگ موت سے بے خبر ہیں اگر کبھی یاد بھی کرتے ہیں تو ان کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا کے کاموں کا خیال اس قدر ہوتا ہے کہ کسی دوسری بات کی وہاں گنجائش ہی نہیں ہوتی اس لئے وہ لوگ خدا کے ذکر سے کبھی حلاوت اور لذت نہیں پاتے۔ پس اس کی تدبیر یہ ہے کہ آدمی گوشہ نشین ہو کر ایک ساعت کیلئے اپنے دل کو دنیاوی خیالات سے الگ تھلگ رکھے اس شخص کی طرح جس کو ایک جنگل طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تو اس کی تدبیر

میں وہ اس طرح منہمک ہوتا ہے کہ دل دوسری چیزوں سے فارغ رہتا ہے۔ پس یہ خلوت نشین اپنے دل میں خیال کرے کہ موت عنقریب آنے والی ہے۔ ممکن ہے کہ میں آج ہی مر جاؤں۔ اگر کوئی شخص تم سے کہے کہ تم اس اندھیرے اور تاریک بالاخانہ پر جاؤ جبکہ تم کو یہ معلوم نہیں کہ راہ میں کوئی غار ہے یا اس کے راستہ میں کوئی پتھر رکھا ہوا ہے یا کچھ خطرہ ہے تو اس صورت میں یقیناً تم ہراساں ہو گے پس اب خیال کرو کہ موت کے بعد تمہارا کیا حال ہوگا اور قبر کی سختی بھی کچھ کم نہیں ہے تو پھر اس بات سے بے فکر رہنا کس طرح بجا ہو سکتا ہے پس مناسب اور بہتر یہی ہے کہ اپنے ان دوست احباب کو یاد کرو جو مر چکے ہیں اور ان کی صورتوں کو پیش نظر رکھو اور خیال کرو کہ دنیا میں کس کروفر سے رہتے تھے اور کس قدر ان کے دل مسرور رہتے تھے اور وہ موت سے بے خبر تھے پس ناگہاں عین بے خبری کے عالم میں موت آئی اور ان کے اعضاء کس طرح گل سڑ گئے ہوں گے اور کیڑوں نے ان کے ناک، کان اور گوشت پوست کو کھالیا ہوگا اور مٹی میں مل گئے ہوں گے۔ اب ان کے ورثاء ان کے مال تقسیم کر کے بڑے مزہ سے کھا رہے ہیں اور ان کی بیویاں دوسرے خاوندوں کے ساتھ عیس کر رہی ہیں اور پہلے شوہروں کو بھول چکی ہیں۔ پس اپنے ہر ایک گذرے ہوئے یار آشنا کو یاد کرے اور ان کی تفریحات، ہنسی، دل لگی اور غفلت اور بڑی بڑی امیدوں اور آرزوؤں میں ان کا مشغول رہنا یاد کرے کہ وہ جن کاموں میں مشغول رہتے تھے وہ بیس بیس سال میں بھی تمام نہیں ہو سکتے تھے اور ان کاموں میں کیسی کیسی تکلیف اٹھاتے تھے ان کا کفن دھوبی کے گھاٹ پر دھویا گیا تھا اور ان کو اس کی بالکل خبر نہیں تھی پس اپنے دل سے کہے کہ میں بھی ان کے مانند ہوں اور میری حرص و غفلت ان سے کچھ کم نہیں یہ تو تمہاری خوش نصیبی ہے کہ یہ لوگ تم سے پہلے مر گئے تاکہ تم کو ان کے حال سے عبرت حاصل ہو۔

بزرگوں نے فرمایا ہے فان السعید من وعظ بغیرہ (نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے) پس انسان اپنے ہاتھ پاؤں، آنکھ، انگلیوں اور زبان اور دوسرے اعضاء کا خیال کرے کہ یہ تمام اعضاء ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور چند روز میں یہ بدن زمین کے کیڑوں کی غذا بن جائے گا۔ پھر تم اپنی اس صورت کا خیال کرو جو قبر میں ہوگی۔ ایک سڑا گلا ہوا مردار بن جائے گی۔ غرض اس قسم کے خیالات دن بھر میں ایک ساعت کیلئے دل میں لائے تاکہ دل موت سے خبردار رہے۔ یوں ظاہر میں سرسری طور پر موت کو یاد کرنا دل پر اثر نہیں کرتا۔ انسان ہمیشہ دیکھتا ہے کہ لوگ جنازہ لے جا رہے ہیں اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس قسم کے نظارے ہمیشہ ہوتے رہیں گے لیکن خود کو کبھی مردہ کی حالت میں خیال نہیں کرتا۔ جو بات دیکھی نہیں جاتی ہے وہ کبھی خیال میں نہیں آتی ہے۔ اسی واسطے حضور اکرم ﷺ نے خطبہ میں اس طرح ارشاد فرمایا: سچ بتا! کیا یہ موت ہمارے واسطے نہیں لکھی ہے اور یہ جنازے جو لوگ لے جا رہے ہیں سچ بتا کہ کیا یہ مسافر ہیں جو پھر جلد ہی لوٹ آئیں گے۔ لوگ ان کو خاک میں دفن کر کے ان کی میراث (ترکہ) کھاتے ہیں اور اپنے حال سے غافل رہتے ہیں۔

موت کو یاد نہ کرنے کا سبب اکثر طول امل ہوتا ہے یعنی بڑی بڑی لمبی لمبی آرزوئیں۔ یہ ساری خرابیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔

آرزوئے کوتاہ کی فضیلت: جو کوئی اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ میں مدتوں زندہ رہوں گا اور مدت دراز کے بعد مجھے موت آئے گی ایسے شخص سے دین کا کوئی کام نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے دل ہے کہتا ہے کہ ابھی زندگی کے بہت دن باقی ہیں۔ جب چاہوں گا فلاں نیک کام کرلوں گا۔ ابھی تو جو دن عیش و عشرت میں گذر رہے ہیں یہ غنیمت ہیں اور جو کوئی اپنی موت کو اپنے قریب سمجھے گا۔ وہ ہر طرح سے زاد آخرت کی تدبیر میں مصروف ہوگا۔ ایسا خیال تمام سعادتوں کا محرک و موجب ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا صبح کو جب تو سو کر اٹھے تو یہ خیال نہ کر کہ رات میں نے زندہ رہ کر بسر کی (رات میں زندہ رہا) بلکہ اپنی زندگی سے موت کا سامان حاصل کر اور تندرستی سے بیماری کا توشہ بہم پہنچا (بیماری کا خیال کر) تو نہیں جانتا کہ کل تیرا نام حق تعالیٰ کے نزدیک کس گروہ میں داخل ہوگا۔

یہ بھی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "کہ اے لوگو! تمہارے باب میں کسی چیز سے اتنا اندیشہ ناک نہیں ہوں جتنا تمہاری ان دو خصلتوں سے ڈرتا ہوں کہ تم حرص کی پیروی کرو گے اور زندگی دراز کی امید رکھو گے۔"

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک چیز اتنی خریدی کہ ایک ماہ تک کام آئے۔ حضور ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا ان اسامہ تطویل الامل یعنی اسامہ حیات مستعار پر بڑا بھروسہ رکھتا ہے۔ قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جب میں آنکھ بند کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ آنکھ بند کرنے سے پہلے میری موت آجائیگی اور جو لقمہ منہ میں ڈالتا ہوں۔ سمجھتا ہوں کہ ابھی موت آجائے گی اور وہ حلق میں رہ جائے گا۔"

اے لوگو اگر عقل رکھتے ہو تو خود کو مردہ سمجھو قسم ہے اس پروردگار کی جس کی دست قدرت میں میری جان ہے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ آکر رہے گی اور اس سے نہ بچو گے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مربع کھینچا اور اس کے درمیان ایک سیدھا اور اس خط کے دونوں جانب چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اور اس کے باہر سے ایک خط کھینچ کر فرمانے لگے۔ "یہ خط جو اس مربع کے اندر ہے آدمی کی مثال ہے اور یہ خط مربع اس کی اجل ہے جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اس سے بھاگ نہ سکے گا اور یہ چھوٹی لکیریں جو دونوں طرف ہیں آفتیں اور بلائیں ہیں جو اس کے آگے کھڑی ہیں۔

اگر بالفرض وہ ایک آفت سے بچ جائے تو دوسری آفت سے نجات نہ پائے گا۔ یہاں تک کہ مر جائے اور ایک خط جو مربع کے باہر ہے اس کی آس اور امید ہے کہ آدمی ہمیشہ بڑی بڑی تدبیروں میں لگا رہتا ہے جو خدا کے علم میں ہیں اور اس کی اجل کے بعد پوری ہوں گی۔

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ انسان ہر روز بوڑھا ہوتا جاتا ہے اور دو چیزیں اس میں جوان ہوتی جارہی ہیں مال کی حرص اور جینے کی آرزو۔ خبر میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ضعیف شخص کو دیکھا جو پھاوڑا ہاتھ میں لئے کام کر رہا ہے اور دعا مانگ رہا تھا کہ یا الٰہی حرص کو اس دل سے نکال دے۔ اللہ تعالیٰ نے حرص کو اس کے دل سے نکال دیا۔ وہ

ضعیف شخص پھاوڑا ہاتھ سے رکھ کر سو گیا۔ ایک ساعت کے بعد پھر اٹھا اور مناجات کی کہ یاد الٰہی اس کو حرص عطا کر تب وہ پیر مرد اٹھ کر پھر کام کرنے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں محنت کب تک کروں گا۔ بوڑھا ہو گیا ہوں اور اب جلد مرنے والا ہوں اس وجہ سے میں نے پھاوڑا رکھ دیا (کام چھوڑ دیا) پھر دوبارہ یہ خیال دل میں پیدا ہوا کہ موت آنے تک روٹی کھانا (طعام) ضروری ہے (اس لئے دوسری دعا کی)۔

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے دریافت کیا کیا تم جنت میں جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں ہم چاہتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم حرص کو کم کر دو اور موت کی صورت اپنے سامنے ہمیشہ رکھو اور حق تعالیٰ سے بہت زیادہ شرم کرو۔ منقول ہے کہ کسی شخص نے اپنے بھائی کو خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا کہ دنیا خواب ہے اور آخرت بیداری اور ان دونوں کے درمیان موت ہے اور جس عالم میں ہم ہیں وہ پریشان خواب و خیال ہے۔"

حرص کے اسباب: اے عزیز معلوم ہونا چاہئے کہ انسان طویل زندگی کو دو وجہوں سے اپنے دل میں قرار دیتا ہے (چاہتا ہے) ایک نادانی اور دوسری وجہ دنیا کی محبت۔ لیکن جب دنیا کی محبت غالب آئی۔ تو موت نے محبوب دنیا کو اس سے چھین لیا۔ اس وجہ سے انسان موت سے خوش نہیں اور یہ امر (مرنا) اس کی طبیعت کے خلاف ہے۔ اور جو چیز مخالف طبع ہوتی ہے تو انسان ہمیشہ اس سے حذر کرتا ہے اور خود سے بھلاتا ہے اور ہمیشہ اس چیز کے مخالف خیال جمائے رہتا ہے جو اس کی آرزو کے مطابق ہو پس ہمیشہ وہ زندگی، مال وزن، فرزند اور دنیا کے سامان کو سمجھنے لگتا ہے کہ یہ دائمی ہیں اور موت کو اس کی تمنا کے بر خلاف ہے بھول جاتا ہے۔ اگر کبھی اتفاقاً موت کی یاد بھی آئی تو کہتا ہے کہ ابھی جلدی کیا ہے بہت دن ابھی (زندگانی کے) باقی ہیں آئندہ موت کا توشہ فراہم کر لوں گا۔ بڑھاپے تک صبر کرنا چاہئے۔ پھر جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو کہتا ہے۔ ذرا اور زندگی باقی رہے کہ میری یہ زمین پانی سے سیراب ہو جائے تاکہ دل روزی کی فکر سے فارغ ہو جائے تاکہ عبادت کی لذت حاصل ہو اور فلاں دشمن نے جو سر اٹھایا ہے اس کو ٹھیک کر دوں۔ غرض اس طرح سے ڈھیل دیئے جاتا ہے۔ ایک شغل سے فارغ ہو کر دس اور کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہ احمق اتنی بات نہیں سمجھتا کہ دنیا کے کاموں سے کسی نے فراغت حاصل نہیں کی ہے۔ سوائے اس کے کہ دنیا سے دست بردار ہو جائے اور یہ نادان یہ سمجھتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں اس سے فارغ ہو جاؤں گا۔ اس طرح روز تاخیر کرتا چلا جاتا ہے آخر کار یکایک موت آجاتی ہے اور حسرتیں دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے اکثر اہل دوزخ کی فریاد اور پشیمانی اس تاخیر کرنے کے سبب سے ہو گی (کہ انہوں نے عمل خیر میں تاخیر کی) اور اس تاخیر اور ڈھیل کا سبب دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "جس چیز کو تو چاہتا ہے اس کو دوست رکھ۔ لیکن آخر کار وہ تجھ سے چھین لی جائے گی۔" نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی جوانی پر بھروسہ کرے اور اتنا نہ سمجھے کہ بڑھاپے سے پہلے ہی مر جائے گا۔ ہزاروں بچے

مر جاتے ہیں۔ شہر میں جو بوڑھے کم نظر آتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ بڑھاپے کی عمر کو لوگ بہت کم پہنچتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ نادان تندرستی کی حالت میں مرگ مفاجات کو اپنے سے دور سمجھتا ہے۔ اتنا نہیں جانتا کہ اچانک مر جانا تو شاذ و نادر ہے لیکن اچانک بیمار ہونا نادر نہیں کہ تمام بیماریاں اچانک ہی آتی ہیں تو اس بیماری سے بیمار کا مر جانا ممکن ہے پس عقلمند کو چاہئے کہ موت کی صورت میں ہمیشہ پیش نظر رکھے اس دھوپ کی طرح جو اس پر پڑ رہی ہو اس سایہ کی طرح نہیں جو اس کے آگے چلتا ہے اور یہ اس کو نہیں پاسکتا۔

حرص کا علاج

معلوم ہونا چاہئے کہ کسی چیز کے سبب کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ اب جبکہ تم یہ تمام باتیں جان چکے تو اب حرص کے دفع کرنے کی تدبیر بھی کرنا چاہئے۔ جس سبب سے دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے وہ اس کو تدبیر سے دور کیا جا سکتا ہے۔ جس کا ذکر ہم نے "حب دنیا" کی فصل میں کیا ہے۔

یعنی جو کوئی دنیا کی بے ثباتی معلوم کرلے گا وہ ہرگز اس کو دوست نہیں رکھے گا۔ کیونکہ جانتا ہے اس کی لذت چند روزہ ہے اور موت کے آنے پر یہ سب ختم ہو جائے گی اور دنیا کا یہ فی الحال عیش بھی کدورت، رنج اور درد سر سے خالی نہیں ہے اور جو کوئی آخرت کی مدت کی درازی اور دنیاوی عمر کی کوتاہی پر غور کرے گا تو سمجھ لے گا۔ آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کرنا گویا ایسا ہے کہ کوئی شخص اس درھم کو جو اس نے خواب میں دیکھا اس درہم پر فوقیت دے جو عالم بیداری میں اس کے ہاتھ میں ہو کیونکہ دنیا خواب ہے حدیث شریف آیا ہے۔

الناس ینام فاذا ما توا فا نتھوا — تمام لوگ سو رہے ہیں جب مر جائیں گے تو بیدار ہوں گے۔

نادانی و غفلت کا علاج اچھے فکر و تام سے ہوگا۔ یوں سمجھو کہ جب موت کا آنا آدمی کے اختیار میں نہیں ہے تو وہ ایسے وقت پر نہیں آئے گی جس میں اس کی مرضی ہو۔ پھر جوانی، زور اور قوت پر بھروسا کرنا قطعی نادانی ہے۔

حرص کے درجے: حرص کے درجوں اور مرتبوں کے اعتبار سے لوگ مختلف ہیں۔ کوئی تو ایسا ہوگا جو ہمیشہ دنیا میں رہنا چاہتا ہوگا۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یود احدکم لو یعمر الف سنة (تم میں کوئی خواستگار ہے کہ ہزار سال تک جئے) اور کوئی ایسا ہوگا کہ بڑھاپے کی آرزو رکھتا ہے اور کوئی ایسا ہوگا کہ اس کو ایک سال سے زیادہ جینے کی امید نہ ہو اور کل دوسرے برس کی تدبیر نہ کرے کوئی ایسا ہوگا کہ ایک دن سے زیادہ جینے کی امید نہ ہو اور کل کی تدبیر اور فکر نہ کرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کل کی روزی جمع مت کر کیونکہ اگر زندگی باقی ہے تو رزق بھی باقی ہے اور حیات باقی نہیں ہے تو دوسروں کی زندگی کے واسطے تم رنج مت اٹھاؤ اور کوئی ایسا ہوگا کہ ایک ساعت بھی زندہ رہنے کی اس کو امید نہ ہو چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانی موجود ہوتے ہوئے تیمم فرما لیتے کہ مبادا پانی لانے سے قبل ہی موت واقع ہو جائے

اور کوئی ایسا ہوگا کہ موت ہر آن اس کی نگاہوں کے سامنے ہو۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جس چیز سے بہرہ مند ہوا میں نے سمجھ لیا کہ آئندہ پھر اس سے نفع اندوز نہیں ہو سکوں گا حضرت اسود حبشی رضی اللہ عنہ، نماز کے وقت ہر طرف دیکھتے تھے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کسے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ملک الموت کو دیکھ رہا ہوں کہ کس طرف سے آئے گا۔

الغرض اس بات میں بندوں کی حالت یکساں نہیں ہے جو کوئی فقط ایک ماہ جینے کی امید رکھتا ہے۔ وہ اس سے افضل ہے جو چالیس دن زندگی کی امید رکھتا ہے اور اس کی مثال اس سے ظاہر ہے کہ ایک شخص کے دو بھائی پردیس میں ہیں ایک بھائی کے ایک ماہ میں واپس آنے کی امید ہے اور دوسرے کی سال بھر۔ ایک ماہ میں جو آنے والا ہے اس کے واسطے یہ بھائی تیاریاں کرتا ہے اور دوسرے بھائی کے معاملہ میں تاخیر کرتا ہے بس اسی طرح ہر کوئی خود کو حرص و ہوا سے دور خیال کر سکتا ہے لیکن ہوا و حرص میں مبتلا رہنے کی علامت یہ ہے کہ انسان اپنے دم کو غنیمت جانے اور کار خیر میں جلدی کرے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے لوگوں! پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، توانگری کو مفلسی سے پہلے اطمینان کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی قدر اکثر لوگوں کو نہیں ہے۔ ایک تندرستی دوسرے جمعیت خاطر۔ حضور اکرم ﷺ جب کبھی کسی صحابی (رضی اللہ عنہم) سے غفلت مشاہدہ فرماتے تو ان سے پکار کر فرماتے "موت آئی تو سعادت لائی یا شقاوت لائی۔" حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، نے فرمایا ہے کہ ہر صبح یہ پکار پکار کر کہتی ہے کہ اے لوگو! الرحیل الرحیل' (کوچ درپیش ہے کوچ درپیش ہے) شیخ داؤد طائی کو لوگوں نے دیکھا کہ نماز پڑھنے کیلئے دوڑتے ہوجا رہے ہیں لوگوں نے پوچھا اتنی جلدی کس لئے ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ لشکری شہر کے دروازے پر میرے منتظر ہیں۔ یعنی قبرستان کے مردے جب تک مجھے نہ لے جائیں یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔

نقل ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی آخیر عمر میں بڑی ریاضت کرتے تھے لوگوں ے کہا کہ اگر آپ اس سخت ریاضت میں کچھ نرمی کر دیں تو کیا مضائقہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب گھوڑے کو آخری معرکہ میں دوڑاتے ہیں تو وہ اپنا تمام زور لگا دیتا ہے۔ اسی طرح یہ وقت میری عمر کا آخری میدان ہے قیامت قریب ہے۔ عبادت میں قصور نہیں کردوں گا۔

سکرات مرگ اور جان کنی

معلوم ہونا چاہئے کہ اگر عقل مند شخص کو سکرات موت کے علاوہ اور کوئی خطرہ درپیش ہوتا تو بھی اس کو لازم تھا کہ سکرات کا خوف دل میں رکھ کر دنیا کے عیش سے بیزار رہتا کیونکہ اس کو اگر اس بات کا ڈر ہو کہ ایک ترک سپاہی اس کے گھر کے اندر گھس کر اس کو کاٹنے والا ہے تو ڈر کے باعث خواب و خور سے جی اچاٹ ہو جائے گا۔ حالانکہ ترک کا آنا مشکوک و

مشتبہ ہے اور ملک الموت کا آنا اور روح قبض کرنا "یقینیات" سے ہے (یقینی بات ہے) اور موت کا صدمہ اس ترک کے گرز کی ضرب سے بہت زیادہ شدید اور مہیب ہو گا۔ لیکن غفلت کے سبب سے لوگ اس سے نہیں ڈرتے۔ تمام بزرگان دین اس بات پر متفق ہیں کہ جان کنی کی تکلیف تلوار سے کسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کی اذیت سے زیادہ سخت ہے کیونکہ زخم کی اذیت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جہاں زخم لگتا ہے وہاں کی روح کو اذیت پہنچتی ہے اور ظاہر ہے کہ زخم کی جگہ پر تلوار روح کو نہیں دیکھتی ہے آگ سے جلنے کا درد اس واسطے زیادہ ہوتا ہے کہ اس کی جلن تمام اجزاء میں سرایت کر جاتی ہے اور جان کندنی کی اذیت عین روح میں جو بدن کے تمام اجزا کو گھیرے ہے ظاہر ہوتی ہے اور سکرات کے وقت آدمی بے طاقتی کے سبب سے اس واسطے خاموشی رہتا ہے کہ زبان اس کی سختی سے گنگ ہو جاتی ہے اور عقل بجا نہیں رہتی۔ یہ سختی بس وہی معلوم کر سکتا ہے جس نے اس کی اذیت اٹھائی ہے۔ یا نور نبوت کی بدولت اس کے وقوع سے پہلے ہی اس کی اذیت کا علم ہو۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے حواریو! تم دعا مانگو کہ حق تعالیٰ جان کنی مجھ پر آسان فرمادے کہ مجھے موت کا اتنا خوف ہے کہ میں اس خوف سے مر جاؤں گا۔

حضور اکرم ﷺ نے اس وقت پر یہ دعا مانگی تھی اللھم ھون علے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سکرات الموت (الٰہی محمد (ﷺ) پر سکرات موت کو آسان فرمادے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے جس شخص کو سکرات میں آسانی ہو اس کی خوبی (انجام) کی مجھے امید نہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی سکرات کی سختی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اس وقت آپ فرما رہے تھے "یا الٰہی اس روح کو تو ہڈیوں اور رگوں سے نکال رہا ہے یہ سختی مجھ پر آسان فرمادے اور حضرت ﷺ نے سکرات و جان کنی کی تکلیف کا احوال یوں بیان فرمایا ہے کہ سکرات کا عالم تلوار کے تین سو زخم کا سا ہے"۔ یہ بھی آپ نے فرمایا کہ بہت آسان موت کی مثال گوکھرو کے کانٹے جیسی ہے جو پانوں میں چبھ جائے پھر اس کا نکالنا آسانی سے ممکن نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ ایک بیمار کے پاس جو حالت نزع میں تھا تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے اس کی سختی کی خبر ہے۔ کوئی رگ بدن میں ایسی نہ ہو گی جس میں الگ الگ درد نہ ہوتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگوں! جنگ کرو تاکہ دشمن کے ہاتھ سے مارے جاؤ کیونکہ تلوار کے ہزار زخم سکرات کی سختی سے جو بستر علالت پر ہوتی ہے تمہارے اوپر آسان ہیں۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا گذر کسی قبرستان پر ہوا۔ ان کی دعا سے حق تعالیٰ نے ایک مردہ کو زندہ کر دیا وہ اٹھا اور بولا اے لوگو! مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میری موت کو پچاس سال گذر چکے ہیں لیکن ابھی تک جاں کنی کی سختی مجھے یاد ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کسی مومن کے مرتبہ میں کچھ باقی رہ جاتا ہے جیسے وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ سکرات موت کو اس پر سخت فرمادیتا ہے۔ تاکہ وہ اس طرح ان درجات کو حاصل کرے اور اگر کسی کافر نے نیکی کی ہے تو اس کی جزا میں سکرات کو اس پر آسان کر دیتا ہے۔ تاکہ اس کا کچھ حق خداوند

تعالیٰ کے ذمہ نہ رہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ مرگ مفاجات میں مومن کی راحت اور کافر کی حسرت ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو حق تعالیٰ نے ان سے دریافت کیا کہ اے موسیٰ! سکرات میں تیرا کا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ایسی حالت ہے جیسے کسی زندہ پرندہ کو آگ میں بھونتے ہوں جس میں نہ اڑنے کی قدرت ہے اور نہ مرنے کی تا کہ اس سختی سے نجات پالے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے کعب الاحبار سے دریافت کیا کہ جان کنی کی سختی کیسی ہوتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کانٹوں سے بھری ہوا ایک شاخ کو کس کے بدن میں داخل کر دیا جائے اور اس کا ایک کانٹا ایک ایک رگ میں چبھ گیا ہو پھر کوئی بہت طاقتور شخص اس شاخ کو باہر کھینچے۔

جاں کنی کی ہیبت : نزع کے عالم میں تین ہیبتیں انسان کو درپیش ہوتی ہیں ایک یہ کہ ملک الموت کی ڈراؤنی صورت اسے نظر آتی ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں تم کو اس صورت میں دیکھوں جس صورت میں تم گناہ گاروں کی روح قبض کرتے ہو ملک الموت نے کہا کہ آپ کبھی اس کی تاب نہ لاسکیں گے۔ آپ نے کہا نہیں تم مجھے دکھلاؤ تب ملک الموت نے اپنی وہ صورت آپ کے سامنے پیش کی کہ ایک کالا کلوٹا گندے بالوں والا سامنے کھڑا ہے۔ جس کا لباس بھی کالا ہے آگ اور دھواں اس کے منہ سے نکل رہا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اس کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب دوبارہ ہوش میں آئے تو ملک الموت اپنی پہلی شکل میں آپ کے سامنے آئے۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے ملک الموت اگر گنہگار کو فقط تیری صورت ہی نظر آجائے تو اس کا عذاب ہی اس کیلئے بہت ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے نیک بندے اس ہیبت کا سامنا نہیں کرتے کہ ملک الموت کو وہ اچھی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اگر بالفرض وہ اس کے بعد قبر میں کچھ راحت و آرام نہ بھی پائیں تو ملک الموت کی وہ اچھی صورت ان کیلئے کافی ہے۔

منقول ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے دریافت کیا کہ تم مخلوق کے معاملہ میں عدل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ کسی کو دنیا سے جلد لے جاتے ہو اور کسی کو بہت مدت تک دنیا میں چھوڑ دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے ہر ایک کے نام کا اجازت نامہ مجھے دیا جاتا ہے اور میں اس حکم کے مطابق عمل کرتا ہوں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایک دن کسی بادشاہ نے سواری کے ارادہ سے لباس پہننا چاہا۔ نوکروں نے طرح طرح کے لباس حاضر خدمت کئے۔ اس نے ان میں سے سب سے بہتر لباس پہنا بہت سے گھوڑے حاضر کئے گئے تھے ان میں سے ایک بہت اچھا گھوڑا سواری کیلئے انتخاب کیا۔ اس پر سوار ہو کر بڑی شان و شوکت سے باہر نکلا۔ تکبر کے باعث کسی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا اس اثناء میں ملک الموت نے ایک میلے لباس والے درویش کی صورت میں اس کے پاس آکر سلام کیا۔ بادشاہ نے جواب نہیں دیا۔ تب درویش نے اس کی لگام پکڑ لی۔ بادشاہ نے کہا اے

فقیر لگام چھوڑ دے شاید تجھے معلوم نہیں کہ میں بادشاہ ہوں۔ اس نے کہا مجھے تجھ سے کام ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا ٹھہر میں گھوڑے سے نیچے اتر آؤں۔ درویش نے کہا کہ اترنے کی فرصت نہیں ہے۔ اسی وقت وہ کام چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے زچ ہو کر کہا کہ بتا کیا کام ہے۔ تب اس نے بادشاہ کے کان میں کہا کہ میں ملک الموت ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ ابھی تیری روح قبض کروں۔ یہ سنتے ہی بادشاہ کا رنگ فق ہو گیا اور بات کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ بمشکل تمام کہا کہ اتنی مہلت مجھے دیدو کہ میں گھر جا کر زن و فرزند سے رخصت ہو لوں۔ ملک الموت نے کہا یہ ممکن نہیں ہے۔ غرض اس وقت گھوڑے ہی پر بادشاہ کی روح قبض کر لی اور بادشاہ مردہ ہو کر گھوڑے سے گر پڑا اور ملک الموت وہاں سے رخصت ہو گیا۔

راہ میں ایک اور مومن کو دیکھا ملک الموت نے کہا مجھے تم سے ایک راز کی بات کہنی ہے۔ پوچھا وہ کیا ہے؟ کہا کہ میں ملک الموت ہوں اس نے جواب دیا مرحبا! مرحبا! میں تو بہت دنوں سے تمہارے انتظار میں تھا۔ مجھے تمہارا آنا بہت عزیز ہے۔ لو میری جان حاضر ہے قبض کر لو۔ ملک الموت نے کہا کہ اگر تم کو کچھ کام ہے تو پہلے اس کو کر لو۔ مرد مومن نے جواب دیا کہ مجھے اپنے پروردگار کے دیکھنے سے زیادہ کوئی ضروری کام نہیں ہے۔ تب ملک الموت نے کہا اچھا جس حالت میں تمہاری مرضی ہو اس حالت میں تمہاری روح قبض کروں۔ مرد مومن نے جواب دیا ذرا ٹھہر جاؤ۔ وضو کر کے نماز پڑھتا ہوں تم سجدہ کی حالت میں روح قبض کر لینا۔ چنانچہ ملک الموت نے ایسا ہی کیا۔ شیخ وہب بن منبہ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک بہت مغرور بادشاہ تھا۔ ملک الموت اس کی روح قبض کر کے آسمان پر لے گئے۔ فرشتوں نے ان سے پوچھا اے ملک الموت کبھی تم کو روح قبض کرتے وقت رحم بھی آیا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ایک حاملہ عورت جنگ میں تھی اس کے بچہ پیدا ہوا اور مجھے حکم جاری ہوا کہ اس عورت کی روح قبض کروں۔ چنانچہ اس عورت کی روح قبض کر کے بچہ کو تباہی کے عالم میں چھوڑ دیا۔ اس عورت کے مسافر ہونے اور اس بچہ کی تنہائی اور کسمپرسی پر مجھے رحم آگیا۔ ملائکہ نے ملک الموت سے کہا کہ تم نے اس بادشاہ کو بھی دیکھا جس کے مانند کوئی دوسرا بادشاہ اس روئے زمین پر نہیں تھا۔ انہوں نے کہا ہاں دیکھا ہے۔ ملائکہ نے کہا کہ یہ وہی لڑکا تھا جس کو تم نے صحرا میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ ملک الموت نے کہا سبحان اللہ! حق تعالیٰ کس قدر مہربان ہے۔

کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ شعبان کی پندرہ تاریخ کو ملک الموت کے ہاتھ میں ایک نامہ دیا جاتا ہے اور اس سال جس جس کی روح قبض کرنا ہوتی ہے اس پر تحریر ہوتا ہے۔ ان میں کوئی گھر تعمیر کراتا ہوتا ہے اور کوئی شادی کرتا ہے اور کوئی لڑنے جھگڑنے میں مشغول ہوتا ہے۔ ان سب اجل رسیدہ لوگوں کے نام اس میں تحریر ہوتے ہیں۔ اعمشؒ نے کہا ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کی محفل میں گئے اور ان کے ندیموں میں سے ایک ندیم کو گھور کر دیکھنے لگے۔ جب وہ باہر گئے تو اس ندیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ شخص جو مجھے یوں گھور رہا تھا کون تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ ملک الموت تھے۔ ندیم نے عرض کیا کہ شاید وہ میری روح قبض کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے ہندوستان کی سر زمین میں پہنچا دے۔ جب ملک الموت پھر یہاں آئیں گے تو موجود نہ پائیں

گے۔ سلیمان علیہ السلام نے ندیم کی پاس خاطر سے ہوا کو ایسا ہی حکم دیا۔ جب وہ فرشتہ پھر آیا تو سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تم نے میرے فلاں مصاحب کو گھور گھور کر کیوں دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا تھا کہ میں اس کی روح ہندوستان میں قبض کروں اور وہ شخص یہاں (بیت المقدس) موجود تھا۔ میں نے خیال کیا کہ ایک ساعت میں یہ شخص ہندوست کس طرح پہنچ سکے گا لیکن جب میں ہندوستان پہنچا تو میں نے اس کو وہاں موجود پایا میں نہایت متعجب ہوا (اور میں نے اس کی روح قبض کر لی)۔

مقصود ان حکایتوں سے یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو کہ ملک الموت سے چھپنا ممکن نہیں ہے۔ دوسری ہیبت ان دو فرشتوں کے دیکھنے کی ہے کہ جو ہر ایک انسان پر موکل ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ موت کے وقت یہ دونوں فرشتے انسان کو نظر آتے ہیں۔ اگر وہ بندہ نیک ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں۔ لا جزاک اللہ خیراً (اللہ تیرا بھلا کرے) ہمارے سامنے تو نے بہت سی بندگی کی ہے اور ہم کو خوش رکھا ہے اور اگر بندہ گنہگار ہوتا ہے تو کہتے ہیں لا جزاک اللہ (اللہ تیرا بھلا نہ کرے) تو نے ہمارے سامنے بہت سے گناہ اور بدکاریاں کی ہیں اس وقت مردہ کی آنکھ آسمان کی طرف رہتی ہے اور اس کی پتلیاں نیچے نہیں آتی ہیں (اس ہیبت کی وجہ سے) تیسری ہیبت یہ کہ انسان موت کے وقت اپنی جگہ اور اپنا مقام بہشت میں یا دوزخ میں دیکھتا ہے تب ملک الموت نیک بندہ سے کہتے ہیں کہ اے خدا کے دوست تجھے جنت کی بشارت دیتا ہوں اور گنہگار سے کہتے ہیں اے خدا کے دشمن! تجھے دوزخ کی خبر سناتا ہوں پس اس بات کا غم جاں کنی کی سختی کے سبب ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ سے پناہ مانگو اور ان ہیبتوں سے جو دنیا میں نظر آتی ہیں۔ قبر کی مصیبت اور قیامت کی سختی اس سے بھی کہیں زیادہ ہو گی۔"

قبر کا مردے سے کلام کرنا

حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میت کو قبر میں اتارتے ہیں تو قبر کہتی ہے۔ اے ابن آدم! تیرا برا ہو تو کس چیز پر مجھے بھول گیا تھا کیا تو نہیں سمجھا تھا میں محنت کا گھر ہوں اندھیری جگہ اور تنہائی کا مقام ہوں تو کس غفلت میں تھا۔ تیرا گذر قبرستان میں ہوتا تھا حیران ہو کر تو ایک ایک پاؤں آگے رکھتا تھا ایک پیچھے۔ پس اگر وہ مردہ نیکوکار ہوتا ہے تو کوئی اور اس کو جواب دیتا ہے کہ اے قبر تو یہ کیا کہتی ہے۔ یہ شخص صالح تھا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا تھا۔ تب قبر کہے گی اگر ایسا ہے تو میں اس پر "باغ" بن جاؤں گی۔ تب اس کا بدن نورانی بن جاتا ہے اور اس کی روح آسمان کی طرف جاتی ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب مردہ کو قبر میں اتارتے ہیں اور فرشتے عذاب دیتے ہیں تو اس کے آس پاس کے مردے اس سے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پیچھے آنے والے! تو ہم سے پیچھے رہ گیا تھا اور ہم تجھ سے پہلے آئے تھے تو نے ہم کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں حاصل کی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم یہاں آ گئے اور ہمارے اعمال ختم ہوئے تجھے تو مہلت ملی تھی جو بھلا اور اچھا کام ہم نہیں کر سکے تھے تو نے ویسا کام کیوں نہیں کیا اسی طرح زمین کے تمام گوشوں سے آواز آئے گی اے ظاہر دنیا

پر فریفتہ تو نے ان لوگوں کے حال سے عبرت کیوں حاصل نہیں کی جو تجھ سے پہلے مر گئے تھے اور تیری مانند غافل تھے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب نیک بندہ کو قبر میں اتارتے ہیں اس کے نیک اعمال اس کو گھیر لیتے ہیں اور اس کو عذاب سے بچاتے ہیں۔ جب عذاب کے فرشتے بائیں طرف سے آتے ہیں تو نماز سامنے آ کے کہتی ہے میں تجھے نہیں آنے دونگی کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے نمازیں پڑھتا تھا اور جب وہ سر کی طرف سے آتے ہیں روزہ کہتا ہے کہ میں تجھے نہیں آنے دوں گا کہ یہ شخص اللہ کیلئے بہت بھوکا پیاسا رہا ہے اور جب بدن کی طرف سے آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں ہم تجھے نہیں آنے دیں گے کیونکہ اس نے اپنے جسم پر (اللہ کی راہ میں) بہت تکلیف اٹھائی ہے اور جب ہاتھ کی طرف سے آتے ہیں تو صدقہ و خیرات کہتے ہیں اسے عذاب نہ دو کیونکہ اس ہاتھ سے اس نے بہت صدقہ دیا ہے۔ تب عذاب کے فرشتے کہتے ہیں تجھے مبارک ہو۔ اس کے بعد رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اس کی قبر میں بہشتی فرش لا کے بچھاتے ہیں اور قبر کو اس پر کشادہ کر دیتے ہیں اور جہاں تک نظر جاتی ہے وہاں تک گور کشادہ ہو جاتی ہے پھر وہ بہشت سے ایک قندیل لاتے ہیں جس سے قیامت کے دن تک قبر میں نور رہتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عبید نے فرمایا ہے کہ حضرت رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مردہ کو قبر میں اتارتے ہیں تو وہ ان لوگوں کے پاؤں کی آواز کو سنتا ہے جو جنازہ کے ساتھ آئے ہیں اور کوئی اس سے بات نہیں کرتا مگر قبر بولتی ہے اور کہتی ہے کہ اے شخص کیا میرے ہول اور میرے فشار کی خبر تجھ سے لوگ بار بار نہ کہتے تھے تو نے میرے واسطے کیا تیاری کی۔

منکر و نکیر کے سوالات

حضور پر نور ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی مرتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں کالے منہ آنکھیں نیلگوں، ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نکیر ہے۔ پھر یہ میت سے پوچھتے کہ رسول آخر الزمان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے اگر مردہ مومن ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ خدا کے بندہ اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے رسول ہیں۔ یہ کہتے ہی زمین طول اور عرض میں ستر ستر گز کشادہ ہو جاتی ہے اور اس کو روشن و پر نور کر کے کہتے ہیں سو جا اس طرح جیسے دولھا سوتا ہے۔ ایسا سو کہ تجھے کوئی بیدار نہ کر سکے سوائے اس کے جو عزیز قریب ہو۔ اگر مردہ منافق ہے تو کہے گا میں محمد مصطفیٰ ﷺ کو نہیں جانتا۔ ہاں لوگوں سے سنا تھا وہ ان کے بارے میں کچھ کہتے تھے میں بھی کچھ کہتا تھا پس زمین کو حکم ہو گا کہ اس مردہ کو دبا۔ وہ ایسا دبائے گی کہ اس کی دونوں طرف کی پسلیاں ایک دوسرے سے مل جائیں گی اور وہ اسی طرح قیامت تک عذاب میں رہے گا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! تم خود کو کیسا پاتے ہو؟ جبکہ تم مر جاؤ اور تمہارے لئے قبر کھودیں چار گز لمبی، سوا گز چوڑی۔ اس کے بعد تم کو نہلائیں اور کفنائیں اور اس گور میں رکھ کر تم پر مٹی ڈال کے واپس آ جائیں۔ قبر کے فتنہ والے منکر نکیر جن کی آوازیں گڑگڑاہٹ ہے اور ان کی آنکھیں بجلی کی مانند روشن، ان کے بال زمین سے لگتے ہوں گے وہ اپنے دانتوں سے قبر کی مٹی تلپٹ کر کے تم کو پکڑتے اور ہلاتے ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے فرمایا پروا نہیں میں ان کا جواب دوں گا ایک اور حدیث میں ہے کہ دو جانوروں کو کافر کی قبر میں

بھیجتے ہیں دونوں بہرے اور اندھے ہوتے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہو گا جس کا سر اتنا بڑا ہو گا جتنا اس ڈول کا جس میں اونٹ کو پانی پلاتے ہیں وہ جانور کافر کو قیامت تک اس گرز سے ماریں گے نہ ان کے آنکھ ہے جس سے دیکھ سکیں اور ان کو رحم آئے اور نہ کان کہ اس کی فریاد سن سکیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر ہر ایک میت کو دباتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس فشار قبر سے بچتا تو وہ سعد ابن معاذ (رضی اللہ عنہ) ہوتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اکرم ﷺ نے جب وفات پائی تو حضور نے ان کو قبر میں اتارا۔ آپ کا چہرہ نہایت متغیر ہوا اور جب آپ باہر تشریف لے آئے تو مزاج مبارک حال ہوئے۔ ہم نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے تغیر مزاج کا کیا سبب تھا فرمایا کہ میں نے قبر کے فشار اور عذاب کو یاد کیا تھا۔ مجھے غیب سے معلوم ہوا کہ خاتون زینب پر ان کو آسان کر دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے اس کی گور نے اس کو اتنا دبا دیا کہ اس کی آواز تمام جانور سنتے تھے۔

حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قبر میں کافر کو عذاب اس طرح ہوتا ہے کہ ننانوے اژدھے اس پر بھیجے جاتے ہیں اور ایک اژدھا نو سر والا ہوتا ہے یہ اس کو کاٹتے ہیں اور اس پر پھنکار مارتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر آسان گذر جائے تو جو عذاب کے بعد ہو گا وہ بھی آسان ہو گا اور اگر یہ منزل کٹھن اور دشوار ہو تو عذاب جو اس کے بعد ہے وہ سخت تر ہو گا۔ اے عزیز معلوم ہونا چاہئے کہ عذاب قبر کے بعد نفخہ صور کی ہیبت، روز قیامت کی ہیبت، روز قیامت کی درازی، اس کی گرمی اور پسینہ میں ڈوب جانا اس کے بعد گناہوں کی پرستش کی ہیبت ہے جو اس کے بعد نامہ اعمال کے باعث ہوئی اس کی ہیبت ہے۔ اس کے بعد اس کی رسوائی کی ہیبت ہے جو اس نامہ اعمال کی ہیبت ہو گی۔ اس کے بعد میزان کی ہیبت ہے کہ نیکیوں کا پلہ بھاری رہتا ہے یا گناہوں کا اس کے بعد حق داروں اور مدعیوں کے فریاد کی ہیبت ہے اور ان کے سوال کا جواب کا دھڑکا ہے۔ پھر پل صراط کی ہیبت ہے۔ پھر دوزخ کی ہیبت ہے اور وہاں کے فرشتوں کی اذیت، طوق و زنجیر، تھوڑا اور سانپ بچھوؤں وغیرہ کے عذابوں کی ہیبت ہے اور یہ عذاب دو طرح کے ہیں ایک جسمانی اور دوسرے روحانی، جسمانی عذاب کا بیان احیاء العلوم کے آخر میں تفصیل سے کیا گیا ہے اور جو دلائل اس بارے میں بیان کئے گئے ہم نے ان کو بیان کیا ہے اور موت کی حقیقت روح کی ماہیت کا احوال جو موت کے بعد ہوتا ہے عنوان قائم کر کے لکھا ہے جو کوئی عذاب جسمانی کی تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہے۔ وہ احیاء العلوم میں مطالعہ کرے اور روحانی عذاب کا بیان اس کے عنوان کے تحت کیا گیا ہے۔ اب یہاں دوبارہ ذکر کرنا طوالت کا موجب تھا۔ پس ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں اور اس باب کے آخر میں بزرگان دین نے جن مردوں کا احوال خواب میں دیکھا ہے۔ ہم تحریر کریں گے کیونکہ زندوں کو مردوں کا احوال کشف باطن سے معلوم ہوتا ہے۔ خواب میں یا بیداری میں لیکن حواس ظاہری سے اس کا علم ممکن نہیں ہے کیونکہ مردے ایسے عالم میں گئے ہیں کہ سارے حواس کو ان کا حال معلوم کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جس طرح کان رنگ سے بے خبر ہیں کہ سارے حواس کو ان کا حال معلوم کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جس سے عالم بقا کے مسافروں کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن جو اس ظاہری اور مشغلہ دنیا کے سبب سے وہ خاصیت مخفی رہتی ہے۔ جب نیند کے غالب ہو جانے سے انسان اشغال دنیوی سے آزادی پاتا ہے اور مردوں کی مانند ہو جاتا ہے تو ان کا

احوال ان پر ظاہر و مکشوف ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کی اسی خاصیت کے سبب سے مردوں کو ہماری خبر ہوتی ہے کہ وہ ہمارے نیک اعمال سے شاد اور ہمارے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں۔

یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو ہماری خبر اور ان کی خبر ہم کو لوح محفوظ کے واسطہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارا اور ان کا حال لوح محفوظ میں تحریر ہے جب آدمی کے دل کو لوح محفوظ کے ساتھ ایک نسبت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ خواب میں مردوں کا حال لوح محفوظ کے ذریعہ سے معلوم کرتا ہے اور جب مردے صاحب نسبت ہوں تو وہ ہمارا حال معلوم کرتے ہیں۔

لوح محفوظ کی مثال ایک آئینہ کی سی ہے۔ جس میں تمام اشیاء کی صورتیں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ آدمی کی روح بھی آئینہ کی طرح ہے اور مردے کی روح بھی اسی طرح ہے۔ پس جس طرح ایک آئینہ میں دوسرے آئینہ کا عکس پڑتا ہے۔ اسی طرح لوح محفوظ پر لکھی ہوئی بات ہمارے اور مردوں کے آئینہ ہائے دل پر جلوہ گر ہوتی ہے۔

تم یہ نہ سمجھ لینا کہ لوح محفوظ ایک جسم ہے جو مربع لکڑی یا آبنوس یا اور کسی چیز کا بنا ہوا ہے۔ جس کو ظاہر کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں اور وہ احوال جو اس میں تحریر ہیں ان کو پڑھ سکیں۔ اگر تم اس کی مثال معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کو اپنے باطن میں تلاش کرو کہ حق تعالیٰ نے تم میں ساری مخلوق کا نمونہ پیدا کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے تم ساری کائنات کو معلوم کر سکو جبکہ تم خود اپنی ذات سے بے خبر ہو دوسرے کو کس طرح پہچانو گے۔ لوح محفوظ کا نمونہ قاری کا دماغ ہے جس کو سارا قرآن ازبر ہے۔ گویا اس میں تحریر ہے وہ اس میں قرآن کو اس کی سطور کو اور حروف کو دیکھتا ہے (اور پڑھتا چلا جاتا ہے) اب اگر کوئی شخص ایسے دماغ کو ریزہ ریزہ کر کے چشم ظاہر سے اس کو دیکھے تو اس کو اس میں کہیں بھی قرآن تحریر کیا ہوا نظر نہیں آئے گا پس لوح محفوظ میں اسی طرح سے چیزیں تحریر ہیں چونکہ اس میں بے نہایت و شمار اشیاء تحریر ہیں او منقوش ہیں اور چشم کی بصارت محدود ہے ظاہر ہے کہ نامتناہی کو متناہی میں کس طرح محسوس نقوش میں تحریر کیا جا سکتا ہے۔ پس اس کا خط اور اس کی تختی، اس کا قلم اور لکھنے والا تھا ان سب میں کوئی بھی تمہارے عضو کے مانند نہیں ہے جس طرح اس کا کاتب تم سے مشابہہ نہیں ہے بلکہ یہاں تو یہ معاملہ ہے کہ "گھر کا جو کچھ بھی ہے سامان مالک سے ہے مشابہہ" اس تمام گفتگو سے مقصود یہ ہے کہ مردوں کو ہمارے حال کی اور ہم کو ان کی خبر ہوتی ہے۔ اس کو تم محال مت سمجھو۔

مردوں کو اچھے اور برے حال میں دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جیتے ہیں۔ راحت میں ہیں یا عذاب میں دنیا سے جو گذر گئے وہ نیست نہیں ہوئے ہیں اور مرے نہیں ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ اور تم کو ان کو مردہ گمان نہ کرو جو راہ خدا میں مارے گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس اور ان کو روزی دی جاتی ہے اور اس پر شادماں ہیں جو کچھ ان کے رب نے اپنے فضل سے عطا کیا ہے۔ (سورۃ فتح)

☆..........☆..........☆
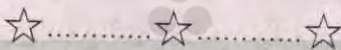
مردوں کے احوال

خواب میں مکشوف ہوئے

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے ناخوش ہیں میں نے دریافت کیا کہ حضور اس ناخوشی کا موجب کیا ہے۔ تو حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ کیا تو روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے بوسے لینے سے پرہیز نہیں کر سکتا تھا (نتوانی کہ در روزہ اہل خود بوسہ نہ دہی : کیمیائے سعادت نو لکشوری نسخہ صفحہ ۵۶۴ سطر ۶) پھر کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے ایسا نہیں کیا۔ اگرچہ یہ بوسہ حرام نہیں لیکن اس کا نہ کرنا ہی اولیٰ ہے۔ لیکن ایسے دقائق میں صدیقوں کو معاف نہیں کیا جاتا ہے۔ اگرچہ دوسروں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی آپ کی وفات کے بعد میں نے چاہا کہ آپ کو خواب میں دیکھوں۔ ایک سال کے بعد میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ آپ اپنی آنکھیں مل رہے تھے۔ فرمایا کہ میں ابھی حساب سے فارغ ہوا ہوں اگر حق تعالیٰ کریم نہ ہوتا تو بہت مشکل آپڑی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں میں نے ابولہب کو خواب میں دیکھا آگ میں جل رہا تھا۔ میں نے پوچھا تیرا کیا حال ہے؟ کہا کہ ہمیشہ سے عذاب میں گرفتار ہوں۔ صرف پیر کی شب عذاب نہیں ہوتا جس میں رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تھے تو جب میں نے یہ بشارت ولادت سنی تو ایک کنیز کو خوشی سے آزاد کر دیا تھا اس کی جزا میں پیر کی رات کو مجھ پر عذاب نہیں ہوتا۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ حضرات ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا یکایک امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہٗ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کو لایا گیا دونوں کو حضور علیہ التحیۃ الثناء کے گھر کے اندر بھیج دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ تب میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو دیکھا کہ گھر سے باہر آکر وہ فرمانے لگے قضی لی و رب الکعبہ یعنی واللہ مجھے میرا حق دلوا دیا گیا اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ باہر آئے اور کہا غفرلی و رب الکعبہ یعنی واللہ مجھے بخش دیا گیا۔

نقل ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دن حضرت حسین رضی اللہ عنہٗ کی شہادت سے قبل نیند سے اٹھ کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ لوگ کہنے لگے کیا حادثہ ہو گیا انہوں نے کہا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہٗ کو دشمنوں نے شہید کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے ساتھ ایک آبگینہ خون سے بھرا ہوا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے دیکھا کہ میری

امت کے لوگوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ میرے فرزند کو ناحق مار ڈالا یہ اس کا اور اس کے رفیقوں کا خون ہے۔ اس کو حق تعالیٰ کے پاس داد خواہی کیلئے لے کر جارہا ہوں۔ اس خواب کے چوبیس دن کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آگئی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ ہمیشہ زبان کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے میرے سامنے بہت سے کام رکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اس زبان سے لاالٰہ الا اللہ کہا تھا تو بہشت میرے سامنے رکھی گئی ہے (بہشت عطا کی گئی ہے) شیخ یوسف بن الحسین کو کسی نے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کہا اس نے رحمت سے نوازا۔ پوچھا کس عمل کے باعث ؟ انہوں نے کہا کہ صرف اس بات سے کہ میں نے سچائی میں کبھی مزاح کو شامل نہیں کیا۔

شیخ منصور بن اسماعیل فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عبداللہ بزاز کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ انہوں نے کہا میں نے ہر ایک گناہ کا اقرار کیا اس کو معاف کر دیا گیا۔ ایک گناہ کا اقرار کرتے اس کے حضور مجھے شرم آئی۔ مجھے ایسے کھڑا کیا گیا کہ میرے منہ کا تمام گوشت گل کر زمین پر گر پڑا۔ میں نے پوچھا وہ کونسا گناہ تھا جس کی یہ سزا ہے انہوں نے کہا کہ ایک خوبصورت غلام کو میں نے بنظر شہوت دیکھا تھا۔ شیخ ابو جعفر صدلان کہتے ہیں کہ مین نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا۔ ایک گروہ درویشوں یعنی صوفیوں کا ساتھ بیٹھا تھا۔ دو فرشتے آسمان سے اترے ایک کے ہاتھ میں آفتابہ تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں طشت۔ حضور اکرم ﷺ نے دست ہائے اقدس دھوئے پھر تمام درویشوں نے اس کے بعد میرے سامنے بھی طشت رکھا گیا تا کہ میں بھی ہاتھ دھولوں ان درویشوں میں سے ایک نے کہا کہ اس کے ہاتھ پر پانی نہ ڈالو کہ یہ ان درویشوں میں سے نہیں ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی جس قوم کو دوست رکھتا ہے۔ وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے اور میں ان درویشوں اور صوفیوں کو دوست رکھتا ہوں یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ہاتھ بھی دھلاؤ یہ بھی ان میں سے ہے۔ شیخ مجمعؒ کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ کیا معاملہ پیش آیا۔ ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا تو شیخ مجمعؒ نے کہا کہ دنیا اور آخرت کی زیادہ بھلائی ان کے حصہ میں آئی۔

حضرت زرارہؓ ابن ابی اوفی کو خواب میں کسی نے دیکھا تو ان سے دریافت کیا کہ آپ نے اعمال میں سب سے بڑھ کر کس چیز کو پایا۔ انہوں نے جواب دیا "دررضا بحکم خدا سب سے بہتر عمل اور کوتاہی امل"

یریذ بن مذعور کہتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ مجھے بہترین عمل سے آگاہ فرمایئے تاکہ میں اس کے حصول کی کوشش کروں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے عالموں کے درجہ سے بلند کوئی درجہ نہیں دیکھا لیکن اس سے بھی ایک بلند درجہ ہے اور وہ غمگین رہنے والوں کا ہے (جو دنیا کا غم واندوہ کرتے رہتے ہیں)۔

ابن یزیدؒ ایک بوڑھے شخص تھے اس خواب کے بعد سے انہیں ہمیشہ روتا پایا گیا جب تک وہ زندہ رہے یہاں تک کہ

روتے روتے ان کی بصارت ختم ہو گئی (تادم مرگ روتے ہی رہے)۔

امام ابن عینیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا میں نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ہر اس گناہ کو بخش دیا جس پر میں نے استغفار کرلی تھی لیکن جس گناہ پر استغفار نہیں کی تھی اس کو معاف نہیں فرمایا۔

زبیدہ خاتونؒ (زوجہ ہارون الرشید) کو خواب میں دیکھا دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک قدم پل صراط پر رکھا تو دوسرا قدم میرا بہشت میں تھا۔ شیخ احمدؒ بن الحواری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو خواب میں دیکھا اس کی ایسی حسین شکل تھی کہ کسی نے بھی ایسی حسین شکل نہیں دیکھی ہو گی اس کے چہرہ پر ایک نور چمک رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے چہرہ کا یہ نور اور یہ تابانی کس سبب سے ہے؟ اس نے جواب دیا تم کو یاد ہو گا کہ فلاں رات تم اللہ تعالیٰ کی یاد میں خوب گریہ وزاری کر رہے تھے میں نے کہا ہاں مجھے یاد ہے میری بیوی نے کہا تمہارے وہی آنسو میں نے اپنے منہ پر مل لئے تھے یہ اسی کا نور ہے۔ شیخ کنعانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ جنید قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا تو میں نے دریافت کیا کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ مجھ پر رحمت فرمائی اور میری وہ تمام ریاضت و عبادات برباد گئیں۔ ان سے مجھے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ بس نماز کی وہ رکعتیں کام آئیں جو میں رات میں پڑھتا تھا۔

کسی شخص نے زبیدہ خاتون کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو کیا جزا دی انہوں نے کہا کہ ان چار کلمات کے پڑھنے کے باعث مجھ پر رحمت فرمائی لا الہ اللہ افنی بھا عمری (۲) لا الہ الا اللہ ادخل بھا قبری (۳) لا الہ اللہ اخلو بھا وحدی (۴) لا الہ اللہ القی بھا ربی۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ انہوں نے فرمایا مجھ پر رحمت فرمائی اور فرمایا کہ مجھ سے اس قدر ترساں اور خوف زدہ رہتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی تھی۔ شیخ ابو سلیمان دارانیؒ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ کیسی گذری فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحمت فرمائی اور کسی چیز نے مجھے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا اہل دین میں انگشت نما بنے رہنے سے (لوگ مجھ پر انگشت نمائی کرتے اور کہتے کہ یہ صاحب ایمان ہے)۔ شیخ ابو سعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا میں نے اپنا عصا اٹھایا تاکہ اسے ماروں لیکن اس نے کچھ بھی پرواہ نہیں کی (ذرا بھی نہ ڈرا) ہاتف غیبی نے اس وقت آواز دی کہ شیطان ایسے ڈنڈوں سے نہیں ڈرتا ہے یہ تو اس نور (ایمان) سے ڈرتا ہے جو دل میں ہوتا ہے۔

شیخ مسوجیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا کہ تجھے مردوں سے شرم نہیں آتی۔ اس نے کہا کہ یہ جوانمرد کہاں ہیں اگر یہ مرد ہوتے تو میں ان کے ساتھ اس طرح نہ کھیلتا جس طرح بچے بچوں کے ساتھ گیند کھیلتے ہیں۔ جواں مرد تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھے کمزور ناتواں کر دیا ہے۔ یعنی حضرات صوفیہ۔ شیخ ابو سعید خرازؒ

فرماتے ہیں کہ میں دمشق میں تھا کہ رسول خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت والا تشریف لا رہے ہیں اور ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر سہارا لئے ہوئے ہیں۔ میں ایک شعر پڑھ رہا تھا اور سینہ پر انگلی مارتا جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اس کا شر اس کے خیر سے زیادہ ہے۔

حضرت شبلیؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا ابھی ان کے انتقال کو صرف تین دن ہوئے تھے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میرا بہت سخت حساب لیا گیا۔ میں تو ناامید ہو گیا تھا کہ میری ناامیدی دیکھ کر مجھ پر رحمت نازل فرمادی۔ حضرت سفیان ثوری قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہئے کیسے گذری۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحمت فرمائی ان سے پوچھا گیا کہ عبداللہ کس حال میں ہیں انہوں نے کہا کہ ان کو دو مرتبہ روزانہ دیدار الٰہی سے نوازا جاتا ہے۔ مالک بن انس رضی اللہ عنہٗ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا انہوں نے فرمایا کہ محض اس کلمہ کی بدولت مجھ پر رحمت فرمائی جو میں نے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہٗ سے سنا تھا کہ جب وہ کوئی جنازہ دیکھتے تو فرماتے: سبحان الحی لا یموت (پاک ہے وہ اللہ جو زندہ ہے اور جس کیلئے موت نہیں ہے) جس رات میں شیخ حسن بصریؒ کا انتقال ہوا اسی شب خواب میں دیکھا گیا کہ آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور یہ منادی کی جارہی تھی کہ حسن بصری نے اللہ کا دیدار کیا اور شادماں ہوئے۔

شیخ جنیدؒ نے ابلیس کو خواب میں دیکھا تو کہا تجھے مردوں (کا مقابلہ کرنے) سے شرم نہیں آتی تو اس نے کہا یہ مرد کب ہیں۔ مرد تو وہ ہیں جو شونیزیہ میں ہیں جنہوں نے مجھے اتنا لاغر کر رکھا ہے۔ شیخ جنید نے فرمایا کہ صبح کو میں جامع شونیزیہ جانے کیلئے گھر سے نکلا تو میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ سر بزانو بیٹھے ہوئے ہیں اور مجھ سے فرمایا کہ اس ملعون ابلین کے قول پر غرور نہ کرنا۔

عتبۃ انعلام نے ایک حور بہشتی کو خواب میں دیکھا بہت ہی حسن و جمال کے ساتھ۔ اس حور نے کہا اے عتبہ میں تم پر عاشق ہوں دیکھو ایسا کوئی کام نہ کرنا جس کے باعث میں تم کو نہ مل سکوں۔ عتبہ نے کہا کہ میں تو دنیا کو تین طلاقوں دے چکا ہوں اب میں اس کے پاس نہ پھٹکوں گا کہ پھر اس میں مصروف رہ کر تم کو حاصل کرنے کی کوشش کروں۔

شیخ ابو ایوبؒ سجستانی نے ایک مفسد شخص کا جنازہ دیکھا یہ اپنے بالاخانہ پر چڑھ گئے تا کہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ اسی رات انہوں نے اس مردہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا کیا اس نے کہا کہ رحمت فرمائی اور کہا کہ ابو ایوب سے کہدو۔ قُلْ لَوْ اَنْتُمْ تَمْلِکُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَکْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ط (یعنی رحمت الٰہی کے خزانے اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم بربنائے بخل اس میں سے کچھ خرچ نہ کرتے)۔

جس رات شیخ داؤد طائی قدس سرہٗ نے وفات پائی اسی رات کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ فرشتے آ جارہے ہیں پوچھا آج یہ کیسی رات ہے فرشتوں نے کہا کہ آج رات داؤد طائی کا انتقال ہوا ہے۔ بہشت کو اس کیلئے سجایا جارہا ہے۔ شیخ ابو سعید شحامؒ نے کہا کہ شیخ سہل معاء کی کو میں نے خواب میں دیکھا تو میں نے انہیں پکارا کہ اے خواجہ! انہوں نے جواب دیا

کہ مجھے خواجہ نہ کہو۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے وہ سب اعمال کیا ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ان سے کچھ نے فائدہ پہنچایا جو بوڑھی عورتیں مجھ سے دریافت کرتی تھیں۔

ربیع بن سلیمان نے کہا کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو میں نے خواب میں دیکھا میں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا کہ مجھے سنہری کرسی پر بٹھایا گیا اور آب دار موتی مجھ پر نچھاور کئے گئے۔ امام شافعی نے پھر فرمایا کہ مجھے ایک مشکل درپیش ہوئی جس کے بارے میں مجھے بڑی فکر تھی خواب میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے کہا اے محمد ادریس تم یہ دعا پڑھو۔ اللھم انی لا املک لنفسی ضرا ولا مرتاً و لا حیوۃ ولا نشوزا ولا استطیع ان اٰخذلا ما اعطیتنی ولا ان النی الا مائو وفیتن اللھم و فقنی لما تحب و ترضی من القول و العمل فی عاقبۃ صبح کو جب میں اٹھا اور میں نے یہ دعا پڑھی تو دن چڑھے وہ مشکل حل ہو گئی۔ تم اس دعا کو کبھی فراموش نہ کرنا۔

شیخ عتبۃ انعلام کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارے گھر کی دیوار پر جو یہ دعا لکھی ہوئی تھی اس دعا کے پڑھنے کے صلہ میں مجھے بخش دیا۔ خواب میں کہنے والا شخص کہتا ہے کہ جب صبح کو میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے گھر کی دیوار پر عتبۃ الغلام کے خط میں یہ دعا لکھی ہوئی تھی۔

یا ہادی المضلین یا راحم المذبنین و یا مقبل عثرات العاثرین ارحم عبدک ذا الخطر العظیم و المسلمین کلھم اجعین و اجعلنا مع الاحیاء المرزوقین الذین انعمت علیھم من النبیّن و الصدّیقین و الشھداء والصالحین امین یا رب العلمین ٥

موت کے ذکر کا اس قدر بیان یہاں کافی ہے۔ ہم نے کتاب کیمیائے سعادت کو اس پر ختم کیا اور ایسے نیک بندوں سے جو اس کا مطالعہ کریں اور اس سے نفع پذیر ہوں ہم کو امید ہے کہ مصنف کو دعائے خیر سے یاد کریں گے (دعائے خیر میں فراموش نہیں کریں گے) اور حق تعالیٰ سے مصنف کی مغفرت کی دعا مانگیں گے تاکہ اگر بیان میں کچھ تقصیر ہوئی ہو یا تکلف اور ریا کا خیال اس کے دل میں آیا ہو تو حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور ان (مطالعہ کرنے والے حضرات) کی دعا کی برکت سے اس کو بخش دے اور اس کتاب (کی تالیف) کے ثواب سے اس کو محروم نہ کرے کہ کوئی نقصان اس سے عظیم تر نہ ہو گا کہ کوئی شخص مخلوق کو خدا کی طرف بلائے اور خود ریا اور اغراض نفسانی کی وجہ سے حق تعالیٰ کی درگاہ سے دور رہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوذُ بعفوکَ مَنْ عِقابکَ وَ نَعُوذُ برضاکَ مَنْ سَخَطِکَ وَ نَعُوذَ بکَ مِنکَ لا تُحصٰی ثَناءً عَلَیکَ اَنتَ کَمَا اَثنَیتَ علٰے نَفسِکَ وَ الحَمدُ لِلّٰہِ وَحدَہٗ۔

ختم شد

اردو ترجمہ کیمیائے سعادت بعونہ تعالیٰ

عُمدۃ المتکلمین زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حجۃ الاسلام امام

ابوحامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ

کی تحقیق انیق اور علوم و معارف کے بے بہا خزانہ

احیاء علوم الدین

المعروف احیاء العلوم کا با محاورہ مستند اردو ترجمہ

مصباح السالکین

مترجم : مولانا محمد صدیق ہزاروی

تھی- غائب ہو جانا دو طرح سے ہوتا ہے ایک روحِ حیوانی کے مرنے سے دوسرے اس کے بے طاقت ہونے سے اور اس جہان میں کوئی شخص جنت کو دیکھ سکتا- جس طرح ساتوں آسمان اور ساتوں زمین پستے کے چھلکے میں نہیں سما سکتے- اسی طرح جنت کا ایک ذرہ اس جہان میں نہیں سما سکتا- بلکہ قوت سامعہ جس طرح اس امر سے معزول ہے کہ آنکھ میں آسمان کی صورت جیسے پیدا ہوتی ہے- ویسی ہی اس میں بھی پیدا ہو- اس طرح اس جہان کے تمام حواس بہشت کے تمام ذروں سے معزول ہیں اور اس جہان کے حواس ان کے علاوہ ہیں-

فصل : اب عذابِ قبر کو پہچانئے- اے عزیز جان کہ عذاب قبر کی بھی دو قسمیں ہیں- ایک روحانی دوسرا جسمانی' جسمانی سب لوگ جانتے ہیں لیکن روحانی کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ شخص جس نے اپنے آپ کو اور اپنی روح کی حقیقت کو جانا ہو کہ وہ اپنی ذات سے قائم اور اپنے قائم ہونے میں قالب سے بے نیاز ہے- تو موت کے باوجود وہ روح باقی رہے گی- موت اس کو نیست و نابود نہ کرے گی- لیکن ہاتھ' پاؤں' آنکھ' کان اور باقی سب حواس اس سے پھیر لیں گے اور جب حواس اس سے لے لیے تو بیوی' لڑکے' مال' کھیتی' لونڈی' غلام' گائے' بیل' گھر بار' عزیز و اقارب بلکہ زمین و آسمان اور جو چیزیں ان حواس سے دریافت ہو سکتی ہیں- سب اس سے پھیر لیں گے- اگر یہ چیزیں اس کی محبوب اور معشوق تھیں اور اس نے اپنا آپ بالکل ان چیزوں کے حوالے کر دیا ہے- تو مرنے کے بعد ان کی جدائی کے عذاب میں رہے گا- اور اگر سب سے فارغ تھا اور دنیا میں کسی کو محبوب نہ رکھتا تھا بلکہ موت کا آرزومند رہتا تھا- تو راحت و آرام میں رہے گا اور اگر اس نے خدا کی دوستی حاصل کی تھی' اللہ کی یاد کے ساتھ محبت و انس کا درجہ پایا تھا- اور اپنا آپ بالکل اسی کو دے دیا تھا- اسباب دنیا سے متنفر و بیزار رہتا تھا- تو جب وصال کر گیا اپنے معشوق کے پاس جا پہنچا- مزاحمت اور تشویش میں رکھنے والا سامان دینا درمیان سے جاتا رہا اور یہ اپنی سعادت کو پہنچ گیا- اے عزیز غور کر کہ جو شخص اپنے آپ کو یہ جانے کہ موت کے بعد باقی رہوں گا اور اس کی مرغوب اور محبوب چیزیں دنیا میں رہ جائے گی تو ضرور اسے یہ یقین آجائے گا کہ جب میں دنیا سے جاؤں گا تو اپنی محبوب و مرغوب اشیاء کی جدائی سے رنج و عذاب اٹھاؤں گا- جیسا کہ جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ :

اَحْبِبْ مَا اَحْبَبْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ — دوست رکھ جسے تو دوست رکھتا ہے بے شک تو اسے چھوڑ جانے والا ہے-

جب کوئی یہ جان لے کہ میرا محبوب خدا تعالیٰ ہے اور اندازہ کے مطابق اپنا توشہ لے کر باقی دنیا و مافیہا سے دشمنی رکھے- تو ضرور بالضرور اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ میں جب دنیا سے جاؤں گا تو رنج سے نجات پاؤں گا- راحت اٹھاؤں گا- جو شخص اس بات کو سمجھ لے گا اسے عذاب قبر میں ہرگز کوئی شبہ باقی نہ رہے گا- وہ یقین کر لے گا کہ عذاب قبر حق ہے اور پرہیزگاروں کے لیے نہیں بلکہ دنیاداروں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے اپنے آپ کو بالکل دنیا کے حوالے کر دیا تھا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ حدیث ان ہی معنوں میں ہے :